۳—نمبر ۱ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار—لکھنؤ یکم جنوری ۱۹۳۹ع | فی پرچہ ۱

انصاری پورہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری (سابق صدر کانگرس) کے جنازے کا جلوس
ڈاکٹر انصاری نے ایک طویل علالت کے بعد ۱۱ دسمبر کو دہلی میں انتقال کیا

گتھیوں کا سلجھاؤ

بمبئی میں پنڈت جواہر لال نہرو مسٹر وی سٹی گری وزیر مدارس سے قومی تعمیری کمیٹی کے سلسلہ میں کوئی اہم گفتگو کررہے ہیں—

پنڈت گوبند بلبھ پنت وزیر اعظم یوپی پولیس ٹریننگ کالج کے طلباء کا

جلد ۳ ... کانگریس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ یکم جنوری ۱۹۳۹ ع

... بھوپال ڈاکٹر مختار احمد انصاری (سابق صدر کانگریس) کے جنازے د
... انصاری نے ایک طویل علالت کے بعد ۱۱ دسمبر کو دہلی میں انتقال کیا

ترقی پسند ادب

ترقی پسند مصنفین کی چوتھی کانفرنس کلکتہ میں ہو رہی ہے۔ اب اس تحریک نے ہندستان میں خاصی جگہ پکڑ لی ہے۔ ہر زبان میں اس رنگ کے لکھنے والے نظر آتے ہیں۔ ہر رسالے، ہر اخبار میں برابر ایسی نظمیں اور افسانے نکلتے رہتے ہیں جو اگر ترقی پسند نہیں ہوتے، تو ترقی پسندی کی نقل ضرور ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے لکھنے والے جو پرانی لکیر کے فقیر بننے پر فخر کرتے تھے۔ اب اپنی ڈگر کو چھوڑ نئے میدانوں میں قدم رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ایک بہت بڑی جماعت اس تحریک کا منشا نہیں سمجھی۔ ہمارے ملک کے کئی بڑے بڑے اخبار ہیں ایک آدھ قوم پرست بھی ہیں اس تحریک کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ ادب صرف سوشلزم کا پروپگنڈا ہوتا ہے۔ اور پروپگنڈا کبھی ادب نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ پروپگنڈے اور ادب کے مفہوم کو بری طرح ملا دیتے ہیں۔

کسی ادب میں پروپگنڈا نہیں ہوتا۔ ہر ادیب اور شاعر کے دل میں کچھ آرزوئیں ہوتی ہیں جن کو وہ اسی دنیا میں پورا ہوتا دیکھنا چاہتا ہے۔ جو چیزیں اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہیں ان پر اسکو غصہ آتا ہے۔ اور جو چیزیں اسکو منزل سے قریب کرتی ہیں ان سے خوش ہوتا ہے۔ اور یہی ادیب کی خاص دنیا ہوتی ہے۔ یہی اس کی ذہنیت ہوتی ہے اور یہی اس کا نقطہ نگاہ۔ اب پڑھنے والا جب اس کی چیزیں پڑھتا ہے تو اس کی آرزوئیں اور اس کی منزل اس کی منزل ہو جاتی ہے۔ اب اسکو بھی ان پر غصہ آتا ہے جن پر ادیب کو غصہ آتا ہے، اور اس کو بھی ان چیزوں کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔ جنکے ملنے سے ادیب کو خوشی ہوتی ہے۔ اس طرح ادیب اپنی دنیا کا لوگوں پر پروپگنڈا کرتا ہے۔

شیخ سعدی نے گلستاں اور بوستاں میں اخلاق کا پروپگنڈا کیا ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ میں بہادری، سچی محبت اور اسی قسم کے اخلاقیات کا پروپگنڈا کیا ہے۔ رامائن اور مہابھارت بھی اسی قسم کے پروپگنڈے سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ تو ہوئیں پرانی کتابیں۔ اب نئے ادیب تو جو کچھ لکھتے ہیں سب پروپگنڈا ہوتا ہے۔ مثلاً برنارڈ شا کے سب ڈرامے سوشلزم کا پروپگنڈا کرتے ہیں۔

لیکن کیا بات ہے کہ ان ادیبوں کے پروپگنڈے کو یہ لوگ پروپگنڈا نہیں کہتے۔ اور ان کی کتابوں کو شاہکار مانتے ہیں۔ پروپگنڈے اور ادب میں فرق یہ ہے کہ ادیب اپنی دل کی آرزو اس کی دنیا کی طرف جب لوگوں کو بلانا چاہتا ہے، تو اسکے ساتھ اسکے تمام مشاہدے، اور تمام آرزوئیں بھی چلتی ہیں اسلئے اسکی لکھی ہوئی چیزیں میں جذبات اُبھر کر ابھر ہوتے ہیں، اور یوں وہ چیز ادبی شاہکار بن جاتی ہے۔ لیکن جب پروپگنڈے کے لئے کوئی چیز لکھی جاتی ہے تو کوشش کر کے دو ایک بھرتی کی باتوں سے وہ چیز تیار کر دی جاتی ہے۔ اس طرح وہ ایک بے جان چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثال میں یوں لیجئے کہ آجکل چائے کے پروپگنڈے کے لئے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ لیکن وہ صرف پروپگنڈا ہے۔ اسکے برخلاف اگر کوئی شخص واقعی چائے سے لطف اٹھاتا ہے، وہ اس کی تعریف میں دل سے کچھ لکھے تو وہ ادب ہوگا۔

جس طرح یہ بات چائے کے لئے درست ہے ویسے ہی مزدوروں اور کسانوں کی ہمدردی، سوشلزم، بیداری، اور غریبی کیلئے درست ہے۔ یعنی اگر کوئی صرف اسلئے لکھے کہ آجکل اسی کا رواج ہے تو وہ چیز پروپگنڈہ ہو جائیگی۔ لیکن اگر کوئی یہ محسوس کرکے لکھے تو وہ ادب ہوگا۔ اسی اصول پر آجکل کے افسانے اور نظمیں اخباروں اور رسالوں میں کثرت نظر آتی ہیں جن کا منشا صرف اتنا ہوتا ہے کہ مزدوروں اور کسانوں کی حالت پر دو آنسو بہا دیں اور نظام زرداری کو دو آنسو دیں اور بس۔ ان میں ادبی خوبیاں کم ہوتی ہیں اور پروپگنڈے کی زیادہ۔

جس طرح ہمیشہ سے ادب، آرزوں، حسرتوں، غم و غصہ، خوشی اور تعجب اور اسی قسم کے جذبات کو دکھاتا آیا ہے، اب بھی دکھاتا ہے۔ لیکن اب ان جذبات کے خلاف بدل گئے ہیں۔ جیسے کوہ قاف کی سیر، اڑن کھٹولے پر بیٹھنے کی تمنائیں۔ اب ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھنے۔

اور جانتک ہوائی جہاز کے ذریعہ جانے کی تمنا ہے۔ جو غیر اور
دیا رسے وہ بہادر تھا۔ اب جو سامراج کا مقابلہ کرے، اور اسکے لئے
جیل میں زندگی کاٹ دے وہ بہادر ہے۔ پہلے غریبی سے گھبرا کر الدین
کا چراغ، گولر کا پھول اور گڑے ہوئے خزانے کی تلاش ہوتی تھی، اب
سماج کی ایسی کایا پلٹ دینے کی تمنا ہوتی ہے جس سے غریبی ہمیشہ کے لئے
رخصت ہوجائے۔

اسی طرح ایک نسان کے تجربوں نے بہت سی باتیں سکھا دی ہیں۔
مثلاً اب انسان نہ تو بجلی کو بھوت، چمک اور گرج کو دیوتا سمجھ سکتا ہے،
اور نہ ان سے ڈر سکتا ہے۔ جادو، طلسم کا عقیدہ عملی دنیا سے بالکل
رخصت ہوگیا ہے۔ اب اس دور میں اگر کوئی ادیب یہ عقیدے رکھکر
شاعری کرے، تو اس کی بات بہت ہلکی نظر آئے گی۔
سب سے بڑا اثر ادب پر جس عقیدہ کے بدل جانے سے پڑا ہے
وہ سماج ہے۔ پہلے سماج کی بناوٹ کو مستقل مانتے تھے۔ سب سے بڑا
بادشاہ ہوتا تھا۔ اسکے نیچے امرا، اور سب سے نیچے مزدور اور کسان
کی تہ۔ اور جہاں اس بناوٹ کو مان لیا، پھر امیری غریبی، نیچ ذات اونچ
ذات، سب تقدیر اور کرم کا کھلونا بن جاتے ہیں۔ اسوقت اگر کوئی غریبی بیماری
یا ذلت سے گھبرائے تو جنم یا تقدیر اور زمانے کو رو دیتے اور خاموش
ہوجاتے۔ لیکن اب معلوم ہوگیا ہے کہ سماج کی بناوٹ بدل سکتی ہے۔
اور اسکے بدلنے سے غریب امیر بن سکتے ہیں، ذاتوں کی تفریق مٹ سکتی
ہے۔ اسی طرح اور بھی انسان نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے، اور سیکھ کر اسپر
عمل بھی کرنے لگا ہے۔ مثلاً ملکی تحریکیں، مزدوروں اور کسانوں کی
اپنی غریبی کے خلاف لڑائیاں یہ سب نئے تجربوں کا نتیجہ ہیں۔
ملک کی لڑائیاں جن میں لاکھوں نوجوان خوشی خوشی پولیس
کے ڈنڈے کھائیں۔ محبت اور عیش وعشرت کی تمناؤں کو بھلا کر،
اپنی جوانیاں جیلوں میں کاٹیں کتنے گہرے جذبات کو لئے ہوں گی۔
ان نوجوانوں کو اس سماج سے نفرت ہے۔ انکی سب سے بڑی خوشی
یہی ہے کہ یہ سماج توڑ کر دوسرے ڈھنگ پر بنائی جائے، جہاں سب
سکھ سے رہیں۔۔۔ ایسا سماج بنانے کے لئے وہ اپنی جانیں تک لٹا دینگے۔
کیونکہ انکو یقین ہے کہ ہمارے مصیبتیں جھیلنے اور جان دینے سے دنیا
ایسے ایسے سماج سے قریب تر ہوجائے گی۔
ساری دنیا اچھے سماج کی طرف دوڑ رہی ہے۔ اچھا سماج
کیا ہوگا؟ وہاں ہر ایک، بچے، بوڑھے، مرد و عورت، سب کو
اچھا کھانا، اچھا کپڑا، اچھا مکان، دوا علاج، تفریح سب ملیگی۔
وہ دنیا نئی ہوگی۔۔۔ جب تیار ہوجائے گی تو آجکل جذبات کی جو الجھنیں
ہیں وہ نہیں رہیں گی۔
یہ وہ منزلیں ہیں جنمیں سے ادب کو گذرنا ہے۔ جو ادب
ابھی تک کوہ قاف، جادو طلسم، بادشاہ اور امیر کی دنیا میں پڑا ہوا
ہے۔ وہ رجعت پسند ادب ہے، اور جو جیل بدل کر زمانے کیساتھ
آرہا ہے۔ جس نے اپنی نگاہ بدل لی ہے، جو تجربوں سے فائدہ اٹھارہا
ہے۔ اور نئے جذبات ادا کر رہا ہے وہ ترقی پسند ادب ہے۔

اب ادیب کے لئے کچھ شرطیں بھی بڑھ گئی ہیں، پہلے اسکو
صرف جذبات کی ضرورت ہوتی تھی۔ اب اسکی بھی ضرورت ہے کہ انسانوں
کے تجربوں کو سمجھے۔ زمانہ کی دوڑ کو دیکھے اور سمجھے۔ ملک کی تحریکوں
سے جتنا ممکن ہو اتنا قریب رہے۔ بلا اسکے اس کا کلام زیادہ
دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔

ہندو مہا سبھا کا دیوتا

ہندستان میں ہٹلر کی پوجا شری ساورکر نے کی ہے، انھوں نے
ہٹلر کی ہستی کے سامنے سر جھکانے کے بجائے اس کی قومیت کی پالیسی
کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔
ساورکر جی ہندو مہا سبھا کے اجلاس میں فرماتے ہیں کہ ہندستان
میں ہندو کوئی فرقہ نہیں ہے، بلکہ قوم ہے جس طرح کہ جرمن، جرمنی میں۔
اور مسلمان یہاں ایک فرقہ ہیں، جس طرح کہ یہودی جرمنی میں۔
اگر انگلستان اور سارا ہندستان شدھی ہوجائے تو پھر ہندو مہا سبھا
کے نزدیک سب جھگڑے حل ہوجائیں گے۔ کیونکہ نہ کوئی تفرقہ کی حکومت
رہیگی، اور نہ اندر کوئی تفرقہ رہیگا۔ لیکن کیا واقعی اس صورت میں
ہندستان کی غریبی، بیکاری، جہالت، بیماری دور ہوجائے گی؟ کبھی نہیں
جو آج دولتمند ہیں اسوقت بھی ایسے ہی رہیں گے، اور جو آج دانے
دانے کو ترستے ہیں اسوقت بھی ترستے رہیں گے۔

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس

مسلم لیگ کے اس اجلاس میں وہی ہوا جو ہوتا آیا ہے یعنی کانگرس کو خوب برا بھلا کہا گیا، خوب بڑا بھلا کہا گیا۔ اور اسی مضمون کی قرار دادیں پاس کرکے جلسہ ختم کر دیا گیا۔ اتنے سے کام کے لئے اتنا بڑا اجلاس!۔

سالانہ اجلاس اس غرض سے ہوا کرتے ہیں کہ سال بھر میں جو کام ہونے ہیں ان پر غور کرکے آئندہ کام کے لئے ایک پروگرام پیش کیا جائے۔ لیگ کا پروگرام ہی کیا ہے؟ صرف اتنا کہ کانگرس جو کرنا چاہتی ہے وہ نہ کرنے دو۔ کانگرس واردھا اسکیم پر تعلیم عام کرنا چاہتی ہے اسکو نہ کرنے دو۔ کانگرس ریاستی عوام کی ہمدرد ہے لیگ کو راجاؤں کا دوست بنا دو۔ سلامت رہیں کانگرس کے کام جو لیگ کو پروگرام دلا دیتے ہیں۔

اس اجلاس میں دو باتیں بہت روشن ہیں، ایک تو یہ کہ روٹی، بھوک، غریبی، کا تذکرہ جو کلکتہ کے اجلاس میں مسٹر جناح کی زبان پر آگیا تھا۔ اس مرتبہ غائب ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس اجلاس میں علماء کا دور دور پتہ نہیں

مسٹر جناح اور ریاستیں

مسٹر جناح کا خیال ہے کہ کانگرس جو ریاستی عوام سے ہمدردی کر رہی ہے، اس کی غرض یہ نہیں کہ ان کی ہمدردی کی جائے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح انکو ریاستوں میں 'خود مختاری' دلا دی جائے تاکہ جب وہاں کے نمائندے فیڈریشن میں پہونچیں تو کانگرس کی اکثریت ہو جائے۔

مسٹر جناح نے بلا ارادہ ایک بہت بڑی بات مان لی، وہ یہ کہ جمہوریت جہاں کہیں بھی ہوگی وہاں زور کانگرس ہی کا ہوگا، مسلم لیگ کا نہیں۔

نہ معلوم مسٹر جناح یہ کہکر کانگرس پر کیا الزام لگانا چاہتے ہیں کانگرس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ دبے، کچلے عوام کی ہمدردی کرے۔ عوام کے آنے سے اسکی طاقت بڑھتی جاتی ہے، اور پھر وہ عوام کی زیادہ خدمت کرنے کے قابل ہوتی جاتی ہے۔ اس طرح ہر عوامی سیاسی جماعت کا یہی کام ہوتا ہے اور یونہی اس کی طاقت بڑھتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسٹر جناح کے نزدیک کانگرس کا جرم کیا ہے اور وہ اس سے کیا چاہتے ہیں؟ یہ کہ کانگرس انکو خوش کرنے کے لئے اپنے فرض میں کوتاہی کرے، اور ریاستی عوام کی مدد نہ کرے؟ یا یہ کہ جب مدد پاکر عوام کانگرس کی طرف جھکنے لگیں تو انکو بھگا دے؟

مسلم حقوق یا راجاؤں کی ہمدردی؟

مسٹر جناح نے دھمکی دی ہے کہ اگر کانگرس یوں ہی ریاستوں میں عوام کی ہمدردی کرتی رہی تو وہ بھی 'مسلم حقوق' کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ گویا کہ عوام کی ہمدردی کا یہی توڑ ہے۔ یعنی ادھر 'مسلم حقوق' اٹھے اور ادھر راجاؤں کو مدد ملی اور عوام کچلے گئے۔

مانا کانگرس ریاستی عوام کی مدد بہت خود غرضی سے کر رہی ہے، اور اس لئے وہ بہت بری ہے۔ مگر اس کی سزا ریاستی عوام کو کیوں مل رہی ہے۔ اگر لیگ کو انکی حالت پر ترس آتا ہے اور انکی ہمدرد ہے تو وہ خود انکی مدد کرے اور دوسرے مدد کرنے والوں کا ساتھ دے۔ لیکن لیگ خود تو انکی مدد کرتی نہیں، اور دوسرا جو انکی مدد کر رہا ہے اسکی دشمن ہوتی جا رہی ہے۔

حیدرآباد میں فرقہ پرستی سہی۔ کشمیر میں تو نہیں ہے۔ پھر لیگ کیوں نہیں کشمیر میں عوام کی ہمدردی کرتی ہے جو ہر طرح ریاستی سامراج کے پنجوں سے کچلے جا رہے ہیں؟

کانگرس فرقہ پرست جماعت ہے

مسٹر جناح نے فرمایا کہ کانگرس فرقہ پرست جماعت ہے، اسکا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ ہر جگہ اپنا جھنڈا لگانا چاہتی ہے۔

اس دلیل میں عجب مزے کے الجھاوے ہیں، یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جماعت اپنا جھنڈا لگانے پر اصرار کرے وہ قطعی فرقہ پرست ہے۔ اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ کانگرسی جھنڈا ٹھہرا ہندو جھنڈا۔ اب اگر کانگرس فرقہ پرست نہ ہوتی تو کبھی اس پر اصرار نہ کرتی کہ صرف کانگرسی جھنڈا لگایا جائے۔ بلکہ اپنی قوم پرستی کے ثبوت میں کانگرسی جھنڈا، اور لیگی جھنڈا دونوں لگوا دیتی۔

آل انڈیا خواتین کانفرنس کا سالانہ اجلاس

اس کانفرنس کا تیرھواں اجلاس دہلی میں ہو رہا ہے۔ اس کانفرنس کی تاریخ بھی کانگرس ہی کی طرح ہے۔ پہلی کانفرنس کچھ تعلیمی اصلاحوں کیلئے منعقد کی گئی تھی، اور اسکی صدر مہارانی بڑودہ تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں سماجی مسئلے بھی شامل کر دیئے گئے۔ اور یہ کانفرنس جو چند رئیس مہارانیوں کی ہوئی تھی بڑھتے بڑھتے دور تک پھیل گئی۔ اب اس میں ۲۰ حلقے اور ایک سو پانچ ماتحت حلقے ہیں۔ لیکن اس کا اثر ابھی تک شہروں سے آگے نہیں بڑھا ہے۔ ابھی تک ہندستان کے سات لاکھ دیہات اس سے دور ہیں۔ دو سال گذرے جب احمد آباد میں اس کا اجلاس ہوا تھا تب یہ تحریک اٹھی کہ اس کانفرنس میں سیاسی مسائل پر بھی بحث ہونا چاہیئے۔ پچھلے سال ناگپور کے اجلاس میں بھی یہی بحث ہوئی۔ لیکن تحریک پاس نہ ہو سکی۔

غریب مرد کی بیوی بھی غریب ہوتی ہے۔ لیکن غریبی کا بھگتان زیادہ عورت کے حصہ میں آتا ہے۔ یہ ہے ہمارے سماج کی بناوٹ کا پن

کہ جو کمزور ہے اسکو اور زیادہ کمزور ہونا پڑتا ہے۔ عورتوں میں جہالت زیادہ ہے، تو ان کی تعلیم کا انتظام بھی خراب ہے۔ عورتوں میں بیماریاں زیادہ ہیں تو انکے لئے اسپتال بھی کم ہیں پہلے ایسے ہی کچھ خواتین کانفرنس اپنے حدود میں رہ کر نہیں ٹال سکتی ہے اگر وہ بھی عورتوں کی ہمدرد ہے تو اسکو چند ہزار عورتوں کی نہیں، بلکہ ہندستان کی عورتوں کی اکثریت کی فکر کرنا چاہئے۔

غریبی، بیماری، جہالت وہ بلائیں ہیں جنکو دور کرنے کے لئے سماجی اصلاحوں کی نہیں بلکہ سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے۔ عورتوں کی غریبی دکھانے کے لئے ایک آدھ صنعت گاہ کھولی جا سکتی ہے۔ مگر اس صنعت گاہ سے کتنی عورتوں کو روٹی ملجائے گی۔ ہزار دو ہزار کو؟ زیادہ سے زیادہ مسئلہ ہزار دو ہزار کا نہیں بلکہ ١٦ - ١٧ کروڑ عورتوں کی غریبی کا ہے۔

ایک آدھ تعلیمی ادارہ ہزار دو ہزار بچیوں کو تعلیم دے سکتا ہے۔ لیکن جب عورتوں میں تعلیم عام کرنے کا مسئلہ آئیگا تو بلا سیاسی انقلاب کے حل نہیں ہو سکتا۔

جب تک خواتین کانفرنس سیاسی مسائل کو نہیں "اٹھاتی" یہ کبھی تعلیمی اور سماجی مسائل کو بھی حل نہیں کر سکتی، اصل میں سیاست سے بھاگنا عملی کام سے اور عام عورتوں کی خدمت سے منہ چرانا ہے۔

اس کانفرنس کی نوجوان خواتین ممبروں کا یہ کام ہے کہ وہ اس میں عام عورتوں کی تعداد بڑھائیں۔ انکے بڑھنے سے غریبی، جہالت اور بیماری کے مسئلے کانفرنس میں اٹھ آئیں گے، صرف قرار دادوں کو پاس کرانے کیلئے نہیں، بلکہ ان کا حل نکالنے کے لئے۔ اور ان کا حل صرف سیاسی میدان میں آکر ملتا ہے اور کہیں نہیں۔

رشی جناح اپنے محل میں رنگ رلیاں منا رہے تھے، ہوتے ہوتے دو چار روز میں ان کی خبر انکو بھی پہونچ گئی۔ رشی جناح نے ایک منٹ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ انکے شفاف دل میں فوراً ان کی تصویر اتر آئی۔ غصہ سے انکا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اور منہ سے جھاگ اڑنے لگا۔ کیونکہ مرنے والوں میں پائجامہ پہننے والے زیادہ تھے۔ اور لڑائی کی چیخ پکار میں ہندی کے "شبد" زیادہ تھے۔

رشی جناح نے فوراً ایک وفد تیار کرکے راکشش کی خدمت میں بھیجا۔ اور یہ مطالبہ کیا کہ آئندہ سے وہ جان لینے میں ہندو مسلم تناسب کا خیال رکھے۔ اور شہر والوں کو مجبور کرے کہ وہ اردو کے لفظ زیادہ استعمال کریں۔

اور رشی جناح نے فوراً شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ ہندوؤں کی یہ سراسر چالاکی ہے کہ وہ مرنے والوں میں مسلمانوں کو آگے کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اب جو لڑائی ہو اس میں مسلمان اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ ہندو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مارے جائیں۔

(ملاحظہ ہو مسٹر جناح کا بیان فیڈریشن پر)

چلتے چلاتے

تماشائی

رشی جناح اور راکشش

ایک قرعہ ایک حسین لڑکی کے نام پڑا۔ حسین لڑکی اور راکشش کی خوراک! چار نوجوانوں نے اسکے بدلے اپنی اپنی جانیں پیش کیں، لڑکی نے اس کو منظور نہیں کیا۔

حسین لڑکی کے بناؤ سنگار ہونے لگے

"یہ نہیں دیکھا جا سکتا"

"یہ نہیں دیکھا جا سکتا"

"ہم سب ملکر راکشش کو روک سکتے ہیں"

"ہم سب ملکر راکشش کو روک سکتے ہیں"

"ایک فوج بناؤ" "آؤ نوجوانو ایک ہو جاؤ"

"کون ہے دیش اور دھرم پر جان دینے والا؟"

"کون ہے حسن کو راکشش کے ہاتھوں سے بچانے والا؟"

چاروں طرف سے علم اور برچھیاں لئے نوجوان دیوانہ وار دوڑ پڑے۔ انکے چہرے جوش اور غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔

حسین لڑکی اور راکشش کی خوراک!!!

فوج میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔

راکشش خوراک کے انتظار میں غل مچا رہا تھا۔ اس کی ہر چیخ پر سامنے کے جنگل اور پہاڑ تھرا اٹھتے۔ شیر اور بھیڑیئے ڈر کے مارے کوسوں بھاگ گئے۔

ایکا ایکی راکشش نے ایک چیخ ماری۔ اور شہر کی طرف جھپٹا۔ شہر کی چار دیواری کے سامنے دیس کی سیوا کرنے والی نوجوان کی ٹولی سر سے کفن باندھے، ہاتھوں میں چمکدار بھالے لئے کھڑی تھی۔

نعرہ [illegible] جاگا جا۔ نعروں سے لدا ہوا تر نوالا ——! راکشش جھینپ سے بت بن گیا۔ اس نے زندگی میں یہ تصویر پہلی بار دیکھی۔ پھر چیخ مار کر پلٹن پر ٹوٹ پڑا۔

شہر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں کیونکہ پہلی بار راکشش کو زخمی ہوکر پیٹھ دکھانا پڑی تھی۔

مائیں تھیں جنکے نوجوان لڑکے مارے گئے تھے۔

بیویاں تھیں جنکے جوان شوہر مارے گئے تھے۔

بیٹے بیٹیاں تھیں جنکے باپ مارے گئے تھے۔

مگر سب خوش خوش گا رہے تھے۔ ناچ رہے تھے۔ کتنی نفرت تھی انکو راکشش سے۔

سندیش

(شہاب سرمدی)

بھارت والوں بھول بھئی ۔ اب جاگو یہ سونا کیسا
بپتا ، رین اجور بھئی ، منہ دھو ڈالو یہ رونا کیسا

دیکھو وہ اندھ نگر کے دیپک بجھتے جاتے ہیں
ہتھیا پاری مارے ڈر کے گھٹ گھٹ کر بلاتے ہیں
اک سنسان کھنڈر کے باسی تم کو بلاتے ہیں
دیکھو پیچھے پاؤں سرکے کہہ دو ہم بھی آتے ہیں

بڑھنے کا میدان یہی ہے
چڑھنے کا سوپان یہی ہے
دھرم یہی ایمان یہی ہے
وید یہی قرآن یہی ہے

دنیا مور کی تور بھئی ، اب بیر کا بس بونا کیسا
اب جاگو یہ سونا کیسا ۔۔۔۔

دھیرج دھرنے کا سندیشا ویروں کو پہونچانا ہے
دیس اور دھرم کی ڈگمگیا کھے کر پار لگانا ہے
اپنشو سہانے شانت کی شکتی ہم نے اتنا جانا ہے
کتنے فولادی پنجوں نے اس کا لوہا مانا ہے

یہ پنڈت اور یہ مولانا
انکا دھندا پیٹ کمانا
دھوکے کی دیوار اٹھانا
سپنوں کا سنسار بسانا
ان کا کہنا کا ہے مانا

ان کی بات کٹھور بھئی ، ان پر موہت ہونا کیسا
اب جاگو یہ سونا کیسا ۔۔۔۔۔۔۔

جیوں جوت جلا کر پرانی — اپنا کھوج لگاتا ہے
من کے مندر میں من مانی — ہر سو آتا جاتا ہے
درشن دیتی ہے حیرانی — پگ پگ ٹھوکر کھاتا ہے
استنے میں سنتا ہے بانی — کھونے والا پاتا ہے

پاپ ہے کرموں پر پچھتانا
پرمیشر کو دوش لگانا
ناحق سچا گیان گنوانا
یعنی جیتے جی مرجانا

مورکھ سدھ بدھ کو ربھی — بن دیکھا دھن کھونا کیسا
اب جاگو یہ سونا کیسا ....

ہماری قومی تحریک اور مسلمان۔ چند بنیادی تجویزیں

(محمد اشرف)

(۱)

گذشتہ اجلاس میں کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے مسلمانوں کے بارے میں دو اہم فیصلے کئے ہیں۔ اس نے آخری بار طے کیا ہے کہ مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کی واحد سیاسی جماعت مان کر کوئی مصالحت کی گفتگو نہیں کی جا سکتی، اسی کے ساتھ ساتھ ورکنگ کمیٹی نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کی جملہ جائز شکایتیں رفع کی جائیں گی اور اس سلسلہ میں صوبہ کانگرس کمیٹیوں سے مشورہ طلب کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اب مسلمانوں کے کانگرس میں شریک کرنے اور انکی شکایتوں کو دور کرنے کا سوال خود کانگرس کے لوگ حل کرینگے۔ ہمارے لیڈروں کو تسلیم کرنا پڑا کہ چند افراد کے باہمی سمجھوتے سے یہ سوال طے نہیں ہو سکتا۔ مسلم رابطہ عوام کا منشا بھی یہی تھا۔

اس موقع پر بجائے جزوی تدابیر کے ہمیں بعض بنیادی باتوں پر سوچنا چاہئے تاکہ کانگرس مسلمانوں کے بارے میں ایک صاف اور واضح پالیسی اختیار کر سکے۔ ہمیں پہلے ہی یہ تسلیم کر لینا پڑے گا کہ موجودہ شکل و صورت میں کانگرس کو مسلمانوں میں وہ مقبولیت حاصل نہیں ہے جو اسے ہندؤں میں ہے۔ ممکن ہے کہ اسکی وجہ مسلم عوام کی سیاسی ناتجربہ کاری ہو۔ [illegible] ہے کہ اس کا باعث [illegible] مہاتما گاندھی کی [illegible] ہندؤں کے مذہبی جذبات کو زیادہ اپیل کر سکتی ہے اور [illegible] سدھار کا جذبہ اور مہاتما جی کے

کام کرنے کے طریقے ہندؤں کے تاریخی خمیر سے زیادہ قریب ہیں بہرحال یہ بحث بیکار ہے۔ ہمیں غور اس بات پر کرنا ہے کہ اسوقت مسلمانوں میں ایک طرح کا خوف پیدا کر دیا گیا ہے کہ سوراج کے بعد ان کا مستقبل غیر محفوظ ہے۔ مسلم لیگ کی مقبولیت کی یہی نفسیاتی بنیاد ہے اور ہمیں اس خوف کا ازالہ کرنا ہے۔ ہمیں اس کا بھی اندازہ ہے کہ ہماری قومی جدوجہد میں جب کبھی امن و جنگ کی درمیانی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو رجعت پسند قوتیں اقلیتوں کے تحفظ اور بالخصوص مسلم حقوق کے پردہ میں ابھرتی ہیں اور وزارت کے زمانہ اور ہمارے آئینی دور میں یہ ہیجان کوئی غیر معمولی بات نہیں بہرنوع ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر اقلیتوں کے متعلق بالعموم اور مسلمانوں کے بارے میں بالخصوص اپنی پالیسی بنا لینی چاہئے۔

(۲)

اس سلسلہ میں سب سے بڑا سوال سوراج حاصل کرنے کے بعد طرز

حکومت کا ہے۔ اسوقت مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ طرز حکومت سرمایہ دارانہ جمہوریت ہوگی یا سوویٹ انداز پر بلکہ اس نظام حکومت کا سودہ اقلیتوں کے بارے میں کیا ہوگا [illegible] بنیادی حقوق کی تشریح کی ہے اور [illegible] کی بنیاد پر [illegible] تقسیم کا اصول مانا ہے مگر اس سے ہمارے دیس کی اقلیتوں کا سوال حل نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک میں صرف زبان ہی تقسیم

اور یہاں مختلف حیثیتوں سے نسل اور کلچر کے امتیازات بھی ہیں اور یہ زبان سے زیادہ فیصلہ کن ہیں، مثلاً زبان کے لحاظ سے پنجاب ایک صوبہ ہے لیکن کلچر کے اعتبار سے اسکے کئی حصے ہوسکتے ہیں۔ یہی کیفیت اڑیسہ کی ہے جسمیں بہت سے درماندہ قبیلے اور پسماندہ قومیں بستی ہیں۔ اسی مطالبہ کی بنیاد پر مسلمانوں میں "پاکستان" کا خیال رائج ہوا ہے اور جیسے جیسے ہم سوراج کے قریب آتے جائیں گے اور بھی اسی قسم کے منصوبے بنتے جائینگے۔ کلچر اور نسلی امتیازات کی تفریق سے فائدہ اٹھاکر بعض ہوشیار لوگوں نے ریاستوں کو مرکز بناکر "تہذیبی منطقوں" کا رجعت پسندانہ مطالبہ بھی پیش کرنا شروع کر رکھا ہے یعنی ہماری پالیسی کے صاف نہونے کی وجہ سے سامراجی اور جاگیری طبقے ان جذبات اور مطالبات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ہماری پالیسی کیا ہو؟ اس سوال پر پہلے سنجیدگی سے غور نہیں کیا بلکہ بعض ذمہ دار لوگوں نے گمراہ کن ارزاں اور خطرناک نظریے پیش کرنا شروع کردیے ہیں مثلاً مسٹر منشی وزیر داخلہ بمبئی نے حال میں "ہندستانی جمہوریت" کے نام سے رسالہ "انڈین ورلڈ" میں مضامین کا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں انہوں نے انیسویں صدی کی سرمایہ دارانہ قومیت کا گیت گایا ہے اور اٹلی اور جرمنی کی مثالیں پیش کی ہیں، منشی صاحب سرے سے زبان، مذہب اور دوسری تفریقوں کے منکر ہیں چنانچہ انکا ذہن بالطبع ایک وحدانی طرز حکومت کیطرف جاتا ہے۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی اور دوسرے کانگرسی جو دن رات ہندستانی سرمایہ اور صنعتوں کے فروغ کی فکر میں لگے رہتے ہیں، انکا ذہن بھی مغرب میں اٹلی اور جرمنی اور ایشیا میں جاپان کی طرف جاتا ہے۔ وہ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ وحدانی حکومت یا ہمہ گیر جارحانہ قومیت کا جذبہ کتنا ہی جاذب نظر کیوں نہو ایک تاریخی اقلیتوں کے ملک بلکہ براعظم میں ہم اسے نصب العین نہیں بنا سکتے۔

یہ سوال کانگرس کے سامنے نہرو رپورٹ کے موقع پر پیش ہوا تھا۔ اسکے بعد دوبارہ گول میز کانفرنس کے موقع پر اٹھا کہ مرکزی حکومت کے اختیارات کیا ہوں اور صوبجات کو کیا ملے، اور اسپر مدتوں بحثیں رہیں، کہ متعین اختیارات کس کے ہوں، صوبہ کی حکومت کے یا مرکزی حکومت کے؟ مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ (Residuary Powers) "فاضل اختیارات" صوبہ کو حاصل ہونا چاہئیں جس کا منشاء تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو اپنی اکثریت کے صوبوں یعنی سرحد، سندھ، بلوچستان، پنجاب اور بنگال میں مضبوط کرسکیں۔ اسکے برخلاف مسٹر منشی جیسے لوگوں نے برابر اسپر زور دیا کہ مرکزی حکومت کو فاضل اختیارات ملنے چاہئیں۔ اور مسلمان یہ سمجھے کہ یہ ہندو اکثریت کو مضبوط کرنا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سوال ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت کا نہیں ہے بلکہ ہندستانی سرمایہ کا ہے۔ سرمایہ دارانہ طرز حکومت اپنے ترقی اور فروغ اور اپنی سہولت کے قوانین بنانے کے لئے برابر اصرار کرے گی کہ مقامی اور صوبجاتی اختیارات محدود ہوں۔ وہ موجودہ سامراجی سرمایہ دار کا جانشین بننا چاہیگی۔ اسکے مقابلہ میں ایک صحیح جمہوری نظام کا دارومدار ایک وفاق ہوگا جسمیں ہر قسم کی اقلیتیں اپنے اپنے طور پر ترقی کرسکیں تاکہ ہمیں اجتماعی ترقی اور انفرادی آزادی زیادہ سے زیادہ نصیب ہو۔ روس نے اس کا کامیاب تجربہ کیا ہے اور چین کی کمیونسٹ پارٹی نے یہ اصول تسلیم کرلئے ہیں چنانچہ مسلم چینی علاقوں میں ایک آزاد حکومت قائم ہے۔ حقیقتاً سوویٹ نظام حکومت کا بنیادی اصول ہی یہی ہے۔

اس مختصر سی بحث کے بعد میری تجویز یہ ہے کہ ہم کانگرس کے دستور میں "قومی اقلیتوں" کے عنوان سے ایک نئے باب کا اضافہ کردیں جس میں اسکی واضح طور پر تشریح ہو کہ ہندستان مختلف کلچرل، لسانی اور نسلی عناصر سے مرکب ہے اور ہمارے وطن کے لئے مناسب یہی ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے خمیر کے مطابق آزادانہ طور سے ترقی کرے چنانچہ ہماری مرکزی حکومت ان عناصر کی خود مختار حکومتوں پر مشتمل ہونی چاہئے۔ مزید براں چونکہ بہت سے سماجی گروہوں نے جنمیں ایک مذہب، ایک طرح کا کلچر اور بڑی حد تک ایک لسانی وحدت موجود ہے اور مسلمانان ہند اس سے عبارت ہیں اسکا مطالبہ کیا ہے کہ انہیں اپنے سیاسی، اقتصادی اور سماجی معاملات میں کامل آزادی اور مرکزی معاملات میں مساوی حیثیت دی جائے چنانچہ ان کو بشرطیکہ وہ خود کفالتی اقتصادی حیثیت رکھتے ہوں اور کافی تعداد میں ہوں "قومی اقلیت" کا درجہ بخشا جاتا ہے جسمیں خود اختیاری کے علاوہ جداگانہ نظام حکومت قائم کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ یہ رقبے اگر مناسب سمجھیں تو سامراج دشمنی کی بنیاد پر اپنے جداگانہ کانگرسی نظام بھی قائم کرسکتے ہیں جنکا مناسب حالات میں آل انڈیا کانگرس سے الحاق ہوسکتا ہے۔

(۳)

یہاں تک تو اس کی بحث تھی کہ مسلمانوں کو سوراج کے بعد ایسے نظام حکومت کے قائم ہوجانے کا خوف ہے جسمیں ہندو اکثریت ان پر حاوی ہوسکتی ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض مسلمانوں کو اور خود ہمیں کانگرس پر یہ اعتراض ہے کہ ایک کانگرسی کی "امن" کے زمانہ میں کوئی پہچان نہیں ہے۔ کانگرس کے دستور میں اسکی تشریح نہیں ہے کہ وہ کیا کرسکتا ہے کیا نہیں کرسکتا ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ ایک کانگرسی پر امن اور جائز یا یہ کہئے کہ عدم تشدد اور حق پرستی سے کامل آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کہیں ۲۰ سال کے بعد گذشتہ دار دھا اجلاس میں ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے عہدے دار مسلم لیگ اور مہاسبھا کے عہدیدار نہیں ہوسکتے۔ اب بھی مجلس احرار یا سکھ لیگ اور دوسری نیم سیاسی ہندو جماعتوں کے بارے میں کوئی صفائی نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مہاتما جی نے ہمیشہ ہندو مسلم آزادی پسندوں کے میل پر زور دیا ہے۔ ایک کٹر کانگرسی کا تصور موصوف کے ذہن میں کھادی پہننے اور عدم تشدد کی قسم کھانے سے زیادہ نہیں ہے۔ اور یہ ماننا پڑے گا کہ اس تعریف سے ہماری نئی دقتیں دور نہیں ہوتیں۔ آپ اگر کانگرس کے ممبر ہونے کے بعد صرف ہندی یا اردو تحریک کے لئے وقف ہوجائیں، یا آریہ سماج اور تبلیغ اسلام کا کام کریں تو کوئی روک نہیں ہے۔ واقعہ یہ بھی ہے کہ بعض مشہور کانگرسی "ہندستانی" کو قومی زبان ماننے کے بعد صرف ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کے

مقبول عام بنانے میں مصروف ہیں اور کانگریس کے موجودہ اچھوت ادھار کے کام میں کوئی غیر ہندو کیا خود "عقل پرست" ہندو بھی شریک نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کی بے اعتمادی اور گھبراہٹ اس بات سے بڑھتی ہے کہ وہ ایک اوسط درجہ کے کانگریسی اور ایک ہندو کے مطمح نظر میں کوئی فرق نہیں پاتے جس کا ردعمل یہ ہے کہ خود مسلمان کانگریسیوں نے جمعیت علمائے ہند اور مجلس احرار قائم کر لی ہیں یعنی ان بنیادوں کو خود مسلمان کانگریسی مضبوط کر رہے ہیں جنپر آخری منزل میں جاکر "مسلم لیگ" یا اسکی ہموزن جماعت بن سکتی ہے۔ یہ سنت دیرینہ ہے اور خلافت کی تحریک سے برابر چلی آرہی ہے اور آج اسدرجہ مستحکم ہے کہ اگر مسلم لیگ سامنے سے ہٹ جائے تو میرا خیال ہے کہ اسکے نعروں اور مطالبوں کو کانگریسی مسلمانوں کی دوسری جماعتیں فوراً اپنا لیں گی۔ اب تک کانگرس کی بنیادی پالیسی اچھے حالات میں خلافت نما حلیف اور عموماً مسلم لیگی حریف پیدا کرتی رہی ہے اور اس کی ذمہ داری بڑی حد تک مہاتماجی پر ہے جنکے مخصوص عقائد ہماری سیاسی مشکلات سے بے نیاز ہیں۔

ہیں کھادی اور اہنسا کے ساتھ ہر کانگریسی عہدیدار کے لئے یہ شرائط عائد کرنی چاہئیں کہ وہ ہندی اور اردو رسم الخط جانتا ہو اور آسان زبان بولنے اور لکھنے پر قادر ہو اسکے علاوہ اسے کسی ایسی جماعت یا کام سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق نہو جو ایک مذہبی طبقہ تک محدود ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ ہمیں اپنا قومی گیت اور جھنڈے کا گیت جداایسی زبان میں ترتیب دینا چاہئے جو عام فہم ہو۔ اسکے ساتھ ہمیں اسکی نگرانی سختی سے کرنی چاہئے کہ کوئی ہندو یا مسلم یا سکھ مذہبی نشان ہماری کارروائیوں میں یا دفتری کاغذوں میں نظر نہ آئے بالفاظ دیگر ہمیں اپنی کارروائیوں کو "دنیوی" (Secular) اور خالص سیاسی رنگ دینا چاہئے۔ گریہ تقاضا ہماری گذشتہ روایات اور مہاتماجی کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اسکے ساتھ ہی کانگرس کے نظام کا سوال ہے۔ یہ ایک مستقل بحث ہے اور اسپر کامریڈ رائے نے مفصل طور سے لکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جبتک دستور اساسی میں تبدیلی نہو ہمیں کچھ دنوں کے لئے مسلمانوں کی نشستیں کانگرس کے انتخاب میں محفوظ کر دینی چاہئیں۔

اب ایک اہم سوال یہ ہے کہ ہم "رابطہ" یا کانٹیکٹ سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اگر ہمارا منشا صرف یہ نہیں ہے کہ لوگ کانگرس کے ممبر بن جائیں بلکہ انہیں سیاسی شعور اور اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کا مادہ پیدا ہو۔ تو اسکی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ہم کانگرس کے ممبر بنانے کے ساتھ ساتھ مزدور و کسان تنظیم پر توجہ کریں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ کانگرس سے قریب آکر بھی مسلمان علی برادران اور حسرت یا ظفر علیخاں کی طرح جدا ہو سکتے ہیں لیکن مزدور اور کسان تنظیم سامراج دشمنی کے جذبہ کو مستقل طور پر پروان چڑھاتی ہے اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کانگرس کے لوگوں کو اپنی تنظیم پر متوجہ دیکھکر مسلمان مزدور اور کسان بڑے خشوع و خضوع سے کانگرس میں شریک ہونگے تا آنکہ کانگرس دن کانگرس اجتماعی صورت میں منظم مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل ہو جائے تو ہم بھروسہ کے ساتھ سامراج کو آخری لڑائی اور انقلاب کی چنوتی دے سکتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ رابطہ عوام کو ماننے والے جلد سے جلد مزدور کسان تنظیم پر متوجہ ہوں۔ وہ تجربہ سے محسوس کرینگے کہ مسلمانوں کو کانگرس میں بلانیکا اور سامراج دشمن مسلم طبقہ کو اپنے ساتھ لانے کا یہی سب سے بہتر طریقہ ہے۔

(۴)

مسلمانوں میں کام کرنے کی ذمہ داری بالخصوص وزارت کے دور میں کانگرسی حکومتوں پر بھی ہے۔ مسلمان عوام کو کانگرس سے دور رکھنے کے لئے جتنا بے سروپا، غلط اور اشتعال انگیز پروپگنڈا ان پچھلے ۱۸ مہینے میں ہوا ہے کبھی دور شاہی کے زمانہ میں نہوا تھا۔ معصوم لوگوں پر حملے بھی ہوئے اور کانگرسی لوگ فرقہ پرستوں کے ہاتھوں قتل بھی ہوئے۔ ہمارے وزیروں کو علانیہ غدار اور بے ایمان ہی نہیں کہا گیا بلکہ ان پر خشت باری بھی ہوئی ہے اور خود صدر کانگرس بھی اس سے محفوظ نہیں رہا۔ جو کچھ ڈاکٹر نثار اللہ اور ہمایوں کبیر پر بنگال میں گذری وہ ہمارے صوبہ میں نیرٹھ کا ینور میں آئے دن کے قصے ہیں گر تعجب ہے کہ کانگرسی حکومتوں نے ان موقعوں پر کامل سکوت اختیار کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فضا بڑھتے بڑھتے ہندو مسلم فسادات کی خطرناک شکل اختیار کر گئی۔ اسی طرح بعض مسلم لیگی اخبارات۔ مثلاً اسٹار آف انڈیا، اور عصر جدید (کلکتہ) الامان و وحدت (دہلی) انقلاب اور زمیندار (لاہور) نے جو کچھ ایک بار نہیں بلکہ صدہا بار لکھا اس سے پڑھنے والوں کو اندازہ ہوتا تھا کہ اب کسی قسم کا کوئی نظام حکومت مانع نہیں ہے۔ چنانچہ ان اخبارات کے پڑھنے سے ہر مذہب نا مجرم کو شہ ملی جس کی وجہ سے ہندو مسلم فسادات کی فضا آج بھی قائم ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ کانگرسی حکومتیں اپنے ابتدائی فرائض کا لحاظ رکھیں اور تشدد کی فضا کو ختم کردیں۔ مسٹر منشی نے بمبئی میں اور اللہ بخش صاحب نے سندھ میں مثال قائم کردی ہے اور آخر بہار کو بھی اسکے تدارک کی فکر کرنا پڑی ہے۔ میری گذارش یہ ہے کہ بجائے رک رک کر اور سوچ سوچ کر چلنے کے وہ ہمت کے ساتھ اور مصمم ارادہ سے عام فرقہ وارانہ فسادات اور تشدد کا خاتمہ کریں۔ غالباً اسکی کام میں ابتک مفاہمت کا خیال اور مسلم لیگ سے صلح کرنے کی نیت حائل تھی اس پالیسی کا آگے چلکر چھوٹے پیمانہ پر وہی حشر ہوگا جو ہٹلر اور مسولینی سے دب جانے میں مغربی جمہوریتوں کا ہوا ہے۔

ہاں اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کانگرسی حکومتیں اقلیتوں اور درماندہ قوموں کی فلاح بہبود اور علمی ترقی کے لئے ایک پروگرام بنائیں اور وظائف، مدارس، صنعتی ادارے بنا کر ان کی غریب اور محنت کش جماعت کے دلوں میں گھر کرلیں، اس کی عمدہ مثال بہار گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری حکومتیں کھادی تحریک، ہندستانی تعلیمی اور دیہاتی سدھار کے ساتھ اردو اور ہندی کا استعمال کریں اور مسلمان جولاہوں کے کاروبار کو بھی فروغ دیں۔

حکومت صوبجات متحدہ اور اردو

(محکمۂ اطلاعات عامہ)

بعض حلقوں میں عرصہ سے یہ پروپگنڈا کیا جارہا ہے کہ صوبجات متحدہ کی موجودہ حکومت ایک طرف تو ہندی کی حمایت کررہی ہے اور اس کی ترویج اور ترقی میں کوشاں ہے اور دوسری طرف یہ کوشش کر رہی ہے کہ اردو کو اس صوبہ سے نیست و نابود کر دیا جائے۔ یہ غلط پروپگنڈا اتنی شدت سے کیا گیا ہے کہ اکثر ناواقف حضرات کو یقین ہوگیا ہے کہ یہ الزام واقعی درست ہے۔

مگر اصلی صورت حال یہ ہے کہ زبان کے مسئلے میں موجودہ حکومت نے جو قدم اٹھایا ہے اگر اسے بغیر تعصب کے دیکھا جائے تو ہر صاحب انصاف یہ تسلیم کرلیگا کہ اردو کے ساتھ موجودہ حکومت کا رویہ جتنا ہمدردانہ ہے اتنا آجتک کسی حکومت کا نہیں رہا تھا۔

شاید اکثر حضرات کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ کانگرسی حکومت نے برسر اقتدار آنے کے بعد اردو ہندی کے محکمہ کو جو ۱۹۳۲ء میں توڑ دیا گیا تھا ازسرنو قائم کر دیا۔ اس وقت اس محکمہ میں ایک سپرنٹنڈنٹ کے علاوہ ۷ اردو ہندی مترجم کام کررہے ہیں۔ اس محکمہ میں تمام سرکاری بل۔ ایکٹ مینول۔ اور انتظامی رپورٹوں کا انگریزی سے ہندی اور اردو میں ترجمہ ہوتا ہے۔ عوام الناس کی جو درخواستیں اردو یا ہندی میں حکومت کے پاس آتی ہیں ان کو ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈال دیا جاتا۔ بلکہ ان کا ترجمہ ذمہ دار حکام کے پاس روانہ کر دیا جاتا ہے۔

کانگرسی حکومت جب سے قائم ہوئی ہے اسمبلی کے اجلاس کا روزانہ ایجنڈا انگریزی کے علاوہ اردو ہندی میں بھی تیار کیا جاتا ہے۔ اسمبلی کے ممبروں کو اختیار ہے کہ وہ اردو یا ہندی میں سوالات یا تقریریں کریں ان سوالات کے جواب بھی اسی زبان میں حکومت کی طرف سے دئے جاتے ہیں۔ اور جو تقریریں ہندستانی میں ہوتی ہیں (جن میں وزراء صاحبان کی تقریریں بھی شامل ہیں) وہ اسمبلی کی مطبوعہ رپورٹ میں اسی زبان میں ڈالی جاتی ہیں۔ اسمبلی کے ممبروں کو ہندستانی زبان میں بولنے کا نہ صرف موقع دیتے ہیں بلکہ قانون حق آراضی (موجودہ ٹننسی بل) پر مباحثہ کے دوران میں تو انھوں نے تمام ممبران کو ہدایت کر دی ہے کہ سب لوگ ہندستانی ہی میں تقریر کریں۔

کانگرسی حکومت نے محکمۂ اخبارات اور محکمۂ نشر و اشاعت کو ملا کر "محکمۂ اطلاعات عامہ" قائم کیا ہے۔ اس محکمہ سے تمام سرکاری سرگرمیوں کی اطلاعیں صوبہ اور بیرون صوبہ کے اردو و ہندی اخباروں کو روانہ کیجاتی ہیں۔ ہر پریس نوٹ اور کمیونکے کا بھی اردو و ہندی ترجمہ اخبارات کے پاس بھیجا جاتا ہے۔

اسکے علاوہ عوام کو حکومت کے مختلف محکموں کی سرگرمیوں اور وزراء کی تقریروں سے باخبر رکھنے کے لئے ایک اردو رسالہ "اطلاعات" اردو میں محکمہ کی طرف سے شائع ہوتا ہے اور صوبہ کی تمام لائبریریوں اور ذمہ دار اداروں کو مفت روانہ کیا جاتا ہے۔ علاوہ کتابت کے اخراجات کے اس رسالہ کی طباعت وغیرہ کا اوسط خرچ تقریباً ۶۸۵ روپیہ ماہوار ہوتا ہے۔ ہندی رسالہ کا اوسط ماہانہ خرچ تقریباً ۵۵۳ روپیہ ہے۔ محکمہ میں اکثر اردو کے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں، انکا جواب بھی اسی زبان میں لکھ کر روانہ کیا جاتا ہے۔ اردو میں زیادہ کام ہونے کی وجہ سے موجودہ حکومت نے شعبۂ اردو میں مزید تقررات کئے اور اس وقت محکمۂ اطلاعات عامہ میں ہندی کے ۴ اسسٹنٹ اور اردو کے ۷ اسسٹنٹ کام کر رہے ہیں۔ موجودہ حکومت کی یہ بھی پالیسی ہے کہ عوام کی واقفیت کے لئے سرکاری نوٹسیں اور اشتہارات اردو و ہندی اخبارات میں کافی شائع ہوتے رہتے ہیں چنانچہ اب اردو و ہندی دونوں اخباروں میں برابر اشتہارات وغیرہ روانہ کئے جاتے ہیں جن کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

صوبجات متحدہ کے محکمۂ تعلیم نے دیہاتی حلقوں میں اشاعت تعلیم کی غرض سے ۷۰، دار المطالعے اور ۳۶۰۰ کتب خانے کھولے ہیں انکے لئے حکومت نے تقریباً ۴۸۰۰ روپیہ کی اردو کتابیں اور تقریباً ۸۰۰ روپیہ کے اردو اخبارات اور رسالے خریدے ہیں۔

کانگرسی حکومت نے حال ہی میں ایک پریس مشاورتی کمیٹی بھی بنائی ہے جس میں اخبارات کے نمائندے شامل ہیں۔ اس کمیٹی میں دو ہندی اخبارات کے اور دو اردو اخبارات کے نمائندے ہیں۔

موجودہ حکومت پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ سرکاری محکموں میں انگریزی الفاظ کے جو اردو ترجمے کئے جاتے ہیں وہ زیادہ تر سنسکرت آمیز ہندی میں ہوتے ہیں۔ مثلاً "یونائٹیڈ پراونسز" (صوبجات متحدہ) کا ترجمہ "جکت صوبہ" "سپلیمنٹری کوسچن" (ضمنی سوال) کا ترجمہ "دھم سوال" "پلینٹف" (مدعی) کا ترجمہ "جھگڑا اپیلھڑد" اور "ڈافنڈنٹ" (مدعا علیہ) کا ترجمہ "جھگڑا دوجے" ہوتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ کسی سرکاری محکمہ میں اس قسم کے ترجمے نہیں ہوئے ہیں بلکہ جو ترجمے سرکاری کاغذات میں لکھے گئے ہیں اردو عبارت میں وہی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ الزام بھی غلط ہے کہ اردو میں "لیکن" کی جگہ "پرنتو" استعمال کیا جاتا ہے۔ یا "تعلق" کی جگہ پر "سمبندھ"۔

اس مختصر بیان سے واضح ہوگیا ہوگا کہ موجودہ حکومت اردو کے ساتھ مطلق زیادتی نہیں کررہی ہے اور نہ اسکے مقابلہ میں کسی صورت سے ہندی کو ترجیح دیجاتی ہے۔

کانگرس کے خلاف مسٹر جناح کا جہاد

ریاستوں میں فرقہ پرستی پھیلانے کی دھمکی

کانگرس کے کاموں پر نکتہ چینی

اگر کسی جماعت کو ختم کر دینے کے لئے الفاظ کا گولہ بارود کافی ہوتا تو کانگرس کو ختم کر دینے کا سہرا مسٹر جناح اور انکے لیگی رفیقوں کے سر بندھ چکا ہوتا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسٹر جناح نے جی کھول کر کانگرس کو برا بھلا کہا اور اسکے ہر کام اور ہر تحریک کو طرح طرح کے معنے پہنا کر اسلامی بھائیوں کے سامنے پیش کیا۔ مہاتما گاندھی بھی انکی زد سے نہ بچ سکے۔ موصوف نے فرمایا۔ "مہاتما گاندھی اور صرف مہاتما گاندھی نے کانگرس کے اعلیٰ نصب العین کو جسکے ساتھ کہ اسکی ابتدا ہوئی تھی، کانگرس میں داخل ہونے کے بعد سے برباد کر دیا۔"

مسلم لیگ کی جد و جہد کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ اس نے مسلمانوں کی سیاسی ترقی کے لئے اپنی پالیسی مرتب کر لی ہے۔ چند سال پہلے مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ یا تو سامراجی حکومت کی وفاداری کرتے تھے یا کانگرس کے اصولوں کی کیونکہ سیاسی بیداری نوکرشاہی اور کانگرس کے حلقوں تک ہی محدود تھی۔

کانگرس پر فسطائیت کا الزام

کانگرس پر الزام لگاتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ اس نے ہندو مسلم سمجھوتہ کی تمام امکانی امیدوں کو اپنی فسطائیت کی چٹان سے ٹکرا کر چکنا چور کر دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ کانگرس باقاعدہ طور پر کسی فرقہ کی نمائندہ نہیں ہے۔ اور سب سے کم مسلم فرقہ کی۔

ریاستوں کا مسئلہ

ریاستوں کے متعلق مسٹر جناح نے کہا کہ کانگرس ریاستوں میں امن قائم کرنا نہیں چاہتی اسکی صرف یہ خواہش ہے کہ وہ حکومت برطانیہ اور والیان ریاست کے مقابلہ میں ریاستی عوام سے ملکر متحدہ محاذ قائم کرے۔ انہوں نے کہا کہ اگر کانگرس اپنی مداخلت سے باز نہ آئی اور اپنی جمہوریت کے ارادوں کو آگے بڑھانے سے نہ رکی تو مجبوراً مسلم لیگ کو ریاستوں میں مسلمانوں کو دوسری جماعتوں کی زیادتیوں سے بچانے کے لئے انکی مدد کرنا پڑے گی حالانکہ اپنے موجودہ دستورالعمل کے مطابق لیگ ریاستی معاملات میں دخل نہیں دے سکتی ہے۔"

فیڈریشن — مسٹر جناح نے کہا کہ فیڈریشن کے اوپر جو کانگرس کے آدمیوں میں اختلاف نظر آتا ہے — لیکن اگر انکو مرکزی حکومت میں اکثریت حاصل ہوگئی تو وہ اسپر کوئی اعتراض نہ کریں گے۔ انہوں نے بتایا کہ کانگرس مرکزی طاقت صرف اسلئے چاہتی ہے تاکہ جن صوبوں میں مسلمان برسر حکومت ہیں انکے خلاف وہ اپنی من مانی کارروائیاں کر سکے۔

فیڈریشن کی مدد سے کانگرس چاروں مسلمان صوبوں کو محض باجگذار ریاستوں میں تبدیل کر سکے گی۔

ساورکر جی بھی بگڑ گئے

ناگپور میں ہندو مہاسبھا کے بیسویں اجلاس میں اپنا خطبۂ صدارت پڑھتے ہوئے مسٹر ونایک دامودر ساورکر نے اعلان کیا کہ ہندوؤں کو اپنا ووٹ کانگرس کے بجائے مستند ہندو قوم پرستوں کو دینا چاہیئے۔

کانگرس پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے انہوں نے کہا "ہم ہندوؤں نے کانگرس کو یہ دن دکھایا ہے۔ ہم نے اسکو سات صوبوں میں حکومت دلائی ہے اور اب وہ ہمارے ہی خلاف نبرد آزما ہو رہی ہے۔"

صدر نے ہندو مہاسبھا کو فرقہ وارانہ اور متصور دار جماعت قرار دیا ہے۔ اور

لاکھوں ہندوؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس سے قطع تعلق کر لیں۔"

یہودی کون؟

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مقرروں نے فلسطین میں برطانیہ کی پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے کہا۔

"مغرب کے اصلی یہودی برطانوی باشندے ہیں اور مشرق کے یہودی ہندو ہیں اور دونوں شائلاک (شیکسپیر کے ایک ڈرامہ کا سودخوار یہودی) کی اولاد ہیں ...... ہندستان میں مہاتما گاندھی یہودیوں کے لیڈر ہیں۔"

ناگپور میں ہندو مہاسبھا کے صدر مسٹر ساورکر جی نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھتے ہوئے کہا "جرمنی میں جرمن ایک قوم ہیں اور یہودی 'اقلیت' ہیں۔ اسی طرح ہندستان میں قوم ہندوؤں کی ہے اور مسلمان ایک 'اقلیت' ہیں۔

ہندستانی [illegible]

حکومت بہار کی [illegible] ہندستانی کمیٹی نے حال ہی میں مولانا ابو [illegible] کی زیر صدارت اپنے ایک جلسہ میں [illegible] ہندستانی کی ایک لغت۔ ایک [illegible] اور دیگر کتابیں تصنیف کرنے کی [illegible] کمیٹی نے مولوی [illegible] ڈاکٹر تارا چند کو گرامر کی کتاب [illegible] ایک مفصل رپورٹ تیار کرنے کا کام [illegible] فروری میں کمیٹی کا آئندہ اجلاس ہوگا اور اس وقت یہ رپورٹ مکمل ہو جائے گی

معلوم ہوا ہے کہ گرامر کی کتابیں تصنیف کرنے کا کام بھی انہیں لوگوں کو دیا جائے گا۔

کانگرس کے سالانہ ممبر

صرف یوپی میں ستر ہزار کے اوپر

بجنور	۳۹۷۰
سہارنپور	۳۵۹۰
ہردوئی	۳۲۰۰

راجکوٹ کے عوام کی جیت

ریاست نے ذمہ دار حکومت کا مطالبہ تسلیم کر لیا

سردار پٹیل کی کوششوں کا نتیجہ

ریاست راجکوٹ کے مقابلہ میں تین مہینہ تک مورچہ جاری رہنے کے بعد ۲۶ دسمبر کو پرجا پریشد نے ستیہ گرہ اٹھالی۔ ۲۶ تاریخ کو جودھری [illegible] نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ گذشتہ رات کو سردار ولبھ بھائی پٹیل اور ٹھاکر صاحب کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ دار حکومت کی منزل [illegible] گئی ہے — سردار پٹیل اور ٹھاکر صاحب میں جو سمجھوتہ ہوا ہے اسکی رو سے ریاست تمام پابندیاں اور ہنگامی احکامات واپس لے لیگی اور تمام سیاسی قیدیوں کو چھوڑ دے گی۔

۲۵ دسمبر کو ٹھاکر صاحب کی دعوت پر سردار پٹیل بذریعہ ہوائی جہاز بمبئی سے راجکوٹ پہنچے اور ۶ بجے شام کو ٹھاکر صاحب سے ملاقات کرنے گئے۔ بات چیت ۲ بجے رات تک جاری رہی اور آخر میں سمجھوتہ کی صورت نکل آئی۔

سمجھوتہ کی خاص خاص شرائط یہ ہیں کہ ٹھاکر صاحب نے ریاستی عوام کا ذمہ دار حکومت کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے اور [illegible] کیلئے وہ ایک کمیٹی مقرر کرینگے جس میں پرجا پریشد کے نمائندوں کی اکثریت ہوگی۔ اسکے علاوہ ٹھاکر صاحب نے اپنے ذاتی اخراجات میں بھی کمی کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

سمجھوتے کی رو سے [illegible] استبدادی احکامات واپس لے لیگی تمام [illegible] قیدیوں کو رہا کر دے گی۔ اور [illegible] اٹھا لیگی۔

مبارکباد کے پیغام

راجکوٹ میں ریاستی عوام کی کامیابی کی خوشی میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کے پاس بہت سے مبارکباد کے پیغام تار کے ذریعہ آئے ہیں۔ یہ پیغامات بمبئی صوبہ کانگرس کمیٹی، مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی اور صدر کانگرس نے روانہ کئے ہیں۔

مسٹر ڈیسائی نے لکھا ہے "ہماری یہ جیت دراصل ریاستوں میں خود مختار حکومت کے حاصل کرنے کی جد و جہد کے سلسلہ میں سب سے پہلی جیت ہے۔ اور یہ جیت بھی بالکل واضح۔ ہمیں خوشی ہے کہ ذمہ دار حکومت برطانوی ہند سے بھی پہلے ایک ریاست میں قائم ہو گئی۔"

صدر کانگرس نے راجکوٹ کے سمجھوتہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ راجکوٹ کی لڑائی صرف راجکوٹ کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے ملک کو آزاد کرانے کی مہم کا ایک حصہ تھی اسلئے میں اس لڑائی میں حصہ لینے والوں اور امداد کرنے والوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔"

حیدرآباد کی ستیہ گرہ بھی ختم ہوگئی

۲۷ دسمبر کو حیدرآباد ریاستی کانگرس ورکنگ کمیٹی نے بھی ستیہ گرہ کو ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ورکنگ کمیٹی نے اپنے مفصل بیان میں بتایا ہے کہ ریاستی کانگرس کے ساتھ ہی ساتھ آریائی ڈیفنس لیگ۔ اور ہندو سول لبرٹیز یونین کی تحریکیں بھی چل رہی تھیں۔ ایسی حالت میں گاندھی جی — پنڈت جواہرلال اور کانگرس کے دوسرے لیڈروں نے ریاستی کانگرس کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کے لئے ستیہ گرہ روک دے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ستیہ گرہ روک دینے سے حضور نظام کی حکومت کو صحیح صورت حال کا اندازہ ہو سکے گا۔

ورکنگ کمیٹی نے اپنے بیان میں بتایا کہ "اسکے [illegible] سے اوپر آدمی دو مہینے سے لیکر ساڑھے تین سال تک کی قید بھگت رہے ہیں وہ نہایت تکلیف کے ساتھ ستیہ گرہ واپس لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگرچہ اسکے پاس ڈھائی ہزار رضاکار اب بھی موجود ہیں اور انکی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے لیکن جب تک التجا اور باہمی گفت و شنید سے مقصد حاصل ہو سکتا ہے اسوقت تک وہ اپنی طاقت کو استعمال نہیں کرنا چاہتی۔

اٹلی نے فرانس سے معاہدہ ختم کر دیا

ٹیونس کو ہتھیانے کی نئی چال

اطالوی وزیر خارجہ کاونٹ کیانو نے فرانسیسی سفیر مقیم اٹلی کو اطلاع کر دی ہے کہ اب حکومت اٹلی ۱۹۳۵ء کے فرانس اور اٹلی کے معاہدوں کو جن کا تعلق خاص کر ٹیونس اور شمالی افریقہ سے ہے جائز نہیں تصور کرتی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اٹلی کے اس رویہ کی وجوہات بتاتے ہوئے کاونٹ کیانو نے کہا کہ یہ معاہدے موجودہ صورت حال کی مناسبت سے نہیں بنائے گئے ہیں۔ اور چونکہ کبھی ان کے دوبارہ منظور کئے جانے کا موقع نہیں آیا اسلئے ان پر کبھی بھی عملدرآمد نہیں ہوا۔ اسکے برخلاف فرانس میں یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ فرانسیسی حکومت ہمیشہ ان معاہدوں کی پابندی کرتی رہی ہے۔ اور اس نے فرانس اور اٹلی میں دوستی برقرار رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً اٹلی کے ساتھ بہت سی مراعات بھی کی ہیں۔ اٹلی کے رویہ کے متعلق ایک رائے یہ بھی ظاہر کی جا رہی ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء کے لندن کے معاہدے کے بموجب فرانس کو اسپر مجبور کیا جائے کہ وہ کچھ نوآبادیات اٹلی کو دیدے۔

اٹلی میں امید ظاہر کیجا رہی ہے کہ برطانیہ بیچ میں پڑ کر فرانس کو اٹلی کے مطالبات کو نظرانداز نہیں کرنے دے گی۔ اگر وہ فرانس اور اٹلی میں اچھے تعلقات دیکھنا اور بحیرۂ روم اور بحیرۂ احمر میں امن و امان برقرار رکھنا چاہتی ہے۔

فرانس کی مشہور صحافی خاتون مادام تیبواسے نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ہٹلر اور مسولینی نے طے کر لیا ہے کہ عنقریب ہی جب برطانوی وزیراعظم چیمبرلین روم آئینگے تو انہیں اٹلی کی کم سے کم مانگیں بتادی جائیں اور انکو فرانس کو راضی کرنے کے لئے کچھ مہلت دی جائے اگر اسمیں وہ ناکامیاب رہیں گے تو حکومت اٹلی لندن کو مطلع کر دے گی کہ اب وہ فرانس سے الٹیمیٹم اور فوج کی کے الفاظ میں بات چیت کرے گی۔

جاپان کے مقابلہ میں چار طاقتوں کا متحدہ محاذ

جاپان کے مشہور سیاستدان مسٹر شادا ئی جوسی یو کائی کی پارٹی کی ایگزیکٹیو کمیٹی کے ممبر ہیں جاپانی پارلیمنٹ کے اجلاس سے پہلے ممبروں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے چین و جاپان کی موجودہ لڑائی میں متحدہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، اور روس کی مداخلت کا خطرہ ظاہر کیا۔

انہوں نے کہا کہ موجودہ صورت حال ۱۸۹۵ء کی چین و جاپان کی لڑائی سے جبکہ روس فرانس اور جرمنی نے مداخلت کی تھی زیادہ نازک ہے۔

فضل الحق کابینہ کی نازک حالت

بنگال میں کانگرس کی مشترکہ وزارت کے امکانات

بنگال میں فضل الحق کابینہ کے سر پر پھر کوئی مصیبت منڈلا رہی ہے - چنانچہ ابھی ورکنگ کمیٹی کے حال کے اجلاس میں (۱۵ و ۱۶ دسمبر) مسٹر این - این سرکار (جو کانگرس کے ٹکٹ پر اسمبلی میں آئے تھے اور جنکو کانگرس کے فیصلہ کے خلاف وزارت قبول کرلینے پر چھ برس کے لئے کانگرس سے نکال دیا گیا ہے) نے گاندھی جی، مہاتما گاندھی سے ملاقات کی اور صدر کانگرس سبھاش چندر بوس - مولانا ابو الکلام - مسٹر برلا اور سردار پٹیل سے بھی گفتگو کی - بیان کیا جاتا ہے کہ اس گفتگو میں اس بات کے امکانات پر غور کیا گیا کہ مسٹر سرکار موجودہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں اور بنگال میں کانگرس مشترکہ وزارت قائم کرلے۔

تردید

مسٹر سرکار نے ایک بیان میں بتایا ہے کہ انکی اس دوا دوش کا وزارت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ وہ کانگرس سے علیحدہ ہوگئے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھیں کانگرس کے نصب العین پر عقیدہ نہیں رہا ہے یا وہ اپنے کانگرسی دوستوں سے بھی علیحدہ ہوگئے ہیں۔ مسٹر سرکار نے گاندھی جی اور مولانا آزاد کے ساتھ اپنی بات چیت کے بارے میں لکھا ہے "میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے مولانا آزاد کے ساتھ گاندھی جی سے جو گفتگو کی ہے اسکی تمام تفصیلات نہیں بتا سکتا ہوں۔ یہ گفتگو عوام کے لئے نہیں تھی"

مخالف پارٹی کی بڑھتی ہوئی طاقت

بنگال اسمبلی کی کانگرس پارٹی کے لیڈر شری سرت چندر بوس نے فضل الحق وزارت کی کمزوری اور کانگرس کی مشترکہ وزارت کے امکانات پر ایک بیان دیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے -

"مستقبل قریب میں بنگال میں کانگرس کی مشترکہ وزارت یا کوئی اور ترقی پسند وزارت کے امکانات [illegible] آپ کی سیری وہی رہی ہے جس کا کہ میں گذشتہ اگست کے بعد سے کئی بار اظہار کر چکا ہوں "بنگال قانون سبھا کی مختلف پارٹیوں کے رجحانات کو دیکھ کر میں محسوس کرتا ہوں کہ اب موجودہ وزارت کی حالت اس سے بھی نازک ہے جیسی کہ وہ عدم اعتماد کی تحریک کے روز تھی۔ آج اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ بنگال قانون سبھا کی تمام جماعتوں کو اس کا پورا پورا احساس ہے کہ گذشتہ ۱۰ مہینوں میں موجودہ وزارت کی کارروائیاں بہت ناکافی رہی ہیں"

شری سرت چندر بوس نے اپنے بیان کے آخر میں بتایا ہے کہ بنگال کانگرس پارلیمنٹری پارٹی یا بنگال صوبہ کانگرس کمیٹی میں کوئی اندرونی اختلاف نہیں ہے اور " یہ کہنا کہ ابھی بنگال کے کانگرسیوں کو موجودہ وزارت کے خلاف ایک متحدہ محاذ پر جمع کرنا باقی ہے ان پر ایک اتہام لگانا ہے"

"چین کے سیاسی ٹکڑے پارچے"

۲۲ دسمبر کو جاپانی وزیر اعظم شہزادہ کونوئی نے ریڈیو پر ایک تقریر میں خیال ظاہر کیا کہ جاپان کی خواہش ہے کہ وہ چین کو بھی اشتراکیت دشمن معاہدے میں شامل کرلے اور چین و جاپان کے تعلقات کو پھر سے قائم کرنے کے لئے دونوں ملکوں میں مساوی اصول پر اقتصادی تعاون کو ترقی دے۔

چینی دفتر خارجہ کے ایک ذمہ دار نے جاپان کے ان ارادوں کو "چین کے سیاسی ٹکڑے پارچے کرنے کی ایک پر فریب کوشش" سے تعبیر کیا۔

اس نے بتایا کہ ایک طرف تو شہزادہ کونوئی چین کی خود مختار حکومت کا احترام کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف جاپان کے اس ارادے کا بھی اعلان کرتے ہیں کہ چین کو فوجی قوت سے فتح کرکے اسے اشتراکیت دشمن معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ ٭٭

نیچی نوکریوں میں آسانیاں

حکومت یو۔پی نئی اسکیم پر غور کررہی ہے

معلوم ہوا ہے کہ حکومت یو۔پی نیچی نوکریوں کے قواعد ضوابط - رخصت کی شرائط اور تنخواہ و پنشن وغیرہ میں مناسب ترمیمیں کرنے پر غور کررہی ہے۔

آجکل حکومت کے ماتحت ۵۰ ایسی نوکریاں ہیں جنمیں ۱۵ روپیہ ماہوار سے کم تنخواہ دیجاتی ہے - اور ۳۰ سال کی نوکری کے بعد ۴ روپیہ پنشن ملتی ہے۔

نئی اسکیم بجٹ پیش ہونے سے پہلے تیار ہوجائے گی - اندازہ ہے کہ اس میں تنخواہ بڑھا دیجائے گی - اور پنشن اور رخصت کی شرائط میں کافی رعایت ہو جائے گی۔

برطانوی سامراج کیجگہ جاپانی سامراج

ایک جاپانی اخبار کوکومن شمبن نے مطالبہ کیا ہے کہ "ایشیا سے برطانوی سامراج کے تمام نشان مٹا دیئے جائیں"۔

جاپانی پریس کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ برطانیہ اور امریکہ نے چین کو قرض دینا منظور کرلیا ہے۔

اخبار مذکور لکھتا ہے کہ حکومت جاپان کا ایک طبقہ اس قسم کی تجویزوں سے سمجھنے لگا ہے کہ اب یہ ناممکن ہے کہ برطانیہ اور امریکہ جاپان کے قومی نصب العین اور اصلی ارادوں کو ہمدردانہ طور سے سمجھنے کی کوشش کریں، خواہ جاپان ان کی کتنی ہی تشریح کیوں نہ کرے۔

آگے چلکر کوکومن شمبن لکھتا ہے " اب نہ صرف مشرق بعید بلکہ ایشیا میں برطانوی سامراج کی تمام نشانیوں کو مٹا دینے کی نیت سے جاپان کی پالیسی پر زور و قوت سے عملدرآمد ہونا چاہئے"۔

---

۲۴ جاپان کی تجارتی پالیسی کے متعلق اس نے کہا کہ جاپان تنہا اپنے فائدے کے لئے پوری قوت کے ساتھ اپنی فوجوں اور مقامی حکومتوں کی مدد سے چین میں ایک منظم اقتصادی لوٹ کی اسکیم کو رائج کرنا چاہتا ہے - اور یہ اعلان کہ جاپان چین میں اپنی اجارہ داری قائم کرنا یا اسپر غلبہ حاصل کرنا نہیں چاہتا یا کسی تیسری طاقت کے مفاد کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا بالکل ریاکاری ہے۔

فرانس اور اٹلی

گذشتہ پندرہ برس کے اندر صرف ایک ذرا سا زمانہ ایسا گزرا ہے جبکہ فرانس اور اٹلی کے تعلقات درست رہے ہے۔ یہ زمانہ ایم لاول کی وزارت کا تھا۔ جیسی احسان فراموشی اٹلی نے فرانس کے ساتھ دکھائی ہے۔ آج تک کسی قوم نے کسی قوم کے ساتھ نہیں دکھائی ہے فرانس ہی ایک ایسا ملک ہے جس نے اٹلی کو حبشہ کی لڑائی کے موقع پر لیگ اقوام کے بائیکاٹ سے بچایا اور فرانس ہی نے اٹلی کو حبشہ پر قدم جمانے کا موقع دیا۔ لیکن اب اٹلی ہی فرانس کو کمزور بنا رہا ہے۔

آسٹریا پر قبضہ کرنے سے پہلے جرمنی کی مجموعی فوجی طاقت فرانس کی دوگنی بلکہ تگنی تھی۔ اب آسٹریا اور چیکوسلاویکیا کو ہڑپ لینے کے بعد اسکی طاقت فرانس سے بہت بڑھ گئی ہے۔ اب فرانس کو تین رخوں سے حملہ کا اندیشہ ہے۔ کسی مقابلہ کی طاقت یوں بھی درست ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی افریقی ڈھائی لاکھ حبشیوں والی فوج کو کام میں لا سکے۔ لیکن اس سے فائدہ اسوقت اٹھایا جا سکتا ہے جب سمندر کا سفر طے ہو سکے۔ الجیریا سے مارسلیز تک ۱۸ گھنٹہ کا سفر ہے۔ لیکن جو جہاز بھی آسے اسکو بالیارک کے جزیروں سے گزرنا پڑے گا، جو اٹلی کے پنجوں میں ہیں۔

جنگ عظیم کے چار سال کے درمیان جرمن آبدوزوں کا ڈاسنار کا اور ریوپزارہ چکا ہے۔ جب وہ اتحادیوں کے جہازوں کو برباد کرکے تھک جاتے تو یہاں آکر آرام کرتے۔ انکو روٹی پانی دینے والا ایک اسپینی تاجر ڈان جان مارچ تھا، جو اس طرح روپیہ پیدا کرکے لکھ پتی بن گیا۔

جب اسپینی خانہ جنگی چھڑی ہے تو فرانس نے اٹلی کے ان جزیروں پر عمل دخل جمانے کی سخت مخالفت کی۔ کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا [illegible] قبضہ کا کیا مطلب ہے؟ جب اس مخالفت کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو فرانس [illegible] کی طرف سے مایوس ہوگیا۔ اور یہ طے کر لیا کہ اگر اٹلی یا جرمنی سے لڑائی چھڑی تو اپنی افریقی فوج کو بحیرہ اٹلانٹک کے ساحل پر کیسا بلانکا (مراکش کا ایک بندرگاہ) میں پہنچایا جائے گا اور وہاں سے جہاز پر سوار کرکے پورٹ وینڈرس (فرانس کے بندرگاہ) لایا جائیگا، اور اب جب کبھی فوج آتی ہے تو اسی راستہ سے آتی ہے۔ اسی غرض سے ایک مختصر ریلوے لائن بنائی گئی ہے جو مراکش اور الجیریا، اور ٹیونس کو ملاتی ہے۔ اگر ٹیونس پر حملہ ہوا تو اسوقت بھی یہ ریلوے بڑے کام آئے گی۔ زمانہ ہوا کہ فرانس کے وزیر اعظم اور وزیر جنگ نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگلی لڑائی یورپ میں نہیں بلکہ لیبیا کی سرحد پر چھڑے گی۔

بسمارک نے انگلستان سے ساز باز کرکے ٹیونس کو فرانس کی ماتحت حکومت بنا دیا۔ اٹلی کو فرانس کا یہ حق بہت کھلا۔ کیونکہ اپنے ساحل کے سامنے ہونے کی وجہ سے اٹلی اسکو اپنی جاگیر سمجھے ہوئے تھا۔ اٹلی ٹیونس کو اسلئے نہیں چاہتا کہ وہاں کچھ اپنے آباد ہیں۔ یا اس کی کچھ اقتصادی بھلا ہوگا۔ ٹیونس اسکے لئے فوجی طاقت کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ راس بان اور مارسالا کے درمیان جو ایک چھوٹ سمندر کی پھیلی ہوئی ہے، اور صرف ۹۰ میل چوڑی ہے وہ بحیرہ روم کے آبنی پھاٹکوں میں سے ایک پھاٹک ہے۔ اگر کسی کے پاس اس پھاٹک کی دونوں سمتیں ہوں تو وہ بحیرہ روم کے مشرق سے مغرب والے راستہ کا ٹھیکیدار بن سکتا ہے۔ اٹلی نے جزیرہ پینٹی لاریا کو جو فوجی مرکز بنا لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے نزدیک سمندر کا یہ حصہ کتنا اہم ہے۔

فرانس خوب جانتا ہے کہ اس سمندری پھاٹک کی اٹلی کے لئے کتنی اہمیت ہے۔ اسلئے اسنے لیبیا کی سرحد پر اسی طرح ایک فوجی قلعوں کا سلسلہ بنا لیا ہے جیسا کہ فرانس میں میگنات کا سلسلہ ہے۔ یہ فوجی خط تقریباً ۹۰ میل تک چلا گیا ہے۔ اور جیسے زمین دوز ہی میں اس خط کا سفر کرنا ہو تو زمین پر یہاں سے وہاں تک تاروں کے جال اور خندقیں پھیلی ہوئی

تھیں۔ اور اکثر ایک آدھ فوجی دستے قواعد کرتے ہوئے مل جاتے تھے
ساحلی قلعے بھی جگہ جگہ موجود ہیں۔ ہوائی اور بحری فوج کا مرکز
بنزرٹا ہے۔ جو ابھی بنایا جا رہا ہے جب یہ تیار ہو جائے گا تو شاید بحر روم
کے بڑے بڑے فوجی مرکزوں میں اس کا شمار ہوگا۔ اس کی [illegible]
خیال رکھا گیا ہے کہ برطانیہ اور فرانس دونوں ملک یہاں سے لڑیں گے۔
فرانس خاص کر مغرب کی طرف بڑھیگا، اور برطانیہ مشرق کی طرف۔
بنزرٹا کا ساحلی ایک اور ہوائی و بحری مرکزی مقام جو
اورن کے پاس الجیریا میں ہے بنایا جا رہا ہے۔ الجیریا اور ٹیونس میں
مدد کے لئے کچھ جہاز، اور بحری ہوائی جہاز ہیں۔ جو آبدوزوں وغیرہ
کو مدد پہنچا سکتے ہیں۔

جن فرانسیسی افسروں سے میں نے بات کی انکو بالکل بھروسا
تھا کہ وہ بیرونی حملے سے اس ملک کو بچا لیں گے۔ تیونس کی فوج میں
تیس ہزار باقاعدہ سپاہی ہیں۔ لیکن ضرورت پڑنے پر بہت تیزی سے
الجیریا اور مراکش سے نئی فوج منگائی جا سکتی ہے۔

اصل میں جو ڈر ہے وہ اندرونی حالات سے ہے۔ اطالوی [illegible]
کے قنصل جنرل نے اس کو منظم کر کے ایک فوجی طاقت بنالی ہے۔ اور وہ
روم کے اشارے پر نقل و حرکت کرتی ہے۔ یہ فرانسیسی فوج کے لئے
بغلی گھونسہ بن سکتی ہے۔

۷ جنوری ۱۹۳۵ء میں مسولینی اور ایم لاول میں یہ معاہدہ ہوا
تھا کہ جتنے اطالوی ۱۹۶۵ء کے بعد پیدا ہوں گے سب ٹیونسی سمجھے جائینگے
اور فرانس کی فوجی خدمت انپر لازمی ہوگی۔ لیکن یہ معاہدہ کبھی عمل تک بر
نہ آسکا۔ اور اطالویوں کو یقین ہے کہ تیس سال ایسی مدت ہے کہ اسکے
اندر کوئی نہ کوئی انقلابی بات ضرور ہو جائیگی۔ وہ بتا نہیں سکتے کہ کیا انقلابی
بات کیا ہوگی۔ لیکن انکے ذہن میں یہ ضرور ہے کہ ایک نہ ایک دن اطالوی
فسطائیت ٹیونس کو ملا لیگی۔

صرف فسطائی فوج کا فرانس کو خطرہ نہیں ہے بلکہ وہاں کی قومی
تحریک بھی دن بدن زور پکڑتی جا رہی ہے۔

ٹیونس کے باشندے قومی خود مختاری کے مطالبات بلند کر رہے
ہیں۔ مراکش اور دوسرے مسلمان ملکوں کی قومی تحریکیں انکو مدد پہونچا
رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ اٹلی اپنی غرضوں سے ان تحریکوں کی روپیہ پیسوں
سے مدد کر رہا ہے۔ غالبًا یہ طاقتیں جلد ہی بڑھ کر فرانس کے لئے خطرناک
ہو جائیں گی۔

فرانس نے عراق میں برطانوی پالیسی کی پیروی کی ہے۔ سیریا کی آزادی
تسلیم کرلی۔ لیکن ساحل پر اس کا اثر باقی ہے۔ وہ یوں کہ لبنان کی چھوٹی
ریاست سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ یہاں ان کی ایک فوج اور ہوائی مرکز
ہے۔ اور پاس ہی ٹری پولی میں جہاں کہ فرانس کے حصہ کا موصل [illegible]
ہے۔ ایک بحری مرکز بنایا جا رہا ہے۔

دیہات کیلئے

ہماری دیہاتی شاعری

از سید مطلبی [illegible]

ہریانہ دیہاتی شاعروں میں شب لال ساکن کوٹ علاقہ میوات [illegible]
ہے۔ جو اپنی ایک چوپئی میں اہلکاروں کے حالات اس طرح بیان کرتا ہے۔
یہ اقتباس پوری چوپئی کے بجائے اس کا ایک حصہ ہے۔

دوہا

سن لے دھر کے دھیان میں کروں بیان حقیقت ساری
پٹے یا پولیس میں کر رہے تھا نیداری
مقدم، چوکیدار لگے کیا، جلم پٹواری
رشوت کھا مستی کی الٹی کرو اری

چوپئی

نا یہ رحم کریں کائی پے ہو تی کر دھرے بھائی پے
اپنی ناچو کیں آئی پے جھوٹی سوں کھا بیٹھا نائی پے

شعر

نیت بگڑی سبن کی جتنے اہلکار ہیں
بے بات کریں کیس اور جرمانے کو تیار ہیں
دے کر رشوت چھٹا لاؤ یہی ان کا رہے
شرم کا ہی کو نہیں پاپ سے کھاس رشتہ دار ہے

پٹکا

ہے پیسہ کی لاج چاہے محتاج ناگر میں تاج
ہوئے پیسہ اُن کو تیار نہ سمجھیں ست است ہیں

چھند ہریانہ

ایک بات اور نئی سناؤں سبھی سنو سرداری
الٹی گئی رے دیس اپنے سے ساہوکاری
دھرم بیاج پر بیاج تاکر بے لہاج رکم ہوئے بھاری
وہ پٹے نا بھیسوں پشت اسامی ہاری

پٹکا

[illegible] آنکھ بہار، دھرم کی [illegible] باپ [illegible]
[illegible] بن کے اوپر ہوا سوار نا کلا رہی [illegible]

---

۱ بے حیا ۔ ۲ کندن ۔ ۳ قسم ۔ ۴ [illegible] ۔ ۵ تاشہ

گرم خون

(وجاہت سندیلوی)

"یہ سالن ہے یا ابلا ہوا گوشت۔ کیا آپ کو توقع ہے کہ میں اسکے دام دوں گا؟" میں نے ہوٹل کے منیجر سے ترشروئی سے کہا۔ منیجر بیچارہ بھی پر اپنا غصّہ اتانے چلا گیا۔ "آپ بالکل بجا فرماتے ہیں" ایک طرف سے آواز آئی میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سامنے والی میز پر ایک دبلا پتلا شخص ایک پھٹا اور بوسیدہ مخملی کوٹ پہنے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ شاید وہ الفاظ اسی نے کہے تھے۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ مع اپنی دو پلیٹوں کے اپنی میز سے اٹھکر میری میز پر آکر بیٹھ گیا۔ میں خاموش رہا۔ اس کی اس حرکت سے بیزارگی ظاہر کرنے کے لئے میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا آپ روزانہ اسی ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں" تھوڑی دیر اپنی پلیٹوں میں مصروف رہنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"جی نہیں"

"میں یہیں کھاتا ہوں"

میں نے اس اطلاع کو بالکل غیر ضروری سمجھا۔

"آپ کو یہ سالن پسند نہیں" اس نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں"

"لیکن آپ کو اسکے دام تو دینا پڑیں گے"

"یہ میں بھی جانتا ہوں"

"لیکن کیوں دینا پڑیں گے؟"

میں اس مہمل گفتگو سے تنگ آچکا تھا لہذا میں خاموش رہا۔

"آپ کو دام دینا پڑیں گے چاہے سالن اچھا ہو یا برا" اس نے پھر کہا۔

اب میں قطعی طور پہ اس شخص کو پاگل سمجھنے لگا تھا۔

"بات اصل یہ ہے کہ قانون خدا ہے اور تعزیرات ہند ہماری آسمانی کتاب!"

"کیا مطلب آپ کا؟" میں پوچھ ہی بیٹھا۔

"مطلب صرف یہ ہے کہ آپ قانون کو خدا سمجھتے ہیں اور تعزیرات ہند کو اپنی آسمانی کتاب۔ آپ اپنی طبیعت سے ذرا بھی جنبش نہیں کر سکتے۔ آپ کی گردن میں قانون کی زنجیر باندھ دی گئی ہے اور آپ مجبور ہیں کہ جدھر وہ چاہے آپکو لیجائے اور اگر آپ اپنی طبیعت سے ایک قدم بھی اٹھانا چاہیں تو آپ کی زنجیر میں بندھی ہوئی گردن فوراً کھینچ لیجائے گی۔

"تو آپ قانون کو خدا سمجھتے ہیں۔ مذہب سے آپ کا کوئی تعلق نہیں" میں نے پوچھا۔ "مذہب ہا ہا ہا تو کیا آپ ہوٹل والے کو جو اس سالن کی قیمت دیجئے گا وہ مذہب کے دباؤ سے دیجئے گا؟ آپ کے ضمیر اور ایمان کا محافظ وہ ٹہل رہا ہے۔" اس نے انگلی اٹھاکر ہوٹل کے باہر چوراہے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے جھک کر دیکھا، اپنا ڈنڈا لئے ہوئے ایک پولیس کانسٹبل ٹہل رہا تھا۔

"تو پھر آپ چاہتے کیا ہیں؟" میری سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کہوں؟ "گرم اُبلتا ہوا خون!" میں اس کا منھ دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا اور وہ اٹھ کر ہوٹل کے اندرونی حصّہ میں چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر اس کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ آیا۔ میں اٹھ کر گھر چلا آیا۔

میں ایک آدھ دفعہ پھر ہوٹل گیا لیکن وہ شخص مجھے نظر نہ آیا۔ مجھے صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ وہ کسی کارخانہ میں مزدور ہے اور کھانا اسی ہوٹل میں کھاتا ہے اور اگرچہ ہوٹل کے سب سے سستے کھانے کا گاہک ہے لیکن بہت بدمزاج ہے اور کئی دفعہ ہوٹل کے منیجر سے لڑ چکا ہے۔ منیجر اسے صرف اس وجہ سے لگائے ہے کہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس پر باقی رہتا ہے۔ اس کا نام قطعی طور سے کسی کو معلوم نہیں لیکن سب اسے جمو کہتے ہیں۔

ایک روز میں ہوٹل کے پاس سے نکلا تو دیکھا جمو اور ہوٹل کے منیجر سے جھگڑا ہو رہا تھا دونوں چیخ چیخ کر باتیں کر رہے تھے۔

"بس حساب بند ہو گیا"

"تو تمہارے باقی پیسے بھی نہ ملیں گے!"

"تو پولیس کے ڈنڈے کے زور سے ملیں گے!"

"بزدل، بے ایمان۔ ہم مزدوروں کی گاڑھی کمائی کھا کھا کر ہم ہی کو غرّے ڈبے دکھلاتے ہو!"

"بدمعاش نکل جا ابھی ہوٹل سے"

"حرامخوروں کی یہی پہچان ہوتی ہے!"

میں موقع پر پہنچ گیا ورنہ جمو کے بڑی زور کی ٹھوکر پڑتی۔ میں اسے علیحدہ لے گیا۔ "کیا بات ہے جمو"

"کچھ نہیں کارخانہ میں ہڑتال ہے۔ بے ایمان ہوٹل والا سمجھتا ہے میں اسکے پیسے لیکر بھاگ جاؤں گا"

"ادھار نہیں دیتا!"

"کارخانہ کے مالکوں نے سب ہوٹل والوں کو رشوت دی ہے کہ وہ کسی مزدور کو ادھار نہ دیں۔"

"اچھا!" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ سب ڈاکو ہم غریبوں کو کچلنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن کیا ہم [illegible] ان کمینی حرکتوں سے کچل جائیں گے۔ کتنوں کو کچل سکتے ہیں؟" اس کی آنکھوں کی خاص چمک اور زیادہ نمایاں ہو گئی "گرم ابلتا ہوا خون" میں نے جمو کو کھانا کھلایا۔ کھانے کے دوران میں وہ خاموش رہا۔ آخر میں اس نے مجھے پوچھا "کیا اگر میں ایک گلاس توڑ دوں تو تم اسکے بھی دام دوگے؟"

اسکے اس طفلانہ سوال پر مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے کہا "ہاں" اسی نے میرے ایک گلاس اٹھا لیا اور ہوٹل کے منیجر کے سامنے لیجا کر اسے پوری قوت سے فرش پر دے مارا۔ گلاس ریزہ ریزہ ہو گیا۔ جمو نے میری طرف اشارہ کرکے کہا "ان سے دام لے لو" اور باہر نکل گیا۔

ہوٹل کا منیجر غصہ میں میرے پاس آیا "دیکھا آپ نے بدمعاشی جاری روز کی ہڑتال ہیں یہ بدحواس سب۔ حضرت کو آج پورے دو روز کے بعد کھانا ملا ہے۔ آپ نے ناحق اس ناشکر گذار پر اپنے پیسے خراب کئے"

"مزدوروں پر گولی چل گئی"

چند منٹ میں یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ ہر شخص اس سنسنی خیز خبر کی سنسناہٹ سے ایک خاص خوف اور تعجب کا لطف لے رہا تھا۔ مجھے جمو کی فکر تھی۔

میں ہڑتال کے حلقہ میں پہنچا۔ گولی چل چکی تھی بہت سے زخمی مزدور اسپتال پہنچا دیئے گئے تھے لیکن اب بھی ایک آدھ زخمی مزدور ادھر ادھر پڑا کراہ رہا تھا۔ عجب بیکسی کا منظر تھا۔ بھوکے پیاسے پھٹے لنگے مزدوروں کا گروہ جس میں کوئی جنبش تھا کوئی گھائل۔ کارخانہ کا دروازہ گھیرے "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ لگا رہے تھے اور دوسری طرف زرق برق کپڑے پہنے کارخانہ کے مالک اور پولیس کے افسر ایک دوسرے کے چہروں پر سگرٹ کا دھواں پھونک پھونک کر نہایت اطمینان سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے چاروں طرف جمو کو ڈھونڈا لیکن وہ نظر نہ آیا۔ میں سمجھا شاید وہ زخمی ہوگیا اور اسپتال بھیجدیا گیا۔

دفعتاً مجھے جمو دکھائی دیا۔ وہ کارخانہ کے دروازہ کے بیچوں بیچ میں سرخ جھنڈا لئے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے بڑے تکلف سے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا دیا اس میں بڑا گہرا زخم تھا، اور اس سے اب بھی خون نکل رہا تھا۔ سارا ہاتھ خون سے لت پت تھا۔ جمو چیخا "گرم ابلتا ہوا خون" میں شرم سے زمین پر گڑ گیا۔ میرا جی چاہتا تھا میں اسی وقت کوئی تیز چاقو لیکر اپنے جسم کی رگ رگ سے اپنا منجمد ساکت خون نکال ڈالوں

زلزلے کیوں آتے ہیں

([illegible])

ہمارے بزرگوں کا عقیدہ تھا کہ پہاڑ ہمیشہ ایک ہی سے بنے رہتے ہیں۔ ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، جیسے کہ انکے نزدیک سماج میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ بادشاہ چوٹی پر تھا، مذہبی پیشوا، اور امرا اسکے نیچے ہوتے، اور کسان و مزدور بالکل نیچے۔ سماج کی اس بناوٹ کو قدرتی سمجھا جاتا تھا۔ اسی نگاہ سے پہلے لوگ قدرت کو دیکھتے تھے۔ اگر زمین میں کوئی جنبش ہوتی تھی تو اسکی وجہ آسمانی طاقت سمجھی جاتی تھی۔ اسی لئے اسکے متعلق زیادہ کھوج کرنا بھی برا سمجھا جاتا تھا۔

اب ہمکو معلوم ہوگیا ہے کہ نہ تو زمین کی بناوٹ ہمیشہ ایک سی رہتی ہے اور نہ سماج کی بناوٹ۔ بڑے بڑے پہاڑ سمندر میں غائب ہو سکتے ہیں۔ اور بڑی بڑی شہنشاہتیں بدل کر جمہوریتیں بن سکتی ہیں۔ جن قاعدوں سے یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ اور معلوم ہوجانے کے بعد ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔

جب زلزلہ آچکتا ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ حرکت کسی شگاف کے اردگرد ہوتی ہے۔ یہ شگاف زمین کو چیرتا ہوا اندر کی چٹانوں کو بھی چیر دیتا ہے۔ اس شگاف کے ایک طرف کی زمین اوپر چڑھ جاتی ہے یا نیچے اتر جاتی ہے۔

شگاف کے اصول کا کوئلے کی کانوں میں خوب تجربہ ہوتا ہے۔ اکثر کوئلہ کسی چٹان کے پاس جاکر ختم ہوجاتا ہے۔ اب اسکے سلسلے کو پکڑنے کے لئے ہاتھ کئی گز نیچے جانا پڑتا ہے۔ یا کئی گز اوپر۔ یہ تبدیلی ان زلزلوں سے ہوئی جو لاکھوں برس پہلے آئے تھے۔

لیکن جب ان خطوں کی کمزوری کا مطالعہ کرو جو زلزلوں میں پھٹ جاتے ہیں، تو سطح پر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ زلزلوں کی وہی حالت ہوتی ہے جو انقلاب کی۔ اس کی وجہ وہ کھنچاؤ ہوتا ہے جو مدتوں سے چلا آتا ہے۔ وہ کھنچاؤ کیا ہے؟ غالباً اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ زمین برابر ٹھنڈی ہوتی جارہی ہے۔ اسکے اندر کا حصہ بہت گرم ہے۔ جیسا کہ کانکنوں کا تجربہ ہے رفتہ رفتہ کرکے یہ گرمی کم ہورہی ہے اور زمین سکڑتی جارہی ہے۔ سکڑنے کا اوسط غالباً سو سال میں چند انچ ہوتا ہے۔

زمین کا اندرونی حصہ بالکل رقیق نہیں ہے لیکن جب اس پر بہت [illegible]

دنوں تک کھنچاؤ پڑتا رہتا ہے تو وہ پھٹ جاتا ہے۔ اوپری پچاس میل کا دل اندر کے پگھلے ہوئے مادے پر تیرتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ پہاڑ میدانوں کی نسبت ہلکے مادے سے بنے ہیں۔ اور سب سے زیادہ ٹھوس چٹانیں سمندر کی تہ میں ملتی ہیں۔ اگر پہاڑ بھی وزنی چٹانوں سے بنے ہوتے تو وہ جلد ہی دھنس جاتے۔

اندرونی پگھلا ہوا مادہ سکڑتا ہے تو اوپر کا سخت غلاف پھٹ جاتا ہے۔ جس سے کچھ شکنیں اور کچھ گڈھے پڑ جاتے ہیں۔ آجکل سب سے بڑی شکنیں بحرالکاہل کے ساحلوں پر ہیں۔ وہاں ساحل سے ملے ہوئے اونچے پہاڑ ہیں اور ان سے چند ہی میل دور پر گڈھے ہیں جو بحرالکاہل میں سب سے زیادہ گہرے ہیں۔

زمین میں کہیں کہیں شگاف بھی ہیں۔ جہاں سے زمین کے دو ٹکڑے الگ الگ ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ بہت کم ہیں زیادہ تر شکنیں ہیں۔

جہاں جہاں یہ شکنیں ہیں ان مقاموں پر زلزلے زمین کے سکڑنے کی وجہ سے نہیں آتے ہیں بلکہ اس وجہ سے آتے ہیں کہ ان شکنوں سے زمین پر ایک مسلسل کھنچاؤ پڑتا رہتا ہے، جسکو آہستہ آہستہ ڈھیل ملتی جاتی ہے۔ اور دوسرے قسم کا زلزلہ برف اور پانی کی وجہ سے آتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں پہاڑوں کو جب کسی طرف سے کمزور کر دیتی ہیں تو وہ اپنی نشست بدل دیتا ہے۔

کیچڑ، بالو، اور پتھر کے ٹکڑوں کی بہت بڑی مقدار بہا کر یہ کر میدانوں میں بہتی ہوئی گنگا و سندھ کے دہانوں پر جاکر جم جاتی ہے۔ اس سے ان چٹانوں پر جو میدانوں کے سروں پر ہیں بوجھ بڑھ جاتا ہے اور اس سے کبھی کبھی زلزلہ آجاتا ہے

ان مقاموں پر جو آتش فشاں کے قریب واقع ہیں زلزلے بہت آتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ زلزلوں کی وجہ آتش فشاں ہوتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ جہاں جہاں چٹانوں میں شکنیں پڑ گئی ہیں اور ان میں شگاف ہو گیا ہے۔ وہاں بھاپ اور پگھلے مادے کو نکاسی کا راستہ مل جاتا ہے۔ اس طرح بعض بعض شکنیں، آتش فشاں بن گئی ہیں۔

زلزلوں کی موجودہ تحقیق کی بنیاد ایک انگریز ملنے نے ڈالی ہے۔ وہ کسی علم طبیعی سکھانے جاپان گیا تھا۔ اس نے ایسے آلے بنائے جس سے ان زلزلوں کی جو دور پر آتے تھے لہریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ اب یہ آلے بہت سے ملکوں میں استعمال کئے جا رہے ہیں اور پہلے سے اب درست ہو گئے ہیں۔

جب کوئی زلزلہ آتا ہے، تو وہ میلوں تک لہریں دوڑا دیتا ہے جو لہریں چٹانوں سے ٹکراتی ہیں اور سب سے تیز (۳ میل فی سکنڈ) چلتی ہیں۔ انکو "دھکے والی لہریں" کہا جاتا ہے۔ اور یہ لہریں الٹ پلٹ ہوتی رہتی ہیں۔ مگر ان کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ لیکن جو آلہ بنایا جاتا ہے وہ محسوس کر لیتا ہے۔ جو اور لہریں نکلتی ہیں انکو ٹھہرانے کی لہریں کہتے ہیں اور وہ کم رفتار سے چلتی ہیں۔

جتنی دور پر زلزلہ ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ ان دونوں لہروں کے درمیان وقفہ ہوگا۔ اور اسی وقفہ سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتنی دور سے آ رہی ہیں۔ اور پھر اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ مشاہدہ گاہ سے کتنی دور پر زلزلہ آیا ہے۔

اور اگر انہی مشاہدہ گاہوں سے یہ فاصلہ معلوم کر کے صحیح دوری بتائی جا سکتی ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی بتایا جا سکتا ہے کہ زمین کی کتنی گہرائی سے زلزلہ شروع ہوا ہے۔

ابھی تک ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ زمین کا کھنچاؤ، کیا ہے جو زلزلے لاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ زلزلہ فلاں دن کیوں آیا۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ زلزلے اسی دن آتے ہیں جب چاند نیا ہوتا ہے۔ یا پورا ہوتا ہے۔

چاند ہی کی طاقت سمندر میں جوار بھاٹا لاتی ہے۔ تو وہی طاقت چٹانوں کے لئے، جو بہت دنوں سے کھنچاؤ برداشت کرتی چلی آتی ہیں اشارے کا کام کرتی ہوگی۔

ایک جاپانی ماہر حیوانات نے مشاہدہ کیا کہ کچھ مچھلیاں ایسی ہیں جو زلزلہ آنے سے کچھ گھنٹہ پہلے بہت بے چین رہتی ہیں۔ اگر یہ مشاہدہ ٹھیک ہے تو ان کی مدد سے زلزلہ آنے سے پہلے خطرہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔

لیکن آجکل تو جاپانیوں کو اپنے ملک کو زلزلہ سے بچانے کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی چینیوں کے ملک کو تباہ کرنے کی۔

ابھی تک زلزلوں سے بچنے کی جو سب سے اچھی ترکیب ہے وہ ایسے مکانوں کے بنانے کی ترکیب ہے جن پر زلزلوں کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ لیکن امید ہے کہ ہم جلد ہی اس قابل ہو جائیں گے کہ کئی گھنٹہ پہلے معلوم کر لیا کریں گے کہ کہاں زلزلہ آنے والا ہے۔ اور پھر وہ جگہ اس وقت خالی کر دی جائے گی۔ یوں جانیں بچ جایا کریں گی۔

یو۔پی اسمبلی

سیر پر بحث

زرعی بل میں زمینداروں کے لئے سب سے اہم دفعہ سیر ہے۔

۱۰ دسمبر سے اسپر بحث شروع ہوئی۔ نواب سر محمد یوسف نے پہلے دن ایک بہت لمبی تقریر کی، اس میں کہا کہ سیر زمینداروں کا پیدائشی حق ہے۔ اور اسکے ثبوت میں انھوں نے کچھ روسی کتابوں کا حوالہ دیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ کاشتکار زمین کے مالک نہیں ہوتے ہیں پھر انھوں نے ملک کی غریبی پر بہت ترس کھایا اور اس کا علاج حکومت کے سامنے یہ پیش کیا کہ زمینداروں کی مالی حالت درست کردی جائے۔ اس سے ملک کی مالی حالت درست ہوجائے گی۔ انکے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کاشتکاروں کی مالی حالت درست کرنے کی کوشش کرنا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ زمینداروں کی مالی حالت درست کرنے کی کوشش کرنا۔ انھوں نے سیر کی دفعہ میں جو ترمیم کی تھی اسکے لئے انھوں نے کہا کہ اس سے کاشتکاروں کو نقصان نہیں پہونچے گا، اور پھر کہنے لگے کہ کچھ نقصان تو پہنچے گا، لیکن چونکہ ابھی تک انکو زمین پر کوئی حق نہیں تھا، اس لئے اب جتنا بھی ملیگا اسی کو وہ بہت سمجھیں گے۔ نواب صاحب کو سیر کے حق کو ۵۰ ایکڑ تک محدود کردینے پر اعتراض تھا۔

مسٹر جین پارلیمنٹری سکریٹری نے جوابی تقریر میں کہا کہ ۵۰ ایکڑ کی شرط صرف اس زمین کے لئے ہے جو ۱۹۲۱ء کے بعد اودھ میں اور ۱۹۲۶ء کے بعد آگرہ میں حاصل کی گئی ہو

اگر کوئی زمیندار اس سے پہلے سے ۵۰ ایکڑ پر کاشت کرتا چلا آتا ہے تو اب بھی کرسکتا ہے۔ اور یہ بھی ان زمینداروں کے لئے نہیں ہے جو ۲۵۰ سے کم مالگذاری ادا کرتے ہیں۔ اسکے بعد کئی روز تک یہ بحث ہوتی رہی کہ سیر کیا چیز ہے، اور زمینداروں کو کب سے اسپر حق ملا ہے، وزیر زراعت نے تاریخ سے ثابت کیا کہ صرف چالیس برس سے زمینداروں کو سیر کا حق ملا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے سیر کے حق کا عملی طور پر کوئی پتہ نہیں تھا۔ جب تک کوئی زمیندار کسی زمین کی کاشت کرتا رہتا وہ اسکی سمجھی جاتی، اور جہاں اسنے کاشت چھوڑی، وہ اسکے ہاتھ سے گئی۔

سیر کی بحث میں سب سے دلچسپ بات ۱۲ دسمبر کو ہوئی جبکہ ایک کانگرس ممبر نے یہ ترمیم پیش کی کہ سیر کی زمین میں مسلمان زمینداروں کو ورثہ کا حق دیا جائے۔ وزیر زراعت نے اس کی تائید کی۔ زمینداروں نے اسکی سخت مخالفت کی، مگر مسلم لیگ نے اسلامی شریعت کے نام سے مجبور ہوکر حکومت کا ساتھ دیا۔

زمیندار قدم قدم پر چاہتے تھے کہ کاشتکاروں کو کم سے کم حق دئے جائیں، اور وہ سیر کے زیادہ سے زیادہ حق لے لیں اور دوسری کوشش یہ تھی کہ جتنا ممکن ہو اس بل کے پاس کرانے میں دیر لگائی جائے۔ انھوں نے کہا کہ کاشتکاری کی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ زمینداروں کو سیر کے حق زیادہ سے زیادہ دئے جائیں، اور کبھی یہ کہا کہ زمینداروں کے خادم کے لئے خاص رعایتیں ہونا چاہئیں جیسے کہ وزراء جو پنشن والے ہیں انے ایک ترمیم میں صاف صاف بلا کسی شرط کے کہدیا کہ زمینداروں کو اور حق ملنا چاہئے۔ وزیر زراعت نے اس کا مختصر سا جواب دیدیا کہ اسپر بہت بحث ہوچکی ہے۔

اسی روز ایک ترمیم اچھی آئی تھی، وہ یہ کہ زمینداروں کو حق دینا چاہئے کہ وہ اپنی زمینوں کو ایک جگہ کرنے کے لئے کاشتکاروں سے زمین بدل لیں، اسپر وزیر زراعت نے کہا کہ اس ترمیم کا سیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سر مہاراج سنگھ نے ۱۷ دسمبر کو ایک تجویز پیش کی کہ جو زمین زمینداروں کے پاس اودھ میں ۱۹۲۶ء سے پہلے اور آگرہ میں ۱۹۲۱ء سے پہلے تھی، مگر چلی گئی، اسکو اگر زمیندار لینا چاہے تو اس شرط پر لے سکتا ہے کہ کلکٹر کو یقین دلا دے کہ وہ خود کاشت کرنا چاہتا ہے۔ اس ترمیم کی تائید میں زمیندار اور مسلم لیگی سب شریک ہوگئے۔ انھوں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا کہ اس طرح کتنے کاشتکاروں کے ہاتھوں سے زمین نکل جائے گی۔ جو غریب مدتوں سے کاشت کرتے چلے آئے ہیں۔ حکومت نے اس کی سخت مخالفت کی، اور ووٹ لئے گئے۔ ترمیم گر گئی۔

۱۹ دسمبر کو سیر کے حقوق پر بہت بحث ہوئی۔ پارلیمنٹری سکریٹری نے کئی ترمیمیں پیش کیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اصل تجویزوں کی عبارت درست کردی جائے۔

مخالف پارٹی بار بار ایک ہی بات کو کہتے کہتے گھبرا گئی تھی، اور اس پارٹی کے چار یا پانچ ممبر جو ذرا سی بات پر گھنٹوں تقریر کرتے رہتے تھے۔ اب ذرا تھک گئے تھے، اسلئے تجویزیں بڑی جلدی جلدی پاس ہونے لگیں۔ اور اس روز سیر پر بحث ختم ہوگئی۔ پندرہ روز تک زرعی بل پر بحث ہورہی تھی۔ اسی اثناء میں ۲۷۵ ترمیمیں نکل گئیں۔ مخالف پارٹی نے دیر لگانے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن حکومت نے

مُبارک موقعوں پر ریل سے سفر کیجئے یہ تیز سلامت اور کفایت ہے

جب شادی کی تاریخ مقرر ہوتی ہے تو دوست احباب عزیز و اقارب دُور ہوں یا نزدیک سب کو یکجا ہو کر اس مسرور موقع کو منانا چاہیئے۔ جتنی دُور کے سفر سے آپ آئیں گے آپ کی موجودگی سے دولہا اور دُلہن کے مسرور دل اتنے ہی زیادہ شکر گذار ہوں گے۔

مسافت کتنی ہی دور کیوں نہ ہو ریلوے آپکو کفایت اور نہایت آرام دہ ذریعہ سفر مہیا کرے گی۔

ریلوے

ہندوستان میں سفر کرنے کا سب سے سستا ذریعہ

کانگرس کی خبریں

کسان کانفرنس

شری رام بہاری شرما بستی سے اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۰ دسمبر کو ضلع کانگرس کمیٹی بستی، ضلع بستی کے زیر اہتمام موضع رامپور میں ایک عظیم الشان کسان کانفرنس ضلع کے مشہور کارکن پنڈت پرشیورت کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔

تقریباً ڈیڑھ ہزار کسانوں نے اسمیں شرکت کی، پنڈت پریم دت تنکلا ایم۔ ایل۔ اے۔ شریمتی کشوری دیوی اور کئی بڑے بڑے کارکنوں نے تقریریں کیں

کئی قراردادیں پاس ہوئیں۔

کانگرس کے باونویں جلاس کی تیاریاں

انڈین نیشنل کانگرس کے باونویں اجلاس میں صدر کانگرس کی رتھ میں ۵۲ ہاتھی جوتے جائیں گے۔ مہاراجہ سرگوجا نے اسکے لئے ۵۲ ہاتھی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کانگرس کے پچھلے دو اجلاسوں میں (فیض پور اور ہری پور) صدر کی رتھ میں بیل جوتے گئے تھے۔ اب کی بار ہاتھیوں کے رتھ سے صدارتی جلوس کی شان بہت بڑھ جائے گی۔

والنٹیر۔ ٹھاکر جیدی لال ممبر اسمبلی و صدر مہا کوشل صوبہ کانگرس کمیٹی رضاکاروں کے جتھے کے افسر اعلیٰ مقرر کئے گئے ہیں۔

رہنے کی جگہ۔ جو لوگ اپنے خاندان کے ساتھ شرکت کرنے آئینگے انکے لئے ۱۰۰ عارضی گھر بنائے گئے ہیں۔ انکا کرایہ جگہ کی مناسبت سے ۵۰ روپیہ اور ۱۰۰ روپیہ رکھا گیا ہے۔

اسکے علاوہ ۶ ہزار آدمیوں کے الگ الگ رہنے کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کو بغیر پلنگ کے کمرے کے لئے ۵ روپیہ اور مع پلنگ کے لئے ۶ روپیہ کرایہ دینا ہوگا۔

کھانیکا انتظام۔ اتری ہندستان کے نمائندوں کے کھانے کے لئے ایک مخصوص ہوٹل ہوگا جسمیں ایکہزار آدمیوں کے کھانیکا انتظام کیا جائے گا۔ دکھنی علاقوں کے رہنے والوں اور بنگالی نمائندوں کے لئے بھی الگ الگ دو ہوٹل کھولے جائیں گے جنمیں پانچ پانچ سو آدمیوں کے کھانے کا انتظام ہوگا۔ بمبئی۔ سی۔ پی۔ برار اور گجرات کے نمائندوں کے لئے بھی تین ہوٹل کھولے جائیں گے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی اسی قسم کے انتظامات کئے جائیں گے۔

اجلاس کا ٹکٹ ایک روپیہ سے ۱۰۰ روپیہ تک ہوگا۔ خاص نام جگہوں کے لئے ڈھائی سو سے ایکہزار روپیہ تک کے کرایہ پر کچھ جگہیں مخصوص کردی گئی ہیں۔

ڈاکٹر اناش چندرکی

پاگل کی دوا۔ امراض ذیل کے لئے تیر بہدف ہے۔ رات میں نیند نہ آنا۔ سر میں گرمی معلوم ہونا۔ طبیعت میں اداسی رہنا۔ اور ہسٹیریا وغیرہ سب تکلیفیں دور ہوجاتی ہیں دن میں صرف ایک خوراک مصری کے شربت کے ساتھ دینا چاہئے۔ فی خوراک آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

بنرجی اینڈ سنس ہفت تلخیات آفس الہ آباد

ایک روپیہ میں ایکہزار اشتہار چھپواؤ

پنجاب بھر میں سب سے سستی اور اعلیٰ چھپائی کرنے والی واحد فرم

نرخ چھپائی اردو اشتہارات بمعہ اعلیٰ رنگین کاغذ

سائز اشتہارات	۱۰۰۰	۲۰۰۰	۴۰۰۰
½۸ × ½۵	۲ روپیہ — ۰ آنہ	۲ روپیہ — ۰ آنہ	۳ روپیہ — ۸ آنہ
۹ × ½۵	۲ — ۰	۳ — ۸	۵ — ۰
۱۱ × ۹	۳ — ۸	۵ — ۰	نرخ رنگین چھپائی علیحدہ
۱۸ × ۱۱	۵ — ۰	۸ — ۰	

زیادہ کام کے لئے علیحدہ نرخ۔ نرخ ہر صورت میں تمام پریسوں سے کم نصف قیمت پیشگی بھیجیں پتہ

اگروال سٹور ۱۱ سباتھو۔ شملہ

تحفہ ...ت

اگر آپ دولت ثروت۔ اثر و رسوخ، عزت کے مسلسل اور متواتر کوششوں کے باوجود ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے تو مایوس اور شکستہ دل ہونے کی جگہ ہمارا تعویذ محبت منگا کر اس کی روحانی برکت سے فیض یاب ہوں، ضدی سے ضدی معشوق خواہ آہنی قلعہ میں بند ہو۔ سات روز کے اندر اندر سر تسلیم آپ سے ملے گا جناب اے۔ ڈی۔ سی۔ ٹو ہز ہائی نس نواب صاحب مانا ودر تحریر فرماتے ہیں۔ "تعویذ ملا۔ اسکی سریع التاثیری دیکھکر اس مادی زمانہ میں بھی روحانی قوت کا اعتراف کرنا پڑا" ہدیہ صرف عہ علاوہ محصولڈاک۔ خلاف تحریر ہونے پر قیمت واپس۔

مینیجر موہن بھنڈار رجسٹرڈ نمبر ۳۴ ریلوے روڈ لاہور

آل انڈیا خواتین کانفرنس کی مجلس استقبالیہ

مسز سلطان سنگھ (صدر) داھنی جانب سے چوتھی کرسی پر بیٹھی ھیں — اور مسز آصف علی (سکریٹری) آخری صف میں داھنی جانب سے دوسرے نمبر پر کھڑی ھیں — کانفرنس ۲۱ دسمبر کو دھلی میں ھوگئی —

Title Cover printed at the Standard Printing Works Chaulakhi Buildings Qaisbagh, Lucknow.

جدید مطبوعات جامعہ

مضامین محمد علی — مرتبہ محمد سرور صاحب پروفیسر جامعہ یہ اس دور کی تاریخ ہے جب ملت اسلامیہ کے تن مردہ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑی اور برسوں کے خوابیدہ مسلمان جاگ اٹھے ۔قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

دنیا کی کہانی — از پروفیسر محمد مجیب صاحب — اس مختصر سی کتاب میں ہزاروں برس کی تاریخ اس انداز سے لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والا بادشاہوں کی لڑائی اور تاریخوں کے گورکھ دھندے میں پڑے بغیر وہ سب سمجھ جاتا ہے جو تاریخ کا اصل مفہوم ہے ۔قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

شہری آزادی از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب — یہ ایک کتابچہ ہے جسمیں بیرونی ممالک کی انجمنوں اور ان کے شہری حقوق کا ذکر کرتے ہوئے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسطرح موجودہ حکومت ہندوستانیوں کو ان کے اُن حقوق سے محروم کرنے کے لئے درپے ہے جن سے ان کی زندگی وابستہ ہے ۔قیمت ۳ آنہ

ہندوستان میں برطانوی حکومت — از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب — یہ تو سب جانتے ہیں کہ برطانیہ ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ کس طرح اور کس حد تک ہمیں لوٹا جارہا ہے اسکے سمجھنے کے لئے یہ کتاب پڑھئے جسمیں برطانوی سامراج کی اقتصادی اور مالی پالیسی کا تجزیہ کیا گیا ہے قیمت ۸ آنہ

ہندوستان میں دیہی قرض — مصنفہ پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے ۔اس چھوٹی سی کتاب میں قرض کے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسان کی کیا حالت ہے ایک گاؤں کی مفصل تحقیقات بھی پیش کی گئی ہے ۔قیمت ۳ آنہ

مکتبہ جامعہ
دہلی ۔نئی دہلی ۔لاہور ۔لکھنو

کانگرس کا ۵۲ واں اجلاس ۔تری پوری

عام اطلاع

اطلاع دیجاتی ہے کہ تری پوری کانگرس نگر میں جہاں انڈین نیشنل کانگرس کا سالانہ اجلاس ہونے والا ہے دوکانداروں کیلئے مناسب زمینیں خالی ہیں — ان زمینوں کی قیمتیں انکی جائے وقوع کے سلسلہ سے مقرر کیگئی ہیں — جو دوکاندار یہ زمینیں لینا چاہیں وہ مہربانی کرکے پتہ ذیل پر خط و کتابت کریں —

نقشہ شرح کرایہ اور دیگر قواعد ڈاک کا محصول بھیجکر منگائے جاسکتے ہیں —

پلاٹ بہت کم ہیں اور درخواستیں برابر آرہی ہیں اس لئے جلدی سے جلدی درخواست بھیجئے تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے —

سرودت باجپئی
صدر بازار سب کمیٹی ۔تری پوری کانگرس
جبلپور

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد فکی پرنٹر مدة المطابع برقی پریس لکھنو سے چھپوا کر بشیر نانوہ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

توسیع تعلیم نمبر

جلد ۳ — نمبر ۲ | کانگرس کا ھفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۸ جنوری ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

یو-پی صوبہ سیاسی کانفرنس

کانفرنس کے صدر پنڈت جواھر لال نہرو پلیٹ فارم پر دوسرے لیڈروں کے ساتھ بیٹھے ھیں

راجکوٹ کی فتح

راجکوٹ میں سمجھوتہ کرانے کے بعد سردار ولبھہ بھائی پٹیل کا بمبئی میں استقبال — انکے ساتھہ ان کی صاحبزادی سریمتی مانی بین اور دوسرے ستیہ گرہی بھی ہیں—

جہالت کو دور کرو

یو۔پی کی سرکار نے جہالت کے خلاف جہاد کرنے کی ٹھان لی ہے بچّوں کی تعلیم کا نظام سرے سے نکمّا تھا۔ حکومت نے اس نظام کو بدلنے کے لئے کئی کمیٹیاں مقرر کر دی ہیں جنمیں سے کچھ اپنا کام کر چکی ہیں اور کچھ کام کر رہی ہیں۔ واردھا اسکیم کو سامنے رکھکر اس صوبہ کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم کا نظام قائم کرنا جس کمیٹی کے سپرد تھا اس کی رپورٹ بہت جلد شائع ہونے والی ہے اسپر ہم اپنی رائے اس وقت ظاہر کریں گے۔ یونیورسٹیوں کے نظام کو سدھارنے کی کمیٹی نے ایک لمبی فہرست سوالوں کی تیار کی تھی اور ہزاروں کالجوں اور آدمیوں نے اس کے جواب بھیجے جن کی ترتیب کے بعد کمیٹی کا اجلاس ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کام بھی جلد ہی پورا ہوگا۔ یہ سب تو ان بچوں اور لڑکوں کے لئے ہے جن کی عمریں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے کے قابل ہیں لیکن جب تک ان لاکھوں مردوں اور عورتوں کی جہالت کو دور کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو جنکی عمریں زیادہ ہو گئی ہیں اس وقت تک تعلیم کا کوئی نظام بھی کارگر نہیں ہو سکتا۔ بچوں کو آپ لاکھ پڑھایئے لیکن جب تک انکے گھر کی حالت نہ سدھرے گی ان کی تعلیم بے اثر رہیگی اسی حقیقت کی بنا پر جس ملک میں بھی عام تعلیم کا نظام صحیح طریقے پر قائم ہوتا ہے، وہاں کسانوں کی تعلیم پر کافی توجہ کی جاتی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے صوبہ کی حکومت نے بھی اس طرف پوری توجہ کرنیکا ارادہ کر لیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو ہر ضلع میں کتبخانے اور "اخبار خانے" قائم کئے گئے۔ پورے صوبہ میں کتبخانوں کی تعداد ۱۶۸۲ اور اخبار خانوں کی ۳۶۰۰ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعداد کافی نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اگلے سال بھی کم سے کم اتنے ہی کتبخانے اور اخبار خانے بڑھائے جائیں گے۔ جب تک ہر گاؤں میں ایک مرکز معلومات میں اضافہ کے لئے نہ ہو صرف لکھنا پڑھنا سکھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ سیانوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی بھی ایک تجویز حکومت نے تیار کی ہے۔ ابتدائی تجویز تو یہ ہے کہ فی الحال صوبہ بھر میں ۹۰۰ سیانوں کے اسکول قائم کئے جائیں جن میں ابتدائی مدرسوں کے استادوں اور آس پاس کے پڑھے لکھے لوگوں کی مدد سے ان پڑھ بڑھ سیانوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

ان تجویزوں کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس صوبہ کے سب پڑھے لکھے مرد اور عورتیں اس میں حصہ لیں۔ عام شوق اور آمادگی پیدا کرنے کے لئے ہمارے صوبے کی حکومت نے یہ تجویز کیا ہے کہ ۱۵ جنوری کو "یوم خواندگی" منایا جائے۔ ہر شہر اور قصبے میں اس دن کی کارروائی کیلئے کمیٹیاں بنائی گئی ہیں جن میں ہر خیال کے لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس دن کا مندرجہ ذیل پروگرام تجویز کیا گیا ہے۔ صبح کو کچھ لوگ نظمیں پڑھتے ہوئے یا گیت گاتے ہوئے نکلینگے۔ دوپہر کو دروازے دروازے لوگوں سے ایک عہدنامہ پر دستخط لئے جائینگے۔ اس عہدنامہ کی رو سے دستخط کرنیوالا سال بھر میں کم سے کم ایک ان پڑھ کو پڑھانا، لکھنا سکھائیگا یا اگر وہ بہت مصروف ہے تو اس کام کے لئے کم سے کم دو روپیہ چندہ دیگا۔ تیسرے پہر جلوس نکالے جائیں گے اور ایک مرکزی جگہ پر جلسہ کیا جائے گا۔ اس پروگرام پر اچھی طرح عمل کیا گیا تو امید ہے کہ جہالت کو دور کرنے کا شوق بہت سے لوگوں میں پیدا ہو جائے گا۔

ہمارے ملک کی پستی اور ذلت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہماری قوم کے گنے چنے آدمیوں کے علاوہ سب کے سب جاہل ہیں۔ اب تک حکومت کی باگ جن لوگوں کے ہاتھوں میں تھی انکا مقصد ہی یہ تھا کہ ہم کو جاہل رکھیں اور اپنا الو سیدھا کریں۔ اب زمانہ کچھ بدلا ہے اور تھوڑے سے اختیارات جنتا کے نمائندوں کو ملے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور جہاں تک ممکن ہے علم کی روشنی پھیلائیں۔ یہ کام کوئی حکومت تنہا نہیں کر سکتی۔ ملک کے تمام پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں کا فرض ہے کہ اس کام میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں اور جہالت کو دور کرنے میں پوری محنت اور تن دہی سے حصہ لیں۔

آنریبل سری ہمپونانند وزیر تعلیم کی رائے

"ہندستان واقعی پڑھنے کے قابل اخبار ہے۔ ہر شخص اس کے مضامین کی رنگارنگی اور انکے پیش کرنے کے دلچسپ طریقے کی تعریف کرتا ہے۔ اس اخبار سے صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ تعلیمی فائدہ بھی پہنچتا ہے"

مسلم لیگ کا برا حال

مسلم لیگ نے کانگرس پر جو غصہ اتارا ہے اسکے اسباب بھی ہیں۔ آسام کی سعد اللہ وزارت کانگرس نے ختم کرادی اور اس کی جگہ جو وزارت قائم کردی ہے وہ دن بدن مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ سندھ کی وزارت اپنانے کی مسٹر جناح نے جتنی کوششیں کی تھیں سب اکارت گئیں۔ اور اب بنگالی اور پنجاب کی وزارتیں بھی کمزور ہوتی جارہی ہیں۔

بنگال کی وزارت

دسمبر میں بنگال مسٹر فضل الحق نے اپنی تقریر میں پہلے تو یہ صفائی پیش کی تھی کہ میری وزارت بدستور مضبوط ہے، اور پھر خود رائے یہ دی کہ بنگال مسلم لیگ ترقی نہیں کر رہی ہے۔ ان کی ان دونوں باتوں کی تفسیر یہ ہے کہ ابکی بنگال میں کانگرس کی گہری بہت بڑھ گئی ہے، اور یہ کہ فضل الحق نے مولوی شمس الدین اور مولوی تمیز الدین کو وزارت میں شامل کرکے اپنی وزارت مضبوط کرنے کی کوشش جو کی تھی اس میں کامیابی نہیں ہو رہی ہے۔ مولوی شمس الدین اور مولوی تمیز الدین کی پارٹی بدستور ناراض ہے، اور اس نے کچھ مطالبات پیش کئے ہیں جنمیں سے ایک یہ بھی ہے کہ وزیروں کی تنخواہیں گھٹادی جائیں۔ یہ مطالبہ ایسا ہے کہ اسپر فضل الحق کی اپنی پارٹی بگڑ گئی، اس نے بہانہ یہ کیا کہ دونوں نئے وزیر کابینہ میں کیوں داخل کئے گئے۔

ان جھگڑوں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فضل الحق کی وزارت کے سامنے مکمل آزادی یا ہندستان کی غریبی دور کرنے کے مسئلے تو ہیں نہیں جنپر سب ممبر ایک ہو جائیں، بلکہ وہاں تو وزیر بنا بنا کر لوگوں کو جمع کیا گیا ہے۔ ایسی وزارت کی مضبوطی معلوم۔

پنجاب کی وزارت۔ سر سکندر حیات نے فرمایا ہے کہ میری پارٹی سے کچھ لوگ دشمنوں سے مل رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ انکی سرفروشی سے ناراض ہو گئے ہیں، اور ان کی وزارت کی طرف [illegible]

ایک طرف یہ کامیابیاں، اور دوسری طرف ریاستوں کی فتحیں۔ اب مسلم لیگ کے سینہ پر سانپ نہ لوٹیں تو کیا ہو۔ اسی جھنجلاہٹ میں اس نے ریاستوں میں فرقہ پرستی پھیلانے کی، اور کانگرسی صوبوں میں سول نافرمانی کرنے کی دھمکی دی۔ یہ یاد رہے کہ سول نافرمانی کی دھمکی دینے والا وہی شخص ہے جو برطانیہ کے خلاف سول نافرمانی کا سخت مخالف تھا ـــ مسٹر جناح

فیڈریشن کی لڑائی

اصل میں فیڈریشن کے خلاف لڑائی اسوقت بھی ہو رہی ہے۔ اور وہ ہے ریاستوں کی ہلچل۔ اگر راجکوٹ کی طرح کچھ اور ریاستوں میں بھی عوام کی جیت ہوگئی، تو برطانیہ کو فیڈریشن کی اسکیم بدلنا پڑے گی۔ یہ کیسے چل سکتا ہے کہ کچھ ریاستوں کے نمائندے منتخب ہو کر آئیں، اور کچھ ریاستوں سے نامزد ہو کر۔ اگر ایسا ہوا بھی تو جہاں جہاں نامزدگی ہوگی وہاں دوسرے ہی دن ہلچل شروع ہوگی۔

ریاستی لڑائیوں میں کانگرس کی مدد

کانگرس کی مدد ایک طرف ریاستی عوام کو ریاست کے ظلموں سے بچائے گی، اور دوسری طرف ہندستان کو فیڈریشن سے۔ اس لئے جہاں جہاں ریاستی عوام پوری طاقت سے لڑ رہے ہیں انکو اس کی پوری مدد کرنا چاہئے۔ خاصکر ان صوبوں میں جہاں کانگرسی حکومت ہے، کیونکہ ریاست کی ہلچل سے صوبے کے امن وامان پر برا اثر پڑتا ہے۔ اور اس طرح مدد کرنے میں ہمیں اتنا سخت ہونا چاہئے کہ اگر راجہ کانگرسیوں کو اپنی ریاست میں داخل نہیں ہونے دیتے ہیں، تو ہم بھی انکو اپنے صوبہ میں نہیں گھسنے دیں۔ کیونکہ اگر چند کانگرسیوں کے ریاست میں جانے سے راجہ کے امن میں خلل پڑتا ہے، تو ہمارے صوبہ میں راجہ کے داخل ہونے سے کروروں عوام کے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اپنے بھائیوں کی بے پناہ مصیبتوں کو یاد کرکے وہ لوگ قابو میں نہیں رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم برطانوی پولیس یا فوج کو، یا دوسری ریاست کی پولیس یا فوج کو اپنے صوبے سے گذر کر ریاستوں میں نہیں داخل ہونے دیں گے۔ کیونکہ اس سے بھی نقص امن کا اندیشہ ہے۔

زبردست جیت ـــ ٹراونکور

تین مہینہ کی بہادرانہ لڑائی کے بعد راجکوٹ کے عوام نے فتح حاصل کرلی۔ یہ فتح ایسی ہے جیسی ابھی تک ریاستی عوام نے کسی جگہ ہندستان میں نہیں حاصل کی۔ سردار پٹیل نے جنکے سر اس جیت کا سہرا ہے ۲۶ دسمبر کو سمجھوتہ کا اعلان کیا۔ "یہ طے پایا ہے کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں صدر اور دو ممبر ریاست کے ہوں اور سات ممبر عوام کے چنے ہوئے ہوں (لیکن سر پیٹرک صدر نہیں بنائے جاسکتے ہیں) اور راجہ صاحب ساری آمدنی کا صرف دس فیصدی حصہ اپنے ذاتی کاموں میں صرف کریں گے۔ (اس سے پہلے راجہ صاحب کے لئے کوئی پابندی نہ تھی) یہ کمیٹی جو دستور تیار کرے گی۔ اسی پر ریاست کا انتظام ہوگا۔ اور یہ کمیٹی ایک مہینہ کے اندر اندر اپنی رپورٹ پیش کردے گی۔

تمام سیاسی قیدی رہا کردئے جائیں گے۔ اور تمام پابندیاں اور خاص قانون موقوف ہو جائیں گے، اور تمام جرمانے واپس کردئے جائیں گے اور سر پیٹرک نکال دئے جائیں گے۔

اس چھوٹی سی ریاست میں جہاں کی آبادی مرد عورت بچے بوڑھے ملاکر ۷۰ ہزار ہے، ۲ ہزار آدمی گرفتار ہو چکے ہیں۔

راجکوٹ کی فتح سے سبق

راجکوٹ میں سر پیٹرک ایسا انگریز دیوان تھا۔ جو سامراجی چالوں کا ماہر تھا، اور اس نے ریاستی عوام کو کچلنے کو جو کچھ ہو سکتا تھا کیا۔ لیکن اب وہ زمانہ گیا جب بربری ہتھکنڈوں سے آزادی کی لڑائی کچل دی جاتی تھی۔ آخر میں فتح رہی عوام کی ـــ اور کل تک جو راجہ تھے، آج ریاست کے

چونکو، اٹھو، پڑھنا سیکھو۔ بہادر ہے وہ جو جہالت سے لڑے

رہبر بن گئے۔

اس کا اثر قدرتاً آس پاس کی ریاستوں پر پڑا۔ وہاں کے راجا عوام کی [illegible] دب گئے۔ اور انکے حقوق ماننے لگے۔ خصوصاً کر ریاست بھاؤنگر نے تین لاکھ کی چھوٹ دیدی ہے اور دوسری طرف ریاستی عوام کے دل بڑھ گئے۔

راجکوٹ ہی کی طرح، بلکہ اس سے زیادہ بہادری سے ڈھینکنال کے ریاستی عوام نے لڑائی لڑی۔ مگر وہاں ابھی تک جیت کے آثار نہیں ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ راجکوٹ میں کانگریس نے عوام کی مدد کی، اور ڈھینکنال میں نہیں کی۔

یورپ کا امن - آج ہے کل نہیں

یورپ کے حالات دن بدن پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں۔ فسطائی طاقتیں زور پکڑتی جا رہی ہیں۔ اور یہ بھی کھلتا جا رہا ہے کہ ان طاقتوں میں اور برطانیہ فرانس اور امریکہ میں آگے چل کر جھڑپ ہو جانا ضروری ہے۔ مثلاً اسوقت اٹلی کو حبشہ اور اسپین پر اپنی حکومت جمانے کے لئے اپنی فوجی چوکیاں بنانے کی، اور دوسروں کی فوجی چوکیاں کمزور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسکے لئے وہ ٹیونس اور کارسیکا کا مطالبہ کر رہا ہے، سویز کو بلکہ کمپنی بنانا اور ڈجی بوٹی کی ریلوے لائن کو اپنانا چاہتا ہے۔ بحیرۂ روم کے خاص خاص جزیروں خاص کر بلیارک جزائر کو فوجی مرکز بنا رہا ہے۔ اگر ان ارادوں میں کامیابی ہو گئی تو بحیرۂ روم اطالوی جھیل ہو جائیگا، اور اسوقت اٹلی کو افریقہ کے ادھر حصوں پر ہاتھ بڑھانے کا موقع ملے گا۔

یہ تمام ارادے برطانیہ اور فرانس کی سامراجی طاقت کے لئے زہر ہیں۔ بحیرۂ روم پر اٹلی کا جتنا قبضہ ہو گیا ہے۔ اسی نے برطانیہ اور فرانس کو گھبرا دیا ہے کہ لڑائی چھڑ جانے پر یہ حکومتیں اپنے مقبوضات سے کیسے آمدورفت رکھیں گی۔ برطانیہ اسی لئے ایک طرف فلسطین کو فوجی چوکی بنانا چاہتا ہے، اور دوسری طرف افریقہ کے گرد ہو کر اس امید سے گذرتے ہوئے ہندوستان آنے کے راستہ کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ فرانس نے بھی بحیرۂ روم سے باہر ہاہر مراکش پہونچنے کا راستہ بنا لیا ہے۔ لیکن اگر اٹلی کی طاقت بحیرۂ روم میں ذرا بھی اور بڑھی تو وہ حفاظتی حد سے نکل کر حملہ آور بن جائے گی۔

اٹلی کی مجبوریاں

اٹلی کا خرچ حبشہ اور اسپین پر برابر بڑھتا جاتا ہے۔ اور اگر یہ دونوں معاملے طے نہیں ہو گئے تو اٹلی کو یہ کھوکھلا کر دیں گے۔ اور ان معاملوں کے طے کرنے کی یہ صورتیں ہیں کہ اسپین میں فرانکو کو مقابل کا حکمراں مان لیا جائے، اور فرانس و برطانیہ اٹلی سے ملکر اسپین کی ایسی ناکہ بندی کر دیں کہ وہاں ایک اناج بھی نہ پہونچنے پائے۔ یہی ایک صورت ہے کامیابی کی۔ ورنہ اسپینی جمہوریہ کچھ بڑی سخت جان ثابت ہو رہی ہے۔

اٹلی کا اصل مسئلہ

اصل میں جرمنی اور اٹلی کے مسئلے غریبی اور بیکاری ہیں۔ جب یہ مسئلے بڑھ جاتے ہیں، اور ملک میں ابال آجانے کا دھڑکا ہوتا ہے تو فسطائی ملکوں کا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ "قومی ترقی" اور "قومی فتحوں" کے خواب دکھانے لگتے ہیں۔ اٹلی نے حبشہ فتح کر کے، اور اسپین میں بغاوت مچا کر اپنی رعایا کو کچھ دنوں کے لئے بہلا دیا تھا۔ وہ لوگ سمجھنے لگے تھے کہ اب روم میں پرانا قیصری دور آنے والا ہے۔ اس خواب کے ساتھ ہر ایک کو قدرتاً یہ آس لگ گئی ہوگی کہ ہم بھی دولت مند ہو جائیں گے لیکن جب سب کے سب بابو کے گھروندے ثابت ہوئے تو اٹلی کے کروروں غریب باشندوں میں ابال پیدا ہونے لگا۔ اب اٹلی کے لئے صرف یہی راستہ تھا کہ لڑائی کے لئے اٹھے۔ وہ اٹھا۔ اور اب اٹلی کے باشندوں کو پیچھے ہٹانا ناممکن نہیں۔

ٹیونس کے جھوٹے سے اطالویوں نے بھی حقوق کے نام پر ہنگامہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ چیکوسلاوکیا کے جرمن ہنگامہ مچانے والوں کے لیڈروں کو اچھا انعام ملا۔

انھیں حالات کو دیکھ کر میڈم ٹیبوائس نے پیشین گوئی کی ہے کہ مسولینی بہانہ پاتے ہی ٹیونس اور ڈجی بوٹی پر دھاوا کر دیگا۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ادھر یورپ کی سیاسی چالوں میں ہٹلر نے مسولینی کو بڑی بڑی جھکائیاں دی ہیں۔ آسٹریا اور چیکوسلاوکیا کی لوٹ میں مسولینی کو کوئی حصہ نہیں ملا بلکہ الٹے اسکی طاقت بڑھ جانے سے مسولینی کمزور ہو گیا۔ اسی طرح اسپین کے معاملے میں بھی کامیابی ذرا نہیں ہوئی اور بدنامی گھاٹے میں ہوئی۔ اسی لئے اب مسولینی کو اپنی ساکھ، جو اٹلی کے اندر اور باہر دونوں جگہ ڈوبی جا رہی ہے سنبھالنے کو کوئی نہ کوئی بڑا کام کرنا ہے۔

جرمنی بھی ساتھ ساتھ

جرمنی بھی اسی رنگ پر جا رہا ہے جس رنگ پر پہلے چل رہا تھا۔ یعنی لیتھونیا کی، جرمن اقلیت کو ابھار رہا ہے۔ اب وہ حقوق مانگ رہے ہیں۔ اور میل میونسپلٹی کے الکشن میں وہ لوگ کامیاب بھی ہو گئے۔ اس طرح اس خطہ پر عملاً ہٹلر کا قبضہ سمجھنا چاہئے۔

برلن میں ایک انجمن قائم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ یوکرین کی ایک مستقل آزاد ریاست حکومت قائم کیا جائے (ابھی یوکرین سوویٹ روس کا ایک ممبر ہے) جس میں روس پاس کی تمام ملاقیں شامل ہیں۔

ان پڑھ اور اندھا برابر۔ پڑھائی میں بڑائی ہے

مزدوروں کو پیٹ کی مار

نولکشور پریس کے مزدوروں نے کچھ مطالبات مالکوں کے سامنے پیش کئے تھے۔ مالکوں نے سیہ سزا دی کہ مزدوروں کے اسٹرائک کرنے سے پہلے پریس بند کر دیا۔ اور اسپر اڑے ہوئے ہیں کہ جب تک مزدور اپنی سبھا کو توڑ کر معافی نہیں مانگیں گے۔ پریس نہیں کھل سکتا۔

مزدوروں کے مطالبات ایسے ہیں جو تقریبا ہر جگہ مل چکے ہیں۔ مگر نولکشور پریس والے چاہتے ہیں کہ پیٹ کی مار دیکر مزدوروں کا زور توڑ دیں۔ اگر اس جگہ مزدور ہار گئے تو اور جگہ کے سرمایہ دار بھی اس ترکیب پر آ جائیں گے۔

اس وقت ہر آزادی چاہنے والے کا فرض ہے کہ ان مزدوروں کا اس طرح پیٹ بھرے جیسے کانپور کے مزدوروں کا پیٹ بھرا گیا تھا، تاکہ ان بہادروں کو بھوک سے مجبور ہو کر سرمایہ داروں کی چوکھٹ پر نہ جھکنا پڑے۔

چیمبرلین کی پالیسی۔ چھینو اور کھلاؤ

اسلحہ سازی کے کارخانوں کے مالک نفعوں پر نفعے کماتے چلے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو چیمبرلین کے دوست ہیں اور اسکے مددگار رہیں۔
وائی کرس آرمسٹرانگ کا نفع ۱۹۳۲ء (؟) میں ۰۰۰،۸۸ پونڈ تھا۔ ۱۹۳۷ء میں وہ ۰۰۰،۸۶۷ تک پہنچ گیا۔ کیمل لیرڈ کا نفع ۱۹۳۳ء میں بیس ہزار پونڈ تھا۔ ۱۹۳۷ء تک ۰۰۰،۲۷۸ پر پہنچ گیا۔ جان براؤن کا نفع ۱۹۳۳ء میں بیس ہزار پونڈ تھا۔ ۱۹۳۷ء تک ۰۰۰،۸۸۴ پر پہونچ گیا۔ ہوائی جہازوں کے جو خاص خاص کارخانے ہیں وہ ۴۰ فیصدی اور ۴۰ فیصدی نفع تقسیم کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ پچاس فیصدی کا بونس اپنے حصہ داروں کو دے رہے ہیں۔
میونخ کے سمجھوتے نے اکدم اسلحہ کے نفعوں کو بڑھا دیا۔ وایہ بیرڈمور کے حصہ کے دام ۱۴ اکتوبر تک دس شلنگ تین پنس تھے۔ لیکن ۲۵ اکتوبر کو ۱۶ شلنگ تین پنس ہو گئے۔ ڈورمن لانگ کے حصوں کے دام ۲۲ شلنگ سے چڑھ کر ۲۸ شلنگ ہو گئے۔
اب بھلا چیمبرلین کیوں نہ امن کا پرچار کریں۔
اب تک انگلستان ایک ارب تیس کروڑ پونڈ اسلحہ پر خرچ کر چکا ہے۔ اتنا خرچ کرنے پر بھی معلوم ہوا کہ اب بھی وہ فسطائی طاقتوں سے پیچھے ہے۔ اسلئے اب کچھ اور خرچ کی ضرورت ہے۔ اب انگلستان کے غریب باشندوں پر ٹیکس بڑھایا جائے گا۔ یہ رقم کہاں جائے گی؟ چیمبرلین کے دوستوں کی جیبوں میں۔

چاپ چلات

تماشائی

رتھ۔ ہندستان کی قدیم تاریخ کا ٹریڈ مارک ہے۔ ہری پورہ میں شاید قدیم ہندستان کو زندہ کرنے کیلئے سوبھاش بوس کا جلوس رتھ پر نکالا گیا جس میں اکاون بیل جوتے گئے تھے۔ لیکن سوبھاش نے اس کا بدلہ یوں نکالا کہ اپنی صدارت کے زمانے میں اکاون مرتبہ سے زیادہ ہوائی جہاز پر بیٹھے، اور جب اپنا زمانہ ختم ہونے لگا تو ورکنگ کمیٹی کے سامنے یہ اسکیم پیش کر دی کہ صدر کیلئے ایک ہوائی جہاز خرید دیا جائے۔
اس واقعہ سے لوگوں کو کچھ اتنی عبرت ہوئی کہ انھوں نے ٹریڈ مارک میں بھی انقلاب کر دیا۔ وہ یوں کہ بیل کی جگہ ہاتھی لگا دئے۔

ہم تو سمجھتے تھے کہ مہا سبھا کے پاس کوئی سیاسی اور اقتصادی پروگرام نہیں ہے۔ مگر اس وقت تک ہم شری ساورکر جی کی تقریر سمجھے نہیں تھے۔ ساورکر جی نے آزادی کا ایسا چور دروازہ ڈھونڈھ نکالا ہے کہ کانگرس بھٹکتی ہی رہ جائے اور مہا سبھا آزادی تک پہونچ جائے۔ وہ پروگرام شدھی ہے۔ وہ دن بھی کیا ہوگا جب کمشنر، گورنر، وائسرائے، وزیر ہند، برطانوی پارلیمنٹ، اور وزیر اعظم، سب کے سب "شدھ" ہو جائیں گے۔ بس پھر تو آزادی ہی آزادی ہے۔
رہی اقتصادی آزادی، اسکا سوال ہی کیا رہیگا جب مزدور بھی شدھ ہوگا اور مل مالک بھی شدھ۔ کسان بھی شدھ ہوگا اور زمیندار بھی شدھ۔

پنڈت جواہر لال نے صوبہ سیاسی کانفرنس میں جو تقریر کی اس کا موضوع بحث بھوک، روٹی، اور غریبی رہا۔ اور وہ یہ بتاتے رہے کہ ان بلاؤں کو کیسے دور کیا جائے۔
مسٹر جناح نے پٹنہ میں جو خطبہ دیا اس میں شروع سے آخر تک کانگرس کے نام پر گالیاں ہی دیتے رہے۔
یعنی مسلم لیگ کا کام بلا کانگرس کے نہیں چل سکتا، اور کانگرس کا کام بلا عوام کے نہیں چل سکتا۔
کیا بُرا ہے اگر ہم اوپر کے مقدمات سے نتیجہ نکال لیں
مسلم لیگ کا کام بلا عوام کے نہیں چل سکتا۔
منطقی حضرات اعتراض نہ کریں۔ یہ سیاسی منطق ہے علمی جھنجھٹوں سے آزاد!

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ملک کی جہالت دور کر رہے ہیں۔

مردِ انقلابی

شہاب ملیح آبادی

وہ بھڑکا شعلۂ خونِ شہابی — وہ چمکا آفتاب انقلابی
تخیل برق . فطرت اضطرابی — غلامو! ڈھانپ لو چہری حجابی

ہٹو، آتا ہے مرد انقلابی

وہ شرع سرفروشی کا پیمبر — خطیب منبر شمشیر و خنجر
رسول انقلاب برق پیکر — جواں . بیدار، بالیدہ، شبابی

ہٹو آتا ہے مرد انقلابی

سمندر، زلزلہ، بجلی، شرارا — تلاطم، قہر، طوفاں، موت، دھارا
حکومت کر رہی ہے خود کنارا — ہٹا لو لے امیرو رخ حجابی

ہٹو، آتا ہے مرد انقلابی

دہکتی آگ سینے میں تپاں ہے — لہو میں سیل آزادی رواں ہے
یقیں کہتے ہیں کسکو، کیا گماں ہے — کدھر ہیں وہ روایات کتابی

ہٹو، آتا ہے مرد انقلابی

اٹھا لیکر وہ شمشیریں زمانہ — کدھر ہے سلطنت کا شامیانہ
امیری ہے غریبوں کا خزانہ — کہ جیسے میکدہ ملکِ شرابی

ہٹو آتا ہے مردِ انقلابی

انوکھے ولولے جنگیں نرالی — ادھر یہ تیغ پھینکی وہ اٹھالی

پڑھو اور آزاد ہو جاؤ

سرِ دولت کا اب اللہ والی — مزاج لااُبالی، مضطرابی

ہٹو، آتا ہے مردِ انقلابی

بڑے نازوں سے ہے وحشت کو پالا — عجوبہ کشمکش، حملہ نرالا

سمندر ہے امن کا بہنے والا — کدھر ہوا ہے رنگیان خطابی

ہٹو، آتا ہے مردِ انقلابی

نظامِ زندگی زیر و زبر ہے — کہ آئی جوش میں روحِ بشر ہے

مشیت کہہ رہی ہے کچھ خبر ہے؟ — لبِ شبنم ہے خونِ آفتابی

ہٹو، آتا ہے مردِ انقلابی

مٹادوں گا حریفوں کو یقیں ہے — مرے قبضے میں جوئے آتشیں ہے

تمدن ہوش میں اپنے نہیں ہے — زمانہ ہوگیا ہے انقلابی

ہٹو آتا ہے مردِ انقلابی

فلک پر دلربائی آرہی ہے — زمیں پر بھی جوانی آرہی ہے

عروسِ عہدِ نو اٹھلا رہی ہے — رخوں سے چھن رہی ہے ضو گلابی

ہٹو آتا ہے مردِ انقلابی

دیکھو ملک اندھیاری سے نکل رہا ہے

ہمارے تعلیمی مسائل

(حسین ظہیر)

سیاسی اور اقتصادی ترقی اور تعلیمی نظام کے ارتقا کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کوئی قوم اپنی سیاسیات اقتصادیات اور اپنے سماج کو اسوقت تک نہیں سدھار سکتی جبتک کہ وہ اپنے تعلیمی نظام کو ترقی پسند نہ بنالے۔

ہمارے صوبہ میں پڑھے لکھے لوگوں کا اوسط جیسا کہ سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے ۵٫۵ فیصدی ہے۔ اگر ہم سیاسی اور اقتصادی میدان میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ افسوسناک صورت حال بدلنا ہوگی اور اپنے صوبہ میں تعلیم یافتہ لوگوں کا اوسط بڑھانا ہوگا۔ انھیں اعداد و شمار سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۱ء سے سنہ ۱۹۳۱ء تک ۱۰ سال کے عرصہ میں یو۔ پی میں پڑھے لکھوں کی تعداد میں صرف ۰ء۸ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ باوجودیکہ ۱۹-۱۹۱۸ء کے بعد سے ابتدائی تعلیم پر پہلے کا چارگنی رقم خرچ ہو رہی ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور بات قابل ذکر ہے۔ اگر چند سال کے لئے صوبہ کو خوشحالی اور اطمینان میسر آجائے اور صحت عامہ کی حالت بہتر ہو جائے کیونکہ شرح موت میں کمی ہو جائے۔ تو ہم دیکھیں گے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کا اوسط اور بھی گر جائیگا۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ اگر طرز تعلیم میں تبدیلی نہ ہوئی تو ملک کی فلاح اور ترقی کے ساتھ ہی ساتھ پڑھے لکھے لوگوں کا تناسب گھٹ جائے گا۔ اسکے برخلاف یہ کہنا بھی درست ہے کہ کسی قوم کے تعلیمی نظام سے اسکے سماجی، اقتصادی اور سیاسی حالات کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ ایک قوم کا طرز تعلیم جتنا اچھا ہوگا اور پڑھے لکھوں کا اوسط جتنا زیادہ ہوگا، اتنی ہی زیادہ وہ قوم ترقی یافتہ، خوشحال اور مہذب ہوگی۔ اس نکتہ سے یہ بات۔ جسکا کہ میں پہلے تذکرہ کر چکا ہوں۔ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ سیاسی اور اقتصادی ترقی اور تعلیمی نظام کے ارتقا کا چولی دامن کا ساتھ ہے

اعلیٰ اور ثانوی تعلیم

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں اعلیٰ اور ثانوی تعلیم نے کسی قدر ترقی کی ہے اور پچھلے پچاس برس میں ہندستان نے جو کچھ بھی ترقی کی ہے اسکا سہرا متوسط طبقہ کے تعلیم یافتہ افراد کے سر ہے۔ جنھوں نے اعلیٰ تعلیم پائی ہے اور جو آجکل سیاسی تحریکیں اٹھانے کے لئے بدنام ہیں۔ لیکن اس نظام تعلیم کی برائیوں پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اگرچہ اعلیٰ تعلیم نے قوم میں کچھ ایسے سنجیدہ نوجوان پیدا کر دئے جنھوں نے قوم کی خاطر اپنا عیش آرام سب تج دیا اور ملک کے سدھار اور عوام کے فلاح کی کوششوں میں تن من دھن سے مصروف ہو گئے۔ لیکن اس نے عام جنتا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور انکی زندگی کے کسی پہلو کو بھی نہیں سدھارا۔ اور سب سے بڑی خرابی اس میں یہ رہی ہے کہ جن لوگوں نے اسکو حاصل کرنے کے لئے اپنی عمر کے قیمتی سال اور اپنے والدین کی گاڑھی کمائی کا روپیہ خرچ کیا ان پر بھی اس نے کوئی خوشگوار اثر نہیں ڈالا۔ اور ایسی تعلیم جو طلبا کی زندگی کا جزو بنکر اپنے خوشگوار اثرات سے انکی ہستی کو کامیاب نہ بنائے بالکل بیکار ہے۔ تین خاص خاص اسباب ہیں جنکی وجہ سے تعلیم ہمارے پڑھے لکھے لوگوں پر اپنا اثر ڈالنے اور انکی زندگی کو ترقی پسند سانچے میں ڈھالنے میں ناکامیاب رہی ہے۔

۱۔ تعلیمی نظام کی بنیادی خرابیاں
۲۔ غیر ملکی زبان میں تعلیم دینے کا طریقہ
۳۔ دقیانوسی اور جاگیری اثرات جو آج بھی ہماری روزمرہ کی زندگی پر غلبہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے تین خاص خاص مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔
اول یہ کہ وہ آدمیوں کو تعلیمی اور انتظامی پیشوں کے لئے تیار کرے۔
دوسرے یہ کہ تحقیق و تدقیق کو ترقی دے۔
اور تیسرا مقصد اعلیٰ تعلیم کا یہ ہے کہ وہ عوام کو تعلیم کے فائدے سے مستفید کرے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندستان میں اعلیٰ تعلیم ان مقاصد کے حصول میں کامیاب کس حد تک رہی ہے؟ اس سے جن باتوں کی توقعات تھیں آیا وہ اس نے پوری بھی کی ہیں یا نہیں؟

جہاں تک موجودہ صورت حال کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم ایک بڑی حد تک اپنے پہلے مقصد کے حصول میں کامیاب ہوئی ہے۔ دوسرے مقصد کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ اسنے اس سلسلہ میں بھی تھوڑا بہت کام شروع کر دیا ہے۔ (اگرچہ اسکی شروعات ابھی چند سال ہی سے ہوئی ہے)

اور تیسرا مقصد؟ اس میں سولہ آنے ناکامی رہی ہے۔ ہندستان میں اعلیٰ تعلیم نے ابھی تک عوام کے مسئلوں کا حل نکالنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی ہے۔

پڑھو اور سنسار کے بھید پہچانو

ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں غیر ملکی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے نفسیاتی
اثرات صدور جہ تباہ کن ہوئے ہیں۔ یہ اسی غیر ملکی زبان میں تعلیم دینے کا نتیجہ ہے کہ ہمارے
تعلیم یافتہ لوگوں میں ایک خاص قسم کی ذہنیت پیدا ہوگئی ہے جسکی بنا پر وہ اپنے سلسلے
علم کو — اپنی سالہا سال کی محنت کے پھل کو — بھی غیر ملکی سمجھنے لگے ہیں اور اسی
ذہنیت کے ماتحت وہ تعلیم کو روزمرہ کے ماحول سے الگ رکھتے ہیں۔ غیر ملکی زبان
سے ہمیں دوسرا نقصان یہ ہوا ہے کہ ہم ابھی تک مدرسوں کی تعلیم اور اپنے دماغ
اور اپنی شخصی خصوصیات میں کوئی گہرا رابطہ نہیں قائم کرسکے ہیں۔

ہماری چند در چند علمی اور فنی معلومات ہمارے ارد گرد کے دقیانوسی اور
جاگیری عناصر کو جو ہماری روزمرہ کی زندگی کا غلاف بنے ہوئے ہیں دور کرنے
میں کامیاب نہیں ہوئی ہیں۔ ہمارا سارا علم ایک کوٹ یا رسمی کپڑے کے مثل ہے
جسکو ہم کارخانہ یا دفتر جاتے وقت پہن لیتے ہیں اور پھر گھر آتے ہی اتار ڈالتے
ہیں۔ موجودہ صورت میں علم ہماری زندگی کا حصہ نہیں اسکا غلاف ہے۔

ہندستان میں ابھی تک دولتمند اور متوسط طبقہ کے لوگ ہی اعلیٰ تعلیم سے مستفیذ
ہوسکے ہیں۔ ہمارے یہاں اعلیٰ تعلیم اور ثانوی تعلیم کے تمام ادارے بڑے بڑے
شہروں میں واقع ہیں اور عوام کو ان تک پہنچنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع
ہی نہیں ملتا۔

اگرچہ دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں ہمارے یہاں اعلیٰ اور ثانوی تعلیم کے مصارف
معمولی سے دکھائی دیتے ہیں لیکن ہمارے دیہاتوں میں رہنے والے کروڑوں
ہموطنوں کی قلیل آمدنی کو دیکھتے ہوئے یہ مصارف بہت ہی زیادہ ہیں۔ اور یہی وجہ
ہے کہ غریب عوام اعلیٰ تعلیم سے بے بہرہ رہتے ہیں اگر کبھی کبھار کسانوں اور مزدوروں
کے طبقہ کے کچھ نوجوان موقع پاکر مالی مشکلات کے کٹھرے کو پھاند کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرلیتے ہیں
تو وہ متوسط طبقہ سے ناتا جوڑنے لگتے ہیں اور اپنے علم سے اپنے طبقہ کو کوئی فائدہ نہیں
پہنچاتے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کے اچھے اثرات سے کوئی قوم اسوقت تک فائدہ
نہیں اٹھا سکتی جبتک کہ تعلیم کی بنیاد وسیع نہ ہو۔ اور عوام تک اسکی پہنچ نہ ہو۔

عوامی تعلیم

کسی ایسی تعلیمی اسکیم کی کامیابی کے لئے، جسکی بنیاد عوام پر رکھی گئی ہو اور
جسکا مقصد تعلیم کو دیہاتی عوام تک پہنچانا ہو، یہ ضروری ہے کہ خاص اسکیم پر عمل درآمد
کرنے سے پہلے کچھ تمہیدی اور ابتدائی کارروائیاں کی جائیں تاکہ اس سے عوام
کے تخیل میں ایک طرح کی دلچسپی پیدا ہو اور اسکیم کو عوام کی حمایت حاصل ہوسکے۔
تقریباً ہر قوم کی تاریخ میں ہم یہ بات پاتے ہیں کہ وہاں تعلیم عام ہونے سے پہلے کوئی
ایسا [illegible] واقعہ پیش آیا جسنے عوام کے دلوں میں تعلیم حاصل کرنے کی مانگ پیدا
کردی۔ اسطرح یورپ میں پہلی تعلیمی تحریک ایک مذہبی جذبہ کا نتیجہ تھی سولھویں
صدی عیسوی میں ریفارمیشن کے زمانہ میں متعدد زبانوں میں انجیل کا ترجمہ ہوا۔ اس
سے پہلے انجیل لاطینی زبان میں تھی اور صرف پادری اس زبان سے واقف تھے
اس لئے عوام کلام الٰہی سمجھنے کے لئے انکے محتاج تھے لیکن ترجمہ ہو جانے
سے عوام کیلئے اپنی آسمانی کتاب پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوگیا اور انکے دلوں میں
تعلیم حاصل کرنے کا ایک جذبہ پیدا ہوگیا۔

یورپ کی تاریخ میں اسی قسم کی دوسری تحریک اٹھارھویں صدی میں انقلاب
فرانس کے بعد کے زمانہ میں نظر آتی ہے۔ اس دفعہ تحریک کی نوعیت سماجی تھی
ان پڑھ عوام کو اس بات کا احساس ہوا کہ اگر وہ پڑھ لکھ جائیں گے تو انقلاب سے
انکو جو نئے حقوق اور اختیارات ملے ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں گے
تیسری تحریک صنعتی انقلاب کے زمانہ میں رونما ہوئی اور اسکی بنیاد
اقتصادی تھی۔

یورپ کی تاریخ کے جس دور میں یہ تحریکیں اٹھیں وہ پھر بھی پرانا زمانہ
تھا لیکن حال کی تاریخ میں اور اسی صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ روس۔ ترکی
اور ریاستہائے بلقان میں تعلیم اتنی جلد عام ہوئی ہے اور عوام کے دل میں پڑھنے
لکھنے کا جذبہ اتنی تیزی اور کامیابی سے پھیلا دیا گیا ہے کہ تاریخ عالم میں اسکی
مثال ملنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ روس میں اسکی بنیاد سماجی اور اقتصادی
تھی اور ترکی اور ریاستہائے بلقان میں سماجی اور سیاسی۔

روس میں عوام نے محسوس کیا کہ ایک طاقتور اور ترقی پسند سوشلسٹی
نظام حکومت کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ آبادی کی ایک بہت بڑی اکثریت
تعلیم یافتہ ہو۔ اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۱۷ء کے ۲۰ فیصدی پڑھے لکھوں
کے مقابلہ میں ۱۹۳۰ء میں روسی عوام میں ۹۶ فیصدی تعلیم یافتہ ہوگئے۔ ترکی
میں بھی لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ اپنی نئی حاصل کی ہوئی مراعات سے فائدہ
اٹھانے اور انکی حفاظت کرنے کے لئے انہیں کافی طور پر تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔
یہاں بھی ۱۹۱۷ء کے ۱۴ فیصدی کے مقابلہ میں ۱۹۳۶ء میں ۸۶ فیصدی لوگ
پڑھے لکھے ہوگئے۔

مجھے اس چیز میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ ترکی میں تعلیم کے اتنی جلدی عام
ہونے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے فارسی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط کو
رائج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اگر ہم اپنے صوبہ میں بھی ایسا ہی کریں تو کوئی وجہ
نہیں ہے کہ ہمیں بھی ترکی ہی کی سی کامیابی نہ ہو۔

ہمارا کام

آج ہمارے ملک میں جو سماجی۔ سیاسی اور اقتصادی تبدیلیاں ہورہی ہیں اور
خاصکر دیہی آبادی میں جو نئی بیداری پھیل رہی ہے اس میں تعلیم کے عام کئے جانے
کی مانگ موجود ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھا کر عوام میں تعلیم پھیلانے کی ایک زبردست
تحریک کامیاب بنائی جاسکتی ہے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ کہدینا بھی ضروری ہے کہ اپنی
تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہمیں عوام کے جوش اور جذبے سے کام لینا ہوگا اور
ایک ایسا پروگرام مرتب کرنا ہوگا جس سے انکے اندر ایک طرح کی دلچسپی پیدا کی جاسکے۔
اپنی روزمرہ زندگی کی نئی خصوصیات اور عوام کی بیداری کو دیکھکر پورے بھروسے
کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نفسیاتی اعتبار سے ہمیں تعلیم کو عام کرنے اور عوام کو جہالت
کی تاریکیوں سے نجات دلانیکا بہترین موقع ہاتھ آگیا ہے اور اب دیر کرنے کے معنی ہونگے
ایک زبردست جرم کا دیدہ و دانستہ ارتکاب۔

اپنی جہالت دور کرنے کا عہد کرو

ہندو مسلمان بڑی بات تو نہیں ایک ہیں

ہمارے جھگڑوں میں کوئی اصلیت نہیں

فرقہ وارانہ مسئلہ گاندھی جی کی نظر میں

باہمی اختلافات مٹانیکی سوشلسٹ جو کوشش کر رہے ہیں میں اسکی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا"

"مجھے عقیدہ ہے کہ ہندو مسلم سوال کا حل سوراج سے پہلے ہی ہو جائیگا۔ میرا دعویٰ ہے کہ میں کل مسئلہ کو ایک غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھتا ہوں۔ ہمارے جھگڑوں میں کوئی اصلیت نہیں ہے جن باتوں پر اختلاف ہے وہ ادنیٰ ہیں۔ جن میں اتفاق ہے وہ گہری اور مستقل ہیں ہم دونوں سیاسی اور اقتصادی علامی یکساں ہیں۔ ایک ہی آب و ہوا۔ ایک ہی دریا اور ایک ہی کھیت سے ہمیں ہوا، کھانا اور پانی ملتے ہیں۔ اس لئے ہمارے بڑے لیڈر۔ مہاتما اور مولانا کچھ کہیں یا کریں لیکن جب عوام پوری طرح بیدار ہو جائیں گے تو وہ اپنا زور دکھائیں گے اور مشترکہ تکلیفوں سے لڑنے کے لئے آپس میں متحد ہو جائیں گے"

ان الفاظ میں مہاتما گاندھی نے حال ہی میں ایک انگریز صحافی مسٹر ہڈسن سے ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلہ پر اظہار خیال کیا

انھوں نے کہا "سوشلسٹ اور کمیونسٹ پروپگنڈہ کا عوام کو انکے یکساں مفاد پر زور دیکر آپس میں متحد کیا جائے اس سے میرے اختلافات ہیں لیکن وہ اوہام کو جو مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے میں مٹانے کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں میں انکی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مسٹر ہڈسن نے کہا کہ غالباً ہندو مسلم سمجھوتہ میں مشکل اس واسطے پڑ رہی ہے کہ کانگریس اپنے کو دوسری جماعتوں جیسا سمجھنے کے بجائے سارے ملک کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے جواب میں گاندھی جی نے تسلیم کیا کہ کانگریس کو دعویٰ ہے کہ تنہا وہی ایک جماعت ہے جو ملک کی طرف سے بات چیت کر سکتی ہے، اور یہ دعوے سولہ آنے جائز ہے۔

گاندھی جی نے کہا "اگر آپ نے کانگریس کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپکو معلوم ہوگا کہ ابتدا ہی سے وہ بغیر کسی تقسیم یا تفریق کے ہر حلقہ کے لوگوں کی خدمت کرنے اور انکی نمائندہ بننے کی کوشش کرتی رہی ہے کانگریس دل سے چاہتی ہے کہ جہانتک سیاسی پروگرام کا تعلق ہے یا تو وہ خود مسلم لیگ میں ختم ہو جائے یا مسلم لیگ کو اپنے میں ضم کرے البتہ مذہبی یا اور سیاسی ذمروں کے واسطے ہر فرقہ اپنی علیحدہ جماعت بنا سکتا ہے"

ایک اور سوال کے جواب میں مہاتما گاندھی نے کہا کہ ایسے وقت میں جبکہ ملک بدیسی حکومت کے خلاف لڑائی میں مصروف ہے کئی کئی اور ایک دوسرے کی مخالف سیاسی جماعتیں نہیں رہ سکتیں" ایک تیسری اور لوٹنے والی جماعت

کو ایسا کرنے کے لئے ملک کی ساری طاقتوں سے کام لینا ہوگا۔ اور آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے۔

سیتا پور میں کانگریس کی سرگرمیاں

۳۰ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو موضع مہرا جنگر منڈل مذنا پور میں ۸ بجے شام کو بابو رام اوتار جی کی زیر صدارت کانگریس کا ایک جلسہ ہوا جس میں کسانوں کی فلاح وبہبودی کے متعلق ضلع کے سرکردہ رہنماؤں کی تقریریں ہوئیں مقررین میں جناب بابو جگنا تھ پرشاد اگروال ایم۔ ایل۔ اے، مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری اور پنڈت کشوری پتی شاکر کے نام قابل ذکر ہیں۔ مجمع کافی تھا جلسہ کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

ضلع تیوار منڈل مان پور میں بھی ۳۰ر دسمبر کو بابو رام اوتار جی کی صدارت میں ایک جلسہ کیا گیا۔ جس میں کسانوں کے مسئلوں پر متعدد رہنماؤں نے تقریریں کیں۔

راجا پرجا سب کی آزادی،

راجکوٹ سے واپسی پر سردار پٹیل کا زبردست استقبال

"اگر ہندستانی ریاستوں کے حکمراں وقت کی رفتار کو محسوس کرلیں تو ریاستوں کا مسئلہ بغیر لڑائی کے حل ہو جائے گا اور ان میں اور ان کی رعایا میں کشیدگی نہیں رہے گی۔ اور نہ صرف ریاستی عوام بلکہ والیان ریاست بھی۔۔۔ اپنے لئے آزادی حاصل کر سکیں گے"

ان الفاظ میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے بمبئی میں ۲۰ ہزار آدمیوں کے مجمع میں ریاستی تحریک پر اظہار خیال کیا۔ یہ جلسہ راجکوٹ سے واپسی پر ولبھ بھائی کا استقبال کرنے کیلئے کیا گیا تھا۔ تقریباً ۷۵ انجمنوں کی طرف سے سردار پٹیل کو ہار پہنائے گئے۔ بھولا بھائی ڈیسائی نے جلسہ کی صدارت کی۔

سردار پٹیل نے راجکوٹ کی تحریک کی روداد بیان کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے راجکوٹ کی تحریک اور دوسری ریاستی تحریکوں پر جو تقریریں کی ہیں۔ بعض لوگ انھیں بہت سخت بتاتے ہیں اور ان پر اعتراض کرتے ہیں لیکن انکے سخت الفاظ سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انکو ریاستی عوام کے ساتھ کتنی گہری ہمدردی ہے۔ ولبھ بھائی نے بتایا کہ مجھے والیان ریاست سے کوئی عداوت نہیں ہے بلکہ انمیں سے اکثر کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات ہیں لیکن عوام کی مصیبتیں دیکھکر قدرتاً انکے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

مہاتما گاندھی سے بڑھکر والیان ریاست کا کوئی دوست نہیں ہے لیکن انھیں بھی آخر مجبور ہوکر والیان ریاست کو آگاہی دینی ہی پڑی کہ اگر وہ وقت کے ساتھ نہیں چلیں گے تو اپنے ہاتھوں اپنی تباہی بلائینگے

سردار پٹیل نے ان اعتراضات کا بھی تذکرہ کیا کہ جو ریاستوں کی ستیہ گرہ کے متعلق انکے رویہ پر کئے جاتے ہیں اور کہا کہ ستیہ گرہ کیلئے مناسب فضا صرف سخت الفاظ سے نہیں تیار کیجا سکتی ہے بلکہ عام حالات ہی ایک کامیاب ستیہ گرہ کے لئے موزوں فضا تیار کرتے ہیں اور راجکوٹ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

ملتوی بقایا لگان معاف کر دیا جائے گا
صوبہ سیاسی کانفرنس میں وزیر یوپی کا اعلان

۳۰ دسمبر کو انیسویں صوبہ سیاسی کانفرنس یوپی میں آنریبل رفیع احمد قدوائی وزیر مالیات یوپی نے حکومت کی زرعی پالیسی پر تقریر کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں اعلان کیا کہ حکومت یوپی نے ابھی تک جو کچھ بقایا لگان ملتوی کر رکھا ہے وہ سب کا سب معاف کر دیا جائیگا۔

کسانوں نے اس اعلان پر غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا۔

زرعی بل کے فوائد بیان کرتے ہوئے آنریبل وزیر نے بتایا کہ جس طرح ابھی زمیندار کے بعد اسکی اولاد زمینداری کی مالک ہوتی ہے اسی طرح کسانوں کو بھی اپنے کھیتوں پر موروثی حقوق دیدیئے جائینگے اور جب تک کسان لگان ادا کرتے رہینگے اسوقت تک کوئی انکو بے دخل نہیں کر سکیگا۔ آگے چلکر انھوں نے کہا کہ لگان اتنا کم کر دیا جائیگا کہ کسان اسکو بآسانی ادا کر سکیں ابھی تک بعض بعض جگہ لگان پیداوار کا پچاس فیصدی ہے لیکن اب حکومت لگان اس طرح مقرر کریگی کہ روپیہ میں سوا تین آنے زمیندار کو ملیں گے اور پونے تیرہ آنے کسان کے پاس رہینگے۔

لگان کی ادائیگی کے لئے دو نئے طریقے رائج کئے جائینگے۔ اگر عدالت سمجھیگی کہ چند سال کے لئے زمین دوسرے کسان کو دیکر لگان ادا ہو سکتا ہے تو کچھ عرصہ کے لئے زمین دوسرے کسان کو دیدی جائیگی اور جب بقایا ادا ہو جائیگا تو وہ پھر اپنے پہلے مالک کے پاس واپس آجائے گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہوگا کہ زمین کا کچھ حصہ نیلام کر دیا جائیگا اور بقیہ زمین بدستور کسان کے قبضہ میں رہیگی۔

مسٹر رفیع احمد قدوائی نے امید ظاہر کی کہ ڈیڑھ مہینے میں بل اسمبلی سے پاس ہو جائیگا اور اگر ایوان اعلیٰ (کونسل) نے مزاحمت نہ کی تو چھ مہینے میں یہ بل قانون بنجائیگا۔ اسکے بعد کسانوں کے فائدہ کے لئے اور قانون بنائے جائینگے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے قرضہ کے قانون پر خاص زور دیا۔

قرارداد مسٹر پالیوال نے کسانوں کے مسئلہ پر ایک قرارداد پیش کی جسمیں بتایا گیا ہے کہ "ہمارے صوبہ میں زرعی اصلاحات کی منزل مقصود زمینداری نظام کا تمام وکمال خاتمہ ہونا چاہیئے" (باقی ص ۴۰ پر)

برطانیہ اپنی قبر اپنے ہاتھوں کھود رہی ہے
اکیسویں یو۔پی صوبہ سیاسی کانفرنس میں جواہرلال کا خطبہ صدارت
"سامراج کے کھمبے چند سرکاری ملازم نہیں بلکہ سرمایہ دار ہیں"

۳۰ دسمبر کو اجودھیا میں اکیسویں یو۔پی سیاسی کانفرنس ہوئی کئی دن پہلے سے کسانوں کی ٹولیاں دور دور کے دیہاتوں سے آکر اجودھیا میں جمع ہو رہی تھیں سیکڑوں کسان تو لیے تھے جلوس ہم شالوں۔ مسافرخانوں اور مندروں میں جگہ نہ ملی اور کھلے میں راتیں گذارنا پڑیں۔

کانفرنس میں تقریباً ۵۰ ہزار کسان جمع تھے انکی لاٹھیوں میں لگے ہوئے چھوٹے چھوٹے ترنگے جھنڈے عجیب سماں پیش کر رہے تھے۔

جواہرلال نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ تیس سال سے یہ کانفرنس ہر سال ہو رہی ہے اور اس کانفرنس سے اتنے دنوں کی لڑائی کی یاد تازہ ہوتی ہے آگے چلکر انھوں نے بتایا کہ وہ ابھی حال ہی میں یورپ کے دورہ سے واپس آئے ہیں اور اگر وہ بین الاقوامی صورت حال کا بیان کرینگے تو کسان اس سے بے تعلقی سی محسوس کرینگے لیکن ان کو یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بین الاقوامی اثرات کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ جواہرلال نے اسپین۔ اور چین کے دردناک نظارے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ متعدد ملکوں میں سامراج دشمن لڑائی جاری ہے۔ اور اس سامراج کا گڑھ برطانیہ ہے۔ جواہرلال نے بتایا کہ چیکوسلاویکیہ کے معاملہ میں برطانیہ جرمنی سے دب گئی تھی۔ اسلئے نہیں کہ وہ جرمنی سے خائف تھی بلکہ اصل یہ ہے کہ برطانیہ خفیہ طور پر تمام سامراجی طاقتوں کی حمایت کرتی ہے اور جو قومیں آزادی کے لئے جد و جہد کر رہی ہیں انکو برطانیہ جیسے تمام سامراجی ملک کچلنا چاہتے ہیں۔ ویران پر بے پناہ مظالم توڑے ہیں لیکن برطانیہ اپنے ہتھکنڈوں سے آپ اپنی قبر کھود رہی ہے اور اسکی پالیسی خود اسکو کمزور کئے دے رہی ہے۔ اسی سلسلہ میں جواہرلال نے فلسطین میں برطانوی پالیسی کا بھی جو عربوں کو کچلنے کے لئے استعمال کی جا رہی ہے تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم ان باتوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔

سامراج کی پشت پناہ

جواہرلال نے کہا کہ برطانوی سامراج کی اصلی پشت پناہ چند سرکاری ملازم نہیں بلکہ سرمایہ دار ہیں حکومت پر انہیں کا قبضہ ہے اور اس طاقت سے ہمکو لڑنا ہے۔ وزارت کی کرسیوں پر اپنے آدمی آدمی دیکھ کر ہمکو غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہیئے۔ انکے اختیارات کے چاروں طرف دستوری کٹہرا لگا ہے۔ جواہرلال نے بتایا کہ بعض وقت وزارتوں کی سست رفتاری دیکھ کر انھیں بے صبری سی ہونے لگتی ہے۔ ملک میں تمام غربی پھیلی ہوئی ہے اپنی اقتصادی آزادی کے لئے لوگوں کو آخری جنگ کا انتظار کرنا ہوگا۔

جواہرلال نے کہا کہ کانگرس نے مسلم لیگ پر حملہ کرنے سے ہمیشہ احتراز کیا ہے لیکن لیگ بدستور مہمل اور بے بنیاد الزامات لگائے جا رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے یہ دیکھکر تکلیف ہوتی ہے اور شرم آتی ہے کہ ایسے موقع پر جبکہ ہم آزادی کی لڑائی میں مصروف ہیں ہمارا کوئی ہموطن اس قسم کی بکواس کرے۔

قومی جھنڈا

قومی جھنڈے پر مسلم لیگ کے اعتراضات کا تذکرہ کرتے ہوئے جواہرلال نے کہا کہ قومی جھنڈا عرصہ ہوا جب بنایا گیا تھا اور اس میں تمام فرقوں کا خیال کیا گیا تھا۔ یہ کسی ایک فرقہ کا نہیں ہے اور اسلئے انھیں

قرارداد میں کانگرسی وزارت کے کاموں کی تعریف کی گئی لیکن ساتھ ہی بتایا گیا کہ اسکو اتنے اختیارات نہیں ہیں کہ وہ کسانوں کی حالت میں کوئی انقلابی اصلاح کر سکے۔ یہ حق اسے مکمل آزادی حاصل ہونے کے بعد ہی مل سکتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ سب لوگ آپس میں متحد ہو کر کانگرس کو اتنا مضبوط اور طاقتور بنا دیں کہ وہ جلد سے جلد آزادی حاصل کر سکے۔

حکومت یوپی سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ لگان میں کم سے کم آٹھ کروڑ روپیہ کی مستقل چھوٹ دیدے بقایا لگان معاف کر دے۔ بیدخلی بند کر دے اور ۱۳۴۴ فصلی کے بعد سے جو بے دخلیاں ہوئی ہیں انکو منسوخ کر دے۔

تکلیف ہوتی ہے جب [illegible] آزادی کی لڑائی [illegible] سے بچنے [illegible] ہیں۔

دوہری لڑائی

جواہرلال نے بتایا کہ سیاسی اور اقتصادی دونوں مسئلے حل کرنے [illegible] لڑائیاں ایک ساتھ جیتنی [illegible] اور سوراج [illegible] قائم کرنا چاہئے۔ اگر [illegible] اسے پیدا کرنا ہے۔

ہندستانی ریاستیں

ریاستوں کے متعلق [illegible] کہا کہ کانگرس صرف برطانوی ہند کے لئے نہیں [illegible] ہندستان کے لئے آزادی چاہتی ہے [illegible] کی پالیسی یہ ہے کہ ریاستوں میں اس لڑائی کی ابتدا ریاستی عوام ہی کے ہاتھوں ہو۔

[illegible]

جواہرلال نے کہا کہ [illegible] زمینداروں سے کوئی دشمنی نہیں ہے [illegible] کے ساتھ انصاف کرنے میں زمینداروں [illegible] مجبوری ہے۔ اپنی ذاتی رائے بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ زمینداری نظام سے نہ زمینداروں کو فائدہ ہے

اور نہ کسانوں کو۔

انھوں نے امید ظاہر کی کہ زرعی بل جلد ہی پاس ہو جائے گا۔ اور اس کی مراعات میں کمی ہونے کے بجائے کچھ اور آسانیاں پیدا کر دی جائیں گی۔ جواہرلال نے کہا کہ ممکن ہے کہ ایوان اعلیٰ (کونسل) بل میں دیر لگائے اور بل میں ترمیمیں کی جائیں۔ لیکن متعلقہ حقوق رکھنے والوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ دیر لگانے سے احساسات اور کشیدہ ہو جائینگے اور پھر ہم بل کے کسانوں کے حق میں اور زیادہ مفید بنانے پر زور دیں گے۔

جماعتی تنظیم

جواہرلال نے کہا کہ اس صوبہ میں تقریباً ۱۵ لاکھ آدمی اس سال کانگرس کے ممبر ہوئے ہیں۔ اب ممبروں کی چھان بین کی جائے گی۔ اور غیر مناسب لوگوں سے کانگرس کو پاک کیا جائے گا۔ قومی فوج کے متعلق جواہرلال نے کہا کہ اس کی سخت ضرورت ہے۔

جواہرلال نے گڑھوالی قیدی چندن سنگھ کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس بہادر سپاہی نے نہتے عوام پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اب بھی جیل میں ہے لیکن اس کا الزام کانگرسی حکومت پر نہیں۔ کیونکہ اسے مارشل لا کے ماتحت سزا ملی ہے اور اس کی رہائی صوبجاتی حکومت اختیار سے باہر ہے۔

(قرارداد ص ۴۰ پر دیکھئے)

مسلم لیگ کو جواہرلال کا چیلنج
کیا کانگرسی حکومت مسلمانوں پر ظلم کر رہی ہے؟
غیر جانبدارانہ کمیٹی مقرر کرنے کی دعوت

"مسٹر جناح مجھے بتائیں کہ کونسا خاص میرے صوبہ میں ہو رہا ہے میں اس سے ناواقف ہوں۔ کیا وہ مہربانی کر کے مجھے بتا سکیں گے کہ یو۔پی میں کانگرسی حکومت کون کونسے مظالم کر رہی ہے۔ مجھے ابھی تک نہیں معلوم کہ مسٹر جناح کے الزامات کیا ہیں۔ مسٹر جناح ایک مشہور وکیل ہیں، کیا میں انکے سامنے یہ تجویز پیش کر سکتا ہوں کہ قبل اسکے کہ الزامات پر یقین کیا جائے انکا ثابت کیا جانا ضروری ہے۔ اگر مسٹر جناح اسپر رضامند ہوں تو میں بخوشی انکے اعتراضات ایک تیسرے اور غیر جانبدار آدمی کے سامنے جسکو وہ اور میں دونوں مقرر کریں تحقیق کے لئے رکھنے کو تیار ہوں۔"

اکیسویں صوبہ سیاسی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے جواہرلال نے کہا تھا کہ فرقہ پرستوں کی طرف سے کانگرس پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ مہمل اور بے بنیاد ہیں۔ مسٹر جناح نے ایک بیان میں بتایا کہ جواہرلال اپنے ہی صوبہ کے حالات سے ناواقف ہیں اور زیادہ انصاف نہیں کر رہے ہیں۔ جواب میں جواہرلال نے مسٹر جناح کو مندرجہ بالا چیلنج دیا ہے۔

صدیوں سے پھیلی جہالت پر دھاوا
۱۵ جنوری کو یوم خواندگی منایا جائے

حکومت یو۔پی نے اپنی تعلیمی اسکیم کے سلسلہ میں ۱۵ جنوری کو یوم خواندگی مقرر کیا ہے۔ محکمہ تعلیم کی طرف سے تمام متعلقہ افسروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ [illegible] تعلیمی جلسوں، اشتہاروں اور نظموں سے جہالت کے خلاف پروپیگنڈا کریں اور لوگوں کو پڑھنے لکھنے کی طرف راغب کریں۔

ان لوگوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس دن زیادہ سے زیادہ آدمیوں سے معاہدۂ خواندگی پر دستخط کرانے کی کوشش کریں۔ معاہدہ یہ ہے:

"یہ میرا یقین ہے کہ ناخواندگی اس ملک کے لئے بدترین لعنت ہے اور یہ اخلاقی اور مادی ترقی کی راہ کو مسدود کرتی ہے۔ اسکو کم سے کم وقت میں دور کرنے میں مدد دینا ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی کا فرض ہے لہٰذا میں وعدہ کرتا ہوں کہ سال بھر میں کم سے کم ایک مرد یا ایک عورت کو خواندہ بنا دونگا یا ضلع کی خواندگی انجمن کو دو روپیہ دونگا جس سے ان پڑھ کو خواندہ بنانے کا کم سے کم خرچ ادا ہو سکے اور ہر گاہ کہ میری طرف سے یہ فرض انجام دے۔

پورا نام ....
پیشہ ....
پورا پتہ ....

معاہدہ لینے والے کا نام ....
پیشہ ....
پتہ ...."

بارہ بنکی میں توسیع تعلیم کا کام

حامد علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس بارہ بنکی سے اطلاع دیتے ہیں کہ ضلع میں ۱۱ لائبریریاں اور ۸۰ اخبار گھر کھل چکے ہیں۔ اخبار گھروں میں خاص خبریں تختہ سیاہ یا کالی دیوار پر لکھا جاتا ہے۔ جہاں جہاں اخبار گھر دیہات سد عاری کے مدرسہ کے پاس واقع ہیں۔ وہاں مدرس سے رات کے وقت اخبار سنانے کی فرمائش کی گئی ہے۔ ہر لائبریری کے ماتحت چند اخبار گھر دے گئے ہیں اور امید ہے کہ میں آتے ہی ۵۰۰ کتابیں ان اخبار گھروں کی معرفت مختلف گاؤں میں تقسیم ہو جائیں گی۔ اور اس طرح ایک مقام سے دوسرے مقام تک ۵ میل کے حلقہ میں کتابیں گشت کریں گی بالغان کی تعلیم کے دو حصہ ہیں ایک تو جنرل اکیلیں سرکاری مدرسے قائم ہو چکے ہیں اور انھیں تنخواہ دار مدرسین کام کر رہے ہیں۔ ان مدرسین کے ماتحت تقریباً ۰۰ آدمی مندرجہ رجسٹر ہیں دوسرا حصہ اعزازی استادوں کا ہے اسکے تحت میں ۹۰ مقامات پر تقریباً ۱۲۰۰ آدمی بھرتی ہو چکے ہیں ابھی حال ہی میں ضلع کی توسیع کمیٹی تعلیم نے طے کیا ہے کہ عہد نامہ خواندگی کے ذریعہ چندہ جمع کر کے سرمایہ کیا سکے کام کے مطابق امداد دی جائے۔

یوم خواندگی کے لئے تیاریاں شروع ہو گئی ہیں اور انجمن توسیع تعلیم بالغان کی انتظامیہ کمیٹی نے طے کیا ہے کہ اچھی نظموں کو صدر نظم انعام دیگا اور یہ نظمیں چھپوا کر تمام ضلع میں تقسیم کی جائیں گی ایسے ہی سب سے اچھے ڈرامہ پر صدر روپیہ انعام دیگا اور ایک اچھے مضمون یا لکچر پر جو تعلیم پھیلانے کے متعلق ہو صدر انعام دیا جائے گا۔ اسکے علاوہ چند چھوٹے انعامات نعروں، بیجے کارڈوں اور جھنڈوں کی عبارت کے لئے بھی مقرر ہوئے ہیں۔

اناؤ میں یوم خواندگی منانے کی تیاریاں

۲۲ دسمبر کو اناؤ میں ضلع کے نمائندوں کا ایک جلسہ ہوا جسمیں سرکاری حکام اور انکے علاوہ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں حکومت یو۔پی کی تعلیمی اسکیم کی تفصیل بیان کی گئی اور حاضرین کو جہالت دور کرنے کے کام میں حکومت کا ہاتھ بٹانے کی دعوت دی گئی۔ [illegible] کی ایک انتظامیہ کمیٹی چنی گئی جسکے صدر مسٹر [illegible] ترپاٹھی اور سکریٹری مسٹر اس۔ ال سریواستو ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہیں۔

۲۳ دسمبر کو اس کمیٹی کا جلسہ ہوا اور اس میں ۱۵ جنوری کو یوم خواندگی منانے کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا گیا۔ تمام ضلع کو ۱۵ حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر تحصیل کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری آدمیوں کی ایک نمائندہ کمیٹی مقرر کی گئی ہے

صوبہ سیاسی کانفرنس کی اہم قراردادیں

بین الاقوامی صورت حال

بین الاقوامی صورت حال پر ایک قرارداد پاس ہوئی جسمیں برطانیہ کی خارجی پالیسی جسکا ماحصل "جان بوجھ کر جمہوریت کے ساتھ غداری وعدوں کی خلاف ورزی اور ایسی حکومتوں کے ساتھ تعاون کرنا ہے جو جمہوریت و آزادی کی دشمن ہیں"۔ مذمت کی گئی اور بتایا گیا کہ اس پالیسی سے تمام دنیا میں ایک بین الاقوامی مزاج کی کیفیت ہو گئی ہے جہاں وحشیانہ تشدد کی جیت ہو رہی ہے اور دبی قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کر رہا ہے۔ اور اس کے نام پر سب سے زیادہ ہولناک جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

قرارداد میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ کانگریس سامراجی لڑائی میں کوئی حصہ نہ لیگی اور ہندستان کے ذرائع کو سامراج کی خاطر بھینٹ نہیں چڑھایا جائیگا اور رائے ظاہر کی گئی کہ بین الاقوامی صورت حال اور برطانوی خارجی کے فسطائی رجحانات کے پیش نظر ہندوستان کے واسطے از حد ضروری ہے کہ وہ برطانوی پالیسی سے پورے طور پر قطع تعلق کرلے اور سامراج اور فسطائیت سے علیحدہ رہ کر امن و آزادی کے راستہ میں اپنی خارجی پالیسی کی آپ ہی رہنمائی کرے۔

وزارت کے کارنامے

شری موہن لال سکسینہ نے وزارتی کارناموں پر ایک قرارداد پیش کی جسمیں وزارت کی ان کارروائیوں کی تعریف کی گئی جو اس نے برے انتظام کی اصلاح کرنے اسکو ترقی پسند اور عوام کی مرضی کے مطابق بنانے کے لئے کی تھیں اسکے ساتھ ہی بتایا گیا کہ بعض پابندیوں کی وجہ سے جو پہلے دور کا ترکہ ہیں ترقی اور اصلاحات کی رفتار ... ہے اس لئے ان پابندیوں کو دور ہو جانا چاہئے اور ... مالیاتی انتظامات کو جنکی رو سے سرکاری آمدنی کا ایک بڑا حصہ مرکزی اخراجات اور بڑی بڑی تنخواہوں اور بھتوں پر خرچ ہو جاتا ہے تبدیل ہو جانا چاہئے اور ملازمتوں کو ذمہ دار نظام حکومت اور کانگریس کے نصب العین کے مطابق چلنا چاہئے۔

کتابوں اور رسالوں پر پابندیاں

ایک قرارداد میں جسکو کہ صدر کانفرنس ... صدر جواہر لال نے پیش کیا۔ مرکزی حکومت کی اس پالیسی کی مذمت کی گئی کہ وہ نام نہاد صوبجاتی خود مختاری کے باوجود ہندگاہوں پر کتابوں اور رسالوں کو روک لیتی ہے اور انکو ملک کے اندر نہیں آنے دیتی۔

فیڈریشن کی آخر تک مخالفت فلسطین کے عربوں سے ہمدردی اور قومی فوج کی اہمیت پر بھی قراردادیں پاس کی گئیں۔

قومی فوج پر قرارداد پیش کرتے ہوئے مسٹر سری پرکاش نے لوگوں سے اپیل کی کہ قومی فوج میں بھرتی ہوں کیونکہ سوراج حاصل کرنے کی کوششوں کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اسکی حفاظت بھی کرنا ہے۔ سری آر۔ ایس پنڈت نے اسکی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ابھی صوبہ میں کانگریس کے پاس دس ہزار والنٹیر ہیں اپریل تک انکی تعداد پچاس ہزار ہو جائیگی لیکن ہمیں لاکھوں والنٹیر بھرتی کرنا ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے سرحد کے خدائی خدمتگاروں کی مثال پیش کی جو عدم تشدد کے مسلک کے پابند ہیں۔

ضبط شدہ زمینیں

شری لکھان سکھ نے یہ قرارداد پیش کی:۔

"کانفرنس کی رائے ہے کہ سول نافرمانی کے زمانہ میں عدم ادائی لگان کی تحریک کی وجہ سے کاشتکاروں سے جو زمینیں نکال لی گئی تھیں وہ اب انکو واپس دیدی جائیں۔ کانفرنس وزارت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ان زمینوں کو واپس دلانے میں جلدی کرے۔ کانفرنس کی خواہش ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہ زمینیں اگلی فصل سے پہلے واپس دلادی جائیں"۔

شری روپ نرائن ترپاٹھی اور مولانا شاہد فاخری نے اسکی تائید کی اور قرارداد پاس ہو گئی۔

کامیابی

جملہ کارروائی کے ختم پر جواہر لال نے مجلس استقبالیہ اور دوسرے کارکنوں کا جنھوں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا تھا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اتنے زیادہ آدمیوں کا کانفرنس میں اکٹھا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ انکے دلوں میں تمنائیں ہیں جنکو وہ پورا کرنا چاہتے ہیں اور انکو بھروسہ ہے کہ کانگریس انکے لئے کام کر رہی ہے انھوں نے کہا کہ کانفرنس میں جو قراردادیں پاس ہوتی ہیں ہمیں ان پر عمل کرنا چاہئے۔

جواہر لال نے کہا کہ ۲۶ جنوری کو یوم آزادی ہے اور اس موقعہ پر تمام لوگوں کو آزادی کا عہد نامہ دہرانا چاہئے اور اس کے لئے ابھی سے تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں۔

مجلس استقبالیہ کے صدر آچاریہ نریندر دیو نے کانفرنس کے صدر جواہر لال اور تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے تمام کارکنوں کا جنھوں نے کانفرنس کے انتظامات میں انکا ہاتھ بٹایا تھا اور خاص کر راجہ صاحب امانان کا بھی شکریہ ادا کیا۔

صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر مسٹر موہن لال سکسینہ نے نمائندوں اور دوسرے مہمانوں کی طرف سے مجلس استقبالیہ کا شکریہ ادا کیا۔

راجکوٹ کے بعد جے پور کی باری

ریاست میں سیٹھ جمنالال بجاج کا داخلہ ممنوع

۲۹ دسمبر کو سیٹھ جمنالال بجاج جے پور پرجا منڈل کانفرنس کی صدارت کرنے جا رہے تھے۔ راستہ میں مادھو پور اسٹیشن پر انپر ریاست کا ایک حکم تعمیل کیا گیا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ ریاست میں انکی موجودگی سے نقض امن کا اندیشہ ہے اسلئے وہ آئندہ احکامات تک جے پور میں نہ داخل ہوں سیٹھ جمنالال دہلی واپس آ گئے ہیں اب گاندھی جی سے مشورہ کرنے کے بعد وہ کوئی مزید کارروائی کرینگے۔

اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک بیان دیا ہے۔ جسمیں انھوں نے بتایا ہے کہ "اگر مجھے احکامات کی خلاف ورزی کرنا پڑی اور اس طرح ایک الجھن کا باعث بننا پڑا تو یہ جے پور کی حکومت کا قصور ہوگا"۔

راجنند گاؤں میں لاٹھی چارج

۲ جنوری کو ڈرگ کانگرس کمیٹی کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں کچھ لوگوں نے جنکی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ ریاستی تحریک کے خلاف تھے پتھر اور انڈے پھینکے اسپر جلسہ برخاست کر دیا گیا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کرکے عوام کو منتشر کر دیا۔ اسپر راجنند گاؤں میں سارے دن کی ہڑتال منائی گئی اور ایک جلوس نکالا گیا۔ پولیس نے جلوس پر بھی لاٹھی چارج کیا خبر ہے کہ اس میں ۲۵ عورتیں مجروح ہوئی ہیں۔

کچھ دن ہوئے جب خبر آئی تھی کہ مہاتما گاندھی نے راج نندگاؤں کے دیوان کو ریاستی بے چینی کے حل پر ایک خط لکھا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ دربار نے گاندھی جی کی تجویزوں کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

جہالت کے خلاف حکومت یوپی کا جہاد

(یوپی کی کانگرسی حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی جہاں عوام کی بھلائی کے اور بہت سے کام کئے ہیں وہاں اسنے انکی تعلیم پر بھی پوری پوری توجہ کی ہے۔ عام جہالت سے ہمارے عوام کو جو پریشانیاں اٹھانی پڑ رہی ہیں حکومت نے انکا احساس کرکے جہالت کے خلاف ایک زبردست مہم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ موجودہ افسر توسیع تعلیم مسٹر ایس۔ این چترویدی نے عوام کی تعلیم کے لئے ایک نہایت ہی جامع اسکیم تیار کی ہے اور اب حکومت نے بھی اسکو منظور کرلیا ہے۔ ذیل میں اس اسکیم کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے — ایڈیٹر)

حکومت یو۔ پی نے جہالت کے خلاف ایک زبردست مہم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں اسنے ڈسٹرکٹ بورڈوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ دیہی مدارس کے مدرسین کو بلا معاوضہ بالغوں کو تعلیم دینے پر آمادہ کریں۔ اگرچہ انکا کام اعزازی ہوگا لیکن بورڈوں سے کہا گیا ہے کہ جن مدرسین کا کام قابل تعریف ہو انکو مناسب انعام دئے جائیں اور انکے کام کی معقول طرح پر داد دیجائے۔ فی الحال صوبجاتی حکومت ان مدرسین کو کوئی معقول معاوضہ نہیں دے سکتی ہے لیکن پھر بھی حکومت نے طے کیا ہے کہ انکو ایک آدمی کو خواندہ بنانے پر بطور انعام ایک روپیہ دیا جائےگا اور اسکے لئے ۴۸ ہزار چارسو کی رقم منظور کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ۹ ہزار دوسو روپیہ کی ایک رقم اور منظور کی گئی ہے جس سے ہر ضلع کے سات بہترین کام کرنیوالوں کو انعامات دئے جائیں گے۔ یہ انعامات بالترتیب ۵۰ - ۴۰ - ۳۰ - ۲۰ - ۲۰ - ۱۵ - اور ۱۵ روپیہ کے ہوں گے۔

جن تعلیمی اداروں میں بالغوں کو پڑھانے کا انتظام ہے یا جو اپنے یہاں اب اس کام کو شروع کرنا چاہیں انکو بھی حکومت کی طرف سے امداد ملے گی۔ اس سلسلہ میں حکومت نے ہر ضلع کو پانچ سو روپیہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

لیکن جہالت کو دور کرنے کا مسئلہ بہت اہم ہے اور اسکا حل صرف چند اعزازی کام کرنے والوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ حکومت کو اس مسئلہ میں اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہے۔ اعزازی کام کی قدر کرتے ہوئے حکومت اسے اپنا فرض سمجھتی ہے کہ وہ اپنی طرف سے ایک مثال پیش کرے اور ایک ایسی مہم اٹھائے جو نہ صرف اعزازی کام کی مدد کرے بلکہ کافی طور پر بے پڑھوں کا تناسب بھی کم کرسکے۔ اسی مقصد کیلئے حکومت یو۔ پی نے محکمہ تعلیم میں ایک نیا صیغہ قائم کیا ہے اور ایک خاص افسر مقرر کیا ہے جو توسیع تعلیم کا افسر کہلائے گا۔ حکومت کی اجازت سے یہ افسر جہالت دور کرنے کی تمام کارروائیوں کے لئے ہدایات جاری کریگا، انکی دیکھ بھال کریگا اور اس سلسلہ میں نئی نئی ترکیبوں کو عملی جامہ پہنائے گا۔

حکومت نے تجویز کیا ہے کہ اوسطاً ہر ضلع میں بیس حلقے بنائے جائیں۔ ہر حلقہ کے ماتحت کئی کئی گاؤں ہوں گے۔ ان میں سے دس حلقے ایسے دیہاتوں میں ہونگے جنیں دیہات سدھار کا کام ہو رہا ہے اور یہ ایسے حساب سے رکھے جائیں گے کہ سلسلہ سے ایک یا دو علاقوں میں آجائیں۔ تمام سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے کوشش کی جائے گی کہ اس علاقہ میں رہنے والے ہر مرد کو جس کی عمر ۱۶ برس سے ۴۰ برس تک ہو ۲ سال کے اندر اندر خواندہ بنا دیا جائے۔ کمسن لڑکوں کو پڑھانیمیں بعض خاص خاص مشکلوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ انمیں سے بہت سے لڑکے ان پڑھ یا نیم پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور اگر انکو پڑھانے کی کوشش کیجائے تو اس میں سب سے زیادہ کامیابی کی امید ہے۔ یہ لڑکے آئندہ نسل کے شہری ہوں گے اور انکی تعلیم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر انکو بیس پچیس اور چالیس چالیس برس کے بڈھوں کے ساتھ پڑھنے بٹھالا جائیگا تو انھیں اسکول میں ان بڈھوں کے ساتھ بیٹھنے میں شرم معلوم ہوگی۔ اسکے علاوہ بالغوں اور نابالغوں کو پڑھانے کیلئے مختلف طریقوں سے کام لینا ہوگا اسلئے یہ ضروری ہے کہ دونوں کی تعلیم کے لئے الگ الگ انتظام کیا جائے۔ جہاں جہاں ہوسکے گا مدرس دونوں کو الگ الگ درجوں میں پڑھائیں گے اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے مدرسوں کے استادوں کو اس بات کی خاص طور پر ترغیب دیجائے گی کہ وہ ان لڑکوں کو مخصوص درجوں میں تعلیم دیں۔ اس اسکیم میں ۱۱ سال سے ۱۶ سال تک کی عمر کے لڑکوں کو جو کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پاتے کمسن تصور کیا جائے گا۔

بقیہ دس تعلیمی حلقے ضلع کے ان دیہاتوں میں ہوں گے جہاں دیہات سدھار کا کام نہیں ہو رہا ہے اس طرح اندازہ ہوسکیگا کہ یہ اسکیم سلسلہ کے علاقوں میں کس طرح چلتی ہے اور دور دور پھیلے ہوئے علاقوں میں اس میں کتنی کامیابی ہوتی ہے۔

بالغوں کی تعلیم گاہیں

افسر توسیع تعلیم محکمۂ دیہات سدھار کے مقامی افسروں کے مشورہ سے دیہی علاقوں میں تعلیمی حلقوں کا انتخاب کرینگے اور جو علاقے دیہات سدھار کے باہر ہیں ان میں ڈسٹرکٹ بورڈ، اور ڈسٹرکٹ تعلیمی کمیٹی کے چیرمینوں اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے مشورہ سے یہ حلقے مقرر کئے جائیں گے (اگر ضرورت پڑی تو کلکٹر ضلع سے بھی مشورہ کرلیا جائے گا)

مقامی حالات کے بموجب پانچ سے لیکر دس دیہات تک ایک حلقہ میں شامل ہوں گے اور ہر حلقہ ایک مستقل مدرس کے ماتحت رہیگا۔ یہ مدرس ایک گاؤں میں اپنا کام شروع کریگا اور جب اس گاؤں کے تمام بالغ مرد جو تعلیم دئے جانے کے قابل ہیں اور تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں خواندہ ہوجائیں گے تو پھر وہ حلقہ کے دوسرے گاؤں میں جائیگا اور اسی طرح جب ایک حلقہ کے تمام بالغ مرد

'خواندہ' ہوجائینگے تو وہ مدرس دوسرے حلقہ میں بھیج دیا جائے گا۔

نصاب

اگر تعلیم سے مراد یہ لی جائے کہ آدمی حروف پہچان لے اور الفاظ پڑھنے کے قابل ہوجائے تو اتنا تو تین مہینے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس اسکیم کا مقصد صرف اتنا نہیں ہے۔ ایسی تعلیم سے جس سے کہ پڑھی ہوئی باتوں کا صحیح مفہوم سمجھنے کی تھوڑی بہت اہلیت نہ پیدا ہو، عوام میں تعلیم پھیلانے کا اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پڑھنے والوں کو دلچسپ ورفائدہ مند باتوں کی معلومات بھی ہم پہنچائی جائیں نصاب میں ایک ریڈر اور ایک ہندستان کے جغرافیہ کی کتاب ہوگی۔ یہ کتابیں بالغ طلبار کے واسطے خاص طور سے تصنیف کیجائیں گی۔ اس نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنے میں کم سے کم پانچ یا چھ مہینے لگیں گے۔

اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ ان مدرسوں میں صرف ان پڑھ دیہاتیوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ نزدیک کے اردو یا ہندی مڈل اسکول کا ہیڈ ماسٹر تعلیم شروع ہونے سے پہلے طلبار کا امتحان لیگا۔ اور تصدیق کریگا کہ وہ ان پڑھ ہیں یا بعدہٗ دیگر وہ یہ بتلائے گا کہ طلبار کس حد تک پڑھ سکتے ہیں۔ مقررہ نصاب ختم ہونے پر ہیڈ ماسٹر پھر طلبار کا امتحان لیگا اور تصدیق کریگا کہ آیا انھوں نے اس عرصہ میں پڑھنے لکھنے میں مناسب استعداد حاصل کرلی ہے یا نہیں۔

مدرسین —— ان مدارس کے مستقل مدرسین کا انتخاب انسپکٹر توسیع تعلیم ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے مشورہ سے کریگا۔ مدرسین ایسے ہونا چاہئیں جو مقامی ہوں اور جنکا لوگوں پر کچھ اثر ہو نیز یہ کہ وہ اپنے حلقہ میں معزز خیال کئے جاتے ہوں۔ انکو دیہاتیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھانا چاہئیں اور مقامی جھگڑوں سے قطعًا بے تعلق رہنا چاہئے۔

ٹریننگ حاصل کئے ہوئے مدرسین کو جو یہ کام کرنا چاہیں ترجیح دیجائیگی۔ لیکن چونکہ ایسے مدرسین کی تعداد بہت ہی محدود ہے اسلئے بہت سے بغیر ٹریننگ پائے ہوئے آدمی رکھنا ہونگے۔ بالغ طلبار کے لئے معمر آدمی رکھنا ہوں گے لیکن ان لوگوں کو زیادہ ضعیف نہ ہونا چاہیئے۔ ۲۰ سال سے ۴۲ سال تک کے نوجوان اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوں گے۔ اگر ٹریننگ حاصل کئے ہوئے آدمیوں کا کام غیر اطمینان بخش ہوا تو اس کی اطلاع ڈسٹرکٹ بورڈ کو کردی جائے گی اور پھر ممکن ہے کہ وہ بورڈ کی ملازمت کے لئے نااہل قرار دیدیئے جائیں۔ اگر بغیر ٹریننگ پائے ہوئے مدرسین کا کام کافی طور پر اطمینان بخش نکلا تو کوشش کیجائے گی کہ جب ٹریننگ کے لئے امیدوار چنے جائیں تو انھیں ترجیح دیجائے۔ اگر ضرورت پڑی تو وہ عمر کی شرائط سے مستثنیٰ کردئے جائیں گے۔ مدرسین کی تنخواہ بارہ روپیہ ماہوار ہوگی اور دیگر اخراجات کے لئے انکو ۴ روپیہ ماہوار اور ملینگے۔

کام شروع کرنے سے پہلے مدرسین کو ضلع کے مرکزی مقام یا کسی اور مناسب مرکز پر تقریبًا ۱۵ روز تک ٹریننگ حاصل کرنا ہوگی اس عرصہ میں ان کو اپنے اخراجات خود ہی برداشت کرنا ہوں گے۔ یہ ٹریننگ ضلع کے انسپکٹر، انکے نائب یا مقامی گورنمنٹ اسکول کے اسسٹنٹ ماسٹر دیں گے۔ اپنے حلقہ کا چارج لینے پر مدرسین پہلے تو ایسے بالغوں کو جو پڑھائے جانے کے قابل ہیں، و نیز کمسن لڑکوں کی فہرست تیار کرینگے اور پھر مناسب طریقہ سے اپنے کام کا پروپگنڈا کریں گے۔ اسکے لئے انہیں ایک ہفتہ دیا جائیگا۔ ڈپٹی انسپکٹر مدارس طے کریگا کہ حلقہ کے کس گاؤں میں کام پہلے شروع کیا جائے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو معمولی سی تعلیم دینے کے بعد اگر اس کو باقی رکھنے کی کوئی تدابیر نہیں کیجاتی ہیں تو ساری محنت اکارت جاتی ہے اور حقیقی معنوں میں تعلیم سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی چیز کے پیش نظر حکومت نے دیہی علاقوں میں ۸۶۰ کتاب گھر اور ۳ ہزار ۶ سو اخبار گھر کھولے ہیں۔ مدرس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ہر نئے 'خواندہ' آدمی کو کم سے کم ایک سال تک پڑھنے کے لئے کتابیں دیتا رہے۔ جو نجی جماعتیں یا انجمنیں عوام کے لئے کتاب گھر اور اخبار گھر کھولنا چاہیں انکی امداد کے لئے حکومت نے ۹ ہزار ۶ سو روپیہ کی رقم اسکے علاوہ منظور کی ہے۔

واردھا تعلیمی اسکیم اور اسکا مقصد

"اس قسم کے تمام اعتراضات جن سے براہ راست یا بالواسطہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسکولوں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے بچوں کی محنت اقتصادی مقاصد پر ضائع کردی جائے گی۔ قطعًا غیر متعلق ہیں اسلئے جو معترضین یہ سمجھتے ہیں کہ اسکول محدود معنوں میں حرفتی یا پیشہ ورقسم کے ہوں گے اور اس طریقہ تعلیم کا مقصد چھوٹے بچوں کو مقررہ پیشوں میں داخل کرنا ہے وہ واردھا اسکیم کی اصلی روح کو نہیں سمجھے ہیں۔"

مندرجہ بالا اقتباس واردھا تعلیمی اسکیم پر ڈاکٹر ذاکر حسین کے تشریحی بیان کے سلسلہ میں اس کمیٹی کی رپورٹ سے ماخوذ ہے۔ جو مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ نے واردھا کی تعلیمی اسکیم پر غور کرنے کے لئے مقرر کی تھی اور جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اس کمیٹی میں ڈاکٹر ذاکر حسین اور آنریبل مسٹر بی جی کھیر (وزیر اعظم بمبئی) کے علاوہ حکومت ہند، صوبجات اور ہندستان کے دس دیگر تعلیمی ارکان شامل تھے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کی رپورٹ میں صاف الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ واردھا اسکیم کا منشا ایسے دستکار پیدا کرنا نہیں ہے جو کسی طرح کسی پیشہ میں کھپ جانے کے قابل ہوں بلکہ دستکاریوں کے تعلیمی امکانات اور پہلوؤں سے بیش از بیش فائدہ اٹھانا ہے۔ نیز اسکیم کے تہذیبی اور تعلیمی مقاصد کو قربان کرکے اس کے اقتصادی پہلو پر زیادہ زور دیئے جانے کے خطرہ سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ واردھا اسکیم

چونکو اٹھو پڑھنا سیکھو

نے محض پیداواری کی خاطر محنت کرنے کے اصول کو ناجائز قرار دیتے ہوئے تعلیم کے لئے ضروری شرط یہ رکھی ہے کہ دستکاری کوئی ایسا کام منتخب کیا جائے جس میں بیش از بیش تعلیمی امکانات ہوں اور جس میں انسانی دلچسپیوں اور کاموں سے قدرتی لگاؤ موجود ہو۔ اس لئے واردھا اسکیم درحقیقت پیداواری نہیں بلکہ تعلیمی ہے۔

واردھا اسکیم کی تشریح

۱۔ قابل فروخت اشیاء پیدا کرنے کے بجائے عمل و حرکت کے ذریعہ تعلیم دینا

۲۔ کاتنے اور بننے کے علاوہ ہر دستکاری جس کی تعلیمی قدر و قیمت اسقدر یا اس کے زائد ہو۔ بنیادی دستکاری کے طور پر اسکیم میں داخل کی جاسکتی ہے۔

۳۔ اسکیم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے کسی فرقہ کو جو اسکولوں میں اپنی مذہبی تعلیم دلانے کا انتظام کرنا چاہے ایسی تعلیم دلانے کی ممانعت ہو۔

۴۔ اسکیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ استادوں کی تنخواہیں اسکولوں کے تیار کئے ہوئے سامان کے دام سے ادا کی جائیں۔

واردھا اسکیم مرتب کرنے والوں نے جان بوجھ کر اپنی تجاویز دیہاتی تعلیم تک محدود رکھیں کیونکہ ہندستان کی آبادی کی اکثریت دیہاتوں میں ہے۔ لہذا اسکیم سب سے پہلے دیہاتی علاقوں کے لئے ہے۔ اس لئے کمیٹی اس امر پر زور دیتی ہے کہ پہلے اس اسکیم کا آغاز دیہاتوں میں ہو اور بغیر ضروری ترمیم کے اسے شہری علاقوں میں نافذ نہ کیا جائے اگرچہ عمل کے ذریعہ تعلیم دینے کا اصول دیہاتی اور شہری دونوں علاقوں کیلئے یکساں طور پر صحیح ہے۔

تجاویز کا خلاصہ

کمیٹی کی بعض اہم قراردادوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ بنیادی تعلیم کی اسکیم پہلے دیہاتوں میں جاری کی جائے۔

۲۔ جبری تعلیم کے لئے عمر کی قید ۶ سے ۱۴ سال تک ہو مگر بنیادی مدرسوں میں بچے ۵ سال کی عمر میں داخل کئے جاسکتے ہیں۔

۳۔ بنیادی اسکولوں سے دوسرے اسکولوں میں منتقل ہونے کے لئے طلباء کو پانچویں درجہ یا گیارھویں سال کے بعد سے اجازت ہونی چاہئے۔

۴۔ ذریعہ تعلیم طلباء کی مادری زبان ہو۔

۵۔ ہندستان کے لئے ایک مشترکہ زبان ضروری ہے۔ یہ ہندستانی ہو جو اردو ہندی دونوں رسم الخط میں لکھی جائے۔ بچوں کو رسم الخط انتخاب کرنے کا اختیار ہو۔ اور انھیں اسی رسم الخط میں تعلیم دینے کا انتظام کیا جائے۔ ہر استاد دونوں رسم خط سے واقف ہو۔ کمیٹی کے بعض ارکان کا خیال ہے کہ رومن رسم الخط کرنے سے ہندی اردو کا جھگڑا ختم ہوسکتا ہے۔ اور استادوں اور طالب علموں کا کام بھی کم ہوجائیگا۔

۶۔ جہانتک عمل اور کام کے ذریعہ تعلیم دینے کا سوال ہے۔ واردھا اسکیم کی بنیادی تعلیم وُڈ ایبٹ کمیٹی کی سفارشات سے پورے طور پر متفق ہے۔ چھوٹی جماعتوں میں یہ کام بہت سی قسم کے ہوسکتے ہیں جو آئندہ چلکر بنیادی دستکاری میں تبدیل ہوسکتے ہیں۔ دستکاری کی یہ چیزیں قابل فروخت ہوں اور ان کی آمدنی اسکولوں کے اخراجات پر صرف کی جائے۔

۷۔ تہذیبی مضامین کے بعض مبادیات جن کا بنیادی دستکاری سے تعلق نہیں ہوسکتا علٰحدہ پڑھائے جائیں۔

۸۔ استادوں کی تربیت کی از سر نو تنظیم ہونی چاہئے اور ان کی حیثیت بڑھائی جانی چاہئے۔

۹۔ کسی استاد کو بیس روپیہ ماہوار سے کم تنخواہ نہ ملنی چاہئے۔

۱۰۔ استانیوں کو زیادہ تعداد میں ملازم رکھنے کی کوشش کیجائے اور عمدہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو معلمی کے پیشہ کی طرف متوجہ کیا جائے۔

۱۱۔ بنیادی اسکول صرف مناسب تربیت یافتہ استاد ملنے پر قائم کئے جائیں۔

۱۲۔ نصاب پر تجربہ کی روشنی میں ترمیم کرنے کی ضرورت ہوگی۔

۱۳۔ بنیادی اسکولوں میں انگریزی بطور اختیاری مضمون کے شامل نہ کیجائے۔

۱۴۔ حکومت حسب دستور بشرط ضرورت ہر فرقہ کی مذہبی تعلیم کے لئے آسانیاں مہیا کرے مگر اس کے خرچ کا بار حکومت پر نہ ہو۔

۱۵۔ کسی قسم کے باہری امتحان کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف بنیادی اسکولوں کے نصاب کے خاتمہ پر اندرونی امتحان کی بنیاد پر اسکول چھوڑنیکا ایک سارٹیفکٹ دیا جائے۔

۱۶۔ جو طالب علم پانچویں جماعت (عمر ۱۱ برس) کے بعد دوسرے اسکول میں داخل ہونا چاہیں انھیں بھی اسکول چھوڑنے کا سارٹیفکٹ دیا جائے۔

۱۷۔ ایک جماعت سے دوسری جماعت میں ترقی دینے کا مسئلہ اسکول طے کریگا مگر اندرونی امتحانات کے نتائج کا معائنہ سپروائزر کریگا۔

قومی جھنڈا!

(سید حسن رشدی علیگ)

وقت:- دور حاضر

افراد

حیدر:- ایک ستر برس کا بوڑھا جس نے قومی انجمن کے جھنڈے کی عزت اپنی جان عزیز کو خطرے میں ڈال کر بچائی تھی۔

ہیرہ:- حیدر کی نوجوان لڑکی۔ عمر ۱۶ سال

مجید:- حیدر کا ایک عزیز۔ ہیرہ کا ہونے والا شوہر۔

صدر:-

پڑھنے سے برکت آتی ہے

پہلا ایکٹ

منظر

[سیتاپور، ایک دیہات۔ معمولی کچے مکان کا ایک کمرہ، رات کا وقت۔ ایک طرف چارپائی بچھی ہے بوسیدہ دری اور پھٹی ہوئی کمبلی میں حیدر لیٹا ہوا ہے۔ بار بار کھانستا ہے۔ اسکی لڑکی ہیرہ میلی سی ساری پہنے فرش پر بیٹھی ہے۔ سامنے دیوار پر ایک جھنڈا لگا ہوا ہے۔]

حیدر: ہیرہ ذرا پانی پلا دے۔ [ہیرہ پانی دیتی ہے]

حیدر: خبر نہیں آجکل اسقدر پیاس کیوں معلوم ہوتی ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ سردی اور گرمی کا احساس تک نہ ہوتا تھا میری آنکھوں میں وہ منظر اس طرح گھوما کرتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ قومی انجمن کو حکومت نے غیر قانونی قرار دیدیا تھا۔ گرفتاریونپر گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ دفترکو، یہ جو ہمارے دیہات کا معمولی سا دفتر ہے . . . . . اب تو خیر پہلے سے اچھا بھی ہے، پولیس نے چاروں طرف گھیر رکھا تھا۔ [تھوڑی دیر کے لئے رک جاتا ہے] گولیاں برس رہی تھیں۔ میرے کانوں میں ابھی تک بندوق کی آواز گونجا کرتی ہے۔ ہم دو سو آدمی جھنڈے کے اردگرد کھڑے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر ہم گولیاں کھا کھاکر گر رہے تھے۔

[کھانستا ہے]

ہیرہ: اب آرام کرو بابا زیادہ باتیں کرنے سے کھانسی ہوتی ہے۔

حیدر: یہی تو میں کہتا ہوں بیٹی۔ تو تو سمجھ ہی نہیں سکتی کہ تیرا کمزور اور بوڑھا باپ کبھی اتنا طاقتور تھا کہ گولیوں کی بوچھار میں بھی اس کے قدم نہ ڈگمگائے۔ ہم میں سے صرف پانچ رہ گئے تھے۔ ان کیا روح فرسا منظر تھا۔ سامنے لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

[کھانستا ہے۔ اور جوش سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ طاقت نہ پاکر چارپائی پر گرنے لگتا ہے۔ ہیرہ سہارا دینے کے لئے آگے بڑھتی ہے]

سامنے پولس کے پچاس نوجوان بندوقیں لئے کھڑے تھے گولیاں برابر چل رہی تھیں۔ ہم پانچ تھے۔ پھر چار، پھر تین۔ پھر دو۔ اب میں جھنڈا اپنے ہاتھ میں لئے تنہا کھڑا تھا۔

[ٹھہر جاتا ہے]

پولیس کے انسپکٹر نے آگے بڑھ کر کہا۔ جھنڈہ زمین پر رکھ دو اور اپنے آپ کو حوالے کردو۔

ہیرہ: صدر نے کیا کیا بابا؟

حیدر: صدر اس دیہات میں تھوڑا ہی رہتا تھا [ہنستا ہے] اسکو میں نے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا جب میں جیل سے چھوٹ کر آیا تھا۔ تو اس نے وہ جھنڈا [ہاتھ سے دیوار کی طرف لگے ہوئے جھنڈے کی طرف اشارہ کرتا ہے] بطور انعام کے دیا تھا۔

[جھنڈے کی طرف غور سے دیکھتا ہے]

ہیرہ: بابا اب خاموش ہو جاؤ۔ تم میں زیادہ بولنے کی طاقت نہیں ہے

حیدر: [بغیر سنے ہوئے] جس وقت انسپکٹر نے جھنڈا زمین پر رکھنے کو کہا تو میں نے اسے اور اونچا کر دیا۔ بھلا بتاؤ کیسی لغو بات تھی۔ قومی جھنڈا کہیں زمین پر رکھا جا سکتا تھا۔ اور وہ بھی دشمن کے حکم سے۔ نہیں نہیں یہ ناممکن تھا۔ قومی جھنڈے کے مقابلہ میں جان کی کیا قیمت ہو سکتی تھی۔ پھر ایک سو اور ننانوے جانیں جو قربان ہو چکی تھیں۔ انھوں نے یہ سمجھ کر کہ ایک آدمی تنہا رہ گیا ہے گولیاں چلانی بند کر دی تھیں اور مجھ سے جھنڈا مانگ رہے تھے [کھانستا ہے] میں نے ان سے زور سے کہا۔ گولیاں چلانی کیوں بند کردیں، اتنے آدمیوں کو موت کی میٹھی نیند سلا دینے کے بعد کیا ایک آدمی پر گولی چلاتے ہوئے تمھیں شرم آتی ہے۔ بیٹی ذرا خیال تو کرو انسپکٹر چاہتا تھا کہ میرے ہاتھ سے جھنڈا چھین لے۔ میں نے اسے پہلے ہی منع کر دیا تھا کہ اپنے ناپاک اور گندے ہاتھ اس مقدس جھنڈے کو نہ لگاؤ۔ لیکن وہ آگے بڑھا اور بڑھتا ہی گیا۔ جب وہ قریب آگیا۔ اور چاہتا تھا کہ اپنے بیہودہ ہاتھوں سے جھنڈے کو گندہ کرے میں نے بڑھ کر اسکے منہ پر ایک گھونسہ مارا۔ ایک سپاہی نے فوراً گولی چلا دی۔ گولی میرے کان کے پاس سے نکل گئی۔ اسکے بعد دوسری تیسری، پھر چوتھی۔ آخر کار دو گولیاں میرے بازو اور ایک شانے پر لگی۔ میں چکرا کر گرا۔ مجھ سے کمبختوں کو خاص ضد تھی، مرنے بھی نہ دیا اور مجھے ہسپتال پہنچا دیا۔

ہیرہ: بابا آج تم بہت زیادہ باتیں کر رہے ہو۔ ابھی تھوڑے ہی روز گزرے ہیں کہ تمہارا بخار اترا ہے۔ تھوڑا سا دودھ پی لو۔

حیدر: دے دو بیٹی۔ بڑھاپا خود ایک بیماری ہے۔ ہسپتال میں مہینوں پڑا رہا۔ جب زخم بھر گئے تو مجھے سات سال کی سزا ہوئی۔

[ہیرہ دودھ پلاتی ہے]

ہیرہ: سات برس تم نے جیل میں کیونکر کاٹے بابا۔

حیدر: سات برس کے بعد جب میں جیل سے رہا ہوا تو پہلے سے کمزور

اور لاغر ہو گیا تھا اور بوڑھا بھی جس وقت یہاں پہنچا تمہاری
ماں بیمار تھی۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ مر گئی۔ . . . . . .
[آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ آنکھوں میں آنسو
آجاتے ہیں]
. . . . مگر وہ بیحد خوش تھی۔ کہتی تھی جس وقت لوگ
تمہاری تعریفیں کرتے ہیں میں خوشی سے پھولے نہیں سماتی
. . . . . اسکے بعد سے تو برابر بیمار ہی رہا۔ بیٹی - ایک
تم ہی ہو جو زندگی کا سہارا ہو۔ تمہاری شکل بالکل تمہاری ماں
کی سی ہے - [کھانستا ہے]

ہیرہ - اب سو رہو بابا

حیدر - سوتا ہوں بیٹی۔ مجھے رات بھر خواب میں وہی سماں دکھائی دیتا
ہے۔ جھنڈہ میرے ہاتھ میں ہے اور گولیاں چل رہی ہیں -
[کھانستا ہے] اچھا بیٹی روشنی کم کردو۔
[ہیرہ بتی کم کردیتی ہے۔ کمرہ تقریباً اندھیرا ہو جاتا ہے]
(پردہ گرتا ہے)

دوسرا ایکٹ

منظر

[وہی مکان۔ اس کے سامنے برگد کا درخت۔ درخت
کے سائے میں چارپائی۔ حیدر چارپائی پر بیٹھا ہے ہیرہ
زمین پر بیٹھی انگلیوں سے مٹی کرید رہی ہے]

حیدر - آج ہی نہ آنے کو لکھا ہے میرے بھتیجے نے - سال بھر اسکو
دیکھے ہو گیا۔ کیا لکھا تھا بیٹی کہ جیل سے آئے ہوئے ایک ہفتہ
ہوا ہے - مجھے کچھ یاد ہی نہیں رہتا دو روز کی بات ہے -

ہیرہ - مگر جھنڈے والی بات تو تم ذرا بھی نہیں بھولتے بابا

حیدر - ہاں ہاں وہ منظر تو میری آنکھوں کے سامنے ہر وقت پھرا
کرتا ہے - بارود کی بو اب تک میری ناک سے نہیں گئی ہے -
[ہیرہ ہنستی ہے]

حیدر - ہاں تو کیا لکھا تھا بیٹی

ہیرہ [شرما کر آنچل میں گرہ باندھتی ہے پھر اسے کھولنے لگتی ہے]
آج ہی تو آنے کو لکھا ہے -

حیدر - ہاں تو آتا ہی ہوگا۔ بڑا نیک ہے - دیکھو تو ابھی جیل سے آیا
ہے اور ہمیں دیکھنے کے لئے آرہا ہے -
[ایک نوجوان آتا ہوا دکھائی دیتا ہے]

حیدر - دیکھنا وہی تو نہیں ہے - مجید ہی تو معلوم ہوتا ہے - تھک گیا
ہوگا - دو میل چل کر اسٹیشن سے آرہا ہے - [نوجوان قریب آتا
ہے - لڑکی ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہے - اس کی نظریں زمین
کی طرف گڑی ہوئی ہیں]

مجید - آداب چچا۔

حیدر - بیٹھو بیٹا تھک گئے ہو۔
[سر پر ہاتھ پھیرتا ہے - پیشانی کا بوسہ لیتا ہے]
ہیرہ ذرا پانی لا - ہاتھ منہ تو دھلا - جیل میں کیسی کٹی بیٹا - میں
بھی سات برس رہ چکا ہوں - ہاں تو اچھی ہے تیری -
[ہیرہ پانی لا کر رکھ دیتی ہے - مجید اسے دیکھتا ہے
وہ نظریں نیچی کر لیتی ہے]

مجید - تم اچھی تو رہیں ہیرہ -
[ہیرہ خاموش رہ جاتی ہے - مجید منہ دھونے لگتا ہے]

حیدر - اچھی کیا رہی - بوڑھے باپ کی خدمت کرتے کرتے پریشان
ہو گئی ہوگی -

ہیرہ - یہ کیا کہہ رہے ہو بابا -

مجید - اب میں آگیا ہوں - میں اور ہیرہ دونوں مل کر آپ کی خدمت
کریں گے -

حیدر - نہیں بیٹا مجھ سے زیادہ ملک کو تمہاری ضرورت ہے -

مجید - تمہاری خدمت بھی تو ملک کی خدمت ہے - تم نے ملک
کے لئے کیا کچھ نہ کیا - نوجوانوں کے لئے تم تو نمونہ ہو - موجودہ
صدر اپنی تقریروں میں بڑے فخر سے تمہارا نام لیتا ہے -
ان شہیدوں کا نام مع تمہارے نام کے صدر دفتر کے میدان
میں پتھر پر لکھوا دیا گیا ہے اور اس پر قومی جھنڈا لہرایا کرتا ہے -
[حیدر کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا ہے]
تمہارے خون آلود کپڑے ابھی تک دفتر میں رکھے ہیں اور
ہم نوجوانوں کے لئے مستقل سبق ہیں اور . . . .

حیدر [بات کاٹ کر] ہاں ہاں گولیاں جس وقت چل رہی تھیں
وہ سماں عجیب تھا - مجھے تو ذرا ذرا یاد ہے -
[زمین پر انگلی سے نشان بناتا ہے]
دیکھو - یہاں پر میں جھنڈا لئے کھڑا تھا - اور یہاں پولیس کے
آدمی بندوقیں لئے گولی چلا رہے تھے - بڑی تیز ہوا چل
رہی تھی - چار یا پانچ بجے کا وقت تھا - ہمارے دیہات کا
دفتر ہی کیا تھا - ایک کمرہ - تین چار رجسٹر - ایک لکڑی کا بکس
جس میں رجسٹر اور روپیے رہتے تھے جیسے بھی زیادہ نہ تھے کوئی
چیز قیمتی نہ تھی - پولیس جو چاہتی بچا سکتی تھی - مگر دیکھو تو جھنڈا
وہ بھی جلا دینے کی چیز تھی یا زمین پر رکھ دینے کی
. . . . میں جھنڈا ان گندے ہاتھوں
میں کیسے دے دیتا - کتنا عجیب اور لغو مطالبہ تھا -
[مجید ہیرہ کی طرف دیکھتا ہے - ہیرہ نظریں نیچی

اپنی جہالت دور کرنے کا عہد کرو

کر لیتی ہے]

مجھے افسوس ہے تو بھی کہیں مر کیوں نہ گیا۔ ارے ہیرہ، بیٹی کچھ کھانے کو توشے، اتنے دن کے بعد یہ آیا ہے وہ بھی جیل سے چھوٹ کر۔

[مجید مہنتا ہے۔ ہیرہ جاتی ہے]

مجید۔ مگر تم نے مرنے سے بچنے کی کوشش تھوڑا ہی کی تھی مجھے افسوس ہو... تم نے تو بڑی بہادری کی۔ اخیر وقت تک اپنے ہاتھ میں تنے جھنڈے کی عزت بچائی۔

حمید۔ بس تو کہتا ہوں کوئی بھی ایسا نہیں کرسکتا ہے [کھاتا ہے]

بیٹا میں چاہتا ہوں اب تمہارا بیاہ ہیرہ کے ساتھ ہو جائے کون جانے تم پھر کب جیل چلے جاؤ یا میں مر جاؤں تو مجھے یہ صدمہ رہ جائے گا کہ ہیرہ کا بیاہ نہ دیکھا۔

[مجید درخت کی طرف دیکھتا ہے۔ ہیرہ روٹی اور سالن لاتی ہے۔ گفتگو کا کچھ حصہ وہ سن لیتی ہے۔ کبھی نظروں سے مجید کی طرف دیکھتی ہے۔ اور کھانا رکھ کر چلی جاتی ہے]

مجید۔ ہاں ماں نے کہا تھا کہ اس کے متعلق باتیں کروں۔ آپ آپ کی جیسی مرضی ہو۔

حمید۔ بس تو میں بھی کہتا ہوں اس مہینے کی ستواں تاریخ اچھی ہوگی

مجید۔ جیسی آپ کی مرضی، میں ماں کو لکھ دوں گا۔

حمید۔ ہیرہ مجید کو پانی لا کر دو۔

[ہیرہ پانی لاتی ہے]

مجید۔ چچا پرسوں ہمارے [illegible] موجودہ صدر دورے پر اس طرف سے گزریں گے۔

حمید۔ ہمارے وقت میں جو صدر تھا کیا انسان تھا۔ جس وقت اس نے مجھے بلایا اور جھنڈا مجھے انعام میں دیا۔ کیا کہوں عجب سماں تھا۔ ہر طرف سے انقلاب زندہ باد اور جھنڈا اونچا رہے ہمارا، کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ میرے صدر کا دل بھر آیا تھا بمشکل وہ دس ہزار کے مجمع میں اتنا کہہ سکا "تم نے قوم کی عزت رکھ لی۔ میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں" اور مجھے گلے سے لگا لیا [قدرے زور سے] قومی جھنڈے کی جے ا۔

[خوشی سے چہرے میں تازگی آجاتی ہے] ۴

جو پڑھتا ہے اپنے بھائیوں کی خدمت کرتا ہے

لڑکیوں کا ڈرامہ

لیڈی اروِن کالج دہلی کی ان لڑکیوں نے تیرھوین آل انڈیا خواتین کانفرنس کے تیرھوین اجلاس کے موقع پر ایک ڈرامہ کیا تھا

نرالی ادا

لندن میں ناچ و گانا کرکے اندھوں کے دور بلانے کیلئے چندہ کیا جارہا ہے

Title Cover printed at the Standard Printing Works Chaulakhi Buildings Qaisrbagh, Lucknow.

جدید مطبوعات جامعہ

مضامین محمد علی — مرتبہ محمد سرور صاحب پروفیسر جامعہ یہ اس دور کی تاریخ ہے جب ملت اسلامیہ کے تن مردہ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑی اور برسوں کے خوابیدہ مسلمان جگ اٹھے — قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

دنیا کی کہانی — از پروفیسر محمد مجیب صاحب
اس مختصر سی کتاب میں ہزاروں برس کی تاریخ اس انداز سے لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والا بادشاہوں کی لڑائی اور تاریخوں کے گورکھ دھندے میں پڑے بغیر وہ سب سمجھ جاتا ہے جو تاریخ کا اصل مفہوم ہے — قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

شہری آزادی از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب — یہ ایک کتابچہ ہے جسمیں بیرونی ممالک کی انجمنوں اور ان کے شہری حقوق کا ذکر کرتے ہوئے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسطرح موجودہ حکومت ہندوستانیوں کو ان کے ان حقوق سے محروم کرنے کے لئے درپے ہے جن سے ان کی زندگی وابستہ ہے — قیمت ۳ آنہ

ہندوستان میں برطانوی حکومت —
از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب — یہ تو سب جانتے ہیں کہ برطانیہ ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ کس طرح اور کس حد تک ہمیں لوٹا جارہا ہے اسکو سمجھنے کے لئے یہ کتاب پڑھئے جسمیں برطانوی سامراج کی اقتصادی اور مالی پالیسی کا تجزیہ کیا گیا ہے
قیمت ۸ آنہ

ہندوستان میں دیہی قرض — مصنفہ پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے — اس چھوٹی سی کتاب میں قرض کے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسان کی کیا حالت ہے ایک گاؤں کی مفصل تحقیقات بھی پیش کی گئی ہے — قیمت ۳ آنہ

مکتبہ جامعہ
دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنو

پبلک سروس کمیشن - یو - پی

اعلان

۳۸-۲۴۳/۱۹۳۹

کمیشن کے پچھلے ترمیمی اشتہار مورخہ ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۳۸ ع کے سلسلہ میں حسب ذیل اعلان کیا جاتا ہے —

۱ — حکیموں اور ویدوں کی جگہوں کے ان امیدواروں کو ترجیح دیجائیگی جنہوں نے علم جراحی (Surgery) حاصل کیا ہے — اور جو (الف) آیورویدک کالج بنارس ہندو یونیورسٹی یا (ب) رشیکل آیورویدک کالج ہردوار یا (ج) طبیہ کالج علیگڈھ مسلم یونیورسٹی یا (د) طبیہ یونانی اسکول لکھنو کے پاس شدہ ہیں —

۲ — درخواستیں بجائے ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۳۸ ع کے ۵ جنوری سنہ ۱۹۳۹ ع تک سکریٹری صاحب پبلک سروس کمیشن یو - پی الہ آباد کے پاس پہونچ جانا چاہئے —

صدر دفتر الہ آباد
۱۹ دسمبر سنہ ۱۹۳۸ ع

حاجیوں کا جہاز

حج لائن کا جہاز
"ایس - ایس - المدینہ"

جیسے سابق اعلان کے مطابق بمبئی سے ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۳۹ ع اور کراچی سے ۱۸ جنوری سنہ ۱۹۳۹ ع کو حاجیوں کو لیکر جدہ روانہ ہونا تھا — اب بمبئی سے ۱۳ جنوری سنہ ۱۹۳۹ ع اور کراچی سے ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۳۹ ع کو جدہ روانہ ہوگا — لہذا حجاج کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس اعلان کے مطابق بمبئی اور کراچی کی بندرگاہوں میں پہونچیں —

حج لائن —

دی سندھیا اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹڈ
بمبئی - کراچی - کلکتہ

ہندوستان سوز ؛ مہرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد ذکی پرنٹر عمدۃ المطابع برقی پریس لکھنو سے چھپوا کر بھیشر ناتھ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳—نمبر ۳ } کانگرس کا ہفتہوار اخبار—لکھنؤ ۱۵ جنوری ۱۹۳۹ ع { فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

صفائی کی مہم

امرتسر میں حال ہی میں شہر کی صفائی کیلئے ایک زبردست مہم اٹھائی گئی—جسمیں تقریباً ۵ ہزار آدمیوں نے حصہ لیا—
تصویر میں پنجاب کے مشہور کانگرسی لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو جھاڑو لئے صفائی کرنے جارہے ہیں—

عوام کو پیام

اکتهسوین پنجابي صوبہ سیاسي کانفرنس مین جواهر لال اپنا خطبہ صدارت پڑه رہے هین جسمین انهون نے عوام کے مسئلون اور انکے حل پر خاص زور دیا تها

امرتسر مین صفائی کی مہم

ڈاکٹر سدت رام ممبر اسمبلي اور سردار کشن سنگهہ میونسپل کمشنر جهاڑو لئے کهڑے هین

مسلم لیگ کی ڈگر

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں بڑی واویلا مچائی گئی کہ کانگریس مسلمانوں پر ظلم پر ظلم ڈھاتی چلی جارہی ہے، کانگریس دکھانے کو تو روٹی اور غریبی کے لئے لڑتی ہے لیکن وہ اصل میں مسلمانوں کو غلام بنانا چاہتی ہے، اور ہندو راج قائم کرنا چاہتی ہے، کانگریس کے ظلموں کے خلاف اور اس کے اس مسلم کش ارادے کے خلاف بڑی بڑی جوشیلی تقریریں ہوئیں۔ قانون شکنی کی دھمکی دی گئی، مولوی عزیز احمد خاں صاحب نے فرمایا جسطرح مسلمانوں کو اسپین سے نکالا گیا تھا اسی طرح ہندستان کے دوسرے صوبوں سے بھی مسلمانوں کو نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سر سکندر نے کہا "یہ مظالم ایسے ہیں جن سے نہ صرف ہمارے بلکہ ہر مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اگر کانگریسی حکومت نے اپنی روش نہ بدلی، اور قانون شکنی کا وقت آیا تو پنجاب کا مسلمان کسی سے پیچھے نہ ہوگا"

فضل الحق نے فرمایا "بنگال کے مسلمانوں کو یوپی بہار اور سی پی کے مسلمانوں کی طرح اخوان الشیاطین کے ظلموں کا شکار نہیں بننا پڑا۔ اگر آپ نے قانون شکنی کی تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں"

کانگریس، ظلم، اسلام، قانون شکنی، وزارت چھوڑنا، یہ سب الفاظ مسلم لیگ کے اجلاس نے ایک دوسرے میں جوڑ دئے ہیں، اور جوڑنے میں اتنے جذبات خرچ کئے گئے ہیں کہ ایک آدم بھی اس کے اثر میں آکر سوچ میں ڈوب جاتے ہیں کہ کہیں کانگریس کے ظلموں کی کہانی سچی تو نہیں ہے کہیں ایسا تو نہیں ہے۔ کہ ہم ہی غلطی پر ہوں۔ ان خیالوں کو اس بات سے اور شہ ملتی ہے کہ اس اجلاس میں بڑے بڑے پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ شریک تھے مگر ایک کو بھی انکی سچائی میں شک نہیں ہوا۔

یہ رونا کن ظلموں کا ہے؟ بتاؤ تو ایسی باتیں تو نہیں چھپائی جاتیں۔ کیونکہ یہی باتیں قوم کو اکٹھا کرتی ہیں فلسطین کے ظلموں پر مسلم لیگ نے جو قرارداد پاس کی ہے اس میں اس نے ظاہر کر دیا ہے کہ برطانیہ کا ظلم کیا ہے۔ کیوں نہیں اسی طرح لیگ کانگریس کے ظلموں کو ظاہر کر دیتی ہے، اور انکو ثابت کر دیتی ہے

مسٹر جناح نے اپنے خطبہ میں کچھ ظلموں کا تذکرہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ کانگریس ہندو جماعت ہے، کیونکہ وہ بندے ماترم کا گیت اور کانگریسی جھنڈا ملک بھر میں پھیلانا چاہتی ہے، ہندی ہندستانی کو ملک کی زبان بنانا چاہتی ہے، اور واردھا اسکیم کو ملک میں پھیلانا چاہتی ہے

کانگریس ایک قومی جماعت ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ملک کو آزاد کیا جائے، اور ملک والوں کی غریبی دور کی جائے۔ یہ مقصد ایسا ہے جس سے ساری ہندستانی قوم کا بھلا ہوگا۔ اس لئے یہ مقصد قومی مقصد ہے۔ اور کانگریس قومی جماعت ہے

قومی جماعت کو ایک جھنڈے کی ضرورت ہوتی ہے یہی ضرورت کانگریس کو بھی پیش آئی۔ ہندستان میں سیکڑوں فرقے ہیں، اور ہر فرقہ کا ایک جھنڈا ہے۔ اب نہ تو یہ سب کے سب جھنڈے کانگریس کے جھنڈے بن سکتے ہیں اور نہ ان میں سے کوئی ایک منتخب کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کانگریس نے اپنا جھنڈا الگ بنایا۔ اس کے رنگ اور ترتیب ایسی رکھی جو ملکی آب وہوا اور ذوق کو خاص مناسبت رکھتی ہے۔ اور رنگوں کے میل سے فرقوں اور مذہبوں کا میل ظاہر ہوتا ہے۔ اس جھنڈے کو ہندوؤں کا جھنڈا سمجھنا سخت غلطی ہے

بندے ماترم کا گیت مسٹر بنکم چندر چٹرجی کی ناول انند ناتھ میں لکھا ہے لیکن ان کی سرگذشت میں یہ بات ظاہر کر دی گئی ہے کہ یہ گیت ناول سے الگ تیار کیا گیا تھا ۱۸۸۶ء میں رابندر ناتھ ٹیگور نے اس کی دھن تیار کی، اسی زمانے میں حکومت برطانیہ نے اس گیت کو اور بندے ماترم (میری ماں تجھکو سلام) کو جرم قرار دیدیا، اپریل ۱۹۰۶ء میں باریسال کے اجلاس میں والینٹروں نے یہ گیت گانا چاہا تو پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کیا۔ اور انکے سینوں پر سے پرتلے جن پر بندے ماترم لکھا تھا نوچ ڈالے گئے بعض ڈیلیگیٹ تو اتنا مارے گئے کہ وہ بیہوش ہوگئے۔ اس کے بعد سے تیس سال کے اندر اس گیت پر عورتوں اور مردوں نے نجانے کتنی قربانیاں کیں۔

اسی گیت کے صرف دو بند تمام صوبوں میں رائج ہیں، اور ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کی دل آزاری کرتا ہو

جھنڈے اور گیت کے رواج دینے سے کانگریس پر یہ جرم کیسے لگ سکتا ہے کہ وہ ہندو راج قائم کرنا چاہتی ہے۔ کانگریس اپنا جھنڈا نہ رائج کرے گی تو کیا مسلم لیگ، یا مہاسبھا، یا کسی اور فرقہ کا جھنڈا رائج کرے گی۔

ہندستان آپکا اخبار ہے آپ کو اس سے جو شکایت ہو لکھیے!

ہندی ہندستانی۔ یہ قضیہ بہت پرانا ہوگیا ہے

گاندھی جی نے اس کے بعد کئی بیان دئیے ہیں جن میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ملک کی زبان ہندستانی ہے اور ہندستانی زبان کی یہ تعریف کی ہے کہ جو شمالی ہند میں بولی اور لکھی جاتی ہے، اور دونوں رسم الخط میں رائج ہے

وارد ھا اسکیم

واردھا اسکیم پر یہ عیب عائد ہے کہ وہ مذہب کے خلاف ہے کیا اچھا ہوتا کہ مسٹر جناح بتا دیتے کہ اس میں کون سی بات ہے جو مذہب کے خلاف ہے۔ وہ سیدھی سی تعلیم کی ایک اسکیم ہے جس میں طریقہ تعلیم یہ رکھا گیا ہے کہ کسی پیشہ کو لے لیا جائے اور اسی کی مدد سے زبان، حساب، جغرافیہ اور تمام فنون کو پڑھایا جائے۔ اس اسکیم کا خاکہ گاندھی جی نے بتایا تھا اور اس کے بعد ایک کمیٹی نے جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین (پرنسپل جامعہ ملیہ) تھے اسے موجودہ روپ میں ڈھالا ہے۔

مانا کہ کانگرس ان باتوں کو نہیں مانتی ہے تو برا کرتی ہے تو کیا اتنی اتنی باتوں کا نہ ماننا ظلم ہے؟ ایسا ظلم کہ جس کی مخالفت میں ہزاروں مسلمانوں کو جیلوں میں بھرنے کی ٹھانی جائے؟ اگر ظلم کی یہی کسوٹی ہے تو برطانیہ کے مظالم مسلمانوں پر کتنے ہیں؟ بندے ماترم اور گاڈ سیو دی کنگ، ترنگا جھنڈا اور یونین جیک، کون زیادہ بری چیز ہے؟

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کانگرس بندے ماترم کو بند کر دے اور ترنگے جھنڈے کی جگہ مسلم لیگ کا جھنڈا لگائے، اور سارے ملک کو ہندستانی کی جگہ اصلی اردو سکھائی جائے، اور تعلیم کی اسکیم بدل دی جائے تو کیا ہندستان کے مسئلے حل ہو جائیں گے، کیا ہندستان کے مسلمانوں کے خاص دکھ یہی ہیں؟

جو ان سوالوں کے جواب میں ہاں کہہ دے وہ مسلمانوں کو جانتا ہی نہیں ہے۔ اس نے کبھی مسلمان عوام سے نہیں پوچھا کہ تمہاری مصیبت کیا کیا ہے؟ اس نے دیہاتی جیسے جھونپڑوں اور روٹی کے ترسے شہریوں کو نہیں دیکھا ہے نہ اسنے ان کے . . . . . دکھڑے سنے ہیں۔ ملک کا اول مسئلہ غریبی اور بھوک ہے، اور آخری مسئلہ غریبی اور بھوک ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو ذرا ایکبار آنکھیں کھول کر دیہات اور شہر کے نکڑ پر گھومے۔ گدڑے مزدوروں اور کسانوں اور قرضوں اور بیماریوں کے بوجھ سے لدے متوسط طبقے والوں میں کچھ دنوں گھوم لے۔

ذرا بتائیں تو مسٹر جناح کہ اگر ہندستان کا اصل مسئلہ غریبی نہیں ہے تو پھر وہ آزادی کیوں چاہتے ہیں، پھر وہ ملازمت کا تناسب کیوں چاہتے؟ مسلمانوں میں تجارت اور کاروبار کو کیوں رائج کرنا چاہتے ہیں؟

مانا کہ کانگرس مسلمانوں کی دشمن ہے۔ مانا کہ کانگرس مسلمانوں کو نوکریاں نہیں دیتی ہے تب بھی مسلمانوں کا کون دشمن بڑا دشمن ہے؟ کانگرس یا برطانیہ؟ وہ دشمن بڑا ہے جو مسلمانوں کے منہ سے نوالے چھین رہا ہے

جس نے اسوقت ۸ کروڑ میں سے کم سے کم ۷ کروڑ کو بھوک اور جہالت میں ڈال کر ذلیل سے ذلیل حالت تک پہونچا دیا ہے۔ یا وہ جو (بفرض محال) دو چار ملازمتیں زیادہ لے لیتا ہے

مسلم لیگ کے اس اجلاس نے۔ سامراج سے لڑنے کی کیا چال نکالی؟ دبے اور کچلے ریاستی عوام کی مدد کی کیا صورت سوچی؟ تباہ حال کسانوں اور مزدوروں کے لئے کیا راستہ نکالا؟ کلکتہ کے مزدوروں اور کانپور کے مزدوروں میں بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے، ان پر سرمایہ داروں کے جو ظلم ہو رہے ہیں ان پر اس نے کیا رائے دی؟ یو۔پی میں کسانوں اور زمینداروں کا جھگڑا اتنا بڑھا ہوا ہے۔ اور یہاں کاشتکاروں کی تعداد مسلمان زمینداروں سے بہت زیادہ ہے۔ اس جھگڑے کا اس نے کیا حل تجویز کیا؟ اگر یہ مسئلے ابھی کانگرس کی غداری کی وجہ سے نہیں حل ہو سکتے ہیں تو ان کے حل کا راستہ تو بتاؤ۔ یہ تو بتاؤ کہ اگر کانگرس کا قصہ پاک ہو گیا تو مسلم لیگ ان مسئلوں کو کیسے حل کرے گی؟

مسلم لیگ کی منزل کیا ہے؟ وہ کیسی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے؟ اس حکومت تک پہونچنے کا راستہ کیا ہے؟ اس حکومت میں مزدور و سرمایہ دار، کاشتکار و زمیندار کے جھگڑوں کا کیا حل ہوگا؟ بے کار نوجوانوں کی روزی کا کیا بندوبست ہوگا؟ اگر یہ نہیں بتا سکتی ہے تو کم از کم اتنا ہی بتا دے کہ مسلمان مزدور مسلمان کسان اور مسلمان بیکار کیوں کانگرس کو ہٹا دینے کی کوشش کریں۔

ران پور کا قصہ

اڑیسہ کی ریاستوں کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر بزل گیٹ کا ران پور کے قصہ میں مارا جانا ایسا حادثہ ہے جس پر ہر سنجیدہ . . . آدمی کو افسوس ہوگا۔

ابھی تک اس حادثہ کے بہت سے پہلو اندھیرے میں ہیں۔ جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ریاست رانپور نے اور ریاستوں کی طرح اپنی رعایا پر بھیانک مصیبتیں ڈھائی تھیں۔ اس کی آخری کڑی یہ تھی کہ پرجا منڈل کو غیر قانونی قرار دیدیا، اور اسکے تمام عہدیداروں کو، اور خاص خاص لیڈروں کو گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا — اب کوئی سمجھدار شخص نہیں رہ گیا جو عوام کو سیدھا راستہ بتاتا۔ وہ لوگ کسی طرح گھبرا کر اپنے مطالبات پیش کرنے راجا کے محل کی طرف چلے۔ نہ معلوم کیا ہوا کہ میجر بزل گیٹ نے اپنے فرض سے باہر قدم نکالا اور عوام کو منتشر کرنے کی ذمہ داری اپنے سر اوڑھ لی۔

اور لیتوں سے دھمکا کر مجمع کو منتشر کرنا چاہا — ایک آدمی، ایک پستول اور مجمع! جو لوگ پیچھے ہوں گے وہ سمجھ بھی نہ سکے ہونگے کہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے مجمع کا منتشر کرنا تو بڑا نازک کام ہے، اور سامراجی فنون میں سے ایک مستقل فن ہے۔ کہ کب مجمع کو ڈراؤ، کس طرح ڈراؤ، کیسے فائرنگ کرو، کس طرح انکو بھاگنے کا راستہ دو وغیرہ وغیرہ۔ اور اسپر بھی ڈر رہتا ہے کہ کہیں مجمع بگڑ کر خونہ نہ کردے۔ حیرت ہوتی ہے کہ میجر صاحب نے کیسے ایک اپنے سمندر اور پیشے

کیا ہندستان آپکی سیاسی الجھنیں دور کردیتا ہے

طوفان کو پستول سے روکنے کا تہیہ کرلیا، شاید میجر صاحب ریاستی عوام کو وہی پانچ سال پہلے کے عوام سمجھے ہوئے تھے، جب انگریزی ٹوپی کو دیکھتے ہی وہ ساری ہمت اور مردانگی کھو بیٹھتے تھے۔ اسوقت وہ اس بھول میں ہونگے کہ ان لوگوں نے مجھے اور میرے پستول کو دیکھا اور بھاگے۔ افسوس اس بھول کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکو دو آدمیوں کی جان لینا پڑی اور آخر میں اپنی جان گئی۔

اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی عوام کو عدم تشدد سے لڑنے کے ڈھنگ نہیں آتے ہیں، یہ وہ ڈھنگ ہیں جنکو کانگرس نے بیس برس میں سکھایا ہے۔ دوسری طرف ریاستی عوام کو مقابلہ زبردست کرنا پڑ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ریاستی عوام کے لیڈروں کا بڑا کام یہ ہے کہ وہ عدم تشدد کی ضرورت کو جس طرح سے عوام کو سمجھائیں، کیونکہ اگر ذرا بھی تشدد ہوا تو سامراج کو موقع ملجائے گا کہ وہ اپنے تمام زہریلے دانتوں سے حملہ کردے، اور جمہوری طاقتوں کو کچل دے، اسکے علاوہ اپنی ہی جماعت میں سے بہت سے لوگوں کو بدگمانی ہوجائے گی — اور وہ ساتھ چھوڑ دیں گے۔

مسلم لیگ اور مہاسبھا ساتھ ساتھ

ریاستیں۔ مسلم لیگ نے ریاستوں کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہاں کے ہنگاموں میں کانگرس صرف اس لئے دخل دے رہی ہے کہ فیڈریشن میں اس کی اکثریت ہوجائے۔ اس لئے اگر کانگرس کی پالیسی یہی رہی تو مسلم لیگ بھی مسلم حقوق کی حفاظت کے لئے ریاستوں کے معاملے میں دخل دے گی۔

مہاسبھا نے ریاستوں کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ریاستوں میں کانگرس کی سرگرمیاں ریاستوں کو مٹانے کے لئے ہیں اور کانگرس ہندو ریاستوں کو مٹانا چاہتی ہے۔ اس لئے مہاسبھا اسکی مخالفت کرے گی۔

یہاں تک دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسلم لیگ کو حیدرآباد میں آزادی کی لڑائی بری لگتی ہے، اور مہاسبھا کو کشمیر میں۔ دونوں کا پروگرام یہ ہے کہ "حقوق" کے پاک نام پر ریاستی عوام کو کچلا جائے۔

مہاسبھا نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ وہ ہندو راجاؤں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ مہاسبھا کی مدد کریں تاکہ ہندو رعایا کی شکایتیں مسلمان ریاستوں میں دور کی جاسکیں۔ یعنی ہندو مہاسبھا اور ہندو راجا بھائی بھائی ہیں غریب ہندو ریاستی پرجا انکا شمار ہندوؤں میں ہے کیا۔

مسلم لیگ نے حیدرآباد سے ہمدردی دکھائی ہے اس میں ریاست سے ایسے ہی بھائی چارہ ہونے کا اعلان ہے۔

فیڈریشن۔ مسلم لیگ نے یہ تجویز کیا ہے کہ مسٹر جناح کو قبول نہ کرنے کا دوسرا راستہ نکالنے کا حق ہے۔ یعنی قبول کرلینے کی ترکیب سوچنا ہے۔

ہندو مہاسبھا اس معاملے میں بھی مسلم لیگ سے آگے رہی۔ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ فیڈریشن کو چلایا جائے تاکہ برطانوی ہندستان کے ہندو نمائندے اور ہندو ریاستوں کے نمائندے ملکر ہندو حقوق کی حفاظت کرسکیں۔ کانگرس دشمنی اور حقوق کی حفاظت صرف ایک ہی راستہ بناسکتی ہیں۔ اور وہی ہے جسپر دونوں جماعتیں جارہی ہیں۔ اب اسکے کوئی پروگرام تو کانگرس ایک طرف ہوگئی اور یہ دونوں جماعتیں گلے میں باہیں ڈالے ایک طرف

جواہرلال کا مسٹر جناح کو چیلنج

مسلم لیگ نے اپنے پٹنہ والے اجلاس میں کانگرس کے مظالم پر حد سے زیادہ شور مچایا۔ اس پر جواہرلال نے مسٹر جناح کو یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ کسی غیر جانبدار جماعت کو مقرر کردیں جو ان ظلموں کی جانچ پڑتال کرے۔

مسٹر جناح نے اس بیان پر بہت سے قانونی نکتے پیدا کئے ہیں کہ وہ جماعت کس حق اور دباؤ سے تحقیقات کرے گی۔ کس کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرے گی، اور کون اس کی بتائی شکایتوں کو دور کریگا۔

جواہرلال نے جواب میں کہا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ یو۔ پی کی سرکار اس تحقیقات میں پوری مدد کرے گی۔ اور جب کچھ شکایتیں ثابت ہوجائیں گی تو انکو دور کرنے کا راستہ نکالا جائے گا۔

مسٹر جناح نے مظالم میں دو ایک واقعات گنائے ہیں مثلاً ٹانڈا، دادری، ہزاری باغ، بھاگلپور، اس میں سے کسی غلطی سے مسٹر جناح نے آخری دو مقاموں کو یو۔ پی میں سمجھ لیا۔ مگر اشارہ جاتا ہے صرف ٹانڈا اور دادری کا۔ کاش ایسا ہوتا کہ مسٹر جناح راضی ہوجاتے اور ہم سب کو معلوم ہوجاتا کہ ان معاملوں میں یو۔ پی کی سرکار نے کتنی بے ایمانی کی ہے یا ایمانداری دکھائی ہے۔ اور معلوم ہوجاتا کہ ظلموں کی حد کیا ہے؟ — مگر ہم کو شک ہے کہ مسٹر جناح اسپر راضی ہونگے۔ ابھی تو انھوں نے صرف دو چار قانونی نکتے پیدا کئے ہیں۔

ریاستیں

(جواہرلال نہرو)

ہم لوگ ریاستوں کے جھگڑوں میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ اور نہ انکے خلاف کوئی آواز اٹھا رہے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ کشمیر، حیدرآباد، کاٹھیاواڑ، اڑیسہ، راجپوتانہ، اور پنجاب کی ریاستوں میں ہو رہا ہے، اس کی ہم کو کوئی فکر نہیں، ہم جانتے ہیں کہ سیکڑوں دیر اب بھی کشمیر کی کال کوٹھریوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور سندر وادی پر بھیانک آرڈیننسوں کی گھٹائیں چھائی ہیں۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حیدرآباد ابھی تک سول آزادی کو دبانے پر اڑا رہا ہے، اور اس نے سیاسی قیدیوں کے ساتھ جو درندوں کا ایسا سلوک کیا ہے اسکو سنکر جی لرزتا ہے۔ راجپوتانہ جو کبھی دیروں کا گھر تھا آج رجعت پسندی اور ظلم کا گھر بن گیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں جیسے کہ راجکوٹ، وندھ اور دوسری ریاستوں میں امید کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے دلوں میں جو ہندستان کی ریاستوں میں سے ہوتے ہیں روشنی پھیل رہی ہے۔ اور یہ روشنی ایسی ہے جسکو بڑے سے بڑا دباؤ بھی نہیں بجھا سکتا۔

آپ کس قسم کے مضمون چاہتے ہیں

ان ہنگاموں میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکومت ہند اور اسکے افسران بھی حصے رہے ہیں۔ یہ لوگ رجعت پسندوں کو زور پہونچاتے، اور عوام کی تحریک میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اور جب کبھی راجا اور عوام سے سمجھوتہ ہونے لگتا ہے تو یہ بیچ میں آجاتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے جبکہ یہ مداخلت بے جا ختم ہو جانا چاہیئے کیونکہ غیر ملکیوں کا بیچ میں پڑنا ہم نہیں برداشت کرسکتے۔

جاپان کے پاؤں کے نیچے سے زمین چلی

جاپانی وزیر اعظم کونوئی کو استعفا دینا پڑا، یہ اب تک انتہا پسندانہ فوجی ترکیبوں سے جاگتے رہے تھے اور حال ہی میں چین سے صلح کی بات چیت کرنے لگے تھے۔ اب انکی جگہ ایک مسٹر [illegible] شخص جو اپنی سلطانی انتہا پسندی میں مشہور ہے وزیر اعظم ہوئے ہیں۔ انکے وزیر اعظم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قومی فوجی تیاری والا قانون جسکو امسال جاپانی پارلیمنٹ نے رد کر دیا تھا، نافذ کر دیا جائے گا۔ اس قانون کے ذریعہ ملوں کی مزدوری، کام کے گھنٹے، مال کی تیاری، تمام کارخانے، زمینیں، کارخانوں کی آمدنی، سب کا انتظام، فوجی ضرورتوں کو دیکھکر کیا جائے گا۔ یہ لڑائی کا آخری نسخہ ہے۔

جاپان کی یہ نوبت پہونچ گئی! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چینی لڑائی نے جاپانی حکومت کو موت کے کنارے تک پہونچا دیا ہے۔ اس لڑائی سے جاپانی تجارت بگڑ گئی جاتی ہے، اور خرچ بڑھتا جاتا ہے، جتنے دنوں تک جاپان نے یہ بوجھ سنبھال لیا بہت ہے۔

جاپان اور امریکہ، برطانیہ، فرانس جاپان کی مصیبت یوں اور بڑھ گئی کہ اس نے چینی تجارت اکیلے ہڑپ کر لینے کی سوچی، اس سے برطانیہ امریکہ اور فرانس کی تجارتوں کو سخت نقصان پہونچا۔ ان ملکوں نے جواب میں چین کی مختلف طرح سے مدد کی۔ مثلاً برطانیہ نے چین کو قرض دیا۔ اور چین تک سامان پہونچانے کے لئے برما اور انڈوچین کے راستے کھولدیئے۔

چین چین میں قومی جوش اتنا بڑھ گیا ہے کہ وانگ جنگ وائی جو جاپان سے صلح کی بات چیت کر رہا تھا، غدار سمجھا گیا اور کومنتانگ پارٹی سے نکال دیا گیا۔ یعنی چین ابھی تک تازہ دم ہے اور وہ اپنی زمین کا ایک ٹکڑا بھی جاپان کو دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

روس اور جاپان جاپان پر سب سے بڑی مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ روس اور جاپان کا جو جھگڑا مچھیرے بندرگاہوں پر چھڑا تھا اور بڑھ گیا ہے اور روس کسی طرح دبنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس وجہ سے جاپان کو اپنی کچھ فوجیں شمالی چین سے ہٹا کر سرحد کی طرف بھیجنا پڑی ہیں۔ شمالی چین میں چینی گوریلا لڑائی نے جاپانی فوجوں کو پہلے ہی تنگ کر رکھا تھا۔ اب تو وہ اور کمزور ہو گئی ہونگی، اور اگر روس اور جاپان میں کچھ دنوں کے لئے بھی جنگ چھڑ گئی، تو چینی گوریلا شمالی چین میں کافی جم جائیں گے۔

چٹ چلا

تماشائی

جنوری سنہ ۱۹۳۹ء کا قصہ ہے۔ ایک لڑکا ہاتھ میں یورپ کا ایک نقشہ لئے سڑک پر دوڑا جا رہا تھا۔ اتفاق سے راستہ میں اسکا باپ مل گیا۔ اسکو لڑکے کا اس طرح جاگنا برا لگا۔ اس نے ڈانٹ کر روکا۔

لڑکا۔ ابا مجھے روکیئے نہیں۔ کہیں ایسا نہو کہ میرے اسکول پہنچتے پہنچتے یورپ کا نقشہ بھی بدل جائے، سنا ہے چیمبرلین رات پھر برلن گئے۔

جنوری سنہ ۱۹۵۹ء کا قصہ ہے

غل مچا آگئے آگئے

امتحان گاہ میں سناٹا چھا گیا۔

پروفیسر [illegible] اندر آگئے — پولیٹیکل یونیورسٹی کے تین درخشاں طالب علم امتحان کے لئے پیش ہوئے۔

سوال۔ بتاؤ کسی ہوٹل میں ٹکنے کا اگر ارادہ ہو تو ملازم سے زیادہ کام لینے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ اسکو پہنچتے ہی کچھ انعام دینا چاہیئے۔ یا چلتے وقت؟

تینوں طالب علموں نے اپنی اپنی کاپیوں پر یہ جوابات لکھے

"پہنچتے ہی کچھ دیدو — اور پھر باتیں بنانے رہو۔ چلتے وقت چپکے سے غائب ہو جاؤ" — مسولینی

"پہنچتے ہی بڑے بڑے وعدے کرو — اور چلتے وقت کچھ منی آرڈر سے بھیجدیں گے۔ اگر کچھ گڑبڑ کرے تو مارنے کی دھمکی دو" — ہٹلر

"اگر ملازم بگڑا ہو تو مصلحت یہی ہے کہ اسکو پہنچتے ہی کچھ انعام، اور چلتے وقت بھی انعام دو — اور اچھا ہوگا، اگر بیچ بیچ بھی کچھ دیتے رہو" — چیمبرلین

جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کا قصہ ہے۔

ریل کے فرسٹ کلاس کے ڈبے میں ایک موٹے تازے پادری کی لاش پائی گئی۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ بیچارا مسولینی ہے۔ جب لاش کی جامہ تلاشی لی گئی تو جیب میں تھرڈ کلاس کا ٹکٹ نکلا۔

جب کاونٹ کیانو نے جو اس زمانے میں تانبے کے برتنوں پر سونے کا پانی کرتے تھے یہ خبر سنی تو فرمایا کہ مرحوم زندگی بھر یوں ہی سفر کرتے رہے۔

جب ہٹلر نے جو اس زمانے میں روحانی تعویذ گنڈا کا کاروبار کرتے تھے یہ خبر سنی تو ارشاد ہوا۔

"غریب ٹکٹ خریدتا ضرور تھا"

یہ کہکر داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور اپنے چیلوں کی طرف دیکھکر مسکرائے۔

ہی یا ہی یا

(بھوکے مزدوروں کا گیت)

(سید مطلبی فرید آبادی)

[ایک راجاجی کے محل میں ایک گرڈر (آہنی شہتیر) مزدور چڑھا رہے ہیں ۔ اور ہر مزدور پر ایک فقرہ کہتے ہیں ۔ پہلا فقرہ میٹ کہتا ہے ۔ دوسرا فقرہ مزدور مل کے کہتے ہیں اور زور لگاتے ہیں]

میٹ	سب مزدور
گاڑ لینا	کیسے بھائی
ایسے بھائی	ہیا ہیا
بوجھ اٹھالو	بوجھ اٹھایا
محل سرا کا	ہاں ہاں بھائی
محل سرا کا	ہاں ہاں بھائی
بوجھ اٹھالو	بوجھ اٹھایا
اونچا کرلو	ہیا ہیا
بوجھ اٹھالو	ہیا ہیا
بوجھ اٹھایا	ہیا ہیا

میٹ	سب مزدور
ہاتھ بچاکے	ہاں ہاں بھائی
پیر بچاکے	ہاں ہاں بھائی
بوجھ اٹھالو	بوجھ اٹھایا
اونچا کرلو	ہیا ہیا
شیر بہادر	ہیا ہیا
اونچا کرلو	محل سرا کا
بوجھ اٹھالو	بوجھ اٹھایا
کیسے بھائی	ہیا ہیا
ہاں ہاں بھائی	ہیا ہیا
شیر بہادر	ہیا ہیا
آگے سرکے	ہیا ہیا

میٹ	سب مزدور
دام ملینگے	ہیا ہیا
پیٹ بھریگا	ہیا ہیا
اونچا کرلو	ہیا ہیا
محل سرا کا	ہیا ہیا
بوجھ اٹھالو	ہیا ہیا
دام ملینگے	ہیا ہیا
کیسے بھائی	ہیا ہیا
ہاں ہاں بھائی	ہیا ہیا
شیر بہادر	ہیا ہیا
پیٹ بھریگا	ہیا ہیا

میٹ	سب مزدور
محل بنے گا	راجہ جی کا
پیٹ پلے گا	مہارا تھارا
پیٹ پلے گا	مہارا تھارا
مہارا تھارا	مہارا تھارا
محل بنے گا	چار مہینے
موج کریں گے	چار مہینے
دام ملینگے	چار مہینے
پیٹ پلے گا	مہارا تھارا
کیسے بھائی	ہیا ہیا

میٹ	سب مزدور
شیر بہادر	ہیا ہیا
ہاں ہاں بھائی	ہیا ہیا
پیٹ پلے گا	مہارا تھارا

میٹ	سب مزدور
باغ بنے گا	ہاں ہاں بھائی
پھول کھلینگے	ہاں ہاں بھائی
جشن اڑینگے	ہاں ہاں بھائی
پیٹ پلے گا	چار مہینے
پیٹ پلے گا	مہارا تھارا
مہارا تھارا	مہارا تھارا
ہاں ہاں بھائی	مہارا تھارا
پیٹ پلے گا	چار مہینے
ہاں ہاں بھائی	ہیا ہیا
شیر بہادر	ہیا ہیا
کیسے بھائی	ہیا ہیا
پیٹ پلے گا	ہیا ہیا

میٹ	سب مزدور
اور اٹھاؤ	ہیا ہیا
آگے سرکے	ہیا ہیا
آٹھ مہینے	بھوک لگیگی

میٹ	سب مزدور	میٹ	سب مزدور	میٹ	سب مزدور
شیر بہادر	بھوک لگے گی	شیر بہادر	ہیّا ہیّا	دام ملیں گے	ہیّا ہیّا
بن کپڑا کے	بن لتّا کے	ہاں ہاں بھائی	ہیّا ہیّا	سود بھریں گے	ہیّا ہیّا
آٹھ مہینے	بن روٹی کے	پیٹ بھریگا	ہیّا ہیّا	قرض ملے گا	ہیّا ہیّا
زور لگاؤ	ہیّا ہیّا			شیر بہادر	ہیّا ہیّا
بھوک لگے گی	بھوک لگ گی	اور ابھارو	ہیّا ہیّا	اور ابھارو	ہیّا ہیّا
کیسے بھائی	ہیّا ہیّا	ہاتھ بچاکے	ہیّا ہیّا	پیر بچاکے	ہیّا ہیّا
		شیر بہادر	ہیّا ہیّا		

مسلم لیگ اور سیاسی بے راہ روی

(منظر رضوی)

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ بعض اعتبارسے ہمارے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ اب اسکے تضاد ابھر رہے ہیں اور اسکے جو بنیادی مقاصد اب تک الفاظ اور اصطلاحات کی رنگینیوں میں پوشیدہ تھے وہ اب صاف طور پر نمایاں اور واضح ہوتے جا رہے ہیں۔

ہمیشہ ہمیں شخصیتوں کی تقریروں اور ان تقریروں کے انداز اور لب لہجہ سے غرض نہیں۔ نہ ہی ان کی نیت اور ارادوں سے۔ ہم مسلم لیگ یا کسی بھی سیاسی جماعت یا تحریک کو اس کی اصلی روشنی میں دیکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ مسٹر جناح نے کیا کہا۔ میاں ظفر علی کیا بولے اور مولوی فضل الحق کے دل میں کون کون سی "الٹی سیدھی بھری پڑی" رہ گئیں۔ بیگم حبیب اللہ کی تقریر یکایک کیوں روک دی گئی۔ مولوی صاحب ڈیڑھ کروڑ نائٹ فسادات برما سے متعلق اپنی تقریر میں سفید جھوٹ کیوں بولے اور تیس ہزار سے زیادہ کے مجمع کو اتنا نادان اور ناواقف تصور کرکے کیوں کہہ گئے کہ گاندھی جی اور کانگریس فسادات برما پر خاموش رہے اور بالواسطہ برمی بلوائیوں کی اخلاقی ہمت افزائی کی، ہمیں ان باتوں کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ناظرین مسلم لیگ کے طریق کار سے بخوبی واقف ہیں اور اگر پچھلے سالانہ اجلاس میں یہ سب ہوا تو اس پر چنداں تعجب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ سالانہ اجلاس کا مقصد یہی ہے کہ سال بھر کے مشاغل کا خلاصہ پیش کیا جائے اور اس کی روشنی میں نئے سال کا نظام العمل مرتب ہو۔

اس اجلاس میں چند اہم بلکہ نہایت ہی "انتہا" پسندانہ تجویزیں پاس ہوئی ہیں۔ ایک تجویز ہندستانی ریاستوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تجویز کا خلاصہ یہ ہے کہ کانگریس ریاستوں میں جو طریق کار اختیار کئے ہوئے ہے وہ ریاستوں کے وجود کے لئے نہایت ہی پرخطر ہے اس لئے کانگریس کو اس حرکت سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ریاستی پرجا کے ذمہ دار حکومت کے مطالبہ سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے اسے کانگریس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بننے کی مذمت کی گئی ہے۔ اور ریاستوں کی جمہوری تحریک کو خطرہ تصور کرکے مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کا اعلان کیا گیا ہے۔ تجویز ایک طرف ذہنی پریشانی اور دوسری طرف سیاسی بدنفسی کی مظہر ہے۔ ایک طرف یہ ساری جمہوری تحریک ریاستوں کے وجود کے لئے پرخطر سمجھی جاتی ہے۔ اسلئے تحریک کے موئیدین سے کہا جاتا ہے کہ وہ ریاستوں کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ دوسری طرف ریاستوں کی راجاؤں کی مطلق العنانی اور استبداد کی حفاظت اور تقویت کے لئے ایک واضح پروگرام ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہ تحریک نہ روکی گئی تو اس حالت میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ کو مناسب کارروائی کرنی پڑے گی گویا آج مطلق العنان حکمرانوں کے راج میں مسلمان محفوظ اور مامون زندگی بسر کر رہے ہیں، اور جمہوری تحریک کی کامیابی انکے وجود کو ختم کر دے گی۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں کی حفاظت کے نام پر جمہوریت کا گلا گھونٹنے اور راجاؤں کے استبداد کی تقویت کے لئے ہر کارروائی کی جائے گی۔ وہی مذہب کلچر اور تمدن کے لئے خطروں کے نعرے۔ اور وہی طریقے جو آج قومی تحریک کسان اور مزدور تحریک کو خستہ و خراب اور کمزور کرنے کے لئے اور سامراج انگلشیہ کو خطرات سے بچانے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔

میاں ظفر علی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر کانگریس کو ریاستی پرجا سے اتنی ہمدردی ہے تو کشمیر کے راجہ کو کیوں نہیں کہتی کہ وہ اپنے راج میں جمہوری نظام قائم کردے۔ لیکن کشمیر کا راجہ چونکہ ہندو ہے اس لئے کانگریس ایسا نہیں کہہ سکتی ہے

موقع پر میرے پاس ہی ایک معزز بزرگ بیٹھے ہوئے تھے جنہوں نے راجکوٹ کی تحریک کی خبر شاید مدت میں پڑھی تھی انھوں نے مجھ سے طنزاً کہا "اسی لئے راجکوٹ میں سردار پٹیل انکی بیٹی اور بہن تحریک چلانے گئی تھیں"۔ میں ان کے اس تاثر (نتیجہ) سے ذرا گھبرایا میں نے پوچھا "کس لئے؟" کہنے لگے کہ وہاں کا فرماں روا چونکہ مسلمان ہے " میں نے بعض سنجیدگی سے تبلایا نہیں ہندو ہے۔ میرے ایک اور دوست تھے وہ میاں ظفر صاحب کی خطابت پر عش عش ہو گئے اور تعریفیں کرنے لگے۔ بات بھی تھی تعریف کی۔

ہم سب لوگ جانتے ہیں کہ ڈھینکنال، تالچر، راجکوٹ مالسہ، میسور وغیرہ وغیرہ سب ہندو "ریاستیں ہیں" اور آج انہیں میں جمہوری تحریک کی شدت بھی ہے اور کانگرس کا وہ طریق کار بھی ہے

مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے یہ زعما اسلام جو ملوکیت، اور مطلق العنانی مستبداد اور عسکریت کی حمایت کے ہمنوا ہیں اور جمہوری تحریک کو مذہب کے لئے خطرہ مسلمانوں کے وجود اور مسلمانوں کے تمدن کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں، اور اس طرح سے نادیگر قوتوں کو ہر ممکن طور پر پہنچتے ہیں۔ یہی میاں ظفر علی ہیں جنکے زمیندار نے ایک سے زیادہ بار کشمیر کی جمہوری تحریک کی مخالفت کی ہے اور حال ہی میں جب شیخ عبد اللہ نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس بنایا اور کشمیری پنڈتوں ـــــ اقلیتوں کو اس میں شریک کیا، تو زمیندار اور اسکے ہم پیشہ اخبارات چیخ اٹھے اور شیخ صاحب اور کشمیری تحریک کے جمہوری رجحانات کی مخالفت میں مقالے پر مقالے لکھنے لگے۔

لیگ کی اس تجویز کا ایک اور پہلو بھی قابل لحاظ ہے۔ لیگ نے اجلاس لکھنؤ میں کامل آزادی سے متعلق جو تجویز منظور کی تھی اس میں اس نے فیڈریشن کے اصول کو جس میں "آزاد خود مختار اور جمہوری ریاستیں" شامل ہونگی تسلیم کیا تھا۔ اب ریاستوں کی جمہوری تحریک کی مذمت اور مخالفت عملی طور پر لکھنؤ کی آزادی والی تجویز کو ختم کر دیتی ہے۔

فوری مقصد اس مخالفت کا ـــ ریاستوں کی جمہوری تحریک کی مخالفت کا کیا ہے؟

اس سوال کو ہم برطانیہ کے مجوزہ فیڈریشن کو، جسکے نفاذ کی ہوقت تیاری ہو رہی ہے، سامنے رکھکر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

فیڈرل اسمبلی کی نشست بری کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں (جدید دستور اساسی) جو انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے رو سے برطانی ہندستان سے بالواسطہ (. . . . . . .) الکشن کے ذریعہ دو پارٹیاں فیڈرل اسمبلی میں جائنگی ایک کانگرس اور دوسرے مسلم لیگ۔ ان دونوں کے علاوہ انڈی پنڈنٹ ممبران بھی ہونگے۔ جو ہندو ہوں یا مسلم مگر جو نہایت بدترین قسم کے رجعت پسند، رجعت پسندی مذہب وغیرہ سے کوئی خاص ناتہ نہیں رکھتی

. . . وہ محض سامراج اور جاگیری مفاد کو پہچانتی ہے۔ انڈی پنڈنٹ حضرات میں اور مسلم لیگ میں ایک مشترکہ خصوصیت ہے اور وہ سامراجی اور جاگیری مفاد کی حفاظت

تیسری طرف ریاستوں کے نمائندے ہیں دستور جدید نے انتظام یہ کیا ہے کہ وہاں سے نمائندے منتخب ہو کر آنے کے بدلے راجاؤں کی طرف سے نامزد ہو کر آئیں۔ اسطرح وہ عوام کے نمائندے ہونے کے بدلے حکمرانوں کے نمائندے ہونگے اور ان کی مرضی اور اشاروں پر چلیں گے۔ ریاستوں کی پرجا نے اسی کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ اور وہ اپنے منتخبہ نمائندے فیڈرل اسمبلی میں بھیجنا چاہتی ہے

اس سارے انتظام سے انگریزی حکومت کی نیت یہ تھی کہ فیڈرل حکومت میں ہندستان کے دقیانوسی اور رجعت پسند سماجی طبقوں کا اقتدار ہو جسکے ذریعہ تجارت محصول، تجارت، مالیاتی سرمایہ اور اقتصادی زندگی کے تمام اہم ناکوں کو اپنے قبضے میں رکھ سکے۔

چنانچہ اس وقت فیڈریشن کے مسئلہ پر دو متضاد قوتوں میں رسہ کشی جاری ہے ایک انگریزی سامراج ہے جس نے ہندستانی جاگیری عناصر اور قومیت دشمن سماجی طبقوں سے ناتہ جوڑ لیا ہے

دوسری طرف قومی تحریک یا کانگرس ہے جو عوامی اور قومی مطالبات کے تحت فیڈریشن کے اس نظم کو مسترد کر چکی ہے بعض قومیت مخالف قوتیں بھی ہیں جو اس موقع پر فیڈریشن سے جاگیری فائدے اٹھانا چاہتی ہیں۔ اس غرض سے وہ ایک طرف مسلم اقلیت کے تحفظ کے نام پر کانگرس کو اس رجعت پسند جاگیری برادری میں کھینچنے کی شورش برپا کئے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف ریاستوں کی جمہوری تحریک کی مخالفت اور مذمت کر کے والیان ریاست سے سازباز کر رہی ہیں مسٹر جناح نے اجلاس پٹنہ سے کوئی ایک ہفتہ پہلے اپنے ایک بیان میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ ریاستوں کی عوامی تحریک کی ہمدردی اور اعانت سے کانگرس کی غرض یہ ہے کہ وہ اپنے "آدمیوں" کو فیڈریشن میں منتخب کرکے لا سکے آپ نے اس تحریک کی مذمت کرتے ہوئے والیان ریاست کے حق میں بھی "کچھ" فرمایا ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسلم لیگ اقلیت کے تحفظ کے خوش کن نعرہ پر ریاستی پرجا کی جمہوری تحریک کی مخالفت کرکے ریاستوں سے ایسے دقیانوسی اور سامراجی نمائندوں کا فیڈریشن میں آنا پسند کرتی ہے جس سے وہ خود مل کر وزارت بنا سکے

اسی مقصد کے تحت فیڈریشن پر جو تجویز پاس ہوئی ہے اس کے ذریعہ مسٹر جناح کو اس بات کا کامل اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں فیڈریشن کے معاملہ کو طے کر سکیں۔ تجویز میں فیڈریشن کی تخریب یا اسے مسترد کرنے کا کوئی ذکر نہیں ویسے تقریریں گرماگرم ہوا کی ہیں۔ اور مسلم لیگ کا کوئی لیڈر بھی ماسوا تخریب کے اور کوئی نیت نہیں رکھتا۔

اس تجویز سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلم لیگ کے سامنے جمہوریت کا کوئی صحیح یا غلط تصور سرے سے ہے ہی نہیں تعجب ہے کہ اتنے بڑے اہم مسئلے کو ایک شخص کے سپرد کر دینا۔ ایک جمہوری ارگنائزیشن کسطرح منظور کر سکتی ہے۔

ذیج گاذ پر سول نافرمانی کرنے کی بھی ایک تجویز پیش ہوئی تھی اور اب صورت یہ ہے کہ "اگر اور جب ضرورت ہوئی تو سول نافرمانی لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے حکم و اجازت سے کیجائے گی۔ اس فیصلہ کے دو رد عمل ہیں۔ ایک مایوسی کا اور دوسرا خوش خیالی کا۔ ایک یہ کہ مسٹر جناح جو سول نافرمانی کے شروع سے مخالف رہے

ہیں۔ وہ آج کیونکر اس پر عمل کر سکتے تھے۔ چنانچہ اب لیگ کونسل اسکی اجازت ہی نہ دے گی۔ دوسرا ردعمل یہ کہ اب لیگ بھی سول نافرمانی کرے گی۔ وہ بھی کانگرس کی طرح ایک انتہا پسند جماعت بن گئی ہے۔

پہلا ردعمل بہرحال حقیقت پر زیادہ مبنی ہے۔ اور ہم یہ بھی کہنے پر مائل ہیں کہ اس میں لیگ کی لیڈر شپ سے عقل و تدبر کو زیادہ دخل ہے بہ نسبت جذبات وہ موقع بینی کے جسکے تحت یہ تجویز پیش ہوئی تھی۔

آخر میں مجھے نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ زیادہ تر تقریریں ایسی ہوئیں جنکا معیار نہایت ہی پست تھا۔ اور جن میں محض گالی گلوچ افترا اور بہتان کے سوا کچھ نہ تھا۔ ٹھوس کام کی باتیں کرنے والوں کی تعداد بھی مگر بہت کم۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں روس میں جہالت کا اوسط ۷۰ فیصدی تھا لیکن سنہ ۱۹۳۲ء میں ان پڑھوں کا تناسب صرف ۱۰ فیصدی رہ گیا۔ ۷ اکروڑ کی مجموعی آبادی میں سے ۴ کروڑ بیس لاکھ مرد و عورت باقاعدہ اسکول جانے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔

سوویٹ روس نے جہالت کو دور کرنے کی مہم ایسے وقت اٹھائی جبکہ اس کے وسائل کے ذرائع کوئی غیر معمولی نہ تھے، قوم لڑائی سے دوچار ہو رہی تھی اور استادوں مدرسوں، دیگر سامان اور کتابوں کی زبردست کمی تھی لیکن صنعتی ترقی کا تقاضا تھا کہ کارخانوں کا مزدور اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ اپنی ہدایتیں پڑھ سکے۔ اس طرح کاشتکاری میں بھی جبتک کسان کو پڑھنا لکھنا نہ سکھایا جاتا کوئی خاطر خواہ ترقی ناممکن تھی۔

ملک کے نوجوانوں نے بیڑا اٹھایا اور عوام کو پڑھانے لکھانے اور جہالت کو دور کرنے کے لئے، جہالت دشمن انجمن کے نام سے ایک جماعت تیار کی۔ اس کے بعد تعلیم بالغین کی تحریک اٹھی، اسمیں مدرسوں سے مدد لی گئی، تقریباً ہر مدرسہ میں جہالت دشمن انجمن کی طرف سے ایک بچہ کا گھر قائم کیا گیا، اس گھر میں تمام خواہشمند بچوں کے جتھے ترتیب دئے گئے، انکا پہلا کام یہ تھا کہ اپنے حلقہ کے ان پڑھوں کی تعداد معلوم کریں۔

کاغذ پنسل لئے ہوئے یہ بچے گلیوں گلیوں گھومتے۔ تاریک اور دشوار گذار گلیاروں سے ہوتے ہوئے متعفن جھونپڑیوں تک کی خبر لاتے —— انکو گالیاں سننا پڑتیں۔ بعض اوقات لوگ ان پر پانی پھینک دیتے۔ لیکن انھوں نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ آخر کار فہرست تیار ہو گئی۔ اپنے جوش جوانی میں ان نوجوانوں نے کٹے ہوئے حروف تیار کئے۔ کیونکہ کتابیں ناپید تھیں، کاپیوں اور پنسلوں کے لئے انھوں نے کھیل تماشے کر کر کے چندہ جمع کیا۔

ان کے شاگردوں میں بہت سی ایسی عورتیں تھیں جنکے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ جن کے لئے پرورش گاہ وغیرہ کا کوئی بندوبست نہیں تھا، اس لئے مدرسہ میں بچوں کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا اور دو ڈائریکٹر مقرر کر دئے گئے جنکا کام یہ تھا کہ جتنی دیر کیلئے بچوں کی مائیں پڑھنے جائیں اتنی دیر تک وہ بچوں کی دیکھ بھال کریں۔ جب یہ سب تیاریاں ہو گئیں تو پڑھائی شروع ہو گئی بہت سے بچے خود پڑھنے کے بعد گھر پر اپنے والدین کو پڑھاتے تھے، بہت جلد ہر درجہ حروف تہجی کی آوازوں سے گونجنے لگا۔

ہر ہر دیہات اور قصبہ میں ایک مطالعہ گھر کھولا گیا، روزانہ مدرسوں کے لڑکے اور لڑکیاں، یہاں آکر لوگوں کو اخبار سناتے تھے۔ انھوں نے پڑھائی کی شاموں، کا بھی انتظام کیا۔ اسطرح شام کو گپ شپ اور شراب نوشی کی جگہ لوگ کتابیں سننے لگے۔

انھوں نے شراب نوشی کے خلاف جہاد کیا کیونکہ انکو اس بات کا احساس تھا کہ انکے والدین جو روپیہ شراب پر خرچ کرتے ہیں اسکو کھانے کپڑے اور اسکول کی کتابوں پر خرچ کرکے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ شراب کے خلاف لڑائی میں انھوں نے اشتہاروں، نعروں، جلسوں، اور جلوسوں سے بھی کام لیا اور جلسے جیسے لوگ پڑھتے لکھتے جاتے تھے، ویسے ویسے ان میں اشتہاروں کی عبادت سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی جاتی تھی۔

بچوں میں پڑھنے لکھنے کا جو جوش پیدا ہوا تھا۔ اس نے انکے والدین پر بھی اثر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ بوڑھے بوڑھے لوگ جو قلم اور کاپی سے نفرت کرتے تھے ہنسی خوشی، اپنے بچوں کے پاس بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے لگے۔ ان بچوں نے لاکھوں آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیا۔

جہالت دشمن انجمن نے تمام صنعتی اور زرعی اداروں میں اور سرکاری اور اجتماعی فارموں میں اپنی تعلیمی مہم پھیلا دی ایک مصنف کا بیان ہے کہ سفید روس اور یوکرین کی جمہوریتوں میں یہ مہم اتنے شد و مد کے ساتھ چلائی گئی کہ سنہ ۱۹۳۲ء میں ۵۰ سال سے کم عمر کا کوئی آدمی جاہل نہیں رہا۔ البتہ میں بالغ کارکنوں کی تعداد کافی ہو گئی اور اس لئے بچوں کا کام ہلکا ہو گیا، اور اب یہ کام زیادہ تر بالغوں کے ہاتھوں ہی انجام پا رہا ہے۔ اس کام میں جو کچھ کامیابی ہوئی ہے اسکا کسی قدر اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ پہلے پنجسالہ پروگرام کے شروع کے چار سال کے اندر اندر چار کروڑ پچاس لاکھ مردوں اور عورتوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیا گیا اس میں عورتوں کی تعداد آدھے سے کچھ زیادہ تھی، اتنے زبردست تعلیمی و تمدنی کام اور اسمیں ایسی حیرت انگیز کامیابی کے پیچھے عوام میں پڑھنے لکھنے کی مانگ تھی جسکا اظہار انکی اس کہاوت سے ہوتا ہے۔

،،علم روشنی ہے اور جہالت تاریکی،،

ایک مصنف نے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جو روس کے ایک اجتماعی فارم کی عورتوں نے اسٹیلن کے نام لکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی عورتوں میں تعلیم حاصل کرنے کی کتنی گہری تمنا موجود تھی،

" درحقیقت بڑے بڑے فارموں کا مناسب انتظام کرنے کیلئے ہمکو کافی

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

جہالت کی تاریکی سے ۔ علم کی روشنی تک

۱۵ر جنوری کو یو۔پی کی جہالت دشمن مہم شروع ہوگی

سارے صوبہ میں یوم خواندگی منانے کیلئے ضلع کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں، یونیورسٹیوں، کالجوں اور تمام تعلیمی اداروں سے اس مہم میں حصہ لینے کی درخواست کی گئی ہے۔

مسٹر ایس۔ این چترویدی افسر توسیع تعلیم نے ایک بچاس صفحہ کا باتصویر رسالہ شائع کیا ہے جس میں یوم خواندگی کے سلسلہ میں صوبہ کے وزراء اور معززین کے پیغامات لکھے ہیں یوم خواندگی میں خواندگی کے عہدنامہ پر۔ ۔ ۔ ۔ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کے دستخط کرانے کی کوشش کیجائے گی۔ عہدنامہ کے ۵ لاکھ سے اوپر پرچے تقسیم کئے جاچکے ہیں اور ابھی مزید مانگیں آرہی ہیں۔

پیغامات

جواہر لال

مجھے یہ جانکر خوشی ہوئی کہ ممالک متحدہ کی سرکار ناخواندگی دور کرنے کے لئے تحریک شروع کررہی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے لڑکے لڑکیوں کی پڑھائی کا پورا انتظام کریں لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ناخواندگی دور کرنے میں ہم بالغوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیں۔ ہماری تمام ترقی ـــــ سیاسی، سماجی، اور اقتصادی۔ اس بات پر مبنی ہے کہ ہمارے عوام کہاں تک اصلی تعلیم حاصل کرسکتے ہیں۔ اگر جہالت دور نہ کی گئی تو ہمارے لوگ اندھیرے میں بھٹکتے رہیں گے اور جذبات کی لہروں میں پڑکر ادھر ادھر بہک جائیں گے اور اکثر دوسروں کے شکار ہوجائیں گے کوئی بھی اصلاح ہو وہ ناخواندگی کی اس چٹان سے ٹکراکر چور چور ہوجائے گی۔ اسلئے میں امید کرتا ہوں کہ حکومت اور کانگرس کے درمیان ناخواندگی دور کرنے کے معاملہ میں پورا پورا اتحاد رہیگا اور اس تحریک میں سب لوگ خواہ انکے سیاسی خیالات کچھ بھی ہوں ضرور حصہ لیں گے۔ یہ مشترکہ نظام العمل ہے جسمیں ہر شخص کو شریک ہونا چاہئے۔

وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت

ناخواندگی کو دور کرنا کانگرس کے پروگرام کا ایک خاص جزو رہا ہے۔ ملک میں جمہوریت کی ترویج اور حق رائے دہی کی وسعت نے اس سوال کو اور بھی اہم بنادیا ہے۔

ہمارے ملک کی ایک بڑی تعداد ناخواندہ ہے اور اگر ہمیں ایک مقررہ وقت میں اس برائی کو دور کرنا ہے تو ہر پڑھے لکھے آدمی کو لازم ہے کہ وہ اس کام میں حتی الامکان مدد کرے۔

آنریبل شری سمپورنانند وزیر تعلیم

یوں تو ہماری سوسائٹی بہت سی مصیبتوں میں مبتلا ہے مگر جہالت کا درجہ ان میں سب سے زبردست ہے، ہم عوام کو تندرستی یا زراعت یا کسی دوسرے فن کی تعلیم دینے کے لئے چاہے جتنا دل لگا کر کوشش کریں اور انہیں ان کے شہری حقوق اور فرائض کا احساس پیدا کرنے کے لئے چاہے جتنے خلوص سے کام کریں لیکن یہ تمام کوشش اور کام اس چٹان سے ٹکراکر رائیگاں ہوجاتی ہیں اسلئے ہر شخص جو ملک کی ترقی اور بہبودی چاہتا ہے۔ ان تمام کوششوں سے جو جہالت دور کرنے کیلئے جاری ہیں ہمدردی رکھیگا۔ اور مجھکو پورا پورا یقین ہے کہ حکومت کو اس کام میں ہر طبقہ سے تعاون اور عملی ہمدردی حاصل ہوگی۔

آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو وزیر عدل والضاف دیہات سدھار

ناخواندگی اور جہالت ہر ترقی کی (خاص کر دیہاتی رقبوں میں) سب سے بڑی دشمن ہیں۔ حکومت نے ہر پہلو سے دیہات سدھار کے لئے ایک زبردست مہم اٹھائی ہے مگر اسے تسلیم ہے کہ ناخواندگی مع اپنے دوسرے ساتھیوں، جہالت اور وہم پرستی کے دیہات سدھار کے راستہ میں سب سے بڑا اژدھا ہے آج کل ہر ہر گھر میں جو تاریکی پائی جاتی ہے وہ اسوقت تک دور نہیں ہوسکتی جب تک ہر گھر علم کی روشنی سے منور نہ ہوجائے ـــــ خواہ یہ روشنی کم ہی کیوں نہ ہو۔ اور اسوقت جبکہ ہم ناخواندگی دور کرنے کے متعلق سوچ رہے ہیں ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اسمیں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

مجھے امید ہے اور میری دعا ہے کہ اس صوبہ کا ہر شخص مرد ہو یا عورت، لڑکا ہو، یا لڑکی ہو جس کسی نے بھی اس روشنی کو دیکھا ہے دوسروں کو بھی جو اس سے محروم ہیں بہرہ اندوز کرے۔ تاکہ دیہات کا ہر ہر گھر۔ خواہ وہ زمیندار کا محل ہو یا غریب کسان کا دہنرا علم کے چراغ سے روشن ہوجائے۔

آنریبل جناب رفیع احمد قدوائی وزیر مالیات وجیل

اس صوبہ میں "یوم خواندگی" ۱۵ر جنوری کو منایا جائے گا۔ اور اس دن وہ تحریک شروع ہوگی جسکی کامیابی ہر بالغ کو خواندہ بنادے گی۔

صرف پڑھنے لکھنے میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مگر خواندگی سے تعلیم میں مدد ملتی ہے۔ جب تک کہ عوام کی کافی تعداد خواندہ نہ ہو ان کو تعلیم دینا تقریباً ناممکن ہے۔

اور تعلیم کے بغیر عوام کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس تحریک کی اور ترقی و آزادی کی ضرورت کی قدر کرسکیں۔ گویا ترقی کی راہ میں ناخواندگی ایک روڑا ہے۔ ۱۵ر جنوری کو جس تحریک کی ابتدا ہورہی ہے۔ اس کی کامیابی ملک کی سیاسی اور تعلیمی دونوں ترقیوں کو آسان بنادے گی۔

آنریبل جناب حافظ محمد ابراہیم وزیر رسل ورسائل

ناخواندگی ہمارے ملک کے لئے ایک لعنت ہے اکثر مصائب ہماری جہالت کے باعث ہیں اور یہ جہالت اکثر ناخواندگی کے سبب سے ہوتی ہے اس صوبہ کی کانگرسی حکومت نے ناخواندگی دور کرنے کی اسکیموں پر عمل کرکے جہالت کو مٹانے کا تہیہ کرلیا ہے۔ اب یہ عوام کا کام ہے کہ وہ اپنی قیمتی امداد دے کر ہمارے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹائیں۔

یوپی اسمبلی

شرعی وراثت کے نام پر زمینداری کی مدد
شکمی کاشتکاروں کو بھی موروثی حق

کاشتکاروں کو موروثی حق دلانے پر بحث
شروع ہوئی جب شکمی کاشتکار کی بحث آئی تو ایک
ترمیم پیش کی گئی کہ جو شکمی کاشتکار بیس ایکڑ سے زیادہ
زمین اٹھائے ہوئے ہیں انکو اس طرح موروثی حق
دیا جائے کہ اصل کاشتکار کے پاس بیس ایکڑ زمین
مزروعہ بچ جائے۔

کنور مہاراج سنگھ نے اس کی تائید میں کہا کہ
شکمی کاشتکاروں کو موروثی بنانے کے لئے یہ اصول
بہت اچھا رہیگا۔

وزیر زراعت نے کہا کہ اس ترمیم کو میں بہت
پسند کرتا ہوں لیکن شکمی کاشتکاروں کو اس سے زیادہ
ملنا چاہئے۔ اس غرض سے حکومت خود ایک ترمیم
پیش کرنے والی ہے جس میں اس اصول کا جس پر
آپ کی ترمیم آئی ہے لحاظ رکھا جائے گا۔ وزیر زراعت
نے اس کا اطمینان دلایا۔

اس کے بعد پھر اس قسم کی ترمیمیں پیش ہونے
لگیں جن سے موروثی حق چھیننے کی کوشش کی گئی

بیدخلی بند — حکومت نے اعلان کیا کہ وہ لگان
ادا نہ ہونے پر بیدخلی کو موقوف کر دینا چاہتی ہے۔
کاشتکار اگر لگان ادا نہ کرے تو بیدخلی کے بجائے
یا تو اسکی زمین کا ایک ٹکڑا بیچ ڈالا جائے گا، یا اس کی
زمین کچھ دنوں کے لئے دوسرے کاشتکار کو دیکر
رقم وصول کر لی جائے گی۔

نواب چھتاری نے کہا کہ اس پالیسی کا صرف یہ
مطلب ہے کہ کاشتکاروں کو خوش کر دیا جائے تاکہ
ان سے کانگرس ووٹ لے سکے۔

شرعی وراثت — مسلم لیگ نے شرعی وراثت کا سوال
اسمبلی میں پھر اٹھا دیا۔ اور انکا مطلب
یہ تھا کہ شریعت کے نام پر کاشتکاروں کو نقصان پہنچاکر
زمینداروں کو فائدہ پہونچا دیا جائے۔

اس بحث میں نواب چھتاری بھی شریک تھے غالباً
اس وجہ سے کہ ۱۹۲۶ء میں جب یہ قانون پاس ہوا ہے
کہ شرعی وراثت کاشتکاروں میں نہیں رائج ہوگی۔
تو وہ وزیر تھے، اور اسی زمانہ میں آگرہ قانون میں
پہلے زمینداروں کو شرعی وراثت سے الگ کر دیا
گیا ہے۔

شوکت علی صاحب (مسلم لیگ) نے یہ ترمیم پیش
کی کہ اگر کاشتکار مسلمان ہے تو اسکی زمین شرعی
وراثت کے حساب سے تقسیم کی جائے۔

اس پر مسلم لیگیوں نے بہت مذہبی جوش کی بحث
کی۔ لیکن جب جواب میں وزیر زراعت نے کہا کہ
۱۹۲۶ء میں جب یہ مسئلہ اٹھا تھا تو تین مسلمان ممبر
نواب چھتاری، نواب محمد یوسف، اور راجہ محمودآباد
موجود تھے مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔

انہوں نے بتایا کہ اس جگہ وراثت جاری
کرنے سے زمینداروں کو فائدہ پہونچے گا کیونکہ
اگر لڑکیوں کو حصہ ملا تو انکے شوہر جو دیہات میں
نہیں ہوں گے اس بات پر راضی ہو جائیں گے کہ
تھوڑا بہت لیکر اپنا حصہ زمینداروں کو دیدیں۔

آخر میں وزیر زراعت نے کہا کہ ہم شرعی
وراثت کو یہاں جاری کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ
وہ زمینداروں اور تعلقداروں سب کے لئے یکساں
رکھا جائے۔

یہ شرط سنکر سب مسلم لیگی خاموش ہوگئے
اور ترمیم ۱۹ —— ۶۷ کے تناسب سے گر گئی اسکے
بعد زمین کے شکمی اٹھانے پر بحث ہوئی لیکن یہ بحث
بہت بے لطفی سے کٹی۔ زمینداروں اور مسلم لیگیوں
نے سوائے دو چار کے کچھ زیادہ زور نہیں دکھایا، چو
بشمبھر دیال سیٹھ نے بہت سی ترمیمیں پیش کیں۔
جنمیں سے ہر ایک کاشتکاروں کے حق کو کم کرتی
تھی، اور زمینداروں کے حقوق کو بڑھاتی تھی۔
ان میں سے ایک بھی پاس نہیں ہوئی۔

زمینوں کی یکجائی — نواب چھتاری نے ایک
ترمیم پیش کی کہ اگر کوئی زمیندار زمین کو یکجا کرنے
کے لئے کاشتکار سے زمین کا تبادلہ کرنا چاہتا
ہے۔ اور کاشتکار منظور نہیں کرتا ہے تو زمیندار
کو کاشتکار پر مقدمہ چلانے کی اجازت ہونا چاہئے۔

سر جے۔ پی سریواستوا نے سرمایہ داری کا
نقطۂ نگاہ پیش کیا، اور کہا کہ وہ کاشتکاروں
کے بڑے ہمدرد ہیں، اور اسی وجہ سے زرعی بل
کو بھی پسند کرتے ہیں، لیکن اسکے پاس کرانے
میں سمجھوتے کی اسپرٹ ہونی چاہئے۔

وزیر زراعت نے کہا کہ نواب چھتاری زمینداروں
کو تبادلہ کا حق دے رہے ہیں، اور کاشتکاروں کو
نہیں، وہ دن گئے جب غریبوں کے لئے ایک قانون
ہوتا تھا اور امیروں کے لئے دوسرا۔ یہ ترمیم گر گئی۔

حکومت نے آخر میں قاضی عدیل عباسی کی ترمیم
پر ایک ترمیم اس مضمون کی پیش کی جسکے ذریعہ زمیندار
اور کاشتکاروں میں زمینوں کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔

ایک موقع پر حکومت نے اعلان کیا کہ زمیندار کی
کی وہی حیثیت ہے جو کاشتکاروں کی، اس پر نواب
یوسف اور دوسرے زمیندار بہت بگڑ گئے۔ اور
انھوں نے کئی گھنٹہ کی تقریر سے ثابت کرنا چاہا کہ
کاشتکار بہت "گھٹیا" چیز ہے۔

۱۲ رجنوری کو زمینداروں کی یہ حرکت بالکل
صاف ہوگئی کہ وہ خواہ مخواہ زرعی بل میں زیادہ سے
زیادہ دیر لگانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے ایک ترمیم
پر ڈویزن کا مطالبہ کیا۔ گھنٹی بجائی گئی، اور
آدھ گھنٹہ میں سب ممبر جمع ہوگئے۔ جب سب ممبر
جمع ہوگئے تو مخالف پارٹی اپنے مطالبہ پر خاموش
ہوگئی۔

ذرا ذرا سی بات پر لمبی لمبی تقریریں ہوتی رہیں۔
جب مخالف پارٹی سے کہا گیا کہ وہ اپنی ایک قسم کی
ترمیمیں ساتھ ساتھ پیش کر دیں تو انھوں نے جواب دیا
کہ یہ ناممکن ہے ہم لوگوں کے خیالات اسی بحث سے
اتنے الجھ گئے ہیں کہ ہم میں سے بہت لوگوں نے تو
یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اب بحث میں حصہ بھی نہ لیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳)

ہنگری کے احتجاجی نوٹ کے جواب میں چیک
حکومت نے وعدہ کیا ہے کہ اس واقعہ کی تحقیقات جاری
کی جائیگی اور اسکے نتائج سے ہنگری کو مطلع کر دیا
جائیگا۔ ایک اور سرکاری اعلان کے ذریعہ اطلاع
کیا گیا ہے کہ چیکوسلواکیہ اور ہنگری کے مشترکہ کمیشن نے
بھی اسکی تحقیقات شروع کر دی ہے۔

مونکاکیوو جہاں پر یہ جھگڑا ہوا ہے مفروضہ
میں روتھینیا کے قبضہ میں تھا لیکن پچھلے سال میونخ
کے سمجھوتہ میں اٹلی اور جرمنی نے اسے ہنگری کے حوالہ
کر دیا۔

اسکول ماسٹر

(عبدالکافی اول)

مجھے بہت پہلے کی باتیں تو ابھی طرح یاد نہیں آتیں ہاں اسوقت کی باتیں قریب قریب سب دماغ میں آتی ہیں جب میں میرا بائی ہائی اسکول میں داخل ہوا تھا پھر بھی یہ بات صاف طور سے یاد نہیں پڑتی کہ داخلہ کے وقت کیا کیا باتیں ہوئیں اور کسطرح میرا نام لکھا گیا۔ صرف اتنا یاد آتا ہے کہ بابوجی جو اس زمانہ میں شراب کے ٹھیکہ دار تھے اور میری ماں کے پاس آیا جایا کرتے تھے مجھے پہلے روز اسکول اپنے ساتھ لے گئے تھے میں انکا لڑکا یا رشتہ دار کچھ بھی تھا۔ اور اسی روز وہ بھی بھرتی ہوا تھا۔

اس کے بعد میں اسکول جانے لگا۔ اسوقت میری عمر نو برس کی تھی۔ اور آگے کی باتوں کو سمجھنے کے لیے یہ بھی کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری صورت شکل کا بھی برا نہیں تھا۔

ہمارے کلاس ٹیچر این این۔ ماتھر صاحب تھے جن کے یہاں ہمارا کوئی گھنٹہ تو نہیں تھا۔ لیکن جماعت کی حاضری انہیں کے سپرد تھی۔

کوئی ہفتہ بھر بیت جانے کی بات ہے کہ انھوں نے ایک روز مجھے اپنی میز کے پاس بلایا اور زور سے ڈانٹ کر کہا "تمہاری شکایت سننے میں آئی ہے۔ ہر ماسٹر شکایت کرتا ہے کہ رام داس کچھ نہیں پڑھتا۔ دیکھو اگر اس کے بعد پھر شکایت ہوئی تو میں تمہارے باپ کے یہاں لکھ بھیجونگا"

"ماسٹر صاحب! باپ کے یہاں!! اس کے کہاں باپ ہے! یہ تو رنڈی کا بیٹا ہے" قریب قریب سب لڑکوں نے چلا کر کہا۔

"اچھا!" ماسٹر صاحب نے مجھے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا!

"خیر کسی کا لڑکا ہو اگر پھر شکایت ہوگی تو اس کے گارجین کے یہاں رپورٹ کردی جائے گی۔

وہ چلے گئے، تمام لڑکے ہنسنے لگے۔ میں پریشان ہوا۔ ابھی کوئی پڑھائی ہی نہیں شروع ہوئی۔ کتابیں اور کاپیاں تک نہیں ملیں۔ پھر جب تک ان سے شکایت کس نے کردی۔!!

لیکن اب انکا قریب قریب روز کا دستور ہو گیا تھا، وہ حاضری لے چکنے کے بعد مجھے اپنی میز کے پاس بلاتے، زور سے چلا کر ڈانٹتے، بڑی تیزی کے ساتھ اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتے۔ لیکن پھر جھک کر چہرہ منہ پر رکھدیتے، میرے گالوں اور ہونٹوں کو ہلکے سے دباتے، اور اپنے ہونٹوں کو چباتے ہوئے پھر ایک بار زور سے چلاتے "بول! پڑھے گا یا نہیں؟"

"پڑھونگا"

میں روتی آواز بنا کر کہتا

ایسا ہی ہوتا رہا، یہاں تک کہ سماہی امتحان آیا اور گزر گیا۔ اس کے کچھ روز بعد کا ذکر ہے کہ انھوں نے مجھے پروگرس رپورٹ دی اور کہا "اپنے باپ سے دستخط کرا کے واپس لانا"

مجھے کچھ تعجب ضرور ہوا کیونکہ میں جانتا تھا کہ انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ میرے باپ نہیں ہیں۔ لیکن، پھر بھی میں نے کاغذ رکھ لیا۔ اور گھر لاکر اپنی ماں کو دیدیا، اور ان کی کہی ہوئی بات بھی کہدی، ماں نے کاغذ رکھ لیا۔ ہفتوں گزر گئے یہاں تک کہ تمام لڑکوں نے اپنا اپنا کاغذ واپس کر دیا، آخر میں انھوں نے مجھے ایک روز اس بارے میں بہت ڈانٹا، اور جماعت سے باہر نکال دیا۔ میں روتا ہوا گھر چلا آیا، میری ماں نے مجھ سے تمام باتیں پوچھیں، اور بہلا پھسلا کر مجھے چپ کرایا۔

—————— (۱) ——————

میری ماں کسی گہرے سوچ میں پڑ گئی۔ اور دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بولی۔

"تم ماسٹر صاحب کا مکان جانتے ہو؟"

"جانتا ہوں۔ لیکن، وہ تو اسوقت اسکول میں ہیں"

"کوئی حرج نہیں۔ آؤ! ان کے گھر پر چلیں۔ تم ان کے گھر کبھی گئے ہو؟ ان کے کوئی لڑکا ہے؟"

"لڑکا تو شاید نہیں ہے، وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہیں، ایک مکان لے رکھا ہے"

"خیر، چلو! بیوی ہی سہی"

وہ کپڑے بدلنے کے لئے کمرے میں چلی گئی، مجھے جہاں تک یاد ہے، اس نے اس روز کسی موٹے کپڑے کی سفید رنگ کی ساڑی پہن رکھی تھی، اور اپنے گہنے بھی، جسے وہ ہر وقت پہنے رہتی تھی اتار دیا تھا۔ وہ چل کھڑی ہوئی اور آگے آگے اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس وقت وہ رنڈی نہیں بلکہ ایک پاکدامن بیوہ معلوم ہو رہی تھی۔

ماسٹر صاحب کے گھر پہنچ کر اس نے اپنے کو کچھ سنبھالا، ساڑی کا دامن ٹھیک کیا، اور گھونگھٹ تو خیر کیا، لیکن چہرے کی طرف دامن کو کچھ اور زیادہ لٹکا لیا، اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو تعجب تو ضرور ہوگا کہ کیوں بالے کی طرح بن بلائے اور رہا ہو چلی آئی لیکن بہن! کیا کروں قسمت جو نہ کرائے۔ اب اس بچے کا میرے سوا کون ہے!"

میرا خیال ہے، جملے کے اس آخری حصے نے ماسٹر صاحب کی بیوی کو میرے یتیم اور میری ماں کے بیوہ ہونے کا اچھی طرح یقین دلا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بہت نرم ہو کر بولیں۔

"کیا ہوا! کچھ کہئے تو"

"کیا کہوں، بہن، میرا یہ لڑکا اسکول میں پڑھتا ہے۔ اسکی فیس وغیرہ سب آپ کے ماسٹر صاحب کے پاس داخل ہوتی ہے۔ آج انھوں نے اسے اسکول سے بھگا دیا میں اس خیال سے آئی تھی کہ اگر آپ ان سے کہدیں گی تو میرے حال پر نظر ہو جائے گی"

"ماں سے! کس سے؟"

"ماسٹر صاحب سے"

یہ سنکر اس عورت نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چپ ہو رہی۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسے ہی بھاگ ہوتے تو رونا کس کا تھا بہن!"

یہ سن کر میری ماں کچھ چونک سی گئی، اور اس کی آنکھوں میں امید کا پانی چمکنے لگا۔ لیکن اس نے اپنی حالت کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اس طرح کیوں کہتی ہو بہن! وہ دیوتا ہیں، آپ جیسی بھاگوان ہیں۔ ایشور اس قسم کو جوڑے بہت کم ملاتا ہے ہمارے لئے تو اگر تم ان سے ہمارا ہی کر دو گی تو بہت ہو گا۔"

ماں نے تاک کر تیر مارا تھا اور میرا خیال ہے وہ خالی نہیں گیا۔ عورت تلملا اٹھی اور ذرا سست ہو کر کہا۔

"ہوں گے۔ ..... لیکن دوسروں کے لئے"

ماں نے پھر ایک تیر سر کیا۔

"ارے بہن کیا کہتی ہو ایسا نہ کہو، بڑے لوگوں کی بڑی بات۔"

"ہاں ٹھیک ہے، بڑے لوگوں کی ہوتی ہے بڑی بات لیکن جو بڑے ہوتے ہیں، ان کی نہ کہ سب کی۔ سچ کہتی ہو بہن! اس پرائے دیس میں ان کا یہ سلوک دیکھ دیکھ کر کلیجہ پکا جا رہا ہے جی چاہتا ہے کب گھر پہنچ جاؤں، آج پورے ساڑھے تین برس کا زمانہ بیاہ پیچھے گزر گیا۔ لیکن اس مرد نے ایک دن بھی سیدھے منہ بات نہیں کی۔ اس سے اچھی تو آپ ہیں۔ نہ آس ہے نہ سبے آس ہونے کا دکھ۔"

میری ماں نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے دلاسا دیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ یا تو وہ بات پھیرنا چاہتی ہے۔ یا کوئی دوسرا تیر چلا کر کچھ اور معلوم کرنا چاہتی ہے، اس نے کہا۔

"ہاں بہن! ایسا اکثر ہوتا ہے لیکن کیا کیجئے گا۔ اب صبر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ انھیں راضی رکھئے ایشور کی کرپا سے سب ٹھیک ہو جائیگا۔"

"نا! مجھ سے یہ نہیں ہو گا بہن! ان کے ساتھ سب کچھ کر کے تھک گئی، اب ان کے من میں آئے گا تو خود ہی راضی رہیں گے۔ اور خود ہی بولیں گے، میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں کہ مرد اگر زندگی بھر گال پھلائے رہے تو عورت صرف اس کو منانے ہی میں اپنی زندگی کاٹ دے"

"ٹھیک ہے بہن! ایک طرح سے آپ کا کہنا بھی ٹھیک ہے۔ ارے ہاں، مردوں کو کیا کہنا وہ تو ہر وقت باہر رہتے ہیں۔ سو طرح کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں، اور پھر کون جانتا ہے کہ کہاں کہاں جاتے ہیں؟"

میری ماں نے سوکھے پن سے ہنستے ہوئے کہا اور ماسٹر صاحب کی بیوی کے دل، خیال کو جس نے شاید ابھی صرف جنم ہی لیا تھا۔ باتوں باتوں میں جوان بنا دیا۔ اب وہ جانے کی اجازت چاہتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اور کہا

"اور میں نے آپ کو تکلیف دی، اور تمہارے دکھی دل کو چھیڑا بہن معاف کرنا! شاید ماسٹر صاحب کی بیوی کا جی ابھی نہیں بھرا تھا۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھیں

انھوں نے ماں کو روکا لیکن اس نے کام کا بہانا کیا۔

"کبھی کبھار تو آجایا کیجئے یہاں رہتی ہیں آپ؟"

"کیا کہیں اور کہاں رہیں بہن! اپنے اپنے نصیب کہاں۔ میں آپ کو یاد بہن کہہ رہی ہوں۔ مجھے تو اسی سے ڈر لگتا ہے کہ آپ ناراض نہ ہو جائیں"

"کیوں! اس میں ناراض ہونے کی کون سی بات ہے؟"

"شاید ابھی آپ سمجھیں نہیں، ابھی ناراض ہونے کی یہ بات ہے کہ میں کوئی شریف نہیں کوئی آپ کی ذات برادری کی نہیں"

"اوہو" ماسٹر صاحب کی بیوی نے بات کاٹ کر کہا

"آپ تو بہت دور چلی گئیں۔ سب سہی لیکن آپ شریف تو ہیں"

"آپ کیا معلوم آپ مجھے شریف سمجھتی ہیں یا نہیں؟ یہ بات تو آپ کے لئے ہے کیونکہ میں رنڈی بھی تو ہوں!"

یہ سنکر ماسٹر صاحب کی بیوی چپ ہو گئیں۔ لیکن پھر فوراً ہی کہا

"کبھی آ جایا کیجئے گا تو دو دو باتیں کر لیں گے، کیا آپ میں کوئی چھوت تھوڑا ہی بھرا ہے"

اس کے بعد ہم چلے آئے، گھر سے نکلنے کے بعد میری ماں مجھے بہت زیادہ مطمئن معلوم ہوئی، ایسا معلوم ہوا کہ اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔ یا کسی کٹھن معاملہ میں وہ کسی اچھے نتیجہ پر پہنچ گئی ہے۔ وہ مسکرائی، سر ہلایا، اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا رام داس! تم بھاگ کے اسکول چلے جاؤ! میں آہستہ آہستہ گھومونگی اور ہاں، دیکھو، ماسٹر صاحب سے کہنا کہ آپ کو میری ماں نے بلایا ہے"

میں نے ایسا ہی کیا، پہلے تو وہ مجھ پر بہت گرم ہوتے نظر آئے، اور کہا "ابے تیرے باپ کے نوکر ہیں۔ اسی طرح ہم سب کے گھر پھرتے رہیں تو کام کیسے چلے" لیکن پھر ٹھنڈے پڑ گئے، اور میرے باپ نہ ہونے کا احسان رکھ کر آہستہ سے پوچھا "تو رہتا کہاں ہے؟"

میں نے ٹھکانا بتلایا اور جماعت میں چلا گیا۔

(۲)

رات کے کوئی آٹھ بجے کا وقت تھا، سردی تھوڑی بہت پڑنا شروع ہو گئی تھی۔ میں لیمپ سامنے رکھکر، کمرے میں فرش پر بیٹھا، کتاب کھولے اونگھ رہا تھا سامنے میری بہن کمبل کے اندر لپٹی پڑی سو رہی تھی، کبھی کبھی اس کی چارپائی کی طرف بھی للچائی نظروں سے دیکھ لیا کرتا تھا۔ لیکن چونکہ ماں کا ڈر ہر وقت ساتھ تھا اس لئے کبھی کبھی مجھے چونک بھی جانا پڑتا، اور یوں تو جب کبھی میرا سر اونگھ میں جھکتے جھکتے لیمپ کی جلتی ہوئی چمنی سے جا ملتا تو مجبوراً مجھے چونکنا ہی پڑتا میں چونکتا، جلدی جلدی کتاب کے دو ایک ورق ادھر ادھر الٹتے پلٹتے سیدھے بول بڑبڑاتا، اور پھر اپنے کام میں لگ جاتا، جب کتاب کے سارے ورق ختم ہو جاتے تو پھر سے شروع کر دیتا۔ غرضیکہ ایک چکر تھا جو نہ جانے کب ختم ہوتا کہ میرے کان میں آواز آئی۔ "رام داس" میں نے اسے ماں کی آواز سمجھا اور بھید کھل جانے کے ڈر سے ذرا چست ہو کر بیٹھا، اور چلانے سے زیادہ جھوم کر اور جھومنے سے زیادہ چلا کر پڑھنا شروع کر دیا۔

ہاں میں کچھ دیر تو ہو ہڑب ہوتی رہی لیکن اس کے بعد ہی چھوٹے لڑکے چھانٹ دئے گئے، اور انھیں گھر چلا جانے کی اجازت دیدی گئی، اس سے زیادہ خوشی کی بات اب اور کیا تھی، ہم لوگوں نے بھی ہو ہڑب بند نہیں کی بلکہ اسکا منہ گھر کی طرف پھیر دیا۔

گھر پہنچ کر میں نے کیا دیکھا؟ اس سوال کا جواب شاید پوری طرح میں نہ دے سکوں، اس دن کو گزرے ہوئے آج ایک زمانہ ہو گیا، اس کہانی میں جتنے لوگوں کا ذکر ہے، شاید ان میں سے سب اب اس دنیا میں اور کوئی باقی نہیں رہا، لیکن پھر بھی جب اس دن کو یاد کرتا ہوں۔ تو ہر ایک کی پوری تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کل کی بات ہے اس ایک دن نے میری زندگی کے سارے دن بھلا دئے۔

میں نے گھر میں اوپر پہنچ کر دیکھا، ماں والے کمرے کے باہر بیٹھک میں دالان کے سامنے میری ماں اور ماسٹر صاحب، اور اسی طرح اندر کی جانب ماسٹر صاحب کی بیوی اور سیٹھ بابو لال، کھڑے تھے، ماسٹر صاحب کی بیوی کا سر زمین میں گڑا ہوا تھا، سیٹھ جی اور ماسٹر صاحب ایک دوسرے کو گھائل شیر کی طرح دیکھ رہے تھے، اور میری ماں ان دونوں کے تیکھے اور چڑھے ہوئے تیوروں کا غور سے اندازہ لگا رہی تھی۔

اس حالت میں میں بھڑ بھڑاتا ہوا اوپر پہونچا سب کے سب میری طرف مڑ گئے، ماسٹر صاحب نے زہر کر پوچھا "کیوں، رام داس! کیا میٹنگ ختم ہو گئی" انھوں نے جواب کی پرواہ نہیں کی اور ٹوپی ٹھیک کرتے ہوئے نیچے اتر گئے۔!!

قومی جھنڈا

سلسلۂ گذشتہ

حسن رشدی علیگ

تیسرا ایکٹ

[ایک دن بعد۔ شام کا وقت۔ وہی کمرہ۔ حیدر لیٹا ہوا ہے۔ اسے بخار چڑھ رہا ہے۔ مجید اسکے قریب بیٹھا ہاتھ دبا رہا ہے۔ ہیرو سر میں تیل دے رہی ہے۔ بوڑھا آنکھیں بند کئے پڑا ہے مگر بخار میں کہتا جاتا ہے]

حیدر۔ ناپاک۔ گندے۔ . . . . . . گندے ہاتھوں میں قومی جھنڈا۔ نہیں ہرگز نہیں ——— گولی چلاؤ۔ اتنے آدمیوں کو مار کر کیا ایک آدمی کو مارتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے [زور سے اٹھنے لگتا ہے مگر آنکھیں بند ہیں] اگر آگے بڑھے تو اچھا نہیں ہوگا جھنڈے کو تم ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ مجھے . . . . مار . . . . ڈالو۔

[ہیرو پریشان ہوتی ہے]

ہیرو۔ بابا، بابا، طبیعت تمہاری کیسی ہے پانی پی لو۔

[حیدر آنکھیں کھول دیتا ہے۔ ہیرو پانی پلا دیتی ہے۔ حیدر کی آنکھیں پھر بند ہو جاتی ہیں۔ وہ پھر بکنے لگتا ہے]

حیدر۔ موت کے فرشتو گواہ رہنا۔ میں نے جھنڈا نیچے نہ ہونے دیا قومی جھنڈا! آہ آزادی کا جھنڈا کبھی نیچا ہو ہی نہیں سکتا۔ . . . . نہیں . . . . . ہرگز . . . نہیں . . . . . نہ . . . .

[سو جاتا ہے]

مجید۔ آنکھ لگ گئی ہے۔ گھبراؤ مت ہیرو بخار کم ہو رہا ہے۔

[دروازہ پر کسی کے کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے بوڑھے حیدر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ ایک نوجوان آدمی آہستگی سے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ بوڑھا پہچاننے کے لئے اپنے دماغ پر زور دیتا ہے۔ مجید کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہیرو بھی مجید کو دیکھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ نووارد چارپائی کے پاس آتا ہے]

نووارد۔ میرے عزیز بھائی تم کیسے ہو۔

[حیدر نہ پہچان کر پریشان ہوتا ہے]

مجید۔ چچا یہ ہماری قومی انجمن کے موجودہ صدر ہیں۔

[حیدر گھبرا کر کھڑا ہو جاتا ہے]

حیدر۔ صدر . . . . قومی انجمن کے صدر . . . . . میرے محترم [کمزوری کی وجہ سے پیر لڑکھڑا جاتے ہیں۔ صدر بڑھ کر اسے سہارا دیتا ہے۔]

صدر۔ میرے بھائی تم لیٹ جاؤ ابھی تم کمزور ہو۔ [حیدر چارپائی پر گر پڑتا ہے۔ اس کا دم ٹوٹنے لگتا ہے۔ صدر مجید کی طرف دیکھتا ہے۔ مجید پانی لاتا ہے۔ ہیرو رونے لگتی ہے]

صدر۔ قوم کے بہادر سپاہی اگر تمہاری کوئی دلی خواہش ہو تو کہو۔

[حیدر کی زبان لڑکھڑاتی ہے، وہ آنکھیں کھول دیتا ہے ہاتھ کے اشارے سے صدر کو سلام کرتا ہے]

حیدر۔ صدر . . . . ج . . . . . محترم

صدر۔ ہاں ہاں کہو۔ تم قوم کی عزیز ترین ہستی ہو۔

حیدر۔ میرے . . . . صدر . . . . قبر پر . . . . . قو . . . . می . . . . . جھنڈا!

[اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ ہیرو چیخ مار کر لپٹ جاتی ہے۔ مجید سکتے میں کھڑا رہتا ہے۔ صدر رومال سے پسینہ صاف کرتا ہے]

[پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے]

مبارک موقعوں پر
شادی کا موقع زندگی کی سب سے بہترین گھڑی اور خوشی کا وقت
پیش کرتا ہے اور ہر شخص کو اس میں موجود ہو کر اپنی نیک اندیشی اور
دلدہی کا اظہار کرنا چاہیئے کوئی مذائقہ نہیں خواہ آپ نزدیک ہوں یا
دُور ریلوے نے آپ کے سفر کا انتظام کر دیا ہے جو کہ صرف سستا ہی
نہیں بلکہ آرام دہ بھی ہے۔ اس خوشی کے دن کو ایک تکلیف دہ
سواری سے برباد نہ کیجیئے۔ پھر ریل پر اطمینان سے
سفر کیجیئے۔
ریلو
ہندوستان میں سفر کرنے کا سب سے سستا ذریعہ
R.B.K.14
E

پڑھنے لکھنے کی ضرورت ہے۔ جاڑوں بھر ہمیں پڑھنا لکھنا سیکھنا چاہئے۔ اور سیاسی معلومات اور جدید کاشتکاری کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہئے ہمیں اور کتابوں اور کاپیوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عورتوں میں پڑھنے لکھنے کی خواہش بہت زیادہ ہے۔ اب جب کہ ہمکو ملک کے کاموں اور اقتصادی باتوں کے انتظامات میں حصہ لینا پڑ رہا ہے ایسی حالت میں تعلیم فرصت کا مشغلہ نہیں بلکہ بے انتہا ضرورت کی چیز ہے۔ ایسی ہی جیسے کہ ایک پیاسے آدمی کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس تعلیمی مہم کا کچھ اندازہ ان اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے آذربائیجان میں ۱۹۲۰ء میں ۱۴٫۰۳ پڑھے لکھے لوگ تھے جن میں ۴ء۳ عورتیں تھیں ۱۹۳۲ء میں پڑھے لکھوں کی تعداد ۳۹۶۶۸۵ ہو گئی جن میں ڈیڑھ لاکھ عورتیں تھیں۔ تاتار کی جمہوریہ میں زار کے زمانہ میں صرف پانچ فیصدی پڑھی لکھی عورتیں تھیں۔ آج وہاں ستر فیصدی عورتیں ایسی ہیں جو پڑھنا لکھنا جانتی ہیں۔

آدمی کو خواندہ بنانے سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی تعلیم ایسے ڈھب سے جاری رکھی جائے کہ وہ آگے چل کر سماج کا ایک مفید فرد بن سکے۔ سوویٹ روس میں تعلیم بالغین کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ جو لوگ صرف پڑھنا لکھنا جانتے ہیں، انکو اتنی تعلیم دیدی جائے جو دو، سے لیکر چار سال تک کی اسکول کی ابتدائی تعلیم کے برابر ہو۔ اس لئے ابھی وہاں کام کرنے والوں کتابوں اور جگہ کی کمی ہے صنعتی مرکزوں میں اچھے نوجوان آدمیوں سے جو اپنی ابتدائی تعلیم ختم کر چکے ہوتے ہیں، یہ کام لیا جاتا ہے۔ یہ کام ان کے سماجی فرائض کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے

سوویٹ روس کے ہر خواندہ مزدور کو کسی نہ کسی طرح کا سماجی کام کرنا ہوتا ہے۔ زراعتی حلقوں میں جہاں اس کام کے لئے والینٹیر ملنا مشکل ہوتا ہے تنخواہ دار مدرس رکھے جاتے ہیں۔ ان اعزازی کام کرنے والوں کیلئے جہالت دشمن انجمن سرکاری محکمہ تعلیم کی مدد سے تعلیمی درجے کھولتی ہے جنمیں تعلیم دینے کے طریقے، کتابوں کا انتخاب کرنے کے لئے اصول و سائنس کے آلہ جات کا استعمال اور اس قسم کی اور باتیں سکھائی جاتی ہیں۔ یہ کام سند یافتہ مدرسین کا ایک سماجی فرض ہے۔ علاوہ ان کو ماہرین تعلیم سے امداد ملتی ہے اور پڑھنے کے لئے اعلیٰ تعلیم بالغین پر کتابیں دی جاتی ہیں۔

حال ہی میں جہالت دشمن انجمن اور محکمہ تعلیم نے آپس میں کام بانٹ لیا ہے اب انجمن کا کام یہ ہے کہ جو لوگ معمولی طور پر خواندہ ہیں انکی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرے بالغین کے اسکولوں کے لئے جگہ اور ضروری سامان فراہم کرے اس کے لئے روپیہ کا انتظام کرے۔ اعزازی مدرسین کی تلاش کرے اور اس بات کا انتظام کرے کہ طلباء اور مدرسین دونوں وقت کی پابندی کے ساتھ اپنا اپنا کام کرتے رہیں۔ محکمہ تعلیم مدرسین کو پڑھانا سکھاتا ہے کتابوں کا انتظام کرتا ہے اور نصاب وغیرہ مقرر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتدائی درجوں میں اعزازی مدرسین

کام کرتے ہیں اور طانوی تعلیم کے مدرسوں میں تیس فیصدی مدرسین تنخواہ دار ہیں

ان اسکولوں کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کے نصاب کو جسکے پڑھنے میں معمولاً دس سال لگتے ہیں ساڑھے تین سال میں مکمل کر دیا جائے۔ دیہی علاقوں میں سال تقریباً پانچ مہینے کا ہوتا ہے۔ اپریل سے نومبر تک اور گرمیوں میں کھیتی کے کام کے وقت پر پڑھائی ہوتی ہے بعض وقت تازہ کانفرنس کی قرار داد یا نئے احکامات یا اسی قسم کی اور تازہ باتوں پر غور کرنے کے لئے سیاسی کلاسیں بھی ہوتی ہیں۔

تعلیم بالغین کا ایک اہم جزو کسان مزدور نامہ نگار تحریک ہے۔ کارخانے کی ہر دوکان اور فارم میں کام کرنے والوں کے ہر جتھے کا اپنا نامہ نگار ہوتا ہے اور اس کا کام ہے کہ وہ ہر اس مسئلہ پر جس کا اثر کارخانہ یا فارم میں کام کرنے والوں کے اوپر پڑتا ہے۔ پریس کے لئے مضمون لکھے۔ جب وہ لکھنا شروع کرتا ہے تو اس کو لکھنے سے دلچسپی ہونے لگتی ہے، اور وہ یہ علوم کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ دوسرے لوگ کس انداز سے لکھتے ہیں۔ اس سے بحثوں کے لئے مضمون نکلتے ہیں، اور پھر بہت سے لوگ آ کر ایک جگہ اکٹھے ہونے لگتے ہیں، اور پڑھنے میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اکثر وہ اپنے فارم یا کارخانے میں مصنفوں کو بلاتے ہیں جو اپنی اپنی کتابیں انھیں سناتے ہیں اور اس کے متعلق ان سے بحث کرتے ہیں

دوسری چیز جس سے تعلیم میں امداد ملتی ہے لاسلکی ہے روسی گھروں میں ریڈیو شاید ہی کبھی بند رہتا ہو۔ اس کے ذریعہ وہاں روسی اور باہری زبانوں میں سبق دئے جاتے ہیں۔ قدرتی اشیا، کی معلومات تاریخ جغرافیہ اور سیاست پر مضامین نشر کئے جاتے ہیں، کلب گھروں میں تمدنی اور علمی تعلیم کا انتظام ہوتا ہے۔ یہ کلب گھر ہر صنعتی اور زرعی ادارے میں پائے جاتے ہیں۔ ہر کلب گھر میں ایک بچوں کا حلقہ ہوتا ہے جہاں والدین اپنے بچوں کو رکھ سکتے ہیں۔

ایک بالکل نئے قسم کا تعلیمی ادارہ "کسان گھر" ہے یہ تقریباً ہر بڑے شہر اور سرکاری اور اجتماعی فارموں میں ہوتا ہے اس گھر میں کسانوں کو اصلاحی مشورے اور اسی قسم کی دوسری خاص معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں، ان گھروں میں ایسی چیزیں بھی رکھی جاتی ہیں۔ جو زرعی اقتصادیات سے متعلق ہوتی ہیں۔ مثلاً اناج کی صفائی کرنا اور اس کو حفاظت سے رکھنا۔ مختلف فصلوں کے امراض ان کے اسباب اور روک کے طریقے وغیرہ۔ وغیرہ۔

تصویر کے دو رخ

ایک سیاح نے جو حال ہی میں کناری جزائر کے بندرگاہ راس پالماس میں گیا تھا اور جسکو اندرونی اضلاع میں جانے کی اجازت نہیں ملی تھی فرانکو کی حکومت کی کارگزاریاں بیان کی ہیں

قرق اور نیلام ہو سکتی ہے

نمبر سلسلہ وار	نوعیت جائداد	وسعت حقیت خواہندہ	کیفیت
۱	بیل	۱۵ راس	
۲	بچھڑا	ایک	
۳	گائے	دو راس	
۴	بچھیا	ایک	
۵	بٹولا گھٹ	دو	
۶	بٹولی گٹ	۳ عدد	
۷	تھالی پھول	۴ عدد	
۸	گڑوا پھول	ایک عدد	
۹	بٹولا پھول	دو	
	جائداد منقولہ مظہر مہاجنان		
۱	بیل گاڑی	ایک منزل	[illegible]
۲	بیل گاڑی گڑ	دو راس	[illegible]
۳	بیل جوتو	۸ راس	[illegible]

دستخط حاکم عدالت (بخط انگریزی)

مہر عدالت

فرصت کے اوقات ہنسی خوشی گذارنے
زندگی کو خوشگوار بنانے اور تفکرات کو دور کرنے
کے لئے ہندستان کے مشہور مزاح نگار
حضرت شوکت تھانوی
کی ادارت میں شائع ہونے والے ہفتہ وار مجلہ
سرپنچ
لکھنؤ
کی خریداری فرمائیے
چندہ سالانہ ۳ روپے
سرپنچ جنرلس لکھنؤ

گارنٹی شدہ انعام

ہر صحیح حل کیلئے مبلغ پچاس روپے سے زیادہ حل کیلئے مبلغ پچاس روپیہ۔ سب سے پہلے صحیح حل کیلئے مبلغ پچاس روپیہ کا ایک درخاص انعام۔

		۱۶
	۱۲	
۹		

حل کیا کرنا ہے سامنے دیئے ہوئے نو خانے مربع ہیں ایک سے لیکر سو تک کے ہندسوں میں کوئی سے ہندسے ایسی ترتیب سے رکھئے کہ تین ہندسوں کی لائن کو خواہ کسی طرف سے جمع کریں جواب ۳۶ آئے۔ دیئے ہوئے ہندسوں کی جگہ تبدیل نہیں کیجا سکتی۔ صفر اور بٹہ استعمال نہیں ہو سکتے کوئی ہندسہ دوبارہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

شرائط فیس داخلہ ہر حل کیلئے ۸ فی حل کے حساب سے بذریعہ منی آرڈر آنا چاہئے منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ لکھنا لازمی ہے۔ حل سفید کاغذ پر بھیجے جا سکتے ہیں۔ صحیح حل ایڈیٹر صاحب کے پاس سر بمہر کر کے رکھدیا گیا ہے۔ حل ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء تک ڈاک میں ڈال دینے چاہئیں۔ اسکے بعد بھیجا ہوا کوئی حل منظور نہ ہو سکیگا۔ صحیح حل ۲۶ جنوری تک شائع کر دیا جائے گا۔ مینیجر صاحب مہر کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل تسلیم ہوگا ہر جواب طلب امر کے لئے ارکا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ ایک شخص ایک یا مختلف قسم کے حل جتنے چاہے بھیج سکتا ہے۔ حل اور منی آرڈر بھیجنے کا پورا پتہ۔

مینیجر صاحب رسالہ گلشنہ نمبر ۹ سبا تھو شملہ

تحفہ محبت

اگر آپ دولت، ثروت، اثر و رسوخ، عزت کے مسلسل و متواتر کوششوں کے باوجود ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تو مایوس اور شکستہ دل ہونے کی بجائے ہمارا تعویذ محبت منگا کر اسکی روحانی برکت سے فیض یاب ہوں، مقدمہ سے فتح، عشق خواہ آہنی قلعہ یا بند ہو سات روز کے اندر شرطیہ آپ سے ملیگا۔ جناب سلطے پوڈی۔ بی۔ ٹی ہیرالال لیس ڈی صاحب نادون تحریر فرماتے ہیں۔ "تعویذ ملا، اسکی سریع التاثیری دیکھ کر اس مادی زمانہ میں بھی روحانی قوت کا اعتراف کرنا پڑا"۔ ہدیہ صرف عہ علاوہ محصول ڈاک۔ خلاف تحریر ہونے پر قیمت واپس

مینیجر موہن بھنڈار رجسٹرڈ نمبر ۳۴ ریلوی روڈ لاہور

ایک روپیہ میں ایک ہزار اشتہار چھپواؤ

پنجاب بھر میں سب سے سستی اور اعلیٰ چھپائی کرنیوالی واحد فرم

نرخ چھپائی اور اشتہارات معہ اعلیٰ رنگین کاغذ

سائز اشتہارات	۱۰۰۰	۲۰۰۰	۴۰۰۰
۱/۲ ۴ × ۱/۲ ۵	۰ ــ ۱	۰ ــ ۲	۸ ــ ۳
۹ × ۱/۲ ۵	۰ ــ ۲	۸ ــ ۳	۰ ــ ۵
۱۱ × ۹	۸ ــ ۳	۰ ــ ۵	نرخ بذریعہ خط و کتابت
۱۸ × ۱۱	۰ ــ ۵	۰ ــ ۸	

زیادہ کام کے لئے علیحدہ نرخ۔ نرخ ہر صورت میں تمام پیسوں سمیت۔ نصف قیمت پیشگی بھیجیں پتہ

اگروال سٹور نمبر ۱۱ سبا تھو شملہ

سنپیرا ناچ

آل انڈیا طلبا کی موسیقی کانفرنس لکھنؤ میں جوبلی ہائی اسکول کی ایک لڑکی مس ڈالی بنرجی سنپیرا ناچ کا مظاہرہ کر رہی ہے

کلکتہ میں جواہر لال آل انڈیا طلبا کی کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کرنے جارہے ہیں

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings Qaisarbagh, Lucknow.

جدید مطبوعات جامعہ

مضامین محمد علی—مرتبہ محمد سرور صاحب پروفیسر جامعہ یہ اس دور کی تاریخ ہے جب ملت اسلامیہ کے تن مردہ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑی اور برسوں کے خوابیدہ مسلمان جاگ اٹھے—قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

دنیا کی کہانی—از پروفیسر محمد مجیب صاحب—اس مختصر سی کتاب میں ہزاروں برس کی تاریخ اس انداز سے لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والا بادشاہوں کی لڑائی اور لڑائیوں کے گورکھ دھندے میں پڑے بغیر وہ سب سمجھ جاتا ہے جو تاریخ کا اصل مفہوم ہے—قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

شہری آزادی از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب—یہ ایک کتابچہ ہے جسمیں بیرونی ممالک کی انجمنوں اور اُن کے شہری حقوق کا ذکر کرتے ہوئے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسطرح موجودہ حکومت ہندوستانیوں کو ان کے اُن حقوق سے محروم کرنے کے لئے درپے ہے جن سے ان کی زندگی وابستہ ہے—قیمت ۳ آنہ

ہندوستان میں برطانوی حکومت—از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب—یہ تو سب جانتے ہیں کہ برطانیہ ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ کس طرح اور کس حد تک ہمیں لوٹا جارہا ہے اسکے سمجھنے کے لئے یہ کتاب پڑھئے جسمیں برطانوی سامراج کی اقتصادی اور مالی پالیسی کا تجزیہ کیا گیا ہے قیمت ۸ آنہ

ہندوستان میں دیہی قرض—مصنفہ پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے—اس چھوٹی سی کتاب میں قرض کے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسان کی کیا حالت ہے ایک گاؤں کی مفصل تحقیقات بھی پیش کی گئی ہے—قیمت ۳ آنہ

مکتبہ جامعہ
دہلی-نئی دہلی-لاہور-لکھنو

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد فخری پرنٹر عمدۃ المطابع پرائی پرنٹر لکھنؤ سے چھپوا کر بھیشر لائبہ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳—نمبر ۳ | کانگرس کا ہفتہ‌وار اخبار—لکھنؤ ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپے

جوانمرد و جواں دل

الہ‌آباد میں سیلاب زدہ علاقہ کے امدادی میلہ میں جواہر لال میری گو راؤنڈ پر بیٹھے ہیں

صدر کانگریس سبھاس چندر بوس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرنے کیلئے بمبئی سے روانہ ہو رہے ہیں

بد نصیب ترین

ہزاری باغ کے نزدیک دھرادون اکسپریس کا ایک منظر — یہ درجے حادثہ کے بعد تقریباً ۲۶ گھنٹہ تک مسلسل جلتے رہے

گاندھی جی کا ہدایت نامہ

اقلیتوں کا اور خاص کر مسلمانوں کے حقوق کا مسئلہ کانگرس کے سامنے ہمیشہ بہت اہم رہا ہے اس کے حل کرنے کے لئے وہ برابر قرار دادیں پاس کرتی رہی ہے لیکن اب کانگرس کی حیثیت عملی جماعت کی ہوگئی ہے اور آٹھ صوبوں میں کانگرس کی وزارتیں قائم ہوگئی ہیں۔ ان قرار دادوں کو عملی رنگ دینے کا کوئی خاص نقشہ تو کانگرسی حکومتوں کے سامنے تھا نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کے بعض بعض شعبوں سے مسلمانوں کو کچھ شکایتیں ہوگئیں۔ ان شکایتوں کا کانگرس ورکنگ کمیٹی کو بھی احساس تھا۔ اور اس نے مسلم لیگ سے یہی سوچ کر بات چیت چھیڑی تھی کہ کوئی صورت نکالی جائے لیکن لیگ نے بات چیت کرنے کی شرط یہ قرار دی کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی تنہا نمائندہ جماعت مان لی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ ایسا تھا کہ کوئی قومی جماعت اس کو منظور نہیں کر سکتی تھی۔ کانگرس نے بھی اس کو نامنظور کر دیا۔ بات چیت چھیڑنے کی کوشش سے ایک فائدہ ضرور ہوا، وہ یہ کہ یہ بات صاف ہوگئی کہ مسلم لیگ اور کانگرس کی لڑائی میں فساد مسلم لیگ کی طرف سے ہے کہ وہ صلح کرنا ہی نہیں چاہتی

جب اس بات چیت کی طرف سے مایوسی ہوگئی تب ضرورت پڑی کہ ان قرار دادوں کی بنیاد پر کوئی عملی راستہ تیار کیا جائے۔ یعنی یہ کہ مسلمانوں کو حقوق کیا کیا ہیں؛ اور ان کی حفاظت کا ذریعہ کیا اختیار کیا جائے۔ خبر ہے کہ گاندھی جی نے ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ایک ہدایت نامہ تیار کیا ہے۔ اس کی خاص باتیں یہ ہیں کہ اقلیتوں کو اور خاص کر مسلمانوں کو لوکل بورڈوں (میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں وغیرہ) میں کیا حقوق ملنا چاہئیں، ملازمتوں میں مسلمانوں کے تناسب کا خیال رکھا جائے اور مسلمانوں کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی جائے۔ جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں مسلمانوں کے لئے خاص طور سے اسکول کھولے جائیں باجہ اور گاؤکشی کے لئے یہ ہدایت ہے کہ باجے کے معاملہ میں مسلمانوں کی دل آزاری نہ کی جائے، اور گاؤکشی بھی اس طرح ہو کہ ہندوؤں کی دل آزاری نہ ہو۔ جھنڈے کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پبلک عمارتوں پر اسوقت جھنڈا نہ لگایا جائے جب تک بلا اختلاف رائے لوگ نہ مان لیں۔ بندے ماترم کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کانگرس نے اس گیت کے وہ حصے نکال دیئے ہیں جن پر مسلمانوں نے اعتراض کیا تھا۔ اس لئے اب امید ہے کہ مسلمانوں کو اس گیت سے کوئی اختلاف نہ ہوگا۔

اس خبر پر ہم اسوقت تک کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں جب تک ہم کو مفصل نہ معلوم ہو جائے، اور جب تک کانگرسی حکومتیں اس پر باقاعدہ عمل نہ کرنے لگیں۔ لیکن جتنی خبر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایت نامہ ایک حد تک مسلمانوں کی کل شکایتیں دور کردے گا۔

لیکن مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو اطمینان دلانے کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ کانگرسی حکومتیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے لگیں بلکہ ہم کو یہ سوال اور دور تک حل کرنا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی بات تو یہ صاف کرنا ہے کہ سوراج ملنے پر عملی طور پر ہم اقلیتوں کو کیا کیا حقوق دیں گے اور کیا کارروائیاں کریں گے۔ جو انکا کلچر، مذہب، زبان وغیرہ نہ صرف محفوظ رہے بلکہ اپنے راستہ پر ترقی کرسکے۔ یہ ضرور ہے کہ سر دست ہم اس سوال کا جواب مفصل نہیں دے سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایک سرسری خاکہ بنا سکتے ہیں۔ اس خاکہ کے بنا دینے سے یہ ہوگا کہ رام راج، ہندو راج، اور اس قسم کا جو غلط پروپیگنڈا کانگرس کے خلاف فرقہ پرست جماعتوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے ختم ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ عوامی رابطہ کیسے ہو اور اسی غرض سے اقلیتوں کو اور خاص کر مسلمانوں کو سیاسی تعلیم کیسے دی جائے۔ اس میں تو کچھ شبہ نہیں کہ اس سال کانگرس میں مسلمانوں کی تعداد اگلے سے بڑھ گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کانگرس کے فائدے معلوم ہو رہے ہیں لیکن صرف ممبروں کی تعداد بڑھ جانے سے ہم کو خوش نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ وہ ملک کی جدوجہد میں کسی دوسرے فرقہ سے پیچھے نہ رہیں۔ اس کے لئے انکو سیاسی تعلیم دینے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ایک بہت اہم مسئلہ یہ ہے کہ کانگرس کی تنظیم کی بعض کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر بہت سے فرقہ پرست حضرات کانگرس میں گھس آئے ہیں اور انھوں نے بہت سے غیر سیاسی اور اقتصادی مسئلوں کو کانگرس میں ٹھونس دیا ہے۔ اسکی وجہ سے کانگرس کو آگے بڑھنے میں اور زیادہ جارحانہ کارروائیاں کرنے میں بہت سی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں ان رکاوٹوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض بعض جگہوں پر مہاسبھا اور کانگرس کا روپ رنگ ایک سا نظر آتا ہے اسلئے ایک سوال یہ بھی ہے کہ کانگرس کی تنظیم کس طرح ہوگی جو ایسے حضرات کا کانگرس میں ٹھکانہ نہ رہے۔

ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ کانگرسی کاموں میں کچھ ایسے کام بھی بڑھا دئے جائیں جنکا مسلمانوں سے زیادہ تعلق ہے جیسا مسلمانوں کی بڑی سی تعداد شہروں میں آباد ہے، اور یہ لوگ غریب مزدور یا چھوٹے کاروباری ہیں انکی عورتیں بے وسیلہ بیٹھی ہیں۔ اور بے کار رہتی ہیں۔ یہ لوگ مہاجنوں کے قرضوں میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں اور سود در سود ادا کرتے چلے جاتے ہیں مگر قرضہ ادا ہی نہیں ہوتا، کانگرس کا اور کانگرسی حکومتوں کا ایک کام یہ بھی ہونا چاہئے کہ ان کی عورتوں میں دستکاری رائج کرے، اور انکی بنائی چیزوں کے لئے بکری کا انتظام کرے اور ان کے قرضے کی معافی کی صورتیں نکالے، اور کم سود پر قرضہ دینے کے لئے بنک قائم کر دے۔ ان کی رہائش کے لئے اچھے سستے مکان تیار کرائے۔ غریبوں کے محلوں کی صفائی کی ذمہ داری لے اگر ان سوالوں کو ادھر کانگرس نے اٹھایا، ادھر مسلمان عوام اس کے ساتھ ہوئے۔

سندھ کی کھینچ تان

سندھ کی قانون ساز جماعتوں کی اندرونی سیاست تو ایسی ہے جو شاید اس کے بہت سے ممبروں کو بھی نہ معلوم ہو مگر ان کے سنسنی خیز ہونے میں کوئی شبہ نہیں اسمبلی کا پہلا دن یہ تھا کہ سر غلام حسین ہدایت اللہ نے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ میں نے مسلم لیگ کی ممبری سے استعفا دیدیا۔ اور صرف یہی نہیں، بلکہ انھوں نے مخالف پارٹی کی لیڈری بھی چھوڑ دی۔

اس سے زیادہ ڈرامائی رنگ سندھ کے وزیر اعظم کی تقریر میں تھا۔ انھوں نے بہت جوش سے اپنی وزارت کی حمایت کی۔ اور ساتھ ساتھ یہ عجیب و غریب خبر سنائی کہ یہ سازش کی گئی تھی کہ اگر وہ مسلم لیگ کے ممبر نہوں تو انکی جان لے لی جائے۔ آگے چلکر وزیر اعظم نے کہا۔

" مجھے مرجانا منظور تھا۔ مگر مسلم لیگ کے زہریلے اثر میں آنا منظور نہیں تھا۔ میں مرجانے کو مسلم لیگ کی ممبری سے بہتر جانتا ہوں یہ بہت اچھی بات ہے کہ سندھ میں مسلم لیگ مر گئی " جب عدم اعتماد کی تحریک پر ووٹ لیا گیا تو کانگرس پارٹی غیر جانبدار رہی۔ مگر پھر بھی یہ تحریک بہت بری طرح ہار گئی۔

مسٹر جناح کو کوفت

مسلم لیگ کی موت کی خبر ایسے صوبے میں جہاں اسی فیصدی مسلمان ہوں، مسلم لیگیوں کے لئے، اور خاصکر مسٹر جناح کے لئے کیسی دردناک ہوگی۔ لیکن اس سے بڑا سانحہ وہ الزام ہے جو وزیر اعظم اللہ بخش نے مسلم لیگ پر لگایا ہے جب اللہ بخش کو جیتنے کے لئے سندھ میں مسلم لیگ کا اجلاس لگایا گیا تھا، اور ان پر جال پھینکا جا رہا تھا اس زمانہ میں مسٹر جناح وہیں موجود تھے، اور یہ ذرا عبرت کی بات ہے کہ ان کا ایسا سمجھدار آدمی بھی نہ سمجھ سکا کہ ان میں کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں مسلم لیگ کے خلاف ہونے کے جرم میں کسی کو پیٹ دینا کسی کی جان پر حملہ کرنا یا کسی کی جان لے لینا تو مسلم لیگ کے لئے اب عام بات ہوگئی ہے، ایسے اپنے کارنامے اس کی تاریخ میں کافی آچکے ہیں۔ انکو دیکھتے ہوئے اللہ بخش کے الزام پر حیرت ہوتی ہے اور نہ شک۔

جے پور آزادی کی چنگاری

جے پور نے جمنالال جی کا داخلہ ریاست میں بند کر دیا، جہاں وہ قحط زدوں کی امداد کے لئے، اور ریاستی عوامی سبھا کے جلسے کی صدارت کو جا رہے تھے، جمنالال جی نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ میرے داخلہ کا مقصد ٹکس بندی کی تحریک چلانا نہیں جو مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے۔ بلکہ میرا مطلب صرف قحط زدوں کی امداد ہے، اس بیان کے بعد لوگوں کا ایک وفد بھی راجہ کے پاس گیا۔ مگر راجہ صاحب نے بیان کی کچھ پرواہ نہ کی اور وفد سے ملنے سے انکار کر دیا۔

ریاست کے افسران کس بھول میں ہیں؟ کیا وہ اور ریاستوں کی حالت نہیں دیکھ رہے ہیں؟ انکو نہیں معلوم کہ سارے ہندستان کی ریاستوں میں ایک ابال آگیا ہے، کچھ کی ریاست جو سیاسی جھگڑوں سے کوسوں دور تھی اب اٹھ رہی ہے، اور ۲۶ جنوری سے خود مختاری کی تحریک اٹھانے والی ہے میسور کی تحریک تین مہینے سے چل رہی ہے۔ ہندی، جودھپور، جو رجعت پسندی اور " راجہ پوجن " کے گڑھ رہ چکے ہیں، آج ریاست کے ظلموں کا مقابلہ کر رہے ہیں، ان مقابلوں کو دیکھ کر دوسری ریاستیں ہوشیار ہو رہی ہیں، کاٹھیاوار گجرات، اور بھوپال اس سے سبق لے کر عوام کو اختیارات دے رہے ہیں اور ان اختیارات کو پاکر عوام خاموش ہونے کے بجائے اور قدم بڑھا رہے ہیں ان حالات کو دیکھنے پر بھی جے پور کے کان نہیں کھلتے۔

فیڈریشن کی لپک

والسرائے نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ موجودہ حالات میں ہندستان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ فیڈریشن کو قبول کرے۔

موجودہ حالات کا کیا مطلب؟ . . . .

ہوا میں لڑائی کے بادل گھر رہے ہیں، اور ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ اکبار ساری دنیا میں لڑائی سلگ اٹھے۔ اس لئے والسرائے کی رائے ہے کہ ایسے موقع پر ہنگامہ کرنا مناسب نہیں۔ کس کے لئے مناسب نہیں، انگلستان کے لئے یا ہندستان کے لئے؟ مناسب نہیں ہے تو انگلستان کے لئے۔ کیونکہ اگر ہندستان میں جھگڑے جاری رہے تو انگلستان لڑائی میں بہت کمزور رہے گا، اور تعجب نہیں جو ہندستان اور دوسرے مقبوضات اس کے ہاتھ سے نکل جائیں اسی لئے والسرائے کو اصرار ہے کہ ہم فیڈریشن قبول کرکے خاموش ہو جائیں۔ تاکہ برطانیہ لڑائی جیت کر مضبوط ہو جائے۔ اور پھر ہندستان پر اپنی مضبوطی کی آزمائش کرے۔ ہم جنگ عظیم میں حصہ لیکر رہ کر سبق سیکھ چکے ہیں۔ اور معلوم ہو گیا ہے کہ برطانیہ ان مقبوضات کے ساتھ جو اس سے ہمدردی کرتے ہیں جنگ سے پہلے کیسے کیسے وعدے کرتی ہے، اور بعد میں کیسے پیش آتی ہے

فیڈریشن کو قبول کرنے کے معنی ہیں، ہندستان کی آزادی کی نوج کو جو برسوں کی انتھک محنت اور قربانیوں کے بعد تیار ہوئی ہے معمولی انعاموں پر قربان کر دینا اور ملک کو سمجھا دینا کہ سوراج مل گیا، سوراج یہ نہیں ہے ہمارا اصلی مطالبہ ہے کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی جب تک وہ نہیں ملتی ہے ہم خاموش نہیں

ہوسکتے — برطانیہ کی مجبوریاں ایسی ہیں کہ ہم زیادہ جلد وجہاد کر کے ابتدائی منزل تک بھی پہونچ تو سکتے ہیں۔

پھر انجمن غیر جانبداری

ایم اسپاک نے جو کمیٹی کے صدر تھے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر انجمن اس قابل نہیں ہے کہ وہ اپنے فیصلوں کو منوا سکے تو وہ کمیٹی سے الگ ہو جائیں گے خاصکر رضاکاروں کی اٹلی کو واپسی نہ ہوئی۔

یہ دھمکی بہت پہلے سے دیدینا چاہئے تھی بھلا مسٹر اسپاک ابھی تک انجمن غیر جانبداری کا کام نہیں سمجھے۔ اس نے ہتھیار اور غلہ اسپین بھیجنے کی جو ممانعت کی ہے اس سے جمہوریہ اسپین کو جتنا نقصان پہونچا ہے۔ شاید اٹلی اور جرمنی کی دشمنی سے بھی نہیں پہونچا۔ رہے اٹلی اور جرمنی کے دستے اس کے لئے جمہوریت کے وزیر خارجہ کا بیان ہے کہ میونخ کے فیصلے کے بعد جتنے اسلحہ اسپین گئے پہلے اس سے بہت نہیں گئے تھے۔ شکر ہے کہ مسٹر اسپاک کو اب جوش آیا

پھر ریل کا حادثہ

اٹھارہ مہینوں کے اندر۔ ای۔ آئی ریلوے کا یہ پانچواں حادثہ ہے اب کی دہرہ اکسپریس کی ہزاری باغ اسٹیشن کے قریب شاہستاکی وہاں گاڑی الٹ گئی۔ الٹی ہوئی گاڑیوں میں آگ لگ گئی، اور دس بارہ جانیں ضائع ہوئیں۔ اور زخمیوں کی تعداد تو پچاس تک پہونچی ہے۔ اس حادثہ کی جیسی جیسی تفصیل آتی جاتی ہے ہیبت بڑھتی جاتی ہے آتو لوگوں کو ریل پر سفر کرتے کے لئے بھی جان کا خطرہ ہوگا۔ ریلوے افسروں کو جس طرح بھی ہو ریل کے سفر کو محفوظ بنانا چاہیے۔

پنجاب کی ایک نیکی | پنجاب حکومت نے ایک تعریف کے قابل کام کیا ہے وہ یہ کہ کئی سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ہم تو یہ ذکر کرتے افسوس ہوتا ہے کہ ابھی کانگرسی حکومتوں میں سیاسی قیدی پڑے ہوئے ہیں اور یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ ہمارے کانگرسی بھائی ان قیدیوں کو بھولتے جا رہے ہیں

رشوت کی روک تھام

کچھ دن ہوئے بہار کی حکومت نے اس بات کی تحقیق کے لئے کہ سرکاری دفتروں میں کس طرح رشوت لی جاتی ہے اس کی وجہ کیا ہے، اور وہ کیسے بند کی جا سکتی ہے ایک کمیٹی سید عبدالعزیز کی صدارت میں مقرر کی تھی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی ہے۔ وہ لکھتی ہے کہ رشوت خواری صرف دفتروں میں نہیں ہے بلکہ پراونشل سول سروس اور انڈین سول سروس کے افسروں میں بھی یہ مرض خوب پھیلا ہوا ہے کمیٹی کی رائے میں رشوت کی ذمہ داری تھوڑی بہت پبلک پر بھی آتی ہے جو رشوت دینا برا نہیں سمجھتی۔ اس کے علاوہ کام کے اصولوں کا ایسا سخت ہونا کہ جو کبھی عمل میں نہیں لائے جا سکتے ہیں اور صرف کام کی دشواری بڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹے ملازموں کی تنخواہوں کا کم ہونا اور بڑے افسروں کا خود رشوت خور ہونے کی وجہ سے نگرانی کے قابل نہ ہونا بڑی اہم وجہیں ہیں

کمیٹی نے اس کے تین قسم کے علاج تجویز کیے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تعلیم میں پبلک کو سکھایا جائے کہ رشوت دینے سے کیا خرابیاں بڑھتی ہیں۔ اور اس طرح کام لینا کتنا برا ہے اور دوسرے یہ کہ چھوٹے سرکاری ملازموں کی تنخواہیں بڑھائی جائیں اور اچھی نگرانی کرائی جائے، تیسرے یہ کہ ایک افسر رکھا جائے جو رشوت خواری کی نگرانی کرتا رہے۔ اس کے علاوہ دفتروں کے افسروں اور پبلک کے آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا لی جائے جو نگرانی کرتی رہے ....

اس کے علاوہ دفتر شکایات رکھا جائے اور اس پر جو کارروائی ہو اسکی اطلاع بھی پبلک کو دی جائے۔

ہماری رائے میں اگر پبلک کو صرف اتنا معلوم ہو جائے کہ رشوت خواری پر شکایت کرنا آسان ہے اور ایسی شکایت پر تحقیقات بھی ہوتی ہے تو پھر پبلک کو رشوت نہ دینے کی ہمت پڑنے لگے گی۔ اور یہ جذبہ جتنا جتنا پیدا ہوتا جائیگا رشوت خواری گھٹتی جائے گی۔

نہ یہ شکایت صوبہ بہار کے لیے خاص ہے اور نہ یہ اسباب اور علاج اسلیے اس رپورٹ سے ہر صوبہ کی حکومت کو بلکہ حکومت ہند کو بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

زہر بھرا اٹلی

اٹلی سانپ کی طرح برطانیہ اور فرانس کے جوتوں پر آہستہ آہستہ لپٹتا جا رہا ہے اسپین کی طرف وہ پھر تیزی سے بڑھنے لگا ہے، اور یہ کوشش ہے کہ جلد سے جلد اسپین پر قبضہ ہو جائے تاکہ فرانس پر دباؤ ڈالنے کا ایک اور ہتھیار ہاتھ لگ جائے۔ دوسری طرف جیمبرلین جیسے ہی روم پہونچے سنیر گیاڈا کے اخبار نے مبارکباد کے سلسلے میں یہ بھی کہدیا کہ اٹلی نے فرانس سے جو حقوق مانگے ہیں، انکو اب نہیں چھوڑ سکتا جیمبرلین کو خوش کرنے کے لئے یہ بھی کہدیا کہ یہ حقوق کسی طرح برطانیہ کے مفاد کے خلاف نہیں پڑتے ہیں۔ " ہم بھی جانتے ہیں۔ اور جیمبرلین کو بھی معلوم ہے کہ ٹیونس اور کارسیکا کا مطالبہ ایسا ہے جس کے پورا کرنے کے معنی ہیں کہ بحیرہ روم کو ہاتھ سے دے دینا۔

جیمبرلین کی واپسی

جیمبرلین واپس آگئے ہیں۔ اخبار ڈیلی کا بیان ہے کہ مسولینی سے بات چیت کر کے جب واپس آئے ہیں۔ تو بہت پریشان معلوم ہوتے تھے جو لوگ اخبار میں ان کے چہرے کی خوشی اور رنج کی خبریں پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جیمبرلین کو رنج اسی وقت ہوتا ہے جب وہ ڈکٹیٹروں کو خوش نہیں کر پاتے۔

ابھی تک ٹھیک نہیں معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں بڑے مسئلوں یعنی نہر سویز ٹیونس اور اسپین کے بارے میں کیا بات چیت ہوئی۔ دونوں کا جو مشترکہ سرکاری بیان نکلا ہے۔ وہ کسی بات کو صاف نہیں بتاتا ہے۔

لیکن یقینی ہے کہ جیمبرلین کے سمجھوتہ کی پالیسی وہاں نہیں چل سکی۔ اسکی وجہ صاف ہے مسولینی اپنے مطالبے کم نہیں کر سکتا۔ اور فرانس چیکوسلاوکیہ کا اتنا کمزور نہیں کہ مسولینی ہٹلر اور جیمبرلین ملکر ایسا دبائیں کہ وہ مجبور ہو کر ٹیونس اٹلی کے حوالے کر دے

اسپین کی لڑائی جاگ اٹھی

کچھ دنوں سونے کے بعد فرانکو کو مسولینی نے جگا دیا کیونکہ فرانس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت پڑ گئی، فرانس ایک طرف تو جرمنی سے گھرا ہی ہوا ہے، اب اگر سپین پر بھی اٹلی اور جرمنی کا قبضہ ہو گیا تو فرانس تین طرف سے گھر جائے گا۔ اس لئے وہ اپنی جان بچانے کے لئے سپینی جمہوریہ کو مدد دینے پر مجبور ہے کم از کم اتنی مدد دئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ سپینی جمہوریہ اتنے دنوں تھم جائے کہ دشمن کے جھگڑے دب جائیں۔ اسی خیال سے فرانس سپینی جمہوریہ کی مدد کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مدد کو نہ مسولینی پسند کر سکتا ہے، اور نہ جرمنی۔ کیونکہ اگر اسپین جمہوریت گئی تو فرانس کی طاقت بڑھ جائے گی۔

اس مدد کو تو مسولینی نے ناپسند کیا ہی تھا، اب جرمنی نے بھی دھمکی دی ہے کہ اگر فرانس نے یہ سلسلہ بند نہ کر دیا تو ہم کھلم کھلا اٹلی کا ساتھ دیں گے

فرانس کی بدنصیبی

جب سے دلادیر نے چیمبرلین کی باتوں میں آ کر ہٹلر اور مسولینی کی دوستی کے پیچھے روس کی دوستی چھوڑی تب ہی سے فرانس کے بڑے دن آ گئے۔ دلادیر شاید اسی بھول میں تھے کہ میل کر لینے کے بعد ہٹلر اور مسولینی صرف مشرقی یورپ کی طرف بڑھیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ فرانس کو اس طرح کمزور اور بے یار پاکر دونوں نے اس کو بھی آ دبایا۔ اب فرانس کیا کرے

ہٹلر کے چلتر

ہٹلر بھی اپنی ریشہ دوانیوں میں لگا ہوا ہے، وہ اب یوکرین پر نشانہ باندھ رہا ہے، اس کی چالاکی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ کچھ دنوں تک ایسا معلوم ہوتا رہا کہ پولینڈ نازی دشمن معاہدے میں روس کا شریک بن جائے گا۔ لیکن ہٹلر نے یوکرینی تحریک (یعنی یہ کہ یوکرین کے خطوں کو ملا کر ایک حکومت بنائی جائے)، وہاں بھی دوڑا دی پولینڈ کی آبادی کا ایک حصہ ایسا ہے جو اس تحریک کی بھیک دیکھ کر سر اٹھا لگا اور اسکا اثر یہ پڑا کہ پولینڈ کو جرمنی کی طرف جھک جانا پڑا

دوسری طرف چیکوسلاویکیہ کا وہ حصہ جو ہنگری اور پولینڈ کے بیچ میں یوکرینوں سے آباد ہے، اس میں نازیوں کے کچھ ناز بھرے نوجوانوں نے یوکرینی تحریک کا جھنڈا اٹھا دیا ہے، ہٹلر کی اس میں چال یہ ہے کہ پولینڈ اور رومانیا کے یوکرینی حصہ کو ملا کر ایک کیا جائے اور پھر اس کی مدد سے روسی یوکرین کو جال میں پھانسا جائے۔

قدرتی بات ہے کہ ہنگری اور رومانیا اس تجویز کے خلاف تھے اسی وجہ سے چیکوسلاویکیہ اور ہنگری کے سرحدی جھگڑے اٹھے۔ مسولینی ان تجویزوں میں ہٹلر کے ساتھ ہے۔

لڑائی کی گھٹائیں پھر

اسپین میں دو طرف لڑائی ہو رہی ہے جمہوریہ نے آسٹریا ڈورا میں حملہ آور لڑائی چھیڑ دی ہے، اور ادھر وہ ایک بڑی فتح بھی حاصل کر لی ہیں لیکن دوسری طرف وسیلے ابیرو بالکل باغیوں کے ہاتھ آ گیا ہے، اور کاتالونیا کا جان توڑ بچاؤ کیا جا رہا ہے حالات خراب ہیں مگر جمہوریہ کی ہمت سے امید ہے کہ وہ یوں ہار نہ مانے گی۔ اگر اسپین منطائی طاقتوں کے ہاتھ آ گیا تو سارے یورپ پر سخت ہلچل آ جائے گی۔ اسوقت دلادیر اور چیمبرلین کو سوائے ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔

مصیبت سے بچت

ان بلاؤں سے لڑنا انگریز فرانسیسی اور امریکن آزادی پسند پارٹی کا کام ہے اگر ان پارٹیوں نے اپنی طاقت مضبوط کر لی، اور سپین اور چین کو مدد پہونچاتے رہے تو منطائی طاقتیں بھی رہیں گی۔ اور انکو آگے ہاتھ بڑھانے کا موقع نہیں ملیگا اور الجھ کر رک جانا ہی ان کے لئے زہر ہے۔ کیونکہ اندرونی بیکاری اور غریبی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اگر باہری تماشے بند ہو گئے، اور منطائی ملکوں کے مزدوروں کے سمجھ میں آ گیا کہ لڑائی اور جیت سے روٹی نہیں مل سکتی تو یہ منطائی حکومت کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور اسوقت یہ سارا ڈھونگ بھس بھرا کر بیٹھ جائیگا

چت چلاتے

تماشائی

کھدر بہت بری چیز ہے اس کا سوت کاتنے والے اور کپڑا بننے والے دونوں مسلمان نہیں کانگرسی ہوتے ہیں۔ اسی لیے مسلمانوں یعنی مسلم لیگ کے ممبروں کا اقتصادی پروگرام گاڑھا ہے جس کا سوت مشین بناتی ہے جو صرف لوہے کی بنی ہوتی ہے اس لیے کانگرسی نہیں ہوتی اور جسکو بنتے ہیں وہ لوگ جو مومن کہلاتے ہیں اور جو مومن کہلائے وہ کانگرسی کب ہو سکتا ہے؟

گاڑھے کے پروگرام کو ابھی لوگ سمجھے نہیں ہیں اس میں وہ وسعت ہے جو کھدر میں آ ہی نہیں سکتی ابھی صرف سوت مشین سے خریدا جاتا ہے باقی سب کام مسلم لیگ کرتی یا کراتی ہے۔ اب دو چار سال کے بعد سے شرط ہو جائیگی کہ سوت اسی مل سے خریدا جائے جہاں کا مالک اور سب مزدور مسلمان ہوں، اس کے بعد پھر یہ شرط ہو جائے گی کہ سوت اسی مسلمان مل سے خریدا جائے جو مسلمان بیوپاریوں سے روئی خریدتا ہے۔

پھر یہ شرط ہو جائے گی کہ اسی مسلمان مل سے سوت خریدا جائے جو ایسے مسلمان بیوپاری سے روئی خریدتا ہے جو صرف مسلمان کاشتکاروں سے روئی لیتا ہے۔

پھر یہ شرط ہو جائے گی کہ اسی مسلمان مل سے سوت خریدا جائے جو ایسے مسلمان بیوپاری سے روئی خریدتا ہے جو ایسے کاشتکاروں سے روئی لیتا ہے جو صرف مسلمانوں سے اناج خریدتے ہیں۔

پھر یہ شرط ہو جائیگی کہ ایسی مسلمان مل سے سوت خریدا جائے جو ایسے مسلمان بیوپاری سے روئی خریدتا ہے جو ایسے کاشتکاروں سے روئی خریدتے ہیں جو ایسے مسلمان بنیوں سے اناج خریدتے ہیں جو صرف مسلمان کاشتکاروں سے اناج خریدتے ہیں۔

کتنا سیدھا چلنے والا پروگرام ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے۔

مہاسبھا والے افسوس ہے کہ انھوں نے ساورکر جی کا بھی یہی پروگرام ہے وہ بھی فرماتے ہیں کہ ہندوں کو صرف ہندو دکانداروں سے مال خریدنا چاہئے۔

ہو جاؤ آزاد!

(سلام مچھلی شہری)

آزادی کا ساز بجاؤ — آزادی کا گیت سناؤ
نعرہ آزادی کا لگاؤ — آزادی پر جان لڑاؤ

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

آزادی ہے شان تمہاری — آزادی ہے آن تمہاری
دھرتی سکھ استھان تمہاری — بھارت ماتا جان تمہاری

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

بھارت کیا ہے دنیا اپنی — ساری دھرتی ماتا اپنی
گنگا اپنی جمنا اپنی — دیوی کوہ ہمالہ اپنی

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

بھارت ورش ہے راج تمہارا — چمکے گا قسمت کا ستارا
ڈرسے تمہارے عالم سارا — ہو جاوے گا بارا پارا

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

آج غلامی کیوں کرتی ہو؟ — دشمن کا دم کیوں بھرتی ہو؟
موت سے اپنی کیوں ڈرتی ہو؟ — بے مارے خود کیوں مرتی ہو؟

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

بھارت والوں کا بھارت ہے — ایک ہی ہم سب کی ملت ہے
مل جاؤ گر کچھ الفت ہے — اٹھ جاؤ گر کچھ غیرت ہے

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

توڑ دو قید مذہب و ملت — کر لو پیدا باہم الفت
کیسا مقدر کیسی قسمت — جس کی طاقت اسکی حکومت

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

زور جوانی جوش جوانی — جیسے اک دریا کی روانی
وان آتش یاں سیل نہانی — آؤ ملا دیں آگ سے پانی

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

نظم سلام ہی یہ سنا دو — آگ لگا دو آگ لگا دو
پرچم آزادی لہرا دو! — پھر ہندستان بسا دو!

ہو جاؤ آزاد جوانو ہو جاؤ آزاد!

کانگرس کی ذمہ داریاں

یوپی کانگرس کی کامیابی!

جواہر لال نہرو

برسوں تک کانگرس ایجی ٹیشن کرنے والوں کی جماعت رہی ہے
ایسی جماعت یہ دیکھتی رہتی ہے کہ ہم کو کیا کیا ضرورتیں ہیں۔ اور اس بات
کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیتی کہ وہ ضرورتیں کیسے پوری کی جائیں گی
اور نہ یہ کہ وہ ضرورتیں آپس میں ایک دوسرے کی مخالف تو نہیں ہیں نتیس
سال ہوئے گاندھی جی نے عجیب و غریب طرح سے کانگرس میں روح پھونک
ملا دی۔ اور جیسا جیسا ہم آگے بڑھتے گئے، ہمارے سوچنے کا ڈھنگ بدلتا گیا
اب ہم مطالبوں کے الفاظ پر نہیں بلکہ مطالبہ حاصل کرنے کے طریقوں کو
سامنے رکھکر سوچنے لگے۔ اور جب ہر مطالبہ کے لئے عمل کرنا ضروری ہو گیا تو
ہم مطالبہ تیار کرنے میں اس بات کا خیال کرنے لگے۔ اس طرح ہماری باتوں
اور کاموں میں ذمہ داری آتی گئی

کانگرس کی طاقت بڑھی۔ اور اس کا اثر ہزاروں سے لاکھوں
آدمیوں تک پہونچ گیا۔ اپنے ایک فیصلہ پر وہ سارے ملک کو ہلا سکتی تھی۔
سول نافرمانی چھیڑ سکتی تھی، اور لگان بندی جاری کر سکتی تھی۔ اسی لئے کانگرس
کے عہدیداروں کے لئے اب ذمہ داری سخت ہو گئی۔ ایسی ہی ذمہ داری سے
بھاگنے کے لئے بہت سی جماعتیں اور بہت سے لوگ عملی کام کا خیال چھوڑ
بیٹھتے ہیں۔ اور اپنے کو جگدار بے عمل لفظوں میں چھپاتے رہتے ہیں۔ وہ
لوگ ایک جگہ جم کر رہ جاتے ہیں۔ اور پیچھے حالات سے بہت دور
ہو جاتے ہیں۔ کانگرس اس طرح عمل کو نہیں ٹال سکتی تھی۔ اگر اس کو اپنا تاریخی
فرض ادا کرنا تھا، تو اس کو کام بھی کرنا تھا۔ اس طرح کانگرس عملی دنیا میں چلتی رہی
ہے۔ مگر عمل میں ذمہ داری کو نہیں بھولی۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ اس کے ہر
عملی کام میں یہ ذمہ داری سامنے رہے کہ ہزاروں انسان کانگرس کے
اثر میں ہیں۔

وزارتیں لینے پر

جب کانگرس نے وزارتیں قبول کیں تو بہت سے
نئے نئے سوال اس کے سامنے آ گئے۔ ان میں
سے کچھ تو ایسے تھے جن سے ابھی تک سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔ اس وقت یہ ڈر
ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کانگرس اپنے قومی انجھاؤں کو دور کرنے میں لگ
جائے۔ اور وزارتوں والی ڈگر پر چلنے لگے یا پھر موجودہ حالت کو سدھارنے میں
لگ کر اپنی انقلابی ڈگر چھوڑ بیٹھے۔ اور اسی کے مقابلہ کا ایک ڈر یہ تھا کہ ایجی ٹیشن
کرنے والی جماعت اپنے مطالبوں کو ایسی تیزی سے بڑھاتی رہے کہ صوبہ کی حکومتیں
انکو پورا نہ کر سکیں۔ اور پھر ملک میں حکومتوں کی طرف سے بے اطمینانی پھیل جائے
جس کی وجہ سے حکومتوں کا کام چلنا بند ہو جائے۔ اور وہ ختم ہو جائیں۔ خواہ مخالفت
کرنے والے یہ نہ چاہتے ہوں۔ اسوقت کانگرس کے لئے ایک ہی سیدھا راستہ
تھا، وہ یہ کہ وہ برابر عملی جماعت بنی رہے۔ انقلابی ڈگر پر چلتی رہے۔ اور اسی
کے ساتھ ساتھ وہ ذمہ داری سے اس طرح کام کرتی رہے کہ بے اطمینانی
نہ پھیلنے پائے۔ دوسری طرف کانگرسی حکومتوں کو کانگرس کی اصل منزل
سامنے رکھنا تھی، اور اسطرح کام کرنا تھا کہ جماعت کے راستہ سے نہ ہٹنے پائیں

ٹھیک اس وقت جبکہ کانگرسی وزارتیں بن رہی تھیں ورکنگ کمیٹی نے
یہ پوزیشن صاف کر دی۔ اس نے قانون سبھاؤں سے باہر والے کاموں کو
بہت اہمیت دی۔ اور اس بات کی خواہش کی کہ کانگرسی حکومتوں اور قانون
سبھا کی کانگرسی پارٹیوں کو صوبہ کانگرس کمیٹی سے سنگت رکھنا چاہئے اسی لئے
اس نے ایک پارلیمنٹری سب کمیٹی بنائی جس کا کام یہ تھا کہ ہمارے کاموں کی
نگرانی کرے۔ اور ان میں سنگت پیدا کرے

کامیابی کی ناپ

اب ہم کو اٹھارہ مہینہ بیت گئے ہیں اور صرف اتنی
سی بات دیکھ لینے سے کہ ہم کو تھوڑی بہت
کامیابی ضرور ہوئی ہے۔ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم نے اپنے کو نئے حالات
پر ڈھال لیا ہے۔ ہمارا کام ابھی پورا نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ایسی ابھی کامیابیاں
ہوئی ہیں جنکا ہم میں سے کچھ لوگوں نے خواب دیکھا تھا۔ لیکن سب حالات
کو اور راستہ کی رکاوٹوں کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے جتنا بھی میل
کر لیا ہے وہ برا نہیں ہے اور اس سے زیادہ کے لئے راستہ بن گیا
ہے۔

پوری کامیابی ابھی دور ہی ہے۔ لیکن رکاوٹیں راہ میں آ رہی ہیں
یہ بات نہیں کہ ہم ان سے ڈر رہے ہوں کیونکہ ہم کٹھن راستوں اور بڑی بڑی
کٹھنیوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہم ان سے بہادرانہ، اور منچلے پن سے اب
بھی مقابلہ کر رہے ہیں۔ آگے چلکر مقابلہ کریں گے اور اب تک مقابلہ کرتے
رہے ہیں۔ بہت سے لوگ کانگرس کی ترقی دیکھ کر اس سے پھل کھانیکو
ہم میں آ ملے ہیں۔ ان کے زہر سے بچنے کا یہی راستہ ہے کہ ہم اور مضبوطی کو
اپنی جگہ پر جم جائیں، اور اس کی صورت یہی ہے کہ ہم اپنے بنیادی
اصولوں کو یاد رکھیں۔ اور جو کام کریں پوری ذمہ داری سے کریں اور اپنے
ہر لفظ اور کام کا نتیجہ سامنے رکھیں۔ ہم غیر ذمہ داری سے کوئی بات کہہ سکتے
ہیں، اور نہ کوئی کام کر سکتے ہیں۔ ہو لوگ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کریں۔

انکو انکے پورا کرنے کی ذمہ داری بھی لینا چاہئے۔ ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کام کرنیکا فیصلہ ایک شخص کریگا۔ اور پورا کرنے کی ذمہ داری دوسرے شخص پر آئیگی اور اس سے کام میں پھوٹ پڑیگی۔ اور جماعت کا نظام [illegible]

اجودھیا کا استعفیٰ

اجودھیا جی صوبہ کی کونسل کے [illegible] نے استعفیٰ اسی اصول پر [illegible]

ہمیشہ ہمارے سامنے [illegible] ہے کہ [illegible] لینا چاہئے [illegible] اس کے اختیارات لیا ہیں۔ اور ان کی لائی ہوئی [illegible] ہم ان ذمہ داریوں کو بھول گئے۔ تو وہ اختیارات ہاتھ سے نکل [illegible] جو مسئلہ سامنے آئے ہم کو [illegible] مسئلوں کے [illegible] یہ ہو کہ ہمارا ایک ایک قدم ہماری سیاسی لڑائی کو [illegible] ہماری [illegible] حرکت بھی جیسا کہ ہر بڑی تحریک میں ہوتا ہے۔ بہت سی چیزوں کو لپیٹ میں اپنے ساتھ لے چلتی ہے۔ اس لئے ہم جو قدم بھی آگے بڑھائیں وہ پوری بناوٹ کو سامنے رکھ کر، اور سب طرح کی اونچ نیچ دیکھ کر ہونا چاہئے۔

اسی روشنی میں ہم کو اپنے سب مسئلوں کو یعنی آزادی، ہندستانی ریاستیں، کسان، مزدور، صنعت اور اقلیتوں کے مسئلہ کو حل کرنا ہے اور اسی نگاہ سے کانگرس کو بڑھانا ہے

کانگرس کے اندر بہت سے گروہ ہیں جن کے خیالوں اور نظریوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اگر کانگرس ساری قوم کا آئینہ ہے تو ایسا ہونا بالکل قدرتی ہے اور ہم اس سے بھاگ نہیں سکتے۔ لیکن اگر ان الگ الگ گروہوں کو اور لاکھوں انسانوں کو ایک جگہ کرنے کے لئے کوئی ایک اصول یا نظام نہ ہو تو کانگرس کا ایک جماعت ہونا اور ایک تحریک کی علمبردار ہونا ختم ہو جائے گا۔ وہ مشترکہ مقصد شروع ہی سے سیاسی آزادی تھا اور اسے ترقی دیکر ہم نے اس میں اقتصادی اور سماجی آزادی بھی شامل کر دی ہے

جہاں پہلی بات بیشک ٹھیک ہے، جہاں آخری دونوں باتوں کو مانتے تو سب ہیں۔ لیکن۔ . . . . . . ہر ایک کی مراد الگ الگ ہے اور اسی الگ الگ مراد کی وجہ سے جھگڑے اٹھتے ہیں، اور الگ الگ راستہ نکالے جاتے ہیں۔ لیکن ضروری بات طے ہوئی ہے کہ ان جھگڑوں کو اتنا نہ بڑھنے دینا چاہئے کہ ہمارے مشترکہ مقصد کو اس سے نقصان پہونچ جائے۔ جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے کہ ہندستان کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ سیاسی اور سماجی تحریکیں جدا نہ ہونے پائیں اگر جدا ہو گئیں۔ تو دونوں کو دھکا پہونچے گا اور دونوں آگے بڑھنا رک جائے گا۔ جو لوگ جوش میں آکر اسے بھلا بیٹھتے ہیں وہ اپنے کو بھی نقصان پہونچاتے ہیں اور بنیادی لڑائی کو بھی کمزور کر دیتے ہیں

اختلاف

لوگوں میں اختلاف ہوگا، اور بڑی باتوں میں ہونا بھی چاہئے۔ میں اسوقت نکالنے کے [illegible] کہہ رہا ہوں بلکہ اس بات کو کہہ رہا ہوں کہ ہر بات جو بھی چاہئے وہ ذمہ داری سے کی جائے اور یہ سامنے رکھا جائے کہ اگر وہ مان لی گئی تو اسکا نتیجہ کیا ہوگا، اور تمام حالات کو سامنے رکھ کر اس پر غور کیا جائے

کانگرس اب بہت پھیل گئی ہے، اور اسی وجہ سے بڑی بڑی ذمہ داریاں ہمارے سر آ پڑی ہیں۔ ہم اپنی ان کامیابیوں پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں لیکن ہم کو زعم میں نہ آنا چاہئے۔ ہمارے دشمنوں سے زیادہ ہم کو چاہیے کہ اپنی حرکتوں پر تنقید کرتے رہیں۔ انکی اچھائی برائی دیکھتے رہیں۔ اور جہاں کہیں کمزوری معلوم ہو۔ اسے دور کرنے کی ترکیب نکالیں۔ [illegible] ورکنگ کمیٹی نے ہماری جماعت کی اصلاح پر زور دیا ہے

قومی تعمیری کام

اس معاملہ میں ہماری صوبہ کانگرس کمیٹی نے ورکنگ کمیٹی کی ہدایتوں کا انتظار نہیں کیا اور ایک سال بلکہ اس سے پہلے کا مسئلہ سوچ بچار کر کے جماعت کو مضبوط کرنے اور اس میں سے نامناسب لوگوں کو دور [illegible] کرنے کے لئے دستور العمل میں کئی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ پچھلے سال سے ایک طرح کی کانگرس سول سروس قائم کی یہ لوگ ہمارے دفتر کے مستقل سکریٹری، انسپکٹر، ارگنائزر اور آڈیٹر ہیں۔ . . . عہد کر لیتے ہیں کہ وہ کسی کانگرس کمیٹی کے چناؤ میں حصہ نہیں لیں گے۔ اس طرح یہ لوگ پارٹی بندی کے جھگڑوں سے دور رہکر غیر جانبداری کے ساتھ دفتر کا روزمرہ کا کام کرتے ہیں ہر ضلع و شہر اور صوبہ کانگرس کمیٹی نے اس محکمہ کے قائم کرنے میں حصہ لیا اور میرا خیال ہے کہ اب تک اسمیں چالیس آدمی رکھے جا چکے ہیں۔

ثالثی عدالت

اس کے علاوہ اور بھی تبدیلیاں کی گئی ہیں ایک اہم تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ چار آنے کے ممبروں کے رجسٹر کے علاوہ ووٹروں کا ایک اور رجسٹر قائم ہوا ہے، اور اب صرف وہی ممبر ووٹ دے سکیں گے جو کانگرس کے دفتر میں جاکر اپنا نام لکھا آئیں گے اس طرح ہم فرضی اور نا اہل ممبروں سے بچ جائیں گے، اور لوگوں میں سیاسی بیداری بھی پھیلائی جاسکے گی تمام انتظامیہ کمیٹیوں کی ممبری کی شرائط بھی بڑھا دی گئیں ہیں۔ اب ان لوگوں میں سے ہر ایک کو کوئی قومی کام باقاعدہ کرنا پڑتا ہے جنے اپنے صوبہ میں چناؤ کے جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے بھی ایک کمیٹی قائم کی ہے، اور اس طرح اپنی جماعت میں عدالتی اور انتظامی کاموں کو الگ الگ کر دیا ہے۔

یہ چند تبدیلیاں ہیں جو ہم نے اپنے دستور العمل میں کی ہیں۔ اور اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انمیں کہاں تک کامیابی ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں اپنی جنگ آزادی کے لئے لڑنے والی ایک مضبوط موثر اور انقلابی جماعت بنانے کے لئے ابھی اور تبدیلیاں کرنا پڑیں۔

یوپی نے اصلاح کا جو راستہ دکھایا اسکو ورکنگ کمیٹی نے پسند کیا ہے اور دوسرے صوبوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہی ہے کہ ہمیں اپنا معیار قائم رکھنے کے لئے برابر کوشش کرتے رہنا چاہیے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہمارے ممبر اور کارکن ہنسی خوشی آپس میں سنگت کریں۔ پچھلے سال بڑی مشکلیں تھیں، اور نئے نئے حالات تھے اس پر بھی ہمنے بہت کچھ کامیابی حاصل کی۔ اسکا ثبوت صرف یہی نہیں کہ ہمارے ممبروں کی تعداد ساڑھے چودہ لاکھ ہو گئی ہے۔ اگرچہ ہمارے لئے ایک خوشی کی بات ہے۔ بلکہ ہماری کامیابی کا ایک بہت بڑا ثبوت ہمارے صوبے اور دوسرے دفتروں کا باقاعدہ کام اور جماعتی نظام ہے۔ ہمارا صوبجاتی دفتر بہت بڑھ گیا ہے۔ اور ہمارے صدر اور سکریٹری اور دوسرے کام کرنے والے اپنی انتھک اور بےغرض محنت کے لئے قابل تعریف ہیں۔ ہمیں

بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اتنی بڑی جماعت کا کام تقریباً سارا کا سارا ممبری کی فیس سے چلتا ہے۔ ہم مالدار آدمیوں کے چندوں کے محتاج نہیں ہیں۔ اس بات سے بھی ہماری طاقت اور جماعت کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

یو۔ پی صوبہ کانگرس میں دو خاص باتیں ہیں۔ جو اور جگہوں پر نہیں پائی جاتی ہیں۔ جہانتک مجھے یاد ہے پچھلے انیس برسوں میں یو پی نے جھگڑوں یا کسی اور معاملہ میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی سے کبھی اپیل نہیں کی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے دفتر میں دوسرے صوبوں کی اپیلوں اور شکایتوں کی بھرمار رہتی ہے۔ تب اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا کام کتنا قابل تعریف ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمنے خود ہی اپنا نظام قائم رکھا۔ اور طے کر لیا کہ ہماری صوبہ کمیٹی کے فیصلے آخری ہوں گے ابھی تک ہم اس فیصلہ پر قائم رہے ہیں۔

ہماری دوسری خصوصیت اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ ہم برابر اس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ چند افراد کو اچھالنے کے بجائے اپنی جماعت کی ساکھ بڑھائیں ہم اپنی صوبہ کمیٹی یا صوبہ کونسل کو اس کے عہدہ داروں سے چاہے وہ کتنے مشہور ہوں زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہمیں شخصیتوں کا خیال کرنا پڑتا ہے اور آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے لیکن ہمنے مناسب یہی سمجھا ہے کہ اپنی جماعت کی جمہوری بنیاد اور اس کے اجتماعی سوجھ بوجھ پر زور دیتے رہے ہیں۔ اس طرح اگرچہ ہماری صوبہ کمیٹیوں کے صدر بڑے بڑے لیڈر رہے ہیں۔ لیکن ان کی حیثیت بھی کونسل کے ایک معمولی ممبر سے زیادہ نہیں رہی۔ ہماری صوبہ کمیٹی کا صدر ہر سال

بدلتا رہتا ہے۔ اور پچھلے سال ہمنے ایک قاعدہ بنا دیا ہے کہ ہر کمیٹی کا صدر ہر سال بدلتا رہے۔ صدر کوئی بھی ہو لیکن پالیسی کی رہنمائی کونسل ہی کرتی ہے

کچھ صوبوں میں صوبہ کمیٹی کے صدر کی حیثیت ہمارے یہاں سے زیادہ رہتی ہے۔ اور اکثر کئی کئی سال تک ایک ہی صدر رہتا ہے۔ اسمیں کچھ فائدے ضرور ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ آخر میں یو۔ پی ہی کا طریقہ بہتر ہے۔ اور یہی مضبوط اور جمہوری جماعت کی اچھی تعمیر کر سکتا ہے

آج یو پی میں کانگرس کی اصل بنیاد منڈل کمیٹی ہے جسمیں کچھ کم یا زیادہ چالیس گاؤں ہوتے ہیں منڈل کمیٹی سے نیچے بھی بہت سی کمیٹیاں ہیں لیکن صحیح معنوں میں موثر اور منظم جماعت کی ابتدا منڈل ہی سے ہوتی ہے۔ اب نیا سال آگیا ہے اس کی پیشین گوئیاں، عالمگیر لڑائی، اور جھگڑے سامنے ہیں۔ جو مسئلے ہمارے سامنے ہیں یہ اور الجھ جائیں گے۔ اور کٹھن ہو جائیں گے جس کے لئے ہم کو اپنی پوری ہمت اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ ...... ہم کو بہت ہوشیار اور ہر وقت تیار رہنا ہمیں ایک دوسرے سے، اور پھر اپنے مقصد سے جدا نہ ہونا چاہئے۔ وقتی جیت سے، یا وقتی ہار سے نہ متاثر ہونا چاہئے۔ بلکہ سنجیدگی سے اچھے اور برے سب طرح کے وقت کا سامنا کرنا چاہئے۔ اس صوبہ کے اپنے ان گنت ساتھیوں کے نام :۔

بڑی لڑائی کے پیارے ساتھیو! میں تم لوگوں کو
نئے سال کی مبارکباد دیتا ہوں۔ اور میری دلی
آرزو ہے کہ یہ سال ہمارے لئے کامیابی کا سال ہو۔

ہندستان مین نظام آراضی

منظر رضوی

ہندستان میں تین مختلف قسم کے نظام آراضی ہیں (۱) بنگال، بہار، اور مدراس کے بعض اضلاع میں حکومت نے زمینداروں کے حقوق ملکیت کو تسلیم کر لیا ہے اور مالگذاری ہمیشہ کے لئے مقرر کر دی ہے۔ اسے دوامی بندوبست کہتے ہیں۔

(۲) یو۔ پی۔ سی۔ پی۔ اور پنجاب کے اکثر ضلعوں میں اس قسم کے زمینداروں کا ایک طبقہ ہے جو حکومت اور کاشتکاروں کے درمیان مداخلت کئے ہوئے ہے۔ یہ طبقہ بھی مالگذاری ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ یہاں بندوبست میعادی ہے۔

(۳) ہندستان کے بقیہ حصہ میں حکومت کا کاشتکاروں سے براہ راست تعلق ہے۔ ان صوبوں میں زمینداروں کے فرائض خود حکومت ہی انجام دیتی ہے۔

(سائمن کمیشن رپورٹ جلد اول صفحہ ۳۸۵)

عملی حیثیت سے موٹے طور پر آراضی کا نظام دو ہی طرح کا ہے ایک زمینداری اور دوسرا رعیت واری۔ زمیندار زمین کو کاشتکار کے ساتھ بندوبست کر دیتا ہے۔ لگان وصول کرتا ہے اور اس کا ایک حصہ مالگذاری کے طور پر حکومت کو دیدیتا ہے اور کچھ حصہ اپنی ملکیت کی بنا پر وہ خود رکھ لیتا ہے۔ ان علاقوں میں حکومت کو کسانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اسکے کہ لگان کی وصولی کے لئے اس کی عدالت۔ پولیس اور فوج زمینداروں کی حمایت میں حرکت کرتی ہے اور کسانوں کے ساتھ "انصاف" کا برتاؤ کرتی ہے، اس طرح سے کسانوں پر دوہری حکومت قائم ہے ایک زمینداروں کی دوسری برٹش سرکار کی۔ ان دونوں کے ساتھ ایک اور مفت خور طبقہ ہے جس کی گاؤں میں اقتصادی آقائی ہے اور اس میں گماشتے پٹواری اور دوسرے درمیانی حضرات ہیں۔

ان دیہاتی ٹٹ پونجیوں کا تعلق شہری ٹٹ پونجیوں سے ہے، دیہاتی ٹٹ پونجئے (جن میں درمیانی لوگ، مہاجن۔ دوکاندار، اور غلوں کے تاجر شامل ہیں نہایت رجعت پسند اور مفت خور ہیں۔ اور یہ سماج کی جاگیرداری بناوٹ اور اس کے جاگیردارانہ حقوق کے زبردست حامی اور محافظ ہیں شہری ٹٹ پونجئے (غلوں کے تھوک تاجر اور وکیل وغیرہ) کے مفاد بھی اسی جاگیرداری سے وابستہ ہیں۔ اور یہ طبقہ سیاسی اور اقتصادی امور میں رجعت پسند اور غیر انقلابی واقع ہوا ہے۔ اس لئے وہ بھی دیہاتی ٹٹ پونجیوں کی حمایت اور

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

کسانوں کی امداد

گنے کی قیمت بڑھا دی گئی !!!

حکومت یو.پی کا ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ شکر بنانے کے کارخانوں میں جو گنا خریدا جاتا ہے ۱۶ر جنوری سے اس کی کم سے کم قیمت حسب ذیل ہوگی:۔

(۱) میرٹھ ڈویژن اور ضلع بجنور میں سات آنے ۶ پائی فی من لیکن اگر گنا ریلوے اسٹیشن پر خریدا جائے تو اس کی قیمت کم سے کم ساڑھے سات آنے ہوگی بشرطیکہ اسٹیشن سے فیکٹری کا فاصلہ ۲۰ میل سے زیادہ نہ ہو۔ اور اگر یہ فاصلہ ۲۰ میل سے زیادہ ہو تو قیمت سوا سات آنہ رہے گی۔

(۲) جو گنا الہ آباد، لکھنؤ، جھانسی، آگرہ اور ڈویژن میں، ضلع بجنور کو نکال کر روہیلکھنڈ ڈویژن میں، گونڈہ اور بہرائچ کے اضلاع کو نکال کر فیض آباد ڈویژن میں، ضلع جونپور کو نکال کر بنارس ڈویژن میں خریدا جائے گا اس کے دام سوا سات آنہ ہوں گے، لیکن اگر گنا ریلوے اسٹیشن پر خریدا جائے تو اس کی شرح سات آنے ہوگی بشرطیکہ اسٹیشن کارخانے سے ۲۰ میل سے کم کی دوری پر ہو، اور اگر اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو شرح چھ آنے نو پائی ہوگی۔

(۳) گورکھپور ڈویژن اور گونڈہ بہرائچ۔ اور جونپور کے ضلعوں میں گنے کی کم سے کم قیمت سات آنہ من رہیگی۔ یہاں بھی یہ شرط رکھی گئی ہے کہ اگر گنا ریلوے اسٹیشن پر خریدا جائے تو اسکی شرح پونے سات آنے فی من ہوگی۔ بشرطیکہ اسٹیشن سے کارخانہ کا فاصلہ ۲۰ میل سے کم ہو اور اگر فاصلہ اس سے زیادہ ہو تو شرح ساڑھے چھ آنہ ہوگی۔

حکومت کا کہنا ہے کہ پچھلی دفعہ جب گنے کی کم سے کم قیمت فاصلہ کے مناسبت سے سوا چھ آنہ اور ساڑھے چھ آنے فی من رکھی گئی تھی۔ تو خیال تھا کہ شکر کے دام ۹ روپیہ فی من سے حد ۹ روپیہ ۴ آنہ سے آگے نہ بڑھیں گے لیکن اب شکر کے دام ساڑھے نو سے لیکر دس روپیہ تک ہو گئے ہیں گڑ کے دام بھی چڑھ گئے ہیں۔ اور حکومت کو بار بار یاد دلانے پر بھی کارخانوں کے مالکوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اب حکومت کا خیال ہے کہ جب تک شکر کے دام چڑھے رہیں اس وقت تک کسانوں کو بھی اس فائدے میں سے حصہ ملنا چاہئے چنانچہ اس ارادہ سے گنے کی کم سے کم قیمت میں تبدیلی کر دی گئی ہے جن جن علاقوں میں شکر کے دام زیادہ ہیں وہاں گنے کی قیمت بھی بڑھا دی گئی ہے اور جہاں دام اتنے نہیں چڑھے ہیں وہاں گنے کی شرح میں نسبتاً کم اضافہ کیا گیا ہے۔

دواؤں کے کارخانے

حکومت یو.پی نے تمام دوا بنانیوالے کارخانوں کو یہ صلاح دی ہے کہ وہ مزدوروں اور اسسٹنٹوں کو چھوڑ کر دوا بنانے والوں کی جگہوں پر جہاں تک ممکن ہو نیچے لکھے ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قابلیت رکھنے والے لوگوں کو ترجیح دیں۔

(۱) کانپور کے ایچ۔ بی۔ ٹیکنالوجی انسٹیٹیوٹ کا ڈپلوما

(۲) ایم ایس سی کی ڈگری (کیمیا میں)

(۳) بنارس یونیورسٹی کی بی۔ ایس ڈگری جس میں کہ دوا سازی شامل ہے۔

(۴) سائنس میں ایف اے پاس کرنیکے بعد دو برس کا کسی دوا خانے کے کارخانے میں عملی تجربہ۔

یو.پی کا تاریخی دن ــــــ ۱۵ جنوری

سرہر گاؤں میں جلوس اور جلسے

لاکھوں پڑھے لکھوں نے ان پڑھوں کو پڑھانے کا عہد لیا

۱۵ر جنوری سے حکومت یو.پی کی جہالت دشمن مہم پورے پورے زور شور سے شروع ہوگئی ہے اس دن سارے صوبہ میں یوم خواندگی منایا گیا اور جگہ جگہ جلوس نکلے اور جلسے کیے گئے ۶ لاکھ سے اوپر آدمیوں نے خواندگی کے عہدنامہ پر دستخط کیے اور وعدہ کیا کہ وہ سال میں کم سے کم ایک ان پڑھ کو خواندہ بنا دینگے۔

بنارس کے سیٹھ بیجناتھ کیدیا نے اعلان کیا ہے کہ یوم خواندگی کے سلسلے میں جس ضلع کو آنریبل وزیر تعلیم اول قرار دینگے اسے وہ ایک ریڈیو سیٹ انعام میں دینگے۔

سر جوالا پرشاد سریواستو نے محکمہ توسیع تعلیم کو ایک چاندی کی شیلڈ پیش کی ہے اور خواہش کی ہے کہ اسکو آنریبل شری سمپورنانند وزیر تعلیم کے نام سے منسوب کیا جائے یہ شیلڈ ہر سال اس ضلع کو دی جائے گی، جو سال بھر کی تعلیمی کارروائی میں اول رہے۔

لکھنؤ صبح سویرے ہی سے اسکول کے لڑکوں نے سارے شہر کا گشت کیا اور اپنے نعروں اور پکاروں سے لوگوں میں تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ سہ پہر کو امین الدولہ پارک میں ایک عام جلسہ ہوا جس میں تقریباً ۳۰ ہزار آدمیوں نے شرکت کی جلسے میں آنریبل سری سمپورنانند وزیر تعلیم مسٹر چترویدی افسر توسیع تعلیم شیخ محمد حبیب اللہ وائس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی اور دیگر معززین نے تقریریں کیں۔

مہیلا ودیالہ کی لڑکیوں نے جلوس میں گشت کیا اور خواندگی کے عہدنامہ پر دستخط کرائے۔

مسز بخشی کی زیر سرکردگی عورتوں کے ایک جتھے نے پردہ نشین عورتوں میں گشت کیا اور انھیں حکومت کی تعلیمی پالیسی سمجھائی اور پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دی

موہن لال گنج آنریبل شری سمپورنانند شام کو تحصیل موہن لال گنج گئے۔ گورنمنٹ ٹریننگ کالج لکھنؤ کے طلبا نے دیہات سدھار کا ایک ڈرامہ کھیلا جس کو وزیر تعلیم نے پسند کیا۔ اچاریہ نریندر دیو مسٹر ایس این چترویدی افسر توسیع تعلیم اور لکھنؤ کے کئی دوسرے معززین نے بھی موہن لال گنج کے پروگرام میں شرکت کی۔

نگرام ضلع لکھنؤ امتیاز علی صاحب مدرس مڈل اسکول نگرام میں یوم خواندگی کی بابت لکھتے ہیں کہ زمیندار طبقہ کے اکثر افراد کے علاوہ ... لوگوں نے نہایت شوق سے اقرار نامہ پر دستخط کیے

ملازمتوں و نشستوں میں اقلیتوں کا تناسب

کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اہم فیصلے

۱۱۔۱۲۔۱۳ جنوری کو بردولی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا اس اجلاس میں اقلیتوں کے مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ غور کیا گیا اور مہاتما گاندھی نے اقلیتوں کے بارے میں جو اسکیم تیار کی ہے اس پر تفصیلی بحث ہوئی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اسکیم کانگریسی وزیروں کیلیے ایک ہدایت نامہ کا کام کرے گی، اس کے علاوہ صوبۂ بہار میں ایک عرصے سے بنگالی بہاری کا جو جھگڑا چلا آرہا تھا اور جس پر ورکنگ کمیٹی کے کہنے سے بابو راجندر پرشاد نے ایک مفصل رپورٹ تیار کی تھی اس کے متعلق بھی کمیٹی نے اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔

ریاست رن پور میں میجر بزل گیٹ کے قتل سے جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس پر ورکنگ کمیٹی نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ تشدد سے عوامی تحریک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جے پور میں سیٹھ جمنا لال بجاج کے داخلے کی ممانعت کر دیگئی ہے۔ اس پر ورکنگ کمیٹی نے افسوس ظاہر کیا ہے اور امید کی ہے کہ ریاستی حکومت اس پابندی کو اُٹھا لے گی تاکہ ریاستی عوام کو کوئی تحریک نہ شروع کرنا ہو۔

گاندھی جی کی اسکیم

اقلیتوں کے متعلق مہاتما گاندھی نے جو اسکیم تیار کی ہے اس میں انھوں نے کانگریس آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور ورکنگ کمیٹی کی قراردادوں کی روشنی میں اقلیتوں کے متعلق کانگریس کی پالیسی کی وضاحت کی ہے یہ اسکیم ابھی شایع نہیں کی جائیگی تاہم پتہ چلا ہے کہ اس اسکیم میں بتایا گیا ہے کہ وزارتیں قبول کرنے سے پہلے بھی کانگریس متعدد بار اقلیتوں کے بارے میں اپنی پالیسی کا اعلان کر چکی ہے اب وزارتیں قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کو اکثر شکایتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کانگریس کا فرض ہے کہ وہ ان شکایتوں کی پوری تحقیقات کرے اور اگر پتہ چلے کہ انمیں سے بعض شکایتیں بھول اور غلط فہمی پر مبنی ہیں تو کانگریس کو اپنی پالیسی کی پھر سے وضاحت کر دینی چاہیے بیان کیا جاتا ہے کہ گاندھی جی نے اپنی اسکیم میں میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور دوسری پارلیمنٹری مجلسوں میں اقلیتوں کے سیاسی حقوق کی توضیح کی ہے اور ملازمتوں میں اقلیتوں اور خاصکر مسلمانوں کو مناسب حصہ دینے کی بھی سفارش کی ہے۔ تعلیم کے بارے میں تجویز کیا گیا ہے کہ کانگریسی حکومتیں اقلیتوں کی تعلیم پر مناسب توجہ دیں اور جہاں ابھی تک مسلمانوں کی تعلیم کا مناسب انتظام نہیں ہے وہاں ان کے لیے سرکاری اسکول کھولے جائیں۔

اسکیم میں اقلیتوں کے مذہب تمدن اور زبان کی محافظت کی پالیسی پھر سے دہرائی گئی ہے قیاس ہے کہ مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق کانگریسی حکومتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں پر بھی مسلمانوں کی دل آزاری نہ ہو،

کہا جاتا ہے کہ اس ہدایت نامہ میں پبلک عمارتوں پر قومی جھنڈا لہرائے جانے کے متعلق کانگریسی حکومتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ کسی عمارت پر قومی جھنڈا اسوقت لہرایا جائے جب تمام لوگ اس پر ایک رائے ہوں، بندے ماترم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ کانگریس نے اس گیت میں سے وہ بند جن پر مسلمانوں کو اعتراض ہو سکتا تھا پہلے ہی سے نکال دیے ہیں۔۔

رن پور کا حادثہ

"اڑیسہ میں ایک مجمع کے ہاتھوں میجر بزل گیٹ کے قتل پر ورکنگ کمیٹی اپنے دلی افسوس کا اظہار کرتی ہے اسکی رائے میں تشدد آمیز حرکتوں سے ریاستوں کی تحریک آزادی کو زبردست نقصان پہونچے گا۔ ورکنگ کمیٹی نے ریاستی عوام کی بیداری کا خیر مقدم کیا ہے اور اس کے خیال میں اب انکی رہائی نزدیک آگئی ہے لیکن کمیٹی کو اسبات کا یقین ہے کہ اگر تشدد سے کام لیا گیا تو یہ رہائی دور ہو جائیگی اسلیے ورکنگ کمیٹی کو پورا بھروسہ ہے کہ ریاستی عوام ہو یا سینر ہندستان کے ہر حصہ کے لوگ آزادی کی لڑائی میں پُر امن طریق کار پر سختی کے ساتھ کاربند رہینگے۔"

جے پور میں جمنا لال بجاج کا داخلہ

ریاست جیپور میں سیٹھ جمنا لال بجاج کے داخلے کی جبکہ وہ قحط کیلئے امدادی کام کرنے اور جیپور راج پرجا منڈل میں جسکے کہ وہ صدر بھی ہیں شرکت کرنے اپنے وطن جے پور جا رہے تھے ریاست نے جو ممانعت کر دی ہے ورکنگ کمیٹی اس پر اظہار افسوس کرتی ہے۔

ورکنگ کمیٹی امید کرتی ہے کہ حکام سمجھدار لوگوں کے مشورے پر کاربند ہو کر اس پابندی کو اُٹھا لیں گے اور اس طرح سے ریاست جے پور اور اسکے باہر کی تحریک کو روک دیں گے

چناؤ کا جھگڑا

اندھرا میں صوبہ کانگریس کمیٹی نے شری سندریا کو کانگریس کے چناؤ میں کھڑا ہونیکی اجازت نہیں دی تھی ان پر یہ الزام تھا کہ وہ کھلے بندوں مارکسی (سوشلزمی) خیالات کا پرچار کرتے ہیں ورکنگ کمیٹی نے اسکے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کانگریس کے دستور العمل کی دفعہ (۱) کو تسلیم کرتا ہو کانگریس کا ممبر بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ تشدد کا پرچار نہ کرے چنانچہ اب یہ چناؤ دوبارہ ہوگا شری سندریا اس میں حصہ لے سکیں گے۔

بلا مقابلہ چناؤ
سید علی ظہیر منتخب ہوگئے

جونپور۔ الہ آباد کے دیہی حلقہ کی مسلم نشست سے سید علی ظہیر صاحب بلا مقابلہ منتخب ہوگئے ہیں

اس نشست کے لیے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کیے تھے لیکن سید علی ظہیر کے مقابلے میں دونوں بیٹھ گئے۔

سید علی ظہیر کسی پارٹی کے ٹکٹ پر نہیں کھڑے ہوئے ہیں

انگارہ

انجمن ادب عالیہ (پٹنہ) کے انتظام میں ایک انقلابی ہفتہ وار مصور اخبار انگارہ پٹنہ (ڈاکخانہ بانکی پور) سے جلد ہی شایع ہونے والا ہے" اس اخبار کے اڈیٹر [illegible]

کانگریس کی صدارت

پوسن آزاد [illegible] کے نام [illegible] ہیں

اجاریہ [illegible] آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اعلان کیا ہے کہ کانگریس کی آئندہ سال کی صدارت کیلیے ابھی تک سبھاش چندر بوس مولانا ابو الکلام آزاد اور ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ کے نام تجویز کیے گئے [illegible] ناموں کی [illegible] ۱۰ر جنوری تھی اور کانگریس کے دستور کے مطابق جن لوگوں کا نام صدارت کیلیے تجویز کیا جا چکا ہے وہ اس تاریخ کے ۱۰ دن بعد تک اپنا نام واپس لے سکتے ہیں چنانچہ اگر ۲۵ جنوری تک ان میں سے ۲ آدمیوں نے اپنے نام واپس نہ لیے تو ۲۹ جنوری کو تمام صوبوں میں صدر کے انتخاب پر ووٹ لیے جائینگے

اگر فیڈریشن ملتوی ہو جائے تو ......!

غیر ذمہ دار کانگریسیوں کو صدر کانگرس کی تنبیہ

"ہم اس درجے پر پہونچ گئے ہیں جہاں خاص مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہم فیڈریشن سے کیسے لڑینگے بلکہ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر فیڈرل اسکیم خاموشی سے ختم کر دیجائے یا اسکو غیر معین مدت کے لیے ملتوی کر دیا جائے تو اس وقت ہمارا رویہ کیسا ہوگا؟"

ان الفاظ میں صدر کانگریس نے یونائیٹڈ پریس کے نمایندے سے دوران ملاقات میں فیڈریشن کے امکانات پر اظہار خیال کیا۔

کانگریس کی تحریک کے متعلق انھوں نے کہا:۔

"آج جب میں ملک کی صورت حال کا تجزیہ کرتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ داہنے بازو میں دستوری اور بائیں بازو میں غیر ذمہ داری کے رجحانات بڑھتے جا رہے ہیں"

بمبئی سے روانہ ہوتے وقت صدر کانگریس سبھاش چندر بوس نے یونائیٹڈ پریس کے نمائندے سے دوران ملاقات میں کانگریس کی موجودہ حیثیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وزارتیں قبول کرنیسے کانگریس کی طاقت اور اس کے وقار میں یقینی طور پر اضافہ ہوگیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس سے قومی صفوں میں کمزوریاں بھی بڑھ گئی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ آج بہت سے لوگ ہیں جو یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہم اپنی مکمل آزادی کی منزل تک بلا کسی لڑائی کے ہی پہونچ جائیں گے، کانگریس میں بہت سے لوگ ایسے آرہے ہیں جو اس کو اپنے رنگ پر چلانا چاہتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اب جبکہ کانگریس ایک معزز جماعت بن گئی ہے [illegible] شریک ہونے میں کوئی خطرہ نہیں [illegible] بعض صوبوں میں لوگ [illegible] یہی وجہ ہے

فیڈریشن

صدر کانگریس نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ آجکل کانگریس کے بعض آدمی فیڈریشن کے متعلق کانگریس کی آخر تک مخالفت کرنے کی پالیسی کو معنی پہنا رہے ہیں اور اس میں تاویلیں کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا میں اس بات کو بالکل صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی کانگریسی کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ایسے غیر ذمہ دار لوگ حکومت برطانیہ کو جو بلا ضرورت مشورے دے رہے ہیں اُنسے کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔

آگے چل کر صدر کانگریس نے کہا کہ اگر آیندہ فیڈرل اسکیم کو زبردستی نافذ کیا گیا تو ہر محاذ پر لڑائی شروع کر دی جائے گی اور اگر ایسی لڑائی چھڑ گئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ صرف برطانوی ہند ہی تک محدود نہیں رہے گی۔

جاپانی حکومت کو برطانیہ کی تنبیہ

زبردستی کی حکومت نہیں تسلیم کیجائیگی

چین میں جاپانی دست درازیوں کے متعلق برطانیہ نے اپنے سفیر کی معرفت حکومت جاپان کو ایک سرکاری نوٹ بھیجا ہے جس میں جاپان کی پالیسی پر "سخت تشویش" ظاہر کی گئی ہے۔

نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایک طرف تو جاپانی وزیر اعظم شہزادہ کونوئی اعلان کر چکے ہیں کہ جاپان چینی حکومت کو تسلیم کرتا ہے، اور وہ چین میں کوئی مقبوضات نہیں چاہتا۔ اور دوسری طرف حکومت جاپان کی علانیہ پالیسی ہے کہ چینی عوام کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی سیاسی، اقتصادی، اور تمدنی زندگی کو جاپان کے قبضہ میں دیدیں۔ نیز یہ کہ چین میں جاپانی فوج کی ایک کثیر تعداد رکھی جائے اور چین سے منگولیا کا علاقہ علیحدہ کر دیا جائے۔ حکومت برطانیہ نہیں سمجھ سکتی کہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں باتیں کیسے تسلیم کی جاسکتی ہیں

دوم برطانیہ اس قسم کی تبدیلیوں کو نہیں تسلیم کر سکتی جبکہ کہ جاپانی مدبرین کے بیانات سے پتہ چلتا ہے اور جو زبردستی نافذ کی جانے والی ہیں

آخر میں خواہش کی گئی ہے کہ اگر جاپانی حکومت کے ارادوں سے متعلق برطانیہ کا اندازہ غلط ہے تو جاپان چین سے متعلق اپنی پالیسی کی مزید وضاحت کرے اور بتائے کہ وہ چین کی لڑائی کن شرائط پر ختم کرنا چاہتا ہے۔

برطانوی وزرا کی بے مراد واپسی

مسولینی فرانکو کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا

برطانوی وزیر اعظم چیمبرلین اور وزیر خارجہ لارڈ ہیلی فاکس دو دن کی بات چیت کے بعد ۱۴ جنوری کو روم سے واپس آگئے

برطانوی وزرا، اور مسولینی کی اس ملاقات میں کسی مخصوص مسئلہ پر گفتگو نہیں ہوئی البتہ دونوں حکومتوں کے نمایندوں نے ایک دوسرے کی عام پالیسی کا اندازہ لگا لیا ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ دوران گفتگو میں مسٹر چیمبرلین نے اپنی پرامن پالیسی کی وضاحت کی اور اٹلی اور برطانیہ کے دوستانہ تعلقات پر زور دیا، اگرچہ مسولینی نے فرانسیسی مقبوضات کے مطالبہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ اس نے برطانوی وزرا پر یہ بات صاف کر دی ہے کہ وہ اپنے اشتراکیت دشمن محور کے ساتھی (جرمنی) کے ساتھ ملکر اٹلی کی "قدرتی تمناؤں" کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہے گا مسٹر چیمبرلین نے بیان کیا جاتا ہے کہ اٹلی کے فرانس دشمن مظاہروں پر اعتراض کیا اور بتایا کہ چونکہ فرانس اور اٹلی کے جھگڑے انھیں دونوں حکومتوں سے متعلق ہیں اس لیے اس میں برطانیہ کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعض حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دوسرے دن کی گفتگو میں مسولینی نے جنرل فرانکو کے اسپینی جمہوریہ کے مد مقابل تسلیم کیئے جانے پر زور دیا اور بتایا کہ معاملات کی صفائی اور خاص کر بحرہ روم کا جھگڑا چکانے کے لیے یہ بہت ضروری ہے

مشترکہ اعلان

۱۳ جنوری کو ایک مشترکہ اعلان شایع کیا گیا جس میں بتایا گیا ہے کہ دونوں حکومتوں کے نمایندوں نے بڑے بڑے موجودہ مسئلوں کی چھان بین کی اور دونوں سلطنتوں کے باہمی تعلقات پر بحث ہوئی، بات چیت بہت بے تکلف رہی اور طرفین نے مفصل اور واضح طور پر تبادلہ خیال کیا دونوں نے آپس میں دوستانہ تعلقات بڑھانے کے لیے جیساکہ ۱۶ اپریل کے سمجھوتے میں طے ہوا ہے وعدے کیے اس کے بعد حسب دستور اٹلی اور برطانیہ کی پُرامن [illegible] کا تذکرہ کیا گیا ہے

"چین صلح کی بات چیت نہیں کرسکتا"

مادام چیانگ کائی شیک کا اعلان:

"چین صلح کے لئے جاپان سے بات چیت نہیں کرسکتا اور نہ وہ کریگا"

ان الفاظ میں مادام چیانگ کائی شیک نے جنگ کے مختلف محاذوں کا معائنہ کرنے کے بعد چینیوں کے بلند ارادے پر اظہار خیال کیا "میں بہت سے محاذوں پر گئی لیکن کہیں پر بھی میں نے صلح کی بات چیت کی طرف ادھر میں ایک مدھم سی آواز تک نہیں سنی البتہ پچھلی صفوں میں گئی تو میں نے بعض کمزور آدمیوں کو سمجھوتہ کی بات چیت کرتے ہوئے سنا۔"

بقیہ صفحہ

ینورہ ضلع بارہ بنکی سے متعلقہ میں تقریباً ۵۰ مواضعات میں جلوس نکالے گئے اور جلسے ہوئے مڈل اسکول ینورہ میں ایاز علی خان کی زیر صدارت ایک شاندار جلسہ ہوا طلبا نے ایک تعلیمی ڈرامہ کھیلا اور متعدد نظمیں پڑھی گئیں۔

ابراہیم آباد صبح طلبا نے گشت کیا دوپہر میں عہدناموں پر دستخط کرائے گئے اور جلوس نکالا گیا۔ شام کو سید مرتضیٰ حسین صاحب کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جسمیں تقریباً ۵۰۰ آدمیوں نے شرکت کی۔

تھانہ ضلع بارہ بنکی بابو تا پرشاد صاحب ممبر ... کی زیر صدارت ایک جلسہ کیا گیا جس میں تعلیم کے فوائد بیان کیے گئے۔ مبلغ ... روپیہ چندہ ہوا۔ اور ... عہدناموں پر دستخط ہوئے ... آدمیوں نے ... کے لیے چندہ دیا۔

علی آباد ضلع بارہ بنکی عبدالغفور صاحب مدرس کی ... صبح طلبا نے قصبہ کا گشت کیا۔ دوپہر میں مدرسین نے گھر جا کر جو بیس آدمیوں سے خواندگی کے عہدناموں پر دستخط کرائے شام کو چودھری مقبول الرحمٰن صاحب کی زیر صدارت ایک عام جلسہ ہوا۔

مخدوم پور ضلع بارہ بنکی صبح طلبا نے گشت کیا۔ دوپہر میں عہدناموں پر دستخط کرائے گئے اور شام کو نصیر الدین خاں صاحب کی زیر صدارت جلسہ ہوا۔ تمام انتظامات حیدر حسین صاحب مدرس مخدوم پور نے کیے۔

چندولی ضلع بارہ بنکی صبح پربھات پھیری کے بعد چندہ وصول کیا گیا شام کو بابو جگ جیون پرشاد صاحب کی زیر صدارت عام جلسہ ہوا طلبا نے ایک تعلیمی ڈرامہ کھیلا اور تعلیمی گیت گائے۔

مالن پور ضلع بارہ بنکی پنڈت رگھوبر دیال صاحب کی زیر صدارت ایک عام جلسہ ہوا جسمیں تقریباً دو سو آدمیوں نے شرکت کی۔ صبح پربھات پھیری نکلیں اور پھر چندہ وصول کیا گیا

کنتوامرک ضلع بارہ بنکی ۲۰۵ آدمیوں نے خواندگی کے عہدنامہ پر دستخط کیے اور ۲۲ روپیہ چندہ جمع ہوا۔ طلبا نے ایک ڈرامہ کھیلا جس پر پنڈت سوشیل دت صاحب نے انھیں مٹھائی کھانے کے لیے ۲ روپیہ انعام دیا۔

سمیر گنج ضلع بارہ بنکی تحصیل کانگریس کمیٹی ... کے صدر بابو سری ... کی زیر صدارت ایک عام جلسہ کیا گیا ... کانگریس ... نے بھی ... اسکول ... کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔

شاہ پور مزارہ پور ضلع بارہ بنکی صبح پربھات پھیری نکالی گئیں اسکے بعد گھر گھر جاکر چندہ وصول کیا گیا۔ شام کو ٹھاکر رگھوناتھ صاحب کی زیر صدارت ایک عام جلسہ ہوا جسمیں ڈھائی سو سے اوپر آدمیوں نے شرکت کی۔

صفدر گنج ضلع بارہ بنکی ۲۸ روپیہ چندہ جمع ہوا۔ سہ پہر کو ... کی زیر صدارت تعلیمی جلسہ کیا گیا۔

بنکولی ضلع بارہ بنکی پرائمری مدرسہ و مکتب اسلامیہ کے لڑکوں نے صبح گاؤں کا گشت کیا اور دوپہر کو مولوی عبدالولی صاحب کی زیر صدارت جلسہ ہوا خواندگی کے عہدناموں پر دستخط کیے گئے

کرسی ضلع بارہ بنکی صبح کو تعلیمی جھنڈوں اور رنگین پوسٹروں کے ساتھ ایک بہت بڑا جلوس نکلا اور دوپہر کو گھر گھر جاکر چندہ وصول کیا گیا اور عہدناموں پر دستخط کرائے گئے۔ شام کو چودھری محمد محمود صاحب کی زیر صدارت تقریباً تین سو آدمیوں کا ایک جلسہ ہوا۔

بکسٹ گنج ضلع بارہ بنکی تحصیلدار صاحب تحصیل فتحپور کی زیر صدارت ایک تعلیمی جلسہ ہوا۔ جس میں تقریباً پانچ سو آدمیوں نے شرکت کی۔

ساڑھے مئو ضلع بارہ بنکی صبح مقامی مدرسہ کے مدرسین کی زیر نگرانی طلبا کا ایک جلوس نکلا۔ دس بجے سے جلسہ شروع ہوا طلبا نے ایک ڈرامہ کھیلا۔ ساڑھے بارہ روپیہ چندہ وصول ہوا۔

زید پور ضلع بارہ بنکی پرائمری و اسلامیہ اسکول مرکز العلوم اور دارالعلوم کے طلبا نے مڈل اسکول کے طلبا کے ساتھ قصبہ کا گشت لگایا۔ ۲ بجے منشی شیام لال صاحب کی زیر صدارت تعلیمی جلسہ کیا گیا۔

رُدولی ضلع بارہ بنکی قصبہ کے رئیسن اور طلبا نے تعلیمی نظمیں پڑھتے ہوئے سارے قصبہ کا گشت کیا جلوس میں تقریباً ۱۵۰ سو آدمی شریک تھے سہ پہر کو جلسہ ہوا جسمیں تقریباً ۱۲۰۰ سو آدمیوں نے شرکت کی، ۱۱۰ روپیہ چندہ ہوا جسمیں سے ۲۳ روپیہ اور چھ آنے تعلقہ مدرسہ نیا گنج سے وصول ہوئے۔

بھلول ضلع بارہ بنکی صبح پربھات پھیریاں نکالی گئیں اور ۲ بجے چودھری حشمت علی صاحب کی زیر صدارت جلسہ ہوا جس میں تقریباً ۲۰۰ آدمی شریک تھے۔

سترکھ ضلع بارہ بنکی دور دور سے اور ... کسان تعلیمی جلسہ میں شرکت کرنے آئے تھے صبح کے گشت کے بعد ۲ بجے ٹھاکر برما دین کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں ان سبھوں نے شرکت کی۔

بھگولی ضلع بارہ بنکی مبلغ تیرہ روپیہ چندہ ہوا تعلیمی جلسہ میں تقریباً ۴۰۰ سو آدمی شریک تھے۔

شاہ پور ضلع بارہ بنکی تقریباً ۲۰۰ آدمیوں نے جلسہ میں شرکت کی ۶ آدمیوں نے ۱۲ ان پڑھوں کو پڑھانے کا وعدہ کیا۔

سعادت گنج ضلع بارہ بنکی ۲۵ آدمیوں نے خواندگی کے عہدناموں پر دستخط کیے اور تین روپیہ چندہ ہوا جلسے میں تقریباً ۵۰۰ آدمی شریک تھے

رامپور کٹرہ ضلع بارہ بنکی پنڈت رام ... صاحب شرما کی زیر صدارت تقریباً ۲۰۰ آدمیوں کا ایک جلسہ ہوا ۱۴ عہدناموں پر دستخط کرائے گئے اور ۴۸ ان پڑھ بالغوں کی تعلیم کا بندوبست ہوا۔ چندہ آٹھ روپیہ وصول ہوا۔

غازی پور ضلع بارہ بنکی جلسے میں تقریباً پانچ سو آدمیوں نے شرکت کی طلبا نے ایک تعلیمی ڈرامہ کھیلا۔

رام نگر دھمیڑی راجہ ماتا پاربتی کنور صاحبہ کی زیر صدارت تقریباً ایک ہزار آدمیوں کا جلسہ ہوا راج ماتا نے دس روپیہ کی مٹھائی تقسیم کرائی اور ۱۰۱ روپیہ تعلیمی فنڈ میں دیا۔

ملوکپور ضلع بارہ بنکی ۲۸ روپیہ چندہ وصول ہوا۔

محمد پور پٹھانپور تقریباً دو سو آدمیوں نے جلسہ میں شرکت کی لیکن زمینداروں نے کوئی حصہ نہیں لیا تو بھی ان پڑھوں نے پڑھنے لکھنے کیلئے آمادگی ظاہر کی قریب کے گاؤں لولو پور میں بھی جلسہ ہوا۔ اور چار روپیہ بطور چندہ وصول ہوئے۔

محبت پور ڈاکخانہ بھانمئو محبت پور نیز پی پور میں شاندار جلسے ہوئے ۱۸ روپیہ چندہ وصول ہوا بہت سے تعلیمیافتہ لوگوں نے ان پڑھوں کو پڑھانے کا وعدہ کیا،

نوگاواں سادات (امروہہ) صبح گشت کیا گیا اور عہدناموں پر لوگوں کے دستخط کرائے گئے سہ پہر کو حاجی سید علمدار صاحب کی زیر صدارت باب العلم میں جلسہ ہوا۔

ہو تی رہی ہے۔

یہودیوں کے متعلق اٹلی کی وہی پالیسی ہے جو جرمنی کی ہے صدیوں سے یہودی اٹلی کے بڑے بڑے قصبوں اور شہروں میں بسے ہوئے ہیں اور اب وہ اٹلی کے اصلی باشندوں کے ساتھ بالکل گھل مل گئے ہیں۔ لیکن اب جبکہ ہٹلر نے جرمنی کی زمین ان پر تنگ کر رکھی ہے مسولینی بھی انھیں چین سے بیٹھنے نہیں دینا چاہتا۔ جو یہودی جنگ عظیم کے بعد سے اٹلی میں بسے ہیں انھیں اب ملک بدر کیا جا رہا ہے، اور ان کی جائدادیں یہ کہکر ضبط کی جا رہی ہیں کہ یہ چوری کا مال ہے کیونکہ جس وقت یہودی اٹلی میں آئے تھے اس وقت ان کے پاس اتنی دولت نہ تھی! اسکے علاوہ اور یہودیوں کو ابھی نکالا تو نہیں جا رہا ہے لیکن انھیں کوئی سرکاری نوکری نہیں مل سکتی اور نہ وہ اٹلی کی شہریت کے حقوق پا سکتے ہیں۔ اٹلی کے عوام میں ابھی تک یہودیوں کے خلاف کوئی جذبہ نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب اخباروں کے ذریعے یہودیت دشمن پروپگینڈہ کیا جا رہا ہے اور اطالوی عوام کے دلوں میں یہودیوں کے خلاف دائمی بغض و عداوت بھرنے کی کوشش کیجا رہی ہے

حال ہی میں ایک اطالوی مصنف نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام ہے "یہودی شیطانوں سے بچو!" اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اطالوی اخبار لکھتا ہے: "یہ کتاب ساری دنیا کے سامنے یہودیوں کی بدکاریوں، انکی مستقل دشمنی جدوجہد اور جنگ کیلیے انکی تیاریوں کی مذمت کرتی ہے، اطالوی عوام کو معلوم کر کے دلچسپی ہوگی کہ ان کے بیچ میں کون کون سی چیزیں چھپی ہوئی ہیں جمہوریت کے نام پر کیسی کیسی شرارتیں کی جا رہی ہیں۔ ہر جگہ یہودی نسل دنیا کی قوموں کی پر امن خواہشات کی کاٹ کر رہی ہے۔ ...... یہودیت جو کمیونزم (اشتمالیت) اور انراج کے ہم معنی ہے ہر جگہ تباہی اور گڑبڑ چاہتی ہے۔ اس کا منشا ہے کہ اس بربادی سے فائدہ اٹھا کر ساری دنیا پر یہودی حکومت قائم کر دے۔ ہر جگہ اسرائیلیت کا تباہ کن ہاتھ دکھائی دیتا ہے" اس کے بعد یہودیوں کے نام اور گڑھے ہوئے واقعات لکھے ہیں اور تمام اطالویوں کو یہ کتاب پڑھنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

ایک دوسرے اخبار میں لندن کے اخبار "اسٹار" کو یہودیوں کے اخبار سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسمیں ہٹلر کیخلاف جو باتیں نکلتی ہیں انکی مذمت کیگئی ہے

اٹلی کے اخبار وان کی حکومت کے آرگن ہیں ایک اطالوی باشندہ نے ان کے متعلق بہت ہی خوب بات کہی ہے۔ اس نے کہا کہ ان سے صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہمیں پتہ چلتا رہتا ہے کہ ہمارے بار میں کتنا اضافہ ہونے والا ہے یعنی یہ کہ کب اور کس قسم کا ٹیکس لگے گا اور کون کون سے نئے قوانین نافذ کیے جائیں گے؛

اٹلی کے باشندے ٹیکس کے بارے بری طرح دبے ہوئے ہیں اور ان پر سرکاری محصولوں کا بار روز بروز بڑھتا جا رہا ہے آئے دن طرح طرح کے احکامات جاری کیے جاتے ہیں جن کا تعلق صرف چھوٹی چھوٹی سی باتوں سے ہوتا ہے چنانچہ جب مسولینی شمالی علاقوں میں دورہ کرنے والا تھا تو سرکاری طور پر تمام لوگوں کو اطالوی جھنڈے اور مسولینی کی تصویریں خریدنے پر مجبور کیا گیا۔

اٹلی میں ایک قصہ مشہور ہے بہت ممکن ہے کہ سوشلسٹ آئیں اور کسانوں سے کہیں کہ اپنی چار گایوں میں سے دو ہمیں دیدو ورنہ روسی اگر چاروں کی چاروں لے جائیں گے لیکن فسطائی کہتے ہیں تمہیں پورا پورا حق ہو کہ تم گائیں پالو۔ انھیں کھلاؤ پلاؤ اور ان کی تندرستی کا خیال رکھو لیکن ان سب کا دودھ ہم ہی لیںنگے"!

پھانسی

وجاہت سندیلوی

اس وقت مرزا یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کی بچی کو نمونیا ہے بیوی بیمار ہے۔ سردی کا موسم آگیا، اور گھر بھر میں ایک بھی گرم کپڑا نہیں۔ مکان والا مکان خالی کرنے کیلئے نوٹس دے چکا ہے۔ دھوبی نے نیا کرتہ کھو دیا، اسوقت تو اسے صرف ایک فکر ایک خیال تھا "کہیں کارخانہ میں دیر تو نہیں ہوگئی؟" وہ تیزی سے جا رہا تھا۔ بڑی تیزی سے اپنے کمزور پیروں کی پوری سکت بھر راستہ میں ایک پان والے کی دوکان پر اس نے گھڑی دیکھی۔ آٹھ بج چکا تھا اس کا دل ڈوب سا گیا۔ لیکن اسکی تیزی کی رفتار میں ذرا بھی فرق نہ پڑا۔ بازار کی نکڑ پر اس نے دور سے کرم چند بزاز کو دیکھا وہ فوراً پاس ہی گلی میں مڑ گیا۔ سامنے سے ایک خالی یکہ آرہا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے مرزا رکا۔ اسنے پھٹے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا کچھ پیسے گنے اور پھر پہلی سی تیزی سے روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی مرزا نے کارخانہ کے احاطہ میں قدم رکھا گھنٹہ گھر نے ساڑھے آٹھ کا گھنٹہ بجایا۔ مرزا کے سینے پر گھونسہ سا لگا۔ مستری اسے دیکھ کر مسکرایا۔ "کیوں میاں رات زیادہ پی گئے تھے؟" مرزا کچھ نہ بولا۔ تھکا مارا پسینہ میں شرابور اپنے کام میں جٹ گیا۔ وہ اپنا کوٹ بھی اتارنا بھول گیا۔ دو تین مزدوروں نے اس کی طرف دیکھا۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ اشارہ کیا۔ مرزا کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہوا۔

مستری کئی مرتبہ آیا اور مرزا کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مرزا کے ہاتھ کانپے لیکن وہ سر جھکائے اپنے کام ہی میں لگا رہا۔ اس کے پاس سے ہٹ کر جب مستری دوسری طرف جاتا تو بغیر گردن موڑے ہوئے مرزا کنکھیوں سے اسے دیکھتا اور اسکا دھڑکتا ہوا دل پھر اپنی معمولی رفتار پر آجاتا۔ دوسرے مزدوروں نے کئی مرتبہ باتیں کیں قصے چھیڑے۔ مرزا کو مخاطب کرنے کی

کوشش بھی کی لیکن سوائے ان کے سوالوں کے خشک و مختصر جواب دینے کے مرزا نے انہیں کوئی دلچسپی نہ لی۔ وہ آج کسی دوسری ہی دھن میں تھا۔

بارہ بجے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے کام بند ہوگیا۔ کارخانہ کے مزدور باہر احاطہ میں نکل گئے کوئی گھاس پر لیٹ گیا۔ کوئی بیڑی سلگانے لگا کسی نے اپنی ناشتہ کی پوٹلی کھولی، کوئی کچا لوا لے کے پاس جا پہنچا۔ ادھر ادھر چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بن گئیں۔ اور بات چیت ہنسی مذاق ہونے لگا۔ مرزا اکیلا بیٹھا تھا۔ نتھو اور رام دین اس کے پاس پہونچے۔

"کس فکر میں ہو مرزا" نتھو بولا

"کچھ نہیں" رام دین بولا

"تمہیں کیا بتائیں تقدیر ہی خراب ہے۔ مستری صاحب منیجر صاحب سے کئی مرتبہ شکایت کر چکے ہیں۔ انھیں تو مجھ سے عداوت ہی ٹھہری۔"

"پھر"

"پرسوں ہی کہہ چکے تھے اگر آئندہ ایک منٹ کی بھی دیر ہوئی تو بغیر تنخواہ کے نکال دئے جاؤ گے"

"آج کیا کہا؟" رام دین نے پوچھا

"ابھی کیا کہا شام کو بتائیں گے"

"سنا آج کل مال کی بڑی مانگ ہے۔ گراں بھی تو ہوگیا ہے" نتھو نے کہا

"اسی لئے تو آج کل ادھادھند کام ہو رہا ہے خوب پھٹکار رہے ہوں گے بیٹے"

رام دین ہنسنے لگا

"ہم لوگوں کو کیا؟" مرزا نے کہا گھنٹی بج گئی اور یہ تینوں بھی دوسرے مزدوروں کے ساتھ کارخانہ چلے گئے۔

ظالم اور مظلوم کا فرق مٹائے بغیر ایک اور دن ختم ہوگیا۔ دن بھر گرم کپڑے بنانے کے بعد رات کو اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھے پرانے چیتھڑوں میں سردی کھانے کے لئے مزدوروں نے ایک خاص مسرت سے سورج کو غروب ہوتے دیکھا ہر طرف شام کی بڑی بڑی سیاہ چادریں بچھ گئیں اور کارخانہ کا کام بند ہوگیا مزدور اپنے گھر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ مرزا الگ ایک کونہ میں کچھ کھویا کھویا سا کھڑا تھا۔ دوسرے مزدوروں کے لئے کام ختم ہوچکا تھا۔ اور اس کے لئے اب شروع ہونے والا تھا۔ وہ مستری کا منتظر تھا۔

نتھو اس کے پاس آیا۔ کہنے لگا "چلو؟"

مرزا نے کہا "کیسے چلوں شاید مستری کو کچھ کہنا ہو۔"

"اجی کہنا ہوتا دن بھر میں نہ کہہ دیتے۔ اب کیا کہیں گے۔ چلو" نتھو نے کہا۔

مرزا نے بھی اپنا کوٹ پہنا اور چل کھڑا ہو لیکن بار بار مڑ کر دیکھتا جاتا رام دین نے ایک بیڑی دی اور کہا "کیا یار مڑ مڑ کر دیکھتے ہو بھول گیا ہوگیا مستری"

"ہاں بھول ہی گیا ہوگا" مرزا نے کہا اور اطمینان کا سانس لیا۔
ابھی وہ احاطہ کے دروازہ ہی تک پہونچا تھا کہ مستری کی آواز آئی "مرزا! مرزا!" مرزا ٹھٹک کر رہ گیا۔ ایک لمحہ تک اس نے رام دین اور نتھو کو دیکھا۔ اور پھر پلٹ پڑا

مستری "پلٹ ئے!"

مرزا خاموش رہا

"اب کیا کہتے ہو"

"لڑکی کو نمونیا ہوگیا"

"تمہارے گھر میں تو ہمیشہ کسی کو ہیضہ کسی کو طاعون کسی کو نمونیا رہتا ہے تم کو کچھ نہیں ہوجاتا"

"جاؤ چار نمبر کی مشین میں تیل دے ڈالو"

"حضور بڑی دیر ہوجائے گی لڑکی کے لئے دوائی لے جانا ہے"

"تم جو کارخانے آتے وقت بھی سوچتے ہو دیر ہوجائے گی نا"

مرزا سر جھکائے کارخانہ میں اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ مستری نے پہرہ دار دولا کو ہدایت کی کہ دیکھو جب تک پوری مشین میں تیل نہ دے لے جانے نہ دینا

مرزا مشین میں تیل دے رہا تھا لیکن اس کا دماغ نہ معلوم کہاں تھا۔ کئی بار اسے شوق پیدا ہوا کہ مشین سے اپنا سر ٹکرا کر اسے پاش پاش کردے۔ ایک دفعہ تو وہ اسی ارادہ سے مشین کی طرف بڑھا بھی لیکن پھر نہ معلوم کیوں رک گیا۔

ایک دفعہ اس نے مشین کا تیل اٹھا کر اپنے اوپر ڈالنا شروع کر دیا

دفعتاً اس نے تیل کی کپی اٹھا کر دور پھینک دی ——— تھوڑی دیر وہ خاموش بے حس و حرکت کھڑا رہا پھر اس نے روشنی گل کی اور تیزی سے کارخانہ سے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن مقامی اخبارات میں بڑے جلی حرفوں سے یہ خبر شائع ہوئی

ایک مزدور کی خونخواری
راہگیر کا گلا گھونٹ دیا

۲۶ نومبر کل رات کو نو بجے شاہ گنج روڈ پر دمودھر داس کے کارخانہ کے ایک مزدور مرزا نامی نے کسی معمولی سی لڑائی جھگڑے پر ایک راہگیر کا گلا گھونٹ دیا۔ ملزم فوراً حراست میں لے لیا گیا متوفی کا ابھی نام و پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے مزید انکشافات کا انتظار ہے۔

جس کسی نے بھی یہ خبر پڑھی کہا "چہ چہ۔ آج کل بھی اس قسم کے ظالم اور خونخوار لوگ ہوتے ہیں"

رام دین نے کہا "نتھو آج مرزا کو پھانسی ہوگئی"

"نعو جونک پڑا "آج"
"اں سویرے سات بجے"
"مرزا تو ایسا آدمی نہیں معلوم پڑتا تھا"
"کیا بتائیں یار کچھ سمجھ میں نہیں آتا"
"ممکن ہے قصور کسی دوسرے کا ہو اور مرزا کے ماتھے مڑھ دیا گیا ہو"

پاس ہی ستری کھڑا تھا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا "باتیں! بس باتیں! نہ کام نہ کاج! ہو گئی مرزا کو پھانسی، ہو گئی! وہ کمبخت تھا ہی ایسا۔ اس روز دو دو پیسہ کا تیل بیچتا یا مرزا کو پھانسی ہو گئی تو تم لوگ اپنا کام بند کر دو۔ کہیں ایک آدمی کی پھانسی سے دنیا کا کام بند ہوتا ہے"

ہندستان میں نظام آراضی (بقیہ صفحہ ۱۰)

حفاظت کرتا ہے اس نے ہمیشہ کسانوں کے مفاد کے خلاف زمینداروں کی حمایت کی ہے۔ اور اپنی سیاسی و اقتصادی قوت کے ذریعہ کسان تحریک کو بڑھنے سے روکا ہے یہ حالت اور صورت ہر جگہ ہے اور ہر نظام آراضی میں مشترک اور عام ہے

دوامی بندوبست والے صوبوں کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ زمیندار حضرات جس قدر لگان کسانوں سے وصول کرتے ہیں۔ اس کا ایک مختصر سا حصہ حکومت کو مالگذاری کے طور پر ادا کرتے ہیں مثلاً بنگال کے زمیندار ۱۲ کروڑ میں سے محض ۳ کروڑ مالگذاری ادا کرتے ہیں (کل آمدنی کا ۱/۴)

بہار کے زمیندار کل آمدنی کا محض ۱/۶ حصہ ادا کرتے ہیں (ان کی مجموعی آمدنی تقریباً ۱۸ کروڑ ہے) میعادی بندوبست والے صوبے یعنی یو پی کی حالت بھی کم و بیش یہی ہے یہاں کے تعلقہ دار اور زمیندار اپنی ۱۲ کروڑ آمدنی میں سے محض ۴ کروڑ (یعنی ایک تہائی) مالیہ ادا کرتے ہیں۔

(کانگرس سوشلسٹ ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۱)

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آخر حکومت اتنی بڑی رقم کو کیوں چھوڑ دیتی ہے اور قانون آراضی کو بدل کر اس آمدنی کو خود کیوں نہیں وصول کرتی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو خود کسانوں کی سماجی زندگی میں ایک تبدیلی ہو جاتی لیکن برٹش سامراج اپنی ہر بھول چوک کو ہم سے زیادہ سمجھتا ہے۔ یہ فعل اس کی بھول چوک کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی ڈیڑھ سو برس کی منظم اور انتھک پالیسی کا نتیجہ ہے۔ زمینداروں کا کام صرف لگان اکٹھا کرنا ہی نہیں بلکہ انقلابی کسان اور ہندستانی نظام حکومت کے درمیان دیوار بن کر حائل ہونا ہے۔ تاکہ حکومت کسانوں کی زد سے بچی رہے۔

دوامی اور میعادی بندوبست والے علاقوں میں ابواب لینا زمینداروں کا موروثی پیشہ ہو گیا ہے۔ اس کی بھی کیفیت۔ یو۔ پی۔ کے ایک اعلیٰ ریونیو افسر کی زبانی ہی سنئے۔

"ایک پوربی ضلع میں ایک بڑے زمیندار نے گراموفونا نامی ٹیکس کسانوں سے وصول کیا کیونکہ گاؤں میں زمیندار کا لڑکا گراموفون لے کر گیا تھا۔

مکان بناتے وقت یا درخت لگاتے وقت اور کنواں کھودتے وقت نذرانہ دینے کا رواج ہمارا خیال ہے کہ دنوں تک جاری رہے گا۔ اور اگر یہ مناسب رقم تک محدود رہتا ہے۔ تو اس پر کسی اعتراض کی بھی ضرورت نہیں۔ بھوسہ، پوال، گنا اور کربی پر محصول باندھنا اصولاً قابل اعتراض ہے اس کی شرح روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں زمیندار کے ہاں شادی بیاہ کے وقت کسان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کچھ دن سے ایک من گیہوں دے گا۔ ہر سال میں ایک دن زمیندار کی سیر (خودکاشت) کو جوت دے گا۔

چمار سال میں دو جوڑ جوتے بنا دیتا ہے۔ گڈریا ایک کمبل۔ پاسی ایک بکرا۔ کہار [illegible] تالاب کا ایک من سنگھاڑا دیا کرتا ہے۔ بھڑبھونجا، تیلی، بھانڈ بھوجا اور جولاہے نقدی رقم ادا کرتے ہیں۔ جو عموماً آٹھ آنے سے ڈیڑھ روپیہ تک ہوتی ہے"

اس کے علاوہ موٹرانے ہتھیانے اور گھوڑانے موٹر ہاتھی اور گھوڑوں کے اخراجات کے لئے الگ وصول کیے جاتے ہیں۔

رعیت واڑی علاقوں میں جہاں کسان اپنی زمین کا آپ ہی مالک ہے وہاں بھی حالت کچھ بہتر اور امید افزا نہیں وہاں کے کسان بھی اسی طرح تباہ حال ہیں جیسے ان کے بھائی بندوبستی علاقوں میں۔ یہاں خود حکومت زمیندار ہے اور وہی کاشتکاروں پر ظلم اور استحصال کا آرہ چلاتی ہے یہاں مالگذاری کا قانون نہایت ہی دقیانوسی اور بوسیدہ ہے۔ ان علاقوں میں زمین رکھنے والے (جنھیں پنجاب میں زمیندار کہا جاتا ہے) امیر اور غریب ہر طرح کے ہیں مگر ان سب کو ایک ہی ریٹ پر مالگذاری ادا کرنی پڑتی ہے مالگذاری مقرر کرتے وقت یہاں آمدنی کا لحاظ نہیں کیا جاتا اسلئے جو سب سے زیادہ غریب ہے اس پر سب سے زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے پھر یہاں مہاجنوں کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان علاقوں میں رعیت کے مسئلے بھی تقریباً وہی ہیں جو اور صوبوں میں یعنی۔

(۱) یہاں زمیندار کے بدلے حکومت خود استحصال کرتی ہے۔
(۲) مہاجنوں کا کاروبار اسی شدت کے ساتھ ہے۔
(۳) امیر کاشتکار غریب کاشتکاروں کا جن کے ساتھ وہ اپنی زمین بندوبست کرتے ہیں استحصال کرتے ہیں۔

مسئلہ کی نوعیت

ان تمام حالات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ مسئلہ کی نوعیت طبقاتی کشمکش کی ہے اس اعتبار سے مسئلہ کو بنیادی طور پر حل کرنے کی جب کبھی بھی کوئی کوشش ہوئی تو اس کا اثر تعلقہ داروں اور زمینداروں، مہاجنوں اور درمیانی لوگوں کے منافع پر پڑے گا، ورنہ ایسی کوششوں کا ناکام ہونا یقینی ہے اس طبقاتی کشمکش کی وجہ سے موجودہ سماج میں جس کی بنیاد شخصی ملکیت۔ نفع خوری، مفت خوری اور

جہاں طاقتور شہنشاہ
جلوہ افروز ہوتے تھے
بابر۔ اکبر۔ شاہ جہاں اِن ناموں سے کس قدر شاندار خیالات دماغوں میں پیدا ہوتے ہیں فتح پور سیکری۔ آگرہ اور دہلی میں آج بھی خاندان مغلیہ کی عجیب وغریب بنائی ہوئی عمارتیں دکھائی دیتی ہیں ہر اُس ہندوستانی کو جس کو اپنی قوم پر ناز ہے اِن کے دیکھنے کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ریلوے نے سستا اور آرام دہ طریقۂ سفر ہندوستان کے ہر گوشے میں مہیا کردیا ہے۔
ریلوے
ہندوستان میں سفر کرنے کا سب سے سستا ذریعہ
R. B. K. 7

استحصال ہے ناگزیر ہیں وہ موجود ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بنگال بہار اور یوپی کے صوبوں میں جو طبقاتی منافشہ جاری ہے اس میں کسان کمیت مزدور مقروض لوگ اور دوسرے نادار لوگ ایک طرف ہیں اور زمیندار [illegible] اور مہاجن مع حکومت کی مشنری کے دوسری طرف، حکومت کسانوں کی [illegible] اس لیے ان کے مفاد کی بھی وہ محافظ نہیں خود سائمن کمیشن نے اس حقیقت کو ایک حد تک ان لفظوں میں تسلیم کیا ہے۔

"زمینداروں اور کسانوں کے مخالف اور متضاد مفاد حکومت اور مجلس آئین ساز کے لیے شدید اور دشوار گذار مشکلات پیدا کرتے ہیں۔"

رعیت داری صوبوں میں یہ کشمکش ایک طرف حکومت اور مہاجن۔ اور دوسری طرف غریب اور اوسط درجے کے کاشتکاروں میں جاری ہے۔ یہی صورت حال پنجاب میں بھی ہے۔

مختصر یہ کہ بندوبستی صوبوں میں کسانوں اور مزدوروں کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ زمیندار اور ان کے ایجنٹ زبردست استحصال میں مصروف ہیں ان کو پشت پر سود خور مہاجنوں اور غلے کے تاجروں کا طبقہ اور سامراجی استحصالی حکومت اپنی افسر شاہی کے ساتھ ہے لیکن ان صوبوں میں اصل فیصلہ کن عنصر زمیندار اور کسانوں کے مفاد کی کشمکش ہے کسانوں کی ترقی کی کوئی تحریک بھی اگر وہ سچی ہے اور صحیح راہ پر چلتی ہے۔ طبقاتی جنگ کے شعلے کو بھڑکا دے گی۔ سامراج دشمن سیاسی جدوجہد میں یہی طبقاتی کشمکش فیصلہ کن قوت ثابت ہوگی۔ رعیت داری علاقوں (اور پنجاب) میں غریب اور چھوٹی حیثیت کے کسانوں کی ایک صف ہے اور ایک امیر کسانوں کی جو اپنی زمین چھوٹے کسانوں کے ساتھ بندوبست کرتے ہیں۔ [illegible] کرنے والے مہاجن اور غلوں کے تاجر دوسری صف میں ہیں۔ لیکن ان علاقوں میں خود حکومت کی حیثیت زمیندار اور استحصال کرنے والے کی ہے۔ اس سے گاؤں کی طبقاتی تقسیم میں اکثر وقتی مسائل پر پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ اور وہ استحصالی زمیندار پرست حکومت کے مقابلے میں متحد ہو کر صف بستہ ہو جاتے ہیں مختصر یہ کہ یہاں بھی طبقاتی اور سیاسی جنگ ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

تنقید و تبصرہ

بھگت سنگھ

مصنف دیا کشن گنجور۔ لکھائی چھپائی جلد کاغذ عمدہ

سردار بھگت سنگھ نے جس بہادری سے ہنستے کھیلتے آزادی کے لئے اپنی جان دی ہے۔ اسکا چرچا دوست و دشمن سب کی زبان پر ہے۔ مگر کانگرسی راج ہونے سے پہلے اپنے اس ہیرو کا نام لینا بھی جرم تھا۔ کانگرسی راج نے ایک یہ مصیبت تو دور کر دی۔ اب سوال یہ تھا کہ کون اس جیتے جاگتے ہیرو کو زندہ کرتا ہے۔ یہ کام دیا کشن گنجور نے کیا۔ اور اچھی طرح کیا۔ کتاب کہتی ہے کہ مصنف کو بھگت سنگھ سے دلی لگاؤ ہے

مصنف کا جوش اور خلوص کتاب میں برابر ملتا ہے کتاب تھوڑی سی پڑھنے کے بعد بھگت سنگھ کی شخصیت دل و دماغ پر چھا جاتی ہے شخصیت سامنے آجاتی ہے [illegible] جتنا جتنا پڑھتے جاؤ شخصیت ابھرتی جاتی ہے [illegible] کتاب لکھنے کا جوش [illegible] عبارت سلجھی ہوئی ہے۔ ترتیب عمدہ ہے۔ آزادی چاہنے والوں کو یہ کتاب ضرور پڑھنا چاہیے

نوجوان اور مفلسی

مصنف سید صابر حسین جعفری۔ سو صفحہ۔ لکھائی چھپائی کاغذ اوسط درجہ قیمت ۱ر ملنے کا پتہ :- حلقہ ادب لکھنؤ۔

یہ کتاب ایک تعلیم یافتہ نوجوان کی ڈائری کی صورت میں ہے جو [illegible] غریبی اور جنسی بھوک کا مظلوم شکار ہے ساتھ ہی ساتھ روزمرہ کی ننھی خوشی رنج و غم، عزیزداری، دوستی اور ایسے دوسرے الجھاؤں سے اس کی زندگی بالکل کوری ہے اور نہ اس کے پاس کوئی کام ہے جو اسکے خیالوں اور جذبات کو الجھائے رکھے۔ نتیجہ یہ ہے کہ خیالوں اور جذبات نے گھٹ گھٹ کر اندر ہی اندر ایک بے سر و پا دنیا بنالی ہے جس کو واقعیت سے دور کا بھی ناتا نہیں۔

نوجوان کے گھٹے ہوئے خیالات ایک کتاب کیلیے اچھا موضوع بن سکتے تھے بشرطیکہ ان کے تجزیے اور ترتیب میں آرٹ سے کام لیا جاتا، اور پھر انکو واقعات کا جامہ پہنا کر اس نگاہ سے پیش کیا جاتا کہ غریبی اور بیکاری کیطرح آدمی کو اندر ہی اندر بھوت بنا دیتی ہیں اسوقت یہ کتاب ایک شاہکار ہو جاتی لیکن اسوقت یہ مواد بہت بھونڈی طرح سے پیش کیا گیا ہے اور اس نگاہ سے پیش کیا گیا ہے کہ اپنے نوجوان کے خیالات کو پسند کرو۔ ایسا نوجوان دماغی یرقان کا مریض کہا جا سکتا ہے ہم اس پر صرف ترس کھا سکتے ہیں اس کے خیالات کو کوئی وقعت نہیں دے سکتے۔

کتاب میں کوئی ادبی خوبی نہیں ہے عبارت بہت بھونڈی ہے، بوجھل اور ثقیل لفظوں سے مطلب ہر جگہ دب گیا ہے اور کہیں کہیں تو مطلب ایسا پس کر غائب ہو گیا الفاظ ہی الفاظ رہ گئے پلاٹ میں ارتقا غائب ہو کر غیر فطری ہے اتار چڑھاؤ، حرکت وغیرہ سب ایسی ہی کمزوریں کہ اچھے خیالات کے اس پلندے کو ختم کرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ صرف مصنف کا خلوص ایسی چیز ہے جو جگہ جگہ طبیعت کو متاثر کر دیتا ہے۔

ہل

پانزدہ روزہ رسالہ۔ چیف ایڈیٹر شری ناتھ سنگھ لکھائی چھپائی کاغذ [illegible] ملنے کا پتہ:- انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد۔

اس رسالہ کی زبان بہت سادی اور اچھی ہے مضمون اور نظمیں بھی اچھی اچھی ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو کاشتکاری سے دلچسپی رکھتے ہیں بہت اچھی چیز ہے۔

کاشتکاری کے علاوہ گھریلو صنعتوں کے بارے میں بھی بہت کارآمد

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

کانگرس کی طرف سے شرعی وراثت کی حمایت

نواب یوسف ادھر بھی اور ادھر بھی

اسمبلی میں سیر کی شرعی وراثت پر بحث

۱۲ر جنوری کو مخالف پارٹی کی دیر لگانے کی ترکیبوں سے اُکتا کر وزیر زراعت نے یہ تجویز پیش کی کہ اسمبلی کا اجلاس ۸ بجے رات تک ہوا کرے۔

مخالف پارٹی نے بل کو دیر میں پاس کرنے کی عجب عجب چالیں چلیں، انھوں نے تجویز پیش کی کہ اجلاس بجائے دس بجے کے ساڑھے دس سے ہوا کرے اور سنیچر کے روز چھٹی ہو۔ ان باتوں کو کانگرس پارٹی نے مان لیا۔ پھر مخالف پارٹی کی طرف سے ذرا ذرا سی بات پر لمبی لمبی تقریروں پر تقریریں ہوتی رہیں۔ کانگرس پارٹی نے بحث کو ختم کرنے کیلئے کوئی تجویز نہیں پیش کی اور نہ جواب میں کوئی لمبی تقریر کی۔

اس روز بہت معمولی سی بحث تھی وہ یہ کہ کاشتکار کو زمین درست کرنے کا کیا حق حاصل ہے

وزیر زراعت کی رات کے اجلاس کی تجویز کا اثر اچھا پڑا، دوسرے روز مخالف پارٹی نے زیادہ کچھ بحث نہیں کی اور مخالف پارٹی کے لیڈر نے اس پر آمادگی ظاہر کی کہ ترمیموں کی فہرست میں سے ایسی ترمیمیں نکال دیں جو مکرر ہو گئی ہیں اور بحث صرف اہم ترمیموں پر کی جائے۔

اسی روز اس پر بحث ہوتی رہی کہ زمین کی درستی، درخت لگانے، اور زمین چھوڑ دینے کا کاشتکار کو کتنا حق ہے۔ مخالف پارٹی نے کاشتکاروں کے حقوق گھٹانے کو بہت سی ترمیمیں پیش کیں مگر وہ گر گئیں۔ اس روز کام تیزی سے ہوا اور تقریباً سو ترمیمیں نکل گئیں۔ اور دفعہ ۷۷ تک بل پاس ہو گیا۔

دوشنبہ کو بارہ دفعوں پر بحث ہوئی، اس روز راجہ بشیشر دیال نے کاشتکاروں کے حقوق کے خلاف ایسی ایسی ترمیمیں پیش کیں کہ مسلم لیگ تک نے انکی مخالفت کی، جبکہ انکی ترمیموں کی تائید کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ ادھر مسلم لیگ کی پالیسی میں خاص تغیر ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ بعض بعض باتوں میں وہ زمینداروں کے خلاف کانگرس کا ساتھ دیتی ہے حالانکہ پہلے وہ اعلان کر چکی ہے کہ یہ بل بہت معمولی ہونا چاہیئے اور اس اعلان کے بعد سے زمینداروں ہی کا ساتھ دیتی آئی ہے لیکن غالبًا کاشتکاروں کی مخالفت کرنے کا اثر لیگ کے حق میں اچھا نہیں ہوا۔ اس سے اس کو اپنا طریقۂ کار بدلنا پڑا۔

۱۸ر جنوری کو زمینداروں کے لگان بڑھانے کے حق پر بحث ہو رہی تھی راجہ بشیشر دیال نے ترمیم پیش کی کہ زمیندار کو زمین کی درستی کے بعد لگان بڑھانے کا اختیار دیا جائے خواہ اس بڑھائی میں زمیندار کا حصہ ہو یا نہ ہو۔ وزیر زراعت نے جواب میں کہا کہ اگر زمین کی کچھ درستی ہو جائے تو اس سے فائدہ اتنا ہے کہ پہلا حق تو کاشتکار کا ہے جس کی محنت کا یہ نتیجہ نکلا اور دوسرا حق حکومت کے ان شعبوں کا ہے جس نے اس کو زمین درست کرنا سکھایا۔

جب لگان مقرر کرنے پر بحث اٹھی تو ایک مسلم لیگی نے یہ تجویز پیش کی کہ کسی ضلع یا ضلع کے کسی حصے میں اس وقت لگان بڑھایا جائے جب قانون ساز کی دونوں جماعتیں (اپر ہاؤس اور لوئر ہاؤس) راضی ہوں لیکن اس تجویز کو [illegible] قاعدہ سے پیش کر کے بحث نہیں کی تھی۔

جب اس بات پر بحث اٹھی کہ لگان مدت کی صورت کیا ہونا چاہیئے تو مخالف پارٹی نے یہ کوشش کی کہ اس مدت کو کم کر دیں جس کے بعد لگان دوبارہ مقرر کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ قیمتوں کی کمی بیشی کے بعد لگان بدلنے میں جو کارروائی ہوگی اس کارروائی میں جتنی دیر ممکن ہو لگا دیں۔ حکومت نے ان تمام ترمیموں کی سخت مخالفت کی اور آخر میں یہ سب گر گئیں۔

نواب محمد یوسف نے ان ترمیموں پر لمبی لمبی تقریروں میں بہت وقت لیا اور بہت محنت سے ایک بات اور ایک دلیل کو بار بار دہراتے رہے۔

دفعہ ۱۰۲ پر بحث اٹھی جو اس بارے میں ہے کہ فوری ضرورت پر کیسے لگان بڑھایا جا سکتا ہے، اور یہ کہ اس غرض سے زمیندار یا کاشتکار مقدمہ چلا سکتا ہے اور یہ کہ سیر کی وراثت کس صورت سے ہوگی۔ اس پر بہت اہم بحثیں ہوئیں۔

مخالف پارٹی نے ایک بہت اہم ترمیم پیش کی وہ یہ کہ لگان بڑھانے کیلئے جو مقدمہ چلایا جائے اسکی عدالتی فیس کم کر دی جائے۔ حکومت نے اسکی اس بنیاد پر مخالفت کی کہ ایسا کرنے سے زمیندار روز روز مقدمے چلا کر کاشتکاروں کو تنگ کرینگے، ہاں اس پر حکومت راضی تھی کہ جب کاشتکار لگان کم کرنے کیلئے مقدمہ چلائیں تو وہ ان کے لیے عدالتی فیس کم کر دے۔

جب سیر کی تقسیم کی بحث اٹھی تو مسٹر اجیت پرشاد جین نے یہ تجویز پیش کی کہ سیر کی وراثتی تقسیم مرنے والے کے مذہبی قانون کے مطابق ہو۔ مسلم لیگ نے اس ترمیم کی تائید کی۔

اس پر راجہ بشیشر دیال نے یہ ترمیم پیش کی کہ تعلقداروں کیلئے اس اصول پر عمل نہ کیا جائے۔

نواب محمد یوسف نے جب پہلی ترمیم اٹھی تو اس کی تائید میں اور جب دوسری ترمیم آئی تو اس کی تائید کی، اس طرح وہ شرعی وراثت کے موافق بھی رہے اور مخالف بھی۔

بقیہ صفحہ ۲۰

باتیں بتائی گئی ہیں۔ ولیس بریلیش کی بات کے عنوان سے کچھ سیاست پر بھی لکھا گیا ہے لیکن سیاست پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ذرا کمزور ہے اس کے علاوہ اس رسالہ کے ادبی مضامین پروپیگنڈے کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ اس لیے ادبی خوبی کم ہو گئی ہے اور کہیں کہیں غائب ہو گئی ہے۔

لال ملی ڈائری

کاغذ، جلد، چھپائی اعلیٰ درجہ کی۔ اڈیٹروں، وکیلوں، ڈاکٹروں کے لیے بہت کارآمد چیز ہے۔ مگر جو لوگ اسکو استعمال کرینگے انھیں روزانہ لال ملی کا ایک اشتہار بھی پڑھنا پڑیگا۔

گارنٹی شدہ انعام

ہر صحیح حل بھیجنے کے لئے مبلغ پچاس روپیہ سب سے زیادہ حل کیلئے مبلغ پچاس روپیہ۔ سب سے پہلے صحیح حل کے لئے مبلغ پچاس روپیہ کا ایک اور خاص انعام

۱۶		
	۱۴	
		۸

حل کیا کرنا ہے سامنے دئے ہوئے نو خانے مربع ہیں ایک سے لیکر سو تک کے ہندسوں میں کوئی سے ہندسے ایسی ترتیب سے رکھے کہ تین ہندسوں کی لائن کو خواہ کسی طرف سے جمع کریں جواب چھبیس آئے۔ دئے ہوئے ہندسوں کی جگہ تبدیل نہیں کیجائیگی صفر اور بٹہ استعمال نہیں ہو سکتے۔ کوئی ہندسہ دوبارہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

شرائط فیس داخلہ ہر حل کے لئے ۸ ر فی حل کے حساب سے بذریعہ منی آرڈر آنا چاہئے منی آرڈر کوپن پر اپنا نام اور پتہ لکھنا لازمی ہے۔ حل سفید کاغذ پر بھیجے جا سکتے ہیں صحیح حل اڈیٹر صاحب کے پاس سر بمہر کر کے رکھ دیا گیا ہے حل ۳۰ جنوری ۱۹۳۹ء تک ڈاک میں ڈال دینا چاہئے۔ اس کے بعد بھیجا ہوا حل منظور نہ ہو سکے گا۔ صحیح حل ۷ فروری تک شائع کر دیا جائے گا۔ منیجر صاحب معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل تسلیم ہوگا۔ ہر جواب طلب امور کے لئے ارکا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ ایک شخص ایک یا مختلف قسم کے حل جتنے چاہے بھیج سکتا ہے۔ حل اور منی آرڈر آنے کا پورا پتہ۔

منیجر صاحب رسالہ نشنہ، سباتھو شملہ۔

تحفۂ محبت!

اگر آپ دولت، ثروت، اثر و رسوخ، عزت سے مسلسل اور متواتر کوششوں کے باوجود بھی کسی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تو مایوس اور شکستہ دل ہونے کی بجائے ہمارا تعویز محبت منگا کر اس کی روحانی برکت سے فیض یاب ہوں۔ ضدی سے ضدی معشوق خواہ آہنی قلعہ میں بند ہو چند روز کے اندر قدموں پر آپ کے آ گریگا۔ جناب بے ڈی سی نو ہرائی لنس نواب صاحب نادر تحریر فرماتے ہیں آپ کا تعویز ملا اس کی سریع التاثیری دیکھکر اس مادی زمانہ میں بھی روحانی قوت کا اعتراف کرنا پڑا۔

ہدیہ صرف ۱۲ ر علاوہ محصول ڈاک۔ خلاف تحریر ہونے پر قیمت واپس

منیجر موہن بھنڈار رجسٹرڈ نمبر ۳۲ ریلوے روڈ لاہور

ایک روپیہ میں ایک ہزار اشتہار چھپوا لو!

پنجاب بھر میں سب سے سستی اور اعلیٰ چھپائی کرنے والی واحد فرم

نرخ چھپائی اور اشتہارات بمعہ اعلیٰ رنگین کاغذ

سائز اشتہارات	۱۰۰۰	۲۰۰۰	۴۰۰۰
۳ × ۵½	۱ — ۰	۲ — ۰	۳ — ۸
۵ × ۵½	۲ — ۰	۲ — ۸	۵ — ۰
۱۱ × ۹	۲ — ۸	۵ — ۰	
۱۸ × ۱۱	۵ — ۰	۸ — ۰	

زیادہ کام کیلئے علیحدہ نرخ۔ نرخ ہر صورت میں نام پر سب سے کم۔ نصف قیمت پیشگی بھیجیں پتہ

اگروال سٹور علاء سباتھو شملہ

یہ اشتہار بار بار شائع نہ ہوگا — تاریخ میں ہرگز تبدیلی نہ ہوگی

مبلغ آٹھ ہزار روپیہ نقد انعام

ہر کام ایمانداری اور انصاف سے ہوگا۔ آزمائش کریں اور فائدہ اٹھائیں

انعامات پہلا انعام مبلغ چھ ہزار روپیہ جو بالکل صحیح حل بھیجنے والے شخص یا اشخاص کو دیا جائیگا دوسرا انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ اس شخص کو دیا جائیگا جس کا صحیح حل سب سے پہلے موصول ہوگا۔ تیسرا انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو دیا جائیگا۔

۱۲		
	۱۱	
		۱۰

حل کیا کرنا ہے سامنے دئے ہوئے نو خانہ مربع میں ایک سے سو تک ہندسوں میں کوئی ہندسے اس ترتیب سے رکھیئے کہ تین ہندسوں کی لائن کو خواہ کسی طرف سے جمع کریں میزان تینتیس آئے۔ دئے ہوئے تینوں ہندسوں کی جگہ تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ صفر، بٹہ، ضرب، تقسیم، استعمال نہیں ہو سکتے ایک ہندسہ دوبارہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

شرائط فیس داخلہ ہر حل کے لئے ۸ ر فی حل کے حساب سے بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر آنا چاہئے۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ لکھنا ضروری ہے حل سفید کاغذ پر بھیجے جا سکتے ہیں۔ صحیح حل اڈیٹر صاحب کے پاس سر بمہر کر کے رکھ دیا گیا ہے حل ۳۱ جنوری تک ڈاک میں ڈال دینے چاہئیں۔ اس کے بعد کوئی حل منظور نہ ہوگا صحیح حل ۴ فروری تک شائع کر دیا جائے گا۔ منیجر صاحب معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل تسلیم ہوگا۔ ہر جواب طلب امور کے لئے ارکا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ اس کمپیٹیشن کی یہ واضح شرط ہے کہ انعام کی رقم بعد وضع اخراجات بالکل ٹھیک حل کرنے والے ان اشخاص میں تقسیم کی جائے گی جن کے حل ہمارے سر بمہر حل سے ہو بہو ملیں گے۔ انعامات کی تقسیم موصول شدہ حل کی تعداد کے مطابق ہوگی گارنٹی۔ ہر صحیح حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیہ انعام ضرور ملے گا اور سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو بھی کم از کم پچاس روپیہ کی گارنٹی ہے ہر ایک شخص ایک یا مختلف قسم کے جتنے حل چاہے بھیج سکتا ہے۔ حل اور منی آرڈر بھیجنے کا پتہ

گپتا اینڈ کمپنی کمپیٹیشن ڈیپارٹمنٹ نمبر ۸ ساڈھورہ انبالہ

اکرام جنرل انجینیرنگ ورکس

مولوی گنج لکھنؤ!

ہر قسم کی مشینوں کی مرمت۔ لوہے اور پیتل کی ڈھلائی پابندی اور کفایت سے ہوتی ہے

قومی فوج

آزاد سنگ اجودھیا میں کانگرس کی قومی فوج کا گروپ فوٹو

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings Qaisbagh, Lucknow.

پورا بھروسا

کیا آپ نو اپنے مالی انتظام پر جو آپ نے اپنی لڑکی کی شادی—لڑکے کی اعلیٰ تعلیم بڑھاپے کے ضروریات اور پس ماندگان کے لئے کیا ہے—پورا بھروسا ہے—

یہ بڑی قومی اور بھائی بندی والی **بیمہ کمپنی** جس کی آمدنی اج پچاس لاکھ سے زائد سالانہ ہے—جسکو یہ فخر حاصل ہے کہ اپنے لاکھوں پالسی والوں کے مطالبات شادی اپنے بچوں کی تعلیم پس ماندگان کی خبر گیری یا بڑھاپے کے وظیفہ یا ضروریات کے لئے **سنہ ۱۸۷۱ سے لیکر اب تک** ادا کرتی چلی آئی ہے اور ساتھ ساتھ پالسی حفاظتی حقوق اور نافذ ہوجانے پر خاص منافع بونس اور مداخ کی ذمہداری دیتی ہی ہے—یہ کمپنی اپ کی مشکل آسان کرسکتی ہے—علاوہ ازیں آپ اس ملک بھر میں پھیلی ہوئی برادری کے ممبر بھی جاتے ہیں—

تفصیل کے لئے لکھیے—

بمبئی میوچول
لائف انشورنس سوسائیٹی لمیٹڈ

۳ بشیشر ناتھ روڈ قیصرباغ لکھنؤ

پورے وقت یا تھوڑے وقت مستعدی سے کام کرنے والے براہ راست کمیشن ایجنسی کیلئے درخواست دے سکتے ہیں (یہ نوکری پنشن والی ہے) درخواستوں میں عمر—قابلیت اور ذاتی اثرات کی تفصیل ضروری ہے—
ٹریننگ مفت دی جائیگی—

جدید مطبوعات جامعہ

مضامین محمد علی—مرتبہ محمد سرور صاحب پروفیسر جامعہ یہ اس دور کی تاریخ ہے جب ملت اسلامیہ کے تن مردہ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑی اور برسوں کے خوابیدہ مسلمان جاگ اٹھے—قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

دنیا کی کہانی—از پروفیسر محمد مجیب صاحب—اس مختصر سی کتاب میں ہزاروں برس کی تاریخ اس انداز سے لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والا بادشاہوں کی لڑائی اور بکھیڑوں کے گورکھ دھندے میں پڑے بغیر وہ سب سمجھ جاتا ہے جو دراصل تاریخ کا اصل مفہوم ہے—قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

شہری آزادی از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب—یہ ایک کتابچہ ہے جسمیں بیرونی ممالک کی انجمنوں اور ان کے شہری حقوق کا ذکر کرتے ہوئے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسطرح موجودہ حکومت ہندوستانیوں کو ان کے ان حقوق سے محروم کرنے کے لئے در پے ہے جن سے ان کی زندگی وابستہ ہے—قیمت ۳ آنہ

ہندوستان میں برطانوی حکومت—از ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب—یہ تو سب جانتے ہیں کہ برطانیہ ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ کس طرح اور کس حد تک ہمیں لوٹا جارہا ہے اسکے سمجھنے کے لئے یہ کتاب پڑھئے جسمیں برطانوی سامراج کی اقتصادی اور مالی پالسی کا تجزیہ کیا گیا ہے قیمت ۸ آنہ

ہندوستان میں دیہی قرض—مصنفہ پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے—اس چھوٹی سی کتاب میں قرض کے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کسان کی کیا حالت ہے ایک گاؤں کی مفصل تحقیقات بھی پیش کی گئی ہے—قیمت ۳ آنہ

مکتبہ جامعہ
دہلی—نئی دہلی—لاہور—لکھنؤ

ہندوستانی نیوز پیپرز لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد ذکی پرنٹر عمدۃ المطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر بشیشر ناتھ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳—نمبر ۵ } کانگرس کا ہفتہ وار اخبار—لکھنؤ ۲۹ جنوری ۱۹۳۹ ع { فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

یوم آزادی

(۲۶ جنوری سنہ ۱۹۳۹ ع)

عہد نامہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ دوسری قوموں کی طرح ہم ہندستانیوں کو بھی قومی آزادی-اپنی محنت کا پھل-اور زندگی کی ضروریات حاصل کرنے کا حق ہے تاکہ ہمیں اپنی ترقی کا پورا موقع ملے-ہمارے اس حق کو ہم سے چھیننے کا کسی کو اختیار نہیں ہے—ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگر کوئی حکومت کسی قوم کے اس حق کو چھینتی ہے تو اس قوم کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اس حکومت کو بدل دے یا اسکا خاتمہ کردے—انگریزی حکومت نے ہندستان کو صرف قومی آزادی سے ہی محروم نہیں رکھا بلکہ اس نے اپنی حکومت کی بنیاد ہی ہندستانی عوام کی لوٹ کھسوٹ پر رکھی ہے اور ہندستان کو اقتصادی-سیاسی-تمدنی اور روحانی اعتبار سے برباد کر رکھا ہے-اسلئے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہندستان کو برطانیہ سے رشتہ توڑ کر پورن سوراج یا مکمل آزادی حاصل کرلینا چاہئے—

ہم مانتے ہیں کہ قومی آزادی پانے کا ہمارے لئے سب سے اچھا طریقہ عدم تشدد ہی ہو سکتا ہے-ہم نے پرامن اور جائز طریقوں سے ہی طاقت اور خود اعتمادی حاصل کی ہے اور مکمل آزادی کی طرف بہت دور تک آگے بڑھے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ان طریقوں ہی پر چل کر ہمارا وطن آزادی حاصل کریگا—

آج ہم مکمل آزادی حاصل کرنے کا پھر سے عہد کرتے ہیں اور طے کرتے ہیں کہ ہماری عدم تشدد کی لڑائی اسوقت تک جاری رہیگی جب تک ہم اپنے ملک ہندستان کو آزاد نہیں کر لینگے—

تری پوری کا سامنا

کانگرس کا سالانہ اجلاس آ رہا ہے، اور سال بھر کے بعد ہم کو پھر ایک موقع ہاتھ لگ رہا ہے، کہ ہم اپنی سال بھر کی لڑائی کی جانچ پڑتال کریں۔ دشمن کی طاقت کو تولیں، اور پھر طے کریں کہ ہم کو اگلے سال کس ڈگر چلنا ہے۔ اور کیسے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسوقت ہمارے سامنے کون کون اہم مسئلے ہیں۔ جو شخص سیاست میں ذرا بھی دلچسپی لیتا ہے، وہ ایک .... سرسری نگاہ سے بتا سکتا ہے۔ کہ اسوقت تین مسئلے ہمارے لئے بہت اہم ہیں (۱) صوبائی حکومتوں کی کارروائیاں (۲) ریاستیں (۳) فیڈریشن ہے۔ ان تینوں کے متعلق ہم کو طے کرنا ہے کہ آئندہ سال ہماری کارروائی کیا ہونا چاہئے

در اصل ان تینوں پر اسی وقت غور ہو سکتا ہے جب ہم ایک بار پھر یہ بات صاف کرلیں کہ ہماری منزل کیا ہے؟ ہماری منزل مکمل آزادی یا ہندستانی عوام کا دکھ اور غریبی دور کرنا ہے۔ اور اس منزل تک ہم اسی وقت پہونچ سکتے ہیں جبکہ ہندستانی حکومت کا دستور اساسی ہندستانیوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہو۔

اسوقت ہندستان پر اصل حکمرانی برطانوی پارلیمنٹ اور اس کے نمائندوں کی ہے اسی پارلیمنٹ نے طے کیا ہے کہ ہم کو یہ یہ اختیارات ملنا چاہئیں۔ اور جب وہ چاہے ان اختیارات میں کمی بیشی کر سکتی ہے، اور جو دستور بنائے اس پر ہم کو کاربند ہونا پڑے گا۔ اس پارلیمنٹ نے اسوقت وزیر ہند اور ان کے نمائندے والسرائے کو غیر محدود اختیارات دے رکھے ہیں ہندستان کی مالیات پر اس کا پورا دباؤ ہے۔ اور ہندستان کی دفتری حکومت اور سول ملازمتیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ جدید دستور نے ہندستان پر برطانوی پارلیمنٹ کی حکمرانی کو بے انتہا محفوظ کر دیا ہے۔ ایک دفعہ میں یہ ہے کہ حکمرانی پارلیمنٹ کے ہاتھ میں رہے گی۔ اور دوسری دفعہ یہ ہے کہ کسی دفعہ سے ایسا مطلب نہ لیا جائے جس سے برطانوی ہند یا اس کے کسی حصہ پر پارلیمنٹ کی حکمرانی پر کوئی اثر پڑے اور قانون سبھا کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی، جس کا اثر فرماں روائے شاہی خاندان بادشاہ کی جانشینی اور وراثت، یا ممالک محروسہ کی حکمرانی یا ہندستان کے کسی حصہ پر بادشاہ کی حکمرانی یا برطانوی قومیت کے متعلق قوانین پر کوئی اثر پڑے۔ یا بڑی فوج، ہوائی فوج، یا قانون نظم و ضبط بحری فوج، یا سمندری قانون اور سمندری عدالتوں پر کوئی اثر پڑے۔ ان دفعوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ ابھی کانگرس کو کسی طرح کی حکمرانی نہیں ملی ہے۔ جو کچھ ملا ہے، یہ والسرائے کی دین ہے۔ جب چاہے وہ واپس لے لے۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ ہم چاہے جتنی اچھی طرح دستور پر کاربند ہوں۔ رہیں گے ہمیشہ برطانوی پارلیمنٹ کے ماتحت حکمرانی چھیننے کے لئے ہم کو سامراج سے ابھی سخت لڑائیاں لڑنا ہیں۔ اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب تک برطانیہ میں ذرا بھی سکت ہے وہ حکمرانی ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتی۔ اس لئے ہم کو برطانیہ سے لڑنا ہے، اور سخت لڑائی لڑنا ہے، اور یہ لڑائی فیڈریشن کے معاملہ میں چھڑےگی۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم فیڈریشن کی صرف اسی لیے مخالفت کر رہے ہیں کہ اس میں ریاستوں کے نامزد نمائندے شریک ہوں گے، اور فیڈرل اسمبلی اور فیڈرل کونسل کے بہت سے ممبر چنے جائیں گے وہ کھلے الکشن سے نہیں بلکہ صوبائی قانون سبھا کے ممبروں سے چنے جائیں گے، ہماری مخالفت کی وجہوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لیکن اور وجہیں بھی ہیں، سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فیڈریشن ایسا جال ہے کہ اس میں پھنستے ہی ہم کو چھوٹے چھوٹے اختیارات ملیں گے، ان کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی کوشش میں اپنا وقت صرف کریں گے، اور اس سے جو چھوٹی چھوٹی کامیابیاں ہونگی وہ ہمارے ضمیر کو مطمئن کر دیں گی اور یوں ہم جد و جہد سے جو آزادی تک پہونچانے کا تنہا راستہ ہے، دور ہوتے جائیں گے۔

اور بڑی وجہیں یہ ہیں کہ اس میں برطانوی تجارت اور اقتصادیات کی سخت حفاظت کی گئی ہے۔ اخراجات کے بہت بڑے حصے پر ہم کو کسی طرح کا اختیار نہیں دیا گیا ہے ۳۸-۱۹۳۷ء کے بجٹ میں کل اخراجات ۷۷ کروڑ ۹۰ لاکھ تھے، ان میں سے ۴۴ کروڑ ۶۲ لاکھ فوج کا خرچ رہا۔ تقریباً کل اخراجات کا ۵۷ فیصدی۔

اسی طرح ریزرو بینک اور فیڈرل ریلوے بھی اختیارات سے باہر رہیں گی اس طرح کل اخراجات کا ۸۰ فیصدی حصہ اپنے قبضے سے باہر ہے۔ بیرونی پالیسی بھی قبضے سے باہر ہوگی۔ اسوجہ سے فیڈرل اسمبلی کو تجارتی معاہدہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اگر حکومت ہند کوئی معاہدہ کرنا چاہے تو ضروری نہیں ہے کہ فیڈرل اسمبلی سے اس پر رائے لے۔ اور نہ فیڈرل اسمبلی کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ کسی تجارتی معاہدے کو خواہ وہ ملک کے لئے سخت مضر ہو منسوخ کر دے

کیا آپکو ہندستان سے کچھ شکایتیں ہیں؟

ایسی صورت میں اگر ہم سنگھ فیڈریشن لیا بھی تو اس سے ملک کی غریبی اور کرنے کی کیا کوشش کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ دس چھوٹی چھوٹی ترکیبوں کو برطانیہ کی ایک تجارتی جال ختم کر دے گی۔

اس لئے ہم کو فیڈریشن کی ہر حالت میں مخالفت کرنا ہے، اور اس لڑائی کے لئے ملک کو تیار کرنا ہے۔

یہ لڑائی کیسے ہوگی؟ اور اس کے لئے ہم کو فوج کہاں سے ملے گی؟

سبھاس بوس نے تاپتی ناد سیاسی کانفرنس میں کہا تھا کہ "فرض کیجئے برطانوی حکومت یہ طے کرلیتی ہے کہ فیڈریشن کو پانچ یا دس سال کے لئے ٹال دیگی اس وقت ہمارا کام کیا ہوگا؟ کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ اور پیچھے کی تدبیروں میں پھنسے رہیں گے؟ یہ کام تو ہمارا نہیں ہوسکتا۔ ہم مکمل آزادی چاہتے ہیں، اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ہم ہی کو قدم بڑھانا ہے۔"

اگر ہم قدم بڑھائیں گے، تو اب ہماری طاقت پہلے سے دس گنی ہوگئی ہے پہلے ہم صرف جیل بھر سکتے تھے۔ لیکن اب ہم کو نئی طاقتیں مل گئی ہیں بمبئی کی بڑی اسٹرائک نے، اور کلکتہ کی جوٹ اسٹرائک نے بتا دیا کہ مزدوروں کو ساتھ لیکر ہم ریلوں اور کارخانوں کو بند کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کسانوں کے جلسوں اور لگان بندی کے مظاہروں سے معلوم ہوگیا۔ کہ انکو ساتھ لیکر ہم لگان بندی کر سکتے ہیں اور ریاستی عوام کو ساتھ لے کر ہم راجاؤں کو جو سامراجی کھمبے ہیں تنگ کر سکتے ہیں جب یہ چو ستون اکھڑ جائیں گے تو سامراج کا زور ٹوٹ جائے گا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم کو مکمل آزادی حاصل کرنا ہے تو فیڈریشن کے خلاف لڑنا چاہئے۔ اور اگر فیڈریشن کے خلاف لڑنا ہے تو کسانوں اور مزدوروں اور ریاستی عوام کی جتھابندی کو مضبوط کرنا چاہئے۔ اور جس طرح سے انکی لڑائیوں میں ان کی مدد کرنا چاہئے۔

رہ گیا صوبائی حکومتوں کا سوال۔ حکمرانی تو ضرور برطانوی پارلیمنٹ کے ہاتھوں میں ہے لیکن کانگریس نے اتنے دنوں تک حکومت کر کے حکمرانی کے ایک چھوٹے سے حصے پر قبضہ مخالف نہ کر لیا ہے۔ کیونکہ اتنے ہی دنوں کے راج سے عوام کو چسکا لگ گیا ہے، اس لئے اب برطانیہ آسانی سے اپنی گدی خالی نہیں کر سکتی اس قبضے کو اور زائد مضبوط کرنے کیلئے ہم کو اور زیادہ مزدوروں اور کسانوں کے فائدے کے کام کرنا چاہئیں۔ تاکہ جب ہم فیڈریشن کے آنے کے موقع پر قانون سبھاؤں کا کاروبار روک دیں یا اس کو چھوڑ دیں تو برطانیہ کی یہ ہمت نہ ہو کہ پچھلی مرتبہ کی طرح تینوں وزارتیں جا بجا کھڑی کر دے

یہی پروگرام لیکر ہم کو ترقی پر رہ چلنا چاہئے اور اسی کا ابھی سے پروپیگنڈہ کرنا چاہئے۔

پھر خلافت

مولانا حسرت نے مصر سے آکر جو بیان دیا تھا، اس میں یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ شاہ فاروق خلیفہ بننا چاہتے ہیں۔ جو خطرہ وہی ہوا یعنی شاہ فاروق نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔ اور مصر کی مسجدوں میں ان کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جانے لگا۔

جو لوگ پان اسلامزم اور خلافت پر عقیدہ رکھتے ہیں، ان کے نزدیک بھی

(باقی صفحہ ۸ کے ختم پر)

آزادی

جواہر لال نہرو

خاص ہندستان اور نیشنل ہیرالڈ کے لئے

ایک سال کی بات ہے کہ میں سرحد کے شہر ہند میں خدائی خدمتگاروں اور بہت سے سرحدی لوگوں میں گھرا ہوا یوم آزادی منا رہا تھا ہم سب نے ساتھ عہد کیا اور جیسا کہ اس وقت مناسب تھا ہم نے پشتو میں عہد نامہ دہرایا۔ میں نے سرحدی کے دورے میں پشتو کے کچھ الفاظ سیکھ لیے تھے اس لئے کوشش کی میں بھی تمام لوگوں کے ساتھ عہد نامہ کو لفظ بلفظ دہراؤں خان عبدالغفار خاں وہ دبلا سا پیارا شخص اس وقت اس پاک عہد نامہ کا امام تھا، اور ہمارے سروں پر کانگریس کا ترنگا جھنڈا تانے لہرا رہا تھا وہ جھنڈا جو اسی آزادی کا نشان ہے جس کیلئے ہم سب جدوجہد کر رہے تھے،

اسی روز ڈاکٹر خاں صاحب مجھے بہت سے شہروں اور دیہاتوں میں لے گئے اور ہر جگہ یہ پاک اور اہم رسم ادا کی گئی اور عہد نامہ دہرایا گیا۔ اس دن کی یاد ابھی تک میرے دل میں ہری ہے اور پٹھانوں کے خلوص بھرے چہرے جب کہ وہ آزادی لینے کا عہد کر رہے تھے میرے دماغ میں ان مٹ تصویر بن چکے ہیں ان کے لیے نہ تو یہ رسم محض رسمی تھی اور نہ یہ عہد نامہ زبانی تھا بلکہ ایک بہت بڑا عظیم اس کام میں ان کے دلوں کی تو توں کی گھٹی ہوئی تمناؤں نے آزادی حاصل کرنے کے وعدوں اور اپنی طاقت بڑھانے کے ارادوں کی راہ اپنی تھوڑی بہت جگہ اس نکال لی تھی۔ اس طرح آزادی کی اونچی مہم کے لیے ہم نے آپس میں بھائی چارہ کا رشتہ مضبوط کیا۔

آج میں پھر ہندستان کے ایک دوسرے سرحدی شہر یعنی الموڑہ میں عہد کر رہا ہوں یہ شہر ہندستان کے خاص حصے سے بہت قریب ہے لیکن پھر بھی ہندستان کی سرحد کا ایک ٹکڑا ہے جو تبت اور نیپال کے کنارے پر آباد ہے یہاں ایک اور طرح کا مجمع دور دور کی وادیوں، پہاڑی چوٹیوں سے آ رہا ہے اسکوٹ کے قریبی میدانوں سے جو ایک ہفتہ کے سفر کی دوری پر ہے کسان چلے آ رہے ہیں اور کمایوں کے پرانے شہروں سے مرد عورت چلے آ رہے ہیں یہ سب کڑاکے کے جاڑے کے زمانے میں ہمیشہ رہنے والی برفیلی چوٹیوں کے سامنے عہد کریں گے۔

آٹھ برس ہوئے جب ہم نے پہلے پہل یہ عہد کیا تھا۔ ان آٹھ برسوں میں کیا کیا مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔ اور کیسے کیسے مقابلے ہوئے؟ لیکن انہیں کچھ کامیابیاں اور بلکہ فتحیں بھی ہیں ہم کو جیت تو ہوئی لیکن ہم جانتے ہیں کہ اسکی کتنی معمولی قیمت ہے۔ اور ابھی وہ سنہرا دیس بہت دور ہے جہاں پہونچ کر ہمارا عہد پورا ہوگا۔

اور دنیا کا حال؟ لڑائی کی لپٹیں چین اور اسپین کو بھسم کیے دے رہی ہیں اور اپنے دامن میں وہ غیر انسانی بربری حرکتوں کو سمیٹ رہی ہیں جیسی آج تک سننے میں نہیں آئیں اور رجعت پسندی کی کالی رات یورپ پر گہری ہو رہی ہے

مصیبتوں کے مارے لکھو کھا عوام، گھر اور پناہ کی تلاش میں دیش دیش مارے مارے گھوم رہے ہیں۔ اور نیمتیں انکو کہیں نہیں ملتیں۔

ہمارے عہد نامے کا سوقت کیا مطلب ہے؟ اور اس کی کیا اہمیت ہے؟ کیا دہرانے دھراتے یہ رسمی اور بے اثر ہوگیا ہے۔ کیا اب بھی اس میں پرانی پھونک دینے والی چنگاری ہے جس نے ہم سے بڑے بڑے کام نئے پہلے؟ کیا ہم تھک کر ہار گئے ہیں؟ اور وزارتوں اور انتظام کی چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی باتوں میں الجھکر رہ گئے ہیں۔ اور اب برائیوں سے سمجھوتہ کی سوچ رہے ہیں۔ حالانکہ ان سے سمجھوتہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ کیا ہم بھول گئے ہیں کہ ہم ابھی تک ایک غلام راج کے شکنجوں میں جکڑے ہیں جو ہم کو لوٹ رہا ہے۔ اور ہمیں گندی غریبی میں ڈھکیلتا جاتا ہے اور جو آزادی کا جہاں و دنیا کے کسی حصے میں زندہ ہونے لگتی ہے گلا گھونٹ دیتا ہے کیا ابھی راج ہے جہاں ہمارا عہد نامہ پورا ہوتا ہے؟

ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو بھول کے شکار ہیں، جو بھول چکے ہیں کہ انھوں نے کیا کیا عہد کئے تھے، اور کیسے کیسے بہادرانہ ارادے کئے تھے۔ لیکن ہم نہ بھولے ہیں اور نہ کسی کو بھولنے دیں گے۔ ہم عہد کر چکے ہیں کہ مکمل آزادی حاصل کریں گے ہندستان میں سامراج کا خاتمہ کر دیں گے، اور جو سامراج ہم کو گھیرے ہوئے ہے اس سے ہر طرح نجات حاصل کرلیں گے، اور اب تک اسی عہد پر ہم ہیں۔

آج ہم اس عہد پر پہلے سے زیادہ مضبوطی سے ہیں کیونکہ سامراج نے اپنے پاپ کو بہت بڑھا لیا ہے، اس نے وسطی یورپ اور اسپین میں جمہوریت اور آزادی کا گلا گھونٹ دیا۔ اور فلسطین میں عربوں کو کچل ڈالا۔ ہم اسکو نہیں بھول سکتے، اور ہم لڑرہے ہوں یا خاموش ہوں اسس پالیسی کی، جو دنیا کو فسطائی طاقتوں کے ہاتھ میں دیئے دیرہی ہے ہمیشہ مخالفت کریں گے۔

آج ہم اس عہد پر پہلے سے زیادہ مضبوط ہیں، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ وزارتیں نے لینے سے کتنا معمولی فائدہ ہو سکا ہو اور کسطرح اب بھی سامراج مضبوطی سے جما ہوا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح ہندستان کی خواہشیں برطانوی مالیات اور تجارت پر بھینٹ کردیجاتی ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کسطرح برطانوی طاقت ریاستی عوام کی ابھرتی طاقت کو کچل رہی ہے۔ رن پور آج ویران ہو رہا ہے، اڑیسہ کے ریاستی عوام کو ڈرانے دھمکانے کے لئے ہندستان کی دور دور جگہوں سے مسلح فوجیں آرہی ہیں، بے پور میں ایک انگریز افسر کی اتنی ہمت پڑجاتی ہے کہ وہ نہ صرف ریاست کے عوام کو چیلنج دیتا ہے، بلکہ خاص کانگرس کو بھی چیلنج دے دیتا ہے۔ یہ چیلنج قبول کیا جاتا ہے۔ ہر جگہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ مقابلہ ریاستوں کے گندے بندے راجاؤں سے نہیں، بلکہ برطانوی سامراج کی خوفناک طاقت سے ہے۔

کیا یہی طریقہ ہے جس سے برطانوی حکومت قومی تحریک سے صوبائی وزارتوں کے ذریعے سمجھوتا کرنا چاہتی ہے اور فیڈریشن کے لیے راستہ صاف کرنا چاہتی ہے؟ **ہمنے یہ بھان متی کے تماشے بہت دیکھ لیے اور جتنی جلد یہ ختم ہو جائیں بہتر ہے۔**

خالی خولی باتوں اور نکواس کا زمانہ گیا ہم حالات کی سختی کا مقابلہ کرنے کمر کسے ہوئے ہیں۔ آج جو ہم عہد کر رہے ہیں یہ کہتا ہے کہ ہم کو کس ڈگر جانا ہے اور ہماری منزل کہاں کہے ہے؟ **ہندستان میں کوئی ایسا فیڈریشن نہیں آسکتا جو انگلستان کا دیا ہوا ہو۔** ہم کوئی ایسا فیڈریشن نہیں چاہتے ہم صرف آزاد ہندستان کا آزاد فیڈریشن چاہتے ہیں دوسری طرح کی بات ہی کرنا اپنے عہدنامہ سے دغابازی کرنا ہے۔ اور ہم کو اور ہملے اپنے کام کو ذلیل کرنا ہے۔ **فیڈریشن کبھی نہیں آسکتا** اور آج کی صوبائی وزارتیں ٹوٹ کر آنے والے آزاد ہندستان کے لیے راستہ صاف کریں گی۔ ایسا ہندستان جو جمہوریت اور آزادی کا قلعہ ہوا اور فاسزم اور سامراج کا سخت دشمن ہو یہ ہے مطلب ہمارے عہد نامے کا۔

ہم عہد کرتے ہیں اور خوب سوچ سمجھ کر عہد کرتے ہیں اور اسکے کارن جو کچھ جھیلنا پڑیگا۔ اس کے لیے ہم تیار رہیں۔ آجکی دنیا میں ہمارے لیے یا اور کسی کے لیے نہ امن ہے، اور نہ سکون ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہر وقت چاق و چوبند لڑائی کے بگل کے منتظر کھڑے رہیں۔ یورپ کے لوگ فاسزم اور اس کے دوستوں کے خونی جنگل میں گرفتار ہیں، انگلستان اور فرانس کی حکومتیں بے بسی سے لڑکھڑا رہی ہیں اور اندھیرے میں جو برابر گھرتا جا رہا ہے راستہ پانے کی بے سود کوشش میں لگی ہوئی ہیں لیکن ہمارا راستہ کھلا ہوا ہے۔

غیر جانبداری والے چیمبرلین

اب چیمبرلین کی حرکتیں دیکھئے، سولینی نے ہوائی جہازوں اور فوجوں ہتھیاروں اور غلہ سے فرانکو کی مدد کی لیکن چیمبرلین نے مخالفت میں چوں تک نہ کی۔

میجر اٹیلی نے چیمبرلین کو لکھا کہ پارلیمنٹ کا جلد سے جلد اجلاس کیا جائے اور برطانوی پارلیمنٹ کے مخالف پارٹی کے لیڈر نے لکھ کہ جب اٹلی غیر جانبداری کے فیصلوں پر عمل نہیں کر رہا ہے، تو اسپینی جمہوریہ کو بھی ہتھیار اور رسد اپنے بچاؤ کے لئے خرید نے کی اجازت دیدی جائے۔

چیمبرلین نے اسکا جواب یہ دیا کہ اس طرح لڑائی اور کھینچ جائے گی۔ یعنی

(باقی صفحہ ۶ پر)

بقیہ صہ

خلیفہ کو مکمل آزاد ہونا چاہئے۔ اور یہ دو نعمتیں ہے جو شاہ فاروق کو بالکل میسر نہیں انکی بیرونی پالیسی برطانیہ اور فرانس کے ہاتھوں میں پھنسی ہوئی ہے

اس کے علاوہ اب قومی، سیاسی، اور اقتصادی مسئلے خلافت کے حدود سے بہت آگے نکل گئے ہیں، مثال میں یوں لیجئے کہ شاہ فاروق نے خلیفہ بنکر مصر کی سیاسی، اور اقتصادی بیدیوں میں زنا بھی کئی نکر دی جیسے وہ پہلے برطانیہ اور فرانس کے ہاتھوں میں پھنسے تھے اب بھی پھنسے ہیں اس سے اور آگے بڑھئے تو وہاں بھی عوام کی غریبی، کسان و زمیندار، مزدور و کارخانے دار کے جھگڑے میں خلیفہ بن جانے سے ان جھگڑوں کا کیا حل ہوگا۔

اصل میں سولینی افریقہ کی طرف بہت تیز قدم بڑھا رہا ہے اور اسکے اسلام پناہ بننے سے خطرہ بڑھتا جاتا ہے ابرطانیہ اور فرانس نے اس کی روک یوں پیدا کی ہے کہ شاہ فاروق کو خلیفہ بنا دیا، کہ سولینی کم از کم اسلام پناہ تو نہیں بن سکتا۔

چیمبرلین چاہتے ہیں کہ لڑائی نہ کھیلے لینی جمہوریہ زیادہ دنوں تک مقابلہ نہ کر سکے۔ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ مسولینی کی جیت اور جمہوریہ کی ہار ——— کوششیں ہیں چیمبرلین کی۔ اور یہ مطلب ہے غیر جانبداری کا ———

چیمبرلین کی خاموشی سے شک ہوتا ہے کہ بیچ میں بیچ کا ایسا روم میں کوئی معاہدہ ہوا ہے، اور اس میں چیمبرلین نے خاموشی کا وعدہ کیا ہے

چیمبرلین کی اس پالیسی کے خلاف انگلستان میں سخت ہنگامہ ہو رہا ہے قدامت پرست پارٹی کے بہت لوگ اس کے خلاف ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ کابینہ کے ممبر بھی اس کے خلاف ہیں

ہنستے کھیلتے آگ میں کودنے والے

اسپینی جمہوریوں نے جان فروشی، بہادری کا جو معیار قائم کر دیا ہے اس نے پرانی سے پرانی بہادری کی کہانیوں کو بھلا دیا۔ اب انکی لڑائی، لڑائی نہیں ہے بلکہ جان پر کھیلنا ہے۔ اسوقت کاتا لونیا میں بارسلونا کے ارد گرد ۳۰ میل احاطے کے اندر میں ہے، اس حلقہ میں دن و رات چیلوں اور گدھوں کی طرح طالوی ہوائی جہاز منڈلاتے رہتے ہیں، اور بم برساتے رہتے ہیں۔ خبر ہے کہ ایک ہوائی حملہ میں جمہوریہ کی چالیس لاریاں تباہ ہو گئیں۔ ہتھیاروں کی اور اناج کی وہاں بہت کمی ہے لیکن اس پر بھی جمہوریہ کے تیوروں میں وہی شان ہے۔

ایک سپاہی کی بہادری کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تیرہ اطالوی ٹینکوں پر تن تنہا حملہ کیا۔ اور اس میں سے تین ٹینکوں کو بیکار کر دیا۔

جمہوریہ کی برداشت، بہادری، دلیری ایسی ہے جو تاریخ میں یادگار رہے گی۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اتنی خراب حالت ہونے پر بھی جمہوریہ نے انجمن غیر جانبداری کے فیصلہ پر عمل کیا اور غیر ملکی والنٹیروں کو رخصت کر دیا

فرانس اور فرانکو کی جیت

فرانکو کی جیت کا مطلب یہ ہے کہ یورپ میں پورا فسطائی راج ہو جائے اور یورپ کی چودھرائی جرمنی کے ہاتھ آ جائے۔ اس سے جو نقصان پہنچے گا۔ اس میں فرانسیسی اور برطانوی دونوں شریک دار ہیں لیکن فرانس کے حق میں یہ قبضہ مفت زہر ہو گا اور وہ بیچارہ تین طرف سے فسطائی دشمنوں سے گھر جائے گا۔ اسی خطرہ کو سامنے رکھتے ہوئے ایم بلم نے قوم سے درخواست کی ہے کہ اسپین کو فرانس کی سرحد سے ہتھیار بھیجے جائیں تاکہ وہ اپنی جانبازانہ لڑائی کو جاری رکھ سکے۔ انھوں نے ایک خطرہ یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اگر اسپین ہاتھ سے نکل گیا تو جزائر بلیارک، برطانیہ کا جو [illegible] قبضہ ہو جائے گا جسکا مطلب یہ ہے کہ بحیرہ روم پر اسکا قبضہ ہو جائے گا۔

مسئلہ فرانسیسی کابینہ میں اٹھایا گیا ہے اور بہر فرانسیسی پارلیمنٹ میں بحث کیا جائیگا لیکن ڈر یہ ہے کہ ایم بانٹ اور لارڈ ونیر جو چیمبرلین کے ہمخیال ہیں فسطائی طاقتوں سے لڑنا نہیں چاہتے ہیں اس بہانے پر اسپین کی ترغیب کو دیکھتے کہ یہ بھی سروں کی لڑائی میں دخل دیتا ہے۔

چٹ چلا

—— تماشائی

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ کبھی بھات اخبار پاینیر نے سن پائی، تو وہ بھی بڑی بڑی باتیں کرنے لگا۔ ۲۲ جنوری کو پہلے صفحے پر یہ خبر دیتا ہے کہ

لارڈ رابرٹ کا عزیز
ایک مسلمان کی حیثیت سے لکھنؤ میں
سر مہاراج سنگھ کی کہانی
جکر کی عجیب و غریب شباہت

ایک خبر میں اتنی ایک بڑائیاں! لارڈ رابرٹ! ایک تو انگریز اور اوپر سے لارڈ۔ سونے پر سہاگا۔ اس کے بعد سر مہاراج سنگھ کا نام، اور ان کی سنائی کہانی جدہر دیکھو ادھر بڑائی سب بڑائی ہی بڑائی۔

رہی خبر اس کی بڑائی میں کیا شک! ایک انگریز کے عزیز کی خبر انگریز بھی وہ انگریز جو اپنے زمانے میں سالار تھا، سالار! اسکا عزیز اور یوں ایک مسلمان کی حیثیت سے گمنامی میں زندگی گزارے! اور یونہی مرجائے! اس بلندی کی یہ پستی۔ انگریز بھی عروج و زوال کے شکار ہوتے ہیں!

"جائے عبرت سرائے فانی ہے"

※ ※ ※

پٹنے کے جلاس پر

شہاب ملیح آبادی

لیگ نے کھولی ہے اک منڈی یہاں اسلام کی
بمبئی کے شہر میں جیسے دکان تجام کی
یا ملیح آباد میں جیسے تجارت آم کی
رہ گئی ہے حرمت اسلام دل میں نام کی
یہ جوانی کا فریضہ ——— عمر پچپن سال کی
ہم سمجھتے ہیں یہ سب باتیں ہیں ٹوٹی دال کی

ہندستان کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

مزدوروں کا گیت

از اسرار الحق مجاز

محنت سے یہ مانا چور ہیں ہم   آرام سے کوسوں دور ہیں ہم
پر لڑنے پر مجبور ہیں ہم
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہم اونچے سُر میں گاتے ہیں   آکاش کو آنکھ دکھاتے ہیں
خاطر میں کسے ہم لاتے ہیں
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

گو آفت و غم کے مارے ہیں   ہم خاک نہیں ہیں تارے ہیں
اس جگ کے راج دُلارے ہیں
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

بننے کی تمنا رکھتے ہیں   مٹنے کا کلیجا رکھتے ہیں
سرکش ہیں، سر اونچا رکھتے ہیں
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

گو آج بھی ہیں ادبار میں ہم   کتے ہیں کھلے بازار میں ہم
دیس سب سے بڑے سنسار میں ہم
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہم ذوقِ حکومت کیا جانیں   ہم شوقِ وزارت کیا جانیں
جز نامِ بغاوت کیا جانیں
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

گو جان پہ لاکھوں بار بنی   کر گذرے مگر جو جی میں ٹھنی
ہم دل کے کھرے باتوں کے دھنی
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہم جسم میں طاقت رکھتے ہیں   سینوں میں حرارت رکھتے ہیں
ہم عزمِ بغاوت رکھتے ہیں
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

جس روز بغاوت کر دینگے   دُنیا میں قیامت کر دینگے
خوابوں کو حقیقت کر دینگے
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہم کیا ہیں کبھی دکھلا دینگے   ہم نظمِ کہن کو ڈھا دینگے
ہم ارض و سما کو ہلا دینگے
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہم قبضہ کریں گے دفتر پر   ہم وار کریں گے قیصر پر
ہم ٹوٹ پڑیں گے لشکر پر
مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

پنجاب کی سیاست

محمد اشرف

بعض لوگوں کے نزدیک یہ حل ہونے والا معمہ ہے کہ آخر پنجاب میں کانگرس کی تحریک مضبوط اور مستحکم کیوں نہیں ہوتی؟ اس سے زیادہ عجیب یہ واقعہ ہے کہ جو شخص بھی پنجاب سے باہر دالیں آتا ہے۔ وہ بنگالی عوام کی ہمت ایثار اور حب الوطنی کا کلمہ پڑھتا آتا ہے۔ پنڈت جواہر لال نے جب صدر کانگرس کی حیثیت سے ان شہر دلوں کو دیکھا تو ان کی رگوں میں نیا خون دوڑ گیا۔ ہمارے سجاد ظہیر جب ملایا میں پنجابی سانوں اور سوشلسٹ لیڈروں سے ملکر واپس آئے تو انہیں بھی انقلابی زندگی میں ایک نئی اور جان بخش لہر دکھائی دی۔ اور اگر کسی کو پنجابیوں کے مقابلہ میں ایثار اور ولولہ کا دعویٰ ہو تو وہ خود جاکر اپنی غلط فہمی دور کرتے ہیں۔

لیکن باین ہمہ سوائے پنجاب کے سرگرمی کانگرس اور دوسری انقلابی تحریکوں میں کم وبیش ترتیب اور نظم ہے اور اب کیفیت یہ ہے کہ کانگرس کے وزارتی صوبوں کے علاوہ بھی سامراج دشمن جذبہ اس درجہ ہمہ گیر ہے کہ سندھ اور بنگال میں بھی اسکا طوطی بول رہا ہے۔ لے دیکر جمعیت پرستی پنجاب میں محصور ہوگئی ہے۔ مگر اسمیں شبہ نہیں کہ اس صوبہ میں اس کے قدم کمزور ہونے کے بجائے پچھلے دو برس میں زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ذمہ داری تمام تر پنجاب کے کانگرسی لیڈروں پر ہے گو بعض اسکا احساس نہیں۔ کچھ فطرت نے ایسی ستم ظریفی کی ہے کہ پنجاب کے کانگرسی لیڈر پر باقی دنیا کی سیاست اور سیاسی اخلاق کی قدروں کا کوئی جادو نہیں چلتا۔ پنجاب میں آپ کسی بڑے ڈیل ڈول کے لیڈر سے ملئے۔ آپ کو اندازہ ہو گا کہ وہ آئے دن کے عمل کام کے علاوہ کسی نظری سوال یا آل انڈیا خاکہ کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔ پنجاب کے اخباروں کو ترتیب سے پڑھئے چاہے زمیندار، احسان، انقلاب یعنی مسلم لیگی سائز کے ہوں۔ یا مربع تقطیع کے ہول ویر بھارت، پرتاب، اور ملاپ۔ کسی میں کوئی واضح اور صاف نقطہ نظر نہیں ملے گا۔ نہ یہ اندازہ ہو گا کہ یہ حضرات بغیر اخبار فروشی اور اشتہار بازی کے کسی سنجیدہ سیاسی جماعت یا پروگرام کے حامل ہو سکتے ہیں۔ اور میری تو یہ تک سمجھ میں نہ آیا کہ پنجاب کے اخبار میں حضرات اتنے اخبارات کو خریدتے کیوں کر ہیں۔ اس لئے ایک مربع تقطیع کا "قومی ہندو اخبار" اور دوسرا بڑے سائز والا "مسلم مجاہد" اپنے اپنے سطح پر قطعًا کافی ہے۔ ویسے ہی نامہ نگاروں کی خبروں، کتابت، طباعت اور پالیسی، غرضیکہ ہر اعتبار سے سب میں یکسانیت ہے۔ پھر پنجاب کے ۔۔۔ اور ناموں کے ایک ہندو اور ایک مسلمان نامہ ترجمانی کے فرائض ادا کرسکتا تھا۔

بہر نوع پنجاب کا پیمانہ دنیا سے نرالا ہے۔ اور مجھے معیار اور قدروں کے مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ نہ میں تمثیلًا تک سمجھ سکتا ہوں کہ سر سکندر

کسی پلیٹ فارم صوبہ میں کیسے حاوی ہو سکتے ہیں

۔۔۔ ۲ ۔۔۔

یہ نہیں ہے کہ سیاسی پارٹیاں نہیں ہیں۔ بفضل خدا مجلس احرار ہے، اتحاد ملت ہے۔ مسلم لیگ۔ اور یونینسٹ پارٹیاں ہیں۔ دوسری طرف کانگرس اور اس کی ملحقہ جماعتیں ہیں۔ طلبا کی ایک چھوٹی تین انجمنیں ہیں۔ مگر در اصل سیاسی معیار پر بہت کم آتی ہیں۔

با اعتبار اہمیت کانگرس ان جماعتوں میں سب سے بڑی اور باوقار ہے اسلئے نہیں کہ پنجاب کی کانگرس نے یہ حیثیت اپنی جد وجہد سے پیدا کی ہے بلکہ اس لئے کہ وہ ہندستان کی ہمہ گیر تحریک کا جزو ہے۔ چنانچہ والنٹیروں کا پتہ نہیں ہے کیڈر اور دفتروں میں حساب اور ریکارڈ برائے نام ہیں۔ دیہات میں ابھی تک بڑے پیمانہ پر کام شروع نہیں ہوا۔ لے دے کر اس سال لاکھ ڈیڑھ لاکھ ممبر بنے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ لاہور اور امرتسر یعنی مرکزی شہروں کے باہمی لیڈرانہ جھگڑوں سے غریبوں کو کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ اب مرض کی کیفیت یہ ہے کہ متعدی ہوگیا ہے۔ ورکنگ کمیٹی نے کوشش کی کہ دونوں پارٹیاں مشترکہ کونسل بناکر کام کریں مگر یہ نسخہ کارگر نہ ہوا۔ غریب پنجاب کے لیڈر اس سیاسی توازن کو نہایت نیک نیتی سے مذہبی ریاکاری کے ہموزن سمجھتے ہیں۔ بالآخر بعضوں نے سوچا کہ شاید خرابی کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی "اکثریت" کا صدر نہیں ہے۔ اس لئے اگر مسلمان صدر ہو تو معاملہ سلجھ جائیگا۔ اب بحمد اللہ ہر جماعت کے پاس مسلمان ترجمان موجود ہے، اور آج سے نہیں ۱۹۲۰ء سے چلے آتے ہیں۔ اور بہر نوع ضرورت ایجاد کی ماں ہے، اور برابر نسل پیدا کر سکتی ہے، ابھی تک بندے ماترم کانگرس کا اخبار سمجھا جاتا تھا۔ (گو دعویدار ہر تجارت پیشہ ہندو اخبار ہے) لیکن چونکہ شور تھا کہ کانگرس کو اپنا آزاد روز نامہ نکالنا چاہئے۔ اس لئے خود صدر صوبہ نے یہ مقدس فریضہ انجام دیا کہ بلکہ اسکا نام بھی روز نامہ "نیشنل کانگرس" رکھدیا اور خود ایڈیٹر بن گئے، یہ دوسری بات ہے کہ اخبار ان کی ذاتی سیاسیات کا ترجمان ہے اور کانگرس سے صرف اس معنی میں تعلق رکھتا ہے کہ مالک اور منتظم اور ایڈیٹر خوش اتفاق سے کانگرسی ہے یعنی یوں سمجھئے کہ پرانی صحافتی برادری میں ایک اور بے معنی اضافہ ہوا اور اب دونوں پارٹیوں کے دو اخبار ہوگئے۔ اور اکھاڑہ زیادہ مضبوط ہوگیا، دوسری طرف مسلم لیگ بھی ہوا میں ہے نہ صوبہ اسمبلی میں لیگ کی کوئی پارٹی ہے نہ صوبہ میں۔ ملک برکت علی کی اپنی پالیسی ہے۔ ظفر علیخاں کی اپنی اور اخبار فروشی کی پابند اور سر سکندر کی تیسری پالیسی ہے۔ یعنی جو شملہ سے ہدایت ملے اسے مناسب طریقوں سے لوگوں کو ملا کر بجالانا اور غالبًا یہی پالیسی سب سے زیادہ باشعور اور مرتب ہے اس لئے کہ سامراج اسکی ذمہ دار ہے۔ باقی رہی یونینسٹ پارٹی تو وہ ایک تبرک ہے جو اسلامی جذبہ کی وارفتگی سے بھی محروم ہے۔ جو رئیس جب چاہے بلا روک ٹوک

یونینسٹ پارٹی کا ممبر ہوسکتا ہے بشرطیکہ اپنے روپیے اور اثر سے اسمبلی میں منتخب ہوکر آ جائے۔ دفتر اور نظام کی جب مسلم لیگ متحمل نہو سکی تو بیچاری یونینسٹ پارٹی کب یہ جنجال گوارا کرسکتی تھی، اور آخر پروگرام جیسی خطرناک چیز بھی تو ان کی سیاسی تنظیم میں مانع آتی ہے، پھر سر سکندر شملہ کے ملازم ہیں نہ کہ پنجابی عوام کے

(۳)

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سماج کے تباہ حال طبقے سیاسی ترجمانی سے بے خبر ہیں یا اس کے لئے ادارے نہیں بناتے۔ ایک طرف مزدور تحریک برابر بڑھتی جاتی ہے اور اس سال پنجاب کی ٹریڈ یونین کانگریس کا پہلا اور کامیاب اجلاس ہوا ہے، لدھیانہ، امرتسر، اور دوسرے صنعتی مرکزوں میں مزدوروں کی بڑی کامیاب ہڑتالیں ہوئی ہیں۔ ویسے ہی سوشلسٹ اور کمیونسٹ خیالات تیزی سے بڑھتے جاتے ہیں بلکہ ان کی ہمہ گیری اس درجہ ہے کہ حال میں گورنر پنجاب کو دوآبہ کے انقلاب پرستوں کے خلاف ایک سرکاری وعظ فرمانا پڑا۔ کرتی لہر کا ہر نمبر شائع ہونے سے پہلے" بحق سرکاری پنجاب ضبط ہوجاتا ہے اور ہر طرف انقلاب پسندوں کی دار و گیر کا سلسلہ جاری ہے۔

دوسری طرف کسان تحریک بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ دیسی ریاستوں کا اندولن برابر مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے پنجاب کے کسان لیڈروں کو دیکھا ہے، وہ ان کوہ پیکر بہادروں کی مقناطیسی قوت اور تنظیمی طاقت کا اندازہ کرسکتے ہیں

مگر میرے کہنے کا منشا یہ تھا کہ سامراج دشمن طاقتوں کے ابھار کے

باوجود ہمارا کانگریس کا "متحدہ سامراج دشمن محاذ" ان قوتوں کو اپنانے سے معذور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پنجاب کی کانگریس "شہری کانگریس ہے" اور اس کے ساتھ ایک طرف ہند و سرمایہ داری اور آریہ سماجی اصلاح پرستی کی روایات اور دوسری طرف "مسلم تحفظات" کی موقعہ بازیاں لپٹی ہوئی ہیں۔

یوں بھی پنجاب تا حال فوجی پنشن یافتہ لوگوں اور خوش حال کاشتکار کے علاوہ چھوٹے مالکان زمین کا صوبہ رہا ہے ادھر جو مفلوک الحالی ہندستان میں وبا کی طرح پھیلی ہے، اسکا نسبتاً پنجاب پر اثر کم پڑا ہے، اب ہلکے ہلکے قرضہ کا بوجھ اور لگان مالیانہ اور آبیانہ کا بار لوگوں کو کھل رہا ہے، اور وہ برابر بے چین اور بدحواس ہوتے رہتے ہیں چنانچہ۔ اکالیوں، اور بالخصوص ببر اکالیوں کی تحریک اسکا ثبوت ہے، میواہتی کی ہلچل اسکا نتیجہ ہے، اور آئے دن کے زرعی ہنگامے اس کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

مگر قدیمی لیڈروں کو ان نئی سماجی طاقتوں سے کیا واسطہ۔ وہ اس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، جب آریہ سماج، احمدیہ، اہلحدیث، دیو سماج اور ادھا سوآمی، سناتن دھرم، اکالی، نامدھاری، اور انجمن حمایت اسلام کی تحریکیں ایک حقیقت تھیں، اور شہر کے لوگ اچھی نوکریوں اور تجارت کے ساتھ ساتھ متوسط طبقہ کی تعلیمی اور مذہبی اصلاح میں مگن تھے، اور گویا دین و دنیا دونوں سے متمتع تھے، یہ حضرات آج بھی انھیں بنیادوں پر۔ ستیارتھ پرکاش اور ڈاکٹر اقبال کا کلام پڑھ کر۔ . . . .

سوئے ہنستے ہیں اور ایک طرف کانگریس کے عہدہ دار ہیں تو دوسری طرف مہابیروں اور تبلیغ اسلام کا کام کرتے ہیں اور جب موقعہ ملتا ہے مسجد شہید گنج سے لے کر بندے خانے کی تحریکیں شروع کردیتے ہیں۔ البتہ زراعتی قوانین اور قرضہ بل پر گھبرا جاتے ہیں اور وائسرائے کے استقبال اور فوجی بھرتی کے موقعہ پر سوچتے رہتے ہیں۔ اب خیر سے پارلیمنٹری پروگرام کا زمانہ آیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گھر بڑھاپے میں اولاد پیدا ہوئی ہے ابھی حال میں، جب میاں افتخار الدین کی ہلکی سی تجویز نے یونینسٹ پارٹی میں تہلکہ مچا دیا اور آبیانہ کی تخفیف پر بیچارے سر سکندر حیات کا بھوسا کا گھروندہ بکھرنے لگا تو ان حضرات کو اندازہ ہوا کہ کانگریس کیسا انقلابی پروگرام کی حامل ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ اس کے چلانے کے لیے کسان مزدوروں سے تعلق ضروری ہے۔ یہاں پہونچ کر لیڈری کی ستیارتھ پرکاش اور اقبال کا ترانہ زیادہ کام نہیں دیتا

(۴)

مگر عوام بوسیدہ لیڈروں سے زیادہ تازگی رکھتے ہیں چنانچہ انھوں نے پنجاب کے سوشلسٹ اور کسان سبھائیوں کی خاطر خواہ حمایت کی ہے اور انھیں کے اثر کی بدولت امسال کانگریس کی ممبری کافی بڑھی ہے مسلمان بھی کافی آئے ہیں گو احراری برابر مسلمانوں کو یہی سبق دیتے آئے کہ کانگریس میں مسلمانوں کے ادغام کلی اور مسلم لیگ سے اجتناب کلی دو انتہائی نظریوں کے درمیان مجلس احرار اعتدال کی راہ ہے" اس لیے جب تک مسلمان خطرہ محسوس کرتے رہیں گے احراری تنظیم کی جداگانہ ضرورت باقی ہے اور ظاہر ہے کہ مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ احرار بھی اس کے ضامن ہیں کہ یہ خطرہ اور اس کی ضرورت باقی رہے گی۔ اسی موقعہ بازذہنیت کا نتیجہ ہے کہ گذشتہ عام انتخاب میں احرار اور اتحاد ملت کے ساتھ ساتھ کانگریس کو بھی ناکامی ہوئی اور پنجاب کے عوام نے بنگال کی طرح اس پارٹی کا جائز طور سے ساتھ دیا تھا جس نے ان کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر پروگرام دیا تھا، یہ مانا کہ پرجا پارٹی اور یونینسٹ پارٹی نے عوام کے ساتھ غداری کی لیکن عوام پنجاب اور بنگال میں کانگریس کا ساتھ دینے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ اب جبکہ دوبارہ عوام کانگریس کی طرف متوجہ ہیں پنجاب کی کانگریس کا پروگرام تنظیم اور لیڈری ایک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔ وقت کی ضرورت یہ ہے کہ کسان سبھا اور مزدوروں میں کام کرنے والے اب کی بار دونوں پارٹیوں کے ساتھ ان کی سماجی بنیادوں کو بھی مسمار کردیں اور اپنی قوت بڑھانے اور پروگرام کو پورا کرنے کے لیے صوبہ کونسل اور عہدہ داروں کا انتخاب کریں اور ان سبھاؤں اور انجمنوں سے متعلق لوگوں کو کانگریس سے بے دخل کردیں جو علانیہ یا بالواسطہ ایک مذہبی جماعت یا ملت کی اصلاح سے تعلق رکھتے رہی ہیں۔ امرتسر کے ضمنی مسلم انتخاب نے ہمیں ہمیشہ کے لیے یہ تلخ سبق دیا ہے کہ ہماری آستین کے سانپ سامراجی اژدھوں اور یونینسٹ ایجنٹوں سے زیادہ خطرناک ہیں اور کم از کم پنجاب میں ہمیں یہ قانون بنا دینا چاہیے کہ کوئی ذمہ دار کانگریسی عہدہ دار

اور میونسپلٹی ڈسٹرکٹ بورڈ یا اسمبلی کا ممبر کسی ایسی جماعت کا ممبر نہیں ہو سکتا جو اپنے طریقے کار یا پروگرام میں ایک مذہبی طبقے کی اصلاح کیلئے مخصوص ہے اس کے ساتھ ہمیں صحیح معنی میں ایک اردو روزنامہ لاہور سے نکالنا چاہیے جو کانگریس پروگرام کے ساتھ مکمل سامراج دشمنی اور فرقہ پرستی کی بیخ کنی کا ذمہ دار اور مزدور کسان اور دوسرے مفلوک الحال طبقوں کا صحیح ترجمان ہو

(۵)

البتہ اگر متحدہ مسلم اور سکھ سوالات اور آپس کا جھگڑا بسلسلہ اخبار کا مطالبہ ہمارے کام میں پنجاب میں کوئی رکاوٹ پیدا کرتے ہیں تو ہمیں جلد سے جلد یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ پنجاب کو کانگریس اپنے کاموں کے لئے اپنے حصوں میں تقسیم کرے کہ ہمارے سامراج دشمن کاموں میں یہ مسئلہ دخل انداز نہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پنجاب میں اس نئی بنیاد پر کانگریسی صوبے بنائے گئے تو ان حضرات کی نفسیاتی دلیلیں اور لقانی زاویے اور لاہور اور امرتسر کا غیر معمولی "شہری اثر" بڑی حد تک ختم ہو جائے گا۔

بہرحال انگریزی سامراج کی قسمت کا فیصلہ اس کے آخری قلعہ یعنی پنجاب میں ہوگا جہاں سے اس نے ۱۸۵۷ء میں اپنا تسلط دوبارہ قائم کیا تھا ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ پنجاب ۱۸۵۷ء کی تلافی اکی بار پوری طرح کر دے، اسکی ابتدا ایک مرتب مضبوط اور مستحکم کانگریس سے ہونی چاہیے۔

فلسطین میں برطانوی سامراج

فلسطین کی موجودہ صورت حال برطانوی سامراج کی اس پالیسی کا نتیجہ ہے جو وہ موجودہ جنگ عظیم کے شروع ہی سے فلسطین اور مشرق بعید میں برت رہی ہے۔

اسوقت برطانیہ کے دو خاص خاص مقصد تھے

۱۔ ترکوں کو زک پہونچانا

۲۔ بحیرہ روم میں اپنی سلطنت کے سمندری راستوں کو محفوظ کرنا۔

انھیں مقاصد کی بنا پر اس نے عربوں اور یہودیوں سے طرح طرح کے متضاد وعدے کیے اور انہیں برطانیہ اور اس کے حلیفوں کی مدد کرنے پر راضی کیا۔ عربوں کو اس نے آزادی دیدینے کا وعدہ کیا اور یہودیوں کو ایک قومی وطن کی لالچ دی۔

اسی زمانے سے فلسطین کی حکم برداری سے فائدہ اٹھاکر برطانوی سامراج یہودیوں اور عربوں کو ایک دوسرے سے لڑا رہی ہے اور فلسطین میں اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جمائے ہوئے ہے۔

فلسطین کے ساتھ برطانیہ کے جنگی و نیز مالی مفاد وابستہ ہیں، اس مالی مفاد میں تھوڑی بہت یہودی سرمایہ داری کی بھی شرکت ہے۔

سلطنت برطانیہ کے باہمی رسل ورسائل میں فلسطین بحری، بری اور فضائی ہر اعتبار سے بہت بڑی جنگی اہمیت رکھتا ہے۔ حیفہ میں موصل کی پٹرول کی نہر ختم ہوتی ہے اور اس کے علاوہ فلسطین نہر سوئز کے لیے ایک طرح سے مشرقی پھاٹک کا کام کرتا ہے اور اب جیسے جیسے بحیرہ روم میں اطالوی فسطائیت کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے ویسے ہی ویسے جنگی اہمیت بھی بڑھتی جاتی ہے

فلسطینی حکومت کے ضمانتی قرضے میں لندن کے سرمایہ داروں کا جو حصہ ہے اس کے علاوہ برطانوی بنکوں اور بیمہ کمپنیوں نے یہودیوں کی عمارتوں اور دوسرے تعمیری کاموں میں تقریباً دو کرور پونڈ لگا رکھے ہیں۔ برطانیہ کے سامراجی مفاد اور یہودی سرمایہ داروں کے مفاد تھوڑے بہت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور اس چیز سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ یہودی عوام کو عرب عوام سے الگ رکھتی ہے۔

پچھلے اٹھارہ برس سے مسلسل برطانوی مطلق العنانی حکم برداری کے نام پر فلسطین کے عربوں کو غلام بنائے ہوئے ہے۔ ساری انتظامی اور عدالتی طاقت صرف ایک فرنگی ہائی کمشنر کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ اور ہائی کمشنر کو براہ راست وائٹ ہال سے احکامات بھیجے جاتے ہیں لیگ اقوام نے حکم برداریوں کی دیکھ بھال کے لیے جو ایک مستقل کمیشن مقرر کیا تھا وہ برابر مجبور کرتی ہے۔ تین مرتبہ دکھاوے کے لیے برطانوی سامراج نے جیسا کہ اس کی پرانی چال ہے عربوں کو قانون سبھا قائم کرنے کا اختیار دیا لیکن تینوں دفعہ ایسا ہوا کہ یا تو حکومت نے خود ہی ان اختیارات کو واپس لے لیا اور یا عربوں نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عربوں کی جنگ آزادی کا اقتصادی پہلو بھی اتنا ہی اہم ہے۔ کل معاملات کی جڑ میں زرعی مسئلہ ہے عرب کسان زمین کی کمی محصولوں کی زیادتی، بے پناہ قرض اور زمین کے سدھار کے لیے سرمایہ کی کمی کی وجہ سے ہیبتناک غریبی کا شکار ہیں اور یہی مسئلے انکی جنگ آزادی کی اصل بنیاد ہیں۔ عرب زمیندار اپنی زمینوں سے بے تعلق رہتے ہیں اور یہودی ان سے اپنی بستیاں بسانے کے لیے زمین خریدتے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عرب کسان برابر اپنے گھروں اور زمینوں سے نکالے جا رہے ہیں انھیں معاوضہ یا تو ملتا ہی نہیں اور اگر ملتا بھی ہے تو وہ نہ ملنے ہی کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے پاس زمینیں رقبے میں کم ہوتی جا رہی ہیں اور قصبوں میں عرب پرولتاری طبقہ بڑھتا جا رہا ہے۔ فلسطین کے یہودی لیبر فیڈریشن نے یہودی کارو بار میں عرب مزدوروں کو رکھنے کی ممانعت کر دی ہے اور اس سے عرب اور یہودی مزدوروں میں باہمی مقابلہ اور ناچاقی پیدا ہو گئی ہے۔ ٹیکس کی شرح اتنی زیادہ ہے کہ اکثر عربوں کے لیے جن کے پاس چھوٹی چھوٹی زمینداریاں ہیں اپنی زمین فروخت کر دینے اور قصبوں میں جا کر بود و باش اختیار کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں سر جان ہوپ سمپسن نے اپنی رپورٹ میں بتایا تھا کہ ایک عرب کسان کے ضروری خرچ کل روزانہ اوسط آمدنی کے دونے سے زیادہ ہے۔

۱۹۲۹ء میں عربوں کی لڑائی زیادہ تر یہودیوں کے خلاف تھی لیکن

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

یکم فروری کو جے پور پر دھاوا

ریاستوں کی مشترکہ پالیسی پر مہاتما گاندھی کی رائے

"سارا ہندستان جے پور کے ساتھ ہے"

(سبھاش چندر بوس)

جے پور میں جو طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے وہ اتنا سخت ہے کہ اسے بغیر ایک جان توڑ لڑائی کے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اسے یوں ہی چھوڑ دیا گیا تو ممکن ہے کہ یہ ریاستوں کی ہر طرح کی کارروائی پر خواہ عوام کی جائز سیاسی مانگوں سے اس کا کتنا ہی دور کا تعلق کیوں نہ ہو ایک مہلک ضرب ثابت ہو۔"

یہ ہے جے پور کے متعلق مہاتما گاندھی کی رائے جیسا کہ انھوں نے ہریجن کی ایک اشاعت میں لکھا ہے سیٹھ جمنالال بجاج نے ریاستی کونسل کے صدر کو ایک خط لکھا ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ ریاست کی طرف سے ان کے داخلے کی ممانعت ہونے کی وجہ سے انھیں مجبوراً جے پور میں داخل ہونے کی کوشش کرنا ہوگی اور پرجا منڈل کو پوری پوری آزادی ہوگی کہ وہ اپنا وقار قائم رکھتے ہوئے آواز اٹھانے کے لیے جیسا مناسب سمجھے کرے۔

اس خط پر تنقید کرتے ہوئے گاندھی جی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اب وقت کا تقاضا ہے کہ تمام ریاست و نیز مرکزی حکومت ایک مشترکہ پالیسی نکال لیں۔ آخر میں گاندھی جی نے سوال کیا ہے کہ کیا جے پور کا طریق کار ہی مشترکہ پالیسی ہے جیسا کہ کچھ لوگ مجھے بتاتے ہیں؟ تاہم میں امید کرتا ہوں کہ ایسا نہ ہوگا"

موجودہ پروگرام کے مطابق سیٹھ جمنالال بجاج ۲۰ر تاریخ کو کلکتہ سے وردھا پہونچ جائیں گے جہاں وہ مہاتما جی سے صلاح و مشورہ کریں گے اسکے بعد بمبئی اور پھر ۳۰ جنوری کو دہلی پہونچ جائیں گے یہاں سے ۳۱ر جنوری کو وہ جے پور کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور یکم فروری کو ریاست کے امتناعی احکامات کو توڑنے کیلیے ریاست میں داخل ہونگے

صدر کانگریس کی رائے

کلکتہ میں جے پور پرجا منڈل کی حمایت میں صدر کانگریس سبھاش چندر بوس کی زیر صدارت ایک عام جلسہ ہوا صدر کانگریس نے کہا کہ سیٹھ جمنالال جی ریاستی احکامات کے خلاف ورزی نہیں کرنے والے تھے لیکن جب ریاست کے حکام نے اپنی غلطی محسوس کرنے سے انکار کر دیا اس وقت جمنالال جی کے پاس سوائے اس کے کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کریں اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔

صدر کانگریس نے بتایا کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی اور ہندستانی عوام کو سیٹھ جمنالال بجاج کے اس ارادے میں ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ لڑائی عدم تشدد سے لڑی جائے گی

ممبر اسمبلی کا حلف وفاداری

کیا اس اور آزادی کی جدوجہد میں تضاد ہے؟

حال ہی میں ممبران اسمبلی کے حلف وفاداری کے متعلق سندھ اسمبلی میں ایک نہایت ہی دلچسپ بحث ہوا جس میں یہ بات صاف ہوگئی کہ اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے حلف وفاداری اٹھانے کا مطلب یہ نہیں ہو کہ اپنے کو سرکار برطانیہ کا غلام بنا دیا جائے۔

سندھ اسمبلی کی کانگریس پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر چوتھ رام نے ۱۹ر تاریخ کو اسمبلی کے قواعد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے حلف وفاداری چند ذہنی شرائط کے ساتھ لیا ہے اس پر ایک ممبر نے اعتراض کیا آیا ایسا کرنے کے بعد بھی ڈاکٹر چوتھ رام اسمبلی میں بٹھائے جا سکتے ہیں؟

آنریبل مسٹر نکل داس نے کہا کہ ہندستان میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو ڈاکٹر چوتھ رام کے کہنے سے اختلاف کرے۔ نیز یہ کہ کانگریس کا ہر آدمی ملک کی آزادی کے لیے عدم تشددانہ طریقوں سے جدوجہد کرنے کا عہد ہوئے ہے۔ آنریبل وزیر نے آئرلینڈ اور جنوبی افریقہ کی مثال پیش کی اور کہا کہ ان دونوں جگہوں میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ آزادی کی جدوجہد اور حلف وفاداری میں کوئی تضاد نہیں ہو

اسپیکر کے سوال کرنے پر ڈاکٹر چوتھ رام نے کہا کہ انھیں اس سے اتفاق ہے۔

۲۳ جنوری کو اس مسئلہ پر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے سندھ اسمبلی کے اسپیکر مسٹر میران محمد شاہ نے کہا کہ یہ اعتراض خلاف قاعدہ ہے کیونکہ ڈاکٹر چوتھ رام کے ذہنی شرائط کے الفاظ سے ان کی حلف وفاداری کی تردید نہیں ہوتی اور نہ وہ اسمبلی میں بیٹھنے کے نااہل قرار دیے جا سکتے ہیں

انھوں نے کہا کہ اس بات میں اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اپنے ملک کی آزادی کی جدوجہد اور بادشاہ کی ذات کیساتھ وفاداری کی حلفیں کوئی تضاد نہیں ہے۔

یونینسٹ پارٹی میں پھوٹ

تین ساتھی الگ ہوگئے

پنجاب اسمبلی کے تین ممبر میاں نور اللہ، مسٹر [illegible] حسین اور چودھری عبدالرب جو اب تک زراعتی پارٹی میں شامل تھے اب اس سے علیحدہ ہوگئے ہیں ان تینوں آدمیوں نے اسمبلی کے سکریٹری کو لکھا ہو کہ انھیں مخالف پارٹی میں شامل کر لیا جائے

۲۴ جنوری کی خبر ہو کہ چودھری [illegible] سنگھ بھی جو [illegible] میں شمالی [illegible] کی نمائندگی کرتے تھے یونینسٹ پارٹی سے علیحدہ ہوگئے

حکومت یوپی اور طب یونانی

بعض اخباروں نے یونانی طریق علاج پر تبصرہ کرتے ہوئے حکومت یوپی پر طب یونانی کی طرف سے بے حس ہونے کا الزام لگایا ہے اور اس پر الزام بھی رکھا ہے کہ بمبئی کے ایک رئیس نے جو دو لاکھ روپیہ کی رقم اس صوبہ میں دیسی طب کی ترقی کے لئے دی تھی اسے بنارس ہندو یونیورسٹی کو دے دیا گیا ہو اس سلسلے میں ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ یہ دونوں الزامات بے بنیاد اور شرانگیز ہیں حکومت طب کو ترقی دینے کے لیے اسی طرح کوشاں ہے جس طرح کہ ایلوپیتھک کو۔ سال رواں کے بجٹ میں حکومت ہر دو طریقہ علاج بالخصوص کے ساتھ ترقی دینے کے لیے ۵ لاکھ کی رقم منظور کر چکی ہے اور اس کے علاوہ موجودہ انجمن ہندستانی طب (بورڈ آف انڈین میڈیسن) جو ابھی تک باضابطہ قانونی حیثیت نہ رکھتی تھی اب ایک باقاعدہ انجمن بنائی جا رہی ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں یوپی [illegible]

[illegible] ۵۰۰۰۰ ... [illegible]

[illegible] اس کے علاوہ حکومت کی طرف سے [illegible]

کانگرس کی صدارت کا مسئلہ

چناؤ ذاتیات پر نہیں پروگرام اور نظریہ پر ہونا چاہئے

ابکی سال سچا فیڈریشن دشمن صدر ہونا چاہئے سبھاش چندر بوس

میں اپنے چناؤ کو ریاستی کارروائیوں کی پسندیدگی کا نشان سمجھونگا: پٹابھی سیتا رامیہ

کانگرس کی صدارت کے لئے اس سال سبھاش چندر بوس پٹابھی سیتا رامیہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے نام تجویز کئے گئے تھے۔ مولانا ابوالکلام نے صحت کی خرابی اور پارلیمنٹری سب کمیٹی کے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے اپنا نام واپس لے لیا اب صدارت کے لئے سبھاش چندر بوس اور پٹابھی سیتا رامیہ کے نام رہ گئے ہیں اور چناؤ کے لئے ۲۹ جنوری کی تاریخ مقرر ہوئی ہے۔

سبھاش چندر بوس کا بیان

سبھاش چندر بوس نے صدر کے چناؤ کے مسئلہ پر ایک بیان دیا ہے جسمیں انھوں نے بتایا ہے کہ ہندستان میں سامراج دشمن لڑائی کے بڑھاؤ کے ساتھ نئے نئے خیالات نظریے اور مسئلے اور پروگرام بھی پیدا ہو گئے ہیں جنانچہ اب لوگ اس خیال کی طرف آتے جا رہے ہیں کہ دوسرے آزاد ملکوں کی طرح ہندستان میں بھی صدر کا چناؤ مختلف مسائل اور پروگرام کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ تاکہ اس مقابلہ سے معاملات کی صفائی ہو سکے اور یہ معلوم کیا جا سکے کہ عوام کس رخ جا رہے ہیں۔ لہذا ان حالات میں چناؤ میں مقابلہ ہو جانا کوئی نامناسب بات نہیں ہے

سبھاش چندر بوس نے بتایا کہ سات صوبوں سے انکا نام تجویز کیا گیا ہے۔ اور بہت سے سوشلسٹ و نیز غیر سوشلسٹ انکی تائید کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ڈیلیگیٹوں کی اکثریت ان کے آئندہ سال صدر ہونے کے خلاف ہو۔ تاہم اسکا فیصلہ ۲۹ تاریخ کے چناؤ میں ہو سکے گا۔

سبھاش چندر بوس نے اپنے بیان میں اس چیز کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ یہ مسئلہ ذاتیات کا نہیں ہے انھوں نے یہی بتایا ہے کہ اگر ڈیلیگیٹوں کی اکثریت ان کے دوبارہ صدر چنے جانے کے خلاف ہو گی تو وہ ان کے فیصلہ کو پوری وفاداری کے ساتھ تسلیم کر لیں گے اور ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے ملک اور کانگرس کی خدمت کرتے رہیں گے

”چناؤ اتفاق رائے سے ہونا چاہئے“

۲۴ جنوری کو سردار ولبھ بھائی پٹیل بابو راجندر پرشاد سیٹھ جمنا داس دولت رام راجا جی کرپلانی شنکر راؤ دیو

بھولا بھائی ڈیسائی اور سیٹھ جمنالال بجاج نے ایک مشترکہ بیان میں سبھاش چندر بوس کے اس نظریہ سے اختلاف کیا ہے کہ صدر کا چناؤ مقابلہ سے ہونا چاہیے ان لوگوں کی رائے میں اس سے پہلے کہ ایسا ہو کانگرس کے ضبط کو اور زیادہ مضبوط ہونا چاہئے اور کانگرس کے آدمیوں کو آپس میں اور زیادہ رواداری پیدا کرنا چاہئے۔

انکا کہنا ہے کہ کانگرس کی پالیسی ورکنگ کمیٹی مقرر کرتی ہے اور اس کے صدر کی حیثیت ایک چیرمین کی ہوتی ہے۔

سبھاش چندر بوس کا دوسرا بیان

اپنے ایک دوسرے بیان میں سبھاش چندر بوس نے بتایا کہ کانگرس کی تاریخ میں کئی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی آدمی متعدد بار صدر رہا ہے، اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ صدر کا چناؤ مقابلہ سے ہوا ہے

انھوں نے بتایا ہے کہ ۱۹۳۴ء سے جب کانگرس نے اپنے دستور العمل میں تبدیلی کر دی ہے، ورکنگ کمیٹی کا انتخاب صدر ہی کرتا ہے، اور اب کانگرس کے صدر کی حیثیت ایک وزیر اعظم یا متحدہ امریکہ کے صدر کی ہے جو اپنی کابینہ آپ ہی مقرر کرتا ہے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کانگرس کے صدر کی حیثیت ایک قانونی بادشاہ یا چیرمین کی ہے

سبھاش چندر بوس نے لکھا ہے کہ عام طور پر یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ اگر ابکی سال اس بات کا امکان ہے کہ فیڈریشن کے معاملہ میں کانگرس کے داہنے بازو اور حکومت برطانیہ میں سمجھوتہ ہو جائے۔ اور اس لئے داہنا بازو بائیں بازو کے کسی آدمی کو جو سمجھوتہ کی راہ

میں ایک کانٹا ہو اور گفت و شنید میں روڑے اٹکائے صدر بنانا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی شخص عوام میں چلے پھرے اور ان سے اس مسئلہ پر باتیں کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ خیال کتنا گہرا ہے۔ ان حالات میں یہ بہت ضروری ہے کہ صدر ایسا آدمی ہو جو دل سے فیڈریشن دشمن ہو۔

سبھاش چندر بوس نے اس بات پر افسوس کیا ہے کہ انھیں کا نام دوبارہ صدارت کے لئے پیش کیا گیا انھوں نے لکھا ہے کہ ”میں اتنی دیر ہو جانے پر بھی بیٹھ جانے کو تیار رہوں اگر کوئی سچا فیڈریشن دشمن آدمی مثلاً“ اچاریہ نرندر دیو آئندہ سال کا صدر بنا دیا جائے“

سبھاش چندر بوس نے سردار پٹیل اور ان کے رفقا کی مداخلت پر اعتراض کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اگر صدارت کے چناؤ کو واقعی ایک ’چناؤ‘ ہونا ہے تو رائے دینے کی پوری آزادی ہونا چاہئے۔ اور کوئی اخلاقی دباؤ نہ پڑنا چاہئے۔

رفیع احمد قدوائی کا خیال !!

آنریبل مسٹر رفیع احمد قدوائی وزیر یو۔پی نے ایک بیان میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی مداخلت پر اعتراض کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے۔

”سردار پٹیل کہتے ہیں کہ ورکنگ کمیٹی کانگرس کی کارروائیوں کی رہنمائی کرتی ہے اور صدر صرف نام کے لئے ہے لیکن وہ یہ بات آسانی سے بھلا دیتے ہیں کہ ورکنگ کمیٹی صدر ہی کی بنائی ہوئی ہوتی ہے“

قدوائی صاحب نے ڈیلیگیٹوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کے بیان سے متاثر نہ ہوں انکی رائے میں ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ کو ووٹ دینا فیڈریشن کو قبول کرنا اور سبھاش چندر بوس کو ووٹ دینا فیڈریشن کو رد کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر پٹابھی کا بیان !!

ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ نے اپنی نامزدگی کے بارے میں ایک بیان دیا ہے جسمیں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ شروع میں صدارت کے لئے کھڑے ہونے کیلئے تیار نہیں تھے، لیکن اب وہ اپنے ساتھیوں کا کہنا نہیں ٹال سکتے۔

ڈاکٹر پٹابھی نے بتایا ہے کہ فیڈریشن اور قانون ہند ۱۹۳۵ء کی قلعی کھولنے میں وہ ملک کے اور کسی آدمی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ ریاستی تحریک میں بھی خدمات ہوم

اڑیسہ کی وزارت مستعفی ہو جائیگی؟

ریاستی معاملات پر وزرا اور گورنر میں اختلاف

اڑیسہ کے باخبر حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اڑیسہ میں والیان ریاست کی حفاظت کے قانون کی بعض دفعات کے نافذ کیے جانے پر وزرا اور گورنر میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

اگر کانگریس ہائی کمان نے طے کر دیا کہ اس معاملے میں گورنروں کے دخل دینے سے کانگریسی وزارت کی بحالی ہو سکتی تو وزرا مستعفی ہو جائیں گے اور اڑیسہ میں ایک زبردست قانونی الجھن پیدا ہو جائے گی۔

۲۰ جنوری کو اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے کابینہ کا ایک جلسہ ہوا جس میں تینوں وزرا کے علاوہ ان کے پارلیمنٹری سکریٹری بھی شرکت کی اس جلسے کی کارروائی راز میں ہے۔

اڑیسہ کے وزیر مال آنریبل مسٹر نتیا نند کانونگو وزرائے صنعت و حرفت کی کانفرنس میں شرکت کرنے بمبئی گئے ہیں جہاں وہ سردار پٹیل سے اس مسئلے پر باتیں کریں گے اور قیاس ہے کہ واپسی میں بردولی جا کر مہاتما گاندھی سے بھی مشورہ کریں گے۔

عام طور پر ذمہ دار حلقوں میں بیان کیا جاتا ہو کہ موجودہ وزارت نے ابھی تک ریاستی تحریک اور سول آزادی کے متعلق جو رویہ اختیار کر رکھا ہو اسے دیکھتے ہوئے وہ ریاست سے نکالے ہوئے قیدیوں کو ریاستی حکومت کے حوالے کرنے یا اپنے صوبے میں والیان ریاست کا حفاظتی قانون نافذ کرنے اور ریاستی تحریکوں کے متعلق ہر قسم کی تحریر و تقریر کی ممانعت کرنے پر تیار نہیں ہو سکتی

بیان کیا جاتا ہے کہ وزارت نے رنپور میں میجر بزل گیٹ کے قتل پر اظہار افسوس کیا اور راجہ کے محل کی حفاظت کرنے کیلئے اپنے صوبہ سے پولیس بھی بھیج دی ہے لیکن اب وہ اڑیسہ کی ریاستوں کی عوامی تحریکوں کے متعلق مخالفتی یا غیر جانبدارانہ رویہ نہیں اختیار کر سکتی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اڑیسہ کی کابینہ نے حکومت ہند سے سفارش کی تھی کہ ہندستانی ریاستوں اور خاص کر دھنکنال اور تلچر کی ریاستوں کے واقعات کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے لیکن حکومت نے اسے منظور نہیں کیا۔

ایسی حالت میں اگر گورنر یا وائسرائے نے اپنے اختیارات خصوصی استعمال کیے تو یہ وزارت کے روزمرہ کے کاموں میں مداخلت کرنا ہوگا اسلئے وزارت مستعفی ہو جائے گی۔

کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے بتایا ہے کہ ریاستوں کی زبردست بیداری کانگرس کا زیادہ تر وقت لے لیگی اور اگر میں منتخب ہو گیا تو میں اسے اپنی ریاستی کارروائی کی پسندیدگی کا ایک نشان سمجھونگا۔

۲۶ جنوری کا تاریخی دن

دنیا کی تاریخ کا ایک نیا باب

پنڈت گووند بلبھ پنت کا بیان

ہندستان کی آزادی کا مسئلہ اب صرف ایک مقامی مسئلہ نہیں ہے۔ تمام مشرقی قومیں اور وہ قومیں جو ہم سے بہت دور مغرب میں آباد ہیں ہماری آزادی سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ آزاد ہندستان کی دنیا کی قوموں کی انجمن میں ایک خاص جگہ ہوگی۔

ہندستان کے آزاد ہو جانے سے دنیا کی تاریخ میں ایک نیا باب کھل جائے گا کمزور قوموں کو دبا کر رکھنے کا سلسلہ ختم ہو جائیگا اور چھوٹی سے چھوٹی حکومت کو موقع ملے گا کہ وہ اپنے راستے پر چلے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ترقی کرے۔

تمام وہ لوگ جو آزادی سچائی اور جمہوریت کے چاہنے والے ہیں وہ چاہے جس مذہب فرقہ اور ذات سے تعلق رکھتے ہوں ان کو ہندستان کی آزادی کے لیے لڑنا چاہیے

ابھی ہمارے سامنے ایک سخت لڑائی ہی

آنریبل سمپورنانند کا بیان

ہمکو ابھی تک سیاسی آزادی نہیں ملی ہو اب بھی ہمارے سامنے ایک سخت لڑائی ہے، ایسی لڑائی جو شاید تنگ نظر خود غرض فرقہ پرست لوگوں کی وجہ سے بہت الجھ جائے لیکن اسمیں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ انجام میں ہماری جیت ہوگی۔ ہندستان آزاد اور مکمل آزاد ہو کر رہیگا اور اتنی جلد آزاد ہوگا جتنی جلد ہم قیاس نہیں کر سکتے،

منزل قریب آرہی ہے

آنریبل رفیع احمد قدوائی کا بیان

نو سال کے اندر ہم کافی آگے بڑھ آئے اور ہماری نگاہ وسیع ہو گئی لیکن آج ہم ۱۹۳۰ء سے زیادہ دشمن کی مضبوطی کا اندازہ کر رہے ہیں اور اپنی راہ میں سخت رکاوٹیں پا رہے ہیں

مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لوگوں کا جتنے زمانے کا خیال ہے ہم اس سے بھی جلد آزادی حاصل کر لینگے لیکن ہم اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب کہ قواعد داں سپاہیوں کی طرح مورچہ پر ڈٹے رہیں اور چاہے جتنی سخت رکاوٹیں راہ میں پڑیں مگر ہم اپنی راہ سے نہ ہٹیں مجھے یقین ہے کہ اپنے نوجوانوں کی ہمت و قربانیوں اور بوڑھوں کی دانائی سے ہماری بہت جلد فتح ہو جائیگی

باقی صفحہ ۱۶ کالم ۳ پر

رنگیلا رسول

کانگریسی حکومت مسلمانوں کی دل آزاری نہیں چاہتی

صوبجات متحدہ کے بعض اخباروں میں یہ خبر شایع ہوئی ہے کہ حکومت بمبئی نے راجپال کی ضبط شدہ کتاب ”رنگیلا رسول“ کی اشاعت پر سے پابندی اٹھالی ہے، کانگریسی حکومت صوبجات متحدہ نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا احترام کرتے ہوئے حکومت بمبئی سے اس مسئلہ پر خط و کتابت کی جس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ خبر بعض غلط فہمیوں پر مبنی ہے اور حکومت بمبئی نے حکومت صوبجات متحدہ کو اطلاع دی ہے کہ جس کتاب پر سے پابندی ہٹالی گئی ہے وہ دراصل مسٹر کول ٹھاکر کی لکھی ہوئی ہے جسمیں اسلام یا پیغمبر اسلام کا کوئی ذکر تک نہیں ہے بلکہ اسمیں سری کرشن جی کے سوانح حیات لکھے ہیں اور راجپال کی کتاب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ××

فلسطین کے حقدار عرب ہیں

یہودیوں کیلئے گاندھی جی کی صلاح

ہٹلری استبداد کی مذمت

”فلسطین عربوں کا ہے اسی طرح جیسے کہ انگلستان انگریزوں کا ہے یہودیوں کو عربوں کے سر تھوپنا غلط اور انسانیت کش حرکت ہے“

ان الفاظ میں مہاتما گاندھی نے انگلستان کے ایک اخبار میں فلسطین اور یہودیوں کے مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے یہ اخبار انگریزی گرجے کا نمایندہ ہے

مہاتما گاندھی نے اسکے ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ وہ عربوں کی زیادتیوں کی حمایت نہیں کرتے۔

یہودیوں کے قومی وطن پر مہاتما جی نے لکھا کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی اسی ملک کو جس میں کہ وہ پیدا ہوئے ہیں اپنا وطن کیوں نہیں بناتے اور وہیں کی اپنی روزی کیوں نہیں کماتے“ جرمنی میں یہودیوں کی ابتر حالت پر گاندھی جی لکھتے ہیں پرانے زمانہ کے جابر کبھی اس درجہ پاگل نہیں ہوئے جیسے کہ ہٹلر معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ذی عقل اور باہمت آدمی آگے بڑھ کر عدم تشددانہ کارروائیوں میں ان کی رہنمائی کرے تو ان کی ناامیدی کی خزاں دم بھر میں امیدوں کی بہار میں تبدیل ہو سکتی ہے اور آج جس ذلیل طریقے سے انسانوں کا شکار ہو رہا ہے وہ نہتے مردوں اور عورتوں کی جنھیں منجانب اللہ طاقت اور ایثار حاصل ہوگا، ایک پرامن اور نیک موجہ بنایا جا سکے گا اور یہی سچا مذہبی مقابلہ ہوگا غیر انسانی انسان کے ناخدا ترس مظالم کا

×× البتہ مسٹر کول ٹھاکر کی اس کتاب کا نام بھی رنگیلا رسول تھا لیکن چونکہ اس نام سے بھی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اسلئے حکومت بمبئی نے کتاب پر سے پابندی اس شرط سے اٹھالی ہے کہ اس کا نام بدل دیا جائے اور جہاں کہیں عبارت میں لفظ رسول آیا ہے اسے بھی نکال دیا جائے چنانچہ اب کتاب کا نام

یوپی اسمبلی | نذرانہ، بری بیگار بند کردیجائیگی

زمینداروں کی کاشتکار دشمنی

لگان کے بڑھانے گھٹانے کے سلسلے میں اجیت
پرشاد جین نے ایک ترمیم پیش کی جس کا مطلب یہ تھا
کہ بعض دیہاتوں میں کہ کاشتکاروں اور زمیندار
اونچی ذات کے ہوں کیونکہ [illegible] ہونا لازمی ہے
حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے لگان اضافے کا قانون
کو دیکھتا رہتا ہے اور جب لگان بڑھانے کا موقع ہو
تو اس کا خاص خیال رکھا جائے

رام پرشاد (آزاد پارٹی) نے اس کی
مخالفت کی اور کہا کہ کانگرس کی طرف سے ایسی
ترمیم پیش ہونا چاہئے۔ جس میں ذات پات
کا خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ملک کیسی [illegible]
چکی ہے کہ کسی شخص کی ذات پات کا خیال کرکے کوئی
آسانی نہیں کی جائے گی۔

نواب یوسف (آزاد) مسٹر ملک جمیل (آزاد پارٹی)
ظہیر الحسنین لاری (مسلم لیگ) نے اس کی مخالفت
کی۔

جواب میں وزیر زراعت نے کہا کہ اس ترمیم
سے حکومت کا مقصد ذات پات کی ترجیح کو بڑھانا
نہیں تھا۔ انھوں نے بتایا کہ بندوبست کے افسران
نے مجبوراً لگان مقرر کرنے کے وقت ذات پات کی
ترجیح کو مٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لگان اتنا بڑھ گیا
کہ زمیندار کو وصول کرنے میں بہت دقت ہوئی۔ اسلئے
ان کے خیال میں یہ ترجیح آئندہ سے نہیں ہوگا [illegible]
بندوبست میں مٹا دی جائے اور یہی اصول ہمیشہ لگان
وصول کرنے میں سامنے رکھا جائے کیونکہ بارہا ۳۳
فیصدی سے زیادہ لگان اکثر سے [illegible] پایا جاتا ہے
اس کے علاوہ اس ترجیح کے سلسلے کی ایک صورت
یہ بھی ہے کہ حکومت سے طے کر لیا ہے کہ جب لگان
میں کمی کی جائے تو جو لوگ مراعات والے ہیں
وہ اس کمی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ لیکن اگر زمیندار
کو حکومت کی یہ ترمیم منظور نہیں ہے تو حکومت اس کو
واپس لیتی ہے۔

دفعہ [illegible] نکلی جو لگان کی تبدیلی سے متعلق
ہے۔

راجہ شمشیر دیال سیٹھ نے ایک ترمیم پیش کی جسکا
مطلب یہ تھا کہ کاشتکار کو لگان کی تبدیلی کرانے
کی درخواست کا حق نہ ملے۔ کیونکہ ان کے خیال میں
کاشتکار کو یہ حق دینے سے انتظام میں دقتیں ہونگی
جب پارلیمنٹری سکریٹری نے کہا کہ کاشتکار کو
یہ حق حاصل ہے ایکٹ کے دفعہ ۲۳ اور ۲۴ (۳)
میں دیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہ بہت نامناسب
ہے کہ جو حق کاشتکاروں کو مل چکے ہیں وہ چھین لئے
جائیں۔ اس کے علاوہ اکثر جگہ یہ ہوگا کہ اگر کاشتکار
لگان کم نہ کرائے تو وہ کام نہیں چلا سکتا۔

یہ ترمیم گر گئی۔

اس کے بعد مزاحمت پارٹی نے اسی قسم کی اور ترمیمیں
بھی پیش کیں

لگان کی تبدیلی کی دفعہ میں نواب چھتاری نے
یہ ترمیم پیش کی کہ اگر کسی زمین کی زرخیزی بڑھ گئی ہے
خواہ اس کی وجہ بھی ہو، تو اس کا لگان بڑھایا
جا سکے۔

نواب یوسف نے اسکی تائید بڑے زور سے
کی۔ انھوں نے کہا کہ آج کل کاشتکاروں کی
حالت بہت خراب ہے اور انکا معیار زندگی بلند
کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر حکومت اس کی کوشش
کرے گی، تو اس کی آمدنی رک جائے گی۔ اسلئے
حکومت کو چاہئے کہ ان جماعتوں سے جو کاشتکاروں کی
آمدنی بڑھاتی ہیں ساز باز کرے۔ اس لئے حکومت
کو زمینداروں کو نہ دبانا چاہئے۔

وزیر زراعت نے کہا ہے کہ اگر زمین کی زرخیزی
رقبہ بڑھنے سے یا زمیندار کی اور کوششوں سے
بڑھی ہے۔ تو اس کی آمدنی میں زمیندار اور حکومت
دونوں کا حصہ ہوگا۔ لیکن اگر زمین کی زرخیزی
کاشتکار کے درجے سے بڑھتی ہے یا کسی ایسے ذریعہ سے
بڑھتی ہے جس میں زمیندار کا کوئی حصہ نہیں ہے تو
اس میں زمیندار کا کوئی حق نہیں

نواب چھتاری کی ترمیم گر گئی۔

۲۴ جنوری کو جب دفعہ ۲۳ پیش کی گئی
جو ابواب۔ زائد مطالبہ، بری بیگار وغیرہ کے بارے
میں ہے تو اس پر بڑی دلچسپ بحث ہوئی
جس سے صاف معلوم ہوگیا کہ زمیندار اپنے مطلب کیلئے
کس طرح کاشتکاروں کے دشمن ہو رہے ہیں
راجہ شمشیر دیال سیٹھ نے حتی کہ نواب چھتاری
نے بھی یہی کوشش کی ان ناجائز مطالبوں کو جائز
بنا لیں۔ وہ کہتے تھے کہ جو مطالبہ رسم و رواج سے
یا معاہدوں سے طے پا چکے ہیں انکو باقی رہنے دیا جائے

وزیر زراعت نے جواب میں کہا کہ یہ ناجائز
مطالبے قریب قریب ہر جگہ زمیندار وصول کرتے ہیں
اور یہ رقمیں اس رقم کے اوپر ہیں جو قانون سے
زمیندار کو ملنا چاہئیں۔ مجھے تعجب ہے کہ اسمبلی میں
زمیندار کیسے اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ ان کو
قانونی رقموں سے زیادہ رقم وصول کرنے کی
اجازت دی جائے۔

زمینداروں نے حکومت کی اس تجویز کی کہ
زمیندار لگان کی رسید سرکاری چھپے ہوئے کاغذ پر دیا
کریں مخالفت کی حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ رسید کا کوئی باقاعدہ
فارم نہ ہونے کی وجہ سے رسید میں گڑبڑیاں پڑتی رہتی ہیں
برابر مقدمہ بازیاں ہوتی رہتی ہیں اور کاشتکاروں کے
سخت سے سخت نقصان ہوئے ہیں اور کاشتکاروں کو
ہمیشہ شک رہتا ہے کہ زمیندار اپنے رجسٹر میں نہ معلوم
کیا لکھتا ہے اجیت پرشاد جین نے ان نقصانوں کو
بیان کیا اور کہا کہ ایسی صورت میں سرکاری رسید بہت
ضروری ہیں اور اس بات کا یقین دلایا کہ ان
رسیدوں کی قیمت بہت معمولی ہوگی۔ اسمبلی کا
اجلاس ۷ فروری تک ملتوی کر دیا گیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳ کالم)

آزادی اور استعماری حکومت

آنریبل ڈاکٹر کاٹجو کا بیان

[illegible] ہم پھر اپنی آزادی کا دن منا رہے ہیں۔ ایسا دن
جو تمام ہندستانیوں کو ان کے وطن کی آزادی حاصل
کرنے کے ناقابل فتح ارادے کی یاد دلاتی ہے
یہ ایک خوشی کی بات ہے کہ اب ہم روز بروز مکمل
آزادی اور استعماری حکومت کی بیکاری کی بحث پر لوگوں کو
نہ کم باتیں کرتے سنتے ہیں آزادی کا ایک ایسا تخیل ہے
جو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اور ہمارے عوام کو
سب سے زیادہ اپیل کرتا ہے۔

"باپ کا پاپ"

از عبدالکافی اول

یہ اسوقت کی کہانی ہے جب میں اپنے چچا جی کے ساتھ رائے پور میں رہتا تھا وہاں ڈاک خانہ میں نوکر تھے، کچھ دنوں تک تو انھوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھا لیکن پھر نہ جانے کیوں وہاں کے ہائی اسکول کے، جہاں میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا، بورڈنگ میں بھیج دیا بورڈنگ میں آکر تو کسی بات کی نہیں، ہاں ایک بات کی مجھے اکثر تکلیف رہا کرتی تھی، وہ یہ کہ بورڈنگ کے پیچھے، جہاں اسکول کے بھنگی کا مکان تھا، رات کو وقت کوئی نو، دس بجے اکثر شور وشغب ہوا کرتا تھا، اور اتفاق کی بات کہ مجھے رہنے کے لئے جو کوٹھری ملی تھی وہ اس بھنگی کے گھر سے بالکل قریب اور سیدھ میں پڑتی تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے جہاں تک مجھے یاد ہے، شاید نومبر کا مہینہ اور سنیچر کا دن تھا سردی ابھی خاصی پڑتی تھی، ہوا بہت تیز چل رہی تھی، رات کا وقت تھا، آسمان پر ہر طرف بادل چھائے ہوئے تھے

میں شام کو کھیل ختم ہونے کے بعد ہی بازار جاکر کرایہ والے کی دوکان سے اپنے پسند کی ایک کتاب لے آیا۔ میرا یہ دستور تھا کہ ہر سنیچر کی شام کو ایک کتاب لے آتا اور اتوار کی شام کو اسے پڑھ کر واپس کر آتا، آج میں ڈنشی پریم چند جی مرحوم کی کتاب بیوہ لایا تھا۔ میں نے اس کتاب کی بہت اچھائی سنی تھی، اور بہت دنوں سے اسے دیکھنا چاہتا تھا، اس لئے آج کھانا کھانے کے بعد ہی میں نے اپنی کوٹھری کی کھڑکیاں اور دروازہ بند کرلیا اور کتاب لیکر بیٹھ گیا۔

میں نے مشکل سے ابھی چند صفحے پڑھے ہوں گے کہ بھنگی کے گھر کی طرف سے آوازیں آنا شروع ہوگئیں، پہلے تو میں نے اس طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد مجھے خیال کرنا ہی پڑا، میرے کمرے کا دروازہ اور کھڑکیاں بند تھیں لیکن پھر بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی سر پر کھڑا الٹھ مار رہا ہے مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے جھنجھلا کر کھڑکی کھول دی اور باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹھنڈی ہوا سائیں سائیں چل رہی تھی، بادل پھٹ گئے تھے اور کاتک کی چٹک چاندنی پھیلی ہوئی تھی میں نے دیکھا کہ بھنگی کے گھر کے پاس ایک جمگھٹا سا لگا ہوا ہے۔ اس میں محلہ کے کچھ لوگ نظر آئے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ کچھ لڑکے بورڈنگ کے بھی ہیں شور وشغب کے ساتھ گالی، رلائی اور آہ وکراہ کی بھی آوازیں آئیں لیکن یہ میرے لئے کوئی نئی بات تو تھی نہیں؛ ہاں اتنا ضرور تھا کہ آج کچھ ڈھنگ نرالے تھے، بھیڑ بھکڑ کا سامان نیا تھا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ آج اس شور وشغب، رونے اور آہ وکراہ کی بھی آوازیں ملی ہوئی تھیں لیکن میں تو پہلے ہی جھنجھلا چکا تھا جھٹ کھڑکی بند کی اور لیمپ بجھا کر، بڑبڑاتا ہوا بستر پر اس خیال سے آرہا کہ بھور میں اٹھ کر پڑھونگا۔

— ۱ —

صبح کے وقت جب میں نے بھنگی کے لڑکے کو جھاڑو دیتے ہوئے دیکھا تو مجھے رات والی کہانی یاد آگئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"کیوں میاں! آج تمہارا باپ کہاں گیا ہے؟ اور یہ رات بھر تم لوگ واویلا مچائے رکھتے ہو؟ نہ سوتے ہو اور نہ سونے دیتے ہو!"

"بابوجی! رات میرے باپ کو لوگوں نے بہت مارا، اور پھر سپاہی بلا لائے اور ان سپاہیوں نے بھی بہت مارا، اتنا مارا کہ وہ بیہوش گئے اس کے بعد اسپتال پہنچا دیا، سویرے ہم لوگ اسپتال گئے تھے، ابھی ان کو ہوش نہیں آیا، بابوجی! ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ اب یہ نہیں بچیگا۔"

یہاں پہنچ کر اس کی آواز بیٹھ گئی، صورت رونی ہوگئی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا، اس کی یہ حالت دیکھ کر میں بھی چپ ہو رہا لیکن بعد میں ادھر ادھر پوچھ پاچھ کرنے سے معلوم ہوا کہ اسکا باپ شرابی تھا، روزانہ اپنے دوچار ساتھیوں کو اکٹھا کرکے شراب پیا کرتا تھا، اور یہ آئے دن کی جوتم پیزار اسی کا نتیجہ تھی۔ رات پنچایت تھی یا نہ جانے کیا بات تھی کہ ٹولے محلے کے بہت سارے پیکڑ اکٹھا ہوگئے تھے سبھوں نے پی پی کر آپس میں لڑائی کی اور اسے کمزور پاکر باری باری کرکے ہر ایک نے اس کی مرمت کی، نوبت پولیس تک پہنچی، پولیس کے آنے تک اور تو سب ٹھنڈے ہو چکے تھے لیکن چونکہ یہ کمزور تھا اور مار بھی کافی کھا چکا تھا، اس لئے گرم کا گرم ہی رہا۔ اور رینک میں پولیس والوں کو بھی دو چار الٹی سیدھی سنا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ہاتھوں بھی پٹا، اور اب اسپتال میں پڑا خون تھوک رہا ہے۔

میں بدلوسے روز اس کے باپ کے بارے میں پوچھتا اور وہ قریب قریب روز یہی جواب دیتا" اسیطرح ہیں" میں نے اس سے یہ بھی پوچھا کہ تمہارا بڑا بھائی تادھو کیوں نہیں کام کرنے آتا؟ اس نے کہا۔

"بابوجی! وہ کمیٹڑی صاحب کے یہاں نوکر ہے، صبح وشام ان کے کتوں کو ٹہلاتا اور صفائی کا کام کرتا ہے، صاحب پانچ روپئے دیتے ہیں!!"

میں اس کے باپ کے بارے میں ایک ہفتہ تک قریب قریب اسی طرح پوچھتا رہا۔ اور وہ بھی یہی ایک جواب رہا۔ آخر وہ دن بھی آگیا جب کہ اسے اپنا جواب بدلنا پڑا۔ اس نے رو کر کہا، "بابوجی وہ تو کل مرگئے" وہ پھر جھاڑو دینے لگا۔ اس کی آنکھوں سے برابر آنسو کے قطرے ٹپک ٹپک کر زمین پر گر رہے تھے، اور وہ انھیں جھاڑو گھسیٹ گھسیٹ کر مٹاتا جا رہا تھا میں نے کہا۔

"اچھا بدلو! آج جھاڑو نہ دو! رہنے دو"

"بابوجی! جمعدار گالیاں دیگا!"

"اچھا! اس کمرے کو رہنے دو!"

وہ چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد مجھ پر اس کے رونے اور اس سے زیادہ اس کی حالت کا دیر تک اثر رہا۔ وہ ایک ہونہار بچہ تھا، اس کی عمر کوئی آٹھ نو سال سے کسیطرح زیادہ نہیں تھی، لیکن پھر بھی سمجھ اور محنت کا یہ عالم تھا کہ میں نے اس کے باپ کی زندگی میں ہمیشہ اسے اس کی مدد کرتے دیکھا، اور اب جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں تھا

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

یہ خود اکیلا اسکا کام کرتا، اور دس گیارہ بجے تک گھسٹ گھسٹ کر کسی نہ کسی طرح پورا ہی کر لیتا،

میرے کمرے سے نکل کر وہ بغل والے کمرہ میں گھسنے ہی والا تھا کہ کسی نے ڈانٹ کر کہا۔

"اے بھنگی کے بچے! کل کیا کہاں تھا؟ چیل گدھ گئی؟"

"بابوجی کل میرا باپ مرگیا تھا اس لئے نہیں جا سکا"

"تیرا باپ مرگیا!! چلو اچھا ہوا، روز روز کی بک بک تو ختم ہوئی! اچھا ابھی جھاڑو دے کے جا۔!!

اس کمرے سے نکل کر جیسے ہی اس نے دوسرے کمرہ میں قدم رکھا پیچھے سے ایک صاحب نے ایسا تھپڑ لگایا کہ غریب تلملا کر رہ گیا

"دگر سے کہیں سے! دھوبی کے یہاں جانے کے لئے کہا تھا"

میں اپنے کمرے کے سامنے دھوپ میں کھڑا تھا، غریب کی اس کبھی نہ ختم ہونے والی مصیبت کو دیکھ کر میرا جی بھر آیا! وہیں کمرہ میں آ رہا

اتوار کا دن تھا، شاید اسے یاد ہو، وہ کوئی ایک بجے کے قریب جھاڑو لیکر پھر میرے کمرہ میں آیا، اور کہنے لگا، بابوجی! اٹھئے تو اب صاف کر دوں؟ میں نے دیکھا، اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی، کمزوری کی وجہ سے آنکھیں اور شاید بھوک کی وجہ سے پیٹ اندر دھنسا جا رہا تھا، میں نے پوچھا

"تم نے آج کچھ کھایا ہے نہیں؟"

"ابھی نہیں بابوجی! شام کو جب ماد ہو کنیٹری صاحب کے وہاں سے آئے گا تو کھائیں گے"

"کیوں! تمہاری ماں کہاں گئی؟"

"وہ تو آج صبح ہی جھوٹی کے ساتھ چلی گئی"

"کہاں چلی گئی؟"

"نانی کے گھر"

"جھوٹو! کون؟"

"وہی بابوجی! میرے باپ کا دوست، وہ اسپتال میں صفائی کا کام کرتا ہے روز میرے گھر آتا تھا، اور میرے باپ کے ساتھ شراب پیتا تھا"

اپنی ماں کے ساتھ۔ تم بھی کیوں نہیں چلے گئے؟"

"وہ مجھے نہیں لے گئی۔ خالی منگری کو لے گئی ہے"

"منگری کون؟"

میری چھوٹی بہن، بابوجی!"

میں نے اسے جیب سے اکنی نکال کر دی اور کہا،

"جا! چنے اور گڑ لے کر کھانا، اور جب شام کو مادھو آئے تو اسے لاکر میرے پاس آنا"

وہ خوش ہوا اور ہنستا چلا گیا۔

میں نے اپنے من میں کہا، اس لڑکے کی بھی کیا گت بننے والی ہے، ماں دوسرے کا گھر تاکا، بھائی پہلے ہی سے نوکر ہے، کل کو اسکول والے کسی دوسرے بھنگی کو بلا لیں گے تو اسے مکان بھی خالی کر دینا پڑے گا۔ تب یہ کہاں جائے گا! یہاں تو ماں کی ممتا بھی نظر نہیں آتی!! آتا برابر تا، ملنا، اور پیار، یہ سب شاید پیٹ بھرنے کی باتیں ہیں!!

شام کو وہ کوئی آٹھ بجے مادھو کو لاکر میرے کمرے میں آیا۔ میں نے اسے بہت کچھ سمجھایا، اور آخر میں سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اپنے باپ کی جگہ کے لئے ایک درخواست لکھ کر کل دیدے اور دفتر میں اپنے باپ کے نام کی جگہ اپنا نام لکھوا لے میں نے اسی وقت ایک درخواست بھی لکھ کر اسے دیدی

(۲)

اتنا کرنے سے بدلو اب مجھے کچھ اپنا سمجھنے لگا تھا، وہ روزانہ دو ایک بار میرے کمرہ میں آتا، اور میں ہر بار منہ سے کچھ نہ کچھ کام ضرور لیتا، وہ میرے ہر کام کو بڑے شوق اور مستعدی سے کرتا لیکن ساتھ میں سے یہ بھی دیکھا کہ جب کبھی میں اس سے چائے کی پیالیاں دھونے یا لوٹے میں پانی کے لئے کہتا تو وہ ہچکچاتا اور ایک مرتبہ جبکہ میں نے پیسے دیکر دوکان سے دودھ منگوانا چاہا، تو اس نے صاف کہہ دیا کہ۔

"بابوجی! میں دودھ تو لے آؤنگا لیکن کیا چھوت نہیں لگے گی؟"

میں نے ہنس کر اسے جھڑکا، اور کہا،

"پاگل! اسطرح چھوت نہیں لگتی"

وہ چلا گیا لیکن حیران ضرور تھا،

دن گزرتے گئے، اس سے میں اور مجھ سے وہ، زیادہ ہلتا گیا، میں نے اسے شام کے وقت کھانا کھانے کے بعد پڑھانا بھی شروع کر دیا۔

اب تک میرے ساتھیوں میں سے کسی کو اس بات کا زیادہ خیال نہیں تھا لیکن اب جبکہ وہ برابر میرے وہاں آکر پڑھنے لگا، تو لوگوں نے خیال کیا، یہ ایک عجیب سی بات تھی، نہ فیس ملنے کی امید تھی اور نہ بظاہر کوئی فائدہ ہی نظر آ رہا تھا، تو میں ایسا کیوں کر رہا تھا!!!

ساتھیوں نے مجھے چھیڑنا شروع کر دیا، کوئی کہتا اس نے اسکا دماغ خراب کر دیا، کبھی کبھار وقت پڑے کام آ جایا کرتا تھا، اب تو جی چرا تا ہے"

"لیکن یہ میرا یار ایسا کر کیوں رہا ہے؟ کیوں بھائی (میری طرف دیکھ کر) تم نے کیا فائدہ سوچا؟ بھنگی سدھار کی کسی سبھا کے ممبر تو نہیں ہو؟ یا جمعدار بننا چاہتے ہو؟"

اس لفظ 'جمعدار' پر بڑی ہنسی رہی اور اس روز سے میرا نام جمعدار مشہور ہو گیا!

لیکن کم سے کم اسوقت مجھے یہ سوچ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اسوقت میں نے کسی قسم کی کمزوری نہیں ظاہر کی۔ میں ساتھیوں کے بنانے، پھبتیاں اڑانے اور جلے کٹے سے جھینپا نہیں اور اپنا کام برابر کرتا رہا۔

بدلو ایک ذہین لڑکا ثابت ہوا، محنت تو خیر اس کی گھٹی میں پڑی تھی، لیکن مجھے سب سے زیادہ جو عجیب چیز اس کے اندر نظر آئی وہ یہ تھی کہ وہ اب تک صرف ایک آدمی کا بچہ تھا ——— نہ وہ ہندو تھا۔ نہ مسلمان ——— نہ پارسی تھا۔ نہ عیسائی مجھے اس کی یہ بات بہت پسند آئی، اور میں نے اسے اس معاملہ میں اسی کی حالت پر چھوڑ دیا، میں دیکھتا تھا کہ تہواروں کے دن اسے ضرور تھوڑی بہت پریشانی ہوتی تھی، یوں تو ہندو مسلمان سبھی کے تہوار وہی کے اپنے تہوار تھے، لیکن ان

رنگون میں ہمارے ایجنٹ ——— عبدالرزاق خاں نظامی

دنوں میں ہندوؤں کو خاص خاص پوجا پاٹ کرتے دیکھ کر، مسلمان لوگوں کو اونچی اونچی ترکی ٹوپی پہنکر عیدگاہ جاتے دیکھ اسے ایک قسم کی حسرت ضرور ہوتی، وہ ان جانے والوں کو بہت ہی تعجب و عزت کی نگاہ سے دیکھتا۔ لیکن میں نے اسکی اس حالت کو بھی سنبھال لیا۔

دوسرے سال جبکہ میں دسویں جماعت میں پہنچا میں نے، بدلو کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ تیسری جماعت میں بھرتی ہو سکے میں نے اُسے آریہ سماج ہائی اسکول کی تیسری جماعت میں بھرتی کروا دیا، اور مل ملا کر فیس وغیرہ بھی معاف کرا دی۔

چونکہ دسویں جماعت میں میں فیل ہو گیا اس لئے رائے پور میں مجھے ایک سال ٹھہرنا پڑا!

سال بھر بدلو کی پڑھائی برابر چالو رہی، وہ اکثر شام کو آ کر اپنے پڑھنے پڑھنے میں مجھ سے بھی مدد لیتا، اور صبح کے وقت صفائی کے کام میں اپنے بھائی کی مدد کرتا۔

میں نے جس سال دسویں جماعت کا امتحان دیا پتا جی نے اسی سال رائے پور سے بدلی کرالی، وہ اکثر بیمار رہتے تھے، طرح طرح کی بیماریاں ان کے پیچھے لگی ہوئی تھیں اس لئے وہ ہری گڑھ چلے آئے، چونکہ انھیں اپنی صحت کی طرف سے اطمینان نہیں تھا، اس لئے انھوں نے مل ملا کر اسی سال مجھے ڈاک خانہ میں نوکر رکھوا دیا، اب سوچتا ہوں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرح سے یہ نوکری میرے لئے اچھی ثابت ہوئی، کیونکہ اسی سال دسمبر کی آخری سردیوں میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور اسوقت سے . . . .

. . . . میں اس دنیا میں اکیلا رہنے کے لئے چھوڑ دیا گیا

میری ماں اک رنڈی تھیں جنکو پتا جی نے رکھ لیا تھا، وہ ان کے انتقال کے بعد ہی رائے پور واپس چلی گئیں، اور وہاں انھوں نے سہرام صاحب ٹھیکیدار سے جو اسوقت ہمارے مکان کے پاس ہی رہتے تھے، بیاہ کر لیا۔

اب میری اور بدلو کی حالت بالکل ایک تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ میرے پتا کو لوگ کالستھ کہتے تھے، اور اس کے باپ کو بھنگی!

——— (۳) ———

میں ہری گڑھ میں پڑا زندگی کے دن پورے کرنے لگا۔ کیوں کہ موت کے علاوہ اب زندگی میں کسی اور نئی چیز کا انتظار تو تھا نہیں! یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اسوقت ساری دنیا میں مجھے ایک آدمی بھی ایسا نہیں نظر آتا جو مجھے اپنا بنانا تو در کنار اپنا بنانے کے لئے ہی تیار ہوتا، اور رہا میں، تو میرے یوں تو چچا، چچی اور پھوپھا، پھوپھی سبھی لوگ تھے لیکن چونکہ میں ایک کسبی کی اولاد تھا اس لئے ان میں سے کسی کا نہیں تھا، زندگی کا لمبا چوڑا چٹیل میدان بلا ہریالی اور بیڑ و پانی سامنے پڑا چمک رہا تھا، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں ہمیں تن تنہا سفر کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہوں،

بدلو کی چٹھی کبھی کبھار آ جایا کرتی تھی، اس نے اپنے انٹرنس پاس کر لینے کی بڑی دھوم دھام سے چٹھی لکھی تھی، اور ایسی ہی اسوقت بھی جبکہ دو برس امیدواری میں گزار دینے کے بعد وہ جمعدار ہوا تھا، اور اسی طرح کی اس کی وہ چٹھی بھی تھی جسے اس نے اپنے بھائی کے بیاہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد لکھا تھا

لیکن ان چٹھیوں کو پڑھ کر مجھے، بدلو کی جس حالت کا اندازہ ہوتا تھا اس سے مجھے ہمیشہ اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ شاید میں اپنے ساتھ بدلو غریب کو بھی لے ڈوبا ہوں، اور اگر سچ پوچھا جائے تو اس کی بیاہ کے بعد والی چٹھی پڑھ کر مجھے پہلی دفعہ صاف طریقہ سے اپنی یہ غلطی معلوم ہوئی کہ میں نے، بدلو کو پڑھا لکھا کر، اور اسے اس کی برادری کی عام حالت سے اونچا بنا کر شاید اس کے حق میں کوئی اچھا کام نہیں کیا، اس نے اپنی چٹھی میں لکھا تھا۔

بابو جی!

میں نے کسی نہ کسی طرح، روپیہ اکٹھا کر کے بھائی کا بیاہ تو کر دیا لیکن اس میں کچھ باتیں ایسی معلوم ہوئیں جنکی وجہ سے مجھے بہت دکھ ہوا۔ گو اسکا کچھ نہ کچھ اندازہ تو مجھے اسی وقت سے تھا جب میں اسکول جایا کرتا تھا لیکن اب تو تمام باتیں صاف سامنے آگئیں اور اسطرح آگئیں کہ میرے اندازہ سے کہیں زیادہ! بڑی کھینچا تانی، رات رات بھر کی پنچایتوں اور بڑی بڑی مشکلوں کے بعد جا کر بھائی کا بیاہ ہو پایا، اور یہ سب کچھ صرف اسوجہ سے تھا کہ وہ بیچارہ میرا بھائی تھا! مجھے برادری اپنے اندر رکھنا نہیں چاہتی وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کی تمام خاص خاص چیزیں اپنے اندر سے کھو دیں ——— میں شراب نہیں پیتا اور یہی نہیں بلکہ انھیں بھی پینے سے روکتا ہوں پنچایتوں میں بے کار دنگا فساد کرنے سے باز رکھتا ہوں۔ گھروں میں بیکار پڑے پڑے جوا کھیلنے سے منع کرتا ہوں!!

اور ایک بڑی بات یہ ہے کہ ان کی عورتوں کو اس بات پر ابھارتا ہوں کہ تم اپنے مردوں کو جو دن رات نکمے بنے پڑے رہتے ہیں، کما کما کر نہ کھلاؤ!! اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرا کوئی دھرم نہیں!!

سوچتا ہوں کیا یہ تمام باتیں سچ مچ خراب ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو لوگ مجھے کیوں برا سمجھتے ہیں؟ دنیا میں سینکڑوں آدمی ہیں جو میری ہی طرح نہیں بلکہ مجھ سے کہیں زیادہ اچھے پڑھے لکھے ہیں، اور وہ بھی ان باتوں کو اچھا سمجھتے اور کہتے بھی ہیں لیکن ان کے ساتھ تو یہ برتاؤ نہیں ہے! پڑھنا لکھنا کوئی چادر نہیں کہ میں اسے اتار کر پھینک دوں، اب یہ شاید ایک ان ہونی سی بات ہے کہ میں جاہل بنکر پھر سے برادری کے عام لوگوں میں گھل مل جاؤں، تو کیا زندگی بھر میں اجنبی بن کر رہوں گا۔!! یہ بھی تو نہیں ہے کہ زیادہ گزر گئی تھوڑی اور ہے۔ ابھی کے دن بیتے ہیں! تو کیا زندگی کے اس اتھاہ سمندر میں مجھے اپنی ناؤ اکیلے ہی کھینی پڑی گی بابو جی! میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ایسا ہی ہے تو اتنے بڑے سمندر کو پار کرنے سے کیا فائدہ جبکہ ڈوب رہنا اور وہ دونوں برابر ہیں!!

گو بدلو نے چٹھی کھل کر نہیں لکھی تھی، اور اپنے من کی نجی بات کو چھپانا چاہتا تھا لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ اسقدر بے آس کیوں ہو رہا ہے، ——— وہ اب جوان تھا کوئی بیس بائیس اٹھائیس کا سن، آدمی کی زندگی کی یہ وہ گھڑی ہے۔ جب سے دنیا کی ہر چیز جیتی جاگتی اور عورت کے روپ میں دکھلائی دیتی ہے، گھر کی دیواروں اور کھمبوں تک پر اکثر سے ——— دھوتا ہے "گگن اور" وہ بھی تو جوان تھا، بھائی کی شادی کی تھی، جوانی کے کھیل اور مرد عورت کے ملاپ کے ناٹک کے پردے دن و رات اس کی نگاہوں کے سامنے گرتے اور اٹھتے رہتے تھے۔ وہ ان سے اثر لئے بغیر نہ رہ سکا۔

میں اب سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میری غلطی تھی، میں نے اپنی زندگی کی کہانی کبھی مکمل کر نہیں سنائی، میں اگر ایسا کرتا اور شروع ہی سے اسکے کانوں میں ایسی باتیں پڑتی رہتیں تو شاید یہ چیز اس کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہوتی اور یکا یک اسے یہ دھکا نہ لگتا۔ آخر میری بھی تو حالت یہی تھی صرف فرق اتنا تھا کہ بچپن ہی سے میں اس زندگی کے لئے طیار ہو رہا تھا ـــــ نہ کبھی اس ہولی اور نہ بے آس ہونے کا رنج ہوا

سوچتا ہوں اپنا دیس بھی کیا دیس ہے، جہاں اچھائیاں اور نیچی اچھائیاں اب تک برائی سمجھی جاتی ہیں !!! بدلو غریب میں کیا عیب تھا یا میرے اندر کیا خرابیاں ہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے، کہ اس کے باپ نے اسے بھنگی پیدا کیا، اور میرے پتا نے مجھے 'رنڈی کا بچہ'! اس لئے ہمیں اپنے اپنے باپوں کی سزا بھگتنی ہوگی چاہے ہم خود کیسے ہی کیوں نہ ہوں!

اس کے بعد بدلو کی کوئی چٹھی نہیں آئی، اور نہ میں نے ہی کوئی زیادہ چھان بین کی۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں اس چھان بین میں مجھے افسوس نہ بننا پڑ جائے کیونکہ اسکا تو یقین ہے کہ اگر وہ اس دنیا میں ہوتا تو مجھے چٹھی لکھے بغیر نہ رہ سکتا، لیکن دل سے برابر یہ آواز آرہی ہے کہ میں تو جنم کا خونی ہوں، کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو زندگی بھر کے لئے یہ "سماج نکالے" کی سزا مجھے نہ بھگتنی پڑتی۔

بدلو میری زندگی کا سہارا تھا، سوچے ہوئے تھا کہ دنیا سے چلتے وقت کم سے کم ہر باپ کی طرح یہ خیال تو کر سکونگا کہ میرے پیچھے کوئی ہے، اب وہ شاید نہیں رہا، میں بھی نہیں رہونگا، کب سے نہیں رہونگا؟ صرف یہی نہیں معلوم ورنہ یہ تو طے ہے کہ کہاں سے نہیں رہونگا

ـــــ اسپتال سے

اسپین کے دونوں لڑنے والے

(بقیہ صفحہ ۱۶)

کیا گیا ہے ـــ

یہ سب فوجیں شمالی اسپین میں جمع ہیں ان کے ساتھ مراکو کی فوجیں ہیں جنکی تعداد پچیس ہزار سے لے کر تیس ہزار تک ہے اور اسکو قانونی طور پر ملکی تسلیم کر لیا گیا ہے

حملے دو طرف سے ہو رہے ہیں، ایک فرانس کی حد کی طرف، اس سڑک کے کنارے کنارے جو انڈدار سے بگ کرڈا تک جاتی ہے۔ یہ حملہ اس غرض سے کیا جا رہا ہے کہ فرانس اور اسپین کی سرحدیں الگ کر دی جائیں۔

دوسرا حملہ میڈرڈ سے بارسلونا جانیوالی سڑک کے کنارے کنارے کیا جا رہا ہے یہ اس غرض سے ہے۔ تاکہ بارسلونا تک اطالوی توپوں کے گولے پہنچائے جا سکیں۔

کچھ تجربہ کار جرمن افسروں کو چند اطالوی افسروں کی جگہ پر ان دونوں کی نگرانی کے لئے رکھا گیا ہے، مگر پھر بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ جمہوریہ کی طاقت کو آسانی سے توڑ دیا جائے۔

اب کی بھی ویسا ہی سخت مقابلہ ہوگا جیسا پچھلے سال مارچ کے دھاوے میں ہوا تھا۔ بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ سخت ہو کیونکہ جمہوریہ کو معلوم ہے کہ اس دھاوے پر اس کے مرنے جینے کا انحصار ہے۔

ـــــ ×× ـــــ

فلسطین میں برطانوی سامراج

(بقیہ صفحہ ۱۰)

اس کے بعد سے عربوں کی تحریک سامراج دشمنی کا روپ پکڑتی رہی اور اس کے ساتھ ہی اس میں عوامی اور جمہوری خصوصیتیں بھی پیدا ہوتی گئیں، ۱۹۳۶ء میں عام ہڑتال اور سول نافرمانی کی تحریک سے قومی پیمانے پر ایک زبردست جدوجہد کی ابتدا ہوئی۔ اس وقت برطانیہ کے سامنے تین مانگیں پیش کی گئیں

۱۔ یہودیوں کی آمد فوراً بند کر دی جائے۔

۲۔ ایسے قانون بنائے جائیں جن سے یہودی زمین نہ خرید سکیں

۳۔ ذمہ دار قومی حکومت قائم کی جائے۔

عربوں کو ڈر ہے کہ اگر ایک دفعہ یہودیوں کی تعداد ان سے بڑھ گئی تو وہ سیاسی حیثیت سے بھی غلبہ پا جائیں گے اور عرب کسی حالت میں بھی آزادی نہیں حاصل کر سکیں گے۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے بھی عرب یہودیوں کے زیر اثر ہیں۔ کیونکہ فلسطین کی صنعت و حرفت یہودیوں کے قبضے میں ہے اور اسکی مالیاتی امور پر بھی یہودیوں اور انگریزوں کا غلبہ ہے۔

۱۹۳۶ء کی ہڑتال توڑنے کے لیے برطانیہ نے دہشت انگیزی کی کیسی بے پناہ ہم برپا کر دی اور ایسی بربریت کا مظاہرہ کیا جسکی کہ مثال ملنا مشکل ہے نظم و نسق کے بہانہ سے عربوں کے گاؤں اور ان کی جائدادیں سرے سے تباہ کر دی گئیں گاؤں پر مجموعی جرمانے لگائے گئے۔ بلا کسی تفریق کے بم پھینکے گئے اور گولیوں کی بارش کی گئی، اور فوج اور پولیس کی مطلق العنان حکومت قائم کر دی گئی

۱۹۳۶ء کی لوٹ کے بعد پیل کمیشن بھیجا گیا اور اس نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ فلسطین میں پورے طور پر سامراج دشمن بغاوت ہو رہی ہے۔ نیز یہ کہ عربوں کی بغاوت کے دبا دیے جانے پر بھی کوئی عرب کمیشن کے سامنے شہادت دینے پر تیار نہیں تھا کمیشن نے فلسطین کے حصے بخرے کیے جانے کی سفارش کی اور اب ووڈ ہیڈ کمیشن نے جو واقعات کی تحقیقات کے لیے . . . . - - - - - - -

مقرر کیا گیا تھا اس اسکیم کو ناقابل عمل بتایا ہے۔ سامراج ہی کے مقرر کیے ہوئے اس کمیشن کی رپورٹ سے برطانوی سامراج کے متعلقہ حقوق پر خاصی روشنی پڑتی ہے کمیشن نے تسلیم کیا ہے کہ عربوں کا بائیکاٹ مکمل تھا اور ان کی دشمنی صاف ظاہر تھی اس نے یہودیوں کے مالدار طبقے کی غلط فہمیوں کو بھی تسلیم کیا ہے، برطانیہ کے فوجی اور اقتصادی حقوق کو مانتے ہوئے کمیشن نے فلسطین کی تقسیم کی تمام اسکیموں کا تجزیہ کر کے فیصلہ کیا ہے کہ ان میں سے کوئی اسکیم اطمینان بخش نہیں ہو فلسطین کے مسئلہ کے حل میں اپنی نااہلیت کو اور سامراج دشمن تحریک کے اثرات کو تسلیم کرنے کے بجائے برطانوی سامراج وہاں ایک گول مول دھندا قائم کر رہا ہے جیسا کہ اس نے ہمارے ملک میں قائم کیا ہے اس نے بظاہر حصے بخرے کرنے کی اسکیم ترک کر دی ہے، اور اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے لندن میں ایک کانفرنس بلانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ وزیر نو آبادیات اپنے والد بزرگوار مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کی سنت کے مطابق ریا تک اتر آئے ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک بیان میں عربوں کے رویہ کی قدر دانی کی ہے۔ اس کانفرنس

کے لئے بلا دے سامراج ہی کی طرف سے جاری کئے جائیں گے، اور اگرچہ بظاہر عربوں کے ساتھ یہ ایک طرح کی رعایت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دراصل یہ ایک چالاک کوشش ہے۔ عرب اور یہودی عوام کے صحیح نمائندوں کو کانفرنس سے دور رکھنے اور پڑوس کی عرب حکومتوں و نیز لیڈروں کے ایک طبقہ کی قدرتی ہمدردیوں کو ختم کرنے کی۔ اب ایک دفعہ پھر مغاہمت اور نظم ونسق کے قیام کی دوعملی پالیسی کھیلی جا رہی ہے۔ برطانوی سامراج نے ایک حصہ میں عرب حکومت اور ایک میں یہودی حکومت اور جو مقامات بہت ضروری اور جنگی اعتبار سے نہایت اہم ہیں ان پر برطانوی حکمرداری قائم کر دی جائے۔ عربوں کی تمام جماعتوں و نیز یہودی لیڈروں کے ایک کافی بڑے طبقے نے بھی اس کی مخالفت کی۔ اس اسکیم کا صاف منشا یہ ہے کہ عربوں اور یہودیوں میں جو مصنوعی پھوٹ ڈالدی گئی ہے اسے برقرار رکھا جائے اور اس طرح فلسطین پر برطانوی سامراج کی غلامی کی زنجیریں اور بھی مضبوط کر دی جائیں۔ یہودی عوام کے نقطۂ نظر سے بھی اس اسکیم کا ہر پہلو قابل اعتراض ہے، اور اس سے ان کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا یہودیوں کی یہودیت پر زور دے کر ایک علحدہ یہودی حکومت قائم کرنے سے صرف یہ ہوگا کہ نسلی امتیازات اور علحدگی کے فسطائی نظریوں کی تائید ہوگی۔ اور اس طرح سامیت دشمن کی فسطائی لعنت اور ترقی کر جائیگی، آج یہودی عوام کے سامنے ایک بہت بڑا کام یہ ہے کہ وہ دنیا کی دوسری جمہوری اور ترقی پسند طاقتوں کے ساتھ مل کر اپنے مشترکہ دشمن یعنی فسطائیت اور رجعت پسند اجارہ دار سرمایہ داری کی طاقتوں کے خلاف جنگ کریں اور یہودی حکومت کے تخیل سے وہ اس کام سے بہت دور ہو جائیں گے۔ اسکے علاوہ فلسطین کی یہودی حکومت کو عرب فلسطین اور ٹرانسجورڈن یا کی اقتصادی بازاروں سے کوئی سروکار نہیں رہے گا اور پھر وہ چاروں طرف عرب ممالک سے جو اسکے سخت ترین دشمن بن جائیں گے گھری ہوگی ایسی حالت میں اس کے پاس سوائے اس کے کہ وہ مشرق قریب میں رجعت پسند برطانوی سامراج کا گڈھ بن جائے اور کوئی چارہ کار ہی نہ ہوگا اور ان تمام وجوہات کے علاوہ اس بات میں بھی بہت شبہ ہے کہ آیا مجوزہ یہودی حکومت اس قابل بھی ہوگی کہ وہ دوسرے ملکوں سے نکالے ہوئے یہودیوں کو جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اپنے یہاں پناہ دے سکے؟

اس سلسلے میں ایک اہم سوال جس پر ہمیں غور کرنا ہے یہ ہو کہ عربوں کی تحریک کے متعلق اطالوی اور جرمن فسطائیت کا رویہ کیسا رہا ہے؟ جوں کہ برطانوی سامراج اپنے سامراجی مفاد کے لیے فلسطین کے یہودیوں کی تمناؤں کو عربوں کی تحریک آزادی کے خلاف استعمال کر رہی ہے اس لیے اسکے مخالف سامراجی طاقتوں یعنی نازی جرمنی اور فسطائی اٹلی کیلئے اس کا الٹا کرنا ایک قدرتی بات ہے۔ اپنی یہودیت دشمن بربریت سے یہ طاقتیں فلسطینی عربوں کی حامی بنی ہوئی ہیں۔ باری کے ریڈیو کے پروگرام اٹلی اور جرمنی کی طرف سے بعض عرب لیڈروں کی امداد، "اسلام پناہ" کے لیے جوڑے لقب پر سولینی کا گھمنڈ اور اس قسم کی اور باتیں آج ہر ایک کو معلوم ہیں اس کے علاوہ یہ بات بھی صحیح ہے کہ عرب لیڈروں کے ایک طبقے میں فسطائی ذہنیت سرایت کر چکی ہو لیکن یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ فلسطین کے عربوں کی جدوجہد پر جرمن یا اطالوی فسطائیت کا غلبہ ہے، بنیادی طور پر فلسطین کے عربوں کی جدوجہد ایک سامراج دشمن اور اس لیے جمہوری لڑائی ہے جیسا کہ ۱۹۳۶ء کی قومی عوامی تحریک سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ عرب ایک بڑی مدت سے برطانوی مطلق العنانی کی دہشت انگیزی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں اور اگر ان کے بعض لیڈروں نے مدد حاصل کرنے کے لیے فسطائیت کی طرف رجوع کیا ہے تو اس کی صاف اور تنہا وجہ یہ ہے کہ انھیں ان کے قدرتی ساتھیوں یعنی یہودی عوام اور مزدور تحریک و نیز برطانوی مزدور تحریک سے کوئی امداد نہیں ملی۔ ان دونوں تحریکوں کا غلط طریق کار ہی اس کا ذمہ دار ہے اور اگر اسے درست کیا جائے تو عرب عوام کی طرف سے اس بات کا بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لیبیا اور حبشہ کی قربانیوں سے سبق حاصل کریں گے۔

فلسطین کے مسئلے کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ یہودی عوام عرب عوام کے ساتھ مل کر اپنے مشترکہ مسئلوں کو حل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں انھیں برطانوی سامراج کی گہری سازشوں کو ناکامیاب بنانا چاہیے اور آبادی کے تناسب سے عرب اور یہودی نمایندوں کی ایک ذمہ دار اور جمہوری حکومت قائم کرنا چاہیے۔ ایسی حکومت کا جس میں کہ عرب اور یہودی عوام ہنسی خوشی ایک دوسرے سے تعاون کریں اور برطانوی سامراج کی طرف سے کوئی شرارت آمیز مداخلت نہ ہو، یہ کام ہونا چاہیے کہ وہ عرب کسانوں کو ان کی زمینوں پر مستقل حقوق دلانے اور ان کی حالت کو سدھارنے کے لیے ایک جامع زرعی اسکیم تیار کرے۔ جب ایک مرتبہ عرب اور یہودی عوام کے مجموعی دباؤ سے برطانوی سامراج فلسطین چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا تو یہودیوں کی آمد کے سوال کی سیاسی اور اقتصادی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ پھر ذمہ دار جمہوری حکومت ہمدردی کے ساتھ اور ملک کی اقتصادی استعداد کا خیال رکھتے ہوئے اس مسئلے کو حل کر دے گی اور اس طرح عرب لیڈروں کے ایک طبقے پر رجعت پسند فسطائیوں کے اثرات بھی ختم ہو جائیں گے، انتظامی اور تمدنی معاملات میں پوری پوری مقامی خود مختاری ہونا چاہیے۔ یہودیوں کے اقلیتی شہری حقوق اسی وقت محفوظ ہو سکتے ہیں جب فلسطین ایک طرف تو برطانیہ کی بددیانت چالاکیوں اور دوسری طرف فسطائی رجعت پسندی کی بربری ترکیبوں سے نجات پا جائے۔ آزاد فلسطین میں یہودیوں کے لیے بہترین ضمانت ایک مضبوط اور متحدہ مزدور اور ٹریڈ یونین تحریک ہوگی جس میں دونوں قومیں شریک ہوں اور جس کے دائرہ اثر میں عرب اور یہودی عوام دونوں ہوں اور جو برطانیہ کی مزدور تحریک سے مل کر فلسطین اور اس کے باہر ہر قسم کی فسطائیت کیخلاف ایک زبردست ستون قائم کرے یہ حل نہ صرف عربوں کی حمایت میں ہو اور نہ تنہا یہودیوں کی طرفداری میں ہے بلکہ یہی واحد جمہوری حل ہے اگر کوئی دوسرا حل نکالا گیا تو وہ آگے چلکر مظلوم یہودیوں کے لیے بے حد درجہ نقصان دہ ہوگا اور اسکے علاوہ وہ صرف برطانوی سنگینوں کی طاقت سے نافذ کیا جا سکے گا۔ (غ۔ ا۔ ح)

ہندستان کے معاملہ میں سبق سیکھ چکی ہے نہایت بے حیائی سے اعلان کر دیا ہے کہ اگر لندن کانفرس سمجھوتہ کرانے میں ناکام رہی تو حکومت پوری تندہی سے اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنائے گی۔

عربوں کی سامراج دشمن بغاوت کو کچلنے کے لئے برابر اپسے ہی داؤں پیچ کھیلے جا رہے ہیں۔ اسوقت جبکہ لندن میں کانفرنس کی تیاریاں ہو رہی ہیں دوسری طرف فلسطین میں سامراجی فوجیں بڑے بڑے علاقوں کو دوبارہ فتح کر رہی ہیں اور ان پر اپنا قبضہ جما رہی ہیں۔ نظم و نسق قائم کرنے یا یوں کہئے کہ سنگین کے زور سے برطانوی حکومت قائم کرنے کا اہم کام انجام پا رہا ہے

پیل کمیشن جو ۱۹۳۶ء کی بغاوت کے فرد ہو جانے پر بھیجا گیا تھا، اسنے فیصلہ کیا کہ اب تقسیم بر داری نا قابل عمل ہے۔ اور... خواہش کی ہے کہ فلسطین کے

مبلغ آٹھ ہزار روپیہ نقد انعام

ہر کام ایمانداری اور انصاف سے ہوگا، آزمائش کریں اور فائدہ اٹھائیں؟

انعامات پہلا انعام مبلغ چھ ہزار روپیہ جو بالکل صحیح حل بھیجنے والے شخص یا اشخاص کو دیا جائے گا، دوسرا انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ اس شخص کو دیا جائے گا جسکا صحیح حل سب سے پہلے موصول ہوگا، اور تیسرا انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو دیا جائے گا۔

		۱۲
	۱۱	
۱۰		

حل کیا کرنا ہے سامنے دئے ہوئے نو خانہ مربع ہیں ایک سے سو تک کے ہندسوں میں سے کوئی ہندسے اس ترتیب سے رکھو کہ تینوں ہندسوں کی لائن کو خواہ کسی طرف سے جمع کریں میزان تینتیس آئے، دئے ہوئے تینوں ہندسوں کی جگہ تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ صفر اور بٹہ، تقسیم، استعمال نہیں ہو سکتے ایک ہندسہ دوبارہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

شرائط فیس داخلہ ہر حل کیلئے ۸ آنہ فی حل کے حساب سے بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر آنا چاہئے منی آرڈر کوپن پر اپنا نام اور پورا پتہ لکھنا ضروری ہے۔ حل سفید کاغذ پر بھیجے جا سکتے ہیں۔ صحیح حل ایڈیٹر صاحب کے پاس سر بمہر کر کے رکھ دیا گیا ہے حل ۳۱ر جنوری تک ڈاک میں ڈال دینا چاہئے۔ اسکے بعد کوئی حل منظور نہ ہوگا۔ صحیح حل ۷ر فروری تک شائع کر دیا جائیگا۔ مینیجر صاحب ممتحن کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل تسلیم ہوگا۔ ہر جواب طلب امور کیلئے ارکا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ اس کمپٹیشن کی واضح شرط ہے کہ انعام کی رقم بعد وضع اخراجات بالکل ٹھیک حل کرنیوالے ان اشخاص میں تقسیم کیجائیگی۔ جن کے حل ہمارے سربمہر حل سے ہو بہو ملیں گے، انعامات کی تقسیم موصول شدہ حل کی تعداد کے مطابق ہوگی۔ **گارنٹی** ہر صحیح حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیہ انعام ضرور ملے گا، اور سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو بھی کم از کم پچاس روپیہ کی گارنٹی ہے ہر ایک شخص ایک یا مختلف قسم کے جتنے حل چاہے بھیج سکتا ہے۔ حل اور منی آرڈر بھیجنے کا پورا پتہ

گپتا اینڈ کمپنی کمپٹیشن ڈیپارٹمنٹ نمبر ۵ سادھورہ انبالہ

گارنٹی شدہ انعام

ہر صحیح حل بھیجنے کے لئے مبلغ پچاس روپیہ سب سے زیادہ حل کیلئے مبلغ پچاس روپیہ، سب سے پہلے صحیح حل کے لئے مبلغ پچاس روپیہ کا ایک اور خاص انعام

		۱۶
	۱۲	
۸		

حل کیا کرنا ہے سامنے دئے ہوئے نو خانہ مربع ہیں ایک سے لیکر سو تک کے ہندسوں میں کوئی سے ہندسے ایسی ترتیب سے رکھئے کہ تین ہندسوں کی لائن خواہ کسی طرف سے جمع کریں جواب چھتیس آئے، دئے ہوئے ہندسوں کی جگہ تبدیلی نہیں کیجائیگی صفر اور بٹہ استعمال نہیں ہو سکتا، کوئی ہندسہ دوبارہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

شرائط فیس داخلہ ہر حل کیلئے ۸ آنہ فی حل کے حساب سے بذریعہ منی آرڈر آنا چاہئے منی آرڈر کوپن پر اپنا نام اور پتہ لکھنا لازمی ہے۔ حل سفید کاغذ پر بھیجے جا سکتے ہیں صحیح حل ایڈیٹر صاحب کے پاس سر بمہر کر کے رکھ دیا ہے، حل ۲۰ر جنوری کو ڈاک میں ڈال دینا چاہئیں اس کے بعد بھیجا ہوا حل منظور نہ ہو سکے گا، صحیح حل ۲۶ جنوری تک شائع کر دیا جائے گا۔ مینیجر صاحب ممتحن کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل تسلیم ہوگا۔ ہر جواب طلب امور کے لئے ارکا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ ایک شخص ایک یا مختلف قسم کے حل جتنے چاہے بھیج سکتا ہے۔ حل اور منی آرڈر آنے کا پورا پتہ

مینیجر صاحب رسالہ تشنہ عشق باتھو شملہ

تحفہ !!

اگر آپ دولت، ثروت اثر رسوخ اور عزت کی مسلسل اور متواتر کوششوں کے باوجود ابھی تک بامقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو مایوس و شکستہ دل ہونے کی بجائے ہمارا تعویذ محبت منگا کر اس کی روحانی برکت سے فیض یاب ہوں۔ ضدی سے ضدی معشوق خواہ آہنی قلعہ میں بند ہو، سات پردوں کے اندر کیوں نہ ہو آپ سے آ ملیگا جناب ڈی سی لو، ہز ہائینس نواب صاحب نادر تحریر فرماتے ہیں کہ تعویذ کی سریع الاثیری دیکھکر اس مادی زمانہ میں بھی روحانی قوت کا اعتراف کرنا پڑا۔ ہدیہ صرف ... علاوہ محصول ڈاک، خلاف تحریر ہونے پر قیمت واپس۔ مینیجر موہن بھنڈار رجسٹرڈ نمبر ۳۴ ریلوے روڈ لاہور

ایک روپیہ میں ایک ہزار اشتہار چھپواؤ!

پنجاب میں سب سے سستی اور اعلیٰ چھپائی کرنے والی واحد فرم

نرخ چھپائی اشتہارات مع اعلیٰ رنگین کاغذ

سائز اشتہارات	۱۰۰۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰
[illegible]	۱—۰	۲—۰	۳—۸
[illegible]	۲—۰	۳—۸	۵—۰
[illegible]	۳—۸	۵—۰	[illegible]
[illegible]	۵—۰	۸—۰	[illegible]

زیادہ کام کیلئے علیحدہ نرخ ہر صورت تمام آرڈروں کے ہمراہ نصف قیمت پیشگی آنا چاہئے۔ پتہ

اگروال الیکٹرک پریس سباتھو شملہ

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۳۰۲ سنہ ۱۹۳۸ء

بعدالت جناب پنڈت برکشن صاحب نو جج صاحبان خفیفہ لکھنؤ

مدعیان

۱۔ بھویچند ۲۔ رادھے شیام ۳۔ رام سروپ } پسران پراگداس قوم رستوگی ساکن محلہ جوڑی والی گلی چوک شہر لکھنؤ

بنام

۱۔ مسماۃ جانکی دیوی جنت ہرنام سنگھ صوبہ دار ریلی گارڈ بہادر ۲۔ ابو بہادر سنگھ ولد نیا سنگھ .... } اقوام جاد جھتری ساکنان پورنہ پرگنہ و تحصیل ضلع لکھنؤ

ہرگاہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت ۵۱ روپیہ کے دائر کی ہے لہذا آپکو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۱۵ ماہ فروری ۱۹۳۹ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعویٰ کا کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپکے احضار کیلئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے بس آپکو لازم ہے اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت یا جن دستاویزات پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہوں اسی روز انکو پیش کریں مطلع رہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہونگے تو مقدمہ بغیر حاضری آپ کے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۱ ماہ جنوری ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط اردو

وقت حاضری بدفتر جناب جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

سمن بغرض قرار داد امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر ۳۵۷

عدالت جناب بابو [illegible] منصف [illegible] لکھنؤ

مدعی انشورنس کمپنی لمیٹڈ لاہور

بنام مسٹر ماتا دین بھگوان داس شکر مرچنٹ [illegible]

واضح ہو کہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہذا آپکو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۱۵ ماہ مارچ ۱۹۳۹ء

وقت ۱۰ بجے پر اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعویٰ مدعی مذکور کی کریں اور آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر آپ بتائید اپنی جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہوں پیش کریں۔

مطلع رہیں کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ آپ کی غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا

آج بتاریخ ۱۹ ماہ جنوری ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط اردو

وقت حاضری بدفتر منصفی شمالی لکھنؤ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

اکرام انجینیرنگ ورکس

مولوی گنج لکھنؤ

میں

بڑے بڑے انجنوں اور ہر قسم کی مشینوں کی مرمت

لوہے اور پیتل کی ڈھلائی مناسب اجرت اور وقت کی پابندی سے ہوتی ہے

وائٹنگ گیس اور آئل انجنوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے

کاسا بن

بچوں-جوانوں اور بوڑھوں کے لئے کھانسی کی شرطیہ دوا

پھیپھڑے کی سوجن—دمہ—کالی کھانسی—نزلہ—خراش—وغیرہ—وغیرہ میں فوری سے اثر کرتی ہے—

بنگال کیمیکل کلکتہ-بمبئی

ایسا نہ ہو کہ دیر ہوجائے

یہ عام شکایت ہے کہ روپیہ نہیں بچتا-اور یہ سچ بھی ہے تاہم

اگر آپ ہم سے مشورہ کریں تو آپکی یہ دشواری بالکل رفع ہو جائے—ہمارے مشورہ پر عمل کرنے سے روپیہ بھی بچ جائے گا اور ناگہانی حادثہ سے حفاظت بھی—

بیمہ کمپنی بینکنگ کا سب سے زیادہ ترقی شدہ طریقہ ہے—

اشفاق علی-منیجر

ٹراپیکل بیمہ کمپنی-حضرت گنج لکھنو

ماری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد ذکی پرنٹر عمدۃ المطابع
روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

ہندوستان

جلد ۳—نمبر ۶ | کانگرس کا ھفتہوار اخبار—لکھنؤ ۵ فروری ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

نئے سال کے صدر

آل انڈیا کانگریس

یو-پی کانگرس

لکھنؤ میں "یوم آزادی" کے جلوس کا ایک منظر

آصف الدولہ پارک لکھنؤ میں "یوم آزادی" کا جلسہ

کانگرس کدھر؟

کانگرس کے صدر کے الکشن کے ساتھ ملک کے سامنے یہ سوال اٹھا کر کرو اپنی سیاست کی باگ کس شخص کے ہاتھوں میں دینا چاہتا ہے — سوبھاش بوس یا پٹابھی سیتا رامیہ۔ ملک نے یہ تاج سوبھاش بوس کے سر پر رکھ دیا۔

اس الکشن کی تہ میں سوال یہ نہیں تھا کہ فیڈریشن قبول کیا جائے یا نہیں بلکہ سوال یہ تھا کہ اس فیڈریشن کو کچھ ترمیموں کے بعد قبول کر لیا جائے۔ یا اگر کم سے کم آزادی کے لئے لڑائی چھیڑ دی جائے۔ دوسرے لفظوں میں سوال یہ تھا کہ "دستور سیندی" پر کام کیا جائے، یا پھر کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا جائے۔

سوبھاش بوس نے پچھلی مرتبہ صدر ہوتے ہی فیڈریشن کی، اور دستور سیندی ذہنیت کی سخت مخالفت کی۔ ان کی یہ مخالفت کانگرس کی ایک جماعت کو بری لگی، اور سیٹھ سورتی نے اس جماعت کا رکن بن کر سوبھاش بوس کی مخالفت کی لیکن کانگرس کے صدر نے اس مخالفت کی زیادہ پرواہ نہ کی، اور دستور سیندی کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ اور کچھ دن ہوئے انھوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ فیڈریشن کے انتظار میں خاموش بیٹھنے والے نہیں، بلکہ خود ہی آگے بڑھ کر سامراج سے ٹکر لیں گے۔ یہ نوجوانی کی باتیں داہنے بازو کے بہت سے ممبروں کو جو جارحانہ کارروائی کے لئے تیار نہیں ہیں بہت بری لگیں، اور انھوں نے سوبھاش بوس کی صدارت کی مخالفت کرنے کا فیصلہ کیا۔

لیکن ملک آگے بڑھنے کے لئے بیچین ہے۔ اس نے سوبھاش بوس کا پروگرام پسند کیا، اور انکو صدر بنایا۔ گویا کہ اب سوبھاش بوس کا پروگرام کانگرس کا پروگرام ہے۔

سوبھاش بوس کا کیا پروگرام ہے؟ وہ برطانوی سامراج کو چھ مہینے کا چیلنج دے رہے ہیں کہ اگر اتنے دنوں میں اس نے کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی (یعنی وہ اسمبلی جو ہندستان کے تمام بالغوں کے ووٹ سے بنکر ہندستان میں ہونیوالی حکومت کا دستور تیار کرے) نہ حوالے کر دی، تو پھر کانگرس لڑائی کی تیاری کرے گی۔

سوبھاش بوس اپنے اس پروگرام میں کہاں تک کامیاب ہونگے؟ ان کی کامیابی میں شبہ نہ کرنا چاہئے۔ برطانیہ کی کمزوریاں اب چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ اس کی بیرونی پالیسی نے صاف ظاہر کر دیا کہ اس بڑی سلطنت میں اندر ہی اندر گھن لگ گیا ہے۔ اور اس کی کمزوریاں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ کسی منظم طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہٹلر اور مسولینی سے چیمبرلین کا بات بات پر دبنا چین میں اور اسلامی ایشیا میں تجارتی نقصان ہونا وغیرہ وغیرہ یہ وہ باتیں ہیں جنکو دس سال پہلے کا تجارتی سامراج ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

ایک طرف برطانیہ کی یہ کمزوریاں ہیں، اور دوسری طرف ہماری طاقت — پچھلی سول نافرمانی ہی میں ہماری طاقت اتنی تھی کہ مقابلہ میں سامراج کے چھکے چھوٹ گئے تھے، لیکن اب تو اس سے دس گنا ہے۔ اب ہمارے پاس کسان سبھائیں اور مزدور سبھائیں بھی ہیں۔ ہمارے نوجوان طالب علم بھی ہیں جو مقابلہ کے لئے بیچین ہیں۔ اور اب ان میں پہلے سے چوگنی ہمت ہے۔ کیونکہ ایک بار جیت کر انھوں نے اپنے بازوؤں کی طاقت کا اندازہ کر لیا۔

برطانیہ کو ...... لڑائی کا چیلنج دینے کے بعد ہمارا پروگرام یہ ہوگا کہ کسان سبھاؤں، مزدور سبھاؤں، طلبائی فیڈریشن اور ریاستی کانگرسوں کو الگ الگ منظم کریں اور پھر ان سب کو کانگرس کے پلیٹ فارم پر لا کر ایک بنا لیں۔ اس کوشش میں ہمکو سیکڑوں چھوٹے چھوٹے مقابلوں سے گذرنا ہوگا۔ اور ہر مقابلہ جہاں ہمکو مضبوط کریگا، وہاں سامراج کو ہماری طاقت سے ڈرا بھی دیگا۔

ان طاقتوں کے علاوہ ہمارے پاس ایک طاقت اور آرہی ہے، وہ ہے "قومی سیفا" یہ سرفروش نوجوانوں کی ایک جماعت ہے جو سامراج سے مقابلہ کے وقت ہر طرح سے ہماری مدد کرے گی۔ اس کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی، اور اس کا ڈسپلن جتنا اچھا ہوگا، سامراج پر اتنا ہی گہرا اثر پڑیگا۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ صوبائی وزارتوں کے مقابلہ میں کیا پالیسی اختیار کی جائے؟ مناسب یہ ہے کہ صوبائی وزارتوں کو باقی رکھا جائے، اور جن جن صوبوں میں وزارت بن سکتی ہے وہاں بھی اپنی وزارت بنالی جائے، اور پھر ان وزارتوں کے ذریعہ عوام کو اپنایا جائے۔ اور انکو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچایا جائے۔ تاکہ سامراج کو یہ بھی ڈر ہے کہ اگر مقابلہ ہوا، اور ہم کو مجبوراً وزارتوں کو توڑنا پڑا تو عوام بے قابو ہو جائیں گے۔ ایک طرف یہ ڈر اور دوسری طرف عوامی جماعتوں کی تیاریاں، ہم کو یقین ہے کہ یہ سب مل جلکر برطانوی سامراج کو اتنا بدحواس کر دیں گی کہ وہ بلا مقابلہ ہماری مانگوں کو مان لے۔ اور اگر اس نے نہیں مانا اور مقابلہ کیا، تو بہت جلد اسکو ہار مان لینا پڑے گی۔

معذرت:- ایک عید کی وجہ سے یہ پرچہ ایک دن دیر کر کے جا رہا ہے۔

جواہرلال نہرو کی صدارت

جواہرلال جی ان لوگوں میں سے ہیں جن پر کانگرس کی ہر جماعت یعنی کانگریسیوں، سوشلسٹوں، طالب علموں، نوجوانوں، اور مسلمانوں ـــــ سب کو یکساں بھروسہ ہے، اور انکے خیالات اور انکا پروگرام ہر ایک کو یکساں اپیل کرتا ہے۔

اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا صوبہ کس راہ جائے گا، اندرونی معاملات میں یہاں کی یہ اصلاحیں ہوں گی کہ اردو ہندی، اور مسلم حقوق کے الزام بالکل دور ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کو کانگرس میں لانے میں ایک سال سے زیادہ کامیابی ہوگی کسانوں کی تحریک کو طاقت پہنچے گی، اور کسی قسم کی رجعت پسند تحریک کو پنپنے کا موقع نہیں ملیگا۔

ریاستی عوام کی ہمدردی میں ہم پیش پیش رہیں گے، مظلوم سرحدیوں کو پورا پورا ... کے خلاف احتجاج میں ہم سب سے آگے رہیں گے۔ اور سامراجی شکر بننے میں، اور وزارت کو تعزا دینے کے لئے ہم ہر وقت تیار رہیں گے، ہندستانی سیاست سے آگے نکلکر ہم دنیا کی سیاست میں بھی حصہ لیں گے فلسطین کے بہادر عربوں، اسپین اور چین کے مظلوموں کے ساتھ ہم جتنی ہمدردی کر سکتے ہیں کریں گے۔ اور یوں یو۔ پی کی عوامی تحریک کو دنیا کی اور عوامی تحریکوں سے ملا دیں گے۔

جیل کی اصلاح

تمام بڑے بڑے رہنما جیل کی زندگی جھیل چکے ہیں۔ اور غیر سیاسی قیدیوں کی جانوروں کی ایسی زندگی کا تماشا دیکھ چکے ہیں۔ انھوں نے اس بری برتاؤ کیخلاف بہت آواز اٹھائی۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں بہادر جتندر داس نے جیل کے برتاؤ پر احتجاج میں بھوک ہڑتال کردی جس کا خاتمہ انکی موت پر ہوا۔

ہندستانی جیل خانوں میں قیدیوں کو کھانا کپڑا بے حد خراب دیا جاتا ہے۔ آرام اور نیند کو ترسایا جاتا ہے بیلوں کی طرح ان سے مشقت لی جاتی ہے۔ اور گدھوں کی طرح انکو پیٹا جاتا ہے۔ ایسا برتاؤ قیدی کا دل سیاہ کر دیتا ہے، اور اسکے دل میں سماج کے خلاف سخت آگ بھر دیتا ہے۔ اسکے علاوہ قیدی جیل سے نکلنے کے بعد بالکل بے یار و مددگار ہوتا ہے، اور پیٹ بھرنے کے لئے اسکے سامنے صرف ایک راستہ ہوتا ہے وہ یہ کہ پھر دوسرا جرم کرے ـــ یعنی جیل خانے قیدیوں کو اور زیادہ سنگین مجرم بنا دیتے ہیں، اور جرموں کی تعداد بڑھا دیتے ہیں۔

وزیر جیل خانہ جات جو قومی خدمت کے جرم میں کافی دن جیل خانوں کی سیر کر چکے ہیں شروع ہی سے انکی اصلاح کی طرف متوجہ تھے۔ انھوں نے اس مسئلہ پر کئی کمیٹیوں کے مشورے لئے۔ یہ رپورٹ جو اب آئی ہے۔ محکمہ کے ماہرین کی رپورٹ ہے۔ ان لوگوں نے جیل خانوں کا مقصد وہی سمجھا ہے جو سمجھنا چاہیئے۔ یعنی مجرموں کا اصلاح گھر۔ اور یہ سفارش کی ہے کہ ہر جیل خانے کا ایک سپرنٹنڈنٹ ہو جو سوشیالوجی اور نفسیات میں کافی دخل رکھتا ہو۔ قیدی کو اچھا کھانا، آرام، معمولی کام، اور کام کی تنخواہ۔ گانے بجانے کے لئے کچھ وقت۔ پڑھنے کے لئے سنا کر وغیرہ دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ سیاسی قیدیوں کے ساتھ اور اچھا سلوک کرنے کی سفارش کی ہے۔ مجموعی طور پر رپورٹ جیل خانوں کو نئے سرے کو بنانے کی سفارش کرتی ہے۔

زاہد آباد کا فیصلہ

زاہد آباد کے جھگڑے کا بہت سیدھا حل نکل آیا، وہ یہ کہ وہاں کے ہندوؤں نے مسلمانوں کے نام ایک اپیل نکالی ہے جس میں انھوں نے کہا کہ زاہد آباد ہندوؤں کے متبرک مقام گورکھناتھ مندر سے بالکل قریب ہے۔ اس لئے اگر وہاں گاؤکشی ہوگی تو ہندوؤں کے دلوں کو بہت دکھ ہوگا۔ اسلئے ہندو اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ انکے جذبات کا خیال کریں اور وہاں گاؤکشی نہ کریں۔ اس اپیل پر ظہیر الحسنین صاحب لاری ممبر اسمبلی اور چند اور مسلمانوں نے عام مسلمانوں سے اپیل کی کہ ہندو ہم پر کوئی دباؤ نہیں ڈال رہے ہیں، بلکہ ایک درخواست کر رہے ہیں، اس لئے انکی درخواست مان لینا چاہیئے۔ اور اس سال قربانی یا تو مذبح میں ہو یا شیخ عبدالکریم کے مکان پر۔

اس طرح یہ جھگڑا طے ہو گیا۔ اس جھگڑے کے طے ہونے میں خاص بات یہ ہے کہ ہندوؤں نے تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں کو گاؤکشی کا حق ہے، لیکن چونکہ اس سے ہمارے دل کو صدمہ پہونچتا ہے اسلئے نہ کی جائے۔ یہ اپیل ہے نہ کہ حق کے مقابلہ میں حق جتانا۔

کیا اچھا ہو کہ مسجد کے سامنے باجے کا مسئلہ بھی یونہی طے ہو جائے۔ یعنی علماء ایک اپیل نکال دیں کہ مسجد کے سامنے باجہ بجانے سے نماز میں خلل پڑتا ہے اسلئے ہم ہندوؤں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری دلآزاری نہ کریں۔ اور پھر ہندوؤں کی با اثر جماعتیں اسی طرح اپیل کو قبول کر لیں۔ اور لاکھوں بیگناہ جانوں کو بچا لیں۔

ریاست اوندھ

(جواہرلال نہرو ـــ خاص نیشنل ہیرالڈ اور ہندستان کے لئے)

جبکہ اتنی ریاستوں میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ اور بعض ریاستوں میں الجھی لاینحل گتھیاں پڑ رہی ہیں، یہ دیکھکر بڑی تسلی ہوتی ہے، کہ ایسی ایسی ریاستیں ہیں جہاں کے راجاؤں نے اپنی رعایا کا ساتھ دیا اور زمانے کے رنگ کو پہچان کر ذمہ دار حکومت کا مطالبہ منظور کر لیا۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ ریاست ہنڈول (اڑیسہ) بنارس اور دو ایک ریاستوں میں ایسا ہوا ہے، ابھی تک یہ خبر نہیں ملی مگر اصلاح کی واقعی حد کیا ہے اس لئے خوش ہو جانا ذرا وقت سے پہلے ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ راجکوٹ میں کیا ہوا ہمیں اپنی یقینی فتح ہونیکے بعد پھر فوراً ہی ایسی ایسی کاروائیوں کا سامنا ابھی بہت کرنا پڑیگا کیونکہ پردے کے نیچے عجیب ہاتھ کام کر رہے ہیں اور اکثر جگہ تو راجا دوسرے کے ہاتھوں کا کھلونا ہوتا ہے۔

لیکن ریاست اوندھ کے معاملہ میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں اصلاحیں مل گئی ہیں۔ اوندھ کے راجا کو مبارکباد دینا چاہیئے، صرف اسی بات پر نہیں کہ انھوں نے رعایا کو ذمہ دار حکومت دیدی بلکہ اس پر بھی کہ انھوں نے بہت اچھی طرح اس کام کو پورا کیا۔ انکے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا، جب انھوں نے ایک کام کا فیصلہ کر لیا تو پھر وہ اطمینان کے ساتھ رعایا کے ساتھی بن گئے میرے سامنے اوندھ کا دستور اساسی نہیں ہے، مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے، اسکی رو سے اوندھ کو بہت سی دیہاتی جمہوریتوں کا فیڈریشن بنایا گیا ہے۔ اوندھ ایک چھوٹی ریاست ہے، لیکن اس نے جو کام کیا ہے وہ بہت بڑا ہے

ہندستان کی نظموں پر آپکا کیا خیال ہے؟

اور مجھے امید ہے کہ دوسری ریاستیں بھی اس سے سبق لیں گی ۔

ریاستوں میں سامراجی دخل

گاندھی جی نے ریاستوں پر جو تازہ بیان دیا ہے اس میں کہتے ہیں کہ اب مقابلہ کانگرس اور برطانوی سامراج میں ہے نہ کہ ریاست اور رعایا میں۔ ان کی بات کی سچائی کے لئے یہ خبریں ملاحظہ ہو۔

" پولیٹیکل ایجنٹ نے نوگانگ کے راجہ راؤ ارجن سنگھ کو اس جرم پر گدی سے الگ کر دیا کہ وہ کانگرس کی مدد کرتے تھے "

پولیٹیکل ایجنٹ نے یہ کارروائی ضرور وائسرائے کی مرضی سے کی ہوگی، ورنہ اس کی کیا مجال تھی کہ وہ کانگرس دوستی کی سزائیں دیتا۔

راجکوٹ کے ٹھاکر صاحب نے سردار پٹیل سے بات چیت کر کے ایک سمجھوتہ کیا۔ اور پھر ایک جلسہ کے بعد جس میں کچھ اور انگریز ریذیڈنٹ شریک تھے وہ سمجھوتا توڑ دیا۔ اور یوں راجکوٹ کی رعایا کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی قومی اور جمہوری عزت بچانے کو جان توڑ مقابلہ کریں۔

جے پور میں بھی انگریز وزیر نے پرجا منڈل کو غیر قانونی قرار دیدیا اور اسکے صدر جمنالال بجاج جی کو داخلہ کی ممانعت کر دی۔

اڑیسہ میں ۳۲ فوجی سپاہی کٹک میں اکٹھا کئے گئے ہیں اور جس جس ریاست کو اپنی رعایا پر گولی چلانے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں ضرورت بھر بھیجدیئے جاتے ہیں۔

جن ریاستوں میں راجہ اور رعایا میں مقابلہ ہو رہا ہے ان میں زیادہ تر ایسی ہیں جہاں ریاستی سالاری کسی نہ کسی انگریز کے ہاتھ میں ہے۔

ان واقعات کو دیکھ کر اس میں ذرا شک و شبہ نہیں رہ جاتا ہے کہ راجاؤں کی طرف سے سامراج مقابلہ کر رہا ہے۔ اس صورت میں۔ کانگرس کو بھی رعایا کی مدد میں اپنی ساری طاقت صرف کر دینا چاہئے، اور غیر جانبداری کی پالیسی ختم کر دینا چاہئے۔

حیدرآباد ڈے

آریہ سماج اور ہندو مہاسبھا نے حیدرآباد ڈے منا کر جا بجا فساد کرا دیئے۔ یہ ہے انکے کام کی ابتدا اور غالباً یہی انتہا بھی ہوگی۔ کیونکہ مذہبی اصول پر حیدرآباد کی مخالفت کا مطلب صرف یہ ہے کہ مسلم لیگ اور دوسری اسلامی جماعتیں اسکی مذہبی اصول پر حمایت کریں، اور یوں بات بڑھتی جائے۔ اور موقع موقع پر فساد ہوتے رہیں۔

حیدرآباد میں اگر ذمہ دار حکومت مل جائے تو وہاں اکثریت ہندوؤں کی ہوگی، اور اسوقت انکے جائز حقوق کوئی نہیں دبا سکے گا۔ ایسی صورت میں آریہ سماج اور ہندو سبھا دونوں کے لئے سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ ریاستی کانگرس میں شریک ہو کر کام کرتے، مگر کچھ مذہبی دیوانوں، اور لیڈری کے بھوکوں نے آزادی کی تحریک میں فرقہ پرستی کا زہر ایسا ملا دیا کہ وہ قریب قریب ختم ہو گئی اصل لڑائی جسکا منشا غریبوں کی بھلائی تھا غائب ہو گئی، اور اس کی جگہ ہندو مسلم فساد پھیلنے لگا ہے۔ اب ریاستی کانگرس کا کام ہے کہ وہ اس فرقہ پرستی کے زہر کا سخت مقابلہ کرے۔

فرقہ پرست جماعتیں اور ریاست

فرقہ پرست جماعتوں کے لئے ایک لعنت یہ بھی ہے کہ جس طرح وہ زمیندار اور کسان، مزدور اور سرمایہ دار کے جھگڑوں کو حل نہیں کر سکتیں اسی طرح وہ راجہ اور رعایا کے جھگڑوں کو بھی نہیں حل کر سکتیں۔ مثال میں مسلم لیگ کو لیجئے، ریاستوں کے جھگڑوں میں جو اس کی پوزیشن ہوگی وہ مختصر کر کے یوں کہی جا سکتی ہے۔

۱) راجہ اور حکمراں طبقہ مسلمان، رعایا میں ہندوؤں کی اکثریت۔ ایسی ریاست میں مسلم لیگ، رعایا کے مقابلہ میں اسلامی ریاست کا ساتھ دے گی۔

۲) راجہ اور حکمراں طبقہ مسلمان۔ رعایا میں مسلمانوں کی اکثریت ایسی ریاست میں مسلم لیگ برابر سمجھوتا کرانے کی کوشش کرے گی۔ اور اس سمجھوتہ میں ریاست کی طرفداری کی جائے گی۔

اب مہاسبھا کو لیجئے، وہ ریاست نمبر (۱) میں ہندوؤں کے نام پر ریاست کی مخالفت کرے گی۔ اور نمبر (۲) میں اقلیت کے نام پر۔ اس کا کھلا نتیجہ صرف ہندو مسلم فساد ہوگا۔ اور ریاست کو طاقت پکڑنے کا موقع ملے گا۔

اس پوزیشن کی خرابی کی وجہ کیا ہے؟ دو وجہیں ہیں ایک تو اصولی اور ایک عملی۔

اصولی وجہ تو یہ ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ غیر مسلموں سے حقوق چھین چھین کر مسلمانوں کو دے۔ اب مسلمان ریاست میں راجہ بھی مسلمان، اور رعایا بھی مسلمان، وہاں جتنے حقوق ہیں سب ہی مسلمانوں کے پاس ہیں۔ وہاں مسلم لیگ کرے تو کیا کرے۔

اور عملی وجہ یہ ہے کہ ہر ریاست کا حکمراں طبقہ مسلم لیگ میں آ گیا ہے، اور اپنے اثر اور روپیہ سے اس نے اس جماعت میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ اس لئے مسلم لیگ "راجہ پروری" پر مجبور ہے۔

مسلم لیگ کا پروگرام

ہمارے غل مچانے سے اتنا فائدہ تو ہوا کہ اب 'عوام' کے لفظ کی طرح 'پروگرام' کا لفظ بھی مسلم لیگ کے جلسوں میں سنائی دینے لگا ہے۔ لکھنؤ میں جو ڈسٹرکٹ لیگ پولیٹیکل کانفرنس ہوئی اس میں مجلس استقبالیہ کے صدر صاحب نے فرمایا کہ

" مخالفین کی طرف سے آج سب سے بڑا الزام جو عائد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کا پروگرام کیا ہے۔ . . . . جب تک وہ . . . . . ہر کلمہ گو کو ایک ہی پلیٹ فارم پر نہ لے آئے وہ اپنے پروگرام کے دوسرے اجزاء کا انکشاف کرنے کو تیار نہیں " سوال یہ ہے کہ آپ کے پلیٹ فارم پر کیا غرض لیکر لوگ آئیں؟ شاید صدر مجلس استقبالیہ نہیں جانتے کہ پروگرام کس کو کہتے ہیں۔ پروگرام سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ بتایئے کہ آپ کس لئے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں؟ آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ کہئے گا مکمل آزادی۔ اب ہم پوچھتے ہیں۔ یہ مکمل آزادی کیا بلا ہے؟ اسکے ملنے سے کوئی روحانی خوشی ہوگی یا دنیاوی فائدہ؟ اگر دنیاوی فائدہ ہوگا تو کن طبقوں کو یہ بات تعجبی ہوتی نہیں

ہندستان میں آپ کس قسم کے افسانے چاہتے ہیں

ہے کہ سارا ہندستان ایسے متضاد طبقوں میں بٹا ہوا ہے جس میں سے ایک کو اختیارات ملنے سے دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً کسان و زمیندار، مزدور و سرمایہ دار، رعایا و والی ریاست، دنیا کی کوئی طاقت ایسا قانون نہیں بنا سکتی جو ایک ہی وقت میں دونوں کو فائدہ پہونچائے۔ تو سوال یہ ہے کہ مسلم لیگ کس طبقہ کو اختیارات دلانا چاہتی ہے؟ جس طبقہ کے ہاتھ کوڑی ہوگی وہی اسکے ساتھ ہوگا، اور اسی طبقہ کی ہاتھوں سے اختیارات چھیننے کے طریقے نہیں کے۔ اور جہاں طبقہ ساتھ آیا، فرقہ کا سوال مٹا۔ جب تک مسلم لیگ ان سوالوں کو صاف نہیں کرتی ہے، اسکی سب باتیں دھوکہ بازی اور شعبدہ بازی ہیں۔

جب سے ہندستان نکلا ہے ہم ان بنیادی سوالوں کو اٹھا رہے ہیں۔ مگر ایک لیگی اخبار یا ایک لیگی لیڈر کی اتنی ہمت نہ پڑی کہ وہ ان اصولی باتوں پر بحث کرتا۔ وہ ہمیشہ اس سے منہ چھپاتے رہے۔ اور ہم اب بھی چیلنج دیتے ہیں کہ لیگی حضرات ان اصولی باتوں کو صاف کریں۔ ہندستان کے صفحات اسکے مضامین کے لئے حاضر ہیں۔

الوداع بارسلونا!

الوداع کاٹیالونیا!

خبر یہ ہے کہ بارسلونا فتح ہوگیا۔ چیمبرلین کی دغا کا ایک اور شکار رہے پہلے حبشہ پھر چیکوسلاوکیا، اور اب اسپین۔

جب بارسلونا پر فرانکو کے جان توڑ حملے ہو رہے تھے، اسوقت تیس ہزار اطالویوں کی ایک فوج جنیوا کے قریب ایک اور تیس ہزار کی فوج روم کے گرد پڑاؤ ڈالے تھیں۔ اور مسولینی دھمکی دے رہا تھا کہ اگر فرانس نے ذرا بھی جمہوریہ کی مدد کی تو یہ فوجیں اسپین میں گھس جائیں گی، دوسری طرف ہٹلر اپنی فوج کی نقل و حرکت کے تماشے دکھا رہا تھا۔

فسطائی بھوتوں کا یہ خونی ناچ اور چیمبرلین کی یہ خاموشی اس کا کیا مطلب! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روم جا کر چیمبرلین نے کیا کیا وعدے کئے۔

چیمبرلین کی نئی دغا بازی

اسپین کا مسولینی اور ہٹلر کے ہاتھوں میں چلا جانا، فرانس کے حق میں زہر ہے۔ کیونکہ پھر تو فرانس تین طرف سے اپنے جانی دشمنوں سے گھر جائیگا۔ ایسی صورت میں اگر فرانس کو ذرا بھی برطانیہ کی طرف سے سہارا ملتا تو وہ [illegible] جمہوریت کو ضرور سنبھالنے کی کوشش کرتا۔ مگر چیمبرلین نے پھر دغا بازی کی اور غیر جانبدار بنے۔ ادھر یہ رکھائی، اُدھر ڈکٹیٹروں کی طرف سے یہ دھمکیاں اگر ڈالاڈیر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اسپینی جمہوریہ کو [illegible] ضرور بچاتا لیکن ڈالاڈیر چیمبرلین کا چیلا ہے۔ بارسلونا کی جمہوریہ نزع کے عالم میں حسرت بھری نگاہوں سے امن کے ان دغا باز رکھوالوں کی طرف تکتے تکتے ختم ہوگئی۔

چلتے چلاتے

—— تماشائی

جان ہے تو جہان ہے۔ بات سمجھداری کی کوئی ہے تو یہی ہے۔ مگر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سمجھداری ایسی چیز ہے جو اونچے ہی لوگوں کو ملتی ہے۔ اس سمجھداری کو دیکھئے۔ یہ [illegible] دیکھئے ان داتاؤں کے [illegible]۔ اسکے [illegible] سمجھے۔ اور ایسا سمجھے کہ زندگی سے زیادہ اسکی حفاظت کا خیال رکھا، وہ ملک کے لئے روٹی کم اور توپ کی زیادہ فکر کی، بلکہ جو بہت اونچے اور اسکی وجہ سے بہت سمجھدار تھے انہوں نے روٹی تو دی چھوڑ، توپ ہی تو بسائے بیٹھے ہیں۔

کچھ ایسا ہوا کہ اب سمجھداری ہندستان میں بھی آپہونچی ہے۔ لیکن ابھی صرف ڈسٹرکٹ مسلم لیگ لکھنؤ تک پہونچی ہے۔ نہ معلوم اس آمد کی وجہ یہ ہے کہ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کچھ اونچی ہوگئی ہے یا یہ کہ سمجھداری کچھ نیچی ہوگئی ہے جس کی وجہ جو کچھ بھی ہو۔ لکھنؤ [illegible] ایک پنڈال میں ۹ [illegible] کو ان دونوں کا سنگم ہوگیا۔

ڈسٹرکٹ لیگ لکھنؤ نے اپنے اجلاس میں ایک قرارداد اس مضمون کی پاس کی ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو بندوقوں کا لائسنس کثرت سے دے۔ اور عام مسلمانوں سے یہ خواہش کی ہے کہ وہ تلواروں اور بھالوں سے مسلح ہوں کیونکہ اس طرح مسلمان اپنے حقوق کی زیادہ اچھی حفاظت کر سکیں گے۔

لیکن یہ پروگرام کچھ نہیں ہے۔ وہ جماعت ہی کیا اور وہ دفاع ہی کیا جس میں توپیں ہوں نہ ہوائی جہاز اور ٹینک۔ مسلم لیگ کو چاہئے کہ وہ جماعتی حیثیت سے تھوڑا تھوڑا کر کے تمام ضروری سازو سامان خریدے۔ کیا شان ہوگی مسلم لیگ کی اسوقت جب اس کا صدر ہوائی جہازوں کے سایہ اور ٹینک اور توپوں کے جھرمٹ میں پنڈال تک جایا کریگا۔ اور جب اسکے دونوں ہاتھوں میں بم کے گولے اور جیب میں زہریلی گیس بھری ہوگی۔

بات کہنے کو تو ہم کہہ گئے لیکن ایک بھول ہوگئی، وہ یہ کہ بندوقیں دینے کا تعلق تو کانگرسی حکومت سے ہے۔ اور اس پر جہاں دو ایک قرارداد میں اور اسلامی دھمکی دی، وہ مان گئی۔ لیکن توپوں اور ٹینک کا لائسنس صرف حکومت ہند دے سکتی ہے۔ اور ابھی اس سے لڑنے کا کیا سوال۔ اس سے تو مسلم لیگ اسوقت لڑے گی جب مکمل آزادی لے چکی ہوگی۔

خیر کوئی افسوس کی بات نہیں۔ اگر ایک بھول ہم سے ہوئی تو ایک بھول مسلم لیگ سے بھی ہوگئی، اس قرارداد میں کانگرسی حکومت سے یہ مطالبہ تو کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کثرت سے بندوقیں دے۔ لیکن یہ مطالبہ کرنا رہ گیا ہے کہ ہندوؤں کو بالکل بندوقیں نہ دے، اور جس ہندو کے پاس ہتھیار ہوں انکو ضبط کرلے۔

میں شاعر ہوں میں شاعر ہوں

(شہاب الدین سہروردی)

میں جبر کے بندھن توڑ چکا — میں بات کروں گا تاروں سے
میں ظلم کا پنجہ موڑ چکا — میں بولوں گا سیاروں سے
میں جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ چکا — میں الجھوں گا سب خاروں سے
میں سب کچھ پیچھے چھوڑ چکا — میں کھیلوں گا انگاروں سے

اب آگے آگے جاتا ہوں — ہستی نے مجھے پہچانا ہے
آزاد ترانے گاتا ہوں — کونین مرا کاشانا ہے

کمزور عناصر کی کڑیاں — میں بڑھ کے ٹھٹھکنا کیا جانوں
خود ٹوٹ گئیں ہو کر حیراں — منہ غیر کا تکنا کیا جانوں
اللہ رے فیضِ جذبِ نہاں — رستے سے بھٹکنا کیا جانوں
آنکھوں میں چھپے ہیں کون و مکاں — ہشیار بہکنا کیا جانوں

اونچی ہے بہت آواز مری — مستی گہِ مراد منزل ہے
ہے عرش تلک پرواز مری — ہر شور سکونِ ساحل ہے

احساس کی فطرت دایہ ہے — گمراہی کی ہیبت کیسی
مریخ مرا ہمپایہ ہے — یہ خود کردن آفت کیسی
جبریل مرا ہمسایہ ہے — پیچھے چلنے کی لت کیسی
فردوس بریں بے مایہ ہے — یہ کورانہ خصلت کیسی

ٹھوکر سے بپا محشر کردوں — ہے آنکھ مگر نابینا ہے
قطرے کو ابھی کوثر کردوں — یہ جینا بھی کیا جینا ہے

اک عرصۂ عبرت ہستی ہے
یاں خوف بلندی پستی ہے
مایوسی نفس پرستی ہے
دنیا رہنے کی بستی ہے
جینے والو جیتے جاؤ
یہ آب بقا پیتے جاؤ

دکھتے ہوئے دل کا ساز سنو
اک درد بھری آواز سنو
تفسیر نیاز و ناز سنو
جینے مرنے کا راز سنو
پرکیف حیات فانی ہے
ہر سانس یہاں روحانی ہے

دیکھو اس دل کی جلن دیکھو
سینے میں سانپ کا من دیکھو
فانوس شعلہ بدن دیکھو
روشن ہونے کا چلن دیکھو
اک برق چمکتی جاتی ہے
تاریکی خود تھراتی ہے

اک نور کا دریا بہتا ہے
دل جسکے اندر رہتا ہے
لہروں کے تھپیڑے سہتا ہے
ہر موج ہوا سے کہتا ہے
ہاں بازو تیز چلائے چل
مجھکو بھی ساتھ اڑائے چل

پانی میں پاؤں اتارا ہے
ہر لہر مرا گہوارا ہے
ہر دھارا ایک کنارا ہے
طوفان بھی کتنا پیارا ہے
ہستی سے بہت گھبراتا ہے
ہمراہ مرے بل کھاتا ہے

۱۹۳۸ء پر ایک نظر

۲۶ر جنوری کو ایک دفعہ پھر سارے ملک میں جلسے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ پہلی بار ۱۹۳۰ء میں قوم نے جو پاک عہد کیا تھا اسے پھر سے دہرایا گیا ہے۔ اس سال ہماری قومی آزادی کی تحریک بیس برس کی پوری ہو گئی۔ اب ہمیں ایک نئے سال کا سامنا ہے جس میں بڑے بڑے فیصلے کرنے ہیں اور فیصلہ کن لڑائیاں لڑنی ہیں۔ جو سال ابھی ختم ہوا ہے اس میں ہم بہت سی ابتدائی لڑائیاں لڑ چکے ہیں۔ جیسے جیسے ہماری کامیابیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ویسے ہی ہمارے قدم بھی تیز ہوتے جا رہے ہیں۔ لڑائی پہلے سے زیادہ تیز اور گھمسان ہوتی جا رہی ہے۔ اور اب نئے امکانات کا نیا سال شروع ہوا ہے۔ یہ سال ساری دنیا میں فسطائیت اور سامراج کے خلاف عوام کے زبردست جہاد کا سال ہے۔

۱۹۳۸ء جمہوری طاقتوں کی ہار اور غداری کا سال رہا ہے اب یورپ کی طاقتوں میں جھگڑے بہت بڑھ گئے ہیں اور بجائے اسکے کہ برطانیہ کے زیر سایہ چار طاقتوں (برطانیہ، فرانس، اٹلی، اور جرمنی) کا کوئی معاہدہ ہوتا، چیمبرلین کو ایک سخت ترین الجھن کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ نازی جرمنی نے یورپ میں انگلستان اور فرانس کی چودھرائی کو ختم کر دیا ہے۔ اور اب مشرق قریب میں بھی برطانوی علاقے جنسے تیل ملتا ہے خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ فسطائی اٹلی بحر روم میں برطانیہ کی چودھرائی برباد کر رہی ہے۔ روم میں چیمبرلین نے دیکھا کہ انگلستان اور فرانس کے کمزور اتحاد کا برلن، روم کے طاقتور محور سے سامنا ہو رہا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلحہ بندی کی دوڑ تیز ہو رہی ہے۔ انگلستان میں شہری آزادی پر پابندیاں لگائی جا رہی ہیں۔ مزدوروں کے معیار زندگی پر دھاوا کیا جا رہا ہے اور نوآبادیات کے خلاف ایک زبردست مہم اٹھائی جا رہی ہے۔

برطانوی سامراج مصیبت میں پھنسا ہے۔ اسکے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں۔ لیکن اسی سے وہ اپنی نوآبادیات کو مضبوط پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اطالوی اور جرمن فاسزم کے سامنے دب جاتا ہے کیونکہ اسے اپنی سلطنت بچانے کی فکر ہے۔ جرمنی کو چیکوسلاوکیا اور اٹلی کو اسپین کے کھانے کا موقع دے کر وہ یورپ اور بحر روم میں اپنی ہار مان رہا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی فلسطین کے عربوں کو دبا کر اور مصر کی قومی تحریک کو توڑ کر وہ اپنے لئے نئی راہیں نکال رہا ہے۔ فسطائی طاقتوں سے برطانوی سامراج کی ٹکر بڑھتی جا رہی ہے اور اسی لئے وہ ہندستان میں جو کہ سلطنت برطانیہ کا سب سے زیادہ اہم حصہ ہے اپنا قبضہ مضبوط کر رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ۱۹۳۸ء میں فیڈریشن نافذ کرنے کے سامراجی منصوبوں کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ بلکہ اسکے برخلاف وہ موجودہ مرکزی حکومت کی کیلوں کو اور زیادہ گہرائی تک ٹھونکنے کے لئے ہر امکانی کوشش کر رہا ہے۔ ہندستان کی دولت پر اپنے اقتصادی قبضہ کی زنجیروں کو وہ اور زیادہ مضبوطی سے جکڑ رہا ہے۔ کیونکہ جنگ کے خطرہ سے اسکی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ فیڈریشن کے معاملہ میں سامراج کا رویہ ذرہ برابر بھی نہیں بدلا ہے۔ وائسرائے نے حال ہی میں کلکتہ کے ایسوسی ایٹڈ چیمبرز آف کامرس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے تقریباً لفظ بلفظ وہی کہا جو لارڈ زٹلینڈ نے پچھلے سال جنوری میں جبکہ وہ ہندستان آئے تھے کہا تھا۔

مختصر طور پر اسکی پالیسی یہ ہے۔

(۱) بین الاقوامی صورت حال اور ہندستان پر برطانیہ کا اقتصادی و سیاسی قبضہ قائم رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ فیڈریشن جلد سے جلد نافذ کیا جائے۔

(۲) فیڈریشن کو کامیاب طور پر نافذ کرنے کے لئے ہندستانی ریاستوں کی حکومت کو کسی قدر آزادی دینا ضروری ہے لیکن یہ سب والیان ریاست پر کسی قسم کا دباؤ ڈالے بغیر ہی ہو جانا ہے۔

(۳) موجودہ نازک صورت حال میں فیڈریشن کے نفاذ کے لئے کم سے کم کانگریس کے داہنے بازو کا تعاون حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

پچھلے سال کانگریسی وزارتوں اور کانگریس اعلیٰ کمان کے ساتھ برطانوی سامراج کی پالیسی انہی اصولوں کے مطابق رہی ہے۔ تینوں وزارتی الجھنوں میں جو کہ پچھلے سال ہوئیں سامراج ہی کو دبنا پڑا۔ یورپ میں جو نازک صورت حال پیدا ہو رہی تھی اسکو دیکھتے ہوئے اسنے عوامی تحریک کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ٹکر لینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے "دستور پسندی کے رجحانات" پر جو کانگریس اعلیٰ کمان کی پالیسی میں ظاہر ہو رہے تھے اور جس کا وائسرائے نے اپنی حالیہ تقریر میں خیر مقدم کیا ہے بھروسہ کیا، عزت اور وقار کے اعتبار سے وہ ہار ماننے کو تیار تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس سے اسکی طاقت میں کوئی کمی نہیں پڑتی۔ لیکن اقتصادی مسئلوں میں اور جہاں تک کہ مرکزی حکومت کا تعلق تھا سامراج ہی کی طرف سے ہوتا رہا۔ اسنے روپیہ کی شرح تبادلہ میں تبدیلی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے چیٹ فیلڈ کمیشن کو جس میں سب ممبر انگریز ہیں فوجی معاملات کی جانچ کے لئے مقرر کیا ہے۔ فوجی بھرتی کے خلاف پروپیگنڈے پر سزا دینے کیلئے اسنے تیزی سے مرکزی اسمبلی میں ایک فوجی بل پاس کرا لیا۔ کانگریسی وزارتوں کے مقابلہ میں توازن قائم رکھنے کے لئے [illegible] وزارتوں کی حمایت کر رہا ہے۔ اقتصاد [illegible] کے میدان میں اسنے ملک کی صنعتی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ اس نے ہندستانی جہاز راں کمپنیوں کے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ تجارتی معاہدوں اور محصولوں کے متعلق اسکا رویہ ہمیشہ کی طرح ہندستان کے تجارتی مفاد کے خلاف رہا ہے۔

جب وائسرائے نے اپنی تقریر میں "فیڈریشن کی اقتصادی اہمیت" کا تذکرہ کیا تھا تو ظاہر ہے کہ انکا مطلب ہندستان پر اقتصادی غلبہ پانے اور اسکی صنعتی ترقی کا گلا گھونٹنے کی اہمیت سے تھا۔ حال ہی میں کانگریسی وزارتوں

باغیوں نے بارسلونا فتح کرلیا

آفت کے مارے اسپینیوں کا فرانس میں گھٹنا

۲۵ر جنوری کو باغیوں نے بارسلونا فتح کرلیا۔ سرکاری فوجیں "بدبری قتل وغارت" میں پڑنے کے بجائے بلامقابلہ کئے پیچھے ہٹ گئیں۔

اب حکومت نے بارسلونا اتر میں فگوتراس کے مقام پر جو فرانس کی سرحد سے صرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے اپنا مرکزی دفتر قائم کیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸ر جولائی ۱۹۳۶ء میں جب سے کہ جنرل فرانکو نے بغاوت شروع کی ہے یہ اس کی سب سے بڑی جیت ہے بارسلونا کی ہار سے حکومت کو بڑا نقصان پہنچا ہے کیونکہ یہاں پر اسکا سب سے بڑا اسلحہ کا کارخانہ تھا

اسپین کے مصیبت زدہ مرد وعورتیں اور بچے پناہ لینے ہزاروں کی تعداد میں فرانس جارہے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پندرہ ہزار آدمی سرحد پار کرکے فرانس جاچکے ہیں جنمیں سے ۵۰۰ سوسپاہی ہیں اور ابھی تقریباً چالیس ہزار آدمیوں کے پہنچ جانے کی مزید امید کیجاتی ہے"

اگرچہ فرانسیسی و نیز اسپینی حکام نے اعلان کردیا ہے کہ عورتوں، زخمی سپاہیوں اور ۴۰ سال سے اوپر کے آدمیوں کے علاوہ اور آدمیوں کے فرانس جانے کی اجازت نہ دیجائے لیکن جوان آدمی بھی چھوٹے چھوٹے جتھوں میں پہاڑیوں کو طے کرکے فرانس جانے کی کوشش کررہے ہیں۔ درکئی جگہو پر اسنے اور حفاظتی فوج سے جھگڑا بھی ہوگیا ہے۔

اسپینی بچوں کی پکار

بمبئی میں اسپینی امدادی کمیٹی کے سکریٹری کو "بچوں کی امداد کے بین الاقوامی دفتر" (پیرس) سے یہ بحری تار موصول ہوا ہے۔

"اتری کاٹالونیا کے ساتھ ہزار نئے پناہ گزیں بچوں کے وہاں سے ہٹادئے جانے سے اسپینی بچوں کی اندوہناک حالت اور بھی ابتر ہوگئی ہے۔ اسپین التجا کرتا ہے کہ کاٹالونیا۔ لیونٹ۔ اور میڈرڈ میں بچوں کیلئے ۔۔۔ اور کھانا بھیجنے میں جلدی کیجائے" اب زندگی اور موت کا سوال ہے"۔

فسطائیوں کی خوشی

اٹلی مسولینی نے فرانکو کی جیت پر اظہار خوشی کرتے ہوئے کہا "اسپین کے تمام شہروں میں، جو کمیونسٹوں کی لعنت سے آزاد ہوگئے ہیں، فرانکو کی جیت کا خیرمقدم خوشی کے ساتھ کیا جارہا ہے"

جرمنی۔ ہٹلر نے فرانکو کو مبارکباد دی میں تار بھیجا ہے آپ کی قیادت میں نیشنلسٹ اسپین نے جو شاندار کامیابی حاصل کی ہے اسپر میں آپکو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ بارسلونا کی آزادی کے بعد لڑائی تیزی اور کامیابی سے ختم ہوجائے گی اور اسپینی قوم کو امن حاصل ہوجائے گا"

جاپان۔ امپیریل جنرل اسٹاف کے افسر ملی مارشل پرنس کانن نے بارسلونا کی فتح پر فرانکو کو مبارکباد کا تار دیا ہے۔ وزیر جنگ جنرل اٹاگاکی نے مسولینی کو تار دیا ہے جسمیں "اشتراکیت کے خلاف متحدہ بچاؤ" کے نقطۂ نظر سے انھوں نے بارسلونا کی فتح پر خوشی ظاہر کی ہے۔

کون کیا سوچتا ہے؟

سائز گیڈا نے جنھیں اٹلی کی فسطائی حکومت کی آواز سمجھا جاتا ہے بارسلونا میں باغیوں کی جیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے برطانیہ پریشان ہے فرانس بری طرح ناامید ہوگیا ہے اور روس مبہوت "گم بےعقل" ہے۔

سائز گیڈا کا کہنا ہے کہ اور تمام ملکوں کو اس سے اطمینان ہوگیا ہے۔

فرانس اور اٹلی میں جنگ کے امکانات

اگر جنرل فرانکو نے سارے اسپین کو فتح کرلیا اور اطالوی فوجیں اسپین سے واپس جانے پر تیار نہ ہوئیں تو ۔۔۔ جیسا کہ فرانس کے وزیراعظم ڈلاڈیر نے ۲۶ر جنوری کو فرانسیسی قانون ساز مجلس میں بتایا — فرانس اس سے چشم پوشی نہ کریگا اور اسے بھی اپنی حفاظت کے لئے ترکیبیں سوچنا پڑیں گی۔

یہ ترکیبیں کیا ہوں گی؟ اس کا ابھی تک کوئی صاف اعلان نہیں کیا گیا ہے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ فرانس شاید اسپانی مراکش پر قبضہ کرلیگا۔

خدمات کا اعتراف

یوم خواندگی منانے والوں کا وزیر تعلیم کی طرف سے شکریہ

ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ "عالیجناب وزیر تعلیم خود اپنی طرف سے اور حکومت کی طرف سے ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے ۱۵ر جنوری کو یوم خواندگی کے کامیاب منانے میں حصہ لیا ہے"

اعلان میں بتایا گیا ہے کہ یوم خواندگی کو کامیاب منانے میں کانگرس اور مسلم لیگ۔ سوا سمتی اور اسکاوٹ انجمنوں۔ میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور تمام تعلیمی اداروں نے قابل تعریف کام کیا۔ ڈپٹی انسپکٹران مدارس اور انکے نائبوں کی محنت کی بھی تعریف کی گئی ہے اور آنریبل وزیر تعلیم نے یہ بھی خواہش کی ہے کہ وہ صاف طور پر راے صاحب پنڈت ایس۔ این چترویدی افسر توسیع تعلیم کا بھی شکریہ ادا کریں، قابلیت اور محنت سے اس یوم خواندگی کو کامیاب منانے میں بہت کچھ مدد کی۔

آخر میں آنریبل وزیر تعلیم نے ان لوگوں کا بھی شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے خواندگی کے عہدنامہ پر دستخط کئے ہیں "یہ عہدنامے اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ کہاں تک جہالت کے دور کرنے میں حکومت کے دوش بدوش ہیں۔ بغیر اس اشتراک عمل کے حکومت اس قسم کے جہادوں میں کامیاب نہیں ہوسکتی جسطرح یہ یوم خواندگی منایا گیا حکومت کو امید ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس صوبہ میں جہالت بالکل معدوم ہوجائے گی"۔

تری پوری میں برطانیہ کو چھ مہینے کا الٹیمیٹم

سبھاش چندر بوس دوبارہ صدر ہوگئے

اگلی سال کانگرس کی صدارت کے لئے سبھاش چندر بوس اور ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ امیدوار تھے۔ ۲۹۔جنوری کے چناؤ میں سبھاش چندر بوس ۱۵۸۰ ووٹ ملے اور ڈاکٹر پٹابھی کو ۱۳۷۷، اس طرح سبھاش چندر بوس ۲۰۳ ووٹ کی اکثریت سے کانگرس کے باونویں اجلاس (تری پوری) کے صدر منتخب ہوگئے۔

آپ کے کونہ کونہ سے سبھاش چندر بوس کو مبارکباد کے پیغام بھیجے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر پٹابھی نے بھی انھیں مبارکباد کا تار بھیجا تھا اور سبھاش چندر بوس نے جواب میں ڈاکٹر پٹابھی کو شکریہ کا تار دیا۔

صدر کے چناؤ سے ہر طبقہ کو دلچسپی تھی۔ سبھاش بوس کے ہو جانے سے امید کیجاتی ہے کہ کانگرس فیڈریشن کے معاملہ میں اور زیادہ سخت رویہ اختیار کرے گی۔

۲ر فروری کو بنگال میں مالدہ ضلع میں کانفرنس میں سبھاش چندر بوس کی زیر صدارت فیڈریشن کے متعلق ایک قرارداد پاس ہوئی اور خیال کیا جاتا ہے کہ اسی نمونہ پر سبھاش چندر بوس اس سال کانگرس کی پالیسی مرتب کرینگے۔

قرارداد یہ ہے۔

ملکی سیاست کی نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے مناسب ہوگا کہ کانگرس کے اگلے اجلاس میں صرف ایک قرارداد پاس کی جائے اور یہ کانفرنس حسب ذیل قرارداد کی سفارش کرتی ہے کہ اس پر غور کرکے اسے منظور کر لیا جائے۔

قوموں کے لئے خود مختاری کا اصول موجودہ دنیا میں عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی اصول پر جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۹ء میں یورپ کا نقشہ بہت بنایا گیا اور سرحدیں نئے سرے سے مقرر کی گئیں۔ اور اسی اصول کے بہانے سے جبکہ ۱۹۳۸ء میں چیکوسلاوکیہ کی آزاد ریاست کو زبردستی اسکے ایک بڑے علاقہ سے محروم کر دیا گیا۔

ہندستانی عوام کا خیال ہے کہ ہندستان میں اس اصول کو عملی جامہ پہنانے میں بہت زیادہ دیر لگا دی گئی ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ انھیں اپنا آزادی کا حق فوراً ہی ملجانا چاہیئے۔

قانون ہند ۱۹۳۵ء جو برطانیہ میں برطانوی لوگوں نے بنایا ہے ہندستانیوں کے خود مختار ہونے کے اصول کے برابر نہیں ہے اور اسلئے انڈین نیشنل کانگرس اس قانون کو صرف رد کر دینے ہی سے مطمئن نہیں ہے۔ کانگرس اس بات کا بھی مطالبہ کرتی ہے کہ ہندستانی عوام کو کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیجنے کے ذریعہ اپنا دستور العمل آپ ہی تیار کرنے کا پورا پورا حق ملے۔

اس غرض سے حکومت برطانیہ سے کہنا چاہیئے کہ وہ ہندستان کا قدرتی حق یعنی ہندستان کے آئندہ دستور العمل کے جو کہ خود مختاری کے اصول کے مطابق ہوگا خاص خاص اختیارات اسے دیدے، تاکہ ان اختیارات کی بنیاد پر کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی ہندستان کے لئے ایک مناسب دستور العمل کے جو کہ خود مختاری کے اصول پر تیار کر سکے جائے تو برطانیہ اسے پورے طور پر تسلیم کریگی اور ہندستان اور برطانیہ کے درمیان ایک صلحنامہ بھی تیار کیا جائے اور دونوں فریق اسے منظور کرلیں۔

اس صلحنامہ میں اوپر لکھا ہوا دستور العمل بھی شامل ہوگا اور دونوں ملکوں کے برابری کے تعلقات کی تشریح ہوگی۔

ایک مقررہ میعاد جو چھ مہینے سے زیادہ نہ ہو طے کر دی جائے جسمیں حکومت برطانیہ سے درخواست کیجائے کہ وہ ہندستان کے قدرتی مطالبات پر اپنا صاف صاف اور غیر مبہم جواب دیدے اگر یہ جواب نہ ملا اور اگر وہ اطمینان بخش نہ ہو تو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ وہ قومی مطالبہ کو منوانے کیلئے کانگرس کے بنیادی اصولوں اور پالیسی کے مطابق جو کارروائی مناسب سمجھے کرے۔

پٹابھی کی شکست انسے زیادہ میری ہار ہے

سبھاش بوس کے چناؤ پر گاندھی جی کا بیان

سبھاش چندر بوس کے دوبارہ صدر چن لئے جانے پر مہاتما گاندھی نے یہ بیان دیا ہے۔

"سری سبھاش چندر بوس نے اپنے مخالف ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ پر ایک مکمل فتح حاصل کی ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ بعض وجوہ کی بناء پر جنکو بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے میں قطعی طور پر انکے دوبارہ چنے جانے کے خلاف تھا۔

انکی طرف سے جو واقعات بیان کئے گئے یا اعلانات میں جو بحثیں اٹھائی گئیں مجھے اسنے اتفاق نہیں ہے میرا خیال ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں کے متعلق جو باتیں کہیں وہ غیر منصفانہ اور ناجائز تھیں۔ پھر بھی میں انکی جیت پر خوش ہوں اور چونکہ مولانا آزاد کے اپنا نام واپس لے لینے کے بعد میں نے ہی ڈاکٹر پٹابھی کو ترغیب دی تھی کہ وہ اپنا نام واپس نہ لیں اسلئے یہ ہار انسے زیادہ میری ہار ہے اگر میں مخصوص اصولوں اور پالیسی کی نمائندگی نہ کروں تو میری اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، اسلئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ڈیلیگیٹ میرے اصولوں اور میری پالیسی کو پسند نہیں کرتے۔

"میں اس ہار پر خوش ہوں۔ دہلی میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں اقلیت کے واک آؤٹ پر میں نے اپنے مضمون میں جو بات کہی تھی اب مجھے اسے عملی جامہ پہنانے کا موقع ملا ہے۔

"سری سبھاش بوس بجائے ان لوگوں کے بل پر صدر ہونے کے جنھیں وہ دہنے بازو والا کہتے ہیں، اب ایک مقابلہ کے چناؤ سے چنے ہوئے صدر ہیں۔ چنانچہ اب وہ اپنی کابینہ میں ایک ہی طرح کے آدمیوں کو رکھ سکتے ہیں اور بلا روک ٹوک کے اپنے

پروگرام پر عملدرآمد کرسکتے ہیں۔

اکثریت اور اقلیت میں ایک بات پر یعنی کانگرس کی اندرونی پالیسی پر ــ یکساں اتفاق ہے۔ میرے ہر حکم کے مضامین میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کانگرس میں بہت تیزی سے بے عنوانیاں پیدا ہوتی جارہی ہیں۔ مطلب یہ کہ اسکے رجسٹروں میں بہت سے جعلی ممبروں کے نام لکھے ہیں پچھلے کئی مہینوں سے میں ان رجسٹروں کی چھان بین کے لئے تجویزیں پیش کرتا رہا ہوں، مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے ڈلیگیٹ جو ان جعلی ممبروں سے منتخب ہو کر آئے۔ یہ جانچ پڑتال پر رد کردئے جائیں گے۔ لیکن میں اس طرح کی کسی انتہا پسندانہ کارروائی کو نہیں تجویز کرتا۔ کہ اگر رجسٹروں سے جعلی ممبروں کے نام نکالدئے جائیں اور آئندہ کے لئے انھیں پاک کردیا جائے تو یہی کافی ہوگا۔

"اقلیت کو ہمت ہارنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر انھیں کانگرس کے موجودہ پروگرام پر اعتقاد ہے تو وہ دیکھیں گے کہ خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں۔ کانگرس کے اندر ہوں یا اسکے باہر ہی ہوں۔ اس پروگرام پر کام ہوتا رہیگا۔ صرف پارلیمنٹری پروگرام پر تبدیلی کا اثر ہوسکتا ہے اسلئے کہ وزرا کا تقرر اور پروگرام کی ترتیب اسی جماعت نے کیا ہے جو ابھی تک اکثریت میں تھی۔ لیکن پارلیمنٹری کام کانگرس کے پروگرام کا ایک بالکل چھوٹا سا جزو ہے۔ آخر کانگرس کے وزیروں کو وقت کے ساتھ ہی چلنا ہے۔ خواہ وہ ایک ایسی بات پر الیکشن لڑائے جائیں جسکے متعلق انھیں کانگرس کی پالیسی سے اتفاق ہے اور خواہ وہ کانگرس سے اختلاف ہونے پر خود ہی مستعفی ہو جائیں۔ ــ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے۔

"شری سبھاش چندر بوس آخر اپنے ملک کے دشمن تو ہیں نہیں۔ انھوں نے اسکی خاطر مصیبتیں جھیلی ہیں۔ انکے خیال میں انکے پروگرام اور پالیسی سب سے زیادہ ترقی پسند اور معتدل ہے۔ اقلیت کی یہی خواہش ہوسکتی ہے کہ یہ پالیسی پوری طرح کامیاب ہو۔ اگر وہ (اقلیت کے لوگ) اسکے ساتھ نہیں چل سکتے تو انھیں کانگرس کے باہر آجانا چاہئے اور اگر وہ چل سکتے ہیں تو اسے اکثریت کی طاقت بڑھ جائے گی۔ اقلیت کو کسی حالت میں بھی رکاوٹیں نہیں ڈالنا چاہئے۔ اگر وہ تعاون نہ کرسکیں تو انھیں چاہئے کہ الگ رہیں۔

میں تمام کانگرسیوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جو لوگ کانگرسی خیال کے ہونے کے باوجود اس سے باہر رہتے ہیں وہ اس کی سب سے زیادہ نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو کانگرس کے اندر رہنے سے کچھ تکلیف محسوس کرتے ہیں اس سے باہر آسکتے ہیں لیکن کوئی بغض لیکر نہیں، بلکہ جان بوجھ کر کہ وہ باہر رہ کر اور زیادہ موثر خدمت کرسکیں گے۔"

یو۔پی کا چناؤ

جواہر لال نے صوبہ کانگرس کمیٹی کی صدارت منظور کرلی

۲۹ جولائی کو یو۔پی صوبہ کانگرس کمیٹی میں صدر اور صوبہ کونسل کا نیا چناؤ ہوا۔ شری پرسوتم داس ٹنڈن اسپیکر یو۔پی اسمبلی نے صوبہ کی صدارت کے لئے جواہر لال کا نام پیش کرتے ہوئے کہا کہ سچ اور عدم تشدد کے ماننے والے اب اپنے آپ کو گرا کر ووٹ اور عہدہ والے کے پیچھے پڑے ہیں۔ گاندھی جی نے کانگرسیوں میں روح پھونکی تھی وہ اب مٹی جارہی ہے اور ایسی حالت میں جواہر لال ہی ایسے شخص ہیں جو اس پرانی شان کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ اچاریہ کرپلانی۔ اچاریہ نریندر دیو۔ مولانا حفظ الرحمن شری ایس کے۔ ڈی۔ پالیوال اور پنڈت بال کرشن شرما نے بھی جواہر لال سے درخواست کی کہ وہ صوبہ کانگرس کی صدارت منظور کرلیں چونکہ اور تمام امیدواروں نے جواہر لال کے مقابلہ میں اپنا نام واپس لے لیا تھا اسلئے وہ اتفاق رائے سے یو۔پی صوبہ کانگرس کمیٹی کے نئے سال کے صدر ہوگئے۔

شری موہن لال سکسینہ، مولانا حسین احمد اور اچاریہ نریندر دیو نائب صدر مقرر ہوئے ہیں۔

جے پور اور راجکوٹ میں قربانیاں

سیٹھ جمنالال، کستوربا گاندھی۔ اور شریمتی مانی بین پٹیل کی گرفتاری

یکم فروری کو سیٹھ جمنالال بجاج ممبر کانگرس ورکنگ کمیٹی وصدر جے پور پرجا منڈل ریاست کے امتناعی احکامات کی خلاف ورزی کرتے جے پور پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر ایک بہت بڑے مجمع نے انکا استقبال کیا۔ پلیٹ فارم پر سیٹھ جمنالال نے ایک مختصر سی تقریر کی اور اسکے بعد اسٹیشن سے باہر آگئے جہاں انسپکٹر جنرل پولیس نے انپر وارنٹ تعمیل کردیا۔ اسکے بعد وہ پولیس کی موٹر میں بیٹھ گئے اور موٹر روانہ ہوگئی۔

۲ فروری کو پتہ چلا کہ پولیس نے انھیں متھرا لیجا کر چھوڑ دیا۔ اس سے پہلے وہ سوائے دھولپور کے قریب چھوڑ گئے لیکن انھوں نے پھر جے پور جانے کا ارادہ کیا اسپر پولیس انھیں متھرا لے گئی متھرا سے سیٹھ جمنالال جی آگرہ چلے گئے اور ستیہ گرہ کا دفتر بھی دہلی سے آگرہ آگیا۔

راجکوٹ

۳ فروری کو راجکوٹ میں شریمتی کستوربا گاندھی اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کی صاحبزادی مس مانی بین پٹیل گرفتار کرلی گئیں۔ پولیس زیر حراست انھیں کسی نامعلوم جگہ لیجایا گیا ہے۔

مس میوریل لیسٹر جو لندن میں گاندھی جی کی میزبان تھیں گاندھی جی کی جنم بھومی۔ راجکوٹ دیکھنے گئی ہوئی ہیں۔ ۲ فروری کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے پولیس کا لاٹھی چارج دیکھا جسمیں متعدد عورتیں اور بچے زخمی ہوئے۔ ریاست ریڈ کراس کے ڈاکٹروں کو ان لوگوں کی مرہم پٹی کرنے کے لئے نہیں جانے دیتی۔ دس بارہ برس کے لڑکے پکڑ پکڑ کر غیر معلوم جگہوں پر لیجائے جاتے ہیں جہاں رہائی سے پہلے پولیس انھیں پیٹتی اور انکے تمام گرم کپڑے اتار لیتی ہے۔ ایک جگہ پولیس نے عورتوں پر گھوڑے دوڑا دئیے۔

حکومت یو۔پی نے اپنے ایک سرکاری اعلان میں ذیل کے حضرات کا شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے آنریبل وزیر تعلیم یو۔پی کی استدعا پر اپنے ناموں کے سامنے لکھی ہوئی تعداد کے ریڈیو سیٹ عطا فرمائے ہیں۔

۱۔ لالہ پدمپت سنگھانیہ ۱۰

جرمنی ہمیشہ اقتصادی مشکلات میں پھنسا رہتا ہے

ہٹلر کا اعتراف کمزوری

نوآبادیوں کا مطالبہ۔ اٹلی کیساتھ دوستی کا اعلان

۳۰ جنوری کو جرمنی کے نازی چانسلر ہر ہٹلر نے ریشتاغ (جرمن قانون سبھا) کے جلسہ میں ایک مرتبہ پھر نوآبادیات کا مطالبہ پیش کیا۔

اپنے اطالوی ساتھی سائر مسولینی کی فسطائی تحریک کی داد دیتے ہوئے انہوں نے اپنی نازی جماعت کی کوششیں بھی بیان کیں اور آسٹریا اور چیکوسلاویکیہ کے متعلق کہا کہ جرمنی صرف اپنی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

ہٹلر کی تقریر کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس بار اس میں نازیوں کی روائتی ڈینگ نہیں تھی بلکہ بند بند الفاظ میں اسکے اقتصادی کھوکھلے پن کا اعتراف تھا۔

ہٹلر کی تقریر کے کچھ ضروری ٹکڑے یہ ہیں:۔

اقتصادی مشکلات جرمن عوام اور خاصکر ہم اچھی طرح جانتے ہیں یہ سب کہ جرمنی ہمیشہ اقتصادی مشکلات میں پھنسا رہتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہمیں جدوجہد کرنا ہے لیکن ہم اس میں کامیاب ہوں گے میں آپکو بتاتا ہوں کہ ہم کامیاب ہو چکے ہیں۔

نوآبادیات اب جرمنی پہلے سے زیادہ مضبوط ہے ہم نوآبادیات اسلئے نہیں مانگتے کہ وہاں اپنی فوجیں تیار کریں۔ ہم اپنی ہی کافی سے زیادہ آبادی سے مطمئن ہیں لیکن ہم نوآبادیات جرمنی کی اقتصادی امداد کے لئے چاہتے ہیں۔

رہنے کی جگہ جرمنی کو اپنی مشکلوں سے نکلنے کا پہلا راستہ۔۔۔ یعنی اسکے رہنے میں اضافہ۔۔۔ اسے نہیں دیا گیا ہے۔ اور اسلئے اسے اپنی برآمد بڑھانا چاہیئے۔ اقتصادی پہلو سے یہ بات بہت سمجھداری کی ہے کہ جرمنی کو اسکی نوآبادیات واپس کر دی جائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جرمن عوام کو مال باہر بھیجنا ہے ورنہ وہ ختم ہو جائیں گے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جرمن عوام زندہ رہینگے اور انکے لیڈر ہر امکانی کوشش کرنے کو تیار ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات جرمنی کو فرانس یا برطانیہ سے کوئی بغض نہیں ہے بلکہ وہ انکے ساتھ پر امن رہنا چاہتا ہے۔ اگر اٹلی کبھی لڑائی میں پڑا تو یہ یقینی ہے کہ جرمنی اٹلی کی طرف ہوگا

مدد لڑائی کرانے والے لوگ سمجھتے ہیں کہ لڑائی چھڑ جائے گی۔ میری رائے میں ایک لمبے عرصہ تک امن کا دور دورہ رہیگا۔ نوآبادیات کے مطالبہ کرنے کی دھمکی دیتے ہیں تو میں انھیں یقین دلا سکتا ہوں کہ ایسی حالت میں ایک جان توڑ اقتصادی لڑائی چھڑ جائیگی جو دوسری ضرورت سے زیادہ پیٹ بھری قوموں کے بہ نسبت ہمارے لئے زیادہ آسان ہوگی۔"

اسپین کی امداد اسپین کی خانہ جنگی میں باغیوں کی خفیہ امداد کے متعلق ہٹلر نے کہا کہ جرمنی قوم پرست (باغی فرانکو کی حکومت) کی اسلئے مدد کر رہا ہے تاکہ ایک بالشیوک اسپین قائم ہونے کے امکانات نہ رہیں۔ اور بتایا کہ وہ لوگوں کی حفاظت کرینگے لیکن سیاسی پادریوں کو جو عوام کے دشمن ہیں مٹا دینگے۔

ہم محفوظ ہیں

جمہوریہ کی شکست پر وزیر اعظم نگرین کا بیان

"حالانکہ اسپین لڑائی کے ایک بہت ہی مشکل دور سے گذر رہا ہے لیکن دشمنوں کی یہ امید کہ بارسلونا کے فتح ہو جانے سے جمہوریہ بالکل ختم ہو جائے گی، ایک دفعہ پھر مٹی میں مل جائیں گی"

ان الفاظ میں جمہوریہ کے وزیر اعظم سائر نگرین نے اسپینی قوم کے نام اپنے پیغام میں فرانکو کی جیت پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جمہوریہ اب بھی اس قابل ہے کہ وہ مضبوطی کے ساتھ باغیوں کا مقابلہ کرے اور یہ کہ محاصرہ کے باوجود جمہوری فوجیں ملک کے وسط سے ملائی گئی ہیں اور سامان جنگ کے سلسلہ میں جو مشکلیں پڑ رہی تھیں انکا حل نکال لیا گیا ہے۔ اب

"جب تک میں آپ کو امید نہیں دلا سکتا اس وقت تک میں خاموش رہا لیکن آج میں ایک ایک بات پر یقین دلا سکتا ہوں" کہ ہم محفوظ ہیں"

رانی گڈالو کی رہائی

آسام کی کانگرسی حکومت نے رانی گڈالو کی رہائی کے لئے وزیر ہند کو لکھ دیا ہے۔ امید کیجاتی ہے کہ انکی رہائی کے احکامات جلدی جاری کر دئے جائیں گے۔

رانی گڈالو کو سول نافرمانی کے زمانہ میں عمر بھر کی قید کی سزا ہوئی تھی۔

پبلک عمارتوں پر قومی جھنڈا اتفاق رائے سے لہرایا جائے

صوبہ کانگرس کے صدر کا بیان

ہم چاہتے ہیں کہ ہر شخص ہمارے قومی جھنڈے کی عزت کرے اور ہمیں اسکا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارا جھنڈا پبلک عمارتوں پر اسی وقت لہرایا جائے جب تمام پارٹیاں اسپر رضامند ہوں۔

اس طرح شری موہن لال سکسینہ صدر یو، پی صوبہ کانگرس کمیٹی (۳۹-۱۹۳۸ء) نے قومی جھنڈے کے پبلک عمارتوں پر لہرائے جانے کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔

انہوں نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ مہاتما گاندھی نے بھی ہریجن میں اپنے متعدد مضمونوں سے یہ بات صاف کر دی ہے

شری موہن لال سکسینہ کا کہنا ہے کہ کئی جگہوں سے انکے پاس شکایتیں آئی ہیں کہ جگہ جگہ لوگوں نے اپنے جوش میں قومی جھنڈا لہرانے پر زور دیا جسسے آپ کے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور اس معاملہ کو فرقہ وارانہ رنگ دیدیا گیا اور مسلم لیگ اور دوسری جماعتیں بھی اپنا جھنڈا لگانے پر ضد کرنے لگیں۔ یہ بات قومی جھنڈے کی عزت اور اسکے وقار کے خلاف ہے۔

یوکرین کا مسئلہ اور جنگ کے امکانات

عشرت علی صدیقی

آسٹریا کی آزاد حکومت کے جرمنی میں ضم ہو جانے اور برطانیہ و فرانس کی صلح جوئی کی پالیسی کی بدولت چیکوسلاویکیا کی خود مختاری ختم ہو جانے کے بعد انتظار تھا کہ دیکھیں ہٹلر کے قدم اب کس طرف بڑھتے ہیں۔ سیاستدانوں کا کہنا تھا کہ اب ہٹلر روس سے ٹکر لینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آج کل مشرقی یورپ میں یوکرین کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اور ہٹلر کی جرمنی نسلی امتیازات کی فطائی پالیسی کے مطابق یوکرینی قومیت کے لوگوں کو جو ابھی تک روس، پولینڈ اور رومانیا میں بٹے ہوئے ہیں اکسا رہا ہے کہ وہ بھی اپنی ایک خود مختار یوکرینی حکومت قائم کر لیں۔ نقشہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ہٹلر کی یہ تمنا پوری ہو گئی اور اسکے زیر اثر سایہ یوکرینی حکومت قائم ہو گئی تو پھر روس اور جرمنی کا ڈانڈا سے ڈانڈا ملجائے گا۔ لیکن غالباً روس اپنے لوگوں کو ہٹلر کی غلامی میں دینے پر آسانی سے تیار نہ ہوگا اور بعید از خیال نہیں کہ یہی ابتدا ہوگی ایک عالمگیر جنگ کی۔

اپنی زرخیز زمین اور معدنیات کی وجہ سے یوکرین سوویٹ یونین کے سب سے زیادہ مالدار خطوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ زار کے زمانہ میں تو اسے روس کا دکھلیان کہا جاتا تھا۔ لوہے کی کانیں اس میں کثرت پائی جاتی ہیں اور سبھی مال کی مثلاً کوئلہ۔ لوہا۔ اون اور روئی کی بھی فراوانی ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے بھی اسکی خاصی اہمیت ہے کیونکہ یہ بحر اسود کے ساحل پر واقع ہے۔ یوکرینی قوم کے سب سے زیادہ آدمی روس میں آباد ہیں اور باقی پولینڈ اور چیکوسلاویکیہ کے ماتحت ہیں۔

روس سے ملحق ہوئی ہے۔ اور اس میں اپنا اثر قائم کر دینے سے ہٹلر کو روس کے یوکرینی باشندوں کو بھڑکانے کا اچھا موقع ملے گا۔ حال ہی میں وولوشن روتھینیا کا وزیر اعظم مقرر ہوا ہے اور معتبر خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بھی جرمنی کا ہاتھ تھا اسلئے کہ ہٹلر کا بھروسہ ہے کہ وولوشن یوکرین کے مسئلہ کو اسکی مرضی کے مطابق اچھالے گا۔ ایک جرمن اخبار نے حال ہی میں روس، پولینڈ اور روتھینیا میں بسنے والے ساڑھے چار کروڑ یوکرینیوں کو ایک آزاد یوکرینی حکومت قائم کرنے کی پیشین گوئی کی ہے۔ روتھینیا کی بابت اس نے لکھا ہے "مستقبل کے امکانات کے متعلق چاہے کچھ خیال کیا جائے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں کارپیتھو یوکرین (روتھینیا) کے لوگوں کے جذبات ابھارنے کے لئے اب جرمنی میں اسے اسی نام سے پکارا جاتا ہے) ساڑھے چار کروڑ لوگوں کا روحانی مرکز بن گیا ہے"۔

چیکوسلاویکیا کی طاقت ختم ہو جانے اور ہٹلر کے ایما سے چیکوسلاویکیہ کے مشرقی سرحد کے صوبہ روتھینیا میں خود مختار حکومت قائم ہو جانے سے اب ہٹلر کا راستہ بھی صاف ہو گیا ہے۔ اگرچہ روتھینیا کا رقبہ بہت ہی کم ہے اور اسکی اقتصادی حالت بھی ایسی نہیں کہ اس سے جرمنی کے بھوکوں کا کچھ بھلا ہو سکے لیکن جنگی اعتبار سے اسکی بڑی اہمیت ہے کیونکہ بہت تھوڑی سی جگہ میں اس کی سرحد تین ملکوں۔ ہنگری۔ رومانیا اور پولینڈ۔ کی سرحدوں سے ملتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسکی سرحد

پولینڈ میں تقریباً کروڑ یوکرینی آباد ہیں اور جرمنی کی اس نئی چال سے اسے بھی اندیشہ پیدا ہو چلا ہے۔ جب جرمنی اور ہنگری، چیکوسلاویکیہ کے حصے بخرے کرنے میں مصروف تھے اس وقت پولینڈ نے بھی کوشش کی تھی کہ چیکوسلاویکیہ کا ایک ٹکڑا لیکر وہ اپنی سرحد ہنگری سے ملا لے اور اس طرح آنے والے خطرہ سے اپنے آپ کو محفوظ کرے لیکن جرمنی کی چالوں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا اور اب اس کی یوکرینی رعایا بغاوت پر اتر آئی ہے۔ چنانچہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں یورپ کے بعض اخباروں نے یہ خبر شائع کی تھی کہ پولینڈ کی قانون ساز مجلس کے یوکرینی ممبروں نے اپنی خود مختاری پر ایک بل تیار کیا ہے۔ اس بل کا ماحصل یہ ہے کہ جنوبی اور مشرقی پولینڈ

سیتاپور میں ہمارے بجٹ :- رام کرشن گپتا

کے دو حصے ہیں یوکرینین باشندوں کی کثرت ہے یعنی گلیشیا کا مشرقی حصہ۔ مڈلینیا۔ پولیشیا۔ کریکاؤ۔ ڈبلن۔ اور پالیسٹاک کے علاقے قانونی طور پر خود مختار ریاستیں بن جائینگی۔

اس بل کی رو سے جو احکامات پولش جمہوریت کی طرف سے جاری کئے جاتے گے انھیں مجوزہ خود مختار حکومت میں اسوقت تک قانونی حیثیت نہیں حاصل ہوگی جبتک کہ اس علاقہ کا صدر اپنی منظوری نہیں دیدیگا۔ اگرچہ ابھی تک پولش حکومت نے اس بل کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے لیکن پولش اخبارات جرمنی کو پولینڈ کی اندرونی بے چینی کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔

ایک طرف تو پولینڈ کی یہ اندرونی بے چینی، اور روتھینیا کی بدلی ہوئی صورت حال ہے اور دوسری طرف کچھ عرصہ ہوا جب اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ جرمنی میں یوکرینین فوج پر یوکرینین محکمہ قائم کر دیا گیا ہے اور وہ نازی حکومت کی نگرانی میں کام کر رہا ہے۔ اگر ان تمام باتوں کو ملا کر دیکھا جائے تو اڈولف ہٹلر کی اس پیشین گوئی کی کہ عالمگیر جنگ اسی سال مارچ سے اکتوبر تک چھڑ جائے گی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ فرانس متحدہ امریکہ سے نئے نئے ہوائی جہاز خرید رہا ہے۔ حضرت چیمبرلین انگریز عوام سے امداد کی التجا کر رہے ہیں۔ یوکرین میں روسی فوج بڑھا دی گئی ہے اور پولینڈ بھی کیل کانٹے سے درست ہو رہا ہے۔

تحریک امداد باہمی

اس کا مقصد اور فائدے

پنڈت جے [illegible] مصرا اسسٹنٹ افسر محکمہ امداد باہمی۔ یو۔ پی۔

کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانہ اتحاد ہی طاقت کا ہے۔ یہاں چاروں طرف امیدوں اور راحت مہیا کرنے کے لئے اسی کو کام میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمارے رہنما اور بہی خواہان ملت اسکا راگ الاپ رہے ہیں۔ سچ ہے کہ ہمارے جیسے غریب ملک کے لئے جتنی ملت کی ضرورت ہے اتنی شاید ہی اور کسی ملک کو ہو۔ ہندستان زراعتی ملک ہے۔ یہاں کی آبادی اندازاً ۸۰ فیصدی کسانوں کی ہے۔ جنکا خاص پیشہ کاشتکاری ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ وہ زیادہ تر جاہل اور غریب ہیں۔ اس لئے جس طریقہ سے کسانوں کا فائدہ ہو وہی ملک کے فائدے کا طریقہ کہا جا سکتا ہے۔

کمزور کا سہارا

الگ الگ کام کرنے کے بجائے ملکر کام کرنے کو اتحاد کہتے ہیں اور یہ ایک طرح کی جماعت ہے جسکو استعمال کر کے کمزور اور غریب آدمی بھی وہی فائدہ حاصل کر سکتا ہے جو صرف دولتمندوں کو ہی نصیب ہے۔ یاد رہے کہ اتحاد سے ہمارا مطلب خیرات نہیں ہے اور نہ صرف محبت ہے بلکہ ملکر کام کرنا ہماری کامیابی کا ایک ایسا طریقہ ہے جسکے ذریعہ کمزور اور تنہا آدمی بھی طاقتور اور حوصلہ مند ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اتحاد ہی کمزور کا سہارا ہے۔ امیر اور باحیثیت آدمی کے پاس زر اور زور ہے جس سے انکی ترقی دن دونی اور رات چوگنی ہوتی جاتی ہے۔ کمزور اور غریب کے پاس نہ زر ہے نہ زور ہے اگر وہ لوگ بھی اپنی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنا چاہیں تو کیا کریں۔ سوائے میل کے اور کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے۔ میل سے ہی قوت بڑھتی ہے۔ اور مشکلات رفع ہوتی ہیں۔

پبلک کی غلط فہمی

آج امداد باہمی کی تحریک کو شروع ہوئے ۳۰ سال سے زیادہ ہو چکے ہیں ہمارے صوبے میں قریب ۹۰۰۰ (نو ہزار) اتحاد کی سوسائٹیاں کھولی جا چکی ہیں جن کے ممبروں کی تعداد چار لاکھ ہے لیکن اتنے سال کے بعد بھی رعیت کو اتحاد کے اصل مطلب اور استعمال کے بارے میں غلط فہمی ہے۔ یہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اتحاد کی سوسائٹیوں کا کام صرف کم سود پر قرض دینا ہے۔ کہیں کہیں یہ بھی سنا جاتا ہے کہ انکا کام ممبروں کی آمدنی بڑھانا اور خرچ کو کم کرنا ہے۔ ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ ابھی تک اتحاد کا اصل مطلب نہیں سمجھے۔ اور اکثر یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرض کے سوا اور دوسرے کام کے لئے اتحاد کی سوسائٹیاں نہیں بن سکتی ہیں۔

زراعت کی ترقی

اتحاد کی تحریک کو پھیلانے کے لئے تین خاص مقصد ہیں اور ان تینوں مقصدوں کی آئرلینڈ کے سب سے بڑے اتحادی لیڈر مرحوم سر ہوریس پلنکٹ نے بڑی تعریف کی ہے۔ پہلے کھیتی کی ترقی کرنا۔ ہمارے وطن میں کھیتی کی ترقی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

ہندستان کے کاشتکار ابھی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں قصبوں اور شہروں میں گھوم کر بات چیت کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان بھی دوسرے مغرب کے ممالک کی طرح بیسویں صدی کے راستے پر ترقی کرتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن گاؤں میں گھوم گھوم کر دیکھا جائے اور گاؤں والوں سے بات چیت کیجاوے تو یہ پتہ چل جاوے گا۔ کہ ہندستان کی دیہاتی دنیا ابھی تک سولہویں صدی کے راستے پر ہے۔ کاشتکاروں کے کھیتی کرنے کے طریقے ان کی طرز معاشرت۔ تعلیم۔ اور خیالات کو بدلنے میں بہت کچھ فرق نہیں ہوا ہے۔ گو کہ پچھلے کئی سال سے ترقی کے نشانات نمایاں ہوتے ہیں۔ زراعت انکی زندگی ہے۔ اور جب تک کھیتی کی ترقی نہیں ہوتی ہے۔ تب تک انکی اصلی ترقی ہونا مشکل ہے۔ امریکہ۔ کناڈا۔ ڈنمارک۔ اور آئرلینڈ وغیرہ ممالک میں رہنے والے کاشتکاروں نے زراعت کے ہر ایک پہلو کے لئے سوسائٹیاں کھول کر بڑی ترقی کی ہے۔ آپس میں میل کر کے زراعتی فارم یا اور جگہ سے بیج منگوانا۔ نئے ہلوں کا استعمال کرنا۔ گوبر وغیرہ کے کنڈے نہ بنا کر انکو کھیتوں میں کھاد دینے کے لئے گڑھے کھود کر جمع کرنا وغیرہ سب کاموں کے لئے اتحاد کی ضرورت ہے ہمیں شک نہیں کہ قرض دینے والی سوسائٹیاں کہیں کہیں اپنے ممبروں کے

لئے یہی کام کرتی ہیں لیکن بہت بہتر ہوگا اگر کسان زیادہ سے زیادہ تعداد میں زراعت کی ترقی کے لئے سوسائٹیاں کھول کر ان سے فائدہ اٹھائیں۔

پیداوار فروخت کرنے کا صحیح طریقہ

اتحادی سوسائٹیوں کا دوسرا مطلب زراعت کی پیداوار کو فروخت کرکے مناسب رقم وصول کرنا ہے۔ اتحادی بنک ممبروں کو زراعت وغیرہ اور دوسرے کام میں لگانے کے لئے کم سود پر قرض دیتے ہیں۔ ممبران قرض پاکر اسکو کاشتکاری میں لگاتے ہیں۔ قرض دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ممبر کی آمدنی قرض کو استعمال کرنے سے اتنی بڑھجاوے کہ وہ صرف قرضہ کو ہی نہ ادا کرسکیں بلکہ قرضہ ادا کرنے کے بعد انکو بھی کچھ بچ رہے اگر مزید آمدنی سے قرض ادا کرنے کے بعد کچھ بھی نہ بچا تو قرض لینے سے کوئی فائدہ نہیں کاشتکاروں کی آمدنی انکی پیداوار کی فروخت کے اوپر منحصر ہے۔ اکثر کاشتکار اپنی پیداوار اپنے گاؤں والے مہاجن اور روزگاری کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ ایک تو وہ انکے آسامی ہوتے ہیں دوسرے انکو یہ پتہ نہیں رہتا کہ بازار میں چیزوں کا صحیح نرخ کیا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکو اپنی پیداوار . . . . کا بہت کم دام ملتا ہے اگر وے اپنا غلہ لیکر شہر آتے ہیں تو وہ وہاں کے رسم و رواج سے ناواقف ہوتے ہیں، اور وہاں ان کو قسم قسم کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہنے کا مطلب ہے کہ انکو اپنی پیداوار کی مناسب قیمت نہ گاؤں میں اور نہ بازار میں ملتی ہے۔ امریکہ کناڈا۔ آئرلینڈ۔ ممالک میں جب اتحادی سوسائٹی قرض دینے کے لئے کھولی جاتی ہے تو پہلے ہی اس بات کا انتظام کر لیا جاتا ہے کہ ممبروں کی پیداوار فروخت کرنے کے لئے میل کی جماعت قائم ہونی چاہئے کیونکہ انکو یقین ہے کہ جبتک کہ کاشتکاروں کی پیداوار فروخت کرنے کا مناسب انتظام نہ کیا جاوے گا بنک کی کامیابی ہونا مشکل ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ آپس میں ملکر فروخت کرنے کی اتحادی سوسائٹیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں کھولیں اور بنکوں کے ممبروں کیلئے بھی ان کی پیداوار فروخت کرنے کا ٹھیک انتظام کیا جاوے۔ الگ الگ پیداوار فروخت کرنے میں دراصل کم قیمت ملیگی۔ لیکن اگر آپس میں میل کرکے سوسائٹی کے ذریعہ پیداوار فروخت کیجاوے تو جو قیمت انکو اسوقت ملتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ان کو ملے گا خوشی کی بات ہے کہ ہمارے صوبہ کے محکمہ، امداد باہمی نے پنج سالہ اسکیم تیار کی ہے یہ اسکیم بہت جلد سارے صوبہ میں پھیلائی جائیگی امید ہے کہ ہمارے کسان اسکام میں ہمارے کارکنندگان کو جہاں تک ہوگا مدد دینگے اور اس سے کافی فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

بہتر زندگی کی جماعتیں

تحریک امداد باہمی کا تیسرا مطلب دیہات کے باشندگان کی زندگی کو آرام دہ اور مکمل بنانا ہے جن لوگوں کو دیہات میں رہنے کا موقع کئی برس تک ہوا ہے یا جو گاؤں والوں سے اچھی طرح شناسا ہیں۔ وہ ضرور اس بات کو مان لیں گے کہ گاؤں کی حالت بہت ہی غور طلب ہے، وہاں پر تعلیم کی کمی ہے۔ تندرستی و صفائی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ زراعت کسی دن بدن تنزل ہوتی جاتی ہے۔ اور جگہ جگہ پر افسردگی اور بزدلی کا اڈا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ ہمارے گاؤں کی یہ حالت پچاس برس پہلے نہ تھی۔ تعلیم کی کمی تو ضرور تھی لیکن گاؤں کی زندگی زیادہ خوشحال تھی۔ کھیل بھی ہوا کرتے تھے اور بڑے بڑے تہواروں کے دن لوگ اپنی اپنی ٹولیاں بناکر ایک دوسرے سے محبت سے گلے ملتے اور بات چیت کرتے تھے بھجن بھی ہوتے تھے۔ رام لیلا بھی منائی جاتی تھی۔ اور اکھاڑوں میں بچے و جوان کسرت کرتے اور کشتی لڑتے تھے انمیں اتفاق و میل کا جوش کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آج یہ سب باتیں غائب ہوگئی ہیں اور اب پھر سے ہمکو انمیں اتحاد پیدا کرنا ہے کس طرح سے ہم بہتر زندگی کی سوسائٹیوں کے ذریعہ تعلیم کا پرچار اور کھیتی کی ترقی کرسکتے ہیں۔ صفائی اور تندرستی کیطرف لوگوں کا دھیان راغب کرسکتے ہیں، اور ان کے درمیان محبت اور یکتائی کے بیج کو پھر سے جما سکتے ہیں اسی پر بنا ہمارا کام ہے۔ اتحاد باہمی کے محکمہ نے پچھلے دس برس میں قریب قریب پانچسو (۵۰۰) بہتر زندگی کی سوسائٹیاں بنائی ہیں۔ اگر ہمیں گاؤں والوں کی امداد رہے گی تو امید ہے کہ آئندہ زمانہ میں گاؤں کے دن پلٹ جائینگے اور گاؤں کی زندگی ایک خوشگوار زندگی ہوجاوے گی

مزدور کا حرم

(مسیح الحسن رضوی)

اندھیری کوٹھری میں رامو دھم سے گر پڑا . . . . . ٹھرا اور سے مرچکے کر مرا یار آج شیر ہو رہا تھا شیر

"اری رتھو مر گئی کیا؟" اس نے غیظ و غضب میں دیوانہ ہوکر کہا "آ ادھر آ"

ناک چڑھاتی کثیف سرخی مائل لہنگا پہنے ایک بیس سالہ عورت بڑبڑاتی ہوئی رامو کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"کیا ہے؟ موا برادری میں خود تو کلنک ہے ہی مجھے بھی کرنا چاہتا ہے"

رامو نے طیش میں آکر کہا۔

"دیکھ تو روز روز جھگڑا کرتی ہے۔ اچھا نہ ہوگا"

"واہ جھگڑا تو میں ہی کرتی ہوں۔ تم بیچارے بڑے سیدھے ہو۔ میں صاف صاف کہے دیتی ہوں اب میں یہ حرکتیں سہ نہیں سکتی ہوں، لاٹ صاحب لوگ دارو اڑائیں اور میں گھر میں پڑی فاقہ کروں . . . . "

"ارے تو تو بگڑ گئی"

کمزور نفس بزدل شوہر نے رتھو کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ دونوں کی سانس تیز ہوئی۔ آنکھیں جھپک جھپک کر بند ہونے لگیں۔ کچھ جمائیاں آئیں، کچھ انگڑائیاں۔

"رامو بھیا!"

کسی نے کوٹھری کے دروازہ پر آواز دی، رتھو نے ذرا سا گھونگٹ نکال کر

گزشتہ برس ۱۹۳۸ء میں پہلی منظم کسانوں کی کانگرس ہوئی۔ جون ۱۹۳۸ء میں کوملا میں آل انڈیا کسان سبھا کا تیسرا اجلاس منعقد ہوا اس میں ساڑھے پانچ لاکھ باقاعدہ چندہ دینے والے ممبروں نے شرکت کی اور اپنی منظم طاقت کا مظاہرہ کیا۔ کسان سبھا کی پکار اب دور دور کے دیہاتوں تک میں پہنچ گئی ہے —— اور کھیت، مزدور چونک پڑے ہیں، دبا ہوا اور بہری جاگ رہے ہیں۔

۱۹۳۸ء کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایک سوتا ہوا دیو جاگ اٹھا ہے یعنی دیسی اور ریاستی عوام جو صدیوں سے اپنے راجاؤں کے پرانے ظلم وستم برداشت کرتے چلے آتے تھے اب حرکت کرنے لگے ہیں۔ میسور نے ۱۹۳۸ء میں شعل لگائی۔ اور ۱۹۳۸ء میں یہ روشنی ایک ریاست سے دوسری ریاست تک پھیل گئی ہے۔ ٹراونکور۔ اڑیسہ کی ریاستیں۔ پٹیالہ، راجکوٹ۔ گجرات۔ دکھنی ریاستیں سب جد وجہد میں حصہ لینے لگی ہیں۔

واقعات کی تیزی نے ثابت کر دیا کہ ہری پورہ کی قرارداد کی منطق غلط تھی۔ ریاستوں کی کانگرس کمیٹیاں جنھیں کھلونوں سے تعبیر کیا گیا تھا بڑی عوامی تحریکوں کا ذریعہ بن گئیں جیسا کہ میسور، ٹراونکور نے کر دکھایا۔ ہری پورہ میں برطانوی صوبوں اور انگریزی ریاستوں کے درمیان جو مصنوعی تفریق قائم کر دی گئی، قدرتی جاری ہے کی لہر نے اسے ختم کر دیا۔ راجکوٹ، اودھ اور دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں نمایاں کامیابی ہوئی اور میسور، ٹراونکور، ڈھنکنال، تلچر اور رن پور میں ہیبتناک دہشت انگیزی اور قتل وغارت کے واقعات پیش آئے۔ کشمیر حیدرآباد اور پنجاب کی ریاستوں میں اندر ہی اندر جبر اور ظلم کیا جا رہا ہے۔ جد وجہد کے بڑھنے سے حکومت ہند اور اسکے کارندے دخل اندازی کرنے لگے ہیں۔ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نے حال ہی میں اپنے ایک بیان میں بتایا ہے، بہت سی ریاستوں میں برطانوی افسروں اور بڑے بڑے وزیروں نے ترقی کی راہوں میں رکاوٹ ڈالی اور رجعت پسندی کی امداد کی جب والیان ریاست نے اپنی رعایا سے سمجھوتہ کی بات چیت کرنا چاہی تو انھوں نے بیچ میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔ اب وقت ہے کہ اس لمبی مداخلت سے لڑا جائے۔ اسی لئے اب عدم مداخلت کو ختم ہو جانا چاہئے۔ کانگرس ہی کو سارے ہندستان کے ریاستی عوام کی لڑائیوں کی رہبری کرنا چاہئے اور انھیں ایک کو دوسرے سے منسلک کرنا چاہئے۔ ۱۹۳۸ء میں کانگرس کے ممبروں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ برطانوی ہند کی میزان ۳۰ لاکھ سے بڑھ کر ۴۵ لاکھ ہو گئی ہے۔

اس ترقی کی تاویلیں نہیں کیجا سکتیں جیسا کہ ٹائمس آف انڈیا نے کوشش کی ہے اور اس کی وجہ جعلی ممبروں کی زیادتی یا کانگرس کمیٹیوں میں پہنچنے کی خواہش بتائی ہے۔ یو۔ پی میں ایک لاکھ پچاس ہزار کا جو اضافہ ہوا ہے یقیناً اس کی وجہ اس صوبہ میں کانگرس کی کسان دوستی ہے۔ اسی طرح مہاراشٹر میں جو تنزلی ہوئی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کانگرس اور وزارت کسانوں کی شکایتیں نہیں دور کر سکی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مجموعی طور پر اس ترقی سے عوام کی بیداری اور ان کی سیاسی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اب پست طبقوں کے لوگ بھی جد وجہد میں آ جاتے ہیں۔

۱۹۳۸ء میں طبقہ وارانہ مواد کسی متحدہ قومی لیڈرشپ کے بغیر اور اکثر اسکی مخالفت پر بھی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ قومی لیڈرشپ نے نفوذی دیدہ باریک ریاستی پریشانی کا باعث ہیں اور ان سے اپنے راستہ میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ وزارتوں کے قدم کی خلاف ورزی کھوتی ہیں جس راستہ پر وہ خود چلنا چاہتی تھیں۔ وہ صوبوں میں وزارتوں کے ذریعہ دستوری ترقی اور فیڈریشن کے معاملہ میں خاموشی سے انتظار کرنے کا راستہ تھا۔ انکا کہنا ہے کہ بین الاقوامی صورت ہمارے موافق ہے۔ پھر برطانوی سامراج قریب قریب ختم ہو چکا ہے اور اب سوراج بغیر حملہ کئے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ گویا راستہ سے ہٹ جانے کا طریقہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے سرمایہ داروں کے دوستوں اور کاروباری آدمیوں کو جو مستحکم کانگرسی وزارتوں کے زیر سایہ منافع کما رہے ہیں، اور ایسے طبقہ کو کوئی فائدہ پہنچ جائے لیکن اس سے کانگرسی وزارتوں اور محنت کش عوام کا فرق بڑھتا جائیگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ طریقہ ابھی سے کیسا انتشار پھیلا رہا ہے۔ اب اسے ختم ہو جانا چاہئے۔

ہمیں یوم آزادی کی اس زریں سالگرہ کے موقع پر عہد کر لینا چاہئے کہ ہم اس سال اپنے عہد کو پورا کر لینگے۔ آج اس کا امکان زیادہ ہے ہم برطانوی سامراج کی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ ساری قوم اس نئے قانون کے خلاف دھاوا شروع کر دے۔ ۱۹۳۸ء نے عوامی لڑائی کی زبردست طاقتیں پیدا کر دی ہیں۔ ۱۹۳۹ء انھیں متحد اور یکجا کر کے سامراج کے خلاف کھڑا کرے تری پوری کے سامنے یہی کام ہے۔

(نیشنل فرنٹ)

"چلو رامو بھیا سیر کر آئیں"

بہاری نے معاملہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور رامو کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا۔

"آج ذرا چوک کی سیر ٹھیک ہے نا؟ بہاری نے رامو کے کان میں کہا، رامو مسکرا کر خاموش ہو رہا دونوں باتیں کرتے، بیڑیوں کا دھواں اڑاتے چوک میں داخل ہوئے، رامو چوک میں گذرتے ہوئے ایک ٹھیکہ کے سامنے پہنچ گیا

"پہلے لال پانی"۔ . . . . "اچھا اچھا" بہاری نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "چلو"

ایک بوتل چڑھانے کے بعد اور خوب سی پکوڑیاں کھا کر رامو نے ایک ڈکار لی "اب چلو" رامو نے مسکراتے ہوئے کہا، تو بہاری نے ایک روپیہ اسکے ہاتھ پر رکھدیا، اور ایک تنگ گلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں منہ کالا کرو اور ادھر ہی سے کارخانہ چلے جانا ورنہ دیر ہو جائے گی سمجھے؟" اتنا کہکر اس نے رامو کا ہاتھ پکڑ کر گلی میں ڈھکیل دیا، اور خود تیز قدم چلتا ٹھیکہ پہونچا، اور ایک بوتل لے کر باہر آگیا۔

"تھوڑی سی" . . . . . بہاری نے ردّھو کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا

"نہیں" ردّھو نے منہ بناتے ہوئے کہا "تمہاری خاطر سب کچھ کر دوں گی لیکن اس سے مجبور ہوں" او . . آہ . . . اُف . . . . بہاری نے ایک زور کی ہچکی لی "تو نہیں پیوگی؟" ردّھو نے منہ چلاتے ہوئے کہا ——— "ہاں دل تو نہیں چاہتا" اچھا بس چکھ لو"

ردّھو مجبور ہو گئی، تلخی، تیزی، اس نے منہ بناتے ہوئے تھوڑی سی شراب اپنے حلق میں اتار لی۔ اور اسکے بعد بہاری بے پئے پیتا رہا، باتیں کرتا رہا، ردّھو کو چھیڑتا رہا، ہنستا رہا ہنساتا رہا۔

"ردّھو تجھے معلوم ہے کہ اسوقت رامو کہاں ہے؟ بہاری نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم تمہارے ساتھ گئے تھے تم ہی بتاؤ۔"

"رنڈی کے گھر" بہاری نے کہا،

"اس سے کوئی برا کام نہیں بچا، ردّھو اب رامو سے تیرا نبھاؤ مشکل ہے، تو میرے ساتھ چل، گنگا قسم جیتے جی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔"

"تو کیا بھاگ چلوں؟ نہیں ایسا نہ کروں گی" ردّھو نے کہا "اس میں بڑی بدنامی ہے"

"ارے پگلی" بہاری نے ہنستے ہوئے کہا "پریم میں کیا بدنامی کیا نیک نامی کیا۔ آج تک کوئی پریم کرکے نیک نام بھی ہوا ہے؟" "لیکن میں ایسی بات نہ کروں گی۔" . . . "اچھا جھگڑا ہی کیا ہے جانے دو، بہاری نے بات ٹالتے ہوئے کہا لیکن

ردّھو کا عزم اور اسکے مضبوط ارادے پریم کے طوفان میں ڈانواڈول ہو گئے اور آخر ایک دن وہ بہاری کے ساتھ چلی گئی۔ رامو نے بہت شور مچایا، سر دھنا لیکن کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا، چند سر پھرے دوستوں نے مشورہ دیا کہ وہ پولیس میں رپورٹ کرے۔ رامو تھانہ گیا۔ منشی جی نے پنجا طلب کیا اور وعدہ کیا کہ وہ ہفتہ عشرہ میں ردّھو کو ڈھونڈھ نکالیں گے۔ اتنی بڑی رقم چونکہ رامو کے بس کی بات نہ تھی اسلئے اسے دو چار گالیاں بھی سننا پڑیں اور تھانے سے نکلتے ہوئے سپاہیوں نے اسکے سر کی بھی تواضع کی جس سے اسکا صافہ اتر کر ایک طرف جا پڑا۔ اس طرح رامو امن کے ٹھیکیداروں کے یہاں سے بے نیل و مرام واپس ہوا، آخر تھک کر اور بہاری کی جان کو رو کر وہ چپ ہو رہا۔ لیکن زندگی میں بغیر عورت کے کس طرح چہل پہل پیدا ہو سکتی ہے؟ اس نے سوچا دوسرا بیاہ کرلوں لیکن جس شخص کے پاس پانچ روپیہ بھی وقت پر نہ نکل سکیں وہ دوسرا بیاہ کیسے کر سکتا تھا؟ ردّھو کی بے وفائی نے اسکو اتنا صدمہ پہونچایا کہ وہ شراب، کابلی ہٹر، پکوڑیاں سب کچھ بھول گیا اب اگر اسے کچھ خیال تھا تو اپنا گھر بسانے کا . . . . . . اور بس

رامو کے کارخانے کا ایک ساتھی ناگہاں نمونیہ میں مبتلا ہو کر چل بسا۔ ایک بیوہ اور ایک بچہ اسکی یادگار تھے۔ رامو بھلا اپنے ساتھی کی ہمدردی کیسے نہ کرتا۔ اس نے مرحوم کی بیوہ کو تسلی دی، بچے کو بہلایا، بازار جا کر اسکے لئے میٹھے سیو اور ریوڑیاں لایا، کارخانے سے چھٹتے ہی بچہ کو کاندھے پر بٹھا کر روز بازار گھماتا۔ اسٹیشن لے جا کر ریل گاڑی دکھاتا، غرضیکہ رانی کے دل میں گھر کرنے کے لئے اس نے سب جتن کئے۔ رانی بھی احسان فراموش نہ تھی۔ وہ اسکو بھی جانتی تھی کہ رامو کی بیوی حال ہی میں بھاگ گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح مرا ہوا شوہر واپس نہیں آسکتا بھاگی ہوئی بیوی بھی نہیں لوٹ سکتی۔ دونوں کی ایک سی حالت تھی، دونوں جوان تھے، اور دنیا بغیر ساتھی کے نہیں گذار سکتے اسلئے ایک دن . . . . ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہوائیں چل رہی تھیں، نوجوانوں کے جذبات ٹھنڈی ہواؤں سے مشتعل ہو رہے تھے، رامو رانی کی کوٹھری میں داخل ہوا۔ چھوٹا منا سو رہا تھا، رانی ایک گاشے کی دودھ جیسی سفید ساری جو رامو کا تحفہ تھی پہنے ہوئے بیٹھی تھی

"آج بہت جلد چلے آئے"، رانی نے مسکراتے ہوئے رامو سے دریافت کیا۔ "ہاں آج ذرا طبیعت خراب ہے کیا بھیا سو رہا ہے؟"

اس نے منا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، رانی نے اثبات میں گردن ہلا دی، اسکی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ رامو نے سوچا شاید ردّھو نے کبھی مجھ سے اتنی محبت نہ کی ہوگی، وہ ہمیشہ مجھ سے لڑا کرتی تھی، طعنے دیا کرتی تھی، اور ہاں اتنی سندر بھی نہ تھی، یہ سوچکر وہ اپنی غیر متوقع کامیابی پر مسکرایا اور رانی کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ "رانی تم میری ہو" رانی خاموش تھی، رامو نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، بارش زور شور سے شروع ہو چکی تھی، آسمان پر بادل زور زور سے گرج رہے تھے۔ رامو اور رانی ٹکٹکی باندھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے دفعتاً رانی جذبات کے نشہ سے ہوشیار ہوئی۔ "منا نہ جاگ پڑے"

"نہیں وہ مزے میں سو رہا ہے تم بیٹھو" رامو نے رانی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا . . . . . منا کی معصوم نیند سے فائدہ اٹھا کر دو مضطرب دل جذبات کے طوفان میں بہہ گئے . . . . مزدور کا حرم پھر آباد تھا۔

آسکوٹ

(جواہر لال نہرو)

(خاص نیشنل ہیرلڈ، اور ہندستان کے لئے)

اس سال جنوری کے پہلے ہفتہ میں ایک نرالی یاترا ہوئی۔ آسکوٹ کے پانچ سو کاشتکار پہاڑوں اور وادیوں کو طے کرتے ہوئے وزیر اعظم یو۔پی کے پاس اپنی شکایتیں لیکر پہونچے، وہاں سے میدانی علاقہ تک نہ کوئی سڑک ہے، اور نہ کوئی سواری، اس لئے وہ لوگ پاپیادہ پگڈنڈی پگڈنڈی ہوتے ہوئے ایک ہفتہ میں میدانی علاقہ تک پہونچے۔

آسکوٹ کہاں ہے؟ کس نے اس کا نام سنا ہوگا! یہ تو ان پانچ سو مضبوط دل انسانوں کا کام ہے کہ انھوں نے اس مقام کو لوگوں کے دماغ میں ڈال دیا، اور اس جگہ کو ہندستان کے نقشہ پر لا دیا۔ میرے خیال میں الموڑے کے باہر والوں میں سے دو ہی ایک اسکو جانتے ہوں گے۔ آسکوٹ الموڑے کا ایک تعلقہ ہے۔ یہ ایک سرحدی خطہ ہے جو نیپال کے کنارے آباد ہے، اور تبت سے کچھ زیادہ دوری پر نہیں ہے۔ یہ الموڑے سے ایک ہفتہ کی مسافت پر واقع ہے۔ اس علاقہ کا چار سو مربع میل کے علاقہ میں جس میں زیادہ حصہ جنگل ہے، ایک سو بیالیس دیہات چھٹکے ہوئے ہیں۔

رجوار اس علاقہ میں ایک عجیب نظام آراضی ہے۔ اس کا مالک یہاں کا زمیندار ہے جسکو رجوار کہتے ہیں۔ اور شاید گورکھوں نے جب کمایوں فتح کیا ہے اس سے پہلے رجوار اپنے کو ایک نیم آزاد حاکم خیال کرتا تھا اور اپنے اوپر کے حاکم کو ایک مقررہ رقم دینے کے بعد اسے آزادی تھی کہ جو چاہے کرے۔ گورکھوں نے اس کی حیثیت کم کرکے اسے مالگذار کا ہم پلہ بنا دیا۔ پھر بھی اسے بہت کچھ آزادی تھی اور جب تک وہ سرکاری بندوبست کے مطابق مالگذاری ادا کرتا رہتا اسوقت تک اسے اپنے کسانوں پر ہر قسم کا اختیار تھا۔ برطانوی حکومت کے آنے سے اسکی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں ہوا۔ اور اگرچہ کئی کئی بندوبست ہوئے لیکن کمایوں کے دوسرے زمینداروں کی حیثیت کے برخلاف اسکے اختیارات ویسے ہی قائم رہے۔

جنگی اعتبار سے اسکی اہمیت کی وجہ سے برطانوی افسر اس سرحدی امیر سے اچھے تعلقات قائم رکھنا چاہتے تھے ۱۸۷۰ء میں کمایوں کے کمشنر سر ہنری ریمزے نے لکھا تھا۔ "اگر کمایوں کی پوربی سرحد پر سیاسی جھگڑے اٹھے تو رجوار کی خدمات اتنی ہی ضروری اور اتنی ہی قیمتی ہوں گی جتنی کہ وہ ابتک رہی ہیں اسکی اہمیت قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی پہلی حیثیت برقرار رکھی جائے۔

کسانوں کی جاگ اس طرح عملی طور پر رجوار کسی اوپری دباؤ کے بغیر اپنے علاقہ کا امیر بنا رہا، اگرچہ قانونی طور پر اسکی یہ حیثیت نہیں تھی حکومت اپنی مہربانی سے اسے اسپشل مجسٹریٹ اور اسکے بھائی بند کو پولیس کا مقامی افسر اور پٹواری بنا دیا کرتی تھی (کمایوں میں پٹواریوں کو خاص اختیارات حاصل ہیں) رجوار کا گھرانہ کل کا مالک سمجھا جاتا تھا، اور کسان اسکے لگائے ہوئے محصولوں پر نہ کوئی اعتراض کرسکتے اور نہ اسکے خلاف آواز اٹھا سکتے تھے۔ آسکوٹ میں تار گھر تک نہ تھا اور ایک خط کو الموڑے تک پہنچنے میں کئی کئی دن لگ جاتے تھے۔ کسان بیچ میں گرے ہوئے تھے، اور انھیں پرانے رواج کے نام پر لگان کے علاوہ اور بھی بہت سی رقمیں ادا کرنا پڑتی تھیں۔

عدم تعاون کی تحریک کی خبریں آسکوٹ بھی پہنچیں اور وہاں کے کسان دھیرے دھیرے جاگنے لگے اور ان گنت محصولوں کے خلاف آواز اٹھانے لگے۔ رجوار کے گھرانے نے انھیں بار بار کچل دیا اور تھوڑے دنوں کے لئے تحریک دب گئی لیکن یہ تحریک بار بار اٹھتی رہی ۱۹۳۶ء ۱۹۳۷ء میں کانگریسی حکومت نے جانچ کرنے کے لئے دو کمیٹیاں مقرر کیں اور انھوں نے اپنی مفصل رپورٹیں پیش کیں۔ جنتا صبر سے انتظار کرتی رہی اور آس لگائے رہی کہ آخرکار اسے بھی کچھ امداد ملیگی۔ انھوں نے ان رپورٹوں میں کی بعض سفارشوں کی بابت سنا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ حکومت کے چکر کتنی دھیمی چال سے چلتے ہیں۔ بجائے اسکے کہ انکی کچھ امداد ہوتی ہر رجوار کیطرف سے نئے نئے ظلم ہونے لگے اور پھر انکا صبر ٹوٹ گیا۔

لکھنؤ پر دھاوا انھوں نے لکھنؤ جانے کا فیصلہ کیا اور انمیں سے پانچ سو آدمی اس لمبے سفر پر روانہ ہوگئے، لوگوں میں ایک ہلکا سا جوش پھیل گیا اور کسان دلچسپی سے اس کوچ کی طرف تکنے لگے۔ وعدوں اور اطمینان دلانے والی باتوں سے انھیں روکنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ چلتے رہے یہاں تک کہ وہ بیلی بھیت کے میدان تک پہنچ گئے۔ وزیر اعظم کی ذاتی اپیل پر یہ لوگ وہیں رک گئے اور وزیر اعظم سے بات چیت کرنے کے لئے انھوں نے ۲ پنچ اپنے لکھنؤ بھیجا، وزیر اعظم نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ انکی شکایتوں کو دور کرینگے اور اب آسکوٹ کے لوگ اس وعدے کے پورے ہونے کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔

اگر ہم سیکھنا چاہیں تو آسکوٹ کے اس دھاوے سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ الموڑہ کی کانگریس ناکارہ تھی اور اس نے آسکوٹ کی جنتا کیلئے کچھ زیادہ کام نہیں کیا۔ حکومت کی چال بھی دھیمی تھی اور اسلئے ان بستی میں پڑے ہوئے کسانوں نے جو سیاست اور مظاہروں سے بالکل ناواقف تھے اپنے آپ ہی کام کرنے کی ٹھانی اور انھوں نے لوہے کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنا حال بتانے کے لئے خود ہی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایسا کرنے سے انھیں جتنی کامیابی ہوئی اتنی سالہا سال تک صبر کیا تھا اتنی کرنے سے نہیں ہوئی تھی۔ ان کی سیاسی تعلیم شروع ہوگئی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تیزی سے ترقی کرینگے۔

رشوت ستانی کی روک تھام کیلئے

حکومت یو-پی کی کوشش

یو- پی میں کانگرسی وزارت نے برسر اقتدار آتے ہی جہاں عوام کی بھلائی کے اور بہت سے کام کئے وہاں اسنے رشوت ستانی کو روکنے کیلئے بھی پوری کوشش کی. چنانچہ حکومت کے صدر دفتر میں رشوت ستانی کی شکایتوں کی تحقیقات کے لئے ایک خاص افسر کے ماتحت محکمہ انسداد رشوت ستانی قائم کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ ۵ جنوری ۱۹۳۸ء میں کنور سر مہاراج سنگھ کی زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی اور اسکے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ رشوت ستانی کی وسعت اور اسکے وجوہات کی تحقیق اسکی روک تھام کیلئے مناسب تدبیریں کی سفارش کرے۔ اس کمیٹی نے اپنی سفارشیں حکومت کے سامنے پیش کر دی ہیں اور حکومت انپر غور کر رہی ہے

دوسری طرف محکمہ انسداد رشوت ستانی اپنے کام میں مشغول ہے۔ نومبر کے آخر تک ۵۰۰ شکایتوں کی تحقیقات کیجا چکی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رشوت ستانی کی روک تھام کے لئے رائے عامہ کی تربیت اور سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بڑھانا ضروری ہے۔ اگرچہ یہ نظریہ صحیح ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جبتک یہ دونوں باتیں نہ ہو جائیں اسوقت تک ہم کوئی کام ہی نہ کریں۔

آنریبل پنڈت گووند بلبھ پنتھ وزیر اعظم یو-پی نے ۱۹ر اکتوبر کو یو-پی اسمبلی میں رشوت ستانی کو گھن سے تعبیر کیا تھا اور کہا تھا جہانتک میری ذات کا تعلق ہے یقین کیجئے گا کہ مجھے شراب کے پیالوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ جاتے دیکھکر اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی تکلیف اس بدچلنی اور بداخلاقی کے احساس سے ہوتی ہے جو ایسی عادتوں کا لازمی نتیجہ ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ان سب کا علاج ملازمین سرکار، لیڈران عوام اور پولیس کے درمیان تعاون اور مشترک عمل ہی سے ہو سکتا ہے۔

وہ تعاون محکمہ پولیس کے لئے خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جبتک اسکو عوام کا اعتماد نہ حاصل ہوگا وہ قابل تعریف خدمات نہ انجام دے سکے گا۔

اسکے علاوہ روپیہ کا از دیاد لین دین ایک ایسی برائی ہے جو سماج کی جڑیں تک کمزور کر دیتی ہے۔ جب ایک شخص دوسرے شخص کو کوئی چیز آزادی سے دیتا ہے تو اسکا ردعمل بہت خراب ہوتا ہے یہ ایسی بات ہے جو لوگوں کو خراب سے خراب راستوں پر لگا دیتی ہے۔ ہمارے برتاؤ میں معاملات کی صفائی کے بجائے پوشیدگی آجاتی ہے اور جب یہ بیماری پوری قوم کو لگ جاتی ہے تو زندگی خوشحال کہلانے کے بجائے افسوسناک واقعات کا ایک نا پاک سلسلہ بنجاتی ہے۔ اس عقیدہ کی بنا پر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ حکومت کے فرائض اولین میں داخل ہے کہ وہ اس برائی کو دور کرنے کیلئے جو کچھ کر سکتی ہے کرے۔ بنا برین میں نے شروع ہی سے وہ تمام کوششیں کی ہیں جو کر سکتے تھے۔"

شیعان لکھنؤ کا اہم جلسہ

۲۵ر جنوری ۱۹۳۹ء بوقت ۴ بجے دن خاقان منزل وزیر گنج میں زیر اہتمام لکھنؤ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس شیعان لکھنؤ کا ایک جلسہ زیر صدارت مولانا اشفاق حسین صاحب غازی پوری منعقد ہوا صدر کانفرنس جناب سید علی ظہیر صاحب بیرسٹر ایم۔ ایل۔ اے نے کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے شیعان لکھنؤ کو انکی سیاسی قوت مضبوط بنانے کی اپیل کی اور دور حاضرہ میں شیعان لکھنؤ کو سیاست کے میدان میں منظم اور متحد ہو کر قدم رکھنے کی تلقین کی۔ وارث حسین صاحب وکیل نے شیعوں سے اپیل کی کہ جبتک مسلم لیگ شیعوں کے مطالبات نہ تسلیم کرلے شیعوں کو من حیث القوم مسلم لیگ کی چوکھٹ پر اوندھے منہ نہ گر پڑنا چاہیے

جلسہ میں شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کی وارڈ کمیٹیوں کی اہمیت بتائی گئی اور سید سجاد حسین صاحب کو وزیر گنج کمیٹی کا صدر اور محمد صادق صاحب کو سکریٹری مقرر کیا گیا۔

ایک قرارداد میں یو- پی اسمبلی کے لئے سید علی ظہیر صاحب کے بلامقابلہ انتخاب پر اظہار مسرت کیا گیا اور انھیں مبارکباد پیش کی گئی۔

زبردست کامیابی

ابھی صرف دو ہی مہینے ہوئے تھے کہ حکومت یو پی نے مین پوری اور ایٹہ کے ضلعوں میں منشیات کا استعمال بند کیا تھا. اس تھوڑے عرصہ میں غیر متوقع نتائج برآمد ہوئے۔ ان دونوں ضلعوں میں بھنگ کی نکاس بالکل بند ہوگئی ہے۔ ممانعت کے سال کے پہلے حصہ میں یہاں بھنگ کا خرچ ۸۶۵ سیر تھا اور ممانعت کے شروع ہونے کے سال پہلے حصہ سال میں صرف ۹ سیر رہ گیا۔ دوسرے اور تیسرے حصہ سال میں بالکل ہی بند ہو گیا۔ چرس کا خرچ بہت کافی کم ہو گیا ۳۸-۱۹۳۷ء کے پہلے حصہ سال میں چرس کا خرچ ۱۴۷ سیر تھا۔ ممانعت کے پہلے حصہ سال میں ۴½ سیر ہو گیا اور دوسرے حصہ میں صرف ۱۲ چھٹانک رہ گیا۔ ممانعت شروع ہونے کے پہلے سال کے شروع میں افیون کا خرچ ۱۸ سیر تھا لیکن ممانعت شروع ہونے کے بعد پہلے حصہ میں ۹ سیر ہو گیا۔ دوسرے حصہ میں ½ سیر رہ گیا۔

افسر آبکاری ضلع مین پوری نے جو رپورٹ پیش کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ممانعت شروع ہونے سے پہلے سال کے پہلے تین حصوں میں شراب ۲۳۸۲ گیلن بکا کرتی تھی اور ممانعت شروع ہونے کے بعد سال کے پہلے تین حصوں میں جو ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو ختم ہوتا ہے اس میں شراب کی بکری کل ۳⁄۴ ۲ گیلن رہ گئی اسکے یہ معنی ہوئے کہ ۹۹٫۹ فیصدی کم ہو گئی۔

بھگت سنگھ

"بھگت سنگھ" مصنفہ دیا کشن کنجور جس پر ۲۲ جنوری کو تبصرہ کیا گیا تھا۔ نمبر ۸ لال باغ لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

فلسطین میں عربوں نے اس تیل کے پائیپ میں سات جگہوں پر سوراخ کرکے آگ لگائی

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings Qaisrbagh, Lucknow.

ہندستانی نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد تقی پرنٹر عمدۃ المطابع مولوی ٹیپرس لکھنؤ سے چھپوا کر بھیڑ ہٹ نالہ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳—نمبر ۷ } کانگرس کا ہفتہ وار اخبار—لکھنؤ ۱۲ فروری ۱۹۳۹ ع { فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

جےپور پر دھاوا

ڈسٹرکٹ کانگرس کمیٹی دہلی کے زیر اہتمام سیٹھ جمنا لال بجاج کو رخصت کرنے کیلئے ایک جلسہ—
مولانا نورالدین صدر ڈسٹرکٹ کانگرس کمیٹی تقریر کر رہے ہیں

پنجاب مین گرام سدھار

رضاکار لڑکیان دیہاتی عورتون کو گھریلو صنعت سکھارہی ہین—تصویر مین اسسٹنٹ کمشنر لڑکیون کے کام کا معاینہ کررہے ہین

چینی نوجوان پیچھے ہٹتے وقت اکثر ریل کے پل مسمار کر دیتی ہین تاکہ جاپانیون کو آگے بڑھنے مین دیر لگے—تصویر مین جاپانیون کی گاڑی پرانا پل ٹوٹ جانے کی وجہ سے نئے پر سے گذر رہی ہے

راجکوٹ میں سامراجی ہتھکنڈے

راجکوٹ کے معاملہ میں سامراج نے جو کارروائی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارستہ وقت برطانوی سامراج کیسی ذلیل اور کمینی حرکتیں کرسکتا ہے .... اور اس کے ایجنٹ کس طرح انصاف کا خون دن دہاڑے کرتے ہیں اور کس طرح سامراج ان کی پردہ پوشی کرتا ہے —— اس بدیسی حکومت کرنے کو نہ ہندستانیوں کی مصیبتوں اور ہندستانی خون کا پاس ہے اور نہ انصاف اور شرافت کا کچھ خیال۔ اگر اس کو کچھ خیال ہے تو صرف اس بات کا کہ ہندستان میں برطانوی ساکھ بنی رہے تاکہ کچھ انگریز سرمایہ داروں کا خزانہ بھرتا رہے اس خزانے کے بھرنے کے لئے چاہے جتنے انسانوں کا خون بھینٹ دینا پڑے اور چاہے جتنی اونچی باتوں کو قربان کرنا پڑے خونخوار سامراج ان سب کے لئے انتہائی بے شرمی سے آمادہ ہے۔

سرپیٹرک اور عوام

۳۰ ستمبر راجکوٹ کے لئے بدنصیب دن تھا اس روز سر پیٹرک کیڈل انگریز دیوان نے حکومت کی باگ اپنے خونخوار ہاتھوں میں لی۔ اور ریاست بھر میں درندوں کا راج ہوگیا۔ آرڈیننس پر آرڈیننس نکلنے لگے لیکن برسوں کے دبے کچلے اب جاگ چکے تھے، ریاستی سامراج سے لڑ کر کئی لڑائیاں جیت چکے تھے۔ اور سامراج کی گیدڑ بھبکیوں کو پہچان چکے تھے سختیوں اور بہیمانہ حرکتوں کے مقابلے میں انھوں نے ہمت اور بہادری سے کام لیا۔

راجکوٹ کی ریاست نے اپنی دولت بڑھانے کیلئے اجارہ داری کو رائج کر دیا تھا۔ شکر کی اجارہ داری کے خلاف عوام ایک لڑائی لڑ چکے تھے، اب انھوں نے دیاسلائی کی اجارہ داری کے خلاف آواز اٹھائی اور آج آرڈیننسوں اور پولیس کی طاقت کی دھجیاں اڑادیں۔ ڈھنڈورا نہیں پٹ سکتا تھا، اشتہارات نہیں لگائے جاسکتے تھے۔ نہ سہی۔ عوام کی زبان اور عوام کا جوش سامراجی بندشوں کو توڑ رہا تھا۔

"آج جلسہ ہے" "دیاسلائی کی اجارہ داری ختم کرو" "واجو بھائی گرفتار ہوگئے" یہ خبریں اور نعرے تانگے والوں کی زبان تک پر جاری تھے۔

آزاد چوک وہ جگہ تھی جہاں سامراج نے پولیس کے ڈنڈوں سے نہتے عوام کو روندوا دیا تھا۔ یہاں اب دن آتے اور دن جاتے روزانہ ہزاروں آدمیوں کا جھنڈ جمع ہوتا تھا۔

آج خاص جلسہ تھا نئے دیوان کے مظالم پر احتجاج اور دیاسلائی کی اجارہ داری کی مخالفت کرنا تھی۔ آج چوک میں سر ہی سر دکھلائی پڑتے تھے۔ چوک کے برآمدے کوٹھے کھڑکیاں اور چھتیں جدھر نگاہ جاتی آدمی ہی آدمی نظر آتے۔ دور دور دیہاتوں سے کاشتکار کھنچ آئے تھے، کاشتکاروں کا ریاستی افسروں کے خلاف اکٹھا ہونا راجکوٹ کی تاریخ میں انوکھی بات تھی۔

"انقلاب زندہ باد" کی صدا آسمان کو چیر گئی۔ آزادی کی لڑائی کا ڈکٹیٹر ایک دبلا پتلا آدمی کھڑا ہوگیا جن ہاتھوں میں خلاف قانون دیاسلائی ہوں وہ اونچے ہوں "اس آواز کو سنتے ہی ہاتھوں کا ایک جنگل سروں پر اُگ آیا۔ پولیس نے بڑھ کر ڈکٹیٹر کو گرفتار کرلیا فوراً دوسرا ڈکٹیٹر اس کی جگہ پا گیا۔ ڈکٹیٹر پر ڈکٹیٹر گرفتار ہوتے رہے مگر آزادی کی لڑائی نہ گرفتار ہوئی جلوس پہ کامیابی اور خوشی چھائی ہوئی تھی آج انگریز دیوان کے آرڈیننس کی خوب درگت بنی۔ سامراج کر ہی کیا سکتا ہے؟

اب جلوس چلا۔ ہزاروں کا جلوس ہاتھوں میں خلاف قانون دیاسلائیاں لئے ہوئے پولیس کر ہی کیا سکتی تھی۔ ان کی تھوڑی سی تعداد تماشائیوں میں غائب ہوگئی جلوس والے جوش سے متوالے ہو رہے تھے اور جنگی گیت گا رہے تھے۔ اتنے میں کسی نے ایک دیاسلائی جلا دی۔ دیاسلائی کا جلنا تھا کہ یہاں سے وہاں تک۔ دیاسلائیاں جل اٹھیں معلوم ہوتا تھا کہ تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔

بازاروں میں گلیوں اور دکانوں میں خلاف قانون دیاسلائیاں خوب بکیں۔

ایسا ہی جوشیلا دوسرا جلوس تھا جو دیاسلائی کی اجارہ داری توڑنے میں موسلادھار پانی میں بھیگتا ہوا کچہری میں کا دھاوا کرکے بلند ہوا اور وہاں قانون کی دھجیاں اڑادیں۔

عوام کے نڈر ہونے کا ثبوت اس سے بڑا کیا ہوسکتا ہے کہ راجکوٹ کے راجہ جو ٹھاکر صاحب کہلاتے ہیں ان کو لیکر انگریز دیوان سر پیٹرک نے دیہاتوں کا گشت لگایا وہاں ہر کاشتکار نے بجائے پرتپاک استقبال اظہار وفاداری کیا اور ٹھاکر صاحب کے سامنے اپنی غریبی کی بپتا کہہ سنائی۔ انگریز دیوان

اس بغاوت پر غصہ میں بھنتا رہا۔

سر پیٹرک نے راجکوٹ میں کوئی ظلم اٹھا نہیں رکھا۔ عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر لاٹھی چارج کرایا جس میں ہزاروں زخمی ہوئے۔ سیکڑوں کو گرفتار کرکے جیلخانوں میں بھر دیا پولیس کو لوٹ مار کی پوری آزادی دی مگر کچھ بھی نہ ہوا۔

ٹھاکر صاحب کا سنبھلنا

ایک طرف سر پیٹرک کا ظلم و ستم اور دوسری طرف عوام کا یہ صبر اور یہ بہادری۔ ان چیزوں نے ٹھاکر صاحب کی عقل ٹھکانے کردی اور وہ سمجھ گئے کہ وہ طوفان ہے جو نہ روکے رک سکتا ہے اور نہ دبائے دب سکتا ہے۔

ٹھاکر صاحب اس سے پہلے بھی عوام کا مقابلہ کرکے دو ایک سبق سیکھ چکے تھے ریاستی مل میں مزدوروں سے ۱۴ گھنٹے روزانہ کام لیا جاتا تھا۔ بچارے غریب مزدور خاموشی سے یہ مصیبت جھیلتے رہتے تھے کہ ستمبر ۱۹۳۶ء انکی مزدوری میں ۱۲½ فیصدی کمی کردی گئی۔ اس پر جب مزدوروں نے ایکا کرکے واویلا مچائی تو دیوان نے ایکا توڑنے کو چودہ مزدوروں کو راجکوٹ سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ مزدوروں نے اسپر اسٹرائک کردی یہ راجکوٹ میں ایک نئی چیز تھی۔ دیوان کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔

اس کے بعد عوام نے شکر کی اجارہ داری کی مخالفت کی اور اس میں بھی وہ جیتے۔ اسی طرح اور بھی دو ایک لڑائیاں جیت چکے تو ٹھاکر صاحب نے عوام کی طاقت کا اندازہ کرکے سردار پٹیل سے بات چیت کی اور اس بات پر سمجھوتہ کرلیا کہ ریاست میں اصلاحوں کی سفارش کرنے کیلئے دس ممبروں کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے گی جس کے تین ممبر سرکاری ہوں گے اور سات ممبر سردار کے نامزد کئے ہوئے ہوں گے۔ اور اس کمیٹی کی بڑی سے بڑی سفارش کو ٹھاکر صاحب منظور کرلیں گے۔

اس سمجھوتہ کے بعد عوام کی ستیہ گرہ بند ہوگئی، اور لوگ کمیٹی کے مقرر ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

سامراج کا دخل

اسکے بعد ٹھاکر صاحب نے بلا سردار کے مشورہ کے اپنی طرف سے دس نام پیش کر دیئے اور جب سردار جی نے نام بھیجے تو ان پر اعتراض کیا کہ اس میں راجکوٹ کی اقلیتوں کی نمائندگی نہیں ہے۔ اور پھر اس کا موقع بھی نہیں دیا کہ سردار جی اس شرط کا لحاظ رکھ کر دوسرے نام پیش کریں۔ گویا کہ سمجھوتے کو ٹھکرا دیا۔

ٹھاکر صاحب کی عہد شکنی اور حکومت ہند

ٹھاکر صاحب کی عہد شکنی کی ساری ذمہ داری حکومت ہند کے سر آتی ہے

اس کے دو انگریز گرگے سر پیٹرک دیوان اور مسٹر گبسن ریذیڈنٹ وہاں پہلے ہی سے لگے ہوئے تھے اور دونوں ٹھاکر صاحب پر جتاتے تھے کہ میرا ناخوش کرنا وائسرائے کا ناخوش کرنا ہے۔ اگر آپ خیریت چاہتے ہیں تو میری مرضی پر چلئے۔ اسی طرح ٹھاکر صاحب کو بے بس کرکے ان دونوں نے راجکوٹ کی غریب رعایا پر سخت وحشیانہ ظلم ڈھائے۔

جب ٹھاکر صاحب نے ان بے قاعدہ ظلموں سے تنگ آکر سردار پٹیل کے ذریعہ ریاستی کانگریس سے سمجھوتہ کرلیا۔ تو ان دونوں نے ایک سازش کھیلی۔ نہایت کمینہ پن سے ٹھاکر صاحب کو ڈرایا دھمکایا کہ اس سمجھوتہ کا اثر آپ اور آپ کی ریاست دونوں کے لیئے بہت برا ہوگا۔ اور یہ کہ سردار پٹیل کو حکومت ہند تمام کانگریسیوں میں سب سے زیادہ برا سمجھتی ہے۔ اور یہ کہ سمجھوتہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے پوری ذمہ دار حکومت دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔ آپ کی ان باتوں کو دوسرے راجا صاحبان اور حضور وائسرائے بہت برا سمجھیں گے۔

خط و کتابت اور گفتگو کے نوٹ سے جو اخباروں میں آگئے ہیں۔ ہمکو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یقین ہے کہ اسکے بعد اور بھی کارروائی ہوئی ہوگی جس نے ٹھاکر صاحب کو یقین دلا دیا ہوگا کہ جو کچھ یہ دونوں حکومت ہند کے بارے میں کہتے ہیں وہ سچ ہے۔ یوں مجبور ہوکر انھوں نے اپنی رعایا کا جان و مال بدیسی بھیڑیوں کے سپرد کردیا۔

گاندھی جی نے اس انگریزی سازش کو باقاعدہ غنڈہ پن کہا۔ اور حکومت ہند کو اس کا ذمہ دار قرار دیا۔ حکومت ہند نے جواب میں لکھا ہے کہ ٹھاکر صاحب نے سردار پٹیل کو سات آدمیوں کو نامزد کرنیکا حق تو دیا تھا مگر اس کو منظور کرنے نہ کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ یہ کتنا کمزور اور مہمل جواب ہے۔ یہ سمجھوتہ ہی کیا جسمیں سردار جی کو صرف اتنا حق ملا ہو کہ وہ سات نام لکھ کر پیش کریں۔ اور ٹھاکر صاحب کو اختیار ہے کہ انکو مانیں یا نہ مانیں۔ کیا اتنی ہی سی بات کیلئے ساری ستیہ گرہ بند کردی گئی تھی؟ اور اگر نام ہی پیش کرنیکا حق لینا تھا تو سردار جی دسوں نام پیش کرنیکا حق لے سکتے تھے۔

سر پیٹرک مسٹر گبسن اور ٹھاکر صاحب کی گفتگو کے جو نوٹ ہیں، ان سے صاف جھلکتا ہے کہ وہ سب سمجھتے تھے کہ ان ناموں کو لینا ضروری ہے۔ ورنہ پھر ان انگریزوں کا یہ ڈر کیا معنی رکھتا ہے کہ ٹھاکر صاحب نے یہ وعدہ جو کرلیا ہے کہ کمیٹی کے پوری سفارشوں پر عمل کیا جائیگا اس سے انکو پوری ذمہ دار حکومت دینا پڑے گی۔ کیونکہ اگر کمیٹی بنانے کا پورا اختیار ٹھاکر ہی صاحب کے ہاتھوں میں تھا تو پھر یہ ڈر ہی نہیں۔ ہتا کہ کمیٹی پوری ذمہ دار حکومت منظور کرے گی۔

خط و کتابت سچی ہے یا نہیں؟ اگر سچی نہیں ہے تو ابھی تک ذمہ دار حلقوں کی طرف سے اسکی تردید کیوں نہیں ہوئی؟ اگر سچی ہے تو ریذیڈنٹ اور دیوان کی ان دھمکیوں کا کیا مطلب ہے کہ اگر ٹھاکر صاحب نے سمجھوتہ کرلیا تو یہ اسکے اور انکی ریاست دونوں کے حق میں بہت برا ہوگا کیونکہ وائسرائے بہادر ناخوش ہوجائیں گے؟ اگر یہ دھمکیاں درست نہیں ہیں تو حکومت ہند ان دونوں انگریزوں کو اس بات کی سزا کیوں نہیں دیتی ہے کہ انھوں نے اس پر غلط الزام لگایا اس سے بڑا اور کیا جرم ہوگا کہ کسی حکومت کے نام پر ذرا دھمکا کر اپنا بھلا کیا جائے۔ اس سے بڑی جعلسازی اور کیا ہوسکتی ہے؟

سامراجی کشمکش

اب راجکوٹ میں ٹھاکر صاحب اور رعایا کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ وائسرائے بہادر اور رعایا کا مقابلہ ہے۔ پہلے ہی میدان سے معلوم ہو گیا کہ اب کا مقابلہ سامراج کوئی خونخوار اور کمینی حرکت اٹھا نہیں رکھیگا۔ اسوقت پولیس لاٹھی چارج کر رہی ہے اور جسمانی تکلیف کی سخت سخت صورتیں استعمال کر رہی ہے۔ ایک آٹھ برس کے لڑکے بجلی سے تکلیف پہونچائی گئی۔ ایک جلسہ میں عورتوں پر گھوڑے دوڑا دیئے گئے۔ ایک دس سالہ لڑکی کو گھوڑے سے تسمہ باندھکر کچھ دور تک کھینچا گیا۔ ایک عورت کو ننگا کر کے خوب پیٹا گیا۔ اور سب سے زیادہ جانوروں اس بات میں ہے کہ ریذیڈنٹ اس کی ڈاکٹروں اور نرسوں کو ان غریب زخمیوں کی تیمارداری کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ یہ درندگی دیکھکر ٹھاکر صاحب کی ماں بیزار ہو گئیں، اور انھوں نے ریذیڈنٹ سے کہا (ٹھاکر صاحب سے نہیں) اگر اب گولی چلی تو کیا سمجھوں گی کہ مجھ پر گولی چلی ہے۔

ان ظلموں اور سختیوں کا ہمارے پاس کیا جواب ہے؟ یہ جواب گاندھی جی دے رہے ہیں کہ اگر سامراج نے اپنے پنجے نہ کھینچ لیئے تو وہ خود مقابلہ کریں گے سردار پٹیل نے کہا ہے کہ اگر جلدی کوئی فیصلہ نہ ہو گیا تو بمبئی کی حکومت استعفا دیدے گی۔ اب مقابلہ کانگریس اور حکومت ہند میں ہے۔ پہلے تو ہم حکومت ہند پر پورا دباؤ ڈالینگے اور اسکو بتائیں گے کہ ہم کہاں تک اس میدان میں مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ ہمکو یقین ہے کہ اسوقت بین الاقوامی حالت کو دیکھتے ہوئے حکومت ہند زیادہ دور تک مقابلہ نہیں کر سکتی، لیکن اگر اس نے ہار نہ مانی، تو پھر ہم مقابلہ کرینگے۔

کانگریس مقابلہ کیسے کریگی؟ سچا پروگرام تو حالات بنائیں گے پہلے سے ہم صرف اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر گاندھی جی اور جواہر لال نے تنہا ستیہ گرہ کی، اور راجکوٹ میں جاکر اپنے کو گرفتار کرا دیا، تو پھر ساری رعایا بیچین ہو جائیگی کہ سب ہندو مسلمان مرد عورت، بوڑھے بچے، اپنے کو گرفتار کرانے کیلیئے ٹوٹ پڑینگے اور اسوقت راجکوٹ کے ریذیڈنٹ کو ایک اتنا بڑا جیل خانہ بنوانا پڑیگا جسمیں سوائے اسکے ٹھاکر صاحب اور چند افسروں کے راجکوٹ کی سب رعایا سما جائے۔ ہے اسکے مقابلے کا دم؟ — ہو سکتا ہے کہ یہی ہمارا پہلا قدم ہو۔

کانگریس چھوڑنے کا سوال

سوبھاش بوس کے منتخب ہو جانے سے کانگریس میں ایک عجیب و غریب سوال اٹھ گیا وہ یہ کہ جو لوگ سوبھاش بوس کی پالیسی کے مخالف ہیں انکو کانگریس چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں۔ غالبًا یہ سوال اٹھانے والے سوبھاش بوس کی پالیسی نہیں سمجھتے ہیں ان کی پالیسی صرف اتنی ہے کہ ہم دستوری پابندی میں ابھی خاموش فیڈریشن آنے کی راہ تکتے نہیں بیٹھے رہ سکتے ہیں۔ اگر فیڈریشن نہیں آتا ہے تو ہم کو خود آزادی کی تمام جماعتوں کو ساتھ لیکر آگے بڑھکر سامراج سے مقابلہ کرنا چاہئے۔

اس پالیسی میں کون سی ایسی بات ہے جو کانگریس کے کریڈ یا کانگریس کی پالیسی کیخلاف ہے کانگریس کمل آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے اور اس کے لئے اسے آگے بڑھنا ہے۔ اب سوال صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ کب بڑھنا چاہئے موجودہ صدر کا خیال ہے کہ ابھی بڑھنا چاہئے۔ اور بڑے لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے بعد استنے اتنے سے اختلاف پر اگر کانگریس چھوڑنے کا پرچار کیا گیا تو برسوں سے پڑنے والے چار روز میں بکھر جائیں گے

اس سے بڑھکر ہماری جماعت کی اور کیا ذلت ہو سکتی ہے کہ ہم اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر الگ ہو جائیں۔ سوبھاس کو جمہور نے صدر بنایا ہے۔ ہم کو جمہور کے سامنے سر جھکانا چاہئے۔ اگر ہم کو جمہور کے فیصلے کے سامنے گردن جھکانا نہیں ہے تو پھر کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کی مانگ بیکار ہے۔ کیونکہ وہاں بھی جمہور کا فیصلہ ہو گا۔

چیمبرلین کی باتیں!

چیمبرلین نے اپنی اسپینی پالیسی کی صفائی دارالعوام میں پیش کی۔ پہلے تو وہ اسپینی جمہوریہ کی بینائی پر آٹھ آٹھ آنسو روئے اور پھر انھوں نے مسولینی کی زبان میں باتیں کہنے لگے کہ اگر جمہوریہ کو مدد پہنچائی گئی تو یورپ میں فورًا لڑائی چھڑ جائے گی

انکا مطلب یہ ہے کہ جب اسپینی جمہوریہ کمزور ہے تو اس کو امن کے ساتھ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے دو، مسولینی سے بگاڑ نہ کرو

چیمبرلین اپنی کمزوری دیکھکر اب خوشامد سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ انکو امید ہے کہ اگر مسولینی کو یوں خوش کر دیا تو پھر شاید وہ اسلام پناہ ہونے کا جھنڈا نہ اٹھا لے اور فلسطین کے عربوں کی مدد کر کے مشرقی یورپ پر قبضہ نا ممکن نہ بنا دے۔

فرانس میں بھی یہی

فرانس میں بھی وزیر اعظم ایم ڈلادیر، اور بانٹ نے اپنی اسپینی پالیسی کی صفائی فرانسیسی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی اور ان کی بھی یہی دلیل تھی جب اس پالیسی پر ووٹ لئے گئے تو ۳۷۴ موافق اور ۲۳۲ مخالف آئے۔

اس پر رجعت پسند اخباروں نے اتنا زور پکڑا کہ ایک نے لکھا کہ مناسب یہ ہے کہ جمہوریہ کو اس نابرابر لڑائی کے ختم کرنے پر مجبور کر دیا جائے یعنی وہی میونخ والا سمجھوتا پھر رچایا جائے۔

ان لوگوں کو پتہ اسوقت چلیگا جب اٹلی اور جرمنی اسپین پر قبضہ جما لیں گے۔ اب بھی جرمنی اقتصادی حیثیت سے اسپین میں زور پکڑے ہوئے ہے۔ خاصکر باسک کے ملک میں تو وہ خوب جم گیا ہے۔ دوسری طرف مسولینی نے اپنی جابجا مضبوط فوجی چوکیاں بنالی ہیں۔ ادھر اسپینی جمہوریہ ختم ہوئی اور ادھر ان دونوں فسطائی ملکوں نے ملکر ایک طرف فرانس پر اس کی سرحد سے دباؤ ڈالا کہ ٹیونس کارسیکا اور نائس اٹلی کو حوالے کرو۔ اور دوسری طرف مشرقی بحیرہ روم پر قبضہ کر کے انگلستان پر دباؤ ڈالا کہ افریقہ میں جرمنی کی نو آبادیات واپس دو۔ اور اسکو تجارتی حقوق اور زیادہ دو۔

اعلان

مسٹر کے۔ ایم کرجی جو آخر دسمبر تک ٹریکل بیمہ کمپنی لکھنؤ

مسٹر کے۔ ایم کرجی جو آخر دسمبر تک ٹراپیکل بیمہ کمپنی لکھنؤ برانچ کے سکریٹری تھے اب کمپنی سے علیحدہ ہیں۔ پبلک کو مطلع کیا جاتا ہے کہ انکو کمپنی کی طرف سے پریمیم وصول کرنیکا یا کسی دوسرے طریقہ پر کمپنی کو پابند کرنے کا حق نہیں ہے۔

منیجر اشفاق علے

فلسطین کانفرنس کیوں؟

بحیرۂ روم پر اطالوی قبضہ بڑھتا جاتا ہے۔ اب اسپین کے فتح ہو جانے کے بعد مشرقی بحیرۂ روم کو تو اٹلی کی ذاتی جائداد سمجھنا چاہیئے۔۔۔۔۔۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ برطانیہ کا سر ہندوستان اور دوسرے مشرقی ملکوں پر قبضہ کمزور ہو جائے گا جس کو برطانیہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی برطانیہ نے اس کا توڑ یہ سوچا ہے کہ اگر مغربی بحیرۂ روم اٹلی کے پاس رہے تو اس کا مشرقی حصہ برطانیہ کے قبضہ میں رہنا چاہیئے اس طرح دونوں کو ایک دوسرے کا لحاظ کرنا پڑے گا اور آئندہ برت کا راستہ دینا پڑے گا۔

مشرقی بحیرۂ روم میں فلسطین ہی ایسی جگہ ہے جو فوجی چھاؤنی بنائی جا سکتی ہے اور جس کی مدد سے مشرقی بحیرۂ روم کو اپنے ہاتھوں میں رکھا جا سکتا ہے برطانیہ اس کو قبضہ میں رکھنے کے لیے نئی نئی چالیں نکال رہا ہے اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی فلسطینی کانفرنس ہے۔

ایک نئی غلام عرب حکومت کا بیج

اس کانفرنس میں مشرقِ قریب کی حکومتوں کے نمایندے بلائے گئے ہیں۔ اور اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ صرف اعتدال پسند نمایندے وہاں آئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس گول میز کانفرنس میں فلسطین کو کیا دیا جائے گا؟

آج تک برطانیہ نے گول میز کانفرنس میں کچھ دیا ہے جو اس میں دے گی؟ اس کانفرنس میں برطانیہ ایک نئی عرب حکومت کی تجویز پیش کرنے والی ہے جو ٹرکی سے لے کر بحیرۂ احمر تک پھیلی ہوگی اس میں عراق عرب اور عراق عجم کا بہت حصہ شامل ہوگا اور سیریا کا وہ حصہ جو فرانس کے ماتحت شامل ہوگا۔ اس کا ایک ٹکڑا عربی فلسطین بھی بنا دیا جائے گا۔

یوں گویا عربوں کو عربوں سے ملا دیا جائے گا اور یہودیوں کو الگ کر دیا جائے گا اس سے برطانیہ کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس نئی عرب حکومت میں عراق عرب اور عراق عجم کے رجعت پسند عرب بھی آجائیں گے اور وہ فلسطین کے انقلاب پسند عربوں کے آگے بڑھنے میں رکاوٹ ڈالیں گے اور یوں عرب عرب لڑا کر اپنی طاقتیں کمزور کر دیں گے۔

اس تجویز میں مخالفت فرانس کی طرف سے بھی ہوگی۔

چٹ چلاتے ـــــ تماشائی

ایک معاصر کی رائے ہے کہ مہاسبھائیوں نے حیدرآباد میں ستیہ گرہ چھیڑ دی ہے تو اسکا مسلم لیگ کے پاس صرف ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ کشمیر میں ستیہ گرہ چھیڑ دے۔ چلو یہی سہی۔ کسی طرح ریاستی رعایا کو ذمہ دار حکومت ملے تو کانگریس کے ہاتھوں نہ سہی فرقہ پرستوں ہی کے ہاتھوں سہی۔

جیل خانوں میں اچھے رہن سہن کے انتظام کی خبر سنکر سب کو خوشی ہوئی مگر مجھے بہت افسوس ہوا، اور جیسا جیسا میں لوگوں کو خوش دیکھتا ہوں اتنا ہی مجھے افسوس ہوتا ہے مجھے تو یہ دھڑکا لگ گیا ہے کہ کہیں یہ بہار، کانگریسی وزارت کے لئے کوچ کی گھنٹی نہ بن جائے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے سامراج سے ڈر ہے کہ وہ ایسا نہیں کرنے دیگا بالکل نہیں ڈر ہے صرف ہندستانی عوام کا آپ جانتے کہ ہندستانی شہر ایک بدمعاش اور آوارہ گردوں کا ملک۔ ان کو اگر پتہ چلا کہ ایک جگہ اچھے سے اچھے سہنے کا مفت انتظام ہے تو سب وہیں آ بسیں گے۔

امریکہ نے اپنے جمع کئے سونے کی حفاظت کیلئے دس ہزار مربع فٹ کا ایک تہ خانہ بنایا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے سیکڑوں مشین گنیں، گیس مشینیں، برقی شعاعیں اور ریڈیو کی جان لیوا لہریں لگا دی گئی ہیں۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ سونا پھر کسی کان ہی میں واپس بھیج دیا جائے تو کیا برا ہے۔

مسلم لیگ نے بھی اب عمل کی طرف باگ موڑی ہے۔ ابھی دو ہی ایک دن کی بات ہے کہ مسلم لیگ نے اپنی پارٹی کے ایک ممبر مسٹر ظہیر حسن لاری سے جواب طلب کیا کہ وہ کانگریسی وزیروں سے کیوں ملتے ہیں؟

اتنے ہی سے عمل سے بڑے بڑے لیگیوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ کسی نے اپنے لڑکے کو عاق کر دیا کسی نے بھائی سے علیحدگی اختیار کی۔ کسی نے باپ کو سلام کرنا چھوڑ دیا۔ اور ممکن ہے کہیں کہیں طلاق کی نوبت بھی آگئی ہو۔

خبر ہے کہ جیل کمیٹی میں بحث چھڑ گئی کہ قانون کی زبان میں "قیدی آیا" ہے لکھا جائے یا "قیدن آئی":

ایک صاحب نے تجویز پیش کی کہ قیدی زیادہ تر مرد ہوتے ہیں اس لئے لفظ کو مستقل طور پر مذکر مان لیا جائے۔ دوسرے صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ عورت کا احترام کرتے ہوئے قیدی کو مونث مان لیا جائے بات طول پکڑ گئی اور قریب تھا کہ جسمانی دلیلوں کی نوبت آجائے۔ آخر دو قیدیوں سے جس میں ایک مرد تھا اور ایک عورت رائے پوچھی گئی۔ "

" دونوں نے کہا حضور قیدی کو قانون صرف روحانی جانور سمجھتا ہے اس کے نزدیک نہ وہ مرد ہے نہ عورت اس کیلئے تذکیر و تانیث سے ہٹ کر کوئی نیا فعل نکالا جائے۔

اس مسئلہ پر کمیٹی غور کر رہی ہے۔

جاؤ ہم کو گانے دو!
پاگل دل بہلانے دو!!
وحشی گیت سنانے دو!!!
ہم باغی ہیں ہم وحشی ہیں ۔

پھر سرمایہ داری کیسی؟
مجبوری ناچاری کیسی ؟
معذوری بیکاری کیسی ؟
آؤ ہم چنگاری لائیں ۔ !
ان جھگڑوں کو آگ لگائیں
سرمایہ داری کو ڈھائیں

ہم باغی ہیں ۔ ہم وحشی ہیں ۔
جاؤ ہم کو گانے دو !
پاگل دل بہلانے دو!!
وحشی گیت سنانے دو!!!
ہم باغی ہیں ۔ ہم وحشی ہیں

اُف مزدوروں کی یہ مصیبت!
آہ کسانوں پر یہ آفت !
آہ غریبوں کی یہ حالت !
کبتک آخر صبر کریں گے؟

کبتک ہم فاقوں سے مرینگے ؟
کبتک دم ظالم کا بھرینگے ؟

ہم باغی ہیں ۔ ہم وحشی ہیں
جاؤ ہم کو گانے دو !
پاگل دل بہلانے دو!!
وحشی گیت سنانے دو!!!
ہم باغی ہیں ۔ ہم وحشی ہیں

جو اس دنیا میں رہتا ہے!
اس کا ہر شے میں حصہ ہے!!
پھر راجا ۔ پرجا کیسا ہے!!!

آؤ ہم تدبیر نکالیں
آؤ سب کو ایک بنالیں
دنیا سے تقدیر اُٹھالیں

ہم باغی ہیں ۔ ہم وحشی ہیں
جاؤ ہم کو گانے دو !
پاگل دل بہلانے دو!!
وحشی گیت سنانے دو!!!
ہم باغی ہیں ۔ ہم وحشی ہیں

غریب مسلمان کیا کریں؟ اور کیسے کریں؟

(احمد شریف)

(۱)

ایک مدت سے مدینہ کے صفحات میں یہ بحث جاری ہے کہ مسلمان کیا کریں؟ مجھے اس کا افسوس ہے کہ تا حال یہ بحث کچھ بہت زیادہ معنی خیز ثابت نہیں ہوئی البتہ ہر سیاسی اور معاشرتی نقطۂ نظر کا اظہار ضرور ہو گیا۔ اس میں مسلم لیگ کے حامی بھی تھے اور مخالف بھی۔ کانگریس کے ماننے والے بھی تھے۔ غرض کبھی اونچی کبھی "خیر الامور اوسطہا" کے مصداق انتہائی عالمانہ انداز میں جمعیت احرار کا پروگرام پیش ہوا اور تلخ تجربہ کی بنا پر ظفر الملک صاحب نے اس کی تردید بھی کی آخر میں یہ سوال پھر اپنی جگہ رہا کہ مسلمان کیا کریں؟ بعض لوگ جب زندگی کے حقایق اور زندہ سوالوں سے منہ چھپانا چاہتے ہیں تو خوشنما تصورات اور گذری ہوئی دنیا کے غیر تاریکی خواب میں پناہ لیتے ہیں چنانچہ پہلے ظفر الملک صاحب نے اور حال میں امام صاحب نے اسلام کا نصب العین میرے سامنے اس انداز سے پیش کیا گویا کہ کوئی اچھوتی بات پیش کر رہے ہیں اور انداز تحریر کچھ ایسا ہے جیسے کوئی شاعر ایک خوبصورت مطلع دہرا دینا چاہتا ہے یا ایک واعظ گنہگاروں کے مجمع میں اپنی خطابت کے زور سے اپنی روحانی رفعت منوانا چاہتا ہے۔ خیر سے ظفر الملک صاحب نے اپنے مضمون کے آخر میں ایک شعر لکھ دیا جو کم از کم اس موقعہ پر اور اس بحث کے سلسلہ میں ضرور مناسب حال تھا۔ امام صاحب نے ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی پیروی کی۔ مجھے اس قسم کی تحریرات سے صرف ایک شکایت ہے کہ لکھنے والے مسلمان ملت کے موجودہ تقاضوں اور محرکات و سوالات سے قطعاً بے خبر ہیں یہی وجہ ہے کہ اس قسم کا ارزاں فرسودہ وعظ کبھی ایک عملی اور زندہ پروگرام یعنی اجتماعی لائحۂ عمل کی صورت اختیار نہیں کرتا۔

اس بحث سے ایک سبق ضرور ملا۔ وہ یہ کہ جب کبھی آپ مسلمانوں سے بحیثیت ملت مخاطب ہوں گے اور انکے معاشرتی سوالات کو مجرد صورت میں اور نظری اعتبار سے دیکھیں گے یہی خلفشار رہے گا۔ مسلمان سیاسی اور معاشی اعتبار سے دور حاضر اور ہندستان میں نہ ایک قوم ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ وہ ایک مذہبی ملت ہیں لیکن معاشرتی اعتبار سے مختلف مفاد اور بعض اوقات متضاد اور متصادم جماعتوں سے مرکب ہیں۔ چنانچہ انکے معاشرتی محرکات بھی مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر یوں دیکھیے کہ مسلمانوں میں مختلف پیشے اور حیثیتوں کے لوگ ہیں۔ مسلمان کسان بھی ہیں صنعتی مزدور بھی ہیں اور دستکار بھی۔ بہت سے فاقہ مست ہیں۔ اوپر کے طبقہ میں اعلیٰ حضرت نظام دکن اور سر آغا خاں سے لیکر دس اور پندرہ روپیے کے سرکاری ملازم بھی ہیں۔ لاکھوں بے روزگار ہیں اب یہ بحث ظفر علیخاں صاحب کے انداز میں نہ کیجیے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں یہ صورت نہ تھی۔ ایسی شکل نکالیے کہ خلافت راشدہ جیسا نظام حکومت دوبارہ قائم ہو جائے اور اس پر سنجیدگی سے سوچیے کہ تاریخی صورت اس جدوجہد کی فی زمانہ کیا ہو سکتی ہے جو خلافت راشدہ جیسا نظام قایم کرے۔ اور یہ بحث یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اس سے بڑھ کر یہ غور فرمایئے کہ آج ہماری جدوجہد کی وہ کیا صورت ہے اور وہ کون سے سماجی طبقے ہیں جنکے ساتھ اشتراک عمل کرنے سے ہم اس منزل مقصود کی طرف دو قدم بڑھ سکتے ہیں؟

اس مختصر سی بحث سے دو ناگزیر نتائج نکلیں گے۔

اول یہ کہ مسلمان یا کسی قوم کے افراد کو عمل پر مائل کرنے یا آزادی کی جدوجہد کیلئے ابھارنے کی غرض سے مناسب سماجی اور اقتصادی محرکات کی ضرورت ہے جو بہ اعتبار طبقات مختلف ہوتے ہیں مثلاً سیاسی آزادی صرف غریب مسلمان کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔ امیر اور صاحب ثروت مسلمانوں کو تحریک آزادی سے ان معنوں میں سروکار اور انکے عمل میں وہ شدت نہیں ہو سکتی جو نچلے طبقہ یا مفلوک الحال مسلمانوں کو ہوگی۔

دوئم یہ کہ اسلام کے مذہبی اور تاریخی نصب العین کی تکمیل اس پر منحصر ہے کہ اس جدوجہد کا مستقبل میں اور بالخصوص اس وقت کیا رنگ روپ ہوتا ہے؟ فرض کیجیے کہ مسلمانوں کی معاشرتی تحریکات میں صاحب ثروت لوگ حاوی رہیں تو ظاہر ہے کہ نہ آزادی کی تحریک ابھرے گی نہ آگے بڑھ کر مسلمان عوام کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی بدل سکے گی اور نہ نئی روحانی قدریں پیدا ہوں گی جو ایک انصاف پرست اور حقانیت پسند حکومت کا نقشہ پیش کریں جس کی آخری منزل میں خلافت ارضی کا خواب پورا ہو سکتا ہے۔

اس مختصر سی گفتگو کے بعد اب پھر سوال کو دہرایئے کہ مسلمان کیا کریں تو اس کی دو شکلیں معلوم ہوں گی (۱) غریب مسلمان کیا کریں اور اگر وہ کچھ کریں تو (۲) اہل دولت کا کیا رخ ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اعلیٰ طبقہ کے عمل کا سوال نہیں ہے وہ برابر اپنے مفاد اور اپنے موجودہ اقتدار کے تحفظ کی فکر میں ہے اور عوام کی شعوری سماجی تحریک ان کی مرضی کے خلاف اور بڑی حد تک انکے مفاد اور اقتدار سے متصادم ہوگی۔

ہمیں اس کا اندازہ ہے کہ جب ترک موالات میں عامۃ المسلمین برطانوی سامراج سے برسر پیکار ہوئے تو اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کا کیا رخ تھا۔ دور کیوں جایئے ابھی گذشتہ عام انتخابات میں بھی اس کا اندازہ تھا کہ خود یہ حضرات مسلم لیگ کے خلاف اپنی "متحدہ" اور "زراعتی" پارٹیاں بنا رہے تھے آج بھی فوراً مسلم لیگ سے جدا ہو جائیں گے اگر انکے مفاد اور اقتدار کو صدمہ پہنچنے کا امکان بڑھنے لگے، تو پھر ہمیں

حیدرآباد کی موجودہ ستیہ گرہ
ریاستی کانگرس سے کوئی تعلق نہیں

جواہر لال جی نے الہ آباد میں ایک تقریر میں ریاستوں کے بارے میں کہا۔

"ہندستان بہت تیزی سے بدل رہا ہے۔ وہ اپنے پرانی بندشوں کو توڑ کر نئے میدان میں قدم رکھنے والا ہے۔ سیاسی اور سماجی حالتیں تیزی سے بدل رہی ہیں جو سماجی حالتیں ہندستان کے آگے بڑھنے میں رکاوٹ ڈالیں گی۔ وہ مٹ جائیں گی۔

ریاستیں ابھی تک ان تبدیلیوں سے متاثر ہو رہی ہیں۔ وہ ابھی تک پرانے دقیانوسی ڈھرے پر چلی جا رہی ہیں۔ یورپ میں انقلاب آ رہے ہیں۔ وہاں کا نقشہ تیزی سے بدلتا جا رہا ہے لیکن یہ ریاستوں میں ابھی شخصی راج قائم ہے کہیں کہیں ریاستوں میں رعایا کو کچھ اختیارات دیدیئے گئے ہیں لیکن وہ صرف دکھلاوا ہیں۔

اس وقت برطانوی سامراج ہندستانی رعایا کو راجاؤں کے ذریعہ کچلنا چاہتی ہے۔ راجاؤں کو اس دھوکے میں نہ رہنا چاہیے کہ وہ انکی مدد کر رہی ہے۔ بلکہ یہیں انکی خودغرضی ہے"

کشمیر اور حیدرآباد کی تحریکوں کے لیئے انھوں نے کہا کہ کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اسی لیئے قدرتی طور پر وہاں لڑائی کی ابتدا انہی کی طرف سے ہوئی اور حیدرآباد میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے اس لیئے وہاں لڑائی کی پہل ہندوؤں کی طرف سے ہوئی۔

اسوقت حیدرآباد میں جو ستیہ گرہ جاری ہے اسکے بارے میں جواہر لال جی نے کہا۔ کہ اس کا ریاستی کانگرس کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ریاستی کانگرس نے یہ تحریک اس لیئے اٹھائی تھی کہ وہاں سول آزادی پر ایسی سخت بندشیں تھیں کہ کانگرس ممبر بھی نہیں بنا سکتی تھی۔

گاندھی جی اور جواہر لال
راجکوٹ میں ستیہ گرہ کر نیجا رہے ہیں

کلکتہ کے اخبار ہندستان اسٹینڈرڈ کا نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ مہاتما گاندھی نے راجکوٹ کی ستیہ گرہ کی رہنمائی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کچھ دن ہوئے کہ جب انھوں نے وائسرائے سے راجکوٹ کی گتھی سلجھانے کی اپیل کی تھی اگر انکا جواب خاطر خواہ نہ ہوا تو گاندھی جی بذات خود ستیہ گرہ میں حصہ لینا شروع کر دیں گے۔ ۴۴

سیٹھ جمنالال بجاج کیساتھ پولیس کی زیادتی
موٹر میں زبردستی بٹھلانے سے آنکھ کے پاس چوٹ آگئی
تحریک توڑنے کیلئے گنڈوں سے کام لیا جا رہا ہے

۵ فروری کو سیٹھ جمنالال بجاج رنگس اور سیکر کے درمیان ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر دوبارہ گرفتار کر لئے گئے اتوار کی رات اور دوشنبہ کو دن بھر انھیں پولیس کی موٹر میں سفر کرنا پڑا۔ اور اس کے بعد وہ ریاست جے پور۔ اور یو پی کی سرحد پر لاکر رہا کر دئے گئے۔

سیٹھ جمنالال بجاج کے پرائیوٹ سکریٹری نے ایک بیان میں بتایا ہے کہ پولیس نے سیٹھ جی کو زبردستی موٹر میں بٹھالا جس سے ان کی کمر میں چوٹ لگی۔ اور آنکھ کے پاس چوٹ بھی آگئی۔ اگرچہ سیٹھ جی کی طبیعت خراب تھی لیکن پولیس نے رات بھر انھیں موٹر میں بٹھائے رکھا۔ اور وہ بالکل سو نہ سکے۔

گرفتاری کے وقت سیٹھ جی ٹرین سے اتر کر بیٹھ گئے اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ اب کی بار یا تو ان پر مقدمہ چلایا جائے اور یا انھیں سیکر جانے کی اجازت دی جائے۔ اس پر انسپکٹر جنرل نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ جے پور لیجائے جا رہے ہیں۔

باخبر حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جب تک سیٹھ بجاج جے پور جانے پر اڑے رہیں گے اسوقت تک اسی طرح سے وہ گرفتار کر کے باہر کئے جاتے رہیں گے۔

جمنالال بجاج کا بیان!

گرفتاری کے وقت سیٹھ جمنالال بجاج نے ایک بیان دیا جس میں انھوں نے لکھا ہے "میرے داخلہ پر جو پابندی لگائی گئی ہے۔ اس کی وجہ مجھے یہ بتائی جاتی ہے کہ ریاست میں میری موجودگی سے نقض امن کا خطرہ ہے میں یکم فروری کو ریاست میں داخل ہوا۔ اور میں نے اپنے سفر میں متعدد ڈسٹرکٹوں کے بڑے بڑے مجمعوں میں تقریریں کیں لیکن اس سے امن میں کوئی خلل نہیں پڑا اور نہ کوئی گڑبڑ ہوئی۔ اب میں پھر رات بھر سے اپنی جنم بھومی میں سفر کر رہا ہوں۔ اور اگرچہ اپنے ہموطنوں میں میں نے بے انتہا جوش و خروش دیکھا لیکن ان کے پرامن اور باضابطہ برتاؤ نے ریاستی شرارت آمیز الزام کا کھوکھلا پن ظاہر کر دیا ہے۔" آگے چلکر سیٹھ جی نے لکھا ہے۔

"چھوٹی موٹی اور چھوٹی باتیں اچھالنا ریاستی کام کو زیب نہیں دیتا۔ اسوقت مسئلہ بالکل صاف ہے آیا عوام کو اسکا حق ہے۔ اور انھیں اس کی آزادی ہے کہ وہ اپنے برادران وطن کی خدمت کر اور اپنے آپ کو مہاراجہ کے زیر سایہ ایک ذمہ دار حکومت کے لئے تیار کرنے کی غرض سے اپنی جتھا بندی کر سکیں ریاستی حکام شہریت کے حقوق دینے سے انکار کر رہے ہیں اور عوام انھیں حاصل کر لینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ اس موقعہ پر ایک براہ راست ٹکر ہو جانا چاہیئے۔ اور ریاست کے وحشیانہ زور اور عوام کے جنھوں نے آزاد اور خوددار شہریوں کی سی زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ جذبہ ایثار میں زور آزمائی ہو جانا چاہیئے"

سیٹھ جی نے لکھا ہے کہ "ریاستی ملازم عوام کو اشتعال دلانے کیلئے گنڈے پن کوشش کر رہے ہیں اور اگر اس میں انھیں کامیابی ہوگئی تو ساری ذمہ داری ریاستی حکام ہی پر ہوگی۔

لاٹھی چارج

معاصر ملاپ لاہور کا نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ ریاست کے شہر جھنجھنو میں سیٹھ جمنالال بجاج کی گرفتاری کے خلاف ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا جس پر پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا۔ پولیس کی لاٹھیوں سے بہت سے آدمی زخمی ہوئے۔

ستیہ گرہ کا پہلا دن اور گنڈوں کی شورش

۵ر فروری کو پرجا منڈل نے باقاعدہ ستیہ گرہ شروع کر دی۔

پہلے جتھے کے سردار پنڈت چرنجی لال مصرا اپنے رضاکاروں کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ تیس چالیس گنڈوں نے شور و غل مچانا شروع کر دیا جب یہ لوگ آگے بڑھے تو گنڈوں نے ان کے جھنڈے اور اشتہار چھینا

چاہیے۔ اس [illegible] رضاکاروں کے [illegible] بھی آگئیں لیکن یہ [illegible] پرامن رہے بیان کیا جاتا ہے کہ پولیس [illegible] رضاکاروں سے کہہ دیکھ اس ترکیب سے [illegible] سامنے ہی رہے یہ بھی کہا جاتا ہے [illegible] جماعت کے چوکیدار اور پولیس کے [illegible] ایک پولیس افسر اسپیڈر دی۔ [illegible] پولیس نے کوئی گرفتاری نہیں کی۔

ریاستی عوام کو کچلنے کیلئے راجاؤں کی سازش
پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی!!!

وقت کیساتھ [illegible] امیدی۔ مشترکہ پولیس پرجا منڈلوں کو کچلنے کی تدبیریں۔ رعایا کی شکایتیں

دور کھیا میں [illegible] کرو لیکن سخت رہو۔

حال ہی میں ہندستان کے تقریباً تمام والیان ریاست یا ان کی غیرموجودگی میں ان کے نمائندوں نے ایک ساتھ ملکر ہندستانی دیسی ریاستوں کی حالت پر غور و بحث کیا اور والیان ریاست کی مشکلوں کا حل نکالنے کی کوشش کی۔

مہاراجہ بیکانیر نے اس بحث میں خاص حصہ لیا اپنی افتتاحی تقریر میں انھوں نے راجکوٹ کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بے چینی اس واسطے ہے کہ ریاست میں [illegible] نہیں ہیں اور راجا کے ذاتی خرچ [illegible] کے اخراجات میں کوئی باقاعدہ تفریق نہیں [illegible] کہ کاٹھیاوار کی ریاستیں عام طور پر چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے تجویز کیا کہ [illegible] ملکر پولیس رکھیں۔ اس سلئے کہ ایک ایک ریاست اور خصوصاً چھوٹی ریاستوں کے پاس اتنے [illegible] کہ وہ خطرہ کا مقابلہ کر سکیں بیرحالت اعلیٰ حکومت برطانیہ پر کوئی خاص بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ افسوس کے برطانوی صوبوں سے بھی بس تعاون یا امداد کی امید نہیں کی جاسکتی کیونکہ انمیں کانگرس برسر اقتدار ہے اور دن قدرتی طور پر دو ملیست کی نہیں کرینگی۔ . . . . . .

بلکہ اسنے برخلاف انکی ہمدردی چوری چھپے یا کھلم کھلا ریاستی عوام یا باہر کے شورش کرنے والوں کے ساتھ ہو گی۔

کانگرس کی پالیسی پر اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے مہاراجہ بیکانیر نے [illegible] نے برطانوی ہند پر قریب قریب اپنا اثر جمالیا ہے اور اب وہ قدرتاً اپنی طاقت اور اثر کے دھارے کو ہندستانی ریاستوں کی طرف موڑیگی اسکی وجہیں بیان کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ کانگرس کے اندر جو اختلاف پیدا ہوتے جا رہے ہیں انپر سے توجہ ہٹانے کیلئے ایک نئی مہم کی تدبیریں کرنا ضروری ہوگیا ہے" مثال میں انھوں نے کہا کہ اٹلی اور جرمنی نے حبشہ۔ آسٹریا اور سوڈیٹن علاقے پر دھاوے اسی لیئے کئے تاکہ اپنے عوام کی توجہ اندرونی بے چینی کی طرف سے ہٹا دیں۔

ریاستی تحریکوں کے متعلق انھوں نے کہا کہ یہ تحریکیں اٹھانے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو ملکی اور دوسرے غیرملکی۔ غیرملکیوں کو ریاست سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا اور وہ محض لیڈری کیلئے تحریکیں اٹھاتے ہیں انکے ساتھ کوئی رعایت نہ ہونا چاہیئے۔ اور سب سے اچھا علاج یہ ہو کہ وہ ریاست سے نکالدیئے جائیں اور انکے داخلہ کی ممانعت کر دیجائے۔ جو لوگ ریاستی رعایا میں سے ہوتے ہیں اگرچہ وہ بھی اس سے کم خطرناک نہیں ہوتے لیکن وہ کسی قدر مختلف ہیں اس لیئے کہ انھیں ریاست سے دلچسپی ہوتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہوسکے انکی جائز شکایتیں دور کر دی جائیں۔ اور تحریکیں اٹھا دی جائیں۔ اگر یہ لوگ پڑھے لکھے بے روزگار ہوں۔ تو انکے لیئے مہاراجہ صاحب نے "دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ" کی پالیسی تجویز کی۔

پرجا منڈل کی بحث میں مہاراجہ بیکانیر کے علاوہ جے پور۔ اودے پور۔ الور۔ ہندی اور سروہی کے نمائندوں نے بھی حصہ لیا۔ اور طے پایا کہ پرجا منڈلوں کی سختی سے جانچ کیجائے اور انکی معمولی سے معمولی کارروائیوں کی خبر رکھی جائے۔ یہ بھی طے ہوا کہ پرجا منڈل قائم ہوتے ہی کچل دیئے جائیں۔ اور انھیں اتنا موقع ہی نہ دیا جائے کہ وہ طاقت پکڑ سکیں یا با اثر جماعتیں بن سکیں اگر انھیں کچھ تھوڑی بہت طاقت حاصل ہوگئی ہو تو انکو سماجی کارروائیوں (مثلاً سارڈا ایکٹ کی ڈالنے کی کوشش کیجائے ذمہ دار حکومت کی بابت فیصلہ ہوا کہ ریاستی رعایا کسی طرح سے اس قابل نہیں ہے کہ ذمہ داری اٹھا سکے اور انکی اس مانگ کو پورا کر دینا ریاستی عوام کیلئے نقصان دہ اور ریاست کے امن اور ترقی کے حق میں قاتل ہوگا

مہاراجہ بیکانیر نے کانگرس پر بہت لعن طعن کی انکی پالیسی ان الفاظ میں مختصر طور پر بیان کی جاسکتی ہے "انصاف کرو مگر سخت ہو" یا جیسا کہ وائسرائے ہند لارڈ منٹو نے ۱۹۰۹ء میں کہا تھا۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی"

اب کیا ہوگا!

آگرہ کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سیٹھ جمنالال بجاج نے اپنے آیندہ پروگرام کے متعلق کہا "میں تھکا نہیں ہوں اور لڑائی کو آخری حد تک لڑنے کے ارادہ سے عنقریب ہی پھر جے پور جاؤنگا۔ اگی دفعہ حکام کو مجھے اور میرے دوستوں کو بہانے کیلئے اسٹریچر (مریضوں کا پلنگ) کی ضرورت ہوگی۔ اپنے مقصد کو پورا کرنے کیلئے مجھ میں جوش ہے۔ اپنے معمولی سی چوٹیں اور زخم روک نہیں سکتے۔"

میری جیت گاندھی جی کی ہار نہیں ہے
صدارت کے چناؤ پر سبھاش چندر بوس کا بیان

صدارت کے چناؤ میں ڈاکٹر پٹابھی ستیا رامیہ کے ہار جانے پر مہاتما گاندھی نے کہا تھا کہ ڈاکٹر پٹابھی کی ہار ان سے زیادہ میری ہار ہے۔ اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے کہا کہ مجھے یہ جان کر افسوس ہوتا ہے کہ مہاتما گاندھی نے اس اپنی ذاتی ہار سمجھا۔ میں ادب کیساتھ اس مسئلہ پر اپنے اختلاف کرونگا۔ ووٹروں سے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ گاندھی جی کی موافقت یا ان کی مخالفت میں ووٹ دیں۔

داہنے اور بائیں بازو کی بحث متعلق انھوں نے کہا۔ کہ "بہت سے آدمیوں نے اس چناؤ کے نتیجہ کو بائیں بازو کی جیت سے تعبیر کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے عوام کے سامنے صدر کے چناؤ کے متعلق دو خاص خاص مسئلے رکھے تھے ان مسئلوں سے ووٹ پڑنے پر خاصا اثر پڑا ہوگا۔ اور اسکے علاوہ امیدواروں کی شخصیت کا بھی کچھ خیال کیا گیا ہوگا۔ ان حالات میں جب میں چناؤ کی اہمیت کا تجزیہ کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اس میں اپنے تخیل سے کوئی بات نہ گھڑنی چاہیئے اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ چناؤ میں بائیں بازو کی جیت ہوئی تو ہمیں اس پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ کہ بائیں بازو کا پروگرام ہے کیا؟ فی الحال بائیں بازو والوں کا مقصد قومی اتحاد اور فیڈرل اسکیم کی آخر تک مخالفت ہے۔ اس کے علاوہ وہ جمہوریت کے اصولوں کے حامی ہیں۔ وہ کانگرس میں پھوٹ ڈالنے کا الزام اپنے اوپر نہیں لیں گے۔ اور اگر کوئی پھوٹ پڑی تو وہ انکی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی کوششوں کے خلاف ہوگی۔

رومن رسم الخط
حکومت آسام کی پیش قدمی

معلوم ہوا ہے کہ پہاڑی علاقوں میں تعلیم کو عام کرنے کے لیے حکومت آسام نے فیصلہ کیا ہے کہ دیوناگری یا اردو رسم الخط کی جگہ رومن رسم الخط کیا جائے چھٹی تک کے طلبہ کے لئے رومن رسم الخط میں ہندستانی کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے اس اسکیم پر بہت سے اعتراضات کیے گئے تھے کہ اس سے ہندستانی تعلیم و کلچر کے مفاد خطرے میں ہیں لیکن اس سلسلے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ان پہاڑیوں کے باشندے رومن رسم الخط سے اچھی طرح واقف ہیں کیونکہ کافی عرصہ سے عیسائی مشنری اس علاقے کے لوگوں کو اسی طرح تعلیم دے رہے ہیں جس سے کہ پہاڑی علاقہ کے لوگوں نے اس رسم الخط کو اپنا لیا ہے

مسلم عوامی ملاپ
اٹاوہ میں کانفرنس کی تیاریاں

مسلم عوامی ملاپ کے کام پر غور و بحث کرنے کیلئے ۱۸ اور ۱۹ر فروری کو اٹاوہ میں ایک کانفرنس کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں کانفرنس کی صدارت کیلئے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا نام تجویز کیا گیا ہے اور اس میں صوبہ کے تمام رہنماؤں کی شرکت کی امید کیجاتی ہے جنمیں ڈاکٹر اشرف۔ ڈاکٹر زین العابدین ڈاکٹر حسین ظہیر آنریبل شری سمپورنانند۔ شری آر۔ ایس پنڈت اور اچاریہ نریندر دیو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اٹاوے میں مسلم عوامی ملاپ کے کارکن عبدالحمید صاحب زبیری کانفرنس کو کامیاب بنانے کیلئے سرگرم کوشش کر رہے ہیں اس سلسلہ میں انھوں نے ایک بیان میں بتایا ہے کہ اس کانفرنس میں مسلم عوامی ملاپ کے اب تک کے کام پر تبصرہ کیا جائے گا اور اسکے علاوہ مسلمانوں کے علاوہ اور فرقوں میں بھی قوم پرستی کے جذبات پھیلانے کے طریقوں پر غور کیا جائے گا۔

راجکوٹ کی اہمیت

بمبئی کی کانگریسی وزارت مستعفی ہوجائیگی

سردار پٹیل کا اعلان

۶ فروری کو سردار ولبھ بھائی پٹیل نے بمبئی میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ بہت ممکن ہے کہ بمبئی کی کانگریس وزارت راجکوٹ اور دوسری ریاستوں میں طاقت اعلیٰ کی دخل اندازی کے خلاف بطور احتجاج مستعفی ہوجائے۔

تاہم انھوں نے امید ظاہر کی کہ معاملات سدھر جائیں گے اور اس کی نوبت نہ آئے گی

سردار پٹیل نے بتایا کہ حال ہی میں بمبئی میں والیان ریاست کی کانفرنس میں ان ریاستوں کی ذمہ دار حکومت کی تحریک کا مقابلہ کرنے اور اسے کچلنے کیلئے تدبیریں سوچی گئی تھیں چنانچہ والیان ریاست راجکوٹ کی استبدادی حکومت کی امداد کررہے ہیں۔ اس سے راجکوٹ کی لڑائی کی طاقت اور بڑھ گئی ہے اور اب اس نے آل انڈیا حیثیت اختیار کرلی ہے انھوں نے کہا کہ والیان ریاست اور طاقت اعلیٰ احکومت برطانیہ کی ان حرکتوں کے نتائج بہت خراب ہونگے اور ان کی وجہ سے ملک میں اول نمبر کی سیاسی الجھن پیدا ہوجائے گی۔

ستیہ گرہ کا جذبہ آج ہمیشہ سے زیادہ تیز ہے اور جو لوگ اس جذبہ کو دبا رہے ہیں بہت جلد ان کے ہوش کی دوا کردی جائے گی۔

کانپور میں ہندو مسلم فساد

باراتیوں کی مدد میں ہندوؤں کی ہڑتال

۶ فروری کی رات کو کانپور میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جھگڑا ہوگیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کی ایک بارات باجے کیساتھ گزر رہی تھی کہ ڈپٹی گنج کی طرف جارہی تھی مسلمانوں کا کہنا ہے کہ مسجد کے سامنے باجا بجایا گیا لیکن باراتی اس کی تردید کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ سو مسلمانوں نے بارات پر حملہ کردیا جس سے ۳۵ باراتیوں کے چوٹیں آئیں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے بارات کا زیور اسباب جس کی مالیت کا تخمینہ دو ہزار روپیہ بتایا جاتا ہے لوٹ لیا۔

اس واقعہ سے شہر میں کھلبلی مچ گئی خبر پاتے ہی شہر کانگریس کمیٹی کے صدر شری بال کرشن شرما اور جید

خاں صاحب تو اگنٹ سکریٹری موقعہ پر پہونچ گئے لیکن بلوائیوں نے ان کی بات سننے سے انکار کردیا۔

حکام نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی ہے اور جس راستہ پر فساد ہوا ہے اس پر سے دو دن تک بارات کے نکلنے کی ممانعت کردی ہے۔

۸ فروری کو کانپور کے ہندو سوداگروں نے ایک جلسہ میں فیصلہ کیا کہ جب تک بارات کو باجے کے ساتھ اس راستہ سے جانے کی اجازت نہ دی جائے گی اور باراتیوں کے نقصان کی تلافی نہ کردی جائے گی اسوقت تک وہ اپنی دوکانیں نہ کھولیں گے۔

مسلمانوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے کوئی لوٹ مار نہیں کی ہندو وزارت کے راستہ میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردیئے جانے کے خلاف احتجاج کررہے ہیں۔

لدھیانہ کی ریاستی کانفرنس

مہاراجہ فریدکوٹ پریشان ہوگئے ہیں

۱۵-۱۶ اور ۱۷ فروری کو لدھیانہ میں آل انڈیا اسٹیٹس پیپلز کانفرنس (کل ہند ریاستی عوامی کانفرنس) ہوگی جس کی صدارت جواہرلال کریں گے۔

خبر ملی ہے کہ مہاراجہ صاحب فریدکوٹ اس کانفرنس سے بہت پریشان ہورہے ہیں مجلس استقبالیہ کے سکریٹری قاضی عبداللہ صاحب انھیں کی ریاست کے رہنے والے ہیں چنانچہ انھیں حکم دیدیا گیا ہے کہ وہ اس کانفرنس سے قطع تعلق کرلیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مہاراجہ صاحب نے اعلان کردیا ہے کہ یہ کانفرنس ان کے وزیر برطانیہ کے مفاد کے خلاف ہے اور اس لئے بھی اپنی رعایا کی شرکت ناپسند کرتے ہیں۔

فریدکوٹ کی ایک خبر ہے کہ پرجامنڈل کو توڑنے کیلئے ایک سرکاری پرجامنڈل قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

یوپی کی ایک نئی صنعت

کھجور سے گڑ بنانے کی تعلیم

ترقی دیہات کی اسکیم کے سلسلے میں حکومت یوپی کھجور اور پالمیرا سے گڑ بنانے کی تجویز پر غور کررہی ہے اس لیے کہ یہ صوبہ کے اکثر ضلعوں میں پیدا ہوتے ہیں چنانچہ اس سال اس فن کے دو ماہرین کی خدمات بنگال سے مستعار طور پر لیگئی ہیں اور یہ لوگ مع دو گڑساز افسروں کے کاسگنج ۲۴ ضلع ایٹہ میں مقرر کیے گئے ہیں جہاں ٹریننگ کا ایک مدرسہ بہرحال میں کھولا جائے گا جس میں کھجور سے گڑ بنانے کے طریقے کی تعلیم دی جائے گی۔

عمارت اور دیگر ضروری سامان کے لیے ایک امدادی رقم دینے کے متعلق غور کیا جارہا ہے

مختصر خبریں!

خبر ہے کہ واردھا میں ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی جو صدارت کے چناؤ میں سوبھاش چندر بوس کے مخالف تھے ایک میٹنگ ہوگی۔

اچاریہ کرپلانی نے اس کے لئے ۲۰ فروری کی تاریخ تجویز کی ہے۔

ایک سرکاری اطلاع مظہر ہے کہ ہندوستانی زبان کیلئے انگریزی میں ورناکیولر کا لفظ جو اب تک استعمال کیا جاتا تھا اب سرکاری کاغذات اور خط وکتابت میں لکھا جائے۔

یاد ہوگا کہ کئی صوبوں کی کانگریسی حکومتیں اسے بہت پہلے ہی اس کا اعلان کرچکی ہیں۔

واردھا کی ایک خبر ہے کہ سی۔پی کے ایک لیڈر آنریبل سری جگن لال بھردکا نے بھی جے پور ستیہ گرہ میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ یوپی اسمبلی کی لیگ پارٹی کی طرف سے ظہیرالحسنین صاحب لاری ممبر اسمبلی سے جواب طلب کیا ہے کہ کیا وہ کسی کانگریسی وزیر کے زیراثر ہیں لاری صاحب نے اس کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلم لیگ پارٹی اپنے ممبروں کو ہدایت کرنے والی ہے کہ وہ کانگریسی وزیروں سے صاحب سلامت نہ رکھیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد ۵ فروری کو کلکتہ سے پشاور کیلئے روانہ ہوگئے راستہ میں وہ الہ آباد اور دہلی میں ٹھہریں گے۔

۲ فروری کو لکھنؤ میں سید علی ظہیر صاحب کی زیرصدارت شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا جس میں کانگریس سبھاش چندر بوس کو انکے دوبارہ چناؤ کی مبارکباد دی گئی ایک دوسری قرارداد میں کانگریس سے درخواست کی گئی کہ وہ ریاست حیدرآباد کے خلاف ہندو مہاسبھا کی تحریک کو روکنے کی کوشش کرے۔

راجکوٹ کی تحریک

راجکوٹ کے ریاستی عوام سردار ولبھ بھائی پٹیل کی قیادت میں اپنی مانگوں کیلئے تین مہینہ تک برسر پیکار رہے۔ بالآخر ۲۶ دسمبر کو ٹھاکر صاحب راجکوٹ نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کو اپنے یہاں دعوت دی اور ان سے گفت و شنید کرنے کے بعد صلح کرنے پر تیار ہو گئے اس سمجھوتہ کی ایک شرط یہ تھی کہ ریاست دس آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کرے جو ایک مہینے کے اندر اندر اصلاحات کی ایک اسکیم تیار کر کے پیش کرے۔ یہ بھی طے ہوا تھا کہ اس کمیٹی کے سات غیر سرکاری ممبروں کو سردار ولبھ بھائی پٹیل چنیں گے اس سمجھوتہ پر عوام نے اپنی لڑائی روک دی اور ٹھاکر صاحب نے بھی تمام سیاسی قیدی چھوڑ دئے اس طرح راجکوٹ میں ایک پرامن فضا قائم ہو گئی۔

اس صلح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برطانوی ریذیڈنٹ مسٹر گبسن نے سمجھوتہ کو توڑنے اور عوام کو آزادی پسند حکومت پانے سے روکنے کا بیڑا اٹھا لیا انھوں نے بدیشی سامراج کے پرانے ہتھیاروں سے کام لینا شروع کیا اور راجکوٹ کے عوام میں فرقہ وارانہ کشیدگی پھیلانے لگے اور کچھ تھوڑا بہت گڑبڑ مچانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولبھ بھائی پٹیل نے سات آدمیوں کے نام بھیجے تو ٹھاکر صاحب نے مسٹر گبسن اور اپنے دوسرے مشیروں کی صلاح سے ان میں سے چار نام کاٹ دیئے اور بہانہ یہ کیا کہ دوسرے فرقوں کے نمائندوں کا شامل کرنا بھی ضروری ہے ایک باعزت سمجھوتہ کے ٹھاکر صاحب کی طرف سے اس طرح توڑ دئے جانے پر ریاستی عوامی کمیٹی نے سخت احتجاج و ملامت کی۔ اور اب سمجھوتہ کیلئے سردار پٹیل اور کمیٹی کی تمام کوششوں کے ناکامیاب ثابت ہونے پر عوام نے لڑائی پھر چھیڑ دی ہے ٹھاکر صاحب نے بھی عوامی تحریک کو کچلنے کیلئے غیر معمولی احکامات جاری کر دیئے ہیں۔

ذیل میں ہم سردار پٹیل اور مہاتما گاندھی کے بیانات کے کچھ ٹکڑے شائع کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ راجکوٹ کے عوام پر کس طرح چھریاں چلائی جا رہی ہیں اور ریاستی حکومت یا ٹھاکر صاحب کے پیچھے کون کون طاقتیں کارفرما ہیں۔

سردار پٹیل کا بیان

..... ایک مقدس سمجھوتہ کے اس طرح توڑے جانے سے راجکوٹ کے عوام کے سامنے صرف ایک راستہ رہ گیا ہے اب یہ میرا کام ہے کہ میں راجکوٹ اور ٹھاکر صاحب کو تباہی سے بچانے کیلئے عوام کو صلاح دوں کہ وہ اسی راستہ کو جسے انھوں نے خود ہی پسند کیا ہے اختیار کریں سب سے اچھا طریقہ یہی ہے کہ ہم بری سے بری باتوں اور زیادہ سے زیادہ دقتوں کی امید رکھیں اور ان کے لئے تیاریاں کر لیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں میں انتہائی خوف و دہشت انگیزی پھیلا دی جائے اور ان پر ظلم و ستم توڑے جائیں جو کاٹھیاوار کیلئے کوئی نئی چیز نہ ہوں گے نیز یہ کہ اندرونی جھگڑے بکھیڑے اٹھا کر کھڑے کر دیئے جائیں ان جھگڑوں کی مثال ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کی تحریک میں ملتی ہے جنھوں نے دوسروں کے کہنے سے اٹھائی ہے ہیں اپنی چال ڈھال سے انھیں بتا دینا ہے کہ ایک پرامن حکومت سے جس پر خود انھیں کا قبضہ ہوگا انھیں کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہی ہوگا جتنا کہ ہمیں ہوگا کیونکہ بدانتظامیوں اور بے ضابطگیوں نے راجکوٹ کو دیوالیہ بنا رکھا ہے۔

اور اگر اس قسم کی کشمکش جاری رہی تو اسے لڑائی در لڑائی پہنچ جائے گی لیکن اس سے ہمارے نصب العین پر کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ عوام سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے کی اہلیت کا مظاہرہ کریں اور اپنے اندر مالی نقصانات سہنے کے باوجود عدم تشدد اور عدم تعاون کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنے کی استقامت دکھائیں۔

...... کانگریس نے عدم مداخلت کی پالیسی ان معنوں میں اختیار کی تھی کہ وہ ان مسئلوں میں جو والیان ریاست اور انکی رعایا کے تعلقات کے متعلق ہوں گے براہ راست کوئی حصہ نہ لیگی یہ صرف کانگریس کی کمزوریوں کا اعتراف تھا لیکن جب کانگریس کو اپنی طاقت کا احساس ہو گیا اور وہ قربانیاں دینے پر تیار ہو گئے تو ایسی حالتیں کانگریس اپنے نصب العین پر پہنچی نہیں رہے گی۔ اگر وہ اپنے امکان بھر ان عوام کی مدد نہ کرے۔ جہاں تک میری حقیر ذات کا تعلق ہے میں کاٹھیاواڑ راجکوٹ پرستید کا صدر رہ چکا ہوں اور اس لئے میرے اوپر کاٹھیاواڑ کے عوام و نیز والیان ریاست کیطرف سے بعض فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اور اگر انھیں میری مدد کی ضرورت ہو تو میں اس سے انکار نہیں کر سکتا ہوں راجکوٹ میں پہلے عوام نے اور پھر والی ریاست نے میری مدد چاہی اور میرا دعویٰ ہے کہ میں نے بلا کسی ہچکچاہٹ کے انکی مدد کی؛ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کونسی بات غلط یا سامراجی طاقت کے ریذیڈنٹ کی ملامت کے قابل ہے۔"

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے حل کا باعث بننے کیلئے راجکوٹ کو قابل فخر موقع ملا ہے۔

گاندھی جی لکھتے ہیں

لوگ مجھ سے اپیل کرتے ہیں کہ میں ریاستی معاملات میں حصہ نہ لوں۔ یہ اپیلیں بے ضرورت ہیں۔ راجکوٹ کے عوام کی تین مہینے کی عدم تشدد کی لڑائی کے بعد ٹھاکر صاحب اور سردار پٹیل کے جو عوام کے نمائندے کی حیثیت میں تھے درمیان ایک باعزت سمجھوتہ ہو گیا تھا اور تحریک کے رک جانے پر ہر طرف خوشی کا اظہار کیا گیا تھا لیکن ٹھاکر صاحب اور عوام نے جو اچھا کام کیا تھا اسے برطانوی ریذیڈنٹ نے بے کیا کر دیا۔

عزت کا تقاضا تھا کہ ٹھاکر صاحب اور انکی رعایا میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اسکو برقرار رکھنے کیلئے عوام آخر دم تک لڑتے رہیں۔ اب لڑائی راجا اور انکی رعایا میں نہیں بلکہ درصل کانگریس اور حکومت برطانیہ میں ہے جس کی نمائندگی ریذیڈنٹ کر رہے ہیں جو بیان کیا جاتا ہے کہ منظم گنڈے پن پر اتر آئے ہیں اور اس ترکیب سے

وہ بیگناہ عورتوں اور مردوں کے جذبہ کو جو وعدہ خلافی پر جائز طور سے اظہار نفرت کر رہے ہیں کچلنا چاہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ راجکوٹ کو ایک شاہی واقعہ بنا لیا گیا ہے دوسری بات کو غلط معنی پہنانا ہے۔ کاٹھیاوار کی ریاستوں میں کسی خاص منصوبہ کے مطابق کارروائی نہیں کی جا رہی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو لوگ اپنے کو قربانیاں دینے کیلئے تیار سمجھتے ہیں وہ سردار صاحب سے مشورہ مانگتے اور وہ اس سردار پٹیل ان کی رہبری کرتے ہیں۔ راجکوٹ تیار معلوم ہوا اور وہاں چھڑ گئی۔"

پہلے ایکدوسرے بیان میں وہ لکھتے ہیں!

فرقہ وارانہ جھگڑے اٹھ کھڑے ہونے سے آزادی کی تحریک واپس نہیں ہٹائی جا سکتی اور اس کی رفتار کم کی جا سکتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تاریخ اپنے کو دوہرا رہی ہے اور ہماری ہوئی طاقت کھلا رہی ہے اور اندرونی جھگڑے کھڑے پیدا کرکے انکے ذریعہ اپنی زندگی تھوڑے دن اور گھسیٹنا چاہتی ہے۔ اگر عوام عام تشدد پر کام کر کے ڈھنگ جانتے ہیں تو جو طاقتیں اس طرح پر گڑبڑ پا رہے ہیں وہ سرگرداں ہی ہٹانگی اور عوام کی جیت ہو جائے گی۔ ...... راجکوٹ کے عوام کی آزادی حاصل کرلینے سے وہاں کے مسلمانوں کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ آج وہ صرف والیان ریاست ہی کی خوشنودی کے نہیں بلکہ ان کے مشیروں کے محتاج ہیں۔ کل وہ عوام کیساتھ طاقت کے مالک ہونگے کیونکہ ان کا شمار بھی عوام ہی میں ہے۔ لیکن درحقیقت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ راجکوٹ کے مسلمان واقعی مخالفت کر رہے ہیں۔ ہندوؤں کیساتھ ان کے بہترین تعلقات رہے ہیں مجھے اسکا ذاتی تجربہ ہے۔ تین مہینہ کی مختصر لیکن تیز لڑائی میں راجکوٹ کے ہندو مسلمانوں کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ اگرچہ مسلمان زیادہ تعداد میں جیل نہیں گئے لیکن اپنے فرقہ کی حیثیت سے وہ اس تحریک کیساتھ تھے۔

گاندھی جی کے پہلے بیان کے جواب میں جس کہ اونھوں نے ریاست پر وعدہ خلافی کا الزام لگایا تھا اور منظم گندے پن کی شکایت کی تھی، حکومت ہند نے یکم فروری کو ایک بیان شائع کیا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سمجھوتہ میں ٹھاکر صاحب راجکوٹ کو اختیار رہا کہ وہ تحقیقاتی کمیٹی کیلئے سردار پٹیل کی بنائے ہوئے ناموں میں تغیر و تبدل کر سکیں۔

مہاتما گاندھی نے ۳ فروری ایک جوابی بیان دیا جسمیں انھوں نے لکھا ہے

"...... میرا کہنا ہے کہ یہ مطلب بعد میں ڈھونڈھ ڈھونڈ کر نکالا گیا ہے تاکہ ریذیڈنٹ کو جو ٹھاکر صاحب کی اس حرکت پر کہ اونھوں نے ایک کانگرسی سے معاملت کی اور صلاح لئے بغیر اسے ایک تحریر دیدی ناراض ہو گئے تھے خوش کیا جا سکے جو لوگ ان ریذیڈنٹوں اور ریاستوں کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہیں انھیں معلوم ہوگا کہ والیان ریاست اپنے سکرٹریوں اور چپراسیوں تک سے کتنا خائف رہتے ہیں میں یہ باتیں ذاتی معلومات کی بنا پر لکھتا ہوں۔

"...... میں نے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ ٹھاکر صاحب سے کچھ کرنے کے لئے کہا جائے ان کی اپنی کوئی رائے نہیں ہے ان کی رائے ریذیڈنٹ کی تابع ہے۔ ایک مرتبہ ٹھاکر صاحب نے اپنی ان خواہشات کیخلاف جن کی کہ انہوں امید کی جاتی تھی کچھ کہا تھا جیران کی گدی جاتے جاتے رنگیلی میں نے صرف یہ کہا ہے کہ ریذیڈنٹ صاحب سمجھوتہ کو بحال کر دیں اور اسے پورا کرنے میں مدد دیں۔ اگر معاملہ صرف ناموں کا ہے تاکہ بعض طبقوں کو راضی کیا جا سکے تو میں سردار کو ٹنے پر راضی کرنے کا ذمہ لیتا ہوں بشرطیکہ سمجھوتہ کے دوسرے حصہ پر پورا پورا عمل کیا جائے۔

"...... میں منظم گندے پن کے الزام کو پھر سے دہراتا ہوں۔ راجکوٹ میں پولیس کام میں لائی جا رہی ہے۔ سردار صاحب کے پاس جو تار آتے ہیں انسے پتہ چلتا ہے کہ سول نافرمانی کرنے والے دور دور لیجائے جاتے ہیں۔ وہاں انھیں نشکار کر کے پیٹا جاتا ہے اور تن بتقدیر چھوڑ دیا جاتا ہے اور تاروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بلینڈ الاٹمی چارج نے زخمیوں کی مرہم پٹی کیلئے ریڈ کراس ڈاکٹر اور طبی جتھوں تک کو جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

" اسی کو میں منظم گندہ پن کہتا ہوں اگر ان الزاموں سے انکار کیا جاتا ہو تو کسی غیر جانبدارانہ تحقیقات ہونا چاہئیے۔

میں اس معاملہ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں۔ میں ریاستی معاملات میں کوئی مداخلت کرنا نہیں چاہتا۔ میں راجکوٹ میں ریذیڈنٹ کی عدم مداخلت چاہتا ہوں۔ ریذیڈنٹ ہی براہ راست ریاست اور عوام کے تعلقات کی کشیدگی کا ذمہ دار ہے۔ اگر مسلمانوں اور بھیاتوں کی نمائندگی کے مسئلہ میں کوئی خلوص ہے تو اسے حل کیا جا سکتا ہے۔ میں ایک مرتبہ پھر وائسرائے کو اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلہ پر اور زیادہ گہرائی سے غور کریں۔ ......

"...... یہ ایک ایسی لڑائی ہے جس میں لوگ آج ابھی تک کبھی جیل نہیں گئے اور جنھوں نے کبھی لاٹھیوں کی مار نہیں کھائی ہے اپنے کو بہترین کے خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

وعدے کی خلاف ورزی

شری سل داس گاندھی صدر کاٹھیاوار پرجا منڈل نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کی ہدایت پر راجکوٹ کے مسئلہ کے متعلق ریاست نے بعض خطوط پریس کو بغرض اشاعت دیدیئے ہیں جنسے راجکوٹ کے موجودہ مسئلہ پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔

انگریز دیوان سر پیٹرک کیڈل کا الٹیمیٹم

یکم اکتوبر کو سر پیٹرک کیڈل نے ٹھاکر صاحب کو ایک خط لکھا جسمیں انھوں نے شکایت کی کہ وہ ٹھاکر صاحب سے ملنا چاہتے تھے لیکن ٹھاکر صاحب نے انسے ملنے میں دیر کی اس سے انکی بے عزتی ہوگئی اور وہ اسے برداشت نہیں کر سکتے۔

عوام کی بے چینی کے متعلق انھوں نے لکھا۔ "ریاست کے خلاف بہت سی شکایتیں آپکے برتاؤ پر مبنی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آپ ریاست کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ خرچ کر ڈالتے ہیں نیز یہ کہ آپ کا بہت سا خرچ فضول کی چیزوں پر ہوتا ہے اور آپ ریاست کے انتظام میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ میں نے یہاں آپ کے اخراجات کی رقم یا انکے خرچ کے طریقے پر کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ بالکل درست ہے کہ

آپ نظم و نسق میں کوئی حصہ نہیں لیتے اور اپنی رعایا کی بہبودی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے"

اسکے حل کیلئے انھوں نے تجویز کیا کہ ٹھاکر صاحب شہر کا دورہ کریں اور اپنے نام پر قسم کھائیں کہ وہ خود دفتر میں بیٹھ کر رعایا کی شکایتیں سنیں گے اور اسکے علاوہ جب کبھی دیوان ان سے ملنا چاہیں تو وہ ساڑھے سات بجے سے پہلے مل لیا کریں گے اور ایک گھنٹہ سے زیادہ دیر نہ کریں گے۔

سر پیٹرک کیڈل نے ٹھاکر صاحب کو دھمکی دی کہ اگر وہ ان پر راضی نہ ہوں گے تو وہ سر پیٹرک ریذیڈنٹ کو اطلاع دے کر انگلستان واپس چلے جائینگے۔ اور یہ ٹھاکر صاحب کی ذات اور انکی ریاست کیلئے برا ہوگا۔

اسکے جواب میں ٹھاکر صاحب نے لکھا "مجھے آپکا کل کا خط دیکھکر بہت افسوس ہوا اور مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ میں اس مہر کو پسند نہیں کرتا"۔ ٹھاکر صاحب نے اپنے خط میں بتایا کہ انکے خلاف جو شکایتیں ہیں وہ دو تحقیقات پر مبنی ہیں، صرف ڈاکٹروں کا کیا ہوا ہے اور انہی کی تحریک کو چلانے کیلئے سر پیٹرک بلائے گئے تھے۔

۱۹ اکتوبر کو ٹھاکر صاحب نے ایک دوسرے خط میں سر پیٹرک کو لکھا "میری [illegible] محسوس کرنی ہے اور اسے یقین دلا دیا ہے [illegible] گورنمنٹ کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور ابھی اسکی میری جو حیثیت تھی اب نہیں ہے"۔ ٹھاکر صاحب نے بتایا کہ وہ اپنی رعایا کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے لیکن چونکہ سر پیٹرک اپنا برتاؤ جاری رکھنے پر مصر ہیں اس لیئے اب دونوں کا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا ہی بہتر ہے۔

ریذیڈنٹ کی مداخلت

سر پیٹرک کیڈل سے علیحدہ کردیے جانے پر انگریز ریذیڈنٹ مسٹر ڈی گبسن نے ٹھاکر صاحب کو لکھا کہ یہ کاروائی انکی ذات اور ریاست دونوں کے حق میں بری ہوگی۔ انھوں نے لکھا "جب ہم ۲۲ اکتوبر کو ملے تھے تو میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہز ایکسیلنسی نائب السلطنت نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ سے کہدوں کہ وہ امید کرتے ہیں کہ آپ بلا کسی تاخیر کے یہ کاروائی منسوخ کردینگے۔"

جواب میں ٹھاکر صاحب نے لکھا کہ وہ سر پیٹرک کو علیحدہ نہیں کرینگے اگرچہ قانونی طور پر انہیں اس کا اختیار ہے اس کے علاوہ انھوں نے ایک کونسل مقرر کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا جسکے پہلے ممبر اور نائب صدر سر پیٹرک رکھے گئے اور قانون، عدالت، مالیات، سیاسیات، پولیس، پبلک ورکس، تعلیم اور زراعت بھی انہیں کے ماتحت رہیں۔

سمجھوتہ کی شرائط پر گفتگو

۲۲ اکتوبر کو ریذیڈنسی میں ٹھاکر صاحب اور مسٹر گبسن (ریذیڈنٹ) میں جو گفتگو ہوئی اس کا ایک مختصر سا خاکہ یہ ہے۔

اس گفتگو میں ٹھاکر صاحب اور مسٹر گبسن کے علاوہ سر پیٹرک کیڈل اور کونسل کے دوسرے ممبر بھی شریک تھے۔

مسٹر گبسن نے کہا کہ راجکوٹ سمجھوتہ سے تمام والیان ریاست میں کھلبلی مچ گئی ہے انھوں نے پوچھا کہ کیا سردار ولبھ بھائی پٹیل کو ٹھاکر صاحب ہی نے مدعو کیا تھا۔

ٹھاکر صاحب: "وہ آپ خود سے تھے اور انھوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش کی اس پر میں نے انھیں چائے پر مدعو کیا"

مسٹر گبسن: "وہ سخت ناقابل اعتماد آدمی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ حکومت ہند کی خواہش تھی کہ کسی باہری مداخلت کی اجازت نہ دی جائے، اس سمجھوتہ کر کے آپ نے والیان ریاست اور حکومت کی جڑیں کھود دیں۔"

سمجھوتہ کے الفاظ پر انھوں نے کہا کہ یہ ایسے برے نہیں ہیں لیکن "زیادہ سے زیادہ مکمل اختیارات کو ہر طرح کے معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ ان الفاظ کے مطابق وہ شروع ہی سے مکمل ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کرینگے اور آپ اپنے کو بہت بری حالت میں پائیں گے۔"

اصلاحات کی تحقیقات کیلئے جو کمیٹی مقرر ہونے والی تھی اسکے ممبروں کے متعلق ریذیڈنٹ نے پوچھا کہ ان کو کون مقرر کریگا۔ جواب میں ٹھاکر صاحب نے کہا کہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نام لکھ کر بھیج دینگے۔

اسکے بعد مسٹر گبسن نے کہا "آپ نہیں جانتے آپ نے کس پوزیشن پر پہنچنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ بہت برا ہے آپ پوری بازی ہار گئے۔"

مسٹر گبسن نے پوچھا کہ اصلاحات کی تحقیقاتی کمیٹی کا صدر کون ہوگا۔

ٹھاکر صاحب۔ دربار ویراوالا (سابق دیوان)

مسٹر گبسن۔ نہیں، وہ آ نہیں سکتے

ٹھاکر صاحب۔ کیوں [illegible] کرکے وہ آ جائینگے

مسٹر گبسن۔ نہیں، وہ قواعد کے بموجب وہ نہیں آ سکتے ہیں [illegible]

ٹھاکر صاحب۔ نہیں جب سر پیٹرک چلے جائیں گے تو وہ آ سکیں گے۔

وعدے کی خلاف ورزی

۲۱ جنوری کو ٹھاکر صاحب کے کہنے سے مسٹر [illegible] لال پٹیل نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کو ایک خط لکھا جس میں انھوں نے اس بات پر افسوس کیا کہ کمیٹی کے ممبروں کے نام ٹھاکر صاحب تک پہنچنے سے پہلے ہی ظاہر ہو گئے کیونکہ اس سے [illegible] ولبھ بھائی کی پوزیشن خراب ہوتی ہے۔ اس خط میں ٹھاکر صاحب کی طرف سے بتایا گیا کہ مسلمانوں اور بھایاتوں نے بھی تحقیقاتی کمیٹی میں نمائندگی کا مطالبہ کیا ہے اور اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو وہ گڑبڑ پیدا کرینگے۔

جواب میں ولبھ بھائی نے لکھا کہ وہ ان میں کسی تغیر کو برداشت نہیں کرسکتے کیونکہ "یہ نام ایک ایسے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے تجویز کیے گئے ہیں جو صرف اس حالت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب کمیٹی کے ممبر ایک رائے اور خاص خیال کے لوگ ہوں۔ جن سات آدمیوں کے نام میں نے تجویز کیے ہیں وہ یقینی طور پر مسلمانوں اور بھایاتوں کے مفاد کا خیال رکھیں گے۔"

سردار پٹیل نے لکھا کہ اگر کسی نام پر کوئی اصطلاحی اعتراض ہے تو اسے بدلا جاسکتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ کمیٹی کے قیام میں بہت دیر ہو گئی ہے اور اس کی رپورٹ ۳۱ جنوری تک تیار ہو جانا چاہیئے۔ اس لیے کمیٹی فوراً ہی مقرر ہو جانا چاہیئے۔

"اگر کمیٹی کے تقرر میں اس طرح دیر لگائی جاتی رہی تو اس بات کا بہت خطرہ ہے کہ عوام پھر سے لڑائی شروع کردیں۔"

ہٹلر کا دوسرا قدم

پولینڈ اور جرمنی

ابھی تک پوری طرح نہیں معلوم ہوسکا ہے کہ کرنل بک اور ہر ہٹلر کی ملاقات میں کیا طے پایا لیکن جتنا کچھ پتہ چلتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملاقات نہ تو پولینڈ کے لئے کچھ اچھی رہی اور نہ بین الاقوامی معاملات کے سلئے کہا جاتا ہے کہ ہٹلر بڑی مہربانی سے پیش آیا لیکن اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں۔ باتوں سے یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ ہٹلر کے سامنے کیا اسکیم کیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر کردیا کہ جس وقت جو پولینڈ سے عہدنامہ کررہا ہے اس پر قائم رہیگا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی ظاہر کردیا کہ میونخ کے سمجھوتے سے وہ پورا فائدہ اٹھائیگا خواہ اس سے دوسروں کو فائدہ ہو یا نقصان۔ اب سوال یہ ہے کہ ہٹلر کتنا آگے بڑھنے کو تیار ہے اور کس سمت پر بڑھنے کو تیار ہے۔ مشرق یا مغرب؟

پولینڈ میں دو طرح کی رائے رکھنے والے لوگ ہیں جب تک کرنل بک سے ہٹلر سے ملاقات نہیں کی تھی تو ایک جماعت کا خیال تھا کہ ہٹلر مغرب کی طرف بڑھے گا اور افریقہ میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ کہا جاتا تھا کہ انگلستان اور فرانس کے پوری طرح اسلحہ بند ہونے سے پہلے ہی جو چاہے گا کر لیگا کیونکہ اگر وہ لوگ مسلح ہوگئے تو اس کی راہ میں حائل ہوجائیں گے۔ اسی لئے اسکو جلدی کرنا ہے اور اپنے مطالبات پر زور دینا ہے۔ اس کے علاوہ مغرب میں پوری کامیابی حاصل کرنے کے بعد اگر وہ مشرق کی طرف بڑھیگا تو سب راستے اس کیلئے کھلے ہونگے۔ کیا اسوقت سارا مشرقی یورپ اقتصادی اعتبار سے اور کہیں کہیں سیاسی اعتبار سے بھی بالکل اسکے اثر میں نہیں ہے؟

اس کے علاوہ کچھ لوگ اور ہیں جن میں سرکاری افسر شامل نہیں مگر ان میں عوام کے حصے شامل ہیں۔ ان لوگوں کو ڈر ہے کہ کچھ مال اور اناج کی لالچ میں ہٹلر کا دوسرا قدم بھی مشرق ہی کی طرف ہوگا اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انکے حاصل کرنے کے بعد اس کی فتح اور زیادہ یقینی ہوجائے گی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ مشرق کی طرف بڑھتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ اسکو مغربی حکومتوں کی ہمدردی بھی مل جائے لیکن اسکے برخلاف اگر وہ مغرب کی طرف بڑھتا ہے تو اسکو ایسی لڑائی کا اندیشہ ہے جو اس میں اور انگلستان میں بھی ان بن کرادے گی کیونکہ برطانیہ فرانس کا ضرور ساتھ دیگا۔ اور پھر امریکہ بھی انگلستان کا ساتھ دیگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ہٹلر مشرقی یورپ کی طرف بڑھا تو کوئی حکومت روس کا ساتھ دیگی؟ اور بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ نوجوانوں میں سے بہت سے لوگ انتظار کررہے ہیں کہ کب ہٹلر روس پر نپولین کی طرح حملہ کرے گا اور کب یہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پولینڈ اپنے کو دو حکومتوں کے بیچ میں سنبھالتے سنبھالتے اکتا گیا ہے۔ یہ حالت ہر ملک کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔ خاصکر ان حکومتوں کے لئے جیسے کہ پولینڈ ہے ایسی صورت میں ذرا سی غلطی سخت تباہی لاسکتی ہے کیونکہ کوئی ایسی پالیسی کا خطرہ معلوم ہورہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پولینڈ اسی کوشش میں ہے کہ اپنے دونوں پڑوسیوں کو خوش رکھے، وہ خود کوئی اپنی جاندار بیرونی پالیسی نہیں بنا سکتا ہے۔ خاصکر ایسی پالیسی جس کو وہاں کی نئی نسل پسند کرے اور یہ بات یوں اور بڑھ گئی ہے کہ اب ہٹلر نے چیکوسلاوکیا کو اپنے میں ملالیا۔ ہنگری کو اپنے اثر میں لے آیا اور رومانیا کو اپنی مرضی کا تابع بنالیا۔ اب ایک طرف جرمنی کی آہنی دیوار اور دوسری طرف روس کی زبردست شہر پناہ۔ یہ حالت ہے پولینڈ کی۔

پولینڈ کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ہٹلر یہ کرے کہ روسی حکومت کو بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں توڑ دے۔ خاصکر اس کے یورپ والے حصہ کو تو روس بہت کمزور ہوجائے گا اور ان لوگوں کا خیال ہے کہ قومی مفاد کو دیکھتے ہوئے پولینڈ کیلئے یہ بہتر ہوگا کہ ہٹلر کی اس ارادے میں مدد کرے۔

لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ ہٹلر روس پر حملہ کرے اور پولینڈ بیچ میں نہ پڑے اور جبتک پولینڈ پر کوئی ایسا ہی دباؤ نہ پڑے وہ روس پر حملہ کرنیکو تیار نہ ہوگا کیونکہ یہ بات دو طرح سے اس کیلئے مضر ہے ایک یہ کہ پھر روس بھی پولینڈ پر حملہ کرے گا، فوج سے بھی اور اپنے آزادی کے خیالات سے بھی۔ دوسرے اگر پولینڈ نے جرمنی کی مدد کی تو جرمنی کی کامیابی اور یقینی ہوجائے گی، اور اس کی کامیابی کے بعد پولینڈ کی آزادی باقی بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

لوگوں کا خیال ہے کہ جرمنی کے لئے روس تک پہونچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک تو چیکوسلاوکیا، تقریباً روما نیا ہوکر اور دوسرا بحیرہ بالٹک سے ان لوگوں کے خیال میں ہٹلر چاہتا ہے کہ اس کی ڈکٹیٹری کو انلج اور دکھانے کی مدد یوکرین کی طرف سے پہونچے جیسا کہ یہ ملک اسوقت اسٹالن کی مدد کررہا ہے۔ اور اس سے پہلے زار کو مدتوں کھلا چکا ہے۔ زار کے زمانہ میں روس کے کوئلے کا ستائیس فیصدی حصہ اور اب باون فیصدی حصہ یوکرین سے آتا ہے۔

ان حالات میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ پولینڈ کب تک پل صراط پر چلتا رہیگا عام طور پر وہاں کے قوم پرست نوجوانوں کا خیال ہے کہ یہ پالیسی اپنے زمانے

سے زیادہ زندہ رہی اب اسکی ضرورت نہیں۔
لیکن اب بک کو کیا کرنا چاہئیے؟ اسکا جواب اصل میں تو بین الاقوامی حالات دے سکتے ہیں۔ لیکن اس کی رائے کا بھی اس مسئلہ پر بہت اثر پڑے گا کیونکہ اس کی رائے پر مشرقی یورپ کی پالیسی بہت کچھ منحصر ہے۔ اور خاصکر پولینڈ میں تو اس کی رائے کا اتنا اثر ہے جتنا وہاں آج تک کسی وزیر اعظم کی رائے کا نہیں ہوا۔ غالبا ابھی تک کرنل بک کوئی فیصلہ نہیں کر سکے ہیں۔ میونخ کے سمجھوتہ کے بعد سے وہ بڑے بےچین ہیں۔ کیونکہ میونخ کا معاملہ ان کیلئے سخت مایوس کن ہوا۔ کیونکہ پولینڈ کا فرانس سے عہدنامہ ہے جرمنی سے بھی سمجھوتہ ہے اور سوویٹ سے بھی بہتیرے تعلقات ہیں اور چیکوسلاویکیا کے معاملہ میں بھی پولینڈ کا دخل تھا اسپر بھی بک کو چاروں طاقتوں نے نہیں بلایا۔ اس صورت میں وہ کیسے مغربی طاقتوں پر بھروسا کر سکتا ہے۔ ادھر اسیوجہ سے اب فرانس اور پولینڈ کے عہدنامے کو بہت کمزور کر دیا ہے ہٹلر بھی کوئی بھروسہ نہیں کرسکتا کیونکہ اس نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا کہ وہ صرف اپنا بھلا چاہتا ہے اس لئے یقینیا کونا کر ہنگری اور پولینڈ کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی اور اسطرح وہ یوکرین والوں کو صرف اپنے بھلے کیلئے ابھار رہا ہے۔ اس طرح کہنے کو تو جرمنی کی پالیسی غیر مداخلتی ہے لیکن وہ عملاً پولینڈ کو تمام بین الاقوامی حکومتوں سے الگ کئے دے رہا ہے اور اس کو روس سے بھی کوئی صلح نہیں کرنے دیتا اس لئے یہ تو یقینی ہے کہ جرمنی اسکا دوست نہیں بن سکتا۔ اور اگر اسکو چیتایار بنا بھی لیا جائے تو اسپر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔
دوسری طرف روس ہے اس کی شرکت کے معنی ہیں اپنے یہاں کے سرمایہ داروں کو نقصان پہونچانا۔ اسپر اس کی پارٹی کا تیار ہونا مشکل ہے۔
یہ ہے تذبذب کرنل بک کا، دیکھئے کدھر وہ جھکتا ہے۔

رانی گڈالو!

جواہرلال

(آسام میں سیاسی بیداری پھیلانے کا سہرہ اسی کے سر تھا۔ سامراجی حکومت نے ہماری اس بہادر بہن کو ہمیشہ کے لئے جیل کی تاریک کوٹھریوں میں بند کر دیا تھا۔ اب آسام کی ایک خبر ہے کہ وہاں کی کانگرسی حکومت نے وزیر ہند سے ان کی رہائی کے لئے سفارش کی ہے
ہری پورہ کانگرس سے پہلے جواہرلال آسام کے دورے پر گئے تھے انھوں نے رانی گڈالو کے متعلق ایک دیا تھا جسکا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ "اڈیٹر")
سلہٹ میں بھی ناگہ قوم کے لوگ آس پاس کی پہاڑیوں سے مجھے ملنے آئے اور انھوں نے مجھے ایک قصہ سنایا۔ جو ہندستانیوں کو بھی سننا چاہئے۔ اور یاد رکھنا چاہئے یہ ایک نوجوان عورت کی کہانی ہے جو کوہنی کے قبیلہ کی تھی اور ناگ پہاڑیوں کی رہنے والی تھی اسکا تعلق پروہت طبقہ سے تھا۔ اور اپنی برادری کے عام رواج کیخلاف اس نے ایک مشن اسکول میں نویں دسویں درجے تک تعلیم پائی تھی گڈالو اسکا نام تھا۔ اب سے چھ برس پہلے جب تمام ہندستان کی سرزمین پر سول نافرمانی کے شعلے بھڑک رہے تھے اسوقت اس کی عمر تقریبا ۱۹ سال کی تھی۔ گاندھی اور کانگرس کی خبریں اس تک پہونچیں اور اسکے دل پر اثر کر گئیں۔ اور اس کو اپنے ہم وطنوں کی آزادی کا خواب نظر آنے لگا۔ اور غلامی کی سخت زنجیریں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ توڑ دینے کی تمنا پیدا ہوئی۔ اس نے آزادی کا علم بلند کیا اور لوگوں کو اس کے نیچے بلایا۔ غالبا وقت سے پہلے ہی اس نے خیال کر لیا تھا کہ سلطنت برطانیہ ختم ہو رہی ہے۔ لیکن گڈالو۔ اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لینے کے لئے یہ سلطنت اپنے پورے زور اور ظلم کے ساتھ قائم رہی بہت سے گانوں جلا کر تباہ کر ڈالے گئے۔ اور گڈالو کو گرفتار کر کے حبس دوام کی سزا دی گئی۔ اور اب وہ آسام کی کسی جیل میں پڑی اندھیری کوٹھریوں کی تنہائی میں اپنے جوانی کے دن کاٹ رہی ہے۔
جس ہستی نے اپنی جوانی کے جوش میں ایک سلطنت کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا تھا آج چھ سال سے بند ہے۔ اسپر کیسے کیسے ظلم ہو رہے ہیں۔ اور کس کس طرح اسکے ضمیر کو پیسا جا رہا ہے۔ وہ نہ تو اب پہاڑیوں اور جنگلوں میں پھر سکتی ہے۔ اور نہ پہاڑوں کی سرد ہواؤں میں اپنے گانے الاپ سکتی ہے۔ کھلے جنگلوں کی رہنے والی آج اندھیری اور تنگ کوٹھری میں پڑی ہے۔ اور اس کے دل کی حسرتیں گھٹ رہی ہیں۔ شاید ہی دن میں چند گز زمین گھومنے کو مل جاتی ہو۔ ہندستان کو اپنی پہاڑیوں پر رہنے والی اس بہادر بیٹی کی خبر ہی نہیں۔ لیکن اس کے ہم وطن اب بھی پیار اور گھمنڈ سے اسے یاد کرتے ہیں۔ ایک دن آئے گا جب سارا ہندستان یاد کریگا

تنقید و تبصرہ

سالنامۂ ساقی دہلی

ہندوستان کے ادبی رسائل کے معیار کے لحاظ سے ساقی کا شمار اردو کے بہترین پرچوں میں ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ساقی کا سالنامہ ہے جس کی خصوصیات میں رنگین سرورق (جو آرٹ کے فقدان کی کمی کا ثبوت ہے) اور معمولی افسانے (جو اس امر کی دلیل ہیں کہ ہندستان میں افسانہ نگاری کس قدر آسان سمجھی جاتی ہے) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ تنقیدی مضامین میں بھی کوئی معیاری چیز نہیں ہے۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی کا مضمون ایرانی شعرا کی امرد پرستی کی داستان سے زیادہ کچھ نہیں باقی مضامین پڑھنے والوں کے ذاتی ذوق کی غمازی کرتے ہیں نظمیں عموماً پست درجے کی ہیں لیکن ادارۂ ساقی پر اسکی ذمہ داری عائد کرنا سراسر ظلم ہوگا ہماری سماج کی ساخت ہی کچھ ایسی ہے جس میں اچھے لکھنے والے پیدا نہیں ہو سکتے اور اگر اتفاق سے کوئی پریم چند یا اقبال منظر وجود میں آ گیا تو اس کی ذہنی علاحدگی کا اعتراف کرنا سماج کے نزدیک جرم ہے۔ ایسے ماحول میں رسالہ نکالنا اور اسے برابر جاری رکھنا ہمت کا کام ہے جس پر ادارۂ ساقی مبارکباد کا مستحق ہے۔

(ا ع - س - ج)

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۴۰۵ سنہ ۱۹۳۸ء ابتدائی خفیفہ

بعدالت جناب منصف صاحب بہادر گونڈہ مقام گونڈہ

کندمی عمرہ سال ولد بدلو قوم تقال پیشہ دوکانداری ساکن موضع بالپور بازار پرگنہ بہادرپور ضلع گونڈہ مدعی

بنام

لالتا پرشاد ولد رام اوتار قوم گہرولک پیشہ کھیتی ساکن موضع بالپور پرگنہ و ضلع گونڈہ مدعا علیہ

بنام - لالتا پرشاد

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ۱۴ روپیہ اصل معہ سود قرضہ تمسکی کی دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۱ ماہ فروری سنہ ۱۹۳۹ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تمکو لازم ہے کہ اپنے جواب دعویٰ کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز انکو پیش کرو۔ مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۴ ماہ فروری سنہ ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم

علامہ اقبال

کی

زندہ جاوید اور بے مثال شخصیت کو سمجھنے کے لئے مکتبہ جامعہ کا سنہ ۱۹۳۸ء میں بہترین کارنامہ

جوہر اقبال

ہندوستان کے چوٹی کے ارباب علم و فضل ڈاکٹر ذاکر حسین - ڈاکٹر عابد حسین - مولوی عبدالحق - سید سلیمان ندوی - مہاتما گاندھی - سر سپرو - سر اکبر حیدری - پروفیسر محمد مجیب - پروفیسر رشید احمد صدیقی اور غلام السیدین کے مضامین و بیانات کا مجموعہ جو انھوں نے ڈاکٹر صاحب کی وفات حسرت آیات سے متاثر ہو کر لکھے ان مضامین میں اسکے علاوہ علامہ مرحوم کی شاعری کے محاسن پر بھی بحث کی گئی ہے۔

کاغذ اور طباعت بہترین اور خاصی ضخیم کتاب۔

قیمت فی جلد

ایک روپیہ آٹھ آنہ

مکتبہ جامعہ - دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ

غریب مسلمان کدھر جائیں

(مصنفہ ذوالفقار سندیلوی بی اے)

عوامی طاقت کے کام کو آگے بڑھانے کیلئے ضروری ہے کہ عوام کے سامنے اس قسم کا لٹریچر پیش کیا جائے جس کو وہ اس دنیا کی باتیں سمجھ سکیں - اور کانگریس میں شامل ہونیکی صحیح غرض و غایت جان سکیں - اس سلسلہ میں غریب مسلمان کدھر جائیں ایک قابل قدر اور بصیرت افروز رسالہ ہے۔ آپ اسکو زیادہ سے زیادہ تعداد میں منگا کر مسلمان بھائیوں میں تقسیم کیجئے قیمت ایک کاپی ایک آنہ۔ پچاس کاپی تین روپیہ سو کاپی چھ روپیہ نمونہ کیلئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجئے۔

ملنے کا پتہ - صوبہ کانگریس کمیٹی لکھنؤ - (یو پی)

انگلستان مین دہشت انگیزي کا دور دورہ

پولیس بجلي اور گیس کے تمام کارخانون پر پہرہ دے رهي هے

راک فلر کے لوهے کے کارخانے کے مزدور

لگاتار محنت سے چور مزدور چهٹي پاکر سات منزلہ کارخانے کي چهت پر سے شہر کي روشني اور چہل پہل سے دل بہلا رہے هین

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings Qaisarbagh, Lucknow.

روپیه کا بندوبست

آپ نے اپنی اولاد کي تعلیم یا شادی کے لئے روپیه کا جو بندوبست کیا هے کیا
آپ کو اس پر بھروسا هے ؟

همارا مستحکم قومی ادارہ سارے ملک مین پھیلا هوا هے

آج سے ٦۸ سال پهلے سنه ۱۸۷۱ع مین قائم هوا تھا

اس کی آمدني پچاس لاکھ سالانه سے زیاده هے

اسکی قسطین چھوٹی هین—پالسی جلد ضبط نهین هوتی

معذور هو جانے پر مدد کی جاتي هے—بونس کي پوري ضمانت هے

یه سوسائٹی آپ کی سب مالي مشکلین حل کردیگي—آپ اس پر بھروسا کیجئے

بمبئی میوچول لائف انشورنس سوسائیٹی لمیٹڈ

۳ بشیشر ناتھه روڈ قیصر باغ لکھنو

یه اشتهار بار بار شائع نه هوگا تاریخ مین هرگز تبدیلی نه هوگي

مبلغ دس هزار روپیه نقد انعام

هر کام انصاف اور ایمانداری سے هوگا—تجربه شاهد هے—آزمائیے

انعامات—پهلا انعام مبلغ سات هزار روپیه اس شخص یا اشخاص کو دیا جائیگا—جو بالکل درست حل بھیجینگے دوسرا مبلغ دو هزار روپیه اس شخص کو دیا جائیگا—جسکا صحیح حل همارے دفتر مین سب سے پهلے موصول هوگا—تیسرا انعام مبلغ ایک هزار روپیه سب سے زیاده حل بھیجنے والے شخص کو دیا جائیگا—

۱۹	٦	۲۰
۱۸	۱۴	[illegible]
۸	۲۲	۱۲

حل کیا کرنا هے—سامنے دئے هوئے نو خانه مربع مین ایک سے لیکر ایکصد تک کے هندسون کو اس طرح رکھئے که تین هندسون کی لائین کو خواہ کسی طرف سے لوین جواب پچاسی آئے—دئے هوئے هندسون کي جگه، تبدیل نهین کی جاسکتی—صفر اور بٹه استعمال نهین هوسکتا—کوئی هندسه دوباره استعمال نه هوگا—

شرائط—فیس داخله هر حل کے لئے ۸ آنه حل کے حساب سے بذریعه منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر آنا چاهئے—منی آرڈر کوپن پر اپنا پته لکھنا لازمی هے—حل سفید کاغذ پر بھی بھیجے جاسکتے هین—حل معمه سر بمهر کرکے ایڈیٹر صاحب کے پاس رکھدیا گیا هے—حل ۱۵ فروری تک ڈاک مین ڈال دینے چاهیئن—اس کے بعد کوئی حل منظور نه هوگا—صحیح حل ۲۰ فروری کو اخبارات مین شائع کردیا جائیگا—جنرل منیجر صاحب معمه کا فیصله قطعی اور قانونی طور پر واجل تسلیم هوگا—اس کمپنی کی یه واضح شرط هے—نتیجه کے لئے ۱ آنه کا ٹکٹ آنا لازمي هے—اور انعام کی رقم بعد وضع اخراجات بالکل ٹھیک حل کرنے والے ان اشخاص مین تقسیم کی جاویگي—جن کے حل همارے سر بمهر حل سے هو بهو ملینگے—انعام کی تقسیم موصول شده حلون کي تعداد کے مطابق هوگی—گارنٹي—هر صحیح حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیه انعام ضرور ملیگا—اور سب سے زیاده حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیه کي گارنٹي هے—هر ایک شخص ایک یا مختلف اسم کے جتنے حل چاهے بھیج سکتا هے—

حل اور منی آرڈر بھیجنے کا پته—

منیجر دی رائل ریگل وکٹوریه کمپني (کمپي ٹیشن ڈیپارٹمنٹ نمبر ۱۳)

سانڈهوره (پنجاب)

هندستانی نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات الله انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باهتمام سید محمد ذکی پرنٹر مدنالمطابع برقی پریس لکھنو سے چھپوا کر بشیشر ناتھه روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

ہندوستان

جلد ۳—نمبر ۸ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار—لکھنؤ ۱۹ فروری ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

سبھاش چندر بوس کے دوبارہ چناؤ سے صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس پر غور کرنے کیلئے تمام صوبوں کے لیڈر کلکتہ میں جمع ہوئے

ریاستی تحریک کی بنیاد

فرانس کے انقلاب نے سارے یورپ کے عوام کو چونکا دیا تھا۔ ہر ملک میں اصلاح اور حقوق کی آوازیں اٹھنے لگیں۔ پہلے تو حکمرانوں نے ان آوازوں کو کچلنا چاہا۔ لیکن جیسی جیسی عوام پر سختیاں ہوئیں اتنا ہی ان کی طاقت بڑھتی گئی۔ آخر ہر ملک کے حکمرانوں کو اپنے عوام کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور انکو کچھ نہ کچھ حقوق دینا پڑے۔

جو کام فرانس کے انقلاب نے یورپ میں کیا تھا۔ وہی کام کانگرس کی تحریک نے ہندستان میں کیا ہے۔ کانگرس کی تحریک کہنے کو تو صرف سیاسی ہے مگر یہ ایسی سیاست ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر اثر ڈالتی ہے۔ اس نے ہندستانیوں کے دماغوں کو بہت سی پرانی زنجیروں سے آزاد کرایا اور انکی نگاہوں کے سامنے ایک سنہرا دیس بسا دیا۔ جو دلوں کو موہ رہا ہے۔ اور اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔

ہزاروں برس سے کچلے کچلائے۔ امیروں، راجاؤں، اور سرمایہ داروں کے غلام، کروڑوں انسانوں کا ٹڈی دل آگے بڑھ رہا ہے یہ اپنی زندگی کو ہر رخ سے درست کرنا چاہتا ہے۔ اس سمندر کی لہریں ہندستانی زندگی کے ہر رخ پر چھا گئیں۔ ادب، سینما، ناچ گانا، لباس، جلسے، کتابیں، تعلیم، مذہب مختصر یہ کہ ساری زندگی آگے کو بڑھ چلی۔

ناممکن تھا کہ سارے ہندستان میں ایک زلزلہ آئے اور کوئی ریاست اس سے بچی رہے کانگرسی لیڈر ریاستوں میں نہیں گئے مگر اس سے کیا؟ ریاست کے سیکڑوں نوجوان تو برطانوی ہند میں آئے اور برطانوی ہند کے سیکڑوں نوجوان وہاں گئے۔ اس کے علاوہ ادب، سینما، اور ترقی کے دوسرے پیامبر تو ریاستوں میں پہنچے۔ ایسی حالت میں یہ ناممکن ہے کہ ریاست والوں کے دماغ پر کچھ اثر نہ ہو۔

ریاست میں اثر ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ وہاں والے زیادہ بندشوں میں ہیں۔ کتنے اخبار اور کتابیں ایسی ہیں جو برطانوی ہند والے پڑھ سکتے ہیں، اور ریاست والے نہیں پڑھ سکتے ریاست میں لوگ چلنے پھرنے، خیالات سمجھنے سمجھانے، جلسہ کرنے، اور اپنی بات کو پھیلانے کی کسی بات کی بھی تو آزادی نہیں

اس آزادی کو چھیننے والا کون ہے؟ انسانوں میں کا ایک انسان جو کسی وجہ سے ایسے باپ کا بیٹا ہے جو راجہ تھا، ریاست کا کوئی شخص کیوں اس کی تابعداری کرے؟ صرف اس لئے کہ اگر تابعداری نہیں کریگا تو اس کو بہت سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب تک ملک میں آزادی کی لہریں نہیں دوڑ رہی تھیں، ریاست کا انسان راجاؤں کے حق خداداد کا قائل تھا، لیکن جب اس نے الگزن ۱۹۳۸ء میں برطانوی سامراج کا سا کھ گرنے کا تماشا دیکھا، تو سمجھ لیا کہ ملک عوام کا ہے طاقت عوام کی ہے۔ اور حکومت عوام ہی کی ہو کر رہے گی

اس کے بعد یہ امید کرنا کہ ریاستی باشندے ویسے ہی کچھ بیٹھے رہیں گے سخت بے وقوفی ہے۔ جو شخص ایسا خیال کرتا ہے۔ وہ اس کا دماغ اس دنیا میں نہیں، بلکہ ہزار سال پہلے کی غلامی کی دنیا میں رہتا ہے

ہر ریاست میں پہلے سے آزادی کی خواہش ابل رہی تھی، اور مختلف رنگوں میں ظاہر ہو رہی تھی۔

ہری پورہ کی قرارداد نے انکو تیزی سے آگے بڑھا دیا۔ [illegible] نے سیدھا راستہ اختیار کیا، اور بیسیوں ریاستوں میں تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اس تحریک کا مطالبہ یہ ہے کہ ریاستوں کے انتظام میں عوام کا دخل ہو انکو پوری آزادی میسر ہو اور وہ اپنے [illegible] ہوئے روپیہ کا خرچ دیکھ بھال سکیں۔ یعنی ذمہ دار حکومت۔

یہ مطالبہ اور حالات بتاتے ہیں کہ عوام اور راجہ کی لڑائی کی وجہ راجہ کا مذہب نہیں ہے اگر راجہ اپنا مذہب [illegible] جاری رہے گی۔ اگر حضور نظام اور مہاراجہ [illegible] تب بھی اس تحریک پر کوئی اثر نہیں [illegible] چلتی رہے گی — کیوں کہ ان باتوں سے عوام کی مشکلیں نہیں دور ہو سکتی ہیں :—

ریاستی تحریک کی بنیاد	ایڈیٹر	۳
جواہر لال کا خطبہ صدارت		۴
نوٹ چلتے چلاتے	[illegible]	۶
فریاد (نظم)	عرش تیموری	۷
جے پور کا محاذ		۸
خبریں		۱۱
برطانوی سامراج اور کسان	منظر رضوی	۱۵
سبھاش چندر بوس کے چناؤ پر لندن کی چہ میگوئیاں		۱۶
پیاری موت (افسانہ)	عبدالکافی اوّل	۱۷

اعلان محرم اور ہولی کی وجہ سے ۵ مارچ کا ہندستان نہیں شائع ہو سکیگا۔ ایجنٹ صاحبان نوٹ کر لیں۔ منیجر

جواہرلال کا خطبۂ صدارت لدھیانہ ریاستی کانفرنس میں

ساتھیو!

برسوں سے ریاستی عوام کی اس کانفرنس کے سالانہ اجلاس ہوتے آئے ہیں، اور ان میں ریاستی مسئلوں پر بحث ہوتی رہی ہے، اور برسوں سے یہ کانفرنس ریاستوں کی شخصی حکومت بیجا دباؤ، اور بدانتظامیوں کے خلاف آواز اٹھاتی رہی ہے۔ اس کانفرنس کی ان کوششوں کا، اور اس سے زیادہ کانگرس کی تحریکوں کا پھل آج مل رہا ہے، ایک زمانے کے بعد جب ہندستان کی تاریخ لکھی جائے گی تو ۱۹۳۸ء بیداری کا سال بنکر اس میں چمک اٹھے گا لیکن اس زمانے کے مورخ کو اس بیداری پر اتنی حیرت نہیں ہوگی جتنی کہ اس بات پر کہ ریاستوں کے لاکھوں اور کروڑوں باشندے کس طرح پشتہا پشت سے بیجا دباؤ، خونخوار ظلم اٹھاتے رہے اور خاصکر اس دور میں جبکہ اسطرح کا راج تمام دنیا میں مٹ چکا تھا،

۱۹۳۸ء ختم ہوا اور اب ہم ۱۹۳۹ء میں آ گئے۔

۱۹۳۸ء کی بیداری

آزادی کی لڑائی میں تیزی آ گئی ہے اور سارا ہندستان ریاستوں کی طرف ہمدردی سے تک رہا ہے۔ ایسے اہم موقع پر آپ نے مجھے صدارت کے لئے بلایا، اور میں نے خوشی سے اسے قبول کر لیا۔ میرے قبول کرنے کی وجہ صرف یہی نہیں کہ مجھے ریاستی عوام کی آزادی سے دلچسپی ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ میں برطانوی ہندستان کے عوام کی ہمدردی کا پیام لیکر آیا ہوں۔ اور آزادی کے ان دونوں ساگروں کو ملانے آیا ہوں۔

کانگرس کی ریاستی پالیسی

پچھلے برسوں میں لوگوں نے کانگرس کی ریاستی پالیسی پر بڑے بڑے اعتراض کئے۔ جانبداری اور غیر جانبداری پر بڑی بڑی بحثیں ہوئیں، لیکن وہ سب بحثیں اب فضول ہو گئیں جیسے اس پالیسی کی بعض بعض باتوں کو ناپسند کیا تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ جن اصولوں پر یہ پالیسی بنی تھی وہ بالکل درست تھے جیسا کہ واقعات نے آج ثابت کر دکھایا ہے کہ ملک میں بڑی تبدیلیاں اور انقلاب لانے کیلئے جو پالیسی ہو اسے واقعات اور حالات سے ذرا بھی دور نہ ہونا چاہئے۔ اور جیسے جیسے حالات اور واقعات بدلیں اسکو بھی بدلتے رہنا چاہئے۔

بڑے بڑھے الفاظ اور زبردست قراردادیں جو واقعات اور حالات سے الگ ہوں ایسی فضا نہیں پیدا کرتیں جس میں انقلاب پھلتا پھولتا ہے۔ ہم نہ تو حالات کو پیدا کر سکتے ہیں، اور نہ جبتک عوام خود نہ تیار ہو جائیں، ہم کوئی عوامی تحریک چھیڑ سکتے ہیں۔ کانگرس اس اصول کو جانتی تھی، اور یہ بھی جانتی تھی کہ ریاستی عوام ابھی لڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے سب سے اچھی ترکیب یہی تھی کہ باہری تحریکوں سے ریاستی عوام کو متاثر کیا جائے۔

ہری پورہ کی قرارداد سے کانگرس کی ریاستی پالیسی کی تاریخ میں ایک نیا باب کھلتا ہے۔ اس نے یہ مان لیا کہ جس آزادی کے لئے ہم لڑ رہے ہیں اس میں سارے ہندستان کا ایک ہو جانا ضروری ہے۔ اور ریاستوں میں بھی وہی سیاسی، سماجی، اور اقتصادی آزادی ہونا چاہئے۔ جو ہندستان کے دوسرے حصوں میں ہے کانگرس نے ظاہر کر دیا کہ وہ ریاستوں میں ذمہ دار حکومت اور سول آزادی کی حامی ہے اور اس کو حق ہے کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے میں ریاستی عوام کی مدد کرے۔ گویا "غیر جانبداری" کا سوال ہی اٹھ گیا۔ کیونکہ جبکہ کانگرس سارے ہندستان کی نمائندگی کرتی ہے وہ کوئی ایسی پابندی نہیں ہو سکتی کہ فلاں حصے میں کام کرے اور فلاں حصے میں کام نہ کرے۔ یا کچھ لوگوں میں تحریک چلائے اور کچھ لوگوں میں نہ چلائے اب یہ کام کانگرس اور عوام کا ہے کہ وہ طے کریں کہ کہاں کہاں اور کس زمانے میں کام کرنا مناسب ہے۔ کہاں کہاں دخل دینا چاہئے اور کس پالیسی پر چلنا چاہئے۔ تاکہ انکو آسانی سے کامیابی ہو۔

کانگرس جانتی تھی کہ ریاستی عوام کا پیچھے رہ جانا اس کی تحریک میں ایک سخت رکاوٹ ہے۔ وہ انکو ساتھ لے چلنے کے لئے تیار تھی۔ لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ جب تک ریاستی عوام خود اپنی تحریک چلانے کے قابل نہ ہوں، انکو آگے ٹھیلنا ناممکن ہے۔ اس لئے اس نے ریاستی عوام کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا مشورہ دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو غلطی کرتی، کیونکہ تب وہ ریاستی عوام کو جھوٹی امیدوں میں ڈال دیتی۔

کانگرس کی سمجھداری میں اب کوئی شبہ نہیں۔ اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمام ریاستوں میں بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے، اور کہیں کہیں تو زبردست عوامی تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ اور ریاستی عوام سارے ہندستان کے ساتھ ساتھ چلنے کے لئے بیچین ہیں۔ اب وہ ہماری راہ میں روک نہیں اب وہ ہندستان کی لڑائی کو تیز کر رہے ہیں اور ہماری قومی لڑائی پر ان کی لڑائی چھائی ہوئی ہے اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ان سب چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو ایک بنا دیا جائے اور ان سب کو ہندستان کی بڑی لڑائی میں ملا دیا جائے، ہندستان کی یہ سب لڑائیاں الگ الگ نہیں ہیں، آزادی کی لڑائی کے یہ الگ الگ دھارے ہیں۔

گاندھی جی اور ریاستیں

اب وہ وقت ہے کہ ہندستان کا سب سے بڑا نمائندہ جو ہمیشہ ریاستوں کی آزادی کا خواب دیکھتا رہا ہے، اور اس کو

اٹلی فرانس کی جان پر

کاٹالانیا جمہوریہ کے ہاتھ سے گیا۔ اور ڈاکٹر نگرین، اور دوسرے رہنمایان
سب بھاگ کر فرانس میں آگئے۔ ان کے ساتھ تین لاکھ ہسپانی سپاہی بھی بھاگ گئے
ہیں۔ اب فرانس کے لئے ان کو ٹھہرانے اور کھلانے کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔ مگر
اس سے زیادہ پیچیدہ ایک مسئلہ اور ہے۔ وہ یہ کہ
مسٹر گیلاڈا نے یہ کہا ہے کہ جنرل فرانکو کی فتح اسوقت تک پوری نہیں
ہو سکتی، جب تک، دو لاکھ کمیونسٹ جو فرانس بھاگ گئے ہیں تتر بتر کر دئے
جائیں۔ اور جب تک ہسپانی جمہوریہ حکومت کے افسروں اور اس کے فوجی افسر بھی
نہ ٹھکانے لگائے جائیں۔ اور نہ خاموش کر دئے جائیں۔ اس دھمکی کا فرانس کے
پاس کیا جواب ہے؟

افریقہ میں دھمکی

اس سے زیادہ نازک مسئلہ یہ ہے کہ فرانکو کی اطالوی فوجیں اسپین میں
بڑھتے بڑھتے اب فرانس کی سرحد پر آپہنچی ہیں اور دوسری طرف مسولینی کی
خاص فوجیں پیرینیز تک آگئی ہیں۔ اس طرح اب فرانس کو دو طرف سے
اطالوی فوجیں دھمکا رہی ہیں۔
یہ تو قصہ ہے یورپ کا۔ افریقہ میں فرانس کی حالت درست نہیں ہے
خبر ہے کہ اطالوی فوجیں بڑی ہی تیزی سے لیبیا کو روانہ ہو گئی ہیں۔ اور پہلے
سے لیبیا کی اس سرحد پر جو ٹیونس سے ملتی ہے تیس ہزار فوجیں جمع ہیں
صاف ظاہر ہے کہ اس سے ٹیونس کو دھمکانا مقصود ہے۔ ایک اور خبر ہے کہ
اطالوی جہاز برطانوی اور فرانسیسی صومالی لینڈ کے پاس جمع ہو رہے ہیں۔
اس ڈرانے دھمکانے کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اٹلی
نے جو مطالبے فرانس سے کئے تھے، وہ پورے کئے جائیں وہ مطالبے
یہ تھے:-
(۱) ٹیونس میں اٹلی کو اختیارات دئے جائیں کہ وہ وہاں قلعہ بندی کر سکے
اور ٹیونس کے اطالوی باشندوں کو خود مختاری دیجائے
(۲) جبوتی میں ایک بندرگاہ دیا جائے، اور جبوتی، ادیس ابابا، ریلوے
جو فرانس کی ہے اٹلی کو دیدی جائے۔
(۳) سوئز کے انتظام میں اٹلی کا دخل رہے۔
(۴) صومالی لینڈ میں اٹلی کو فوجی مرکز بنانے کی اجازت ہے
اٹلی کے اخبارات فرانس کو ان مطالبوں کے نہ منظور کرنے پر بڑی سخت
سخت دھمکیاں دیرہے ہیں

چلتے چلاتے

—— تماشائی

کانپور کے فساد سے منطق کی جڑ مضبوط ہوگئی۔ لوگ کہتے تھے کہ زید نے
بہاری کو مارا اور بہاری نے عمرو کو مارا اس لئے زید نے عمرو کو مارا۔
منطقی کہتے تھے کہ نتیجہ غلط ہے مگر غلطی لوگوں کے سمجھ ہی میں نہیں آتی
تھی۔
کانپور میں بہاری کو لٹھ مار کر زید غازی بن جاتا ہے اب اگر اس سے کہو
کہ جو لٹھ تم نے بہاری کو مارا تھا اسی کے بدلہ میں بہاری نے عمرو کو لٹھ مارا اس لئے
تم ہی نے عمرو کو لٹھ مارا۔ تو معلوم ہے اس منطقی اصول کی سزا کیا ملے گی؟
ایک لٹھ——

بقیہ ۴۴

چاہتا ہے۔ لیکن اگر چہ پھر اسوقت کافی گھٹائیں چھائی ہیں مگر دور دیر
امید کی کرن چمک رہی ہے۔ ہم جو اس جد وجہد کا بار اٹھا رہے ہیں سخت
ذمہ داری میں الجھے ہوئے ہیں۔ جس کے لئے ہم کو ہمت اور سمجھ کی ضرورت ہے
سخت الفاظ سے ہمارا بھلا نہیں ہوگا۔ بلکہ اکثر تو یہ الفاظ کمزوری کی نشانی
ہوتے ہیں۔ اسوقت کام کی ضرورت ہے ایسا کام جو سوچ سمجھ کر کیا جائے،
اور جو ہم کو منزل سے قریب کردے ۴۴

۴۴ چھوٹے چھوٹے فائدے، اور نفع ہم کو کچھ دنوں کے لئے کبھی کبھی بہا
سکتے ہیں۔ لیکن اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ کبھی کبھی جوش میں آکر ہم اپنے اصول
بھلا بیٹھتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنا اپنے کو تباہ کرنا ہے۔ ہمارا کام بڑا ہے۔ اس لئے
ہمارے طریقوں میں بھی نیچی بات نہ ہونا چاہئے۔ ہم بڑی بازی لگا رہے ہیں
ہم کو اسکے لائق ہونا چاہئے بڑے کام اور چھوٹے آدمیوں کا جوڑ نہیں۔

ریاستی جد وجہد ہندستان کی بڑی جد وجہد کا ٹکڑا ہے! ریاستوں کی
آزادی کا مسئلہ بہت بڑا مسئلہ لیکن پھر بھی یہ ہندستان کی آزادی کے مسئلہ کا ایک
ٹکڑا ہے۔ اور جب تک ہندستان کو آزادی مل نہ جائے۔ ہماری جد وجہد
جاری رہے گی اگر ہم پر فیڈریشن لادا گیا تو ہم سب لڑیں گے، اور اس کو ختم کرینگے
جہاں کہیں بھی برطانیہ رعایا کے بیچ میں پڑے گی ہم سب اسکا مقابلہ کرینگے
وقت قریب ہے جب ہم اپنی منزل پر پہونچ جائیں گے یعنی کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی
جس میں سارے بالغ ہندستانیوں کے نمائندے ہوں گے، اور جو آزاد جمہوری
ہندستان کا دستور بنائے گی۔

کانفرنس کا کام ریاستی عوام کی کانفرنس نے گذشتہ زمانے میں بہت کچھ کام
کیا ہے لیکن وہ جتنا کر سکتی تھی اس کا ایک ٹکڑا ہے۔ اب
اسکو تمام بکھری جد وجہدوں کو منظم کرنا چاہئے۔ اور تمام ریاستی جھگڑوں کو
ہاتھ میں لینا چاہئے اس کو ہر جانڈلال یا ریاستی عوام کی کانفرنس کو منظم کرنا چاہئے
اس کو اپنی تحریک کو فرقہ واری سے ہٹا کر چلانا چاہئے، اور سمجھ لینا چاہئے
کہ جد وجہد کا بنیادی اصول عدم تشدد ہے۔
یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہماری جد وجہد میں کانگریس ہماری ساتھی
ہے اور اس کے بڑے بڑے لیڈر ہمارے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور سب سے زیادہ خوشی
کی بات یہ ہے کہ گاندھی جی ہماری رہنمائی کرنے کو اور ہماری ہمت بڑھانے
کو ہمارے ساتھ ہیں۔

فریاد

عرش تیموری

تھرتھراتی تھیں شعاعیں آسماں پر نور کی
ہر ستارے سے درخشاں تھی تجلی طور کی

آمد و رفت ملک سے تھیں کہیں پرچھائیاں
لوٹی پھرتی تھیں عروسوں کی کہیں رعنائیاں

وہیں تھا بزم انجم غم و ہم کا زوال
تھا کمال ہند کی سجدوں میں [illegible]

جلوہ گر تھا عرش پر یزدان بصد عز و وقار
[illegible]

دفعتہ حوروں کے جھرمٹ سے کوئی آنے لگا
اور بے تابانہ [illegible]

آسماں گرجا پھٹے بادل کہ لو وہ آ گئی
ایک عورت تھی [illegible] لیکن [illegible]

اک صدا گونجی کہ اے بندی تو کیوں ناشاد ہے
عرض کر اے چاند بی بی کیا تری فریاد ہے

سر بسجدہ ہو کے بولی یوں زن مردانہ وار
اے خدائے پاک اے سارے جہاں کے کردگار

سن رہی ہوں بزدلان ہم وطن ہیں بے قرار
ڈھونڈتے پھرتے ہیں قوتِ سحر کا اپنے آثار

سن رہی ہوں بادۂ ہمت سے ہیں خالی ایاغ
حریت کا ان کے دل میں بجھ گیا روشن چراغ

سن رہی ہوں ہند کے فرزند ہیں عزت فروش
سن رہی ہوں قائدین ہیں بہت ملت فروش

سن رہی ہوں کر رہے ہیں باہمی غداریاں
ہر طرف ہیں بھائیوں کے دفن کی تیاریاں

سن رہی ہوں مانگتے ہیں قوم فاتح سے حقوق
اور اس جرأت پہ اپنی رکھتے ہیں [illegible]

سن رہی ہوں زن کی قوموں میں نہیں انکا وقار
ہیں نگاہوں میں جہاں کی خائن و بے اعتبار

ان کے سر پر ہی حقوق قوم کا بار گراں
جو زمیں پر پاؤں دھرتے ہیں سمجھ کر آسماں

میری رگ رگ میں ہوئی جاتی ہے غیرت موجزن
کھینچتا ہے سوئے دنیا جذبۂ حبِّ وطن

جسم گو ہر چند میری زندگی آزاد ہے — پھر بھی روح پاک وقف نالہ و فریاد ہے

سعی کی طالب ہوں جنت سے مجھے آزاد کر — ہند کے فردوس سے یہ خلد بریں آباد کر

چاہتا ہے دل سکوں ہندمیں ڈالوں خلل — سارے پروانوں کو دوں پھر دعوت جوش و عمل

جے پور کا محاذ

جے پور اور راجکوٹ آج ہندستانی ریاستوں کے واسطے ایک نمونہ بن گئے ہیں، ان دونوں ریاستوں کے راجاؤں نے نہیں بلکہ ان کے مشیر کاروں اور انگریز افسروں نے جو حضور والسرائے کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اسی میں ہندستانی قوم کی بھلائی سمجھتے ہیں ریاستی عوام کے لئے زندگی دوبھر کر رکھی ہے۔ آئے دن ظلم پر ظلم توڑے جا رہے ہیں ہر قسم کی سیاسی کارروائیوں پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور سامراجی مشیر اس فکر میں ہیں کہ عوام میں کسی طرح کی سیاسی ذہنیت نہ پھیلنے پائے، راجکوٹ میں شریمتی کستوربا گاندھی اور مس مانی بین پٹیل گرفتار ہو گئی ہیں دس دس اور بارہ بارہ برس کے لڑکوں پر بڑے بڑے مظالم کئے جا رہے ہیں۔ انھیں برہنہ کر کے زدوکوب کیا جاتا ہے اور ڈاکٹروں کو انکی مرہم پٹی کی اجازت تک نہیں دی جاتی۔

جے پور میں بھی سامراج اپنے اصلی روپ میں نظر آ رہا ہے پرجامنڈل کو غیر قانونی قرار دیدیا گیا ہے۔ اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر سیٹھ جمنالال بجاج کو جو جے پور پرجامنڈل کے صدر بھی ہیں اپنی ریاست میں داخلہ کی ممانعت کر دی گئی ہے وہ دو دفعہ سیٹھ جی کو گرفتار کر کے ریاست کے باہر لاکر چھوڑا جا چکا ہے۔ اور شاید اس مضمون کے شائع ہونے سے پہلی ہی جمنالال جی جیسا کہ انھوں نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا ہے۔ ریاست کی قانون شکنی کے لئے تیسری بار روانہ ہو چکے ہوں گے، دوسری بار تو ان پر پولیس نے اتنی زیادتی کی جسے ہندستانی قوم کسی طرح نہیں برداشت کر سکتی

. . . .

ہم پہلے جے پور پرجامنڈل کی ابتدا اور اس کی درجہ بدرجہ ترقی کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کریں گے۔ جے پور کے عوام میں بیداری کے آثار پہلی مرتبہ ۱۹۳۱ء میں نظر آئے ریاست کی طرف سے غلہ کی درآمد پر محصول لگا دیا گیا جس سے عوام کی غریبی میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور آخر کار انھوں نے اپنی مانگیں پوری کرنے کے لئے ہڑتال کر دی جے پور شہر کا تمام کاروبار سات دن تک بند رہا اور عوام بہادری کیساتھ اپنے مورچہ پر جمے رہے اسی ہڑتال کے بعد پرجامنڈل وجود میں آیا۔ آج ریاست پرجامنڈل کو امن عامہ کے لئے نقصان دہ بتاتی ہے لیکن شروع میں پرجامنڈل انسپکٹر جنرل پولیس کی رضامندی ہی سے قائم کیا گیا تھا، اور انتظامی کونسل نے بھی اس کے خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا، اس زمانہ میں جتھابندی پر کسی قسم کی کوئی قانونی پابندی نہیں تھی۔ ذمہ دار حکومت کا مطالبہ بھی کوئی ۱۹۳۹ء کی چیز نہیں ہے اب سے آٹھ برس پہلے ۱۹۳۱ء ہی میں پرجامنڈل کے زیر اہتمام ایک عام جلسہ میں ریاستی حکام کے سامنے ذمہ دار حکومت کا مطالبہ پیش کیا گیا تھا، حال ہی میں مہاراجہ بیکانیر نے اپنے راجہ بھائیوں کے سامنے عوام کی بیداری کا رونا روتے ہوئے فرمایا ہے کہ کانگریس برطانوی ہند کے صوبوں میں برسر حکومت آجانے کے بعد اب ریاستوں میں بھی اپنا اثر جمانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن مہاراجہ صاحب اور ان کے بھولے بھالے ساتھیوں سے اس کے علاوہ اور امید بھی کیا کی جا سکتی ہے؟

۱۹۳۶ء میں پرجامنڈل کو پھر سے ترتیب دیا گیا اور اگرچہ اس کے اغراض و مقاصد میں ذمہ دار حکومت کا مطالبہ صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا گیا تھا لیکن ریاستی حکام کو اسوقت تک ہمیں نقض امن کا کوئی خطرہ نہیں نظر آیا اور انھوں نے اسے غیر قانونی جماعت نہیں قرار دیا، انھوں نے سمجھا کہ چونکہ ریاست میں کوئی عام جلسہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے پرجامنڈل کی تحریک بھی جلد ہی ناکارہ ہو کر ختم ہو جائے گی۔

مارچ ۱۹۳۸ء میں پرجامنڈل کی ورکنگ کمیٹی نے منڈل کا ایک کھلا اجلاس کرنے کا فیصلہ کیا اور پریس میں اس کی کافی اشاعت کی گئی۔ اب ریاستی حکام کو محسوس ہوا کہ اندر ہی اندر رعایا میں سیاسی بیداری کا مرض پھیلتا جا رہا ہے چنانچہ اسکو کچلنے کے لئے انھوں نے ۲۹ مارچ کو پبلک جماعتوں کی دیکھ بھال کا ایک قانون نافذ کر دیا جس کی رو سے کوئی پبلک جماعت بنانے سے پہلے ریاستی حکومت سے اجازت لینا ضروری ہو گیا۔ اور جو جماعتیں پہلے ہی سے موجود ہیں انکے لئے بھی تین مہینہ کے اندر دوبارہ اجازت حاصل کرنا لازم ہو گیا کسی جماعت کے کسی ممبر یا ملازم کی طرف سے اس حکم کی خلاف ورزی ہونے پر اس کے لئے دو سال کی قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا رکھی گئی، وزیر اعظم کے اختیارات بڑھا دئیے گئے اور انھیں یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ جس شخص کو چاہیں ریاست میں داخل

ہونے کی مانعت کر دیں ۔ ریاستی احکامات میں صاف طور پر بتادیا گیا کہ جس جماعت کو ختم ہو جانے کا حکم دیدیا گیا ہو اگر وہ کوئی جلسہ کرے تو وہ جلسہ بھی غیر قانونی ہوگا ۔

ہر ایک نے یہ محسوس کیا ریاست کا نشانہ خاص طور سے پرجامنڈل ہی پر ہے اور یہ احکام صرف اس لئے جاری کئے گئے ہیں کہ پرجامنڈل کو ابتدا ہی میں کچل دیا جائے ۔ اسی سلسلہ مسٹر بی سی ایل اگروال ۔ پنڈت ہیرالال شاستری اور شری کپور چند پٹنی نے جے پور کے انسپکٹر جنرل پولیس سے ملاقات کی، اور انسپکٹر جنرل نے انھیں یقین دلایا کہ ریاست میں سیاسی جماعتیں بننے پر دربار کو کوئی اعتراض نہیں ہے، اور پبلک جماعتوں کی دیکھ بھال کے قانون کا منڈل کی کارروائیوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔

انھوں نے بتایا کہ دربار کو ذمہ دار حکومت کے مطالبہ سے بھی کوئی عداوت نہیں ہے اگرچہ انھوں نے کہا کہ ابھی سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی ہونے کی وجہ سے عوام ذمہ دار حکومت پانے کے اہل نہیں ہیں اور اس لئے اس مانگ کے پورا کرنے میں عرصہ لگے گا ۔ مسٹر بی سی ایل اگروال کا کہنا ہے کہ اس ملاقات میں سرکار کے سینیر افسر کیپٹن دیب بھی موجود تھے اور مسٹر ینگ (انسپکٹر جنرل) کے کہنے پر ان لوگوں نے نئے قانون کے مطابق پرجامنڈل کے لئے اجازت لینے کیلئے درخواست دیدی ۔

دن پر دن گذرتے گئے یہانتک کہ کئی مہینے ہوگئے لیکن حکام نے اس درخواست پر کوئی احکامات نہیں جاری کئے ۔ وہ اب تک کسی فیصلہ پر پہنچ ہی نہ سکے تھے عوام میں سیاسی بیداری کی جو لہر سی پیدا ہوگئی تھی اس سے وہ بہت پریشان تھے، اور حیدرآباد ٹراونکور اور راجکوٹ کے واقعات سے انھیں اور دھکا پہنچا، وہ اس کا خیال تک نہیں کرتے تھے کہ قریب کے برطانوی صوبوں میں ذمہ دار وزارتیں قائم ہو جانے سے ان کی رعایا میں بھی نئے نئے خیالات اور نئی امنگیں پیدا ہو جائیں گی، اس کے بعد ہی بمبئی میں والیان ریاست کی کانفرنس ہوئی اور جیسا کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے اس کانفرنس میں تمام ریاستوں کے لئے یہ مسہ اور پھوکڑکی پالیسی پرجامنڈلوں کو کچلنے کی سازشوں ظلم اور صلح کے طریقوں اور باہری آدمیوں اور کانگرسی لیڈروں کے داخلہ کی مانعت اور شکایتیں سن لو لیکن ذمہ دار حکومت نہ دو، کی ترکیبوں پر مشترکہ طور پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔ اس کانفرنس کے بعد ہی ریاست نے پرجامنڈل کو ختم کرنے اور اسکی کارروائیوں کو کچلنے کے لئے ایک مہم شروع کر دی ۔ ابھی تک جو ہچکچاہٹ تھی، اب وہ کھلی دشمنی میں تبدیل ہوگئی ۔

۱۷ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو سیٹھ جمنالال بجاج کو ریاست میں داخل ہونے کی مانعت کر دی گئی ۔ سیٹھ جمنالال کو اس پر تعجب ہوا کہ آخر انکا داخلہ امن عامہ کے لئے کیسے نقصان دہ ہو سکتا ہے تاہم انھوں نے فوراً ہی اس امتناعی حکم کو نہیں توڑا، اور ریاستی حکام کو موقعہ دیا کہ وہ اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کریں ۔ لیکن جے پور کے وزیر اعظم نے صلح جوئی کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے ۱۱ر جنوری ۱۹۳۹ء کو ایک اعلان شائع کیا جس کی رو سے پرجامنڈل نے اپنی جماعت کے تسلیم کرائے جانے اور اپنے قائم رہنے کی اجازت مانگنے کے لئے جو درخواست دی تھی اسے رد کر دیا گیا ۔ اسکا صاف مطلب تھا کہ پرجامنڈل جو ریاست کی آنکھوں میں ایک عرصہ سے کھٹک رہا تھا غیر قانونی جماعت قرار دیدیا جائے ۔ لیکن اسپر بھی حکام کو تسلی نہ ہوئی ۔ اور ۸ر جنوری کو "پبلک جماعتوں کے قانون" کے نام سے ایک نیا آرڈیننس جاری کر دیا گیا جو پہلے قانون سے بھی زیادہ سخت تھا ۔ اس آرڈیننس کی دفعہ ۲ یہ ہے "جو شخص بھی کسی غیر رجسٹری شدہ انجمن کا ممبر رہیگا ۔ یا اس کے انتظام میں کسی قسم کی کوشش کریگا ۔ یا اس انجمن کو چندہ دیگا ۔ یا دلائے گا یا اس کے لئے دوسروں سے چندہ وصول کرے گا ۔ یا اس انجمن کی کسی طرح سے مدد کریگا اسکو جرم ثابت ہو جانے پر ۶ مہینہ تک کی جیل یا پانچ سو روپیہ تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دیجائیں گی" ۔

اس کے بعد مہاتما گاندھی نے وائسرائے سے اپیل کی وہ بیچ میں پڑکر راجہ اور عوام میں سمجھوتہ کرا دیں اور انگریز وزیر اعظم کو پرجامنڈل اور سیٹھ جمنا لال جی کے داخلہ پر سے پابندیاں اٹھالینے کی ہدایت کر دیں ۔

وائسرائے نے اسکا جواب یہ دیا کہ جے پور دربار خود ہی مہاتما گاندھی کے اعتراضات کے جواب میں ایک بیان شائع کرے گا ۔ تھوڑے دنوں کے بعد یکم فروری ۱۹۳۹ء کو ریاست نے اپنے ایک اعلان سے اس قانون میں ترمیم کر دی اس ترمیم کی رو سے دفعہ ۲ کا وہ حصہ جس میں کسی غیر رجسٹری شدہ انجمن کا ممبر ہونا جرم تھا، نکالدیا گیا ۔ لیکن بقیہ قانون بدستور رہا ۔

دربار نے مہاتما جی کے جواب میں اسبات کا بھی اعلان کردیا کہ پرجامنڈل غیر قانونی جماعت نہیں ہے ۔ یہ اعلان صرف یہی نہیں کہ بعد میں سوچ سمجھکر نکالا گیا ہے بلکہ ہمیں ریاست کی کرتوت پر پردہ ڈالنے کی بھی کوشش کی گئی ہے ۔ قانون میں ایک ترمیم کی بنیاد پر گاندھی جی کے بیان کی تردید کی گئی ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج بھی پرجامنڈل کی ورکنگ کمیٹی ۔ جنرل کمیٹی اور ماتحت کمیٹیاں غیر قانونی ہیں کیونکہ ان کمیٹیوں کا ہر ممبر "غیر رجسٹری شدہ پبلک انجمن کا انتظام کرتا ہے یا اسکے انتظام میں مدد دیتا ہے" اور یہ پہلے کی طرح اب بھی جرم ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ پرجامنڈل کے معمولی ممبر بھی اپنا کوئی جلسہ نہیں کرسکتے کیونکہ "ایسے جلسہ میں حصہ لینا اسکو کامیاب بنانا یا کامیاب بنانے میں مدد دینا جرم ہے" ۔ پرجامنڈل کو کسی قسم کا چندہ یا عطیہ دینا بھی قابل سزا جرم ہے ۔ اس کے علاوہ کوئی اخبار یا پریس پرجامنڈل کی معمولی سے معمولی باتوں کے متعلق نہ کوئی کاغذ چھاپ سکتا ہے اور نہ اسے شائع کرسکتا ہے ۔ کیونکہ اس سے ایک غیر رجسٹری شدہ انجمن کے کام میں امداد ہوتی ہے ۔

اس طرح پر اگرچہ اپنے ممبر پرجامنڈل کو کوئی چندہ نہیں دیتے اس کی کارروائی میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لیتے ۔ وہ البتہ اپنے گھر پر قانون کی زد سے باہر ہیں ہر قسم کی سیاسی کارروائیوں پر اب بھی ویسی ہی پابندیاں ہیں جیسی کہ پہلے تھیں

برطانوی چیتا

۸ر فروری کو مہاتما گاندھی نے ہریجن میں جے پور کے متعلق لکھا ہے کہ جبتک کانگرس میں طاقت ہے اسوقت تک وہ خاموش رہ کر جے پور کے عوام کو ذہنی اور اخلاقی فاقہ کشی کی موت نہیں مرنے دیگی خاصکر ایسی حالت میں جبکہ انکے پیدائشی حقوق چھیننے میں برطانوی طاقت کا ہاتھ بھی

کام کر رہا ہے "

" وزیر اعظم جو کچھ کر رہے ہیں. اگر انھیں اسکا حق نہیں ہے تو کم سے کم انھیں واپس تو بلا ہی لینا چاہئے "

گاندھی جی کا کہنا ہے کہ راجکوٹ کی لڑائی ذمہ دار حکومت کے لئے ہے لیکن جے پور کی جد و جہد بالکل معمولی معمولی سی باتوں کے لئے ہے سنہے پور کی واحد سیاسی جماعت ذمہ دار حکومت کا پرچار کرنے کے جرم میں غیر قانونی جماعت قرار دیدی گئی ہے اور اسکے صدر جو سیٹھ جمنا لال بجاج ہیں۔ جے پور ملک کے رہنے والے ہیں امتناعی احکامات لگا دئے گئے ہیں جس وقت یہ پابندیاں اٹھالی جائیں گی، اور جماعت بندی اور جلسہ کرنے وغیرہ کے حقوق دیدئے جائیں گے اسی وقت سول نافرمانی کی تحریک اٹھالی جائے گی۔ لیکن یہاں بھی برطانوی چیتے نے اپنے چنگل پھیلا رکھے ہیں "

بارسلونا کا آخری وقت

فرانکو زمین جیت سکتا ہے، مگر آدمی نہیں

یہ مضمون اس وقت لکھا جا رہا ہے جبکہ اطالوی اور مور فوجیں بارسلونا کے پھاٹک تک پہنچ گئی ہیں۔ ایک ہفتہ کے اندر ان کی فوجیں کاٹالان کی راجدھانی تک آگئیں اتنی جلدی اس کامیابی کی دشمنوں کو خود بھی امید نہیں تھی یہ ایسی تعجب کی بات ہے ایک فرانسیسی اخبار لکھتا ہے " یہ کیسے ہو گیا جبکہ جمہوریوں کی ہمت اب تک ٹوٹی نہیں ہوئی اور جمہوریوں کی فوجوں کا نظام بہت اچھا تھا۔

اس تعجب کا اظہار کرنے والا وہ فرانسیسی اخبار ہے جو جمہوریوں کا دوست نہیں ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ غیروں کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ اس کامیابی کی وجہ کچھ اور ہے۔

بہترین نظام اور بڑے بڑے بہادرانہ مقابلوں پر بھی جمہوریہ کی فوجوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ بلا اسلحہ کے اطالوی توپوں کی طوفانی باڑھ کے سامنے ٹھہر سکیں یہ قیاس کرنا بھی ناممکن ہے کہ جمہوریہ کے پاس ہتھیاروں اور گولہ بارود کی کتنی کمی تھی توپوں کی تعداد میں جمہوریہ اور باغیوں میں تناسب ایک اور نو کا تھا ٹینک شکن اسلحہ کا تناسب ایک اور بیس کا تھا، بلکہ مشین گنوں میں ایک اور پانچ کا تناسب تھا ہوائی جہاز شکن توپوں کا تناسب ایک اور پچاس تھا، کبھی کبھی تو یہ ہوتا تھا کہ جب فوج پیرا بدلتی تھی تو پہلی والی فوج کے سب اسلحہ لے لیتی تھی، یہ مقابلہ اس وقت چل سکتا تھا کہ جمہوریہ کی فوجوں کے پاس اسلحہ اور گولہ بارود نہ ہوتا جبکہ اتنا نہ ہوتا کہ جتنا باغیوں کے پاس تھا، پھر بھی اتنا تو ہوتا کہ لڑنے والوں کے ہاتھ نہ رکتے اور وہ اپنی ذاتی بہادری کے جوہر دکھا سکتے۔

صرف اسلحہ کی کمی نہ تھی — بلکہ کھانے اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی بھی کمی تھی، بھوک بڑھتی جا رہی تھی، تمباکو اور کافی ختم ہو چکی تھی روزانہ صرف روٹی کا ایک ٹکڑا ہر شخص کو کھانے کو ملتا تھا، لڑکے دن بھر کوڑے اور آخور کو کھودا کرتے تھے کہ شاید کوئی کھانے کی چیز مل جائے، بارسلونا کی عورتیں۔ بارسلونا سے میلوں دور نکل جاتی تھیں کہ شاید کہیں ہریالی پر نگاہ پڑ جائے، بھوک اور قحط سے پیدا ہونے والی بیماریوں نے بچا پا مار دیا، بیماروں اور زخمیوں کے لئے دوائیوں اور مرہموں کی کمی تھی اور اکثر بڑے بڑے آپریشن بلا بیہوشی کے کئے گئے۔ بندھی ہوئی پٹی کھولی جاتی اور پھر کھولی جاتی اور پھر باندھ دی جاتی لیکن بھوک قحط سردی اور دکھ سے شہروں پر بموں کی بارش کوئی چیز بھی آزادی کی رسی۔ وہ روح کو جو میڈرڈ اور سارے اسپین پر چھائی ہوئی ہے نہیں کچل سکی۔ اور اس نے کاٹالان میں روزانہ عجیب عجیب معجزے دکھائے، عورتیں اور لڑکیاں بھوک سے نڈھال ہیں اور رات گئے تک واپس آتی ہیں مگر پھر صبح تڑکے اٹھ کر کام کرنے چلی جاتی ہیں اور رات گئے تک واپس آتی ہیں، شہر کے باہر والے میدانوں میں بموں کی بارش کے سایہ میں خندقیں کھودتی اور مورچے بناتی ہیں۔

وہ لوگ جو کبھی ایک دوسرے کے دشمن تھے، آج دشمن کی بڑھتی ہوئی طاقت اور برے حالات کے مقابلہ میں ایک ہو گئے ہیں اور سب ملکر وہ مصیبتیں جو بھائیوں بھائیوں کو لڑوا رہی ہیں ہنسی خوشی جھیل رہے ہیں۔ ایسی بہادری کی روح کو دیکھتے ہوئے وزیر اعظم نگرین نے میڈرڈ کے لئے جو کہا ہے ٹھیک کہا ہے کہ اسپینی عوام کا اٹل ارادہ اور حکومت کا آخری فیصلہ یہ ہے کہ جب تک فتح نہ حاصل کریں دشمنوں کا مقابلہ کئے جائیں گے۔

آزادی کے متوالے عوام کی ہمت کا اندازہ ایک سپاہی کے قول سے ہوتا ہے۔ جو چار دفعہ زخمی ہوا۔ اور پھر ٹھہر مقابلہ پر آگیا جو تھی بار پھر زخموں سے چور ہو کر گر گیا۔ جب لوگ اس کو اسپتال کی طرف لیجا رہے ہیں تو اس نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے کہا "اگر دشمنوں نے کاٹالان فتح بھی کر لیا تو۔ کاٹالان میں ان کو ایک آدمی بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ ہارنے والے کاٹالان میں صرف وہی شخص رہ جائے گا۔ جو پانچ فٹ زمین کے نیچے جا کر بس گیا ہو "

اعلان

محرم اور ہولی کے ساتھ ساتھ پڑنے کی وجہ سے ۵ مارچ کا " ہندستان " نہیں شائع ہو سکیگا ۱۲ مارچ کے پرچے میں اس کی تلافی کر دیجائے گی۔

کانپور میں ہندو مسلم فساد

۳۵ آدمی جان سے مارے گئے سیکڑوں زخمی ہوئے
مکان جلا دیئے گئے دوکانیں لوٹ لی گئیں

کانپور کے ہندو مسلم فساد میں تین دن (۱۲-۱۳ اور ۱۴ر فروری) کے اندر اندر ۳۰ آدمی جان سے مارے گئے اور ڈھائی سو سے اوپر آدمی زخمی ہوئے
پولیس کو ایک دن میں (۱۴ر فروری) سات مرتبہ گولی چلانی پڑی۔ آٹھ سو سے اوپر گرفتاریاں ہوئیں۔
حکام نے دفعہ ۱۴۴ اور کرفیو آرڈر نافذ کر دیا ہے تازہ ترین اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ پولیس اور فوج کی مدد سے اب حالات پر قابو پا لیا گیا ہے۔

۱۱ر فروری کی رات کو کانپور میں ہندو مسلم فساد ہو گیا جس نے بڑھ کر باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندو بارات ٹھٹھیری بازار سے مول گنج کی طرف جا رہی تھی۔ راستہ میں ایک مسجد پڑی مسلمانوں نے مسجد کے سامنے باجا بجنے میں اعتراض کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں نے نماز کے وقت تک باجا روک دیا لیکن بعد میں فریقین میں کچھ غلط فہمی پھیل گئی جس کی وجہ سے مسلمانوں نے بارات پر حملہ کر دیا۔ ہندوؤں نے بھی جوابی حملہ کیا اور اس طرح فساد شروع ہو گیا۔

مصری بازار کے مسلمان سٹیشن روڈ کے ایک طرف جمع ہو گئے اور چوک صرافہ کے ہندو دوسری طرف اکٹھا ہو گئے۔ اور فریقین میں باقاعدہ جنگ ہونے لگی جس میں ہر قسم کے ہتھیار استعمال کئے گئے اور دونوں طرف کے بہت سے آدمی زخمی ہوئے جینی بازار اور سٹیشن بازار پر بلوائیوں نے کئی دوکانیں لوٹ لیں۔

رات بھر جگہ جگہ حملے ہوتے رہے۔ اور دوسرے دن صبح آٹھ بجے مول گنج میں پھر لاٹھی بلم سوڈے کی بوتلیں اور پتھر چلنے لگے۔ بہت سے آدمی زخمی ہو کر گر گئے پولیس نے موقع پر پہونچکر ان لوگوں کو منتشر کرنا چاہا لیکن انھوں نے ایک نہ سنی آخر گولی چلانی پڑی تھوڑی دیر کے بعد پھر لوگ جمع ہو کر لڑنے لگے۔ اور پولیس کو دوبارہ گولی چلانی پڑی۔ اسی طرح دن میں پانچ مقامات پر پولیس نے گولی چلائی۔
متعدد گھر جلا دیئے گئے اور دوکانیں لوٹ لی گئیں۔ جگہ جگہ ٹیلیفون اور بجلی کے تار کاٹ دیئے گئے گلیوں سے لاشیں برابر نکل رہی ہیں۔ گاندھی نگر میں ایک تانگے والا جان سے مارا گیا۔ اور بلوائیوں نے اسکے تانگے جلا دیئے ہیں۔

آگ لگا دی۔

۱۳ر فروری کو گوالٹولی میں ایک مزدور اپنے کام پر جا رہے تھے پھر فساد ہو گیا۔ پولیس نے زائد گولی چلائی۔ کل بلوے اور پولیس کی گولی سے تقریباً ۳۵ آدمی زخمی ہوئے۔ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی زخمی ہو گئے کئی دوکانیں لوٹ لی گئیں اور بہت سے مکانوں میں آگ لگا دی گئی۔ بلوائیوں نے پولیس پر بھی حملہ کیا۔ ایک شخص نے سب ڈویژنل مجسٹریٹ پر بلم سے حملہ کیا اور انکے ہاتھ سے بندوق چھیننا چاہی لیکن ایک تھانیدار نے ریوالور سے اسے زخمی کر دیا۔ یہاں بھی پولیس کو گولی چلانا پڑی۔

بلوے میں متعدد عورتیں بھی ماری گئیں اور بہت سی زخمی ہوئی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے بلوائیوں نے ایک گھر میں گھسکر دو عورتوں کو مار ڈالا۔

اکثر لوگ مکانوں کی چھتوں پر سے فرقہ پرستانہ نعرے لگا رہے تھے جس سے صورت حال اور بھی خراب ہو رہی تھی۔ اب ہر قسم کے نعرے لگانے کی مخالفت کر دی گئی ہے اور پولیس کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو مکان کے اندر جا کر گرفتار کر لے۔

اسپتال زخمیوں سے بھرے پڑے ہیں جگہ کم ہونے کی وجہ سے برآمدے تک زخمیوں سے پٹے پڑے ہیں۔ لکھنؤ سے بھی کئی ڈاکٹر اور مرہم پٹی کا سامان بھیجا گیا ہے

آنریبل رفیع احمد قدوائی وزیر مالگذاری نے دو مرتبہ کانپور جا کر حالات کا معائنہ کیا۔ شری وینکٹیش نرائن تیواری اور سلیمان صاحب انصاری (پارلیمنٹری سکریٹری) بھی کانپور گئے انھوں نے زخمیوں کے علاج کیلئے پانچسو روپیہ کی مزید رقم منظور کئے جانیکا اعلان کیا

وزیر اعظم کا بیان

۱۳ر فروری کو اسمبلی میں وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت نے کانپور کے فساد کے متعلق کہا۔
"صورت حال پر قابو پانے کیلئے ہر ممکن کارروائی کی جا رہی ہے اور ہمیں امید کرنا چاہیئے کہ حالات جلد ہی سدھر جائیں گے"
آگے چلکر انھوں نے کہا "مجھے امید ہے کہ اس بات پر سب لوگ اتفاق کرینگے کہ ایسے موقعوں پر ہم غیر مناسب نرمی نہیں برت سکتے۔ اور اب ضرورت ہے کہ صرف بلوہ شروع کرنے والوں ہی کے خلاف نہیں بلکہ ایسے تمام لوگوں کے خلاف جو وقت کی نزاکت کا خیال نہیں کرتے اور ایسی حرکتیں کرتے ہیں جنسے پریشانی پیدا ہو یا نقص امن پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ مناسب کارروائی کی جائے۔"

۱۴ر فروری۔ ارسلا ہاسپٹل میموریل اسپتال کی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ رات تک ۳۵ آدمی جان سے مارے جا چکے ہیں۔ ۵۰ کے ہلکی چوٹیں آئی ہیں اور ۱۹۰ زخمی اسپتال میں بھرتی کرائے گئے ہیں۔

مسلم لیگی آخر مان گئے

یو۔ پی میں مسلم لیگ کو کانگریسی حکومت سے ودیا مندر سکیم اور تعلیمی پالیسی پر کچھ شکایتیں تھیں شکایتوں کو سمجھنے اور ان کا حل نکالنے کی غرض سے وزیر اعظم پنڈت پنت نے اسمبلی کے مسلمان ممبروں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سکریٹری نواب زادہ لیاقت علیخاں سے مفصل گفت و شنید کی اور خبر ہے کہ اب تمام باتوں کا مناسب حل نکل آیا ہے۔
اسی سمجھوتہ کی امید پر ۱۰ فروری کو مسلم لیگیوں نے ستیہ گرہ نہیں کی۔

اسپین کی طرف سے یو۔ پی کانگریس کا شکریہ

یو۔ پی صوبہ کانگریس کمیٹی کے پچھلے اجلاس میں اسپینی جمہوریہ کیساتھ ہمدردی کی ایک قرارداد پاس ہوئی تھی۔ یہ قرارداد جمہوری حکومت کو بھیجدی گئی تھی اور اب اسکے جواب میں شری کرشن منن (سکریٹری انڈیا لیگ) کو اسپینی جمہوریہ کے سفیر کا ایک خط موصول ہوا ہے جسمیں انھوں نے لکھا ہے
"مجھے آپ کا خط مورخہ ۳۱ جنوری ملا جسکے ساتھ پنڈت جواہر لال نہرو کا بھی تار بھی شامل تھا میں نے اپنی حکومت کو اس کی اطلاع کر دی ہے براہ کرم پنڈت نہرو اور صوبہ کانگریس کے [illegible]

ریاستی لڑائی کی سالاری کے لئے
گاندھی جی
ریاستی تحریکوں کا مرکزی دفتر بردولی میں
وارد ھا کے ہونے والے جلسہ میں
ریاستی مسئلہ کو خاص اہمیت

معتبر ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ مہاتما جی راجکوٹ اور کاٹھیاوار کی ریاستوں میں عوام کی [illegible] کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ریاستی تحریکوں کا مرکزی دفتر بردولی میں کھولا جائے گا۔ چنانچہ ۲۰ فروری کو مہاتما گاندھی واردھا سے بردولی روانہ ہو جائیں گے۔

قیاس ہے کہ واردھا میں لیڈروں کا جلسہ ہونے والا ہے اسمیں ریاستی تحریک کے مسئلہ پر خاص توجہ دی جائے گی۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں ایک آل انڈیا پروگرام بھی تیار کیا جائے۔

راجہ کی جگہ پرجا کا راج
والیان ریاست کو سردار پٹیل کی تنبیہ

۹ فروری کو بمبئی میں ریاستی تحریک پر تقریر کرتے ہوئے سردار پٹیل نے کہا کہ کاٹھیاوار کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک ایک کرکے ختم ہو جائیں گی اور ان کی جگہ کانگرس کی زیر نگرانی پنچائتی حکومت قائم کر دی جائے گی۔

وائسرائے کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے جسمیں اونھوں نے کہا تھا کہ ہندستانی راجاؤں پر مصیبت کے وقت طاقت اعلیٰ ان کی حفاظت کرے گی، سردار پٹیل نے کہا کہ اگر ریاستی عوام پر ظلم ہوا تو کانگرس اپنے مضبوط ارادے کیساتھ ان کی مدد کرنے کے لئے میدان میں آجائے گی۔

کاٹھیاوار اور راجکوٹ میں پھر سے تحریک شروع ہونے کے متعلق اونھوں نے کہا کہ یہ سب ریذیڈنٹ کا کیا دھرا ہے۔ جو کاٹھیاوار کے اصلی حکمراں اور راجاؤں کے راجہ ہیں اور جنھیں خطرہ ہے کہ اگر عوام کو ذمہ دار حکومت مل گئی تو ان کے ذاتی اختیارات ختم ہو جائیں گے۔

"حکومت ہند کی طرف سے والیان ریاست کے معاہدہ و نیز جوز ورد یا جار ہا ہے اور "والیان ریاست کے تحفظ قانون" کو نافذ کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے اس کے متعلق اونھوں نے کہا کہ جن ریاستوں میں بدانتظامی پھیل رہی ہے ان متعلق یہ باتیں نہیں کی جا سکتی ہیں۔ در اصل یہ کا صلحنامہ تک ٹوٹ چکا ہے اور اب وقت آرہا ہے کہ صلحنامہ اور پابندیوں کا یہ گورکھ دھندا بھی توڑ دیا جائے ..... وہ اب منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔

جمنالال بجاج تیسری بار گرفتار کر لئے گئے!

۱۲ فروری کو جے پور میں سیٹھ جمنالال بجاج تیسری بار گرفتار کر لیے گئے۔

سیٹھ بجاج اپنے سکریٹری کیساتھ موٹر سے جے پور جا رہے تھے کہ بیراتھ کے قریب انسپکٹر جنرل پولس انھیں گرفتار کرکے پولس کی موٹر میں بٹھا کر لے گئے۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ ابکی بار جمنالال جی کو گوڑھ مورک کے ڈاک بنگلہ میں قید کیا گیا ہے۔

۱۲ فروری کو "یوم جے پور" منایا گیا۔ اور سارے شہر میں ہڑتال رہی۔ پولس اور فوج برابر گشت کر رہی ہے۔

صدر کی کتاب پر پابندی اٹھا لی گئی

۱۴ فروری کو مرکزی اسمبلی میں مسٹر [illegible] موہن لال سکسینہ کے ایک سوال کے جواب میں ہوم ممبر نے بتایا کہ حکومت ہند نے ہندستان میں سبھاش چندر بوس ..... ۔

جلس بے جا کا مجرم!
جے پور کا پولیس افسر

لکھنؤ کے سیاسی حلقوں میں سیٹھ جمنالال بجاج کیساتھ پولیس کی زیادتی (دوسری گرفتاری میں) کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ انسپکٹر جنرل پولس مسٹر ینگ کو یوپی کی حدود کے اندر سیٹھ جمنالال کے [illegible] کی زیادتی کرنیکا کوئی حق نہیں تھا [illegible] حبس بیجا کے مجرم ہوئے ہیں۔

حکومت یوپی [illegible] غور کر رہی ہے اور بہت ممکن ہے کہ عنقریب ہی وہ حکومت ہند سے اسکے خلاف احتجاج کرے۔

ترنگا جھنڈا مسلمانوں کی قربانیوں کی یادگار ہے
بہار میں مسلمانوں کی شکایتیں دور ہو چکی ہیں
اسمبلی میں ڈاکٹر محمود کا بیان!

"کیا مسلمانوں نے ہندستان کی متحدہ قومیت کیلئے قربانیاں نہیں کی ہیں [illegible] فنون اور تہذیب کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ نہیں ہے کیا وہ اس سے انکار کر [illegible] اونھوں نے ملک کو اقتصادی اور اخلاقی حیثیت سے آگے بڑھانے میں اپنی قوتیں صرف نہیں کیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جب کانگرس ترنگے جھنڈے کے ذریعہ مسلمانوں کی قومی خدمات کا اعلان و اعتراف کرتی ہے تو اسپر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے"

ان الفاظ میں آنریبل ڈاکٹر سید محمود وزیر بہار نے ..... قومی جھنڈے اور بندے ماترم پر تقریر کرتے ہوئے کانگرس کے جھنڈے کے نیچے مسلمانوں کی قربانیوں کا اعتراف کیا۔

آگے چلکر اونھوں نے تحریک خلافت کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ مسلمانوں نے اس جھنڈے کی خاطر اپنا خون کس طرح بہایا اور اس کے تلے ان کے قومی اور ملی جذبات کی کتنی ترقی ہوئی ممکن ہے یہ کہا جائے کہ آج مسلمان اجتماعی حیثیت سے کانگرس کو تمام جماعتوں کا نمائندہ نہیں سمجھتے لیکن تم کانگرس کو نمائندہ جماعت تسلیم کرو یا نہ کرو مگر اس جھنڈے کی تاریخی عظمت کو کیوں کر نظر انداز کر سکتے ہو اور اپنی ان تاریخی خدمات کو کیونکر بھول سکتے ہو"

ڈاکٹر محمود نے کہا کہ اگرچہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کانگرسی وزارتیں مسلمانوں کے حقوق پامال کر رہی ہیں لیکن اگر اسے تھوڑی دیر کے لئے صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی تمہاری شکایتوں سے اس جھنڈے کی عظمت کا کیا تعلق اگر تمھیں شکایت ہے تو تم وزیروں سے باز پرس کرو [illegible] مگر اس جھنڈے کی مخالفت کے کیا معنی ہیں؟"

مسلم لیگیوں کی شکایتوں کے بارے میں اونھوں نے کہا: میرا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مسائل جن کا مسلمانوں سے تعلق ہے تقریباً سب کے سب حل ہو چکے ہیں ..... میں چاہتا ہوں کہ آپ [illegible] کہ اب مسلمانوں کی کونسی شکایتیں باقی ہیں حکومت بہار اسکا اطمینان دلانا چاہتی ہے کہ اطمینان حاصل کرنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھے گی"

[illegible] کا بیان

اسمبلی میں سرکاری بیان میں بتایا گیا کہ جب قومی جھنڈے پر اسکول کے لڑکوں میں اختلاف پڑا تو حکومت نے اس بات کو صاف کر دیا کہ وزارت ہرگز ہرگز یہ نہیں چاہتی کہ قومی جھنڈا جبراً کسی سکول کی عمارت پر لہرایا جائے یا کسی طالب علم کو اس کی خواہش کے خلاف بندے ماترم گانے پر مجبور کیا جائے۔

بندے ماترم کے متعلق بتایا گیا کہ کچھ لوگوں کے اعتراض کرنے پر بندے ماترم کے ترانہ کے صرف دو بند گائے گئے اور بقیہ بند نکال دیئے گئے کیونکہ اعتراض انھیں پر تھا۔ شروع کے دونوں بندوں میں صرف ہندستان کی زرخیزی اور خوشحالی کی تعریف ہے اور کوئی محب وطن اسپر اعتراض نہیں کر سکتا تاہم حکومت نے [illegible] بندے گائے جائیں کبھی کوئی اصرار نہیں کیا۔

آغا خاں کے نئے نکات
ہندو مسلم سمجھوتہ کے امکانات

کچھ دن ہوئے جب ہز ہائینس آغا خاں نے بمبئی میں مہاتما گاندھی سے ہندو مسلم سمجھوتے کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ آغا خاں نے سمجھوتہ کی شرطیں مرتب کر لی ہیں اور گاندھی جی نے بھی انھیں منظور کر لیا ہے۔

اخبار امرت بازار پتریکا کا نامہ نگار بمبئی سے اطلاع دیتا ہے کہ آغا خاں نے اس مسئلہ پر سر سلطان احمد۔ نواب صاحب چھتاری۔ سر فیروز خاں۔ نواب سر محمد ظفر اللہ خاں اور سر محمد یعقوب سے مشورہ طلب کیا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ہز ہائینس کے نئے نکات یہ ہیں:-

(۱) سرکاری اور میونسپلٹی کی ملازمتوں میں آبادی کے تناسب سے جگہیں دیجائیں یا پھر جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں انھیں زیادہ حقوق دیئے جائیں اور اسی طرح جہاں جہاں انکی اکثریت ہے وہاں ہندوؤں کو بھی ایسے ہی حقوق ملیں۔

(۲) نوکریوں کا تناسب ایک ہی طرح برقرار نہ کیا جائے لیکن امیدواروں کو قابلیت کا امتحان پاس کرنا ہوگا۔

(۳) قومی زبان ہندستانی رکھی جائے اسکی ایک گرامر اور ایک لغت تیار کی جائے۔ ان کتابوں کی تیاری میں مسلم و غیر مسلم دونوں فرقوں کے علماء سے مدد لیجائے۔

(۴) سرحد کے آزاد قبائل کو نیپال کی ایسی حیثیت دیجائے اور ان سے تعلقات پیدا کرنے کی ذمہ داری صوبہ سرحد ہند کی حکومت پر رکھی جائے۔

آغا خاں کا کہنا ہے کہ اگر مسلم لیگ ان شرائط پر کانگرس سے سمجھوتہ کرنے پر راضی نہ ہوگی تو پھر ان کو اپنی من مانی کارروائی کرنے کا اختیار ہوگا۔

(بقیہ کالم ۷)

کے نئے گھریلو صنعتوں کا ایک پروگرام بنایا ہے اور عوام کی اقتصادی حالت سدھارنے کی کوشش کرے اور جبتک یہ اسکیم نئے اسوقت تک کھادی کی صنعت کو ترقی دینے کے لئے صنعتی ماہرین رکھے جائیں اور امداد باہمی کے صوبجاتی کھادی بنانے کا بندوبست کیا جائے۔

تین ہزار آدمیوں کی بھوک ہڑتال
ریاست لمڈی کے مظالم پر سردار کا بیان

۹ فروری کو ریاست لمڈی کی صورت حال پر ایک بیان دیتے ہوئے سردار پٹیل نے ..... کہ بمبئی میں والیان ریاست نے کانفرنس کرکے تمام ریاستوں میں یکساں استبدادی پالیسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور لمڈی ہی کا عملی ثبوت ہو۔ آگے چلکر وہ لکھتے ہیں۔ یہ جا منڈل کے خلاف مسلمانوں۔ گراسیوں اور بھیاتوں اور دوسری اقلیتوں کو ابھارا جا رہا ہے تاکہ ذمہ دار حکومت کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جا سکیں۔

لمڈی کی ایک خبر ہے کہ اسی مسلح آدمیوں نے جن کے پاس بندوقیں تلواریں اور دوسرے مہلک ہتھیار تھے کئی دیہاتوں میں پرجا منڈل پر دھاوا بولا اور بہت سے آدمیوں کو زخمی کیا ان پر گولیاں چلائیں اور موٹر ونیز ان کا مال اسباب لوٹ لے گئے۔

تقریباً تین ہزار ریاستی باشندوں نے اڑتالیس گھنٹے سے ٹھاکر صاحب کے رویہ کے خلاف بطور احتجاج بھوک ہڑتال کر رکھی ہے۔

برطانیہ اور فرانس کی نئی غداری
باغی فرانکو کو اسپین کا مالک تسلیم کرنیکی تیاریاں

حکومت برطانیہ جنرل فرانکو کو اسپین کے ایک بڑے حصے کا مالک تسلیم کر لینے پر غور کر رہی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ برطانیہ چاہتی ہے کہ لڑائی کم سے کم خون خرابہ کے ساتھ ختم ہو جائے۔ اور فرانکو کی حکومت تسلیم کر لینے سے اس بات کا امکان ہے کہ اسپین کی لڑائی ختم ہو جانے پر منافرت انگیزی اور خون خرابہ سے بچ جائے گا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ برطانیہ جمہوریہ کی حکومت اس وقت تک تسلیم کرتی رہے گی۔ جبتک اسپین کے ایک کافی بڑے علاقہ پر اس کا قبضہ رہیگا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جمہوریہ جان و مال کے نقصانات کی پروا کئے بغیر لڑتی رہے۔

۱۴ جنوری کو فرانسیسی کابینہ کے جلسہ میں بھی فرانکو کی حکومت تسلیم کر لینے کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔

ابھی کوئی آخری فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

ٹھاکر صاحب راجکوٹ کو اغوا کرنیکی سازش
انتظامات مکمل ہو گئے تھے لیکن کامیابی نہیں ہوئی

اخبار بمبئی کرانیکل میں راجکوٹ کی ایک خبر سے راجکوٹ کے متعلق حکومت ہند کی ایک زبردست سازش کا انکشاف ہوا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حکومت ہند نے یہ طے کر لیا تھا کہ ٹھاکر صاحب کو راجکوٹ سے ہٹا دیا جائے اور سابق دیوان شری درباروالا بھی ریاست سے نکال دیئے جائیں اور پھر سر پیٹرک کے مشورہ کے مطابق ریاستی تحریک کچل دیجائے۔ تمام انتظامات مکمل ہو گئے تھے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ بمبئی میں ٹھاکر صاحب کیلئے ۲۰۵ روپیہ ماہوار کرایہ پر ایک مکان تک لے لیا گیا تھا۔ لیکن راجکوٹ کے متعلق مہاتما گاندھی کے بیان کے بعد ہی رائے بدل گئی۔ آجتک بھی اسکی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہو سکی ہے۔

یوپی میں دیہات سدھار کا کام
ضلع انجمنوں کے صدروں کی کانفرنس

۱۲ فروری کو لکھنؤ میں یوپی کی ضلع دیہات سدھار انجمنوں کے صدروں کی کانفرنس ہوئی یوسف امام صاحب چیرمین گرام سدھار انجمن مرزا پور اتفاق رائے سے کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔

کانفرنس میں کئی قراردادیں پاس ہوئیں ایک قرارداد میں حکومت سے سفارش کی گئی کہ وہ ضلع انجمنوں کے سکریٹریوں کا جو ڈپٹی کلکٹر بھی ہیں دفتری کام کم کر دے تاکہ وہ دیہات سدھار کے کام میں زیادہ دلچسپی لے سکیں۔

دوسری قرارداد میں افسر دیہات سدھار سے استدعا کی گئی کہ وہ میلوں میں دیہات سدھار کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ہر میلہ میں ۲۵ سے لے کر ۵۰ روپیہ تک کی منظوری دے دیں۔

کانفرنس نے خیال ظاہر کیا کہ دیہات سدھار کے عملہ کو ان کی ملازمتوں کی طرف سے اطمینان دلا دیا جائے تاکہ وہ دل لگا کر کام کر سکیں۔

دوسرے دن ایک قرارداد میں حکومت سے سفارش کی گئی کہ وہ کاروباری آدمیوں اور صنعت کے ماہرین سے مشورہ لے کر دیہاتوں

(بقیہ کالم ۸ کے نیچے)

حکومت ہند کی تابڑ توڑ ہار

مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کی قراردادیں پاس ہوگئیں

۱۰ فروری کو مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کی طرف سے ایک قرارداد پیش کی گئی ہے کہ چونکہ لیگ اقوام دفعہ ۱۶ جس میں بلاوجہ جنگ چھیڑنے والی طاقت کے خلاف کارروائی کرنے کی سفارش کی گئی ہے، پر عمل نہیں کر سکی ہے اس لئے ہندستان کو لیگ اقوام سے علیحدہ ہوجانا چاہئے۔ عبدالقیوم صاحب نے ترمیم پیش کی کہ لیگ اقوام سے ہندستان کے علیحدہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومت برطانیہ فلسطین میں ایک سراسر غلط پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔

اس ترمیم کے ساتھ قرارداد ۱ ووٹ کی اکثریت سے پاس ہوگئی ۵۶ ووٹ اس کے مخالف آئے اور ۵۵ موافق۔

سر سید رضا علی (مسلم لیگ) نے یہ ترمیم پیش کی کہ اگر لیگ اقوام میں ہندستان کا چندہ ۱۹۴۰ء تک گھٹا کر ۲ لاکھ تک نہ کر دے تو اس سے ہندستان علیحدہ ہوجائے لیکن یہ ترمیم رد ہوگئی۔

کانگریس پارٹی کی ایک دوسری قرارداد یہ تھی کہ یکم اپریل ۱۹۳۹ء سے ۲۰۰ ماہوار سے اوپر تنخواہ پانے والوں کی تنخواہیں کم کر دی جائیں۔

بھولا بھائی ڈیسائی نے حکومت پر زور دیا کہ وہ اس قرارداد پر جلد ہی عملدرآمد شروع کر دے۔

باردولی کابینہ کی جیت

گورنر نے کمشنر کی جگہ توڑنا منظور کر لیا

یونائیٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ ہز ایکسلنسی گورنر آسام نے کانگریسی وزارت کی سفارش پر کمشنری کی جگہ کو توڑ دینا منظور کر لیا ہے۔ اس طرح آسام میں ایک زبردست سیاسی الجھن اٹھتے اٹھتے رہ گئی۔

نئے قانون کے نفاذ کے تھوڑے ہی دنوں بعد آسام اسمبلی نے ایک قرارداد پاس کی تھی کہ کمشنری کی جگہ توڑ دی جائے مگر ابھی تک عملدرآمد نہیں ہوا تھا لیکن اب اس مسئلہ پر اسمبلی کے آئندہ مالیاتی اجلاس میں گورنر اور کابینہ میں جھگڑا ظاہر ہو جانے کا خطرہ تھا۔

چیکوسلاویکیہ کیلئے نئی مصیبت

صورت حال پہلے سے بھی زیادہ نازک ہے

سوڈٹن جرمن لیڈر سر کنڈٹ نے اپنی ایک تقریر میں چیک حکومت پر اعتراض کیا کہ وہ جرمن مسلوں کو خاطر خواہ طور پر تسلیم نہیں کر سکی ہے۔

"اگر ایسے ہی حالات جاری رہے تو رئیش جرمن قانون سمجھا اسے غیر دوستانہ روش خیال کرے گی۔"

"بنیادی طور پر آج چیکوسلاویکیہ کے جرمنوں کی حیثیت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے، یہ حالت ناقابل برداشت ہے اور ہم اس کا مقابلہ کریں گے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے پچھلے واقعات سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔"

حکومت بمبئی کا بجٹ

مرکزی حکومت کے کانگریسی اخراجات کا الزام

۱۸ فروری کو بمبئی اسمبلی میں آنریبل مسٹر لٹھے وزیر مال نے سالانہ بجٹ پیش کیا۔

سال رواں میں ۲۸ لاکھ ۶۴ ہزار کا خسارہ ہوا ہے اور آئندہ سال ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ کے خسارے کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ اس میں سے ایک کروڑ ۸۴ لاکھ نئے محصول لگا کر پورا کیا جائے گا اور اس طرح آخر میں ۳۶ لاکھ کے خسارے کی امید ظاہر کی گئی ہے۔

وزیر مال نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر حکومت ہند نے ۱۹۳۷ء کے بجائے آئندہ سال ہی سے ایک کرور روپیہ سالانہ دینا منظور نہ کیا تو کانگریسی وزارت انتظام کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکے گی۔

وزارت کا کہنا ہے کہ اس نے حد بھر ٹیکس لگا لیا ہے اور اب مزید ٹیکس کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر حکومت کو اپنے تعمیری پروگرام کو عملی جامہ پہنانا ہے تو اس کے لئے آمدنی میں اضافہ ہونا ضروری ہے اور اسی لئے حکومت ہند سے انکم ٹیکس کی رقم میں سے ایک کرور سالانہ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

برطانیہ کی طاقت گھٹ رہی ہے

ہندستان کی طاقت بڑھ رہی ہے

گیا سیاسی کانفرنس میں صدر کانگریس کی تقریر

یورپ کی الجھنوں میں پھنسکر برطانیہ کی طاقت اور اس کی عزت قریب قریب ختم ہوگئی ہے اور ہندوستان کی طاقت بڑھ رہی ہے اس لئے اب یہی موقع ہے کہ ہم اپنے مطالبات پیش کردیں برطانیہ انھیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتی۔

اس طرح صدر کانگریس سبھاش چندر بوس نے گیا سیاسی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا انھوں نے بتایا کہ اگر برطانیہ یہ مطالبہ پورا کرنے سے انکار کرے تو ہمیں اپنے زور و طاقت سے آزادی حاصل کرنا ہوگی۔ ہندوستان کی مصیبتوں کا حل بغیر سوراج حاصل کئے نہیں ہو سکتا۔ سوراج کا مطلب عوام کا راج ہے۔

صدر کانگریس نے کہا کہ کانگریس ہی صرف ایک ایسی جماعت ہے جو آزادی حاصل کرنے کیلئے لڑ رہی ہے اور جو لوگ کہ آج اس میں شامل نہیں ہیں انہیں بھی آزادی حاصل کرنے کیلئے جلد ہی یہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

ریاستوں کے بارے میں انھوں نے کہا کہ اگر برطانوی ہند اور ریاستوں کے عوام ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوں تو سوراج اور نزدیک ہو جائے۔ کانگریس کی بڑھتی ہوئی طاقت کی مثال دیتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے کہا کہ آج گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہیں۔ صوبوں میں انھیں کم سے کم اتنی طاقت تو مل ہی گئی ہے کہ وہ برطانیہ سے لڑ سکے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ دوسرے صوبوں میں بھی عنقریب ہی کانگریسی وزارتیں قائم ہو جائیں گی۔

پٹنہ سے سبھاش چندر بوس کلکتہ گئے ہیں اور وہاں سے وہ گاندھی جی سے ملنے وردھا جائیں گے۔

برطانوی سامراج اور کسان

دیہاتی نظام کی بربادی

منظر رضوی

قدیم زمانوں سے لیکر انیسویں صدی کے شروع تک ہندستان نے بڑی بڑی تبدیلیاں دیکھی ہیں۔ اور بڑی بڑی آفتوں کا سامنا کیا ہے۔ کیسے کیسے سامراج آئے اور کیسی کیسی بادشاہیاں گئیں کیسی کیسی اتھل پتھل مچی۔ لوٹ اور تباہی کے بازار گرم ہوئے لیکن یہ ساری اتھل پتھل اور بدامنی وقتی تھی طوفان کی طرح آتی اور آندھی کی طرح سر سے نکل گئی یہ آندھیاں اوپر ہی اوپر رہتی تھیں یہ سیاسی موجیں آتی تھیں اور چھوٹی یا بڑی سیاسی تبدیلی کے بعد نکل جاتی تھیں یہ سماج کی گہرائی تک نہیں پہونچتی تھیں ان سے سماجی نظام کی بنیاد نہیں ہلتی تھی سماجی نظام اس طوفان میں جس کا توازن اٹل اور مضبوط قائم تھا۔

سماج کی عمارت زراعت اور دستی صنعت پر کھڑی تھی گاؤں کی زمین مشترکہ . . . . اور اسکا انتظام گاؤں کی پنچایت کرتی تھی۔ ہر شخص کا کام اس کے پیشے کے مطابق مستقل طور پر بٹا ہوا تھا۔ کارل مارکس نے گاؤں کے پنچایتی نظام کی اس طرح تشریح کی ہے۔

"یہ پیداوار کے کافی بالذات ادارے ہیں زمین کا رقبہ جس میں دولت کی پیداوار ہوتی ہے وہ سو سے لیکر کئی ہزار ایکڑ تک مشتمل ہو دولت کا ایک بڑا حصہ گاؤں کی فوری اور ابتدائی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے پیدا کیا جاتا ہے جس کا فاضل حصہ تجارتی مال کے طور پر استعمال ہوتا ہے"

(فرمولہ متعلق ہندستان)

گاؤں کا ہر گھر زمین جوتتا، سوت کاتتا، کپڑے بنتا اور دوسرے پیشوں میں مصروف رہتا تھا۔ گاؤں گاؤں میں بڑھئی، لوہار، جولاہے، پروہت اور پیر پاٹ شالوں اور مکتبوں کے مولوی صاحب اور گروجی ہوتے تھے یہ لوگ گاؤں کے اجتماعی طور پر ملازم تھے جنھیں گاؤں سے مقررہ جنس تنخواہ کے طور پر ملتی تھی یا انھیں زمین دیدی جاتی تھی اور کم سے کم لگان ان سے وصول ہوتا تھا چودھری گاؤں کا سب سے اعلیٰ افسر تھا وہی لگان بھی وصول کرتا تھا۔

گاؤں درصل انیسویں صدی کے آغاز تک ہندوستان کی تمام سماجی زندگی کی نیو تھا۔ گاؤں میں جو فاضل دولت پیدا ہوتی تھی وہ جاگیردار راجہ یا شہزادے کو ادا کی جاتی تھی شہروں کی صنعت زیادہ تر آرام و آسائش اور عیش و عشرت کی چیزیں پیدا کرنے کے لئے ہوتی تھی۔ اور بادشاہوں اور ان کے دربار تک محدود تھیں ان صنعتی اور تجارتی شہروں میں ململ ریشمی کپڑے، شال اور قالین وغیرہ پیدا ہوتے تھے۔ گاؤں تک ان کی گزر بھی نہیں تھی۔ جو صنعتیں کسانوں کی ضرورتیں مہیا کرتیں وہ خود گاؤں ہی میں محدود تھیں گاؤں میں ذات کی تقسیم محض پیشہ اور محنت کے اعتبار سے تھی اور گاؤں کی زندگی میں ذات کی بحیثیت خود کوئی سماجی اہمیت بجز پیشہ وارانہ . . . رسائی کے نہیں تھی اس ذات کی تقسیم کو مذہب کی حمایت حاصل تھی۔

شاہی خاندان آئے اور شاہی خاندان گئے حکومتیں قائم ہوئیں اور گریں مگر یہ دیہاتی نظام اپنی جگہ قائم رہا البتہ جب کبھی زیادہ لگان لوگوں سے زبردستی وصول کیا جاتا یا فوجی حملوں سے سارے کا سارا گاؤں تباہ و برباد ہو جاتا ... جنگ و جدال سے سارا گاؤں جل کر راکھ ہو جاتا تھا ... امن قائم ہوتا تو پھر وہی زندگی اور چہل پہل آجاتی تھی اور کسان ایک بار پھر اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگتے ملک میں جب امن رہتا تھا اور مرکزی حکومت اچھی طرح منظم ہوتی تھی تو گاؤں کی زندگی اور اسکا انتظام اور بھی اچھا ہوتا تھا سرکار کی طرف سے گاؤں میں آبپاشی گاؤں کی صفائی اور لگان اور مالگذاری کا انتظام ہوتا تھا۔

پٹھانوں اور مغلوں کے بعد جب انگریز آئے تو انھوں نے اور ہی بات ... لوٹ کا بازار گرم کر دیا۔ انھوں نے دیسی صنعتوں کو تباہ کیا دیہاتی نظام کو الٹ پلٹ کر دیا۔ یہ سب کیوں کیا گیا؟

ہندستان میں انگریزوں کے آنے کا ایک خاص مقصد تھا وہ سیاسی فتوحات کے لئے یہاں نہیں آئے تھے ان کا مقصد اقتصادی تھا۔ وہ برطانیہ کے تجارتی پونجی کے ایجنٹ تھے دولت جوڑتے تھے اور اسی کی تلاش میں آدمی کی محنت کا شکار کرنے آئے تھے۔ وہ مشرق کی تجارت اور بہار ... اپنا اجارہ قائم کرنے آئے ... اس وقت اس سے بحث نہیں کہ ہندستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیسی کیسی لوٹ مار اور قزاقی کی کیسی کیسی خونریزیاں کیں اور کس کس طرح انسانوں کا خون لیا لیکن یہ واضح رہے کہ ہندستان کی اسی لوٹ سے ہندستان کی اسی دولت سے انگلستان میں صنعتی انقلاب ہوا۔ اور بڑی بڑی مشینیں اور بڑے بڑے انجن بنائے گئے اور اس کے ذریعہ ہندستان کے مزید سامراجی استحصال کا انتظام ہوا۔ ہمیں اس وقت صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس اقتصادی لوٹ کا کسانوں کی سماجی زندگی پر کیا اثر پڑا۔

سرمایہ داری کا دور دورہ

کارل مارکس نے ہندستان کے متعلق اپنے خطوط میں لکھا ہے کہ "انگلستان نے ہندستان کے سماجی نظام کی ساری نیو کھود ڈالی ہے اور اب ایک نئی تعمیر کا امکان بھی نظر نہیں آتا ہندستانیوں کی تباہی اور مصائب نہایت ہی المناک ہیں۔"

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ برٹش طانوی سامراج نے ہندستانی بازاروں کو انگریزی مال سے بھر دیا۔ یہ مال مشین کے بنے ہوئے تھے اور سستے داموں فروخت ہو سکتے تھے اس طرح بازاروں میں دیسی اور بدیسی مالوں میں سخت مقابلہ ہوا دیسی صناع اس مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور ان کی صنعت روز بروز خراب بلکہ تباہ ہونے لگی۔

پھر ہندستان کی بدیسی تجارت کو بھی تباہ کرنے کی خاص ترکیب کی گئی جو ہندستانی مال بدیسی ملکوں کو جاتے تھے ان پر محصول اتنا بڑھا دیا گیا کہ اس سے تاجروں کو اور صناعوں کو کسی نفع کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی برٹش طانوی سامراج کا صرف ایک مقصد تھا وہ یہ کہ ہندوستانی تجارت تباہ ہو جائے اس کے لئے اس نے

: ہندوستان کے سوتی مال پر جو انگلستان جاتا تھا دس فیصدی محصول لگایا اور ریشمی مال پر بیس فیصدی اس کے برخلاف برٹش سوتی مال کو جو ہندستان آتا تھا صرف ۲½ فیصدی محصول ادا کرنا پڑتا تھا انگریزی اونی مال کو ہندستان میں ۲ فیصدی اور ہندستان کے اونی مال کو انگلستان میں ۳۰ فیصدی محصول دینا پڑتا تھا:

(انگریزی راج کے اقتصادی اور مالیاتی پہلو)

(از ڈاکٹر زین العابدین احمد)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۱۴ء اور ۱۸۳۲ء کے درمیانی زمانہ میں ہندستانی مال کی برآمد ۱۴۶۶۹۶۰۸ تھان سے گر کر ۳۰۶۰۸۶ تک رہ گئی اور انھیں ایام میں برطانوی مال کی درآمد ۸۱۸۲۰۸ سے بڑھ کر ۵۱۷۷۷۲۷۷ گز ہو گئی (رتین دت "ہندستان عہد وکٹوریہ میں" صفحہ ۱۰۸)

انگریزی مال کو سوائے ان لوگوں کے جو نہایت ہی غریب اور تباہ حال تھا ہر شخص استعمال کرتا تھا: (دمس۔ دت صفحہ ۱۰۵)

صنعت کی اس بربادی سے جو لوگ بیکار ہو گئے وہ دیہاتوں کو واپس جانے لگے۔ اس سے زراعت پر بوجھ پڑنے لگا۔ اور دیہاتی نظام میں انتشار کے آثار اور گاؤں کی زندگی میں انحطاط شروع ہونے لگا۔

سبھاش بوس کے چناؤ پر

لندن میں چہ میگوئیاں

سبھاش چندر بوس کے دوبارہ چناؤ کو لندن میں کانگرس کی اندرونی پھوٹ سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور ان کی جیت کو بائیں بازو کے لیڈر کی جیت بتایا جا رہا ہے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ صدارت کے چناؤ میں مہاتما گاندھی کی ہار ہو گئی اخبارات اس چیز کو نہایت ہوشیاری سے ٹال گئے کہ کانگرس کے صدر نے اپنے ساتھیوں کیساتھ کتنی خوش سلوبی سے کام کیا ہے نیز یہ کہ مہاتما گاندھی سے ان کے تعلقات کتنے اچھے رہے ہیں اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ والسلام منہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی طرف سے کھڑے کئے گئے تھے اور گاندھی جی نے فیڈریشن کے معاملہ میں حکومت برطانیہ سے سمجھوتہ کرنے کے لئے ایک سازش کر رکھی تھی!

اخباروں میں سبھاش چندر بوس کی ایک تقریر اور مہاتما گاندھی کے ایک مضمون کے اقتباسات بلا کسی تمہید یا حوالہ کے شایع کئے گئے سبھاش بوس کو ایک انقلابی لیڈر دکھایا گیا ہے جو کانگرس کو حکومت کا آلہ کار بننے سے روکنے کی کوشش کر رہے ہوں اور انھوں نے کانگرس کی طرف سے فیڈریشن کے خلاف جو صاف اور سادہ باتیں کہی ہیں ان کو ایسے طریقہ پر پیش کیا گیا کہ گویا سبھاش بوس صرف ایک طبقہ کی رہنمائی کر رہے ہوں اس طرح سے مہاتما گاندھی نے کانگرس کے جماعتی چناؤ کو بے عنوانیوں سے پاک رکھنے کیلئے جو کچھ لکھا ہے اسکو بھی سبھاش چندر بوس کے چناؤ کیساتھ جوڑ دیا گیا ہے

ہریجن میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ اور مضمون صدارت کے چناؤ کے پہلے ہی کے لکھے ہوئے ہیں اسلئے ان کا تعلق صرف کانگرس کی عام صلاح سے ہی ہو سکتا ہے سب جانتے ہیں کہ گاندھی جی کو اس بات کی بڑی فکر ہے کہ کانگرس گر کر ایک ایسی سیاسی مشین نہ بن جائے جس کو ناجائز طور پر توڑا مروڑا جا سکے۔ اور خواہ کسی خاص معاملہ میں لوگوں کو ان کے نکالے ہوئے نتیجہ سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو لیکن اصل مسئلہ سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

"سرخ تباہی" کے عنوان سے جو مضمون نکلا ہے اسے بھی یہ معنی پہنائے جا رہے ہیں کہ مہاتما گاندھی بعض بائیں بازو والوں کو کانگرس سے نکالنے کی فکر میں ہیں گاندھی جی نے اپنے مضمون میں جس زبردست ٹکر کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ اسے لڑ سکیں۔۔۔۔ اس لڑائی کو کانگرس کے اندرونی جھگڑے سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

جو لوگ ہندوستانی مسائل سے آگاہ ہیں اور سیاست کو صرف کسی شخص کی ذاتی خواہشات پوری کرنے کا بہانہ نہیں سمجھتے وہ ان تاویلوں پر تعجب کر رہے ہیں۔ لیکن برطانوی اخبارات کو جو پہلے بھی ہندو مسلمانوں کے اختلافات کو اچھال چکے ہیں، اب حملہ کرنے کیلئے ایک نیا اوزار ہاتھ آ گیا ہے۔ ابھی تک تو جواہر لال ہی کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ انھیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی اندرونی اختلاف ہو گیا ہے اور اب چونکہ جواہر لال نے ایکطرف تو باہمی اتحاد اور دوسری طرف اعتراض کرنے کی آزادی پر زور دیکر معترضین کا منہ بند کر دیا ہے اس لئے حملہ کا رخ

سبھاش چندر بوس کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔ جواہر لال نے یوم آزادی پر جو بیان دیا تھا اور جس میں انھوں نے کانگرس کی پالیسی کا صاف الفاظ میں اعلان کیا تھا اسے دیکھنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معترضین اپنی تاویلیں کس طرح سر لیتے ہیں۔

آج جب صدارت کے چناؤ میں مقابلہ ہو گیا ہے تو برطانوی پریس کہتا ہے کہ کانگرس میں اندرونی جھگڑے ہیں اور اگر مقابلہ نہ ہوا ہوتا تو کہا جاتا کہ کانگرس میں کوئی جمہوریت نہیں ہے۔

پیاری موت

عابد لکانی اول

میں روزانہ دس بجے گھر سے تیار ہو کر اسکول جانے کے لئے نکلتا ہیں۔ جس مکان میں رہتا تھا وہ اسکول سے کچھ دور واقع نکونے میں پڑتا تھا، اور ادھر اسکول جانے والوں میں سے میرے سوا اور کسی کا مکان نہیں تھا، اس لئے زیادہ تر مجھے اکیلے اسکول جانا پڑتا۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ جب میں اپنے گھر کی طرف سے نکل کر سڑک پر پہنچتا تو میرا کوئی ساتھی مل جاتا۔

لیکن جب میں اپنے گھر سے چلتا تو دل ہی دل میں دعا مانگتا کہ ایشور نہ کرے کہ آج سڑک پر کوئی ساتھی مل جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس راستے سے میں سڑک پر آتا اس کے موڑ پر روزانہ مجھے ایک بھکاری ملا کرتا۔ یہ ایک نوجوان آدمی معلوم تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور بدن کے دوسرے حصوں پر ہر وقت مکھیاں اڑتی اور بیٹھتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے کوڑھ کا روگ ہو گیا ہے۔ اس کے پاس کپڑے بالکل نہیں تھے۔ وہ ایک گندا سا چیتھڑا لپیٹے رہتا تھا، ہاں اس کے سر پر ایک ٹوپی ضرور رہا کرتی تھی جو کسی سپاہی کی معلوم ہوتی تھی۔ جسے وہ سر پر رکھ کر اپنی پگڑی باندھا کرتے ہیں۔

اس بھکاری نے نہ کبھی مجھ سے کچھ مانگا اور نہ میں نے دیا تو پھر میں اس سے گھبراتا کیوں تھا؟ میں اس سے گھبراتا اس لئے تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی سلام کر بیٹھتا، میں اس سے سلام کی آواز سنتے ہی اپنے سر کو جواب دینے کے لئے ذرا سا ہلاتا اور پھر ہلا اس کی طرف دیکھے ہوئے جلدی جلدی ٹانگیں بڑھا کر آگے بڑھ جاتا اور جب کچھ دور پہنچ جاتا تو مڑ کر ادھر ادھر دیکھتا کہ میرے کسی جاننے والے نے تو مجھے نہیں دیکھا۔ میں سوچتا تھا کہ اگر میرا کوئی جاننے والا مجھے اس حالت میں دیکھ پائے گا تو کہیگا کہ یہ بھکاری اس کے کسی رشتے ناطے کا معلوم ہوتا ہے جبھی تو ایسے بڑھ کر بڑے تپاک سے سلام کیا کرتا ہے۔

میں اس خیال سے جھینپتا اور اسی جھینپ اور شرم کی وجہ سے بھکاری سے ہمیشہ گھبراتا رہتا۔

کچھ دن گیا، کوئی مہینے بھر تک یہی حالت رہی لیکن یہ بات مجھے اسوقت یاد آتی جب میں گھر سے اسکول کے لئے چل پڑتا۔ اور پھر اسکول پہنچتے پہنچتے بھول بھی جایا کرتا۔

(۱)

ایک روز کا ذکر ہے۔ جیسے ہی میں اس موڑ پر پہنچا میری ایک سائیکل والے سے، جو بہت بے تحاشا چلا رہا تھا ٹکر ہو گئی۔ کتابیں الگ پڑی اور میں الگ جا پڑا۔ خیر چوٹ تو کچھ ایسی نہیں آئی۔ ہاں کتابیں البتہ سب کی سب تتر بتر ہو گئیں۔ میں فوراً اٹھ بیٹھا۔ اور جلدی جلدی کپڑے جھاڑنے لگا۔ اس کام کو پورا کر کے جیسے ہی میں کتابوں کی طرف مڑا۔ دیکھا کہ وہی بھکاری جلدی جلدی زمین پر پڑی ہوئی کتابیں سمیٹ رہا ہے! اس نے مجھے اپنی طرف تکتے دیکھ کر کہا۔

"بابوجی، چوٹ تو نہیں آئی؟ یہ لوگ بہت نڈر ہو کر سائیکل چلاتے ہیں لیجئے، دیکھئے ان میں سے کوئی پھٹی تو نہیں!"

میں اسے اپنی کتابوں کے ساتھ اپنے سامنے کھڑا باتیں کرتے دیکھ کر بڑا گھبرایا۔

"نہیں کوئی چوٹ نہیں آئی"

میں نے یہ کہا، اور جلدی سے اس کے ہاتھ سے کتابیں لئے چلا گیا۔

راستے بھر مجھے ایک الجھن سی رہی کبھی کبھی یہ بھی خیال ہوتا کہ کوڑھی نے کتابیں چھو دی ہیں۔ دیکھئے کیا ہو!

میں اسی ادھیڑ بن میں اسکول کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ وہاں کچھ اونچی جماعت کے لڑکے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ میں جیسے ہی ان کے پاس پہنچا۔ ان میں سے ایک صاحب کی کتاب باتیں کرتے ہوئے، ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ میں نے فوراً اٹھا کر ان کے سامنے بڑھا دیا۔ انھوں نے کتاب میرے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا "تھینک یو" (شکریہ)

بات بہت چھوٹی سی تھی۔ لیکن اس سے میری سوچ اور بڑھ گئی۔ اور مجھے اپنے گرنے اور بھکاری کے کتابیں اٹھا کر دینے کی کہانی یاد آ گئی میں سوچنے لگا

"ایسا کیوں ہے؟ کیا وہ بھکاری آدمی نہیں؟ تو پھر میں اس سے گھبراتا کیوں ہوں؟ اس نے مجھے کتابیں اٹھا کر دیں میٹھے بولوں میں دلاسا دیا اور میری طرف سے سائیکل والے کو برا بھلا کہا۔ اور میں نے کیا کیا! میں اسے کتا سمجھا، وہ مجھے گھناؤنا معلوم ہوا۔ اور اس سے بات کرنے میں۔ میں اپنی ہتک سمجھا۔ ابھی ابھی رمیش بابو کے ہاتھ سے کتاب چھٹ کر گر گئی تھی، میں نے اٹھا کر دیدیا، دونوں باتیں ایک ہی طرح کی تھیں لیکن رمیش بابو نے میرا احسان مانا اور مجھے تھینک یو کہا، اور میں نے اسے کتا سمجھا۔ اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ ......"

یہاں آ کر مجھے اپنا خیال ہوا۔ اور اب میں نے اپنی حالت کو بھکاری کی حالت سے ملانا شروع کر دیا۔ میں نے اپنے من میں کہا۔

"لیکن مجھ میں اور بھکاری میں فرق بھی تو ہے۔ وہ تو کوڑھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے یا اس کے باپ دادا میں سے کسی نے پاپ کیا تھا جس کی

تو کیا کرتے میری خاطر سے بھیا کو سب کچھ کرنا پڑا۔"

یہ کہتے ہوئے عورت کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو کے قطرے نکل پڑے لیکن اس نے انھیں فوراً ہی پونچھ کر کہا،

" خود تو کچھ کھاتے نہیں تھے، کھانا پینا تو زیادہ روز سے چھوٹ گیا تھا لیکن میری فکر ہر دم لگی رہتی تھی ہزار سمجھاتی اور لاکھ کہتی کہ میری خاطر دکھ پر دکھ نہ اٹھاؤ، میں ٹولے محلے سے پیس کوٹ کر اپنے پیٹ کے لئے کما لاؤں گی، لیکن سب ان سنی کر دیتے اور کہتے۔ مجھے کیوں بھلا دا دیتی ہو ماں! میں سب کچھ جانتا اور سمجھتا ہوں تمہیں اپنے گھر بیٹھنے ہی کون دیتا ہے جو تم پیس کوٹ کر کما لاؤ گی سچ ہے ایک کوڑھی اور اس کی ماں کے لئے دنیا میں کہیں ٹھکانا نہیں"

" دن بھر بھیا نہ جانے کہاں کہاں، گلیوں اور سڑکوں پر بلا دانا او بلا پانی مارے مارے پھرتے شام کو پاؤں گھسیٹتے گھر واپس آتے، اور اسی چارپائی پڑ رہتے جو کچھ دن میں چار پیسے ملے ہوتے مجھے نکال کر دیتے اور کہتے۔ ماں! میری زندگی کی ناؤ بہت پرانی ہو گئی، اب مجھ سے کھیئی نہیں جاتی۔ پرماتما مجھے اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتے "

" میں انھیں تسلی دیتے ہوئے کہتی۔ بیٹا! گھبراؤ نہیں۔ ایشور کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، وہ ضرور تمہیں اپنے پاس بلا لیں گے۔ سمجھ لو ابھی دن پورے نہیں ہوئے، وہ کہتے ماں! میں بھیک مانگنے سے نہیں گھبراتا میں تمہارے واسطے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن مجھے دنیا والوں کا یہ برتاؤ دیکھا نہیں جاتا کہ وہ یہ دیکھتے ہوئے کہ میں آدمی ہوں مجھے کتے سے بھی بدتر سمجھتے ہیں، گھن کرتے ہیں، اور بات تو بات جب میں انھیں سلام کرتا ہوں تو منہ پھیر لیتے ہیں"

عورت کی یہ بات سنکر ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے پتھر کی ایک بھاری بھرکم چٹان اٹھا کر میرے سینے پر دے ماری، میں تلملا کر رہ گیا۔ میں نے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کی غرض سے کہا " تم لوگ کرتے کیا ہو؟ تمہارے اور کوئی نہیں؟ کیا تم لوگ یہیں کے رہنے والے ہو؟"

" کرتے کیا ہیں، بابوجی! بھیا پولیس میں نوکر تھے، پندرہ روپئے ماہوار ملا کرتے تھے۔ جیسے تیسے گزر ہو جایا کرتی تھی بلکہ انہیں پندرہ میں سے تو دو چار مہینہ گھر میں نئی بہو دیکھنے کے لئے بچا لیا کرتی تھی لیکن اب تو یہ باتیں سپنا ہو گئیں۔ سپنا ہی کی طرح یاد کی جائیں گی اور بیان کی جائیں گی۔ ـــــــ

یہاں پہنچ کر عورت کی آواز بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو کے قطرے زمین پر ٹپک پڑے۔ اس نے تھوڑی دیر رک کر پھر کہنا شروع کیا:

" اور ہمارا کون ہے۔ بابوجی! بھیا جب دو برس کے تھے جبھی ان کے پتا اس دنیا سے سدھار گئے۔ وہ انھیں بہت چاہتے تھے"

عورت کی آواز پھر بھرا گئی، لیکن اس نے سنبھل کر کہا ـــــــ یہ لوگ . . . . کے رہنے والے ہیں۔ ان کے دادا پردادا بھی پولیس میں بھرتی ہوتے تھے، اور پھر جبھی سے یہ لوگ اسی ریاست کی نوکری کرتے رہے ہیں"

دیر ہو جانے کے علاوہ کہانی بھی پوری ہو چکی تھی اس لئے میں اٹھ کھڑا ہوا اور عورت سے جانے کے لئے کہا، اس نے کہا،

" ہاں بابوجی! ضرور جاؤ! اتنا کیا یہ تو اب دو چار گھڑی کے مہمان ہیں، بہت دنوں کے بعد تم ایسے آدمی ملے تھے جن سے دو دو باتیں کر کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کیا، ورنہ بابو! ٹولے محلے والے تو پرچھائیں دیکھ کر بھاگتے ہیں اور اصل میں یہی وجہ تھی کہ بھیا ہر وقت موت کی تمنا کیا کرتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ماں! میں نہ رہوں گا تو لوگ تم سے گھن نہ کریں گے، اس لئے کم سے کم اتنا تو ہوگا کہ تم اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کہیں نہ کہیں سے کما لیا کرو گی "

" اچھا بابو اب جاؤ، تم سے ملکر بڑا سکھ ملا، پرماتما تمہیں سکھی رکھے لیکن بابو! اپنا نام تو بتاتے جاؤ۔ تاکہ کبھی جیتی جیاتی کی ضرورت پڑے تو مجھ دکھیا کو کون پوچھے گا!"

میں نے کہا میرا نام رام ناتھ ہے، میں یہیں قریب ہی میں رہتا ہوں، دیکھو اگر وقت ملا تو پھر ہو جاؤں گا۔

(۵)

دوسرے روز اسکول جاتے ہوئے، جیسے ہی میں نکڑ پر پہنچا پان والے نے مجھے آواز دی، اس نے کہا،

" آپ دو تین روز ہوئے اس بھکاری کو پوچھ رہے تھے؟

" ہاں! ہاں! کیا ہوا؟

" وہ تو چل بسا "

" چل بسا! کب؟ "

" کل رات کو "

میں سر جھکائے اسکول کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت تو خیر کوئی اتنا زیادہ اندازہ نہیں ہوا۔ لیکن اب تو یہ بات صاف طور سے دکھائی دیتی ہے کہ گو بھکاری مر گیا لیکن اپنی موت کے ساتھ ساتھ، ایک مردہ آتما کو زندہ بھی کرتا گیا۔ وہ مردہ آتما میری تھی جسے بھکاری کی جیون کتھا سے ایک نئی زندگی نصیب ہوئی۔

بقیہ

جو ریاستوں میں نمونے گئے ہیں مگر وہ فوج بھی ہے جو انلیہ کی ریاستوں کی مدد کو بھیجی گئی ہے۔ عوامی طاقت کا اسطرح کچلا جانا ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر برطانیہ یونہی دخل دیتی رہی، تو کانگرس بھی اپنی پوری طاقت سے دخل دے گی۔

گاندھی جی برطانیہ اور اس کے ایجنٹوں کو اس حرکت کا انجام کئی بار سمجھا چکے ہیں مکمل بات ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ یہ جھگڑے وہ ایک ریاستوں میں محدود رہ جائیں اور یہ کہ کانگریسی وزارتیں اپنے صوبوں میں جہاں کہ ابھی جو کہ ایک طرح سے حکومت ہند سے میل کرنا ہے۔ اگر یہ لڑائی بڑھی تو ہندستان کے اس کونے سے لیکر اس کونے تک پہونچ جائے گی۔ اور پھر برطانیہ کو ہندستان اور کرنا ... ہو جائیگا۔

ریاستی عوام کے مطالبات

ریاستی لڑائیوں کی اہمیت کیا ہے؟ اسے خوب سمجھ لینا چاہئے۔ تھوڑا تھوڑا ہر ریاست کے مطالبوں میں فرق ہے۔ لیکن ہر جگہ پوری ذمہ دار حکومت کا مطالبہ ہے۔ مگر اسوقت یہ مطالبہ نہیں ہے کہ یہ حکومت دیدی جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ اس حکومت کے حاصل کرنے کے لئے تنظیم کرنے کی اجازت دیدی جائے۔ جب یہ حق بھی نہیں دیا جاتا ہے، اور سول آزادی ... کردی جاتی ہے۔ تو پھر آمنی جدوجہد کی کوئی صورت نہیں رہ جاتی۔ اب عوام کے لئے ایک تو صورت یہ ہے کہ وہ یا تو سختیوں کے سامنے جھک جائیں۔ اور تمام و ماغی آزادی اور خودداری کو قربان کردیں۔ یا پھر لڑائی چھیڑدیں۔ یہ لڑائی ہمارے یہاں باامن ستیہ گرہ ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چاہے جو کچھ انجام ہو ظلم اور سختی کے سامنے نہیں جھکیں گے۔ اسی طرح زیادہ تر ریاستوں میں جو چیز سامنے ہے وہ سول آزادی ہے۔ اگرچہ منزل ہر جگہ ذمہ دار حکومت ہے جے پور میں یہ لڑائی اور مدد دہے وہاں کی ریاست نے راج منڈل کو اتنی بھی اجازت نہیں دی کہ وہ قحط زدوں کی امداد کرے۔

برطانوی سامراج کے نامدا اپنی بین الاقوامی پالیسی کو امن کے نام پر جائز کر رہے ہیں اور گلا پھاڑ پھاڑ چلا رہے ہیں کہ ان کو تشدد اور خونریزی سے کتنی نفرت ہے اسی امن کے نام پر انہوں نے بین الاقوامی دغابازی اور بے ایمانی کو ڈہایا اور جمہوریت اور آزادی کے ساتھ سخت ترین دشمنی کی۔

ہندستان میں ان کی پالیسی یہ ہے کہ کانگرس تو امن امن چلا رہی ہے اور برطانیہ باامن تحریکوں کو کچلنے کے لئے درندوں کی ایسی خونخوار حرکتیں کر رہا ہے۔

ذمہ دار حکومت

کیا اب بھی کوئی ایسا انسان ہے جس کا خیال ہو کہ ریاستوں میں شخصی حکومت ظلم اور بدنظامی سے کام چلا رہی ہے؟ کیا کوئی شخص اس کو نہیں مانتا کہ یہ سب کچھ ختم ہو جانا چاہیئے اور ان کی جگہ آزاد حکومت آجانا چاہیئے؟ اگر یہ ہونا ہے تو کیسے ہو سکتا ہے جبتک باامن جماعتوں کو باقاعدہ کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ پبلک میں بیداری پھیلائیں کوئی ترقی بھی ہو، اس کے پروان چڑھنے کے لئے سول آزادی ضروری ہے۔ ہندستان کیلئے اس سے بڑی اور کوئی ذلت نہیں ہو سکتی کہ اس سے خواہش کی جائے کہ وہ ریاستوں میں آمرانہ شخصی حکومت جماعتوں کے دبائے جانے، اور پبلک جلسوں کی ممانعت کو برداشت کرے۔ کیا ریاستیں یوں ہی جیل خانے بنی رہیں گی، جہاں کہ انسانی آزادی برباد کی جاتی ہے اور عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی راجاؤں کی عیش و عشرت پر برباد ہوتی ہے اور عوام پستی اور جہالت میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

راجپوتانہ کی بعض بعض ریاستوں میں ٹائپ رائٹر تک پسند نہیں کیا جاتا۔ اور لوگ ... اسے بلا رجسٹری کرائے نہیں استعمال کر سکتے۔ کشمیر میں پرانی بغاوت کے زمانے میں ایک خونخوار آرڈیننس جاری کیا گیا تھا۔ اور وہ ابھی تک جاری ہے۔ حیدرآباد میں سول آزادی کا پتہ نہیں ہے۔ اور وہاں ستیہ گرہ کرنے والوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے اس سے یہ حقیقت کھل گئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے کئی سو طالب علموں کا اس جرم پر نام خارج کر دیا گیا کہ وہ بندے ماترم گانا چاہتے تھے۔ اس سے وہاں کے حاکم طبقہ کی رجعت پسندی ظاہر ہوتی ہے ٹراونکور میں جو درندگی دکھائی جا چکی ہے اس کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ ہے۔

لیکن نہ تو میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایک ریاست کو گنا کر اس کی حرکتیں بتاؤں اور نہ انفرادی طور پر میں ان پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں یہ قصے تو کبھی ختم ہونگے اسوقت ہم سے پنجاب کی ریاستیں قریب ہیں۔ اور ان کی بدانتظامی کی داستان کبھی نہ ختم ہونے والی داستان ہے میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ ریاستوں کے بڑے مسئلوں پر دھیان دیں۔ ہم کو جنگل کو دیکھنا چاہیئے اور درختوں کے گننے میں وقت نہ گنوانا چاہیئے۔ اب ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہندستان کی آزادی کے مسئلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں اٹھایا جا سکتا ہے۔

لیکن بعض ریاستیں لڑائی میں آگے ہیں۔ اور بعض کے مسئلہ خاص ہیں۔ اس لئے انپر الگ الگ غور کرنا ہوگا۔

راجکوٹ

آج راجکوٹ اور جے پور سب ریاستوں سے آگے ہیں۔ راجکوٹ کا مسئلہ آل انڈیا مسئلہ ہے۔ ہمارے بہت سے ساتھی وہاں کی لڑائی میں الجھے ہوئے ہیں، اور اسوجہ سے وہ اس کانفرنس میں بھی نہیں شریک ہو سکے۔ راجکوٹ ہم کو بہت سے سبق سکھا رہا ہے وہاں بہت دنوں تک لڑائی چلی اور پھر ایسا معلوم ہوا کہ عوام جیت گئے۔ ہم نے دیکھا کہ کس طرح ہماری لڑائی کے ڈھنگ اور عوام کی باامن اور بہادرانہ قربانیوں سے بازی ہمارے ہاتھوں رہی لیکن ہماری خوشی وقت سے پہلے تھی۔ راجہ اپنے قول سے پھر گئے اور لڑائی پھر سے چھڑ گئی سب جانتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا۔ اور کس طرح حکومت ہند نے بیچ میں پڑکر سمجھوتہ تڑوا دیا اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ جب تک جو کچھ ہم لینا چاہتے ہیں اسے نہ لیں۔ ہم کو خوش نہ ہونا چاہئے۔ وعدوں پر بھروسا نہ کرنا چاہیئے کیونکہ فیصلہ کرنا ... کرنے والوں کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

جے پور

جے پور میں بھی ایک انگریز وزیر اعظم ہے۔ اور اسی کے ہاتھ میں راج کی باگ ڈور ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس میں شاید حکومت ہند کا مشورہ بھی ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ نوجوان مہاراجہ کی

کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور ہر ایک جانتا ہے کہ وزیر اعظم کی یہ طاقت بلا حکومت ہند کی سرپرستی کے نہیں رہ سکتی

رن پور

اڑیسہ میں برطانوی ایجنٹ میجر جنرل بیزل گیٹ کی موت نے بہت نقصان پہونچایا اڑیسہ کے لوگ بہت پیچھے ہیں اور ان کو ہمارے بھولوں کے نہ سمجھنے کی سزا بھگتنا پڑ رہی ہے۔ اس ایک غلطی کی سزا یہ مل رہی ہے کہ مسلح فوجیں دور دور سے لائی گئی ہیں یہ فوجیں کیوں جمع کی گئی ہیں۔ وہاں بغاوت ہو رہی ہے؟ فاقہ زدہ عوام ان کو دیکھ کر اپنے گھر بار چھوڑ بھاگے۔ اور اب رن پور اجاڑ جگہ بن گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگلی قبیلوں یعنی گونڈوں کے حملہ کا ڈر تھا۔ کیا ان لوگوں کے تیروں کا مقابلہ کرنے کو فوج بلائی گئی ہے؟ ان غریب جنگلی لوگوں کو اس وقت تک حملہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب تک وہ غریبی سے بے حد تنگ نہ آ جائیں جب ایسا ہو تو ان کی شکایتیں دور کر دینا چاہیئے۔ لیکن سامراج ایسے مسئلوں کو دوسری طرح حل کرتا ہے۔

فوج گونڈ کے لیئے نہیں آئی ہے، بلکہ عوام کو ڈرانے اور راجہ کی ہمت بڑھانے کو آئی ہے ان کے ذریعہ سے آزادی کی تحریک دبائی گئی۔ مرکزی حکومت نے کھل کر بد انتظامی اور ظلموں کی طرفداری کی ہے۔

دھنکنال اور تلچیر

رن پور کے ظلموں سے پہلے دھنکنال اور تلچیر نے رعایا پر ایسے مظالم کیئے کہ وہاں کی تیس چالیس ہزار رعایا دیس چھوڑ کر اڑیسہ کے صوبہ میں آ گئی۔ ریاستوں نے صوبہ سے مطالبہ کیا کہ ان بھاگنے والوں کے لیڈروں کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ ان کو سزا دے سکے برطانیہ نے اس مطالبہ کی تائید کی۔ یہ ایسا مطالبہ تھا جس کو کوئی کانگریسی حکومت، اگر اسے اپنی عزت رکھنا ہے تو قبول نہیں کر سکتی تھی۔

ریاستوں کے بھاگے مجرموں کا مسئلہ

ہم کسی مجرم کو نہیں بچانا چاہتے۔ لیکن اس کے جرم کی تحقیق ہونا چاہیئے۔ اگر یہاں اگر تحقیق کی جائیگی تو تلچیر دھنکنال کے خونخوار ظلموں کی اور وہاں کے افسر مجرم نکلینگے جن کو رعایا پر ظلم ڈھانے کی سزا دی جائے گی۔

بڑی ریاستیں سامراجی فنون میں برطانیہ کی شاگرد ہیں۔ جہاں انھوں نے بہت باتیں سیکھی ہیں وہاں فرقہ وارانہ جھگڑوں سے فائدہ اٹھانا بھی سیکھا ہے خواہ کتنی بڑی عوامی تحریک کی یہ کہہ کر حیثیت گرائی جا رہی ہو کہ وہ فرقہ وارانہ ہے۔ اس میں صرف عیسائی شریک ہیں۔ کشمیر کی عوامی تحریک کو مسلمانوں کی تحریک اور حیدر آباد کی تحریک کو ہندوؤں کی تحریک کہا جاتا ہے۔ چاہے ان تحریکوں میں جو مطالبے ہوں وہ بالکل قومی ہوں جن سے کسی خاص فرقہ کو فائدہ نہ پہونچتا ہو۔ لیکن ان کو کسی نہ کسی طرح فرقہ وارانہ کہہ کر بدنام کر دیا جائے گا۔

حیدر آباد اور کشمیر

حیدر آباد اور کشمیر دونوں ہندستان کی بڑی ریاستیں ہیں۔ اور ہم کو امید تھی کہ یہ ذمہ دار حکومت کے لئے دوسری ریاستوں کے لئے نمونہ بنیں گی۔ حیدر آباد ہندو ریاست ہے جس کا حکمراں مسلمان ہے اور کشمیر اسلامی ریاست ہے جہاں کا حکمراں ہندو ہے۔ اسطرح دونوں کے سلسلے ایک سے ہیں اور دونوں جگہ عوام بے حد غریب اور جاہل ہیں۔ اور وہاں کی صنعتی ترقی پیچھے پڑی ہوئی ہے۔

عوام کی اس غریبی کے مقابلہ میں ان دونوں ریاستوں کے حکمراں شاید ہندستان میں سب سے زیادہ امیر ہیں کشمیر سیاسی حیثیت سے حیدر آباد سے کچھ بہتر ہے۔ کیونکہ وہاں ایک قسم کی قانون سبھا موجود ہے لیکن اس کے اختیارات بہت کم ہیں اور جو آرڈیننس وہاں جاری ہوتے ہیں وہ اپنی سختی میں بہت خونخوار ہیں۔ حیدر آباد میں شاید ہندستان میں سب سے کم سول آزادی ہے اور حال ہی میں یہ معلوم ہوا کہ وہاں بعض بعض مذہبی کاموں پر بھی پابندیاں ہیں۔ یہ سیاسی پستی کی کوئی نئی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہی وہاں کی عام حالت تھی دونوں ریاستوں میں یہ ضروری تھا کہ عوامی تحریکیں اٹھیں اور عوام تک پہونچیں۔ پہلے یہ کشمیر میں ہوا، اور اب حیدر آباد میں ہو رہا ہے۔ یہ بھی قدرتی تھا کہ ان تحریکوں کا اثر رعایا کی اکثریت پر ہو۔ جو کہ کشمیر میں مسلمان ہیں اور حیدر آباد میں ہندو اس لیئے اگر شروع کی ان تحریکوں میں کچھ فرقہ وارانہ اثر دکھائی دیتا ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ ایسا ہونے پر بھی وہ تحریکیں عوامی تحریکیں ہیں۔ کیونکہ وہ اکثریت کی مطالبوں کو لیکر چلتی ہیں اور ان مطالبوں کے پورا ہونے سے سب کا فائدہ ہے کشمیر میں بہت سے سمجھدار ہندوؤں اور سکھوں نے تحریک کا ساتھ دیا اور قومی مطالبوں کو لے کر بڑھے ہمیں امید ہے کہ حیدر آباد کے بھی کچھ سمجھدار مسلمان ایسا ہی کرینگے

باقی صفحہ ۲۲ پر

اور دونوں جگہ کے رہنما اس بات کو سمجھ لیں گے کہ ان تحریکوں کو فرقہ وارانہ رنگ دینا تحریک کو تباہ کرنا ہے۔ وہاں کی اقلیتوں کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ان ریاستوں میں ذمہ دار حکومت ہو کر رہے گی۔ اور اس کے ہونے سے اقلیتوں کو بھی فائدہ پہونچے گا جتنا اکثریت کو۔

حیدرآباد اور کشمیر دونوں جگہ اقلیتوں کا یکساں مسئلہ ہے۔ — اسکو حل کرنا چاہیئے اور حل کرنے میں کانگرس کی اقلیتوں کے اصول پر عمل کرنا چاہیئے اور ان کی ذمہ دار حکومت میں گنجائش نکالنا چاہیئے۔

حیدرآباد میں ایک خاص صورت پیدا ہو گئی ہے وہ یہ کہ وہاں کی کانگرس کو غیر قانونی قرار دیدیا گیا۔ حالانکہ وہ صرف اتنا کام کر رہی تھی کہ ذمہ دار حکومت کا مطالبہ اٹھا رہی تھی اور ممبر بنا رہی تھی۔ غیر قانونی قرار دیئے جانے پر ریاستی کانگرس نے جا طور پر سول نافرمانی چھیڑ دی۔ اسی زمانے میں، یا اس کے کچھ دنوں بعد ایک مذہبی جماعت نے سول نافرمانی چھیڑ دی۔ وہ اس بات پر کہ وہاں بعض مذہبی معاملات میں حکومت کیطرف سے رکاوٹیں ہیں اس زمانے میں ایسی رکاوٹیں ہونا بہت بری بات ہے لیکن مذہبی جماعت کو اس وقت اور اس طرح ستیہ گرہ نہیں کرنا چاہئے تھی۔ اس سے یہ نقصان پہونچا کہ ریاست کو معاملات الجھانے اور ذمہ دار حکومت کے مطالبہ کو دبا دینے کا موقع مل گیا۔

معاملات پر غور کرنے کے بعد ریاستی کانگرس کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ستیہ گرہ بند کر دے۔ اس نے مشورہ مان لیا۔ لیکن اس پر بھی ریاست کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ قیدیوں کو چھوڑ دیتی اور کانگرس پر سے پابندی اٹھا لیتی۔

بدقسمتی سے مذہبی اور فرقہ وارانہ ستیہ گرہ جو دوسری جماعتوں نے چھیڑی تھی جاری رہی۔ اور اس مسئلہ نے طول پکڑا۔ جیسے ہندوستان میں جا بجا فساد ہو گئے جو لوگ ایسی تحریکوں کو اٹھاتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ عوامی تحریک ہمیشہ نیچے سے اٹھتی ہے وہ اوپر سے نہیں ٹھونسی جا سکتی۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ دارانہ مسئلہ ذمہ دار حکومت کے مطالبہ پر چھا گیا۔

کشمیر میں پارسال ستیہ گرہ اس لئے بند کر دی گئی تھی کہ ریاست کو شکایتیں دور کرنے کا موقع دیا جائے لیکن وہاں بھی ریاست کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ قیدیوں کو رہا کر دیتی۔ وہاں ابھی تک تمام ستیہ گرہی مع انکے لیڈر شیخ محمد عبداللہ کے جیل خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور سخت آرڈیننس (نوٹیفکیشن ۱۹-ایل) اور باغیانہ جلسہ کا قانون ۱۹۱۴ء ابھی تک نافذ ہیں۔

یہ ظاہر بات ہے کہ کشمیر اور حیدرآباد کی یہ حالت زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکتی اگر وہاں کے حاکموں کا یہی رویہ رہا تو پھر ستیہ گرہ شروع کر دی جائے گی۔

ہم میں سے کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس زمانے میں جھگڑوں نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ ہم ایسے جھگڑے ہندوستان میں نہیں چاہتے کیونکہ ان سے آزادی نہیں ملتی لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ جیسے جیسے ہماری طاقت بڑھتی جا رہی ہے پھوٹ، علٰیحدگی، فرقہ بندی اور تنگ نظری بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ برطانیہ کمزور ہو جانے پر بھی مضبوط ہے۔ اور یہ کہ آزادی بغیر جد و جہد کے نہیں مل سکتی۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی مستقبل کو خوشی خوشی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ دکھوں سے بھرا ہوا ہے، اور مستقبل قریب پر دھندلکا

۲۶ فروري ۱۹۳۹ ع { فی پرچه ۱ آنه سالانه ۳ روپیه

...وامي کانفرنس

تاریخ میں ہرگز تبدیلی نہ ہوگی ..۱۰۰۰ سے کم نہ ہوگی

مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام

ہر کام انصاف اور ایمانداری سے ہوگا—تجربہ شاہد ہے—آزمائیے

انعامات—پہلا انعام مبلغ سات ہزار روپیہ اس شخص یا اشخاص کو دیا جائیگا—جو بالکل درست حل بھیجینگے
دوسرا انعام مبلغ دو ہزار روپیہ اس شخص کو دیا جائیگا—جسکا صحیح حل ہمارے دفتر میں سب سے پہلے موصول ہوگا—
تیسرا انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ سب سے زیادہ حل بھیجنے والے شخص کو دیا جائیگا—

١٦		
	١٤	
		١٢

حل کیا کرنا ہے—سامنے دئے ہوئے نو خانہ مربع میں ایک سے لیکر ایک صد تک کے ہندسوں کو اس طرح رکھئے کہ تین ہندسوں کی لائن کو خواہ کسی طرف سے لیویں جواب پچاس آئے—دئے ہوئے ہندسوں کی جگہہ تبدیل نہیں کی جاسکتی—صفر اور بٹہ استعمال نہیں ہوسکتا کوئی ہندسہ دوبارہ استعمال نہ ہوگا—

شرائط—فیس داخلہ ہر حل کے لئے ۸ آنہ حل کے حساب سے بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر آنا چاہئے—منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ لکھنا لازمی ہے—حل سفید کاغذ پر بھی بھیجے جاسکتے ہیں—حل معمہ سر بمہر کرکے ایڈیٹر صاحب کے پاس رکھدیا گیا ہے—حل ۲۶ فروری تک ڈاک میں ڈالدینے چاہئیں—اس کے بعد کوئی حل منظور نہ ہوگا—صحیح حل ۲۸ فروری کو اخبارات میں شائع کردیا جائیگا—چارلس ملوہر صاحب معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل تسلیم ہوگا—اس کمپنی کی یہ واضح شرط ہے—نتیجہ کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ آنا لازمی ہے—اور انعام کی رقم بعد وضع اخراجات بالکل ٹھیک حل کرنے والے ان اشخاص میں تقسیم کی جاویگی—جن کے حل ہمارے سر بمہر حل سے مل جاوینگے—انعام کی تقسیم موصول شدہ حلوں کی تعداد کے مطابق ہوگی—گارنٹی—ہر صحیح حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیہ انعام ضرور ملیگا—اور سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیہ کی گارنٹی ہے—ہر ایک شخص ایک یا مختلف قسم کے جتنے حل چاہے بھیج سکتا ہے—
حل اور منی آرڈر بھیجنے کا پتہ—

منیجر دی رائل ریگل وکٹوریہ کمپنی (کمپی ٹیشن ڈیپارٹمنٹ نمبر ۱۳)
سادھورہ (پنجاب)

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر عمدۃ المطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر بشیشر ناتھ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳—نمبر ۹ } کانگرس کا هفته‌وار اخبار—لکهنؤ ۲۶ فروري ۱۹۳۹ ع { فی پرچه ۱ آنه سالانه ۳ روپیه

آل انڈیا ریاستی عوامي کانفرنس

کانفرنس کے صدر جواهر لال دوسرے کارکنون کے ساتهه پنڈال کیطرف جارهے هین

ریاستی عوام مین زبردست بیداری

لدھیانہ مین صدارتی جلوس کا ایک منظر—آگے آگے عورتین قومی گیت گاتی جارھی ھین

لاکھون آدمیون نے صدارتی جلوس مین شرکت کی—لدھیانہ مین اتنا بڑا جلوس آج تک نہین نکلا

شہری غریب سبھا کی ضرورت

عجیب بات ہے کہ ابھی تک ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں جو شہر کے غریبوں کے مطالبات کے پورا کرانے کے لئے لڑتی ہو، حالانکہ شہری غریب بھی سرمایہ داروں اور امیروں کی لوٹ کے ویسے ہی شکار ہیں جیسے مزدور اور کاشتکار سرمایہ داروں اور زمینداروں کے ظلموں کے۔ شہری غریبوں میں چھوٹے پیشوں کے لوگ ہیں جیسے پان والے، سبزی والے۔ دوکانوں پر نوکریاں کرنے والے۔ خدمتگاری کرنے والے کپڑا دھونے والے۔ اور ان پڑھ اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی، اور پردہ نشین اور بےبس عورتوں کی بہت بڑی تعداد ہے — ان میں سب بڑا ایسا طبقہ ہے جو مہاجنوں کے قرضے میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ لوگ سود پر سود ادا کرتے جاتے ہیں، مگر اصل ہے کہ ادا ہونے نہیں آتی — انکی پردہ نشین عورتیں بیکار رہتی ہیں — ان میں سے جو بیوہ ہو جاتی ہیں وہ کوشش کرنے پر بھی پیٹ پالنے کا کوئی ذریعہ نہیں نکال سکتیں۔ انکے بچے یا تو جاہل رہتے ہیں یا اردو ہندی اسکولوں میں شد بد پڑھ لیتے ہیں۔ انکے علاج کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ انکے پاس پیسہ تو ہوتا نہیں جو کسی اچھے ڈاکٹر یا حکیم کا علاج کرسکیں، اس لئے ادھر ادھر کی دیسی عطائیوں کی بتائی دوا کرتے ہیں جس سے اکثر بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ ہر ضلع اور شہر میں ایک دو اسپتال ضرور ہیں۔ مگر نہ وہاں کافی دوائیں ہیں اور نہ ڈاکٹر۔ جن علاقوں میں یہ غریب رہتے ہیں وہ بے حد گندے ہوتے ہیں، اور روشنی تک کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ شہری غریبوں میں سے بعض بعض پیشہ والوں کی کسی کسی شہر میں انجمنیں ہیں مثلاً اکہ ٹھیلے والوں کی انجمنیں یا دوکانوں کے اسسٹنٹوں کی انجمنیں ہیں۔ اور جس شہر میں کوئی خاص تجارت ہوتی ہے، اس میں کام کرنے والوں کی انجمنیں جیسے لکھنؤ میں زردوزی والوں، اور الہ آباد میں صندوق بنانیوالوں کی۔ مگر یہ انجمنیں غریبوں کے تمام مطالبات کو نہیں سمیٹ سکتیں — وہ صرف چند مشکلوں کو لیتی ہیں جنکا تعلق پیشہ سے ہوتا ہے۔

شہری غریبوں کی اپنی کوئی جماعت نہ ہونے کی وجہ سے شہری غریبوں میں سیاسی بیداری کی بہت کمی ہے۔ ان میں سے بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو جانتا ہی نہیں کہ سیاسی تحریکیں کیوں اٹھتی ہیں؟ آزادی مل جانے سے انکی روزمرہ کی مشکلوں میں کتنی کمی ہو جائے گی۔ اور یہ کہ فرقہ پرست تحریک اور قومی تحریک میں کیا خاص فرق ہے؟ جب اس جماعت کے سامنے ایک فرقہ پرست لیڈر کھڑا ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ کانگریس روٹی کیلئے لڑتی ہے مگر ہم روٹی کے لئے نہیں لڑتے ہیں۔" روٹی کے لئے لڑتے ہیں کتے" تو سننے والے بھولے غریب سمجھ لیتے ہیں کہ واقعی روٹی کے لئے لڑنا بہت بری بات ہے۔ حالانکہ اگر ان غریبوں کی زندگی دیکھی جائے تو پیدا ہوتے ہی انکے ماں باپ کی یہی دعائیں ہوتی ہیں کہ "کما کھائے" بچپن سے اسی کی فکر رہتی ہے — جوانی اور بڑھاپے میں بھی یہی فکر رہتی ہے، اور مرتے وقت بھی یہی فکر رہتی ہے کہ اسکے بال بچے کہاں سے کھائیں گے — سیاسی بیداری کی کمی ہی کی وجہ سے آئے دن فساد ہوتے رہتے ہیں۔

سیاسی بیداری اور ہندو مسلم ایکا پیدا کرنے کیلئے یہ کافی نہیں ہے کہ انکو اسکے فائدے سمجھا دئے جائیں، اور انکو کانگریس کا ممبر بنا دیا جائے۔ بلکہ انکو ایک مشترک پروگرام دینے کی ضرورت ہے۔ ایسا پروگرام جسکے مطالبات میں ان غریبوں کے روزمرہ کے دردوکھ شامل ہوں۔ اور جس کے لئے کوشش کرنے کا راستہ سامنے ہو۔ اور جسپر کچھ دور چلنے کے بعد تھوڑی بہت کامیابی ہو جائے۔ اس طرح شہری غریب عملی طور پر سمجھ جائیں گے کہ انکی موجودہ زندگی کیسی خراب ہے۔ اس خرابی کی ذمہ داری کس جماعت پر ہے۔ ان خرابیوں کے دور کرنے کا کون راستہ ہے۔ اور کس طرح اس راستہ پر چلکر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ خیالات، یہ کام اور یہ کامیابی ان میں سیاسی بیداری پیدا کریں گی اور ان میں تمیز پیدا کرائیں گی۔

اس لئے ہمکو ہر ہر شہر میں ایک سبھا "شہری غریب سبھا" کے نام سے بنانا چاہئے۔ جس کے مطالبات اس قسم کے ہوں۔

۱) شہری مہاجنی قرضہ جو سو روپیہ ماہوار سے کم آمدنی والے شخص پر ہے معاف کردیا جائے۔

۲) شہر کو کئی حلقوں میں بانٹا جائے، اور ہر حلقہ کا ذمہ دار ایک ڈاکٹر ہو — اور اسپتال اتنے بنوائے جائیں کہ شہر کے تمام مریضوں کے لئے کافی ہوں۔

۳) ہائی اسکول تک تعلیم مفت ہو۔

اعلان

محرم اور ہولی کے ساتھ ساتھ پڑنے کی وجہ سے اگلے ہفتہ کا ہندستان شائع نہیں ہو سکیگا۔ ایجنٹ صاحبان نوٹ کرلیں۔

۴) حکومت چھوٹے چھوٹے مکانات بنائے جو معمولی کرایہ پر غریبوں کو دے۔

۵) غریبوں کے محلوں میں پانی، روشنی، صفائی، اور سڑکوں کا ویسا ہی انتظام ہو جیسا امیروں کے محلوں میں۔

۶) انگلستان کی طرح ایک محکمہ شہر سدھار کھولا جائے جو بیروزگار بے خانماں عورتوں اور بیکار مردوں کے لئے گھر اور صنعت کا انتظام کرے۔ اور پھر انکی بنائی چیزوں کے لئے بازار مہیا کرے۔

۷) تفریح گاہیں بنائی جائیں، بڑے شہروں میں ایک سنیما گھر بنوایا جائے جہاں تماشے مفت دکھائے جائیں۔ پبلک جگہوں پر ریڈیو کا انتظام کیا جائے۔

وغیرہ وغیرہ۔ یہ مطالبات ہر شہر یوں کے حالات کے مطابق بدلتے رہیں گے۔

ہم کو ہر بڑے شہر میں "شہری غریب سبھا" کے نام سے ایک انجمن ان مطالبات کو سامنے رکھ کر بنانا چاہئے۔ کافی طاقت پیدا کر لینے کے بعد ان مطالبوں کو حکومت کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ ان مطالبوں میں سے کافی حصہ ایسا ہے جو کانگرسی حکومت پورا کر سکتی ہے، اس میں روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اسکے لئے وہ چار چھ کروڑ کا قرضہ لے سکتی ہے۔ جسکا سود ادا کرنے کے لئے وہ بجلی گھر، سنیما، اور تفریح گاہیں قائم کر سکتی ہے۔ بڑے شہروں میں ٹریم کار چلا سکتی ہے۔ اسکے علاوہ میونسپلٹی کو شہر کے امیروں پر بڑے بڑے ٹیکس لگانے کا حق دیا جا سکتا ہے، مگر کانگرسی حکومت یہ کام اسی وقت کر سکتی ہے جب اسکو شہری غریبوں کی منظم جماعت سے اسی طرح کی مدد ملے جیسی ٹننسی بل کے موقع پر کسان بھائیوں سے ملی۔

یہ سبھا بنتے ہی مسلم لیگ کو نکما بنا دے گی۔ کیونکہ مسلمان زیادہ تر شہروں میں آباد ہیں، اور غریب ہیں۔ اور مہاجنی قرضہ کا شکار ہیں۔ یہی لوگ مسلم لیگ کے پشت پناہ ہیں۔ یہ لوگ فوراً غریب سبھاؤں میں آ جائیں گے۔ اور یہ معاملہ مسلم لیگ کے لئے بہت نازک ہوگا، کیونکہ "مہاجنی دشمن" جماعت ہونے کی وجہ سے مسلم لیگ کو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ مگر وہ ساتھ یوں نہیں دے سکے گی کہ یہاں بھی ہندو مسلمان میں کسی طرح تفریق نہیں ہو سکتی ہے جیسے کسان سبھا، اور مزدور سبھا میں۔

مہاسبھا پر بھی اس جماعت کا بہت دباؤ پڑیگا۔ کیونکہ ابھی تک مہاسبھا یہ ڈھانکنے کی کوشش کرتی رہی ہے کہ ہندو بھی ہندو کو اسی طرح لوٹتا ہے جیسے مسلمان ہندو کو —— اس جماعت کے بننے سے غریب ہندوؤں کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ کس طرح مہاجنوں کے پھندوں میں جکڑے ہوئے ہیں ——

اس سبھا کی مدد سے ہم ایک ایسے طبقہ کو جو ابھی تک رجعت پسندوں کے ہاتھ میں کھلونا رہا ہے۔ ترقی پسند بنا دیں گے اور آزادی کی لڑائی میں ایک نئی طاقت بڑھا دیں گے جو کسی طرح مزدوروں اور کسانوں کی طاقت سے کم نہ ہوگی

ورکنگ کمیٹی کا استعفا

ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کر دیا کہ "ہماری رائے اکثریت کی رائے سے الگ ہے، اسلئے ہم ساتھ کام نہیں کر سکتے"۔ اس موقع پر جبکہ بین الاقوامی حالات اتنے نازک ہو رہے ہیں، اور ہندستان کے اندر ریاستوں کا معاملہ اتنا بڑھ چکا ہے، کانگرسیوں کا آپس کا یہ اختلاف بہت برا ہے۔ مگر یہ اچھا بھی ہے۔ کیونکہ اب معلوم ہو جائے گا کہ ملک کا جھکاؤ کس طرف ہے۔

ملک نے سوبھاش بوس کو صدر بنایا ہے۔ یہ اس کا آخری فیصلہ ہوگا۔ جیسا کہ وزارت کے قبول کرنے کے معاملہ میں ہوا ہے۔ اسلئے اب اکثریت ہی ورکنگ کمیٹی بنانا چاہئے اور اس کا بنایا ہوا پروگرام، آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سامنے آنا چاہئے۔ اگر ہمکو یہ پروگرام منظور ہے تو توڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ آگے بڑھو۔

اٹاوہ کانفرنس کی رہبری

اٹاوہ میں ان لوگوں کا جو عوام میں خاصکر مسلمانوں میں کام کر رہے ہیں۔ ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ اس نے اس سلسلہ میں ملک کی خاصی رہبری کی۔ ایک طرف تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ابھی تک شہری غریبوں کے لئے کانگرس نے کچھ نہیں کیا ہے۔ اس وجہ سے وہ لوگ فرقہ پرستوں کے ہاتھوں میں پھنسے ہوئے ہیں لہذا کانگرس کو ادھر توجہ کرنی چاہئے۔ ساتھ ساتھ اڈیٹر ہندستان جنہوں نے یہ تحریک پیش کی تھی لوگوں نے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے شہر میں شہری غریب سبھا بنائیں۔

کانفرنس نے دوسری رہبری یہ کہ فلسطین کے معاملہ پر ایک عہدنامہ لکھوایا کہ ملک کی کوئی جماعت جو فلسطین کے لئے جارحانہ کارروائی کے لئے کھڑی ہوگی ہم اسکے ساتھ ہیں۔ یہ عہدنامہ کسی تجویز کے پاس کر دینے سے بہتر ہے۔ کیونکہ پھر فرقہ پرست جماعتوں کو کسی نہ کسی بہانے اختلاف کرنا ضروری ہو جاتا۔ اس سے ہم ہی میل کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔

"ہندستان" کے خلاف آریہ سماج کی قرارداد

آریہ سماج انبالہ کے ایک جلسہ نے "ہندستان" (۵ر فروری) کے ایک نوٹ حیدرآباد ڈے کے متعلق ایک قرارداد پاس کی ہے جس میں اس نوٹ کو ناراضگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس میں آریہ سماج کی دھارمک ستیہ گرہ پر ناگوار الفاظ میں تبصرہ کرکے سماج کے محترم لیڈران پر ذاتی حملے کئے ہیں۔ اور اعلان کرتا ہے کہ آریہ سماج کی یہ تحریک خالص دھارمک حقوق کے لئے ہے۔ اور کسی دوسری ہمسایہ قوم یا مذہب کے خلاف نہیں، اور اڈیٹر ہندستان سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے ریمارکس پر نظر ثانی کرے۔"

ہمارے نوٹ میں کسی لیڈر پر کوئی حملہ نہیں ہے۔ ذاتی حملہ کا کیا تذکرہ۔ عبارت یہ ہے۔

آریہ سماج تحریک نے قومی اور عوامی تحریک کو بگاڑنے کے لئے جو گھنونی باتیں کی ہیں انکو دہرانا فرقہ پرستی کو اور اچھالنا ہے۔ اس لئے ہم صرف اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ کوئی تحریک جو فرقہ پرستی پر بنائی جائے کبھی سیاسی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو اصل سیاسی اور اقتصادی سوالات ہیں وہ فرقہ پرستی کی حدوں سے بالکل باہر ہیں۔ اس پر ہم برابر بحث کرتے آئے ہیں۔

ریاستی کانفرنس لدھیانہ

ریاستی کانفرنس لدھیانہ نے ہندستان کی آزادی کی لڑائی کا ایک نیا سیدھا اور صاف راستہ کھول دیا۔

اس کانفرنس نے بتایا کہ ریاستی راج ڈیڑھ سو برس پرانا ہے اور اب رعایا اور عوام کی بیداری کو دیکھتے ہوئے باقی رہنے کے لائق نہیں رہا مگر برطانوی سامراج اس کو اپنی غرضوں سے زمانے کے طوفان سے بچائے ہوئے ہے۔ نظام ایسا ہے کہ اس سے عوام کا فائدہ نہیں ہو سکتا، چاہے راجہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ اسوقت سارے ہندستان میں ریاستی عوام بیدار ہو گئے ہیں اور وہ ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کرنے کے لئے اپنی طاقت سمیٹنا چاہتے ہیں۔ مگر ریاستوں کا سخت گیر قانون اتنی بھی اجازت نہیں دیتا کہ عوام اپنی سبھائیں بنائیں، اور اس کے ممبر بنائیں۔ ان سختیوں کو ریاستی کانفرنس نہیں برداشت کر سکتی۔ وہ اس کا مقابلہ کرے گی۔

کانفرنس نے ریاستی لڑائیوں کی تائید کی اور وہاں کے بہادر لڑنے والوں کی تعریف کی ہے۔

کانفرنس نے ان عہدناموں کو ماننے سے انکار کر دیا جو برطانیہ اور راجاؤں میں کبھی ہوئے تھے، کیونکہ ان معاہدوں میں عوام کی رائے کا کوئی دخل نہیں۔

ہماری رائے میں یہ عہدنامے اسی دن ختم ہو گئے جس دن ملکہ وکٹوریہ کی شہنشاہی کا اعلان ہوا۔ کیونکہ عہدناموں میں راجہ اور برطانیہ کو برابر حیثیت کا تسلیم کیا گیا تھا اور شہنشاہی کے معنی یہ ہیں کہ راجہ بھی برطانیہ کے ویسے ہی غلام ہیں جیسے کہ ہندستانی عوام

کانفرنس نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ ریاستیں اور برطانوی ہند کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جب آزادی کے لئے کانگرس لڑ رہی ہے، اس میں نہ تو ہندستان کے ایسے ٹکڑے کئے جا سکتے ہیں اور نہ اس کے کسی حصے میں کسی طرح کی غلامی تسلیم کی جا سکتی ہے۔ اب تک کانگرس جو ریاستوں سے الگ رہی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتی تھی کہ جب لوگوں میں بیداری نہیں ہے وہاں کام کرنے سے فائدے کے بجائے نقصان کا ڈر ہے۔ گویا اصول کی بنا پر نہیں، بلکہ مصلحت کی بنا پر یہ علیحدگی تھی۔ اب کانفرنس نے یہ طے کیا ہے کہ ریاستوں کی جدوجہد کو کانگرس کی عام جدوجہد سے ملا دیا جائے، کیونکہ دراصل یہ دونوں لڑائیاں ایک ہی دشمن یعنی برطانوی سامراج کے خلاف تھیں۔

اس طرح کانفرنس نے ریاستوں کی بکھری لڑائیوں کو ایک میں پرو دیا، ان سب کو ہندستان کی عام آزادی کی لڑائی سے ملا دیا، اور بتا دیا کہ سب کا دشمن برطانوی سامراج ہے۔

اس کے علاوہ عوام سے میل کرنے کے لئے تعمیری پروگرام بھی اختیار کیا ہے۔ کانفرنس نے صرف راجہ اوندھ کو مبارکباد دی ہے کہ انھوں نے اپنی رعایا کو ذمہ دار حکومت دیدی۔ جو راجہ عوام کے مطالبات کو مان لے وہ ریاستی کانفرنس کا دوست ہے۔ یعنی لڑائی اصولی لڑائی ہے۔ اس میں کسی اور چیز کا دخل نہیں۔

بلوچستان میں برطانوی چالبازیاں

اسوقت بلوچستان دو حصوں میں تقسیم ہے۔ برطانوی بلوچستان اور ریاست قلات۔ برطانوی بلوچستان میں کچھ حصہ برطانیہ کا فتح کیا ہوا ہے۔ اور کچھ حصہ ٹھیکہ پر ہے۔ اس میں کوئٹہ، نصیر آباد، ضلع چاغی، ضلع بولان، بارکھان، وغیرہ شامل ہیں۔ اور اب برطانیہ اس پھیر میں ہے کہ ان سب علاقوں کو ریاست قلات کو واپس دیدے۔ تقریباً سارا بلوچستان ریاست قلات بن جائیگا۔ واپسی کا یہ سودا کرنے میں برطانیہ کو بلوچ لیگ کی تحریک "پان بلوچزم" یا بلوچ قوم کا ایکا سے بڑی مدد ملی۔ اس تحریک کا مطالبہ یہی تھا کہ تمام بلوچی علاقوں کو ملا کر ایک اسلامی بلوچی سلطنت کی بنیاد رکھی جائے اس قومی تحریک سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ اپنا الو سیدھا کر رہی ہے۔

برطانیہ کا مطلب کھلا ہوا ہے یعنی یہ کہ اسوقت جبکہ آزادی کی لہریں ہندستان کے کونے کونے میں دوڑ گئی ہیں برطانوی بلوچستان اس سے متاثر نہ ہو کیونکہ جہاں وہ متاثر ہوا ہندستان کی سرحد کمزور ہو گئی۔ اور ایک قیمتی علاقہ ہاتھ سے گیا۔ اسکو قابو میں رکھنے کی ایک ہی ترکیب ہے۔ وہ یہ کہ پان بلوچزم کی تحریک کو ہوا دی جائے، اور سارے علاقہ کو ریاست قلات میں شامل کر دیا جائے۔ ریاست کے ماتحت آنے کے بعد جاگیرداری راج اور زور پکڑ جائے گا۔ کیونکہ امیر قلات اسی وقت تک رعایا کو محکومی کی زنجیروں میں جکڑے رکھ سکتا ہے جب قبیلوں کے سردار اس کا ساتھ دیں۔ اور قبیلوں کے سردار اسی وقت تک ساتھ دیں گے جب تک امیر انکو قبیلوں پر اپنی بربری حکومت چلانے میں مدد دے۔ اس طرح بلوچستان کے غریب مسلمان صدیوں کے لئے ایک آہنی بربری وحشیانہ نظام کے نیچے ویسے کچلے پڑے رہیں گے۔ امیر قلات کی خودمختاری کا وہی مطلب ہوگا جو عرب کی چھوٹی ریاستوں کی خودمختاری کا ہے۔ یعنی کسی یورپی سلطنت کا تجارتی قبضہ۔ اور فوجی دباؤ۔ چھوٹی حکومتوں میں اتنی سکت کہاں کہ وہ اپنا بچاؤ کر سکیں جبکہ یورپ کی کافی بڑی طاقتیں اپنا بچاؤ نہیں کر سکتیں۔ اس طرح قلات پر انگریزوں کا تجارتی اور چھپا ہوا سیاسی قبضہ رہے گا۔

بلوچستان میں اسوقت پیٹرول کی تین چار کانیں ہیں۔ اور ابھی اور معدنیات کی کانوں کی گنجائش ہے۔ برطانیہ ایک طرف ان سے فائدہ اٹھائے گی، اور دوسری طرف بلوچستان کو اپنا بازار بنائے گی۔ بلوچستان کے غریب مسلمان جب تباہی سے گھبرا کر کھڑے ہوں گے تو انکا زور توڑنے کا کام سرداروں اور امیر کے حصہ میں جائیگا۔

اس جال سے نکلنے کے لئے بلوچستان کے غریب مسلمانوں کو منظم ہو جانا چاہئے۔ وہ اعلان کر دیں کہ ہم بھیڑ بکری کے گلے نہیں ہیں جو [illegible] جسکو چاہیں، اور جب چاہیں دے دیئے جائیں۔

بلوچستان ہو یا قلات دونوں اس ہندستان کے حصے ہیں جسکی آزادی کے لئے کانگرس لڑ رہی ہے۔ اسلئے کانگرس کو بھی اس طرف توجہ کرنا چاہئے۔ اور غریب بلوچیوں کی مدد کرنا چاہئے۔

فرانکو کے زہریلے دانت

فرانکو کا کاتالونیا پر قبضہ ہونا تھا کہ آزادی پسندوں پر مصیبت کا ایک نیا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ جو شخص بھی ایسا ملا جس کا عوامی فوج سے کچھ بھی تعلق تھا یا جو مزدوروں کی انجمن میں کچھ بھی دلچسپی لیتا تھا اسے بعد مقدمہ چلایا گیا، اور موت کی سزا دیدی گئی۔

دوسری طرف اسپینی جمہوریہ کی بہادری اور انسانیت کی مثال ہے۔ اب اسکے پاس میڈرڈ اور ویلنشیا الاکر رسا محاذ رہ گیا ہے۔ لیکن اسپر بھی ڈاکٹر نگرین نے اعلان کیا ہے کہ جبتک جان میں جان ہے فرانکو کا مقابلہ کیا جائیگا۔ اور فتح کے بعد ہر اسپینی کو مکمل آزادی ہوگی اور جیسی حکومت وہ پسند کریں دی جائے گی۔

بزدل چیمبرلین

اس وقت چیمبرلین کی پالیسی یہ ہے کہ اسپینی جمہوریہ کو دبا کر لڑائی کو ختم کرا دیا جائے، اور یوں فرانکو پر ایک احسان دھر کر اس سے دوستی کر لی جائے۔ اسلئے وہ فرانکو کو اسپین کا مالک تسلیم کرنے پر تیار ہیں۔

گو چیمبرلین کی فرانکو سے دوستی کرنے کی ترکیبیں جرمنی اور اٹلی کو زرا نہیں بھاتی ہیں۔ وہاں کے اخبار کہہ رہے ہیں کہ اس در سے انگلستان فرانکو کو خوش کر کے اسپین میں تجارتی حقوق لینا چاہتا ہے۔ فرانکو کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بلا انگلستان کی مدد کے اسپین پر قبضہ جما سکتا ہے۔

مسولینی اور ہٹلر ہر موقع پر صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ فرانکو انکے ہاتھ کا کھلونا ہے۔

اسپین کی آخری سانس

اگر اب بھی اسپین بچ سکتا ہے تو وہ فرانس کے آزادی پسندوں کی کوشش سے۔ یہ لوگ غل مچا رہے ہیں کہ اسپین کو اسلحہ اور رسد بھیجی جائے۔ کیونکہ اگر فرانکو کی جیت ہوگئی تو وہ اسپین کے سونے سے اٹلی اور جرمنی کا پیٹ بھر کر خود مضبوط حکومت بنالیگا اور اس صورت میں تینوں فسطائی طاقتیں جمہوریت کو ختم کر دیں گی۔

اس بازی کی کامیابی ہی اسپین کی جان بچاسکتی ہے۔

اب؟

فرانکو کی فتح سے اسپین تو ہٹلر اور مسولینی کا ہو ہی جائیگا، ساتھ ہی ساتھ بحیرہ روم بھی اطالوی جھیل بن جائیگا۔ اور اٹلی اور جرمنی ملکر فرانس پر زیادہ دباؤ ڈال سکیں گے۔ چیمبرلین کی اسوقت پالیسی کیا ہوگی؟ یہ ابھی سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ فرانس کے ساتھ بھی ویسی ہی دغا بازی کرینگے جیسی اسپین اور چیکوسلاویکیہ کے ساتھ کر چکے ہیں۔

چیمبرلین بھی سمجھتے ہیں کہ ڈکٹیٹروں کو کب تک چپ رہنے دیا جائے گا۔ کبھی نہ کبھی یہ سانپ اژدہے بنکر اسپر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس لئے چیمبرلین جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اسلحہ بندی کا ایک پنجسالہ پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ پانچ کروڑ پونڈ خرچ ۴۴ کرکے جائیں گے جنگی جہاز۔ ہوائی جہاز، ہوائی جہاز شکن توپیں، زہریلی گیس وغیرہ تیار کی جائیں گی، اور ساتھ ساتھ غلام ملکوں اور مقبوضات میں آزادی کی لڑائی کا زور توڑا جا رہا ہے، جسکا تماشا ہم راجکوٹ اور دیسی ریاستوں میں دیکھ رہے ہیں اور نوابوں اور دیاستوں کو لڑانے کے لئے یہ رشوت دی جا رہی ہے کہ کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ کو اسلحہ بنانے کے آرڈر دیئے گئے ہیں۔

انگلستان کے اندر مزدور اور بیکار غل مچا رہے ہیں، ہندستان اور افریقہ کے اصلی باشندوں پر ظلم کے آرے چل رہے ہیں۔ کیوں؟ صرف اسلئے کہ چیمبرلین کے چھوٹے سے گروہ کا مالی نقصان نہونے پائے۔

چہ چلات

— تماشائی

مہاسبھا نے کہا کہ ہم غیر ہندستانی یہودیوں کو اب ہندستان میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ پردیسیوں کو اجازت دیکر سخت نقصان اٹھا چکے ہیں۔

یہ اب کھلا کہ مہاسبھا کی ملی بھگت سے انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تھا۔

آل انڈیا مہاسبھا کی پارلیمنٹری کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا اس میں دو بہت اہم قرار دادیں پاس ہوئیں۔

ان کے نزدیک یہودیوں کے مسئلہ کا بہترین حل یہی ہے کہ فلسطین کو ان کا وطن بنا دیا جائے۔

مہاسبھا ہٹلر اور جاپان کی ہمدردی کا اظہار تو کر ہی چکی ہے برطانیہ کی دوستی کی بھی پہل ہوگئی ہے۔ ہماری رائے میں مہاسبھا کو اب کچھ کام بھی کرنا چاہیئے یعنی ایک تھوڑا سا گولہ بارود، توپیں اور کچھ فوجیں کچھ رسد اور روپیہ ان دیوتاؤں کو بھیجنا چاہیئے۔

سنا ہے انجمن تنظیم المومنین کا جھنڈا امین الدولہ پارک میں لگایا جائیگا یہ جھنڈا لہرا کر امین الدولہ پارک میں ہم قومی جھنڈے ہوں گے۔ لیکن پارک کے خیر خواہوں اور رنگین مزاجوں کو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ابھی بہت جھنڈوں کی امیدیں ہیں۔ کیونکہ جس طرح ہندستانی قوم کے اندر ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی وغیرہ وغیرہ سیکڑوں قومیں پائی جاتی ہیں اس طرح شیعہ قوم میں بھی بہت سی قومیں پائی جاتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ [illegible] چھوٹی ہیں کسی قوم میں دو چار فرد ہیں۔ کسی میں ایک ہی فرد، اور کسی میں فرد ایک بھی نہیں ہے صرف قوم ہی قوم باقی رہ گئی ہے۔

زرا سیاسی بیداری اور پھیل جائے، پھر پارک میں ہر طرف جھنڈے ہی جھنڈے دکھائی دیں گے۔

رمِ شوق

(اختر جمال)

ہجوم آرزو لیکر چلا ہوں کس کی محفل سے

میری آنکھوں میں ہے آباد اک فردوس رعنائی
نظر میں شعلۂ احساس کی ہے کارفرمائی
محبت کا تصور لے رہا ہے دل میں انگڑائی

زیاں سے کچھ غرض ہے اب نہ کچھ امید حاصل سے

خودی کا ہے اثر یا بیخودی سی دل پہ طاری ہے
زمیں سے آسماں تک آج میرا حکم جاری ہے
نہ اب آنکھوں میں آنسو ہیں نہ دل کو بیقراری ہے

تلاطم خیز موجیں آج آسودہ ہیں ساحل سے

مری منزل سے کوسوں دور آشوب زمانہ ہے
کہ ہستی ایک نغمہ ہے محبت اک ترانہ ہے
زبان خامشی ہے یا فسانہ در فسانہ ہے

یہ عالم ہے کہ باتیں کر رہا ہوں خود بخود دل سے

تخیل کی حدوں سے ہے پرے ذوق نظر اب تو
ہوا جاتا ہے دل بیگانۂ شام و سحر اب تو
کوئی آواز پر آواز دیتا ہے مگر اب تو

قدم رکتے نہیں۔ آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے

فلسطین کانفرنس

از عشرت علی صدیقی

"میری پالیسی امن کی پالیسی ہے۔ آپ جانتے ہونگے کہ میں ایک خاص طریقہ پر یعنی گفت و شنید کے ذریعہ امن تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ اور گفت و شنید کے راستہ میں پہلا قدم نجی تعلقات ہیں۔ ایک مدبر کا فرض ہے کہ جب دو قوموں میں کوئی کشمکش پڑتی معلوم ہو تو وہ عدل و انصاف کی بنیاد پر دونوں میں سمجھوتہ کرا دے۔ یہ کام ہمارے سامنے ہے۔ مشکل تو یہ ضرور ہے لیکن پھر بھی یہ ہماری متحدہ طاقتوں کے امکان سے باہر نہیں ہے۔"

ان الفاظ میں برطانوی وزیر اعظم چیمبرلین نے سینٹ جیمس پیلس میں فلسطین کانفرنس کے عرب حصہ کا افتتاح کرتے ہوئے فلسطین کے متعلق برطانیہ کی پالیسی کا اظہار کیا

امن کا یہ پجاری فسطائی بھوتوں کے ڈر سے آسٹریا اور چیکوسلاوکیا کو بھینٹ چڑھا دینے کے بعد اب اپنے بھولے پن سے فلسطین کے بہادر عربوں کا دل بھی موہ لینے کی فکر میں ہے۔ لیکن اس مرتبہ ہوا ناموافق ہے اور حالات نتائج ہیں . . . .

نشستند و گفتند و برخاستند۔

چنانچہ شروع سے ہی فلسطین کانفرنس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ عربوں نے یہودیوں کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیا اور صلح کے پجاری چیمبرلین کو دو دفعہ کانفرنس کا افتتاح کرنا پڑا۔

فلسطین میں آج جو بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور جسکے حل کرنے کے لئے حکومت برطانیہ نے یہ ڈھونگ رچایا ہے اس کی ذمہ داری تنہا برطانیہ کے سر ہے۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں اس نے ترکوں کو زک پہنچانے اور بحیرۂ روم میں اپنے قدم جمانے کے لئے عربوں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ لڑائی میں اسکا ساتھ دینگے تو اسکے بدلہ میں انھیں خود مختار حکومت دیدی جائے گی۔ عرب اس لالچ میں آکر ترکوں کے خلاف ہوگئے اور انکی بغاوت سے برطانیہ کی مراد پوری ہوگئی۔ ایک طرف تو عربوں سے یہ وعدہ کیا گیا اور دوسری طرف یہودیوں کو قومی وطن کا خواب دکھایا گیا (بالفور کا اعلان ۱۹۱۷ء)

جس وقت برطانیہ نے عربوں سے یہ وعدہ کیا تھا اسی وقت سے اسکی نیت بگڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ جس سال اس نے عربوں سے وعدہ کیا اسی سال "سائکس پیکاٹ" کے عہدنامہ کی رو سے اسنے خفیہ طور پر فرانس اور روس سے یہ طے کیا کہ فلسطین کے ٹکڑے پارچے کرکے برطانیہ، روس اور فرانس پر تقسیم کر دیئے جائیں یہ معاہدہ خفیہ تھا لیکن ۱۹۱۷ء میں روس میں انقلاب ہو گیا اور وہاں کی حکومت نے برطانیہ کی پول کھول دی۔ اسپر عرب ناراض ہوئے لیکن برطانیہ نے نئے وعدے بھرے دوہرا کر انھیں مطمئن کر دیا۔

اس قسم کے متضاد وعدے کرتے وقت برطانیہ کو پورا بھروسہ تھا کہ وہ عربوں اور یہودیوں میں پھوٹ ڈالکر اپنا الو سیدھا کرتی رہے گی اور شروع میں ہوا بھی ایسا ہی یعنی عربوں کی لڑائی شروع شروع میں برطانیہ دشمن ہونے کے بجائے یہودی دشمن رہی لیکن ۱۹۲۹ء کے بعد سے عربوں کی تحریک صحیح معنوں میں سامراج دشمنی کی طرف آگئی اور آج وہ براہ راست برطانوی سامراج سے ٹکرا رہے ہیں

سامراج اپنی محکوم قوموں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور انھیں بہلاوے میں ڈالنے کیلئے ہر جگہ ایک ہی پالیسی اختیار کرتا ہے یعنی تحقیقاتی کمیشن، کانفرنس، پھوٹ۔ اور پھر وہی ظالمانہ لوٹ۔ ہندستان میں اس نے یہی کیا۔ سائمن کمیشن آیا۔ گول میز کانفرنسیں ہوئیں اور ہندستانیوں کو ملا کیا؟ ——— قانون ہند ۱۹۳۵ء کے روپ میں ابدی غلامی کا فرمان! فلسطین میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ ایک کمیشن گیا جس نے حصہ بخرے کرنے کی تجویز پیش کی۔ پھر دوسرا کمیشن گیا جس نے اسپر نکتہ چینی کی اور اب مسٹر میکڈانلڈ کے سپوت مالکم میکڈانلڈ فلسطین کانفرنس کے انتظامات میں حیران ہیں۔

جس طرح ہندستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے جو گول میز کانفرنس ہوئی تھی اس میں برطانیہ کو کچھ کٹھ پتلیاں مل گئی تھیں جو اپنے نام کی خاطر اپنے وطن کو سامراج کے جنگل میں دینے پر تیار تھیں اسی طرح فلسطین میں بھی اسے فخری بے نشاشیبی نامی ایک اعتدال پسند لیڈر ہاتھ آگیا ہے۔ اس نے عرب اعلیٰ کمیٹی اور مفتی اعظم کے خلاف "دفاعی کمیٹی" کے نام سے ایک جماعت بنائی اور دہشت انگیزی کی برائی کے پردے میں عربوں کی سامراج دشمنی تحریکات پر "وگنڈا" شروع کر دیا۔ یہودیوں نے بھی اپنے ہاں ان داتا کو خوب اچھالا۔ برطانیہ کو امید تھی کہ فخری بے کی بڑی بڑی باتیں عربوں کو اس کا ہمخیال بنا دیں گی اور کانفرنس میں وہ فخری بے اور انھیں جیسے لوگوں کو بلا کر فلسطین میں برطانوی حکم برداری کو مضبوط کر سکے گی۔ یہی وجہ تھی کہ کانفرنس کی تجویز کیساتھ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ عربوں کے نمائندوں کا انتخاب حکومت برطانیہ ہی کریگی۔ اور جو لوگ اسکے نزدیک غیر ہوں گے انھیں کانفرنس میں نہیں شریک کیا جائے گا۔ لیکن اس کی یہ چال ناکامیاب رہی۔

اس نے عربوں کے جوش کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا اور نہ اسے یہ پتہ تھا کہ پڑوس کی عرب حکومتیں مفتی اعظم کی کتنی ہمدرد ہیں۔ شروع میں تو اسنے "باغی" عربوں کو کانفرنس میں بلانے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں اسے دبنا پڑا، کیونکہ ایک طرف تو فلسطین کے عرب فخری بے اور انکی جماعت کو اپنا نمائندہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے اور دوسری طرف پڑوس کی عرب حکومتوں میں رائے عامہ نے اسبات پر زور دیا کہ اگر مفتی اعظم کے ہمخیال کانفرنس میں نہ بلائے جائینگے تو انکی حکومت بھی اپنے نمائندے نہیں بھیجیگی — خاصکر مصر نے مفتی اعظم کی جماعت کی شرکت پر بہت زور دیا۔ بہت سے قوم پرست عرب بغاوت کے جرم میں قید کر دئے گئے تھے اور کچھ جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ لیکن چاروں طرف کی لعن طعن کی وجہ سے برطانیہ کو مجبوراً انھیں چھوڑنا پڑا اور

اور کانفرنس میں شرکت کے لئے دعوت بھی دینا پڑی۔ ان لوگوں نے مطالبہ کیا کہ لندن جانے سے پہلے انھیں مفتی اعظم سے صلاح کرنے کا موقع دیا جائے۔ مفتی اعظم آجکل فرانسیسی علاقہ لبنان میں پناہ گزیں ہیں۔ شروع میں فرانسیسی حکومت نے کہا کہ عرب لیڈر صرف خط و کتابت کے ذریعہ مفتی سے صلاح کرسکتے ہیں لیکن عرب راضی نہ ہوئے اور آخر فرانس کو انکا مطالبہ پورا کرنا پڑا۔

عربوں کی خاص خاص مانگیں یہ ہیں۔ یہودیوں کی آمد فوراً روک دی جائے۔ یہودیوں کو عربوں کی زمینیں خریدنے کی اجازت نہ دی جائے۔ بالفور کا اعلان منسوخ کردیا جائے۔ اور حکم برداری ختم کرکے اسکی جگہ ایک آزاد اور خودمختار حکومت قائم کردی جائے۔ جسکا برطانیہ کے ساتھ ایک صلحنامہ ہوجائے۔

عربوں کا کہنا ہے کہ برطانیہ کی پالیسی شروع ہی سے 'دو رُخی' رہی ہے۔ اور بالفور کا اعلان ان وعدوں کے خلاف ہے جو برطانیہ عربوں سے کرتی رہی ہے۔ نیز یہ کہ اعلان بالفور لیگ اقوام کی دفعہ ۲۲ کے خلاف ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کئی صدیوں سے برابر فلسطین پر عربوں ہی کا قبضہ رہا ہے۔ فلسطین کی زیادہ تر آبادی عرب ہے۔ اور اسکے تمدن میں بھی عرب عناصر غالب ہیں اس لئے اسے یہودیوں کا قومی وطن کسی طرح پر بھی نہیں کہا جاسکتا۔

جنگ عظیم کے بعد فلسطین میں ترانوے فیصدی عرب آباد تھے اور زمینوں پر بھی زیادہ تر انھیں کا قبضہ تھا۔ لیکن بعد میں یہودیوں کی آمد شروع ہوگئی اور آج وہاں انکی آبادی تیس فیصدی ہوگئی ہے۔ انھوں نے عربوں کی زمینیں اس حد تک خریدلی ہیں کہ اب تیس فیصدی عرب کسان بے زمین کے ہوگئے ہیں۔ اور انھیں خطرہ ہے کہ اگر یہودیوں کی آمد جاری رہی تو عربوں کی سیاسی آزادی بھی ختم ہوجائے گی اور پھر انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلامی کی زندگی بسر کرنا پڑے گی۔

ایک طرف تو عرب 'بالفور کے اعلان' کو جسمیں برطانیہ نے یہودیوں کو 'قومی وطن' دلانے کا وعدہ کیا تھا، خلاف قانون اور بے ضابطہ بتاتے ہیں اور دوسری طرف یہودی اس اعلان کے پورا کئے جانے پر زور دے رہے ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ جنگ عظیم کے زمانہ میں برطانیہ نے عربوں سے آزادی دلانے کے جو وعدے کئے تھے ان میں فلسطین کو مستثنیٰ کردیا گیا تھا۔ وہ برطانوی حکم برداری کے بھی دشمن نہیں ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ انکی خواہش ہے کہ وہ برطانیہ کے زیر سایہ فلسطین میں اپنا 'قومی وطن' قائم کرلیں۔ چنانچہ ۷ر فروری کو کانفرنس کے پہلے اجلاس میں وزیر اعظم چیمبرلین کے خطبۂ افتتاحیہ کا جواب دیتے ہوئے یہودیوں کے لیڈر ڈاکٹر ویزمان نے اس بات کا صاف طور پر اعلان کردیا کہ فلسطین میں برطانوی حکم برداری کے قیام کے بعد سے یہودی ہمیشہ برطانیہ کے ساتھ تعاون قائم رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور یہی انکی پالیسی کا بنیادی اصول رہا ہے۔

۱۳ر فروری کو یہودی ایجنسی کی طرف سے ایک بیان شائع کیا گیا ہے جسمیں یہودیوں کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ فلسطین کی آبادی میں ایک تہائی یہودی ہیں اور اقتصادی اور تمدنی کارروائیوں کے دو تہائی حصہ پر انکا قبضہ ہے۔ اس بیان میں بتایا گیا ہے کہ یہودی آجکل 'بے وطن' ہیں، اور یہی انکے مسئلے کی بنیاد ہے لہذا انھیں دنیا میں ایک ایسی جگہ ملنا چاہئے جو انکا قومی مرکز بنے اور جہاں وہ

اکثریت کی صورت میں کسی دوسری قوم کے ماتحت رہنے کے بجائے خودمختار حیثیت سے زندگی بسر کرسکیں۔

اگرچہ لندن میں آجکل فلسطین کانفرنس کی بڑی دھوم دھام ہے اور مسٹر نویل چیمبرلین عربوں اور یہودیوں میں سمجھوتہ کرانے کے لئے بیچین ہو رہے ہیں لیکن حالات کچھ اور ہی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ کانفرنس کے شروع ہی میں حکومت برطانیہ کیطرف سے اعلان کردیا گیا ہے کہ وہ خود کوئی اسکیم نہیں پیش کرے گی۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عرب اور یہودی اپنی اپنی ڈفلیوں پر الگ الگ راگ الاپتے رہیں گے اور برطانیہ کو یہ کہنے کا موقع ملجائے گا کہ چونکہ یہ دونوں کسی سمجھوتہ پر نہیں پہنچ سکے ہیں لہذا 'امن' کے محافظ کی حیثیت سے برطانیہ پر فرض ہے کہ وہ فلسطین میں نظم و نسق قائم رکھنے کی کوشش کرتی رہے تاوقتیکہ عرب اور یہودی اس قابل نہ ہوجائیں کہ وہ اپنے ملک کی حکومت آپ چلاسکیں۔ ہاں اس طرح برطانیہ کو قوم پرست عربوں پر دن دونے رات چوگنے ظلم ڈھانے کا ایک نیا بہانہ ضرور ملجائے گا۔ ہم ہندستانیوں کو بھی سامراج کی اس چال کا تجربہ ہوچکا ہے۔ گول میز کانفرنس میں برطانیہ نے اپنے ایجنٹوں کی مدد سے کچھ ایسے داؤں پیچ کھیلے کہ آخر تک فرقہ وارانہ مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا اور ہندستان پر اپنا قبضہ جمائے رکھنے کے لئے برطانیہ نے یہ بہانہ بنایا کہ اگر ہندستان کو آزادی دیدی جائے گی تو ہندو مسلمان آپس میں کٹ مریں گے اور سیکڑوں انسانوں کا خون بہے گا اسلئے برطانیہ کو چاہئے وہ کمیونل اوارڈ (سامراج کا بنایا ہوا فرقہ وارانہ سمجھوتہ) نافذ کردے۔ اور جبتک ہندو مسلمان ایک رائے نہ ہوجائیں اس وقت تک وہ ہندستان میں امن کی رکھوالی کرتی رہے۔ بالکل یہی چال فلسطین کانفرنس میں کھیلی جارہی ہے۔

لندن کے اخبار ٹائمس نے فلسطین کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ فلسطین کے عربوں اور ڈاکٹر ویزمان کی جماعت کے یہودیوں کے مطالبات متضاد ہیں اور ان دونوں میں کوئی بیچ کا راستہ نکلنا مشکل نہیں ہے۔ لیکن ایکطرف عرب حکومتوں کے نمائندوں اور دوسری طرف امریکہ کے یہودیوں اور لارڈ ریڈنگ کے ساتھیوں کی شرکت سے امید کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اپنا اثر استعمال کرکے باہمی سمجھوتہ کی کوئی صورت نکال لیں گے۔ ٹائمس نے تجویز کیا ہے کہ فلسطین میں ایک فیڈریشن قائم کردیا جائے جسمیں عربوں کی اکثریت تسلیم کرلیجائے۔ بہت ممکن ہے کہ فلسطین کے مسئلہ کو طے کرنے کے لئے برطانیہ بھی کچھ اسی قسم کا حل تجویز کرے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ یورپ کی موجودہ صورت حال میں جبکہ جنگ کے امکانات بڑھتے جارہے ہیں اور بحر روم میں اٹلی کا اثر قائم ہوجانے سے اور اسپین میں فرانکو کی جیت ہوجانے سے نہر سویز میں بھی برطانوی اقتدار کو خطرہ ہے برطانیہ آسانی سے فلسطین کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اسلئے کہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں بحری، بری اور فضائی ہر اعتبار سے فلسطین کی جنگی اہمیت بڑھ جائے گی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی برطانیہ کی یہ خواہش بھی ہے کہ اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو جس طرح ہوسکے تھوڑے ہی عرصہ کیلئے عربوں کو بہلا پھسلا کر خاموش کردیا جائے کیونکہ اگر جنگ چھڑ گئی اور فلسطین میں عربوں کی لڑائی جاری رہی تو برطانیہ کے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ان تمام حالات کو سامنے رکھکر یہ امید کیجاسکتی ہے کہ برطانیہ فلسطین کو صوبائی خودمختاری

اور فیڈرل حکومت دینے پر تیار ہوجائے گی۔ پشت رکھیگا اسے یقین ہوجائے کہ حیفہ اور دوسرے اہم مقاموں پر اس کا قبضہ قائم رہیگا۔ اس فیڈریشن کی قریب قریب وہی صورت ہوگی جو قانون ہند ۱۹۳۵ء میں ہندستان کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ یعنی فلسطین کو ایک طرح کا درجہ نوآبادیات دیدیا جائیگا مگر مرکزی حکومت میں اس کی خود مختاری نہیں تسلیم کی جائےگی۔

ہندستان میں رد عمل

ہندستان اور فلسطین آج ایک ہی سامراج کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور یہ سامراج فلسطین کے عربوں کو کچلنے کے لئے تقریبًا وہی ترکیبیں استعمال کر رہا ہے جو وہ ہندستان میں استعمال کر چکا ہے۔ اسلئے قدرتی طور پر ہندستان کو فلسطین کا ہمدرد ہونا چاہئے خاص طور پر جب ہندستان کے قوم پرست حلقوں میں یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ فلسطین کی آزادی برطانوی سامراج کے جہاز کے لئے ایک تارپیڈو کا کام کریگی اور اسکے بعد پھر اس سامراجی بیڑے کو غرق کرنا نسبتًا آسان ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس شروع ہی سے عربوں کی حمایت کر رہی ہے اور فلسطین میں سامراجی مظالم کے خلاف برابر احتجاج کر رہی ہے۔

اب مسلم لیگ بھی فلسطین کے عربوں کا دم بھرنے لگی ہے چنانچہ حال ہی میں مسٹر جناح نے حکومت برطانیہ کو تار دیا تھا کہ وہ فلسطین کانفرنس میں شرکت کیلئے آل انڈیا مسلم لیگ کے نمائندوں کو بھی مدعو کرے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ حکومت برطانیہ نے مسلم لیگ کی آواز کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن ہمیں مسلم لیگ کے طریق کار کی تاریخ پر بھی غور کرنا ہے۔ کئی مہینے ہوئے جب فلسطین کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ہندستانی مسلمانوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی اسمیں ایک تجویز یہ رکھی گئی کہ اگر برطانیہ فلسطین کو آزادی دینے پر تیار نہ ہو تو مسلمان تمام خطابات واپس کردیں اور برطانوی مال کا بائیکاٹ کریں لیکن مسلم لیگ کی طرف سے اسکی مخالفت کی گئی اور آخر یہ تجویز گر گئی۔ بالکل یہی قضیہ دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں پیش آیا۔ اور مسلم لیگ اسپر تیار نہیں ہوئی کہ ارض مقدس کی خاطر مسلمان سامراج سے لڑائی مول لیں۔ مگر زمانہ اتنی تیزی سے بدل رہا ہے کہ مسلم لیگ کو تھوڑے ہی دنوں بعد یہ محسوس ہونے لگے گا کہ اگر وہ مسلمانوں کے سامنے کوئی نیا پروگرام نہیں پیش کرے گی تو اس کی زندگی محال ہوجائے گی۔ مسلمانوں کی روٹی کا تو اسکے نزدیک ابھی سوال ہی نہیں پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ لکھنؤ کے اجلاس میں مسٹر جناح نے اپنے خطبۂ صدارت میں بتا دیا تھا کہ روٹی کا نعرہ صرف اسواسطے لگایا جاتا ہے تاکہ ہندستان کو سوشلزم اور کمیونزم کی طرف دھکیلا جائے جسکے واسطے وہ بالکل ہی نہیں تیار ہے۔ مولانا شوکت علی مرحوم بھی کہا کرتے تھے کہ مسلمان روٹی کے لئے نہیں لڑتا۔ ہندستان میں کسی پروگرام کے امکانات نہ پاکر مسلم لیگ نے سمندر پار ملکوں پر نظر ڈالی تو اسے فلسطین دکھائی دیا، بیت المقدس میں یہ مظالم! اگر مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانے میں کامیابی ہوجائے تو پھر کسی اور پروگرام کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلم لیگ فلسطین کانفرنس میں اپنے نمائندوں کی شرکت پر زور دے رہی ہے لیکن اسکے رویہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی نادانی سے عربوں کی حمایت کے بدلے انھیں الٹا نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ اسکے نزدیک عربوں کی لڑائی سیاسی نہیں بلکہ مذہبی ہے — سامراج دشمن نہیں بلکہ یہودیت دشمن ہے۔ عرب تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ انکی لڑائی یہودیوں سے نہیں برطانوی سامراج سے ہے۔ لیکن مسلم لیگ جو ابھی تک کانگریس کے مقابلہ میں "اسلام خطرہ میں ہے" کا نعرہ لگا رہی تھی اب فلسطین کے مسئلے پر بھی یہی راگ الاپ رہی ہے۔ چونکہ ہندستان میں وہ مذہب کے نام پر مسلم عوام کو اسکے بنیادی مسئلوں کی طرف سے لاپروا کرنے میں ایک حد تک کامیاب رہی ہے۔ اور ابھی تک وہ اپنی اس پالیسی کی ناپائیداری نہیں محسوس کرسکی ہے۔ اسلئے وہ سمجھتی ہے کہ فلسطین کانفرنس میں بھی مذہب کا گورکھ دھندا عربوں کو آزادی دلا دے گی۔ کتنے بھولے ہیں مسلم لیگ کے یہ لیڈر!

شباب عشق

مری نظر میں بہار کچھ اور لالہ زار کچھ ہے ۔ مرے خیال میں کچھ اور ہے بہار شباب
مرے شباب کی نبض میں [illegible] ۔ مرے خیال و فن نظر میں [illegible]
مرے شباب میں تخریب کی لپکتی بجلیاں ۔ مرے شباب میں تعمیر کی [illegible] پنہاں
مرے شباب کی گرمی عمل بلا کی ہے ۔ مرے شباب میں ہے برق و طوفان [illegible]
میں وہ شباب ہوں ترجمان آزادی ۔ مرے شباب [illegible] ہندستان آزادی

”مسلمانوں میں بیداری پھیلانے کو ”شہری غریب سبھا“ بناؤ“

اٹاوہ کی کانفرنس میں ایک تجویز

ڈاکٹر اشرف اور منشی احمد دین کی تائید

مسلمانوں کا بڑا حصہ شہروں میں آباد ہے۔ اور کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو ان کی روزمرہ کی تکلیفوں کو حل کرانا چاہتی ہو۔ اسی وجہ سے ان میں سیاسی بیداری نہیں ہے اور وہ فرقہ پرستوں کے ہاتھوں میں شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے۔

۱۹ فروری کو اٹاوہ میں ایسے ہی مسلمان کانگریسیوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی جو مسلمانوں میں سیاسی بیداری پھیلانا چاہتے تھے۔

سب سے پہلے ”شہری غریب سبھا“ کی ایک تجویز حیات اللہ انصاری ایڈیٹر ہندستان نے پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کا جو حصہ دیہاتوں میں رہتا ہے وہ رفتہ رفتہ کسان سبھا کے اثر میں آتا جا رہا ہے۔ کسان سبھا اور عام تعلیم کے فائدوں کو دیکھ کر فرقہ پرستوں کے ہاتھوں سے نکل کر کانگریس کا ممبر بن رہا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کا جو حصہ ملوں میں کام کرتا ہے وہ مزدور سبھاؤں میں پورے جوش سے حصہ لیتا ہے۔ اور سیاسی بیداری میں کسی جماعت سے پیچھے نہیں ہے۔

لیکن ان کے علاوہ مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ شہروں میں آباد ہے جو ابھی تک فرقہ پرستوں کا شکار ہے۔

اس میں سیاسی بیداری کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو ان کے مطالبوں کے لئے لڑ رہی ہو۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر شہر اور ہر ضلع میں ”شہری غریب سبھا“ بنائی جائے۔ جو اس بات کی کوشش کرے کہ غریبوں پر جو مہاجنی قرضہ ہے وہ معاف کرایا جائے۔ انکے لئے دوا علاج اور تعلیم کا اچھا انتظام کیا جائے۔ پردہ نشین عورتوں کے لئے گھریلو صنعت کا، اور انکی بنائی چیزوں کے فروخت کا انتظام کیا جائے۔ چھوٹے چھوٹے مکانات بنوائے جائیں جو کم کرایہ پر غریبوں کو دئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

اس تجویز کا کانفرنس نے بہت جوش سے استقبال کیا۔ ڈاکٹر اشرف اور منشی احمد دین نے اسکی پرزور تائید کی آخر میں مولانا حفظ الرحمن نے ایک ترمیم پیش کی کہ تجویز یوں کر دیا جائے کہ یہ کانفرنس کانگریس سے سفارش کرتی ہے کہ شہری غریبوں کو ان تکلیفوں کے دور کرنے کی کوشش کرے۔ حیات اللہ انصاری نے یہ کہکر ترمیم منظور کر لی کہ یہ کانفرنس چونکہ عوامی طلب کی طرف [illegible]

میرے سے۔ اس لئے [illegible] یہ سفارش نہیں کر سکتی کہ کانگریس آئینی طور پر کوئی ایسی جماعت بنائے۔ کیونکہ تحریک نے بتا دیا ہے کہ سبھا کی ضرورت ایک تاریخی ضرورت ہے۔ کیونکہ عوام کا ایک بہت بڑا طبقہ [illegible] جدوجہد کر سکتا ہے۔ اور فرقہ پرستی اور ہندو مسلم فساد کو روکنے کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ اس لئے میں آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ایسی سبھا ضرور بنائیے۔

یو۔ پی کی حد میں ریاستی پولیس کی فائر

حکومت یو۔ پی کا احتجاج؟

شری آر۔ ایس پنڈت جنرل سکریٹری یو۔ پی صوبہ کانگریس کمیٹی نے ایک بیان میں بتایا ہے کہ ضلع جھانسی کی سرحد پر سے بعض ریاستوں کے مظالم کی خبریں آئی ہیں۔ سرحدی گاؤں بھوتا میں ۱۰ فروری کو پولیس کے لاٹھی چارج سے ضلع جھانسی کے ایک دیہات لوہارہ کا ایک رہنے والا مر گیا اور ایک اور آدمی کی حالت خراب بتائی جاتی ہے۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت یو۔ پی ریاستی پولیس کی اس حرکت کے خلاف سنٹرل انڈیا ایجنسی کے ”سیاسی افسر“ سے احتجاج کرنے والی ہے۔

شری آر۔ ایس پنڈت نے بتایا ہے کہ ضلع جھانسی کے جو آدمی پڑوس کے ریاستی علاقہ میں جاتے ہیں پولیس انہیں کانگریس کا پروپگنڈا کرنے کے جرم میں مارتی پیٹتی ہے۔ اس بیان میں متعدد واقعات پیش کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ان ریاستوں میں یہ مظالم حال ہی میں شروع ہوئے ہیں جب سے کہ عوام نے سول آزادی اور ذمہ دار حکومت کا مطالبہ پیش کیا ہے اس عام مطالبہ میں بعض بعض جگہ لگان میں چھوٹ اور دوسری خاص خاص شکایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔

سب سے زیادہ شکایتیں ریاست اورچھا کے خلاف ہیں اور ظلم بھی سب سے زیادہ وہیں ہو رہا ہے اسی حلقہ کی ایک چھوٹی سی ریاست ”بانکا پہاڑی“ میں راجہ نے عوام کے سول آزادی اور نمائندہ سبھا بنائے جانے کے حقوق کو ماننے پر رضامندی ظاہر کی ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ پولیٹیکل ایجنٹ انھیں روکے ہوئے ہیں۔ یہ بھی خبر ہے کہ ”ٹوری فتحپور“ کی ریاست میں عوام کی تحریک اور لگان بندی کی مہم کی وجہ سے راجہ کو برطرف کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ معلوم ہوا ہے کہ ”نند گاؤں“ کی چھاؤنی کے قریب کی ایک چھوٹی سی ریاست کے راجہ کو اپنی ریاست میں کانگریس کی تحریک سے ہمدردی کرنے کے جرم میں گدی سے اتار دیا گیا ہے۔

مسز پنڈت بھی راجکوٹ جا سکتی ہیں

آنریبل شریمتی وجے لکشمی پنڈت وزیر بلدیات یو۔ پی نے واردھا سے واپس آ کر راجکوٹ کے متعلق اپنے ایک بیان میں بتایا ہے کہ انکے شوہر کاٹھیاواڑ کے رہنے والے ہیں اور اسلئے یہ دونوں راجکوٹ کی تحریک سے علحدہ نہیں رہ سکتے۔

اپنے راجکوٹ جانے کے بارے میں انہوں نے کہا ”میں بلاکسی جوں و چرا کے اپنے سردار (مہاتما گاندھی) کا حکم تسلیم کر لیتی ہوں اور اگر کسی وقت انھوں نے سمجھا کہ میں لکھنؤ میں رہنے کے بجائے راجکوٹ جا کر زیادہ اچھی خدمت کر سکتی ہوں تو مجھے اسے ماننے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہو گی۔“

فضل الحق کا بینہ میں پھوٹ

ایک وزیر نے استعفیٰ دیدیا

[illegible] آنریبل مسٹر شمس الدین وزیر بنگال نے فضل الحق کابینہ کی وزارت سے استعفیٰ دیدیا ہے۔ [illegible] مسٹر فضل الحق وزیر اعظم نے اپنی کابینہ [illegible] کرشک پرجا پارٹی کے ایک ممبر مسٹر شمس الدین کو کابینہ میں شامل کر لیا تھا کرشک پرجا پارٹی نے شمس الدین صاحب کی اس حرکت پر اعتراض کیا تھا اور انھیں ہدایت کی تھی کہ اگر مسٹر فضل الحق انکی بتائی ہوئی اصلاحات نافذ کرنے میں کوتاہی کریں تو وہ انکی کابینہ سے علحدہ ہو جائیں۔ فضل الحق صاحب نے کرشک پرجا پارٹی کے پروگرام پر عمل نہیں کیا اور اس۔ لئے شمس الدین صاحب وزارت سے الگ ہو گئے ہیں۔

ورکنگ کمیٹی کے تیرہ ممبروں کا استعفیٰ

صدر کو اپنی ہمخیال کابینہ بنانے کا اختیار ہے

صدر کانگریس کی علالت۔ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ملتوی

کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تیرہ ممبروں نے صدر کانگریس کے پاس اپنے استعفے بھیج دئے ہیں۔ ممبران: سردار ولبھ بھائی پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد۔ بابو راجندر پرشاد، مسز سروجنی نائیڈو۔ بھولا بھائی ڈیسائی، ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیا، شری شنکر راؤ دیو۔ شری ہری کرشن مہتاب۔ آچاریہ کرپلانی۔ خان عبدالغفار خاں، سیٹھ جمنالال بجاج نے ایک ساتھ استعفیٰ دیا ہے۔ اور جواہرلال نے اپنا استعفیٰ الگ سے دیا ہے۔

ورکنگ کمیٹی کا جلسہ جو ۲۲ فروری کو رکھا گیا تھا اب صدر کانگریس کی علالت کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

جواہرلال کے علاوہ باقی ۱۲ ممبروں نے ۲۲ فروری کو صدر کے نام یہ تار بھیجا ہے۔

”ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی بیماری کی وجہ سے ہم آپ سے نہیں مل سکے اور اسلئے موجودہ صورت حال پر براہ راست گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان حالات میں ہم سب افسوس کیساتھ ورکنگ کمیٹی سے استعفے دینے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ استعفے کا خط روانہ ہے۔ غلط فہمی اور بے بنیاد افواہوں کے تدارک کیلئے ہم اپنا خط پریس کو بھی دیئے دیتے ہیں۔“

خط میں اپنے استعفے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے۔ ان لوگوں نے لکھا ہے ”ہمارا خیال ہے کہ آپکو ایسی کابینہ مرتب کرنے کا اختیار حاصل ہونا چاہئے جو آپکی ہمخیال ہو۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ جب ملک کے سامنے ایک صاف اور کھلی ہوئی پالیسی ہو اور اسکی بنیاد کانگریس کے مختلف اور داخلی گروہوں کے جوڑ توڑ پر نہ رکھی جائے۔“

آخر میں ورکنگ کمیٹی کے ان ممبران نے لکھا ہے ”آپ ہم سے امید کریں کہ آپ جو پالیسی ملک کے سامنے رکھینگے ہیں جہانتک ہم آپ کے ہمخیال ہوں گے اس حد تک ہم ہر ممکن طریقے سے تعاون کرینگے۔“

جواہرلال کا بیان

”میں ان لوگوں سے اتفاق کرتا ہوں جنکا خیال ہے کہ یہ بات بالکل مناسب ہے کہ صدر کو اپنی پالیسی پر چلنے اور اس پالیسی کے ماننے والوں ہی میں سے اپنی کابینہ چننے کی آزادی ہونا چاہئے۔ چونکہ اب یہ قومی

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

”حیدرآباد کی آریہ سماجی تحریک نقصان دہ ہے“

”ریاستی لڑائیوں کو بڑی لڑائی سے ملا دیا جائے“

آل انڈیا ریاستی عوامی کانفرنس کا اجلاس

۱۵ و ۱۶ فروری کو لدھیانہ کے اجلاس میں آل انڈیا ریاستی عوامی کانفرنس نے ریاستی تحریک کے کانگریس سے ملا دیئے جانے کا فیصلہ کیا۔ کانفرنس نے اپنی ایک مستقل مجلس انتظامیہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ کانگریس سے پورے طور پر اشتراک عمل کرے۔

والیان ریاست اور حکومت برطانیہ کے سمجھوتوں سے عوام کی بے تعلقی کا اعلان کیا گیا اور ہندستانی ریاستوں کی استبدادی پالیسی کی مذمت کی گئی۔

حیدرآباد اور کشمیر کی ذمہ دار حکومت کی تحریک کی تائید کی گئی اور فرقہ پرست تحریکوں کو بے وقت اور نقصان دہ بتایا گیا۔

(قرار دادیں صفحہ ۱۳ پر دیکھئے)

ہندو ریاست اور مسلم ریاست

”میں اس قسم کی باتوں کو قوم پرستی کے خلاف ایک بہتان سمجھتا ہوں“
مہاتما گاندھی

آزاد ہندستان میں والیان ریاست کا ٹھکانا!

”کشمیر میں اتفاق سے ایک ہندو راجہ ایسے علاقہ پر حکومت کرتا ہے جس کی آبادی میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ہے۔ کیا اس لئے وہ ہندو ریاست ہے؟ حیدرآباد میں ایک مسلمان راجہ راج کرتا ہے کیا اس لئے وہ اسلامی ریاست ہے؟

”میں اس قسم کی باتوں کو قوم پرستی کے خلاف ایک بہتان سمجھتا ہوں۔

”ہندستان کی تقدیر کا فیصلہ ایک عیسائی بادشاہ کے ہاتھ میں ہے کیا اس لئے ہندستان عیسائی مملکت ہے؟

”لیکن اگر ہندستان، قطع نظر اس سے کہ کون اس پر حکومت کرتا ہے، ہندستانی ہے تو ریاستیں بھی ہندستانی ہیں ان کے حکمران چاہے جو ہوں۔ اور موجودہ والیان ریاست اور ان کے جانشین صرف اپنی بیدار رعایا کی مہربانی سے ہی حکومت کر سکتے ہیں۔“

مہاتما گاندھی نے ہریجن کے تازہ پرچہ میں ”ٹراونکور“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے اوپر لکھے ہوئے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ٹراونکور کے متعلق مہاتما جی نے لکھا ہے ”مجھے افسوس ہے کہ تمام حالات راہ راست پر نہیں رہے ہیں۔ میں اُمید کرتا تھا کہ جب ریاستی کانگریس دیوان کے خلاف اپنے اعتراضات واپس لے لیگی تو حالات سدھر جائیں گے اور ذمہ دار حکومت کی تحریک پوری طرح پر بڑھ سکے گی لیکن یہ ٹراونکور والوں کی قسمت ہی میں نہیں تھا“

ٹراونکور اسمبلی کے ۱۹ ممبروں کی علحدگی اور سیاسی قیدیوں کے ساتھ ناروا برتاؤ کا تذکرہ کرنے کے بعد گاندھی جی نے لکھا ہے ”مجھے یہ سوچ کر تکلیف ہوتی ہے کہ ٹراونکور جیسی ترقی یافتہ ریاست میں وحشیانہ مظالم سے آزادی کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔“

”لوگوں میں جو بیداری پھیل گئی ہے وہ مستقل ہے روز بروز قدم تیز ہوتے جا رہے ہیں ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے والیان ریاست اور انکے مشیر کار عوام کے جذبہ کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں لیکن وہ اسے فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس میں کامیاب ہونا ہندستان کے عوام کے جذبہ کو فنا کرنے میں کامیاب ہونے کے برابر ہے۔“

آزاد ہندستان میں کیا ہوگا

”کیا ہندوستان کا کوئی آدمی اتنا تنگ نظر ہے جو یہ محسوس کرتا ہو کہ آزادی عنقریب ہی نہیں آنے والی ہے“

”کیا یہ بات قیاس میں بھی آسکتی ہے کہ آزاد ہندستان ایک لمحہ کے لئے بھی کسی جگہ پر خواہ وہ کتنی ہی بڑی یا کتنی ہی چھوٹی ہو جبر و استبداد برداشت کریگا۔

”میرے ’آزاد ہندستان‘ کے تصور میں ایسی ریاستوں کا ٹھکانا ہے جن کا راجہ قانونی طور پر متولی ہو جیسا کہ اوندھ میں ہے۔ انگریزوں کے لئے بھی عوام کے خادم کی حیثیت سے جگہ ہے مالک کی حیثیت سے نہیں۔ اسلئے آزاد ہندستان میں راجاؤں کے باقی رہنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ وہ ابھی سے وقت کی رفتار کو پہچانیں اس کے سامنے اپنا سر جھکائیں اور اسی کے مطابق کام کریں۔“

آخر میں مہاتما گاندھی نے لکھا ہے ”اگر بالفرض ٹراونکور میں ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے تو عیسائی، مسلمان اور ہندو کیا کر سکتے ہیں؟ جو لوگ بھی قانون ساز سبھا میں آئیں گے وہ ووٹروں کے سامنے جواب دہ ہونگے اور اس میں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ اس طریق کار میں کوئی رکاوٹ ہے۔ لیکن موجودہ جبر و استبداد میں بہت سی باتوں کا ڈر ہے اور

[illegible]

مسلم خاتون کے بعد خاوند بھی گرفتار

راجکوٹ میں ہندو مسلمانوں کا متحدہ محاذ

معاصر انقلاب (بمبئی) کی ۲۸ فروری کی خبر ہے کہ "[illegible] ڈکٹیٹر مسز شاکرہ بائی اسمٰعیل ہیرانی کی گرفتاری کے بعد ان کے شوہر مسٹر اسمٰعیل ہیرانی کے چالیسویں ڈکٹیٹر بننے کا اعلان کیا گیا تھا جنھوں نے آزاد چوک میں ہنگامی جلسہ منعقد کرنے کا انتظام کیا جہاں انھیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ خواتین کے جلوس مستقل ہو گئے ہیں۔ کل شام کو ۶ بجے بھی خواتین کا ایک زبردست جلوس نکلا جسمیں متعدد مسلم خواتین بھی شامل تھیں [illegible] پر بھی لاٹھی چارج کیا گیا۔ کئی خواتین خفیف زخمی ہوئیں۔

جمہوریہ اور باغیوں میں صلح کے امکانات

میڈرڈ پر باغیوں کی شدید بمباری

میڈرڈ ۱۶ فروری کی خبر ہے کہ پچھلی رات (۱۵ فروری) سے شہر پر باغیوں کی توپیں شدید بمباری کر رہی ہیں۔ ہر آدھ گھنٹہ کے بعد شہر پر ایک بڑی توپ کا گولہ پھٹتا ہے۔

اس مسلسل بمباری سے شہر کے رہنے والوں میں سخت دہشت پھیلی ہوئی ہے۔

۲۲ فروری۔ اسبات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ اگلے دو دن کے اندر سائنر ازانا جمہوریہ کی صدارت سے مستعفی ہو جائیں۔

ایک فرانسیسی اخبار لکھتا ہے کہ سائنر ازانا اسواسطے استعفے دے رہے ہیں تاکہ وزیر اعظم نگرین کو [illegible] کے مقابلہ کو ختم کرنے پر مجبور کیا جاسکے۔

روس کو جاپان کی دھمکی

ایک جاپانی اخبار لکھتا ہے کہ حکومت جاپان نے اپنے روسی سفیر کو ہدایت کی ہے کہ وہ سوویٹ حکومت سے مچھلیوں کے گھاٹ کے قضیہ کو جلد سے جلد طے کئے جانے پر زور دے۔ جاپان نے اپنے سفیر کو ہدایت کی ہے کہ وہ روسی حکومت کو اطلاع کر دے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلنے پر تیار نہ ہو گی تو جاپان کو یہ رکاوٹیں ختم کرنے کے لئے کسی دوسرے مناسب کارروائی کرنا پڑے گی۔

چونکہ اب مچھلیاں پکڑنے کا موسم نزدیک آتا جا رہا ہے اسلئے جاپان کی خواہش ہے کہ یہ جھگڑا جلد سے جلد ختم ہو جائے کیونکہ روسی سمندر کا نصف حصہ جس میں پہلے جاپانیوں کو شکار کھیلنے کی اجازت تھی اب انکے لئے بند کر دیا گیا ہے۔

مختصر خبریں

دہلی جیل کے تین ریاستی قیدیوں نے بھوک ہڑتال کر کے اپنی زندگی ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ یہ لوگ بلا کسی باقاعدہ مقدمہ کے چھ مہینے سے جیل میں نظربند ہیں اور ان کا مطالبہ ہے کہ انھیں غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے۔

۲۲ فروری کو مسٹر سی موہن لال سکسینہ نے مرکزی اسمبلی میں اس مسئلہ پر ایک تحریک التوا پیش کرنا چاہا لیکن صدر نے انھیں اجازت نہیں دی۔

——— مدراس کی ایک اطلاع ہے کہ ورنگاپٹم کے نزدیک ایک کپڑے کے کارخانہ میں مزدوروں نے دھرنا ہڑتال کر رکھی تھی۔ پولیس نے انھیں ہٹانے کے لئے لاٹھی چارج کیا اور پھر گولی چلائی جس سے ایک آدمی زخمی ہوا۔

——— لطف الرحمٰن صاحب نے جو الہ آباد سے تری پوری کانگرس کے لئے ڈیلیگیٹ چن لئے گئے تھے مولانا محمد میاں کے لئے اپنی جگہ خالی کر دی۔ اب مولانا محمد میاں اس جگہ سے ڈیلیگیٹ ہو گئے ہیں۔

——— حکومت پنجاب نے رسالہ "چنگاری" (سہارنپور) کے جنوری ۱۹۳۹ء کے پرچہ کو اس جرم میں ضبط کر لیا ہے کہ اس میں ایسی باتیں ہیں جن کی اشاعت قانوناً قابل سزا ہے۔ چنگاری کے اڈیٹر سجاد ظہیر صاحب ہیں۔

——— عنقریب ہی لکھنؤ میں پنڈت موتی لال جی کی یادگار میں ایک ہال اور اس کے ساتھ لائبریری، کتبخانہ اور سیاسی انجمنوں کا ایک مرکزی دفتر تعمیر کیا جائے گا۔

یہ انتظامات موتی لال نہرو سوسائٹی کی طرف سے ہونگے۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں یہ سوسائٹی قائم کی گئی تھی۔ اس کے صدر آچاریہ نریندر دیو اور سکریٹری شری چندر سہاے گپتا ہیں۔

——— برطانوی دارالعوام میں وزیر مال سرجان سائمن نے اعلان کیا کہ دفاعی قرض [illegible] کروڑ پونڈ سے بڑھا کر ۸۰ کروڑ کر دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں حکومت عنقریب ہی ایک قانون کا مسودہ پیش کرے گی۔

——— چیکوسلواکیہ میں پولیس نے ۱۱ فروری سے ۱۶ فروری تک ۲ سو سے اوپر فسطائیوں اور انکے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔

فوجی پریڈ میں کچھ آدمیوں کو شبہ کی بنا پر گرفتار کیا گیا تھا اور اس کے بعد ان کے گھروں کی تلاشی سے جو کاغذات برآمد ہوئے اُن سے ایک بڑی بھاری سازش کا انکشاف ہوا جسکے [illegible] پراگ اور دوسرے شہروں میں فسطائی [illegible] گرفتار کر لئے گئے۔

جواہر لال کا بیان بقیہ صفحہ ۱۳

مصیبت ہمارے سر پر آپڑی ہے اسلئے ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے خیالات صاف کر لینا چاہئے اور صورت حال کا مکمل تجزیہ کر لینا چاہئے۔

"ہمارا خیال ہے کہ اگر ہم سمجھ سے کام لیکر آئندہ کیلئے موجودہ حالات سے سبق حاصل کر لیں تو ہمیں آنے والے زمانہ سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی الجھن پڑے گی تو ہم سب لوگ ایک ساتھ ملکر اسکا مقابلہ کرنے کو تیار ہونگے جیسا کہ ہم ابھی تک کرتے رہے ہیں۔"

یہ ہے جواہر لال کے بیان کا لب لباب

اپنے بیان میں انہوں نے بتایا ہے کہ انکے خیال میں موجودہ ملکی اور بین الاقوامی حالات میں کانگرس کے اندر کوئی اختلاف نہیں پیدا ہونا چاہئے تھا اور اسی واسطے وہ سبھاش چندر بوس کے دوبارہ چناؤ کے خلاف تھے۔

سبھاش بوس سے اپنے اختلافات بیان کرتے ہوئے جواہر لال نے سبھاش چندر بوس کے بیانات کا حوالہ دیکر کہا ہے کہ انہیں انھوں نے اپنے ساتھیوں پر نازیبا الزامات لگائے تھے۔ اگر وہ صحیح تھے تو ان لوگوں کے ہاتھ سے کانگرس کی رہنمائی کا کام لینا چاہئے تھا ورنہ پھر ان الزامات ہی کو غیر مشروط طرح پر واپس لے لینا چاہئے تھا۔ جواہر لال کو شکایت ہے کہ سبھاش چندر بوس نے اسپر کوئی توجہ نہیں دی۔ اسکے علاوہ جواہر لال کا کہنا ہے کہ انھیں بعض ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں سبھاش بوس سے اختلاف رہا ہے لیکن سبھاش بوس کی ناگہانی علالت کی وجہ سے وہ آپس میں تبادلہ خیال نہیں کر سکے۔ جواہر لال نے یہ بھی بتایا ہے کہ مقامی جھگڑوں کا فیصلہ پرانے طریقہ پر ہونے کے بجائے اب انھیں اوپر سے حل کیا جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے خاص خاص پارٹیوں کے ساتھ رعایت ہوتی ہے اور کانگرس کے کام کو نقصان پہونچتا ہے۔

"پچھلے دنوں میں بھی میں اکثر محسوس کرتا رہا ہوں کہ مجھے ورکنگ کمیٹی میں نہیں رہنا چاہئے اور موجودہ حالات میں یہ خیال اور بھی پکا ہو گیا ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان حالات اور موجودہ فضا میں خاصکر صدر کے چناؤ کے بعد اس میں اپنی جگہ کی ذمہ داری نہیں قبول کر سکتا۔"

نفرت

(اختر انصاری)

اب میں اس بھنگی کو یاد کر کے نہ تو دانت پیستا ہوں اور نہ مٹھیاں بھینچتا ہوں اب میں سمجھتا ہوں کہ اس کا طرزِ عمل بالکل فطری تھا اور حالات کے عین مطابق!

میں دہلی سے بمبئی جا رہا تھا۔ بھوپال کے قریب ایک نسبتاً چھوٹے اسٹیشن پر کسی خاص ضرورت سے ریل رکی۔ میں گاڑی پر سے اتر کر پلیٹ فارم پر ٹہلتے ٹہلتے ذرا دور نکل گیا۔ اتنے میں گارڈ نے سیٹی دی اور ریل یکایک چل پڑی۔ جس سمت میں گاڑی جا رہی تھی خوش قسمتی سے میں اُسی سمت میں ٹہلتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ اگر کہیں مخالف سمت میں نکل جاتا تو یقیناً گاڑی کا ہاتھ آنا ناممکن ہو جاتا۔ خیر جونہی میں نے سیٹی کی آواز سنی، بے تحاشا بھاگا۔ یہ کمبخت فرنٹیئر میل تھا۔ ابھی گاڑی پلیٹ فارم ہی پر تھی کہ ذرا سے بھرنے لگی۔ میں نے دل میں سوچا ایسے میں اپنے ڈبے کی تلاش بے سود ہے۔ جو ڈبہ سامنے آ جائے اسی میں گھس جاؤ۔ لمحہ بھر گاڑی کے ساتھ بھاگ کر ایک کھڑکی کی دستے پر جھپٹا مارا اور غپ سے اندر داخل ہو گیا —————— یہ ملازموں کا ڈبہ تھا۔

جب ذرا گھبراہٹ دور ہوئی اور سانس پیٹ میں سمانے لگا تو مڑ کر ڈبے کا جائزہ لیا۔ اس میں صرف ایک سیٹ تھی، اِدھر سے اُدھر تک چپراسیوں اور اردلیوں کی وضع کے چار پانچ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ جی چاہا میں بھی تھوڑی دیر بیٹھ رہوں۔ سیٹ کے پرلے سرے پر بہت سی جگہ خالی تھی۔ میرے قریب جو شخص بیٹھا تھا وہ ایک نوعمر لڑکا تھا اور بھنگی تھا۔ میں نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا، "تم ادھر بیٹھ جاؤ"۔

اس نے اپنی ترچھی نظر سے پہلے مجھے دیکھا، پھر اس خالی جگہ کو، مگر بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ وہ میرے تحکمانہ انداز سے قطعی مرعوب نہ ہوا۔

میں نے پھر کہا، "ارے بھئی ذرا ادھر بیٹھ جاؤ نا"۔

"تم کیوں نہیں بیٹھ جاتے وہاں جا کے"! اس نے نہایت کھرے پن کے ساتھ جواب دیا۔ مجھے اس کی بدتمیزی پر بے حد غصہ آیا۔ مگر کیا کرتا۔ مجبور تھا۔ دھینگا مشتی تو میرے بس کا کام تھا نہیں۔

"آخر حرج کیا ہے اگر تم ذرا دیر کے لئے وہاں بیٹھ جاؤ۔ میں تو صرف اگلے اسٹیشن تک یہاں بیٹھوں گا"۔ یہ کہکر میں نے باقی آدمیوں کی طرف دیکھا، گویا میں ان کی ہمدردی کا طالب ہوں۔ اور یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے بیہودہ ساتھی کو اس کی نامعقول ضد پر بُرا بھلا کہیں گے۔

مگر وہ چپ چاپ بیٹھے رہے۔ بے تعلقی کے انداز سے! انہوں نے میرے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کی۔ "تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں بغیر ٹکٹ کے سفر کر رہا ہوں۔ میرے پاس سکنڈ کلاس کا ٹکٹ ہے!" میں نے ان سب سے مخاطب ہو کر کہا۔ لیکن انہوں نے اس اطلاع کو غیر ضروری خیال کیا اور جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔

میں انتہائی نفرت اور غصے کے عالم میں ان کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ اور پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر، گاڑی کے باہر سینٹرل انڈیا کے جنگلوں کو دیکھنے لگا۔

اس وہ کوڑی کے آدمی نے میری جو توہین کی تھی وہ یقیناً ناقابل برداشت تھی لیکن اس وقت میرے ذہن میں ریل کے یکایک چھوٹ جانے والا واقعہ اس قدر تازہ تھا کہ میں زیادہ دیر تک اس پر غور نہ کر سکا۔ "اگر میں اس ڈبے تک نہ پہنچ سکتا اور گاڑی نکل جاتی تو کیسی مصیبت کا سامنا ہوتا!" "اگر میرا پاؤں پھسل جاتا!" "اگر گاڑی پر جھپٹتے وقت میں گر پڑتا!" یہ اور اسی قسم کے خیالات اسوقت میرے دماغ میں بھرے ہوئے تھے۔

گو جب سفر ختم ہو گیا، اور میں بمبئی پہنچ گیا تو مجھے بھنگی کی بدتمیزی کو یاد کر کے بہت غصہ آیا۔ اور پھر اس کے بعد مدتوں اس تلخ یاد نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اکثر اس بھنگی کا خیال آ جاتا اور اس وقت غصے کے مارے میرا برا حال ہوتا۔ میں دانت پیستا، مٹھیاں بھینچتا، اور دل ہی دل میں خواہش کرتا کہ کہیں کسی طرح، وہ بھنگی مل جائے اور میں ٹھنا ہوں۔ گھونسوں اور لاتوں سے اس کی ایسی تواضع کر دوں کہ عمر بھر نہ بھولے۔ برسوں یہ حالت رہی۔ لیکن اب ——————

اب یہ حالت ہے کہ روزانہ صبح کو جب اپنے خداوندِ نعمت عالی جناب خان بہادر صاحب کو دور سے موٹر میں آتا ہوا دیکھتا ہوں تو منہ ہی منہ میں دس بیس گالیاں دیتا ہوں۔ اس خاموش خیر مقدم کے بعد کار کی کھڑکی کھولتا ہوں، اور چہرے پر اطاعت اور مسکینی کے آثار پیدا کر کے کہتا ہوں، "آداب عرض سرکار!" پھر جونہی ان کی پیٹھ مڑتی ہے میرے چہرے سے اطاعت اور مسکینی کے یہ آثار غائب ہو جاتے ہیں۔ اور نفرت رہ جاتی ہے۔ غرضکہ مجھے ان سے بے انتہا نفرت ہے، وہ نفرت جو آقا اور خادم کے درمیان لازمی طور پر پائی جاتی ہے، جو کہیں خوابیدہ ہوتی ہے اور کہیں بیدار، مگر ہوتی ضرور ہے۔ اگر خان بہادر صاحب میری تنخواہ دوگنی بلکہ چوگنی کر دیں، تب بھی میں اُن سے نفرت کروں گا۔ میرے پاس انکے لئے نفرت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ جب تک وہ آقا ہیں اور میں خادم، نفرت کی یہ خلیج پاٹی نہیں جا سکتی۔ پھر انہیں سے نہیں مجھے ہر اس شخص سے نفرت ہے جو اُنہیں کی طرح واقع ہوا ہے۔ جب میں ایک اجنبی کو دیکھتا ہوں کہ اس کی توند پھولی ہوئی ہے، کلّے چڑھے ہوئے ہیں، اور قیمتی لباس پہنے ہوئے ہے تو میں اس کے اندر اپنے خان بہادر صاحب کا عکس دیکھتا ہوں، اور اس سے اتنی ہی نفرت کرتا ہوں جتنی خان بہادر صاحب سے کرتا چلا آیا ہوں!

پھر اگر دس سال پہلے اس بھنگی نے میرے ساتھ گستاخی کی تو کیا گناہ کیا؟ اس نے بھی تو اسی نفرت کا اظہار کیا جو میں زمانے بھر کے آقاؤں کے خلاف اپنے دل میں لئے پھرتا ہوں۔ اس کا آقا یقیناً کوئی سخت گیر اور خود غرض انگریز یا انگریز نما ہندستانی ہوگا جس کا عکس اس نے میرے اندر دیکھا۔ اور پھر کھلّم کھلّا میری عدول حکمی کر کے اپنے دل کا بخار نکالا۔ حقیقت میں وہ اسیرِ مجبور تھا، اسکے سوا وہ کچھ اور کر ہی نہ سکتا تھا!!

چنانچہ اب میں اس بھنگی کو یاد کر کے نہ تو دانت پیستا ہوں اور نہ مٹھیاں بھینچتا ہوں۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ اس کا طرزِ عمل بالکل فطری تھا اور حالات کے عین مطابق!!

جی بوٹی کا بندرگاہ

(پروفیسر اے۔ پی نیوٹن)

پچھلے چند ہفتوں سے بین الاقوامی خبروں میں ایک فرانسیسی نوآبادی اور اسکے بندرگاہ جی بوٹی نے بڑی اہمیت حاصل کرلی ہے اب سے کچھ عرصہ پہلے تک تو لوگ عام طور پر اس کا نام تک نہیں جانتے تھے۔ اگر فرانسیسی سالی لینڈ کی پیداوار یا اس کی آبادی کو دیکھا جائے تو اس کی اہمیت بہت معمولی سی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی جغرافیائی حیثیت ایسی ہے کہ اسے جنگی اعتبار سے بہت اہم خیال کیا جاتا ہے۔ فرانسیسی سالی لینڈ کے برابر ہی برطانوی سالی لینڈ کی بھی اسی قسم کی ایک نوآبادی واقع ہے۔ جس کی یوں تو کوئی قدر وقیمت نہیں ہے لیکن جنگی اعتبار سے یہ بھی بہت اہم ہے۔ ان نوآبادیوں سے خشکی کی طرف اٹلی کی نوآبادیاتی سلطنت ہے اسلئے کہ اب جب سے کہ اٹلی نے حبشہ پر قبضہ جما لیا ہے اسوقت سے ان نوآبادیوں کے پڑوس میں ابیسینیا کی آزاد حکومت ختم ہوگئی ہے۔ پچھلے دو تین برسوں میں اس ملک پر اٹلی کی فوج کشی سے جو تبدیلیاں ہوئی ہیں برطانوی سالی لینڈ اور اطالوی سالی لینڈ دونوں پر ان کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ اگر صرف انہی دونوں نوآبادیوں پر غور کیا جائے گا تو ان اثرات کے صحیح اسباب سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔ ہم کو اس سے آگے بڑھکر بحر احمر اور خلیج عدن کے جو سالی لینڈ سے ملے ہوئے ہیں، دونوں طرف کے ملکوں پر بھی نظر ڈالنا چاہیئے۔ ہم کو پچھلی تاریخ بھی دوہرانا ہوگی کیونکہ گزشتہ ۲ ہزار سال سے بین الاقوامی معاملات میں اس خطہ کا خاص حصہ رہا ہے۔ اتنے عرصہ تک برابر بحر احمر اور خلیج عدن یورپ اور ایشیا کے درمیان آمد و رفت کے راستے رہے ہیں اور ان راستوں سے بہت اہم اور قیمتی تجارت ہوتی رہی ہے۔

بحر احمر

بحر احمر ایک لمبے اور تنگ نالے کی طرح ہے جو افریقہ اور عرب کے درمیان اتر سے دکن تک بہتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مثال اصلیت سے دور معلوم ہو مگر میں ہمیشہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ "احمر" کے حدود اربعہ اور "خلیج عدن" پرانے زمانہ کی ایک دکنی دار بانسری سے بالکل ملتے ہیں۔ اس بانسری کی نازک نہال آبنائے سوئز ہے اس کی نفیری کی گھنڈی اس کے ختم پر آبنائے عدن کی شکل میں موجود ہے اور باجہ کی کنجیاں بحر احمر کے کنارے والے بندرگاہ ہیں۔ اتری سرے پر بحر احمر اور بحر روم کے درمیان سوئز کے ریتیلے میدان ہیں جن کے پچھم میں مصر واقع ہے جس کا کہ اس خطے کی تاریخ میں کافی بڑا حصہ رہا ہے۔ بحر احمر کے پچھم میں مصر کے دکن جانب اینگلو مصری سوڈان کا ساحل اور اریٹیریا کی اطالوی نوآبادی ہے اور اس کے سامنے عرب میں مقدس دو شہروں مکہ اور مدینہ کے جو اسلامی دنیا کے سب سے متبرک شہر ہیں واقع ہے۔

بحر احمر کے دکھنی سرے پر عرب اور افریقہ کے ساحل ہیں جو کہ بیچ میں باب المندب کی تنگ آبنائے ہے جس میں پیریم کا چھوٹا سا اور سر اور پتھریلا جزیرہ واقع ہے۔ آگے چل کر بحر احمر خلیج عدن سے ملتا ہے اور خلیج عدن بحر ہند کے اس حصہ میں جو بحر عرب کہلاتا ہے جا ملتی ہے۔ اسی سمندر سے ہندستانی بندرگاہوں تک جانے کا سیدھا راستہ ہے۔ خلیج عدن کے دکھن جانب پیریم سے افریقہ کے سینگ کے پوربی سرے پر گارڈافوئی کی راس تک سالی لینڈ کا خطہ پھیلا ہوا ہے۔

عدن کا بندرگاہ

پورب میں اور آگے بڑھ کر سکوترا کا برطانوی جزیرہ ملتا ہے۔ یہ جزیرہ پچھلے دنوں میں ایک بہت بڑا تجارتی مرکز تھا لیکن اس زمانہ میں عدن کے بندرگاہ نے جو اس کی اونچی اونچی پہاڑیوں کے نیچے خلیج کے اس پار بحر عرب کے ساحل پر واقع ہے، سکوترا کی اہمیت ختم کردی ہے۔ اس سارے خطہ میں عدن سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ ایک بہت ہی عمدہ بندرگاہ ہے اور اس کی حفاظت کرنا بھی آسان ہے سوئز سے عدن تک تمام راستے میں اچھے بندرگاہوں کی کمی ہے۔ کیونکہ ساحل یا تو ڈھلوان ہے اور سمندر ساحل سے بالکل ملا ہوا ہے یا پھر ریتیلا میدان ہے جہاں اکا دکا کھاڑیوں اور خلیجوں نے ساحلی پہاڑیوں کو توڑ دیا ہے۔ اسی وجہ سے جہازوں کے قیام کے لئے عدن کی قدر بہت بڑھ گئی ہے اور یہی ایک بندرگاہ ہے جہاں اس دشوار گذار ساحل سے ہوکر گذرنے والے جہاز پابندی سے آتے ہیں۔

سمندری ڈاکو

یاد ہوگا کہ نیدرھویں صدی کے ختم تک یورپ اور انڈیز (ہندوستان کے پوربی سمندر کے جزیرے) کے درمیان صرف ایک سمندری راستہ تھا اور وہ بحر احمر سے ہوکر تھا۔ عدن کے حکمران اپنی خلیج میں داخل ہونے والے تجارتی سامان پر محصول لیا کرتے تھے اور سالی لینڈ کے ساحل پر چھوٹے چھوٹے مقامی سردار موقع پاکر جہازوں پر حملہ کرکے لوٹ کے مال سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے ان ڈاکوؤں کے سب سے زیادہ خطرناک جتھے تین چھوٹے چھوٹے بندرگاہوں میں رہتے تھے — سالی لینڈ کے ساحل پر بربرا کے بندرگاہ میں اور تجورا کی اصلی خلیج پر زیلا اور جی بوٹی کے بندرگاہوں میں جو اس خلیج کے باب المندب والے تنگ سرے پر واقع ہیں۔ یہیں ان بقالوں

پیرو عیان دنیا ہے کیونکہ اگرچہ انیسویں صدی تک یہ مقام قریب قریب گمنام تھا لیکن آج وہ اس خطے کے بین الاقوامی جھگڑوں کا مرکز بن گئے ہیں۔ اسلئے کہ عدن کو چھوڑ کر خلیج عدن میں صرف یہی بندرگاہ ہیں جن میں جہاز ٹھہر سکتے ہیں۔ آبنائے سے گذر کر جب جہاز بحر احمر میں داخل ہوتے تو وہ مشرقی سلطانوں کی علمداری میں آجاتے تھے اور یہ لوگ اس راستہ سے گذرنے والے تجارتی مال سے محصول لینے کے لئے سمندر میں اپنے مسلح جہاز رکھتے تھے۔ یہ تجارتی مال خلیج سویز کے کنارے اُتارا جاتا اور وہاں سے ریگستان طے کرکے قاہرہ لیجایا جاتا اور پھر دریائے نیل سے ہوکر اسکندریہ جاتا جہاں سے وینس کے سوداگر اسے بحر روم کے اس پار لیجا کر یورپ کی بازاروں میں بیچتے تھے اس طرح اس سمندری راستہ کے سرے پر عدن کے حکمران اور آخر میں مصر کے بادشاہ اس راستہ سے گذرنے والے قیمتی تجارتی مال کو اپنے حکم کے مطابق چلانے کے لئے نہایت ہی اہم جنگی مقامات کے مالک تھے۔

راس امید کے گرد

سنہ ۱۵۰۰ء کے قریب دو تاریخی واقعات نے جن کا اثر مستقل طور پر قائم رہا اس خطے میں بڑی بڑی تبدیلیاں کردیں — پرتگالیوں نے راس امید کے گرد ہوکر ہندستان آنے کا ایک نیا راستہ دریافت کرلیا اور خلیج عدن کے پھاٹک پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے انھوں نے بحر عرب میں اپنا بحری بیڑا تعینات کردیا۔ دوسری طرف ترکوں نے مصر اور پھر عرب فتح کرلیا اور اس طرح بحر احمر کے دونوں ساحلوں پر ان کا قبضہ مضبوط ہوگیا۔ اس سے عدن کی اہمیت بہت گھٹ گئی پہلے جیسی آمد و رفت کی زیادتی نہیں رہی اور بحر احمر اور خلیج عدن گمنامی میں پڑ گئے۔ اب سے ایک سو چالیس سال پہلے جب نپولین نے ہندستان آنے کے لئے مصر پر قبضہ کرنے کی مہم اُٹھائی اس وقت بین الاقوامی معاملات میں اس خطہ کی قدر پھر بڑھ گئی اور برطانیہ اور فرانس ترکوں کی گھٹتی ہوئی طاقت پر قبضہ جمانے کے لئے آپس میں جھگڑنے لگے۔ پچھلی ایک صدی سے براہ راست آمد و رفت میں بحر احمر پھر استعمال ہونے لگا۔ اور انگریزی ڈاک اور مسافر مصر سے ہوکر ہندستان آنے کے لئے سویز میں جہاز لینے لگے۔ عرب اور سالی لینڈ کے ساحل کے ڈاکوؤں کو اس خلیج سے گذرنے والے جہازوں میں جن کی تعداد برابر بڑھتی جارہی تھی نیا شکار ہاتھ آگیا اور اپنے جہازوں کی حفاظت کے لئے انگریزوں نے سنہ ۱۸۳۹ء میں بمبئی سے جاکر عدن پر قبضہ کرلیا اور اسے اپنے ہندستانی بیڑے کے جہازوں کا اڈا بنادیا۔ ہر تھوڑے عرصہ کے بعد انگریزی افسر سالی لینڈ کے ساحل کے ڈاکوؤں کو ٹھیک کرنے کے لئے ہر تھوڑے عرصہ کے بعد ڈاکوؤں کے جزیروں میں بم لے جاتے اور اسی طرح سارے خطہ پر برطانیہ کے اثرات بڑھتے رہے۔

نہر سویز

سنہ ۱۸۵۹ء کے بعد فرڈیننڈ۔ ڈی۔ لیسپس ایک فرانسیسی انجینیر نے سویز کی خاکنائے کو کاٹ کر ایک نہر بنانے کی تجویز دوبارہ پیش کی جس سے کہ بحر روم کے جہاز براہ راست بحر احمر جاسکتے تھے۔ اس تجویز سے اور فرانس نے تجورا کی خلیج پر اوبک کے شیخ کے ساتھ مقبوضات کا جو صلحنامہ کیا تھا اس سے انگلستان بھی چونک گیا اور اس نے اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے راستوں پر قبضہ جمانے کی جنگی اہمیت کو محسوس کیا سنہ ۱۸۵۷ء میں پیرم جزیرہ پیریم حکومت عدن میں شامل کردیا گیا تاکہ اس راستہ کے سب سے زیادہ تنگ حصہ پر قبضہ کیا جاسکے۔ دس سال بعد ڈی لیسپس نے اپنا منصوبہ پورا کرلیا۔ نہر سویز کھل گئی اور ایک مرتبہ پھر بحر احمر کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ مشغول راستوں میں ہونے لگا۔ جنوب میں ایک مرتبہ پھر مصر کے مفاد بڑھنے لگے اور سنہ ۱۸۷۵ء میں خدیو اسمٰعیل نے بربرا اور اس کے گرد کا علاقہ اور زیلا پر قبضہ کرنے اور اس طرح فرانس کی ترکیبوں کا رد کرنے کے لئے ایک فوج بھیجدی۔ اس سے آبنائے (باب المندب) کے شمال میں مساوا پہلے ہی فتح کرلیا تھا۔ لیکن اس کے نتیجہ ہی کے منصوبے مصر کی سکت سے باہر تھے اور جب سنہ ۱۸۸۱ء میں سوڈان میں مہدی کی بغاوت سے اس کی تباہی کا آغاز شروع ہوئے تو خدیو کی فوجیں واپس بلالی گئیں اور مصر اپنے مطالبات سے دستبردار ہوگیا۔ اسی زمانہ میں یورپ کی طاقتوں میں افریقہ کے علاقوں پر قبضہ جمانے پر جھگڑا شروع ہوگیا اور بحر احمر کے دہانہ کے گرد کے علاقہ پر اٹلی اور فرانس میں ٹکر ہونے لگی سنہ ۱۸۸۲ء میں ٹیونس پر قبضہ جمانے کے معاملہ میں اٹلی پیچھے رہ گیا اور فرانس نے جرمنی کے کہنے پر خلیج (خلیج عدن) کے علاقوں پر فرانسیسی قبضہ کا اعلان کردیا۔ ادھر سے مایوس ہوکر اٹلی نے حبشہ پر نگاہ ڈالی اپنے منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے اس نے پڑوس کے ساحل کا زیادہ سے زیادہ رقبہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ مساوا کے علاقہ کو جس سے مصر دستبردار ہوگیا تھا حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور وہاں اس نے اریٹیریا کی اطالوی نوآبادی قائم کردی۔ لیکن وہ خلیج تجورا پر سے، جہاں سے حبشہ تک پہنچنے کا بہترین موقع تھا فرانس کا قبضہ ہٹانے میں ناکامیاب رہا۔ برطانیہ بربرا اور زیلا میں اپنے حقوق پر پورا زور دیتی رہی اور برطانوی سالی لینڈ کی نوآبادی کے باقاعدہ انتظام کے مرکز کے طور پر وہاں اپنی فوجیں ٹھہرادیں۔ یہی وجہ تھی کہ اٹلی کو پورب کے اجاڑ ساحل ہی پر اکتفا کرنا پڑا اگرچہ اس ساحل پر کوئی اچھا بندرگاہ نہیں تھا اور اس لئے اطالوی سالی لینڈ کی نوآبادی گوار ڈافوئی کی راس اور افریقہ کے 'سینگ' کے مشرقی ساحل سے جس سے خلیج عدن کے راستہ کو کوئی خطرہ نہ تھا ملادی گئی۔

سنہ ۱۸۹۰ء اور اس کے بعد یہ جھگڑے ختم ہونے پر برطانیہ کی حالت سب سے زیادہ اچھی تھی — آخر میں عربی ساحل پر عدن کے بندرگاہ پر اس کا قبضہ تھا۔ اس کے جنوب میں بربرا اور بیچ سمندر میں پیریم کا جزیرہ واقع تھا۔ فرانس کا دوسرا نمبر تھا۔ اس کی حالت بہت گری ہوئی تھی اس کے قبضہ میں جی بوتی کا بندرگاہ اور اندر کی جانب صرف پچاس ساٹھ میل کا علاقہ تھا۔ تیسرا نمبر اٹلی کا تھا اس کے پاس اوسرا اور ریگستانی علاقہ تھا جو تمام اہم مقاموں سے ہٹا ہوا تھا۔ فرانسیسی سالی لینڈ اور اطالوی اریٹیریا

کی سرحدیں سمندر کے کنارے راس دومیرا کی پہاڑیوں پر ملتی ہیں جس سے تھوڑی دور ہٹ کر ایک جزیرہ ہے جس کا نام بھی دومیرا ہے۔ حال میں اس نے بہت شہرت حاصل کر لی ہے اس لئے کہ اس کے اوپر حق ملکیت میں کچھ جھگڑا پڑ گیا ہے۔

عدلیس ابابا ریلوے

جنگ عظیم سے آبنائے (باب المندب) کے آس پاس یعنی عرب والے حصہ میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہو گئیں اس لئے کہ دکھنی عرب میں ترکی کی طاقت ختم کر دی گئی اور وہیں کے بادشاہ کی حکومت قائم ہو گئی جس میں برطانوی اثرات اور برطانیہ کی دوستی پر خاص طور سے زور دیا گیا۔ حال ہی میں اٹلی نے اینگلو برطانوی صلحنامہ کی رو سے یہ صورت حال تسلیم کر لی ہے اور اس نے یمن میں دخل اندازی کی تمام ترکیبیں جو ممکن ہے کہ وہ ایک وقت میں بنا رہا ہو منسوخ کر دی ہیں۔ لیکن افریقہ میں اس کے حبشہ فتح کر لینے سے حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ ابھی تک تو اطالوی مقبوضات فرانسیسی مقبوضات سے فرانسیسی سمالی لینڈ کے صرف ایک مقام پر ملتی تھیں لیکن اب یہ نوآبادی چاروں طرف اطالوی مقبوضات سے گھر گئی ہے۔ خشکی کی طرف ان کی سرحد کا کوئی تعین نہیں ہوا ہے اور دونوں کے درمیان ایک اوسر پہاڑی میدان پھیلا ہوا ہے جس میں تتر بتر خانہ بدوش نیم وحشی قبیلے آباد ہیں۔ اس صورت حال سے بہت سی مشکلیں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن ایک مسئلہ اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ حبشہ کی نئی سلطنت کی تنہا ریلوے جسے اطالوی مقبوضات کا ایک حصہ تسلیم کر لیا گیا ہے سمندر تک پہنچنے میں فرانسیسی مقبوضات سے ہو کر آتی ہے اور اس کے لائے ہوئے مال اسباب کو جبوتی کے بندرگاہ پر جانا پڑتا ہے۔

جنگی اہمیت

اٹلی ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کر رہا ہے کہ وہ اس بندرگاہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس قبضہ سے اس آبنائے (باب المندب) کے پھاٹک کی جنگی اہمیت یقینی طور پر بدل جائے گی اور ہم (برطانیہ) اور تمام وہ طاقتیں جن کے جہاز نہر سویز کو استعمال کرتے ہیں اس مسئلہ میں پوری دلچسپی لئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ فرانس نے اپنی مقبوضات میں سے ایک انچ زمین تک دینے سے انکار کر دیا ہے اور جبوتی کی فوجوں کو مزید کمک بھیج کر اس نے دکھا دیا ہے کہ اس کا ارادہ پکا اور اصلی ہے۔ یہی آج کی صورت حال ہے۔ سمالی لینڈ کے علاقے خواہ وہ کسی طاقت کے قبضہ میں کیوں نہ ہوں تجارتی طور پر بالکل غیر ضروری ہیں اور ان میں مزید ترقی کے امکانات نکلنا بھی مشکل ہے لیکن جنگی اعتبار سے یہ علاقے اپنے مالکوں کے لئے بہت اہم ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسکی اہمیت کیونکر بڑھ گئی ہے اور یہ کہ یہ مسئلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ بہت پرانا مسئلہ ہے۔

ریاستی عوام کی کانفرنس کی قراردادیں

(باقی صفحہ ۱۲)

کانگرس کیساتھ پورے تعاون کا اعلان

کانفرنس کے کھلے اجلاس میں ڈاکٹر پٹا بھی سیتا رامیہ نے ریاستی تحریک اور کانگرس کے باہمی تعلقات پر پہلی قرارداد پیش کی۔

"ہندستان بھر کی ریاستوں میں عوام میں جو بیداری پھیل گئی ہے اور ذمہ دار حکومت و سول آزادی کو بحال کرنے کی جدوجہد میں انھوں نے جو ترقی کی ہے یہ کانفرنس اسکا خیر مقدم کرتی ہے۔ جو لوگ اس جدوجہد کو چلا رہے ہیں یہ کانفرنس انھیں مبارکباد دیتی ہے اور انکے ساتھ اپنی تائید کا اعلان کرتی ہے۔ نیشنل کانگرس اور اسکے لیڈروں اور خاصکر مہاتما گاندھی نے ریاستی عوام کی جدوجہد میں انکی جو رہنمائی کی ہے اور اسے چلانے میں اب بھی وہ جو حصہ لے رہے ہیں اسکے لئے یہ کانفرنس انکا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اس جدوجہد کی ترقی اور اسکے متعلق کانگرس کی پالیسی کے پیش نظر اب وقت آگیا ہے کہ یہ جدوجہد ہندستان کی آزادی کی بڑی جدوجہد سے جسکا کہ وہ ایک اہم حصہ ہے ملا دی جائے۔ اس آل انڈیا (کل ہند) جدوجہد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے کانگرس کی رہنمائی میں چلایا جائے۔ اور یہ کانفرنس خوشی سے اسکے ساتھ پورے تعاون کا عہد کرتی ہے اور ورکنگ کمیٹی کو جو آئندہ سے اسٹینڈنگ کمیٹی (مستقل کمیٹی) کہلائے گی، ہدایت کرتی ہے اور اسے اختیار دیتی ہے کہ وہ (ریاستی) جدوجہد کو انڈین نیشنل کانگرس یا اگر اس کام کے لئے وہ کوئی اور سب کمیٹی مقرر کرے تو اسکے پورے تعاون کے ساتھ اور انہی کی رہنمائی میں چلائے یہ کمیٹی ریاستی مسئلوں کے متعلق کتابیں پمفلٹ اور رسالے شائع کرے گی اور ریاستی مسئلوں کے مقاصد کے حصول کیلئے ضروری سرگرمیوں کو جاری رکھیگی اور اس کی سرگرمیوں کے جاری رکھنے کیلئے ضروری مواد اکٹھا کرے گی۔"

سبجکٹس کمیٹی کے جلسہ میں اس قرارداد کی تحریک جواہرلال نے کی تھی۔

دستور العمل میں تبدیلی

"یہ دیکھتے ہوئے کہ کانفرنس کی کونسل کا کام عملی طور پر یہ کانفرنس خود ہی کرتی ہے اور کراچی کے اجلاس کے بعد سے اسکا کوئی علحدہ اجلاس نہیں ہوا ہے اسکے علاوہ اس خیال سے بھی کہ جدوجہد کے ترقی کر جانے سے اب تیزی سے فیصلہ کرنے کی سخت ضرورت ہے — یہ کانفرنس طے کرتی ہے کہ پندرہ آدمیوں کی ایک اسٹینڈنگ کمیٹی (مستقل کمیٹی) بنائی جائے جسے چھ اور ممبروں کا اضافہ کرنے کا اختیار ہو اور جو کانفرنس کی اکزیکیٹو کمیٹی (مجلس انتظامیہ) کا کام کرے۔ اگر ضرورت پڑنے پر کانفرنس کی ماتحت جماعتوں سے ملا کر ایک بڑی کونسل بنائی جائے۔ ایسی ضرورت پڑنے پر مستقل کمیٹی کو اسکے لئے قاعدے مرتب کرنے کا اختیار ہوگا۔"

قرقی کی دفعہ غائب

مسلم لیگ زمینداروں کے ساتھ

قدم قدم پر زمینداروں کی طرف سے رُکاوٹ

۶ رفروری سے اسمبلی کے اجلاس شروع ہو گئے۔ کانگرس پارٹی نے بل کو جلد سے جلد پاس کرانے کی تمام کوششیں کر ڈالیں۔ مگر زمیندار پارٹی اور ساتھ ساتھ مسلم لیگ بھی اس پر تلی رہی کہ کچھ ہو بل کے پاس کرانے میں زیادہ سے زیادہ دیر لگائی جائے۔ وہ لوگ قبول کرتے ہیں کہ انکو لگ کا [illegible] کاشتکاروں کا بہت خیال ہے، اسلئے ہر ہر بات کو بہت [illegible] درست کر دینا چاہئے ہیں۔ مگر دو ایک تقریروں میں جی بات انکی زبان سے نکل ہی گئی۔ اور پکھل گیا کہ مسلم لیگ اور زمیندار دونوں ایک ہی طرح اپنے زرا سے فائدے کے لئے کاشتکاروں کو ذبح کرنے کو تیار ہیں۔ اور دوسری طرف انکو ڈر ہے کہ اگر یہ بل پاس ہو کر نافذ ہو گیا تو کاشتکار کانگرس کے وفادار ساتھی بن جائیں گے پھر نہ انکو زمیندار لبھا سکیں گے، اور نہ انہیں فرقہ پرستی بھڑکائی جا سکے گی۔

۶ رفروری کو اسپیکر نے اعلان کیا کہ اسٹیمپ کا بل وائسرائے کی منظوری سے اب قانون نمبر ۱۸ سنہ ۱۹۳۸ء بن گیا ہے۔ اسی روز نواب یوسف نے کہا کہ میری تقریر جا ہے ہندستان والے سمجھیں یا نہ سمجھیں باہر والوں کو ضرور سمجھنا چاہئے۔ اسی لئے میں انگریزی میں تقریر کرتا ہوں۔ مگر میں اچھی اردو بھی بول سکتا ہوں۔

اس روز ان دفعوں پر بحث ہوتی رہی کہ کاشتکار کو یہ حق ہے کہ جب چاہے چار آنہ فیس دیکر زمیندار سے حساب فہمی کرلے۔ اور یہ کہ کاشتکار کس طرح عدالت میں لگان جمع کر سکتا ہے۔ اور پیداوار پر اس کا کتنا حق ہے، اور کیا ذمہ داریاں ہیں۔

۷ رفروری کو مسلم لیگ اور زمینداروں نے حکومت کی مخالفت کی اور کہا کہ زمیندار پر یہ بوجھ نہیں بڑھایا جا سکتا کہ وہ حساب بھی رکھے۔ اسپیر وزیر زراعت نے کہا کہ اگر زمیندار کے سر یہ ذمہ داری نہیں آتی ہے تو پٹواری کے ذمہ رکھنا پڑے گی۔ جیسا کہ نیپال میں ہے۔ یا پھر یہ صورت ہو گی کہ پٹواری ہی لگان وصول کرے اور وہی مالگزاری ادا کرے۔

یہ ترمیم پاس نہیں ہوئی۔

۸ رفروری کو یو۔ پی حکومت نے قرقی کی دفعہ بل سے نکال دی۔ اور اس کے نکال دینے سے پورا ایک باب نکل گیا۔

یو۔ پی اسمبلی کا یہ فیصلہ بڑے معرکہ کا فیصلہ ہے۔ کاشتکاروں کا پرانا مطالبہ تھا کہ قرقی کا حصہ ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ اس آلہ کو کام میں لاکر زمیندار کاشتکاروں کو بے جا طور پر اپنے بس میں رکھتے ہیں، اور اس طریقے سے انکی کھیتی کو نقصان پہونچاتے ہیں۔

۹ رفروری کو مسٹر جین نے تحریک کی کہ جہاں زمیندار کاشتکاروں کو ستاتا ہو یا غیر قانونی رقمیں وصول کرتا ہو، یا جہاں زمیندار [illegible] حصہ داروں میں لڑائی ہو وہاں لگان وصول کرنے کا حق کلکٹر کو دیدیا جائے۔

زمینداروں نے اسکی مخالفت کی اور کہا کہ کلکٹر کو زیادہ اختیارات مل سکتے ہیں۔ حالانکہ ایک بار وہ خود ہی کہہ چکے تھے کہ جہاں کاشتکار لگان نہ دے وہاں کلکٹر وصول کرایا کرے۔

مسٹر جین کی یہ تجویز پاس ہو گئی۔

راجہ بشمبھر دیال نے ۱۰ رفروری کو اس بات کی مخالفت کی کہ اگر کوئی کاشتکار بے دخل کر دیا جائے تو اسپر جتنی رقم باقی ہے وہ ادا سمجھی جائے۔ (جیسا کہ بل میں ہے)

شبیر احمد قدوائی نے اسکی تائید کی، اور کہا زمینداروں کو وہ رقم ضرور لینا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اپنی نرم دلی کی وجہ سے نہ وصول کر سکا ہو۔

یہ تجویز پاس نہ ہو سکی۔

۱۳ رفروری کو اس بات پر بحث ہوئی کہ لگان کی وصولی کے لئے کیا طریقہ ہونا چاہئے۔ زمینداروں نے اسکو اپنے حق میں بنانا چاہا، اور مسلم لیگیوں نے انکی ہاں میں ہاں ملائی بلکہ انھوں نے تو یہاں تک کہا کہ زمینداروں کو کاشتکاروں سے نذرانہ لینے کا حق ملنا چاہئے۔

ماہران موسیقی کی ضرورت

دو تجربہ کار ماہران موسیقی کی ضرورت ہے۔

(۱) کلاسیکی ہندستانی گانا جاننے والا۔ خیال گائیکی اور اسکے ساتھ دھرپد اور دھمار جاننے والے کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) کلاسیکی ہندستانی بین کار، پکھواج کے ساتھ الاپ گت اور پرن بجانے والے کو ترجیح دیجائے گی۔

مسز سرلا دیوی سارابھائی، ریٹریٹ ڈاکخانہ شاہی باغ

(احمد آباد)

۱۴ فروری کو زمینداروں کی پارٹی نے کچھ اپنے ڈھنگ کی پالیسی یوں ظاہر ہوئی کہ مخالف پارٹی کے ایک ممبر نے "ڈویژن" کی خواہش کی۔ جب ڈویژن ہوا مخالف پارٹی کے کسی ممبر نے اسکی طرفداری نہیں کی۔ حتیٰ کی محرک بھی غیر جانبدار رہا — اس حرکت کا مطلب صرف یہ تھا کہ کام میں رکاوٹ ڈالی جائے۔

۱۵ فروری کو مسلم لیگ نے حکومت پر یہ الزام لگایا کہ اس نے دفعہ (۱۸۵ ک) میں جو مسودہ پیش کیا ہے کہ مہاجنی چال ہے۔ جواب میں وزیر زراعت نے کہا کہ اتفاق سے سلکٹ کمیٹی میں اس دفعہ کو پیش کرنے والا مسلم لیگی تھا۔ اور سود کی شرط لگانے والا بھی مسلم لیگی ہی تھا۔

زمینداروں کی طرف سے مہمل ترمیمیں صرف اس غرض سے پیش کی جاتی تھیں کہ کام میں دیر لگے۔ اس پر وزیر زراعت نے تجویز پیش کی کہ رات کو بھی اسمبلی کا اجلاس ہونا چاہئے۔

اس پر ایوان نے طے کر لیا کہ محرم اور ہولی کی چھٹیوں کے بعد سے رات کو بھی اسمبلی کا اجلاس ہوا کرے گا۔

۲۱ فروری کو اسمبلی نے بے دخلی کا باب ختم کیا اور بے لگان زمینوں پر بحث شروع کر دی۔

اہتمام سرسری اطلاعنامہ بنام دیان

(دفعہ ۷۴ ایکٹ نمبر ۵ ۱۹۲۰ء)

بعدالت جناب پنڈت برج کرشن ٹوپا صاحب بہادر جج خفیفہ لکھنؤ۔

درخواست دیوالیہ نمبر ۱۸ ۱۹۳۹ء

مقدمہ قرار دادہ دیئے جانے دیوالیہ مسمی پنڈت رام دین ولد پنڈت لچھمن ساکن اردے گنج تھانہ حضرت گنج شہر لکھنؤ۔

بنام جملہ قرضخواہان مندرجہ ذیل۔

نمبر ۱ فرم جانکی پرشاد نورتم داس مالک ایجنسی روغن گل لاٹوش روڈ لکھنؤ
نمبر ۲ بلدیو سہائے سری واستو ولد بھیمی سہائے کائستھ ساکن مال ہاؤس لکھنؤ
نمبر ۳ فرم نرائن داس گنگا سہائے اگروال ساکن صدر بازار لکھنؤ۔
نمبر ۴ فرم پربھو دیال رامچندر دکاندار غلہ ڈالی گنج لکھنؤ۔
نمبر ۵ فرم بابو رام مہا دیو پرشاد دوکاندار ہولاس روڈ شہر کانپور۔
نمبر ۶ فرم بلدیو سہائے بنواری لال دوکاندار نرہی لکھنؤ
نمبر ۷ سرستی بناسپتی آئیل کمپنی ڈالی گنج لکھنؤ۔
نمبر ۸ ٹنڈن ورکس عیش باغ لکھنؤ۔
نمبر ۹ پنجاب سوپ فیکٹری چکنڈی لکھنؤ۔
نمبر ۱۰ تاج سوپ کمپنی برینچ آفس و فیکٹری نمبر ۸ کچہری روڈ لکھنؤ۔
نمبر ۱۱ آغا ستار خاں ولد اللہ بی خاں ساکن ہیوٹ روڈ لکھنؤ۔
نمبر ۱۲ بنجم رام ولد چھوٹے لال عصار ساکن دوکاندار نیو گنیش گنج لکھنؤ
نمبر ۱۳ سرجو پرشاد ولد پورن ویس ساکن دوکاندار اردے گنج لکھنؤ۔

اطلاع دیجاتی ہے کہ بتاریخ ۱۰ ماہ فروری ۱۹۳۹ء مدیون مذکور الصدر نے ایک قطعہ درخواست اس عدالت میں بدیں غرض پیش کی ہے کہ وہ دیوالیہ قرار دیا جاوے اور یہ کہ بتاریخ ۱۱ ماہ فروری ۱۹۳۹ء عدالت ہذا نے اس امر کا اطمینان کرکے کہ مدیون کی جائداد غالباً مبلغ پانچسو روپیہ سے زائد نہ ہوگی ہدایت کی ہے کہ مدیون کی جائداد کا اہتمام سرسری طریقہ پر کیا جاوے اور تاریخ ۹ ماہ مارچ ۱۹۳۹ء بنا بر مزید سماعت درخواست و اظہار مدیون مذکور مقرر کی ہے۔ اس امر کی بھی اطلاع دیجاتی ہے کہ عدالت تاریخ مذکور الصدر پر تصفیہ و تقسیم جائداد مدیون مذکور کی فوراً کارروائی شروع کر سکتی ہے۔ آپ کو اختیار ہے کہ آپ حاضر ہو کر اس تاریخ پر ثبوت دو۔ ثبوت کسی دعوی کا جو آپ کرنا چاہتا تاریخ مذکور پر یا اسکے قبل داخل عدالت کرنا لازمی ہوگا۔

میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۱ ماہ فروری ۱۹۳۹ء جاری کیا گیا۔

بحکم عدالت — دستخط جج
منصرم بشمبھر دیال
مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۳۹ء

وقت حاضری عدالت دس سے چار بجے تک

ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے

یہ عام شکایت ہے کہ روپیہ نہیں بچتا اور سچ بھی ہے

تاہم

اگر آپ ہم سے مشورہ کریں تو آپ کی یہ دشواری بالکل دفع ہو جائے۔ ہمارے مشورہ پر عمل کرنے سے روپیہ بھی بچ جائے گا اور ناگہانی حادثہ سے حفاظت بھی۔

بیمہ کمپنی بنکنگ کا سب سے زیادہ ترقی شدہ طریقہ ہے

اشفاق علی منیجر

ٹراپیکل بیمہ کمپنی حضرت گنج لکھنؤ

ایک ضروری گذارش

۱۔ ہمارے آفس سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر کیجئے۔
۲۔ تحریر ہمیشہ صاف اور خوشخط ہونا چاہئے۔

منیجر اخبار ہندستان۔ لکھنؤ

اسیر پابندیاں لگادی گئیں اور اسکے ستیہ گرہ کو دبے کے باوجود یہ پابندیاں ابھی تک نہیں ہٹائی گئی ہیں۔ اور اسکے باوجود ستیہ گرہی ابھی تک جیلوں میں بند ہیں۔

یہ کانفرنس ریاستی کانگرس کو مبارکباد دیتی ہے کہ اسنے ستیہ گرہ شروع کرنے اور اسے آخر تک چلانے میں بڑے ضبط اور نظام کا ثبوت دیا۔ یہ صحیح ہے کہ ریاست میں لوگوں کو مذہبی آزادی نہیں حاصل ہے اسلئے ریاست کا فرض ہے کہ مذہبی آزادی پر سے تمام پابندیاں اٹھالے۔ آریہ سماج نے مذہبی آزادی حاصل کرنے کے لئے جو ستیہ گرہ شروع کر رکھی ہے وہ بالکل بے موقع ہے اور اسکی وجہ سے ریاست کو بہانہ ملجاتا ہے کہ وہ فرقہ پرستی کے نام پر ذمہ دار حکومت کی جدوجہد کو بھی کچل دے۔ اس کانفرنس کو امید ہے کہ حیدرآبادی ریاستی حکومت ریاستی کانگرس پر سے پابندیاں اٹھالے گی۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ریاستی کانگرس کو ستیہ گرہ دوبارہ شروع کرنا پڑے گی

اس قرارداد کی تائید میں مولانا حبیب الرحمن۔ سراج الحسن ترمذی اور کئی دوسرے آدمیوں نے تقریریں کیں۔

ریاستی عوام کی کانفرنس کی اس قرارداد کے خلاف احتجاج کرنے کیلئے لاہور کی تمام آریہ سماج جماعتوں نے ایک جلوس نکالا اور جواہر لال کو تار دیا کہ حیدرآباد کی آریہ سماج ستیہ گرہ فرقہ پرست نہیں ہے بلکہ وہ کل آبادی کے سول حقوق کی حفاظت کے لئے جاری ہے۔ تار میں یہ بھی درخواست کی گئی کہ اس قرارداد کو کھلے اجلاس میں نہ پیش کیا جائے۔

ریاستی مظالم کی مذمت

ایک دوسری قرارداد میں نابھہ۔ پٹیالہ۔ سرمور۔ کلسیہ۔ مالیر کوٹلہ فرید کوٹ اور بھاولپور کی ریاستوں کی پست حالت پر افسوس کیا گیا اور انکے "استبداد" اور عوام کی سرگرمیوں پر جو پابندیاں لگائی گئی ہیں انکی مذمت کی گئی اور عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو منظم کرلیں۔ کانفرنس نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ پٹیالہ اور کپور تھلہ کی ریاستوں میں اصلاحات کے لئے جو کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں ان کے اختیارات ناکافی اور ناقابل اطمینان ہیں۔ کانفرنس کی رائے میں اصلاحات کی اسکیمیں اسی صورت میں قبول کی جاسکتی ہیں کہ وہ ذمہ دار حکومت پر مبنی ہوں اور ان کو بنانے والی کمیٹیوں میں پرجامنڈل کو کافی نمائندگی دی جائے۔

میواڑ اور مانک لال ورما کی گرفتاری

"یہ کانفرنس میواڑ پرجامنڈل کے سرکردہ اور قابل اعتماد لیڈر شری مانک لال ورما اور ان کے ساتھیوں کی اجمیر میواڑا کی حدود میں دیولی کے مقام پر گرفتاری اور ان حدود سے انہیں اخراج کرنے کے سلسلہ میں میواڑ پولیس کے مطلق العنانہ رویہ کی سخت مذمت کرتی ہے اور اجمیر میواڑا کی حکومت سے اپیل کرتی ہے کہ وہ متعلقہ پولیس کے خلاف فوری قانونی کارروائی کرے اور میواڑ دربار کے خلاف بھی برطانوی علاقہ کی حدود میں آزادانہ مطلق العنانی کے سلسلہ میں سیاسی کارروائی کرے اور شری مانک لال جی کی فوری رہائی کا مطالبہ کرے۔

"یہ کانفرنس میواڑ (اودے پور) کے لوگوں کو سول آزادی کے سلسلہ میں ان کی تاریخی جدوجہد پر مبارکباد دیتی ہے اور حکومت میواڑ کی طرف سے زیادہ شہریوں کو قید کرنے اور ان سے بدسلوکی کرنے کی پالیسی کی مذمت کرتی ہے۔ یہ کانفرنس ناتھ دوارا اور متعدد دیگر مقامات میں پرامن مجمع پر جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے لاٹھی چارج کی مذمت کرتی ہے۔ اور میواڑ دربار سے سیاسی قیدیوں کی فوری رہائی اور میواڑ پرجامنڈل کو خلاف قانون قرار دینے والے احکامات کی واپسی کا مطالبہ کرتی ہے۔"

راجکوٹ۔ جے پور اور کشمیر کی تحریک پر بھی قرارداد پاس کی گئیں

راجکوٹ

"یہ کانفرنس راجکوٹ کے بہادر لوگوں کو ان کی دلیرانہ جدوجہد پر مبارکباد دیتی ہے اور ٹھاکر صاحب اور ریاستی عوام کے مسلمہ نمائندے سردار ولبھ بھائی پٹیل کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا یہ کانفرنس ٹھاکر صاحب کی طرف سے اس کی خلاف ورزی کی جو غالباً طاقت اعلیٰ (حکومت ہند) کے ایجنٹ کے زیر اثر ہوئی ہے مذمت کرتی ہے۔ راجکوٹ کے لوگوں نے جس منظم اور پرامن طریقہ سے اپنی دلیرانہ جدوجہد میں قربانیاں کی ہیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں یہ کانفرنس ان کی داد دیتی ہے اور ذمہ دار حکومت کے حصول کی غرض سے ان کی کوششوں کی کامیابی کی دعا کرتی ہے۔"

"یہ کانفرنس ریاستوں کے اندرونی معاملات میں طاقت اعلیٰ کی دخل اندازی کی مذمت کرتی ہے۔"

جے پور

"حکومت جے پور کی طرف سے ریاست میں سیٹھ جمنالال بجاج کے داخلہ کی جو مطلق العنانہ ممانعت کردی گئی ہے اور سیٹھ جی کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا ہے اس کے خلاف یہ کانفرنس احتجاج کرتی ہے اور پرجامنڈل کے اس ارادے کو کہ جب تک اسے آزادی نہیں مل جائے گی وہ ستیہ گرہ جاری رکھے گی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتی ہے۔"

کھلے اجلاس میں صرف ایک شخص نے اس قرارداد کی مخالفت کی۔

کشمیر

ریاست کشمیر کی تحریک پر بھی ایک قرارداد پاس ہوئی جس میں جموں اور کشمیر کے عوام کی ذمہ دار حکومت کی جدوجہد میں انکے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا ان کے قومی مطالبہ کی حمایت کی گئی اور بتایا گیا کہ ریاست نے جن اصلاحات کا اعلان کیا ہے اور خاص کر اعلان نمبر ۱۹ بالکل ناکافی ہیں۔ ریاست کے اس اعلان کو پولیس اور فوج کے راج سے منسوب کیا گیا۔

لدھیانہ کانفرنس

جواہر لال-ڈاکٹر پٹابھی اور ڈاکٹر ستیہ پال سبجکٹس کمیٹی کے جلسہ میں شرکت کر رہے ہیں

مظلوم اسپین

باغی فرانکو کے ستائے ہوئے اسپینی عوام فرانس جاتے ہوئے قمن ویلیڈیز کی گھاٹی میں ۲ ہزار ۹ سو میٹر اونچی پہاڑی چوٹی پر سے گذر رہے ہیں

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

کاسا بن

بچون-جوانون اور بوڑھون کے لئے کھانسی کی شرطیہ دوا

پھیپھڑے کی سوجن—دمہ—ککر کھانسی—نزلہ—خراش—وغیرہ-وغیرہ مین تیزی سے اثر کرتی ہے—

بنگال کمیکل کلکتہ-بمبئی

Always ask for :—

RAKI'S

The Ink Extract

Quil

GREAT STICKER

QUIL

The famous Fountain Pen and writing Inks

Ever Flowing
BRILLIANT
Permanent.

OFFICE PASTE

Cent per cent Sticky, Odourless, white and clean

Stamp Pads in various designs and colour

Available at all dealers

Selling Agents Wanted:—

RAKI & CO.
Meston Road, Cawnpore.

یہ اشتہار بار بار شائع نہ ہوگا — تاریخ مین ہرگز تبدیلی نہ ہوگی

مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام

ہر کام انصاف اور ایمانداری سے ہوگا—تجربہ شاہد ہے—آزمائیے

انعامات—پہلا انعام مبلغ سات ہزار روپیہ اس شخص یا اشخاص کو دیا جائیگا—جو بالکل درست حل بھیجینگے دوسرا انعام مبلغ دو ہزار روپیہ اس شخص کو دیا جائیگا—جسکا صحیح حل ہمارے دفتر مین سب سے پہلے موصول ہوگا—تیسرا انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ سب سے زیادہ حل بھیجنے والے شخص کو دیا جائیگا—

۱۶		
	۱۳	
		۱۲

حل کیا کرنا ہے—سامنے دئے ہوئے نو خانہ مربع مین ایک سے لیکر ایک صد تک کے ہندسون کو اس طرح رکھئے کہ تینون ہندسون کی لائینون کو خواہ کسی طرف سے لیجئے جواب چالیس آئے—دئے ہوئے ہندسون کی جگہہ تبدیل نہین کی جاسکتی—صفر اور بٹہ استعمال نہین ہوسکتا کوئی ہندسہ دوبارہ استعمال نہ ہوگا—

شرائط—فیس داخلہ ہر حل کے لئے ۸ آنہ حل کے حساب سے بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر آنا چاہئے—منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ لکھنا لازمی ہے—حل سفید کاغذ پر بھی بھیجے جاسکتے ہین—حل معمہ سر بمہر کرکے ایگزیکٹو صاحب کے پاس رکھدیا گیا ہے—حل ۲۴ فروری تک ڈاک میں ڈال دینے چاہئین—اس کے بعد کوئی حل منظور نہ ہوگا—صحیح حل ۲۸ فروری کو اخبارات مین شائع کردیا جائیگا—جنرل منیجر صاحب معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل تسلیم ہوگا—اس کمپنی ٹیشن کی یہ واضح شرط ہے-نتیجہ کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ آنا لازمی ہے—اور انعام کی رقم بعد وضع اخراجات بالکل ٹھیک حل کرنے والے ان اشخاص مین تقسیم کی جاویگی—جن کے حل ہمارے سر بمہر حل سے ہو بہو ملینگے—انعام کی تقسیم موصول شدہ حلون کی تعداد کے مطابق ہوگی—گارنٹی—ہر صحیح حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیہ انعام ضرور ملیگا—اور سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو کم از کم پچاس روپیہ کی گارنٹی ہے—ہر ایک شخص ایک یا مختلف قسم کے جتنے حل چاہے بھیج سکتا ہے—

حل اور منی آرڈر بھیجنے کا پتہ—

منیجر دی رائل ریگل وکٹوریہ کمپنی (کمپی ٹیشن ڈیپارٹمنٹ نمبر ۱۳)
ساڈھورہ (پنجاب)

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر عمدۃ المطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر بھیشر ناتھ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

ہندستان

جلد ۳—نمبر ۱۰
کانگرس کا ہفتہ وار اخبار—لکھنؤ ۱۲ مارچ ۱۹۳۹ع
فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

تری پوری کانگرس

کانگرس نگر کا صدر دروازہ

اسپین کے بوڑھے بچے فرانکو کے مظالم کے ڈر سے اپنا دیش چھوڑ کر فرانس پناہ لینے جارہے ہین

ترِی پوری میں لڑائی کا بگل

سوبھاش بابو کی جیت عجیب جیت ہے۔ انکی مخالفت پر ملک کے سات بڑے بڑے لیڈر رہے تھے۔ حتیٰ کہ جواہرلال جی کا بھی جو بیان تھا وہ موافق کم اور مخالف زیادہ تھا۔ اور گاندھی جی کی خاموشی بھی معنیٰ خیز تھی۔ رہی موافقت، تو کوئی بڑا لیڈر انکے ساتھ نہ تھا۔ انکی طرف صرف انکا اصول تھا، وہ یہ کہ فیڈریشن کا مقابلہ خود بڑھ کر کرنا چاہیئے۔ اور الیکشن کے نتیجے سے معلوم ہوا کہ اسی اصول کی فتح ہوئی۔

ہری پورہ میں یہ طے پایا تھا کہ جس طرح ممکن ہو، فیڈریشن کی مخالفت کیجائیگی اور ورکنگ کمیٹی نے اس قرارداد کی عملی شکل کو یہ تھی کہ وہ منتظر تھی کہ برطانیہ جب فیڈریشن لائے گی تب اسکی مخالفت کی جائے گی۔ اس دوران میں وزارت کے فائدوں کے تجربے ہوتے رہیں گے۔ بہت سے کانگرسیوں کا خیال یہ تھا کہ فیڈریشن کیلئے جب الکشن ہونے لگے گا اسوقت سیاسی الجھن پیدا کردی جائے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فیڈریشن میں کچھ اصلاحیں ہو جائیں گی، جسکے بعد وہ تجربہ کرنے کے قابل ہو جائیگا۔

سوبھاش چندر بوس نے اسکے مقابلہ میں اپنی اسکیم پیش کی۔ فیڈریشن کا مقابلہ کرنا ہے۔ تو اپنے کم سے کم مطالبات تیار کرکے، آگے بڑھکر سامراج کو الٹیمیٹم دو کہ اگر اتنے عرصے میں یہ مطالبات نہیں پورے ہوئے تو ہم لڑائی چھیڑ دیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ پہلی پالیسی میں کیا برائی تھی جو ملک نے چھوڑ دی اور دوسری میں کیا خوبی تھی جو وہ پسند کرلی۔

پہلی پالیسی کا ڈیڑھ سال سے تجربہ ہو رہا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ صوبائی حکومت کو نام ہی نام کی حکومت سمجھنا چاہیئے کیونکہ اصل طاقت برطانیہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جو بڑے بڑے معاملات ہیں ان میں ہمکو دخل دینے کا ذرا اختیار نہیں ——— مثلاً وائسرائے برابر مرکزی اسمبلی کی میعاد بڑھاتا چلا جاتا ہے، حالانکہ اسمبلی کی کانگرس پارٹی نے اسکی بار بار مخالفت کی، کیونکہ برطانیہ جو کچھ خونخواری کرتی ہے اسمبلی کی آڑ لیکر کرتی ہے ——— ہندستانی تجارت اور صنعت کی ترقی کی جو بڑی بڑی مزدورتیں تھیں مثلاً روپیہ کی شرح تبادلہ بڑھانا، ساحلوں پر پابندیاں لگانے کا حق غیرملکی سرمایہ کے مقابلہ میں ہندستانی سرمایہ کی حفاظت ——— ان سب پر ہمکو کوئی حق نہیں ہے۔ آجکل برطانیہ کھلے بندوں پلٹنوں اور راجاؤں کی جگہ خود حکومت کر رہی ہے، اور ریاستی عوام کو باقاعدہ بدمعاشوں کے ذریعہ کچل رہی ہے۔ اور اپر ہمارا کوئی بس نہیں۔

عوام کی حالت سنبھالنے کو کانگرسی حکومتیں بہت کچھ کوششیں کر رہی ہیں۔ مگر اس کو کیا کریں کہ دستور ہی نے انکی راہ میں بڑے بڑے سمندر حائل کر دئے ہیں۔ جب عوام کو وزارت کی طرف سے کچھ ناامیدی ہونے لگتی ہے، اور وہ مطالبات لیکر آگے بڑھتے ہیں تو حکومت کو مجبوراً سامراج کا آلۂ کار بن کر انکو دبانا پڑتا ہے۔ اس طرح سے سامراج دشمن طاقتوں میں پھوٹ پڑی جا رہی ہے۔

کوئی متحرک کارروائی نہ ہونے کی وجہ سے کانگرس میں بہت سے اہل غرض گھس آئے ہیں، اور وہ کانگرس کو خراب کر رہے ہیں، اسلئے ملک سمجھتا ہے کہ اگر کوئی متحرک پروگرام اختیار کر لیا جائے۔ اور اکبار یہ طے کر لیا جائے کہ ہمکو برطانیہ سے مقابلہ کرنا ہے تو سب سامراج دشمن طاقتوں میں ایکا ہو جائے گا۔ وزارتیں بڑھ بڑھ کر کام کرنے لگیں گی، کیونکہ بہرحال ہر وقت استعفے کے لئے تیار رہیں گی اور اہل غرض کانگرس کو ڈراؤنی چیز سمجھکر نکل بھاگیں گے، اور لڑائی کا سامنا دیکھکر کانگرس میں خود بخود تنظیم پھیل جائے گی۔

عملی طور پر سوبھاش بوس کا پروگرام یہ ہے۔

ایسے مطالبات ہمکو تیار کر لینا چاہیئے جس سے کم پر ہم کسی طرح نہیں راضی ہوں گے۔ اس میں یہ خاص خاص باتیں ضرور رہیں کہ فوج، سول سروس، بیرونی پالیسی، تجارتی پالیسی پر ہندستانی قومی حکومت کا قبضہ رہیگا۔

۲) پھر برطانیہ کو ایک مقررہ مدت دیدی جائے اور چیلنج دیدیا جائے کہ اگر اس نے اتنے عرصہ میں ان مطالبات کو پورا نہیں کر دیا تو ہم خود آگے بڑھکر مقابلہ کریں گے۔

۳) جن صوبوں میں ابھی تک کانگرسی وزارتیں نہیں ہیں وہاں اگر ممکن ہو تو اتحادی وزارتیں بنائی جائیں ——— بشرطیکہ اتحاد کی بنیاد کانگرس کے پروگرام پر ہو۔ اگر یہ وزارتیں بن گئیں تو مقابلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔

۴) تمام سامراج دشمن طاقتوں کو مثلاً کسانوں، مزدوروں، طالب علموں کو یکجا کیا جائے، اور کانگرسی وزارتوں میں جو دوری پیدا ہو گئی ہے وہ ختم کر دی جائے۔

سوبھاش بوس کے اس پروگرام کی کامیابی کی بہت کچھ امید ہے۔ کیونکہ بین الاقوامی معاملات دن بدن پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں، جس کی وجہ سے برطانیہ میں اتنی سکت نہیں کہ وہ کانگرس کا مقابلہ کر سکے۔ امید تو یہ ہے کہ اگر الٹیمیٹم دینے کے ساتھ اسکیم کے ہر جزو پر عمل کیا گیا تو برطانیہ کی اتنی ہمت نہ پڑے گی کہ کانگرس کا مقابلہ کرے۔ اگر مقابلہ کیا بھی تو زیادہ دنوں تک نہیں کر سکتی۔

برطانیہ کی کمزوریاں اب چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ اور یہی موقع ہے اسکو کچلنے کا۔ ہم جتنی مضبوطی سے اسپر حملہ کریں گے اتنی ہی آسانی سے اسکو بھگا سکیں گے۔ یہ موقع ہے کہ ہندستان میں جتنی آزادی پسند اور سامراج دشمن جماعتیں ہیں سب کو اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات چھوڑ کر ایک ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ اگر ہم اس موقع پر چوک گئے، تو مدتوں کے لئے آزادی سے دور ہو گئے۔ اسلئے ہمکو ہر وقت بائیں بازو اور دائیں بازو کا کوئی سوال نہ اٹھانا چاہئے اور صرف ایک کوشش کرنا چاہئے، وہ یہ کہ جس طرح ممکن ہو ایکا کر لیا جائے۔ چاہے اس غرض سے اسکیم میں کچھ تغیر کرنا پڑے۔

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر اب ہم آگے نہیں بڑھتے ہیں اور اپنے جھگڑوں میں پھنسے رہ جاتے ہیں تو برطانیہ خود آگے بڑھکر کچھ دیا دے گی۔ لارڈ زٹلینڈ کہہ ہی دیا کہ برطانیہ دستور اساسی میں ایسا تغیر کرنا چاہتی ہے جس کی رو سے حکومت ہند لڑائی اور نازک موقعوں پر صوبائی وزارتوں کو اپنے طریقۂ کار پر چلنے کے لئے مجبور کر سکے۔ اسکے علاوہ ہندستانی تجارت کے معاملہ میں بھی برطانیہ کا رویہ سخت ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہی ہے کہ لڑائی منڈلا رہی ہے، اسکے لئے روپیہ کی سخت ضرورت ہے جس طرح ہے ہندستان سے روپیہ گھسیٹنا ہے۔

اسی لئے تری پوری میں ہمارے دو کام ہیں، لڑائی کا بگل بجانا، اور تمام سامراج دشمن جماعتوں میں ایکا پیدا کرنا۔

گاندھی جی کا روزہ

راجکوٹ کی لڑائی کی تہ میں بھی وہی مسئلہ چھپا تھا جو اور ریاستوں کی لڑائی کی تہ میں چھپا ہے۔ یعنی یہ کہ رعایا کا بھی حکومت میں کوئی حصہ ہے یا نہیں۔ راجہ نے رعایا کے حق سے انکار کیا، اور رعایا نے اپنے کو سچائی پر پاکر ستیہ گرہ کر دی۔ یہ اصولی لڑائی اسی دن ختم ہو گئی جب ٹھاکر صاحب نے سردار پٹیل سے عہدنامہ کر لیا۔

سامراج کو یہ عہدنامہ برا لگا، اور اس نے ٹھاکر صاحب پر دباؤ ڈال کر انکو بدعہدی پر مجبور کر دیا۔ ٹھاکر صاحب نے سامراج کے دباؤ میں آکر وہ حرکت کی جس نے انپر زندگی بھر کے لئے کلنک کا ٹیکہ لگا دیا۔ سامراج کے دباؤ میں نہ آتے تو زیادہ سے زیادہ راج سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ زبان کے آگے راج کیا جان بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ مگر ٹھاکر صاحب نے بڑی ڈھٹائی سے بدعہدی پر کمر باندھی، اور پھر سے رعایا پر خونخوار ظلم ڈھانے لگے۔

بدعہدی اخلاقی جرم ہے۔ اس لئے اب یہ لڑائی جتنی سیاسی تھی، اتنی ہی اخلاقی بن گئی۔ اب صورت یہ ہو گئی کہ اگر رعایا ستیہ گرہ پر جمی رہتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے تو ٹھاکر صاحب کو اپنا عہد پورا کرنا پڑتا ہے، اسی طرح اگر ٹھاکر صاحب اپنا عہد پورا کرتے ہیں تو بھی رعایا کی سیاسی جیت ہوتی ہے۔

اس بدعہدی کا گاندھی جی پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ لکھتے ہیں "میں سر سے پاؤں تک لرز گیا"۔ گاندھی جی نے جو سیاسیات میں بھی اخلاق کو آگے رکھتے ہیں اس مسئلہ کو اخلاق ہی کی طرف سے اٹھایا اور ٹھاکر صاحب کے ضمیر کو چونکانے کے لئے بھوک ہڑتال کر دی ہے۔

اس بھوک ہڑتال نے نہ صرف ہندستان کی بلکہ ہندستان کے باہر والوں کی بھی نگاہیں راجکوٹ کی طرف پھیر دی ہیں۔

راجکوٹ کا سبق

ہندستان کی رائے عامہ پر گاندھی جی کا جو اثر ہے اسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا اور جس طرح پر انہوں نے ہندستانی قوم میں سیاسی بیداری پھیلا کر اسے آزادی کی طرف بڑھایا ہے اسے کوئی شریف ہندستانی نہیں بھلا سکتا۔ پھر جب ہمارے اتنے بڑے رہنما نے ٹھاکر صاحب راجکوٹ کی بدعہدی کی وجہ سے اپنی جان کو بھینٹ چڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس سے سارے ملک میں ہلچل مچ گئی۔ کانگرسی وزارتوں نے وائسرائے کو دھمکی دی کہ اگر وہ راجکوٹ کی اندھیر نگری کو راہ راست پر لانے کیلئے مداخلت نہیں کرینگے تو وزارتیں مستعفی ہو جائیں گی۔ سارا ملک اپنے اس پرانے رہنما کیلئے بے چین ہو رہا تھا اور ہر طرف ایک انتشار پھیلا ہوا تھا۔

آخر میں ہز اکسیلنسی وائسرائے نے مداخلت کرکے گاندھی جی کو اطمینان دلایا کہ ٹھاکر صاحب نے اپنی رعایا سے جو وعدے کئے ہیں وہ پورے کر دئے جائینگے اور اگر کسی بات پر اختلاف ہوگا تو وہ فیڈرل کورٹ کے چیف جج کے فیصلہ پر چھوڑ دی جائے گی۔

پانچ دن کی متواتر بھوک ہڑتال کے بعد آخر، مارچ کو تمام باتوں کا اطمینان کر کے گاندھی جی نے اپنی بھوک ہڑتال ختم کر دی۔

راجکوٹ کے مسئلے کے پیچھے ایک بنیادی سوال تھا یعنی آیا طاقت بالادست ریاستی معاملات میں دخل دے سکتی ہے اور ظالم راجہ کے مقابلہ میں ریاستی عوام کی مدد کر سکتی ہے؟

گاندھی جی شروع ہی سے اس نظریہ کے قائل تھے کہ جہاں طاقت بالادست والیان ریاست کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتی ہے وہاں اسے ریاستی عوام کی بھی خبر رکھنی چاہئے اور ظالم راجہ کے مقابلہ میں انکی مدد کرنی چاہئے۔ اور راجکوٹ میں وائسرائے کی مداخلت نے ثابت کر دیا کہ گاندھی جی حق پر تھے۔

کیا ٹھاکر صاحب کے اور راجہ بھائی اس واقعہ سے سبق لینگے؟

یو۔پی کا بجٹ

کانگرسی حکومت نے جس خوبصورتی سے یو۔پی کے مالیات کو سنبھالا ہے اس کی تعریف کئے بغیر کوئی نہیں رہ سکتا۔ جب کانگرس نے وزارت ہاتھ میں لی ہے تو ایک طرف سرکاری ملازمتوں کی لمبی تنخواہوں کا خزانے پر بار تھا، اور دوسری طرف ۳۰ لاکھ کا خسارہ تھا۔ اسکے علاوہ چھ ہفتوں کے اندر اندر بجٹ بنانا پڑا۔ کانگرسی وزارت نے خسارہ کو گھٹا کر ۱۲½ لاکھ کر دیا۔ اور سال ختم ہوتے ہوتے وہ خسارہ بھی تقریباً مٹ گیا۔ پھر اسی سال بجٹ میں پندرہ لاکھ کے خسارے کی امید تھی، لیکن اس کی جگہ پندرہ لاکھ کی بچت رہی۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ صوبہ ہمیشہ خسارہ میں گھٹا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اسپر چار کروڑ کا قرضہ ہو گیا تھا۔

اس کام کے لئے حکومت کو جتنی بھی کفایت کرنا پڑی ہو، اس کا اثر پبلک اخراجات پر بالکل نہیں پڑا۔ نشہ بندی کی تحریک میں بھی یہ صوبہ کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ دو ضلعوں میں یہ اسکیم جاری ہو چکی ہے۔ اور ابھی چار ضلعے اور لئے جائیں گے۔ اسکے علاوہ حکومت نشہ کے کمی کی ترکیبیں کر رہی ہے۔ اسکی کامیابی اس سے ظاہر ہے کہ ۳۰ فیصدی چرس، اور ۴۳ فیصدی گانجا، اور ۲۵ فیصدی افیم کی کھپت کم ہو گئی ہے۔

گرام سدھار کا کام بھی بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔ اس سال ۳۷۰ سے زیادہ [illegible] بیج گھر کھولے گئے۔ اور ہزارہا جگہوں پر نئے آلات سے کام لینے کی نمائش کی گئی۔

اسکولوں اور لائبریریوں کا صوبہ بھر میں ایک جال بچھا دیا گیا ہے۔ دوا علاج کا انتظام بھی بہتر کیا گیا ہے، اور دیہاتوں کی صفائی کی طرف خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ اور جہاں جہاں کاشتکاروں پر کوئی مصیبت پڑی تھی انکو کافی چھوٹ دی گئی جسکی مقدار ۳۰ لاکھ تک پہونچتی ہے، اور جب سے یہ نئی وزارت سنبھالی ہے اس سلسلہ میں ۱۵ لاکھ چھوٹ دی جا چکی ہے۔ اس وزارت سے پہلے کے دو برسوں کے اندر صرف ۱۷ لاکھ کی چھوٹ دی گئی تھی۔

وزیر اعظم کا بیان ہے کہ اگلے سال ۳۸ لاکھ کا خسارہ ہوگا۔ کیونکہ عوام کی حالت سنبھالنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ انکی حالت درست کرنا ہے۔ اسوقت دیہات غریبی، جہالت، اور بیماریوں کے شکار ہیں۔ انکو اس طوفان سے نکالنا کانگرس کا پہلا فرض ہے۔

اس خدمت کے لئے وزیر اعظم نے کہا ہے کہ ہماری آمدنی کم ہے، ہم پر بندشیں بہت ہیں، اور مرکزی حکومت کو ہماری فکر نہیں ہے، مگر یہ ایسا کام ہے جو ہم کو ضرور کرنا چاہئے۔ اسلئے اگر ضرورت پڑ جائے تو جو لوگ اچھی حالت میں ہیں انکو ایثار کرنا چاہئے، اسی غرض سے پٹرول پر دو آنہ فی گیلن ٹیکس لگایا ہی گیا ہے۔ اسکے علاوہ ان تنخواہوں پر جو ڈھائی ہزار سالانہ سے زیادہ ہیں ایک تدریجی ٹیکس لگایا جائے گا۔

دینے والوں کو یہ ٹیکس کھلے گا ضرور، مگر انکو سمجھ لینا چاہئے کہ فلاکت زدہ کسانوں کے لئے اتنی قربانی کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔

نیا سامراجی شکنجہ

لارڈ زٹلینڈ نے دارالامراء میں بیان دیا کہ حکومت برطانیہ اس فکر میں ہے کہ پارلیمنٹ کے سامنے دستور اساسی ہند کی دفعہ (۱۰۲) میں ایک ترمیم کرے جسکی رو سے حکومت ہند کو اختیار مل جائے کہ وہ لڑائی یا کسی اور نازک موقع پر صوبائی حکومتوں کو اپنے طریقوں پر جو ان کے خیال میں اسوقت ضروری ہوں عمل کرنے پر مجبور کریں۔

یہ ارادے اسوقت ہیں جبکہ ہم فیڈریشن لینے سے بالکل انکار کر چکے ہیں صوبائی حکومتوں کی بے جا بندشوں سے تنگ آ چکے ہیں۔ اور ریاستی عوام کی آزادی کے لئے ہر شکل کا مقابلہ کرنے کو اور اگر ضرورت پڑے تو صوبائی حکومتوں کو بھی چھوڑ دینے پر آمادہ ہیں۔ لارڈ زٹلینڈ کے ارادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بین الاقوامی جھگڑوں سے جو ذرا فرصت مل گئی تو وہ اس فکر میں لگ گئے کہ کس طرح ہندستان میں کانگرس کا زور توڑ دیا جائے۔

اس تجویز کا ایسے موقع پر آنا جبکہ تریپوری کا اجلاس ہونے جا رہا ہے، اور ہم فیڈریشن سے لڑنے کی سوچ رہے ہیں، ہم کو کھلا ہوا چیلنج ہے۔ غالباً یہ چیلنج منظور کیا جائے گا۔

اگر برطانیہ لڑائی اور نازک موقع کی تیاری قانون سے کر رہی ہے۔ تو ہم بھی سوچ لیں گے کہ لڑائی اور نازک موقع کے لئے ہمکو تیاری کرنا چاہئے۔

جاپان کی نئی کمزوریاں

جاپان نے جزیرہ ہینان پر جو فرانسیسی انڈوچین کے پاس ہے قبضہ کر لیا ہے۔ اور دوسری طرف شنگھائی کی بین الاقوامی آبادی پر اپنا عمل دخل شروع کر دیا ہے، اور بہانہ یہ ہے کہ ایک جاپانی افسر وہاں مار ڈالا گیا تھا۔ ہانگ کانگ کی ساری تجارت تو پہلے ہی جاپان کے ہاتھوں میں جا چکی۔ اور وہاں سے درآمد پر محصول لگایا گیا ہے جسکی وجہ سے دوسرے ملکوں کا سامان جانا تو تقریباً بند ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بحر الکاہل میں جاپان نے امریکہ، فرانس اور انگلستان سے لڑائی چھیڑ دی ہے۔ انکی نتیجہ ہے کہ یونان فو برما ریلوے تیزی سے درست ہو رہی ہے جسکی مدد سے برطانیہ کے ذریعہ چین کو ہتھیار پہونچائے جائیں گے۔ امریکہ بھی ہتھیار اور گولہ بارود سے چین کی مدد کر رہا ہے۔

دغابازی ہی دغابازی

چمبرلین فرانکو کو اسپین کا مالک اس بہانہ سے تسلیم کر رہے ہیں کہ جب وہ اسپین کو فتح ہی کر چکا ہے تو واقعہ سے انکار کرنے سے [illegible] فائدہ۔ یہ وہی بہانہ ہے جو حبشہ کے لئے کیا گیا تھا۔ چمبرلین کو تو سوجھائی دیتا ہے کہ فرانکو نے اسپین کو فتح کر لیا مگر یہ نہیں سوجھائی دیتا ہے کہ اطالوی فوجیں اسپین پر چڑھائی کرتی ہیں، مسولینی فخر سے اسکا تذکرہ کرتا رہا۔ اور اب بھی وہ کھلم کھلا کہ رہا ہے کہ اسپین کی فتح اٹلی کی فتح ہے؟ انکو اس واقعہ سے انکار کرتے شرم نہیں آتی؟ ابھی تک غیر جانبداری غیر جانبداری کی صدا سنائی دیتی ہے

اسپینی جمہوریہ کی سورمائی

اسپینی جمہوریہ ابھی تک مقابلہ پر ڈٹی ہے۔ اسکا کہنا ہے کہ ہمارے پاس اب بھی کافی فوجیں ہیں اور ہمارے دلوں میں وہی گرمی باقی ہے۔ اسکے علاوہ بین الاقوامی حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، روز بروز ڈکٹیٹروں کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ اور عوامی طاقت زور پکڑتی جا رہی ہے۔ اس طرح جتنے دن لڑائی ٹہرتی جاتی ہے ہم فتح سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ جب تک جمہوریہ کے جھنڈے تلے ایک آدمی بھی ہے ہم لڑتے رہیں گے

دشمنوں کی نگاہیں

اسپین اسوقت یورپ کی تمام قوموں کی نگاہوں کا نشانہ بن گیا ہے۔ مسولینی چاہتا ہے کہ برطانیہ اور فرانس کی مدد کے بغیر اطالوی فوجیں اسپین کو فتح کر لیں۔ اگر یہ ہو گیا تو پھر مسولینی اپنی فوجوں کو فرانس کی سرحد کی طرف

بڑھا رہے گا، ہٹونس اور نالتس کا مطالبہ کریگا۔ دوسری طرف ہر ہٹلر کے سر پر [illegible] ہوتا ہے کہ وہ اب یوکرین کی طرف بڑھنا چاہتا ہے۔ [illegible] کی طرح مغربی یورپ پر نگاہیں ڈال رہا ہے۔ فرانس نے بھی اسکو محسوس کر لیا ہے اور وہ بہت بدحواسی سے اپنی فوجی طاقت یکجا کر رہا ہے۔

منشور مسلم لیگ کا آرگن

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر دفتر دہلی سے حسن ریاض صاحب ناظر نشر و تبلیغ آل انڈیا مسلم لیگ کی ادیٹری میں منشور ایک ہفتہ وار پرچہ نکلا ہے۔ اسکا نمبر ۵ ہمارے سامنے ہے۔ پرچہ دیکھکر ہم خوش ہوگئے تھے کہ اب شاید اس کی زبان سے یہ سنیں گے کہ مسلم لیگ کے اصول کیا ہیں۔ مگر پڑھکر سخت افسوس ہوا۔ اس میں بھی ویسی ہی اوچھی ہلکی باتیں تھیں جیسی کہ مسلم لیگ کے جلسوں میں سننے میں آتی ہیں۔ یعنی کانگرس بہت بری ہے۔ بہت بری ہے۔ بہت بری ہے۔ کیونکہ بہت بری ہے۔

افتتاحیہ "ریاستیں اور مسلمان" عنوان دیکھکر ہم سمجھے تھے کہ اس میں بتایا جائے گا کہ ریاستوں میں مسلمانوں کی کیا حالت ہے؟ کشمیر میں کس طرح وہ غریبی کے شکار ہیں، اور انکو آزاد کرانے کی کیا صورتیں اختیار کرنا چاہئیں، مگر مضمون میں اس موضوع پر بالکل بحث نہیں ہے۔ اور بہت سی باتوں پر بحث ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ کانگرس ریاستوں میں صرف اسلئے دخل دے رہی ہے کہ وہ فیڈریشن میں کثرت [illegible] ہے۔ اس کا مقصد خالص فرقہ وارانہ ہے۔ اور یہ کہ کانگرس کی شہنشاہیت پسند [illegible] کانگرس خود سرمایہ داروں کی ایک کھلی ہوئی سازش ہے۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں مسلم لیگ کی پالیسی یہ ہے کہ ان معاملات میں مداخلت کرنا نہیں چاہتی۔ لیکن متنبہ کرتی ہے کہ ہندستان میں مسلم ریاستیں بھی ہیں، اور ہندو ریاستوں میں مسلمان [illegible] ہیں۔ — اگر کانگرس یا دوسری انجمنیں ریاستوں میں فوراً اپنی مفسدانہ [illegible] سے بعض نہ آئیں جو بدنیتی پر مبنی ہیں تو مسلم لیگ ایسی کارروائی پر مجبور ہوگی جو مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔"

اس میں زیادہ تر باتوں کی دلیل دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔

مضمون کے بیچ میں جا بجا آزادی، اور حقوق کا نام آیا ہے، ہم ایسے قسمت ہیں کہ آج تک ہم کو پتہ نہیں کہ مسلم لیگ جسے آزادی پکارتی ہے وہ ہے کیا بلا؟ وہ [illegible] اور سنیما کی طرح کوئی دلچسپی ہے، یا مذہبی فرضوں کی طرح کوئی فرض ہے یا ایسی [illegible] جس کا تعلق دنیاوی فائدوں سے ہے؟

اگر وہ دنیاوی فائدہ ہیں تو ہندو مسلمانوں کے حساب سے بٹیں گے یا کاشتکار اور مزدور کے حساب سے؟ آزادی کن طاقتوں کو لیکر حاصل کی جائے گی؟ اور یہ کہ کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں اور بیکار سبھاؤں میں ہندو مسلمان سوال پیدا کرنے کا مسلم لیگ کے پاس کیا ذریعہ ہے؟ — یہ گول گول باتیں سنتے سنتے کان پک گئے۔

چلتے چلاتے — تماشائی

برطانیہ کے پاس کمزور قوموں کو کمزوری کی سزا دینے کو جہاں توپیں ہیں وہاں کانفرنسیں بھی ہیں جب یہ قومیں سر اٹھاتی ہیں تو پہلے توپیں چلتی ہیں، اور جب مار کھانے والے گورے کھاتے کھاتے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں تو کانفرنسیں چلتی ہیں۔ اور یہ آج تک نہ کھل سکا کہ کس کی مار زیادہ اچھی ہوتی ہے۔

جس طرح توپیں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ معمولی توپ — بڑے دہانے کی توپ، اسی طرح کانفرنسیں بھی کئی طرح کی ہوتی ہیں — ایک ہوتی ہے کانفرنس — دوسری گول میز کانفرنس۔

توپوں کے چلانے کے لئے گولہ بارود کی ضرورت ہوتی ہے اور کانفرنس چلانے کے لئے کمیشن، نمائندے اور اقلیتوں کے حقوق کی ضرورت ہوتی ہے — اور یہ چیزیں بھی کسی طرح گولہ بارود سے کم کام نہیں دیتیں۔

کانفرنسوں کے لئے بھی کارخانوں اور انجینیروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اسکے کارخانے بھاپ اور بجلی سے نہیں چلتے۔ بلکہ وعدوں اور پیچدار باتوں سے چلتے ہیں۔ اور اس کی انجینیری ان لوگوں کے سپرد کی جاتی ہے جنکو ہتھ پھیری۔ نظری میں کمال حاصل ہو۔

فلسطین کے عرب بچارے توپوں کے شکار ہو چکے تھے، اب کانفرنسوں کے شکار ہو رہے ہیں۔ معمولی کانفرنس بلائی گئی ہے۔ اب گول میز کانفرنس کی باری ہے۔

برطانیہ نے ہندستان پر بھی گولیاں چلانے کے بعد کانفرنس چلائی تھی۔ اور ابھی تک چھپا تھا کہ فائدہ کس میں زیادہ ہوا۔ ابھی ابھی معلوم ہوا کہ یہاں کانفرنسوں ہی کی مار زیادہ گہری لگتی ہے کیونکہ اسکے گھائل ابھی تک اسکے فراق میں کٹھن گھڑیاں گزار رہے ہیں۔ مثال میں ان دو وارفتہ مزاجوں کو لیجئے، جو مسلم لیگ کی طرف سے لندن پہونچے ہیں، اور اس پھیر میں ہیں کہ بلا سے فلسطین ہی کی کانفرنس میں شریک ہونے کا موقع ملجائے۔

مارے ہیں جواں لاکھوں بن بن کے دولہن تونے

[illegible] کانگرس بہت بری ہے۔ غلط اصولوں پر چل رہی ہے۔ اور جھوٹی [illegible] میں کیا انقلاب کرانا چاہتے ہیں؟ کن جماعتوں کو فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں؟ اور ہے۔ اور بھی جو کچھ کہو سب مانتے ہیں، مگر ذرا ایک دفعہ تو کہدیجئے کہ آپ ملک [illegible] انکو کس طرح اپنے ساتھ لیجانا چاہتے ہیں

فرقہ پرستی

(مسعود اختر جمالؔ)

قوم پر ادبار چھا جاتا ہے جب　　پرچم افلاک لہراتا ہے جب
جہل کی تاریکیاں بڑھتی ہیں جب　　معصیت کی ندیاں چڑھتی ہیں جب
جب سیہ مستی میں اہل انجمن　　بھول جاتے ہیں روایات کہن
تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے فضا　　وحشیانہ رقص کرتی ہے ہوا
عرصۂ وحشت میں بجتے ہیں بگل　　علم کے فانوس ہو جاتے ہیں گل

جاگ اٹھتے ہیں بدی کے دیوتا
تفرقہ بندی کی پڑتی ہے بنا

پا برہنہ پھر نکل آتی ہے یہ　　ظلم کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے یہ
تفرقوں کی آگ بھڑکاتی ہے یہ　　جہل کی تاریخ دہراتی ہے یہ
وسعتیں دل کی یہاں محدود ہیں　　عقل کی راہیں یہاں مسدود ہیں
شوق کو پامال کر دیتی ہے یہ　　خون تصویروں میں بھر دیتی ہے یہ
زہر ہے اس کی شراب تند خو　　اسکے شیشوں سے ابلتا ہے لہو
پھونک دیتی ہے یہ بزم علم و فن　　اس سے جلتا ہے چراغ اہرمن

ظلم کا طوفان اسکے ساتھ ہے
موت کا میدان اسکے ہاتھ ہے

یہ تباہی کی وہ خندق ہے جہاں　　گھٹ رہا ہے تنگ نظری کا دھواں
توڑتی ہے دم یہاں انسانیت　　سانس لیتی ہے یہاں حیوانیت

لیکے نکلی ہے یہ کج بیں کج نظر
آدمیت کا جنازہ دوش پر

چھین لیتی ہے یہ بدخو بدگماں　　شیر خواروں کی چبا کر ہڈیاں
بستیوں میں یہ لگا دیتی ہے آگ　　چھین لیتی ہے سہاگن کا سہاگ

زہر میں نشتر بجھا دیتی ہے یہ
راہ میں کانٹے بچھا دیتی ہے یہ
ہاں مگر اس عہد میں اس دور میں ٹوٹنے والی ہیں اسکی بندشیں
آنیوالا ہے وہ طوفانِ حیات جو دلائیگا غلامی سے نجات
جس کی شورش میں یہ جسنِ اتفاق
جذب ہو جائے گا آپس کا نفاق

جے پور جامع مسجد کا سانحہ اور مسلم فرقہ پرست لیڈر

(۱)

۲۰ رجنوری کو جمعہ کے دن جے پور جامع مسجد میں ریاست کی فوج اور مسلح پولیس نے درجنوں مسلمانوں کو گولی سے ہلاک کر دیا۔ ۳-۴ ہندو بھی مارے گئے زخمیوں کی تعداد سو سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ آنکھوں سے دیکھنے والے بزرگ خواجہ حسن نظامی اور واقعات کو جاننے والے مسلم لیگ کے ذمہ دار لیڈر غلام بھیک نیرنگ صاحب اور مرزا عبدالقادر بیگ اجمیری ہیں، اور مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی حیران ہیں کہ آخر ان حضرات کی زبان اس سانحہ پر کیوں نہیں کھلی۔ مولوی مظہرالدین بھی جاکر واقعات کی چھان بین کر آئے ہیں لیکن وحدت اور الامان کے صفحات آج ریاست جے پور کے واقعات پر اس طرح خاموش ہیں کہ خود پرجوش مسلم لیگی نوجوانوں کو شبہات پیدا ہونے لگے ہیں۔ مسٹر جناح جو ہندو یا مسلم ریاستوں میں جمہوری تحریک کے شاکی اور ہندو راج سے متنفر ہیں۔ آج اس حادثہ کے متعلق اسقدر بے زبان ہو گئے ہیں کہ انکی معصومیت اور بھولے پن پر رحم آتا ہے۔

واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جے پور شہر کی جامع مسجد کا زینہ جو جوہری بازار میں واقع ہے اسقدر تنگ ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ آدمی آجا نہیں سکتے۔ اس کی وجہ سے جمعہ کے دن نمازیوں کو اور یوں بھی عام لوگوں کو آنے جانے میں دقت ہوتی ہے۔ جامع مسجد دوسری منزل پر ہے۔ زینے کے نیچے مسجد وقف کی ۳ دوکانیں واقع ہیں جو خود مسلمانوں کی ملکیت ہیں ایک مدت سے مسلمانوں کی آرزو اور تمنا تھی کہ انہیں زینہ کو چوڑا کرنے کی اجازت ملے۔ جامع مسجد وقف کی ایک دوکان توڑکر بآسانی یہ صورت نکل سکتی تھی۔ کوئی قانون۔ اخلاق یا رواج اس میں مانع نہ تھا۔ صرف یہ تھا کہ ہندو ریاست تھی مگر ہندو مسلم ریاست اور مسلمانوں کے تعلقات اچھے چلے آتے تھے۔ اسی لئے چودہ سال عرضیاں دیتے اور دربار کی خوشامد کرتے گزر گئے مسلمان صرف زینہ کی توسیع کا مطالبہ کر رہے تھے۔

حال میں پرجامنڈل کی تحریک نے عام مسلمانوں کو بھی اپنے مذہبی حقوق اور تحریک آزادی میں شرکت پر مائل کیا اور مسجد کے زینہ کی توسیع کے متعلق جوش و خروش پیدا ہونا شروع ہوا۔ سیٹھ جمنالال بجاج کی پہلی گرفتاری پر مسلمان اور ہندوؤں نے ملکر وہ ہڑتال کی جسکی نظیر جے پور شہر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اب کیا تھا مسلم لیگ کے لوگ مسلمانوں کو سمجھانے اور پرجامنڈل کی شرکت سے باز رکھنے کے لئے وارد ہونا شروع ہوئے خود شہر جے پور کے پڑھے لکھے وکیل پیشہ لوگ بھی مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے اور بہلانے پھسلانے میں مصروف ہو گئے۔ اسی زمانہ میں خاکسار تحریک شہر میں شروع ہوئی اور لوگ اسمیں بھرتی ہونا شروع ہوئے۔ یہ کہئے کہ عام مسلمانوں نے خاکساری رنگ اختیار کیا اور فرقہ پرست اور رجعت پسندوں نے راج کی حمایت میں وعظ کہنے اور وفد لے جانے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ ۲۰ رجنوری یعنی جامع مسجد کے سانحہ سے ایکدن پہلے خواجہ حسن نظامی نے دلی سے آکر درگاہ مولانا ضیاءالدین میں وعظ فرمایا۔ اور وہ لوگ جو موصوف سے "پڑھو تکبیر" جیسے خطبہ کی توقع کرتے تھے خواجہ صاحب کی مہاراج دوستی اور پرجامنڈل دشمنی سے اسقدر متنفر ہوئے کہ مجلس پھیکی پڑ گئی اور علانیہ غدار اور اسلام فروش کہنے لگے۔ چنانچہ ہوشیار لوگوں نے اس جلسہ کے بعد مرزا عبدالقادر بیگ کی تقریر کا اعلان کیا اور مسلم عوام نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ دوسرے دن جمعہ تھا اور اعلان کیا گیا تھا کہ مسلمان زینہ کی توسیع کے لئے عملی کارروائی کرینگے چنانچہ ہزاروں مسلمان نماز میں شریک ہوئے۔ ادھر حکومت کو لوگوں کو سبق دینا تھا اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی بیداری کو کچلنا جنہیں پرجامنڈل تحریک سے روکنے کے لئے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا چنانچہ فوج اور مسلح پولیس مناسب مقامات پر پہلے سے لاکر بٹھا دی گئی۔ روایت یہ بھی ہے

ہم کہاں ہیں

Where are we.

(جواہر لال نہرو)

(مضمون انگریزی میں نیشنل ہیرالڈ، اور اردو میں ہندستان کے لئے خاص ہے۔ جو اخبار اردو کا مضمون نقل کریں ان کو استدعا ہے کہ "ہندستان" کا حوالہ ضرور دیں)

سورج ڈوب رہا تھا اور میں کرپلانی کے ساتھ گرد آلود کچے راستہ سے ہوکر شنگاؤں سے واردھا کی طرف جا رہا تھا۔ سہ پہر کو ہم میں سے وہ لوگ جو ابھی تک کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے ایک ساتھ اکٹھے ہوئے تھے اور اسکے بعد ایک دوسرے سے رخصت ہوگئے تھے۔ اب لمبی چوڑی بحث ختم ہو چکی تھی۔ پس و پیش کی کشمکش سے آرام ہو گیا تھا لیکن اس سے دل کو چین نہیں ملا اور نہ امید و بیم سے ہی چھٹکارا ہوا۔ یہاں کا کام ختم ہو گیا تھا اور سب اپنے اپنے کاموں پر واپس جانے کی کوئی جلدی نہ تھی۔ ہم آشرم میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ اسی اثنا میں ہمارے ساتھی دولی موٹر میں لیکر واردھا کیلئے روانہ ہوگئے۔ ہمارے بارے میں دونوں سمجھتے تھے کہ ہم دوسری موٹر میں۔ اس طرح ہم شنگاؤں ہی میں رہ گئے۔ ایک گھنٹہ تک ہم راستہ دیکھتے رہے اور قریب کے ابتدائی مدرسہ کے بچوں کے کیا تھا کھیلتے رہے لیکن کوئی موٹر آتی نہ معلوم ہوئی اور ہنسے پیدل ہی واردھا تک (۵ میل) جانے کا فیصلہ کیا۔

پچھلے تین برسوں میں مجھے معلوم نہیں کتنی بار اس دھول سے بھرے راستہ پر چل چکا تھا۔ زیادہ تر موٹر پر بعض دفعہ بیل گاڑی پر اور ایک دفعہ پیدل جانے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ یہاں کے نظارہ سے میں اچھی طرح آشنا تھا۔ دونوں طرف چٹیل میدان پھیلا ہوا تھا اور دور دور تک مشکل سے ایک آدھ درخت نظر آتا تھا۔ پھر بھی یہ منظر مجھے کچھ بدلا ہوا سا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں خود بھی بدل گیا تھا اور بدلی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سامنے آسمان پر سورج ایک آگ کے گولے کی طرح چمک رہا تھا۔ اور شام خوبصورتی سے بھرپور تھی لیکن میرا جی اس خوبصورتی سے بہلا جا رہا تھا [illegible] سی محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت میدان میں تنہائی نے بسیرا کر لیا تھا اور شام کے بڑھتے ہوئے سائے منحوس سے معلوم دیتے تھے۔ ہم دونوں خاموشی سے چلے جا رہے تھے اسلئے کہ ہم میں سے کوئی باتیں کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں شنگاؤں سے ہی واپس نہیں ہو رہا تھا بلکہ اس سے بڑی [illegible] جگہ سے۔ ایسی جگہ سے جو کئی برسوں سے میری زندگی کا ایک حصہ بنی ہوئی تھی ——— لوٹ رہا تھا۔

اخباروں کا کہنا ہے کہ میں نے ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دیدیا ہے۔ یہ خبر بالکل صحیح نہیں ہے پھر بھی اسمیں بہت کچھ سچ بھی ہے۔ جب پندرہ آدمیوں کی کمیٹی سے بارہ آدمیوں نے استعفے دیدیا کمیٹی اسی وقت قریب قریب ختم ہو گئی بچی کچھی کمیٹی کے لئے ورکنگ کمیٹی کا کام کرنا بہت مشکل تھا۔ میں نے جو راستہ اختیار کیا اسکی وجہیں میرے ساتھیوں کی وجوہات سے بہت کچھ مختلف ہیں۔ لیکن ان وجہوں کے علاوہ بھی میں دل سے چاہتا تھا کہ کمیٹی کے باہر رہوں تاکہ اپنے من مانے طریقہ پر اپنی راہ اختیار کر سکوں۔ ایک ایسی کمیٹی سے جو خود ہی آخری سانس لے رہی ہو اور جسکی زندگی بہت ہی کم رہ گئی ہو استعفے دیدینا بہت آسان تھا لیکن میرے ذہن میں ایک بہت گہرا مسئلہ تھا۔ اور جو راستہ میں نے اختیار کیا ہے اس کو بہت ساری چیزوں سے میرا ناتہ ٹوٹ جائیگا۔ دیکھنے والوں کے نزدیک میں استعفے دینے والے بارہ ممبروں سے جا ملا تھا۔ اور میں نے کیا بھی یہی تھا۔ لیکن پھر بھی میرے خیال میں انکے اور میرے درمیان اختلافات اور زیادہ ہوگئے ہیں اور اب میں پھر کبھی ایسی کمیٹی کا ممبر نہیں بنوں گا جو پچھلے تین سال کی ورکنگ کمیٹی کے طریقہ پر بنائی جائیگی۔

مجھے تعجب ہے کہ بعض لوگ ان استعفوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان ممبروں اور ان میں سے بعض کے واسطے تو ان پر جو الزامات لگائے گئے تھے انھیں دیکھتے ہوئے کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا۔ یوں معمولی طور پر اگر محسوس کیا جاتا کہ انکی پالیسی اکثریت کو منظور نہیں ہے تو بھی انھیں استعفے دیدینا پڑتا۔ لیکن موجودہ معاملہ میں ان پر بہت سخت الزام لگائے گئے تھے اور جب تک وہ الزامات باقی رہتے تب تک انکے لئے ورکنگ کمیٹی میں رہنا ناممکن تھا عملی طور پر خیال ہوسکتا ہے کہ یہ الزام خود گاندھی جی کے خلاف ہیں اسلئے کہ ورکنگ کمیٹی کو راستہ بتانے والے اور راستے صلاح دینے والے وہی تھے۔ اس نفسیاتی اور ذاتی رخ نے سیاسی سوالوں تک کو پیچھے ڈالدیا تھا اور اسلئے میں نے کانگرس کے صدر کو مشورہ دیا کہ وہ دوسرے مسئلوں میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس رکاوٹ کو دور کریں۔ افسوس ہے کہ انھوں نے ایسا نہ کیا۔ اس گتھی میں اس بات سے اور اضافہ ہوگیا کہ صدر نے تار دیدیا کہ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ملتوی کردیا جائے اور انھوں نے ورکنگ کمیٹی کو ڈھرے کی کارروائی تک کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اب یہ صاف تھا کہ ان حالات میں ورکنگ کمیٹی ختم ہوگئی تھی۔

ایک بڑی جماعت ذاتیات سے اونچی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ ممکن ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک کسی قابل شخصیت کے اثر میں ہو۔ لوگ آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں لیکن جماعت کام کرتی رہتی ہے۔ کانگرس پچھلے دنوں میں ایک زلزلے طریقہ پر ذاتی اثرات سے اونچے ہونے کی خصوصیت کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ اسکے تمام لیڈر اور خاص خاص کام کرنے والے بار بار قید کرئے جاتے تھے اور قانون کی ساری طاقت اسکے مقابلہ میں خرچ کیجا رہی تھی لیکن اسوقت بھی وہ کام کرتی رہی اور اس میں اندرونی طاقت کے اچھے الجھنوں اور مصیبتوں سے کوئی ڈر نہیں تھا، آثار دکھائی دینے لگے۔

یہ صاف تھا کہ موجودہ حالات میں ورکنگ کمیٹی ایسے اہم مسئلوں کا جنپر کہ اختلاف رائے تھا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی تھی۔ نہ وہ ایکشن کمیٹی کے لئے قرار دادیں تیار کر سکتی تھی اور نہ اسے ایسا کرنا ہی چاہئے تھا۔ صدر کے نہ ہونے پر ایسا کرنا نامناسب تھا اور پھر صدر کا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن یہ ایک مناسب بات تھی کہ ڈھرے کی کارروائی ہو جاتی اور خاصکر وہ مسئلے جنکی کانگرس کے اجلاس کی وجہ سے جلدی طے کردئے جاتے۔ لیکن صدر کی ہدایتیں اس راستہ میں رکاوٹ معلوم ہوتیں گرچہ

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

میں نے کانگرس کے کسی لیڈر پر کوئی الزام نہیں لگایا

صدارتی الیکشن پر سبھاش چندر بوس کا بیان

گاندھی جی کی بھی اندھا دھند تقلید نہیں چاہیے

صدر کانگرس سبھاش چندر بوس نے اپنے الیکشن کے متعلق ایک طویل بیان دیا ہے جس میں انہوں نے ورکنگ کمیٹی کے بڑے بڑے لیڈروں کی مخالفت کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے "ان بیانات سے ظاہر ہے کہ مجھے صدارتی الیکشن میں کیسی بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔"

ان پر اپنے ساتھیوں کے خلاف بے جا باتیں کہنے کا جو الزام لگایا جاتا ہے اسکے جواب میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے کہیں پر بھی کسی مخصوص لیڈر کے خلاف کوئی الزام نہیں لگایا۔ فیڈریشن کے متعلق انہوں نے اپنے الیکشن سے پہلے جو کچھ لکھا تھا وہ انکے نزدیک عوام کی رائے پر مبنی تھا انکا کہنا ہے کہ بعض باتیں ایسی ہو گئی تھیں جن سے عوام میں شک پیدا ہونے لگے تھے مثلاً لارڈ لوتھین نے بڑا میں کہا تھا کہ کانگرس کے تمام لیڈر فیڈریشن کی مخالفت میں پنڈت جواہر لال نہرو کے ہم خیال نہیں ہیں۔

جواہرلال نے سبھاش چندر بوس پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ ایک نامناسب بات ہے کہ کانگرس کے رہنما آپس میں ایک دوسرے پر شک کریں۔ اسکے جواب میں سبھاش چندر بوس نے لکھا ہے۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہے ۲۲ر جنوری کو ورکنگ کمیٹی کے آخری اجلاس میں شک و شبہ کی کوئی فضا نہیں تھی۔ بلکہ حقیقت میں میرے اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبروں کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ اور جیسا کہ پنڈت نہرو کی صدارت میں ایک مرتبہ ہو چکا تھا کسی ممبر کا مستعفی ہونے کا ارادہ نہیں تھا۔"

جوابی الزامات

میں حیران ہوں کہ پنڈت نہرو نے مجھ سے دائیں اور بائیں کی اصطلاحات کا مطلب پوچھا ہے۔ کیا انہوں نے ہری پورہ کانگرس میں اپنی رپورٹ میں یہ شکایت نہیں کی تھی کہ دائیں بازو والے بائیں بازو والوں کو دبا رہے ہیں۔

جواہرلال سے اپیل

آخر میں سبھاش چندر بوس لکھا ہے میں ہندستان کی تاریخ کے اس نازک موقع پر پنڈت نہرو سے اپیل کروں گا کہ وہ اپنے موجودہ متذبذب رویہ کو چھوڑ کر ملک کے تمام

صدر کانگرس نے ورکنگ کمیٹی کا استعفیٰ منظور کر لیا

متحدہ محاذ کی امید

صدر کانگرس سبھاش چندر بوس نے ورکنگ کمیٹی کے ۱۲ ممبروں (جواہرلال کے علاوہ) کے استعفے منظور کر لئے ہیں۔ اپنے خط میں صدر کانگرس نے استعفیٰ دینے والے ممبروں کو لکھا ہے "اگر میں سمجھتا کہ موجودہ حالت میں اس بات کا ذرا بھی امکان ہے کہ آپ اپنے فیصلہ پر نظرثانی کرینگے تو میں یقیناً آپ سے استعفیٰ واپس لینے کی درخواست کرتا لیکن ان حالات میں ایک رسمی درخواست سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اسلئے میں انتہائی افسوس کے ساتھ آپکے استعفے منظور کرتا ہوں۔

"تاہم میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے استعفوں کا مطلب نہیں کہ آپ اپنا تعاون بھی ختم کئے دیتے ہیں۔ میں خلوص کے ساتھ امید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی میں آپ کا تعاون اور امداد حاصل ہوگی۔ یہ بتانے کی تو شاید کوئی ضرورت ہی نہ ہو کہ آپ کا تعاون اور آپ کی امداد میرے لئے بہت قیمتی ہوگی۔

"مجھے امید ہے اور میں بھروسہ کرتا ہوں کہ تری پوری کانگرس میں ہم محسوس کرینگے کہ جن باتوں میں ہمارا اتفاق ہے وہ اختلافی باتوں کی بہ نسبت بہت ہی زیادہ ہیں اور یہ کہ آخر میں ہم متحدہ محاذ قائم رکھنے میں کامیاب ہو جائینگے۔"

۴ جمہوری اور ترقی پسند عناصر کی صحیح اور دلیرانہ رہنمائی کریں۔ میں پنڈت جی کو اپنی وفادارانہ اور مخلصانہ حمایت کا یقین دلاتا ہوں، میں مہاتما گاندھی کی دل سے عزت کرتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں انکی اندھا دھند تقلید کروں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ مہاتما گاندھی اس وقت تک کسی شخص کو اپنے اعتقاد کے خلاف چلنے پر مجبور نہیں کریں گے جب تک وہ سچ اور عدم تشدد کے بنیادی اصول کو نہیں توڑتا۔

تری پوری کانگرس کیلئے مصری وفد

کچھ دن ہوئے جب کانگرس نے مصری وفد پارٹی کو سالانہ اجلاس میں شرکت کرنے کیلئے مدعو کیا تھا چنانچہ اسکے جواب میں وفد پارٹی کے صدر نحاس پاشا نے جواہرلال کو یہ تار بھیجا ہے "وفدی وفد جسکے صدر سینیٹر (ممبر قانون سبھا) محمود بصیونی (سابق صدر سینیٹ و وزیر) موجودہ مخالف پارٹی کے لیڈر ہونگے اور انکے ساتھ محمد عبد الفتح (اللہ) وفدی اخبار آل مصری اور احمد حمزہ [illegible] وفدی اخبار دفد آل مصری ہونگے ـــــ کیم مارچ کو پورٹ سعید سے ایس۔ ایس۔ اشربتھنا (نامی جہاز سے روانہ ہوگا اور ۹ر مارچ کو بمبئی پہنچ جائیگا۔ یہ وفد دو ہفتے ہندستان میں ٹھہریگا۔

مجھے افسوس ہے کہ یہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے میرے لئے فی الحال مصر سے نکلنا ناممکن ہے۔ مصری قوم اور وفد پارٹی کی طرف سے ہم اپنے ہندستانی بھائیوں کی قومی تمناؤں کی کامیابی کیلئے دل سے دعا کرتے ہیں۔"

گاندھی جی کا روزہ ختم ہوگیا

وائسرائے نے عہد پورا کرانے کی ذمہ داری لے لی

مہاتما گاندھی نے ۷ر مارچ کو ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر اپنا روزہ توڑ دیا۔

وائسرائے کا خط جس پر گاندھی جی نے روزہ توڑا ہے شائع کر دیا گیا ہے۔ ہز ایکسیلنسی نے گاندھی جی کو لکھا ہے کہ چونکہ آپکی خاص شکایت یہ ہے کہ ٹھاکر صاحب نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے اسلئے بہتر ہوگا اگر اس الزام کے صحیح غلط کا فیصلہ فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس پر چھوڑ دیا جائے۔ وائسرائے نے یہ بھی لکھا کہ کمیٹی کے بنانے کا طریقہ بھی عدالت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے اور اگر کوئی اختلاف پیدا ہو تو اسکا فیصلہ بھی اسی طریقے سے کر لیا جائے۔

مجھے پورا بھروسہ ہے کہ یہ بات اور اسکے ساتھ ٹھاکر صاحب کا وعدہ کہ اپنے اعلان میں جو وعدے ہیں وہ انہیں پورا کر دینگے اور میرا عہد کہ میں انہیں ایسا کرنے کیلئے اپنا اثر استعمال کروں گا۔ آپکے تمام اندیشوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہونگے۔

وائسرائے نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ اب وہ اپنی تندرستی کو مزید خطرہ میں نہ ڈالیں۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ جب وہ اچھے ہو جائیں تو دہلی آکر ان سے مزید گفتگو کر لیں تاکہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

۳ اسکے بعد گاندھی نے راجکوٹ کے ریزیڈنٹ مسٹر گبسن سے گفتگو کی اور انکے ذریعہ وائسرائے کو اطلاع دی کہ اگرچہ انکے خط میں بعض باتیں رہ گئی ہیں پھر بھی وہ ہز ایکسیلنسی کے یقین دلانے پر اپنا روزہ توڑنے پر تیار ہیں۔

گاندھی جی نے تری پوری جانا ملتوی کر دیا اور خبر ہے کہ طاقت آنے پر وہ دہلی جا کر وائسرائے سے مزید گفتگو کریں گے۔

سمجھوتہ ہو جانے پر تمام سیاسی قیدی چھوڑ دیئے گئے

فلسطین کے عربوں سے برطانیہ کی بدعہدی

پرانے وعدوں کو نئے معنی پہنائے جا رہے ہیں

حکومت برطانیہ نے شریف حسین اور سر میکموہن کی خط و کتابت جو جنگ عظیم کے دوران میں ہوئی تھی اور جسکو کہ فلسطین کے عرب اپنی آزادی کے ثبوت میں پیش کرتے تھے۔ شائع کر دی ہے۔

عرب سر میکماہن کے ۲۴ر ستمبر ۱۹۱۵ء کے خط کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اسی کے بل پر فلسطین کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس خط میں بتایا گیا ہے مرسینیا اور الکزنڈریٹا کے دو ضلاع اور شام کے وہ حصے جو دمشق ہومس حاما اور الیپو کے پچھم میں ہیں۔ خالص عرب نہیں کہے جا سکتے اور جن حدود کا مطالبہ کیا گیا ہے انمیں سے یہ حصے نکال دیئے جانا چاہیے۔

ان تبدیلیوں کے بعد ہم ان حدود کو تسلیم کرتے ہیں لیکن عرب سرداروں سے جو معاہدے ہوئے ہیں ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا "برطانیہ مقدس مقامات کو تمام باہری حملوں سے محفوظ رکھنے کی ضمانت کرے گی۔ اور انکے ناقابل فتح ہونے کو تسلیم کریگی۔"

حکومت برطانیہ کا کہنا ہے کہ ان وعدوں میں فلسطین کے سارے علاقہ کو جو دریائے جورڈن سے پچھم جانب واقع ہے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے لیکن عربوں کا دعویٰ ہے کہ اگر اس علاقہ [illegible]

راجکوٹ میں مہاتما گاندھی کی بھوک ہڑتال

ٹھاکر صاحب کی بدعہدی پر اپنی جان بھینٹ کر دینے کا فیصلہ

وائسرائے کو کانگرسی وزارتوں کی دھمکی

۲۵ر فروری کو مہاتما گاندھی، ٹھاکر صاحب اور انکی رعایا کا جھگڑا طے کرنے راجکوٹ گئے۔

وہاں انھوں نے ریاستی حکام، ٹھاکر صاحب اور ریزیڈنٹ سے گفتگو کی۔ لیکن ٹھاکر صاحب اپنا عہد پورا کرنے پر کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق بھوک ہڑتال کر دی۔

گاندھی جی کی بھوک ہڑتال نے ملک میں ایک ہلچل برپا کر دی۔ کانگرسی وزارتوں نے وائسرائے سے درخواست کی کہ وہ راجکوٹ کے معاملہ میں مداخلت کرکے ٹھاکر صاحب کو راہ راست پر لے آئیں ورنہ وزارتیں مستعفی ہو جائیں گی۔ آخر ۷ر مارچ کو وائسرائے نے گاندھی جی کو یقین دلایا کہ وہ ٹھاکر صاحب کے پچھلے وعدے پورے کرا دینگے اور اختلافی باتوں پر فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس کا فیصلہ تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ پانچویں دن گاندھی جی نے اپنا روزہ توڑ دیا۔

گاندھی جی کا بیان

گاندھی جی نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ ٹھاکر صاحب کو انہوں نے جو خط لکھا تھا اسے شائع کرنے میں انھیں بہت قلق ہو رہا ہے۔ "لیکن بدقسمتی سے مجھے بہت دفعہ تکلیف دہ کام انجام دینے پڑے اور یہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔"

گاندھی نے بتایا ہے کہ آجکل لوگ 'روزہ' کا بہت غلط استعمال کرتے ہیں اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ روزہ رکھنے میں پس و پیش کر رہے تھے، لیکن دل کی آواز سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

اپنے روزوں کے متعلق مہاتما جی نے بتایا ہے اپنی ذات کی پاکیزگی کیلئے میں نے بہت چھوٹی سی عمر سے روزہ رکھنا شروع کیا ہے۔ پہلے میں نے اپنے لڑکے کیلئے جو گمراہ ہوا جا رہا تھا روزہ رکھا اسکے بعد اپنے ایک بہت نزدیک کے دوست کی لڑکی کی خاطر جو غلط راستہ پر پڑی جا رہی تھی میں نے روزہ رکھا۔ ان دونوں روزوں سے جو نتیجے نکلے انسے روزہ کی سچائی ثابت ہوگئی۔ پہلا پبلک روزہ میں نے جنوبی افریقہ میں ٹھیکہ کے مزدوروں کی مصیبتوں کے متعلق رکھا تھا۔ روزہ رکھنے کے سلسلہ میں مجھے کوئی تجربہ پانا نہیں تھا جس میں میری کوشش بیکار گئی ہو بلکہ ان تمام روزوں میں مجھے بیش بہا امن اور مسلسل خوشی حاصل ہوئی اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ رحمت الٰہی کے بغیر روزہ رکھنا اگر اور بدتر نہیں تو بیکار کی فاقہ کشی کے برابر ضرور ہے۔"

گاندھی جی نے دوسری بات یہ بتائی ہے کہ ٹھاکر صاحب اور ریزیڈنٹ یا انکے اور صلاح کاروں کے خلاف کوئی سخت سست الفاظ نہ کہے جائیں بلکہ پبلک اور اخبارات کو چاہیے کہ وہ شرافت کے ساتھ ٹھاکر صاحب کے رویہ پر ناپسندیدگی ظاہر کریں اور اس طرح ٹھاکر صاحب کو محسوس کرائیں کہ یہ دباؤ ایک طرح کا آگ ہے۔

روزہ کا مقصد

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ (روزہ) ٹھاکر صاحب کا دل موم کرنے کے لئے رکھا گیا ہے لیکن کسی پہلو سے بھی اسکا مقصد یہ نہیں ہے کہ رائے عامہ کو مجبور کرکے ٹھاکر صاحب یا ان لوگوں پر جو انکے رویہ کو تمام الزامات سے پاک سمجھتے ہیں دباؤ ڈالا جائے۔"

اسی سلسلہ میں گاندھی جی نے بتایا ہے کہ پچھلے دنوں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ (سابق وزیر اعظم برطانیہ) کے فرقہ وارانہ فیصلہ پر انھوں نے جو روزہ رکھا تھا اسکی وجہ سے بہت سے آدمیوں کو اپنی مرضی کے خلاف چلنا پڑا تھا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس روزہ میں اس قسم کی کوئی بات نہ ہوگی۔ آگے چل کر خیال کرتے ہیں کہ میں نے ٹھاکر صاحب کے ۲۶ر جنوری کے اعلان کو انکے ۲۶ر دسمبر والے اعلان کی وعدہ شکنی کہنے میں غلطی کی ہے تو میرے اس خیال اور میرے اس روزہ کی مذمت کریں گے یا وہ ایک دوستانہ کارروائی کریں گے۔"

دربار ویرا والا

ٹھاکر صاحب کے نام اپنے خط میں گاندھی جی نے دربار ویرا والا کے متعلق جو لکھا تھا اسکی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ انکے پاس دربار ویرا والا کے خلاف بہت سخت سخت شکایتیں آتی رہی ہیں۔ گاندھی جی نے دربار ویرا والا کی تعریف کی ہے کہ انھوں نے گاندھی جی کو دعوت دی کہ وہ ان شکایتوں کی خود ہی تحقیق کر لیں تاہم گاندھی جی کا خیال ہے کہ دربار ویرا والا کے ساتھ تین دن کی گفتگو کے دوران میں انھیں اس بات کا کافی طور پر اطمینان ہو گیا کہ دربار ویرا والا کے خلاف جو شکایتیں ہیں وہ بہت حد تک سچ ہیں۔ گاندھی جی نے لکھا ہے کہ بہت سے سنجیدہ دربار اور وہ خیال رکھتے ہیں کہ جبتک ٹھاکر صاحب دربار ویرا والا کے زیر اثر ہیں اس وقت تک ریاست میں امن نہیں ہو سکتا۔

آخر میں گاندھی جی نے لکھا ہے کہ کاٹھیاوار کی سیاست بہت الجھی ہوئی اور سازشوں اور چالبازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اسلئے میں کاٹھیاوار کے والیان ریاست اور ریاستوں دونوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ میرے روزہ سے فائدہ اٹھا کر کاٹھیاوار کو زہریلی فضا کے مہلک اثرات سے بچائیں وجہ سے کاٹھیاوار میں خوشگوار زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ [illegible]

ٹھاکر صاحب کے نام خط

گاندھی جی نے اپنے خط میں ٹھاکر صاحب کو بتایا ہے کہ "واردھا سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ آپکو اپنا وعدہ پورا کرنے پر راضی کئے بغیر میں راجکوٹ سے نہیں جاؤں گا لیکن میں یہ بالکل خیال نہ کرتا تھا کہ مجھے یہاں ایک یا دو دن سے زیادہ ٹھہرنا پڑے گا یا یہ کہ مجھے اتنی مصیبتیں اٹھانا پڑیں گی جتنی [illegible]

گے چلکر ہوئے ٹھاکر صاحب کے سامنے اپنی تجاویز پیش کی ہیں جنمیں ٹھاکر صاحب سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے پرانے وعدہ کو پورا کریں اور اصلاحات کی تحقیقات کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائیں اس میں پرجا پرشد کے نمائندوں کی اکثریت رکھیں۔ انھیں ریاست کی طرف کے تین ممبر نامزد کرنے کا اختیار ہوگا لیکن یہ ممبر ووٹ نہ دے سکیں گے۔ گاندھی جی نے تجویز پیش کی ہے کہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کے اعلان کے مطابق ٹھاکر صاحب ایک مشاورتی کونسل مقرر کریں اور ریاست کا تمام انتظام اسکے ذمہ ہو۔ اگر ٹھاکر صاحب کمیٹی کے ممبروں کے علاوہ باہر کے لوگوں کو اپنا مشیر کار بنانا چاہیں تو اسکے لئے گاندھی جی سے مشورہ لینا ہوگا۔

تجویز نمبر ۸ میں کہا گیا ہے کہ اگلے دن تک تمام ستیہ گرہی قیدی چھوڑ دئے جائیں جرمانے واپس کئے جائیں اور جو قیمتیں ضبط کی گئی ہیں وہ واپس کر دی جائیں۔

"میں گفتگو کرنے سے پہلے آپ سے باتیں کرکے یہ سمجھتا ہوں کہ آپ ۲۶ دسمبر کے اعلان سے متعلق جو بھی کاروائی کریں گے وہ امید ہے خلل نہیں دینگے۔

"اگر آپ کل دوپہر تک میری تجویزیں قبول نہ کرسکیں گے تو اس وقت سے میرا روزہ شروع ہو جائیگا اور جب تک یہ تجویزیں تسلیم نہ کرلی جائیں گی اس وقت تک جاری رہیگا۔

"آپ کے دادا کے زمانہ میں میرے والد کو ریاست کی خدمت کرنے کا اعزاز حاصل تھا۔ آپ کے والد مجھے اپنے باپ کے برابر سمجھتے تھے اور درحقیقت انھوں نے ایک دفعہ عام جلسہ میں مجھے یہ کہا تھا لیکن میں کسی کا گرو نہیں ہوں اسلئے میں نے انھیں کبھی اپنا چیلا نہیں سمجھا۔ اسلئے آپ میری اولاد کے برابر ہیں ممکن ہے کہ آپ مجھے اپنے والد کے برابر نہ سمجھتے ہوں۔ اور اگر آپ سمجھتے ہوں تو مجھے امید ہے آپ فوراً نہایت خوشی میرا کہنا مان لینگے اور ۲۶ دسمبر کے بعد سے آپکی رعایا پر جو مصیبتیں آئی ہیں ان پر اظہار افسوس کرینگے۔"

"مہربانی کرکے مجھے اپنی ریاست کا دشمن خیال نہ کیجئے میں کبھی کسی کا دشمن نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی رہا ہوں۔

"میں آپکو زبان دیتا ہوں کہ اگر میں زندہ رہا تو میں اصلاحات کی کمیٹی کی رپورٹ کی پوری توجہ کے ساتھ جانچ پڑتال کروں گا اور اگر میں زندہ نہ رہا تو سردار ولبھ بھائی پٹیل ایسا کریں گے اور یہ جانچ پڑتال ایسی ہوگی کہ اس بات کا یقین کیا جاسکے کہ اس سے

نقصان نہیں پہنچیگا۔"

جواب میں ٹھاکر صاحب نے بتایا کہ ۲۶ دسمبر والے اعلان میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ پرجا پرشد اپنے نمائندے آپ ہی چنے گی۔ انھوں نے گاندھی جی کی تجویزوں کے بارے میں بتایا کہ یہ وہ بھی نہیں کہا سکتیں۔

"میرے واسطے یہ ناممکن ہے کہ میں اتنے اہم معاملہ میں آخری فیصلہ کرنے کا اختیار کسی دوسرے کو دیدوں۔"

گاندھی جی کو رکنے کی کوشش
کرنل کے پیلے ممبر کا خط اور ستیہ گرہ

گاندھی جی نے اپنے پہلے خط میں لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ سردار ولبھ بھائی کے ساتھ غیر انسانی برتاؤ کیا جا رہا ہے اور انکی بھوک ہڑتال میں راجکوٹ جیل کے قیدیوں نے بھوک ہڑتال کر دی ہے۔ کیا آپ اس کا پتہ کوئی روشنی ڈال سکتے ہیں۔

کرنل کے پیلے ممبر نے جواب دیا کہ سرو دھرم کے قیدیوں پر کوئی زیادتی نہیں ہو رہی ہے۔

دوسرے خط میں گاندھی جی نے شکایت کی کہ آپ نے عہد کی شرائط کو بالکل ٹال دی ہیں میرے پاس پھر ریاستی مظالم کے متعلق ایک طویل تار آیا ہے اور اس پر یقین نہ کرنا بہت مشکل ہے۔ دن بدن مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس لڑائی میں میں بھی پھاند پڑوں۔"

اسکے جواب میں بتایا گیا کہ قیدیوں پر سختی کی شکایتیں غلط اور من گھڑت ہیں۔ قیدیوں کے حالات راجکوٹ جیل کے حالات راجکوٹ جیل کے بھوک ہڑتالیوں کے پاس لکھکر بھیج دئے گئے ہیں۔ لیکن وہ بلا وجہ بھوک ہڑتال کر رہے ہیں۔

گاندھی جی نے لکھا کہ جو خبریں میرے پاس آئی ہیں وہ من گھڑت ہیں تو میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے یہ بہت اہم معاملہ ہے اور اگر انمیں سچائی ہے تو یہ ریاست پر ایک بہت بڑا الزام ہے اسلئے میرا ارادہ ہے کہ کل رات کو میں خود راجکوٹ آؤں۔ میں سچ کی تلاش میں اور ایک صلح کل کی حیثیت سے آ رہا ہوں۔ میں گرفتار ہونے نہیں آتا ہوں میں ٹھاکر صاحب سے بھی درخواست کروں گا کہ انہوں نے اپنی رعایا کے ساتھ جو وعدہ خلافی کی ہے اسکی تلافی کردیں میں سردار پٹیل سے بھی درخواست کر رہا ہوں کہ وہ ستیہ گرہ کو ملتوی کر دیں۔

جواب ملا کہ ٹھاکر صاحب کے اپنے نزدیک کوئی وعدہ

ہوئی کمیٹی جلد سے جلد کام شروع کردے۔ ہزہائنس کا خیال ہے کہ ان حالات میں آپکے یہاں آنے سے کوئی بھلا نہیں ہوگا۔" ۲۵ فروری کو گاندھی جی نے لکھا "آپ کے تار میں میری درخواست کا کوئی جواب نہیں ہے۔ میں اسنے صلح جوئی کے کام پر آج راجکوٹ کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔"

راجکوٹ کا چیلنج
گاندھی جی کو نہیں سارے ہندستان کو ہے
تری پوری کو وا اقعۂ پر جواہرلال کا بیان

تری پوری اجلاس ایک زبردست افسردگی کے عالم میں ہو رہا ہے اور صدر کے چناؤ اور اسکے بعد کی تلخی سے جو مسئلے پیدا ہوگئے تھے وہ پیچھے جا پڑے ہیں۔ گاندھی جی کا روزہ یقینی طور پر غالب رہیگا اور ہمارے فیصلوں پر اثر انداز ہوگا۔ زیادہ تر اس کی وجہ یہ نہ ہوگی کہ یہ ایک انفرادی معاملہ ہے بلکہ اس کا سبب ہوگا کہ اس سے ہندستان اور ریاستوں کے متعلق بڑے بڑے سوال پیدا ہوتے ہیں۔ یہ صاف ہے کہ ٹھاکر صاحب نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے سے انکار کرکے جو چیلنج دیا ہے اور حکومت ہند نے انہیں جو امداد دی ہے وہ سارے ہندستان کیلئے ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔

"اس سے تمام ہندستانی ریاستوں کا سوال پیدا ہوجاتا ہے اور اسکو اول درجہ کی اہمیت حاصل ہوجاتی ہے۔ اور ہم حکومت برطانیہ کے متعلق اپنے رویہ پر پھر سے غور کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ چیلنج صرف گاندھی جی کو نہیں بلکہ سارے ہندستان نے اسے قبول کیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ حکومت ہند اور والیان ریاست اسبات کو محسوس کرلیں۔

فرقہ وارانہ فسادوں کے متعلق جواہرلال نے کہا "یہ کافی سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ اور اب انھیں سختی کے ساتھ دبانا پڑے گا۔ اگر مقامی افسر ناموزوں ہیں تو انھیں ہٹ جانا چاہئے اور اپنے سے بہتر آدمیوں کے لئے جگہ خالی کر دینا چاہئے۔"

جواہرلال کی رائے

مانچسٹر گارجین (؟) ہیرالڈ کے نمائندہ سے ملاقات کے دوران میں جواہرلال نے راجکوٹ کی گتھی کے حل پر اطمینان ظاہر کیا اور امید کی کہ سمجھوتہ کی شرائط پر پوری ریاست ہنڈول (اڑیسہ) کے راجہ اور انکے اور ساتھیوں کو جو رعایا سے ذمہ دار حکومت دینے کا وعدہ کیا ہے

کاٹھیاواڑ کی دوسری ریاستوں کو بھی راجکوٹ کی پیروی کرنا چاہئے۔

ہم کہاں ہیں — جواہر لال نہرو — بقیہ صفحہ ۱۰

میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا انکا (صدر کا) مطلب یہی تھا کہ انکی ہدایتوں پر ایسے لفظی طور پر عمل کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ ورکنگ کمیٹی کوئی کام نہ پاکر ملتوی ہوگئی اور پھر ختم ہوگئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کانگرس نے ذاتیات سے الگ ہو کر کام نہیں کیا۔

جب دونوں پلڑے برابر ہوتے ہیں تو ذرا سی چیز بھی ایک دوسرے میں فرق پیدا کر دیتی ہے۔ یہی کام قسمت نے کیا۔ معمولی طریقہ پر جمہوری طریقہ یہ تھا کہ صدر کے چناؤ کے بعد اس زمانہ کی تمام کشمکش کے بعد پرانی ورکنگ کمیٹی مستعفی ہو جاتی اور اسطرح ایک نئی اور پہلے سے زیادہ نمائندہ کمیٹی کے لئے جگہ خالی کر دیتی لیکن اندر اور باہر کی الجھنیں اتنی تیزی سے پیدا ہو رہی تھیں اور آئندہ ایک بہت بڑی جدوجہد کا اتنا زیادہ امکان تھا کہ اسنے روزمرہ کے جمہوری طریقہ کو پیچھے ڈال دیا اور فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا۔ تاہم جب ممبروں نے دیکھا کہ دوسرے کی کارروائی پر تک میں اعتبار نہیں کیا جا رہا ہے تو اتنی چھوٹی سی مجلس انتظامیہ میں بھی آپسی تعاون ایک دور کی چیز ہوگئی۔ جماعت کی غیر ذاتیاتی حیثیت ختم ہو کر اس کی جگہ پر ذاتی عنصر آتے جا رہے تھے۔ جماعت کے ساتھ وفاداری سے زیادہ شخصیت کے ساتھ وفاداری کا خیال ہونے لگا۔

پھر بھی یہ ایک معمولی سا مسئلہ تھا اور اگر اسکے گرد کے اور حالات ایسے نہ ہوتے تو اسکو اتنی اہمیت بھی نہ دی جاتی۔ اس واقعے میں کانگرس کے موجودہ دستور العمل کی اس خرابی پر غور کرنے لگا جسمیں پرانی ورکنگ کمیٹی کو نئے صدر کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔ اس سے کہیں اچھا ہوتا اگر ورکنگ کمیٹی کی میعاد بھی صدر کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی اور نیا صدر کانگرس کے سالانہ اجلاس میں نئی کمیٹی لیکر آتا۔ اسوقت سالانہ اجلاس کی کارروائی اس کمیٹی کے لئے گویا ایک اعتمادی ووٹ کا کام کرتی۔ موجودہ صورت میں کمیٹی کانگرس کے اجلاس کے بعد بنائی جاتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ پوری طرح سے کانگرس کی نمائندگی نہ کرتی ہو۔

اسی طرح اپنے دماغ میں بھانت بھانت کے مسئلوں کو لئے ہوئے میں شیگاؤں سے واردھا تک چلا گیا۔ اس معاملہ میں میں نے اپنے ورکنگ کمیٹی کے پرانے ساتھیوں کا ساتھ دیا تھا کیونکہ میرے واسطے ایک وہی صحیح راستہ تھا۔ لیکن ساتھ ہی میں دوسروں سے اتنا الگ نہیں ہوا تھا جتنا کہ انہوں نے اپنے استعفے کے خط میں ان لوگوں نے لکھا تھا "اب وقت آگیا ہے جب ملک کے سامنے ایک صاف اور کھلی ہوئی پالیسی ہو جسکی بنیاد کانگرس کے ان گروہوں کے سمجھوتہ پر نہ رکھی جائے۔" اگر یہی انکی صاف اور کھلی ہوئی پالیسی تھی تو ان کے بیچ میں میرا کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

اگر ورکنگ کمیٹی میں صرف وہی لوگ ہونگے جو ایک صاف اور کھلی ہوئی پالیسی کو مانتے ہیں تو میں اس میں کس طرح آسکتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ ورکنگ کمیٹی ایک ہی طرح کی ہونی چاہئے اور اس میں ایک ساتھ کام کرنے کی اہلیت ہونی چاہئے ورنہ وہ ناکارہ ہو جائے گی۔ عام طور پر ایک ہی راستہ پر اس کا اتفاق ہونا چاہئے لیکن اگر اسی یک رنگی کو گروہ بندی کے معنوں میں سمجھا جائیگا۔ تو جو کمیٹی اس طرح بنے گی وہ ان کمیٹیوں سے الگ ہوگی جو پچھلے بیس برس سے کام کر رہی ہیں۔ ان نئے معنوں کے لحاظ سے دیش بندھو داس یا میرے پتا یا مولانا محمد علی کی کیا حیثیت ہوتی؟ ورکنگ کمیٹی میں انھیں کوئی جگہ نہ ملتی۔ سوراج پارٹی کے شروع کے زمانہ میں اسباب پر بھی بہت اختلاف بڑھ گیا تھا کہ کونسی پالیسی اختیار کی جائے۔ اس وقت ایک ہی قسم کی ورکنگ کمیٹی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔

لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اس میں ناکامیابی ہوگئی اور کانگرس کو پھر ایک مخلوط کمیٹی بنانا پڑی جس میں اسکے دونوں گروہوں کے نمائندے تھے۔ انکی نگاہیں الگ الگ تھیں لیکن وہ کئی برس تک اچھا خاصا کام کرتے رہے اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جاتا تو وہ بیکار ثابت ہوتا۔ دونوں گروہوں میں برابر جھگڑا ہوتا رہتا اور کانگرس کمزور پڑ جاتی۔

اب اگر کوئی نیا اصول نکالا گیا تو میرے جیسے آدمیوں کے لئے ورکنگ کمیٹی میں کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ میں پرانی ورکنگ کمیٹی کے لئے بھی جس سے کہ میں واقف تھا اپنے کو ناموزوں سمجھتا تھا پھر نئی کمیٹی کے لئے جسے میں جانتا ہی نہیں ہوں، اور بھی ناموزوں ہوں گا۔ لیکن میرے ورکنگ کمیٹی میں نہ رہنے کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ میں اپنی بحث کرنا یا الگ رہنا چاہتا ہوں۔ میں اور تمام لوگوں کی طرح جہاں تک ممکن ہوگا تعاون کروں گا اور کسی طرح بھی راستہ میں رکاوٹ نہیں ڈالونگا۔

میرا عقیدہ ہے کہ کانگرس کے لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ وہ گروہ بندی اور اس تنگ نظر نام نہاد یک رنگی سے بچی رہے ورنہ آپس میں جھگڑے بڑھتے جائینگے اور کانگرس کے اندر مخالفت کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ یہ کام کانگرس (سالانہ اجلاس) کا ہے کہ وہ صاف الفاظ میں اپنی پالیسی مقرر کر دے اور اپنی اگزیکٹیو (مجلس انتظامیہ) سے سختی کے ساتھ اس پر عملدرآمد کرنے کا مطالبہ کرے۔ پالیسی تو یک رنگی ہونا چاہئے لیکن اگر اسکو اور گھٹانے کی کوشش کی جائے گی تو بعض اہم عنصر باہر ہی رہ جائینگے۔

متحدہ مورچہ کی یہ پالیسی اگرچہ موجودہ حالات میں ہمارے لئے لابدی ہے لیکن اس میں خرابیاں بھی ہیں اسلئے کہ اس سے دونوں یا اس سے زیادہ جماعتیں جو ایک دوسرے سے تعاون کرتی ہیں اپنے اوپر ایک دباؤ سا محسوس کرنے لگتی ہیں۔ ہر گروہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ اپنے من مانے راستے پر نہیں چل پاتا ہے اور دوسرا گروہ اسکو آگے بڑھنے سے روکتا ہے۔ پچھلے کئی برسوں سے یہ دباؤ کا احساس بڑھ گیا ہے اور اسلئے شاید یہ مناسب ہوگا کہ اب ورکنگ کمیٹی ایک ہی گروہ میں سے بنائی جائے۔ تاکہ ہر ایک کو کام کرنے کا پورا پورا موقع ملے۔ عملی طور پر اس میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اسلئے کہ پالیسی چننے میں کوئی زیادہ گنجائش نہیں ہے اور یہ یقینی ہے کہ تھوڑے دن بعد پھر مخلوط کمیٹی قائم ہو جائے گی۔ صرف ایسی ہی کمیٹی کانگرس اور ملک کی اصلی نمائندہ ہوسکتی ہے۔

اسلئے کانگرس کی موجودہ الجھن اگرچہ قابل افسوس ہے لیکن اسے بہت زیادہ افسوسناک نہ خیال کرنا چاہئے۔ یہ ہماری تحریک کی ترقی کی ایک علامت ہے اور ایک آئینہ کی طرح ہے جس میں ہمارے ان گنت عوام کے نظریاتی خیالات جو اسکے دماغوں میں کھٹک رہے ہیں دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ ہر ایک کو معلوم

ہے کہ جو کارروائی بھی کیجائے گی اس میں ہم سب ایک ساتھ ہوں گے اور چاہے جس طرح کی قومی یا بین الاقوامی الجھن آئے وہ ہمیں متحد پائے گی۔ افسوس صرف اس طریقہ [illegible] ہے کہ جس سے یہ الجھن پیدا ہوئی ہے کیونکہ اس میں نظریہ اور پالیسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے - یہ صرف کانگرس پر قبضہ کرنے کی خواہش کا نتیجہ ہے جو پالیسی سے بالکل الگ ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کانگرس اعلیٰ کمان کے مطلق العنانی کے رجحانات کے خلاف کچھ ردعمل ہوا ہے اسکے ساتھ یہ بات بھی عجیب ہے کہ نئی لیڈرشپ اس سے بھی زیادہ مطلق العنان ہے جتنی کہ کانگرس کی اس عہد تک کی تاریخ میں کوئی لیڈرشپ ہوئی ہے۔ کانگرس کے لئے ایک انقلابی پالیسی کا مفہوم سمجھ میں تو آسکتا ہے خواہ کوئی اسے منظور کرے یا نہ کرے۔ کام کرنے کے طریقہ کی جانچ پڑتال تو کی ہی جاسکتی ہے خواہ اسے بعد میں قبول کیا جائے یا رد کر دیا جائے۔ لیکن انقلابی نعروں کو مطلق العنانی کے ساتھ جوڑنا ایک غلط اور خطرناک حرکت ہے۔ غلط اسواسطے ہے کیونکہ اس سے لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ عمل کی جگہ زوردار باتوں اور چیخ پکار سے بھری جاسکتی ہے۔ اور خطرناک اسلئے ہے کیونکہ انقلابی نعرے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالدیتے ہیں اور انکی آڑ میں مطلق العنانی داخل ہوکر اپنے پیر جمالیتی ہے۔ میرے خیال میں کانگرس یہ راستہ نہیں اختیار کرسکتی ہے۔ اسلئے کہ ہم بہت بڑی حد تک جمہوری طریقوں کے عادی ہوچکے ہیں اور ہم برسہا برس سے جوش دلانے والے زوردار الفاظ کو چھوڑ کر عمل کے کارآمد طریقہ کو جس سے ہماری طاقت بڑھتی ہے اختیار کرچکے ہیں۔ پھر بھی ہمیں اطمینان نہ کرلینا چاہئے کیونکہ ادھر کئی سال کے عرصہ میں یورپ میں عجیب عجیب واقعے ہوئے ہیں اور ہمنے جمہوریت کی اونچی عمارت کو اپنی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوتے دیکھا ہے۔ ہم افسوس کے ساتھ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پریشان اور الجھے ہوئے دماغ کے عوام کو دہشت میں ڈالدینا اور پھر انھیں غلط منزل کی طرف لے جانا کتنا آسان ہے!

انھیں تمام باتوں کیوجہ سے ہمارے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ ہم اپنی پالیسی اور اپنے طریقوں کو صاف صاف سمجھ لیں اور قومی اور بین الاقوامی معاملات میں اپنے رویہ کی ٹھیک ٹھیک وضاحت کرلیں۔ دنیا بدل رہی ہے اور نئے نئے مسئلے اٹھ رہے ہیں ہمیں نئے نئے سوالوں کا جواب دینا ہے اور کل کے پرانے [illegible] دقیانوسی جملے آج بے معنی ہوچکے ہیں۔ ہم میونخ کے بعد کے زمانہ میں رہ رہے ہیں، نقشہ ایک ایک دن پر بدل رہا ہے اور بربریت اور تاریک رجعت پسندی کی جیت ہو رہی ہے، اسوقت بھی جبکہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں میرا دماغ اپنے زمانہ کے اس سب سے زیادہ افسوسناک واقعہ ـــ اسپینی جمہوریہ کے قتل ـــ کے خیال سے بھرا ہوا ہے۔ جمہوری اسپین باغیوں کے ہاتھوں قتل نہیں ہوا اور نہ اسکی ذمہ داری غداروں پر ہے۔ نہ ہی آخر میں فسطائی طاقتوں نے اسے ختم کیا ہے اگرچہ انہوں نے اس کی کوشش بہت کی۔ اس کی ذمہ داری برطانیہ اور فرانس پر رکھنا چاہئے جس طرح کہ چیکوسلاواکیہ کے ساتھ غداری کرنے کی ذمہ داری انکے سر ہے۔ تاریخ مدتوں اس کمینہ پن کو یاد رکھے گی اور ان طاقتوں کو معاف نہیں کرے گی۔ جنکی اور اسپینی عوام کے ساتھ انہوں نے دوستی اور غیر جانبداری کے نام پر فریب اور غداری کرکے انھیں موت اور غلامی کے چنگل میں دیدیا ہے۔ ان لوگوں کے رنجیدہ چہرے کئی نسلوں تک برطانیہ اور فرانس کی نظروں کے سامنے پھرتے رہینگے۔

یہ ہے دنیا جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ اور ہندستان میں بھی جو مسئلے اٹھ رہے ہیں وہ یورپ کے مسئلوں ہی کی طرح خطرناک ہیں۔ ہم تو اب بھی برطانوی سامراج سے براہ راست لڑائی کرنے پر سوچ بچار کر رہے ہیں لیکن سامراج اپنا چولا بدل رہا ہے، اسے اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں ہے اور اسلئے وہ دوسروں کی آڑ لیکر ہمارے چیلنج کا جواب دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ طریقہ اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ رجعت پسندی کے بل بھی بدل گئے ہیں وہ ترقی پسند بن کر عوام کو جو سیاست نہیں جانتے اپنے فائدہ کے لئے لوٹ رہی ہے۔ فرقہ پرستی اور زیادہ صاف طور سے رجعت پسندی کا گڑھ اور سامراج کا ستون بن گئی ہے۔

اس زمانہ میں الفاظ اور نعرے بہت خطرناک ہیں جبتک کہ انکے ساتھ سلجھے ہوئے خیال اور سوچے سمجھے مقصد اور طریقے نہ ہوں۔ ہم میں سے اکثر آدمی شاید ہی کبھی سوچ بچار کرنے کی تکلیف اٹھاتے ہوں، سوچ بچار کرنے سے آدمی تھک ضرور جاتا ہے اور یہ طریقہ تکلیف دہ بھی ہے اور اکثر اس سے ہم ایسے نتیجوں پر پہنچتے ہیں جنھیں ہم پسند نہیں کرتے لیکن جب کبھی گتھیاں اور الجھنیں پڑتی ہیں تو اسنے کم سے کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ ہم سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں آؤ ہم بھی اپنی اس الجھن سے فائدہ اٹھائیں۔

یہی وجہ ہے کہ میں اپنے بعض خیال اور تجربے لکھ رہا ہوں۔ ایک بدلتی ہوئی صورت حال میں جس کا کوئی یقین نہ ہو میرے واسطے بھروسہ کیساتھ اس الجھن کا کوئی حل بتانا بہت مشکل کام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ راستہ لوگوں کی امید سے پہلے ہی نکل آئے۔ اس اثنا میں بہتر ہوگا اگر میں ان رجحانوں کا بیان کروں جو پچھلے تین برس سے ہندستان میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کام میں مجھے اپنی پرانی ورکنگ کمیٹی کے ساتھیوں کی مہربانی درکار ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مجھے بعض ایسے واقعات بیان کرنا پڑیں جنکا کہ ان سے تعلق ہے اور جنکو ابھی تک راز میں خیال کیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کام میں میں انکے بھروسہ کو غلط طور پر استعمال نہیں کرونگا۔

اب سے تین سال پہلے مارچ میں کانگرس کا صدر چنا گیا اور ہوائی جہاز کے ذریعہ یورپ سے ہندستان آیا۔ میرا نظریہ اور میرے خیالات بخوبی لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھے اور ایک حد تک مجھے یہ خیال کرنے کا حق تھا کہ کانگرس کے آدمیوں نے انھیں منظور کرلیا ہے۔ لیکن مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ میں یہ خیال زیادہ دور تک نہیں کرسکتا تھا اسلئے کہ زیادہ تر چناؤ میں بالکل دوسری باتوں کا خیال کیا جاتا ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ چونکہ ڈیلیگیٹوں نے مجھے اپنا صدر چن لیا تھا اسلئے کانگرس سوشلسٹ ہوگئی تھی۔

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

گھر کی صحبتیں اور کلب

(چودھری محمد علی)

تحصیلدار صاحب بڑے بارباش آدمی تھے۔ ایک قسم کے لوگ ہوتے ہیں جنکو صحبت کا لپکا کہتے ہیں۔ تحصیلدار صاحب ہمارے اس افتاد طبع کے تھے۔ انسے اکیلے میں نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ صبح وشام چار کا دور چلا کرتا تھا۔ پان حقہ سگرٹ کا کبھی توڑا نہیں ہوتا تھا۔

ہر کجا چشمہ بود شیریں ٭ مردم و مرغ و مور گرد آئند

اول تو عہدے دار دوسرے خاطر مدارات احباب یونہی جمع رہتے تھے اور اگر اتفاق سے کوئی نہ پہنچا تو اردلی فوراً موجود ہوتا تھا۔ ہمارے قصبہ میں آدمی ہی کے تھے مگر جتنے انکے جمع ہونے کی جگہ تحصیلدار صاحب ہی کا گھر تھا۔ انکا مکان گویا ایک کلب تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ جب تحصیل بھر کے سربرآوردہ لوگ اس خاطر سے شہر آئیں گے اور انکی آرام کا خیال رکھا جائے گا تو کون ایسا ہوگا کہ دوسری بار آنے میں کچھ سوغات نہ لائیگا۔ مختلف قسم کے حلوہ جات، بیل، بکرا، ان بٹے بڑے رہتے تھے اگر تحصیل کو رد تحصیل میں تھی مگر تحصیلدار صاحب کے گھر میں سیکڑوں کی چیزیں ہر وقت مہیا رہتی تھیں۔ انہیں بات نیز نظر کرکے اکثر کہا کرتے تھے کہ میری تعیناتی جس تحصیل میں ہوئی میں نے اسی طرح کا پرائیویٹ کلب ہر جگہ رکھا۔ کلب کے معاملہ میں انکی رائے بہت مضبوط تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہندستانیوں کے لئے کلب قائم کرنا خلاف مصلحت ہے۔ اول تو کلب میں ضابطہ اسقدر شامل ہے کہ بے تکلفی کا لطف نہیں رہتا، دوسرے کلب میں جوئے کی عادت پڑ جاتی ہے وہ پیسے ہی دو پیسے کا جوا ہی کیوں نہ ہو۔ تو جوا۔ اسکے علاوہ کلب میں مختلف مذاق کے لوگ جمع ہوتے ہیں جس سے سوا رسمی باتوں کے دل کھول کر باتیں نہیں ہو سکتیں۔ پھر اسکے علاوہ خرچ بڑھ جاتا ہے۔ کہا کرتے تھے۔ کہ مثال لے لیجئے۔ یہ غریب خانہ ہے آپ لوگ نوازش کرتے ہیں چلے آتے ہیں۔ اول تو جن صاحبوں کو میری صحبت پسند نہ ہوگی وہ آئیں ہی کیوں۔ اور جو صاحب آتے ہیں وہ بالکل اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ خیال کیجئے آپ تشریف لائے، آپ نے انگرکھا کھونٹی پر ٹانگ دیا اور کوچ پر بہ آرام تمام بیٹھ گئے۔ میں بھی حاضر ہوں خالی کرتہ پاجامہ پہنے ننگے سر پاؤں میں سلیپر پہنے بیٹھا ہوں بھلا یہ آرام کہیں کلب میں ممکن ہے۔ اور دیکھئے فرض کیجئے اسوقت ہماری اور آپکی رائے ہوئی کہ گانا سنا جائے۔ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں نہ کسی سے پوچھنا نہ گچھنا۔ قوال آگئے۔ یا کوئی گویا بلا لیا گیا نہیں تو کوئی زنانہ طائفہ بلا لیا گیا۔ آٹھ دس احباب اکٹھا ہیں۔ بھلا یہ باتیں کلب میں کہاں ممکن ہیں۔

تحصیلدار صاحب کو جب دیکھئے دوست احباب کی خاطر مدارات میں مصروف۔ اکثر خیال گزرتا تھا کہ کام کسوقت کرتے ہوں گے مگر وہ جو دہیں ہی کے منصبی کارگزاری میں بھی سب سے پیش رہتے تھے۔ حاکم ضلع کی نظر تمام تحصیلداروں میں انکی طرف پڑتی تھی، اول تو الفریہ خواہ مخواہ مرد آدمی دوسرے تحصیل کے زمینداران اور روساء وجاجتوں سے نہ صرف حاکم و محکوم کے تعلقات بلکہ دوستانہ۔ اسوجہ سے اگر کوئی کام پڑا تو ہر شخص تحصیلدار صاحب کا ہاتھ بٹانے کو تیار۔ سیلاب آئے، سوکھا پڑے۔ ٹڈی دل کی مصیبت پھٹے وبا پھیلے۔ جہاں دوسرے بھیوں کا فذی گھوڑا دوڑائیں وہاں یہ دو اسپہ زمین کام نکال لیں اور جب ضلع کی رپورٹ لکھی جائے تو تمام تحصیلداروں میں انکا نام سرنامہ پر ہو۔ چندہ جمع کرنے کا اگر ایسا معلوم تھا کہ انکی تحصیل ضلع میں ہمیشہ نمبر اول رہتی تھی۔ تحصیل و تحصیل ضلع کے کاموں میں بھی کلکٹر صاحب ہمیشہ انہیں کو اسپیشل ڈیوٹی کے لئے تجویز کرتے تھے۔ سالانہ دربار یا نمائش کا انتظام انہیں کے سپرد تھا۔ اسوجہ سے اس چھوٹے سے قصبے اور چھوٹی سی تحصیل میں انکی تعیناتی کچھ بے جوڑ سی معلوم ہوتی تھی۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ اگر یہ ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تو تحصیلداری کا ایک بہترین نمونہ غائب ہو جائیگا۔ میرا خیال ہے کہ ڈپٹی کلکٹری تو ہر شخص کر سکتا ہے مگر تحصیلدار شاعر کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ قانونی ضابطہ سے واقفکاری کے تحصیلداری میں ایک عاملانہ کارروائی کا مادہ ہوتا ہے جو ہزاروں میں صرف چند تحصیلداروں کو ممتاز کر دیتا ہے۔ ہمارے تحصیلدار اسی کیڈے کے واقع ہوئے ہیں۔ دو مرتبہ ڈپٹی کلکٹری میں نامزد ہو چکے تھے مگر سفارش اٹھوا نا کیا انھوں نے کبھی پرواہ نہ کی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بھی ہمیشہ تحصیل کو انگوٹھی اور اپنے کو نگینہ سمجھا کئے

اگر غور کیجئے تو ایک پہلو سے یہ بیجا بھی نہیں تھا۔ اول تو تحصیلدار تحصیل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ دوئم یہ کہ بہت سے پہلے ڈپٹی کلکٹروں کو کون پوچھتا ہے تحصیل میں رہی بیٹھے۔ تیسرے انکا انداز ایسا تھا کہ انکی مزدرتیں جیسی تحصیل میں پوری ہو سکتی تھیں ضلع میں ناممکن تھیں۔ مقدمات معاملات میں رشوت کی شکایت تو کبھی سنی نہیں تھی لیکن یہ شخص دیکھتا تھا کہ کہیں سے جلانے کی لکڑی چلی آرہی ہے، کہیں سے شیشم کے تختے چلے آرہے ہیں۔ بڑھئی لگے ہیں۔ ہر قسم کا فرنیچر طیار ہو رہا ہے، کوچ کرسی، میز کلکتہ بمبئی کے ایسے تو بنے نہیں تھے لیکن اپنے مذاق کے موافق ہر چیز طیار ہو جاتی تھی۔ کچھ تن و توش بڑھ جانے کی وجہ سے کچھ اسوجہ سے کہ تحصیل میں سڑکیں کافی تھیں تحصیلدار صاحب نے ایک دن تانگہ خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ایک زمیندار صاحب مہمان تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ یہیں بنوا لیا جائے۔ عمدہ شیشم کی لکڑی اور ایک ہوشیار بڑھئی، انہوں نے بھیج دیا۔ لوہا ایک پرانے تانگہ کا جو تحصیل میں نیلام کو بہت دنوں سے پڑا تھا کام آگیا۔ کپڑہ لکھنؤ سے لالہ چھنا مل لے آئے۔ تانگہ تیار ہو گیا۔ ساز شیخ جیون بخش سوداگر نے بھیج دیا یہ اسی

قصبہ کے رہنے والے تھے تو آڑھت کا کام باہر کرتے تھے۔ ملاقات کیونکہ تحصیلدار صاحب نے بہت اصرار کیا۔ کہتے کہ قیمت وگروہ دام کیا لیتے۔ اول تو تحصیلدار صاحب سے آمد و رفت، بے تکلفی کے مراسم تھے۔ دوسرے سازکی بانے کی نیاز ہی انکے داماد کی تھی جو کانپور کے بڑے کارخانہ داروں میں سے تھے۔ گھر کی بات تھی لاگت ہی لاگت پڑی ہوگی۔

دنیا میں کون ایسا ہے کہ جسکو سب اچھا ہی کہنے والے ہوں۔ تحصیلدار صاحب کو بھی برا کہنے والوں کی کمی نہ تھی۔ حالانکہ کوئی خاص برائی نہیں بیان کی جاتی تھی۔ پھر بھی یہ دیکھا گیا تھا کہ باوجود اس خاطر و مدارات [illegible] کے لوگ کچھ مطمئن نہیں ہوتے تھے اور ہر شخص کچھ اس طرح محسوس کرتا تھا جیسے کوئی اپنی تھاہ سے باہر چلا جائے۔ ایک بات بڑی غنیمت تھی وہ یہ کہ تحصیلدار صاحب کو باتیں کرنے کا اتنا شوق تھا کہ دوسروں کو موقع کم ملتا تھا۔ جس زمانہ کا یہ تذکرہ ہے اس وقت میری تعلیم کا آخری سال تھا۔ جب میں چھٹیوں میں گھر آتا تھا تب ہی تحصیلدار صاحب سے ملاقات ہوتی تھی۔

میرے بڑے بھائی صاحب بہت ہوشیار، ذی فہم، زمیندار تھے جنکی کامیابی کا راز میرے خیال میں صرف یہی تھا کہ وہ فضول گوئی سے دور رہتے تھے اور بے سوچے سمجھے منہ سے بات نہ نکالتے تھے۔ کہنے لگے چلو تمکو تحصیلدار صاحب سے ملائیں۔ خوب آدمی ہیں مگر یار باش ہیں، انسے ملنے میں ہاتھ پاؤں بچائے رہو ہے تو زک اٹھانے کا اندیشہ ہے۔ میری سمجھ میں اچھی طرح نہ آیا کہ بھائی صاحب کا اس کہنے سے کیا مطلب تھا۔ لیکن چونکہ مجھکو وطن میں رہنا نہیں تھا نہ گھر کے کاروبار سے واسطہ تھا۔ اسلئے زیادہ چھان بین کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور بات یونہی رہ گئی۔ تحصیلدار صاحب نے ہم لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بھائی صاحب کی خوش انتظامی اور سلامت روی کی تعریف کرتے رہے۔ اسکے بعد میری طرف مخاطب ہوئے۔ دیر تک میری تعلیمی ترقی میں دلچسپی لیتے رہے اور یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ میں تھوڑے دنوں میں وکالت کا آخری امتحان دونگا۔ اس بیٹے کی عمدگی پر خیالات ظاہر کرتے رہے۔ اتنے میں مقامی تھانے کے انسپکٹر آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

تحصیلدار۔ اخاہ داروغہ جی تسلیم۔ آج تو دو تین دن کے بعد ملاقات ہوئی۔ بھئی کیا تفتیش کی ہے۔ وہی ۹۷۳ والا مقدمہ۔ اتنی بڑی چوری اور اس خوبصورتی سے مال برآمد کیا ہے۔ سبحان اللہ۔ میں نے تو کلکٹر صاحب سے بھی اس کا ذکر کردیا۔ دوپہر کی گاڑی سے تو واپس آیا ہوں میں نے کہا کہ اگر آپ انچارج نہ ہوتے تو ایسی چوری کا برآمد ہونا کوئی سہل بات نہ تھی۔

جی ہاں آپکے اقبال سے کامیابی خلاف امید ہوئی۔ ملازم سے اقبال جرم بھی کیا اور مال بھی برآمد ہوا۔ اب یہ مقدمہ سیشن تک نہیں بل سکتا۔ بقیہ مال کے بھی برآمد ہونیکی امید ہوگئی ہے۔

ضرور ہوگا۔ اور برآمد کیونکر نہ ہوگا۔ آپ کی طرح جانفشانی سے کوئی کام بھی تو نہ کریگا۔ اب خیال تو کیجئے۔ نہ دن کو دن جانا نہ رات کو رات۔ میں تو کپتان صاحب سے ضرور کہوں گا کہ ایسے لائق کا [illegible] کا نام اگر انسپکٹری کے لئے نہ گیا تو پولیس والوں کی ہمتیں [illegible] پھر کوئی افسر دیم ہوکر انچارج اس جانفشانی سے کام کس امید پر [illegible] ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ سب رجسٹرار صاحب [illegible]

تسلیم عرض کرتا ہوں سب رجسٹرار صاحب

کہئے معائنہ ختم ہوگیا۔ انسپکٹر جنرل صاحب تو خود آپ کی تعریفیں فرماتے تھے۔ مجھکو بھی موقعہ ملگیا۔ میں نے کہدیا کہ رجسٹرار تو بہت دیکھے لیکن اس لیاقت سے کام کرنے والا نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے کہا تحصیل کے سامنے ہی تو دفتر ہے۔ روز کا کام روز ختم کرنے کیلئے سب رجسٹرار صاحب اکثر چراغ جلے تک کام کیا کرتے ہیں اور آپنے طریقہ وہ رکھا ہے کہ اہل کار اور اہل معاملہ سب آپ سے خوش رہتے ہیں۔ اور کمال تو یہ ہے کہ ستانیدان کا حصہ رقم کبھی گرداناہی نہیں۔

سب رجسٹرار۔ آپ کی عنایت ہے۔ امید تو ہے کہ معائنہ اچھا ہی لکھیں گے ظاہرا تو خوش گئے۔

تحصیلدار۔ ابھی معائنہ کیسے نہ اچھا لکھیں گے۔ وہ تو خود فرماتے تھے پھر مجھکو بھی اچھی طرح موقعہ ملگیا۔ اور ایمان کی بات ہے کہ آپ کا اپنا لینے فرائض منصبی کو سمجھنے والا دوسرا افسر بھی تو نہیں۔

سب رجسٹرار۔ جی تحصیلدار صاحب ان باتوں کو کون دیکھتا ہے بس یہی کہئے کہ آبرو ست کٹ جائے یہی کافی ہے۔

اتنے میں چپراسی نے کہا کہ فلاں تعلقدار صاحب کے مختار آئے ہیں۔

تحصیلدار۔ ابھی بلاؤ صاحب بلاؤ۔ کہئے مختار صاحب اجہ صاحب اچھے تو ہیں۔ کہئے آپ کے اکیوڈس والے مقدمہ میں کیا ہو رہا ہے بھئی یہ تو غضب ہے۔ اندھیر ہے۔ اب اگر مختار صاحب آپکی ریاست کے ملازمان پر بھی اکیوڈس چلے گی تو کسکی آبرو بچے گی۔ داروغہ صاحب فلاں تھانے میں آپ نے سنا کیا آفت مچی ہوئی ہے۔ نہ معلوم کتنے چالان ایک سودس کے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کیسے کامیاب ہوسکتے ہیں۔ ارے تو یہ کہئے سوا اسکے کہ تھانیدار صاحب منہ کی کھائیں، اور کچھ نہیں۔ (مختار صاحب سے مخاطب ہوکر) یہ دیکھئے ایک تھانے کے مہتمم ہیں علاقے بھر میں سینک کھڑی ہوئی ہے اور پھر نہ کہیں ایک سودس نہ اکیوسات۔ ایک اسکے تھانیدار [illegible] خیال کرتے کہیں کام پولیس کے ایسے بھی اسکے رہتے ہیں اگر ایسی حرکتیں ہوتیں تو انکی سب انسپکٹری آپ کے تھانے میں کامیاب ہو چکی۔ آپ اجہ صاحب سے میری طرف سے کہئے گا کہ کسے کم سوگواہ صفائی کے دیں ذرا اب انسپکٹر صاحب کو چالان کرنے کا مزہ مل جائے

کچھ رسمی باتیں کرنے کے بعد مختار صاحب رخصت ہوئے، انکا منہ بھینا تھا کہ تحصیلدار صاحب نے فرمانا شروع کیا

داروغہ جی جانتے ہیں نہ آپ یہ فلاں ریاست کے مختار ہیں

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

اِنسان کی تواریخ
اس کے سفر کے واقعات میں
اِس مذکورہ بالا کہاوت میں بہت کچھ عقل مضمر ہے
زیادہ سفر کے معنی زیادہ تجربہ حاصل کرنا ہے اور سفر
کرنے ہی کی وجہ سے ایک شخص دوسروں پر
سبقت لے جاتا ہے۔
ریلوے نہایت ہی سستا اور آرام دہ سفر کا
انتظام مُہیا کرتی ہے۔
ریلوے
ہندوستان میں سفر کرنے کا سب سے سستا ذریعہ
R.B.K.20

نہ ایسے رئیس دیکھے نہ ایسے مختار۔ ہر شخص اس میں کا نمبری ہے نمبری۔ میں تو کہتا ہوں جبتک یہ سب کے سب بن کرائے کے گھر نہ پہنچ جائینگے اس محلے میں امن ہونا ناممکن ہے۔ چوری کا مال انکے ذریعہ سے بکے۔ جو رقمیہ انکے آدمی ہونگا ہیں۔ خود رئیس صاحب بھی بدمعاش ہیں جرائم پیشہ کا ساتھ دینے کو تیار۔ میری تو تحصیل ہی یہاں ہے میں تو خوب جانتا ہوں۔ وہاں تو غدر ہے غدر یہ تھوڑی معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت ہے۔ مگر اس ایک سو دس سے بچے حواس گم ہیں خدا کرے سب کے سب سزایاب ہو جائیں نہیں تو اس تحصیل کی گندگی دور نہ ہوگی۔

کچھ وقفہ کے بعد رجسٹرار صاحب اٹھے "جائیگا اب رجسٹرار صاحب معائنہ کی کتاب واپس آ جائے تو دکھائیگا ضرور"

رجسٹرار کے رخصت ہونیکے بعد۔

تحصیلدار صاحب دار و غہ جی بھی جانتے ہونا۔ یہ ایک ہی ذات شریف ہیں۔ جب سے یہ شخص اس دفتر میں آیا ہے عجیب بے ایمانیوں کا دفتر کھل گیا ہے۔ علاوہ مقررہ حق حقوق کے ہر دستاویز میں الکامیشن الگ کٹتا ہے حلقہ بھر میں کوئی دستاویز ایسی نہ ہوگی جسکو آپنے ٹھے نہ کیا ہو۔ کوئی بیع کا معاملہ ہو رہن کا معاملہ ہو۔ بغیر انکے سد ھر نہیں سکتا۔ اپنے صاحب یہ سرکاری دفتر تو نام کو ہے اصل معاملات تو مکان پر طے ہوتے ہیں، وہ رقمیں کھلی ہیں کہ آدمی سکرا سمجھ میں ہو جائے، ہزاروں کے وارے نیارے ہوتے ہیں، اور پھر اوسے کی رجسٹری یہ کر دیتا ہے نقل کی رجسٹری یہ کریں میں تو کہتا ہوں جس دن دھرے گئے سات برس سے کم نہ جائینگے۔

اسکے بعد تھانیدار صاحب رخصت ہوئے۔ ہم لوگ منتظر تھے کہ اب تھانیدار صاحب کی باری آئی۔ مگر تحصیلدار صاحب کچھ چپ رہے اسکے بعد فرمانے لگے یہ شخص ہمارا دوست ہے۔ پہلے بھی ساتھ رہ چکا ہے مگر بھئی خدا پولیس والوں سے بچائے رکھے۔ یہ لوگ کسی کے دوست نہیں۔ میں تو کہونگا ٹھگ چور کا اعتبار کرے گر پولیس والوں کا اعتبار نہ کرے ان لوگوں کا کام بھی ایسا ہے۔ اب اسی مقدمہ میں جس کا ذکر ہے یہاں حضرت نے ہزاروں کا مال مارا ہے۔

ایک ملزم کے یہاں کچھ چیزیں برامد کیں اسکو ایسی پٹی پڑھائی کہ اس نے مجسٹریٹ کے سامنے اقبال جرم کر لیا۔ باقی حال جو ہوا تھا آیا وہ مار دیگا مجھے صاحب مقدمہ بھی کامیاب ہو گیا نام بھی ہو گیا اور مال الگ کٹ گیا۔ خیر ہوگا۔ جو جیسا کریگا دنیا پا دیگا۔ اگر یہ میرا پرانا ملاقاتی نہ ہوتا تو میں تو میں اسکو وہ وہ باتیں سناتا کہ آپ دنگ رہ جاتے۔

اسکے بعد تحصیلدار صاحب معذرت کرکے چند منٹ کے لئے کسی ضرورت سے اندر گئے۔ میں نے موقع کو غنیمت جانکے بانسیا صاحب سے کہا۔ بھیا ایسے میں نکل چلئے موقع اچھا ہے نہیں تو اگر کوئی اور آگیا تو ہماری آپ کی بھی یہی درگت دھری ہے۔

ہم کہاں ہیں - جواہر لال نہرو

باقی صفحہ ۱۲۶

لیکن اس چناؤ کا مطلب یہ ضرور تھا کہ عام طور پر ایک تیز پالیسی کی مانگ محسوس کیجا رہی تھی اور ملک میں سوشلسٹ خیالات پھیل رہے تھے۔ سول نافرمانی کے اٹھا لینے کے بعد سے جو ردعمل چھا گیا تھا کانگرس ایک سال پہلے سے تیزی کے ساتھ اس سے نکل رہی تھی۔ مرکزی اسمبلی کے چناؤ سے اسمیں اور مدد ملی اور جو لوگ تیزی چاہتے تھے وہ کانگرس کی سستی پر لال پیلے ہو کر تو

ایک منظم سوشلسٹ بازو بن گیا تھا۔ جوانی کی بے اعتدالی اور جوش و خروش کے ساتھ اسنے کانگرس کے لیڈروں پر اعتراض کئے اور ان کی مذمت کی۔ یہ الفاظ اسنے سمندر پار ملکوں کے سوشلسٹ ادب سے سیکھے تھے اور انھیں کانگرس کے معمولی آدمی بہت ہی کم سمجھ پاتے تھے۔ اس طرح اگرچہ کچھ لوگ اس بازو کی طرف آگئے لیکن اس طریق کار کی وجہ سے اس کا دروازہ بہت سے آدمیوں کیلئے بند ہو گیا۔ کانگرس کے بیچ کے (جنھیں داہنے بازو سے کوئی تعلق تھا اور نہ بائیں بازو سے) بہت سے آدمی جو سیاسی اعتبار سے بائیں طرف تھے اور جو سماجی اعتبار سے غیر مستقل اور بیچ میں تھے لیکن جو عام طور سے کسانوں کی طرف تھے اس نئے قسم کے پروپگنڈے سے جو انکے لیڈروں پر حملے کرتا تھا چوکنا ہونے لگے۔

بعض سوشلسٹ کھلے بندوں پرانی لیڈرشپ کو بدل دینے کی باتیں کرنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ خود ہی لوگ اس کام کے لئے ازل سے چن لئے گئے ہیں۔ انہوں نے مقامی کانگرس کمیٹیوں میں اپنے امیدوار کھڑے کرنا شروع کئے اور خیال ہونے لگا کہ یہ لوگ کمیٹیوں پر قبضہ کرنا اور انھیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ جمہوری اعتبار سے انھیں ایسا کرنے کا حق تھا لیکن انکی یہ کوشش اور انکے کام کرنے کے طریقے انکے خلاف ثابت ہوئے اور کانگرس کے بیچ کے لوگ مخالف گروہ میں جا ملے۔

اس طرح وہ لوگ جنکو سوشلزم پسند آنا چاہئے تھا الگ ڈھکیل دئیے گئے اور اسکے مخالف بنا دئے گئے۔ سوشلسٹ گروہ بجائے اسکے کہ ایک نئے نظریہ کا پیامبر ہوتا ایک طاقت کے بھوکے فرقہ کی طرح ہو گیا اور اس نے ان لوگوں کو جو اسکے ساتھ نہیں آئے اپنا مخالف بنا لیا۔ بعض اوقات سوشلزم کی آڑ لیکر خالص ذاتی جھتے بن گئے جو کانگرس کے اندر عہدوں، نام اور اونچی جگہوں کی تلاش میں تھے۔

کانگرس کے لیڈروں نے ان باتوں کی سختی سے مذمت کی۔ انھوں نے سوشلزم کے ساتھ کے پیچیدہ نظریوں کو ناپسند کیا اور خیال کرنے لگے کہ سوشلزم لابدی طور پر تشدد سے وابستہ ہے اور تشدد کانگرس کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔ سب سے زیادہ چڑھ انھیں ذاتی حملوں اور اعتراضات

سے ہوئی اور بعض بعض دفعہ وہ بھی جواب میں ایسی ہی باتیں کرنے لگے۔
میں نے واپس آکر تلخی اور کشیدگی کی یہ فضا دیکھی۔ اسوقت میرے دماغ میں عوامی محاذ اور متحدہ محاذ جو اس زمانہ میں یورپ کے بعض ملکوں میں بنائے گئے تھے ہوئے تھے۔ [illegible] ایک ہی پلیٹ فارم پر اس قسم کا تعاون ممکن تھا اسلئے کہ وہاں طبقاتی کشمکش اور دوسرے جھگڑے بہت نمایاں تھے۔ ہندستان میں یہ کشمکش اپنے ابتدائی درجوں میں تھی اور ان تمام جھگڑوں پر سامراج دشمن لڑائی چھائی ہوئی تھی۔

ان حالات میں کھلا ہوا راستہ یہی تھا کہ تمام سامراج دشمن طاقتیں کانگرس کے متحدہ پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر ایک ساتھ کام کریں۔ جبتک کہ سیاسی آزادی اور طاقت نہ ملجائے اسوقت تک سوشلزم ایک نظریاتی مسئلہ تھا سوائے اسکے کہ جدوجہد کے طریقے پر اسکا اثر پڑتا تھا۔ آزادی ملنے سے پہلے کسی طرح بھی سوشلزم نہیں قائم ہوسکتا تھا۔

راستہ اور طریق کار پر الگ الگ رائیں ہوسکتی تھیں لیکن خود مجھے اس معاملہ میں زیادہ پریشانی نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ کانگرس کا پرامن کارروائی کا اصول ہی صحیح راستہ ہے۔ اور اسی پر عمل ہونا چاہئے —— صرف اوپری پالیسی کے طور پر نہیں بلکہ ایک صحیح بنیادی طریق کار سمجھکر جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے گا۔

بعض سوشلسٹوں اور مارکسسٹوں نے جو یورپ اور اسکے امن لیڈروں کے طریقہ پر سوچتے تھے۔ اس عدم تشدد کے طریقہ کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ میں یورپ کے امن پسندوں کا کوئی مداح نہیں ہوں اور وہاں کی تازہ الجھنوں نے انھیں صرف ناکارہ ہی نہیں ثابت کردکھایا ہے بلکہ اب یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ وہ غیر ارادی طور پر رجعت پسندی اور یہانتک کہ شورہ پشتی کے آلے ہیں۔ انکا رویہ انکاری اور غیر متحرک رہا ہے جو اس ڈر سے کہ مقابلہ کرنے سے 'امن پسندی' کا اصول ٹوٹتا ہے۔ تشدد اور بری باتوں کے سامنے دب جانا سکھاتا ہے۔ سیاسی ہار ماننے سے لازمی طور پر اخلاقی ہار بھی ہوجاتی ہے —

لیکن کانگرس کا عدم تشدد بالکل اسکا الٹا تھا۔ اور اسکی بنیاد سیاسی یا اخلاقی اعتبار سے کسی ایسی چیز کے سامنے جسے کہ وہ برا سمجھتی ہو دب جانے پر نہیں تھی۔ تمام پالیسیوں کی طرح اس میں بھی یہ بات ہے کہ جب حالات کا یہی تقاضا ہو تو سمجھوتہ کرلیا جائے لیکن بنیادی طور پر یہ پالیسی تمام دوسری پالیسیوں سے زیادہ سمجھوتہ کے خلاف ہے۔ یہ متحرک اور جاندار ہے غیر متحرک نہیں۔ یہ پالیسی مقابلہ کرنے کے حق میں ہے، اگرچہ یہ مقابلہ پرامن ہے۔ عملی طور پر یہ پالیسی صرف نمایاں نتیجہ دکھانے ہی میں نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑے کام یعنی قوم کا نظام مضبوط کرنے اور عوام کو پرامن باقاعدہ اور متحدہ کارروائی کیلئے تیار کرنے میں کامیاب ثابت ہوئی ہے۔

تقریباً ہر آدمی نے جنمیں سوشلسٹ بھی شامل ہیں اس اصول کو قومی پالیسی کے طور پر تسلیم کرلیا اور ہر ایک نے محسوس کیا کہ اسکے سوا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ بعض آدمیوں نے اسے بے خیالی میں منظور کرلیا تھا انہوں نے اسکے تمام مطالب پر غور نہیں کیا تھا اور بعض اوقات انہوں نے پوری طرح سے اسپر عمل نہیں کیا۔ جہانتک میرا تعلق تھا مجھے اسے قبول کرنے میں کوئی مشکل نہیں پڑی۔ اگرچہ وہ میرے عقیدہ کا کوئی حصہ نہیں تھا اور نہ میں یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ ہر حال میں قابل عمل ہوگا۔ یہ اصول پورے طور پر ہندستان اور ہماری جدوجہد کے لئے ٹھیک اترتا تھا اور یہی میرے لئے کافی تھا۔

میں نے پرانے لیڈروں اور نئے سوشلسٹ گروہ کے اختلاف پاٹنے کے لئے اپنی طاقت خرچ کرنیکا فیصلہ کرلیا۔ ایک حدتک میں اس کام کے لئے موزوں تھا اسلئے کہ دونوں کے ساتھ میرے گہرے تعلقات تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ہندستان انمیں سے کسی گروہ کو نہیں چھوڑ سکتا ہے۔ اور میرے نزدیک اسکی کوئی وجہ نہیں تھی کہ یہ دونوں گروہ سامراج کے خلاف لڑائی میں ایک دوسرے سے پورا پورا تعاون نہ کریں۔

پرانے لیڈر ہمارے دیکھے بھالے آدمی تھے۔ عوام میں انکی عزت تھی اور انکا بڑا اثر تھا، ان لوگوں کو لڑائی کی رہنمائی کا پرانا تجربہ تھا۔ وہ کسی طرح 'داہنے بازو والے' نہ تھے۔ سیاسی اعتبار سے وہ اس سے کہیں زیادہ بائیں بازو کی طرف تھے اور پکے سامراج دشمن تھے۔ گاندھی جی، جو ان کے پیچھے کھڑے تھے اور کانگرس کے باہر سے انکی تائید کررہے تھے۔ انکے اور ملک کے لئے طاقت کا ایک پرچم تھے۔ وہ ہندستان کی فضا پر چھائے رہے اور کوئی بڑی لڑائی جسمیں انکا ہاتھ نہ ہو خیال تک میں نہ آتی تھی۔

سوشلسٹ حالانکہ انکا گروہ بہت چھوٹا سا تھا اور وہ تھوڑے ہی آدمیوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ پھر بھی ایک اہم اور بڑھتے ہوئے طبقہ کے نمائندے تھے اور خاص طور سے نوجوانوں پر انکا اثر بڑھ رہا تھا۔ میں انکے نظریہ اور مقاصد میں انکے ساتھ تھا اور میرے اور میری طرح اور بہت سے لوگوں کے نزدیک وہ آنے والے زمانہ کا نمونہ تھے

لکھنؤ کانگرس سے پہلے ہم ورکنگ کمیٹی میں ایک دوسرے سے ملے۔ مجھے اس بات پر بہت خوشی ہوئی اور میں نے اسے بہت پسند کیا کہ ورکنگ کمیٹی نے میری پیش کی ہوئی قراردادوں کو منظور کرلیا۔ اور اس سے میں نے محسوس کیا کہ کانگرس پر ایک نیا رنگ آتا جارہا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ تغیر پسند نظریوں کی طرف جارہی ہے اس سے مجھے کانگرس کے مختلف گروہوں کو ایک ساتھ چلنے کے سلسلہ میں اپنی اہلیت پر اور زیادہ بھروسہ ہوگیا۔ لیکن کانگرس (پچھلے اجلاس) کی کارروائی نے اس خیال کو کمزور کردیا اور میں ان مشکلوں کو جو میرے سامنے آنے والی تھیں محسوس کرنے لگا۔ کانگرس نے میری بعض بہت ضروری سفارشوں کو رد کردیا اور اسنے پرانی لیڈرشپ کی تائید کی۔ میں کانگرس میں اقلیت کے بل پر کھڑا تھا اور مجھے شبہ ہونے لگا کہ آیا مجھے صدر ہونا بھی چاہئے

انہیں درکنگ کمیٹی بنانے کے مسئلہ نے مجھے اور زیادہ پریشان کردیا کیونکہ اس سے مجھے اس بات کا اور زیادہ احساس ہونے لگا کہ مجھے کیسی کیسی حدوں کے اندر رہ کر کام کرنا ہے۔ اصولاً مجھے ورکنگ کمیٹی بنانا تھی لیکن میں کانگرس کی اکثریت کا کہنا ٹال نہیں سکتا تھا۔ میں نے صدارت سے مستعفی ہو جانے کا فیصلہ کر لیا اور جب اجلاس ختم ہو رہا تھا اسوقت کھلے اجلاس میں میرے الفاظ یہ تھے کہ مجھے چند دنوں کی عزت اور شان کے بعد میں پھر گمنامی کی گہرائیوں میں ڈرا جا رہا ہوں۔

باقی باقی

خزاں

(دھبر)

خزان آگئی۔

نیم مردہ قبیوں کے ڈھیر درختوں کے نیچے سسک رہے ہیں ر
ننگی ٹہنیاں آسمان کی طرف سر اٹھائے نئی زندگی میں نہا رہی ہیں۔
کہیں کہیں ملائم ہرے پتے نکل آئے ہیں۔
جو دنیا کی ہوا میں جھول رہے ہیں اور گہری سبزی پی رہے ہیں
پرانی آخور گئی
زندگی نے کینچل اتار ڈالی

میری زندگی خزاں مانگتی ہے۔
ایسی خزاں جو پرانی آخور سمیٹ لے جائے۔

ہرے بن کے سکھائے تجربے
بارتک اڑ چلنے کی سکت بازؤں میں نہ پانا
اپنی طبیعت کی روانی سے مایوسی
نئے آشیانے کی تلاش سے ہمت ہارنا

یہ سب آخور ہے سو پرانا آخور

زندگی ہمیشہ جوان ہے۔
زندگی ہر منزل پر نئی جوانی ہے
اور ہر نئی جوانی کے لئے نیا میدان ہے۔
وہ دیکھ اس پار سنہرا دیس ہے۔
وہ دیکھ نئے آشیانوں کی بستی ہے
وہ دیکھ نئے سبزہ زار ہیں
اس دیس کے آگے اور بھی سنہرے دیس ہیں
ان آشیانوں کی بستی کے آگے اور بھی بستیاں ہیں
ان سبزہ زاروں کے آگے اور بھی سبزہ زار ہیں
اپنے بازوؤں سے ہر ملے پروں کو جھٹک

ایک سپنا۔ اور اس دیوانی دنیا کو چھوڑ
ایک سپنا اور۔

اور پھر اک اور نئی دنیا

جوتش

قدیم جوتش۔ اور سامودرک علم کے حیرت انگیز نتیجے

۱) پیدائش کی تاریخ اور وقت سے اپنی زندگی کا سچا حال دریافت کیجئے۔

۲) ہاتھ کی لکیروں کی چھاپ سے ہر ایک واقعہ۔ روزگار نوکری۔ بیوی بچوں وغیرہ وغیرہ کے ٹھیک ٹھیک حالات جانئے

۳) سوال (پرشن) کا وقت بتا کر ہر ایک بات بذریعہ ڈاک یا خود آکر معلوم کیجئے۔

۴) (۱) ہر ایک مرض سے چھٹکارا پانیکی ترکیب دریافت کیجئے۔
(۲) اولاد نہ پیدا ہو یا ہو کر مر جاوے اسکے لئے سچی اور آزمائش شدہ ترکیب پوچھکر فائدہ اٹھائیے۔

۵) شرطیہ راج دربار سے کامیابی حاصل ہونیکی ترکیب بھی معلوم کیجئے۔

پروفیسر کیشو دت جوشی جوتشی قیصر باغ سرکس لکھنؤ

تری پوری کانگرس کی کاروائی

پچھلے سال کی طرح اس سال بھی کانگرس کے سالانہ اجلاس کی مکمل کاروائی ہندستان کے ۱۹ر مارچ کے پرچہ میں شائع ہوگی۔

ایجنٹ صاحبان زیادہ پرچوں کیلئے دفتر کو جلد سے جلد مطلع کر دیں۔

منیجر۔ اخبار "ہندستان"
بشیر نانحہ روڈ لکھنؤ

الہ آباد میں کسانوں کے میلہ میں آنریبل مسز پنڈت وجیہ لکشمی کی نمائشی چیزوں کا معاینہ کر رہی ہیں

چور پکڑنے کا عجیب طریقہ

بالٹیمور (امریکہ) کے دو دوکاندار ایک چور کو گرفتار کر رہے ہیں

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

هندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات الله انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باهتمام نظام الدین پرنٹر عمدۃالمطابع
برقی پریس لکھنو سے چھپوا کر بشیشر ناتھہ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳ — نمبر ۱۱ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

تری پوری صدارتی جلوس

صدر کا رتھ جس میں ۵۱ ہاتھی جوتے گئے تھے — سب سے آگے ہاتھی پر مہاتما گاندھی کی تصویر ہے —
صدر کی بیماری کی وجہ سے رتھ میں انکی تصویر رکھدی گئی تھی

تری پوری کانگرس کی
مکمل کارروائی

رضاکار عورتیں ترنگی وردی پہنے صدارتی جلوس کے ساتھ جا رہی ہیں

صدر کانگرس بستر علالت پر

تری پوری کی رہبری

تری پوری کا اجلاس عجب نازک وقت میں ہوا ہے۔

بین الاقوامی حالات دن بدن الجھتے جا رہے ہیں، اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ دنیا امن کی زندگی کی کتنی گھڑیاں باقی ہیں - اور کب وہاں توپیں گرجنے لگیں گی، اور خون بہنے لگے گا - اس حالت نے برطانیہ کو بد حواس کر دیا ہے - وہ ایسے ڈراؤنے خطرے کا سامنا دیکھکر اس تاک میں ہے کہ کوئی موقع ملے اور ہندستان کی انقلابی طاقتوں کو کچل دے، کانگرس کو دبانے کے لئے وہ فیڈریشن کا جال ڈالنے کی فکر میں ہے - ایک خبر ہے کہ لارڈ زٹلینڈ وزیر ہند ایک کانفرنس کرنے والے ہیں جس میں غور کیا جائے گا کہ کس طرح جلد سے جلد فیڈریشن کو ہندستان میں لایا جائے - ریاستی عوام کی طاقت کو کچلنے کے لئے برطانیہ نے جو کھیل کھیلے ہیں - انکا بھانڈا راجکوٹ کی حرکت سے پھوٹ چکا ہے - ہندستان کو دبانے اور یہاں کے خون سے اپنی دولت سینچنے کی ایک صورت فوجی بل تھی جسکو برطانیہ پاس کرا چکی ہے - اسکو پروانہ ملگیا کہ جب چاہے جنگوں کے عوض ہندستان کے سورماؤں کی جانیں انگریزی کارخانوں پر بھینٹ کر دے۔

یہ تو حالت تھی دشمن کی - اور ہم؟ کانگرس میں ایسی پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ تھا جیسی ابتک نہیں پڑی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ داہنے بازو، اور بائیں بازو کے نام پر یہ سمندر ٹوٹ کر دو دریاؤں میں بٹ جائیگا - ایسے نازک وقت میں یہ پھوٹ اگر یہ اندیشہ پورا ہو جاتا، تو سال بھر کے اندر ہی کانگرس کی طاقت ختم تھی۔

کانگرس کی وزارتوں کو یہ دکھائی دینے لگا تھا کہ میدان داری کا زمانہ جا چکا، اب صرف قلعہ بند ہو کر رہنا ہے، یہ بات دوسری ہے کہ ضرورت پر ایک آدھ شبخون مار دیا جائے - جدوجہد کا پروگرام اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ ہر صوبہ میں کانگرسی وزارتوں نے کانگرس کمیٹیوں سے زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی -

سست رفتاری کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ جا بجا کانگرس کمیٹیوں اور مزدور سبھاؤں میں کشکر رنجیاں پھیل چلی تھیں، کیونکہ کانگرس کی اوپری سطح کی خاموشی کا یہ مطلب نہیں کہ اندرونی سطح میں ہلچل نہیں بلکہ اندر ایسی ہلچل ہے جیسی ابھی تک ہندستان کی تاریخ میں نہیں ہوئی - مزدوروں اور کسانوں کی انتھک جدوجہد اور بڑھتی ہوئی تنظیم ریاستی عوام میں اس سرے سے لیکر اس سرے تک آگ سی لگ جانا، اور صرف بارہ مہینے کے اندر اندر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیچے نیچے آزادی کا جذبہ کیسی بارود بچھا رہا ہے - ایسی صورت میں تیز رفتار مزدور سبھائیں اور کسان سبھائیں کیسے سست رفتار کانگرسی وزارتوں کے ساتھ چل سکتی ہیں -

ریاستی عوام کی جدوجہد جو اس تیزی سے ملک کو آگے بڑھا رہی ہے، کانگرس سے الگ الگ چل رہی تھی - حالانکہ اسکی منزل بھی وہی ہے جو ریاستی عوام کی - ایسی صورت میں ان دونوں طاقتوں کا - - - - - الگ الگ چلنا ایسا ہی ہے جیسے کانگرس کے داہنے بازو اور بائیں بازو میں پھوٹ پڑ جانا -

اس طرح تری پوری کے اجلاس کے سامنے یہ مسئلے تھے - کانگرس کے آپس کے اختلافات - کانگرس اور ریاستی عوام کی دوری - انقلابی جماعتوں کے آپس کے اختلافات - فیڈریشن کا خاتمہ - ملک کو جدوجہد کے لئے تیار کرنا -

اب بیرونی حالات کو لیجئے - اسوقت انقلابی جدوجہد صرف ہندستان ہی میں نہیں، بلکہ ہر غلام ملک میں پھیلی ہوئی ہے، اور ہر جگہ سامراجی یا فسطائی طاقتیں انکو بری طرح ہاتھوں سے کچل رہی ہیں - اسپین، چین، چیکوسلاواکیہ، حبشہ، مصر - سب جگہ کے مظلوموں کے درد دکھ کی کہانی وہی ہے جو ہندستان کے مظلوموں کی - ایسی حالت میں کانگرس کے سامنے ایک سوال یہ بھی ہے کہ وہ ان لڑائیوں سے اپنی لڑائی الگ رکھیگا، یا ملا دیگا - اور اگر ملا دیگا، تو اسکی بیرونی پالیسی کیا ہوگی -

پنتھ جی کی قرارداد

سب سے زیادہ اہم کام کانگرس کی پھوٹ دور کرنا تھا، اور وہ کام پنتھ جی کی قرارداد سے پورا ہوا - یہ قرارداد بھی بہت خطرناک، کیونکہ اس سے اندیشہ تھا کہ جھگڑے بجائے دبنے کے اور زیادہ اٹھ کھڑے ہونگے، اور کانگرس کی دونوں پارٹیوں میں سخت اختلاف ہو جائیگا - بلکہ تھوڑا بہت خطرہ یہ بھی تھا کہ کہیں سبھاش بوس استعفٰی دیکر الگ نہ ہو جائیں - لیکن ایک طرف پنتھ جی کا صلح کن رویہ اور دوسری طرف صدر کانگرس کا صلح کن رویہ، ان دونوں نے جھگڑوں کو مٹا دیا، اور دونوں دھاروں کو ملا دیا -

ان دھاروں کو ملانے کے لئے کانگرس کی پرانی پالیسی اور ورکنگ کمیٹی پر پورے بھروسے کا اظہار کیا گیا، اور یہ طے کیا گیا کہ اب تک کانگرس گاندھی جی کی ہدایتوں پر چلی ہے اور اسی پر کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتی چلی آتی ہے، اور اب چونکہ ایک بہت بڑے خطرے کا سامنا ہے

جسکے لئے ہم کو انکی بہت ضرورت ہے۔ اس لئے انکی سنگت حاصل کرنے کے لئے ورکنگ کمیٹی انہیں کی خواہش کی بنا ئی جائے۔

اس قرارداد کی اہمیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ بلا اسکے پیل ہونا ناممکن تھا۔ اور اسوقت پیل ہونا اتنا ضروری تھا کہ اسے ہر قیمت پر خریدا جا سکتا تھا۔

دوسری اہمیت اسکی یہ ہے کہ تقریباً تمام جماعتوں نے یہ مان لیا کہ بلا گاندھی جی کے کام نہیں چل سکتا۔ گاندھی جی کیا ہیں انکا ہر قدم کتنا صحیح پڑتا ہے؟ بلا انکا سامراج پر انکا کتنا دباؤ ہے؟ عوام پر انکا کتنا اثر ہے اسکے لئے اگر ہم ان کی ریاستی پالیسی اور راجکوٹ کی جیت ہی دیکھ لیں تو کافی ہے

انکے ایک قدم نے سامراج کو منزلوں پیچھے ہٹا دیا۔ اور ہندستان بھر کے ریاستی عوام کو منزلوں آگے بڑھا دیا۔ سامراج کے مقابلہ کے لئے ہمکو جیسے اتحاد کی ضرورت تھی ویسے ہی گاندھی جی کی۔

قومی مطالبات

میل پیدا کرنے کے بعد تری پوری کے اجلاس نے جو دوسرا بڑا کام کیا ہے وہ قومی مطالبات اور ریاستوں والی قرارداد کا پاس کرنا ہے۔ ان دونوں قراردادوں نے پھر ملک کو جگا دیا اور بتا دیا کہ ہماری منزل صوبجاتی حکومت نہیں۔ بلکہ اس سے بہت دور قومی سبھا ہے اور جبتک ہم وہاں پہونچ نہ لیں گے دم نہیں لینے کے۔ کانگرس مکمل آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اسی غرض سے حالات کے مطابق اپنی پالیسی بدلتی رہی۔ اسی پالیسی کی ایک کڑی صوبجاتی خودمختاری کا قبول کرنا بھی ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ قومی تحریک کو طاقت پہونچائی جائے، اور جتنی ممکن ہو اتنی عوام کی غریبی دور کی جائے۔ لیکن کانگرس فیڈریشن کو کبھی اور کسی حال میں بھی نہیں قبول کر سکتی۔

اس قرارداد سے کانگرس نے جتا دیا کہ خاص مسئلے جن میں سب سے زیادہ اہم غریبی ہے اسوقت تک نہیں دور ہو سکتا جب تک ہمکو مکمل آزادی نہ مل جائے اور اسکے حاصل کرنے کے لئے کانگرس نے "لڑائی کا بگل" دیدیا۔ وہ یہ کہ تمام کانگرسی جماعتیں کانگرس وزارتیں، اور عوام کو اسی منزل کی طرف بڑھنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے، آپس میں میل بڑھانا چاہئے اپنی تمام اندرونی خرابیاں دور کر دینا چاہئے اور کانگرس کو تمام جماعتوں کا ایک مضبوط متحدہ محاذ بنا دینا چاہئے

اس ایک قرارداد سے فیڈریشن گیا۔ دستور اساسی ختم ہو گیا۔ دستوری ذہنیت گئی۔ آپس کی پھوٹ گئی، اور لڑائی کی تیاری شروع ہو گئی ——

ہمکو یہاں پر ایک بات سمجھ لینا چاہئے۔ صدر کے الکشن میں کون مسئلہ پیش تھا اب تک کانگرس فیڈریشن کی خاموشی سے مخالفت کر رہی تھی سو بھاش بوس کہتے تھے کہ نہیں اسکو آگے بڑھنا چاہئے اور سامراج کو دھمکی دینا چاہئے۔ ملک نے اسکی تائید کی۔ یعنی ملک آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ اور قومی مطالبات کی قرارداد نے ملک کو آگے بڑھا دیا۔

ریاستی قرارداد

ریاستی قرارداد نے یہ صاف کر دیا کہ کانگرسی جدوجہد اور ریاستی عوام کی جدوجہد بنیادی حیثیت سے ایک ہیں۔ دونوں کی منزل ہندستان کی مکمل آزادی ہے، اب تک کانگرس ریاستی جدوجہد سے الگ رہی اسکی وجہ یہ تھی کہ کانگرس چاہتی تھی کہ ریاست میں اندر سے ابال پیدا ہو جائے۔ اور اس خواہش میں وہ کامیاب ہو گئی —— اب کانگرس جب مناسب سمجھے گی اور جتنا مناسب سمجھے گی ریاست کی جدوجہد میں حصہ لیگی

کانگرس کی بیرونی پالیسی

کانگرس کی لڑائی کو ہندستان باہر کے نظام کی لڑائی سے الگ سمجھنا سخت غلطی ہے۔

ساری دنیا میں اسوقت سامراجی اور فسطائی طاقتیں آفت مچا رہی ہیں۔ اور سب جگہ کے غریب مظلوم عوام اپنے بچاؤ کی کوششیں کر رہے ہیں ——

اسوقت بین الاقوامی سیاست کے دو رخ ہیں۔

پہلی لڑائی یوں ہو رہی ہے کہ جرمنی اٹلی اور جاپان نے غیر انسانی ڈھنگ سے عوام کی گاڑھی کمائی چھین کر اس سے ہتھیاروں کے پہاڑ بنا کر کھڑے کر دیئے ہیں اور انکے بل بوتے پر اپنے سرمایہ داروں کے لئے نئی بازاریں اور کچا مال فرانس، برطانیہ اور امریکہ سے چھیننا چاہتے ہیں۔

اور دوسری لڑائی عوامی طاقتوں میں اور سامراجی اور فسطائی طاقتوں میں چھپی چھپی، ڈھکی ڈھکی چل رہی ہے۔ اصل میں ۱۹۱۷ء کے بعد سے دنیا میں ایک بہت بڑی طاقت بن رہی ہے۔ اور اسی کا یہ دباؤ ہے کہ جاپان جرمنی اور اٹلی ایسی وحشیانہ اور بدحواسی کی حرکتیں کر رہے ہیں۔ سامراجی طاقت ہو یا فسطائی ان دونوں کا سب سے نازک مورچہ وہی ہے جس پر عوام کا حملہ ہو رہا ہے۔

یورپ میں عوام کی طاقت اندر ہی اندر پھیلتی چلی جا رہی ہے روس میں تو اس نے اپنا مرکز بنا ہی لیا ہے۔ اسپین میں اپنی سخت جانی کی وجہ سے اب تک جمی ہوئی ہے۔ فرانس کا متحدہ محاذ اسی کا کرشمہ ہے۔ اور اٹلی اور جرمنی کے اندر بھی وہ برابر بغاوت کی دھمکیاں دیا کرتی ہے۔ یہ طوفان اب تیز بڑھ رہا ہے کہ ادھر سامراجی اور فسطائی طاقتوں کا خلاف ذرا بھی پھیلا اور ادھر اس طاقت نے یورپ پر قبضہ کر لیا۔ اسی وجہ سے ہٹلر چاہے جتنی سخت دشمنی کرے، چیمبرلین اس کو کمزور ناپسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اسکو خطرہ ہے کہ ادھر جرمنی کمزور ہوا اور ادھر روس اور فرانس کے متحدہ محاذ نے طاقت پکڑی اور پھر ان کے سہارے یورپ کی اور تمام طاقتیں جاگ اٹھیں گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یورپ عوامی طاقتوں کے ہاتھ میں آ جائیگا۔ اس وقت انگلستان کے سرمایہ دار بیچارے یتیم ہو جائیں۔

اس طرح عوام کے مقابلے میں فسطائی اور سامراجی طاقتیں ایک ہیں۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ برطانیہ کے مقابلہ میں فسطائی طاقتیں کی مدد دیکر کے ہم کو کچھ مل جائے گا۔ ہندستان کی بعض سیاسی جماعتیں بلا سمجھے بوجھے، ڈکٹیٹری طاقت سے ڈر کر ان کی دوست بن رہی ہیں۔ یہ بہت بڑی بھول ہے۔

کانگرس نے اس کو محسوس کر کے اپنی بیرونی پالیسی میں صاف یہ اعلان کر دیا ہے کہ سامراجی اور فسطائی طاقتوں دونوں کو ہم اپنا ایک سا دشمن سمجھتے ہیں۔ اور اس اصول پر اس نے اسپین اور چین کے مظلوموں سے ہمدردی جتائی۔ اور مصری وفد پارٹی سے دوستی کر لی۔

بلوچستان کی قرارداد

ایک اندھیر نگری کی کچھ خبر

ہم نے بلوچستان کی طرف کانگرس کو توجہ دلائی تھی، اور ہم کو بڑی خوشی ہے کہ کانگرس نے وہاں کی وحشیانہ حکومت کے خلاف ایک قرارداد پاس کردی۔ مناسب ہوگا کہ ہم اس اندھیر نگری کی کچھ خبر کو سنائیں جہاں ابھی تک زن، زر و زمین کو لوٹنے پر آمادہ رہنے والی روایتیں زندہ ہیں۔

یہاں سرے سے قانون ہی نہیں۔ فیصلے رواج پر ہوتے ہیں، اور رواج بھی لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ فیصلے جرگے کرتے ہیں۔ جیسے سردار نامزد کرتی ہے اور نامزد سردار ہی ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر سردار اپنے قبیلے کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے جرمانہ کرسکتا ہے۔ جائداد ضبط کرسکتا ہے۔ جان لے سکتا ہے۔ بالکل کہانیوں کے بادشاہوں کی طرح۔

بگٹی کا ہنگامہ اگر قبیلہ اپنے سردار کے مظالم سے تنگ آکر احتجاج کرنا چاہے تو انگریزی حکومت فوج اسلحہ لیکر سردار کی حمایت کرتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں قبیلہ بگٹی نے اپنے سردار کو معزول کرنا چاہا، اور اسکی جگہ دوسرا سردار مقرر کرنا چاہا تو برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ نے فوج اسلحہ اور ہوائی جہاز سے انکا زور توڑا۔ دو چار لیڈروں کو قتل کیا اور تمام سربرآوردہ لوگوں کو جیل خانوں میں بھر دیا۔

لیکن ان ظلموں کے جواب میں جو ہونا چاہیے، ہو رہا ہے، یعنی قبیلہ ابھی تک نواب کے قابو میں نہیں آیا ہے۔ اب پولیٹیکل ایجنٹ نے سب کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ اور "مار دو" کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔ حال ہی میں بڑے بڑے لیڈروں کو گولی مار دی گئی۔ اور ۸۰ لیڈروں کو جیل خانوں میں ٹھونس دیا گیا۔

نواب بگٹی کا شہر نواب کے شہر میں گانا بجانا کھیلنا (کبڈی، فٹ بال وغیرہ) بغیر ٹانکے لگائے نیا کپڑا پہننا۔ قہقہہ لگا کر ہنسنا۔ بغیر اجازت شادی کرنا سب جرم ہیں۔ جلسوں اور جلوس کا تذکرہ ہی کیسا۔ ایک عورت نے اپنی نوجوان لڑکی کی شادی علاقہ بگٹی سے باہر جا کر کر دی۔ اس پر لڑکی کی ایک لاکھ کی خاندانی جائداد ضبط کرلی گئی۔ ایک بار تین کاشتکاروں کو اس جرم پر گولی مار دی گئی کہ انھوں نے بلا اجازت فصل کاٹ لی تھی۔

قبیلہ زند اس قبیلہ کے نواب نے بھی اسی طرح کے مظالم کئے تو قبیلہ تنگ آکر پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس گیا۔ اسکو درخواستیں دیں۔ اسکی موٹر کے آگے لیٹ گئے۔ بنگلے پر جاکر دھرنا دیا لیکن نتیجہ صرف اتنا نکلا کہ ان سے بھاری بھاری ضمانتیں لے لی گئیں۔ انھوں نے ایک کانفرنس کرنا چاہی تو پولیٹیکل ایجنٹ نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی۔

قتل کے قانون یہاں قتل کی سزا میں ابھی تک خون بہا ہوتا ہے۔ اور سرکاری طور پر اونچ ذات اور نیچ ذات کا اصول مان لیا گیا ہے۔ اونچ ذات کا خون بہا زیادہ اور نیچ ذات کا خون بہا کم ہوتا ہے۔ عورتوں کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ غلامی کا رواج باقی ہے۔

پھر ایک قوم کا خون

ہٹلر نے پھر وہی پرانی چال چلی۔ چیکوسلاوکیا میں ایک ننھی سی پارٹی کھڑی کردی جو اندرونی آزادی مانگنے لگی اور اس بہانے بغاوت مچانے لگی۔ جب وہاں کی حکومت نے اس کی باغیانہ سازش کو دبانے کی کوشش کی تو انصاف کا نام لے کر ہٹلر نے دخل دیا اور ایسا دخل دیا کہ چیکوسلاوکیا کا نام یورپ کے نقشے سے نکال دیا۔

اب تک ہٹلر ہر قدم جرمنی قوم کی مدد کا بہانہ لیکر اٹھاتا تھا۔ لیکن ابکی اسے بہانے کی بھی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ اس نے برطانیہ اور فرانس کی طاقت خوب ٹٹول لی ہے۔

ہٹلر کی چالبازیاں اب کچھ چھپی ہوئی نہیں ہیں جہاں کوئی پارٹی اندرونی حقوق مانگے، اور اس کے لئے ہٹلر سے مدد چاہے۔ سمجھ لو کہ اس ملک پر ہٹلر نے کیا حملہ۔

برطانیہ اور فرانس نے بھی پہچان لیا ہوگا کہ ہٹلر کا کیا منشا ہے۔ لیکن وہ خاموش رہے کیونکہ ہٹلر اب فرانس پر دانت لگا رہا تھا اور نوآبادی نوآبادی پکار رہا تھا اس لئے کچھ نہ کچھ دستور کے موافق منہ بھرائی دینا تھی، اور کچھ تعجب نہیں، بلکہ ایک حد تک یقین کیا جاسکتا ہے کہ چیکوسلاوکیا کی موت اور میونخ کے سمجھوتہ کا خاتمہ انھیں طاقتوں کی ملی بھگت سے ہوا ہے جو اسے بنا بیٹھا تھا۔ یعنی برطانیہ اور فرانس۔

نازی اور یورپ کی جمہوریتوں کی زندگی کا چکر

جواب لہرائے گا پرچم جا کے ہمالا پربت ہیں

ٹھہر ٹھہر۔ اے پیارے مُسافر کس بستی کو جاتا ہے؟

اچھا جا۔ یہ پوچھ تو جا کر آزادی کے دیوتا سے

کیا سوامی کچھ روٹھ گئے ہیں ہم دکھیا کی پوجا سے

اس بھارت میں راج ہو، وہ بھی پھر اپنی سورا جاسے

ٹھہر ٹھہر۔ اے پیارے مُسافر کس بستی کو جاتا ہے؟!

جانا ہے جا، پیارے مُسافر! میری سلامی لیتا جا

کچھ پژمردہ پھول ہی آزادی کے پیامی لیتا جا

اور تو کچھ تحفہ ہی نہیں ہے، نذرِ غلامی لیتا جا

ٹھہر ٹھہر اے پیارے مُسافر کس بستی کو جاتا ہے؟

بسلسلۂ گذشتہ   **ہم کہاں ہیں؟**   بسلسلۂ گذشتہ

(جواہر لال نہرو)

لکھنؤ کانگرس ختم ہو گئی اور ورکنگ کمیٹی کا اعلان کر دیا گیا۔ بہت کافی دماغی پریشانی کے بعد میں نے طے کیا کہ مجھے استعفیٰ نہ دینا چاہئے کیونکہ اسکا نتیجہ خطرناک ہوتا اور اس سے ساری جماعت میں گڑبڑ مچ جاتی۔ میرے سامنے جو کام تھا میں اس میں لگ گیا اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے دفتر کو ترقی دینے اور اسمیں مختلف محکمے کھولنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ ان منصوبوں کو اپنے ذہن میں لئے میں ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں گیا۔ اس میں کوئی اصولی یا بنیادی پالیسی کا سوال نہیں تھا لیکن پھر بھی مجھے یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ میرے بہت سے ساتھیوں نے میری تجویز کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ یہ اسلئے نہیں کہ انہیں ان اسکیموں پر اعتراض تھا۔ باعث یہ تھی کہ انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ ان تجویزوں کا آخری نتیجہ کیا ہوگا۔ بہت طویل اور پریشان کن بحث مباحثوں کے بعد چند بہت معمولی روزمرہ والی تجویزیں منظور ہوئیں جنہیں چند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے تھا۔

میں نے کچھ دورے کئے اور دوسری جگہوں کے علاوہ بمبئی بھی گیا۔ ہر جگہ میں نے کانگرس کے پروگرام پر جو کہ وہ لکھنؤ میں بنا تھا تقریر کی اور جماعت کو مضبوط کرنے پر زور دیا۔ اپنی تقریروں میں میں نے ہندستان کی غریبی اور بے روزگاری پر زور دیا اور بتایا کہ ان باتوں کا سچا حل صرف سوشلزم کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن سوشلزم بغیر آزادی کے نہیں آ سکتا ہے اسلئے ہم سب کو ساری توجہ آزادی حاصل کرنے ہی پر دینا چاہیئے۔ ہر جگہ میری تجویزوں کا پرجوش اور زبردست استقبال کیا گیا

جولائی ۱۹۳۶ء کے شروع میں ورکنگ کمیٹی کا ایک اور جلسہ ہوا اور میں اسمیں شرکت کرنے گیا۔ عوام کے جوش سے میرا دل بہت بڑھ گیا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میرے کچھ ساتھی اس جوش میں میرے شریک نہ تھے اور جو باتیں اٹھ رہی تھیں ان کے متعلق انہیں طرح طرح کے اندیشے ہو رہے تھے۔ انہوں نے ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دیدیا (مولانا ابو الکلام آزاد بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس جلسے

شرکت نہیں کی۔ ہم یہ دیکھکر چکرا گیا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ سمجھتے تھے کہ انکے خلاف ایک باقاعدہ اور مسلسل مہم اٹھادی گئی ہے اور انھیں دقیانوسی انسان خیال کیا جارہا ہے جنکا زمانہ گذر گیا ہو۔ جو پچھے پرانے خیالوں کی نمائندگی کرتے ہوں اور ملک کی ترقی میں روک ڈالتے ہوں۔ اور ان باتوں کا خیال کرکے انھیں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ مجھے اس مہم کا ساتھی نہیں خیال کیا جاتا تھا لیکن جو لوگ اس میں حصہ لیتے تھے انکے نظریوں سے مجھے ہمدردی تھی اور اسکو انکی بنہ بنہ تائید کیا جاتا تھا۔

ان تمام باتوں پر مجھے تعجب ہوا۔ اکا دکا آدمیوں نے بعض بعض قابل اعتراض ولد احمق پن کی تقریریں اور باتیں ضرور کیں تھیں لیکن استعفے کیلئے یقیناً یہی وجہ کافی نہیں تھی غالباً یہ مدتوں کے کشیدہ تعلقات اور - - - - - - - - - -

جھگڑے تھے جنھوں نے میرے ساتھیوں پر اثر کیا تھا، اگرچہ اسوقت یہ جھگڑے بہت تیزی سے مٹ رہے تھے۔ ایک حد تک یہ بھی محسوس کیا جاتا تھا کہ کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا رویہ ٹھیک نہیں ہے۔ اسکے تین ممبر ورکنگ کمیٹی میں شامل تھے لیکن پھر بھی ایک طرح سے یہ پارٹی مخالف پارٹی کے طریقہ پر کام کر رہی تھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اسوقت سب سے بڑی وجہ یہ احساس تھا کہ میری تقریریں کہیں دوٹروں کو ہشکا نہ دیں اور اس طرح آنیوالے الیکشن کو خراب کردیں۔ بعد میں انہوں نے جان لیا کہ میں الیکشن جیتنے میں کافی ماہر ہوں۔

گاندھی جی کے بیچ میں پڑجانے سے استعفے واپس لے لئے گئے لیکن میں وردھا سے بہت مایوسی کے عالم میں واپس ہوا میں نے محسوس کیا کہ مجھے استعفے دیدینا چاہئے اور سارا معاملہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سپرد کردینا چاہئے تاکہ آئندہ کے کام کیلئے مناسب انتظام کردیا جائے۔ میں نے الہ آباد سے گاندھی جی کے نام ایک طویل خط لکھا جسکے کچھ ٹکڑے میں یہاں لکھتا ہوں

"جب سے میں واردھا سے واپس ہوا ہوں میں جسمانی کمزوری۔ اور دماغی پریشانی محسوس کررہا ہوں بلاشبہ اسکی وجہ ایک حد تک جسمانی ہے۔ مجھے ٹھنڈک لگ گئی ہے جس سے کہ میرے گلے کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ لیکن ایک بڑی حد تک اسکی دوسری وجہیں ہیں جو دماغ اور جذبے پر براہ راست اثر کرتی ہیں۔ جب سے میں یورپ سے واپس آیا ہوں اسوقت سے میں دیکھتا ہوں کہ ورکنگ کمیٹی کے جلسے مجھے بہت تھکا دیتے ہیں۔ یہ جلسے میری قوت کم کردیتے ہیں اور ہر نئے تجربہ کے بعد مجھے قریب قریب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اور زیادہ بڈھا ہوگیا ہوں۔ مجھے کوئی تعجب نہ ہوگا اگر میرے ورکنگ کمیٹی کے ساتھیوں کو بھی یہی محسوس ہوتا ہو۔

یہ صورت ناخوشگوار ہے اور اس سے ٹھیک ٹھیک کام میں رکاوٹ پڑتی ہے؟

جب میں یورپ سے واپس آیا تھا تو مجھے بتایا گیا تھا کہ ملک میں بدنظمی پھیل گئی ہے اسلئے ہمیں آہستہ آہستہ چلنا ہے۔ پچھلے چار مہینوں میں مجھے جو تھوڑا بہت تجربہ ہوا ہے اس سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں کہیں بھی میں گیا میں نے جوش و خروش کا اظہار ہوتے دیکھا۔ اور پبلک نے جس طرح سے میری باتوں کا خیرمقدم کیا ہے اسپر مجھے بہت تعجب ہوا . . . . . آپکے معاملات کو سدھارنے اور الجھن کو روکنے کے لئے میری مدد کرنے میں جو تکلیفیں اٹھائی

ہیں انکے لئے میں آپکا مشکور ہوں۔ اسوقت اور آج بھی مجھے یقین ہے کہ جو خلیج پیدا ہورہی تھی اسکا نتیجہ ہمارے سارے کام کے لئے بہت برا ہوتا اور الکشن پر بھی اس کا اثر پڑتا۔ پھر بھی ابھی یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ ہم کہاں ہیں اور ہمارا مستقبل کیا ہے؟

میں . . . . . اپنی کتاب میں اور اسکے بعد بھی اپنے موجودہ خیالوں کے متعلق تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ یہ خیالات وقتی نہیں بلکہ میری زندگی کا حصہ ہیں اور اگرچہ یہ ممکن ہے کہ میں آگے چلکر انھیں چھوڑ دوں یا انہیں تبدیل کردوں لیکن جبتک میں بیکار بند ہوں اسوقت تک مجھے ان کو ظاہر کرنا چاہئے۔ چونکہ میں اتحاد کو اس سے زیادہ اہمیت دیتا تھا اسلئے میں نے اپنے خیالات کو زیادہ سے زیادہ نرم الفاظ میں ظاہر کرنے کی کوشش کی اور مسلمہ نتائج کے طور پر ظاہر کرنے کے بجائے انھیں سوچ بچار کی دعوت کے طریقہ پر پیش کیا۔ مجھے اس طریقہ کار اور کانگرس کی کسی کارروائی میں کوئی ٹکراؤ نہیں معلوم ہوئی . . . ."

اپنا استعفے دیدینے اور کل معاملہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی پر جسکا جلسہ اگلے مہینے بمبئی میں ہونے والا تھا چھوڑ دینے کا پکا ارادہ کرکے میں سندھ کے لئے روانہ ہوگیا۔ وہاں مجھے ہسپانی بغاوت کی خبر ملی اور اس کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ مجھے یہ بغاوت بڑھکر ایک سارے یورپ کی بلکہ بین الاقوامی جنگ کی شکل اختیار کرتی معلوم ہوئی۔ زبردست زبردست الجھنیں بہت ہی نزدیک معلوم ہوئیں۔ انہیں ہندستان کا کیا حصہ ہوگا؟ یہ میرے لئے ایک بہت اہم مسئلہ بن گیا۔ کیا عین اس موقعہ پر جب ہمارے لئے ایک ساتھ چلنا بہت ضروری تھا میں اپنی جماعت کو کمزور کرنے اور استعفے دیکر ایک اندرونی الجھن پیدا کرنے جا رہا تھا۔ میرا دماغ امیدوں کا اکھاڑہ بن گیا اور اس میں سے استعفے کے تمام خیالات نکل گئے۔

بمبئی میں ورکنگ کمیٹی نے الیکشن مینیفسٹو تیار کیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ کسی زیادہ بحث مباحثہ کے بغیر منظور کرلیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے چاروں طرف تعاون اور اشتراک کی ایک نئی فضا پیدا ہوگئی تھی اور پچھلی کشمکش کم ہوتی معلوم ہورہی تھی۔ جیسا کہ میرے ایک ساتھی نے خوش ہوکر کہا تھا۔ "پچھلے زمانہ کی فضا پھر پیدا ہورہی تھی"۔

جیسے جیسے الیکشن نزدیک آتا گیا ہم سب لوگ مہم میں جا پڑے اور اسوقت کے لئے ہمارے تمام اندرونی جھگڑے غائب ہوگئے۔ کئی مہینوں تک میں ہندستان میں پھرتا رہا اور میری آنکھوں کے سامنے سے کروروں صورتیں نکل گئیں۔ میں نے اپنے اس دیس کے ہزاروں پہلو اور انکی طرح طرح کی عجیب و غریب باتیں دیکھیں لیکن اسکے ساتھ ہی ان سب پر ہندستان کا سایہ چھایا تھا جو انھیں آپس میں ملائے ہوئے تھا۔ میں نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ ان کروروں آنکھوں کے پیچھے جو میری طرف ٹکٹکی لگائے تھیں کیسے کیسے منظر تھے۔ ان کے پیچھے کیا کیا امیدیں کیسی کیسی تمنائیں تھیں، کس کس طرح کے ان کہے رنج اور خاموش تکلیفیں!

مجھے ایسے ایسے نظارے دکھائی دئے جنسے میری نگاہ اور روشن ہوگئی۔ اور میں اپنے کروروں ہموطنوں کے مسئلوں کی انتہا اہمیت کو محسوس کرنے لگا۔

(باقی باقی)

کانگرس کا باونواں اجلاس

سبھاش چندر بوس کا خطبۂ صدارت

کامریڈ صدر، بھائیو اور بہنو!

میں چند دن کی [illegible] گھڑیوں سے آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے انڈین نیشنل کانگرس کا دوبارہ صدر بنا کر ایک بہت بڑا اعزاز بخشا ہے۔ اسکے علاوہ آپ نے جس گرمجوشی سے میرا استقبال کیا ہے وہ قابل تشکر ہے۔ یہ سچ ہے کہ آپ نے میری درخواست پر میرے استقبال میں سے دھوم دھام اور شان و شوکت کا ایک بہت بڑا حصہ نکال ڈالا ہے لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اس سے آپ کے جوش اور مہمانداری میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی۔

بہرحال مجھے امید ہے کہ اس سے کسی کو افسوس نہ ہوا ہوگا۔

دوستو! قبل اسکے کہ میں آگے بڑھوں میں راجکوٹ ونیز معاملہ میں مہاتما گاندھی کی کامیابی اور انکے برت کے ختم ہونے پر آپ حضرات کی خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ تمام ملک اب ایک اطمینان محسوس کر رہا ہے اور اسے بہت بڑا سکون حاصل ہو گیا ہے۔

ماقبل کا یہ سال ہمارے لئے کئی لحاظ سے ایک غیرمعمولی سال ثابت ہوگا۔ اول مرتبہ کانگرس کے صدر کا انتخاب پرانے ڈھرے پر نہیں ہوا ہے چناؤ کے بعد بہت سے سنسنی خیز واقعات پیش آئے مثلاً خاتمہ نہیں ہوا کہ ورکنگ کمیٹی کے پندرہ ممبروں میں سے بارہ ممبروں نے استعفے دیدیئے۔ ان بارہ ممبروں کی لیڈری سردار ولبھ بھائی پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد، اور بابو راجندر پرشاد کرنے کی تھی۔ اسکے علاوہ ورکنگ کمیٹی کے ایک اور ممتاز ممبر پنڈت جواہر لال نہرو نے گو باضابطہ طور پر استعفے نہیں دیا مگر اخبارات کو ایک ایسا بیان دیا جس نے ہر ایک شخص کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ انھوں نے بھی استعفے دیدیا ہے۔ تری پوری کے موقع پر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ مہاتما گاندھی کو مجبور ہو کر فاقہ کشی کرنا پڑی۔ ان سب کے بعد صدر کانگرس کی صحت سخت خراب ہے۔ اسلئے اگر یہ کہا جائے کہ اس سال کا صدارتی ایڈریس سب سے چھوٹا ایڈریس ہوگا تو کوئی بیجا بات نہ ہوگی۔

ساتھیو! آپ جانتے ہیں کہ انڈین نیشنل کانگرس کے مہمان کی حیثیت سے مصر کا ایک وفد جو آپکے درمیان موجود ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ وفد کے تمام اراکین کا پرجوش استقبال کرنے میں میرے ساتھ ہونگے ہمیں اس چیز سے نہایت خوشی ہے کہ ہماری دعوت پر ان حضرات نے طول طویل سفر اختیار کیا۔ لیکن ہمکو اس بات کا افسوس بھی ہے کہ بعض سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے مصطفےٰ نحاس پاشا سابق وزیر اعظم مصر اور وفد پارٹی کے لیڈر نہ آسکے۔ مصطفےٰ نحاس پاشا اور مصری وفد کے صدر و اراکین سے میری ذاتی ملاقات ہے۔ اسوجہ سے میں اور بھی زیادہ خوش ہوں۔ اپنے ملک کے رہنے والوں کی طرف سے میں ایکبار پھر انکو بہت گرمجوشی سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ فروری ۱۹۳۸ء سے جب ہم ہری پورہ میں جمع ہوئے تھے آج کے دن تک بین الاقوامی سیاست بہت کچھ پلٹے کھا چکی ہے۔ ان میں سب سے اہم واقعہ ستمبر ۱۹۳۸ء کا معاہدہ میونخ ہے جسکی رو سے فرانس اور برطانیہ نے نازی جرمنی کے پیروں پر اپنے سروں کو رکھدیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں فرانس کی ساکھ اور اقتدار سب ختم ہو گیا اور خون کا قطرہ بھی نہیں بہا اور یورپین ممالک کی چودھراہٹ جرمنی کے ہاتھوں میں آگئی۔ جمہوری آئین آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس سے فسطائی اٹلی اور نازی جرمنی کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ دوسری طرف دنیا کی جمہوریتوں یعنی برطانیہ اور فرانس نے اٹلی اور جرمنی سے اتحاد پر [illegible] اکتفا کر لیا کہ روس کو یورپ کی سیاست سے بالکل الگ تھلگ کیا جائے۔ کیا یہ تماشا اب تک ہوتا [illegible] اور روس کو ذلیل کرنے کی کوشش سے برطانیہ اور فرانس کو حاصل کیا ہوا؟ اس میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئے کہ حال کے بین الاقوامی تغیرات کی وجہ سے فرانس اور برطانیہ کو یورپ اور ایشیا میں ایک بہت بڑا دھکا پہونچا ہے اور انکے اقتدار اور انکی ساکھ میں بہت کمی آگئی ہے۔

اپنی ملکی سیاست کی طرف آتے ہوئے، اپنی خرابی صحت کیوجہ سے، میں صرف چند اہم مسائل کی طرف اشارہ کرونگا۔

سب سے پہلے مجھے اپنے اس خیال کا نہایت صاف اور واضح طریقہ سے اظہار کر دینا چاہئے جو کچھ عرصہ سے میرے دل میں گھر کر چکے ہیں یعنی وقت آگیا ہے کہ ہم سوراج کے مسئلہ کو اٹھائیں اور برطانوی حکومت کے سامنے اپنے مطالبات ایک الٹی میٹم کی صورت میں پیش کر دیں

وہ وقت بہت عرصہ ہوا گذر گیا کہ ہم ایک بچاؤ کا طریقہ اختیار کئے رہیں اور اس بات کا انتظار کریں کہ کب فیڈرل اسکیم ہم پر ٹھونسی جاتی ہے۔ اب مسئلہ یہ نہیں رہا کہ فیڈرل اسکیم کب ہمارے سروں پر لادی جائے گی۔ بلکہ ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ اگر فیڈرل اسکیم اسوقت تک کیلئے ملتوی کر دی گئی جب تک کہ یورپ میں امن نہ قائم ہو جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کرنا چاہئے کہ جیسے ہی یورپ میں امن قائم ہوگا اور اطمینانی حالت ہوگی خواہ وہ فرانس، برطانیہ، جرمنی، اٹلی کے اتحاد سے ہو یا کسی اور طرح سے، تو اسوقت برطانیہ اپنی نوآبادیات اور مقبوضات میں بہت سختی سے کام لیگی۔ دوسری طرف برطانیہ نے یہودیوں کی طرفداری میں عربوں کو کچلنے کی جو ٹھانی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ سمجھ رہی ہے ابھی ہم بین الاقوامی جھگڑوں کے مقابلہ میں کمزور ہیں۔

اسلئے میرے خیال میں ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے قومی مطالبہ کو ایک الٹی میٹم کی شکل میں حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کر دیں اور ایک وقت مقرر کر دیں جسکے اندر جواب آ جانا چاہئے اگر اس عرصہ میں کوئی جواب نہ آئے یا اطمینان بخش جواب نہ آئے تو ہمیں اپنے اس قومی مطالبہ کو منوانے کیلئے ان تمام ذرائع اور اختیارات جنکو ہم کام

میں لا سکتے ہیں۔ استعمال کرنا چاہئیں۔

آج ہمارے قبضہ میں جو ہتھیار ہے وہ ستیہ گرہ یعنی عوام کی سول نافرمانی ہے۔ اور موجودہ حالت میں برطانوی حکومت اسقدر مضبوط نہیں ہے کہ وہ آل انڈیا ستیہ گرہ کی ایسی خطرناک لڑائی کا ایک لمبے عرصہ تک سامنا کر سکے۔

اس بات کے احساس سے سخت تکلیف ہوتی ہے کہ کانگرس میں بہت سے ایسے ناامید لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ برطانوی حکومت پر ایک بڑے حملے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ لیکن حالات پر اگر ایک صحیح اور گہری نگاہ ڈالی جائے۔ تو مجھے طرح کی ناامیدی فضول معلوم ہوتی ہے۔

آٹھ صوبوں میں کانگرس کے برسر اقتدار آ جانے سے ہماری اس قومی جماعت کی طاقت اور عزت بہت بڑھ گئی ہے۔ تمام برطانوی ہندمیں عوامی تحریک نے زبردست ترقی کر لی ہے۔ اور دوسری طرف ایک اور بڑی طاقت پیدا ہو رہی ہے۔ یعنی دیسی ریاستوں کے باشندوں کی بیداری۔ سوراج حاصل کرنے کے لئے ہماری قومی تاریخ میں اس سے زیادہ اور کون سا مناسب موقع ہاتھ آئے گا خاص کر جبکہ بین الاقوامی حالات ہمارے موافق ہیں۔

ایک سردار حقائق پسند کی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ صورت حال کی تمام باتیں ہمارے لئے اتنی موافق ہیں کہ ہر شخص کو بڑی سے بڑی امید رکھنا چاہئے۔ اگر ہم صرف اتنا کر لیں کہ اپنے اختلافات ختم کر دیں، اپنے تمام ذرائع کو کام میں لے آئیں اور قومی جدوجہد میں اپنا پورا زور لگا دیں، تو ہم برطانوی سامراج پر ایسا حملہ کر سکتے ہیں جسکو کسیطرح برداشت نہیں کیا جا سکے گا۔ کیا ہم میں ایک ایسی سیاسی دور اندیشی پیدا ہو جائے گی کہ ہم اپنی موجودہ موافق صورت حال سے ہر ممکن فائدہ اٹھا لیں یا یہ کہ ہم اس موقع کو ہاتھ سے نکل جانے دیں گے جو ایک قوم کی تاریخ میں ایک نادر موقع ہے۔

میں ابھی ہندستانی ریاستوں کی رعایا کی بیداری کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ میرا یقینی خیال ہے کہ ریاستوں کے بارے میں ہمیں اپنے اس رویہ میں تبدیلی کرنا چاہئے۔ جو ہری پورہ کانگرس کی قرارداد میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ خود جانتے ہیں، اس قرارداد کی رو سے بہت سی تحریکوں کی جو کانگرس کے نام سے ریاستوں میں شروع کیجا سکتی تھیں ممانعت کر دی گئی ہے۔ اس قرارداد کی رو سے کانگرس کے نام سے کسی ریاست میں نہ تو پارلیمنٹری کام اٹھایا جا سکتا ہے اور نہ اصلی جدوجہد، مگر ہری پورہ کانگرس کے بعد سے بہت سے نئے واقعات ہو چکے ہیں۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ "بالادست حکومت" بہت سی جگہوں پر ریاستی حکام کا ساتھ دے رہی ہے۔ ان حالات میں کیا ہم کانگرس کے آدمیوں کو ریاستی رعایا سے اور زیادہ نزدیک نہ ہو جانا چاہئے؟ میرے ذہن میں یہ بالکل صاف ہے کہ ایسے حالات میں ہمارا فرض کیا ہے۔ ہری پورہ والی پابندیوں کو ختم کر دینے کے علاوہ ورکنگ کمیٹی کو چاہئے کہ وہ ایک منظم اور جامع طریقہ پر ریاستوں میں سوائے نمائندہ اور ذمہ دار حکومت کے حاصل کرنے کے لئے مختلف تحریکوں کی رہنمائی کرے

ابھی تک جو کچھ کام ہوا ہے وہ محض بے جوڑ اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا ہے اور اسکے پیچھے مشکل ہی سے کوئی نظام یا منصوبہ رہا ہے۔ مگر وقت آگیا ہے کہ ورکنگ کمیٹی خود اس کام کی ذمہ داری لے اور اسے باقاعدہ اور جامع طریقہ سے انجام دے اور اگر ضرورت سمجھے تو اس مقصد کیلئے ایک خاص سب کمیٹی بنائے۔ اس سلسلہ میں مہاتما گاندھی کی رہنمائی اور ریاستی عوامی کانفرنس کے اتحاد عمل سے ہمیں پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

سوراج حاصل کرنے کے لئے ایک فیصلہ کن کوشش کرنے کا میں نے ابھی تذکرہ کیا تھا۔ اسکے لئے میں ایک عمدہ تیاری کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اپنی صفوں میں سے ان چیزوں کو دور کرنا پڑیگی کہ جن سے ہم کانگرس سے تمام برائیوں اور سب عناصر کو جو طاقت حاصل کرنے کی خواہش سے پیدا ہوئی ہیں نکال سکیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ہمیں ملک کی تمام سامراج دشمن جماعتوں خاص کر کسان اور مزدور تحریکوں سے پورا پورا اشتراک عمل کرنا پڑیگا۔ ملک کے تمام غیر پسند عناصر کو ہم آہنگی اور تعاون کے ساتھ کام کرنا چاہئے اور تمام سامراج دشمن جماعتوں کی کوششیں برطانوی حکومت پر فیصلہ کن حملہ کرنے ہی پر صرف ہونا چاہئیں۔

دوستو! آج کانگرس کا مطلع دھندلا ہو رہا ہے اور نااتفاقی کے بادل چھا رہے ہیں اسلئے ہمارے بہت سے دوست مایوس اور افسردہ ہو رہے ہیں۔ مگر میں ایک مضبوط اور مستقل امید رکھنے والا شخص ہوں۔ آج آپ جو بادل دیکھ رہے ہیں وہ گذر جانے والے ہیں

مجھے اپنے ملک والوں کی حب الوطنی پر بھروسہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد ان مشکلوں کو ختم کر دیں گے اور اپنی صفوں میں ہم آہنگی و اتحاد قائم کر دیں گے ۱۹۲۲ء میں گیا کانگرس کے موقع پر بھی اسی طرح کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی جب دیش بندھو داس اور پنڈت موتی لال نہرو نے سوراج پارٹی کی بنیاد رکھی تھی۔

خدا کرے کہ دیش بندھو داس اور پنڈت موتی لال نہرو اور ہندستان کے دیگر بڑے سپوتوں کی روحیں اس موجودہ الجھن کے وقت ہماری صحیح رہنمائی کریں اور خدا کرے کہ مہاتما گاندھی جو ہماری قوم کی ہدایت اور امداد کیلئے اب بھی ہم میں موجود ہیں کانگرس کو موجودہ مصیبت سے نکال لیں ــــ یہی میری سب سے بڑی دعا ہے۔

بندے ماترم

پیش کیے تھے۔ (۱) ہنگرین قیدی فوراً چھوڑ دیے جائیں (۲) ہنگرینوں پر سے مقدمے فوراً اٹھا لیے جائیں انھیں جتھا بندی کا حق دیا جائے۔ (۳) ہنگرین رضاکار جماعتوں کو بندوقیں فراہم کی جائیں (۴) ہنگری کے اندر اندر چیک فوجیں روتھینیا خالی کرنا شروع کر دیں اور (۵) ہنگرین جائداد کا خیال رکھا جائے۔ چیکو حکومت نے ۴ شرطیں منظور کر لیں لیکن روتھینیا میں ہنگرین باشندوں کو اپنے مسلح جتھے تیار کرنے کی اجازت دینے پر تیار نہیں ہوئی۔

برطانوی وزیراعظم چیمبرلین کا بیان

۱۵ مارچ کو چیکوسلاواکیہ کی اُلجھن پر بیان دیتے ہوئے وزیراعظم نیول چیمبرلین نے کہا کہ حکومت برطانیہ میونخ کے معاہدہ پر دستخط کرنے والی اور حکومتوں کو چیکوسلاواکیہ کی سرحد کی ضمانت پر راضی کرنے میں کامیاب رہی ہے اور اب وہ بھی اپنے کو اس معاہدہ کا پابند نہیں خیال کر سکتی۔

انھوں نے بتایا کہ جرمنی نے آج جو کچھ کیا ہے میونخ معاہدہ پر دستخط کرنے والوں میں سے کسی کو اس کا خیال بھی نہ تھا مسٹر چیمبرلین کی رائے میں میونخ کا معاہدہ ایک سمجھوتہ کے مراجر تھا اور جس طریقہ پر چیکوسلاواکیہ میں ہوا

مختصر خبریں

بنگال کی وزارتی پارٹی میں پھوٹ

۱۱ مارچ کو بنگال اسمبلی میں بجٹ پر بحث کے دوران میں عبدالجبار صاحب پہلوان وزارتی پارٹی کی نشستوں سے اُٹھ کر مخالف پارٹی کی طرف بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انھوں نے بجٹ میں ایک تخفیفی تحریک پیش کی اور اس پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ وزارت اپنے وعدے پورے کرنے میں بالکل ناکام رہی ہے۔ عبدالجبار صاحب نے اس سلسلہ میں کانگرسی وزارتوں کی بڑی تعریف کی۔

معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند ہندستان کے ایک سو اینگلو انڈین آدمیوں کو فوج کے مشینی دستوں میں بھرتی کرنے والی ہے۔ کچھ دن ہوئے جب حکومت نے

موجودہ تبدیلیاں کی گئی ہیں اسے اس سمجھوتہ کے مطابق خیال نہیں کیا جا سکتا۔

آگے چل کر انھوں نے کہا کہ اب جرمنی نے اپنی فوج سے پہلی مرتبہ ایک ایسی قوم پر قبضہ کیا ہے جس کو جرمنی سے کوئی نسلی تعلق نہیں ہے۔ تو ظاہر ہے بین الاقوامی تعلقات میں گڑبڑ مچائے بغیر نہیں رہ سکتی

فوجی معاملات کی تحقیقات کے لئے چیٹ فیلڈ کمیشن کے نام کی ایک کمیٹی مقرر کی تھی ہندستان کی اینگلو انڈین آبادی کے نمائندوں نے کمیٹی سے درخواست کی کہ اینگلو انڈین نوجوانوں کے ساتھ مشینی فوج میں بھرتی ہونے میں خاص رعایت کی جائے۔

۹ مارچ کو لاہور میں پولیس نے پولیس ایکٹ کی دفعہ ۱۵۱ (شارع عام پر ایسی حرکت کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو) کے ماتحت ستر سے اوپر تانگے والوں کو گرفتار کر لیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان لوگوں پر ایک روپیہ سے لیکر چار روپیہ تک کے مختلف جرمانے کئے اور عدم ادائی کی صورت میں ۳ دن کی قید محض کی سزا دی۔ زیادہ تر فقیروں نے جرمانہ نہیں ادا کیا اور جیل بھیج دیئے گئے۔

جاپان کے سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء کے بجٹ میں ۳ ارب ۶۹ کروڑ ین کا خرچ دکھایا گیا ہے۔ اس میں ۳ ارب ۶۹ کروڑ اور ۴۰ لاکھ ین کے معمولی بجٹ کے علاوہ چین کی لڑائی کے لئے ۴ ارب ۶ کروڑ اور ۵۰ لاکھ ین کا غیر معمولی بجٹ شامل ہے۔ اور بحری بیڑا اور وزارتی اخراجات کے لئے ۹۹ کروڑ ین رکھے گئے ہیں۔

زیابیطس کیلئے طب قدیم کا گرانمایہ تاریخی نسخہ

مبارک ہیں وہ خاندان جنکے بزرگوں نے طب قدیم کے بکھرے ہوئے انمول موتیوں کو فراہم کرنے میں عمریں صرف کر دیں لیکن انکی یہ کوششیں کچھ زیادہ موثر اور سود مند ثابت نہ ہو سکیں۔ کیونکہ بعض تو ان طبی جواہر پاروں کو سینہ بسینہ دھرے قبروں میں لے گئے اور بعض نے اپنی میراث سمجھکر ہوا تک نہ لگنے دی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندستان اس دور میں بھی کچھ ... اور خرگوش کا منظر بن کر رہ گیا۔ اور دوسرے ممالک بہت دور نکل گئے۔ تاہم اگر پرانے رتنوں کی تحقیق و تجربات کو منظر عام پر لایا جائے تو آج بھی ہندستان جدید سائنس کے طلسم کو تار تار کر سکتا ہے جس کا ثبوت راولپنڈی کے شہرہ آفاق معالج مرحوم بخشی حاکم رائے کا ذیابیطس کا وہ تاریخی نسخہ ہے۔ جو انکی موت کے بعد گذشتہ دو سال سے انکے صاحبزادے بخشی چمن لعل صاحب سال میں صرف ایکبار تیار کرواتے ہیں۔ اس سال آپنے پبلک کے عوام کیلئے اسے تیار کرانیکا وعدہ کرتے ہوئے ذیل کا اعلان کیا ہے۔

گذشتہ سال جب ملک و قوم کی بیس سالہ مسلسل جدوجہد پر میں نے ذیابیطس طب قدیم کا نسخہ ایک بار تیار کروانے کا وعدہ کیا اور اس فرض کو ادا کر چکا تو مجھے یو۔ پی کے موثر کیطرف سے مجبور کیا گیا کہ آپ نے اس اکسیری نسخہ کو ایکبار ہی تیار کیا تھا تو پھر دوسرے صوبوں کو کیوں نظر انداز کیا گیا جسکا جواب میں نے یہ دیا کہ اب تو وقت اور روا کی دوبارہ تیاری کا موسم گذر چکا ہے البتہ آئندہ سال آپکے حکم کی تعمیل کر دونگا۔ آج اسی وعدہ کو پورا کرتے ہوئے صوبجات متحدہ کے عوام کو دعوت دیتا ہوا اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ نسخہ کو یراج دینو مترو پُد شاستری آیورویدک دبنارس) کی زیر نگرانی تیار کرا رہا ہوں جو ایک ہفتہ تک تیار ہو جائیگا۔ اسلئے ضرورتمند اصحاب کو مجھے (بخشی چمن لعل۔ چمن لاج جیکو لین جکوال ضلع جہلم) کے پتہ پر ۱۲ ... ۱۳ ... تاکہ بعد میں مایوس نہ ہو۔

... پنجاب میں ... کا رواج ہوتا ہے ... سلام ... کی شکایت ... ہندستان کے ... مرض کی ابتدائی اور انتہائی حالتوں میں یکساں مفید ... کامیاب ... ثابت ہو چکا ہے ...

... مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ... تاریخی لحاظ سے یہ نسخہ ... مغلیہ کے زمانہ کا بیان کیا جاتا ہے ... کے ہاتھ لگا ... مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر ... سنگھ کو بطور تحفہ پیش کیا گیا ... سنگھ کے ... مرحوم والد بخشی حاکم رائے صاحب نے حاصل کیا۔

... مکمل ... عوام کو شاید بہت زیادہ معلوم ہوگی لیکن ... کی بات نہیں ... قیمتی اشیا اور محنت طلب اجزاء ... عوام ... پیش کر رہا ہوں ... ذریعہ معاش بنانا نہیں چاہتا مجھے پرماتما نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔

تری پوری کانگرس کی قراردادیں

گاندھی جی پر پورا بھروسہ

"صدارت کے چناؤ اور اسکے بعد کے بحث مباحثہ سے کانگرس اور ملک میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں انکو دیکھتے ہوئے یہ مناسب ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی اپنی پوزیشن کو صاف کردے اور اپنی عام پالیسی کا اعلان کردے۔

کمیٹی اعلان کرتی ہے کہ کانگرس کی انہی بنیادی پالیسیوں پر پابند ہے جو پچھلے سالوں میں مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں اسکا پروگرام بناتی رہی ہیں۔ اور اس کی قطعی رائے ہے کہ یہی پالیسیاں آئندہ بھی اسکے پروگرام کو بناتی رہیں۔ کمیٹی پچھلے سال کی ورکنگ کمیٹی کے کام پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتی ہے اور افسوس کرتی ہے کہ اسکے کسی ممبر پر کچھ بہتان لگائے گئے ہیں۔ اس سال جس نازک صورت حال کے پیدا ہو جانے کا امکان ہے اسے دیکھتے ہوئے اور اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ اس الجھن میں صرف مہاتما گاندھی کانگرس اور ملک کی رہنمائی کرکے اسکے فتح دلا سکتے ہیں، اسکو بہت ضروری خیال کرتی ہے کہ کانگرس کی مجلس انتظامیہ کو انکا پورا اعتماد حاصل ہو۔ اسلئے یہ کمیٹی صدر سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس سال کیلئے ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو گاندھی جی کی خواہشات کے مطابق نامزد کریں۔

قومی مطالبات

پچاس برس سے اوپر سے کانگرس ہندستانی عوام کی ترقی کے لئے کوشش کر رہی ہے اور آزادی کیلئے ہندستانی عوام کی مانگوں کی نمائندگی کرتی رہی ہے۔ پچھلے بیس برس سے کانگرس ملک کے عوام کی طرف سے برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے اور عوام کی قربانی۔ نظم اور ایثار سے اسنے قوم کو اسکے مقصد یعنی آزادی کے راستہ میں بہت دور تک بڑھا دیا ہے۔ عوام کی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے کو بدلتی اور ترقی کرتی ہوئی صورت حال کے مطابق بناتی رہی۔ اور مختلف پروگراموں پر کام کرتے ہوئے۔ وہ ہمیشہ ہندستان کی آزادی اور ملک میں ایک جمہوری حکومت قائم کرنے کیلئے کام کرتی رہی ہے۔

"دستور اساسی ہند کو ختم کرنے کے پورے ارادے کے ساتھ اسنے اسے رد کرتے ہوئے طے کیا ہے کہ اس قانون میں جو صوبائی خودمختاری ہے۔ اگرچہ وہ بہت کم اور محدود ہے تاہم قومی تحریک کو مضبوط کرنے اور ان حالات میں جہاں تک ممکن ہے عوام کی امداد کرنے کیلئے اسنے اس سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس قانون کے فیڈریشن والے حصہ پر کانگرس نے اپنی غیر مشروط مخالفت اور اسکے نفاذ کو روکنے کے ارادے کا اعلان کردیا ہے۔

"کانگرس نہیں سچائی کے ساتھ قوم کیلئے آزادی حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کرتی ہے۔ ہندستانی عوام کسی دوسرے قانون یا اس مسئلہ کے کسی دوسرے حل کو قبول نہیں کرسکتے۔

"کانگرس کی رائے ہے کہ ہندستان کی صورت حال میں۔ قومی تحریک کی منظم طاقت عوام کی بیداری میں عظیم الشان ترقی۔ ہندستانی ریاستوں کے عوام میں ایک نئی بیداری۔ اور اسکے ساتھ ہی بین الاقوامی صورت حال کی تیز رفتاری کو دیکھتے ہوئے اب ہندستان میں خود اختیاری کے پورے پورے اعلان کا وقت آگیا ہے۔ ہندستانی عوام ایک کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے ذریعہ آزاد جمہوری حکومت قائم کرسکیں۔ یہ مانگ عوام کے صرف پیدائشی حق اور وقار ہی کی نہیں۔ بلکہ اقتصادی اور دوسرے مسئلے بھی جو عوام پر برابر اپنا بوجھ ڈالتے رہتے ہیں اسوقت تک حل نہیں ہو سکتے اور نہ ہندستان اپنی غریبی سے چھٹکارا پاکر موجودہ ترقی میں دو قدم بھی تھوڑا سا بڑھ چل سکتا ہے جب تک عوام کو ترقی اور آگے بڑھنے کے موقعے نہ ملیں۔ اور یہ موقعے صرف آزادی ہی سے مل سکتے ہیں۔

"صوبجاتی آزادی میں ترقی کیلئے اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جہاں اصلاحوں کی جو گنجائش ہے وہ بھی تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ مجوزہ فیڈریشن ہندستان کو اس سے بھی زیادہ جکڑ دے گا اور اسلئے اسے قبول نہیں کیا جائیگا اسلئے کانگرس کی مضبوطی سے یہ رائے ہے کہ سامنے دستور اساسی ہند کی جگہ پر خود عوام ہی کا بنایا ہوا آزاد ہندستان کا دستور اساسی لایا جائے۔ ایک آزاد اور جمہوری ہندستان ان مسئلوں کے حل جلد اور معقول طریقہ پر نکال لے گا۔ اور اپنے کو دنیا کی ترقی پسند قوموں کا ہم پلہ بنا لیگا اور اس طرح جمہوریت اور آزادی کی مدد کریگا

کانگرس کے مقصد کے حصول میں جلدی کرنے کیلئے۔ قومی اور بین الاقوامی الجھنوں کا جو ملک کے سامنے ہیں معقول طرح سے مقابلہ کرنے کے لئے اور ملک کو ایک قومی جدوجہد کے واسطے تیار کرنے کے لئے یہ کانگرس اپنی تمام شاخوں، صوبائی کانگرسی حکومتوں اور عوام سے خواہش کرتی ہے کہ وہ آپسی اتحاد کو مضبوط کرکے تباہی لانے والے اثرات کو جو فرقہ وارانہ جھگڑے اور قومی نا اتفاقی پھیلاتے ہیں دور کرنے کی کوشش کرکے صوبائی حکومتوں کے کاموں کو قانون ساز اسمبلیوں کے باہر کی کارروائیوں سے ملا کر کے۔ اور جماعت کو عوام کی خواہشوں کا اور زیادہ موثر ترجمان بنانے کی غرض سے مضبوط کرکے۔ اس مقصد کیلئے کام کریں "

خارجی پالیسی

"کانگرس پورے طور سے برطانیہ کی خارجی پالیسی جسکے نتیجہ میں میونخ کا معاہدہ اور اینگلو۔اطالوی معاہدہ ہوا ہے اور باغی اسپین کو تسلیم کر لیا گیا ہے، اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کرتی ہے۔ جان بوجھ کر جمہوریت کے ساتھ غداری، متعدد بار ملکناموں کی خلاف ورزی، مشترکہ حفاظت کے طریقہ کا خاتمہ اور جمہوریت و آزادی کی علانیہ دشمن طاقتوں کے ساتھ تعاون، اس پالیسی کا ماحصل ہے۔

"اس پالیسی کے نتیجہ کے طور پر دنیا ایک بین الاقوامی مزاج کی حالت پر آتی جا رہی ہے جہاں وحشیانہ تشدد بلا کسی روک ٹوک کے فتح پا رہا ہے اور ترقی کر رہا ہے اور قوموں کی قسمت کا فیصلہ کر رہا ہے اور امن کے نام پر حد درجہ خطرناک لڑائی کے لئے عظیم الشان تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ وسطی اور جنوبی مغربی یورپ میں بین الاقوامی اخلاق اتنی پستی میں گر گیا ہے کہ ساری دنیا یہودی نسل کے اوپر نازی حکومت کی منظم دہشت انگیزی اور اسپین میں شہریوں۔ سول آبادی۔۔۔۔ اور بے یار و مددگار پناہ گزینوں پر باغی فوجوں کی مسلسل بمباری دیکھکر دہل گئی ہے۔

"کانگرس برطانیہ کی خارجی پالیسی سے جو برابر فسطائی طاقتوں کی مدد کرتی رہی ہے اور جمہوری ملکوں کی تباہی میں ساتھ دے رہی ہے پورے طور پر اپنی بے تعلقی کا اعلان کرتی ہے۔ کانگرس سامراج اور فسطائیت دونوں کی مخالف ہے اور اسے یقین ہے کہ دنیا کے امن اور ترقی کیلئے ان دونوں کو ختم کر دینا ضروری ہے کانگرس کی رائے میں ہندستان کے لئے اسبات کی اشد ضرورت کہ وہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آپ ہی اپنی خارجی پالیسی مرتب کرے۔ اور اسطرح سے سامراج اور فسطائیت دونوں سے دور رہکر امن اور آزادی کے راستہ پر آگے بڑھے۔"

ہندستانی ریاستیں

"کانگرس ملک کے مختلف حصوں میں ریاستی عوام کی بیداری کا خیر مقدم کرتی ہے اور اسکو اس سے بڑی آزادی کا، جو سارے ہندستان کیلئے ہوگی اور جسکے لئے کانگرس برابر کوشش کرتی رہی ہے، ایک پر امید پیش خیمہ خیال کرتی ہے۔ کانگرس ریاستوں میں ذمہ دار حکومت اور سول آزادی کے مطالبوں کی تائید کرتی ہے اور اظہار طلب آزادی کی ان تحریکوں کے ساتھ جو اس سے بڑی جد و جہد کا ایک لازمی حصہ ہیں اپنی ہم آہنگی کا اعلان کرتی ہے۔ کانگرس اسبات کی قدر کرتی ہے کہ بعض ریاستوں کے حکمرانوں نے اس بیداری کو ترقی کی ایک اچھی علامت تسلیم کر لیا ہے اور اپنی رعایا کے تعاون سے اپنے کو اسکے مطابق بنانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اسکے ساتھ ہی کانگرس کو افسوس ہے کہ بعض دوسرے حکمرانوں نے پر امن اور حق بجانب جماعتوں اور تمام سیاسی کارروائیوں کی مانعت کرکے اور بعض اوقات بے رحمانہ اور انسانیت کش مظالم سے کام لیکر ان تحریکوں کو کچلنے کی کوشش کی ہے۔

"گاندھی جی نے ٹھاکر صاحب راجکوٹ کے سمجھوتہ کو جسمیں ایک طرف ٹھاکر صاحب اور انکے مشیر کار تھے اور دوسری طرف رعایا کے نمائندہ کی حیثیت سے سردار ولبھ بھائی پٹیل تھے اور جس سے ٹھاکر صاحب پھر گئے تھے پورا کرانے کیلئے ایک محدود برت رکھنے کا اعلان کر دیا اور اس سے سارے ہندستان میں زبردست تہلکہ مچ گیا۔ کانگرس کو خوشی ہے کہ حال ہی میں سمجھوتہ ہو جانے پر برت ختم ہو گیا ہے اور کانگرس امید کرتی ہے کہ راجکوٹ کے عوام کی تمنائیں پوری ہو جائینگی۔ اور یہ بھی امید کرتی ہے کہ کاٹھیاوار اور ہندستان کے دوسرے حصوں کے والیان ریاست وقت کے ساتھ ساتھ چلینگے اور اپنی رعایا کے اشتراک عمل سے عوامی حکومت قائم کرینگے۔

"کانگرس کی رائے ہے کہ ریاستوں کے بارے میں ہری پورہ کے اجلاس کی قرارداد سے جو امیدیں پیدا ہوئی تھیں وہ پوری ہو گئیں اس قرارداد نے ریاستی عوام کو اپنی تنظیم کرنے اور اپنی آزادی کی تحریک کو خود ہی چلانے کی ہمت دلاکر اپنی سچائی ثابت کر دی ہے۔ ہری پورہ کی پالیسی ریاستی عوام کے بہترین مفاد کو پیش نظر رکھکر بنائی گئی تھی تاکہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنے میں خود اعتمادی اور طاقت پیدا کر سکیں۔ یہ پالیسی حالات کو دیکھکر اور ان حالات میں جو لازمی پابندیاں تھیں انکا خیال کرکے مرتب کی گئی تھی لیکن یہ کبھی فرض نہیں کیا گیا۔ کانگرس کو ہمیشہ یہ حق رہا ہے ـــ جیسا کہ اس کا فرض بھی ہے ـــ کہ وہ ریاستی عوام کی رہنمائی کرے اور اپنے اثر سے انہیں مستفید کرے۔ ریاستی عوام میں جو زبردست بیداری پھیل رہی ہے اس سے ممکن ہے کہ یہ پابندی جو کانگرس نے اپنے اوپر لگا رکھی ہے ڈھیلی کر دی جائے یا اسے بالکل ہٹا دیا جائے۔ اور اس طرح روز بروز ریاستی عوام کانگرس سے ملتے رہینگے۔

"کانگرس اس بات کو دہرانا چاہتی ہے کہ اسکا مقصد یعنی مکمل آزادی سارے ہندستان کے لئے ہے جسمیں ریاستیں بھی شامل ہیں جو کہ ہندستان کا ایک ضروری حصہ ہیں جسے الگ نہیں کیا جا سکتا اور ان کو بھی اتنی ہی سیاسی، سماجی اور اقتصادی آزادی ملنا چاہئے جتنی کہ بقیہ ہندستان کو حاصل ہو۔"

جماعت کی اصلاح

"چونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اکثر ممبر بھرتی کرنے کے دوران میں الکشنوں میں یا اور دوسرے کاموں میں خرابیاں پڑ جانے کی وجہ سے کانگرس کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت ضروری ہے کہ یہ تمام خرابیاں دور کر دیجائیں اسلئے کانگرس آل انڈیا کانگرس کمیٹی کو اختیار دیتی ہے کہ وہ اس مقصد کیلئے مناسب کارروائیاں کرے۔ ان اختیارات میں دستور العمل کی تبدیلی بھی شامل ہے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کو حق ہوگا کہ وہ دستور العمل کی ان تبدیلیوں کو فوراً نافذ کر دے۔ یہ کانگرس ورکنگ کمیٹی کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ موجودہ ممبروں کے رجسٹروں کی جانچ کرے انکی غلطیوں کو دور کرے اور جماعت کو مضبوط کرنے اور اسکو کانگرس کے دستور العمل کے مطابق بنانے کیلئے اور بھی مناسب کارروائیاں کرے۔"

اِس قدر دُور مگر پھر بھی نزدیک

کام سے فرصت پاکر جب وہ ایک گھڑی وہاں نظر دوڑاتا ہے تو وہ اِس قدر دُور مگر پھر بھی نزدیک دکھائی دیتا ہے۔ ریلوے نے ہندوستان کی شان وشوکت کو ہر شخص کے دیکھنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ آپ سفر کیجئے اور اپنی زندگی کو معلومات سے پُر کیجئے۔ ریلوے آپ کے لئے اِنتہائی سستا اور اِنتہائی آرام دِہ سفر کا انتظام کرتی ہے۔

ریلوے

ہندوستان میں سفر کرنے کا سب سے سستا ذریعہ

R B.K/21

مصری وفد کا خیر مقدم

"کانگرس مصری وفد پارٹی کے وفد کا جو حال ہی ہمارے یہاں آیا ہے خیر مقدم کرتی ہے اور انکی آمد کو مصر اور ہندستان کی آزادی کی تحریکوں کی ہم آہنگی کا ایک نشان خیال کرتی ہے۔ کانگرس مصر کے لوگوں کو اپنا سلام بھیجتی ہے اور اسکی دلی خواہش ہے کہ انہیں مکمل آزادی کے حصول میں پوری کامیابی ہو۔"

"کانگرس امید کرتی ہے کہ مصر اور ہندستان کے لوگوں کے تعلقات روز بروز بڑھتے جائینگے اور دنیا کے امن اور آزادی کی ترقی میں وہ اور زیادہ فائدہ مند ہوتے رہینگے۔"

چین کیساتھ ہمدردی کا اعلان

"کانگرس چین کے لوگوں کو اپنا سلام بھیجتی ہے اور ظالم اور انسانیت کش سامراج کے خلاف لڑائی میں انہیں جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے انہیں انکے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور انکے بہادرانہ مقابلہ پر انہیں مبارکباد دیتی ہے۔"

"چین کے لوگوں کو کانگرس کی طرف سے جو طبی وفد بھیجا گیا ہے اسکے لئے کانگرس اپنی منظوری دیتی ہے اور امید کرتی ہے کہ اس وفد کو پوری امداد ملتی رہیگی تاکہ وہ اپنے امدادی کام کو اچھے طریقہ پر انجام دیتا رہے اور چین اور ہندستان کی ہم آہنگی کے شایان شان ثابت ہو۔"

فلسطین

"کانگرس اس سے پہلے بھی فلسطین کے عربوں کے ساتھ انکی قومی آزادی کی جدوجہد اور برطانوی سامراج کے خلاف انکی لڑائی میں اسکے ساتھ اپنی پوری پوری ہمدردی کا اعلان کر چکی ہے۔ اسکے بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نظم و نسق کے نام پر برطانوی فوج اور پولیس برابر دہشت انگیزی برپا کئے ہوئے ہے۔ اس جدوجہد میں عربوں کی ہمت، ارادہ اور قربانیوں نے ہندستانیوں کو انکا مداح بنا دیا ہے اور وہ پھر سے اسکے مقصد کے حصول میں پوری پوری کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں اور انہیں مبارکباد دیتے ہیں۔"

"یورپ اور دوسرے مقاموں پر یہودیوں کی جو گت ہے اس سے کانگرس کو ہمدردی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ افسوس کرتی ہے کہ فلسطین میں یہودیوں نے اپنے مخصوص حقوق کی بحالی کیلئے برطانیہ کی مسلح طاقت پر بھروسہ کرکے اپنے کو برطانوی سامراج کے ساتھ ملا لیا ہے۔"

"کانگرس کو امید ہے کہ عرب اور یہودی کوشش کرکے براہ راست اشتراک عمل کے لئے ایک بنیاد نکال لینگے تاکہ فلسطین میں ایک آزاد جمہوری حکومت قائم ہو جائے اور اس میں یہودیوں کے حقوق کی مناسب حفاظت ہو جائے۔"

بلوچستان

"اس بات کو پیش نظر رکھ کر کہ برطانوی بلوچستان میں آج بھی پرانے غیر ذمہ دار اور نوکرشاہی کے طریقہ پر حکومت کیجارہی ہے، یہ کانگرس مطالبہ کرتی ہے کہ اس صوبہ میں بلا کسی تاخیر ذمہ دار حکومت قائم کر دیجائے۔ اور اسے بھی وہی دستوری حیثیت دیدیجائے جو ہندستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہے۔"

سمندر پار کے ہندستانی

"کانگرس سخت تردد اور تشویش کے ساتھ محسوس کرتی ہے کہ سمندر پار رہنے والے ہندستانیوں کی حالت خاص کر ان ملکوں میں جو نام نہاد برطانوی اقوام کی جمہوریہ میں ہیں تیزی سے گرتی جا رہی ہے اور ہندستان باہر ہندستانیوں کی جدوجہد میں جو وہ اپنے جائز سیاسی اور سماجی اور اقتصادی حقوق کے منوانے کیلئے کر رہے ہیں، کانگرس انکے ساتھ اپنی ہمدردی اور مدد کا اعلان کرتی ہے۔"

"وہ باہر ہندستانیوں کے جان و مال کو جو خطرہ ہے۔ سیلون میں ہندستان کے ساتھ جو مخالفانہ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ ہندستانیوں کو نکال کر کینیا کی پہاڑیاں جس طرح پر یورپینوں کو دی جا رہی ہیں اور جنوبی افریقہ میں ہندستانیوں کیخلاف جو غیر منصفانہ قانون بنائے جا رہے ہیں، ان پر یہ کانگرس خاص طور پر تشویش ظاہر کرتی ہے۔"

"فی الحال کانگرس اس ملک کے باشندوں سے خواہش کرتی ہے کہ وہ سمندر پار کے ہندستانیوں کی ہر ممکن طرح سے امداد کریں۔"

تری پوری

اگلی کانگرس کے سالانہ اجلاس پر کئی طرف سے اندیشہ کی گھٹائیں گھر آئی تھیں۔ سب سے بڑا اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں کانگرس دو پارٹیوں میں نہ بٹ جائے، سوبھاش بوس کی پارٹی اور ورکنگ کمیٹی کے پرانے ممبروں کی پارٹی۔ دوسری طرف راجکوٹ میں گاندھی جی نے مرن برت رکھ چھوڑا تھا، اور صدر کانگرس کی حالت بہت نازک تھی۔

سمجھوتہ کی بات چیت ۔ عام خیال یہ تھا کہ دونوں پارٹیوں میں اگر میل نہ ہوا تو کانگرس کی طاقت ختم ہو جائے گی۔ دونوں پارٹیوں کے لیڈر میل کی کوشش میں لگے تھے۔

[illegible] مارچ ہی کو بہت سے ڈیلیگیٹ پہنچ گئے تھے۔ اور ان لوگوں نے پہنچتے ہی اس بات کی کوششیں شروع کر دیں کہ کانگرس دو جماعتوں میں نہ ٹوٹنے پائے اور کسی طرح وہ خلیج جو الکشن نے پیدا کر دی ہے بھر دی جائے۔ صدر کانگرس کی حالت اچھی نہیں تھی، اسلئے بغیر انکے مشورہ کے سوشلسٹ لیڈروں نے سمجھوتہ کی بات چیت شروع کر دی۔ ایک بار سردار پٹیل، مولانا آزاد، و راجندر بابو سے اور صدر کانگرس سے بات چیت

پنتھ کی تقریر

جب جلسہ شروع ہوا تو وہی آل انڈیا کانگرس کمیٹی والا جلسہ بن گیا۔ صدر نے پنتھ کی تجویز پر بحث کی اجازت دی، مگر یہ درخواست کی کہ بحث میں اعتدال کا خیال رکھا جائے۔ پنتھ جی نے کھڑے ہوکر ۵ منٹ تقریر کی، انکا لہجہ طریقہ اور الفاظ بہت صلح جو تھے۔ اور برابر وہ اسی بات پر زور دیتے رہے کہ اس تجویز کا مطلب صرف یہ ہے کہ کانگرس میں جو پھوٹ پڑ رہی ہے اسکو دور کیا جائے۔ انھوں نے کہا۔

اب تک کانگرس جس پروگرام پر چلتی آئی ہے، وہ گاندھی جی کا پروگرام ہے۔ ہم بیس سال سے دیکھتے آئے ہیں کہ یہ پروگرام کبھی ناکامیاب نہیں رہا۔ اب یہ بیوقوفی ہوگی کہ بلا وجہ یہ پروگرام چھوڑ کر ہم ایک بے جانی بوجھی راہ میں گھس جائیں۔

اگر ہم گاندھی جی کو چھوڑ دیں گے، اور ان لیڈروں کو چھوڑ دیں گے جو بیس سال سے کانگرس کو چلا رہے ہیں تو ایسی حالت میں کانگرس کی کیا ساکھ رہجائیگی اور اسکا کیا دبدبہ ہوگا جب تک ہمارے ساتھ ہمارے وہ بڑے بڑے نیتا نہوں تو ہماری آپ کی بات کون سنے گا۔

جو قرارداد میں پیش کر رہا ہوں یہ بہت اہم ہے کیونکہ کانگرس کی اگلے سال کی پالیسی اور پروگرام اسی پر منحصر ہے۔

میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم آزادی اور سوراج تک پہنچنے کا چھوٹے سے چھوٹا راستہ نکال لوں، اب تک کانگرس کا صدر، ورکنگ کمیٹی کی رائے سے منتخب ہوتا آیا ہے۔ سوبھاش بوس کا بھی پارسال یونہی انتخاب ہوا تھا۔ اس سال باقاعدہ الکشن ہوا۔ لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو عام طور پر خیال ہوگیا ہے کہ کانگرس کی پالیسی جو تھی وہ غلط تھی، اور اب وہ نہیں رہیگی، اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ اس الکشن سے کانگرس کی پرانی پالیسی اور گاندھی جی پر عدم اعتماد کا اظہار ہوگیا ہے۔ حالانکہ الکشن کے نتیجہ سے اور اس بات سے دور کا بھی لگاؤ نہیں، مگر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے اسی لئے اس کا دور کرنا ضروری ہے۔

جن لوگوں نے سوبھاش بوس کو ووٹ دیا انکو معلوم نہیں تھا کہ گاندھی جی ورکنگ کمیٹی اور سوبھاش بوس میں کوئی اختلاف ہے۔ پچھلے گیارہ مہینوں میں انکے تعلقات بہت اچھے رہے۔ اور اسکے بعد صرف اختلاف رائے ہوا کہ سوبھاش بوس نے خیال کیا صدر منتخب ہوکر وہ ملک کی زیادہ اچھی خدمت کرسکتے ہیں۔

صدر صاحب یہ سنکر میں بہت خوش ہوا کہ آپ نے کہا کہ یہ تجویز دونوں جانبوں کے درمیان ایک مشترکہ راستہ نکال دے گی، اور اس سے سیاسی فضا میں جو اس پیدا ہوگئی ہے دور ہو جائے گی۔ بیس سال سے کانگرس کی پالیسی گاندھی جی کی لیڈری پر چل رہی ہے۔ اور جب تک کوئی غیر معمولی بات نہو جائے اس پالیسی سے ہٹنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ وہ پالیسی ہکو برابر فتحوں پر فتحیں دلاتی رہی ہے۔ اور اب کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم جانا بوجھا راستہ چھوڑ کر اندھیری میں پھاند پڑیں۔

صدر صاحب میں نے آپکا آخری بیان پڑھا ہے جسمیں آپ نے کہا ہے کہ آپ کی سب سے بڑی کوشش یہ ہوگی کہ سب سے بڑے ہندستانی لیڈر گاندھی جی کی حمایت حاصل کریں۔ میری تجویز کا آخری حصہ صرف اسی غرض سے ہے۔

این - دی گیڈجل کی تائید

گیڈجل نے تائید میں کہا کہ اسوقت ملک میں دو مسئلے سب سے بڑے مسئلے ہیں - ایک ہندستانی ریاستوں کا مسئلہ، اور دوسرا برطانیہ سے لڑنے کا مسئلہ۔ ابھی راجکوٹ کی لڑائی جو گاندھی جی اور سردار پٹیل نے جیتی ہے۔ یہ ہماری بہت بڑی فتح ہے۔ اس تجویز کا صرف یہی مقصد ہے کہ یہ لوگ ہماری لڑائی میں ہمارے ساتھ رہیں۔ رہا فیڈریشن کا مسئلہ تو کانگرس میں اب اسپر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

زمانے کا حال دن بدن نازک ہوتا جاتا ہے، یورپ کا نقشہ تیزی سے بدل رہا ہے، اور ہم نہیں کہ سکتے کہ کب مصیبت میں پھنس جائیں، اسلئے ہکو ملکر مقابلہ کرنا چاہیئے۔

جب ترمیم کی باری آئی تو ایم ان رائے نے ایک ترمیم پیش کی جس کا مطلب تھا کہ کانگرس کی کوئی ایک پالیسی نہیں ہوسکتی ہے، وہ حالات کے لحاظ سے بدلتی رہیگی، مگر اسکی جو پالیسی بھی ہو وہ مکمل آزادی کا مقصد سامنے رکھکر بنائی جائے۔ اب تک گاندھی جی نے جو پالیسی تیار کی ہے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا جاتا ہے یہ کانگرس کا جلسہ سوبھاش بوس پر بھروسہ کرتا ہے، اور گاندھی جی اور دوسرے لیڈروں سے التجا کرتا ہے کہ وہ کام میں پوری طرح سوبھاش بوس کا ساتھ دیں کیونکہ حالات بہت نازک ہیں۔

اسکی تائید میں انھوں نے کہا سوبھاش بوس کے الکشن میں دوبارہ کھڑے ہوجانے سے ملک میں کوئی گڑبڑ نہیں پھیلی گی اور الکشن کے بعد انکے جو بیانات نکلے ہیں اس سے یہ صاف ہوگیا کہ اس میں پالیسی کا کوئی سوال نہیں تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ پالیسی کی تبدیلی پر اتنی پریشانی کیوں ہے۔ پالیسی تو ہمیشہ بدلتی ہی رہتی ہے۔ میرے خیال میں یہ قرارداد صدر کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ہے۔

انھوں نے کہا کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں نے یہ کیسے کہدیا کہ "سوبھاش بوس کا دوبارہ منتخب ہوجانا ملک کے لئے خطرے کی بات ہے" اگر انکے خلاف کوئی شکایت تھی تو کانگرس کے سامنے لانا چاہیئے تھی۔ اور نہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ سوبھاش کی جیت کیسے گاندھی جی کی ہار ہوگئی۔

سوبھاش بوس کا بیان

میں نے ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کے کاموں کی سچائی میں کبھی شک نہیں کیا۔

ایم ان رائے کی ترمیم پیش ہونے کے بعد ہی صدر سوبھاش چندر بوس نے ایک مختصر سا بیان دیا کہ میں نے ورکنگ کمیٹی کے کام کی سچائی میں کبھی شک نہیں کیا۔ پنتھ جی کی تجویز کے الفاظ "کہ افسوس ہے کہ کچھ بہتان کچھ ممبروں کے خلاف لگائے گئے" کا کیا مطلب ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ اگر میری باتوں کی طرف اشارہ ہے تو میں اپنے ایک بیان میں کہہ چکا ہوں کہ میں نے ورکنگ کمیٹی کے ممبروں پر کوئی بہتان نہیں لگایا۔ اور پرودنی کے جلسہ تک ورکنگ کمیٹی کا کام بہت اچھی طرح چل

رہا تھا۔

کمیونسٹ پارٹی کیطرف سے بھردواج کی ترمیم

بھردواج نے یہ ترمیم پیش کی کہ تجویز کا آخری حصہ بدلکر یوں کر دیا جائے۔ " اور مسٹ سے یہ التجا ہے کہ وہ ورکنگ کمیٹی کو مہاتما گاندھی کی رائے سے بنائیں "

انھوں نے کہا کہ ہم سب لوگ تری پوری کے اجلاس سے یہی امید کرتے ہیں کہ وہ ان جھگڑوں کو حل کر دیگا جو کانگرس میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

بائیں بازو کو یعنی سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں پر غیر ذمہ دار ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن جس طرح ہم لوگ میل پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ غیر ذمہ دار لوگوں کا کام نہیں ہو سکتا۔

ہم لوگ مہاتما گاندھی کی لیڈری پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ ہم بوس پر عدم اعتماد کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔

تیسری ترمیم اچھوت [illegible] نے یہ ترمیم پیش کی کہ بہتان والا ٹکڑا نکال دیا جائے۔ کیونکہ اسوقت میل جول بہت ضروری ہے۔ اگر ورکنگ کمیٹی کیخلاف بہتان تھا تو تھا تو وہ سوبھاش بوس کے بیان کے بعد نکل گیا۔

چوتھی ترمیم۔ مسٹر نریمان نے یہ ترمیم پیش کی کہ آخری ٹکڑا بدلکر یوں کر دیا جائے " گاندھی جی کے مشورے سے " کیونکہ گاندھی جی کی پہ ہم کو پورا بھروسا ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ صدر کو صرف نام کا صدر کر دیا جائے۔ اور اسکو ایسے شخص کے تابع کر دیا جائے جو کانگرس کا چار آنہ کا ممبر بھی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کانگرس گاندھی جی سے بڑی چیز ہے، صرف اس مرتبہ صدر کا انتخاب جمہوری طور پر ہوا ہے، اسلئے اسکو کام کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔

پانچویں ترمیم بشمبھر دیال ترپاٹھی نے یہ تجویز پیش کی کہ بہتان والا ٹکڑا نکالدیا جائے، اور آخری فقرہ یوں کر دیا جائے کہ ملک کو گاندھی جی کی رہبری کی بہت ضرورت ہے۔

سوشلسٹ پارٹی کا رویہ

چھٹی ترمیم۔ جے پرکاش نرائن، آل انڈیا سوشلسٹ پارٹی کے سکریٹری نے یہ ترمیم پیش کی آخری پیرا یوں کر دیا جائے۔ چونکہ مہاتما گاندھی کی سنگت اور رہبری نازک موقعوں میں کانگرس اور ملک کو فتح کی طرف لیجانے کے لئے بہت ضروری ہے اس لئے کمیٹی کی رائے میں یہ بہت ضروری ہے کہ ورکنگ کمیٹی پر انکو پورا بھروسہ ہونا چاہئے۔ اسی لئے صدر سے خواہش کیجاتی ہے کہ وہ ورکنگ کمیٹی کو گاندھی جی کی خواہش کے مطابق بنائیں۔

جے پرکاش نے کہا کہ ہماری پارٹی کو گاندھی جی سے بہت اختلافات ہیں۔ اور اسکو ہم نے کبھی چھپایا نہیں۔ اختلافات کا یہ مطلب نہیں کہ ہم گاندھی جی سے بہت دور ہیں۔ ہمنے اپنے پروگرام کی اہمیت کو کانگرس پر ظاہر کر دیا اور اب بھی ہماری پارٹی متحدہ محاذ کو بہت ضروری سمجھتی ہے۔ کیونکہ ہمکو یقین ہے کہ سخت دن بہت قریب ہیں۔

ساتویں آٹھویں نویں ترمیم۔ تر دل راؤ نے ترمیم کو زیادہ آئینی بنانے کے لئے کچھ الفاظ کا رد و بدل چاہا۔

سردار سردول سنگھ کویشیر نے ترمیمیں پیش کیں۔ ایک تو یہ کہ بہتان کا ٹکڑا نکال دیا جائے اور گاندھی جی والے فقرے کو بدلوانا چاہا انھوں نے اسپہ بات پر بہت زور دیا کہ گاندھی جی اور ورکنگ کمیٹی پر اعتماد ظاہر کرنے کو تیار ہیں۔ مگر مسٹر بوس پر عدم اعتماد کے لئے تیار نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا کہ مسٹر بوس کو سردار پٹیل، پنڈت نہرو، مولانا آزاد وغیرہ سے بہتر لوگ ورکنگ کمیٹی کے لئے نہیں مل سکتے ہیں۔ آگے چلکر انھوں نے کہا سوشلسٹ ہوں لیکن مہاتما گاندھی کو ڈکٹیٹر بنانے میں کوئی ہرج نہیں معلوم ہوتا ہے۔

دو ایک ترمیمیں اور پیش ہوئیں اس کے بعد پنتھ جی نے بہت مختصر سا جواب دیا۔ جب ووٹ لئے گئے تو تجویز کے موافق ۲۱۰ ووٹ تھے اور مخالف ۱۲۵۔ تجویز پاس ہوگئی۔

عام اجلاس عام اجلاس میں صدر کانگرس کا مختصر خطبہ پڑھا گیا

اجلاس عام میں مسٹر آنے نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ صدر کانگرس کی طبیعت خراب ہے، اور پنتھ جی کی قرارداد ان کو ناپسند ہے اس لئے بہتر ہوگا کہ یہ قرارداد عام اجلاس میں نہ پیش کی جائے بلکہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس کے لئے اٹھا رکھی جائے ڈیلیگیٹوں نے انکے موافق ووٹ دیا۔ اس پر بعض لوگوں نے ڈویژن کی خواہش کی۔ صدر نے کہا کہ اسوقت اس کا موقعہ نہیں ہے۔ کل سبجکٹ کمیٹی کے پنڈال میں ڈویژن ہوگا صدر کانگرس کے بعض نادان دوست ڈویژن کے ملتوی کرنے سے یہ سمجھے کہ یہ اس لئے ہے کہ انکی تجویز کے نامنظور ہو جانے کا خطرہ ہے۔ جواہر لال جی تجویز کو سمجھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان لوگوں نے شور مچانا شروع کیا کہ نہیں سنیں گے نہیں سنیں گے۔ اور ایک گھنٹہ تک شور کرتے رہے۔ آخر مسٹر بوس نے ان کو سمجھایا۔ اور بہت ہنگامہ دیکھکر آنے نے اپنی تجویز واپس لے لی۔

دوسرے دن ڈیلیگیٹوں کے جلسہ عام میں یہ تجویز پیش کی گئی۔ اس روز سوشلسٹ پارٹی غیر جانبدار رہی۔ مسٹر بھردواج نے کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے وہی ترمیم پیش کی جو پہلے پیش کی تھی۔ عام طور پر بائیں بازو کی یہ رائے تھی کہ صدر کانگرس کو ورکنگ کمیٹی منتخب کرنے کا حق نہ دینا جمہوریت کے اصول کو پامال کرنا ہے۔ مگر اکثریت کو یقین تھا کہ بلا گاندھی جی کے سنگت کے کچھ نہیں ہو سکتا ہے اور گاندھی اسوقت تک شریک نہ ہونگے جب تک یہ قرارداد اسی رنگ میں پاس نہ ہوگی اس لئے اکثریت نے یہ قرارداد بلا ترمیم منظور کر لی۔

بعد کو جلسہ عام میں جو قراردادیں پاس ہوئی ہیں انکا اسی پرچہ میں دوسری جگہ تذکرہ ہے۔

تری پوری کا اجلاس یوں بالکل کامیاب رہا کہ یہاں ایک طرف سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں میں میل ہوگیا، اور دوسری طرف داہنے بازو اور بائیں بازو میں میل ہوگیا

سبجیکٹس کمیٹی کے جلسہ کا ایک منظر (اوپر) جواہر لال تقریر کر رہے ہیں

نگری پوری کا سرسری جائزہ

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر عمدۃ المطابع برقی پریس، لکھنؤ سے چھپوا کر ... ناتھ روڈ (سابق جوبلی مشن اسکول) سے شائع کیا

ہندستان

جلد ۳ — نمبر ۱۲ } کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۲۶ مارچ ۱۹۳۹ ع { فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

ہوائی حملہ سے بچاؤ کی ترکیبیں

بالکا ودیالہ انٹرمیڈیٹ کالج کانپور کی لڑکیاں گیس کے نقابیں پہن کر قواعد کر رہی ہیں

آزادی کی لڑائی میں عورتوں کا حصہ

عورتوں کا یہ جتھا جیہور ستیہ گرہ میں حصہ لینے جارہا ہے — جتھے کی لیڈر شریمتی کملا دیوی بیچ میں بیٹھی ہیں — (گاندھی جی کے کہنے سے اب ستیہ گرہ ملتوی کردیگئی ہے)

دوسرا منظر

شریمتی کملا دیوی پولیس کی موٹر کی چھت پر سے تقریر کررہی ہیں

چیکوسلاوکیا کے اندر روتھینیا (کارپیتھو یوکرین) اور سلوواکیا کو خود مختار جمہوریتیں بنا دیا۔ اور ہنگری کو اپنے زمین [illegible] یہاں ان خود مختار ریاستوں نے نازیوں کی یہودی دشمن اور مزدور دشمن پالیسی پر عمل کیا اور جرمنی کو ہر طرح کی تجارتی آسانیاں دیدیں۔ چیکوسلاوکیا سے گذرتی ہوئی سڑکیں بنائی گئیں۔ ایک سڑک بارسلاؤ کو ویانا سے ملاتی ہے اور ماروا سے گذرتی ہے۔ اس سڑک پر جرمنی کا پورا قبضہ تھا۔ اور آڈر کو ڈینیوب سے ملانے کے لئے نہریں تیار کی گئیں ایسی صورت میں پراگ کی چیک حکومت کا کیا زور رہ سکتا، وہ بھی ہٹلر کی خوشی پر کام کرنے لگی۔

لیکن جرمنی کے لئے یہ بھی کافی نہیں تھا۔ کیوں؟ اسکی

فتحیں کیوں؟

کئی وجہ ہیں۔

پہلی وجہ تو جرمنی کی اندرونی حالت ہے، جو فسطائی نظام کی پیدا وار ہے جرمن قوم دو گروہ میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک تو وہ جو کہ نازی افسروں کا گروہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے غریبی اور گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ مگر نازی بنکر اپنی پارٹی کے ساتھ اوپر چڑھ آئے ہیں۔ دوسرا حصہ ان کئی لاکھ آدمیوں کا ہے جو سادہ مزاج ہیں۔ نازی پارٹی کے غل غپاڑے کو حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور اس امید میں پڑے ہوئے ہیں کہ شاید کبھی [illegible] ان کی [illegible] بندھی ہوئی ہے جبتک نازی پارٹی فتح پر فتح حاصل کرتی چلی جاتی ہے۔

ان میں سے بہت بڑا حصہ ان لوگوں کا ہے جنکی زندگی مصیبت کی کہانی ہے۔ ان میں سے جو بیکار تھے ان سے دن دن بھر کام کرایا جاتا ہے، اور بہت ذلیل مزدوری دی جاتی ہے۔ ان کے مذہبی جذبات پامال کئے جاتے ہیں خاص سے بویریا اور آسٹریا کے رومن کیتھولکوں کی زندگی تنگ ہو گئی ہے۔ ان سے زبردستی قلعہ بنوانے اور ہتھیار ڈھالنے کی خدمتیں لیجاتی ہیں۔ اور پھر ان کو اپنی زندگی ملکی نظام، حکومت کے قانون کسی پر کچھ رائے دینے، بولنے یا لکھنے کی اجازت نہیں۔

جرمنی میں اندرونی بغاوت

جہاں کی زندگی پر ایسے ایسے پہاڑ لدے ہوں وہاں باغیانہ خیالات کا پھیلنا لازمی ہے۔ اور وہ پھیل رہے ہیں وہاں، سرکاری مزدور سبھا ہے جو مزدوروں کو سرکار کا غلام بنانے کی نئی نئی چالیں چلا کرتی ہے لیکن مزدوروں نے ایک اور سبھا بھی بنا رکھی ہے جو چوری چھپے کام کرتی رہتی ہے اس کے عہدیدار جب پکڑ لیتے ہیں تو ان کو وحشیانہ سزائیں دی جاتی ہیں۔ مگر اسپر بھی سبھا اپنا کام کر رہی ہے اور اس کی طرف سے اکثر اعلان نکلتے رہتے ہیں۔

ایک ریڈیو وہاں کے ظلموں کی کہانی نشر کرتا رہتا ہے اور آجتک وہ پکڑا نہیں ملا۔

ایسی صورت میں عوام اسوقت تک قابو میں ہیں جبتک انھیں بہکایا جاسکے اس بہکانے کا ذریعہ یہ بھی ہے کہ جلدی جلدی فتحیں حاصل کیجائیں اور ان سے عوام کے قومی غرور کا پیٹ بھرا جاسکے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کارخانوں اور مزدوروں کی بہت بڑی تعداد اسلحہ سازی میں لگادی گئی ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ مال کی برآمد بہت کم ہوئی ہے۔ اسوجہ سے جرمنی کے پاس غیر ملکی روپیہ بہت کم ہے جس سے دوسرے ملکوں سے کچا مال خرید سکے۔ کچے مال کی کمی نے کارخانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ نقلی کچا مال تیار کریں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سامان اچھا نہیں تیار ہوتا ہے۔ اس لئے جرمنی کو غیر ملکی روپیہ کی سخت ضرورت تھی اور چیکوسلوواکیا میں ایکا اچھا خزانہ موجود تھا۔ - - - - - - -

اس کے خزانے میں بہت سا سونا ہے اور غیر ملکی روپیہ ہے جس میں دس لاکھ پونڈ بھی شامل ہیں جو انگلستان نے چیکوسلوواکیا کو قرض دیے تھے اس روپیہ کے ساتھ ساتھ اسلحہ کے بہت عمدہ کارخانے ہاتھ لگے ہیں جو جرمنی کو آنیوالی لڑائی میں بڑی مدد دیں گے۔

چیکوسلاوکیا کی سب سے بڑی قیمت یہ ہے کہ اس پر قبضہ کرنے کے بعد ہٹلر یوکرین کی زرخیز زمین، رومانیا کے تیل کے چشموں، اور بلقان اور ایشیا کی بازاروں پر جال پھینک سکتا ہے اور اس نے کیا بھی یہی کہ چیکوسلاوکیا پر قبضہ کرتے ہی اس نے رومانیا کو دھمکانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے رومانیا کو یہ الٹیمیٹم دیا کہ وہ اپنی صنعتی ترقی کو بند کر کے اپنے کو صرف کاشتکاری ملک بنا دینا چاہئے اور پھر سارا [illegible] صرف جرمنی کو دینا چاہئے۔ ہم کو یقین ہے کہ جرمنی کے ایسے ارادے ضرور ہونگے۔ کیونکہ اس کو ایسے پڑوسیوں کی سخت ضرورت ہے جن سے ڈرا دھمکا کر غلہ اور کچا مال وصول کرے۔

روتھینیا

ان سب وجہوں کے علاوہ چیکوسلاوکیا پر حملہ کرنے کی ایک وجہ اور بھی، وہ روتھینیا ہے۔ یہ چیکوسلاوکیا کی دم ہے جو ہنگری اور پولینڈ کے بیچ میں پڑتی ہے۔ ہنگری یہ چاہتا تھا کہ اس پر قبضہ کر لے، اور اپنی سرحد کو پولینڈ سے ملا دے۔ اور پولینڈ اب جھک رہا ہے روس کی طرف۔ اس کے علاوہ خود مختار یوکرین کی تحریک سے پولینڈ اور رومانیا دونوں گھبرائے ہوئے ہیں وہ ہر طرح ہنگری کو جرمنی کے خلاف کرنے کی کوشش کریں گے اسوقت بہت ممکن ہے کہ ہنگری بھی ان دونوں حکومتوں سے مل جائے اور اس طرح جرمنی اور ایشیا کے میدانوں کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دے۔ دوسری طرف جرمنی کو جس بات کا ہمیشہ دھڑکا رہا ہے وہ ہونے والی تھی۔ یعنی مشرقی ریاستوں میں آپس میں سمجھوتا۔ چنانچہ ترکی اور بلغاریہ میں بات چیت ہو رہی تھی۔ یوگوسلاویا میں ڈکٹیٹروں کی ہمدرد حکومت کا زوال جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ہٹلر نے روتھینیا میں اپنی جادو بھری چال چلنا شروع کر دی وہاں ایسا جھگڑا اٹھایا کہ وہ ایسی خود مختار ریاست بن گئی کہ پراگ حکومت اسکو خرچہ دیتی تھی، مگر اس پر کسی طرح کا دباؤ نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس طرح وہ چیک حکومت کے لئے تماشا بن گئی۔ دوسری طرف ہٹلر نے وہاں کچھ حقوق مانگنے والے یوکرینی کھڑے کر دیئے اور انکی مدد سے یوکرین کی خود مختاری کا جھنڈا اٹھا دیا۔ یہاں پر ہم کو ایک بات اور سمجھ لینا چاہئے۔ وہ یہ کہ سوڈٹین جرمنوں کے جرمنی

سے ملجانے سے جرمنی کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے ساتھ کچا مال اور زمین کم آئی اور کارخانے زیادہ آئے جس سے اقتصادی مسئلہ بجائے سلجھنے کے اور الجھ گیا۔

مختصر یہ کہ جرمنی کے اندرونی حالات یعنی دبی ہوئی بغاوت بیروزگاری، کچے مال کی کمی، بازاروں کی تلاش نے ہٹلر کو کہیں نہ کہیں حملہ کرنے پر مجبور کر دیا اور حملہ کے لئے سب سے موزوں اور تیار جگہ چیکوسلاویکیا ہی تھی۔ ہٹلر نے یہ موقع حملے کے لئے کیوں چنا؟ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ برطانیہ اور فرانس کے بودے پن کا تو یقین ہی ہو چکا تھا، مسولینی اسپین میں الجھا ہوا تھا۔ دوسری طرف چیکوسلاویکیا میں قومیت والی آگ جو نازیوں نے لگائی تھی بھڑک اٹھی تھی۔ ہٹلر نے موقع پا کر اس سے فائدہ اٹھا لیا۔

راجکوٹ اور فلسطین

برطانیہ کی کمزوریوں کے حساب ہزاروں ثبوت ہٹلر کے پاس ہونگے وہاں دو تازے ثبوت بھی ہونگے۔ ایک تو راجکوٹ کے معاملہ میں برطانیہ کا ہارنا جس سے معلوم ہو گیا کہ برطانیہ کا ہندستان میں اب اتنا [illegible] گھٹ گیا ہے کہ وہ اپنے لاڈلے راجاؤں کی بھی رکھوالی نہیں کر سکتی، اور دوسرے فلسطین کے معاملے کا نہ حل ہونا جس نے بتا دیا کہ برطانیہ کے پہلو کا یہ گھاؤ ابھی بہت دنوں تڑپائے گا۔

اب کیا کریں

اگر چیمبرلین اور ڈلاڈیر کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتی ہیں تو وہ دن دور نہیں ہے جب جرمن ہوائی جہاز فرانس اور انگلستان پر بم برسائیں گے، اور وہاں کے امن پسند باشندوں کو بھون ڈالیں گے۔

جن سرمایہ پرستوں نے چیمبرلین کو اپنا اگوا بنایا ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ آسمان سے گرنے والے بموں کے اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ ایک قلی کے مکان میں اور مسٹر چیمبرلین کے مکان میں تمیز کر سکیں۔ یا امیروں کے مکان چھوڑ کر غریبوں کے مکانوں کو تاکیں۔ سرمایہ داروں نے خوب نفع لوٹا خوب روپیہ کمایا، لیکن اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اگر وہ اپنی لالچ کم نہ کر دیں گے تو یہی پیسہ کی محبت ان کی جان لے لے گی۔ اب ان کو اپنی جان اور اپنی قوم کی جان پیاری ہے تو پیسہ کی محبت ذرا کم کر کے عوام سے محبت کرنا چاہئے، اور روس کی عوامی حکومت سے ملکر پولینڈ رومانیا اور ہنگری اور بلقانی ریاستوں کے ساتھ لیکر فسطائی گروہ کے خلاف ایک محاذ بنا دینا چاہئے، اور دوسری طرف یورپ میں جہاں جہاں عوامی طاقتیں [illegible] ہیں انکو نہ دبانا چاہئے پر ایک طرف کسی ایک ملک کی جیت کی کمی، اور دوسری طرف عوامی طاقت کا بڑھنا۔ یہ دونوں چیزیں جہاں مل گئیں یہ سال ڈیڑھ سال کے اندر ہی اندر ہٹلر اور مسولینی کی اٹھائی دھوکے کی ٹٹیوں کو خاک کر دیں گی۔

> دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے
> منیجر — "ہندستان"

مولانا مظہر الدین کا قتل

دو دیوانوں نے سیاسی اور مذہبی جوش میں مبتلا ہو کر مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان کو قتل کر دیا۔ مولانا مسلم لیگ کے پُر جوش کارکن تھے، اور بہت سے لوگوں سے اختلاف رائے ہوگا۔ مگر اختلاف رائے کی سزا یہ نہیں ہو سکتی ہے کہ کسی کی جان لے لی جائے۔ یہ ایسا گندہ حادثہ ہوا ہے جو سارے ملک کے لئے شرم کی بات ہے۔

تہذیب انسانیت کے لئے یا روٹی کے لئے؟

اس عنوان سے حسن ریاض صاحب نے مسلم لیگ کے آرگن "منشور" میں ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں کہتے ہیں کہ روٹی کے لئے لڑنا کتوں اور گدھوں کا کام ہے۔ مذہب یہ نہیں سکھاتا ہے، انسان کو تہذیب انسانیت کے لئے لڑنا چاہئے۔

دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو بھوکوں کو کھلانے، ننگوں کو پہنانے اور بےگھروں کو گھر دلانے کے لئے لڑنے کو جانور پن کہے۔ اگر قحط زدوں کے لئے روٹی کا انتظام کرنا، یا ان ڈاکوؤں سے لڑنا جو بے بس ناچار لوگوں کو لوٹ لوٹ کر مزے اڑاتے ہیں گناہ ہے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو پیٹ کے لئے چوری ڈاکہ زنی اور جھوٹ بولنے سے بچانا گناہ ہے، اگر ہزاروں عورتوں کو چند ٹکوں کے عوض اپنا جسم، اپنے جذبات اور اپنی روح بیچنے سے بچانا برا ہے تو بیشک روٹی کے لئے لڑنا برا ہے۔ اگر یہ کوشش بری ہے کہ ۳۵ کروڑ انسانوں کا دانے دانے کے لئے ترسنا دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے، غریبی ہمیشہ کے لئے مٹ جائے، ٹکے ٹکے کی محتاجی غائب ہو جائے۔ اور اس وقت ہندستان کے ۳۵ کروڑ انسانوں کی زندگی صبح سے شام تک کمائی کی فکر میں گزرتی ہے، اس سے انکو نجات دیکر اونچی ترقی کرنے کے موقعے دیئے جائیں تو روٹی کے لئے لڑنا برا ہے، لیکن پھر برائی ہزار درجہ بہتر ہے حسن ریاض کی تہذیب انسانیت سے۔ ہم کو یقین ہے کہ ان کی منحوس تہذیب انسانیت میں "تہذیب" ہی "تہذیب" ہوگی "انسانیت" کا نام بھی نہ ہوگا۔

حسن ریاض صاحب کہتے ہیں کہ مذہب اس کا مخالف ہے جو مذہب کروڑوں اربوں انسانوں کو ہمیشہ کے لئے گناہ اور پستی سے نکالنے کے خلاف ہو وہ مذہب کبھی سچا مذہب نہیں ہو سکتا مگر کوئی مذہب یہ نہیں کہتا۔ حسن ریاض صاحب مذہب اور اسلام کے نام پر یہ بہتان لگا رہے ہیں کہ وہ غریبوں کی خدمت کو ذلیل سمجھتا ہے۔ اگر یہ چیز ذلیل ہے تو دنیا میں کوئی چیز اعلیٰ نہیں ہے۔

ہم نہیں سمجھ سکے کہ حسن ریاض صاحب نے یہ مضمون لکھا ہی کیوں؟ اس سے کس جماعت کو سمجھانا چاہتے ہیں اور کیا سمجھانا چاہتے۔ مزدور اور سرمایہ دار مقابلہ کر رہے ہیں۔ سرمایہ دار یہ چاہتا ہے کہ مزدور کو پیٹ بھر روٹی بھی نہ دے اور اس سے دن رات کام لے۔ مزدور چاہتا ہے کہ مجھے اتنی مزدوری ملے کہ مجھے چوری نہ کرنا پڑے، میرے بچے جاہل مارے مارے نہ گھومیں اور میری بیٹیوں کو پیشہ نہ کرنا پڑے۔ یہ "تہذیب انسانیت" ہے، انصاف [illegible]

تکمیل محاسن اخلاق" یہ سب موٹے موٹے الفاظ کس کی طرفداری کرتے ہیں اور اس لڑائی میں اس کے عملاً معنی کیا ہیں؟ اگر یہ الفاظ سرمایہ دار کی طرفداری کرتے ہیں . . . .

تو یہ ناپاک چیزیں جتنی جلد ختم ہو جائیں بہتر ہے جس نظام کی یہ تائید کرتی ہیں اس کی تباہ کاریاں کسی پر چھپی نہیں ہیں اس نے صدیوں سے بچوں لڑکیوں اور جوانوں کو غلام بنا بنا کر دولتمندوں کے لئے سامان عشرت مہیا کیا ہے اس نے انسانوں کو پیٹ کے لئے کتوں اور گدھوں سے بھی ذلیل حرکتیں کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس نے سرمایہ داروں کے ہاتھوں ہزاروں لاکھوں بچوں اور عورتوں کو یوں کے نذر کر دیا۔ ع

"لاکھوں چڑھ گئے سولی یہ بدولت تیری" ہم حسن ریاض صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ چند برسوں کے اندر یہ الفاظ ضرور مر جائیں گے کیوں کہ ان سے دنیا کے جن ۹۰ فیصدی انسانوں کو دکھ پہنچا ہے وہ اب ہشیار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ الفاظ مزدور کے طرفدار ہیں تو حسن ریاض صاحب کو پھر کانگریس سوشلزم اور روس سے کیا اختلاف ہے؟

حسن ریاض صاحب نے ایک جگہ تعلقہ کی شرعی تقسیم، زکواۃ خیرات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے ہم خیال کرتے ہیں کہ ہو نہ ہو یہ مضمون مسلمان تعلقداروں اور سرمایہ داروں کی نصیحت کیلئے لکھا گیا ہے کیونکہ یہ خیال کرنا تو حماقت ہے کہ حسن ریاض صاحب کنگال مزدوروں اور کسانوں سے کہیں گے کہ تم لوگ اپنے علاقے کی شرعی تقسیم کیا کرو۔ زکواۃ اور خیرات دیا کرو یقیناً اس کے مخاطب امیر ہیں۔ کاش وہ لوگ ایسے ملائم ہوتے کہ یہ نصیحت سنتے ہی اوسر جھک پڑتے

ہم شرط بدتے ہیں کہ یہ مضمون مزدور و سرمایہ دار۔ کسان و زمیندار و راجا و رعایا، ملک کے بیکار۔ اور حکومت، غرض یہ کہ ملک کی کسی جماعت کے سامنے رکھدو وہ خاک نہ سمجھے گی کہ ہم کیا کریں!

حسن ریاض صاحب صرف اتنا کہہ دیتے کہ تم لوگوں کو تکمیل محاسن اخلاق کرنا چاہئے ..... یہ ہے کون بلا؟ اگر اتنے بڑے لفظ کی جگہ وہ یہ بھی کہدیتے کہ .... جب مزدوروں کو مزدوری نہ ملے، یا کسانوں پر لگان بڑھ جائے یا بیکار فاقہ کرتے کرتے تنگ آ جائیں تو ان کو خودکشی کر لینا چاہئے، تو بھی کوئی مطلب ہوتا لیکن اسوقت یہ مضمون ایسا ہے کہ اس کے بجائے اگر حسن ریاض صاحب چڑیا چڑے کی کہانی لکھدیتے تو بہتر تھا۔

---

۲۴ میں ان کا جلوس اسٹریچر پر نکلا۔ ان سے صدر سبھاش چندر بوس تو ایکبار جلسے میں نئے لوگی اسٹریچر پر آئے۔ نقلی صدر مولانا آزاد بھی جلسے کے بعد الہ آباد کے اسٹیشن پر گر پڑے اور آنند بھون پر اسٹریچر پر گئے۔ اور مہا صدر گاندھی جی برت سے ایسے تبرک ہو گئے تھے کہ کئی بار اسٹریچر کو زحمت دی۔
اب سوال یہ ہے کہ اگلے سال صدر کانگرس کا جلوس کس سواری پر نکالا جائے ہماری رائے یہ ہے کہ صدر کی دونوں سال کی بیئت ملا کر سواری بنائی جائے یعنی ایک اسٹریچر میں اکاون ہوائی جہاز جوت کر اس پر صدر کا جلوس نکالا جائے۔

چلتے چلاتے

تماشائی

ایک مل میں مدتوں سے تنخواہ نہیں بٹی تھی۔ آخر مزدوروں نے فاقوں سے تنگ آ کر اسٹرائک کر دی۔ جب یہ روٹی کی لڑائی بہت دنوں تک چلی تو بے چارے مزدوروں نے جو اتفاق سے مسلم لیگ کے ممبر تھے سوچا کہ چلو حسن ریاض صاحب سے چلکر پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیئے۔ ان میں سے دو چار مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے ان کی رام کہانی سنکر ان کو مشورہ دیا۔

"بنی نوع انسان کا مقصد حیات تہذیب انسانیت اور تکمیل محاسن اخلاق..... تکمیل کے ساتھ حق اور انصاف"

مزدور چپ چاپ باہر چلے آئے۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے۔
"ابھی مولانا وظیفہ میں مشغول ہیں"

پیرس کے دو ڈاکٹروں نے ڈکٹیٹر بننے کا نسخہ دریافت کر لیا۔ وہ یہ ہے کہ روزانہ صبح کو دس پندرہ منٹ آئینے کے سامنے کھڑے ہو اور اپنے چہرے پر غصے، ارادے خود اعتمادی وغیرہ کے آثار پیدا کرنے کی مشق کرو۔ چند ہی روز میں یہ بات پیدا ہو جائے گی۔ اور جہاں یہ بات پیدا ہو گئی تمہارا کام بنگیا۔ مثلاً اگر ملازمت کی تلاش ہے تو مالک سے ملنے جاؤ تمہارے چہرے پر خود اعتمادی دیکھتے ہی رکھ لیگا۔

نسخہ اچھا ہے۔ مگر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ اس طرح جتنے ڈکٹیٹر پیدا ہوتے ہیں وہ سب فلم کمپنیوں میں چلے جاتے ہیں۔

بیچارے الفاظ آدمیوں کے منہ میں رہتے ہیں۔ اور وہ جس طرح چاہتے ہیں انکو چباتے ہیں۔ کسی کی ٹانگ کر کرا ڈالی۔ کسی کی گردن چبالی۔ کسی کی صورت کچھ سے کچھ کر دی ـــ اور ہم کو حق بھی ہے کیونکہ ہم ہیں اشرف المخلوقات، اور دوسرے ابھی الفاظ میں بیداری نہیں پھیلی ہے۔ ان کیساتھ جیسا چاہو برتاؤ کرو ہم ڈرتے ہیں کہ کبھی اس کا الٹا ہو گیا۔ اور آدمی آ گئے الفاظ کے منہ میں تو پھر الفاظ ان آدمیوں کی کیا کیا گتیں بنائیں گے۔ جو ان کو توڑتے مروڑتے رہتے ہیں مثال میں لفظ آزادی کو لیجئے۔ اس غریب پر کیا کیا نہیں گذر جاتی ہے یہانتک کہ اسکو غلامی کے معنوں تک میں استعمال کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً برطانیہ کا اعلان ہے۔ میری جمہوری سلطنت میں ہر قوم پوری طرح آزاد ہے۔
یعنی یہ کہ ہر قوم غلام ہے۔

پچھلے سال صدر کانگریس اکاون بیلوں کے رتھ پر بٹھلائے گئے تھے، تو اسکا انتظام اونھوں نے یوں لیا کہ اکاون مرتبہ سے زیادہ ہوائی جہاز پر اڑے ابکی سال بھی صدر کا جلوس کہنے کو تو اکاون ہاتھیوں کی رتھ پر نکلا مگر اصل میں

شہر سمیت ۲۲۳ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور [illegible] سے چھائے ہوئے دیہات میں رہتی ہے۔ اور یہ پانچ لاکھ آبادی پچاس لاکھ روپے بھرتپور کے خزانے میں ہر سال جمع کرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ ریاست بھرتپور کا ہر بوڑھا بچہ، عورت، مرد اور امیر و غریب دوکاندار اور اپاہج یا فقیر تک اوسطاً فی کس دس روپیہ سالانہ ریاست کو دیتا ہے۔ ماہرانِ اقتصادیات کا تخمینہ ہے کہ ہندوستان میں اوسطاً ہر آدمی کی آمدنی روزانہ گیارہ پائی یا سالانہ بیس روپیہ دس آنے ہے لیکن ریاست بھرتپور میں فی کس اوسطاً آمدنی گیارہ پائی لگانا ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ نہ تو وہاں برٹش انڈیا یا دوسری ترقی یافتہ ریاستوں کی طرح صنعتی کارخانے ہیں نہ بہت بڑے بڑے ساہوکار یا سرمایہ دار ہیں جو بڑے بڑے بیوپار چلا رہے ہوں۔ اور نہ ہی کچھ ایسے دوسرے ذرائع ہیں جن سے وہاں کی فی کس اوسط آمدنی برٹش انڈیا میں رہنے والوں جتنی قرار دی جا سکے لیکن اگر گیارہ پائی فی کس روزانہ بھرتپور والوں کی اوسط آمدنی سمجھ لیجائے تب بیس روپے دس آنے سالانہ جو اس گیارہ پائی کے حساب سے فی کس آمدنی بنتی ہے۔ اس میں سے دس روپیہ سالانہ تو صرف ریاست کے خزانے میں ہی چلا جاتا ہے اور فی کس دس روپے دس آنے سالانہ یعنی دو روپیہ چودہ آنہ ماہوار آمدنی رہ جاتی ہے دو روپیہ آٹھ آنے فی من اگر بیجھڑ (جو و چنا) کی شرح اوسطاً لگائی جاوے جو اس ریاست کی اصلی پیداوار ہے تو فی کس ۴۶ سیر ماہوار بیجھڑ اس ریاست کے ہر آدمی کی قوت خرید رہ جاتی ہے۔ اگر فی کس انسان کی غذا روزانہ اوسطاً ½ سیر یعنی ۴ چھٹانک دن کے اور ۴ چھٹانک رات کے لئے شمار کر لی جاوے تب بھی پندرہ سیر ایک مہینہ کیلئے بیجھڑ ہونی چاہیئے لیکن بھرتپور والوں کو تو چودہ سیر بھی فی کس اوسطاً نہیں مل سکتی۔ کیونکہ دو روپیہ چودہ آنے ماہوار [illegible] اُن کی نہیں ہوتی۔ پولیس اور مال کے اہلکاروں کی رشوتیں، دیہاتی قرضوں کے سود، اُن کو تو حساب میں شامل ہی نہیں کیا گیا ہے۔ جو لازماً انھیں دینے پڑتے ہیں اور جن کے صحیح اعداد و شمار اسوقت نہیں مل سکے۔ قرض یا قرض کے سود کی ادائیگی منڈیوں میں کسانوں کی لوٹ ان کو اگر ہم نہ شمار کریں اور گیارہ پائی یومیہ کی اوسط آمدنی ہی اگر ہم بھرتپور کیلئے بھی فرض کر لیں جو حقیقتاً ہمارے ملک کی اوسط آمدنی ہے تب بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر بھرتپور کے سب لوگوں کی آمدنی میں سے جتنی اور دوسرے ذرائع سے ہوتی ہے، سرکاری مال، سائر اور دوسرے ٹیکس ادا کرنے کے بعد بچت کو برابر برابر تقسیم کر دیا جاوے تب فی کس ½ سیر بیجھڑ اُن کے پاس رہ جاتی ہے۔ نہ اُن کو کپڑا مل سکتا ہے۔ نہ جوتی یا ٹوپی۔ لیکن کسانوں اور مزدوروں کے حصہ میں تو ½ سیر بیجھڑ بھی اوسطاً نہیں آ سکتی۔ کیونکہ ریاست میں راجا بھی ہے۔ اس کے بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے، منسٹر یا ممبر، جج، تحصیلدار اور تھانیدار اور اسی طرح ایک پوری جماعت ہے جن کی آمدنی گیارہ پائی یومیہ کے بجائے سینکڑوں روپیہ روزانہ سے لیکر روزانہ تک ہے پھر ساہوکار ہیں بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار ہیں جن کی لاکھوں روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے۔ اگر اسکو کل آبادی کی آمدنی میں سے علیحدہ کر کے اور اُن بڑے بڑے لوگوں کی تعداد پانچ لاکھ کی کل آبادی میں سے گھٹا کر جو زیادہ سے زیادہ پانچ چھ ہزار ہوگی باقی آبادی پر پھیلا دی جاوے اور فی کس دس روپیہ سالانہ اس میں سے علیحدہ کر لیا جاوے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فی کس ½ سیر بیجھڑ بھی کسانوں اور مزدوروں اور چھوٹے چھوٹے دوکانداروں کے حصہ میں نہیں آ سکے گی۔

اب ان حالات کی موجودگی میں اور اس سے جو ریاستی باشندوں کسانوں مزدوروں اور چھوٹے چھوٹے دوکانداروں کی یہ حالت ہو گئی ہے اس کی موجودگی میں اُن مصائب اور ان دکھوں کا ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جن کے سبب سے بد نصیب ریاست کے باشندے بے چین ہوئے ہیں۔ اور اُن کو انقلابی [illegible] کے شور اور راہنمائی کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔

مندرجہ ذیل دو سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں کہ

۱۔ ان حالات میں ریاست کے لوگ زندہ کیسے ہیں؟

۲۔ وہ ابتک خاموش کیوں رہے ہیں؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے۔ اس کے جواب میں مختصراً اگر [illegible] ضلع گوڑگانوہ کے متصل اضلاع کی محکمہ پولیس کی رپورٹوں کو بغور پڑھنے کی ضرورت ہے جنکو بھرتپور کے مفلوک الحال کسانوں نے اپنی رات دن کی چوریوں سے پریشان کر دیا ہے۔ کسان اور غریب مزدور اب اس غیر اخلاقی فعل کے ارتکاب کیلئے مجبور ہیں گو اس سے بھی ان کی زندگی مصائب کا شکار رہتی ہے لیکن زندگی بھر انسان مرنے سے پہلے کسی نہ کسی طرح جینے کیلئے مجبور ہے۔ اس کے علاوہ پچھلے پچاس سال کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ باوجود کثرت [illegible] ریاست کی آبادی بجائے بڑھنے کے گھٹتی ہے۔ علاقے کے علاقے ویران ہو گئے ہیں۔ بھرتپور کے ہزارہا آدمی آج بہت بڑی تعداد میں پنجاب، گجرات، کلکتہ اور بمبئی کے صنعتی مرکزوں میں جا کر بس گئے ہیں۔

اب رہا دوسرا سوال کہ لوگ اس تباہ حالی کو ابتک کس طرح خاموشی سے برداشت کرتے رہے؟ اس کے جواب دیتے وقت ہمیں بھرتپور کی تاریخ پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ جہاں سو سوا سو برس [illegible] ہتھیار بند [illegible] اور بندوقیں سنبھالے تیار رکھے جاتے ہیں کہ ایک اشارہ پر فوراً [illegible] کی دیہاتی آبادی پر حملہ بول دیں۔ جو ساری ریاست کے نزدیک دشوار ہے پچھلے بندوبست (۲۸، ۲۹) میں مالگذاری بڑھائی گئی۔ تو ساری ریاست میں شور مچ گیا اور کسان دَل کے دَل بھرتپور میں فریاد کرنے آئے۔ صدر کونسل نے انکو یہ کہہ کر اطمینان دلایا کہ سائر مالگذاری میں شریک کر دیا گیا ہے الگ نہ لیا جائیگا۔ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ تھوڑے دن بعد پھر ڈالکر پھر سائر (کسٹم) وصول کیا جانے لگا اور آہستہ آہستہ لوگ [illegible] عادی ہو گئے تھے کہ اتنے میں (سنہ ۳۱، ۳۲ء) الور میں تحریک اٹھی جو مالگذاری کی زیادتی کے خلاف ایک زبردست ہیجان تھا۔ اور وہ تحریک الور کے راجا کے نکالے جانے اور مالگذاری گھٹانے پر ختم ہوئی الور والوں کی کامیابی دیکھ کر بھرتپور کی میوات میں بھی ایکا ایکی بنا کسی تحریک، بنا کسی تنظیم، عدم ادائیگی مالگذاری شروع کر دی گئی۔ بھرتپور کی ریاستی فوج نے فوراً میوات کے دیہات کو آ گھیرا اور جبراً مالگذاری وصول کرنیکا ارادہ کیا۔ پہاڑی تحصیل کے تمام دیہات نے بھی موضع [illegible] بندوق کے اپنا مورچہ جوابی کارروائی کے لئے جا [illegible] انگریزی شہنشاہیت کی مشین حرکت میں آئی اور ضلع گوڑگانوہ کے پنجاب اسمبلی کے ایک میو ممبر نے انگریزی سرکار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اور بظاہر ریاستی میوؤں کو بربادی سے بچانے کے لئے بھرتپور کے میو چودھریوں کو پیام پر پیام بھیجے۔ مورچہ ہٹا لیا گیا مالگذاری دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

پچھلے مذکورہ واقعات کی موجودگی میں یہ خیال کرنا کہ ریاست بھرت پور کے کسان خاموش بیٹھے ہیں غلط ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ان کو تحریک کا منظم کرنا بنانا ابھی نہیں آتا۔ لیکن کب تک نہ آئیگا۔ حالات کا تقاضہ ہے کہ ریاست بھرت پور میں کسانوں، مزدوروں، چھوٹی چھوٹی حیثیت کے دوکانداروں کی ایک منظم تحریک پوری قوت سے اٹھے اور اُن مظالم کا خاتمہ کر دے جو اُن کو برباد کر رہے ہیں۔ بھاری مالگذاری، بھاری سائر، پھر اُن کے وصول کرنے کے عجیب عجیب ظالمانہ طریقے، یہ سب ایک زبردست انقلابی تحریک کے ریاست میں برپا ہونے کا اشارہ کر رہے ہیں جس کے شروع ہونے کی خبر وہاں پرجا منڈل کے قائم ہونے، پھر ریاست کی طرف سے اس کے ناجائز قرار دیئے جانے، پھر ریاست کی حدود پر انگریزی علاقہ میں ریاستی پرجا کے جلسے ہونے سے ہمیں مل رہی ہے۔ پرجا منڈل کا مطالبہ ہے کہ ریاست میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ سابق مہاراجہ بھرت پور نے ۱۹۲۸ء میں ایک برائے نام ذمہ دار اسمبلی عطا کرنے کیلئے ایک قانون نافذ کیا تھا جس میں بڑے بڑے ساہوکاروں اور بہت بڑے زمینداروں کو حق رائے دہندگی دیا گیا تھا۔ اگر اس قانون پر عمل ہوتا تو کچھ نمائندے رائے دہندوں سے چنے اور کچھ مہاراجہ کی طرف سے نامزد کئے جاتے۔ وہی اسمبلی وزراء کا چناؤ کرتی۔ راجہ کے ذاتی اخراجات پر اسمبلی کو کوئی محاسبہ کرنے کا حق نہ ہوتا۔ باقی انتظامات میں اسمبلی خود مختار ہوتی اس آئین کے بموجب حلقہ بندی کر دی گئی تھی عام انتخاب جس دن ہونے والا تھا ٹھیک اس سے ایک دن پہلے انگریزی حکومت نے جبراً ہز ہائینس کو ریاست سے نکال باہر کیا۔ آئین منسوخ کر دیا گیا۔ ۵ ممبروں کی ایک کونسل بن گئی جس کا صدر یا وزیر اعظم ایک انگریز مقرر کر دیا گیا۔ باقی چار ممبروں کا تقرر بھی حکومت ہند کے پولٹیکل محکمے کی طرف سے عمل میں آیا۔ اور اسوقت سے ابتک یہی عمل جاری ہے۔ سابق مہاراج فوت ہو چکے ہیں۔ اُن کے فرزند موجودہ مہاراجہ گو بالغ ہو چکے ہیں۔ لیکن بھرت پور پر قبضہ اس نامزد کونسل کا ہے۔

بھرت پور کی ریاست میں جو اندولن ابھرتا نظر آ رہا ہے اُسے قوم پرستوں اور انقلاب پرستوں سب ہی کو غور سے سمجھنا چاہیئے۔ اصلی اور بنیادی وجہ اس تحریک کی کسانوں، مزدوروں اور چھوٹی حیثیت کے دکانداروں کی مفلسی اور فاقہ کشی ہے یہ گروہ اٹھانوے فیصدی کل ریاستی آبادی کا حصہ ہے۔ وہ اپنی فاقہ کشی سے تنگ ہے ان کی فاقہ کشی دور ہونی چاہیئے خواہ وہ کوئی دیوتا یا پیر پیغمبر دور کرا دے یا کوئی منظم تحریک اسے اُن سے دور کر دے۔ دوسری بے چینی جو کسی قومی یا انقلابی تحریک کو وہاں ہوا دے سکتی ہے کھاتے پیتے لوگوں اور بڑے ساہوکاروں کی بے چینی ہے۔ جو ایک طرف تو ٹیکسوں کے بوجھ سے ہلکا ہونا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ذمہ دار حکومت وہاں قائم ہو جائے۔ تو وہ پھر صنعتی کارخانے اور تجارتی کمپنیاں بنائیں۔ جن میں وہ اپنا سرمایہ لگا کر فاقہ کش مزدوروں اور لاتعداد کنگال کسانوں کو تھوڑی تھوڑی مزدوریاں دے کر بڑے بڑے فائدے اٹھائیں۔ تیسری بے چینی بڑے بڑے زمینداروں اور تعلیم یافتہ مطلب پرستوں کی ہے۔ یہ بھی اس تحریک کی پشتی بانی کر سکتے ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ بھرت پور میں ذمہ دار اور نمائندہ حکومت کے قیام ہونے پر ان میں سے ہی وزراء سکرٹیری، اور دوسرے اعلیٰ عہدیداران کا تقرر کیا جا سکیگا۔ چوتھی بے چینی خود بے اختیار ہز ہائینس کی بے دست و پائی ہے جو کسی بھی شور و غل، یا منظم تحریک کی صورت میں ہی امیدوار ہو سکتے ہیں کہ ان کی جان انگریزی اقتدار سے چھوٹ جائے گی۔ اور وہ اطمینان کا سانس لے سکیں گے۔ اور اس طرح با اختیار ہونے کے بعد ہز ہائینس کیا کیا منصوبے اپنے باندھ سکتے ہیں۔ غرض اتنی بے چینیاں ہیں۔ اور اس قدر مختلف جماعتوں کی آرزوئیں ہیں جو سب مل کر اسوقت تحریک کی مدد و معاون بنتی نظر آتی ہیں۔ لیکن ان سب کے مقابلہ میں صرف ایک فریق ہے جو آستین چڑھائے مقابلے کیلئے تیار ہے وہ ہے انگریزی شہنشاہیت! اور اس کے وہ چند کارندے جو ممبروں اور اعلیٰ عہدے داروں کی حیثیت میں اسوقت ریاست کی مشینری چلا رہے ہیں۔ انھوں نے پچھلے دنوں میں جدید قوانین بنا کر ریاستی عوام سے انجمنوں، سبھا، سوسائٹیوں کے بنانے کا حق چھین لیا ہے۔ اور پبلک جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کے حقوق سے محروم کر دیا۔

ہندوستان کے ریاستی عوام کی تحریک جو سارے ملک میں جاری ہے اور اس حد تک بھرت پور کی پرجا کو گدگدا رہی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بھرت پور کی مستبد حکومت کو چوکنا کر رہی ہے۔ تمام سرحدی دیہات کی اندر اور باہر آنے جانے والوں کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے خفیہ پولیس کی تعداد بڑھا دی گئی ہے جو جلسے ریاست کے باہر پرجا منڈل نے کئے اس میں بھرت پور کی خفیہ پولیس بڑی تعداد میں شریک ہوتی رہتی ہے دو آدمی موہکم ضلع متھرا میں ایسے بھی پکڑے گئے جو بھرت پور پرجا منڈل کے کاغذات چرا کر لے جانا چاہتے تھے۔

ہری پورہ کے پچھلے اجلاس انڈین نیشنل کانگریس نے ریاستی ریزولیوشن سے رجس کی خلاف ورزی خود اس کے پاس کرانے والوں نے آخر کار ماحول سے مجبور ہو کر کی، یقیناً سب غیر ریاستی ہندوستان کے سرگرم کارکن مجبور کر دیئے گئے تھے کہ وہ ریاستی ہندوستان کے باشندوں کی، جو اُن کے اپنے بھائی ہیں، کسی قسم کی امداد نہ کریں البتہ ان کے لئے دعائیں مانگیں۔ مگر سب نے دیکھ لیا کہ دعا مانگنا نہ صرف بے سود ہے بلکہ صرف دعائیں مانگتے رہنے کا دعویٰ کرنا بے معنی اور ناممکن ہے۔ ریاستی عوام حرکت میں آ چکے ہیں۔ ایسی حرکت میں کہ اس کے سلسلے میں سیٹھ جمنا لال بجاج اور سردار پٹیل جیسے ستون اور یہاں تک کہ مہاتما گاندھی جیسے زبان کے پابند قطب مینار بھی اس تحریک میں بہتے آ رہے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم کو ہرگز ہرگز چپ چپ الگ تھلگ پڑے دعائیں مانگتے ہوئے اور ریاستی عوام کو آشیرباد دیتے ہوئے نہیں بیٹھنا ہے بلکہ سارے ہندوستان کو کہتے ہوئے میدان میں آنا ہے کہ: "انڈین نیشنل کانگرس کے دفتر سے پرانے ہندوستان کا نقشہ پھاڑ کر پھینک دیا گیا ہے اور اب یہاں صرف ایک ہی ہندوستان ہے، کشمیر سے راس کماری تک، جس میں ریاستی ہندوستان کی پرانی حدیں موجود نہیں ہیں۔"

یو پی اسمبلی

اعتراض ڈھونڈھے نہیں ملتے

اسمبلی میں بجٹ پر بحث

حکومت رعایا کے اخلاق کی ذمہ دار ہے

بجٹ پر بحث چھڑی تو مخالفین کو اعتراض کرنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ کیونکہ کل تک یہی لوگ بجٹ پڑے گھاٹوں پر چلاتے آئے تھے، اور آبکاری سے آمدنی پیدا کرتے تھے اور ان کی حکومت کے اخراجات کی کوئی تھاہ نہ تھی۔ ایسی مشکل یہ تھی کہ وہ اعتراض کریں تو کیا کریں۔ لیکن اونھوں نے اعتراض اور یہاں تک کہ کل تک جو لوگ جیلوں کے قیدیوں پر مشق ناز فرماتے رہتے تھے، آج قیدیوں کی ہمدردی کے ٹھیکیدار بننے کی کوشش میں لگ گئے۔

۱۴ مارچ سے یو پی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا اور بجٹ پر بحث ہونے لگی۔ بحث میں جو باتیں اٹھیں وہ یہ تھیں کہ فلاں مد میں اتنا روپیہ کیوں ہے، اور فلاں مد میں اتنا کم کیوں ہے اور فلاں فرقہ کو اتنا کیوں دیا گیا۔ . . . . ملازمت ٹیکس پٹرول ٹیکس اور نشہ بندی کی اسکیم پر بحث ہوئی کنور سر مہاراج سنگھ اور سر جوالا پرشاد نے اس پر بڑا اعتراض کیا کہ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں پرانے آئی سی ایس والوں کو کیوں برا کہا؟ وہ لوگ بڑے اچھے ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے پرانے بجٹوں میں جو گھاٹے ہوئے اس کی وجہ بڑی معقول تھی۔ مگر ایوان نے ان کی تقریروں کی طرف توجہ نہیں دی۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ وہ یہ نہ کہتے تو کیا کہتے۔

مسٹر ظہیر الدین لاری نے اپنی تقریر میں ملازمت ٹیکس کی بہت تعریف کی کہ یہ ٹیکس بہت انصاف سے لگایا گیا ہے مگر ان کی اس تقریر پر جب مسلم لیگی چہ میگوئیاں کرنے لگے تو لاری صاحب نے کہدیا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔

سلطان عالم صاحب نے اس ٹیکس کی بہت برائی کی ان کے خیال میں یہ ٹیکس غیر قانونی بھی ہے لیکن اونھوں نے اس کی بہت تعریف کی کہ چپراسیوں کی تنخواہیں بڑھادی گئیں۔

لیکن اس روز مخالف پارٹی کی طرف سے دو چار اعتراض ہوئے اس میں جو سب سے بڑا اعتراض تھا وہ یہ کہ یہ بجٹ پروپیگنڈا بجٹ ہے۔

دوسرے روز وزیر اعظم نے ایک گھنٹہ کی تقریر میں تمام اعتراضوں کے بہت اچھے جواب دیئے۔ پروپیگنڈے والے اعتراض پر انھوں نے کہا کہ پروپیگنڈا بجٹ سے انکا مطلب کیا ہے؟

مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ بجٹ اتنا اچھا ہے کہ جو اسکو دیکھے گا پسند کرے گا اور جس جماعت نے اپنایا ہے اسپر پچھلی حکومتوں سے زیادہ بھروسا کریگا یا یہ مطلب ہے کہ عوام کو اس سے اتنا فائدہ پہونچے گا کہ وہ اس حکومت کو بہت پسند کرلیں گے

وزیر اعظم نے کہا کہ زیادہ اعتراض ایسے ہیں کہ ان کا تعلق اقتصادیات سے نہیں ہے بلکہ انتظامی معاملوں سے ہے۔ اور ان پر بحث کرنیکا موقع نہیں ہے

بجٹ کی وجہ یہ ہے کہ اس حکومت نے پیسہ پیسہ دیکھ کر خرچ کیا ہے اگر پچھلے اخراجات کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک سال کتنی کمی ہوگئی ہے۔ ہم نے اس طرح ۱۶ سے لیکر ۲۰ لاکھ تک بچا لیا ہے۔

مسٹر لیاک نے کہا تھا کہ حکومت کی ساکھ گر گئی ہے اس کا وزیر اعظم نے جواب دیا کہ یہ صرف شرارت ہماری پارٹی کی ہے ورنہ حکومت کی ساکھ اب اتنی بڑھ گئی ہے کہ جب اسکو ضرورت ہوئی اس نے بہت معمولی سود پر چند گھنٹوں میں کافی رقم مہیا کرلی۔

نشہ بندی سے آمدنی گھٹا دینے پر جو اعتراض ہوتے ہیں اس کے جواب میں ... حکومت کا یہ فرض ہے کہ رعایا کے اخلاق کا خیال کرے ہم پاپ سمجھتے ہیں آبکاری سے اپنی آمدنی بڑھانا۔ اگر اس سے آمدنی بڑھائی جاسکتی ہے تو تمباکو پر بھی ٹیکس لگا کر آمدنی بڑھائی جاسکتی ہے۔ اور سرکاری لاٹری سے بھی روپیہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔

۱۵ مارچ کو بڑا لطف آیا۔ جیل کی اصلاحوں پر بحث تھی اور مخالف پارٹی نے اصلاحوں کا ٹھیکیدار بننے کی کوشش کی اسپر کانگریسیوں نے اپنے جیل کے تجربے سنائے، اور کہا کہ اسوقت مخالف پارٹی کے یہی حضرات ہم پر مشق ناز فرمایا کرتے تھے۔

۱۵ مارچ کو وزیر اعظم نے ایوان کے سامنے پیش کیا کہ ملازمت ٹیکس پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کردی جائے۔ اسپر جوالا پرشاد سریواستوا نے کہا کہ یہ بل خلاف قانون ہے۔

اس کا جواب ۱۷ مارچ کو نرائن پرشاد استھانا ایڈوکیٹ جنرل نے دیا۔ اونھوں نے کہا کہ یہ بل قانون کے موافق ہے۔ سر جوالا پرشاد نے اس کو آمدنی پر ٹیکس سمجھا ہے۔ یہ غلط ہے یہ آمدنی پر نہیں بلکہ ان لوگوں پر ٹیکس ہے جن کو ملازمت سے آمدنی ہوتی ہے اس سے زمین کی آمدنی خارج ہے۔

ڈاکٹر کاٹجو سے نشہ بندی پر کہا گیا کہ مجھے سرکاری اور غیر سرکاری خبریں مل رہی ہیں کہ اس میں بڑی کامیابی ہورہی ہے۔

آل انڈیا ریاستی عوامی کانفرنس

ایک غلط فہمی کا ازالہ

(۲۶ فروری کے 'ہندستان' میں آل انڈیا ریاستی عوامی کانفرنس لدھیانہ کی کارروائی کے سلسلہ میں سوال آزادی کی تحریک پر بھوپال کے شاکر علی خاں صاحب کی تقریر کے کچھ ٹکڑے شائع ہوئے تھے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس تقریر کی رپورٹ میں غرضمند لوگ طرح طرح کے معنی پہنا رہے ہیں۔ چنانچہ ناظرین کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے ہم شاکر علی صاحب کی تقریر کا خلاصہ جس کی کہ خود انھوں نے تصدیق کردی ہے پھر سے شائع کرتے ہیں — ایڈیٹر)

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

اس کی رہنمائی کر رہا ہوں ملتوی کر دیا گیا ہے"۔
گاندھی جی کا کہنا ہے کہ اس طرح رائے عامہ کو ٹراونکور کی تحریک آزادی کا ہمدرد بنایا جاسکیگا اور دربار کو بھی موقعہ مل جائیگا کہ وہ اپنی رائے پر نظرثانی کرنے کا موقع مل جائیگا۔
آخر میں مہاتما جی نے یہ بیان کیا ہے کہ والئی ریاست نے حال ہی میں جو بیان دیا ہے اس عرصہ میں والئی ریاست پر اس کا اثر ظاہر ہو جائے گا۔
آخر میں گاندھی جی نے لکھا ہے۔
"لیکن میں ٹراونکور والوں اور تمام متعلقہ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس التوا کے زمانہ میں میں خاموش نہیں بیٹھوں گا اور اگر بالفرض اس اثنا میں ان ریاستوں میں جہاں سول نافرمانی جاری تھی اور بعد میں ملتوی کر دی گئی تھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو مجھے کوئی آخری فیصلہ کرنے میں دیر نہیں ہوگی"۔

ہٹلر کی بھیڑیا پالیسی

میمل بھی ہڑپ

۲۲ مارچ کو ۸ بجے صبح سے میمل سرکاری طور پر جرمنی کے قبضہ میں آگیا۔
۲۳ تاریخ کو ٹھیک ۵ بجے صبح جرمن فوجیں میمل کے علاقہ میں داخل ہو گئیں۔ اور اسی دن دوپہر کو ہرہٹلر بھی میمل پہنچ گئے۔
میمل کے باشندوں سے خطاب کرتے ہوئے ہٹلر نے کہا "آپ لوگوں کو ایک کمزور جرمنی نے چھوڑ دیا تھا اور اب آپ ایک ایسے جرمنی کے پاس واپس آگئے ہیں جو مضبوط ہے اور اپنی قسمت اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے تیار ہے"۔ اگرچہ یہ دنیا کے باقی ملکوں کی طرح نہیں ہے لیکن اس نئے جرمنی میں ۸ کروڑ سے اوپر آدمی

آباد ہیں۔ ہمارا اتحاد کبھی ٹوٹ کر الگ نہیں ہوگا۔ اور کوئی دوسری طاقت اسے نہیں توڑ سکتی۔ ہم کسی کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے لیکن ہم ... بھی کسی نقصان کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ جرمن نسل کے پیارے افراد اور جرمنی کے نئے اعظم کے شہریوں کی حیثیت سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں"۔
۲۱ مارچ کو جرمنی نے حکومت لتھوانیا کو الٹیمیٹم دیا تھا کہ وہ میمل سے دستبردار ہو جائے ورنہ جرمنی فوج کشی کر کے یہ علاقہ حاصل کر لے گا۔ حکومت نے اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر جرمنی کے مطالبات منظور کر لئے۔

پولینڈ کو دھکا

پولینڈ سلوواکیہ کی آزادی کو تسلیم کر لینے کے بعد سمجھتا تھا کہ اگرچہ سلوواکیہ اقتصادیات میں آزاد نہیں ہوگا لیکن سیاسی اعتبار سے تو وہ آزاد ہی رہے گا لیکن اس کے ہٹلر کی حفاظت میں چلے جانے سے پولینڈ میں کافی کھلبلی مچ گئی ہے اسلئے کہ اب دریائے ڈینیوب کے اطراف کے علاقہ تک جانے کے لئے پولینڈ کے پاس کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جو جرمنی کے زیر اثر نہ ہو۔

جرمنی کی فضائی طاقت

مشرقی یورپ میں ایک نیا فضائی بیڑا

جرمنی نے "نمبر ۴" کے نام سے ایک نیا فضائی بیڑا تیار کیا ہے جس میں آسٹریا۔ بوہیمیا۔ موراویا سوڈیٹن لینڈ اور سیلیسیا شامل ہیں۔
بیان کیا جاتا ہے کہ اس بیڑے سے جرمن فضائی بیڑے کی طاقت جو فضائی طاقت میں اضافہ کرنے کے موجودہ منصوبوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔

جرمنی کیخلاف متحدہ محاذ

بین الاقوامی کانفرنس کی تجویز؟

رائٹر کے سیاسی نامہ نگار کا کہنا ہے کہ عنقریب ہی برطانیہ فرانس سوویٹ یونین اور دوسری حکومتیں ایک مشترکہ اعلان شایع کرنے والی ہیں جس میں اس بات کو صاف کر دیا جائے گا کہ اگر اب جرمنی کیطرف سے کوئی نیا حملہ ہوا تو مشترکہ طور پر اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔
اس سلسلہ میں روس کی تجویز تھی کہ جمہوری حکومتیں جنھیں جرمنی سے خطرہ ہے جلد سے جلد ایک کانفرنس ملا کر اپنے رویہ کی وضاحت کر لیں۔
برطانیہ اور فرانس کو اس اصول سے اتفاق ہے لیکن برطانیہ کا خیال ہے کہ موجودہ صورت حال میں کانفرنس بلانے کی بہ نسبت ایک مشترکہ اعلان شایع کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ روس کے رویہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ برطانیہ کی اس تجویز کا مخالف تو نہیں ہے لیکن وہ اس بات کا یقین کر لینا چاہتا ہے کہ آیا ضرورت پڑنے پر برطانیہ اور فرانس کسی کارروائی پر تیار بھی ہوں گے یا نہیں۔

جرمنی کو کیا ملا

چیکوسلاواکیہ کو فتح کر لینے سے جرمنی کو اتنے اسلحہ مل گئے ہیں جو ۴۰ ڈویژن فوج کے لئے کافی ہونگے۔ اس کے علاوہ چیکوسلاواکیہ سے جرمنی کو ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ کا سونا اور ایک کروڑ اور دو کروڑ پونڈ کی بنجی جائداد بھی جس کی بین الاقوامی ضمانت ہے ہاتھ آئی۔
جرمنی کو سب سے اہم اقتصادی منافع یہ ہوا ہے کہ اس کی صنعتوں کے لئے مزدوروں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور پیداوار میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اسلئے اب وہ اپنی ساکھ آسانی سے بڑھا سکے گا۔ بعض چیک صنعتیں

ہندستان میں سوشلزم کا بیج

(محمود الظفر)

سوشلزم یورپ میں تو ایک صدی سے جڑ پکڑ چکی ہے، مگر ہندستان میں اسکا بیج نیا نیا پڑا ہے۔ جنگ عظیم سے پہلے یہاں کوئی اس کا نام بھی نہ جانتا تھا۔ ۱۹۲۰ء کے بعد کچھ ہندستانی جو ہجرت کرکے کابل چلے گئے، گھومتے پھرتے مشرق قریب اور روس جا پہنچے، اور جب وہاں سے واپس آئے ہیں تو انکے دماغ میں سوشلزمی خیالات بھرے ہوئے تھے اور انہیں لوگوں نے اسکا بیج لاکر ہندستان میں بویا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ ایسا پھلا پھولا کہ برطانیہ کو اسکی موجودگی ناگوار ہوئی۔ جسکا ثبوت یہ ہے کہ اس نے ۲۲ء کا پشاور سازش کا مقدمہ چلایا جس میں انکے ایم۔ این رائے اور دوسرے بڑے بڑے سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو ماخوذ کیا۔

۲۸ء تک سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کی تعداد کافی بڑھ گئی، اور انھوں نے مزدوروں اور کسانوں کی ایک سیاسی انجمن بنائی جسکا مطلب تھا کہ انقلابی تحریک کو بڑھا کر ہندستان میں انقلاب لایا جائے۔ دو سال کے اندر اندر بہت سی بڑی بڑی ہڑتالیں ہوئیں۔ اس طرح یہ تحریک تیزی سے آگے بڑھی۔ اور ۲۹ء تک کمیونسٹوں کا زور اتنا بڑھ گیا کہ انھوں نے ٹریڈ یونین کانگرس کے اجلاس پر جو ناگپور میں ہو رہا تھا پورا قبضہ کرلیا۔ یہ دیکھکر اعتدال پسندوں نے ٹریڈ یونین چھوڑ کر اپنی الگ انجمن بنالی۔

برطانوی سامراج کو آخر اس نئی آفت کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ اور وہ اکدم سے ایسا گھبرایا کہ اسنے مقدمہ سازش میرٹھ کے نام سے ایک ڈھونگ کھڑا کردیا۔ جسمیں ۳۱ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ یہ مقدمہ تین سال تک میرٹھ میں چلتا رہا، اسپر حکومت ہند نے ۵ لاکھ روپیہ پانی کی طرح بہایا، اور آخر کو بڑی وحشیانہ سزائیں دیں جس میں چودہ چودہ سال کی قید بامشقت تھی۔ برطانیہ کو امید تھی کہ مقدمہ چلاکر اور وحشیانہ سزائیں دیکر لوگوں کے دلوں میں ڈر بٹھا دے گی، اور اسکے بعد کوئی سوشلسٹ بننے کا نام بھی نہ لیگا۔ لیکن نتیجہ اسکا الٹا ہوا۔ مقدمہ کے سلسلے میں قیدیوں نے بڑے اچھے اچھے بیان دیئے تھے، جس میں سوشلزم اور کمیونزم کے مقصد وغیرہ صاف کئے تھے ان بیانوں نے ملک پر اچھا اثر کیا۔ پھر جوان لوگوں کو ایسی سخت سزائیں ملیں تو ملک میں بہت سے نوجوان ان خیالات کے بن گئے۔ اور طالب علموں کو سوشلزم کا شوق پیدا ہوگیا۔ سرکاری رپورٹوں سے بھی لوگوں کو اسکے متعلق بہت کچھ معلوم ہونے لگا۔ جب اس مقدمہ کی الہ آباد ہائی کورٹ میں اپیل ہوئی تو سزائیں بہت کم ہوگئیں اور ہائی کورٹ نے یہاں تک فیصلہ کردیا کہ کمیونسٹ ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ مگر اس خیال کا پرچار کرنا غیر قانونی قرار دیدیا گیا۔

کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کو قدم قدم پر برطانوی...... سامراج کی سختیوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا، لیکن اسپر بھی انکے خیالات ہندستان میں پھیلنے لگے، اور یہاں کی سیاسی جماعتوں میں زور پکڑنے لگے۔

۲۷ء میں جواہر لال نہرو ماسکو ہوکر واپس آئے۔ ان پر روس کے اکتوبر ۱۷ء کے انقلاب کا اور پھر اسکے بعد سوشلزمی سماج وہاں بنا ہے اس کا بہت گہرا اثر ہوا، یہاں آکر انھوں نے ان خیالات کا پرچار کیا جس سے انکے گرد کانگرس کے اندر ایک ترقی پسند جماعت...... پیدا ہوگئی۔ یہ جماعت سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کی جماعت سے الگ تھی، یہ لوگ اپنے ترقی پسند خیالات لئے ہوئے کانگرس میں شریک تھے، اور انکے خیالات کا کانگرس پر اثر پڑنے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور کانگرس کے اجلاس میں مکمل آزادی کی قرارداد پاس ہوگئی۔ اور جواہر لال نے اپنے خطبہ میں اس بات پر زور دیا کہ کانگرس کی تحریک کو عوام تک پہونچایا جائے، اور یہ کہ ہندستانی اور ہندستان کے باہر مزدوروں اور کسانوں پر جو سرمایہ داری لوٹ چل رہی ہے اسکے خلاف آواز اٹھائی جائے۔

کچھ دنوں تک تو درمیانی طبقہ کے نوجوانوں کی بنائی ہوئی نوجوان بھارت سبھاؤں نے اس نئے خیال کو اٹھایا اور پرچار کیا۔ لیکن آگے چلکر یہ جماعت کانگرس سے الگ ہوگئی لیکن وہ عوام میں بھی جڑ نہ پکڑ سکی۔

کمیونسٹوں اور نوجوان بھارت سبھاؤں نے پچھلے ستیہ گرہ کے دنوں میں گاندھی ارون سمجھوتہ کے خلاف بہت شور مچایا۔ اور پھر اپنے خیالات کو یہاں تک پھیلایا کہ کراچی کے اجلاس میں کانگرس کو اپنے پروگرام میں عوام کے مطالبات کو بھی شامل کرنا پڑا۔ یہی وہ بنیادی حقوق ہیں جو کراچی میں کانگرس نے تسلیم کرلئے۔

۳۱ء سے ۳۴ء تک سوشلزم کی تحریک پھیلتی رہی اور جگہ پکڑتی رہی۔ لوگوں کے خیالات صاف ہوتے گئے ان میں عمل کے آثار مختلف رنگوں میں ظاہر ہونے لگے۔ اور چھوٹے چھوٹے گروہ ملک میں خود بخود پیدا ہونے لگے۔

سوشلزم نے اس دور میں جہاں سب سے زیادہ طاقت پکڑی تھی، وہ جگہ بمبئی اور بنگال ہے۔ یہاں کمیونسٹوں...... نے مزدور پارٹی بنائی تھی جس نے مزدوروں میں خوب کام کیا، اسکے علاوہ بندرگاہ کے مزدوروں کی اور دوسرے مزدوروں کی بھی انجمنیں بنائیں۔

لیکن یہ سب پارٹیاں ملکر ایک پارٹی نہیں ہوسکیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپس میں جھگڑے بہت تھے۔ اور دوسری طرف پولیس بہت دق کرتی تھی۔ ۳۵ء میں کچھ کانگرسیوں نے جنکا اثر کانگرس میں بہت کافی تھا، اکٹھا ہوکر ایک پارٹی "کانگرس سوشلسٹ پارٹی" بنائی۔ ان لوگوں نے یہ طے کرلیا کہ اپنے پروگرام کو کانگرس کے اندر رہ کر چلائیں گے۔ اسی نئی جماعت کے خیالات سوشلزم اور طبقاتی جدوجہد کے بارے میں صاف نہ تھے، لیکن پھر بھی ملک پر اس کا بہت اثر پڑا۔ خاصکر نوجوان

کانگرس اس سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنا ایک پلیٹ فارم بنا لیا۔ کانگرس میں جو لوگ گاندھی ازم کے مخالف تھے وہ بھی اس نئی جماعت کی طرف جھک چلے دوسری طرف کانگرس سوشلسٹ پارٹی بھی سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹی کے اثر سے نہ بچ سکی۔ اسکے خیالات اور پروگرام کانگرس سوشلسٹ پارٹی میں گھر بنا تے گئے۔

ایک مدت تک کمیونسٹ اور سوشلسٹ ساتھ تھے۔ کیونکہ جہاں تک سوشلسٹوں کا یہ پروگرام تھا کہ ملکی سیاسی تحریک کو عوام تک پہنچایا جائے اس میں وہ پورا ساتھ دینے کو تیار تھے۔ خاصکر اس پروگرام میں کہ طبقاتی جدوجہد کے لئے مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کو منظم کیا جائے۔ جب ۱۹۳۶ء میں سامراج دشمن متحدہ محاذ (انٹی امپیریلسٹ۔ یو) لکھنؤ میں ہوا تو یہ بات بالکل صاف ہو گئی۔

اسی زمانہ میں دنیا کی عام حالت نے، اقتصادی ابتری، جرمنی میں فاسزم کا زور پکڑنا، اور اسکے پھیلنے کا خطرہ، عالمگیر جنگ کا دھڑکا، ان باتوں نے ساری دنیا کی سوشلسٹ تحریک پر گہرا اثر ڈالا۔ ان خطروں کا سامنا دیکھکر کمیونسٹ، سوشلسٹ حتی کہ اعتدال پسند بھی اس بات پر تیار ہو گئے کہ ساتھ ملکر ادب، کلچر اور امن کی حفاظت کیجائے۔ اور ۱۹۳۶ء میں ہی بار بار پیرس میں متحدہ محاذ کی صدا اٹھی جو بڑھتے بڑھتے ساری دنیا میں پھیل گئی۔

۱۹۳۶ء میں جب کانگرس کا لکھنؤ میں اجلاس ہوا تو متحدہ محاذ بنانے کے لئے کمیونسٹ پارٹی نے انتہائی کوشش کی۔ بعض سوشلسٹوں اور جواہر لال نہرو نے بھی اسکی تائید کی۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ کانگرس کو عوام میں پھیلایا جائے، مزدوروں، اور کسانوں کی الگ الگ جماعتیں بنائی جائیں۔ اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں میں کام کیا جائے۔ اس اجلاس میں یہ سب مسئلے صاف طور پر سامنے لائے گئے۔ ۹ مہینے کے بعد جب فیض پور میں اس بات کی ضرورت پڑی کہ ایک ایسا پروگرام بنایا جائے جس میں عوام کے مطالبوں کا خاص خیال ہو تو سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کے بتائے طریقوں پر عمل کیا گیا۔ اور اسی پروگرام کی طاقت تھی جو کانگرس نے اتنے بڑے الکشن میں اتنی بڑی کامیابی حاصل کی۔

جب کانگرس نے وزارتیں قبول کرلیں تو کانگرسی لیڈرشپ نے چال دھیمی کردی۔ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں نے اس خطرہ کو پہلے سے تاڑ لیا تھا اور وہ برابر بتاتے آتے تھے کہ اب قانونی حدود میں کام کرنے کی وجہ سے کانگرسی لیڈرشپ کمزور پڑ رہی ہے۔ اور اب وہ خود عوام میں بہت زور سے کام کرنے لگے۔ اور انکی روزمرہ کی مانگوں پر انکی تحریک کو آگے بڑھاتے رہے۔ کانگرس نے مینی فسٹو میں جو وعدے کئے تھے اور جو ابھی تک کانگرسی حکومتیں نہیں پورا کرسکی تھیں انکے پورا کرانے کا یہ لوگ مطالبہ کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے اٹھارہ مہینے کے اندر اندر مزدوروں اور کسانوں کی تحریکیں بہت زور پکڑ گئیں

سوشلسٹوں ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ ریاستی عوام میں بھی بیداری پھیل گئی۔ اور سارے ہندستان میں آزادی کی ایک لہر دوڑ گئی جس سے کانگرس کا وقار ہندستان میں اور ہندستان سے باہر بہت بڑھ گیا۔ ساتھ ہی ساتھ ان تمام جماعتوں، یعنی مزدوروں، کسانوں اور طالبعلموں میں ایکا ہو رہا ہے۔ مزدوروں کی دونوں یونین بار بار آجانے والے خطرناک دنوں میں بھی مضبوطی سے بلا ڈگمگائے اپنی جگہ قائم ہے۔

ملکر ایک بن گئی ہیں۔

کچھ دنوں سے یہ بڑا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں کانگرس برطانیہ سے سمجھوتہ کرنے پر نہ آجائے، لیکن ایک طرف تو کانگرس میں انتہا پسندوں نے اکر متحدہ محاذ بنانے سے، اور دوسری طرف فیڈریشن کی سخت مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر جماعت ایکبار پھر سامراج سے ٹکر لینے کو تیار ہو گئی، ابھی ملتوی کے الکشن میں یہ بات ظاہر ہو گئی۔

سوشلسٹوں پر اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ سیاسی کاموں میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اگر پچھلے دس سال کی تاریخ دیکھئے تو صاف ظاہر ہو جائیگا کہ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں نے جس موقع پر جو بات پیش کی وہ عوامی تحریک کے لئے بہت ضروری تھی۔ انھوں نے ہمیشہ ایسے مسئلوں کو اٹھایا جو عوام کو بڑی تعداد میں کانگرس کی طرف کھینچ لائے، اور انھوں نے ایسے پروگرام بنائے جس سے سامراج اور اسکے دوستوں کو سخت زک پہونچی۔ کانگرس کا جو موجودہ پروگرام ہے، جس میں یہ ہے کہ ہندستان کا دستور اساسی ایک ایسی جمہوری پارٹی بنائے جسکو بالغ ہندستانیوں نے چنا ہو۔ اور جمہوری حکومت، سول آزادی، آٹھ گھنٹہ کا کام، لگان میں کمی، قرضے کی معافی کے مطالبے سب سوشلسٹوں کے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہی وہ پروگرام ہے جو ہندستان کے عوام میں بیداری پھیلا سکتا ہے، جو عوام میں پھوٹ نہ پھیلنے دے گا۔ اور جو ہر جماعت، ہر فرقہ، ہر ذات اور ہر مذہب کے لوگوں کو ایک میدان میں لاکر سامراج کے مقابل میں کھڑا کر سکتا ہے۔

لیکن اسی پروگرام کو عوام میں پھیلانے کے لئے بہت ضروری ہے کہ کام کرنے والے سوشلزم کے عملی اور علمی اصول سے اچھی طرح واقف ہوں، اور انکی جماعت ہر طرح سے مضبوط اور منظم ہو۔ اور یہ کام کرنے والوں کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو جیسا کہ آجکل کانگرس سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی کا مقصد ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ ملکر کام کریں۔ اور اپنی پارٹی کو عوام کی روزمرہ کی زندگی کے قریب لے جائیں۔

ساتھ ہی ساتھ جہاں جہاں کانگرس کا رسوخ ہے وہاں اسکی جڑیں اور مضبوط کرنا چاہئیں۔ اور لوکل کانگرس کمیٹیوں کے سامنے روزمرہ کے سیاسی سوال کھڑے کرنا چاہئیں۔ مزدوروں کسانوں اور طالب علموں کی جماعتوں کو خوب مضبوط بنانا چاہئے اور ان سب جماعتوں کو کانگرس میں لاکر متحدہ محاذ بنانا چاہئے۔ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں میں جو قومی تحریک سے کٹ کر رجعت پسندوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی ہیں کام کرنا چاہئے، اور ان میں کام کرنے میں ذرا غفلت نہ کرنا چاہئے۔ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ ان اقلیتوں کے جو روزمرہ کے مطالبے ہیں وہ کانگرس کے پروگرام میں شامل کردئے جائیں

جیسے جیسے ملک میں نئی جدوجہد بڑھیگی ملک کی سیاسی تحریک کی باگ ڈور سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کے ہاتھ میں آتی جائے گی، اسوقت سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو سوچنے کا تھوڑا سا وقت ملا ہے۔ اسلئے انکو اپنے پچھلے تجربوں پر نظر ڈالنا چاہئے، پروگرام بنانا چاہئے۔ اور جدوجہد کی ایک نیو ڈالنا چاہئے۔

گدوں سے غول

شاکر علی!

غول کے غول!

مردار جانوروں کے گرد چیل کوے اور گدھوں کے غول کے غول کیسے منڈلاتے ہیں؟ بازو پھڑپھڑاتے اور گول گول آنکھیں مٹکاتے ہوئے!

شہر میں ایک مل کھلنے کے چرچے ہونے لگے۔ عوام کی بے روزگاری کو دور کرنے کیلئے اینٹ، چونا اور کنکریٹ ڈھلنی شروع ہو گئیں، مشینوں کا آرڈر دیدیا گیا۔ ایسی مشینیں جنہیں کم سے کم مزدوروں کی ضرورت پڑے تاکہ نفع لاگت سے بہت زیادہ ہو۔

جب مل تیار ہو گئی تو مزدوروں کی اس متحدہ محنت کو کسی بدیسی "لمٹڈ" کے نام سے معنون کر دیا گیا۔

بیچ میں مل کی بڑی سی جیل نما عمارت تھی اونچی سی چمنی سے ہر وقت دھوئیں کے بادل نکلتے رہتے۔ مل سے ذرا فاصلہ پر بڑے اور چھوٹے صاحبوں کی کوٹھیاں بن گئی تھیں اور ان کی چمن بندی بھی ہو گئی تھی لیکن مل کے اصل چلانے والے مزدور، کاریگر اور مستری ابھی تک سڑکوں ہی کے بیچ پڑے تھے۔ ان کی کوٹھریاں بننے کا مسئلہ زیر غور تھا۔ چند دوکانیں بھی کھل گئی تھیں جس میں ایک شراب کی بھی تھی۔ مسجد اور مندر کی بنیادیں بھی پڑ گئیں۔ چند پیشہ ور عورتوں نے بھی اپنے اڈے قائم کرلئے سود خوار مہاجن بھی اپنے اڈے قائم کرلئے۔ دوکانداروں نے لین دین، مسجد و مندر نے تبلیغ "مذہب"، پیشہ ور عورتوں نے عشوہ و ناز اور مہاجن نے سود کا بیوپار شروع کر دیا۔ بیچارے مزدور کی کمائی انہی چیل، کوے اور گدوں میں تقسیم ہو جاتی اور وہ اسی طرح بھوکے کا بھوکا رہتا۔

تہوار کے موقعوں پر سنیما اور کارنیوال والے بھی اپنے کھیل تماشوں سے خاک اور دھوئیں اس بستی کو رونق بخشتے۔ آجکل بھی ایک کارنیوال آیا ہوا تھا۔ بڑے سے احاطے کے اندر گیس اور بجلی کی روشنی، گراموفون، تماشہ، مردوں، عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار۔ احاطے سے باہر ٹین کی چادروں پر موٹے موٹے لفظوں میں یہ عبارتیں لکھی ہوئی تھیں۔

کتے کا بلندی سے کودنا۔

جادو کے کمالات۔

میموں کے ناچ اور گانے!

مزدوروں کیلئے یہ سب عجیب و غریب چیزیں تھیں۔

میموں کے ناچ اور گانے!

میم اور انگریز جو ہندوستانیوں پر راج کرنے پیدا ہوئے ہیں ان کو ناچتے، گاتے، کودتے دیکھنا کتنی عجیب باتیں تھیں۔

میموں کی گوری گوری پنڈلیاں اور بازو، تھرکتی ہوئی چھاتیاں، کٹے ہوئے بال! انگریزوں کے سرخ سرخ چہرے بندروں کی طرح۔

یہ سب دیکھ کر مزدوروں کے اترے ہوئے چہرے کھل جاتے پپڑے ہوئے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آجاتی اور اندر سے ان کے پیلے پیلے دانت دکھائی دینے لگتے عورتیں بھی گھونگٹ کی اوٹ سے مسکرانے لگتیں۔

گود کے بچے اپنے ماؤں کی خشک چھاتیوں کو اور زور سے چچوڑنے لگتے۔

کارنیوال کے کونے میں دو جگہ "جوئے" کی بساط بچھی تھی۔

مزدور لکڑی کے کٹہرے پر جھکے پڑے تھے اور اپنی مٹھیوں سے آج کی مزدوری نکال نکال کر بازی لگا رہے تھے۔

"پیلی لال پے،

"کالے پے اٹھنی،

"پیلے پر لگا یار،

"نہیں ہر آئے گا ہار"

"ایک، دو، تین۔

"لال پے ایک، سفید پے ڈبل پیلے پے ایک:

کوئی پکارا: "وہ مارا!"

کسی نے کہا: "دیکھا نہ سنی:"

اور بعض صرف "ارے!" کرکے ہی رہ گئے۔

غرض "لو، گھنٹے کی متواتر محنت کی کمائی اس طرح ایک سکنڈ میں جا رہی تھی۔ پھر بھی سب جمے ہوئے تھے چند ہنس رہے تھے لیکن زیادہ خاموش جو جیت رہے تھے وہ اور کے لالچ میں ٹھکے ہوئے تھے اور جو ہار رہے تھے وہ اس لئے ٹھہرے ہوئے تھے کہ شاید ابکی بازی آجائے اور ہارے ہوئے بھی وصول ہو جائیں۔

یہ ہار جیت، یہ ناچ رنگ اور یہ ڈھنڈورا اسوقت تک جاری رہتا جب تک مزدوروں کو وہ اچھی طرح نہ چوس لیتے۔

تھوڑے دن بعد پھر اور کوئی اپنا حصہ مانگنے آجاتا۔

مردار جہاں پڑا ہوتا ہے وہاں چیل کوے اور گدھ منڈلاتے ہی ہیں۔

نہ ہوں گا تو ممکن ہے اس سے یہ سمجھا جائے کہ میں سبھاش بابو کے ساتھ پورے طور پر اشتراک عمل کو تیار نہیں ہوں۔ البتہ اس بات سے میرے فیصلہ کو کوئی تعلق نہ تھا لیکن بعض یہ ہر ایک کو کہاں تک سمجھاتا پھرتا۔ میں نے ورکنگ کمیٹی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن مجھے چین نہیں ہوا اور اپریل ۱۹۳۸ء میں میں نے گاندھی جی کو ایک خط لکھا۔ اپنے خط کے کچھ ٹکڑے میں یہاں نقل کرتا ہوں:-

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں کانگرس کی سیاست نے پچھلے چھ مہینے میں جو راستہ اختیار کیا ہے اس سے میں بہت پریشان ہوں۔ جن معاملات نے مجھے پریشان کیا انھیں سے ایک گاندھی سیوا سنگھ کا نیا روپ بھی ہے۔ . . . . . یہ دیکھکر صدمہ ہوتا ہے کہ گاندھی سیوا سنگھ جو دوسروں کے واسطے ایک معیار قائم کر سکتا تھا اور الیکشن جیتنے کی پارٹی بندی سے الگ رہ سکتا تھا۔ وہ تک اب معمولی سطح پر آتا جا رہا ہے۔ میں اس چیز کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہوں کہ کانگرسی وزارتیں نا قابلیت سے کام کر رہی ہیں اور جو کچھ وہ کر سکتی تھیں نہیں کر رہی ہیں۔ وہ اپنے کو پرانے زمانہ کے مطابق بنانے کی کوشش کر رہی ہیں، اور اسکو جائز ثابت کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ۔ اگرچہ بہت برا ہے۔ پھر بھی برداشت کیا جا سکتا تھا۔ اس سے بھی . . . . بدتر یہ بات ہے کہ ہمنے اتنے دنوں کی محنت سے لوگوں کے دلوں میں جو اونچی جگہ حاصل کی تھی اسے اب کھوئے دیتے ہیں۔ ہم معمولی سیاستدانوں کے درجہ تک گرتے جاتے ہیں، البتہ ایک حد تک اس کی وجہ ساری دنیا کی عام پستی ہے اور کچھ یہ اس درمیانی دور کی وجہ سے ہے جسمیں سے ہو کر ہم گذر رہے ہیں۔ تاہم اس نے ہماری کمزوریاں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ نظارہ تکلیف دہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے کانگرس میں اچھی طبیعت کے آدمی کافی تعداد میں ہیں۔ اگر وہ ٹھیک طور پر اس کی کوشش کریں۔ لیکن انکے دماغ پارٹی بندی سے بگڑ چکے ہیں اور اس آدمی یا اس گروہ کو کچل دینے کے سوچ سے بھرے پڑے ہیں۔ صاف طور پر اچھے آدمیوں پر برے آدمیوں کو ترجیح دیجاتی ہے کیونکہ وہ پارٹی کے راستہ پر چلنے کا وعدہ کرتے ہیں جہاں یہ باتیں ہونگی وہاں خرابی اور پستی یقینی ہے۔

"پچھلے کئی مہینوں سے میں محسوس کر رہا ہوں کہ ہندستان کی موجودہ فضا میں میں یہاں کوئی موثر کام نہیں کر سکتا ہوں تاہم میں کام کرتا رہا ہوں جیسے کہ جیسے ایک شخص ہمیشہ کام کرتا رہ سکتا ہے لیکن میں اپنے لئے وقت نا مناسب محسوس کر رہا ہوں۔ یہ بھی ایک وجہ تھی (اگرچہ اسکی وجہیں بھی تھیں) کہ میں نے یورپ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہاں جا کر میں اور زیادہ فائدہ کا کام کر سکتا ہوں اور بہر حال وہاں میں اپنے تھکے ماندے اور الجھے ہوئے دماغ کو تازہ کر سکونگا۔"

اس خط میں میں نے گاندھی سیوا سنگھ کا تذکرہ کیا ہے۔ بعد میں تحقیقات کرنے سے مجھے پتہ چلا کہ اس میں اس قسم کا کوئی سیاسی رنگ نہیں تھا۔ جیسا کہ مجھے یقین کرا دیا گیا تھا۔ اس میں غلطی کچھ مقامی آدمیوں کی تھی جنہوں نے کانگرس کے چناؤ میں گاندھی جی اور سیوا سنگھ کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

باقی ـــ باقی

تنقید و تبصرہ

لینن

مصنفہ ڈی مرسکی۔ مترجمہ ڈاکٹر کنور محمد اشرف۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ قیمت عہ

دنیا کی تاریخ میں لینین عجیب و غریب شخص گذرا ہے اس کی ذات پوری طرح روسی انقلاب کے عملی اور علمی حصہ میں جذب ہو گئی۔ اس نے ایک طرف روس کے عظیم الشان انقلاب کی رہبری کی اور دنیا میں عوامی انقلاب کا بیج بویا۔ اور دوسری طرف علمی دنیا کی یہ خدمت کی کہ مارکس کے لائے ہوئے فلسفہ کو زیادہ عملی اور کارآمد بنایا۔

اب تک اس کی زندگی پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن سب میں اسکو ایسا ہیرو بنا دیا گیا ہے کہ اس کی اصلی شخصیت مٹ گئی صرف ایک دو مصنف ایسے ہیں جو اسکو پوری طرح سمجھے ہیں۔ ان ہی میں ڈی مرسکی ایک روسی مصنف ہے۔

اردو میں ابھی تک لینن کی کوئی سوانح حیات نہیں تھی، ڈاکٹر اشرف نے یہ بہت بڑا کام کیا کہ اس کتاب کا ترجمہ کر دیا۔ کاش ترجمہ کی عبارت صاف اور عام فہم ہوتی تب یہ ترجمہ بہت کارآمد بن جاتا۔

حسابنامہ انڈین انشورنس کمپنی لمیٹڈ ڈیرہ دون

اس کمپنی کا حسابنامہ دفتر میں وصول ہوا ہے۔

حساب کی جانچ پڑتال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خرچ بہت کفایت اور مناسب ہوتا ہے۔ اور اس کی آمدنی معقول ہے اور ہمدردوں کی فہرست دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کا ادھر رجحان بڑھتا جاتا ہے۔

سنیما

دشمن

نیو تھیٹرز کا یہ نیا تماشہ آگیا۔ اسکا شور بہت سنتے آتے تھے۔ خبر گرم تھی کہ اسپر نیو تھیٹرز نے پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے۔ اس میں سیگل بالکل نئے رنگ میں آئے گا۔ ان خبروں سے اشتیاق ایسا بڑھ گیا تھا کہ تماشہ آتے ہی ہم پہلے ہی شو میں جا پہونچے اور تماشہ شروع ہوتے ہی اپنے کو اس میں غائب کر دیا۔ مگر تماشہ تھوڑا ہی سا دکھایا تھا کہ معلوم ہو گیا کہ ہماری سب امیدیں فضول

تماشائی:

تھیں۔

یہ تماشہ کیا ہے نیو تھیٹر کے کئی تماشوں کے اچھے مناظر کا نچوڑ ہے اسمیں کچھ تو دیوداس سے لیا ہے۔ کچھ پریزیڈنٹ سے اور کچھ دھوپ چھاؤں سے انتقام میں ایکسا ہے۔ کہ بے تابان قصے میں کھپا دیئے ہیں۔ اس سے یہ بات ضرور ہو گئی ہے کہ جب تک دیکھتے رہو الجھن نہیں ہوتی جو ایسے تماشے میں ضرور ہونا چاہیئے تھی مگر جہاں تماشہ ختم ہوا۔ اور سین اور ایکٹنگ کا جادو ختم ہوا ویسا ہی احساس ہوتا ہے کہ کسی جوڑ اور بہتر پیوندوں سے لاکر ایک سوا ہر کہانی کو ڈھکیل ڈھکیل آگے بڑھایا گیا ہے۔

ہیرو اور ہیروئن کی جدائی کا سین بہت پر اثر سین ہے۔ مگر افسوس ہے کہ کہانی اتنی کمزور ہے کہ اس میں وہ کھپتا نہیں۔ اور اسوجہ سے جیسا چاہیئے ...... ویسا اثر بھی نہیں کرتا ہے۔

سیگل اور لیلا ڈیسائی کی ایکٹنگ اچھی کہی جا سکتی تھی، اگر تماشہ میں اس کی گنجائش ہوتی لیکن پھر بھی بے موقع پر اثر کر جاتی ہے۔ نجم الحسن کی ایکٹنگ بہت مزدہ ہے آخر اس کا چہرہ یکھ کھنتا ہے اور انداز کچھ اور۔

اس فلم میں جو چیز سب سے زیادہ قابل تعریف ہے وہ فوٹو گرافی اور سیٹنگ ہیں اور سب سے زیادہ معمولی جو چیز ہے وہ گانے ہیں۔ اگر فوٹو گرافی اور سیٹنگ اچھی نہ ہوتی تو تماشہ اس قابل بھی نہ رہتا کہ کوئی اسے پورا دیکھ سکے۔ اور گانے ایسے ہیں کہ ان کو ہر طرح سے ادھانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن پھر بھی وہ نشانہ پر نہیں پہونچتے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴)

" ... ر ... کو اجلاس شروع ہونے پر شاکر علی خاں (بھوپال) نے سول آزادی پر ایک قرارداد پیش کی جو اتفاق رائے سے پاس ہو گئی ریاست بھوپال کے حالات بیان کرتے ہوئے شاکر علی خاں نے کہا کہ بھوپال میں۔ پبلک جلسوں کو روکنے کی سیکڑوں تدابیر کے علاوہ، غنڈوں کو شراب پلاکر جلسوں میں بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ جلسوں کو درہم برہم کر دیں۔

آگے چل کر انھوں نے کہا کہ ریاست بھوپال اسلامی ریاست کہی جاتی ہے لیکن اس نے ۱۸۵۷ء میں مسلمان بادشاہ کے خلاف انگریز کی مدد کی امان اللہ خاں نے جس وقت حملہ کیا تو بھوپال کی فوج ان کے مقابلہ کے لئے بھیجی گئی اسیطرح جنگ عظیم میں بھوپال کی فوج نے عرب اور عراق کے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔

ان واقعات سے اندازہ کیجئے کہ ریاستوں میں صرف حکمرانی انگریز کر رہے ہیں یا کوئی اور)

آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ بھوپال میں سب سے بدتر حالت مسلمانوں کی ہے، انھیں نہ صرف علم و ہنر بلکہ محنت و کارکردگی کے لحاظ سے بھی برباد کیا جا رہا ہے۔ آج بھوپال میں ہزاروں مسلمان بیروزگاری کا شکار ہیں جو بھیک مانگ کر بھی اپنا پیٹ نہیں بھر سکتے)

اطلاعنامہ بنام دائنان درباره ادخال درخواست بریت

(دفعہ ۱۴ (۱) ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت جناب پنڈت برج کرشن ٹوپا جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ

درخواست دیوالہ نمبر ۴۸ سنہ ۱۹۳۸ء

مقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی لالہ سری گوپال ولد لالہ لعل بہاری قوم ویش عمر تخمیناً ۵۴ سال پیشہ پارچہ فروشی ساکن محلہ کھجوا بر مکان بابو رام نرائن ٹیپکار شہر لکھنؤ

بنام لالہ کرشن چند وغیرہ

بنام

۱۔ لالہ کرشن چند ولد لالہ بنسی دھر قوم کھتری مالک فرم کرشن چند بنسی دھر پارچہ فروش امین آباد شہر لکھنؤ

۲۔ نرائن داس ولد نامعلوم مالک فرم نرائن داس بلاقی داس پارچہ فروش پرانا بزازہ امین آباد شہر لکھنؤ

۳۔ فرم ہرنرائن پرہلاد داس پارچہ فروش امین آباد شہر لکھنؤ

دھلی میں گاندھی جی کی مصروفیتیں

۲۰ ہزار کے مجمع کے سامنے ایک بھنگی عبادت گاہ کا افتتاح کر رہے ھیں

گاندھی جی مجمع سے پرامن طور پر منتشر ہو جانے کی اپیل کر رہے ھیں

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow

ہندوستان سوز پروپریٹرس ہندوستان کی طرف سے حاجی اللہ رحمانی ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر عمدۃ المطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر پنھیر ناتھ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۲ — نمبر ۱۳ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۲ اپریل ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

ہندستان کے متعلق جواہر لال
کی رائے

(صفحہ ۳ پر دیکھئے)

مہاتما گاندھی الہ آباد میں مولانا آزاد سے ملکر دہلی واپس آگئے—تصویر میں سردار پٹیل مہاتما جی کے ساتھ جارہے ہیں

حکومت یوپی کے نوکریوں پر ٹیکس لگانے سے مخالف پارٹی بےچین ہو رہی ہے—تصویر میں وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت سر سریواستو سے تبادلہ خیال کر رہے ہیں

آنے والی لڑائی!

ہٹلر اور مسولینی کی بڑھتی ہوئی بھوک۔ برطانیہ اور فرانس کے بودے پن اور غداری اور وسط یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی بیچارگی کی وجہ سے آج ساری دنیا پر لڑائی کے تاریک بادل چھائے ہوئے ہیں۔

ان بادلوں نے جس طرح یورپ کی فضا کو مکدر کر رکھا ہے اسکا تجزیہ ہم ہندستان کے کالموں میں برابر کرتے رہے ہیں لہذا آج کوئی شخص جو بین الاقوامی سیاست سے ذرا بھی دلچسپی رکھتا ہے اور یورپ کے حالات کے متعلق تھوڑا بہت بھی جانتا ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ عالمگیر لڑائی ہمارے سر پر منڈلا رہی ہے بلکہ یہ لڑائی جیسا کہ اسٹالن نے اپنی ایک حال کی تقریر میں کہا ہے ایک طرح سے شروع بھی ہو گئی ہے۔ ہٹلر کا آسٹریا چیکوسلواکیہ اور میمل کو ہڑپ کر لینا مسولینی کا حبشہ کو اپنے قبضہ میں لے لینا۔ جاپان کا چین کی خودمختاری کو دنیا سے مٹا دینے کا عہد کر لینا یہ سب اسی عالمگیر جنگ کی کڑیاں ہیں۔ البتہ ابھی وہ دن آنا باقی ہے جب یہ سب کڑیاں آپس میں ملجائیں گی اور جو حکومتیں آج اپنا دامن بچا رہی ہیں وہ بھی میدان جنگ میں پھاند پڑیں گی۔ یہ دن کب آئیگا؟ یہ آج بھی آسکتا ہے۔ دو چار دس دن بعد بھی آسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سیاسی چالبازیوں سے وہ کچھ عرصہ کیلئے ٹلجائے اور سال ڈیڑھ سال بعد آئے لیکن اسکا آنا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ دن کے بعد رات کا ہونا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عالمگیر سامراجی لڑائی میں ہندستان کا کیا رویہ ہوگا۔ اس کے جواب دو ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ چپ چاپ اپنے کو برطانوی سامراج کے چنگل میں دیدے اور لڑائی میں جان مال سے اس کی مدد کرے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے کو سامراجی قتل و غارت سے الگ رکھے اور لڑائی میں برطانوی سامراج کی کسی طرح پر مدد نہ کرے۔ بلکہ اگر اسے زبردستی گھسیٹنے کی کوشش کی جائے تو پوری پامردی سے اسکا مقابلہ کرے۔

ہندستان کیلئے جنگ میں برطانیہ کی امداد کے معنی یہ ہونگے کہ وہ اپنے تمام ذرائع سامراج پر سے قربان کردے دوسروں کو غلام بنانے کیلئے اپنا روپیہ پیسہ اور جان مال سب نچھاور کردے اور اپنے پیروں میں غلامی کی زنجیریں اور مضبوطی سے جکڑ لے ہم اس مسئلہ کی اونچ نیچ بالتفصیل سے سمجھا چکے ہیں۔ اگر ہم اپنے نوجوانوں کو سامراجی فوج میں بھرتی کرا دینگے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نوجوان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے بلکہ سامراج بعد میں انھیں کے ذریعہ ہمیں اور ہماری قومی تحریک کو کچلنے

ہندستان کے متعلق جواہر لال نہرو کی رائے

ہندستان ایک کانگریسی اخبار ہے جو لکھنؤ سے نکلتا ہے۔ میں پچھلے دو سال سے دلچسپی کیساتھ اسکی رفتار دیکھتا رہا ہوں اور میں اسکو روز بروز زیادہ پسند کرتا جاتا ہوں۔

یہ اخبار بہت قابلیت سے نکالا جا رہا ہے اور ترقی پسند خیالات سے مالامال ہے میری رائے میں یہ ہندستان میں اپنی قسم کا سب سے بہتر اردو اخبار ہے۔

یہ لائبریریوں۔ اسکولوں اور پبلک اداروں اور ان کے علاوہ ہر شخص کیلئے بہت ہی اچھا اخبار ہے۔

یہ ہر قسم کی مدد اور ہمدردی کا مستحق ہے۔

جواہر لال نہرو

۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء

کی کوشش کرے گی۔ سامراجی فوج کی زندگی اور اس کی تعلیم آدمی کو کچھ ایسا بنا دیتی ہے کہ پھر وہ اپنے "آقا" کی خاطر لوٹ مار کرنے میں اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہیں کرتا۔ دوسرا نقصان ہمیں یہ ہوگا کہ ہم خود ہی رجعت پسندوں اور سامراج دوستوں کو مضبوط بنا دیں گے کیونکہ لڑائی کے زمانہ میں ہماری خاموشی سے فائدہ اٹھا کر لوگ عوام کو اپنے نظریوں کا ہمدرد بنا لیں گے اور ان کے دلوں کو قومی تحریک اور آزادی کی طرف سے موڑ دیں گے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہمارے کسی سامراجی لڑائی میں حصہ لینے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم غلام ملکوں کی آزادی کیلئے کوشش کرنا تو درکنار آزاد ملکوں کو غلام بنانے میں سامراج کا ہاتھ بٹائیں گے اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی تمام آزادی پسند قوتیں ہماری مخالف ہو جائیں گی۔

دوسرا چارہ کار یہ ہے کہ ہم لڑائی سے اپنی قطعی بے تعلقی کا اعلان کر دیں اور کسی شرط پر بھی سامراج کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیں کانگریس کی خارجی پالیسی میں یہ چیز برابر نمایاں رہی اور پچھلے دو ایک سال سے جب سے کہ جنگ کا خطرہ پیدا ہوا ہے کانگریس برابر برطانیہ کی فسطائیت دوستی کی مذمت کرتی رہی ہے اور غیر مبہم الفاظ میں سامراجی لڑائی سے اپنی مکمل بے تعلقی کا اعلان کرتی رہی ہے ——— اب حکومت برطانیہ بھی سمجھتی ہے کہ لڑائی چھڑ جانے پر اسے ہندستان سے امداد ملنا مشکل ہو جائے گا۔

برطانیہ کے ذرائع

یورپ میں لڑائی چھڑ جانے کی صورت میں برطانیہ کو ہندستان سے آدمیوں کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی اس لئے کہ مشینی جنگ کے رواج کے باوجود بھی ابھی تک لڑائی میں آدمیوں کی ضرورت باقی ہے آدمیوں کے علاوہ اسے ہندستان کے روپیہ۔ غلہ۔ روئی۔ جوٹ۔ چمڑے۔ اور لوہے کی بھی ضرورت ہوگی ان کے لئے اسے ایک طرف تو والیان ریاست جاگیردار طبقہ اور سرمایہ داروں سے اور دوسری طرف ہندستان کی بے پناہ غریبی اور بے روزگاری سے بڑی بڑی امیدیں ہیں۔ پچھلے سال اگست میں جب جنگ بہت ہی قریب معلوم ہوتی تھی والیان ریاست نے ایک ایک کرکے برطانوی سامراج کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر لڑائی چھڑ گئی تو یہ لوگ اپنے روپیہ پیسے سے سامراج کی مدد کریں گے اور سامراج کی خوشنودی مزاج کیلئے اپنی فوج اور اپنے یہاں کے بیروزگار نوجوانوں کو بھی طرح طرح کی لالچ دے کر فوج میں بھرتی کرانے کی کوشش کریں گے۔

جاگیردار طبقہ اور خصوصاً اس کے نوجوانوں کو فوجی زندگی میں بڑی بڑی اچھائیاں نظر آتی ہیں بھرتی کے وقت سامراجی ایجنٹ انہیں اونچی سبز باغ دکھائیں گے۔ اور آئندہ ترقی کی امیدیں دلائیں گے اور اس طرح انہیں سامراج کا ساتھ دینے پر راضی کر لیں گے۔ ہندستان کی بے روزگاری اور عام غریبی سے بھی سامراج پورا پورا فائدہ اٹھائے گی اور چند پیسوں کے عوض فاقوں کے مارے ہندستانیوں کو خریدنے کی کوشش کرے گی پنجاب اور سرحد کے لوگوں کو ان کے بڑوں کی جوانمردی کے قصے سنا کر سامراجی جنگ میں اپنے کرتب دکھانے کی ترغیب دلائی جائے گی۔ کچھ مال کے لئے سرمایہ دار

اس کی مدد کو تیار ہو جائیں گے اور صرف یہی نہیں بلکہ برطانوی سامراج کی ترقی کیلئے اسے قرض دینے پر بھی راضی ہو جائیں گے اس لئے کہ انہیں ہندستان میں روپیہ لگانے کا میدان خاطر خواہ نہیں مل رہا ہے مالی امداد کیلئے ریزرو بینک سے بھی مدد لی جائے گی ریزرو بینک کو ہندستان کے سرکاری سکہ اور نوٹ پر ایسا قابو حاصل ہو گیا ہے اور ہندوستان کے مالیات پر اسکا اتنا زبردست اثر ہے کہ لڑائی کے دوران میں وہ اقتصادی کمزوری لوگوں سے بہت عرصہ تک چھپا سکیگا

ہماری طاقت

برطانوی ذرائع کے مقابلہ میں ہمیں اپنی طاقت بھی تولنا ہے آج اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اب ہندستان کے ایک کونہ سے لیکر دوسرے کونے تک سامراج دشمن بلکہ برطانیہ دشمن جذبہ پھیل گیا ہے ہر سیاسی جماعت خواہ وہ کتنی ہی رجعت پسند کیوں نہ ہو اپنی زندگی کے لئے سامراج دشمنی کا جامہ پہننا ضروری سمجھتی ہے ہندو اور مسلمان عوام یکساں طور پر برطانیہ دشمن ہیں سر سکندر حیات پنجابیوں کی پرانی بہادری کے تذکرے کر کرکے انہیں سامراجی توپوں کی غذا بنانے کی چاہے جتنی کوشش کریں لیکن ہم یہ نہیں مان سکتے کہ مسلم عوام بھی ان کے ہمخیال ہیں مسلمانوں کو معلوم ہے کہ برطانوی سامراج کی فوجوں نے مقامات مقدسہ کی پامالی کی ہے اور آج بھی فلسطین میں بے پناہ مظالم توڑ رہی ہیں ان باتوں کے پیش نظر وہ جنگ میں برطانیہ کی امداد کرنے پر کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ اور تجربہ بتاتا ہے کہ ہندستان کی بہادر اور جنگجو نسلوں کے لوگ بھی سامراج دوستی میں اتنی بہادری نہیں دکھا سکتے ہیں جتنی کہ سامراج دشمنی میں۔ چنانچہ پنجاب میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ سرحد میں نہتے ہندوستانیوں پر گولی چلانے سے گورکھا پلٹن کا انکار اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔

پھر فوجی بھرتی کی حمایت میں برطانیہ کے پٹھو اور سامراج پرست جماعتیں ہونگی لیکن ان کی مخالفت پر کانگریس ہوگی جو پچاس برس سے ہندستانیوں کی بھلائی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے اور برابر ہر قسم کی قربانیاں دیتی رہی ہے ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں جو اپنی قوم فروشی کی وجہ سے مردود ہو چکے ہیں عوام ہماری بات پر زیادہ بھروسا کریں گے۔

سامراجی جنگ کی مخالفت کرنے کیلئے ہمارے پاس صرف یہی ہتھیار نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ ہمارے پاس مزدور سبھا. کسان سبھا. ریاستی عوامی سبھا کے موثر ہتھیار بھی ہیں جن کی مدد سے ہم سامراج کو ناک چنے چبوا دیں گے۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم ریلوے کے کارخانے کے مزدوروں کی ہڑتال کرا کے سامراجی فوج کی نقل و حرکت بند کردیں گے۔ جہازی کی سبھا فوج کا سباب اور سامان جنگ لادنے سے انکار کر دے گی اسی طرح جو مل مالک سامراج کی مدد کرے گا اس کے کارخانہ کے مزدور ہڑتال کر کے سارا کاروبار بند کردیں گے کسان سبھاؤں کے ذریعہ ہم جاگیرداری طبقہ پر دباؤ ڈال سکتے ہیں اور سول نافرمانی شروع ہو جانے پر عدم ادائی لگان کی تحریک چلا سکتے ہیں۔ والیان ریاست کو راہ راست پر لانے کے لئے ریاستی عوامی سبھائیں تیار ہو رہی ہیں۔ ریاستوں میں عدم ادائی لگان کی تحریک بھی چلائی جا سکتی ہے۔

ہمارا فوری کام

سامراجی جنگ کی مخالفت میں تقریباً سارا ملک ہمارے ساتھ ہوگا اور ہمارے ذرایع ہر اعتبار سے برطانیہ کے ذرایع سے زیادہ ہوں گے لیکن صرف یہی کافی نہیں ہے اس تحریک کیلئے ہمیں ایسی مزدور سبھائیں اور کسان سبھائیں نہیں چاہئیں جو سامراج اور سرمایہ داروں اور تعلقداروں سے ڈرتی ہوں اور ہر دم ان کے سامنے جھکنے کو تیار رہوں بلکہ ہمیں ایسی سبھاؤں کی ضرورت ہے جنھیں اپنے حق پر ہونے کا پورا یقین ہو اور جو اس حق کو حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانی دینے کو تیار رہوں ہمارے مزدوروں اور کسانوں کی سیاسی تعلیم بہت ضروری ہے اور اس کام کے انجام دینے کی بہترین صورت یہی ہے کہ کانگرس کے آدمی ان تحریکوں میں گھسیں اور سیاسی تعلیم کا کام اپنے ذمہ لے لیں۔

ہمیں کانگرس کو بھی جو تمام سامراج دشمن طاقتوں کا متحدہ محاذ ہے مضبوط بنانا ہے۔ چاہے اس میں تھوڑی بہت کاٹ چھانٹ ہی کیوں نہ کرنا پڑے ہمیں آپس کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے مٹا کر ایسا ایکا پیدا کرنا ہے جو سامراج کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے ہمیں قومی سینا اور کانگرس کے رضا کاروں کے جتھے پر خاص توجہ دینا ہے تاکہ ایک آواز پر یہ لوگ دیہات دیہات میں بکھر کر سامراجی جنگ کے خلاف عوام کو ابھار سکیں اور ضرورت پڑنے پر سامراجی جیلوں کو بھر سکیں اور قوم کی خاطر ہر دم اپنا جان نچھاور کرنے کو تیار ہوں۔

قیصر باغ کی بارہ دری میں ہنگامہ

قیصر باغ کی بارہ دری جو نواب واجد علیشاہ کی رنگ رلیوں کا مرکز تھی اب اودھ کے تعلقہ داروں کے جشن منانے کی جگہ ہے چند روز

ہوئے کچھ جھگڑالو کھدر پوشوں کے ہاتھوں سخت بے آبرو ہوئی۔ ان کمبختوں نے ذرا بھی شاہی آداب اور تعلقہ دارانہ تہذیب کا پاس نہ کیا بن بلائے اندر گھس آئے اور میزبان سے دھول دھپا کرنے لگے۔ بھلا سرجوالا پرشاد سریواستوا اور ایسی اٹھا پٹک۔ غالب نے اس صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے۔

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

پردہ میں رہنے والوں تعلقداروں سے کون کہے کہ اب زمانہ چلمن سے لگ کر بیٹھنے کا نہیں ہے۔ اگر عوام یا عوام کی حکومت کے خلاف آپ کے دل میں آگ لگتی ہے تو پھر کیلی اچکنیں اور چوڑیدار پجامے اتار دیجئے ولایت کے بنے ہوئے سوٹ تہ کر کے رکھ دیجئے تو ندوں پر مالش کرا کے ان کی گولائی کم کیجئے اور میدان میں لنگوٹ باندھ کر کود پڑیئے چند گورے چمڑے والوں کو ٹٹی بنا کر اب شکار کھیلنے کے دن نہیں رہے خلیل خاں کی فاختہ اب نہیں اڑ سکتی۔ اسمبلی میں کانگرس کی جان کو کوسنا دوسری بات ہے لیکن عام جلسے میں عوام کی تحریک کا مقابلہ کرنا ٹیڑھی کھیر ہے آپ نے جب دشمنوں کے پرزے اڑانے کے لئے الہ آباد اور کانپور سے بڑے بڑے بٹیر باز بلائے تھے تو چند بھتے کھدر پوشوں سے کیوں اتنے برہم ہوئے کہ ان کی شکل دیکھتے ہی آپ کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ آپ کے انتظام کرنیوالوں نے ان کو بلا کر بٹھایا ورنہ وہ اندر کیسے پہونچ سکتے تھے۔ وہ لوگ تو دور سے تماشہ دیکھنے گئے تھے۔ آپ جلسہ کی کارروائی شروع کرتے وہ لوگ اگر اس میں رخنہ ڈالتے تو آپ کو حق تھا کہ انھیں نکال دیتے جلسے کا نوٹس تو آپ نے بازاروں میں تقسیم کرایا لیکن جب وہی لوگ جن کے ہاتھوں میں نوٹس تھے جلسے میں پہونچے تو آپ نے انھیں دھکے دیکر نکلوانے کی کوشش کی اور یہ خیال نہ کیا کہ دھکے بازی میں آپ کی ننھی سی جان پر کیا گزرے گی۔ آپ بھی کسی قسم کے ایک پہلوان کا ذکر ہے کہ وہ اکھاڑے میں تو پہونچے لیکن جب مقابل کے پہلوان نے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو کود کر الگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ "جناب والا یہ ہاتھا پائی کی میں نے نہیں بدی تھی"

جرمنی کے دانت رومانیہ پر

آسٹریا کے بعد ہٹلر نے چیکوسلاویکیہ کی خبر لی اور اسے ختم کر کے ایک طرف تو اوس نے میمل ختم کر دیا اور دوسری طرف جنوب میں رومانیہ کو ہڑپ کرنے کے ڈھنگ سوچنے لگا۔ جنوب کے راستے سے روس تک پہونچنے کے لئے چیکوسلاویکیہ کے بعد رومانیہ پر قبضہ کرنا بہت ضروری ہے اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ جرمنی کو خطرہ

ہے کہ اگر لیڈر نے جھڑ جانے پر رومانیہ اجتماعی حفاظت کا ساتھی رہا اور اپنے ارد گرد کی چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے ساتھ اسکا ایکا قائم رہا تو بہت ممکن ہے کہ وہ روسی فوجوں کو در یاسے ڈینیوب کے علاقہ پر حملہ کرنے کی اجازت دیدے اور روسی افواج رومانیہ کے راستہ سے چیکوسلاوکیہ تک پہونچ جائیں۔ جرمنی کو دوسری بہت بڑی لالچ یہ ہے کہ رومانیہ میں تیل کے چشمے بکثرت پائے جاتے ہیں اور جرمنی کی مشینی فوج کیلئے یہ تیل بہت ضروری ہے۔ رومانیہ میں تیل کی پیداوار اسی لاکھ ٹن سالانہ ہے اور اس کی یہی خوبی اس کے سر مصیبت لارہی ہے

پچھلے دنوں یہ خبر مشہور ہوئی تھی کہ جرمنی نے حکومت رومانیہ کو الٹیمیٹم دیا ہے کہ وہ صرف ایک زرعی ملک کی حیثیت اختیار کرے اور اپنی تمام صنعت و حرفت جرمنی کے حوالے کر دے۔ اس خبر کی تردید برلن اور بخارسٹ دونوں جگہ سے انتہائی شدومد کے ساتھ کی گئی لیکن دو ہی چار دن بعد خبر ملی کہ جرمنی اور رومانیہ میں ایک اقتصادی معاہدہ ہوگیا ہے۔

اس معاہدے میں طے پایا ہے کہ رومانیہ میں تیل نکالنے اور اس کی بکری کا انتظام کرنے کے لئے ایک جرمن رومانی مشترکہ کمپنی قائم کی جائے۔ اور اس کے علاوہ رومانیہ کی زراعت اور صنعت و حرفت میں بھی جرمنی اس کی امداد کرے اس طرح سے غلہ اور تیل جن کے بغیر جرمنی کسی بڑی لڑائی میں پڑنے سے ہچکچاتا تھا اسے مل گئے ہیں۔ جرمن سرمایہ کو نکاسی کا موقع مل گیا ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ رومانیہ کی اسلحہ بندی جرمنی کے ہاتھوں ہوگی یعنی یہ کہ رومانی فوج روز بروز جرمنی کے اثر میں آتی جائے گی اور اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ رومانیہ نے چپ چاپ اس معاہدہ کو تسلیم کیوں کرلیا؟ اس کی وجہ اہت کچھ تو یہ تھی کہ چیکوسلاوکیہ کے ختم ہوجانے اور ہنگری کے جرمنی دوست بن جانے سے رومانیہ جرمن فوجوں کی براہ راست زد میں آگیا تھا اور اسے برطانیہ و فرانس سے مدد کی کوئی امید نہ تھی ایسی حالت میں مقابلہ کرنے کے معنی ہوتے موت کو دعوت دینا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جنگ عظیم کے بعد ورسیلز کے صلحنامہ کی رو سے ہنگری کی سلطنت کا کچھ مشرقی حصہ جس میں ٹرانسلوینیا شامل ہے رومانیہ کو دیدیا گیا تھا۔ رومانیہ کو خطرہ تھا کہ اگر وہ جرمنی کو خفا کردے گا تو کہیں ہنگری جرمنی کے بل پر ٹرانسلوینیا کا مطالبہ نہ پیش کردے۔

خبر ہے کہ ایک طرف تو رومانیہ اور جرمنی میں اس معاہدے پر گفت و شنید ہورہی تھی اور دوسری طرف ہنگری کی فوجیں رومانیہ کی سرحد پر اکٹھی کی جارہی تھیں۔

بہر حال ہٹلر نے خون کا ایک قطرہ بھی بہائے بغیر رومانیہ میں قدم جمانے کا راستہ نکال لیا ہے۔

اونٹ کو خیمہ میں سر رکھنے کی اجازت مل گئی ہے اب تھوڑے ہی دن میں وہ سارے خیمہ پر قابض نظر آئے گا۔

چپے چلاتے

—— تماشائی

نواب زادہ لیاقت علیخاں آنریری سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے میرٹھ کے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت فرمائی اور اپنے خطبہ میں پاکستان سے ہمدردی فرمائی۔ کہتے ہیں۔

"مسلمانوں اور ہندوؤں کی ذہنیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسلامی تعلیم جغرافیائی بندشوں کو توڑتی ہے۔ وہ عالمگیر ہے اور عالمگیر برادری قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور سرحدوں کی بندشوں میں نہیں جکڑی جاسکتی"

آگے چلکر اس سے نتیجہ نکالتے ہیں۔

"سندھ پنجاب اور سرحد ملاکر ایک خطہ بنادیا جائے۔ تاکہ مسلمان ایک ٹکڑے میں کھلی اکثریت میں آجائیں۔ اور اسلامی روایات کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے"

نواب زادہ صاحب کی ادبی لیاقت کے ہم قائل ہوگئے۔ منطقی دلیل میں کس خوبی سے صنعت تضاد کھپائی ہے۔

حسن ریاض صاحب کی خدمت میں۔

جب ملی روٹی ہمیں سب نور حق روشن ہوئے — رات دن، شمس و قمر، شام و شفق روشن ہوئے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق روشن ہوئے — اپنے بیگانوں کے تھے جتنے بھی حق روشن ہوئے

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
ایک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی نہ تھی جبتک تو عالم تھا سیاہ — جب پڑی روٹی تو پہونچی عرش کے اوپر نگاہ
کھل گئے پردے تھے جتنے ماہی سے تا بماہ — کیا کرامت ہے فقط روٹی میں یارو واہ واہ

کھاتے ہی دو دو نوالے آسمان کی سیر ہے
آسمان کیا پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے

روٹی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو — رتھ خانہ فیل خانہ طویلہ کہاں سے ہو
منڈوا کے سر فقیر کا چیلا کہاں سے ہو — روٹی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو

روٹی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

خاصے محل اٹھاتے ہیں روٹی کے زور سے — پکے کنوئیں کھداتے ہیں روٹی کے زور سے
پل اور سرا بناتے ہیں روٹی کے زور سے — مسجد بلند بناتے ہیں روٹی کے زور سے

روٹی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں روٹی کے واسطے — آپس میں خون کرتے ہیں روٹی کے واسطے
گالی و مار کھاتے ہیں روٹی کے واسطے — مسجد کو دم میں ڈھاتے ہیں روٹی کے واسطے

روٹی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

(ماخوذ از نظیر)

شرم

الطاف مشہدی

شرم اس افلاس کو جو پائے دولت پر جھکے — شرم اس تلوار کو جو جسم دشمن میں رکے

شرم خنجر کو نہ چومے جو گلا مغرور کا — شرم ترشی کو نہ اترے گر نشہ مخمور کا

شرم اس قوت کو جو تقدیر کی ہو معتقد — شرم ان زندانیوں کو جنکو آزادی سے ضد

شرم لب کو جو خوشامد کیلئے ہو بیقرار — شرم مردوں کو جنھیں ہو رحمتوں کا انتظار

شرم ہاتھوں کو اٹھیں جو بینوا مزدور پر — شرم ان تیروں کو جو بیٹھیں لب ناسور پر

شرم اس اٹھتی جوانی کو جو کلپنے دیکھ کر — لوتھڑوں کا رقص صحراؤں کی تپتی ریت پر

شرم دلکو جس میں ہو غداریوں کی پرورش — شرم دل کو جس میں ہو عیاریوں کی پرورش

شرم آنکھوں کو بچھیں جو اہل زر کی راہ پر — شرم اشکوں کو بہیں جو اہل زر کی آہ پر

شرم اوس شاعر کو جس کی قوم کا یہ حال ہو — آرزوؤں کی حسیں کھیتی تلک پامال ہو

شرم تجھ کو نوجوان ہند! تیری زندگی
بن رہی ہے سر سے لیکر پا تلک شرمندگی

گذشتہ سے پیوستہ

ہم کہاں ہیں؟

جواہرلال نہرو

صوبائی خودمختاری کا دائرہ محدود تھا اور اس میں ہمارے لئے بہت سے خطرے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ صوبہ پرستی پر زور دیکر ہماری سامراج دشمن جدوجہد کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دے اور اسی مطلب سے وہ بنایا گیا تھا اسی وجہ سے اندرونی جھگڑے فرقہ وارانہ سماجی اور جماعتی اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے بیروزگاری زمین اور صنعت وحرفت کے بڑے بڑے مسئلے حل کرنے کو تھے لیکن موجودہ دستورالعمل اور اقتصادی ڈھانچے میں رہ کر ان کو حل نہیں کیا جاسکتا تھا ہمارے لئے صرف یہی راستہ تھا کہ اپنے امکان بھر ان کو حل کریں۔ ہمارے امکان میں کچھ ایسا زیادہ نہیں تھا، اور عوام کا بوجھ کچھ تھوڑا بہت کم کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اپنے کو اس دستورالعمل اور اس ڈھانچہ کو بدلنے کیلئے تیار کریں ایک ایسا وقت آنا یقینی تھا جب ہم اس دستورالعمل کی اچھائیوں کو ختم کر چکے ہوں گے۔ اور پھر ہمیں اس کے سامنے خاموشی سے جھک جانے کا طریقہ اور یا اسکو چیلنج کرنے کا راستہ پکڑنا ہوگا۔ دونوں طرح سے ایک الجھن پیدا ہوتی تھی اس لئے کہ اگر ہم دب جاتے تو بڑے بڑے مسئلے جن کو کوئی راستہ نہ ملتا تھا اور جس کا کوئی حل نہ تھا ہمیں چپ چاپ سہنا پڑتا اگر ہم نہ دبتے تو نہ اسکا ہمیں کوئی خیال بھی نہیں تھا تو برطانوی سامراج سے ٹکر لابدی تھی تاوقتیکہ وہ ہتھیار نہ ڈالدے اور اس کی اس سے کوئی امید نہیں تھی تاہم ایک عجیب بات کا اور بھی امکان تھا۔ وہ یہ کہ قومی تحریک کانی طاقت پکڑ جائے اور بین الاقوامی صورت حال کے پیش نظر ہمیں اپنا مقصد بغیر کسی بڑی لڑائی کے حاصل ہو جائے۔

ہماری طاقت یقینی طور پر بہت بڑھ گئی تھی اور اندرونی جھگڑوں اور ... کی ... کے باوجود اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کانگرس آج اتنی طاقتور ہے جتنی کہ وہ اپنی پہلے کی تاریخ میں کبھی بھی نہ ہوئی تھی۔ آج عوام میں ہمیشہ سے زیادہ سیاسی بیداری پھیل گئی ہے۔ تاہم اگر طاقت کی یہ لائیں منظم کر کے صحیح راہ پر نہ لگائی گئیں تو ممکن ہے کہ یہ الٹے ہمارے خلاف پڑیں۔ فی الحال میں فرقہ وارانہ مسئلہ پر بحث نہیں کر رہا ہوں اگرچہ اس کی اہمیت اور ہماری قومی جدوجہد پر اس کے اثرات ظاہر ہیں۔

ہمیں اپنی جماعت اور صوبائی حکومتوں دونوں میں سیاسی جدوجہد کو عوام کے سماجی اور اقتصادی مسئلوں کے ساتھ ملانے کا کام کرنا تھا۔ ان دونوں کو ملانے میں ناکامیابی کے معنی تھے کمزوری اور ایک بڑھتا ہوا انکمانی۔ ایکطرف ہمیں اپنی جدوجہد کو زیادہ تر سیاسی اور سامراج دشمن رکھنا تھا۔ اور دوسری طرف سماجی ترقی کی جانب بھی جہاں تک ممکن ہوتا آگے بڑھنا تھا سب سے بڑھ کر اس بات کی ضرورت تھی کہ کانگرس کو ایک منظم اور متحد جماعت رہنا چاہیئے اور جدوجہد کے مختلف پہلوؤں پر اسے اچھی طرح قابو رکھنا چاہیئے۔ اگر کانگرس کمزور ہوگئی تو ہمارے واسطے موثر جدوجہد کے کوئی امکانات نہیں تھے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے میں کانگرسی وزارتوں کی ترقی سے غیر مطمئن تھا۔ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے اچھا خاصہ کام کیا تھا۔ ان کے کارناموں کی فہرست پراثر تھی اور وزیروں کو باوجود اس کے کہ وہ بے انتہا محنت سے کام کر رہے تھے... پھر بھی.... ہر طرح کے حملوں اور اعتراضوں کا جو زیادہ تر جہالت پر مبنی ہوتے تھے سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان کے کام کا کوئی بدلہ نہیں ملتا تھا۔ تاہم میں نے محسوس کیا کہ ترقی کی رفتار دھیمی ہے اور ان کی نگاہ ایسی نہیں ہے جیسی کہ ہونا چاہیئے۔ کانگرس کے اوپر کے لوگ ہمارے سامنے کے مسئلوں کو جس طرح پر اٹھا رہے تھے اس سے بھی میں مطمئن نہ تھا۔ اگرچہ بعض وقت اختلاف رائے بھی ہوتا تھا لیکن اسوقت سوال اتنا بڑا نہ تھا جتنا کہ مختلف پہلوؤں پر زور دینے کا تھا جس چیز سے مجھے دھچکا ہوتا تھا وہ ایک خاص ذہنیت تھی کہ بعض جاندار حصوں کو حقیر، بہت زیادہ آگے خیال کیا جاتا تھا یا جو موجودہ نظریہ نیا کھینچتے نہ تھے کچل دیا جائے یہ ایک خطرناک دھارا تھی اگرچہ یہ ابھی بہت دور تک نہیں بڑھ سکی تھی۔ اس نے مجھے جرمن سوشل ڈیماکریٹس (جرمن سماجی جمہور پرستوں) اور برطانوی مزدور پارٹی کے مسلک کی یاد دلادی۔

یہ سچ ہے کہ کانگرس کے بعض عناصر نے جنھیں بائیں بازو والا کہا جاتا ہے ذمہ داری کے ساتھ کام نہیں کیا تھا اور ادھوں نے جان بوجھ کر ایسے معاملات کو بڑھایا جنکا نتیجہ صرف اندرونی جھگڑے اور کانگرس کی کمزوری ہو سکتا تھا ان کے متحدہ محاذ کے تخیل کا مطلب صرف یہ تھا کہ پوری طرح سے کانگرس کی پناہ میں رہتے ہوئے اور اس کے وقار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی وہ باہر سے اس پر حملہ اور اعتراض کرتے رہیں لال جھنڈا جو اپنی حدود کے اندر بالکل حق بجانب تھا۔ اکثر قومی جھنڈے کا مدمقابل بن گیا۔ اکثر اوقات کسان سبھا مقامی کانگرس کمیٹیوں کے لئے ایک مستقل مخالف پارٹی کا کام کرتی تھی اور بعض اوقات مظاہروں کا انتظام کیا جاتا تھا جن سے محض ٹکر اور چڑھ ہی پیدا ہو سکتی تھی اس قسم کی زیادہ تر باتیں نچلے طبقہ میں ہوئیں لیکن تعجب اسپر تھا کہ کسان سبھا کا اوپری حصہ تک غیر ذمہ دار تھا دیہاتوں میں ہر قسم کے نامناسب لوگوں کو جنھیں مقامی کانگرسوں میں کوئی ٹھکانا نہ ملا تھا یا جو لوگ کسی دوسری بات پر خفا ہو گئے تھے۔ انکو کسی نہ کسی مقامی کسان سبھا میں پناہ مل گئی.... جو لوگ سیاسی اعتبار سے رجعت پسند تھے ان تک نے بعض اوقات کانگرس کو کمزور کرنے کی غرض سے کسان سبھا سے فائدہ اٹھایا۔

ان تمام باتوں سے چھوٹے چھوٹے جھگڑے پیدا ہوگئے اور اُن سے بھی بڑھ کر یہ چیز تھی کہ کانگریس میں بدنظمی کی ایک روح سی پیدا ہونے لگی اگر اس کے پیچھے کوئی منظم اور تربیت یافتہ بایاں بازو ہوتا تب تو یہ ایک اچھی علامت ہوتی خواہ کوئی اس سے اتفاق کرتا یا نہ کرتا۔ درصل یہ علامت تھی بیداری کی جس سے وہ لوگ جو اپنے کو بائیں بازو والا کہتے تھے اور جنہیں ایک دوسرے سے مختلف متعدد گروہ تھے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ بہت دنوں تک بائیں بازو کے حلقوں میں آپس ہی کے جھگڑے ہوتے رہے جس سے ان کی بہت کچھ قوت ختم ہوگئی۔

گاندھی جی کو ان نظریاتی جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن ان میں صورت حال کا اندازہ لگانے کی جو غیر معمولی قابلیت ہے اس سے اونھوں نے محسوس کرلیا کہ بدنظمی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور تخریبی طاقتوں کو آزاد چھوڑا جارہا ہے دن پر دن وہ برطانوی سامراج کے ساتھ ایک بڑی ٹکر لینے پر غور کر رہے تھے اور بدنظمی اسکا پیش خیمہ نہیں ہوسکتی تھی میں خود بھی اس صورت حال سے پریشان ہو رہا تھا اس سے مجھے چینی انقلاب کی مختلف بدنصیب منزلوں کی یاد آگئی اور میں کسی طرح سے یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہندستان اس تباہکن راستہ سے ہو کر گذرے۔

۱۹۳۷ء میں ناریمان کا قصہ اور ۱۹۳۸ء میں کھرے کا واقعہ بدنظمی کے اس رجحان کی علامت تھے اگرچہ ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبروں نے [illegible] اوپر انکی برابر برابر ذمہ داری لے لی تھی لیکن یہ بہت ناانصافی تھی کہ [illegible] کا الزام سردار ولبھ بھائی پٹیل ہی پر رکھا جاتا تھا مسٹر ناریمان کے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا تھا، کانگریس کے صدر کی حیثیت سے میں اس کے ہر ہر قدم پر متفق تھا اسی طرح ڈاکٹر کھرے کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا تھا اس کی بھی ذمہ داری ۔۔۔ صدر کانگریس سبھاش بوس پر تھی۔

میری رائے میں کانگریس میں مطلق العنانی کی طرف ایک طرح کا رجحان رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے دبا دیا گیا ہو لیکن جب ہمارے لئے ضبط اور نظام بہت ضروری تھا اور خطرہ تھا کہ ان کے بغیر ہماری دور دور تک پھیلی ہوئی جماعت ٹوٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی اسوقت ایک حد تک یہ (مطلق العنانی) لازمی بھی تھی۔ غالبًا جس چیز پر اعتراض کیا جاتا تھا وہ [illegible] نہیں بلکہ زیادہ تر طریق کار ہی تھا۔ یہ سوال مسٹر ناریمان اور ڈاکٹر کھرے کیساتھ جو کچھ کیا گیا تھا اسکی بنا پر کانگریس فاشزم کی پکار مچانا مضحکہ خیز اور مہمل بات تھی۔ ڈاکٹر کھرے نے جو کچھ کیا تھا سیاسی اعتبار اور کانگریسی نگاہ سے وہ ناقابل معافی تھا۔ اگرچہ ورکنگ کمیٹی کا جلسہ منعقد ہونے والا تھا پھر بھی اسنے . . . . . .

بتائے بغیر اونھوں نے گورنر سے ملکر سازش کرلی تھی کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے سامنے [illegible] کردیں اگر اس کی اجازت دیدی جاتی تو کانگریسی وزارتوں پر سے ہر قسم کا قابو ہٹ جاتا اور کانگریسی وزیر محض تابع

کو ذاتی ہاتھوں میں لے لیتے۔

مسٹر ناریمان نے خود ہی پریذیڈنٹ کو دعوت دی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پارٹی (کانگریس اسمبلی پارٹی) کا لیڈر ہونا اپنا پیدائشی حق خیال کرتے تھے اور جب ایسا نہیں ہوا تو اونھوں نے ایک اندولن شروع کردیا جو کئی مہینہ تک جاری رہا۔ اس اندولن پر مجھے تعجب ہوا اور میں ہکا بکا رہ گیا جب سے مسٹر ناریمان ۱۹۲۰ء کے بعد سے کانگریس میں شامل ہوئے تھے اسوقت سے میں انھیں اچھی طرح سے جانتا تھا۔ میں نے انھیں تسلط کے زمانہ میں اور جدوجہد کے دوران میں کام کرتے دیکھا تھا اور ان کی اچھائیوں برائیوں کے متعلق ایک رائے قائم کرلی تھی۔ اگر میں اس کام میں (پارٹی کے چناؤ میں) ووٹر ہوتا تو میں ان کے لیڈر بنائے جانے کے حق میں ووٹ نہ دیتا کیونکہ میری رائے میں وہ اس بار کو اچھی طرح سے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ بعد کے واقعات نے اس رائے کو پکا کردیا ہے اور اونھوں نے جس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے اس پر مجھے تعجب ہے۔

لیکن پھر بھی اگر وہ دونوں میں بہتر اور سب سے زیادہ موزوں ہوتے تو بھی اونھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے جو اندولن اٹھایا تھا وہ نامناسب تھا جسے زیادہ افسوسناک فرقہ وارانہ رنگ تھا جو اس مسئلہ پر کردیا گیا تھا اسی طرح جیسے کہ ڈاکٹر کھرے کے معاملہ میں مہاراشٹر والوں کو کانگریس کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی گئی تھی۔

اس بات کو کئی بار دہرایا گیا ہے کہ ناریمان اور کھرے کے قضیوں میں جمہوریت کو دبا دیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں اونھوں نے واقعات کا مطالعہ کرنے کی تکلیف ہی نہیں گوارا کی ہے یا جمہوریت کے متعلق ہمارے اور ان کے نظریوں ہی میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہنسی اڑانا اور طعنہ کسنا بہت آسان کام ہے اور صرف بعض کانگریسیوں ہی میں نہیں بلکہ اس [illegible] مجمع میں بھی جن کے آدمی خود کام تو بہت کم کرتے ہیں لیکن دوسروں کو صلاح دیتے رہتے ہیں آجکل یہ فیشن ہوگیا ہے۔ میری رائے میں اگر ورکنگ کمیٹی ان دونوں معاملوں میں صاف صاف فیصلہ نہ کردیتی تو وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی۔ جمہوریت کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی زور زور سے اور مسلسل چیختا رہے، اگرچہ کبھی کبھار اس سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ آزادی اور جمہوریت کیلئے ذمہ داری اور ڈسپلن اور خود اپنی تربیت کے ایک خاص معیار کی ضرورت ہے ہماری جدوجہد کیلئے اور جس قسم کی جدوجہد ہم کر رہے ہیں خاص طور پر اس کیلئے ان تمام اچھائیوں کی ضرورت ہے اور اگر ہمارے پاس یہ اچھائیاں کافی تعداد میں نہ ہوئیں تو اندیشہ ہے کہ ہم ناکامیاب ہو جائیں گے۔

بائیں بازو والے، اگر اس لفظ کا صحیح استعمال کیا جائے، خاص خاص اصولوں اور پالیسیوں کے علمبردار ہیں۔ یہ لازمی ہے کہ ان کی طرف سبھی

قسم کے آدمی کھنچ آئے ہیں جنمیں جنگجو ذہنیت کے بہترین آدمی بھی ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو دماغی اور اخلاقی اعتبار سے ناکارہ ہوں۔ اور اگر وہ ہوشیار نہیں رہیں گے تو اس دوسری قسم کے لوگ غلبہ پا جائیں گے اور ان کی جو شہرت ہونا چاہیئے وہ ختم ہو جائے گی۔ بے قاعدگی۔ لاپرواہی سے سوچنے اور غیر ذمہ داری سے کام کرنے سے انھیں کامیابی نہیں حاصل ہوگی۔ ہندستانی طلبا کی برادری نئے نظریوں۔ سلجھے ہوئے خیالوں اور منظم کام کی پرورش گاہ ہونا چاہیئے لیکن بدقسمتی سے اکثر اوقات اس میں ان تمام اچھائیوں کی کمی پائی جاتی ہے جنکا کہ اسے مالک ہونا چاہیئے تھا۔

ایک بات اور ہے جس کا کہ میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، اگرچہ اس بیان میں وہ بعد میں آتی ہے، یہ بمبئی کا: تجارتی جھگڑوں کا قانون۔ ہے۔ مجھے جن باتوں کا افسوس ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جسوقت یہ قانون بنا اور پاس ہوا اسوقت میں ہندستان کے باہر تھا مجموعی صورت میں یہ قانون یقینی طور پر ایک اچھا اقدام ہے لیکن میری رائے میں اس میں بعض نہایت اہم خرابیاں بھی ہیں جو مزدوروں کے خلاف پڑتی ہیں اور اس طرح اس کی اچھائیوں کو کم کر دیتی ہیں۔ جس طریقہ پر یہ پاس ہوا وہ بھی افسوسناک تھا۔ دوسری طرف مزدوروں کے نمایندوں کا یہ کام اتنا ہی افسوسناک تھا کہ انھوں نے اپنے کو کانگریس کے علانیہ دشمنوں سے ملا دیا اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کانگریس کو نقصان پہونچایا۔ اگر انکا رویہ اور طریقہ کچھ اور ہوتا تو اس سے زیادہ فائدہ ہوتا۔

کانگریسی وزارتوں کے بعض اصلی اور واضح کارنامے ان کی نیکنامی کا ثبوت ہیں اگرچہ بعض باتوں میں وہ ناکامیاب بھی رہی ہیں لیکن ان کا ایک کارنامہ جس سے آگے چلکر بڑی بڑی امیدیں کی جاسکتی ہیں تعلیم کے متعلق ان کا نیا نظریہ ہے خواندگی کی مہمیں اچھی خاصی رہی ہیں۔ اس سے زیادہ اہم اور بنیادی خصوصیت رکھنے والی نئی بنیادی تعلیم کی اسکیم ہے جو ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق بنائی گئی ہے۔ مجھپر اس کا بڑا گہرا اثر ہوا ہے اور میرا خیال ہے کہ اب ہمنے اپنی نئی نسل کی تعلیم کے لئے صحیح رستہ ڈھونڈھ نکالا ہے۔

ریاست الور کی کسان تحریک

اور

فرقہ وارانہ لیڈروں کے کرتوت!

سید مطلبی!

کشمیر، حیدرآباد، راجکوٹ اور جے پور وغیرہ ریاستوں میں جو تحریک آزادی چل رہی ہے اس میں بھی فرقہ پرستوں کی صاف اور بین شرارت دکھائی دے رہی ہے وہ اس کوشش میں ہیں کہ آزادی کی تحریک کو فرقہ پرستی کے گورکھ دھندے میں کہ کر تباہ کر دیں کہیں مسلم حقوق کی حفاظت کا بہانہ ہے تو کہیں ہندو دھرم کے خطرے کی پکار ہے۔ یہ حرکتیں اور یہ سازشیں کوئی نئی نہیں ہیں۔ ریاست الور کی کسان تحریک کے دوران میں جو ۱۹۳۲ء میں وہاں ہوئی تھی۔ بہت ایسی حرکتیں کی گئی تھیں۔ اور ان کا نتیجہ بہت بڑی حد تک یہ ہوا کہ تحریک کو نقصان پہونچا۔ میں نے ۱۹۳۲ء کی اس تحریک کا مفصل حال لکھا ہے اور اس میں جو جو رکاوٹیں فرقہ پرست لیڈروں غلام بھیک نیرنگ ڈاکٹر مونجے وغیرہ کیطرف سے ڈالی گئیں وہ سب اس مضمون میں ظاہر کی ہیں اور آج جبکہ وہی لوگ یا ان کی ذریات تحریک آزادی کو روکنے کیلئے فرقہ پرستی کی بنیاد پر برطانوی شہنشاہیت اور ہندوستانی رئیسوں کی کھلی امداد کر رہے ہیں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۲ء کے واقعات پر زیادہ سے زیادہ غور کیا جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ...... عوام میں پھیلایا جائے۔ تاکہ ریاستی پرجا ان سامراجی ایجنٹوں کے کرتوت سے پوری پوری طرح واقف ہو جائے

مُطلبی

میں یہ مضمون ان بے نام و نشان شہیدوں کے نام پر نذر کرتا ہوں، جنھیں الور کی کسان تحریک (۱۹۳۲ و ۱۹۳۳ء) کے زمانہ میں گوبند گڈھ کی قتل گاہ میں الور راج کی مشین گنوں نے نشانہ بنایا اور جن کے بیجر نصل کٹنے کے بعد کھیتوں میں پڑے ملے۔

مُطلبی

ریاست کشمیر کی بڑھائی تحریک آزادی ختم ہو چکی تھی، کہنا چاہیئے کہ فرقہ پرستوں کی کوشش سے بارہ باٹ ہو گئی تھی، الور میں سخت اقتصادی بدحالی، کنگالی اور بھوک سے تنگ، رعایا بےچین تھی الور والے اپنے آپ ہاتھ پاؤں مار کر اپنی فاقہ مستی کو ختم کر دینا چاہتے تھے، لیکن فرقہ پرستوں، اور دین دھرم کے ٹھیکیداروں کا بھلا ہو کہ وہ ان کو سیدھے راستے پر چلنے سے روک رہے تھے۔ تبلیغ کے سرداروں اور شدھی کے دیوتاؤں کو خطرہ تھا اور صحیح خطرہ تھا کہ مالگذاری، لگان اور ٹیکسوں کے خلاف اگر رعایا کی تحریک ہوئی تو ان کی دوکانیں بند ہو جائیں گی۔ اور الور کا بیدار مغز راجہ جو دنیا سے اپنے کو "پربھو" کہلواتا تھا اور اپنی زبان سے اپنے کو اوتار کہتا تھا ایسی طاقت

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

ہٹلر کے بھائی مسولینی کا طبل جنگ

فرانس سے اٹلی کے مطالبات

ٹیونس۔ جی بوٹی اور نہر سویز

روم۔ برلن محور کمزور نہیں کیا جاسکتا

: وسط یورپ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ہونا لازمی تھا،

اسلحہ بندی ——— چاہے "تہذیبی آزادی بالکل ہی

ختم کیوں نہ ہو جائے" :

اٹلی کی فسطائی پارٹی کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے سائنر مسولینی نے کہا۔

ہمارا راستہ بالکل متعین اور ہمارے اصول بالکل صاف ہیں: اس راستہ اور اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ اگرچہ سب جانتے ہیں کہ ہم مسلسل امن کو تہذیب کیلئے نا ممکن سمجھتے ہیں تاہم یوروپین تہذیب کی ترقی کے تحفظ کیلئے ہم امن کے ایک لمبے دور کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

وسط یورپ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے متعلق سائنر مسولینی نے کہا۔ وسط یورپ میں جو کچھ ہوا اسکا ہونا لازمی تھا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر بڑی بڑی جمہوریتیں اپنی اس اختراع کے قبل از وقت اور کسمپرسی [illegible] کے ساتھ ختم ہو جانے پر زار و قطار روئیں تو ہمارے پاس ایک بہت ہی نفیس سبب ہے جسکی بنا پر ہم اپنے کو ان کے آنسوؤں سے وابستہ نہیں کریں گے۔ آخر میں میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر مطلق العنان حکومتوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ جس کی کہ امید کی جارہی ہے بن گیا تو یہ حکومتیں چیلنج کو قبول کرلینگی اور ہر محاذ پر مدافعت سے نکل کر حملہ آورانہ حیثیت اختیار کرلیں گی۔

قوم پرست اسپین آخری ضرب لگا دے گی۔ میڈرڈ جسکو کمیونسٹ فسطائیت کا مدفن بنانے کی امید کر رہے تھے اب کمیونزم کا مدفن ہو جائے گا۔

ٹیونس۔ جی۔ بوٹی اور نہر سویز کے مطالبات دہراتے ہوئے سائنر مسولینی نے کہا۔

"فرانسیسی حکومت کو پورا اختیار ہے کہ وہ ان مسئلوں پر محض بات چیت کرنے تک سے انکار کردے لیکن پھر وہ کوئی شکایت نہیں کرسکیں گے مگر جو خلیج ان دونوں ملکوں کو ایکدوسرے سے الگ کرتی ہے اتنی زیادہ گہری ہو گئی کہ اسے پار کرنا اگر ناممکن نہیں تو زیادہ سے زیادہ مشکل کام ہو جائے":

"حکومتوں کے تعلقات قوت کے تعلقات ہیں اور یہ قوت کے تعلقات ہماری پالیسی کے بنیادی عنصر ہیں۔ جغرافیائی۔ تاریخی۔ سیاسی اور جنگی اعتبار سے بحر روم اٹلی کے واسطے ایک اہم مقام ہے جب ہم بحر روم کہتے ہیں تو قدرتی طور پر ہم اس میں خلیج ایڈریاٹک شامل کرلیتے ہیں جسمیں اطالوی مفاد سب سے زیادہ ہیں اگرچہ وہاں تنہا محض اسی کے مفاد نہیں ہیں":

"آخری بات یہ ہے کہ ہمیں مسلح ہو جانا چاہیئے اس لئے کہ اب مزید فوجیں مزید جہاز اور مزید ہوائی جہاز ہی وقت کی مانگ ہیں۔ انھیں چاہیے جس قیمت پر اور چاہے جس طریقہ سے حاصل کیا جاسکے" [illegible] شاندار سیاہ پوش اسی سرخ رنگ سے آراستہ ہیں جیسے کہ ہمارا اور دوسروں کا خون جیسے

اٹلی اور فرانس

"[illegible] کی ایک تقریر میں میں نے کہا تھا کہ اٹلی اور فرانس کے درمیان ایک رکاوٹ حائل ہے۔ اب یہ کافی طور سے ہٹا دی گئی ہے۔

چند دنوں میں ——— غالباً چند گھنٹوں میں

ہم ہر اس موقع پر کہ جب اٹلی کے مفاد خطرہ میں ہونگے بہانے کو تیار ہیں":

"یقین فرمانبرداری اور جنگ انھیں تین لفظوں میں ہر فتح کا راز ہے اور ہمیشہ رہا ہے":

مسولینی کی تقریر کا ردعمل ———

لندن میں یہ خیال ظاہر کیا جارہا ہے کہ اگرچہ یہ تقریر حسب معمول زوردار ہے لیکن اسمیں کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے جارحانہ کہا جاسکے نیز یہ کہ اس تقریر میں فرانس کو کوئی الٹیمیٹم نہیں دیا گیا ہے اور نہ اٹلی کے مطالبات بڑھائے گئے ہیں لہذا ابھی اٹلی اور فرانس میں سمجھوتہ ہو جانے کے امکانات ہیں۔

پیرس کے سیاسی حلقوں کے رجحانات سے پتہ چلتا ہے کہ مسولینی کی تقریر سے صورت حال پہلے سے نہ اچھی ہے اور نہ خراب یہ رائے بھی ظاہر کی جارہی ہے کہ مسولینی نے اپنے مطالبات کے پورا کئے جانے پر کوئی خاص زور نہیں دیا ہے اور ابھی تک یہ چیز صاف نہیں ہوئی ہے کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔ اگرچہ مسولینی نے گفت و شنید کی کوئی دعوت نہیں دی ہے لیکن غیر سرکاری طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ فرانس کسی نہ کسی طرح پر اس مسئلہ کے متعلق اسکا ن [illegible] لینے کی کوشش کرے گا۔

فرانس کا جواب ———

۲۹ مارچ کو ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے فرانسیسی وزیر اعظم موسیو ڈلاڈیر نے کہا کہ فرانس سے اٹلی کے مطالبات کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حبشہ فتح ہو جانے سے اٹلی کو نئے حقوق حاصل ہو گئے ہیں۔

"ہم اس بحث کو تسلیم نہیں کرسکتے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نئی فتح اور ہر نئی رعایت سے نئے حقوق پیدا ہو جائیں گے اور ہر ایک مطالبہ کو پورا کرنے سے آئندہ کے لئے نئے مطالبات پیدا ہو جائیں گے"۔

انہوں نے کہا کہ فرانس ۱۹۳۵ء کے سمجھوتہ پر مکمل طور سے اور وفاداری کے ساتھ عملدرآمد کرنے کو تیار ہے اور اس سمجھوتہ کے حدود کے اندر جو تجویزیں پیش کی جائیں گی ان پر غور کرنے سے وہ انکار نہیں کرے گا۔

آخر میں انہوں نے کہا "ہم اس پر کبھی بھی راضی [illegible]

ریاست قلات میں بے چینی

خان نے پورا وفد گرفتار کر لیا

کوئٹہ ایک خبر ہے کہ ریاست قلات (بلوچستان) میں اسٹیٹ نیشنل پارٹی (ریاستی قومی سبھا) کا ایک وفد ۹ مارچ کو خان قلات کے پاس اپنی مانگیں پیش کرنے گیا تھا۔ وفد میں کچھ سرکاری حکام بھی شامل تھے۔ خان [illegible] اس بات پر غصہ آگیا کہ سرکاری حکام بغیر اجازت اپنی جگہیں خالی چھوڑ دیں اور اس [illegible] ریاست کے انتظام میں ایک جمہوری [illegible] اس جرم کی بنا پر انہوں نے قومی سبھا کے پانچ لیڈروں اور تقریباً ۲۰ سرکاری حکام کو گرفتار کروالیا لیکن زمینداروں سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ اسکول کے طلبا نے ان گرفتاریوں کے خلاف احتجاج کے طور پر ہڑتال کردی ہے۔

نہ ہو نگے کہ بین الاقوامی تعلقات طاقت کی بنا پر مقرر کئے جائیں طاقت سے کام لینا صرف اس حالت میں نا گزیر فرض ہو [illegible] ہے جب انصاف اور حق نا پید ہو جائیں"۔

"فرانس جرمنی کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا اظہار کرنا کبھی بند نہیں کر [illegible] لیکن چیکو سلاواکیہ کی فتح نے ہماری مسلسل کوششوں کو سخت دھچکا پہنچایا ہے"۔

موسیو ڈلاڈیر نے ان تمام طاقتوں کو اشتراک عمل کی دعوت دی جو فرانس کی طرح امن قائم رکھنے میں تعاون کرنے پر تیار ہیں لیکن جو حملے کے خلاف آواز بلند کرسکیں۔

کشمیر کے ہندوؤں کو جواہر لال کا پیام

"جنگ آزادی میں مسلمانوں کا ساتھ دو"

۲۶ مارچ کو ریاست کشمیر سے کچھ ہندو ڈیلیگیٹ جواہر لال نہرو سے ریاستی باشندوں کی تحریک سے متعلق بات چیت کرنے آئے۔ انہوں نے پنڈت جی کو کشمیر کی ہندو اقلیت کے خاص خاص سوالات سمجھائے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا انھیں مسٹر عبداللہ کا جو ذمہ دار حکومت کے لئے لڑ رہے ہیں ساتھ دینا چاہیئے جبکہ ہندو اقلیت کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں کی جارہی ہے۔

پنڈت نہرو نے جواب دیا کہ انھیں زمانے کے قدم بہ قدم چلنا چاہیئے اور ذمہ دار حکومت حاصل کرنے کی لڑائی میں انھیں دوسروں کا ساتھ دینا چاہیئے۔

فسطائی بغاوت نے جمہوریت ختم کردی

ہزاروں اسپینی فرانکو کی قید میں

۲۹ مارچ کو اسپین کی خانہ جنگی قریب قریب ختم ہو گئی۔ تمام خاص خاص شہروں پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا ہے [illegible] فرانکو کی فوجیں تیزی سے جمہوریت کے [illegible] پر قبضہ کرتی آگے بڑھ رہی ہیں۔

جنرل فرانکو کے مرکزی دفتر کا کہنا ہے کہ ۲۹ مارچ کو ۲۴ جمہوری ہوائی جہازوں نے اپنے کو باغیوں کے حوالہ کردیا۔ [illegible] باغیوں نے تقریباً بندرہ ہزار آدمی قید کرلئے ہیں اور [illegible] اور [illegible] ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جنوب میں [illegible] ہزار آدمی قید کرلئے گئے اور اسی طرح سے ٹالیڈو کے محاذ پر کئی ہزار آدمی گرفتار کئے گئے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب جمہوریہ کے سردار سائنر میاجا الجیرس پہنچے اسوقت وہ زار و قطار رو رہے تھے۔

لندن کی ایک خبر ہے کہ سائنر مسولینی نے فرانکو کو مبارکباد کا تار دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اسپینی باغیوں کی جیت پر خوشی منانے کے لئے سارے اٹلی میں جھنڈے لہرائے جائیں۔

جرمن وزیر خارجہ نے بھی فرانکو کے وزیر خارجہ کو مبارکباد کا پیام بھیجا ہے۔

پولینڈ اور جرمنی میں ناچاقی؟

جرمنی کی طرف سے "فوجی دباؤ"

اگرچہ سرکاری طور پر اسکی تردید کیجاچکی ہے لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ ڈینزگ کے مسئلہ پر جرمنی اور پولینڈ میں جھڑپ ہو گئی ہے اور پولینڈ نے جرمنی کا الٹیمیٹم رد کردیا ہے۔

قیاس ہے کہ پولینڈ سے جرمنی کا مطالبہ ہے کہ ڈینزگ کی حکومت میں تبدیلی کردی جائے اور جرمنی کو پولینڈ کے حدود کے اندر سے گذرتی ہوئی ایک موٹر کی سڑک بنانے کی اجازت دیدیجائے۔ دونوں حکومتوں میں ایک مدت سے ان مسئلوں پر گفت و شنید ہو رہی ہے۔

"پنڈت پنتھ کی قرار داد کی غیر آئینی اور قاعدہ باہر دفعہ"

نئی ورکنگ کمیٹی پر صدر کانگریس کا بیان

گاندھی جی پر پورے بھروسہ کا اعلان

صدر کانگریس سبھاش چندر بوس نے نئی ورکنگ کمیٹی کے بارے میں ایک بیان دیا ہے جسمیں انھوں نے بتایا ہے کہ تری پوری کے بعد ان کے خلاف یہ تحریک اٹھائی گئی ہے کہ وہ نئی ورکنگ کمیٹی کا اعلان کرنے میں دیر لگا رہے ہیں اور اس طرح کانگریس کے کام میں جمود پیدا کرنے کا باعث ہو رہے ہیں۔ اب انھوں نے شکایت کی ہے کہ جب پرانی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں نے ایکساتھ استعفیٰ دیکر دو ہفتہ تک کیلئے کانگریس میں ایک الجھن پیدا کردی اسوقت کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کے چناؤ میں اتنی دیر ہو جانے کے وجوہات بیان کرتے ہوئے صدر کانگریس نے لکھا ہے۔ اگر پنڈت پنتھ کی قرارداد کی غیر آئینی اور قاعدہ باہر دفعہ جو ورکنگ کمیٹی کی ترتیب کے بارے میں ہے تری پوری کانگریس میں نہ پاس ہوئی ہوتی تو میں کانگریس کے دستور العمل کے مطابق نئی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کے ناموں کا ۱۲ مارچ کو اعلان کردیتا۔

صدر کانگریس نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ تری پوری کانگریس کی اس قرارداد کی رو سے ورکنگ کمیٹی کی ترتیب مہاتما گاندھی کی خواہش کے مطابق ہونا چاہیئے اور اپنی بیماری کی وجہ سے وہ ابھی تک گاندھی جی سے ملنے نہیں جاسکے اور مہاتما گاندھی بھی بیماری کی وجہ سے اس قابل نہیں ہیں کہ انکے پاس تک آسکیں

لیکن استنے اہم مسئلے کو حل کرنے سے پہلے گاندھی جی سے مفصل باتیں کرنا بہت ضروری ہے۔

جن باتوں پر وہ گاندھی جی سے باتیں کرنا چاہتے ہیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے لکھا ہے کہ پہلی بات گاندھی جی سے دریافت کرنا ہے کہ انکی رائے میں کانگریس کا آئندہ سال کا پروگرام کیا ہونا چاہیئے۔

"ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ صدارتی الیکشن کے بعد اور خاص طور سے تری پوری کانگریس میں جو کچھ ہوا ہے کیا اس کو دیکھتے ہوئے کانگریس کے دونوں گروہوں یا طبقوں میں اشتراک عمل کی اب بھی کوئی گنجائش ہے"؟

دوسری بات صدر کانگریس کو یہ دریافت کرنا ہے کہ مہاتما گاندھی کے نزدیک ورکنگ کمیٹی ایک ہی طرح کے آدمیوں کی ہونا چاہیئے یا اس میں کانگریس کے ہر خیال کے آدمی ہونا چاہیئے۔

[illegible] خود صدر کانگریس دوسرے خیال کے حامی ہیں۔ "اگر وہ پہلے والے خیال کے حامی ہیں تو پھر ایک ہی کمیٹی میں مجھ جیسے آدمیوں اور پچھلی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی طرح کے لوگوں میں اشتراک عمل کا کوئی امکان نہیں ہے"

یہ بات بھی دریافت کرنے کے قابل ہے کہ پنڈت پنتھ کی قرارداد کا گاندھی جی کے نزدیک کیا مطلب ہے۔ کیا وہ اسکو عدم اعتماد کی قرارداد کے

برابر سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں اس کی بنا پر صدارت سے مستعفی ہو جاؤں یا جیسا کہ کچھ لیڈروں کی رائے ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پنڈت پنتھ کی قرارداد نے کانگرس کے صدر اور مہاتما گاندھی کے درمیان صفائی کر دی ہے۔ (میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری طرف سے مہاتما گاندھی سے کوئی علیحدگی نہیں ہوئی ہے)

اپنے معترضین کو جواب دیتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے بتایا ہے کہ پورے ایک ماہ کانگرس کے جلسے ... ورکنگ کمیٹی کا جلسہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر ہنسی آتی ہے کہ ان لوگوں نے جو عالمگیر بین الاقوامی صورت حال کو ہندوستان کے فائدہ کے لئے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں ایک دم سے ایسی بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے کہ اب وہ چھتوں پر سے چلا رہے ہیں کہ روز بروز [illegible] اور سلام کیا ہیں جو کچھ ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے ورکنگ کمیٹی فوراً ہی بن جانا چاہئے"

آخر میں صدر کانگرس نے لکھا ہے کہ موجودہ صورت حال میں صرف گاندھی جی ہی کانگرس کو الجھنوں سے نکال سکتے ہیں اور پرانا اتحاد واپس لا سکتے ہیں۔

"جہاں تک میرا تعلق ہے اگرچہ ممکن ہے کہ میں گاندھی جی کے تمام خیالات اور منصوبوں کو بے چون و چرا تسلیم نہ کر سکوں جیسا کہ غالباً کچھ دوسرے لوگ کر سکتے ہیں لیکن میں انکا اعتماد حاصل کرنے کی برابر کوشش کرتا رہوں گا۔"

الہ آباد میں مولانا آزاد سے گاندھی جی کی ملاقات

آنند بھون میں اہم گفتگو

مہاتما گاندھی ۲۴ مارچ کو مولانا ابوالکلام آزاد سے ملنے دہلی آئے۔ انکے ساتھ سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی بھی تھے۔

یاد ہوگا کہ ٹرین سے اترتے وقت مولانا ابوالکلام کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی جس کی وجہ سے ڈاکٹروں نے انہیں چلنے پھرنے کی ممانعت کر دی تھی۔

الہ آباد میں گاندھی جی نے سردار پٹیل جواہر لال اچاریہ کرپلانی اور مولانا آزاد سے کانگرس کی موجودہ صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ اگرچہ اس گفتگو کی تفصیل راز میں ہے لیکن عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس ملاقات میں بہت سی باتیں طے پائی ہیں۔

صدر کانگرس اور مہاتما گاندھی

وردھا میں تبادلہ خیال کریں گے

۲۴ مارچ کو مہاتما گاندھی نے سبھاش چندر بوس کو بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ وہ ان سے ملاقات کے لئے وردھا آنے کو تیار رہیں تاکہ پنڈت پنت کی تجویز والی قرارداد کی وجہ سے جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس پر بات چیت کریں۔ لیکن مہاتما جی اس وقت تک صدر کانگرس سے ملنے نہ جا سکیں گے جب تک سر مورس گوائر راجکوٹ کے معاملات کا فیصلہ نہ سنا دیں۔

۲۴ مارچ کو صدر کانگرس سبھاش چندر بوس کے سکریٹری نے [illegible] سے جواہر لال کو ٹیلیفون پر اطلاع دی تھی کہ ڈاکٹروں نے صدر کانگرس کو گاندھی جی سے گفتگو کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ جواب میں جواہر لال نے بتایا کہ فی الحال مہاتما جی وردھا نہیں جا سکیں گے اسلئے کہ یہ انکے پروگرام میں نہیں ہے۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس

صدر کانگرس نے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے دفتر کو اطلاع دی ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا آئندہ اجلاس اپریل میں کلکتہ میں ہوگا۔ گاندھی جی سے مشورہ کرنے کے بعد صحیح تاریخ کا اعلان کر دیا جائے گا۔

---

۲۹ مارچ کو الہ آباد میں [illegible] کے مندر میں آرتی اور سنکھ بجانے پر ہندو مسلم فساد ہو گیا۔

پولیس نے فوراً ہی موقع پر پہنچ کر صورت حال پر قابو پا لیا۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس فساد میں [illegible] استعمال کی گئیں اور ایک مکان میں آگ بھی لگا دی گئی۔

سندھ کی وزارتی الجھن

ادم منڈلی کی وجہ سے دو وزراء مستعفی ہو گئے

۲۴ مارچ کو سندھ وزارت کے دو ہندو وزراء مسٹر نکلداس وزیرانی اور مسٹر دیال مل دولت رام نے ادم منڈلی تحریک کے سلسلے میں استعفیٰ دیدیا اسمبلی میں مسٹر آر کے سدھوا کے خلاف ملامت کی تحریک پر ہندو انڈیپنڈنٹ پارٹی کے ممبر مخالف پارٹی کے ساتھ آ بیٹھے۔

کراچی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے ادم منڈلی کے [illegible] سکریٹریٹ کے سامنے مظاہرہ کر رہے ہیں اپنے کو گرفتار کرا رہے ہیں، پولیس سکریٹریٹ کے تمام پھاٹکوں پر حفاظت کے لئے کھڑی ہے۔ حیدرآباد سے ستیہ گرہیوں کے نئے جتھے آ رہے ہیں۔

۲۵ مارچ۔ ایک سو دس آدمی گرفتار کئے جا چکے ہیں

لندن کے نوجوان

ہندستان کے ساتھ ہیں

۲۷ مارچ کو لندن میں نیشنل پارلیمنٹ آف یوتھ (قومی نوجوان سبھا) نے اپنے آخری اجلاس میں اتفاق رائے سے یہ قرارداد پاس کی۔

"یہ ایوان ہندستانیوں سے پوری ہمدردی رکھتا ہے اور اپنی حالت سدھارنے اور آزادی حاصل کرنے کی کوشش میں انکی مدد کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ ایوان ہندستانی نوجوانوں کے ساتھ دوستی کا اعلان کرتا ہے اور برطانیہ کے نوجوانوں کی تمام انجمنوں سے سفارش کرتا ہے کہ وہ ہندستان کے مسئلوں کا غور سے مطالعہ کریں۔" جب یہ رزولیوشن پاس ہوا اُس وقت ہندستانی ڈیلیگیٹوں کے علاوہ چھتیس ڈیلیگیٹ موجود تھے جو تیس برطانوی انجمنوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔

مختصر خبریں

جرمنی میں ایک نئی مالیاتی اسکیم تیار ہوئی ہے جس کی رو سے تجارت اور صنعت و حرفت سے ٹیکس وجوب سے پہلے ہی لے لیا جائے گا۔ اس کا مقصد حکومت کے "غیر معمولی اخراجات" کو پورا کرنا بتایا جاتا ہے۔

"غیر معمولی اخراجات" سے عام طور پر سلسلہ جنگ ہی کے [illegible] منشا خرچ مراد لیا جاتا ہے۔

بھاؤ میں غلہ بیچے گی اور آخر میں پانچواں طریقہ جس کے مطابق سوسائٹی ممبروں کا سب کا سب غلہ خرید کر اسے اچھے بھاؤ سے بازار میں بیچے گی۔ ہر ایک حلقہ کے اسسٹنٹ رجسٹرار مقامی حالتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے خود ہی سوچ کر یہ طے کریں گے کہ ان کے حلقہ میں کون سے طریقہ سے کام کیا جاوے۔

۲۵۰۰۰ گاؤں میں بہوگ سوسائٹیاں ———

یہ پانچسالہ تجویز صوبہ کے ایک ہزار دیہات سدھار مرکزوں میں چھ دس سے ہر ایک مرکز میں ۳۵ گاؤں میں جاری کی جارہی ہے۔ ہر سال دو سو سپروائزر پانچ سال تک کیلئے بھرتی کئے جاویں گے۔ اور ہر سال کی جماعت کے ذریعہ پانچ سال کے اندر سات ہزار گاؤں میں سب کام والی سوسائٹیاں کھل جائیں گی۔ اس طرح دس سال کے بعد صوبہ کے ایک لاکھ پانچ ہزار چھ سو چالیس گاؤں میں سے ۳۵ ہزار گاؤں میں یہ سوسائٹیاں کسانوں کی زندگی کے ہر ایک پہلو کی ترقی کرتی ہوئی دکھائی پڑیں گی۔

اس صوبہ کی سرکار نے پہلے ہی اس سال (سنہ ۱۹۳۸-۳۹ء) کے لئے سترہ ہزار روپیہ کی منظوری دیدی ہے۔ قریب دو سو پچاس سپروائزر بھرتی کر لئے گئے ہیں۔ جن کی تعلیم پرتاب گڑھ، بلند شہر اور گورکھپور میں ہو رہی ہے۔ لیکن فی الحال کام چلانے کے لئے موجودہ سپروائزران میں سے قریب اسی کو بکری کے کام میں تعلیم دیکر جدا جدا مرکزوں میں تعینات کردیا گیا ہے۔ یہ سب کام والی سوسائٹیوں (Multi Purpose Societies) کے کھلنے کے لئے ضروری پرچار اور شانتی پیدا کر رہے ہیں۔ تاکہ آنے والی ربیع کی فصل ہاتھ میں آجاوے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہمارے کام کرنے والوں کو گاؤں والوں کا پورا تعاون ملے گا۔ اور وہ ان سوسائٹیوں سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

ریاست الور کی کسان تحریک

بقیہ صفحہ دس

کو پہلے کیطرح بھوک اور کنگالی کے سبب لگان، مالگذاری، یا دوسرے ٹیکسوں کے خلاف ... فرقہ وارانہ جھگڑوں کو بڑھا رہا تھا اور اس کے شعلوں کو اٹھانے کیلئے ہوا دے رہا تھا چنانچہ الور میں ایک طرف سے چند قبروں اور مسجدوں کی حفاظت کے نام پر شور و غل مچایا گیا اور دوسری طرف سے ہندو سنگٹھن کا نعرہ بلند کرایا گیا۔ جون سنہ ۳۳ء میں ایک مذہبی جلوس کے نکلنے کیوقت تصادم کرایا گیا مسلمانوں کی گرفتاریاں ہوئیں، ہندوستانی پریس نے "مسلمانوں کی فساد انگیزی" "الور کے ہندو راجا اور حکام کی ہندو پروری اور مسلم کشی" کی خبریں ملک میں پھیلانی شروع کیں اسلام کے علمبردار اور مسلمانوں کے نام نہاد لیڈر تمام ملک میں ریاست کی قبروں اور مسجدوں کی حفاظت کے نام پر، اور مسجدوں کی حفاظت کے نام پر، اور مظلوم مسلمانان الور کی مدد کے نام پر گلوں میں جھولیاں ڈال ڈالکر نکل پڑے، حکومت ہند کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے دفتر میں سرکار پرست مسلمان چودھریوں کی آمد و رفت زور سے شروع ہوگئی ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر الور کے ہزاروں مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ کچھ گڑگانوہ دریواڑی میں آن کر پڑے، اور

کچھ اجمیر میں لیکن بہت بڑی تعداد نے جامع مسجد دہلی کے سامنے اپنے ڈیرے ڈالے مجلس امداد مہاجرین الور کے نام سے ایک دفتر کھولا گیا۔ امداد بے گھر خانہ بدوشوں کی حالت زار کا معائنہ اتفاق سے یا ارادۃً حضور وائسرائے بہادر نے بھی کرلیا جبکہ وہ جامع مسجد کا معائنہ کرنے گئے تھے فرقہ پرستوں کی طرف سے حکومت کے دربار میں درخواستیں فریادیں اور عرضداشتیں سب کچھ پہونچ گئیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا، دہلی کے امام صاحب جامع مسجد مصیبت زدگان کی حقیقی ہمدردی میں مہاراجہ الور کی خدمت میں گئے جہاں ان کا خیر مقدم شیر کے شکار کی دعوت سے کیا گیا، مگر جس لئے وہ گئے تھے وہ مقصد حل نہ ہوا۔ جب مہاجرین کا جوش ٹھنڈا پڑنا شروع ہوا۔ تو الور کی حکومت نے انکو سمجھانے کیلئے اپنے گرگے چھوڑے۔ دہلی کے اچھے لائق مسلمان ہر کار پرست، وطن پرست، اور ریاست پرست، سب کے سب ان گرگوں لعنہ اللہ کی سوچ والی خدمت انجام دینے میں مستعد نظر آئے۔ ایک ایک کر کے مہاجرین نے الور واپس ہونا شروع کیا، اب فرقہ پرستوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، اب کیا کریں؟ ہجرت کا ردعمل شروع ہوگیا یعنی جو دریا بے سوچے سمجھے چڑھا تھا۔ وہ سمٹ سمٹا کر پھر اپنے کھال یا شکم میں آ گیا۔

میر غلام بھیک صاحب نیرنگ معتمد مجلس مرکزیہ تبلیغ و اشاعت الاسلام انبالہ نے جو مہاجرین الور کا کچھ کہنا چاہئے کہ تحریک الور کے سب کچھ تھے تجویز کیا کہ اجمیر میں الور کانفرنس کی جاوے، اسی سلسلہ میں جب پیر صاحب دہلی اور اجمیر کے ایسے پھیرے کر رہے تھے (الور اسٹیشن سے گزرتے تھے) ریاست کے اہلکاروں سے ان کا ملنا ہوگیا، اور یہ ملنا کچھ اسقدر بے ڈھب تھا کہ اجمیر میں کانفرنس کیے جانے کی تجویز ختم ہوگئی۔

فرقہ پرستوں، سرکار پرستوں اور حکومت الور اور اس کے پجاریوں کے کیمپ کے یہ حالات تھے، جو اخباروں میں پڑھے جاتے اور جلسوں میں سنائے جاتے تھے "مسجدیں اور قبریں" "اسلام دشمنی" "مسلم کشی" "ہندو سنگٹھن" "مسلمانان الور کی ہندو راجا کے خلاف گہری سازش" "ہندو ریاستوں کو ختم کرنے کی منظم تحریک" سوائے ان سرخیوں کے اخبارات میں کچھ نہ تھا، غرض ادہر کے لوگ آرام کرسیوں پر بیٹھے الور تحریک چلا رہے تھے، لیکن الور کے دیہات کے کسان کچھ اور ہی طرح کی رچنا رچا رہے تھے اور بلا کسی لیڈر کی سرداری، یا سیاسی رہنمائی کے الور کے کسان اپنے ہی آپ متحد ہونے شروع ہوگئے تھے جس کا تجربہ ۶ ماہ سے الور کی مالگذاری جمع کرنے والے اہلکار کر رہے تھے لوگ مالگذاری اور لگان دینے سے آہستہ آہستہ رکنے لگے تھے۔ ہندو اور مسلمان کسان سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے، کہ پہل کون کرتا ہے، تاکہ بروقت سے باہر ریاست کے محصول، مالگذاری، لگان کسٹم اور دوسرے ٹیکسوں کے ادا کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ الور کے کسان مختلف قوموں میں سے تھے مینا۔ جاٹ، گوجر، اہیر، یہ سب تو ہندو تھے، پر میو مسلمان تھے، اور میو ہی وہ قوم تھی جس کی آبادی قومی جتھہ بندی کے حساب سے سب سے زیادہ تھی الور کے ہندو مسلم فساد نے کچھ نہ کچھ دیہات پر بھی اثر کیا تھا، اور ہندو کسان چاہتے تھے کہ میو پہل کریں وہی آگے بڑھیں، اس کے

تین سبب تھے۔

(۱) ۱۸۵۸ء میں الور ریاست کو لگان، مالگزاری، اور دوسرے ٹیکسوں سے ۱۵ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی جو ۱۹۳۲ء تک بڑھتے بڑھتے اماداً ۸۰-۹۰ لاکھ تک پہنچ گئی دیہات میں بے چینی بڑھی، موضع میو جانے کے ہندو راجپوتوں کی سرداری میں جو خود راجہ الور کے خاندان سے تھے ایک پنچایت ہوئی، اس میں لگان بوجھ بڑھ جانے پر سوچ بچار کیا گیا، کہ وہ کیسے کم ہو؟ آخر راجہ صاحب سے عرض معروض کی گئی۔ روشن خیال مہاراجہ نے اس کا علاج بڑی خوبی سے کیا، ہر میو قبیلے کے چودھری (سردار) بلا لئے گئے، ٹھہرائے گئے، شرابیں، ہر قسم کے کھانوں سے آؤ بھگت کی گئی، پھر موٹر خانے کا معائنہ کرایا گیا، پھر ہاتھی خانے، گھوڑوں کے اصطبل، توشہ خانے، محلات اور دوسرے عیش و عشرت کے سامان دکھائے گئے، یہ اس سارے سامان سے الور ریاست اور الور کے راجا کی آبرو ہے یا صرف میری؟ میرے لیے تو صرف ایک موٹر دو چار گھوڑے، ایک دو ہاتھی ہی بہت تھے، مگر اتنے موٹر، اتنے ہاتھی گھوڑے اونٹ پھر ان کی سجاوٹ کے سنہرے روپہلے سامان سے میری عزت بڑھتی ہے؟ یا الور والوں کی؟ جبھی گھر کا خرچ اٹھانے راجا کہا کیا کرے" سب میو سرداروں نے کانا پھوسی کی "ہماری سب فوج گھٹنی ہوگئی ہے کسی راج سے کم نا ہے" غرض ان لازمی ضرورتوں" اور "مجبوریوں" کو دیکھتے ہوئے یہ ہی فیصلہ کیا گیا، کہ "راجا جو مانگے وہ دینا چاہیے ورنہ الور والوں کی آبرو کو بٹا لگ جائے گا" اس فیصلے کے چند دن بعد ہی الور کی فوج میو جانے کو گھیر لیتی ہے مشین گنیں اپنا کام پوری بے جگری سے کرتی ہیں، کسان مرد، عورتیں اور بچے بے دریغ قتل کیے جاتے ہیں، جس سے الور کی ساری کسان رعایا کانپ جاتی ہے، اتنا بڑا دردناک واقعہ ریاست الور میں صرف میو "چودھریوں کے ٹوٹنے" سے ہو گیا تھا، اور جب علی گڑھ کالج کی جوبلی میں ۱۹۲۵ء پر مہاراجہ الور نے ایک بڑی رقم مسلم یونیورسٹی کی نذر کی تو ایسے شور سے میو رہے سہے اور بھی ٹوٹ گئے تھے، جس کے سبب سے جو کسان چاہتے تھے کہ اب میو پہل کریں۔

(۲) میو ہی وہ قوم تھی جو اپنی حالت کی برابری اور یکرنگی کے سبب الور کے دوسرے کسانوں کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے اپنی جتھہ بندی کر سکتے تھے، اور ان کی جتھہ بندی کی صورت ہی میں الور کے راجا کے مظالم کا کامیابی سے مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔

(۳) تیسری بات جو ہندو کسانوں کو آگے بڑھنے سے روکتی تھی اور وہ جھجکتے تھے یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی حد تک اس پروپیگنڈا پر یقین کر لیتے تھے کہ جو ہندو سبھا کے نام لیوا الور کے بھیس میں الور راج کے کارندے وہاں پھیلاتے تھے۔ وہ ڈرائے جاتے تھے۔ کہ "کشمیر کے ہندو راج کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اب مسلمان الور کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں" انھیں بتایا جاتا کہ مسلمان ہر ہندو گھر میں گھس گھس کر "گئو ماتا" کا ناش کریں گے، ان سب جھوٹی سچی باتوں کے باوجود فرقہ پرست ہندو اور مسلمان الور کے کسانوں میں پھیلاتے تھے، الور راج کے مظالم سب کے لئے یکساں تھے۔ مالگزاری اور دوسرے ٹیکسوں کی وصولی میں "گئو کا ناش" کرنے والوں اور "رکھشا" کرنے والوں میں کوئی فرق نہ کیا جاتا تھا مفلسی اور کنگالی سے کوئی قوم، فرقہ اور چند جاگیرداروں اور خاص ملازموں کو چھوڑ کر کوئی گھر نہیں بچا تھا، اور ساری رعایا کے دل اس جوالا مکھی پہاڑ کی طرح کھدک رہے تھے، جو اندر ہی اندر کھول رہا ہو اور پھٹ پڑنے کے لیے بے چین ہو۔

آخر وہ دھماکا ہو ہی گیا ۱۴ نومبر ۱۹۳۲ء کو کشن گڑھ کی نظامت کے ایک گاؤں دھمو کر میں وہاں کا ناظم پولیس کی جمعیت کے ساتھ پہنچا، ریاست کی طرف سے اخباروں میں یہ خبر نکلی کہ "میو کسانوں نے حملہ کر کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا اور پولیس کو حفاظت خود اختیاری میں گولی چلانی پڑی" اخباروں میں تو یہ خبر نکل کر بات ختم ہو گئی یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ فرقہ پرست ہندو اور مسلم اخباروں کے لئے موٹی موٹی سرخیاں لکھنے کے لیے ایک آدھ ہفتہ کے واسطے بہانہ مل گیا۔ مگر اس واقعہ نے کسانوں کے لئے اعلان جنگ کا کام کیا۔

۱۵ نومبر ۱۹۳۲ء کی رات کو دھمو کر گاؤں میں جبکہ وہاں کی پہاڑیاں ان بھٹیوں کی وجہ سے جو کھانا پکانے کے لئے بنائی گئی تھیں عجیب نظارہ پیش کر رہی تھیں تمام تومنوں اور قبیلوں کے چودھری اور آس پاس کے دیہات کے کسانوں کے دل کے دل وہاں جمع ہوئے۔ اندھیری رات میں دور تک پھیلے ہوئے آگ کے شعلے جتا رہے تھے کہ کوئی فوج پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ یہ الور کے کسانوں کی سب سے پہلی باضابطہ پنچایت تھی لوہے کے بڑے بڑے کڑاہے تھے جن کے نیچے آگ جل رہی تھی اور جن میں باجرہ نمک ڈال کر ابالا جا رہا تھا، ہر گاؤں کے نائی کھانے کا انتظام کر رہے تھے، باگھوڑیا پال (یا گھوڑ قبیلہ) کا چونکہ دھمو کر گاؤں تھا، اس لئے اس علاقہ میں آباد مہاجن باجرے کی بوریاں اونٹوں پر لاد لاد کر لائے تھے، ڈھاک کے پتے، تھالیوں، اور طشتریوں کی جگہ کام میں لائے جا رہے تھے۔ باری باری ہر گاؤں کے لوگ آئے جلدی جلدی کھانا کھایا اور پنچایت میں شریک ہونے چلے گئے۔ پہاڑی کی اونچی چٹان پر اس رات الور کی کسان قوم جمع تھی جس میں میو، مینے، جاٹ اور گوجر تھے، راجپوت اور اہیر اس پنچایت کا فیصلہ سننے سے پہلے قسم اٹھانا نہیں چاہتے تھے، اور وہ اس پنچایت میں نہیں آئے تھے نوجوانوں کا کہنا تھا، کہ مالگزاری، لگان اور دوسرے سارے ٹیکسوں اور کروں کو بند کیا جائے ریاست الور کے نوجوان اور دکھی کسان سارے کے سارے ڈکٹیٹری قانون قاعدے توڑنے پر تلے ہوئے تھے مگر بوڑھے چودھری خاموش تھے "سری مہاراج" ان کی خاطر اتنی کیا کرتے تھے کہ کچھ بچھ جاتے تھے، بوڑھے میو کسان جن کے اقرار یا انکار پر فیصلے کا دارومدار تھا نوجوانوں کی باتوں کو دیوانگی سمجھتے تھے جبھی سے لارڈ لیک نے بھرت پور فتح کیا۔ اور میوات کو بھرت پور، الور کی ریاستوں اور انگریزی علاقے میں تقسیم کیا راج کے حکم بجا لانے کی ان کو عادت تھی۔ کولانی (ایک میو گاؤں) کے بہادروں کو باتیں اور پارٹ میووں کی جنگجوئی کی یاد دہندہ لاچکی تھیں۔ حکم بجا لانے کی عادت کے خلاف "بغاوت" بہت مشکل بات تھی۔ پھر "راجہ کی فوجیں اور توپخانہ!" اور پھر ان کے پیچھے انگریزوں کی کالی اور گوری فوج!" غرض بات مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھی۔

یہ کشمکش تھی جو ساری رات بڑوں اور چھوٹوں میں ہوتی رہی جوانوں کا جوش سچ مچ دیوانگی بن گیا، انھوں نے چودھریوں کے رشتہ دار نوجوانوں کو جمع کر کے ان کو بالکل زچ کر دیا۔ پھر باگھوڑ قبیلہ میں بیاہی ہوئی دوسرے قبیلوں (ڈنگل یا سنگل نائی) کی لڑکیوں کے طعنوں اور نہنوں نے بوڑھوں میں آخر زندگی کی لہریں دوڑا ہی دیں۔ راج کے خلاف "بغاوت" اور راج کی فوج، توپخانے اور گوروں کی فوج" یہ سب اندیشے اور ڈر ایک ایک کر کے دل سے جاتے رہے۔ پنچایت پر ایک بجلی سی کوند گئی اور نوجوانوں کے چہرے کندن کی طرح دمک اٹھے جب یہ فیصلہ

سنا دیا گیا کہ سراج کی سب لاگیں آج سے بند! پٹواریوں، گرداوروں اور پولیس اور مال کے سب اہلکاروں کو خبر دے دی جاوے کہ اگر کسی گاؤں میں پیر بھی رکھا تو جان کی ذمہ داری رعایا نہیں ہوگی۔ ایک روپیہ ہر گھر سے وصول کرکے چودھریوں کے پاس اکٹھا کرو۔ اب اس دھرتی پر یا راج رہ سکے گا یا کھیتی پر جا رہے گی۔

اس فیصلے کے چند گھنٹے بعد ریاست الور کے ہر گاؤں اور ہر گھر میں یہ خبر پہنچ گئی۔ پٹواری اور گرداوروں، تھانات اور شکارگاہوں کے سب کارندوں نے الور کے قلعے میں جا کر دم لیا۔ پولیس اور مجسٹریٹ انکا سروں کی گڑھیوں میں اپنے آپ بند ہو کر بیٹھ گئے سوائے ڈاک کے ہرکاروں کے جس کو خاص طور پر اجازت تھی کہ وہ جہاں چاہے جائے اور آئے، الور راج کا اثر اس کے کاروبار کو گورکھ دھندا، تھانات، تحصیلوں اور کچہریوں مواضعات سے بالکل ختم ہو گیا۔

الور کی ریاست میں یا ریاست سے باہر الور کے کسانوں کی مدد پر نہ تو کوئی سرمایہ ہمدرد تھا، اور نہ کوئی مہاتما گاندھی، بلکہ الور کے کسانوں کے مخالفت کے لئے وطن پرست ہندستانی اخبار نویس موجود تھے، خواہ وہ ہندوؤں کے ہوں یا مسلمانوں کے۔ اور وہ فرقہ پرست ہندو اخبار تھے، جو کسانوں کی واویلا کو الور کے مسلمانوں کی بغاوت قرار دیکر باقاعدہ حکومت ہند اور ریاست کو اُن کے کچل دینے کا مشورہ دے رہے تھے۔ اور وہ مسلمان فرقہ پرست اخبار بھی جو آج تک برابر مسجدوں اور قبروں سے تحریک کو آگے بڑھتے دیکھنا چاہتے تھے، اور چاہتے تھے کہ کسانوں کے ہر انقلابی قدم کو قبرستانوں میں لیجا کر انھیں موت کی نیند سُلا دیں ایک حد تک خلاف ہی تھے۔ غرض الور کے کسانوں کی مدد پر کوئی نہ تھا سوائے دو بڑی طاقتوں کے ایک الور راج کا وہ ظلم جوان کو چھینا جھپٹ کر رہا تھا، اور دوسری طاقت یہ یقین کہ "ہم ضرور برباد ہوں گے لیکن اتنی سکت رکھتے ہیں، کہ ظالم اور اس کے ہر ظلم کو ختم کر دیں گے۔"

کچھ دنوں بعد یہ اعلان تمام فرقہ پرستوں کے کان میں پہنچ گیا۔ فرقہ پرست مسلمانوں اور سرکار پرستوں کے کیمپ میں ایک کھلبلی پڑ گئی، کہ تحریک اس سخت کوشش کے ہوتے ہوئے کہ "وہ فرقہ وارانہ حدوں کے اندر رہ کر ختم ہو جائے،" اُن حدوں کو پھلانگ کر

ابھی صحیح جگہ پر آگئی جس کو نہ کوئی فرقہ پرست اور سرکار پرست [illegible] کو سکتا تھا، اور نہ ہندو یا مسلمان راجا پرست۔ پھر جتن کئے گئے کہ انقلابی دھارے [illegible] فرقہ پرستی کی چار دیواری میں بند کیا جائے، چنانچہ بظاہر سر غلام بھیک نیرنگ اور چودھری یٰسین خاں پنجاب اسمبلی کے ایک ممبر کی رائے سے فیروز پور جھرکا ضلع گوڑگانوہ میں (عین ریاست الور کی حد پر) آل انڈیا الور کانفرنس کے ۳، ۴ دسمبر ۳۲ء کو کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس کانفرنس کا جنرل سکریٹری ایک جوک سے مجھے بنا یا گیا، اعلان ہوتے ہی کچھ ایسا لباس چاروں طرف سے پڑے کہ سر غلام بھیک اور چودھری یٰسین خاں چاہنے لگے کہ کانفرنس کسی طرح ملتوی ہو جائے تو کہ ان دونوں صاحبوں کی سرداری بھی خطرے میں پڑ گئی مگر گوڑگانوہ اور الور کی دیہاتی آبادی کی یہ حالت تھی کہ جس کے منھ سے کانفرنس کو ٹالنے کی آواز نکلتی رہی لوگوں کی نظروں میں گرتا نظر آتا، پرجا کی قوت کے آگے کسی کی ہمت اُن تک کرنے کی نہ ہوئی۔ اور کانفرنس ملتوی کرنے کے لئے کسی کے منھ سے ایک بول نہ نکل سکا اور پرجا کی خفگی برداشت نہ کی جا سکی ہاں یہ ضرور ہوا کہ اُن لوگوں کو ناراض کرنا پڑا جو سمجھتے تھے کہ الور کی تحریک کے تار ان کے ہاتھ میں ہیں اور یہی سب سے پہلا واقعہ ہے جس کے سبب انگریزی سرکار نے الور تحریک کو خطرے سے دیکھنا شروع کیا اور سرکاری طور پر یہ کوششیں کی گئیں کہ کانفرنس ناکام ہو، الور کے کسانوں کی تحریک کے سبھاؤ اور رجحان اس کو آئینے کی طرح صاف نظر آگئے، اب وہ سمجھ گئی کہ الور کے کسان ہندو مسلمان فرقہ پرستوں کے بُنے ہوئے جال سے پھلانگ مار کر آگے نکل چکے ہیں۔ ریاستی اور انگریزی علاقے کے کسانوں کا ایک جگہ اکٹھا ہونا اور آپس میں سوچ بچار کرنا کتنا خراب اثر انگریزی علاقے میں ڈالے گا۔ یہ سرکاری مشین چکر میں لائی گئی اور سر توڑ کوشش کی گئی کہ انگریزی علاقے کے چھوٹے چھوٹے زمیندار اور کسان کانفرنس سے دور رکھے جائیں۔ بھرت پور کی پولیس ریاست کے ان تمام راستوں اور دیہات کی نگرانی کر رہی تھی جن سے وہاں کے کسان انگریزی علاقے میں داخل ہو کر کانفرنس میں شریک ہو سکتے تھے، خود ہز ہائینس مہاراجہ الور نے جو انتظام کیا وہ اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے جو اردو اور ناگری میں چھپوا کر ہوائی جہاز کے ذریعہ سارے دیہات میں پھینکا گیا۔ ہوائی جہاز سے اس لیے کام لیا گیا کہ دھوکڑ کی پنچایت کے فیصلے کے بعد سوائے اسکے کوئی دوسری صورت باقی نہ رہی تھی۔

(باقی آئندہ)

جرأت

(وجاہت سندیلوی)

"تم مجھے بڑی اچھی لگتی ہو" میں نے اسکی طرف نہایت عاجزانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

"تو پھر میں کیا کروں؟" اسنے خشکی سے کہا اور جلدی سے میرے سامنے کی میز پر سے گلاس اٹھا کر واپس چلی گئی۔

وہ بجی جان کی منھ چڑھی خادمہ تھی جسکو وہ نئی نئی اپنے میکے سے لائی تھیں اسوقت وہ میرے کمرے میں اپنی مالکہ کا گلاس لینے آئی تھی۔

دوپہر کو برآمدہ میں وہ مجھے پھر تنہا ملی۔ اپنے آپ سے بالکل بے خبر دیکھنے پر ہاتھ رکھے نہ معلوم کیا سوچ رہی تھی اسکی نظریں نیچے چمن کے صنوبر کے.... ایک درخت پر جمی ہوئی تھیں۔ میں اسکے اتنے قریب سے نکلا کہ میرا جسم اسکے جسم سے مس ہو گیا وہ چونک پڑی، اسکے چہرہ پر سرخی دوڑ گئی لیکن وہ خاموش رہی۔

"تم سے ایک بات کہنا ہے" میں نے رازدارانہ لہجہ میں کہا

"کہو" اس نے آنکھ سے آنکھ ملاتے ہوئے کہا

"میرے کمرے میں آؤ تب"

اس نے اپنا منھ پھیر لیا اور میں چپ چاپ اپنے کمرہ میں چلا آیا۔ یہ میری سازش کوشش کی ناکامیابی تھی۔

سکینہ میں سوائے اسکی جوانی کے اور کوئی خاص بات نہ تھی لیکن نہ معلوم اسکے

اتوار کو میں جا رہا تھا۔ سنیچر کو ایک نیا حادثہ پیش آیا۔ مجی جان نے نعیمن بوا کی شہ پر سکینہ پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے بالوں میں تیل بہت لگاتی ہے اور کنگھی چوٹی کر کے سنوارا کرتی ہے۔ یہ بڑا سنگین جرم سمجھا گیا۔ شریف لڑکیاں کہیں ایسا کرتی ہیں؟ اور اس جرم کی پاداش میں سکینہ کے بال کاٹ ڈالے گئے۔ سکینہ نے احتجاج کی ایک آواز بھی بلند نہ کی۔ مجی جان کی اس بے رحمی اور بے دردی پر مجھے بڑا غصہ آیا اور ایک دفعہ تو میرا جی چاہا کہ جا کر نعیمن بوا کے ہاتھ سے قینچی چھین کر انکے اور مجی جان دونوں کے بال کاٹ ڈالوں لیکن مجھے بار بار یہی خیال رہا کہ اگر میں نے کچھ بھی کیا تو یہ سکینہ کے حق میں اور زیادہ مضر ہوگا۔

رات کو میں اپنے کمرہ میں سو رہا تھا۔ دفعتاً مجھے آہٹ معلوم ہوئی میں جاگ پڑا۔ کوئی میرے پلنگ کے پاس کھڑا تھا۔

"کون؟" میں نے ذرا گھبرا کر پوچھا۔

"میں"

"سکینہ؟"

"ہاں"

میں نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے بستر پر بٹھا لیا۔

"کیوں کیا ہے؟"

"بی بی آج یہاں سے لے رہی ہیں اور نعیمن غافل پڑی سو رہی ہیں"

میں نے اسے لپٹا لیا وہ کچھ نہ بولی۔ جب صبح چار بجے جانے لگی تو میں نے اپنا منی بیگ اسکے ہاتھوں پر رکھنا چاہا لیکن اس نے اسکو پھینک دیا۔

سویرے جس وقت میں رخصت ہو رہا تھا میری نظریں سکینہ کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔

جب میرا تانگہ گھر سے کافی دور جا چکا تو میں نے دیکھا کہ دیوار کی منڈیر پر ایک منا سا چہرہ جھانک رہا تھا اسکی آنکھوں کی چمک میں اس فاصلے سے بھی دیکھ سکتا... نا معلوم کیوں میرے دل میں پہلی سا خیال آیا کہ اگر بغاوت کی انسانی شکل بنائی جائے تو اسکے علاوہ کیا کوئی دوسری شکل ہوگی؟"

تبصرہ

چنگاریاں یعنی سیاسی افسانے مصنفہ پرنسپل چھبیل داس۔ قیمت ۱۲ آنہ ملنے کا پتہ لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور

پرنسپل چھبیل داس کا نام سیاسی اور معاشی مضمون نگار کی حیثیت سے کافی مشہور ہے۔ آپ اس سے پہلے سوشلزم پر بھی ایک کتاب لکھ چکے ہیں۔ دیہاتوں میں دورہ کرنے سے آپ پر یہ بات کھل گئی کہ دیہاتی عوام کو عام فہم اور دلچسپ پیرائے میں سیاسیات کے ابتدائی سبق پڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ آپنے یہ دیہاتی افسانے مرتب کئے۔ خیال اچھا ہے لیکن ان افسانوں کو عام فہم کہنا مشکل ہے۔ پہلے ہی تین افسانے تو ہیں وہ شستہ اور فارسی کے موجود ہیں۔ عبارت میں عام طور پر فارسی اور عربی لفظوں کی بھرمار ہے۔ اب رہا ان کے افسانہ ہونے کا سوال تو اس میں شک نہیں ہے کہ ان میں افسانہ پن بالکل نہیں پایا جاتا کہیں کہیں ایسپ کی کہانیوں کی نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ناکام۔ بہ مقابلہ زیادہ تر اس کتاب میں وعظ اور نصیحت کا رنگ جھلکتا ہے۔ قصے اگر بیان بھی کئے گئے ہیں تو ان سے سبق اس طرح نکالا گیا ہے کہ سبق پڑھتے پڑھتے قصہ بھول جاتا ہے۔ اگر آسان زبان میں صرف قصہ بیان کر دیا جاتا اور لڑکوں کو سبق نکالنے کا انداز نہ اختیار کیا جاتا تو اثر بہت زیادہ پڑتا اور تکلف اور تصنع نہ پیدا ہوتا۔ الغرض پرنسپل صاحب کو نیت کا ثواب تو ضرور ملیگا اس لئے کہ انھوں نے مضمون سب ایسے ہی اٹھائے ہیں جنہیں غریبوں سے ہمدردی ظاہر ہوتی ہے

شہید میکسوینی: پولٹیکل اکاڈمی امرتسر کا تیسرا شاہکار۔ مولفہ پنڈت اندرودے کیل بی اے ایڈیٹر کامران ملنے کا پتہ محمد اسحاق مرصع نگار۔ ناشر کامریڈ غلام احمد۔

"ایکاڈیمی شہید میکسوینی کی زندگی پر تصنیف شدہ کتاب کو محض ہمارے وطنی سپوتوں کی نذر کرتی ہے۔"

بعض لوگ اچھی چیزوں کو بھی اسقدر مضحکہ انگیز لباس میں پیش کرتے ہیں کہ دیکھتے ہی ہنسی آجاتی ہے اوپر لکھی ہوئی عبارت کو پڑھ کر بھلا کون اس کتاب پر سنجیدگی سے غور کر سکتا ہے لیکن اصل میں کتاب اچھی خاصی

پیچھے اور سن فین" تحریک کی مختصر تاریخ اس میں اچھے ڈھنگ سے بیان کی گئی ہے میکسوینی کا نام ہندستان میں کافی شہرت پا چکا ہے اس لئے کہ اس نے ٹھیٹھ ہندستانی طریقے پر برت رکھ کر جان دی تھی اس کتاب سے اس زمانہ کے آئرلینڈ کی سیاسی حالت کا کافی اندازہ ہو جاتا ہے اور بقول کامریڈ غلام احمد کے یہ کتاب پکار پکار کر کہتی ہے "کہ دیکھو غلامی سے قومیں اس طرح آزاد ہوتی ہیں"

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پنجاب میں "کامریڈ" "مدر" "پی اے نشیل" وغیرہ لوگوں کے نام کا حصہ بن گئے ہیں۔ سرورق پر جو تصویر بنائی گئی ہے اسے دیکھ کر بھی حیرت کی جگہ ہنسی زیادہ آتی ہے کاش ہمارے کامریڈ مرقع نگاری چھوڑ کر کتابوں کو سادہ اور صاف ستھری شکل میں پیش کرتے اور زبان کو بھی عام فہم رکھتے تو زیادہ فائدہ ہوتا۔

یو-پی اسمبلی

مخالف پارٹی کی کھوکھلی عوام دوستی

نشہ بندی ہو مگر جیب پر آنچ نہ آنے پائے

۱۸ اپریل سے بجٹ پر بحث کے ساتھ ہی ساتھ دلو کری ٹیکس کے بل پر بھی بحث ہوئی آخر ۲۲ مارچ کو یہ بل سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا

آخری روز بل پر بحث کرتے ہوئے وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت نے ایک مفصل تقریر کی جس میں انھوں نے حکومت کی مالیاتی پالیسی کی وضاحت کی اور بتایا کہ اغلب آمد و خرچ کو ہر سال تولنا پڑتا ہے اور پچھلے حالات میں تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پچھلے سال آبکاری کے محکمہ میں حکومت کو ۲۲ لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا تھا اور اس سال بھی ۲۰ لاکھ کی کمی ہو گئی ہے اور یہ سب کچھ غریب عوام کی بھلائی کے لئے کیا گیا ہے۔

آگے چل کر انھوں نے کہا کہ حکومت یو پی کی آمدنی کا اسی فیصدی حصہ غریبوں کی کمائی سے آتا ہے اور پھر بھی ان لوگوں کو اس رقم سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ موجودہ حکومت نے اسکو بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے یہی اسکی اسکیم ہے اور وہ اس پر جمی رہے گی۔

آنریبل وزیر اعظم نے اپنی تقریر کے شروع میں بتایا کہ مخالف پارٹی اس بل کی مخالفت صرف اپنا وجود ثابت کرنے کے لئے کر رہی ہے اگرچہ سچائی کیا کوئی بھی اس کا مخالف نہیں ہے۔ سر جوالا پرشاد بل کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے اس پر وزیر اعظم نے کہا کہ اس بل سے سر جوالا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور اسلئے انکی مخالفت تعجب خیز نہیں ہے۔

انھوں نے بتایا کہ یہ بل بہت دور رس ہے صرف سرکاری نوکریوں میں تخفیف کرنا ہی اس کا مقصد نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں انھوں نے بتایا کہ سنہ ۱۹۳۱ء میں حکومت ہند نے ۴۵ روپیہ ماہوار سے اوپر کے سرکاری تنخواہ داروں کی تنخواہ میں ۱۰ فیصدی تخفیف کر دی تھی اور آنچ سرد بازاری کے بعد جب حکومت یو پی ۲۱۰ روپیہ ماہوار سے اوپر تنخواہ پر ٹیکس لگانا چاہتی ہے تو اسکو "شیطانی" کہا جاتا ہے۔

۲۰ مارچ کو ڈاکٹر کاٹجو وزیر عدل و انصاف نے مخالف پارٹی کو ایک عجیب کشمکش میں ڈال دیا۔ مسلم لیگ کے آدمی اور انکے ساتھی بڑھ بڑھ کر شراب بندی کا مطالبہ کر رہے تھے ڈاکٹر کاٹجو نے کہا کہ کانگریسی حکومت اس کے لئے بالکل تیار ہے اور مخالف پارٹی کو چاہئے کہ وہ نوکری ٹیکس بل کو پاس کرا کے حکومت کے ہاتھ مضبوط کر دے تاکہ حکومت نشہ بندی کی اسکیم پر تیزی سے عملدرآمد کر سکے لیکن مسلم لیگ والے تو "میٹھے میٹھے ہپ کڑوے کڑوے تھو" والی پالیسی پر عمل کر رہے تھے، وہ اس پر تیار نہ ہوئے مخالف پارٹی کی طرف سے برابر اسی قسم کی بحثیں اٹھتی رہیں۔ کسی نے کہا کہ اگر سرکاری ملازموں کی تنخواہ میں تخفیف کرنا ہے تو حکومت وزیر ہند سے براہ راست کیوں نہیں کہتی جواب میں حکومت کی طرف سے بتایا گیا کہ وزیر ہند ہمارا "ان داتا" نہیں ہے جب ہمیں ٹیکس لگانے کا اختیار ہے تو ہم اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔

اس دوران میں بجٹ پر بھی بحث ہوتی رہی لیکن یہ بحث زیادہ تر غیر دلچسپ سی رہی مخالف پارٹی اپنی ٹانگ اڑانے کے لئے تخفیفی تحریکیں پیش کرتی رہی اور حکومت کی طرف سے اعتراضات کا خاطر خواہ جواب ملتا رہا۔

۲۴ مارچ کو تعلیمی بجٹ پر بحث کرتے ہوئے مخالف پارٹی نے علیگڈھ یونیورسٹی اور بنارس یونیورسٹی کے عطیوں کا قضیہ اٹھا کر فرقہ وارانہ سوال پیدا کر دیا۔ بعض لوگوں نے اتنی غیر ذمہ داری سے کام لیا کہ آخر ظہیر الدین صاحب فاروقی (مسلم لیگ) کو اپنے ساتھیوں کے رویہ پر اظہار افسوس کرنا پڑا۔ وزیر تعلیم نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حکومت مسلم یونیورسٹی کو صرف ۲ ہزار روپیہ سال کی امداد دیتی ہے بلکہ اس رقم کے علاوہ غیر سرکاری کالجوں کے عطیہ کی مد میں مسلم یونیورسٹی کو ۴۶ ہزار روپیہ اور ملتا ہے اس طرح سے اسے کل ۶۶ ہزار سالانہ دیا جاتا ہے لیکن ہندو یونیورسٹی کو صرف ۵۰ ہزار سالانہ کی امداد ملتی ہے۔ انھوں نے اور بھی امداد کرنے کا وعدہ کیا۔ اس پر تخفیفی تحریک واپس لے لی گئی۔

اسی دن آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے "پیٹرول ٹیکس بل" پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس بل کے پاس ہو جانے سے پٹرول کی قیمت ۲ آنہ فی گیلن بڑھ جائے گی اور اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ لاری فی گیلن ۱۰ سے ۱۲ میل تک جاتی ہے اور اس میں ۲۰ سے ۲۶ تک آدمی بیٹھتے ہیں تو ہر آدمی پر آدھا پیسہ زائد پڑے گا اور خیال ہے کہ مسافروں پر اس کا بار نہیں پڑے گا۔ موٹر کار والوں کو اس ٹیکس کی وجہ سے ایک روپیہ یا دو روپیہ ماہوار زیادہ خرچ کرنا ہوگا اور اسکو آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مخالف پارٹی کی طرف سے اسکی مخالفت میں کہا گیا کہ اس سے کرایہ کی لاریوں پر بڑا برا اثر پڑیگا اور موٹروں کے ذریعہ آمد و رفت بہت کم ہو جائے گی۔ بحث جاری تھی کہ اجلاس اگلے دن کے لئے ملتوی ہو گیا۔

متعدی امراض کے علاج کیلئے نیو یارک میں دنیا کا سب سے بڑا اسپتال جسکی عمارت پر ستر لاکھ ڈالر خرچ ہوئے ہیں

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر عمدۃ المطابع
مولی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر بشمبر ناتھ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳ — نمبر ۱۴ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۹ اپریل ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

مصری وفد کی واپسی

مصری وفد تری پوری کانگریس میں شرکت کرکے تین ہفتہ بعد ساؤتھمپٹن کو مصر روانہ ہوگیا
بمبئی صوبہ کانگرس نے اسے بہت خلوص سے رخصت کیا

نشہ کا بھوت

نشہ کی لعنت کا یہ پتلا نشہ بندی کے سلسلہ میں بمبئی میں
جابجا پھرایا گیا

بنیادی سوالوں کو مسلم لیگ والے ہمیشہ ٹال جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک جھگڑا صرف اتنا ہے کہ ہندوستان میں ہندو بستے ہیں۔ اگر کسی طرح سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے تو سب جھگڑے ناپید ہو جائیں۔ وہ کبھی نہیں بتاتے کہ پاکستان کی آزادی سے کون فائدہ اٹھائے گا؟ زمیندار یا کاشتکار رعایا یا مزدور؟ یا یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا قانون بن سکے جس سے دونوں کا فائدہ ہو۔

اگر اس تجویز کا منشا صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب کی حفاظت ہو ان کے کلچر ادب اور زبان کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے۔ تو یہ کل ترکیب پاکستان میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں بھی کئی کلچر اور کئی زبانیں ہیں۔ مثلاً یو پی اور بہار کے مسلمانوں کے کلچر اور پنجاب کے مسلمانوں کے کلچر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بنگال کے مسلمانوں کا کلچر اور ادب ان دونوں سے الگ ہے۔ اسی طرح سندھی مسلمانوں کا اور دوسرے مسلمان گروہوں کا بھی مستقل ادب اور کلچر ہے۔ اس لئے ہم کو پاکستان نہیں بنانا ہے بلکہ ایسے ہندستان کے بنانے کی ترکیب سوچنا ہے جس میں یہ سب کلچر اور ادب محفوظ رہ سکیں اور ترقی کر سکیں۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ انھیں اگر ہندستان میں رہنا ہے تو کوئی صورت ایسی نکالنی پڑے گی کہ ہندوؤں سے مل کر رہیں۔ چین میں کئی کروڑ مسلمان بستے ہیں لیکن وہاں آئے دن جھگڑے نہیں اٹھتے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اشتعال پیدا کرنے والے عناصر کو نکالا جائے اور اس بات پر زور دیا جائے کہ ہندو مسلم عوام کے مفاد ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ جھگڑا طبقوں کا ہے مذہبوں یا فرقوں کا نہیں ہے۔ جو لوگ طبقہ وارانہ لڑائی سے گھبراتے ہیں وہ اپنے حلوے مانڈے کے بچاؤ کے لئے ہندو اور مسلمان کو لڑاتے ہیں جس طرح جرمن سرمایہ داروں نے عوام کے ہاتھوں اپنی دولت کو چھنتے دیکھ کر یہودیوں کے خلاف آگ بھڑکائی اور عوام کے غصے کو دوسری طرف منتقل کر دیا اسی طرح ہندو اور مسلمان سرمایہ دار اور زمیندار عوام کو خانہ جنگی میں مصروف رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی توجہ کہیں اصلی معاملے کی طرف نہ ہو جائے۔

بڑی جیت

ہندستان کے چیف جسٹس سر ماریس گوئیر نے راجکوٹ کے معاملے پر اپنا فیصلہ دیدیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ٹھاکر صاحب اور سردار پٹیل نے جو صلحنامہ کیا ہے اس کی رو سے ٹھاکر صاحب کو سردار پٹیل کے نامزد کئے ہوئے لوگوں کو نامنظور کرنیکا کوئی حق نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ وہ لوگ ریاست کے باشندے نہ ہوں یا ریاست میں ملازم نہ ہوں یعنی کانگرس اور گاندھی جی کا فیصلہ سچا ثابت ہوا۔

معاملات اتنے صاف تھے کہ اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ وہ تو مسٹر گبسن نے جو برطانیہ کے نمائندے تھے اور دربار ویراوالا نے جنھوں نے اپنے کو وزیر بنا لیا تھا۔ ٹھاکر صاحب کو اپنی بات سے پھر جانے پر مجبور کر دیا۔

اب چند ہی روز میں راجکوٹ میں وہ خود مختاری قائم ہو جائے گی جو ابھی تک کسی بڑی ریاست میں نہیں ہے اور اسکا کاٹھیاوار کی سب ریاستوں پر اثر پڑے گا۔ ہر جگہ کی رعایا چونک پڑے گی اور راجہ کو مجبور ہو کر خود مختاری دینا پڑے گی ظاہر ہے آگے چلکر اسکا اثر ہندوستانی ریاستوں پر کیا پڑیگا۔ راجکوٹ کی جیت نے ہندستان میں ریاستی عوام کی جیت کی بنیاد رکھدی ہے۔

اتحاد پہلے

تری پوری کے بعد سے اکثر بیانات نکل رہے ہیں کہ پنتھ قرارداد غیر دستوری ہے اور صدر کانگرس اسکے پابند نہیں ہو سکتے۔ یہ تو ہے ایک پارٹی کی حالت، دوسری پارٹی کے ایک نمائندے شری ستیہ مورتی نے کہا کہ پنتھ کی قرارداد صدر پر عدم اعتماد ہے یا نہیں۔ اس بات کو تقریروں سے نہیں، بلکہ اس کے الفاظ سے دیکھنا چاہیئے۔ یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ پنتھ جی کے ان لفظوں پر ذرا دھیان نہ دینا چاہیئے کہ میں اس قرارداد سے عدم اعتماد نہیں لانا چاہتا ہوں۔ اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ قرارداد عدم اعتماد کا ووٹ ہے بعض حلقوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ پنتھ جی کی قرارداد کانگرس کے دستور کے خلاف ہے۔

آل انڈیا بنگال ڈے، پنتھ قرارداد کا خلاف دستور ہونا صدر کا استعفیٰ یہ سب راستے آپس کی لڑائی خانہ جنگی اور دشمن کی جیت کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ وہ طاقت جو کانگرس نے برسوں میں جان و مال کی ان بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کی ہے۔ ٹھیک اسوقت ضائع ہو رہی ہے جب اس کی خاص ضرورت ہے۔

ہم کو تو قومی مطالبات کی قرارداد کو جلد سے جلد عمل میں لانا ہے برطانیہ آنیوالی لڑائی میں ہندستان کو قربانی کا بکرا بنانے کی سوچ رہی ہے، اور ہم کو اسکا مقابلہ کرنا ہے۔

فیڈریشن کی مخالفت اور ریاستی عوام کی تنظیم کا کام بھی ہم کو کرنا ہے یہی ہمارا اصل کام ہے اسکو بھول جانا قوم اور وطن کو ملک کی غریبی، جہالت بیماری، اور آپس کی خونریزی کو بھول کر اپنے چھوٹے جھگڑوں میں الجھ کر رہ جانا ہے۔

اسوقت عدم اعتماد کا، یا پنتھ قرارداد کے دستوری یا غیر دستوری ہونیکا کوئی سوال نہیں۔ جس جمہوری طاقت نے سوبھاش بوس کو صدر چنا تھا اسی نے قرارداد پاس کی۔ جب اس کی خواہش یہی ہے تو اسکو پورا کرنا چاہیئے رہا عدم اعتماد کا سوال، تو تری پوری کے اجلاس کا عام رنگ بتاتا ہے کہ اس کا مطلب عدم اعتماد کا اظہار نہیں تھا۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو جمہوریت اسکو کھلم کھلا اجلاس میں لا سکتی تھی۔ ہمارے سامنے جو سوال ہے وہ صرف یہ ہے کہ ورکنگ کمیٹی کیسے بنائی جائے۔ موجودہ حالت میں ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ ورکنگ کمیٹی میں ایسے لوگ ہونا چاہئیں جنپر کانگرس کی مختلف جماعتوں کی اکثریت کو بھروسا ہو، یعنی جو کانگریس کی پوری نمائندگی کر سکے

چونکہ موجودہ مسائل کو دیکھتے ہوئے ہم کو ہر پارٹی سے کام لینا ہے پٹنہ قرارداد کا مقصد بھی یہی تھا کہ سب پارٹیوں میں ایکا پیدا کر دیا جائے تاکہ سامراج کے مقابلہ میں سب ایک ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ کسی طرح کی ورکنگ کمیٹی کی کامیابی مشکل ہے۔

اتحاد اتحاد

کانگرس کے ہر گروہ کی رائے یہی ہے جو ہماری رائے ہے۔

نیشنل فرنٹ (کمیونسٹوں کا آرگن) لکھتا ہے۔

"قرارداد کے غیر دستوری ہونے کی اس موقع پر باتیں کرنا کانگرس کے دستور کو بڑا نے معنی پہنانے میں جبکہ قومی اتحاد کی اہم ضرورت کو بھول جانا دراصل واقعات کو غیر سیاسی نگاہ سے دیکھنا ہے۔ کانگرس کے کھلے اجلاس نے قرارداد پاس کر دی ہے اور اب ہر شخص پر اس کا بجالانا فرض ہے حتیٰ کہ صدر پر بھی فرض ہے

بلکہ صدر چونکہ کانگرس کی پالیسی کا محافظ ہے تو اس کو تو سب سے پہلے اس کے سامنے سر جھکانا چاہئے۔"

کامرٹیڈ (کلکتہ) لکھتا ہے

"چونکہ ہماری رائے یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو کانگرس کو پھوٹ سے بچانا چاہئے۔ اس لئے قدرتی طور پر ہمیں افسوس ہے کہ اس موقع پر صدر کانگرس نے بیباک سے کہا ہے کہ میں اس معاملے میں گاندھی جی کی رائے کا انتظار کر رہا تھا کہ کیا اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ کانگرس کے دونوں گروہ سنگت کر سکیں؟

ہم کو خوشی ہے کہ صدر کانگرس نے اس موقع پر وہی کیا جو کرنا چاہئے تھا۔ یعنی انھوں نے جمہوریت کے فیصلہ کے سامنے سر خم کر دیا ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ وہ پٹنہ قرارداد کے پوری طرح پابند ہیں۔"

گھات میں دشمن

چیمبرلین نے ایک بیان دیا تھا کہ برطانیہ کی فوجی طاقت دگنی کر دی جائے گی۔ یہ بیان پڑھ کر لوگوں کو خیال بھی نہیں ہوا ہوگا کہ اس دوگنے پن کی مار ہندستان پر بھی پڑے گی۔ مگر یہ بھانڈا یوں پھوٹا کہ فری پریس جرنل کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ ہندستان کی فوج دگنی کر دی جائے گی۔ تمام ساحل پر اہم جگہوں پر ہوائی مرکز بنائے جائیں گے اسلحہ اور ہوائی جہاز کے کارخانے کھولے جائیں گے۔ شمالی مغربی حد اور بلوچستان کی سرحد کی قلعہ بندی ہوگی۔ اور وہاں خاص خاص ہوائی مرکز بنائے جائیں گے جہاں سے ہوائی طاقت پورا کام کر سکے گی

اس رپورٹ پر ہم یوں بھروسا کر سکتے ہیں کہ کچھ دن ہوئے ہندستانی فوجی نظام پر غور کرنے کے لئے برطانیہ نے چیٹ فیلڈ کمیٹی بٹھائی تھی

اس نے جو سفارش کی ہے وہ ابھی تک ظاہر نہیں کی گئی۔ ایک آدھ پھوٹ نکلتی ہے۔ اور اس کی تردید نہیں کی جاتی اور ویسی ہی "خبروں" میں سے ایک خبر یہ بھی معلوم ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہ کرنا چاہئے کہ برطانیہ فوجی خرچ کا بوجھ ضرور ہندستان پر ڈالے گی۔ اور نہ ہندستانیوں کے جان و مال کو سامراج سے بچانے کی کوشش کرے گی اپنے کارخانوں اور بینکوں کی آمدنی کی حفاظت یہاں کے کنگال کسانوں کی گاڑھی کمائی سے جائیگی ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ اسمبلی میں تقریریں۔ احتجاجی جلسے۔ اخباروں میں مضامین۔ یہ سب فضول ہونگے برطانیہ بدحواسی سے ادہر ادہر ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ کامیاب علاج صرف ایک ہو سکتا ہے۔ کانگرس کا ایکا۔ اور قومی مطالبات والی قرارداد پر تمام قومی فوجوں کو منظم کرنا۔ قومی سینا تیار کرنا اور سارے ملک میں لڑائی دشمن روع ہو نکہ دینا۔

رومانیا اور اس کا تجارتی صلح نامہ

اس صلحنامہ پر "فائننشل نیوز" کا یہ تبصرہ ہے۔

"جرمنی کو رومانیا میں جو مراعات ملے ہیں ان میں خود تو اتنا دم نہیں ہے کہ وہ جرمنی کو رومانیا پر سیاسی یا اقتصادی قبضہ دلا دیں۔ لیکن وہ آگے ایکدم سے بڑھ جانے کے لئے بہت اچھی سیڑھیاں ہیں۔ اور آگے چل کر شاید وہ رومانیا کو جرمنی کے ہاتھ میں تھما دینے میں بڑی مدد دیں۔ کچھ دن ہوئے رومانیا میں کچھ زرعی اصلاحات ہوئے تھے۔ مگر وہ بہت محدود تھے۔ اب بھی وہاں کی زمینیں زیادہ تر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جو نسلاً یونانی ہیں۔ اور جن کا پیشہ یہ ہے کہ وہ غلہ خاص کر مکا اور سویا بین جرمنی کے ہاتھ بیچتے رہتے ہیں۔ جرمنی کا جو سب سے بڑا کیمیاوی کارخانہ آئی۔ جی فاربن ہے اس نے چند ترکیبیں ایسا کر کچھ دن ہوئے رومانیا سے ایک صلحنامہ کرایا تھا۔ جس کی رو سے رومانیا کو زمین کے ایک مقررہ خطہ میں سویا بین کی کاشت کرنا پڑتی ہے۔ اور تیار ہو جانے پر اس کو جرمنی کے ہاتھ بیچنا پڑتا ہے۔ اور اس کے بدلے رومانیا کو جرمنی کے کارخانوں کی تیار کی ہوئی چیزیں مل جاتی ہیں۔ اور اس طرح ایک سرکاری درآمد برآمد جاری رہتی ہے۔ لیکن ماہرین کا خیال ہے کہ اس میں رومانیا کو اتنا گھاٹا ہو رہا ہے کہ وہ اس وقت جرمنی کے پندرہ لاکھ پونڈ کا مقروض ہے جس کو کسی طرح ادا نہیں کر سکتا۔ اسی کے زور پر جرمنی رومانیا پر زبردست اقتصادی قبضہ جمائے ہوئے ہے۔

رومانیا کے تیل کے چشموں کی دو سرنگیں جرمنی کے پاس ہیں۔ اور ہنگری کی ریلوے جس کو جب چاہے جرمنی استعمال کر سکتا ہے۔ جرمنی کو رومانیا کے تیل کے چشموں کی بہت سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے پاس لڑائی کے سامان میں جس چیز کی سب سے بڑی کمی ہے وہ یہی ہے۔ اس لئے اب جرمنی رومانیا پر دانت لگا رہا ہے۔"

اسٹالن کی تقریر

چار بھائیوں، یعنی ہٹلر، مسولینی، چیمبرلین اور ڈالا ڈیر کی تقریریں اور بیانات ہم دیکھتے رہے ہیں۔ ان کی باتیں کیسی الجھی ہوئی، ٹیڑھی ہوئی اور جھوٹ سے بھری ہوئی ہیں لیکن ہم لوگ اس دور کے بولنے والے ایسی باتوں کو سننے کے عادی ہو گئے تھے کہ سیاسی ذمہ داری کی زبان ہی ایسی ہوتی ہے —— لیکن اسٹالن کی تقریر نے سارا خیال توڑ دیا۔ اسٹالن نے جو کہا ہے صاف کہا ہے۔ مدلل کہا ہے اور بدھڑک کہا ہے۔ پہلے اسٹالن نے اس دور کی تاریکی لہروں کو سلجھا کر دکھایا ہے کہ دنیا ابھی ۱۹۲۹ء والی کساد بازاری کو ختم نہیں کر چکی تھی کہ نئی کساد بازاری میں پھنس گئی۔ اور یہ کساد بازاری زیادہ جان لیوا ہے۔ کیونکہ یہ عالمگیر لڑائی کے دور میں آئی ہے۔

عالمگیر لڑائی دنیا میں چھڑ چکی ہے، اگر عالمگیر نہیں ہوئی ہے۔ اس نے حبشہ، اسپین، آسٹریا، چیکوسلاوکیہ کو ختم کر دیا۔ چین میں قدم جمائے ہوئے ہے اور کئی اور ملکوں کو تاک رہی ہے۔

لڑائی کی وجہ یہ ہے کہ تین ملک اس طرح سے دنیا کا پھر سے حصہ بانٹ کرنا چاہتے ہیں —— ان کے پاس فوجی طاقت بہت ہے اس سے دب کر امریکہ، فرانس، اور برطانیہ ان کی باتیں مانتے چلے جاتے ہیں۔

اس تقریر کی سچائی سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے جو سیاسی لہروں کے نہ سمجھنے پر تلا بیٹھا ہو۔

اسٹالن نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ مغربی جمہوریتیں چاہتی ہیں کہ ہٹلر کو بڑھا دے دیکر روس سے لڑا دیں۔ لیکن ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایک تھپیڑ کے جواب میں دو تھپیڑ لگائیگا۔

یہ دھمکی صرف دھمکی نہیں ہے۔ بلکہ اس دھمکی کے ساتھ ایک بہت بڑی فوجی طاقت، خوشحال باشندے، اور زرخیز ملک ہے —— اسٹالن نے اپنی طاقت ایک فقرے سے سمجھا دی کہ اس وقت جبکہ ساری دنیا کساد بازاری میں پھنسی ہوئی ہے۔ روس خوشحالی کے مزے لوٹ رہا ہے۔

ہٹلر اسکے دن کو پیدا ہوا تھا یا اسکے رات کو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کے وقت پر چھپنے سے زیادہ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ لوگ ان کو وقت پر پڑھتے کیوں ہیں؟ اگر "قطب ستانی کی سوئی" کا حال آج نہیں کل، یا ایک ہفتہ کے بعد پڑھا جائے تو ہرج کیا ہے؟ بلکہ اگر دس بیس سال کے بعد بھی پڑھا جائے تو کیا نقصان ہے۔

چٹپٹے —— تماشائی

راجہ صاحبان نے آخر رعایا کی خدمت کا ارادہ کر ہی لیا۔ مگر راجہ ٹھہرے، راجہ کوئی ہم آپ تو ہیں نہیں کہ ارادہ کیا اور کام کر چلے۔ پھر یہ ارادہ بھی کوئی "ٹٹ پونجیا" ارادہ نہیں۔ اس کے لئے کرنے کی ضرورت اور وہ بھی مہاراجاؤں والی کر۔

اس پاک ارادے کی طرف پہلا قدم مہاراجہ اندور نے بڑھایا اور آپ نے ایک یورپین لڑکی مس مارگریٹ لائر سے شادی کر لی۔ اس شادی میں جو نکتہ ہے اس کو راجہ صاحب خود ہی بیان فرماتے ہیں۔

"میں اپنی رعایا کی خدمت کا ارادہ رکھتا ہوں۔
جس کی خدمت کو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ لیکن
فرائض کو سرانجام دینے کے لئے ضروری ہے
کہ صحت ٹھیک رہے اور گھر پر آرام حاصل ہو۔
اس لئے میں نے ایک یوروپین عورت
سے شادی کر لی ہے۔"

پاک ہے وہ راجہ جو اپنی رعایا کی خدمت کے لئے شادی کرے؟

ہماری رائے میں مہاراجہ نے جس مہا کھاریکے سر کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کی تیاری صرف شادی سے نہیں ہو سکتی بلکہ کچھ سیر و تفریح اور دل بہلانے کی بھی ضرورت ہے۔ ورنہ طبیعت میں بدمزگی آجائے گی اور پھر رعایا کی خدمت اچھی طرح نہ ہو سکے گی۔ اس لئے مہاراجہ صاحب کو چوبیس گھنٹہ میں دس بارہ گھنٹہ ناچ رنگ میں گذارنا چاہئے۔ اور پھر کوئی آٹھ دس گھنٹہ بستر پر، اور چار چھ گھنٹہ کھانے کی میز پر ضرور صرف کرنا چاہئے۔ اور برے موسم میں چھ سات مہینے کے لئے ہندستان سے باہر ضرور چلے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں دو چار کروڑ روپیہ اگر صرف ہو جائے تو کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ وہ تو رعایا ہی کی خدمت میں خرچ ہوگا۔

بعض رسالوں کے متعلق ہمارے سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ وقت پر کیوں نکلتے ہیں؟ اگر وہ ذرا دیر یا سویر نکلیں تو کسی کا کیا نقصان ہوتا ہے۔ بلکہ شان امتیازی رکھنے کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ کبھی بہت پہلے اور کبھی بہت دیر کر کے نکلا کریں۔

یہ سالے ہوتے ہیں علمی رسالے۔ ان میں کوئی بات بھی غیر علمی نہیں ہوتی۔ مثلاً اس میں یہ کبھی نہ نظر آئے گا کہ ہٹلر کی پالیسی کیا ہے۔ مثلاً کیسے بڑھتا جاتا ہے۔ یہ باتیں چھوٹی ہیں، سب ہی جانتے ہیں۔ اس لئے غیر علمی ہیں۔

علمی رسالوں کی بحثیں اونچی، گہری اور دور رس ہوتی ہیں۔

اسپینی لڑائی کی مختصر داستان

فروری ۱۹۳۶ء کے الیکشن کے بعد ہی سے اسپین میں خانہ جنگی اور بغاوت کے آثار نظر آرہے تھے۔ جو لوگ اپنے کو قوم پرست کہتے تھے وہ [illegible] خیال کی جمہوری حکومت کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ تھے۔ ۱۳۔ جولائی کو پولیس کے ایک افسر کے ظلم میں ایک شاہی لیڈر کالو سوٹیلو کو قتل کردیا گیا اور اس نے گویا جولی میں چنگاری ڈالدی۔ ۱۷۔ جولائی کو مراکش میں اسپینی [illegible] فوج نے جنرل فرانکو کی قیادت میں بغاوت شروع کردی۔ اس کے ساتھ ہی اسپین خاص میں بھی جابجا فوج بغاوت پر اتر آئی۔ میڈرڈ اور بارسلونا میں بغاوت دبادی گئی لیکن برگاس۔ سارا گوسا جزائر بلیارک اور دوسرے مقامات قوم پرستوں کے قبضہ میں آگئے۔ فوج کے بہت سے افسر باغیوں کے ساتھ ہوگئے لیکن تقریباً نصف بحری بیڑا اور ہوائی بیڑے کا بہت بڑا حصہ وفادار رہا۔

۱۹ جولائی کو مزدوروں کی فوج نے میڈرڈ کو اپنے قبضہ میں لے لیا دوسری طرف باغیوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کردیا جس کسی پر انھیں شبہ ہوا کہ وہ پرانی جمہوری حکومت کا حامی ہے اسے اونھوں نے زندہ نہیں چھوڑا۔ سول آبادی بھی فرانکو کی دہشت انگیزی سے نہیں بچ سکی۔ باغیوں کو امید تھی کہ اس طرح سے وہ عوام کو دہشت میں ڈالکر ان کی ہمت توڑدیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ باغیوں کی آمدورفت کے راستے حکومت کی فوجوں سے محفوظ رہینگے۔

باغیوں نے برگاس کو اپنا صدر مقام بنایا اور ۲۴ جولائی کو جنرل مولا نے یہاں ایک "قومی حکومت" قائم کردی اس نے میڈرڈ پر بھی حملہ کیا لیکن گواڈرراما کی پہاڑیوں میں جمہوری فوجوں نے اسے پسپا کردیا۔ اسی اثناء میں جنرل فرانکو نے اطالوی بمبار ہوائی جہازوں کی مدد سے جبرالٹر میں جمہوری بیڑے کا پیچھا کیا اور مراکش سے اپنی فوجیں لاکر کیڈز اور سیویل فتح کرلیا۔ پہلی اکتوبر کو وہ "قومی حکومت" کا سردار تسلیم کرلیا گیا۔

میڈرڈ پر پھر حملہ شروع ہوا۔ اطالوی اور جرمن بمبار ہوائی جہازوں نے اوپر سے بم برسائے اور اطالوی ٹینکوں نے خشکی سے جمہوری فوج پر دھاوا کیا۔ ۷ نومبر کو باغی فوجیں میڈرڈ کے شہر پناہ تک پہنچ گئیں اور سرکاری دفتر ولینشیا بھیج دئے گئے۔ اس کے دوسرے ہی دن بین الاقوامی پلٹن میڈرڈ پہنچ گئی اور تھوڑے دن بعد روسی ہوائی جہازوں نے آکر جمہوری افواج میں مقابلہ کی طاقت بہت بڑھادی۔ روسی ہوائی جہازوں نے ہوا میں اطالوی بمباروں کا مقابلہ کرنا شروع کردیا اور آخر فرانکو کو محسوس ہوا کہ اس طرح سے بجائے فائدے کے نقصان ہورہا ہے۔ جاڑوں بھر جمہوری فوجیں مقابلہ پر جمی رہیں اور فرانکو کے تمام دھاوے فضول گئے آخر فروری میں اس کی فوجیں مالگا فتح کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔

اس خلاف امید میڈرڈ سے جمہوری فوجوں نے اپنا طریقہ بدل دیا اور اب وہ بھی جگہ جگہ دھاوے کرنے لگیں۔ اس میں انھیں کامیابی بہت ہی کم ہوئی اور ان کی کمزوری سے فائدہ اوٹھاکر باغیوں نے مارچ سے میڈرڈ پر پھر سے دھاوا شروع کردیا۔ اطالوی دستوں کی مدد سے انھیں تھوڑی بہت کامیابی ہوئی مگر موسم کی خرابی نے انھیں بہت نقصان پہونچایا۔ ان کے سپاہی اور توپخانے کیچڑ میں پھنس جاتے اور جمہوری ان پر آسانی سے قبضہ کرلیتے۔

اگست اور ستمبر ۱۹۳۷ء میں جب باغیوں نے ہر طرف سے ناامید ہوکر آخر جانب [illegible] کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ شروع میں برسات کی وجہ سے باغی [illegible] وہاں تک نہیں پہنچے اور [illegible] کی فوج حملہ روکتی رہی لیکن موسم بدل جانے سے باغیوں کا پلہ بھاری ہوگیا۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے جمہوری فوجیں بلباؤ تک ہٹ گئیں اور آخر جون میں یہ محاذ بھی فرانکو کے قبضہ میں آگیا۔

اب موٹے طور پر اسپین دو حصوں میں بٹ گیا اگر اتر میں بلباؤ سے دکھن میں سیویلی تک ایک خط کھینچا جاتا تو اس کے پورب کا حصہ جمہوریہ کے قبضہ میں تھا اور پچھم کے خطہ میں باغیوں کا راج ہوگیا تھا۔

جمہوریہ نے ۱۹۳۷ء کے آخر میں ٹیرول پر دھاوا کیا اور چھ دن کی مسلسل لڑائی کے بعد اس کو فتح کرلیا۔ ۷ جنوری کو باغی فوجوں نے ہتھیار ڈالدئیے۔ بعد میں انھوں نے جوابی حملہ کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ فرانکو اس بار سے بہت پریشان ہوا اور اسنے ٹیرول کو فتح کرنے کا خود بیڑا اوٹھایا۔ تین ہفتہ کی مسلسل بمباری نے شہر کو کھنڈر کردیا اور آخر فرانکو کی [illegible] پوری ہوگئی۔ ٹیرول کو مستقر بناکر فرانکو نے ساحل کا رخ کیا اور چند ہفتوں کی لڑائی کے بعد کاٹالونیا کے علاقہ پر اپنے پرچم لگانے میں کامیاب ہوگیا۔ آراگان کے محاذ پر جمہوریوں کے جان توڑ مقابلہ کے باوجود ۱۲ اپریل کو [illegible] نکل گیا اور ۱۵ اپریل کو [illegible] اور بینیکارلو کے بندرگاہوں پر فرانکو کا قبضہ ہوجانے سے جمہوری اسپین کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اور بارسلونا اور کاٹالونیا ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے۔

ساحل پر پہونچ کر فرانکو کے راستہ میں رکاوٹیں پڑنے لگیں اس لئے اس نے دکھن جانب ولینشیا کی طرف بڑھنا شروع کیا اس محاذ پر بھی جمہوریوں کے زبردست مقابلہ نے اس کی رفتار بہت کم کردی۔

کیسٹلان نیع کر لیا۔ اس کی فوجیں بڑھ رہی تھیں کہ دریائے ایبرو کے محاذ پر جمہوریوں نے سخت حملہ کر دیا اور اس طرح ویلنشیا پر خطرہ کم ہو گیا۔

جنگ کا محاذ بدل گیا اور دریائے ایبرو کے گرد گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی کبھی جنرل فرانکو کی جیت ہوتی اور کبھی جمہوری فوجوں کی۔ تقریباً ساڑھے تین مہینے تک یہاں لڑائی جاری رہی اور فریقین کے تقریباً اسی ہزار آدمی کام آئے۔ نومبر کے دوسرے ہفتہ میں باغی فوجوں نے جمہوریوں کو ایبرو کے دکھنی ساحل سے نکال دیا اور جرائی کی طرح ایبرو دونوں فوجوں کے بیچ میں آ گیا۔

۲۳ دسمبر کو باغی فوجیں بارسلونا پر قبضہ کرنے کی غرض سے کاٹالان کے سارے محاذ پر بڑھنے لگیں اور پانچ ہفتہ کی مسلسل لڑائی کے بعد چھبیس جنوری کو باغی فوجیں آخر شہر میں داخل ہو گئیں۔

بارسلونا کے نکل جانے سے اسپین کی دفاعی لڑائی قریب قریب ناکامیاب ہو گئی تھی یا یوں کہیے کہ خانہ جنگی ختم ہو گئی تھی کیونکہ جمہوریوں کے قبضہ سے تقریباً تمام صنعتی مرکز ہوائی مستقر اور بندرگاہ نکل چکے تھے۔ ۱۰ فروری تک فرانکو کی فوجیں فرانس کی سرحد تک پہنچ گئیں اور کاٹالونیا پر ان کا قبضہ مکمل ہو گیا۔

اس کے بعد ہی برطانیہ اور فرانس نے فرانکو کی حکومت کو باقاعدہ تسلیم کر لیا۔

آخر دنوں میں جمہوری حلقوں میں آپس ہی میں ناچاقی پیدا ہو گئی۔ وزیر اعظم نگرین اور ان کے کمیونسٹ ساتھی آخر تک مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جمہوریہ کے صدر ازانا صلح کے حامی تھے۔ آخر نگرین نے استعفیٰ دے دیا اور جنرل میاجا نے جو کمیونسٹوں کے خلاف تھے میڈرڈ کو بچانے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دوسری طرف صلح کی بات چیت بھی شروع ہو گئی لیکن فرانکو اس پر راضی نہیں ہوا۔ اور اس نے میڈرڈ کے محافظوں کو ہتھیار ڈالنے کے لئے ۴۸ گھنٹہ کا الٹیمیٹم دے دیا۔ آخر کار ۲۸ مارچ کو جمہوریہ کا چراغ گل ہو گیا اور میڈرڈ ڈھائی برس سے اپنی آزادی کے لئے لڑ رہا تھا پورے طور پر لیٹرے فرانکو کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

ریاست الور کی کسان تحریک

گذشتہ سے پیوستہ

(مطلبی سیدی)

اس اعلان کے پڑھنے سے نیچے لکھی ہوئی باتیں صاف صاف معلوم ہوتی ہیں

(۱) حکومت کی مالگذاری اور لگان، غریبی اور کنگالی کے سبب نہ دی گئی تھی

(۲) میووں کی گذشتہ دوستی کا راجہ کو اقرار تھا۔

(۳) راجہ کو یقین تھا کہ اگر فوجیں استعمال کی گئیں تو ادھر سے مقابلہ کیا جائے گا۔

(۴) راجہ صاحب ہر صورت مالگذاری اور دوسرے ٹیکس وصول کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور عام معافی سے انکار تھا۔

انگریزی اور ریاستی حاکموں کی انتہائی کوشش پر بھی الور کانفرنس میں تقریباً پچاس ہزار کسانوں نے شرکت کی، جو الور کی پہاڑیوں سے قطاریں باندھے اتر کر آئے تھے اور میدانی علاقوں سے بھی آدمیوں کے پرے کے پرے دل بادل کی طرح امڈے چلے آ رہے تھے، فرقہ پرست اور سرکار پرست مسلمانوں کی بھاری مخالفت پر بھی ریاست الور کے کسانوں اور چھوٹے چھوٹے زمینداروں نے جو اپنی مانگیں قرار دیں وہ یہ تھیں :۔

(۱) ریاست الور میں جو ضلع گوڑگانوہ سے ملحق ہے شرح مالگذاری آراضی زرعی اس شرح سے زیادہ نہ ہونی چاہئے، جو ضلع گوڑگانوہ کے ملحقہ حصوں میں ہے۔

(۲) جو دیہات دربار الور نے جاگیرداروں کو بطور جاگیر عطا کر دیے تھے، وہ اصل مالکان کو واپس دیے جائیں، اور جاگیرداروں کو صرف اس قدر حق دیا جائے کہ وہ اپنے حصہ کی جاگیر کی مالگذاری کی رقم جو خزانہ ریاست میں جمع ہوتی ہو اسکو ریاست کے خزانہ سے وصول کریں۔ جاگیرداروں کو حق نہ ہونا چاہئے کہ وہ براہ راست زمینداروں سے رقم جاگیر وصول کریں، اور نہ ان کو زمینداروں سے کوئی خدمت یا بیگار یا ٹیکس یا محصول لینے کا حق ہونا چاہئے۔

(۳) تمام وہ رقبے جو پہلے زمینداروں کی ملکیت تھے، اور اب روند یا جنگلات یا بندات میں شامل ہو گئے یا بنجر اسکیم کی رو سے خام کر دیے گئے ہیں، وہ زمینداروں کو واپس ملنے چاہئیں یا اُن رقبوں کی بابت زمینداروں کو اسی شرح سے معاوضہ ملنا چاہئے، جو زیر ایکٹ حصول آراضی برطانوی ہند میں دیا جاتا ہے۔

(۴) جو دیہات بوجہ بندات خام کر دیے گئے ہیں ان کو بدستور سابق پختہ کیا جاوے اور ان کی آراضی کے بابت ایک ایسی مقررہ شرح سے نقد مالگذاری لی جاوے جو ضلع گوڑگانوہ میں اسی قسم کی آراضی کی بابت لی جاتی ہے۔

(۵) قواعد جنگلات وہ ہی ہونے چاہئیں جو برطانوی ہند میں نافذ ہیں۔

(۶) محصول چرائی جو اُن دیہات سے وصول کیا جاتا ہے، جو روندوں اور جنگلات کے قریب واقع ہیں، منسوخ ہونا چاہئے۔

(۷) امداد قحط زدگان، التوائے مالگذاری، معافی مالگذاری، اور عطاء تقاوی کے قواعد و عملدرآمد ویسے ہی ہونے چاہئیں جیسے ضلع گوڑگانوہ میں ہیں۔

(۸) چنگی کے قواعد مطابق قواعد چنگی ضلع گوڑگانوہ ہونے چاہئیں۔

(۹) محصول کسٹم منسوخ ہونا چاہئے۔

تیسری اور آخری قسط ۱۶ اپریل کے پرچہ میں شائع ہوگی

(۱۰) شکار پر کوئی ایسی بندش نہیں ہونی چاہئے، جو برطانوی ہند میں نہیں ہے اور زمینداروں کو کامل آزادی ملنی چاہئے کہ جنگلی جانوروں سے اپنی فصلوں کی حفاظت کریں۔

(۱۱) فروخت مویشی پر ٹیکس، ٹیکس اسلحہ اور بیل گاڑیوں پر ٹیکس اور ہر قسم کی بیگار قطعاً موقوف ہونی چاہئے۔

(۱۲) کنکر اور پتھر کا ٹیکس منسوخ ہونا چاہئے۔

(۱۳) ایکٹ شادی نابالغان منسوخ ہونا چاہئے۔

(۱۴) فیس داخل خارج انتقالات رہن بیع مطابق ضلع گوڑگانوہ کے ہونا چاہئے۔

(۱۵) ایکٹ انتقال آراضی مثل صوبۂ پنجاب کے ریاست الور میں جاری ہونا چاہئے

ان مانگوں کو پڑھ کر چند سوال پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) ریاست الور اور ضلع گوڑگانوہ کی مالگذاری کی شرح میں کیا فرق تھا؟

(۲) مالگزاری کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں کی کیا صورت تھی؟

(۳) جاگیرداروں اور منیجر اسکیم کی کیا صورت تھی۔ اور اس کا کسانوں اور چھوٹے زمینداروں پر کیا اثر پڑتا تھا؟

(۴) پختہ اور خام مواضعات سے کیا مطلب تھا؟

(۵) ایکٹ شادی نابالغان جیسے مفید قانون کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیوں کیا گیا تھا؟

(۶) پنچایتی بورڈ کیسے تھے اور ان کے توڑنے کی مانگ کیوں رکھی گئی تھی۔

ان سب سوالوں کا ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا جواب دینے میں تو یہ مضمون بہت بڑا ہو جائے گا، اس لیے کم سے کم جواب ہم یہاں لکھتے ہیں :-

(۱) چاہی آراضی سے مطلب ایسی زمین ہے، جو خود چھوٹے چھوٹے زمینداروں کے بنائے کنوؤں سے سیراب کی جاتی ہے اور بارانی وہ زمین جو بارش سے سیراب ہوتی ہو فرق نیچے کے نقشے سے ظاہر ہوگا

قسم زمین	نام علاقہ	نام ضلع یا ریاست	شرح مالگذاری فی بیگہ پختہ
چاہی	تحصیلات فیروزپور و نوح	ضلع گوڑگانوہ	۲ر
″	تحصیل یا نظامت الور	ریاست الور	۵ر سے ۶ر تک
″	تحصیلات تجارہ، کشن گڑھ، منڈاور	″	للعہ
بارانی	تحصیلات نوح و فیروزپور	ضلع گوڑگانوہ	۱۰ سے ۱۲ آنہ تک
″	تحصیل الور	ریاست الور	عار سے چار ر
″	تجارہ کشن گڑھ، منڈاور	″	۲ر

نتیجہ :- ریاست مالگذاری بارانی زمینوں پر انگریزی علاقوں کے مقابلہ میں دو گنی سے چار گنی زیادہ لیتی تھی اور چاہی زمین پر دو گنی سے لے کر ڈھائی گنی تک زیادہ لیتی تھی۔

(۲) مالگذاری کے علاوہ دوسرے ٹیکس اتنے تھے :

ٹیکس بندات، ٹیکس چرائی جنگلات، ٹیکس چرائی شکارگاہ، ٹیکس چنگی کسٹم ٹیکس فروخت مویشیاں، ٹیکس بیل گاڑی، ٹیکس اسلحہ اور شکار کا ٹیکس، ان ٹیکسوں کا حال بتانے سے پہلے یہ زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بندات جنگلات، اور شکارگاہ کا حال بتلا دیا جاوے جو یہ ہے :

ریاست الور میں کل آٹھ بند بنائے گئے، جن میں چار کو تو جھیلیں کہنا چاہئے جو پانی کے جانوروں کا شکار کھیلنے کے لیے ہیں، بارہ مہینہ ان میں پانی رہتا ہے، ان بندات میں بہت سے دیہات کے دیہات سالم آگئے اور بہت دیہات کی سینکڑوں ہزاروں بیگھے زمین آگئی ہے، جتنی زمین ان بندات میں آگئی اس کے مالکوں کو ایک پیسہ معاوضہ نہیں دیا گیا وہ سب بدنصیب دور دور شہروں میں چلے گئے اور مزدوریاں کر رہے ہیں، باقی ۴ بندات میں ۲۸ دیہات کی آراضی آگئی وہ سب کے سب بلا کسی معاوضے کے اپنے حقوق ملکیت سے محروم کر دیے گئے ہیں، اور ان کو موروثی کاشتکار کا بھی درجہ نہیں دیا گیا وہ اب سب کسان ہیں، راج کی طرف سے بندات کی اراضی کا حق کاشت سال کے سال نیلام ہوتا ہے اور ساہوکار لوگ لے لیتے ہیں پھر ان کے ٹھیکیداروں سے کاشتکار بڑی بھاری لگان پر زمین لیتے ہیں۔

جنگلات اُن خشک پہاڑیوں کو کہتے ہیں۔ جہاں برسات میں گھاس اُگ آتی ہے سوائے ڈھاک کی لکڑی کے اور کوئی اچھی قسم کی لکڑی بھی ان جنگلات میں نہیں ہوتی۔ شکارگاہیں یا رونڈیں مہاراجہ الور کے عجیب ظلم کا نشان ہیں شکارگاہیں بھی بہت بڑے رقبے بلا کسی معاوضے کے اصل مالکان سے چھین کر شکارگاہ قرار دیدیے گئے تھے، اور ان میں ہرن سوار جنگلی درندے باقاعدہ پالے گئے تھے . . . پاس کے کھیتوں کو برباد کرتے تھے، اور کسی کسان کی مجال اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے کی نہ تھی ان ٹیکسوں کا حال سنیے۔

(۱) ٹیکس یا لگان بندات، ۵ر روپیہ فی بیگھ سے لے کر للعہ روپیہ فی بیگھ پختہ تک ٹھیکیدار کسانوں سے لیتے تھے۔

(۲) ٹیکس چرائی جنگلات :- فی بھینس ۶ر، گائے ۸ر، اونٹ ۶ر، بکری ۴ر، بیل ۶ر، بچھڑا ۲ر (زائد ایک سال) ان جنگلات سے ۳-۴ میل کے فاصلے پر جس قدر مویشی دیہات میں تھے ان کے متعلق فیصلہ کر لیا گیا تھا، وہ جنگل میں چرائے جاتے ہیں، اس لیے تمام مواضعات سے یہ ٹیکس سالانہ مویشیوں کی تعداد کے لحاظ سے مالگزاری اور لگان کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا۔

ٹیکس چرائی شکارگاہ :- فی بھینس للعہ، فی گائے بیل ۶ر، بچھڑا ۲ر (زائد ایک سال) بکری ۸ر، اونٹ ۶ر، یہ ٹیکس سالانہ قریب ۵۰ ہزار مویشی سے لیا جاتا تھا اور ٹیکس جنگلات کی طرح تمام منصلہ مواضعات سے بلا تمیز وصول ہوتا تھا۔

(۴) ٹیکس چنگی :- انگریزی علاقے کی کمیٹیوں سے چنگی کی شرح بہت زیادہ تھی، ہر دو ہزار یا اس سے زیادہ کی آبادی کی بستیوں میں چنگی خانے موجود تھے، لیکن کہیں روشنی صفائی، تعلیم اور علاج پر اس کی آمدنی سے خرچ نہ کیا جاتا تھا۔

(۵) کسٹم :- ریاست میں مال لانے اور لیجانے پر لیا جاتا تھا۔ گھی ۵ر، غلہ فصل خریف ۳ر، غلہ فصل ربیع ۴ر، سرسوں فی من ۸ر۔ اس کے علاوہ مویشیوں کی درآمد برآمد پر بھی ٹیکس لیا جاتا تھا۔

(۶) فروخت مویشیاں، بیس روپیہ تک کی قیمت کے مویشی پر ۸ر اور

کے ساتھ جو چند سکنڈ گزارے تھے اور ملک کی خاطر آپ نے ڈاکٹروں کا جو کہنا ٹال دیا تھا اس کی فکر اور پریشانی میں ہفتہ تری پوری میں جو دن گزارے تھے ۔ انھیں ہم کبھی نہ بھلا سکیں گے۔ ہم آپ کا پیام اپنے لیڈر مصطفیٰ نحاس پاشا تک پہنچا دیں گے۔ ہم آپ کی جلد اور مکمل صحت یابی کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں۔"

جے پور سے تین ہزار مسلمانوں کی ہجرت

۲ اپریل کو جے پور کے ۳ ہزار مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر ریاست سے ہجرت کر گئے

یہ ہجرت جے پور جامع مسجد کے سانحہ کی وجہ سے ہوئی ہے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ انھیں ریاست سے جو شکایتیں ہیں ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔

ہجرت کرنے سے پہلے تین سو مسلمانوں کے ایک وفد نے ریذیڈنٹ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے۔ مسلمان ۲۷ جنوری کے سانحہ کی جس میں مسجد کا دروازہ بڑھانے پر پولیس کی گولیوں سے بہت سے مسلمان مارے گئے تھے ۔ غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ریذیڈنٹ نے ریاست کے معاملات میں مداخلت کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ غیر جانبدارانہ تحقیقات پر زور نہ دیں اس لئے کہ یہ مطالبہ پورا نہیں کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ریاست کا ایک سرکاری اعلان ہے کہ ریاست نے مقتولوں کے ورثا اور زخمیوں کی امداد کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی لیکن مسلمانوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا پھر انھیں دوسری جگہ مسجد بنوانے کے لئے ریاست کی طرف سے روپیہ دینے کو کہا گیا لیکن اس سے بھی انھوں نے انکار کر دیا۔ دربار کا کہنا ہے کہ یہ تحریک ریاست کے باہر کی بعض سیاسی انجمنوں کی اٹھائی ہوئی ہے۔

البانیہ کے شہروں پر اٹلی کا قبضہ

یوگوسلاویہ اور یونان کو مستقبل سے خطرہ

چیمبرلین خاموشی سے مطالعہ کر رہے ہیں

البانیہ میں اٹلی کی ریشہ دوانیوں سے یوگوسلاویہ اور یونان بھی مستقبل میں ڈکٹیٹروں کی طرف سے خطرہ محسوس کرنے لگے ہیں۔

۶ اپریل کی خبر ہے کہ دن میں اطالوی فوجیں دورازو کے بندرگاہ اور والونا اور اسکوٹاری کے قصبوں پر قبضہ کرلیں گی۔

برطانوی دارالعوام میں البانیہ کے متعلق ایک بیان دیتے ہوئے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین نے کہا کہ وہاں کا واقعہ کیا ہو کہ نزدیک اطالوی مفاد خطرہ میں پڑ گئے ہیں۔ مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آج صبح ایک بڑا جہاز اور دو چھوٹے جنگی جہاز دورازو کے بندرگاہ میں پہنچ گئے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ حکومت برطانیہ بہت نزدیک سے حالات کا مطالعہ کر رہی ہے ان کے نزدیک البانیہ سے برطانیہ کے مفاد براہ راست وابستہ نہیں ہیں لیکن دنیا کے امن کے لئے عام طور سے اس کے مفاد البانیہ سے وابستہ ہیں۔

تقریباً ڈیڑھ ہفتہ پہلے جب البانیہ میں اٹلی کی ریشہ دوانیوں کی خبر مشہور ہوئی تھی تو بارتی کے ریڈیو اسٹیشن سے اس کی تردید کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ خود شاہ البانیہ کی درخواست پر اٹلی البانیہ سے مدافعانہ سمجھوتہ کرنے پر بات چیت کر رہا ہے۔

اگر البانیہ پر اٹلی کا قبضہ ہو گیا تو اٹلی یونان اور یوگوسلاویہ کو بھی اشتراکیت دشمن محور کے ساتھ لا سکے گا۔

لندن میں البانی سفارت خانہ نے اس پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر اٹلی نے البانیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ انھوں نے اس افواہ کی بھی تردید کی کہ البانیہ نے کوئی ایسی شرطیں منظور کر لی ہیں جن سے اس کی خود مختاری میں فرق آ جائے گا۔

چینیوں کا زبردست حملہ

فوجیں تین طرف سے بڑھ رہی ہیں

چینی فوجوں نے دریائے ہان پار کر لیا ہے اور اب وہ تین طرف سے صوبہ ہوپہ میں جاپانی فوجوں کی جانب بڑھ رہی ہیں۔

۲۹ مارچ کو جاپانیوں نے صوبہ کیانگسی کا صدر مقام نانچنگ فتح کر لیا تھا اب چینی فوجیں بھی اس محاذ پر پہنچ گئی ہیں اور شہر کے شمال مغرب اور جنوب مغرب کی طرف گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔

میں تری پوری قرارداد کا پابند ہوں

کانگرس کی الجھن صدر کانگرس کا بیان

ورکنگ کمیٹی کا ہر ممبر گاندھی جی کی خواہش کے مطابق بنایا جائیگا

صدر کانگرس نے ۲۰ مارچ کے بیان سے جو غلط فہمیاں کے پیدا ہونے کا امکان تھا ایک دوسرے بیان میں انھیں دور کرتے ہوئے صدر کانگرس نے کہا ہے۔

"میرے ذاتی خیالات و معاملات کچھ ہوں لیکن آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ممبروں اور عام طور سے کانگرس کے ڈیلیگیٹوں کو اس کا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہئے کہ میں پنڈت پنتھ کی قرارداد کا پابند نہیں ہوں اگر کسی وجہ سے میں اپنے عہدہ پر نہیں رہ پاؤں گا تو دستوری طریقہ کے مطابق میں اپنا راستہ آپ پسند کر لوں گا۔"

"اس بیان میں میں نے کہا تھا کہ پنڈت پنتھ کی قرارداد کی آخری دفعہ صاف طور سے غیر دستوری اور بے قاعدہ ہے۔ اس سے بہت سے دوست یہ سمجھنے لگے کہ میری رائے میں چونکہ یہ قرارداد خلاف قاعدہ ہے اس لئے میں اس کا پابند نہیں ہونگا۔"

"غالباً یہ بات بھلا دی گئی کہ آخری دفعہ کے خلاف قاعدہ ہونے کے باوجود میں نے اسے پیش کرنے اور اس پر رائے شماری کی اجازت دیدی تھی اس لئے میں اپنے فیصلہ کو توڑ نہیں سکتا ہوں۔"

قومی ہفتہ مناؤ

صدر کانگرس کی اپیل

۶ سے ۱۳ اپریل تک قومی ہفتہ منایا جائے۔ یہ ہفتہ کانگرس تقریباً چالیس سال سے مناتی آئی ہے۔ اس کا آخری دن وہی دن ہے جب کہ جلیان والے باغ کا قتل عام ہوا ہے۔

اس ہفتہ میں بہت جوش و خروش سے قومی احساس کو ابھارنے کی کوشش ہونا چاہئے اور قومی خودداری کو جگا کر آنے والی جدوجہد کے لئے ملک کو تیار کرنا چاہئے۔

اس ہفتہ میں تعمیری کام بھی ہونا چاہئے وہ یہ کہ کھدر کو رائج کیا جائے۔ کانگرس کی ممبری بڑھانی چاہئے۔ نشہ بندی کی اور چھوت چھات کو توڑنے میں مدد دی جائے۔ جہالت دشمنی، اور فرقہ وار دوستی کو بڑھایا جائے۔

امن کا نیا خادم — ہٹلر

جرمنی میں باہری مداخلت کی مذمت

برطانیہ کا "بچپن" اور "بڑھاپا"

دس اپریل کو ولہیلم شیون میں تقریر کرتے ہوئے

(باقی صفحہ ۱۴ کالم ۳ پر)

فرقہ وارانہ جھگڑوں کا دبانا

کیا مسلم یونیورسٹی کو کم امداد ملی؟

بجٹ کی بحث ختم ہو کر فرقہ وارانہ مسئلوں کی بحث ہونے لگی ۲۰ مارچ کو مخالف پارٹی نے بلا سوچے سمجھے حکومت پر اعتراض کر دیا تھا کہ اس نے مسلم یونیورسٹی کو صرف ۲ ہزار روپیہ دیا ہے، اور ہندو یونیورسٹی کو ۵ ہزار اور جب وزیر تعلیمات نے بتایا کہ دوسری مد سے مسلم یونیورسٹی کو ۴ ہزار روپیہ اور ملتے ہیں، یوں سب ملا کر مسلم یونیورسٹی کو ۶ ہزار ملتے ہیں اور ہندو یونیورسٹی کو صرف ۵ ہزار تو مخالف پارٹی کو بہت شرمندگی اٹھانا پڑی۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

ورکنگ کمیٹی کے متعلق صدر کانگرس نے اپنے پچھلے بیان کو دہرایا ہے کہ ورکنگ کمیٹی کا ابھی تک اعلان اس لئے نہیں ہوا ہے کیونکہ تری پوری کی قرارداد سے وہ گاندھی جی کی خواہشوں کے مطابق بنائی جائیگی۔

میرا طبیعتاً اتنا زیادہ جمہوریت پسند ہوں کہ کسی قرارداد کو صرف دستوری بنیاد پر رد نہیں کر سکتا ہوں جبکہ ایک بڑی اکثریت اس کی طرفدار ہو۔

جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا تو برطانیہ پولینڈ کو ہر امکانی مدد دیگا

دارالعوام میں وزیر اعظم کا اعلان

حملوں کی روک تھام کیلئے یورپی طاقتوں کا متحدہ محاذ

"یورپ میں مزید جارحانہ کارروائی کی روک تھام کے لئے حکومتوں کی گفت و شنید ختم ہونے سے پہلے اگر پولینڈ کی آزادی کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے کوئی کارروائی کی گئی تو برطانیہ فوراً ہی پولینڈ کو ہر امکانی مدد دیگی۔"

ان الفاظ میں ۳۱ مارچ کو برطانوی وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین نے دارالعوام میں آخر تک پولینڈ کی حفاظت کرنے کا اعلان کیا۔

۳ مارچ کو اخبار آبزرور نے اپنی حکومت کے اس رویہ کو ایک زبردست تبدیلی سے تعبیر کیا جس سے برطانیہ کی خارجی پالیسی میں ایک نیا نکتہ پیدا ہو گیا ہو۔

۳۱ مارچ کے اعلان کی بابت انھوں نے کہا۔

"یہ اعلان سرحدی معاملات سے نہیں بلکہ ان بڑے بڑے واقعات سے متعلق ہے جو سرحدی قضیوں کے پیچھے ہوتے ہیں۔"

۳۱ مارچ کی مانچسٹر گارجین اور ٹائمس کے افتتاحیہ مضمون میں مسٹر چیمبرلین کے اعلان میں معنی پہنا کر پولینڈ کی حفاظت کے وعدوں کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس پر دارالعوام میں بڑی بحث رہی۔

مسٹر لائیڈ جارج نے امید کی کہ ٹائمس کے الہامی مضمون سے حکومت کے وعدے کی اہمیت کم نہ کی جائے گی۔

مسٹر چرچل نے کہا کہ چیکوسلاویکیہ کے جرمنی کے حوالے کر دئے جانے سے پہلے بھی ٹائمس میں اس کی پیشین گوئی کر دی گئی تھی۔

حکومت کی طرف سے سر جان سائمن نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ وزیر اعظم کے بیان کے الفاظ بالکل غیر مبہم تھے۔ انھوں نے بتایا کہ رائٹر نے بعد میں اپنے بیان کی تردید کر دی ہے۔

۳۱ مارچ کو مسٹر چیمبرلین نے دارالعوام میں بتایا کہ حکومت برطانیہ یورپ کی دوسری حکومتوں سے مشورہ کر رہی ہے اور اس نے روسی سفیر سے بھی مفصل گفتگو کی ہے۔ اور اس نے پولش حکومت کو یقین دلا دیا ہے کہ اگر اس دوران میں اس کی آزادی پر کوئی حملہ ہوا تو برطانیہ فوراً ہی اس کی مدد کے لئے تیار ہو جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ فرانسیسی حکومت نے بھی برطانیہ جیسی پالیسی پر کاربند ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

۳ اپریل کو اسکی مزید وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا

"ہم اپنے روایتی نظریوں سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ اعلان سرحدی معاملات سے نہیں بلکہ ان بڑی بڑی باتوں سے متعلق ہے جو سرحدی قضیوں کے پیچھے ہوتی ہیں۔ اگر پولینڈ کو دھمکی دی گئی تو مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پول اس کا مقابلہ کریں گے۔ اور اس اعلان کا مطلب ہے کہ اس حالت میں فرانس اور ہم فوراً ہی اس کی مدد کو تیار ہو جائیں گے۔"

"جرمنی کے وعدے ہوائی باتیں بن کر رہ گئے"

ہیں۔ یہ ایک نئی حقیقت ہے جس نے ہمارے
بھروسہ کو بالکل ختم کر دیا ہے اور حکومت برطانیہ
کو ایک بڑی تبدیلی کرنے پر مجبور کر دیا ہے جس کا
اعلان پہلی مرتبہ میں تم کو کر چکا ہوں۔"
آگے چلکر انھوں نے بتایا کہ جنگ جرمنی
ایک اچھے پڑوسی کی حیثیت سے رہیگا اس وقت
اس کے لئے اس میں کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے
: اگر جرمنی کی یہ پالیسی اور آگے بڑھی تو
پولینڈ ہی تنہا ایسا ملک نہیں ہوگا جسکو اس سے
خطرہ ہو"
وزیر اعظم نے حملہ کرنے کیلئے نہیں بلکہ حملہ کا مقابلہ
کرنے کیلئے تمام دوسرے ملکوں کو اشتراک عمل
کی دعوت دی اور امید ظاہر کی کہ برطانیہ کی اس
کارروائی سے جو شروع تو ہو گئی ہے مگر ابھی مکمل
نہیں ہوئی ہے: ایک ایسے زمانہ کی ابتدا ہوگی
جسمیں قوت کی جگہ عقل لے لیگی اور دھمکیوں کے بجائے
ٹھنڈے دل کی باقاعدہ دلیلیں آجائینگی:

دُوہرے محاذ کی لڑائی

مسٹر چرچل نے تقریر کرتے ہوئے اس بات کا مضحکہ
اڑایا کہ برطانیہ جرمنی کا محاصرہ کرنا چاہتی ہے اور
کہا کہ اگر ہٹلر کو اپنے چاروں طرف کی حکومتوں
سے خطرہ ہے تو وہ بتائے اور اسے بین الاقوامی
ضمانت مل جائے گی۔
انھوں نے بین الاقوامی امن کیلئے روس
کی اہمیت پر بہت زور دیا اور کہا کہ باہمی حفاظت
کے سمجھوتہ جاری رہنا چاہئیں۔
: برطانیہ نے پہلی دفعہ نازی حملوں کے
خلاف قدم اٹھایا ہے اور اب نازی لیڈر
پہلی مرتبہ اپنے کو دوہرے محاذ کی جنگ سے
دو چار پا رہے ہیں:
مسٹر لائیڈ جارج نے وزیر اعظم کو ان کی پالیسی
پر واپس جانے پر مبارکباد دی اور سوویٹ حکومت
کی جس کی جنگی قوت سب سے زیادہ ہے تائید حاصل
کرنے کی تلقین کی۔
مسٹر ایڈن نے بھی مسٹر چیمبرلین کی خارجی
پالیسی سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اگر جرمنی
کی آدھی فوج پولینڈ کی سرحد پر ہوگی تو بقیہ
مغربی سرحد پر ہوگی اور دونوں محاذوں پر
حملہ اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہو جائیگا
انھوں نے کہا کہ اب ترکی اور مصر بھی
برطانیہ کی طرف ہیں۔

روسی نظریہ

پولینڈ کی حفاظت کے لئے برطانیہ کی
ضمانت پر روس میں یہ اندیشہ ظاہر کیا جا رہا
ہے کہ پولینڈ پر دباؤ ڈالکر اس کی سرحد جرمنی
کے حوالہ کر دی جائے گی۔
اسی سلسلہ میں اخبار پراودا جو روسی حکومت
کی آواز مانا جاتا ہے لکھتا ہے کہ سوویٹ یونین
کو برطانوی پالیسی پر بھروسہ نہیں رہا ہے اور
یہ میونخ کا نتیجہ ہے جبکہ "امن پسند حکومتوں میں
فسطائی استبداد کو جگہ دیدی گئی اور انہیں
نقصان پہنچایا گیا" روسی پریس کا کہنا ہے کہ
یہ عدم اعتمادی اسیوقت دور ہو سکتی ہے جب
برطانیہ مزید جارحانہ کارروائیوں کے خلاف
باقاعدہ جنگ کرنے پر تیار ہو جائے۔

اٹلی کی تنبیہ

سائنر گیڈا نے جو عام طور سے مسولینی
کی "آواز" مانے جاتے ہیں کرنل بیک کے
لندن جانے پر ایک مضمون میں لکھا ہے "بڑی
جمہوریتوں کی پالیسی میں دھوکے اور سازش
کی روح برابر دوڑ رہی ہے۔ انہوں نے پولینڈ
کو تنبیہ کی ہے کہ اگر اس نے برطانیہ اور فرانس
سے مفاہمت کر لی تو یہ حملہ کرنے کی
غرض سے جرمنی کا محاصرہ کرنے کے برابر ہوگا
انھوں نے پولینڈ کو یاد دلایا ہے کہ ابتک بھی
چین، اسپین اور چیکوسلاوکیہ پر جو برطانیہ
اور فرانس کے زیر سایہ تھے کیا کچھ بیت چکی ہے۔

جرمنی میں یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ
پولینڈ۔ جرمن مفاہمت کے امکانات ابھی باقی
ہیں اسلئے کہ حکومت برطانیہ اختلافات کو
آزادانہ بات چیت کے ذریعہ ختم کرنے پر مسلسل
زور دیتی رہی ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲

ہر ہٹلر نے برطانیہ کا مذاق اڑایا کہ وہ قوموں
کو دیانت دار اور بددیانت قوموں میں تقسیم
کرتی ہے۔ "تین سو برس سے برطانیہ بددیانتی
سے کام کرتی رہی ہے اور اب بڑھاپے میں وہ
دیانت کی پکار مچاتی ہے": جرمنی کے معاملات
میں برطانیہ کی مداخلت کی مذمت کرتے ہوئے انھوں نے
کہا کہ جس طرح جرمنی برطانیہ کے اندرونی
جھگڑوں میں نہیں پڑتی اس طرح برطانیہ کو
بھی جرمنی میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔
اینگلو جرمن بحری سمجھوتہ کے متعلق جرمن
چانسلر نے کہا "میں نے یہ سمجھوتہ اپنی پسندیدگی
کی دلی خواہش سے کیا تھا۔ یقینی طور پر اسکے
دو پہلو ہیں۔ اگر برطانیہ میں امن کی یہ خواہش
نہیں پائی جاتی ہے تو عملی طور پر جو باتیں فرض کی
گئی تھیں وہ ختم ہو جاتی ہیں"
چیکوسلاوکیہ پر جرمنی کے حقوق جتاتے ہوئے
ہر ہٹلر نے بتایا "اس زمانہ میں جب برطانیہ
بہت کمسن تھی پراگ میں جرمنی کے پہلے بادشاہ
کی تاجپوشی ہوئی تھی"
"ہم نے جرمنی کے پرانے حق سے کام لیا اور
تاریخ اور جغرافیائی حالات جو کچھ تجویز کرتے
تھے اسے اس حق سے ملا دیا۔ میں سمجھتا ہوں
کہ میں نے امن کے راستہ میں ایک بہت بڑی
خدمت کی ہے اسلئے کہ میں نے وسط یورپ سے
ایک بڑے خطرے کو دور کر دیا۔ جرمنی دوسری
قوموں پر حملہ کرنے کے خواب نہیں دیکھتا ہم صرف
اپنے اقتصادی مفاد کو ترقی دینا چاہتے ہیں"
ہر ہٹلر نے اشتراکیت دشمن محور کو "دنیا
کا سب سے زیادہ قدرتی آلہ" بتایا اور اسپین
کے متعلق کہا کہ اس نے اپنے کو بالشوزم سے
آزاد کر لیا ہے۔
جرمنی کی پرانی تاریخ دوہراتے ہوئے انھوں
نے کہا کہ جنگ عظیم میں برطانیہ جرمنی کو ہرانے کا کوئی
دعویٰ نہیں کر سکتا۔ صدر ولسن کے چودہ نکات
سے جرمنی کو امید تھی کہ صلح میں ہارنے جیتنے کا
سوال نہیں ہوگا۔ ایکے بعد دوسری شکستیں شروع

کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ رائے عامہ کو بنانے میں بہت سی باتیں کام کرتی ہیں لیکن ان سب میں سب سے اہم اور بنیادی ملکیت کا رشتہ ہے جو ہمارے اداروں اور سماجی ڈھانچہ کو ڈھالتا ہے جو لوگ کسی موجودہ ملکیت کے رشتہ سے منافع کما سکتے ہیں وہ طبقہ واری حیثیت سے کبھی خوشی کسی ایسی تبدیلی پر راضی نہیں ہو سکتے جس میں ان کی طاقت اور رعایتوں میں کمی پڑتی ہو۔ ہم ایسے درجہ پر پہونچ گئے ہیں جہاں موجودہ ملکیت کے رشتہ اور پیداواری طاقتوں میں ایک بنیادی تضاد ہے اور جب تک یہ رشتہ الٹ نہ دیا جائے اسوقت تک جمہوریت ٹھیک ٹھیک نہیں چل سکتی موجودہ نظام ہی میں طبقہ وارانہ کشیدگی چھپی ہوئی ہے اس لئے اس میں تبدیل کرنے اور اسے موجودہ ضرورتوں کے مطابق بنانے کی کوششوں کی حکمران یا پونجی پتی طبقوں کی طرف سے مخالفت کی جاتی ہے جسے آجکل کی کشیدگی کی منطق ہے جو لوگ انفرادی حیثیت سے اپنے طبقہ وارانہ رشتوں کو چھوڑنے میں کامیاب ہو جائیں اسے ان کی انفرادی خوشی یا خفگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن مجموعی طور پر پورا طبقہ ایک ساتھ ہی رہیگا اور تبدیلی کی مخالفت کرے گا۔

میں نہیں سمجھتا کہ سوشلزم میں افراد کے واسطے کافی آزادی کیوں نہ رہیگی بلکہ جتنی آزادی موجودہ نظام میں ملتی ہے اسوقت اس سے کہیں زیادہ ملیگی۔ اس میں ہر شخص کو ضمیر اور ایک محدود طریقہ پر ذاتی ملکیت تک کی آزادی مل سکے گی۔ سب سے بڑھکر اسے وہ آزادی حاصل ہوگی جو اقتصادی استقلال سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جو آجکل بہت تھوڑے لوگوں کو حاصل ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر دنیا کسی تباہی میں پڑکر برباد نہ ہوگئی تو ہندستان اور ساری دنیا کو سوشلزم ہی کی طرف بڑھنا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس کی رفتار مختلف ملکوں میں الگ الگ ہو اور ہر جگہ درمیانی درجے یکساں نہ ہوں اس سے بڑھکر کوئی بے وقوفی نہیں ہو سکتی کہ یہ خیال کیا جائے کہ ہر ملک میں اور مختلف حالات میں بالکل ایک ہی سی کارروائیاں ہوتی ہیں ہندستان کو بھی اگر اس نے یہ منزل منظور کر لی تو یہیں تک پہونچنے کیلئے اپنا راستہ نکالنا ہوگا۔ اس لئے کہ ہمیں بلا ضرورت کی قربانیوں اور مزاج کے طریقوں سے جو ہماری ترقی کو ایک نسل تک کے لئے روک سکتے ہیں۔ بچاؤ کرنا ہے۔

لیکن ہندستان نے ابھی یہ منزل منظور نہیں کی ہے اور ہمارا فوری مقصد سیاسی آزادی ہے ورنہ ہمیں نہ سوشلزم ہی ملیگا اور نہ آزادی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ یورپ میں متوسط طبقہ اتنا طاقتور ہے کہ ہر اس تحریک کو جو بنیادی تبدیلیاں لانا چاہتی ہو کچلدے اور جب خطرہ دکھائی دیتا ہے تو اسمیں فسطائیت کی طرف جانے کے رجحان پائے جاتے ہیں۔ ہندستان میں بھی متوسط طبقہ نسبتاً کم سے کم اتنا ہی طاقتور ہے اور اسے الگ کر دینا اور زبردستی مخالفوں کے ساتھ ملا دینا انتہا درجہ کا احمق پن ہوگا۔

اس لئے ہماری قومی پالیسی ایسی ہونا چاہیئے جو اس طبقہ کی ایک بہت بڑی اکثریت کو سیاسی آزادی اور سامراج دشمنی کی مشترکہ بنیاد پر اپنے میں شامل کرے اور ہماری بین الاقوامی پالیسی فسطائیت دشمن ہونا چاہیئے۔

باقی آئندہ

اندھی جوانی

ازم۔ ح

منیا نکو کیا ہے سیٹھ جی کے باغ میں پکڑی گئی۔

منیا اندھی تھی۔ چار ہی برس کی تھی کہ چیچک ماتا آئیں اور اس کے باپ کی جان کیساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی لے گئیں ایک دکھیاری ماں تھی اور گاؤں میں کچھ اس کے باپ کی جوت کے کھیت۔ اس کا باپ جب تک جیتا تھا وہ زمیندار کا کڑا لگان دینے پر بھی ان کھیتوں میں اتنا پیدا کر لیتا تھا کہ یہ تین جانیں ایک وقت روکھا سوکھا کھا کر گذر بسر کر لیتیں پھر جب وہ مرا یہ سہارا بھی چھوٹا۔ یہ آسرا بھی ٹوٹا۔ منیا کی ماں خود ہل چلانے سے رہی۔ ساجھی کی ضرورت ہوئی اس لئے یہی چل دیا۔ جتنا پیدا ہوا سب کھا گیا نہ انھیں کچھ دیا اور نہ زمیندار کا لگان ادا کیا۔ نالش مقدمے کی نوبت آئی اور منیا کے خاندانی جوت کے کھیت دو ہی ایک برس میں نکل گئے۔

منیا کی ماں نے ابتک کیونکر بسر کی اسے منیا نہ جانتی تھی پر گاؤں بھر جانتا تھا کون تھا جو گنگا نہیں نہایا تھا اور کس نے دو چار پیسے دیکر جھولی ہانڈی کتوں کی طرح نہیں چاٹی تھی۔

منیا ان ساری باتوں سے بے خبر، دھول میں لوٹ پوٹ کے بڑھتی رہی، بڑھتی گئی، یہاں تک کہ جوان ہوگئی وہ آنکھ سے تو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ پر ہاتھ سے ٹٹول کے اس نے یہ بات جان لی تھی کہ اب اسکا جسم پہلے کا سا نہ تھا وہ کچھ بدل سا گیا تھا اور کچھ اس طرح چکنا ہوگیا تھا کہ اسے خود ہاتھ پھیرتے بھلا معلوم ہوتا تھا اسے رہ رہ کر ایک جھرجھری سی محسوس ہوتی تھی۔ وہ بیٹھی بیٹھی آپ ہی آپ مسکرانے لگتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی اندر ہی اندر اسکو چھیڑتا ہے۔ کہتا ہے تو گاتی کیوں نہیں؟ تو اچھلتی کیوں نہیں؟ تو ہنستی کیوں نہیں؟ اس کے ساتھ اسے اب عورتوں کی پتلی اور سریلی آواز کی جگہ مردوں کی موٹی اور بھدی آواز بھلی معلوم ہونے لگی تھی وہ ماں کے ساتھ جب تڑکے اٹھ کے جنگل جاتی تو اس کے ساتھ نہ پلٹتی کسی نہ کسی بہانے سے ضرور رک جاتی وہ کسی کھیت کی مینڈ پر اس لئے کان لگائے بیٹھی رہتی

کہ کوئی ہلواہا ادہر سے اپنے بیلوں کو للکارتا چمکارتا نکلے جب کبھی ایسا ہوتا تو وہ اپنی پھوٹی آنکھوں سے اسے اس طرح گھور گھور کر دیکھتی جیسے وہ اسے دیدوں کی جگہ نینوں میں رکھ لینا چاہتی ہے۔

وہ یہ نہ جانتی تھی کہ ہر گزرنے والا اس کی جھلک دیکھتے ہی منہ پھیر لیتا ہے کہ صبح صبح اندہی کا چہرہ کون دیکھے۔ جب دو ایک مرد اس طرح گذر لیتے تھے تو منیا اپنے دل میں خوشیوں کا سمندر لئے گھر پلٹتی تھی۔ اور ماں کی گھڑکی اسی طرح چپکی سن لیتی تھی جیسے وہ اندہی ہی نہ تھی بلکہ بہری بھی۔

منیا کی ماں بھی بڑبڑا کے چپ ہو جاتی کیا کرتی؟ دیکھتی تھی کہ لڑکی سیانی ہو گئی۔ اس کے کلیجے میں پھوڑی بھوبکی سلگائی ہوئی تھی۔ بیاہ ہوتا تھا۔ گونا ہوتا تھا بچے بھی ہوتے تھے۔ پر منیا کو کوئی پوچھتا ہی نہ تھا ایسے پاپ برا ہی کیا تھا کہ کوئی سگی بیٹی سے بیاہ کرنے کی خواہش کرتا! نگی بھوکی۔ نہ رہنے کی جگہ، نہ جوت کے کھیت، نہ کھانے کے برتن، نہ پہننے کے کپڑے! اس غربی پر بھی ہو سکتا تھا کہ ذات برادری میں کہہ سکنے کو ایسی کا سانگھا ہو کا ل جاتا، پر منیا میں ایسا عیب تھا کہ کوئی مفت بھی نہ پوچھتا۔ اندہی کون بیاہے گا رجی کا جنجال!

وہ کبھی جب بہت گھٹتی تو کسی یار آشنا سے کہتی "میری سوریا کا کہیں ٹھکانا لگا دو" وہ منیا کو بلا کر دیکھتا۔ عورت کیا تھی شروع برسات کی جامن۔ اتنی ہی کالی کلوٹی پر اس کالے رنگ کی تہ میں جوانی کے خون کی سرخی بھی دوڑ رہی تھی۔ یہ سرخی کچھ اس بلا کی تھی کہ وہ ان ہر دیکھنے والوں کا منہ لال کر دیتی تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھنے لگتے کہ منیا کی ماں انکے سامنے سے ہٹ جانے کیلئے بیٹی کو ڈانٹ پڑتی تھی۔

اس طرح منیا کا وہ سن گزر گیا جو ہندستان میں امنگوں کا دن کہلاتا ہے۔ اس نے سترہویں سال میں قدم رکھے ہی تھے کہ ایکدن ادہر کے کٹے ہوئے کھیت سے بوجھ لانے کے سلسلہ میں اسکا بدن میکو سے چھو گیا مٹی کے تیل میں چنگاری اور سوکھی بارود میں جلتی دیا سلائی لگی منیا کو ایسا جان پڑا جیسے کسی نے اس کے دل کو چٹکیوں سے پکڑ کر لٹو کی طرح گھما دیا۔ وہ تتلی کی طرح تھرا کر وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

میکو کوئی نوجوان نہ تھا۔ اس کا سن پچاس سے زیادہ تھا وہ دو بیویوں کو مار چکا تھا۔ وہ آٹھ بچوں کا باپ تھا۔ وہ انجان۔ انیلا نہ تھا۔ پر وہ بھی منیا کے اس طرح زمین پر بیٹھ جانے پر گھبرا گیا۔ وہ سمجھا اس اندہی کو کہیں چوٹ آ گئی۔

اس نے پوچھا "کیا ہے رے؟"

منیا خود ہی نہ جانتی تھی کہ کیا ہے۔ وہ کیا بتاتی۔ وہ صرف بن دیدوں والی آنکھیں پھاڑے، منہ کھولے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ البتہ اس نے ادہر کے گٹھر کو اس طرح زور سے چھاتی سے چمٹا لیا۔ جیسے کوئی ماں مدتوں سے کھوئے ہوئے بچہ کو مل جانے پر کلیجے سے لگا لیتی ہے۔ تجربہ کار میکو سمجھ گیا۔ وہ مسکرایا۔ آگے بڑھا اور منیا کی دونوں بغلوں میں ہاتھ دے کے بولا۔

"اُٹھ رے اندہی۔ اب تو جوان ہو گئی تو کیا دن دہاڑے سڑک پر لیٹ جائے گی؟"

منیا کو اس کی بات بہت بری لگی پھر میکو کے ہاتھ بھی شرارت کر رہے تھے وہ الجھی، گھبرائی، سمٹی، جھجکی، جھومی، پھر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

میکو نے مسکراتے ہوئے ادہر کا گٹھر اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ پھر وہ اس کا شانہ ہلا کر بولا "آج شام کو پاس والے باغ میں آنا۔ ہم تمہیں بہت اچھا اچھا گانا سنائیں گے۔"

منیا لجا کے چپ رہی۔ اس نے چٹکی لی اور کہا "سچی؟" منیا نے سر ہلا کر ہامی بھری اور اپنا بوجھ سنبھالتی جلدی جلدی چوپال کی طرف چلی گئی۔

یہ اس وعدہ کا نتیجہ تھا کہ منیا میکو کے ساتھ پکڑی گئی۔ پر وہ اپنا سب کچھ کھو کر بھی خوش تھی اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جس خزانے کو وہ زندگی بھر ڈھونڈھتی رہی تھی آج اس کی کنجی مل گئی تھی۔ آج پہلے پہل ایک مرد نے اس سے اچھی اچھی باتیں ہی نہ کیں بلکہ اسکا منہ بھی چوما۔ اسے کلیجے سے بھی لگایا اور اس کے ساتھ نرم نرم دوب پر ایسا کھیل کھیلا جس کیلئے اس کی روح بھی بھوکی تھی۔

وہ تو کبھی پڑنی تھی۔ پر لوگ میکو کو پکڑ کر مارتے پیٹتے چوپال لے گئے تھے دو ایک نے ایک آدھ ہاتھ خود منیا پر بھی جھاڑ دیئے تھے منیا کو ان کی اس حرکت سے کچھ زیادہ دکھ نہیں پہونچا اس کا جسم اس سے کہیں زیادہ چوٹ کھانے کا عادی تھا۔ ہاں جو بات کلیجہ میں تیر کی طرح چبھ گئی وہ یہ تھی کہ میکو پر ہر شخص نے تھوک تھوک کر یہ کہا کہ "پاجی گرا بھی تو کہاں۔ اندہی، سور، ڈائن کے ساتھ۔"

ماں نے جب یہ بات سنی تو رسوئی کا جلتا ہوا چیلا لیکر دوڑی اور بیٹی کا جوڑا پکڑ کر خوب ٹھونکا۔ اور ہزاروں ننگی ننگی گالیاں بھی دیں۔

لیکن شام کو جب برادری اکٹھا ہوئی اور اسے بیٹی سمیت ٹاٹ باہر کر دینے کی بات چیت ہونے لگی تو یہی منیا کی ماں جھلا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ چیخ کر بولی "سچ تمہارے پاس دہن دولت ہے تمہارے پاس طاقت ہے تم جو چاہو ہٹے کر لو پر سچ تو یہ ہے کہ تم نے خود ہی اسکو مجبور کر دیا کہ وہ اپنا بر آپ ڈھونڈ لے۔ آج تک بیٹھے تم میں سے کس نے اس کی سگائی کی فکر کی؟ پہلے نہ سوچا کہ ایکدن برادری کی ناک کٹے گی؟"

اس نے ذرا رک کر دم لیا اور ہاتھ چمکا کر کہا "اور پھر اس میں ناک کٹنے کی کیا بات ہے۔ میں تو کہتی ہوں وہ تمہاری بیویوں سے اچھی ہے۔"

برادری کی عورتوں نے ہنگامہ مچانا شروع کیا۔ چودہری نے ڈانٹ کر سب کو چپ کرا دیا۔ منیا کی ماں پھر کہہ چلی "کیا میں جھوٹ کہتی ہوں۔ تم سب اپنے شوہروں کے ہاتھ بک کے آئی ہو۔ تم میں سے ہر ایک کیلئے دام دیئے گئے ہیں۔ میری سُریا نے اپنا جسم کسی کے ہاتھ بیچا نہیں اس نے وہ کام کیا جس کے لئے بھگوان نے اسکا جسم بنایا تھا جس میں اسے خوشی ہوئی تم ہی ایمان دہرم سے بتاؤ کہ دونوں میں سے کون اچھا ہے۔ وہ جو اپنے جسم کو دوسروں کی خوشی کے لئے بیچے یا وہ جو اپنے جسم سے وہ کام لے جس میں اسکا دل خوش ہوا۔"

مردوں نے گردنیں جھکا لیں۔ اور پنچایت بھر پر سناٹا چھا گیا۔ مگر آس پاس کھڑی ہوئی عورتیں آپے سے باہر ہو گئیں وہ۔ ڈائن۔ بیسوا۔ رنڈی۔ ہرجائی "کہہ کہہ کے منیا کی ماں پر ٹوٹ پڑیں۔ کسی نے اس کے سر کے بال نوچے اور کسی نے پھٹی ہوئی ساری کے چیتھڑے اڑانا شروع کئے اور اسے اتنا مارا اتنا مارا کہ اسے

نوجوانوں کو پیغام

(انور صابری)

سینۂ دہقاں کی آہوں کا دھواں بنجائیے
نالۂ مزدور کی روحِ رواں بن جائیے
لطف جب ہے آتش انگیز جہاں بن جائیے

پھونکنے کے واسطے ہر سو شرارِ انقلاب

ہو چکا اب نوجوانوں کیلیے سونا حرام
ہو چکا اب خلوتوں میں وقت کا کھونا حرام
ہو چکا اب آنسوؤں سے داغِ دل دھونا حرام

بجھ چکی ہے اب لبِ کارزارِ انقلاب

خانقاہیں عصرِ حاضر کی گرا دی جائینگی
گردنیں دولت پرستوں کی جھکا دی جائینگی
ظلم کے ایواں کی بنیادیں ہلا دی جائینگی

آنیوالا ہے وہ دورِ خوشگوارِ انقلاب

پچھلے صفحہ سے آگے

وہاں سے بھاگنے ہی میں جان بچتی دکھائی دی۔

جب وہ اس طرح لہو لہان گرتی پڑتی جھونپڑے میں پہونچی تو اس نے دیکھا کہ میکو بیٹھا کراہ رہا ہے اور منیا پاس ہی بیٹھی ہے دونوں کے بیچ میں ایک چینی میں پسی ہوئی ہلدی رکھی ہے، جسے اس کی سُریا میکو کی چوٹ پر ٹٹول ٹٹول کر لگا رہی ہے۔

ریاست الور کی کسان تحریک

بقیہ صفحہ دس

بس سب کچھ گذر تے تھے، یہی باتیں وہ دھوکے تھے، جن سے الور کی تحریک کو بڑا بھاری دھکا لگا، الور کی اس لوری سے جو بن پر نہ آسکی، ان دھوکوں میں الور کی پرجا کا خون بھی بہہ گیا اور سب کچھ ان کو ملنا چاہیئے تھا، اور ضرور ان کو مل سکتا تھا وہ بھی نہ مل سکا۔

عملی کاروائی یا (Diract action) کرنے والی کمیٹی، اور مجلس احرار کے جتھوں کا تو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، اب اُس صلح کمیٹی کا حال بھی سن لینا چاہیئے جس کا سندیسا مسلمان لیڈر ہندستان کی راجدھانی سے لیکر آئے تھے، الور کانفرنس کے ختم ہونے کے دو تین دن بعد ہی نئی دہلی میں نواب صاحب کنجپورہ کے ٹھکانے پر یہ کمیٹی بیٹھی جس میں مہاراج الور نے اپنی طرف سے اپنے دو وزیر مسٹر گردھاری لال وزیر اعظم اور راجا غضنفر علی خاں وزیر مال (جو آج پنجاب کی زمیندار پارٹی کے رتن بنے ہوئے ہیں) بھیجے اور الور کی پرجا کی طرف سے الور کانفرنس کے چنے ہوئے حاجی سر رحیم بخش صاحب لاہور والے، نواب صاحب کنجپورہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب میر غلام بھیک صاحب نیرنگ اور چودھری یٰسین خاں اس کمیٹی میں شریک ہوئے یہ جتنے بھی تھے ان میں سے سوائے چودھری یٰسین خاں کے الور کی پرجا کسی کا نام بھی الور کانفرنس سے پہلے نہ جانتی تھی خیر بات چیت شروع ہوئی، کئی دن جیچ پکار میں ضائع بھی ہوئے، مذہبی معاملوں یعنی مسجد قبرستان، اور مہاجرین کے بارے میں میر غلام بھیک نے تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر ضیاء الدین نے بات چیت کی، معلوم ہوا کہ ان باتوں پر سمجھوتا ہوتا ہے، اور کچھ ہو بھی گیا مگر جب لگان مالگذاری اور ٹیکسوں کے بارے میں چودھری یٰسین خاں نے بات چیت شروع کی، تو پتہ لگا کہ الور کے وزیروں کو مہاراج کی طرف سے ان کے لئے بات چیت کا کوئی اختیار نہیں، لیجئے صاحب یوں صلح تو ختم ہو گئی مگر بہت سے مہاجرین میر غلام بھیک اور ڈاکٹر ضیاء الدین کے حکم سے راجہ غضنفر علی خاں کی امانت میں الور روانہ کر دیئے گئے تاکہ انگریزی سامراج اور الور راج دونوں کو اطمینان دلا دیا جاوے کہ فرقہ پرست لیڈر کبھی معقولیت کی حد سے آگے نہیں جاتے صرف تھوڑے سے مہاجرین وہ رہ گئے جن کے خلاف الور میں عدالتوں کی طرف سے مقدمے چل رہے تھے، جس وقت یہ خبر الور کے دیہات میں پہنچی تو ایک بجلی سی کوند گئی اور ہندو مسلمان فرقہ پرستوں کی باتیں ان کو کھلا دھوکا معلوم دیں، اب ان پر کھل گیا کہ لڑائی تو صرف الور کے بھوکے غریب کسانوں اور چھوٹے چھوٹے زمینداروں سے الور مہاراج کی ہے" صلح کمیٹی کے نتیجہ کا یہ اثر ہوا کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے سے قریب ہو گئے، الور راج نے اس اثر کو مٹانے کے لئے فوراً اعلان کیا کہ" راج کی طرف سے دہلی میں مسلمان لیڈروں سے کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے، مگر جب یہ چال بھی بیکار گئی، تو راج کی طرف سے جان توڑ کوششیں کی گئیں کہ ہندو، مسلمان، میو، گوجر، اور جاٹوں کی جتھہ بندی کو توڑا جاوے، مگر راج کو آخری دن تک اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔ الور کانفرنس اور اس کے بعد

تنقید و تبصرہ

سولہ سنگار

مصنفہ سدرشن۔ مجلد۔ لکھائی۔ چھپائی۔ کاغذ عمدہ۔ ریڈر سائز قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز لوہاری دروازہ لاہور۔

سدرشن کا رنگ اپنا ہے۔ مگر جہاں ان کے افسانے پڑھ پریم چند ضرور یاد آجاتے ہیں۔ کیونکہ دونوں میں بہت سی باتیں ملتی جلتی ہیں۔ دونوں اوسط طبقے کے کرداروں اور رسم و رواج سے بحث کرتے ہیں ان کی اچھائیاں برائیاں دکھاتے ہیں۔ اور خلوص دل سے چاہتے ہیں کہ اوسط طبقہ اپنی برائیوں کو چھوڑ اچھے راستہ پر چلنے لگے۔

جس طرح پریم چند عوام سے ملے رہنے کی وجہ سے عوامی تحریکوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اسی طرح سدرشن پر بھی عوامی تحریکوں کا اثر پڑا ہے۔

اس مجموعہ میں انھوں نے دو افسانوں "مزدور" اور "ثروت کا نشہ" میں غریبوں کی بدحال زندگی کی اچھی تصویر کھینچی ہے۔ مزدور میں وہ تصویر بے جان سی تصویر ہے۔ اس میں مزدور پر ظلم و ستم ٹوٹتے ہیں گروہ بچارا سہتا چلا جاتا ہے۔ "ثروت کا نشہ" شاید اس کے بعد لکھا گیا ہے، کیونکہ اس میں "مزدور" کے پلاٹ سے کافی حصہ لیا گیا ہے لیکن اس میں مزدور اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اس کی ساری برادری ہے، اور وہ جب ظلم سے زیادہ تنگ آجاتے ہیں تو بغاوت کی ٹھان لیتے ہیں۔ اس طرح یہ افسانہ موجودہ دور کا افسانہ ہے۔ اس میں زندگی کے سچے مسئلہ سے بحث ہے اور اس کی سرحول مضبوط ہے۔ لیکن اس میں جو کمی ہے وہ یہ کہ سدرشن بغاوت کے زیادہ ساتھی نہیں ہیں اور نہ ان کو اس کے نام پر جتنا چاہئیے اتنا جوش آتا ہے۔ اس کے بعد جب افسانے کا نمبر آتا ہے وہ "مکمل محبت" ہے اس کی گہرائی جذب ہے۔ اور گہرا اثر ڈالتا ہے۔

اسی مجموعہ میں "چین نگر کے چار بیکار" بھی ہے۔ چند سال ادھر یہ افسانہ بہت پسند کیا گیا تھا۔ اور نہ معلوم کتنے رسالوں میں چھپا تھا۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح محنت مزدوری سے پیٹ پالنے والے لوگ انتظام، تمدن اور سرمایہ داری وغیرہ کے پھیر میں پڑ کر بیکاروں کے محتاج بن بیٹھے ہیں ـــــ افسانہ کا موضوع اچھا ہے اور طرز ادا بھی مگر انجام میں یہ بگڑ گیا ہے۔ کیونکہ سدرشن کے سامنے تمدن اور سرمایہ داری کے ڈالے ہوئے اس جال کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ یا اگر ان کے ذہن میں کوئی بات تھی چھپا دی ہے تو صرف یہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ کسی نہ کسی ترکیب سے (جو وہ نہیں جانتے) اس جال کو مٹا دو۔ انجام سے پڑھنے والے کے دماغ میں بجائے امید کی کرن چھوٹنے کے جو مصنف کا مقصد ہے، مایوسی کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اور افسانے بھی ہیں۔ ان میں سے دو چار کا موضوع بھی اس قابل نہ تھا کہ اس پر کچھ لکھا جائے جیسے کہ "ایک تصویر کے دو رخ" "حکیم ارسطو اور ایک عورت" اور "جب دولت آتی ہے" اور باقی ایسے ہیں جن میں کسی ایک بات کو دکھانے کے لئے کردار اور واقعات کی لہروں کو دبا دیا ہے۔ اور اس طرح سے جو سبق نکالے ہیں وہ بھی فضول و بیکار ہیں۔ دو دوست میں ایک غریب دوست نے اپنے ایک امیر دوست کے لئے عجیب و غریب قربانیاں کر ڈالیں۔ پوزیشن، نیک نامی، معشوق، وطن، خودداری سب ہی کچھ دے ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پڑھنے والے کی نگاہ میں دیوتا دوست اور پالو کتے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

مجموعی طور پر کتاب دلچسپ ہے۔ اور دوسری کہانیوں کے مجموعوں کو دیکھتے ہوئے بری نہیں ہے۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر (۴۱۸۳) سنہ ۱۹۳۸ء

بعدالت منصرمی۔ قدر حسن جناب اڈیشنل جج خفیفہ صاحب بہادر لکھنؤ

بابو ادتیہ پرشاد ولد منشی اجمیت لال قوم کائستہ ساکن امین الدولہ پارک دتیہ بھون تھانہ حضرت گنج شہر لکھنؤ — مدعی

بنام

دولہ خان وغیرہ — مدعا علیہ

نام امیر خان قوم پٹھان ساکن محلہ گھسیاری منڈی تھانہ حضرت گنج شہر لکھنؤ۔

واضح ہو کہ مدعی نے آپکے نام ایک نالش بابت مبلغ للعہ کے دائر کی ہے لہذا آپکو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۱۲ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۹ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہوا ور جواب دہی دعوی مدعی مذکور کی اور جو کہ وہی تاریخ جو آپکے حضار کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپکو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہوں اس روز ان کو پیش کریں مطلع رہے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوئے تو مقدمہ بغیر حاضری آپکے مسموع اور منفصل ہوگا۔ آج بتاریخ ۳ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۹ء میرے دستخط و مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم انگریزی — مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر دس بجے سے چار بجے تک۔

جےپور کي ستیہ گرہ کرنے والی عورتوں کی رہائي پر جےپور کی پرجا کا جوش و خروش

هندستان کے متعلق جواهر لال نهرو کي رائے

هندستان ایک کانگریسی اخبار هے جو لکھنؤ سے نکلتا هے-مین پچھلے دو سال سے دلچسپی کیساتھه اسکي رفتار دیکھتا رها هون اور مین اسکو روز بروز زیادہ پسند کرتا جاتا هون—

یہ اخبار بہت قابلیت سے نکالا جارها هے اور ترقي پسند خیالات سے مالا مال هے میري رائے مین یہ هندستان مین اپنی قسم کا سب سے بہتر اردو اخبار هے-

یہ لائبریرین-اسکولرن اور پبلک ادارون اور ان کے علاوہ هر شخص کے لئے بہت هی اچھا اخبار هے—

یہ هر قسم کی مدد اور همدردی کا مستحق هے—

جواهر لال نهرو
۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء

روپیہ کا بندوبست

اپ نے اپنی اولاد کی تعلیم یا شادی کے لئے روپیہ کا جو بندوبست کیا ہے کیا اپ کو اس پر بھروسا ہے ؟

ہمارا مستحکم قومی ادارہ سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے اپ سے ۶۸ سال پہلے سنہ ۱۸۷۱ میں قائم ہوا تھا

اسکی آمدنی پچاس لاکھ سالانہ سے زیادہ ہے

اسکی فصلون جوڑنی میں—پالیسی جائداد محفوظ ہونی ہوتی

معذور ہو جانے پر مدد کی جاتی ہے—بونس کی پوری ضمانت ہے

یہ سوسائٹی اپ کی مالی مشکلوں حل کریگی—اپ اس پر بھروسا کیجئے

بمبئی میوچول
لائف ایشیورنس سوسائیٹی لمیٹڈ
۳ بشیشر ناتھہ روڈ قیصر باغ لکھنؤ

جوتش
قدیم جوتش—اور ساموگرک علم کے حیرت انگیز نتیجے

۱—پیدائش کی تاریخ اور وقت سے اپنی زندگی کا سچا حال دریافت کیجئے—

۲—ہاتھہ کی لکیروں کی چھاپ سے ہر ایک واقعہ—روزگار—نوکری—بیوی بچوں وغیرہ وغیرہ کے ٹھیک ٹھیک حالات جانئے—

۳—سوال (پرشن) کا جواب بتاکر ہر ایک بات بذریعہ ڈاک یا خود اکر معلوم کیجئے—

۴—ا—ہر ایک مرض سے چھٹکارہ پانے کی ترکیب دریافت کیجئے—

۲—اولاد نہ پیدا ہو یا ہوکر مر جاتی اسکے لئے سچی اور آزمائش شدہ ترکیب پوچھکر فائدہ اٹھائیے—

۵—شرطیہ راج دربار سے کامیابی حاصل ہونے کی ترکیب بھی معلوم کیجئے—

پروفیسر کیشودت
جوتشی جوتشی قیصر باغ سرکس لکھنؤ

اکرام انجینیرنگ ورکس
مولوی گنج لکھنؤ

میں

بڑے بڑے انجنوں اور ہر قسم کی مشینوں کی مرمت

لوہے اور پیتل کی ڈھلائی مناسب اجرت اور وقت کی پابندی سے ہوتی ہے

والنٹی کیس اور آئل انجنوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے

تین گھڑیاں اور ۱۲۹۵ فینسی تحفے
صرف ایک روپیہ چار آنہ میں

جو لوگ ہمارے خوشنودی آئو روز کی ۱۸ شعبدہ ایک ساتھہ ایک روپیہ چار آنہ میں خریدیں کے انکو ایک سنہری قیمتی کلائی گھڑی مع تسمہ—ایک ہلوے ٹائم چوتی جیبی گھڑی—ایک سوفتی رومال—ایک کنگھی—ایک خط بنانے کا صابن—ایک آئینہ—ایک جیبی پوڈر—ایک پینسل مع کلپ ایک سگرٹ کیس—ایک سگرٹ لائیٹر—ایک رومال—ایک انگوٹھی—ایک قولنج—ایک ۵۵۵ فوٹ فوکس کا تارچ یا ایک بی ٹائم پیس مشین بہت مضبوط—گارنٹی ۵ سال—مفت ملیگی—پیکنگ اور ڈاک کا خرچ ۱۴ آنہ اسکے علاوہ—

دی فرنچ واچ کمپنی
پوسٹ بکس نمبر ۱۲۲۱۶—کلکتہ

(H. T.)

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر مدۃ المطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر ہندستان ناتھہ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳—نمبر ۱۳ } کانگرس کا هفتهوار اخبار—لکھنؤ ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ ع { فی پرچه ۱ آنه سالانه ۳ روپیه

آل انڈیا جین خواتین کانفرنس—لاهور

کانفرنس کی صدر مسز دیا چند بیچ میں هار پہنے کھڑی هیں—انکے قریب مسز لکھاوتی جین—صدر مجلس استقبالیه اور مسز ڈاکٹر ایل-سی جین هیں

لکھنو میں آل انڈیا زمیندار کانفرنس

اسٹیشن پر ڈیلیگیٹ کانفرنس کے صدر مہاراجہ دربھنگہ کا استقبال کر رہے ہیں

زمینداروں کی طبقہ بندی

چھجو کاؤ کی موٹی سڑک پر بڑی رفتار موٹروں کی سبک خرامی۔ ان کی گود سے وردی اور بزار کے اکھوں آراستہ پیراستہ موٹے بھاری تو ندل جسموں کا نکل کر، عالیشان شامیانے کے نیچے، اور سرخ مخمل کے فرش کے اوپر مہرتے ہوئے قیصر باغ بارہ دری میں داخل ہونا۔

بارہ دری کے اندر گنگا جمنی ستونوں پر زر بفت کا شامیانہ جس کے نیچے مخملی فرش پر دو سنہری کرسیاں۔ ایک پر کڑی موچھوں والے نواب چھتاری صدر استقبالیہ کمیٹی اور دوسری پر نو عمر بچہ آدھا راج دھراج آف دربھنگہ۔ ان کے گرد رنگ برنگے صاف ستھرے کپڑوں میں لپٹے ہوئے نازک ایسے سورماؤں کا جمگھٹ۔ یہاں سے وہاں تک رونق تھی چمک دمک تھی فراغت اور فراوانی۔ ہر طرف تکلم کا میلہ تھا۔

کسی طرف موتیوں کے مالے گلے میں، کسی طرف چاندی کے مرصع خاصدان اور چاندی سے مرصع خدمتگار۔

ہر طرف روپیہ اور حکومت کے کرشمے نظر آتے تھے۔

یہ نازک بھرے جسم دور دراز سے سفر کی خاک چھانتے لکھنؤ صرف اس لئے آئے تھے کہ جمہوریت، قوم پرستی، اتحاد، عوام کی بھلائی اور مکمل آزادی کیلئے آئے تھے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اب تک یہ نعمتیں دنیا میں، خاصکر ہندستان میں صرف انھیں کی مہربانیوں سے زندہ رہیں۔ اگر اس ملک میں یہ مقدس طبقہ نہوتا تو معلوم یہاں جہالت غریبی اور تباہی کا کیا عالم ہوتا۔ اور ان کا یہی خیال ہے کہ ان کے ان دعووں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آگے چلکر انھوں نے ان الفاظ کے معنی بتائے۔ معنی بتاتے وقت ان لوگوں کو بہت جوش آتا تھا۔ ایک صاحب نے انصاف کے معنی یہ بتائے کہ زرعی بل، اور تمام زرعی اصلاحوں کا مسئلہ ہر صوبہ کے زمینداروں کی انجمنوں پر چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے صاحب نے انصاف کے معنی یہ بتائے کہ حکومت کو سب طبقوں کو یکساں نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں تھا کہ حکومت زمینداروں کی زیادہ آمدنی اور زیادہ حقوق چھین کر کاشتکاروں کو دیدے اور اس طرح دونوں طبقوں کو ملا کر ایک کردے۔ یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو موٹی بے انصافی۔ دونوں طبقوں کو ایک نظر سے دیکھنے کا مطلب ہے کہ زمیندار کو امیر اور کاشتکار کو غریب رہنے دیا جائے۔

جمہوریت کے معنی یہ بتائے گئے کہ اس میں ایک پارٹی کی حکومت نہونا چاہیئے بلکہ سب پارٹیوں کو اپنا اپنا حق جتانے کا پورا موقع ملنا چاہیئے۔ آگے چلکر موقع ملنے کی تشریح یہ کی گئی کہ کسانوں کو منظم ہونے اور اپنے حقوق براہ راست مانگنے کا موقع ہرگز نہ دیا جائے، اور کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹی کو تو بالکل ہی ختم کر دیا جائے۔

اتحاد کے معنی ذرا زیادہ سنجیدہ تھے۔ وہ یہ کہ زمیندار اپنے طبقہ کی تنظیم کے زور سے طبقہ واری لڑائی کو ختم کردیں تاکہ ملک میں انکا ہو جائے۔

عوام کی بھلائی کا تو زمینداروں کو اتنا خیال تھا کہ ہر ایک نے اسی پر زور دیا اکثر تو اس کا تذکرہ کرتے کرتے زمینداروں کی آواز بھرا گئی۔ ان لوگوں نے بہاننگ دہل بتا دیا کہ عوام کی بھلائی ہم کیوں چاہتے ہیں۔ سب نے صاف صاف کہا کہ جبتک کاشتکار خوشحال نہونگے زمینداروں کو لگان کیسے وصول ہوگا؟ یہ دلیل ان لوگوں کو ایسی موثر معلوم ہوئی۔ کہ پائنیر میں بھی لکھوا دی۔

عوام کی بھلائی پر بعض بعض زمینداروں نے بحثیں بھی کی ہیں۔ ایک نے کہا اب زمانہ بدل گیا ہے اور ہم کو بھی اپنے کو زمانہ کی مناسبت سے بدلنا چاہیئے اب تک تو ہم ہاتھیا نہ موٹر انہ لیتے تھے کیونکہ اب تک کاشتکار بڑے اچھے تھے لیکن اب وہ کسی وجہ سے بہت برے ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب اس میں کمی کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اب کسان دیں گے نہیں۔ زمینداروں کو یہ دلیل بھی پسند آئی اور اسکو بھی دہراتے رہے۔

زیادہ زور اس بات پر دیا گیا کہ اب وہ وقت ہوگیا کیا کانگریسی حکومتیں اور کیا غیر کانگریسی حکومتیں سب ہی زمینداروں کے حقوق چھین رہی ہیں۔ ہم پر غم و الم کی گھٹائیں گھرتی چلی آرہی ہیں۔ اس اقلیت کو اقلیت ہی پاکر سب حکومتیں دبا رہی ہیں اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ ویروں اور سورماؤں کی یہ جماعت منظم ہو جائے خاصکر اسلئے انکو منظم ہونا ضروری ہے کہ ہندستانی سماج کیلئے انکا وجود لازمی ہے، اور اسوجہ سے بھی کہ زمیندار اپنے کاشتکاروں کا ہمیشہ قدرتی لیڈر رہا ہے اسلئے اسکو اب بھی رہنا چاہیئے۔ اور اسوجہ سے کہ اب تک زمینداروں نے ملک و قوم کیلئے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں یعنی اگر وہ نہ رہے تو پھر قربانیاں کون کریگا؟

ایک قرارداد کے ذریعہ سے یہ عہد کیا کہ اس کانفرنس کی قرارداد کو ہر ایک عمل میں ضرور لائے گا۔

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے ورنہ تعمیل میں دیر لگے گی

زمیندار طبقہ ہے کیا؟ ایک ایسا طبقہ جو زمینوں کا مالک بنا بیٹھا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ جس طرح بنے کسانوں سے زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرے۔ اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدے اٹھائے۔ یہ طبقہ برطانیہ نے پیدا کیا اور اسی نے اس کو طاقتور کیا۔ کیونکہ اپنی طاقت کو ہندستان کی رگ رگ میں پہنچانے کی یہی ایک تدبیر تھی۔ جواب میں زمینداروں نے بھی برطانیہ کے ساتھ پوری وفاداری دکھلائی۔ وہ بھی سمجھتے تھے کہ ہماری آزادی برطانوی حکومت کے دم سے ہے۔ غرضکہ برطانیہ نے زمینداروں کو اور زمینداروں نے برطانیہ کو خوش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ [illegible] ان کے لئے لگان بڑھانے کی اجازت [illegible] قوانین ان کے مطلب کے بنائے۔ اور انہوں نے برطانیہ کے لئے چندے جمع کئے۔ انگریز افسروں کو پوجا

ہندستانی افسروں کو [illegible] دکھلایا۔ مگر یہ کھیل تماشے بچارے کنگال کاشتکاروں کے سر گئے۔ چندہ ہو یا لگان، بیگار ہو یا پولو سب دن [illegible] کے پیٹ اپنے سر پاؤں کا پسینہ ایک کر دینے والے کسان کی گاڑھی کمائی سے آتا ہے۔

اپنے مائی باپ یعنی [illegible] برطانیہ کی وفاداری کا پروپیگنڈا کرتے کرتے زمینداروں کی پشتیں لٹ گئیں اور ساتھ ساتھ کاشتکاروں کو بھی [illegible] پشتیں بیت گئیں

[illegible] میں ہوئیں جب سے زمینداروں نے ہر صوبہ میں زمیندار سبھائیں بنالی تھیں اور انکی مدد سے حکومت میں اپنا رسوخ اتنا بڑھالیا کہ عدالتوں اور افسروں سے دوستی کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاشتکاروں کے گرد ایسا جال تنا کہ انکو پھڑکنا تک ناممکن ہو گیا۔ ہاتھیانے موٹرانے، شادیانے لگتے گئے لگان برابر بڑھتا گیا اور بچارے کسان دم سادھے سب سہتے چلے گئے۔ اگر کسی نوجوان نے ذرا بھی سر اٹھایا تو برطانوی زمینداری کو ٹھوکر نے اسے ایسے پیرا [illegible] مل گیا۔

الکشن میں زمینداروں نے صرف اسلئے کانگریس کی مخالفت کی کہ کانگرس برطانیہ دشمن اور کسان دوست تھی۔

اب زمیندار کانگرس کو دوست بنانا چاہتے ہیں مگر دوستی کا بھی وہی مطلب ہے جو دشمنی کا تھا وہ یہ کہ وہ حقوق جو زمینداروں نے برطانیہ کی مدد سے کاشتکاروں کو دبا دبا کر اکٹھا کر لیے ہیں اور جن پر برطانیہ کی [illegible] سے انصاف کی چھاپ بھی لگا دی ہے نہ نکلنے پائیں۔

کون طبقہ دار لڑائی ابھار رہا ہے؟ زمیندار یا کاشتکار؟ ملک کی بدامنی، غریبی کا کون ذمہ دار رہا ہے اور کون ہے؟ زمیندار یا کاشتکار؟

زمیندار طبقہ چاہتا کیا ہے؟ یہ کہ کاشتکاروں کے جو حقوق ہیں وہ نہ بڑھنے پائیں ہاں انکو بہلانے کے لئے کچھ ڈھکوسلے کھڑے کر دیے جائیں۔ مثلاً دیہی صنعت وغیرہ۔ گیا وہ زمانہ جب کسان ان لٹو چپوں سے بہل جایا کرتے تھے۔ اگر ایسے ہی باتوں میں آنے والے ہوتے تو الکشن میں کانگرس کبھی نہ جیتتی "مائی باپ" "اور میرے خدا پیچھے آپ" کے زمانے لد گئے۔ اب کانگرسی وزارت ہو یا فضل حق کی وزارت اسکو کاشتکار کے پیٹ کی آگ بجھانا پڑیگی ورنہ اس آگ کے سامنے وہ خود دیکھیں کہ پانی ہو جائے گی۔

یہ جھوٹ ہے کہ کاشتکار زمینداروں کو بھوکا مارنا چاہتے ہیں۔ اگر کاشتکاروں کا سب سے بڑا مطالبہ پورا ہو جائے یعنی زمین کاشتکاروں کی مستقل ملکیت ہو جائے تب بھی زمینداروں کے لئے راستہ کھلا ہے وہ کھیتوں میں محنت کریں جو سب کھائیں وہی وہ بھی کھائیں۔ جیسے ۳۵ کروڑ رہیں ویسے وہ بھی رہیں۔

اگر انصاف کے معنی یہی ہیں کہ ہندستان کی خاص آبادی کو مٹھی بھر پیٹ بھروں کے عیش و عشرت کے لئے بھوکوں مارا جائے، تو ایسا انصاف جتنا جلد دنیا سے ختم ہو جائے بہتر ہے اور وہ بے انصافی اور ظلم لاکھ درجہ بہتر ہے جو ۳۵ کروڑ کو کھانا کھلائے اور جو پاپ اور بھگتان کو دنیا سے ہمیشہ کے لئے نکال کر پھینک دے۔

زمینداروں کی ساری تقریروں میں ایک مایوسی تھی، وہ یہ کہ ہم کریں کیا؟ حالانکہ وہ کہتے رہے کہ ہمارا اور کاشتکاروں کا دلی تعلق ہے مگر ساتھ ہی ساتھ انکو یہ بالکل نہیں یقین تھا کہ کاشتکاروں کو اپنے ساتھ لے سکیں گے اسی لئے اپنے کو اقلیت اقلیت کہتے رہے۔ انکے سامنے عمل کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔ کسی نے کہا کانگرس سے سمجھوتہ کی بات چیت کرو کوئی بولا کہ وائسرائے اور وزیر ہند سے داد فریاد کرو۔

دوسری نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ زمیندار ہندو ہوں یا مسلمان اچھوت ہوں یا برہمن سب ایک تھے، کبھی مذہب یا کلچر کا ہندستان کا پاکستان کا سوال تک نہیں اٹھا

آل انڈیا کسان کانفرنس گیا

ان پیٹ بھروں کی داد بیلا کو ذرا منڈی دل کنگال کسانوں کی کانفرنس کی روشنی میں دیکھئے۔ اسکی کارروائی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کسان اب کتنا جاگ پڑے ہیں اور وہ صوبائی حکومتوں پر کتنا دباؤ ڈال رہے ہیں یہ دباؤ ایسا ہے کہ اگر اس وقت کسی صوبے کی حکومت زمینداروں اور خالص زمینداروں کے حوالے کر دی جائے تو وہ بھی مجبوراً اپنے حقوق کم کرکے کاشتکاروں کے حقوق بڑھائیں گے۔

ہندستان کا کسان صدیوں سے مصیبتیں جھیلتا آیا لیکن ۱۹۲۶ء
کی کساد بازاری نے اس پر ایسی بلائیں توڑیں کہ مدراس
اور بنگال میں مجبوراً منظم ہو گیا۔ یہ تنظیم سوشلسٹوں کے ہاتھوں نہیں
ہوئی بلکہ کساد بازاری کے ہاتھوں ہوئی جو سراسر سرمایہ داروں
کی لائی ہوئی تھی۔

اسی کساد بازاری نے ہمکو بتادیا کہ زمین کا انتظام بدلکر ایسا رکھنا
چاہئیے کہ اسکی پیداوار کافی ہو، اور پیداوار سے سب کسان ہر
زمانے میں فائدہ اٹھا سکیں اور ۱۹۲۹ء والی صورت کہ ایک طرف
پیسے میں سیر غلہ بک رہا ہے، اور دوسری طرف بیکاری سے لوگ بھوکوں
مر رہے ہیں پھر نہ پیش آئے۔

کسان اسوقت کانگرس سے بھی مطمئن نہیں ہیں کیونکہ وہ
بہت سست چل رہی ہے۔ اسلئے کانگرس کو بڑھانے کیلئے
وہ اپنی تنظیم ضروری سمجھتے ہیں۔

لاہور کی کسان ستیہ گرہ

لاہور کی کسان ستیہ گرہ اب اس منزل سے گذر چکی ہے جب اس
پر یہ الزام دھرا جا سکتا تھا کہ وہ چند لوگوں کی لیڈری کی کارستانی ہے۔

پارسال ۲۰ جولائی کو پنجاب کے دکھی کسانوں نے امرتسر میں مورچہ
جمایا تھا۔ حکومت نے لاٹھی چارج اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے ان کی
شکائتیں سنیں۔ اس پر کسانوں میں جوش اور بڑھ گیا۔ مگر ان کے لیڈروں
نے صلح کرنا مناسب سمجھی اور اپنے تھوڑے بہت مطالبات منظور
کرا کے خاموش ہو گئے۔

لیکن ان مطالبات سے کسانوں کی شکائتیں نہیں دور ہوتی
تھیں۔ ان کی غریبی چھوٹے چھوٹے چٹکلوں سے نہیں جا سکتی۔ آخر پھر
کسانوں نے ستیہ گرہ کر دی، اور ایسا جوش ہے کہ اسی اسی سال کے
بوڑھے جیل بھر رہے ہیں۔ حکومت نے ان کا مقابلہ کرنے کیلئے دفعہ ۱۴۴
لگائی مگر اتنی سختی کافی نہ تھی اس لئے اب دفعہ ۱۲۹ لگائی
ہے جس کے ماتحت دو سال کی قید اور جرمانہ تک کی سزائیں دی
جا سکتی ہیں۔

اب پنجاب کانگرس کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس کو چاہئیے کہ اس
ستیہ گرہ کو کامیاب بنانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دے۔ یہ ستیہ گرہ
ایسا نقطہ ہو سکتا ہے جس پر پنجاب کی سب پارٹیاں ایک ہو سکتی ہیں۔

ریاست پناہ مسلم لیگ

ریاستی تحریک نے مسلم لیگ کو لاکر عجب دلدل میں پھانس دیا۔
ریاستی تحریک بہت سی باتوں میں کسان تحریک اور مزدور
تحریک سے ملتی جلتی ہے تینوں تحریکوں میں پیٹ بھرے ہندو
ہوں یا مسلمان ایک طرف آجاتے ہیں اور [illegible]
مسلمان ایک طرف آجاتے ہیں جب [illegible]
اٹھتا تو مسلم لیگ قدم جمانے تو [illegible] پائے۔

مسلم لیگ نے مزدور سبھاؤں اور کسان سبھاؤں کی [illegible]
زیادہ توجہ نہیں دی [illegible] گویا یہ [illegible] ہندستان
میں موجود ہی نہیں۔ [illegible] سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ [illegible]
دے ہی نہیں سکتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ [illegible] مزدور
سبھاؤں اور کسان سبھاؤں میں گھسنے سے [illegible] نواب
کے ادھر کچھ ملنا ملانا نہیں۔

لیکن ریاست کا مسئلہ تو بہت پیچیدہ ہے۔ [illegible] ریاستوں
میں کچھ موٹے سامی سونے چاندی میں نہا رہے ہیں جو اپنے دوستوں
اور عزیزوں کو ترقیاں دلا رہے ہیں۔ انکی ترقیوں کے معنی یہ ہیں
کہ اسلام ترقی کر رہا ہے، اسلئے ادھر گھسنا ضروری تھا۔ اور گھسنے
میں اس موٹے طبقہ سے مدد ملنے کی بھی امید تھی۔

مسلم لیگ نے نہایت بے شرمی سے ریاستوں کی جانبداری
شروع کر دی۔ اس نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل میں ریاستوں پر قراردادیں
پاس کی ہیں۔ کسی قرارداد میں غریب مسلمانوں کے روزمرہ کے مسئلوں
کا کوئی تذکرہ نہیں۔ کسی میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مسلمان غریبوں
کو کس طرح ریاستوں سے اپنے حقوق چھیننا چاہئے۔ اور شاید اسی
احتیاط کیلئے کشمیر کا تذکرہ تک نہیں کیا گیا۔

حیدرآباد پر جو قرارداد ہے وہ کہتی ہے کہ تھوڑے سے بہت
اصلاحات جو حیدرآبادی عوام کو مل رہے ہیں وہ بہت ہیں۔ زیادہ نہ
ملنا چاہئیں۔ اور جے پور کی قرارداد میں مسلمانوں سے ہمدردی
کی گئی ہے مگر یہ نہیں کہا گیا کہ انکو کس طرح اپنی سیاسی طاقت بڑھانی
چاہئیے تاکہ پھر ریاست کی طرف سے ایسی حرکتیں نہ ہو سکیں۔

ان قراردادوں کو دیکھکر ریاستیں مسلم لیگ کا جتنا شکریہ [illegible]
ادا کریں تھوڑا ہے۔

بجلی کدھر گرے گی؟

یہ خیال کرنا نرا بھولا پن ہے کہ کسی زمانے میں ہٹلر اور مسولینی بھی [illegible]
کی طرح جمہوریتوں کا کہنا مان جائیں گے۔ اور قطعاً ان کو [illegible]
پر چپ چاپ بیٹھ جائیں گے۔

اٹالوی اور جرمن قوموں میں لڑائی کا نشہ اس قدر دیا گیا ہے کہ وہ اب
ان کا خمیر ہو گیا ہے۔ وہ لوگ اپنی قوم کی فتح اور دوسری قوموں کی ذلتوں
کے تماشے دیکھنے کے پاگل بنے ہوئے ہیں۔ اور مطلق العنان حکومت کی طاقت
بھی اسی وقت تک ہے جب تک یہ پاگل پن پروان چڑھتا رہتا ہے۔ اس
کے علاوہ زمینوں اور کارخانوں کو اسی بہانے حکومت نے اپنے بس

میں کر لیا ہے کہ لڑائی کا سامنا کرنا ہے۔ اسی لئے اسلحہ کے کارخانوں کی کثرت ہے اور سارا ملک فوج بن گیا ہے۔ اس لئے اب ہٹلر اور سولینی کی طاقت اس وقت تک ہے جب تک لڑائی اور فتحیں ہیں۔

برطانیہ اور فرانس کی تو یہ تمنا تھی کہ ہٹلر روس پر حملہ کر دیتا، اور اس طرح "گوشت خورد دندان تنگ" ہو کر دونوں کمزور ہو جاتے۔ پھر ہم دونوں کی بن آتی۔ مگر اب تاریکی لہریں بڑی ظالم ہوگئی ہیں۔ اب ان بچاروں کی حسرتیں یوں ہی ہونے کا امکان گھٹ رہا ہے۔

شروع میں ہٹلر نے روس دشمنی خوب پسند کی تھی۔ مگر اس کے بعد میں فرانس دشمنی کا نعرہ آیا تھا۔ اس حساب سے ہٹلر کو پہلے روس فتح (؟) کرنا چاہئے اور بعد کو فرانس پر حملہ۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ کیا اس پروگرام کے بڑھنے کا امکان نہیں ہے۔

روس کی طاقت سے ہٹلر خوفزدہ ضرور ہے۔ کیونکہ روس کی مخالفت میں اب وہ تیزی نہیں باقی رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روس کی موجودہ فوجی طاقت بہت مضبوط ہے۔ جس کے پاس اس وقت بھی اسلحہ کی تعداد ہر ملک سے زیادہ ہے۔ اور تعداد کے علاوہ مضبوطی اور عمدگی میں اس کے اسلحہ تمام ملکوں سے بدرجہا اچھے ہیں۔

لیکن اگر روس پر حملہ ہوا تو دو چار مہینے میں لڑائی ختم نہیں ہو سکتی اس میں برسوں لگیں گے۔ اس لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ کون ملک کتنی تیزی سے اسلحہ، رسد، اور فوج تیار کر سکتا ہے۔

روس کے پاس کچے مال کی کوئی کمی نہیں۔ اس کے تمام کارخانے جدید ترین اصول پر تیار کئے گئے ہیں، اور ایسی جگہ واقع ہیں کہ ہوائی بمباری سے بالکل محفوظ ہیں اس طرح اس کو رسد کی کوئی کمی نہیں۔

روس کی ساری آبادی کو اچھی غذا، اچھا دوا علاج، اچھی تعلیم اور شخصی آزادی ملتی رہی ہے، اس وجہ سے وہاں کے سب لوگ توانا و تندرست ہیں اور عوامی طاقت کے نشہ میں مست ہیں۔ ان سے جو فوج تیار ہوگی وہ جرمنی کے فاقہ زدہ نیم پاگل انسانوں سے بدرجہا بہتر ہوگی۔

دوسرے ملکوں میں ہوا باز سیکڑوں میں دو چار نکلتے ہیں، کیونکہ سماجی حالات ایسے خراب ہیں کہ معتدل صحت بہت کم لوگوں کی ہوتی ہے لیکن روس میں ہوا باز ۹۰، ۸۰ فیصدی نکل سکتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عالمگیر لڑائی میں فیصلہ کن حربہ ہوائی طاقت ہوگی۔

اب روس کے مقابلے میں فرانس اور برطانیہ کو لیجئے۔ ان دونوں کی فوجی طاقت ہٹلر کے مقابلہ میں اس وقت بھی کم ہے اور آگے چلکر اور کم ہو جائے گی۔

اس وقت جرمنی زیادہ تیزی سے اسلحہ تیار کر رہا ہے۔ اور اب اس کے پاس رومانیا کا تیل بلقان کا غلہ اور چیکوسلاواکیہ کے اسلحہ کے کارخانے بھی ہیں۔ دوسری طرف فرانس اور برطانیہ کے اندرونی زخم بہت گہرے ہیں۔ ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ہٹلر مشرقی یورپ پر قبضہ کرنے سے پہلے فرانس ہی کی خبر لے۔

چلتے چلاتے — تماشائی

سچ پوچھو تو اصل امن اس وقت ہوگا جب پاکستان مدحستان دھابستان کی منزلوں سے گذرتا ہوا شخصستان تک پہونچ جائے گا کیونکہ ہر شخص کا کلچر الگ الگ ہوتا ہے۔ ایک ترچھی ٹانگ نکالتا ہے تو دوسرا سیدھی۔ ایک آداب عرض کہتا ہے تو دوسرا السلام علیکم ایک کرسی پر کسی طرح بیٹھتا ہے تو دوسرا کسی طرح

حقیقت یہ ہے کہ ہندستان میں کروڑوں قومیں آباد ہیں کسی کے ہزار دو ہزار فرد ہیں۔ کسی کے سو دو سو کسی کے دو چار کسی میں صرف ایک ہی فرد ہے۔ اور کسی میں سرے سے ایک بھی نہیں۔ اور کوئی فرد بجائے خود ایک قوم ہے۔ انصاف پسند برطانیہ کا فرض ہے کہ ہر ہر قوم کو ترقی کرنے کا موقع دے۔

ہر قوم اور ہر [illegible]ستان کو اپنے بچاؤ کے لئے (اور صرف بچاؤ کیلئے) کچھ توپوں کچھ مشین گنوں، اور کچھ ہوائی جہازوں کی ضرورت ہوگی ایک ادنیٰ سی بات ہے اگر [illegible] ن والوں نے ریڈیو پر رکھکر تبرستان والوں کو مدح صحابہ بھیجدی تو ؟ تو پیہوا اور ضرور ہو اور ہر ایک کی توپ دوسروں سے بڑی ہو ——— ہر ایک کی ——— دوسرے سے ———

جو لوگ معنی روٹی پکارتے ہیں بکتے ہیں۔ اصل میں ہندستان کا جھگڑا ہے کلچر اور مذہب کا جھگڑا۔ اگر آج انگریز ہندو مسلمان ہوتے گاتے بجاتے، مدح و تبرا میں دلچسپی لیتے ہوتے۔ بجائے پتلون کے دھوتی پائجامہ پہنتے۔ اور انگریزی کی جگہ اردو ہندی بولتے، تو ہندستان میں انگریز دشمنی پیدا ہی نہ ہوتی۔ اور جب انگریز دشمنی نہ پیدا ہوتی تو مکمل آزادی کا سوال کہاں اٹھتا ؟

پتلون اور دھوتی پائجامے کی لڑائی تو مکمل آزادی سے حل ہو جائیگی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ دھوتی اور پائجامے کی لڑائی کیسے چکے ؟ اگر اس لڑائی کو چکانا ہے تو ہماری رائے میں کانگرس کو مسلم لیگی بن جانا چاہئے۔ کیونکہ پاکستان ہی اب ایسا نسخہ ہے جو عطائی کی گولی کی طرح ہر مرض اور ہر تندرستی میں یکساں عمل کرتا ہے۔

ہندستان ضرور بانٹا جانا چاہئے دو حصوں میں، ایک پاکستان اور ایک گندستان۔ پاکستان کو بھی بٹنا چاہیئے دو حصوں میں ایک سنیستان جس میں صرف سنی رہیں۔ اور دوسرا تبرستان جس میں صرف شیعہ رہیں۔ کیونکہ یہاں بھی ایرانی ٹوپی اور ترکی ٹوپی کا مفاد پیش ہے۔

پھر مدحستان میں ہوں دو شہر دھابستان اور غیر دھابستان۔ تاکہ غرارہ دار پائجامے، اور ٹخنے سے اونچے پائجاموں کے کلچر میں جھپٹ نہ ہو جائے۔

تعارف

مسعود اختر جمال

بزمِ خورشید تراشا ہوں بیدار ہوں میں
سیلِ اشکوں بہہ نہ جا۔ دیکھ گہر بار ہوں میں

نازپروردۂ غم ہے مری فطرت اے دوست
نازک اتنا ہوں۔ کہ دل پہ بھی گراں بار ہوں میں

حسن وارفتۂ ہے جس پہ مری لغزشِ پا
رحمتیں جس پہ تصدق وہ گنہگار ہوں میں

ہے مرے دم سے یہ آرائش و زیب و زینت
نازشِ کون و مکاں۔ رونقِ گلزار ہوں میں

ہاں مجھی سے ہیں یہ سب نقش و نگارِ فطرت
جلوۂ قوس ہوں۔ رنگینیٔ کہسار ہوں میں

جرأت آموز زلیخا کو مری تابِ سخن
یوسفِ بے سر و ساماں کا خریدار ہوں میں

رکشِ بزمِ ثریا۔ مری افتادِ خیال
کہکشاں گرد ہے وہ گردِ رہِ یار ہوں میں

دل کا ہر ذرۂ ناچیز ہے خورشید بکف
حسنِ معصوم کا پیراہنِ زرتار ہوں میں

تیرے جلووں سے منور ہے مری شمعِ حیات
رونقِ بزمِ جہاں۔ عالمِ انوار ہوں میں

اللہ اللہ یہ عظمت ہے گناہوں کی مرے
وہ خطا پوش ہے خود جس کا خطاوار ہوں میں

پرتوِ حسن سے روشن ہے یہ غمخانۂ دل
آپ یکتا ہی سہی۔ آپ کی تکرار ہوں میں

داستاں میری حقیقت سی حقیقت ہے جمال
خود مصور بھی ہوں۔ خود نقش بدیوار ہوں میں

عدم تشدد - گاندھی جی

ہم کہاں ہیں

جواہرلال نہرو

مارکسزم یا سوشلزم تشدد کی پالیسیاں نہیں ہیں اگرچہ سرمایہ دار یا لبرل یا تقریباً تمام دوسرے گروہوں کی طرح ان میں تشدد کے امکانات رکھے گئے ہیں۔ یہ پالیسیاں کانگرس کے پرامن طریقوں کے ساتھ چل سکتی ہیں۔ صرف عارضی حکمت عملی کی طرح سے نہیں بلکہ ایک کھلے ہوئے اور باقاعدہ طریقہ پر۔ ہمیں عدم تشدد کے سارے بنیادی فلسفہ پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اسپر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ دور دور کے مسئلوں اور انتہائی معاملوں میں کہاں تک کام آتا ہے ہمارے سامنے ہندستان کا مسئلہ ہے۔ آج کے ہندستان کا اور آنے والے کل کے ہندستان کا۔ میرا یقین ہے کہ عدم تشدد کا طریقہ صرف یہی نہیں کہ ہمارے لئے ایک اکیلا کارآمد طریقہ ہے بلکہ اپنی اچھائیوں کے اعتبار سے وہی سب سے اچھا اور موثر طریقہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جیسے جیسے اس کا کارآمد ہونا تسلیم کر لیا جائے گا ویسے ہی ویسے اسکے کام کا میدان بڑھ جائیگا لیکن ہندستان میں بہت سے آدمیوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے اور یہ ہماری تحریک کی ٹھوس بنیاد ہو گیا ہے۔ وہ پہلے ہی بہت کافی کارآمد ثابت ہو چکا ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ اور تجربہ سے یہ اور بہت سی حالتوں میں بھی رائج کر دیا جائے اسکو چھوٹا کر کے دکھانا اور اس کی ناکامیاں گنانا آسان ہے لیکن دوسری طرف تشدد کے طریقے کی ان گنت ناکامیاں ظاہر کرنا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے ہم نے دیکھا ہے کہ پوری طاقت سے مسلح ملک بغیر کسی لڑائی کے تباہ ہو گئے اور غلامی میں گر گئے۔ ہندستان اگرچہ اس کے پاس مسلح طاقت نہیں ہے ہرگز ہرگز اس طرح سے مٹنے پر تیار نہ ہوتا۔

ہندستان میں تشدد کے استعمال میں خاص خاص خطرے ہیں۔ اسکو ایک باقاعدہ اور منظم طریقہ پر نہیں استعمال کیا جا سکتا یہ عوامی تنظیم اور عوامی کارروائی کی راہ میں آجائے گا اور اسلئے یقینی طور پر بڑے بڑے اندرونی جھگڑے اٹھ کھڑے ہونگے جنکا نتیجہ یہ ہوگا کہ گڑبڑ مچ جائے گی اور ہماری تحریک تباہ ہو جائے گی ہم اتنا زیادہ خوش امید نہیں ہو سکتا جو یہ خیال کر سکیں کہ اس گڑبڑ کے اندر سے ایک آزاد متحد اور ترقی کیا ہوا ہندستان نکل آئے گا۔

ہندستان میں کوئی شخص بھی اس قسم کے تشدد کے اعتبار سے نہیں سوچتا ہے اور یہاں اسکا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ احساس پایا جاتا ہے کہ تشدد پسند ذہنیت عوام کی جنگجوئی بڑھا دیتی ہے اور اسلئے صنعتی مزدوروں اور کسانوں تک میں عام طریقہ سے اس کا پرچار کرنا چاہئے۔ یہ ایک حماقت ہے اور اگر یہ جاری رہی تو اسکے نتیجے بہت ہی تباہ کن ہونگے۔ جبتک کہ حکومت ایک ساتھ شرافت کا برتاؤ کرتی ہے اسوقت تک یہ ترقی کرتی رہتی ہے لیکن ایک ایسی حکومت جو اپنے ارادہ میں پکی ہو آسانی کیساتھ اسے کچل سکتی ہے اور کام کرنے والوں میں پورے طور پر بدنظمی پھیلا سکتی ہے۔ طاقت صرف کبھی کبھار افراد یا گروہ کے تشدد کی نمائش سے نہیں آتی ہے بلکہ عوامی تنظیم اور عوامی کارروائی کی اہلیت سے آتی ہے اور اسے موثر ہونے کے لئے پرامن رہنا ضروری ہے۔

بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ کانگرس کی پالیسی امن پسند پالیسی ہے اور ہمیں اسپر پابند رہنا ہے تو پوری طرح سے اور ایمانداری کے ساتھ اسکا پابند رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ کرنا گویا دو کرسیوں کے بیچ میں گرنا ہے۔ کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ جو صرف منھ سے عدم تشدد کا قائل ہے اور جسکے کام اسکے خلاف ہوتے ہیں اپنے نصب العین کو نقصان پہونچاتا ہے اور لوگوں کو خیال دلاتا ہے کہ اسکے کام اسکے قول کے مطابق نہیں ہیں۔

ہم اپنے اختلافوں پر بحث مباحثہ کرتے رہتے ہیں اور بعض وقت ہم ان پر ضرورت سے زیادہ زور دینے لگتے ہیں۔ تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری آزادی کی سیاسی تحریک میں ایک بنیادی ایکا ہے۔ اور ہماری نگاہ اور راہ کے تمام اختلاف سے اس ایکے میں کمی نہیں ہوتی۔ جدوجہد کے زمانہ میں یہ ایکا سب سے زیادہ سامنے آجاتا ہے لیکن دوسرے وقت بھی یہ صاف طور پر دکھائی دیتا ہے ہماری بحثیں اور دلیلیں اس ایکے کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتیں بلکہ دراصل انکی بنیاد ہی اسی اتحاد پر ہوتی ہے اور یہ ایک قدرتی بات ہے اسلئے کہ موجودہ حالت میں ہندستان کی آزادی اور سامراج دشمنی ہی وہ مشترکہ باتیں ہیں جو ہمارے عوام کی ایک بڑی تعداد کو آگے بڑھاتی ہیں۔

اصلی جھوٹ فرقہ پرستی کی طرف سے آتی ہے اور ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ ایک ایسا نظریہ ہے جسکی خاص خاص فرقہ پرست جماعتوں میں پرورش ہوتی ہے جو دونوں کی جڑ کاٹ رہا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس نظریہ نے کسی بڑی حد تک فرقہ پرست جماعتوں کے ممبروں تک پر اثر کیا ہو۔ جونہی فرقہ وارانہ فضا میں کچھ سکون ہو جائے گا اسی وقت غالباً یہ نظریہ بھی ختم ہو جائے گا۔

جہاں تک کانگرس کا تعلق ہے اس میں ایسی کوئی مشکل نہیں ہے اصلی مشکل ہمارے کاموں یا ہماری پالیسی کی ہولی [illegible] تک میں نہیں بلکہ ہمارے راستہ اور سمجھ میں ہے۔ جیسا کہ ہر جاندار جماعت میں ہونا چاہئے کانگرس میں بھی کئی کئی خیال کے گروہ ہیں جو آپس میں ملتے اور پھر الگ ہوتے ہیں اور پھر بھی یہ سب ایک ہی دھاگے میں بندھے ہوئے ہیں۔ سرسری طور پر اس میں دو گروہ ہیں (اور انکا داہنے بازو یا بائیں بازو سے تقریباً کوئی تعلق نہیں ہے) ایک تو وہ لوگ جو اپنے کو گاندھی پسند کہتے ہیں اور دوسرے وہ جو اپنے کو جدت پسند سمجھتے ہیں۔ یہ الفاظ کچھ اچھے یا ٹھیک نہیں ہیں اسلئے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ گاندھی ازم کوئی پرانی اور دقیانوسی چیز ہے لیکن اصلیت یہ ہے کہ گاندھی ازم بہت جدید اور غالباً ایک حد تک ہمارے زمانہ سے بھی آگے ہے لیکن یہ مغرب کی جدت پسندی سے مختلف ہے اور اس میں ایک طرح کا مذہبی یا الہیاتی رنگ ہے وہ سائنس کے انداز کے مطابق نہیں ہے جو آجکل یورپ کے بہترین خیالوں کی نمائندگی کرتا ہے اس میں دماغ یا سوچ بچار کے طریقہ پر بہت کم زور دیا جاتا ہے۔ اور وجدانی اور اعتقادی معنی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اسکے باوجود کوئی وجہ نہیں ہے کہ گاندھی پسند ٹیکنیک کو خالصتاً سائنسی نگاہ سے کیوں نہ دیکھا جائے اور اسے سائنس کے انداز کے ساتھ کیوں نہ کھپایا جائے۔

جو لوگ جدت پسند کہلاتے ہیں انکا ایک تیج میل جتھا ہے۔ اس میں کئی طرح کے سوشلسٹ اور اکا دکا لوگ جو سائنس اور جدید ترقی پر ہلکی ہلکی سی باتیں کرتے ہیں شامل ہیں ان میں سے بہت سے لوگ ایک دقیانوسی قدم پرستی کی یادگار ہیں اور جدت پسندی یا سائنس سے تقریباً کوئی لگاؤ نہیں رکھتے۔

ان دو بڑے بڑے گروہوں کو داہنے بازو اور بائیں بازو کے ساتھ الجھانا نہیں چاہئے۔ داہنا بازو اور بایاں بازو دونوں گروہوں میں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے بہت سے بہترین سپاہی گاندھی پسند گروہ میں ہیں۔ اگر کانگرس کو داہنے بازو اور بائیں بازو کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں داہنا بازو ایک تنگ حاشیہ کی طرح ہے۔ بائیں بازو والوں کی ایک اقلیت ہے اور ایک بہت زبردست اکثریت بیچ کے گروہ یا گروہوں کی ہے جو ایک بائیں بازو کے معتدل طبقہ کے برابر ہیں۔

گاندھی پسند گروہ کو اس بائیں بازو کے طبقہ میں رکھا جا سکتا ہے سیاسی اعتبار سے کانگرس کی بہت بڑی اکثریت بائیں بازو میں کہی جا سکتی ہے اور سماجی طور سے اس کا رجحان تو بائیں بازو کی طرف ہے۔ لیکن وہ زیادہ تر بیچ میں ہے۔

کانگرس کے مختلف عناصر کی پڑتال کرتے وقت گاندھی جی کی باثر حیثیت پر ہمیشہ دھیان رکھنا چاہئے۔ وہ ایک حد تک کانگرس پر اثر رکھتے ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ وہ عوام پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ کسی سیاسی گروہ میں نہیں رکھے جا سکتے اور گاندھی پسند کہلانے والے گروہ سے وہ بہت بڑے ہیں۔ بعض وقت وہ ایک انقلابی ہوتے ہیں اور جب بڑھتے ہیں تو اپنے آدمیوں میں [illegible] پھیلاتے ہوئے ایک تیر کی طرح اپنے نشانہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ دوسرے وقت وہ ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں بظاہر ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اپنی سوجھ بوجھ سے دوسروں کو مشورہ دیتے رہتے ہیں۔ ان کی تند ترقی کی مسلسل خرابی نے صورت حال میں ایک الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ وہ قومی معاملوں میں پوری طرح حصہ نہیں لے سکتے ہیں اور بہت سی باتوں سے بے تعلق ہیں۔ پھر بھی لوگوں کے کہنے اور اپنے دل کی پکار کی وجہ سے وہ ان معاملوں میں پڑتے اور ان کی رہنمائی کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس میں اس بات سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کہ آیا وہ رسمی طور پر کانگرس کے اندر ہیں یا نہیں۔ آجکل کی کانگرس انہی کی بنائی ہوئی ہے اور وہ اس کے۔ بہرحال ملک میں ان کی جو حاکمانہ حیثیت ہے اس کا کسی عہدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جب تک وہ زندہ ہیں اور اس کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں ان کی یہ حاکمانہ حیثیت باقی رہے گی۔ جو پالیسی بھی بنے اس میں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہر قومی جدوجہد میں ان کی پوری شرکت اور ان کی رہبری ضروری ہے۔ ہندستان کا کام ان کے بغیر نہیں چل سکتا۔

یہ اس صورت حال کی ایک بنیادی بات ہے۔ ملک میں جو بائیں بازو والے بیدار ہیں اور جن میں سوچ بچار کا مادہ ہے وہ اسے تسلیم کرتے ہیں کہ گاندھی جی سے ان کے نظریاتی اور جذباتی اختلافات چاہے کچھ ہوں لیکن انھوں نے ہر اس چیز کو روکنے کی کوشش کی ہے جس سے پھوٹ پڑنے کا ڈر ہو۔ ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ کانگرس کو موجودہ لیڈر شپ کے ہاتھوں میں یعنی گاندھی جی کی رہبری میں چھوڑ دیا جائے اور اس کے ساتھ جہاں تک ہو سکے اسے اور زیادہ بائیں طرف بڑھایا جائے اور اسے انقلابی بنایا جائے اور نیا نظریہ پھیلایا جا سکے۔

بے دخل کاشتکاروں کو زمین واپس

زرعی بل کی دوسری بحث ختم

ہندستانی طب کا قانون

زرعی بل پر پھر بحث پیدا ہو گئی۔ بحث اس پر تھی کہ باغیچہ پر کاشتکار کو کتنا حق ہے۔ مخالف پارٹی نے [illegible] حق کو کم کرنے کی طرح طرح کی کوششیں کیں [illegible] کہ باغیچہ کو شکمی طور پر اٹھا سکتا ہے۔ درج [illegible] شرطوں پر کاشتکار بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ ان شرطوں پر باغیچہ کا کاشتکار نہیں بے دخل کیا جا سکتا۔

باغیچہ کی زمین پر حکومت نے کاشتکار کا یہ حق بھی مان لیا کہ اگر باغیچہ کسی قانون کے ماتحت کاشتکار سے لیکر زمیندار کے حوالے کر دیا جائے۔ اور اس باغیچہ میں کھیتی یا درخت باقی ہوں تو زمیندار کو انکی کوئی قیمت کاشتکار کو ادا کرنا ہو گی۔ اگر وہ قیمت نہیں ادا کرتا ہے تو کاشتکار کو حق حاصل ہے کہ جس حصہ پر درخت یا کھیتی ہے اپنا قبضہ باقی رکھے جب تک وہ ختم نہ ہو جائیں۔

۱۳ اپریل کی بحث میں ایک بہت کارآمد دفعہ پاس ہوئی۔ وہ یہ کہ زمیندار اگر کاشتکار سے کچھ بے جا رقمیں وصول کرے گا یا بیگار لیگا تو اس پر جرمانہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور دوسری اہم بات یہ پاس ہوئی کہ اگر کوئی شخص رسید نہیں دیا کرتا ہے تو اس پر فوجداری میں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ اور عدالت سے تین مہینہ تک کی قید یا ۵۰۰ کا جرمانہ یا دونوں سزائیں ہو سکتی ہیں۔

۱۴ اپریل کو زرعی بل کی دوسری بحث ختم ہو گئی۔ بحث کے ختم پر ایک بہت اہم تجویز پاس ہوئی۔ وہ یہ کہ ان کاشتکاروں کو زمینیں واپس دے دی جائیں جو یکم اپریل ۱۹۳۲ء کے بعد قانون مالگذاری آگرہ ۱۹۲۶ء یا قانون لگان اودھ ۱۸۸۱ء کی رو سے، خریف ۱۳۴۲ء فصلی کے لگان کے باقی رہ جانے، یا پرانی قسطوں کے رک جانے پر بے دخل کئے گئے ہیں۔

[illegible] کی [illegible] آگئی۔

[illegible] یہ [illegible] مخالفت میں [illegible] زور لگا دیا مگر [illegible] کو منظور کر لیا۔

اس مرتبہ [illegible] کی نشست رات کو بھی ہوتی تھی، اس نشست سے فائدہ [illegible]۔ ڈاکٹر کھیر [illegible] کہ [illegible] ذرا ذرا سی بات پر لمبی لمبی تقریریں کرنے کی عادت چھوڑ دیں اور اس طرح ایوان کی کارروائی تیزی سے چل سکی۔

انڈین میڈیسن بل

۳۱ مارچ کو وزیر حفظان صحت نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ بل سلکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔

اس بل کا مقصد یہ ہے کہ یونانی اور ویدک کو ترقی دی جائے اور [illegible] تعلیم یافتہ ڈاکٹر کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت چاہتی ہے کہ دیہاتی حلقوں کو اچھا علاج میسر آئے اور یہ کہ پرانا طریقہ علاج بھی سائنٹفک راستوں پر چلے۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹری بہت مہنگی پڑتی ہے اور طب اور ویدک وغیرہ جو اب بھی مقبول ہیں سستی پڑتی ہیں اس لئے ان سے دیہاتی حلقوں کو بہت مدد مل سکے گی۔

پہلا کام یہ ہے کہ انڈین میڈیسن کا ایک بورڈ بنا دیا جائے۔

اس تجویز کو سب پارٹیوں نے پسند کیا اور غور کرنے کے لئے کمیٹی مقرر کر دی گئی۔

زمینداروں کا فیڈریشن

آل انڈیا کانفرنس کی قراردادیں

۹۔۱۰ اپریل کو لکھنؤ میں مہاراجہ دربھنگہ کی زیر صدارت آل انڈیا زمیندار کانفرنس ہوئی تھی۔ زمینداروں نے اپنی تنظیم کے لئے اپنا آل انڈیا فیڈریشن بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کا دستور العمل وغیرہ تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔

کانگرس اور کانگرسی حکومتوں سے زمینداروں کے معاملات پر زمیندار فیڈریشن کی طرف سے بات چیت کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ قانون بنانے والوں سے کہا گیا کہ وہ زمینداروں کے متعلق کوئی قانون بنانے سے پہلے ان کی منظوری لے لیا کریں۔

کمیونسٹ پارٹی کے اصولوں کو ملک کے امن چین اور ترقی کے لئے تباہ کن [illegible] اس کا مقابلہ کرنے کا عہد کیا گیا۔

آخری قرارداد میں زمینداروں نے زمینداری کی عزت اور وقار کا خیال رکھتے ہوئے کانفرنس کی قراردادوں کو ہر طرح سے پورا کرنے کا عہد کیا۔

بات چیت کمیٹی کو کانگرس کے ساتھ گفت و شنید کرنے کا حق دینے والی قرارداد پر زمینداروں میں بہت اختلاف تھا اور سبجیکٹس کمیٹی اور عام اجلاس میں اس پر بڑی بحثیں رہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس قرارداد کے پاس ہو جانے سے نواب صاحب چھتاری کی پارٹی بہت مضبوط ہو گئی ہے۔ یاد ہو گا کہ حکومت یو۔پی کے زرعی بل پر بھی نواب صاحب کانگرس اعلیٰ کمان سے سمجھوتہ کرنے کے حق میں تھے۔

روس کی طاقت

ہوائی قوت میں ۱۳۰ فیصدی اضافہ

کمیونسٹ پارٹی کی کانگرس میں تقریر کرتے ہوئے روسی وزیر جنگ مارشل وروشیلاف نے کہا کہ روس کی جنگی قوت میں عظیم الشان اضافہ ہو گیا ہے۔ گزشتہ پانچ سال کے اندر فوج کی تعداد دوگنی ہو گئی ہے اور ہوائی قوت میں ۱۳۰ فیصدی اضافہ کیا گیا ہے۔ جنگی بحری بیڑے کے متعلق مارشل موصوف نے کہا کہ ہم ایک بہت عظیم الشان بیڑہ تیار کر رہے ہیں۔ اس وقت روس کے پاس ایسے تیز رفتار ہوائی جہاز ہیں جو تین سو میل فی گھنٹہ کے [illegible] دور دور کے علاقوں کو تباہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ روس کی سرحد پر نہایت زبردست قلعہ بندیاں کر دی گئی ہیں اور تمام سرحدی قلعوں میں فوج کی تعداد دوگنی کر دی گئی ہے جن کی موجودگی میں کسی غنیم کو روس کے علاقہ میں حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

کا فیصلہ کر دیا۔

اس اعلان [illegible] کیا ہے کہ البانیہ کی موجودہ حکومت [illegible] کے اس کی جگہ ایک [illegible] [illegible] باقی ہے۔

یوگوسلاویہ اور یونان میں دخل

اگر یوگوسلاویہ کی حکومت البانیہ کی فتح پر خاموش [illegible] [illegible] اطالیہ [illegible] [illegible] [illegible] تھیں اس قسم کے [illegible] کئے گئے۔

یوگوسلاویہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ البانیہ پر قبضہ کر لینے سے اب [illegible] [illegible] ایڈریاٹک بند کر سکتا ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو یوگوسلاویہ کے پاس صرف سالونیکا کا راستہ رہ جائے گا دوسرا راستہ بلغاریہ اور دریائے ڈینیوب سے ہو کر ہے لیکن وہ بہت دور کا راستہ ہے۔

ہالینڈ کی تیاری!

احتیاطی طور پر حکومت ہالینڈ نے اپنی سرحدی پلٹنوں کو کام پر بلا لیا ہے۔ ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے کہ عام صورت حال کو دیکھتے ہوئے پالیسی کی ضمانت کے لئے یہی مناسب ہے کہ سرحد کی حفاظت اور زیادہ مکمل ہونا چاہئے۔

وزیر اعظم ڈاکٹر کولجن نے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے اس سلسلہ میں کہا ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم نے ہر حالت میں اور ہر معاملہ میں اپنی آزادی اور غیر جانبداری کو برقرار رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ حکومت کو کوئی براہ راست خطرہ ہے تمام باہری طاقتوں کے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے ہیں۔"

مہا سبھا اور لیگ کی نازیوں سے ملی بھگت

کانگرس کا قانون ہند کی ترمیم پر احتجاج

جلیان والے باغ کی برسی کے سلسلہ میں [illegible] [illegible] اپریل کو ایک جلسہ [illegible] میں یہ اپیل [illegible] [illegible]۔

[illegible] [illegible] [illegible] نے دستور اساسی ہند میں [illegible] [illegible] کرائی ہیں [illegible] رو سے [illegible] چھوڑ دیا ہے۔ مرکزی حکومت کو صوبائی حکومتوں کے معاملات میں دخل دینے کا حق مل جائیگا۔ یہ سخت نامعقول حرکت ہے۔ اور ہندستانی عوام کے ساتھ سخت بدعہدی ہے۔ کانگرس اس کی مخالفت کریگی اور کانگرس قانون بننے کے بعد عملی احتجاج کریگی۔

اگر ہم چاہیں تو نازی ہم کو روپیہ سے مدد دے سکتے ہیں جیسا کہ وہ دوسرے ملکوں میں کر رہے ہیں۔ لیکن فسطائی طاقتوں کو ہم اپنا دشمن سمجھتے ہیں ان سے کوئی مدد نہیں قبول کر سکتے۔

ہم کو یہ خبریں ملی ہیں کہ مسلم لیگ اور [illegible] سبھا کے نازی دوست ہیں۔

اس وقت روس ہی ایسی طاقت ہے جو یورپ میں نازی طوفان کو روکے ہوئے ہے اور دنیا کے امن کی حفاظت کر رہا ہے اگر وہ نہ ہوتا تو آج سیکڑوں قومیں نازیوں کی محکوم نظر آتیں۔

اٹلی کی تیاریاں

سالونیکا پر حملہ کرنے کی دھمکی

البانیہ کے معاملہ میں برطانیہ کی طرف سے اطمینان

البانیہ جانیوالی فوجوں کی جگہ بھرنے کے لئے اٹلی کے تقریباً ۲ لاکھ پرانے فوجی کام پر واپس بلا لئے گئے ہیں معتبر حلقوں میں کہا جاتا ہے کہ اٹلی کارفو کی صورت حال کا مطالعہ کر رہا ہے اور اگر کسی مخالف حکومت نے کارفو پر قبضہ کر لیا تو اٹلی سالونیکا پر دھاوا کر دیگا۔

برطانیہ کے رویہ کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ چونکہ البانیہ کے تصفیہ کا فیصلہ پارلیمنٹ کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے اسلئے غالباً برطانیہ صرف ایک احتجاجی تحریر بھیجے گی اور اس سے زیادہ اور کوئی کارروائی نہیں کرے گی۔

لکھتے ہیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ اٹلی اس معاہدے کی شرطیں پوری کر کے اس بات کا ثبوت دے گا کہ وہ بھی برطانیہ جیسی خواہشات رکھتا ہے۔

دار العوام میں چیمبرلین کا اعلان

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۴)

اٹلی کے جھگڑے [illegible] [illegible] [illegible] ہوئے انھوں نے کہا کہ ۷ اپریل کو کاؤنٹ کیانو (اطالوی وزیر خارجہ) نے اعلان کیا تھا کہ اطالوی حکومت البانیہ کی آزادی اور بحر روم میں موجودہ صورت قائم رکھنے کا پورا پورا خیال رکھے گی۔ اس کے بعد جب اطالوی فوجیں البانیہ پہنچ گئیں تو کاؤنٹ کیانو نے برطانوی سفیر سے کہا کہ یہ البانیوں کی خواہش پر ہوا ہے۔

کارفو مسٹر چیمبرلین نے بتایا کہ البانیہ کے فتح ہو جانے کے بعد ایتھنس سے برطانوی وزیر نے خبر دی کہ حکومت یونان کو معلوم ہوا ہے کہ اٹلی کارفو پر قبضہ کرنے والا ہے اور بعد میں لندن میں یونانی وزیر نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ لیکن اطالوی وزیر خارجہ نے اس کی تردید کی اور سائنر مسولینی نے بھی اس کی تائید کر دی۔

اٹلی کا معاہدہ اٹلی کے رویہ کی مذمت کرنے کے باوجود مسٹر چیمبرلین نے کہا کہ وہ اپنے کو اینگلو اطالوی معاہدہ کا پابند

آخری قسط

ریاست الور کی کسان تحریک

(سید مطلبی)

بڑی غلطی ہوگی اگر یہ بات بیان نہ کی جاوے کہ کچھ دنوں سے گورنمنٹ آف انڈیا اور اس کے بڑے عہدیدار ہز ہائینس راجہ جے سنگھ سے کچھ خوش نہیں تھے اس کا کیا سبب تھا؟ اس کا بیان کرنا یہاں بیکار ہے، پر یہ ناخوشی ایک بات سے بڑھ کر ناراضگی بن گئی، یوں کہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں الہ آباد میں کانگریسی لوگوں کی طرف سے ہندوستان کے تمام ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائیوں کے آپسی ملکی تفرقے اور جھگڑوں کو مٹانے کے لئے صلح کانفرنس کی گئی، ہندوستان کی سب قوموں کی صلح ظاہر ہے کہ انگریزی سامراج کے لئے جنگ کا پیغام اور ایک بھاری راستے کے لئے انگریزی سرکار کو لڑنے کے برابر تھا، راجہ لوگ اپنے مطلب کے لئے ہر جان کے آدمیوں کو خریدا کرتے ہیں، کچھ سال ہوئے کہ علیگڑھ کی حویلی پر وہاں جا کر مہاراجہ الور نے ایک رقم علیگڑھ یونیورسٹی کو دی تھی ڈاکٹر ضیاء الدین جو اس وقت علیگڑھ یونیورسٹی اور حویلی کے کرتا دھرتا تھے اب راجہ کے کچھ تو کام آتے ہیں، دہلی کے مہاجرین الور واپس انہوں نے بھجوا دیے، غرض اپنی آزاد خیالی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لئے مہاراج الور الہ آباد تشریف لے گئے، اور ایک بھاری لیڈر کی طرح اس میں حصہ لیا عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کی اس کارروائی نے انکو سیاسی طور پر بہت نقصان پہنچایا، اور ان سے انگریزی راج کو بدظن کر دیا، ممکن ہے یہ بات ٹھیک ہو اور مہاراج جے سنگھ کے ریاست سے نکالے جانے کا سبب یہی ناراضگی ہو لیکن یہ بالکل ٹھیک بات ہے کہ یہ ناراضگی الور کے معیبت زدہ کسانوں کی مدد کے لئے نہیں تھی۔

الہ آباد سے واپس ہو کر جب سری مہاراج نے الور میں قدم رکھا تو ایکا ایکی یہ معلوم ہوا کہ گویا پروپیگنڈے کا دریا ابل پڑا ہے، ہندوستانی اور انگریزی پریس کے نمائندوں کے ذریعہ ہندو ساہوکاروں کی میووں کے ہاتھوں لوٹ کی خبریں شائع ہونے لگیں، تجارہ، کشن گڑھ، رسولی کے بازاروں کی لٹائی کی داستانیں اخباروں میں آئیں اور ساتھ ہی مہاراجہ الور کا ایک بہت ہی دکھ سے بھرا ہوا اعلان نکلا کہ وہ جو بات کبھی نہیں کرنی چاہتے تھے، اب کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں، میووں نے ان کی ہندو رعایا پر ایسے ظلم ڈھائے ہیں کہ ان کو روکنے کے لئے مجبوراً فوجوں کو بھیجا جا رہا ہے۔

اس اعلان کے بعد دوسرے ہی دن ہندو دھرم کے سب سے بڑے رکشک اور محافظ ڈاکٹر مونجے بھی الور پہنچ جاتے ہیں اور ان کی طرف سے تمام ہندوستان کے ہندو نوجوانوں کے نام اپیل شائع ہوتی ہے کہ وہ آئیں اور ہندوؤں کی سیوا کے لئے باغی میووں کا مقابلہ کریں بجائے اس کے کہ ہندو نوجوانوں کی فوجیں میووں کے مقابلے میں آتیں الور راج کی فوجیں تجارہ، کشن گڑھ اور رسولی کا رخ کرتی ہیں اور اس علاقے کے دیہات پر حملہ کرتی ہیں، ساتھ ہی اخباروں میں یہ خبر نکلتی ہے کہ رسولی، کشن گڑھ، تجارہ کے بازاروں کی لوٹ کا قضیہ بالکل جھوٹا ہے، اس حملے کا نتیجہ جو تجارے اور کشن گڑھ کے پہاڑی علاقے پر کیا گیا ہمارے پاس اس کے جواب کے لئے نہ تو کوئی سرکاری رپورٹ ہے اور نہ اخباروں کی خبریں بلکہ کچھ میواتی گیت ہیں، جو آج دیہات میں گائے جاتے ہیں اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حملہ کرنے والی راجہ کی فوجیں میووں اور جاٹوں کے مقابلے میں جو ان ہتھیار بند فوجی سپاہیوں کے مقابلے میں بالکل نہتے تھے سخت ذلیل ہو کر اور دھرم قسم اٹھا کر کہ آئندہ وہ راجہ کی فوج میں نہ رہیں گے اپنی جانیں بچا کر آتی ہیں، پہاڑی علاقے پر چڑھائی کا تو یہ نتیجہ تھا لیکن میدانی علاقے سے الور راج کی فوج بڑی کامیابی سے لوٹی ۲ جنوری ۱۹۳۳ء جمعہ کے دن الور کی فوج نے گووند گڑھ کو جو رام گڑھ کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے چاروں طرف سے گھیر لیا بے خبر نماز پڑھتے ہوئے میو چودھریوں اور کسانوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان سے اس شرط پر چھوڑنے کا وعدہ کیا گیا کہ وہ تمام ریاست کی مالگزاری فوراً ادا کر دیں مسجد میں روپیہ گڑا ہوا نہ تھا اور نہ ہی پنچایتی فیصلے توڑے جا سکتے تھے، چودھریوں نے انکار کیا، اس بحث میں اتنی دیر لگی کہ آس پاس کے دیہات سے لوگ آن کر اکھٹے ہو گئے، اور چودھریوں کو چھڑانے کے لئے انہوں نے زور باندھا، جس کا جواب مشین گنوں سے دیا گیا، سات لاشیں اور بہت سے زخمی فیروزپور جھرکا ضلع گوڑگانوہ کے ہسپتال میں پہنچائے گئے، بہت سی

لاشیں اور بچے کھیتوں میں پائے گئے۔

جب گھبراہٹ اور دیوالیہ پن کا فوج نے کام کیا تھا اس کا خمیازہ اسے اٹھانا پڑا جمعہ کی ساری رات وہ گوبند گڑھ کے قلعے میں بند رہی ساری رات کسان ان کو للکارتے رہے کہ باہر نکلیں اور چودھریوں کو دیں لیکن جب تک ایک میو کی شکل بھی دکھائی دی الور راج کے سورماؤں کو قلعے سے باہر نکلنے کی ہمت نہ ہوئی اور دوسرے دن بڑی دشواری سے یہ بہادروں کی فوج جس کا افسر ایک انگریز کپتان تھا، بیس پچیس قیدیوں کو ساتھ لے کر لاریوں کے ذریعہ جن میں وہ آئی تھی الور واپس پہنچی۔

دھوکر کے واقعے کے بعد گوبند گڑھ کے اس ظلم نے ریاست الور ہی نہیں بلکہ بھرتپور اور ضلع گوڑگانوہ کے علاقے میں بھی کسانوں میں ایک بڑا زبردست جوش پیدا کر دیا، ضلع گوڑگانوہ کے کسانوں کی طرف سے وائسرائے کے نام تار بھیجے گئے، بھرتپور کے کسانوں نے بھرتپور راج کو الور راج کا ساتھی جان کر مالگزاری اور لگان دینے سے انکار کر دیا (جو بہت مشکل سے بعد میں وصول کی گئی) اور انگریزی سرکار نے سوچ بچار کر الور کے کسانوں کی امداد کے لئے نہیں بلکہ الور راج کو بچانے کے لئے فوراً اپنی فوجیں الور میں داخل کر دیں، برگیڈیر لاکن نے جو انگریزی فوج کا سب سے بڑا افسر تھا، ہوائی جہازوں کے ذریعہ اردو اور ناگری میں چھپا ہوا ایک حکم دیہات میں پھکوایا جس میں پرجا کو اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی تھی اور انصاف کئے جانے کا انگریزی سرکار کی طرف سے وعدہ کیا گیا تھا الور راج کی طرف سے یہ باتیں مشہور کی جا رہی تھیں کہ لاکھوں کی تعداد میں ہتھیار بند میو خود مہاراج کی راجدھانی پر چاروں کونٹ سے حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہے ہیں، سڑکیں توڑ دی گئیں اور عدالتیں مسمار کر دی گئیں اور خزانے لوٹے جا رہے ہیں، لیکن انگریزی فوج کے افسر نے جو ہوائی جہاز علاقے میں گشت کرنے کے لئے بھیجے وہ یہ خبر لیکر لوٹے کہ "علاقہ بالکل پرامن ہے، ہتھیار بند ٹولیوں کا نام ونشان نہیں ہے، کسان اپنی کھیتی باڑی کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور کہیں کسی فساد کا نشان نہیں ہے۔"

اس قدر بھاری باتیں الور کی زمین پر ہو گئیں، اخباروں میں میوؤں کی بغاوت اور لوٹ مار کی جھوٹی خبریں بڑے ٹھاٹ سے نکلیں راجہ الور کے خیرخواہوں نے میوؤں کے خلاف اخباروں اور جلسوں میں بہت شور وغل مچایا ہمارے دین اسلام کے سب سے بڑے جگادری غازی مولانا شوکت علی "مرحوم" نے بڑے زور شور سے میو کسانوں کو برا بھلا کہا اور فرمایا کہ "مہاراجہ جے سنگھ تو اسلام کا بہت بڑا دوست ہے، اس نے میرے بھائی مولانا محمد علی کے علاج کے لئے روپیہ دیا تو وہ ولایت گئے ورنہ بے علاج ہندستان میں مرجاتے" ظاہر ہے کہ میوؤں کا بغاوت کرنا کس قدر بے دینی تھی مولانا شوکت علی کے نزدیک تو وہ تمام میو کسان جو بھوک سے تڑپ کر چیخ پکار مچا رہے تھے یا اس بھوک کی جڑ کھودنے کا بندوبست کر رہے تھے وہ سب کافر تھے، وطن پرست اخبار برابر الور کے باغیوں کا سر توڑے جانے کا مشورہ دے رہے تھے، کوئی اسلامی اخبار ایسا نہ تھا جس کا کوئی نامہ نگار اس علاقے کی خبریں دیتا ہو، دہلی کے اسلامی اخبار ملت نے تو الور کے کسانوں کے خلاف پروپگنڈا کرنے کے لئے اپنے اخبار کو دان کر دیا تھا عجب تماشہ تھا، اخبارات "مسلمان و ہندو

لیڈر سب کے سب مہاراج الور کے ساتھی تھے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر الور کے بدنصیب کسانوں یا میو کسانوں کا بھی کوئی ساتھی تھا؟ شاید میر غلام بھیک نیرنگ ان کے ساتھی ہوں! مگر یہ ایک ہوئی بات ہے کہ جس دن گوبند گڑھ کے شہیدوں کی لاشیں فیروز پور جھرکہ میں لائی گئیں اس کے دوسرے ہی دن چند میو نوجوان یہ خبر سن کر کہ میر صاحب علیگڑھ جاتے ہوئے دہلی سے گزر رہے ہیں، دہلی اسٹیشن پر پہنچے اور بہتیرا اس عجیب وغریب مسلمان سے انہوں نے گڑگڑا کر کہا کہ وہ فیروز پور جھرکہ تک چل کر شہیدوں اور زخمیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں لیکن انہوں نے اس وقت تک انکار ہی نہیں کیا، بلکہ انہیں آج تک اتنی مہلت نہیں ملی کہ اس علاقے کی صورت جا کر دیکھ لیتے اور ان لوگوں سے مل لیتے جنہیں وہ فیروز پور جھرکہ میں محض اپنی لیڈری قائم کرنے کے لئے بلا چکے تھے کیا مجلس احرار مصیبت کے مارے میوؤں کی سرپرست تھی؟...... نہیں وہ بھی نہیں ...... اور کوئی؟ ...... کوئی بھی نہیں ...... ہاں وہ جن کا دین اور ایمان اور دھرم اور زندگی کا مقصد ہی یہ ہو کہ دنیا بھر کے بھوکے کسانوں کچلے ہوئے غریبوں اور محنتیوں کو ابھارا جائے اور اپنے چھینے ہوئے حق مانگنے کے لئے سنگٹھت ورجتھا بند کیا جائے اور یہ لوگ وہ لوگ تھے جنہوں نے آج تک بھی الور کے کسانوں کو اپنی زبان یا قلم سے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون تھے لیکن الور کے دکھی کسان ان کو جانتے ہیں کہ وہ کون تھے ضرور کیونکہ انہوں نے برف سے جاڑوں میں ٹھنڈی تیز ہواؤں میں جو اندھیاری راتوں میں الور کی کانٹوں سے لپی ہوئی پہاڑیوں میں چل رہی تھیں ان ساتھیوں کو دیکھا جو ان کے نہ رشتہ دار تھے اور نہ بھائی برادر اور وہ ان کی مصیبت میں ساتھ کرنے کے لئے سینکڑوں کوسوں سے آئے موٹروں کے بجائے پیدل پھرے۔ خبر رسانی کی صحیح مشورہ دیا دنیا بھر کے اخباروں کو الور کی دکھی اور کچلی ہوئی پرجا کی اس کھینچا تانی سے جو راجہ کے ساتھ وہ کر رہے تھے خبردار کیا بس ان کے وہی ساتھی تھے اور الور کی پرجا بھروسا رکھتی ہے کہ جب بھی وہ پھر ہاتھ پاؤں ہلائے گی تو وہ خاموش اور نہ جھکنے والے پھر ان ہی پہاڑیوں اور جنگلوں میں انکی پرانے پھوس سے ڈھکی ہوئی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ اس مضمون کے پڑھنے والے لوگ پوچھیں گے کہ یہ کون تھے؟ وہ سب اشتراکی تھے جو الور کے اندولن میں ٹھیک وقت پر آئے ہر قسم کی مصیبت کی ماری پرجا کی مدد کی اور چلے گئے، نہ اخباروں میں ان کا نام چھپا اور نہ انہیں کہیں ہار پہنائے گئے اور نہ ان کے جلوس نکالے گئے۔

انگریزی فوجوں کے داخلے کے بعد ہی راجہ جے سنگھ مہاراج الور کے راج کا خاتمہ ہو گیا، انگریزی فوج اور کسانوں میں کوئی ٹکر نہیں ہوئی، راجہ کے دونوں وزیر گردھاری لال اور راجہ غضنفر علی خاں الگ کر دئے گئے، ایک انگریز بھیجا گیا جس نے مال کا محکمہ ہی کیا بلکہ ساری ریاست پر اپنا قبضہ جمایا، خزانہ خالی تھا، قرضے کا انتظام کیا گیا، راجہ جے سنگھ کو شروع میں تھوڑے دن کے لئے اور پھر پندرہ سال کے لئے الور سے نکالا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراج جے سنگھ الور سے ہی نہیں بلکہ ہندستان سے بھی دور چلے گئے، اور فرانس کے دیس میں سات سمندر پار ان کا خاتمہ ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ کسانوں کی کیا کیا مانگیں پوری کی گئیں؟ نئے انتظام کی طرف سے جو اعلان ہوا اس کا مطلب یہ تھا۔

جب یہ شخص باتیں کرتا ہے

تو گاؤں والے جمع ہوجاتے ہیں

'وہ آگیا ہے' تمام گاؤں میں بس یہی لفظ سنائی دیتا ہے وہ سفر کرنے والا سفر سے واپس آگیا ہے۔ لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ وہ اُنکے سوالوں کا جواب دیتا ہے اور اپنے ملک جس میں وُہ رہتے ہیں اور جس سے بالکل بیخبر ہیں اُس کی شان و شوکت کا حال سُناتا ہے۔ لوگ عش عش کرتے ہیں۔ چند روز ہوئے وہ بھی اُن کی طرح ایک معمولی آدمی تھا اب اُس نے ان سب میں اِمتیاز حاصل کر لیا ہے۔ لوگ اُس کی عزت کرتے ہیں اور اس سے رشک کرتے ہیں جس نے زیادہ سفر کیا ہے وہ کافی عقل حاصل کر لیتا ہے۔

ریلو ے

ہندوستان میں سفر کرنے کا سب سے سستا ذریعہ

R.B.K 19

(۱) مالگزاری میں کچھ چھوٹ دی گئی اور نئے بندوبست کئے جانے کا اقرار کیا گیا۔
(۲) کسٹم چنگی اور دوسرے ٹیکسوں کے توڑنے کا اعلان ہوا۔
(۳) سڑکوں، جنگلوں اور شادی کے ٹیکس منسوخ کئے گئے۔
(۴) شکایتیں تھوڑی تھیں باقی مانگیں پوری کرنے کا وعدہ جلد پورا کیا گیا۔

ان وعدوں کے کئے جانے پر بھی الور کی حکومت نے آجتک کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ بندوبست نہیں کیا گیا بلکہ بعد میں جب الور کی حکومت کو [illegible] ہوگیا کہ کسانوں کی جتھہ بندی کمزور ہوگئی ہے اس نے مالگزاری میں جو چھوٹ دی رکھی تھی اسے بھی ختم کردینے کے برابر کردیا۔ اور آج بھی الور کی رعیت کی کمر توڑ دینے والی بھاری مالگزاری اور لگان ادا کررہی ہے۔

کسانوں کا جتھا کیسے ٹوٹا؟ یہ بھی کھول کر بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے انگریزی فوج کے الور میں داخلے تک ضلع گوڑگانوہ کے چند میو اور خصوصاً چودھری محمد یسین خاں جن پر وہ ضرور بھروسہ کرتے تھے ان کی [illegible] کردیتے تھے اور ریاست الور کی مصیبت کے متعلق انگریزی سرکار کے سامنے ان کی شکایتیں پہنچانا اور ظلم اور اتیاچار کے خلاف آواز بلند کرنا، یہ کام ضرور انہوں نے کئے تھے، اور اسی لئے الور والوں نے ہزاروں روپیہ اکٹھا کیا اور انھیں دیا اور یسین خاں نے خود الور کی تحریک کے کاموں میں اسے خرچ کیا جن کاموں کو وہ الور تحریک کے کام سمجھتے تھے روپیہ انھیں پر خرچ کیا گیا، اور غبن نہیں کیا گیا، اور یہی سبب ہے وہ ہندوستان کے ایک مسلمہ مسلم لیڈر مانے جانے لگے، مگر انگریزی سرکار نے یہ سمجھا کہ یسین خاں ہی وہ آدمی ہے جو ایک بڑی قوم کی جتھا بندی کرسکتا ہے اور اسطرح ایکدن خطرناک بھی بن سکتا ہے، اسلئے یسین خاں کا اثر توڑنا ضروری سمجھا گیا ضلع گوڑگانوہ کے دو میووں صوبیدار میجر سردار محمد خاں اور صوبیدار محمود الحسن خاں کو جو یسین خاں کے خلاف تھے ابھارا گیا وہ الور پہنچ گئے اور الور کے میو کسانوں میں انھوں نے یسین خاں کے خلاف بہت کچھ باتیں پھیلائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الور کے کسانوں کی جتھابندی میں ایک ہل چل تو پڑ گئی اور پھوٹ پھیل گئی، خود یسین خاں کی قوت کا راز سرکار کی طرف سے ان کی حمایت تھا وہ آہستہ آہستہ جاتی رہی اور الور کے کسانوں میں خود کوئی ایسا سمجھدار دکھائی دینے والا موجود نہ تھا جو امن کے اس زمانہ میں جو جنگ کے بعد آیا اپنی جتھابندی کو قائم رکھتے ہوئے اس کو مضبوط کرتا اور آگے بڑھاتا اور کسانوں کو یہ بھروسہ دلاتا کہ جتھابندی ہی [illegible] ہے، بلکہ ہوا یہ کہ میو چودھری انگریزوں کی ریاست [illegible] کی وجہ سے یہ سمجھے کہ وہ ان کی مدد کے لئے ہی آئے ہیں اور انھوں نے ان پر حد سے زیادہ بھروسہ کرنا شروع کردیا، اس بھروسہ کرنے کے سبب جتھابندی کی ضرورت بھی آہستہ آہستہ نہ رہی اور وہ تمام جتھا ٹوٹ پھوٹ گیا اور اس بدبخت تحریک اور اندولن کا پھل جو الور رعایا کو ملنا تھا، ملنے سے رہ گیا یہ ضرور ہے کہ الور کے کسانوں پر سے چند ناجائز ٹیکس ہٹ گئے لیکن جو اصلی مانگیں تھیں وہ انگریز حاکموں کے بھروسہ کی نذر ہوگئیں اور الور کی تحریک کا صرف یہ نتیجہ نکلا کہ ضلع گوڑگانوہ کا ایک میو یسین خاں ہندوستان کے مسلمانوں کی نظر میں ایک اونچا آدمی دکھائی دینے لگا۔ اور دو میو سردار محمد خاں اور محمود الحسن خاں کو انگریزی راج کی خیرخواہی میں خان بہادر اور خانصاحب کا خطاب ملا، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ ہزاروں میووں کی مصیبت کا پھل جن میں سے بہت سے مارے گئے اور سیکڑوں زخمی ہوئے تین آدمیوں کے حصے میں آیا یسین خاں، سردار محمد خاں، اور محمود الحسن خاں ہیں۔

انوپ نگر

(حیات اللہ انصاری)

(۱)

کسی اونچے پربت کی چوٹی پر ایک دیس تھا جسے انوپ نگر کہتے تھے۔ وہاں کا راجہ دھن دولت سے بھرپور تھا۔ اور دیالو ایسا کہ اس کے دان پن کی خبریں دور دور تک پھیلی تھیں۔ پرجا پر اسکا ایسا دباؤ تھا کہ اگر وہ کسی سے کہتا آگ میں پھاند پڑو تو بات بھی پوری نہ ہونے پاتی اور وہ آگ میں پھاند پڑتی

ایک دن جب سورج کی تازی تازی کرنیں انوپ نگر کے بڑے مندر کے سونے کے کلس پر پڑ رہی تھیں اور پجاری کا سنکھ فضا کو چیر رہا تھا۔ راجہ نہا دھو سونے کی کھڑاویں پہنے دربار میں آیا۔

اس راجہ کا دربار نورتن دربار تھا۔ تخت کے ایک طرف بڑے بڑے سورما مونچھیں چڑھائے، کاندھوں پر کھانڈے دھرے، اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مست ہاتھی کی طرح کھڑے رہتے تھے۔ ان سب میں بعتبار چہرہ کوتوال کا تھا، اسکا چہرہ نکلتے سورج کی طرح دمکتا تھا، اور اسکی دونو مونچھوں کی نوکیں بھالوں کی نوکوں کی طرح تھیں۔

تخت کے دوسری طرف ایسے ایسے شاعر تھے جنکے شعر ستاروں

راجہ نوکر کی آہٹ سُنکر چونکا۔ اور اب اسے خیال آیا کہ دربار کو دیر ہوگئی ہے۔ راجہ نے نوکر سے کہا کہ جلدی سے کھڑاویں اُٹھا لاؤ۔ نوکر تو ہوگیا تھا پاگل۔ وہ یہ سنکر بہت ہنسا اور کہا۔

"تم نہ میری کھڑاویں اُٹھاؤ"

یہ گستاخی سنتے ہی راجہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ زندگی میں پہلی بار راجہ نے ایسی بات سُنی تھی۔ نہ ہوا اسکے پاس کھانڈا ورنہ ابھی اسکا سر اڑا دیتا۔ راجہ نے طے کرلیا کہ اسکو مع زن بچہ کولھو میں پروا دونگا۔ تاکہ دوسروں کو سبق ہو۔ راجہ نے ڈانٹ کر اپنے سپاہیوں کو بلایا۔

راجہ کی آواز پر دو چار سپاہی اندر تو آگئے۔ مگر ایسے آئے جیسے باغ میں ٹہل رہے ہوں۔ جھومتے جھامتے۔ ہنستے بولتے۔ ایک دوسرے کے ٹیپیں لگاتے۔

اب راجہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا۔

"نکل جاؤ تم سب میرے محل سے"

یہ سنتے ہی سب اس طرح ہنسے جیسے ناٹک کی نقل پہ ہنس رہے ہوں اور پھر سب آواز ملا کر گانے لگے اور تانیں اُڑانے لگے۔

"نکل جاؤ تم خود ہمارے محل سے۔ ہمارے محل سے۔ ارے ہاں ہمارے محل سے"۔ راجہ حیرت سے اپنی جگہ پہ جم گیا۔ اسوقت ہمیں اور مٹی کے پتلوں میں، لکڑی، سنگین مورتوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ بیچارا راجہ گھبرایا ہوا اٹھا اور ننگے پاؤں رانی کی طرف چلا۔ راستہ میں دیکھتا کیا ہے کہ مہریاں خواصیں بھی اسی طرح آپے سے باہر ہیں۔ کہیں کوئی نقل کر رہی ہے، کہیں کوئی تھرک رہی ہے اور اسکی ساتھ والیاں پرے بنائے کھڑی قہقہے لگا رہی ہیں۔ راجہ انکے پاس سے گذرنے لگا تو ایک ادنیٰ کنیز بولی۔ "یہ دیکھو راجہ آیا"۔ یہ سنتے ہی سب مہریاں اسکے پیچھے پڑگئیں اور کہنے لگیں۔

"وا رے راجہ راجہ ذرا ناچ دے"

راجہ ان سے پیچھا چھڑا کر رانی کے کمرے میں آیا۔ دیکھا تو وہ بھی آنکھوں میں آنسو بھرے ہکا بکا بیٹھی ہے۔

راجہ نے رانی کی طرف، اور رانی نے راجہ کی طرف دیکھا مگر کسی کے منہ سے کوئی بول نہ پھوٹا۔ دونوں کو چپ لگ گئی۔ کچھ دیر کے بعد راجہ کو خیال آیا کہ کوتوال کو بلاکر ان سب کی مرمت کرانا چاہیئے راجہ نے بڑھ کر خطرے کی ڈوری کھینچی۔ اور اتنی زور زور سے جھٹکے دیے کہ ڈوری ٹوٹ گئی۔

آج کوتوال بھی دیر کو سوکر اٹھا تھا۔ اس نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا۔ اسکی بیوی نے ناشتہ کا تھال لاکر سامنے رکھ دیا جس میں مٹھائیاں اور سوکھے پھل چنے تھے اور ایک طرف چاندی کے کٹورے میں پانی بھرا تھا جس میں موتی کی چمک اور بیلے کی مہک تھی۔ کوتوال نے مٹھائی اور پھل سے پہلے گلاس پر ہاتھ ڈالا، مگر ابھی کٹورا ہونٹوں تک نہ پہونچا تھا کہ محل والی گھنٹی بجی۔

کوتوال کے ہاتھ سے کٹورا چھوٹ پڑا۔ اسکی زندگی میں پہلی بار خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ کوتوال نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور باہر نکلکر سائیس کو حکم دیا کہ جلدی سے میرا گھوڑا کس سائیس نے حکم سنکر زین تو اٹھا لیا مگر اسکو لیکر گھوڑے کی طرف نہیں گیا۔ بلکہ سیدھا کوتوال کے پاس آکر اسکی پیٹھ پر زین رکھنے لگا۔

کوتوال نے غصہ میں آکر ایک تھپڑ مارا اور کہا

"حواس میں ہے تو ہے؟"

نوکر تھپڑ کھاتے ہی تالیاں بجا بجا کر اچھلنے لگا اسکی آواز سنکر کوتوال کے اور نوکر بھی ناچتے تھرکتے آپہونچے۔ اب تو کوتوال نے لاکھ لاکھ ڈانٹا، دھمکیاں دیں مگر ان پاگلوں پر ذرا اثر نہوا، ان میں سے دو نے زبردستی کوتوال کو جھکایا، اور دو نے اسکی پیٹھ پر زین کسا اور منہ میں لگام دے کر کھینچتے ہوئے بازار کی طرف لے چلے۔

اسوقت تک سارا شہر "موتی کی چمک بیلے کی مہک" والا پانی پیکر پاگل ہوچکا تھا۔ امیر غریب بوڑھے بچے، آقا مولا، نوکر سب سڑکوں پر گاتے تھرکتے ہنسی مذاق کرتے گھوم رہے تھے، نہ کسی کو دربار کی حاضری اور راجہ کے درشن کی فکر تھی اور نہ کسی کو مندر کی پوجا کا دھیان، آج تو مندر کا سنکھ اور دربار کا گھنٹہ بھی خاموش تھا کیونکہ بجانے والوں کو اب ان باتوں کا ہوش نہ تھا۔

ان لوگوں نے جو کوتوال صاحب کو اس شان سے آتے دیکھا تو لگے اچھلنے کودنے ایک لڑکا آم کی گٹھلی کا پیپرا لیئے آم کا ٹام کا کلیا ببول کا پیرا پیپرا بولے پٹ پیں پٹ پیں کرتا گھوم رہا تھا۔ اس نے جو یہ تماشا دیکھا تو کوتوال صاحب کے سامنے پیپرا بجاتا ہوا چلا اور اسکے پیچھے ساری خلقت تھی۔

راجہ کو بیٹھے بیٹھے پیاس لگی اس نے رانی سے پانی مانگا۔ اب رانی پانی لائے تو کیسے لائے اس بچاری نے کبھی خود پانی پیا ہوتا تو جانتی کہ گھڑے کہاں رکھے ہیں۔ راجہ کی فرمائش سنکر اسکی جامن کی ایسی آنکھوں میں آنسوؤں کی گھٹا گھر آئی۔ اور اس نے حسرت سے راجہ کی طرف دیکھا راجہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سر جھکا لیا۔ اور سوچنے لگا کہ کل کیا تھا اور آج کیا ہوگیا۔ پھر کچھ سوچکر بولا۔

"چلو رانی جوتشی سے چلکر پوچھیں کہ یہ ہے کیا آفت"

رانی اور راجہ دونوں چلے مندر کی طرف۔ نہ سواری کو ہاتھی نہ سکھپال نہ ہمراہی میں سپاہی نہ چوبدار۔

راستہ میں راجہ اور رانی کی نگاہ کوتوال پر پڑی اور اسکو اس عجیب حال میں دیکھکر رانی کی ہنسی نہ رکی۔ اللہ اللہ کل تک جس کے

تنقید وتبصرہ

سالنامہ محشر خیال دہلی

رنگین سرورق، صفحات ۱۲۶ - باتصویر - قیمت چار آنہ - لکھائی چھپائی کاغذ اوسط - ملنے کا پتہ محشر خیال دہلی -

مجموعی طور پر اب رسالوں کا معیار اونچا ہوتا جا رہا ہے - اور ہر قسم کے مضامین میں ترقی پسندی کی جھلک آتی جا رہی ہے، محشر خیال ایک سادہ سا ادبی رسالہ ہے اسکے لئے ترقی پسند اور رجعت پسند ادب ایک سی چیز ہیں، لیکن اس نمبر ترقی پسندی کی چھاپ موجود ہے -

مضامین زیادہ تر ادھر ادھر سے لئے ہوئے ہیں، مگر انتخاب برا نہیں۔

رسالہ وپلو

رنگین سرورق - لکھائی چھپائی کاغذ معمولی - سالانہ چندہ چار روپیہ فی پرچہ (چھ آنہ ۶؍)

مشہور انقلابی یشپال کی ادارت میں وپلو اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں نکل رہا ہے - اردو کے دو نمبر آزادی نمبر اور کانگریس نمبر ہمارے سامنے ہیں - مضامین اچھے ہیں اور ایسے ہیں جن کا پڑھنا انقلابیوں کے لئے کارآمد ہے - لیکن موضوع ایسے چنے گئے ہیں جو ایک مخصوص پارٹی کے لئے تو واقعی بہت اہم ہیں، لیکن تمام انقلابیوں کے لئے اس سے بھی اہم چیزیں ہیں -

زبان سادی ہے، مگر ذرا بھونڈی - اسی طرح طرز تحریر بھی کچھ کچھ الجھا ہوا ہے -

آزادی نمبر میں نظمیں بہت مہمل ہیں، مگر دوسرے نمبر میں نظمیں بری نہیں ہیں اگرچہ اچھی بھی نہیں ہیں -

اطلاع نامہ بنام رسپانڈنٹ مشعر اطلاع تاریخ مقررہ سماعت اپیل

بعدالت جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر ضلع لکھنؤ مقام لکھنؤ

۱- قاضی مقبول الدین ولد قاضی اقبال الدین ساکن قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ
۲- دینا رام ولد استدی دین موضع دیگھیا پرگنہ کاکوری ضلع لکھنؤ } اپیلانٹ
۳- عبدالرحمٰن ولد لکھبدی ساکن مظفر کھیڑا مزرعہ سرسہ پرگنہ کاکوری ضلع لکھنؤ

بنام

۱- یقین الدین ولد احسان الدین مدرسہ سلطانیہ بمبئی پور دکھن نوشتہ مدرس مارٹ - رسپانڈنٹ
۲- تبین الدین ولد صفا الدین سر منشی دیوانی گل برگہ خاص حیدرآباد دکھن -
۳- شرف الدین ولد نظام الدین محلہ مولوی گنج شہر لکھنؤ

۴- بشیر الدین }
۵- یقیم الدین } پسران امام الدین قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ
۶- جمال الدین ولد شہید الدین پیرول اورئی ضلع جھانسی
۷- نجم الدین ولد شہید الدین محلہ فرنگی محل شہر لکھنؤ -
۸- قمر الدین ولد شہید الدین عربی ٹیچر ایم پی ہائی اسکول رندیر سورت -
۹- مسماۃ احمد النساء زوجہ ذکی الدین مولوی محلہ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ -
۱۰- فضل الدین ولد افضال الدین ذریعہ مظہر الدین وصیغہ دار حیدرآباد دکھن -
۱۱- اسلام الدین ولد قیام الدین دیل انجینئر بنارس -
۱۲- احتشام الدین ولد قیام الدین مولوی محلہ کاکوری ضلع لکھنؤ -
۱۳- احترام الدین ولد قیام الدین دوکاندار امین آباد پارک شہر لکھنؤ -
۱۴- مسماۃ صادقہ بیگم بیوہ شیخ اللہ وکیل مرحوم محلہ تکیہ کلیم پور سٹی -
۱۵- عزیز الدین ولد انیس الدین پولیس اسٹیشن گونڈہ -
۱۶- اصل الدین ولد سعید الدین ٹیڑھی بازار شہر لکھنؤ -
۱۷- جمیل الدین ولد سعید الدین محلہ تارٹولہ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ -
۱۸- کلیم الدین ولد سعید الدین وکیل آگرہ -
۱۹- تسنیم الدین ولد صمیم الدین ذریعہ مختار شمس الدین احاطہ کرامت اللہ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ -
۲۰- ناظر الدین حسن ولد نظام الدین حسن قصبہ نیوتنی ضلع اوناؤ -
۲۱- غازی الدین ولد فخر الدین منصف مجسٹریٹ منگولی ضلع پربھنی دکھن -
۲۲- رفیق الدین }
۲۳- لیق الدین } پسران فخر الدین ذریعہ غازی الدین مولوی گنج شہر لکھنؤ -
۲۴- مسماۃ فخر النساء زوجہ جعفر حسین موضع مظفر کھیڑا مزرعہ سرسہ پرگنہ کاکوری ضلع لکھنؤ -
۲۵- تحسین الدین }
۲۶- تمکین الدین } پسران حافظ حسین الدین محلہ خیالی گنج شہر لکھنؤ -
۲۷- توقیر الدین }

اپیل نباراضی حاکم تحصیل صاحب بہادر بٹوارہ ضلع لکھنؤ مقام لکھنؤ -

مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء

مطلع ہو کہ اپیل نباراضی ڈگری مقدمہ بٹوارہ اس مقدمہ میں مسمیان قاضی مقبول الدین دینا رام - عبدالرحمٰن - اپیلانٹ - نے پیش کیا اور وہ اس عدالت میں درج رجسٹر ہوا اور اس عدالت نے تاریخ ۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء واسطے سماعت اس اپیل کے مقرر کی ہے -

اگر خود تم یا تمہارا وکیل یا اور کوئی شخص جو قانوناً تمہاری طرف سے اپیل ہذا میں جواب وسوال کرنے کا مجاز ہو حاضر نہ ہوگا تو اس کی سماعت اور تجویز تمہاری غیر حاضری میں یکطرفہ کی جائے گی -

آج بتاریخ ۵ ماہ اپریل ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا -

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

ریلوے جوڈیشل ٹریبیونل کے جج — جو هزاري باغ ٹرین حادثه کي تحقیقات کر رهے هیں
بائیں جانب سے — مسٹر لین (چیف میکانکل انجینیر ریلوے) مسٹر وي - ویلوڈي (مدراس) مسٹر جسٹس برومفیلڈ (بمبئي هائي کورٹ) مسٹر دین محمد (سشن جج پنجاب) اور مسٹر سمسن (ڈپٹي جنرل منیجر - مدراس)

Title Cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaiserbagh, Lucknow.

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر مدۃالمطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر بشیشر ناتھہ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳ — نمبر ۱۵ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۲۳ اپریل ۱۹۳۹ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

کسانوں کا مجمع

۱ و ۲ مئی کو گوسار میں ہونے والی گجرات کسان کانفرنس کا ایک منظر

ہندستانی انگریزی تجارتی معاہدہ

بہت دنوں سے برطانوی شاطر ایسی چالیں سوچ رہے تھے جن سے انگریزی تجارتی مال کو ہندستان میں پھر جگہ دیں۔ انگریزوں کا بڑا دکھ یہ کہ سب سے بڑا انگریزی مال کپڑا ہے۔ اور وہ جب ہندستانی بازار میں آتا ہے تو اس کا مقابلہ ہندستانی کپڑے سے پڑتا ہے جس کو برطانیہ کے مقابلے میں کچھ ایسی آسانیاں ہیں کہ بازاروں میں دن بدن اس کی کھپت ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے انگریزی کپڑے کو اسی وقت بازار مل سکتا ہے جب ہندستانی کپڑے کی کھپت کم ہو۔ تو سوال یہ تھا کیا صورت کی جائے جو ہندستان اس خودکشی پر راضی ہو جائے۔

برطانیہ نے بہت سوچ بچار کر کے ایک چال نکالی۔ وہ ہے ہندستانی انگریزی تجارتی معاہدہ۔ اس زہر بھرے خنجر کو برطانیہ نے ایسی ریشمی تھیلی میں چھپا کر پیش کیا ہے کہ دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کو اکبارگی ہندستانی کاشتکاروں سے عشق ہو گیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہم غریب روئی کے کاشتکاروں کی روئی خریدنے کو تیار ہیں بشرطیکہ ہندستان لنکاشائر کے کپڑے کی نکاسی کرائے۔

ہندستان میں ۳۵ کروڑ گز سے لیکر ۵۰ کروڑ گز تک انگریزی کپڑے کی درآمد کی کوشش کی جائے گی اور اس غرض سے درآمد کا محصول ۵ فیصدی سے لیکر ۱۷½ فیصدی تک کم کیا جائے گا۔ اس کے بدلے میں انگلستان ہندستانی روئی کے کم سے کم ۴ لاکھ گٹھر خریدے گا۔ اگر انگلستان نے روئی کم خریدی تو ہندستان اس کے بدلے میں لنکاشائر کے مال پر محصول بڑھا سکتا ہے۔

اس سے پہلے ۱۹۳۲-۳۳ء میں انگریزی کپڑے کی درآمد ۵۱ کروڑ گز ہوئی۔ لیکن پھر گھٹتے گھٹتے ۱۹۳۶-۳۷ء میں ۲۶ کروڑ گز تک پہنچ گئی۔ اور اب حال یہ ہے کہ جنوری تک دس مہینے کے اندر صرف ۱۷ کروڑ گز آیا۔ اور دو مہینوں کے اندر اگر بہت آیا تو دو کروڑ گز اور آ جائے گا۔ اس سے زیادہ کی امید نہیں۔

اب پچھلے ہندستانی روئی کی انگلستان میں درآمد ۱۹۳۵-۳۶ء میں ۵½ لاکھ گٹھر گئے تھے اور ۱۹۳۶-۳۷ء میں ۶½ لاکھ گٹھر گئے۔

ہم کسی طرح انگریزی کپڑے کے محتاج نہیں ہیں۔ ہمارا کام بلا اس کے چل سکتا ہے۔ لیکن برطانیہ ہندستانی روئی کی محتاج ہے۔ معاہدہ ہو یا نہ ہو اس کو کم سے کم چار لاکھ گانٹھیں روئی کی خریدنی پڑیں گی۔ اس طرح ہمارا کوئی بھلا نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جو کمیٹی بٹھائی گئی تھی اس کے غیر سرکاری ممبروں نے برطانیہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کم سے کم روئی کی ۶ لاکھ گانٹھیں خریدنے کا وعدہ کرے۔ اگر برطانیہ اس پر تیار نہ ہوئی۔

ہمارا فائدہ تو کچھ نہ ہوگا۔ ہاں نقصان بہت ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ جب انگریزی کپڑے کی درآمد بڑھانے کے لئے محصول ۱۲½ فیصدی کم کر دیا جائے گا تو لامحالہ ہندستانی کپڑے کے دام گرانا پڑیں گے۔ کچھ کارخانے برداشت کر سکیں گے اور کچھ نہیں۔ یوں ہماری کپڑے کی صنعت کو سخت نقصان پہونچے گا۔

ہندستانی کپڑے کی صنعت برابر ترقی کر رہی ہے ۱۹۳۶ء میں ۳۵۳ کروڑ گز کپڑا پیدا ہوا ۱۹۳۷ء میں ۳۹۴ کروڑ گز۔ اور ۱۹۳۸ء کی پیداوار کا تخمینہ ۴۲۵ کروڑ گز ہے۔ اور ہم کو امید ہے کہ اگر یہی رفتار رہی تو ہم بہت جلد بیرونی کپڑے کی درآمد ختم کر دیں گے۔

کھدر کو ترقی دینے کے سلسلے میں اگر ہندستانی کپڑے کی صنعت کو کوئی نقصان پہونچ جائے تو ہم اس کی پروا نہیں کرتے کیونکہ فی الحال کھدر کو ترقی دینا ہزاروں بیکار کاشتکاروں کے لئے روٹی مہیا کرنا ہے لیکن ہم ایسے بھولے نہیں ہیں کہ لنکاشائر کے دولت مندوں کی مدد کے لئے اپنی ملکی صنعت کو کمزور کر دیں۔

کپڑے کے علاوہ معاہدے میں اور مصنوعات بھی ہیں جن کے بارے میں برطانیہ کے وکیلوں نے کہا ہے کہ یہ ایسی مصنوعات ہیں جن کا مقابلہ ہندستانی مصنوعات سے نہیں پڑتا ہے۔ مگر یہ بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس میں سیمنٹ اور کیمیکل بھی شامل ہیں جو اب ہندستان میں بہت اچھے تیار ہوتے ہیں۔

برابر تجارتی معاہدہ جونک کا کام کرتا ہے۔ وہ ایک ملک کی خوشحالی چوس چوس کر اس کو ویران اور دوسرے کو شاداب بنا دیتا ہے۔ اگر ہندستان میں یہ معاہدہ جاری ہو گیا تو اس کا نقصان ہندستان کے گوشہ گوشہ کو پہونچے گا۔ ملکی مالی حالت ابھی جیسی کچھ [illegible] ہو جائے گی۔ بیکاری کا بازار [illegible] زیادہ ہو گا [illegible] ہندو مسلمان [illegible] نقصان پہونچے گا [illegible] کانگرس پارٹی [illegible] طرح مخالفت کر [illegible] ہے۔

[illegible]

مسٹر جناح [illegible] کہ اس معاہدے [illegible] ہندو کاشتکار [illegible] مسلمان [illegible] کچھ نہیں [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسٹر [illegible]

[illegible]

[illegible] کا [illegible] اسی طرح [illegible] نہیں کرنا چاہتا ہوں کیونکہ [illegible] کانگرس یعنی ہندوؤں کی طرفدار ہے۔

سوال یہ ہے کہ مسٹر جناح نے اس معاہدے کی مخالفت کیوں نہیں کی؟ غیر جانبدار کیوں رہے۔ اس کا جواب یہ ہے چونکہ مسلمانوں کو اس سے نفع یا نقصان نہیں تھا اس لئے انھوں نے مخالفت کی نہ موافقت۔

اگر یہ معاہدہ ہندستان کے حق میں بُرا ہے تو کیا اس کا اثر ہندستان کی مالی حالت پر نہ پڑیگا؟ یہاں کی غریبی اور بیکاری میں زیادتی نہ ہوگی؟ اور اس زیادتی سے مسلمان متاثر نہ ہوں گے۔

ہندوستان کا کاروبار زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ کھلی کسادبازاری سے مسلمانوں کے گھر کے گھر اور یہ آبادی کی آبادی تباہ ہو گئی؟ مسٹر جناح کو سمجھ لینا چاہئے کہ بہت سے ایسے مسئلے ہیں جو نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان جس طرح سیلاب تھا اور وبا بلا مذہب و ملت کے بغیر انسان کی جان نکال لیتے ہیں۔ اسی طرح اقتصادی ابتری اور کسادبازاری جب پھیلتی ہے تو سارے ملک کو تباہ کر ڈالتی ہے۔

آزادی کی دشمن ریاست کشمیر

ابھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ہر ریاست کو الگ الگ سبق نہیں مل جائے گا زندہ عوامی طاقت کو نہیں پہچانے گی اور نہ اپنے ہتھکنڈوں سے باز آنے کی۔ پہلی اپریل کو ریاست کشمیر نے ایک عجب وحشیانہ فرمان نکالا ہے۔ جو پولیس اور دوسرے سرکاری افسروں کو اس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ وہ ہر جلسے میں

اس بات کو دیکھتے رہیں کہ وہاں کوئی سرکاری ملازم، یا کسی سرکاری ملازم کا عزیز تو نہیں موجود ہے۔ اگر ہو تو ریاست کو اس کی اطلاع دیں۔

اس فرمان کی رو سے ہر سرکاری ملازم کو بتایا گیا کہ صرف اسی کا وفادار رہنا کافی نہیں ہے، بلکہ اس پر اپنے تمام عزیزوں کی ذمہ داری ہے۔ اور وفاداری کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ریاست کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ بلکہ ریاست کے موافق پروپیگنڈا کرنا بھی ضروری ہے۔

اس فرمان سے ریاست کتنی گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اپنے عزیزوں کا کوئی کہاں تک ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ برطانوی ہند ہی معلوم کتنے آئی سی ایس ہیں جن کے سگے بھائی آزادی کی لڑائی میں جیل بھگت چکے ہیں۔

یہ حکم خوب ہے کہ ریاست کے موافق پروپیگنڈا بھی کرنا چاہئے۔ جو ریاست کہتی ہے کہ اس حکم کے بعد موافق پروپیگنڈا کا کارگر ہو جائے گا۔ اسے شاید نہیں معلوم کہ اسے سات آٹھ سال پہلے برطانیہ کے وفادار خان بہادروں، انترمس العلما و شمس العلما [illegible] نے برطانیہ کو ذلیل کیا ہے اور کانگرس کو کتنی طاقت بخشی ہے۔

اس فرمان کے بعد پولیس ہر سرکاری ملازم کو دھمکاتی ہوگی کہ تمھارا فلاں فلاں عزیز ایک باغی اخبار پڑھتا ہوا پایا گیا ہے۔ کچھ دو تو نہیں تو ریاست کو خبر دی جاتی ہے — خوب گرم ہوگا رشوت کا بازار۔

راجکوٹ میں لیگی چنگاری

راجکوٹ کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے مسٹر جناح نے ایک بیان دیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو پریشد کی بنائی کمیٹی کا بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ اور ریاست کو مجبور کرنا چاہئے کہ وہ کمیٹی کو رعایا کا نمائندہ نہ تسلیم کرے۔

راجکوٹ کے عوام نے خود مختار حکومت کے لئے ایسی لڑائی لڑی ہے جو ہندستان کی تاریخ میں یادگار رہیگی۔ اس لڑائی کی تہ میں یہ اصول تھا کہ رعایا بڑی ہے یا راجہ۔ آخر میں ٹھاکر صاحب کے کئے کچھ نہ ہو سکا اور انھوں نے یہ سمجھوتہ کیا کہ دس آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو ریاست کا دستور اساسی طیار کرے۔

دستور کئی طرح کا ہو سکتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے جیسا روس کا ہے جس میں تمام اختیارات عوام کے ہیں اور ایسا بھی ہو سکتا ہے جیسا دستور اساسی ہند ۱۹۳۵ء کا ہے۔ جس میں انگریزی سرمایہ کا پوری طرح بچاؤ کیا گیا ہے۔ اس موقع پر دستور کی اچھائی برائی اس بات پر موقوف تھی کہ کمیٹی کے ممبر کیسے لوگ ہوتے ہیں۔

ٹھاکر صاحب نے وعدہ شکنی کر کے اپنے لوگوں کی کمیٹی بنا دی۔ اور اس کی تائید حاصل کرنے کو اقلیت کے حقوق کی حفاظت کی آڑ لی۔ پرجا پریشد نے اس کمیٹی کو نہیں تسلیم کیا، کیونکہ ظاہر تھا کہ ٹھاکر صاحب کی بنائی کمیٹی ایسا ہی دستور بنائے گی جس میں رعایا کو کچھ

ادکھلاوے کی چیزیں دیدی جائینگی مگر اصل طاقت ٹھاکر صاحب کے ہی ہاتھ میں رہیگی۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ پرجا پریشد کی قربانیوں سے کچھ حاصل وصول نہ ہوگا۔

مسلم لیگ نے ٹھاکر صاحب کی اقلیت نوازی کی ہاں میں ہاں ملادی۔ کیونکہ اسکو تو اس سے مطلب نہیں کہ رعایا کو کچھ مل رہا ہے یا نہیں اسکو تو مٹھی بھر پیٹ بھروں کے حلوے مانڈے سے غرض ہے۔

آخر گاندھی جی کے مرن برت نے ٹھاکر صاحب کی وعدہ شکنی توڑدی اور اب کمیٹی بنانے کا سوال اٹھا۔ ظاہر ہے کہ جبتک کمیٹی میں کم سے کم پانچ ایسے لوگ نہوں جو رعایا کو حق دلانا چاہتے ہوں تب تک پرجا پریشد کو اپنی جیت سے کچھ نہیں مل سکتا۔ یعنی وہاں کی رعایا کے حقوق نہیں بڑھ سکتے۔

گاندھی جی دو ممبر مسلمانوں میں سے اور ایک جمعیات میں سے لینے کو تیار تھے۔ مگر اس صورت میں پرجا پریشد کے صرف چار ممبر رہ جاتے تھے اسلئے انھوں نے جمعیات اور مسلمانوں سے اس بات کی خواہش کی کہ وہ عوام کے ابتدائی اصولوں کو مان لیں۔ مگر اسپر دونوں میں سے کوئی تیار نہوا۔

تیار نہونے کی وجہ یہ ہے کہ مسلم کونسل میں وہی لوگ با اثر ہیں جنکو ٹھاکر صاحب نے اپنا آدمی سمجھکر چنا تھا۔ یہ لوگ پرانے دیوان دربار والا اور وہاں کے سرکاری افسروں وغیرہ کے خزانچی بھی ہیں اسکے علاوہ لیگ نے بھی انکو خوب بھڑکایا۔

اسپر بھی اگر گاندھی جی ان ممبروں کو لے لیتے تو اسکا مطلب یہ ہوتا کہ پرجا پریشد کو کچھ نہیں ملا۔ اسکو پھر سے ستیہ گرہ کرنا پڑیگا ہم یہ دل سے چاہتے تھے کہ اس کمیٹی میں مسلمانوں کی نمائندگی ہوجائے مگر افسوس یہ ہے کہ راجکوٹ میں جو تھوڑے سے عوام ہیں ابھی وہ اتنے بیدار نہیں ہیں کہ انکا اثر امیروں کے حلقے تک پہونچے اسلئے امیروں کا حلقہ اپنے فائدوں کو بھول کر حقوق کے نام پر اپنے حقوق کی حفاظت کو نکالنا چاہتا ہے۔ جو ایسی صورت میں زیادہ بہتر ہو سکتے ہیں جبکہ ٹھاکر صاحب کے اختیارات باقی رہیں۔

گیا کی رہبری

بین الاقوامی حالت اتنی نازک ہے کہ لڑائی کا ڈر ہر وقت لگا ہے اور ہر وقت برطانیہ سے یہ ڈر ہے کہ وہ صوبائی وزارتوں کو نکما بناکر لڑائی کے لئے ہر قسم کی کھینچ ہندوستان سے ہتھیا کرے ان خطروں کو دیکھکر ہر جماعت، ہر پارٹی اس بات کی ضرورت سمجھ رہی ہے کہ ہندستان کی تمام انقلابی جماعتوں میں اتحاد کیا جائے۔ گیا کی آل انڈیا کسان کانفرنس نے اپنی قرار دادوں سے اس اتحاد کا راستہ صاف کردیا ہے۔ ان قرار دادوں میں کسانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ مزدور سبھاؤں اور پرجا سبھاؤں سے مل کریں۔ کانگرس سے مل کر کام کریں۔

اس نے کام کا ایک پروگرام بھی دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فیڈریشن کے مقابلے کے لئے ملک کو تیار کیا جائے۔ مقامی کسان سبھاؤں کے کام کو طاقت دی جائے، کانگرس کو کسانوں کے حقوق پورا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ کسان والنٹیر کور تیار کی جائے۔ مزدور … اور پرجا سبھاؤں کی جدوجہد کی ہمدردی میں جلوس نکالے جائیں۔

فرقہ پرستی اور کسان سبھائیں

اس وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے سب سے کارآمد تجویز یہ ہے کہ فرقہ پرستی کو مٹانے کے لئے مشترکہ اقتصادی سیاسی پروگرام اور اقلیت کے حقوق کی حفاظت پر زور دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ فرقہ پرستی مٹنے کی صرف یہی صورت ہے کہ کسان سبھائیں اور مزدور سبھائیں، پرجا سبھائیں اور شہری سبھائیں زور پکڑیں۔

سوکھے دھانوں میں پانی

کتنی خوشی کی بات ہے کہ اگر فسطائی دیوزادوں کو بھینٹ مل رہی ہے تو ایک فسطائی دیوزاد اپنی خونخواری پر خود ہی بھینٹ ہوا جا رہا ہے۔ مسولینی اور ہٹلر یوروپ کو نگل رہے ہیں چین کے میدان میں جاپان اپنے کیے کی سزا پا رہا ہے۔ کچھ دنوں سے چین ایسا جم کر لڑ رہا ہے کہ جاپان کو اپنی فوج بڑھانا پڑی اور چینی محاذوں پر جان توڑ لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مگر نتیجہ میں ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ اب تک چینی فوجیں بچاؤ کررہی تھیں مگر اب آگے بڑھ بڑھ کر لڑ رہی ہیں اور سیلاب کا پانی درندوں کو دباتی جاتی ہیں۔

شمالی چین میں چینی فوجیں صوبہ … ھینان میں کامیاب ہورہی ہیں اور … جنوبی چین میں … فوجوں نے چھاپے مار مار کر جاپانیوں کو دبا دیا ہے کینٹن تک … ایک بار تو چینی فوجیں کینٹن سے صرف دس میل پر رہ گئی تھیں اور اب بھی چالیس میل کے اندر ہی اندر ہیں۔

جزیرہ ہینان میں بھی فوجوں … جاپانیوں کو … ہے۔ … چین میں کیا کسی کے محاذ پر بھی چینی جیت رہے ہیں مختصر یہ کہ چین اب ہر طرف سے جاپان کو دبا رہا ہے۔

جتنا زمانہ گذرتا جاتا ہے چینی عوام بیدار ہوتے جاتے ہیں اور منظم ہوتے جاتے ہیں دوسری طرف جاپان کی مالی حالت بگڑتی جاتی ہے اور چین کی ساکھ بڑھتی جاتی ہے جسپر اسکو دوسرے ملکوں سے قرضہ مل جاتا ہے۔

چین میں جیسے جیسے عوامی طاقت بڑھتی جاتی ہے اس سے اور روس سے دوستی گہری ہوتی جاتی ہے کیونکہ روس بھی اس کوشش میں ہے کہ اتنی بڑی طاقت کو مٹنے سے بچاکر وہاں عوامی حکومت

اٹلی

البانیہ کمزور ملکوں کی منطائی طاقتوں کے ہاتھوں بربادیاں دیکھتے دیکھتے آنکھاہیں اتنی عادی ہو گئی ہیں کہ البانیہ کی بربادی پر ذرا حیرت نہیں ہوتی۔ البتہ دل سے ٹھنڈی آہیں اٹھتی ہیں کہ اس بنجر علاقہ کے بسنے والے غریب مسلمانوں نے کیا قصور کیا تھا جو آج وہ بھی ہندستانیوں کی طرح ایک خونخوار قوم کے غلام بن گئے۔

البانیا پر اٹلی کا سیاسی اور اقتصادی قبضہ پہلے ہی سے تھا اب باقاعدہ قبضہ کر کے اس نے کوئی خاص پھل نہیں پایا کیونکہ البانیا بنجر ملک ہے۔ اس کی صنعت اور پیداوار اٹلی کی کسی طرح مدد نہیں کر سکتیں۔

البانیا کی فوجی اہمیت بہت ہے۔ البانیہ پر قبضہ کر لینے کے بعد بحیرہ ایڈریاٹک کو اٹلی کی تنگ کی جھیل سمجھنا چاہیئے۔ اور اس پر قبضہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ یوگوسلاویا کا سمندری راستہ اب اٹلی کے رحم و کرم پر ہے۔ اور اٹلی کو اب تمام بلقانی ریاستوں کی طرف پاؤں بڑھانے کا موقع مل گیا۔

اسلام پناہ مسولینی مسولینی نے "اسلام پناہ" کا لقب اختیار کیا ہے تو اس سے پورا فائدہ اٹھائیگا۔

اٹلی نے البانیہ اسپین پر قبضہ کر لیا ہے۔ بلیارک کے جزیروں کو فوجی چوکیاں بنا چکا ہے۔ لیبیا میں اس کی فوجیں بکثرت موجود ہیں سسلی میں بھی اسکی فوجی چوکیاں ہیں۔ اس کے ساتھ ٹیونس، کارسیکا اور نائس کا مطالبہ ہے اگر اس کوشش میں بھی کامیابی ہو گئی تو سارا بحیرہ روم اس کے قبضہ میں آجائے گا۔ دوسری طرف حبشہ پر قبضہ کر کے وہ بحیرہ احمر کا مالک بنا ہی چکا ہے۔ اس لئے ادھر اسکا بحیرہ روم پر قبضہ ہوا اور ادھر ترکی، شام، عراق، مصر، الجیریا، مراکش سب اسکے رحم و کرم پر ہوں گے۔

شاید یہی ارادے ہیں اسلام پناہ کے۔

فرانس
البانیہ
ترکی
مراکش
ٹیونس
سسلی
شام
عراق
لیبیا
مصر
الجیریا
عرب
صحرائے اعظم
اریٹریا
سوڈان
حبشہ
اطالوی شمالی لینڈ

چلتے چلاتے

تماشائی

کانگرس ریاستوں کی مدد صرف اس لئے کر رہی ہے کہ اس کا سیاسی اثر بڑھ جائے۔ یہ بات مسلم لیگ اس دعوے سے بادلیل کہہ جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن مسلم لیگ کانگرس کو اکیلے میں پا گئی اور پوچھ بیٹھی اس کی کہ بتاؤ تم ریاستوں میں کیوں جا رہی ہو۔ یہ دونوں، پہلے اپنے اعلیٰ کمان کے پاس آنے سے پہلے آپس میں سکھیاں رہ چکی تھیں اس لئے کانگرس کو آنے بہانے بناتے بن نہ پڑا۔ اس نے چپکے سے کان میں کہدیا "اپنا سیاسی اثر بڑھانے"۔

یہ الزام بہت سخت ہے۔ کیونکہ عام طور پر سیاسی جماعتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اخلاق کے مراتب طے کریں۔ یعنی "فنا فی اللہ" جس میں دوسروں کا نام ہوتا ہے۔ اور "فنا فی العشق" جس میں کسی کا نام نہیں ہوتا

لوگ نہیں جانتے مگر مسلم لیگ برسوں "فنا فی اللہ" کے مرتبہ پر رہی ہے۔ تک ستیہ گرہ، سول نافرمانی، کھدر پر چلا۔ یہ سب کس نے کیا؟ لوگ کہیں گے۔ کانگرس نے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ کام کیا کس نے اور نام ہوا کس کا۔ انتہائی بلندی! مسلم لیگ نے ناکارہ اور بے عمل ہونے کے الزام سنے مگر ایک بار بھی اپنے ان کارناموں کو زبان پر نہیں لائی۔

اصل میں مرتبہ "فنا فی اللہ" تو یہ تھا کہ کانگرس کام کرتی خود اور نام کرتی مسلم لیگ کا۔ مگر کہاں سکت اتنی کانگرس میں کہ وہ پہونچے اس مرتبہ تک۔ جب یہ مرتبہ نہیں تو پھر "فنا فی العشق" ہی ہو جاتی۔ یعنی کام تو کرتی مگر ایسا چرا چھپا کر کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ حق ہے: "نیکی کر دریا میں ڈال"۔

شاید کچھ کم سمجھ لوگ کہیں کانگرس نے پیرپور رپورٹ اور وارد ھا اسکیم رپورٹ صرف اس لئے تیار کی ہے کہ مسلمانوں میں اپنا اقتدار بڑھائے۔ یہ ان کی ناسمجھی ہے ورنہ یہ کام "فنا فی اللہ" کے مرتبہ تک پہونچتے ہیں۔ لیکن ان کو کیا نظر آئیں گے جن کی آنکھوں پر پردے پڑے ہیں۔

آئیں لوگ اور سمجھیں کہ یہ اعمال کر تو رہی ہے مسلم لیگ خود لیکن سیاسی اثر بڑھا رہی ہے جہاں سمجھا کا۔

"ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"

باغی نعرے

(سلام مچھلی شہری)

~SLOGANS~

پیارا ہندستان آزاد — انقلاب زندہ باد !
ہو یہ ویراں گھر آباد — انقلاب زندہ باد !
یہ ظالم دشمن برباد — انقلاب زندہ باد !

انقلاب زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد !!

زنداں سے آیا پیغام — انقلاب زندہ باد !
توڑو زنجیروں کا دام — انقلاب زندہ باد !
کٹ مر کر، کر جاؤ نام — انقلاب زندہ باد !

انقلاب زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد !!

آتی آواز پکار — انقلاب زندہ باد !
زنجیروں کی ہے جھنکار — انقلاب زندہ باد !
سر پر ہے خونی تلوار — انقلاب زندہ باد !

انقلاب زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد !!

شعلے بڑھتے جاتے ہیں — انقلاب زندہ باد !
طوفاں اٹھتے آتے ہیں — انقلاب زندہ باد !
باغی گانا گاتے ہیں — انقلاب زندہ باد !

انقلاب زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد !!

واں پھانسی کے تختے ہیں — انقلاب زندہ باد !
واں خنجر ہیں نیزے ہیں — انقلاب زندہ باد !
ہم کے باغی نعرے ہیں — انقلاب زندہ باد !

انقلاب زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد !!

فرقہ پرستی یا طبقہ وارانہ جدوجہد
پاکستان کی اصل بنیاد

(عشرت علی صدیقی)

ہر سیاسی جماعت کو اپنے لئے ایک پروگرام مرتب کرنا ہوتا ہے اور اسی پروگرام کے مطابق وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے عملی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ مسلم لیگ نے بھی اپنے لکھنؤ والے اجلاس میں ایک پروگرام بنانے کی فکر کی۔ آزادی تو خیر سے رجعت پسند سے رجعت پسند جماعت تک کا نصب العین بن گئی ہے۔ لیکن مسلم عوام کو لیگ کے جھنڈے تلے اکٹھا کرنے کے لئے صرف یہی نعرہ کافی نہ تھا۔ اس لئے اس نے خالص اسلامی قسم کے نکتے بھی نکالے۔ اور اپنے کو اسلامی تہذیب، زبان (اردو)، اور کلچر کا حامی اور محافظ بتایا۔ اسی حمایت اور حفاظت کے زعم میں مسٹر جناح اور ان کے البیلے رفیق سکندر، مسٹر فضل الحق وغیرہ کانگرس کے "ظلم" اور ہندوؤں کی "زیادتیوں" کا رونا رونے لگے۔ یہ رونا ہنوز جاری ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔

اس طریقہ پر مسلم لیگ نے مسلمانوں کے مذہبی جوش کو غلط راستہ پر ڈال کر انہیں ان کے بنیادی مسئلوں، غلامی، غریبی، اور بیروزگاری سے الگ رکھا ہر بات میں مذہب کو ٹھونسنا اور اسلام کے نام پر متعلقہ حقوق کی حفاظت کرنا اپنا پیشہ بنالیا۔

لیگی لیڈروں نے مسلمانوں کے مسئلوں کا حل نکالنے کی آج تک کوئی کوشش نہیں کی۔ اور کرتے کیسے۔ اس لئے کہ اقتصادی مسئلوں کا سامنے آنا اور عوام کا ان کی طرف متوجہ ہونا فرقہ پرستی کے لئے موت کا پیغام ہے۔ اگر مسلم عوام کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کا اصل مسئلہ غریبی، اور غلامی ہے اور علیحدہ رہ کر اس کا کوئی حل نکلنا ناممکن ہے تو پھر وہ فرقہ پرست لیڈروں کے جال میں نہیں پھنس سکیں گے۔ اگر وہ یہ سمجھ جائیں کہ مسلمان سرمایہ دار طبقہ واری حیثیت سے سوائے عوام کا خون چوسنے اور ان کی گاڑھی کمائی سے چھچھے پنجے اڑانے کے ان کی بھلائی کا کبھی کوئی بنیادی کام نہیں کر سکتے تو پھر انہیں مسٹر جناح کی اس ذہنیت کا کھوکھلا پن معلوم ہو جائے جس کا کہ انھوں نے حال ہی میں مرکزی اسمبلی میں ہندستان اور انگلستان کے تجارتی معاہدہ پر بحث کے دوران میں مظاہرہ کیا۔ مسٹر جناح نے بھرے مجمع میں اعلان کردیا کہ ان کے نزدیک اس تجارتی معاہدے سے مسلمانوں پر کوئی خاص اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ اور ان کی پارٹی اس پر غیر جانبدار رہیں گے۔ گویا کہ مسلمانوں کے اقتصادی مسئلے کچھ اور ہیں اور ہندوؤں کے کچھ اور۔ اسلام، اسلام کا نعرہ لگاتے لگاتے یہ لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ مسلمان بھی اسی دنیا کے رہنے والے ہیں۔ ان کے بھی دو ہاتھ، دو پیر، دو کان اور ایک ناک ہے جیسے کہ ہندوؤں کے۔ ان میں بھی کوئی امیر ہے کوئی غریب۔ کوئی مزدور، کوئی کارخانہ دار، کوئی کسان، کوئی زمیندار جیسا کہ اور مذہبی فرقوں میں ہے۔

مسلم لیگ ابھی تک مسلمانوں کے لئے صرف ایک اقتصادی مطالبہ پیش کر سکی ہے اور وہ آبادی کے تناسب سے نوکریاں ملنے کا مطالبہ ہے۔ اس کا اثر صرف مسلمانوں کے اوسط طبقہ کے چند پڑھے لکھے نوجوانوں پر پڑتا ہے۔ لیکن اس میں بھی خالص اقتصادی رنگ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہی مسلم لیگ ایک طرف تو سارے ہندستان میں بڑھ بڑھ کر آبادی کے تناسب سے نوکریاں مانگ رہی ہے اور دوسری طرف حیدرآباد کے لئے پورے طور پر ذمہ دار حکومت تک نہیں برداشت کر سکتی۔

فرقہ پرستی اور اقتصادی مسئلوں کے اسی بنیادی تضاد کا نتیجہ ہے کہ مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈر حکومت یو۔پی میں کانگرسی حکومت کے لائے ہوئے زرعی بل کی مخالفت میں جان لڑائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ بنگال میں وہ انہی اصلاحات کا پرچار کر رہے ہیں۔ جیسے کہ یو۔پی کے کسانوں کا مفاد زمینداروں کے ساتھ ہی وابستہ ہے!

آجکل کی دنیا میں ہر طرف سرمایہ داری، گروہ اور پیداواری طبقہ میں جدوجہد ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں فرقہ پرستی کے لئے قدم جمانا بہت مشکل ہو رہا ہے اس لئے کہ دولت کی تقسیم میں کسی تبدیلی کا سوال اٹھنے سے مذہب، ملت، اور کلچر کی کھوکھلی تفریقیں ختم ہو جاتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے مسئلے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور طبقہ وارانہ جدوجہد سامنے آجاتی ہے۔ فرقہ پرستی اور طبقہ وارانہ جدوجہد کے اس اصولی تضاد پر پردہ ڈالنے اور بنیادی مسئلوں کی حقیقت سے منہ چرانے کیلئے مسلم لیگ نے اب پاکستان کا ڈھونگ رچایا ہے۔ اور میرٹھ کانفرنس میں نوابزادہ لیاقت علی خاں نے ہندستان کے ہندو ہندستان، اور مسلم ہندستان میں بانٹے جانے کا مطالبہ پیش کیا ہے۔

ہندستان کی اس تقسیم کا تخیل ۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے پیش کیا تھا۔ پھر ۱۹۳۲ء میں کیمبرج میں چودھری رحمت علی نے

سے باقاعدہ ایک پاکستان قومی تحریک کا نگ بنیاد رکھا لیکن ان دونوں حضرات سے بھی پہلے ہندستان کے وائسرائے لارڈ منٹو شبعہ ہندستان اور مسلم ہندستان کا خیال پیش کر چکے تھے۔

ظاہر ہے کہ ان کی اس تجویز کے پیچھے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کارفرما تھی اور آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ خود مسلم لیگ کے بعض حلقوں میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کی اس تجویز کا اتنا زیادہ پرجوش خیر مقدم نہیں ہوا جتنا کہ اسے اینگلو انڈین اخبارات نے اچھالا ہے۔

اس کی حمایت میں کہا یہ جاتا ہے کہ ہندو مسلم مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک کہ دونوں فرقے ایک ساتھ رہیں گے اس لئے دونوں کو ہنسی خوشی علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ کچھ لوگوں کو بلوچستان سرحدی صوبہ۔ کشمیر اور پنجاب میں اور مشرق میں آسام اور بنگال میں اسلامی کلچر کی گنگناتی ہے اور اس کے بقا اور تحفظ کیلئے وہ ان علاقوں کو بقیہ ملک سے الگ کر لینا چاہتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک آجکل کے سب سے بڑے مسائل یہی دو ہیں۔ اور ان کا حل نکالنے کے لئے وہ ہندستان کی سالمیت تک کو قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔

فرقہ پرست رجعت پسند جماعتوں کا کلچر اور مذہب کا علم دار ہونا ایک نادلچسپ بات ہے۔ جیسا کہ لینن نے کہا تھا یہ لوگ مذہب کو افیم کی طرح استعمال کرتے ہیں اور عوام کو اس کے نشہ میں بے ہوش کر کے انھیں بنیادی مسئلوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں دیتے۔

اب رہا ہندو مسلم جھگڑوں کا مسئلہ تو ابھی تک اس کے حل کرنے کی کوئی صحیح اور معقول کوشش ہی نہیں ہوئی جو یہ کہا جا سکے کہ یہ مسئلہ حل ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مسلم لیگ کی طرف سے ان جھگڑوں کو حل کرنے کی کوشش سے زیادہ اس بات کی سعی ہوتی رہی ہے کہ فرقہ وارانہ تعصب کو اور بڑھایا جائے تاکہ ہندو مسلم فساد ہوں اور اس طرح کانگریسی حکومتوں کو بدنام کیا جا سکے۔

واردھا اسکیم

(مفتاح الدین ظفر)

(گورنمنٹ ہائی اسکول پیپلیا وکلی)

(پہلی قسط ——— پورا مضمون تین قسطوں میں)

واردھا اسکیم یا تعلیم جدید کے بنیادی اصول سمجھنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ ہری پورہ کے ایک اہم رزولیشن کا ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے۔

"کانگریس نے ۱۹۲۰ء سے لیکر اب تک برابر قومی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا ہے اور تحریک نان کوآپریشن کے زمانہ میں کانگریس کے ماتحت بہت سی درسگاہیں عالم وجود میں آئیں۔ کانگریس خیال کرتی ہے کہ عوام کو تعلیم دینے کے لئے ایک باقاعدہ مستقل تحریک کی سخت ضرورت ہے اور اسکی رائے ہے کہ تمام قومی ترقی و بہبودی کلی طور پر قوم کی تعلیم و تربیت نیز طریقہ تعلیم و مقصد تعلیم پر منحصر ہے۔ ہندستان میں موجودہ طریقہ تعلیم یقینی طور پر ناکام ثابت ہوا ہے۔ اسکے مقاصد کہنہ ہو چکے ہیں اور اس سے صرف معدود چند لوگ فیضیاب ہوتے ہیں۔ ہندستانیوں کی ایک کثیر جماعت ان پڑھ اور جاہل رہجاتی ہے اسلئے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ قومی تعلیم کی عمارت ایک نئی بنیاد پر استوار کی جائے جس سے تمام قوم کو فائدہ پہونچے۔ چونکہ کانگریس کو ملک کی خدمت کرنے اور اپنے تحت میں اسکی تعلیم پر اپنا اثر ڈالنے کے نئے موقعے مل رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ چند بنیادی اصول مقرر کئے جائیں جو اس قسم کی تعلیم کی رہنمائی کر سکیں۔ نیز اسکی بھی ضرورت ہے کہ ان اصولوں کے ماتحت کام کرنے کے لئے ضروری کارروائی کی جائے۔

کانگریس کا خیال ہے کہ پرائمری اور سکنڈری درجوں کے واسطے ایک ایسی تعلیم ضروری ہے جو کسی دستکاری پر منحصر ہو اور جو مندرجہ ذیل اصولوں کے تحت میں دیجائے۔

(۱) قوم کے سب بچوں کو سات سال تک مفت اور جبریہ تعلیم دیجائے۔

(۲) تعلیم مادری زبان میں دیجائے۔

(۳) زمانہ تعلیم میں تعلیم کسی خاص دستکاری یا صنعتی کام پر مبنی ہونا چاہئے اور جتنے بھی کام کئے جائیں یا دوسرے علوم میں دستگاہ بہم پہونچائی جائے وہ سب جہانتک ممکن ہو سکے اسی خاص دستکاری کے سلسلے میں حاصل کیجائے جو کہ بچے کے ماحول کو مدنظر رکھکر تجویز کی گئی ہو۔

لہذا کانگریس کی رائے ہے کہ ایک آل انڈیا ایجوکیشنل بورڈ (ہندستان کا تعلیمی ادارہ) قائم ہونا چاہئے جسکا کام یہ ہو کہ وہ اس صنعتی تعلیم کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین اور شری ای۔ آر نایاکم صاحبان سے درخواست کیجاتی

ہے کہ وہ اپنی سرکردگی میں اور گاندھی جی کی رہنمائی میں
اور ان کے مشورے سے فوراً ایک مجوزہ بورڈ قائم
کرنے کی تدابیر عمل میں لائیں تاکہ جلد از جلد ایک صنعتی
قومی تعلیم کا لائحہ عمل مرتب ہو سکے جسکے مطابق کام کرنے
کے لئے سرکاری یا غیر سرکاری تعلیم کے ذمہ داروں سے
سفارش کی جا سکے۔

مجوزہ بورڈ کو قدرت ہوگی کہ خود ہی اپنا نظام مقرر
کرے۔ خود ہی روپیہ پیسہ اکٹھا کرے اور خود ہی ایسے
کام کرے جو اسکے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری خیال
کئے جا سکتے ہیں۔"

غرض ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب امیر جامعہ ملیہ دہلی کی صدارت
میں ایک کمیٹی قائم ہوئی جس نے کانگرس کے مندرجہ بالا رزولیوشن
کے تحت میں ہندستان کی تعلیم کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور
موجودہ تعلیم کو ہٹاکر ایک نئی تعلیم کا لائحہ عمل مرتب کیا۔ اس کمیٹی
کے آٹھ ممبر تھے جن میں سے ایک ہمارے صوبے کے مشہور ماہر
خواجہ غلام السیدین صاحب سابق پرنسپل ٹریننگ کالج علیگڈھ تھے
اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۲ دسمبر ۱۹۳۷ء کو گاندھی جی کی خدمت
میں پیش کی۔ گاندھی جی نے اسکو منظور کر لیا تو شروع سال ۱۹۳۸ء
میں یہ رپورٹ شائع کر دی گئی اسی رپورٹ کا نام ذاکر حسین کمیٹی
کی رپورٹ یا "واردھا اسکیم" ہے۔ اسی کو کچھ لوگ "وردھا گاؤں کا
طریقہ تعلیم" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ رپورٹ چھ خاص
حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصے میں واردھا اسکیم کے بنیادی اصول
پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں کریکولم یا نصاب تعلیم اور اسکے
اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ تیسرا حصہ استادوں کی ٹریننگ
کے متعلق ہے۔ چوتھے حصے میں امتحانات وغیرہ کا مکمل تذکرہ ہے
پانچواں حصہ نئے اسکولوں کے "انتظام" کے بارے میں ہے۔
اور چھٹے حصے میں پورے سات سال کا مفصل نصاب (یا تقسیم تعلیم)
درج ہے رپورٹ کے آخری صفحہ پر ایک چارٹ بھی دیا گیا ہے جس میں
بچے کو مرکز تعلیم مانا گیا ہے اور تمام علوم و فنون کو اسکے چاروں طرف
مرتب کر دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح سب علوم ایک
دوسرے سے وابستہ ہوکر بچے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کس طرح
سب کا مقصد ایک ہے یعنی بچے کو تعلیم دینا۔ ایسی تعلیم جو اسکے
ماحول اور گھریلو زندگی سے اتحاد رکھتی ہو۔

واردھا اسکیم کے بنیادی اصول

رپورٹ کا پہلا حصہ اسکیم کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتا
ہے۔ موجودہ تعلیم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرکے ملک کو اسکی
خوش بختی کا احساس دلایا گیا ہے کہ اسکو گاندھی جی جیسی زبردست
ہستی کی لیڈری کا فخر حاصل ہے۔ پھر نئی تعلیمی اسکیم پیش کی گئی ہے
جس میں بتایا گیا ہے کہ بہترین ذریعہ تعلیم دستکاری ہے یعنی جیسا کہ بیشتر
ذکر کیا جا چکا ہے سات سال کے کورس میں کوئی خاص دستکاری
بچے کو سکھائی جائے اور سب مضامین اسی ایک دستکاری کے
کے سلسلہ میں پڑھائے جائیں۔ دستکاری کو خاص اہمیت دینے
میں کمیٹی نے کئی ایک وجوہات پیش کی ہیں۔

(۱) نفسیات کی رو سے بچہ کام میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔
دستکاری کی بدولت ایک طرف بچے کی فطرت کام میں لائی جا سکتی
ہے تو دوسری طرف بچہ اسکے ذریعے سے اپنے تجربہ کے عقلی اور عملی
پہلوؤں میں توازن قائم رکھ سکتا ہے۔ اور اس طرح اپنے دماغ
کی تربیت بھی حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) معاشرتی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے دستکاری کے ذریعہ
تعلیم اس زبردست خلیج کو پاٹ سکتی ہے جو عام طور پر تعلیم یافتہ
نوجوانوں اور معمولی پیشہ ور کاریگروں کے درمیان حائل ہے۔
عام طور پر تعلیم یافتہ اصحاب دستکاری کو اور اسکے ذریعہ روزی
کمانے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ظاہر ہے کہ یہ فرق ملک
کی ترقی میں سدراہ ہے اسلئے اسکو ختم کرنے کی اشد ضرورت ہے
اور یہ مجوزہ نئی تعلیم کے ذریعہ ہی دور ہو سکتا ہے۔

(۳) اقتصادی نقطۂ نظر سے خیال کیا جاتا ہے کہ نئی تعلیم اچھا
سامان تجارت بنانے میں بہت مدد دے گی جسکا نتیجہ لازمی طور پر
یہ ہوگا کہ کم وقت میں اور کم صرفہ سے عمدہ سامان تیار ہو سکے گا
اور ملک کے نوجوان اپنا فالتو وقت اچھے طریقے سے صرف کر سکیں گے۔

(۴) تعلیمی پہلو سے، دستکاری کے ذریعہ تعلیم سے بچے کی
گھریلو زندگی اور اسکولی زندگی میں ایک رشتۂ اتحاد پیدا ہو سکتا ہے
ایک طرف بچہ اسکول میں وہی باتیں سیکھ سکتا ہے جو گھر پر ہوتے
دیکھتا ہے اور دوسری طرف خود عملی کاموں کے ذریعے سے ایسی
تعلیم حاصل کر سکتا ہے جو اسکے لئے مفید ہے۔

اسی سلسلے میں دو ایک اہم باتوں پر اور بحث کی گئی ہے۔
مثلاً یہ دکھایا گیا ہے کہ اس تعلیم میں اور صرف دستکاری یا ہنر
سکھائے جانے میں بڑا زبردست فرق ہے۔ نئی تعلیم میں
سوسائٹی کا قابل فخر ممبر بننے کا زبردست راز مضمر ہے۔ ان
کے علاوہ ایک بات اور قابل غور ہے۔ نئی درسگاہیں جن میں
واردھا اسکیم کے مطابق تعلیم دی جائے گی۔ رفتہ رفتہ اس
قابل ہو جائیں گی کہ اپنا خرچہ خود برداشت کر سکیں۔ جو سامان
دستکاری ان اسکولوں میں بنایا جائے گا حکومت خود
مناسب قیمت پر خرید کرے گی اور اپنے طور پر اسکو فروخت
کرانے کا بندوبست کرے گی۔ اس طرح اس اسکیم کی رو سے ان
درسگاہوں کا چلانا آج کل کے اسکولوں کی بہ نسبت بہت کم خرچ ہوگا۔

کسانوں کے فائدے کے تین نئے قانون

بازار بل۔ کھیت یکجائی بل اور کسان بل

منتخبہ کمیٹیوں کے سپرد کر دیے گئے

زرعی بل کی دوسری خواندگی ختم ہو جانے پر یو۔ پی کی کانگرسی حکومت نے اسمبلی میں کسانوں کے فائدے کے تین نئے قانونوں کے مسودے پیش کئے۔

ان کے نام بازار بل۔ کھیت یکجائی بل۔ اور کسانوں اور مزدوروں کا قرضہ گھٹانے کا بل۔ ہیں معمولی بحث کے بعد تینوں بل منتخبہ کمیٹیوں کے سپرد کر دئے گئے۔

نوکری بل کی بھی مخالف پارٹی کی ہائے و بکا کے باوجود تیسری خواندگی ختم ہو گئی۔

۱۳ اپریل کو یو۔ پی اسمبلی میں سر جوالا پرشاد نے بنارس میں ہندوؤں پر ۴۲ گھنٹے کا کرفیو آرڈر لگائے جانے پر بحث کرنے کے لئے ایک تحریک التوا پیش کی۔ ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ مخالف پارٹی تک کا کوئی آدمی ان کی حمایت کرنے نہیں کھڑا ہوا۔

اس کے بعد آنریبل ڈاکٹر کاٹجو نے بازار بل پیش کیا اس کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جب کسی علاقہ کو "بازار کا علاقہ" قرار دیدیا جائے گا تو اس علاقہ کی بازاروں کی جانچ کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے گی۔ اور اس بل میں موجودہ بازار بھی شامل ہوں گے۔ یہ کمیٹیاں فی الحال حکومت ہی کی طرف سے مقرر کی جائیں گی۔ اور بازار بل میں کھیتی کی پیداوار کے علاوہ ہڈی۔ چمڑا۔ کھال اور اس قسم کی اور سالانہ پیداوار بھی شامل ہوں گی۔

اپنی تقریر میں زمینداروں کی کمیٹی شامل کئے جانے پر انھوں نے کہا کہ زمیندار ڈیڑھ سو برس سے آرام طلبی کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور صرف اپنی بھلائی کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر وہ دیہی زندگی میں تھوڑی سی دلچسپی بھی لیں تو وہ اصلاح میں بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

وزیر مال آنریبل مسٹر رفیع احمد قدوائی نے کھیت یکجائی بل پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس بل میں کھیت یکجا کرنے کے دو طریقے رکھے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کاشتکار خود ہی کھیتوں کو یکجا کرنے کی کارروائی کرے، اور دوسرے یہ کہ جس کاشتکار کی زمین گاؤں کے ایک تہائی کے برابر یا اس سے زیادہ ہو وہ کھیت یکجا کرنے کی درخواست دے۔

راجہ جگدیش دیال سیٹھ نے کہا کہ زمینداروں کو بھی کھیت یکجا کرنے کا حق ملنا چاہیئے۔

کپتان بابا کاک نے ترمیم پیش کی کہ کمیشن ایجنٹ کے کمیشن کے صرف ایک حصہ پر ٹیکس لگایا جائے۔ جواب میں ڈاکٹر کاٹجو نے کہا کہ یہ ٹیکس منافع پر نہیں بلکہ نوکری پر ہے خواہ وہ نوکری کسی قسم کی ہو ۱۴ اپریل کو اسی قسم کی اور بھی کئی ترمیمیں پیش کی گئیں لیکن ڈاکٹر کاٹجو نے اسی دلیل سے انھیں رد کر دیا۔ بل کو اور واضح کرنے کے لئے حکومت نے بھی کئی ترمیمیں منظور کرائیں۔ اور دوسری خواندگی ختم ہو گئی۔ اسی دن اس بل کی تیسری خواندگی بھی ختم ہو گئی

قرضہ کا قانون

۱۸ اپریل کو یو۔ پی اسمبلی میں کسانوں اور مزدوروں کا قرض گھٹانے کا بل منتخبہ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ بل کی تشریح کرتے ہوئے آنریبل وزیر مالیات نے بتایا کہ اس سے کسانوں اور مزدوروں کے قرض کی شرح سود گھٹا کر ضمانتی قرضہ پر ۵ فیصدی اور غیر ضمانتی پر ۶ فیصدی کر دی جائے گی۔ اس بل میں کسانوں کے دو درجے رکھے گئے ہیں۔ ۱۔ وہ کسان اور زمیندار جو پانچ سو روپیہ سالانہ سے زیادہ لگان یا مالگذاری نہ دیتے ہوں اور ۲۔ جو ایک ہزار سے زیادہ لگان یا مالگذاری نہ دیتے ہوں۔

اس بل کے اغراض و مقاصد کے بیان میں بتایا گیا ہے کہ کسانوں کی مالی حالت درست کرنے سے پہلے ان کے اوپر سے قرضہ کا بوجھ ہلکا کرنے کی ضرورت ہے۔ پچھلے قانونوں سے یہ بات نہیں ہو سکتی ہے اور اسی لئے یہ بل پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا اطلاق صرف یکم جنوری ۱۹۳۲ء کے پہلے کے قرضوں پر ہوگا۔ اس کی رو سے قرضدار کو چھوٹ کی درخواست نہیں دینا پڑے گی بلکہ خود قرض دینے والے کو بل کے مطابق سود کم کرنا ہوگا۔ اور عنقریب ہی حکومت ایک دوسرا قانون پیش کرے گی جس کی رو سے ایک مقررہ رقبہ کی زمین کو قرض کی ادائگی کے لئے نیلام ہونے سے مستثنیٰ کر دی جائے گی۔

اسلام کا سب سے بڑا دشمن

۱۰ اپریل کو کاسابلانکا (اسپین) کے مسلمانوں نے نماز جمعہ کے بعد جرمنی اور اٹلی کے خلاف بہت زبردست مظاہرے کئے۔ راستہ میں وہ لوگ اٹلی اور جرمنی سے بیزاری کے نعرے لگاتے گئے اور اٹلی کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا۔

مجمع اطالوی قونصل خانہ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ پولیس نے راستہ روک کر اس کو منتشر کر دیا بعد میں ان لوگوں نے مسلم ملکوں کے ساتھ اٹلی کی پالیسی اور خاص کر البانیہ پر قبضہ کر لینے کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے اپنا ایک وفد حکومت کے پاس بھیجا۔

مسولینی خدا کا سب سے بڑا دشمن

سیریا (شام) لبنان کے شہروں اور اور دمشق میں البانیہ پر مسولینی کے قبضہ کر لینے کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہوئے امیہ کی ایک مسجد سے نماز جمعہ کے بعد مسلمانوں نے ایک بڑا جلوس نکالا راستہ میں ان لوگوں نے "اللہ ایک ہے اور مسولینی اس کا دشمن ہے" کے نعرے لگائے

روس کے پردار اسپتال

سوویٹ روس کے دور دراز علاقوں میں طبی امداد کے لئے ہوائی جہاز استعمال کئے جا رہے ہیں۔

ان پردار اسپتالوں کے ذریعہ ہر سال لاکھوں آدمیوں کا علاج کیا جاتا ہے انہیں ہر قسم کا جراحی کا سامان بھی موجود رہتا ہے اور اسپتالوں کے ڈاکٹر کسی علاقہ سے بیماری کی خبر پاتے ہی روانہ ہو جاتے ہیں اگر طبی امداد کی فوری ضرورت ہوئی اور اس علاقہ میں ہوائی جہاز اتارنے کے لئے کوئی مناسب جگہ نہ ملی تو ڈاکٹر مع اپنے سامان کے بڑی بڑی چھتریوں کو لیکر ہوا میں اترتے ہیں چھتری

اور انکی جانماز پر حملہ اور دھاوے کی خبریں آرہی ہیں صرف جرمن زبان کا استعمال یا سفید موزے پہننے پر برابر تاڑ کیا جاتا ہے

یہ خبر تھی کہ رومانیہ نے روس سے وعدہ کر لیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر روسی فوجوں کو اپنے حدود کے اندر سے گذرنے کی اجازت دیگا۔ جس میں اسکی تردید کر دیگئی ہے لیکن جو لوگ رومانی۔ روسی سرحد سے آئے ہیں انکا کہنا ہے کہ رومانیہ کی فوجیں اس سرحد سے ہٹا دیگئی ہیں۔

بسارابیا میں جرمن پروپیگنڈا جاری ہے جرمن اقلیت کے مظاہرے کی وجہ سے ٹاروٹائن میں کچھ گرفتاریاں بھی ہوئی ہیں۔

پھر وہی ٹوئنس اور کار سیکا

قوت بازو پر اٹلی کا اعتقاد

اٹلی کی فاشسٹ گرانڈ کونسل کے جلسہ میں البانیہ کا تاج شاہ ایمونیل کو دینے کے بعد ۵ ہزار کے ایک مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ماڑزینی نے کہا کہ حال کے واقعات سے اٹلی کی مرضی اور قوت بازو پر اسکا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے۔

"دنیا سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ہمارے راستے کے زبردست کام میں ہمیں تنہا چھوڑ دے" ان الفاظ کا ٹیونس کو اور کارسیکا کو کے نعروں سے استقبال کیا گیا۔

آئرلینڈ برطانیہ کا ساتھ نہیں دیگا

ڈی ویلیرا کی طرف سے غیر جانبداری کا اعلان

آئرلینڈ کے صدر مسٹر ڈی ویلیرا نے اینس میں تقریر کرتے ہوئے کہا "آئرلینڈ کی حکومت کی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ لڑائی چھڑ جانے کے بعد اپنی غیر جانبداری قائم رکھی جائے۔

[illegible] آئرلینڈ کی [illegible] مدت [illegible] اللہ رکھنا چاہتے [illegible]

[illegible] ایسا [illegible] ہوتا ہے کہ اب صرف خدا کا رحم ہی سب کو ایک نئی لڑائی سے بچا سکتا ہے جو پچھلی لڑائی کے مقابلہ میں بہت ہی [illegible] اور تباہ کن ہوگی۔ لڑائی چھڑ جانے پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسکا نتیجہ کیا ہوگا

مختصر خبریں

ہندستان اندر

۱۷ اپریل کو کلکتہ سے ۶۶ میل دور پر نارتھ بنگال ایکسپریس اور ڈھاکہ میل میں تصادم ہوگیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس حادثہ میں ۳۰ آدمی مرے اور بہت سے زخمی ہوئے ہیں

شری رام سرن شکل پروپیگنڈا سکرٹری انجمن مدرسین ضلع بارہ بنکی اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن کا آئندہ سالانہ جلسہ ۳ و ۴ مئی کو ہڑہا ضلع بارہ بنکی میں ہوگا۔

حکومت بمبئی نے دیہات اور قصبوں کے پرائمری مدرسوں کے مدرسین کے لئے درسی تعلیم کا انتظام کیا ہے۔ دیہات کے مدرسین کی پڑھائی اپریل سے شروع ہوجائیگی اور قصبوں کے مدرسین کی پڑھائی یکم جون سے شروع ہوگی۔

جرمنی کے ماہر اقتصادیات اور سابق صدر ریش بنک ڈاکٹر شاخت ۱۰ اپریل کو بغرض تفریح ہندستان آئے ۱۵ اپریل کو وہ بمبئی سے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ آیا وہ روئی خریدنے آئے ہیں انھوں نے کہا "اگر ہندستان روئی بیچنا چاہتا ہے تو اسے پہلی کرنا چاہئے نہ کہ مجھے"

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی تاریخ میں تبدیلی

ڈاکٹر ٹیگور کا تار گاندھی جی کے نام

گاندھی جی کی خواہش کے مطابق صدر کانگرس سبھاش چندر بوس نے ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی تاریخوں میں تبدیلی کر دی ہے۔

اب ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ۲۷ اپریل کے بجائے ۲۸ اپریل کو ہوگا اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا ۲۸ کے بجائے ۲۹ اپریل کو ہوگا۔

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور نے گاندھی جی کو یہ تار دیا ہے "میں خلوص کیساتھ آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ نوگاں ہی مسٹر سبھاش

ہندستان باہر

یوروپ میں امن قائم کرنے کے لئے روس اور برطانیہ میں جو گفتگو ہو رہی ہے اسکے سلسلے میں روسی سفیر مقیم لندن ماسکو بلائے گئے ہیں

---

۱۸ اپریل کو چین کے سپہ سالار مارشل چیانگ کائی شک نے ایک انٹرویو میں کہا کہ موجودہ صورت میں مشرق بعید میں امن کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ چین کی لڑائی سے جاپان کی طاقت دوسرے نمبر کی رہ جائے گی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ لڑائی کے اخراجات نہیں برداشت کر سکے گا۔

جبرالٹر اور بحر روم میں ۱۷ اپریل تک فرانس کے ۳۳ جنگی جہاز بھیجے جا چکے ہیں۔ برطانیہ کا تقریباً سارا بحری بیڑا مالٹا کے ارد گرد ہے۔

جرمنی سے اسلحہ کی ایک بڑی تعداد اسپین کے شمالی مغربی ساحلوں اور ہوائی جہازوں کے اسٹیشنوں پر بھیجی گئی ہے۔

اسپینی مراکش میں بھی قلعہ بندی بہت تیزی سے ہو رہی ہے۔

حکومت یونان نے یونانی قونصل مقیم اسکندریہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ ۱۸ برس سے ۴۸ برس تک عمر کے تمام یونانیوں کو جو مصر میں رہتے ہیں فوجی خدمت کیلئے تیار رکھیں۔

اندازہ ہے کہ اس طرح سے یونانی فوج میں ۱۰ ہزار سے ۱۲ ہزار تک آدمی بڑھ جائینگے بہت ممکن ہے کہ لڑائی چھڑ جانے پر مصر کے یونانیوں کی فوج مغربی ریگستان میں مقرر [illegible] کی جائے گی۔

یونان کے جنوب میں بحر ایجین کے ڈوڈیکانیز کے جزیروں میں جنگی تیاریاں اور قلعہ بندی کا کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔

یونان نے بھی البانیہ کی سرحد پر کافی تعداد میں اپنی فوجیں بھیج دی ہیں۔

۳ انھوں نے صدر کانگرس کو بھی اس قسم کا ایک تار دیا ہے۔

امیری کی بو

چودھری محمد علی

انگریزوں کے راج کے پہلے علاوہ شہر اور گاؤں کے قصبات کی بھی ضرورت تھی، دارالسلطنت یا ایسے بڑے بڑے مقامات کی زندگی جہاں درباری امرا صوبہ دار وغیرہ رہتے ہوں، بہترین قسم کے لوگوں کو پیدا کرنے کے مناسب نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ دولت کے عیوب نسل اور تربیت دونوں کے دشمن تھے، عیش پسند اور حکومت پر شرافت اور عمدہ تربیت سب قربان ہو جاتی تھیں، درباری چالبازیوں ریشہ دوانیوں کی وجہ سے نہ خاندانی روایات باقی رہتی تھیں۔ نہ ایمانداری اور راست بازی۔ بڑے بڑے مدرسے تو تھے نہیں جہاں بورڈنگ ہاؤس میں سب کو ایک طرح رکھا جائے، ہر گھر کی تربیت الگ تھی اور وہ شہر میں آ کر خاک میں مل جاتی تھی۔

دیہات میں لوگ اپنی کھیتی باڑی کے مشاغل میں پھنسے رہتے تھے، وہاں کی بھی آب و ہوا علمی ترقی اور دماغی ارتقا کے خلاف پڑتی تھی، اسی وجہ سے زمانے نے قصبات کو پیدا کر دیا تھا۔ ان کے وجود میں لانے کے لئے کسی بڑے عالی دماغ نے پہلے سے کوئی نظریہ نہیں قائم کیا تھا، بلکہ ضرورت کے موافق بلا کسی کوشش کے قصبات خود بخود پیدا ہوتے گئے۔ یہاں کی سرزمین عمدہ لوگوں کو پیدا کرنے کے مناسب تھی۔ درباری خوشامد۔ محلات کی بے عنوانیاں۔ عمال کی ترکیبیں۔ امرا کی سیاسی چالیں، عہدے داروں کی آپس کی اکھاڑ پچھاڑ۔ شاہزادوں کا اکثر عدیم گندا ہوا طرز زندگی سب سے پناہ تھی۔ نسل۔ علم۔ تندرستی۔ عالی دماغی۔ اصول اخلاق کی پابندی، ان سب کیلئے یہیں کی سرزمین مناسب ٹھہری تھی۔ شہر والے میں یہیں کے لوگ جا کر بادشاہ کو بادشاہی اور وزیروں کو وزارت سکھاتے تھے۔ اور خود بھی وہیں دولت کے استھان پر بھینٹ چڑھ جاتے تھے۔ ایک دو پشتوں تک کچھ خصوصیتیں باقی رہتی تھیں، اسکے بعد نمک کی کان میں پہونچ کر یہ بھی نمک ہو جاتے تھے اور قصبات سے نیا دستہ تیار ہو کر پہونچ جاتا تھا۔ ہندستان میں مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ شہر کا ہر بڑا خاندان کسی نہ کسی قصبہ کے سلسلہ پر فخر کرتا ہے۔ بوڑھوں کو مر جانے کا عارضہ ہے۔ جوانوں کو فرصت نہیں۔ بچوں کو معلوم نہیں۔ ورنہ آپ دیکھئے کہ ہر شخص اسی پر ناز کرتا کہ ہم قصبات کی پود ہیں۔ اسکے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی تو صرف یہی نہیں کہ وہ گھٹ کے اپنی قدیمی حالت پر پہونچ جائے۔ بلکہ بعد وہ تحت الثریٰ ہی کی خبر لاتی ہے۔ اور اسکی تباہی اور خرابی کی کوئی انتہا نہیں رہ جاتی۔ دولت جانے کے بعد بھیک مانگنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ علم کی جگہ ہٹ دھرمی لے لیتی ہے، اعتقاد کی جگہ وہم پرستی کو ملتی ہے۔ راست بازی دھوکہ دھڑی سے بدل جاتی ہے۔ عالی ہمتی بودے پن کا جامہ قبول کر لیتی ہے۔ شیریں بیانی کج بحثی کے سامنے دم بخود رہ جاتی ہے اور بڑے بڑے قاضیوں کی نسل میں صرف کرایہ کے گواہ رہ جاتے ہیں۔ پھر بھی [illegible] سلاطین ترکی کی طرح کچھ باتیں گزشتہ عروج کا پتہ بتانے کو رہ جاتی ہیں، حمیدہ بانو بیگم صاحبہ اسی کا پلٹ کا اگر تمام باتوں میں نہیں تو بعض باتوں میں نمونہ تھیں۔ انکے والد بزرگ رؤسا میں تھے۔ بڑی جائداد کے مالک تھے۔ حسب نسب میں کوئی دوسرا خاندان انکا مقابل نہ تھا۔ انکی شیریں بیانی نرم کلامی پر شرافت کا سکہ بیٹھا تھا۔ دادا دہش کا یہ عالم تھا کہ جو پہونچ گیا پارس ہو گیا۔ خود تباہ ہو گئے مگر ان کے لواحقین اب تک دو ایک کور روٹی دیکر کھاتے تھے۔ ہائے دولت وائے دولت ہائے جلائے دولت۔ اگر یہ کمبخت پہلے ہی انکے دامن سے نہ چپٹتی یا بودی کو اسنے مونہہ نہ موڑتی تو یہ کہانی کہاں سے لکھی جاتی۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے اوہ جی ہمارا قورمہ کا پیالہ کہاں گیا ہے۔ ایک لڑکی ہے گو قسمت کی پھوٹی نکلی مگر اس کی بھی کٹ جائے گی۔ اسکی والدہ کے پاس ان گئے حالوں پر بھی اتنا زیور ہے کہ پشت در پشت آرام سے کٹ ہی جائے گی۔ ہم بوڑھی بوڑھے کو کرنا ہی کیا ہے۔ کوئی اولاد نرینہ بھی نہیں ہے جو جائداد بچانے کا خیال ہو۔

واقعی سچ کہتے تھے۔ ان دونوں آدمیوں کی تو اسی شان سے کٹ گئی۔ مگر ادھر انکی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر گھر میں جھاڑو پھر گئی۔ محل سرا کی مہاجنوں نے بکوالی۔ اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ بنو کا تنکا کھد گیا۔ حمیدہ بانو بیگم صاحبہ قریب ہی ایک ٹوٹے مکان میں رہنے لگیں۔ اساسہ زیور بھی جو سنا جاتا تھا کچھ بھی نہ نکلا۔ یہ پرانی باتیں ہیں جو بیان کر دی گئیں ورنہ قصہ تو اسکے برسوں بعد سے شروع ہوتا ہے۔ لکھا۔ اپنے ناظرین سے معافی مانگنا ہے۔ کہ اس قصہ کی ہیروئن خلاف امید اور خلاف روایات قصہ نویسی کوئی پچاس پچپن برس کی عورت ہے۔ گو قصہ میں حمیدہ بانو بیگم صاحبہ کی صاحبزادی بھی موجود ہیں جو ہر طرح اس قابل ہیں کہ بہتر سے بہتر رومان نویس کی داستان میں ممتاز جگہ پا دیں مگر انکی کہانی ہمکو لکھنا نہیں۔ ہمکو ذرا ان بڑی بی سے کام ہے جنکی زندگی لاڈ پیار میں باپ نے تباہ کی۔ جب یہ کنواری تھیں تو بڑی بڑی جگہوں سے پیام آئے مگر ان کے والد نے ہر نسبت کو حقارت ہی سے دیکھا۔ انکو اپنے نسب کا کوئی و کیا ہی نہ دیا۔ وجہ اسکی یہ بھی تھی کہ کھلونے کھیلنے کا شوق ہر سن میں باقی رہتا ہے، کمسنی میں بے جان کھلونے آگے چلکر جیتے جاگتے کھلونوں سے دل بہلتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ بچے کھلانے میں بوڑھے بھی بچوں کی ایسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ بہر حال حمیدہ بانو بیگم صاحبہ کی شادی ایک غریب آدمی کے لڑکے کے ساتھ اس حکمت سے ہوئی تھی کہ ماں باپ کے جیتے جی لڑکی نگاہ کے آگے رہیگی۔ یہاں خیالات کی تکمیل آسان پڑتی۔ غریب آدمی کی محبت۔ بغیر تحفے تحائف کا پیار کیا دل پر بیٹھا۔ بعض امیروں کے گھروں کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ داماد غیر سمجھا جاتا ہے اور نوکر چاکر لواحقین جو محل سرا میں رہتے ہیں داماد کے خلاف ایک جیبی ہوئی سازش کر لیتے ہیں جس کی خبر مردانے میں پہونچے یا نہ پہونچے لڑکی کی والدہ کو ضرور ہوتی ہے اور اگر وہ خود حصہ نہ بھی لیں تو بھی جائز رکھتی ہیں۔ یہاں سونے میں

جتنا زیادہ سفر کروگے
اُتنا ہی زیادہ علم بڑھے گا
ہندوستان میں صدیوں سے جو علوم فنون
قدرتی مناظر جمع ہیں ان کے جاننے اور داد دینے
کی کسقدر زیادہ ضرورت ہے ہر نئے شہر کی سیر
آپکے دلوں میں بطور یادگار رہ جاتی ہے اِس سے
آپ کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج کل یہ کس قدر
آسان ہوگیا ہے۔ ریلوے آپ کیلئے سستا اور عمدہ و
آرام دہ سفر کا انتظام ہر جگہ کے لئے کرتی ہے۔
ریلوے
ہندوستان میں سفر کرنے کا سب سے سستا ذریعہ
R.R.K.

سہاگ یہ ہوا کہ داماد صاحب کو باہر رہنا پڑا تھا۔ فی صیکڑہ پچاس آدمیوں کو باہر رہنا ہوتا ہے۔ تجربات کا ٹھکرا بنانے کو کافی ہو گیا اور محل سرا میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں کہ دولہا میاں کے منہ میں بو آتی ہے گو کہ شوہر صاحب دانتوں کی خبر اچھی خاصی لئے رہتے تھے اور زیادہ تر اسیو جہ سے یہ بات لوگوں کو معلوم بھی ہوئی تھی مگر میاں بی بی کا سلوک بگڑنے لگا۔ خیر یا شیر یا بدنام ہوئی شوہر صاحب کے دل کا اثر جاتی کی اصل وجہ تو یہ ہوئی کہ ان کے ہونٹ بہ مزہ مدت سے زیادہ موٹے تھے۔ اسپر غضب یہ ہوا کہ گنگنا نکلنا شروع ہوا۔ اسیو جہ سے یا قدرتاً آواز بھی خوش آئند نہ تھی۔ معلوم ہوتا تھا حلق سے بولتے ہیں۔ بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبزادی صاحبہ میکے بیٹھ رہیں کم جانے لگیں۔ اور اگر جاتی ہی تھیں تو جلد واپس آتی تھیں۔ رفتہ رفتہ بات بڑھی کہ شوہر صاحب پنا بوریہ بستر باندھ کر چل دیئے۔ اب کیا تھا صاحبزادی مستغیثہ ہو گئیں اور شوہر صاحب ملزم قرار پا گئے۔ اور گھر بھر کے آدمی اندر باہر ہاری باری مستغیثہ کے گواہ اور مستغیثہ کے مختار بن گئے۔ ملزم مغرور کی وکالت کون کرتا جتنک ماں باپ جیتے آئندہ روند اعزا اقربا ذکر جا کر دن سے داماد کی بیوفائی لڑکی کی بدقسمتی کا ذکر مختلف عنوان سے ہوتا رہا۔

اور اسنے ہمدردی کا اخراج وصول ہوا کیا۔ جب بڈھی بڈھے کی آنکھ بند ہو گئی تو آسمان ٹوٹ پڑا۔ ہمدردی کیسی نان شبینہ کے لالے پڑ گئے۔ حمیدہ بانو بیگم صاحبہ سے نہ صرف مکان جو ٹوٹا پھوٹا فقط تنا تھا چھن گیا۔ نہ نوکر نہ چاکر بھی چلتے پھرتے نظر آئے بلکہ رفتہ رفتہ سلائی پر بسر ہونے لگی پہلے بچوں کی ٹوپیاں کاڑھا کیں۔ کبھی کبھی اگر کسی نے کہا تو کنا ڈوکا انگرکھا بھی بنا دیتی تھیں۔ کچھ دنوں بعد جب ان چیزوں کا رواج بھی نئے فیشن نے مٹا دیا تو ایسی عورتوں کے موٹے جھوٹے کپڑے سینے لگیں جنکو یا تو خود سینا نہیں آتا تھا یا گھر کے کاروبار اور روزگار کی ضرورتوں سے فرصت نہ پاتی تھیں اور اس طبقے کی تھیں جنھوں نے درزی کو پوری سلائی دیکر سلوانے کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ گھوسیوں، کنڈے والیوں کی ٹول کی جھینک لگی نیلی کرتیاں جنمیں موڈ مونڈھے سفید چھپے کے ہوتے ہیں، چھوٹی قوموں کے بیاہ کے لہنگے۔ نینوں کے دوپٹے جنمیں لال، سبز چوڑی چوڑی پڑلاتے کی گوٹ لگی ہوتی ہے طیار کر دیتی تھیں لہنگے کی گوٹ کٹری کی ہر عورت نہیں جوڑ سکتی ہے۔ ذرا سی غلطی کاٹ چھانٹ میں ہوئی اور گوٹ اینٹھ گئی جھینک لگانے میں ذرا سی جھکی ڈھیلی ہوئی اور گھیرا لہنگا ایک طرف سے اونچا ایک طرف سے نیچا ہو گیا۔ اسی قسم کی سلائی تھی جو انکو ملتی تھی۔ ایک اور مشکل آن پڑی تھی۔ کتا ڈا اور بکھیں کا کام تو ایسا تھا کہ کھلے خزانے کیا جا سکتا تھا۔ اگر اڑوس پڑوس کی کوئی عورت آ بھی گئی تو کوئی حرج نہیں یہ اپنے کام میں لگی رہتی تھیں۔ کیونکہ یہ تو شریف زادیوں کا ہنر ہی تھا۔ گھوسیوں وغیرہ کے کپڑے سبکے سامنے سی نہیں سکتی تہیں۔ زروانے میں کنڈی دیکر سینے بیٹھتی تھیں اور اگر مہترانی ہی آ گئی تو جلدی جلدی سمیٹ کر ان کپڑوں کو چھپا دیا تب دروازہ کھولا۔ جمعرات کے فاتحہ کا کھانا آیا اور صدقے کی چیزیں بھی لے لیتی تھیں مگر بہت چھپا کر اور وہ بھی خاص خاص گھروں کی۔ جنکو جانتی تھیں کہ دم بھی نکل جائے گا تو بھی منہ سے نہ نکالینگے کہ ہمنے حمیدہ بانو بیگم صاحبہ کے ساتھ یہ مراعات کی۔ لکھنے والا اس جگہ ایک مشکل میں پڑ گیا ہے مثل ہے۔ "جھوٹے کے آگے سچا روئے" اگر سچ سچ لکھتے ہیں تو بات قرین قیاس نہیں رہی جاتی۔ اور اگر اپنے دل سے گڑھ کر

بناتے ہیں تو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہانی نہ بگڑ جائے۔ تن بتقدیر ہم وہی لکھیں گے جو ہمارے تجربہ میں آیا ہے کوئی یقین مانے یا نہ مانے واقعہ یہ ہے کہ خیرات کے کھانے نہیں سے بھی حمیدہ بانو بیگم صاحبہ جبتک کسی غریب کو دے نہ لیتی تھیں۔ خود نہ کھا سکتی تہیں یہی وجہ تھی کہ باوجود غریبی کی فلاکت کے اردگرد کی غریب عورتیں انکی گذشتہ ثروت کو بھولی نہیں تھیں۔ محترفہ کی عورتیں اسی طرح دانت ڈانتی تھیں اور انکا کام کرنیکو تیار رہتی تھیں۔ برادری کی خوشحال عورتوں پر بھی انکا رعب تھا اور کسیکی جرات نہیں ہوتی تھی کہ انکو کم نگاہی سے دیکھے۔ اس کی ممکن ہے ایک چھوٹی سی وجہ اور بھی رہی ہو وہ یہ کہ حمیدہ بانو ذرا کیا زبان کی اچھی خاصی سخت تہیں۔ برادری کی شادی غمی کی محفلوں میں انکے ادپر قیمتی پوشاک یا بیش بہا زیور کا اثر بالکل نہیں ہوتا تھا اور برادری میں جو جگہ انکی ہمیشہ سے تھی وہ آج بھی باقی تھی چاہے گھر میں فاقہ ہو۔ (اور اسکی نوبت اکثر آ جاتی تھی) مگر عزیزانہ برتاؤ میں کبھی فرق نہیں آنے دیتی تھیں شادی بیاہ میں نیوتہ ڈالی ان کے گھر سے دوسروں کے پہلے پہونچتی تھی چھٹی میں بچے کے کپڑے انکے گھر سے ایسے آتے تھے کہ ہر عورت کی نگاہ ان پر پڑتی تھی نئی نویلی دلہن کو دو دو مہینہ ہے پہلے بھیجتی تہیں۔ اور ان سب باتوں کے بعد ایک ایثار ایسا تھا جو ہر شخص میں نہیں ہوتا۔ یعنی برادری میں کسیکے یہاں کوئی تقریب ہو تمام کام اپنے ذمے لے لیتی تہیں۔ کھانا نکلوانا۔ جوڑے لگانا۔ دولہن کا زیور درست کرنا۔ رسم کی ادائی میں فرق نہ آنے دینا انکے حصہ کی چیزیں تھیں۔ غمی کے موقعہ پر مراسم سے واقف کاری کے علاوہ وہ بین ایسے کرتی تھیں کہ بڑے سے بڑا غم نویس شاعر دنگ رہجائے بہت دن ہوئے رانڈ ہو چکی تہیں مگر شوہر کے بین کرنا کسر کی بات تھی بوڑھی ہو گئی تھیں مگر منہ ڈھانپنے میں جنسی جذبات کی جھلک بین میں بھی آ جائے یہ شریف زادیوں کا شیوہ نہیں۔ ہمیشہ باپ کے بین کرتی تھیں۔ ادھر انھوں نے آنچل منہ پہ رکھ کر کہا "ملکیا! فقیرن بیٹی تمہاری داد پر سے صدقے ہوتی!" اور ادھر محفل میں کوک پڑ گئی۔ آواز کی نرمی الفاظ کی مناسبت کمسن منہ چڑانے والیوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ آنسوؤں سے خود منہ دھوتی تھیں مگر دل یہی چاہتا تھا کہ ابھی اور سنیں تو کلائی پہ ہاتھ رکھیں۔

حمیدہ بانو بیگم اگر اپنا ماٹو بالتعین لکھیں بنواتیں تو یقیناً وہ "رکھ رکھاؤ" رکہتیں۔ رکھ رکھاؤ ہر شخص صاف دل سے ملتی تھیں لیکن اسیکے ساتھ کسی نئی دولت والی نے اگر ان کے حفظ مراتب میں ذرا سی بھی کمی کی تو اللہ دے بندہ لے۔ بھری محفل میں وہ کھری کھری سناتی تہیں کہ کمسن مغرور لڑکیوں کے ہمیشہ کے لئے کان ہو جاتے تھے۔ سات پشتوں کا شجرہ بیان کر دیتی تھیں۔ جو جو نسبی خامیاں ہوتی تھیں انکو ایک ایک کرکے کھول دیتی تھیں۔ اور فوراً اٹھ کر اپنے گھر چلی آتی تھیں۔ لوگ خوشامدیں کرتے رہ جاتے تھے۔ مگر غنیم کو شکست دینے کے بعد پھر وہاں نہ رکتی تھیں۔ اور چلتے چلاتے آخری بار جو دشمن کو پامال کر دیتی تھی اکثر یہ ہوتی تھی۔

پھٹے کپڑوں میں خنداں مثل گل ہوں
شرافت کیا بہار بے خزاں ہے

شہروں میں یہ رسم اس حد تک نہیں رہ گئی ہے مگر قصبات میں ابھی تک خدمتی قومیں مثل نائی۔ دھوبی۔ درزی وغیرہ کے جو پشتوں سے خاندانوں میں لگے چلے آتے ہیں۔ روزمرہ کی خدمات اپنا فرض سمجھکر بجا لاتے ہیں۔ اور شادی یا دوسرے خوشی کے موقعوں پر جوڑے بانگے نقد وجنس پانا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

اور نذر کر دیتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ان کا عموماً مسکرا کر تسلیم کیا جاتا ہے اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ خوش ہو جائیں۔ جس گھر سے جیسا ملتا ہے ویسا ہی کام بھی لیا جاتا ہے۔ اور سیکڑوں برس کی مشق سے کچھ ایسا انتظام بن گیا ہے کہ "پرجون" اور "مہاجن" کے درمیان میں حقوق اور فرائض میں کبھی اختلاف ہوتے دیکھا نہیں۔

ایک روز کسی عزیز کے یہاں کچھ نذر نیاز کی مٹھائی بھیجنی تھی۔ حمیدہ بانو بیگم صاحبہ نے پڑوس کی کسی باہر نکلنے والی عورت ... اور جب سے نائن کو بلوا بھیجا وہ آ گئی تو دیر میں۔ حمیدہ بانو بیگم صاحب کے غصے کا پارہ پانی دیکھنے کا درجہ طے کر چکا تھا۔ صورت دیکھتے ہی برس پڑیں۔ خدا کی شان اب پرجون کے بھی یہ دماغ ہو گیا کہ بلاؤ تو آتے نہیں۔ موئی چڑیلوں کے جان پاؤں نکلیں دو چیزیں ہو گئیں بس اپنے آپے سے باہر ہو گئیں۔ فرعون کی بچیاں اپنے کو سمجھنے لگیں۔ ہزار غریب ہو گئے ہیں مگر تم ویسے بھر کر اب بھی ہیں۔ بس نکھٹو کام ہی لینا منظور نہیں، ہم دوسری لگا لیں گے۔ مری کیفیت کے بھی یہ مزاج ہو گئے۔ اللہ کی شان ہے۔

نائن "میری مجال پڑی ہے کہ آپ بلاویں اور میں نہ آؤں۔ آپکے گھر سے پیٹ پلا ہے۔ بڑے میاں کی دی ہوئی بارہ بیگھے حانی آج تک کھا رہے ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ آپ کے دشمن غریب ہوں۔ آج بھی آپ ہی کے یہاں سے پیٹ پلتا ہے تن ڈھکتا ہے۔ دیر اس وجہ سے ہو گئی کہ دوپٹہ بیتھڑا ہو گیا تھا۔ ایسا بھی نہیں رہ گیا تھا کہ سر پر ڈال کر باہر نکلتی۔ غریبی کا معاملہ بیگم صاحبہ آپ سے کیا چھپا ہے۔ میں نے کہا لاؤ جلدی جلدی سی لوں تو نکلوں ، اسی میں دیر ہو گئی۔ دیکھئے نا اتنا گاڑھا ہے کہ پتلا ہو گیا ہے۔ ایک پٹی الگ ہی ہو گئی سو اجو سر ڈھانکو تو کمر کھلتی ہے کمر ڈھانکو تو سر ننگا ہوا جاتا ہے۔"

حمیدہ بیگم ۔ تو یہ کہو نا لو دوپٹہ ہم دیتے ہیں۔ بیٹی سعیدہ اپنا دوپٹہ ہٹکو دو اور رقم کامدانی والا دوپٹہ نکالکر اوڑھ لو سفید دوپٹہ تمہارا اچھا بھی نہیں لگتا۔ بیچاری تمہارے ہاتھ کی دیکھنے والی تم نہ دوگی تو ان غریبوں کو کہاں سے ملیگا، وا ابھی یہ دوپٹہ دیتی ہوں، ابھی ایک ہی دھوپ پڑا ہے۔ تمہارے بہت دن چلے گا۔ اور ہاں بیٹی وہ کمخواب والا جھونکا خوان پوش بھی نکال لیتی لاؤ پاس جس میں ابھی بہشت کی گوٹ لگی ہے۔ میلا خوان پوش ڈالکر لیجائے گی تو جو دیکھے گا کیا کہیگا۔

نائن ادھر نکلی ادھر بیٹی نے کہا۔ اماں ڈوپٹہ آپ نے دیدیا۔ کامدانی کا دوپٹہ اوڑھ ڈالوں گی تو بوت کے پائجامہ پر کیا اوڑھ سینگے۔ اب کہاں سے آئیگا۔

خدا اور دے گا بیٹی۔ کوئی ضرورت تمہاری کبھی رکی رہی ہے؟ سب ہو جائے گا۔ ادھر جیسے ہی کچھ ہاتھ چڑھا سب کے پہلے تار منگا لینگے۔ چار دن کی محنت میں تو دوپٹہ تیار ہوتا ہے۔ تم کرنے کا ہے کو ہو۔ میں تو کہتی ہوں دوسرا دوپٹہ بن جائیگا۔ تم اسکو اوڑھو۔ ہائے بیٹا تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ ایسے ایسے دوپٹے تو ہم دیدیا کرتے تھے۔ خیر ہو کا وہ بھی زمانہ تھا یہ بھی زمانہ ہے، مگر کیا ہمارے دن پھر یہ لگے نہیں۔ بارہ برس کے بعد تو گھورے کے دن پھرتے ہیں۔ اور دے نہ دیتی تو کرتی کیا۔ دیکھتی نہیں تھیں۔ بیچاری ننگی تھی۔ نہ تمہاری نوکر۔ نہ چاکر۔ مگر ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے بیٹا بس لو یہی دنیا ساتھ جائے گا اور کچھ نہیں۔

صبح کا وقت ہے۔ ماں بیٹیاں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی ہیں۔ گھر یہ اتنا بڑا نہیں کہ چلئے بنے۔ اسوجہ سے باہر کا دروازہ ابھی نہیں کھلا ہے کہ چار کا وقت نکل جائے تو دروازہ کھولیں۔ پاس پڑوس سے کوئی آ ہی جائے تو کیا کہیگا انکے یہاں آج چاء نہیں بنی۔ ہانڈی سویرے ہی چڑھا دیجائے گی صرف دال اور روٹی تو پکنا ہے۔ سعیدہ اٹھیں۔ اور آگ جلائی۔ دیگچی میں پانی چڑھا دیا۔ آٹا گوندھا۔ اتنے میں کوٹھری سے ایک ہانڈی ہاتھ میں لئے ماں کے پاس آکھڑی ہوئیں۔ ہانڈی میں ہاتھ ڈال کر آدھی مٹھی دال نکالی۔ ہانڈی کا منھ ماں کی طرف کیا۔ اے لیجئے امی جان دال بھی تو نہیں ہے۔

حمیدہ بیگم نے سر اٹھایا۔ ہاں سچ تو ہے۔ اونہہ ہو گا۔ چٹنی سے کھا لینگے۔ تنے دھنیا بوئی تھی۔ دیکھو کیسی ہری ہری لگی ہے۔

لوگ کہتے ہیں جب زبان جھوٹ بولتی ہے تو چہرہ اسکو جھٹلا دیا کرتا ہے۔ اگر اسوقت آپ حمیدہ بانو بیگم صاحبہ کو دیکھتے تو آپ کی سمجھ میں آجاتا کہ ہاں ایسا ہو سکتا ہے اور یہ بھی جان لیتے کہ زبان دل کا راز چھپانے کے بھی کام آتی ہے۔ چٹنی سے اونہہ عجیب سے بے پرواہی سے کہا گیا تھا جس میں ایک خفیف مسکراہٹ کا بھی شک ہو سکتا تھا مگر سعیدہ کی پیٹھ ادھر ہوتے ہی نہ معلوم کیا کرب کے آثار ظاہر ہو گئے بیٹی باورچی خانہ کی طرف سر جھکائے جا رہی تھی مگر آنسو بھر جانے کی وجہ سے ماں شاید اسکو پوری طرح دیکھ نہ سکتی ہو۔ اتنے میں ایک بچے کی آواز آئی۔ اے اللہ ذری دروازہ کھول دیجئے بیگم صاحب نے کہا۔ سعیدہ کنڈی کھولدو شبو ہے۔

ایک لڑکی پانچ چھ برس کی کرتہ پائجامہ پہنے۔ ننگے سر گلے میں چاند کانوں میں بالے داخل ہوئی اور بہت جھک کر سلام کر کے تخت کے کونے پر پاؤں لٹکا کے بیٹھ گئی۔ کہو شبو اچھی ہو۔ تمہارے ماں باپ کہاں ہیں۔ حضور کی سلامتی مناتے ہیں۔ ابا تعلیم پر گئے ہیں۔ اماں کٹرے میں بیاہ ہے وہاں گئی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا میں حضور کو سلام کر آؤں۔ اللہ چھوٹی بیگم کو سلامت رکھے۔ سہرے کے پھول کہیں جلدی کھلیں۔ ہم بھی اسی کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ خدا وہ دن تو لائے۔ میں کپڑے پہنے بن رہوں گی کھڑے کھڑے رہتی ہوں حضور۔ حمیدہ بانو قہقہہ لگا کر۔ اچھا شبو اچھا ضرور پہننا۔ ہمارے ارمان نکلیں گے تو کیا تیرے نہ نکلیں گے۔

سچ ہے بطخ کے بچے کو تیرنا کس نے سکھایا

اتنے میں شبو چھوٹی بیگم کی طرف باورچی خانہ چلیں۔ پاس ہی دھنیا کی کیاری تھی اسکے کنارے ایک مکو کا درخت اوگا تھا۔ لال لال مکو سے گنگنا بنا تھا۔ مکو توڑ توڑ کر کھانے لگیں جب صاف کر چکیں تو دھنیا کی طرف مخاطب ہوئیں۔ نہایت بیدردی سے توڑ توڑ کر مٹھی میں اور مٹھی سے کرتے میں جمع کر لی گئیں۔ حمیدہ بیگم صاحبہ تاسف کی مسکراہٹ سے اور سعیدہ غصہ کی نگاہ سے دیکھا کیں مگر منہ سے کوئی نہ بولا۔ بی شبو دھنیا کھسوٹ چکیں تو بولیں "چھوٹی بیگم آپکے سایہ میں پروان چڑھیں۔ پھلیں پھولیں آباد ہوں، ہم لوگ اس گھر کے ہمیشہ کے نمک خوار ہیں۔ آپ سے پہلے پھل فصل میں دھنیا کی چٹنی آپ کے صدقے میں کھائیں گے"۔ اور اپنے گھر چلی گئی۔ سعیدہ نے روکھی روٹی لاکر ماں کے سامنے رکھدی۔ بیگم صاحبہ نے ہنس کر کہا۔ شبو بے کی ڈومنی ہے تو لایا ہوا۔ بیٹی ذری نمک ہی پیس لو۔

جیت کے بعد

بمبئی کی فونکس مل کی عورتیں جن کی دھمکی هڑتال سے مل کے افسروں کو رات بھر مل هی میں بند رهنا پڑا—
هڑتال ختم هونے پر عورتیں اپنی جیت پر مسکراتی هوئی باهر نکل رهی هیں

———:o:———

نوٹس خریداری غله برائے جیلخانجات لکھنؤ

بذریعه نوٹس هذا مشتهر کیا جاتا هے که سنٹرل جیل اور ڈسٹرکٹ جیل لکھنؤ کے لئے مندرجه ذیل تعداد پر غله خریدا جائیگا—جن کیلئے ٹنڈر درکار هیں جو مورخه ۲۷ اپریل سنه ۱۹۳۶ع بوقت ایک بجے دن غله کمیٹی کے سامنے کھولے جائینگے—ٹنڈر دینے والے اصحاب زر ضمانت قریب کے بنک یا خزانه میں جمع کرکے چالان ٹنڈر میں منسلک کردیں اور تاریخ مقرره پر ایک بجے دن کو کم از کم ۲ سیر غله بطور نمونه همراه لاکر کمیٹی کے روبرو حاضر هوں—ٹنڈر فارم سنٹرل جیل هذا کے دفتر سے ۸؍ قیمت مل سکتا هے—سپرنٹنڈنٹ جیل کو یه اختیار هو که وه ۲۰ فیصدی کم یا زیاده مقدار ذیل سے غله خریدیں—

تفصیل خرید غله

نام غله		برائے سنٹرل جیل	برائے ڈسٹرکٹ جیل	میزان	تعداد زر ضمانت
گندم	..	۷۱۰۰ من	۲۶۰۰ من	۱۰۰۰۰ من	۹۰۰ روپیه
چنا	..	۳۲۰۰ من	۲۱۰۰ من	۵۳۰۰ من	۵۰۰ روپیه
ارهر	..	۶۵۰ من	۲۶۰ من	۹۱۰ من	۸۰ روپیه
مسور	..	۱۲۰ من	۶۰ من	۱۸۰ من	۱۵ روپیه
سرسوں اوده	...	۱۰۰۰ من	۵۰ من	۱۰۵۰ من	۱۰۵۰ روپیه
					۲۵۴۵ روپیه

دستخط ایم-اے-جعفری
لفٹننٹ کرنل-آئی-ایم-ایس
سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل-لکھنؤ

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر صدق المطابع دلی پریس . لکھنؤ سے چھپوا کر بشمبھر ناتھ روڈ (سابق چرچ مشن اسکول) سے شائع کیا

جلد ۳—نمبر ۱۷ | کانگرس کا ھفتہ وار اخبار—لکھنؤ ۳۰ ایریل ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

مزدور تحریک کا نیا جزو

بمبئی کے ھوٹلون مین کام کرنے والے اپنے مطالبات پیش کرنے اسمبلی ھال جارھے ھین

صدر کانگرس جمادوبا میں

ایک طرف صدر کانگرس کے بھائی شری سدھیر چاندر بوس اور دوسری طرف مسز سدھیر چاندر بوس جنھوں نے صدر کانگرس کی بڑی تیمار داری کی۔کھڑے ھوئی

۲۹ اپریل

بتانا تبلاتے ہیں کہ جو جھگڑے صدارتی الکشن سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اب بیٹھ جائیں گے، اور مل کر کام کرنے کے راستے پھر نکل آئیں گے، اس وقت ملک اس بات کو نہیں دیکھ رہا ہے کہ سردار پٹیل سچے ہیں یا سوبھاش بوس۔ اور نہ اس بات کو دیکھ رہا ہے کہ سوبھاش بوس ہی صدر رہتے ہیں یا وہ استعفیٰ دیکر الگ ہوجاتے ہیں اور ان کی جگہ کوئی دوسرا شخص آجاتا ہے۔ ملک کی صرف ایک خواہش ہے وہ صرف درانہ آگے بڑھنا چاہتا ہے۔

ریاستوں کی سرگرمیاں دیکھئے۔ ریاستوں کی ہر لڑائی اصل میں فیڈریشن کی دھجیاں اڑا رہی ہے، برطانیہ کی جڑ کاٹ رہی ہے، اور ہندستان سے مطلق العنانی کا خاتمہ کر رہی ہے۔ کسانوں کی جد وجہد کو دیکھئے۔ گیا کی کسان کانفرنس جارحانہ عمل کے لئے بےچین ہو رہی تھی۔ اس کی قرار دادیں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ تمام انقلابی جماعتوں کو ملا کر ایک کرو اور پھر مل کر برطانیہ پر دھاوا کرو۔

صوبائی وزارتوں کی حدیں بھی اب آنکھوں کے سامنے آگئی ہیں۔ جو لوگ کل تک کہتے تھے کہ اس دستور کے اندر رہ کر بھی ہندستان کی ترقی ہو سکتی ہے، اب وہ بھی اس کی حدوں کو دیکھ رہے ہیں۔

فرقہ وارانہ مسئلوں کے اتنے پھیلنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس محدود دستور کے اندر رہ کر بیکاری اور غریبی کو پوری طرح نہ دور کیا جاسکتا ہے اور نہ دور ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ بیکاری کی کثرت کی وجہ سے اقلیتوں کو یہ دھوکا دینا ممکن ہو گیا کہ کانگرسی وزارت ملازمتوں کو اپنوں ہی میں بانٹ دیتی ہے۔ اور ملازمت ہی کے مسئلے نے "حقوق" اور "ظلم" کے پردے میں آکر رجعت پسند جماعتوں کا زور بڑھا دیا۔

ملک چاہتا ہے کہ بیکاری دور ہو، جہالت دور ہو نوجوانوں کو اپنے کمالات دکھانے کا موقع ملے۔ اور ملک سمجھ گیا کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مکمل آزادی مل جائے۔

سوبھاش بوس ایک جارحانہ پروگرام لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ جس میں فیڈریشن کی سخت مخالفت تھی اور برطانیہ سے آگے بڑھ کر لڑنا تھا۔ ملک نے اس کو بہت پسند کیا اور سوبھاش بوس کو صدر چن لیا۔

لیکن صدارت کے مسئلے نے کانگرس کے داہنے بازو اور بائیں بازو میں پھوٹ ڈالدی۔ داہنے بازو والوں کو خیال ہوگیا کہ صدر نے ہم پر رجعت پسندی کے الزام لگائے ہیں اور جب تک یہ الزام باقی ہیں، ہم صدر کے کابینہ میں کام نہیں کرسکتے ہیں۔ اس لئے وہ الگ ہوگئے۔ اس علیحدگی کا مطلب یہ تھا کہ اب کانگرس اس جارحانہ پروگرام پر عمل نہیں کرسکتی ہے۔

اس الکشن کو کسی وجہ سے گاندھی جی نے اپنے خلاف لے لیا اور اس لئے وہ بھی کانگرس میں عملی کارروائی سے الگ ہونے لگے۔ کانگرس کے لئے یہ ایک سخت دھکا تھا۔ کیونکہ گاندھی جی کی شخصیت برطانیہ کے لئے اب ایسی زبردست ہوگئی ہے کہ جو لڑائی ہم گاندھی جی کو لیکر ہفتوں میں جیت سکتے ہیں وہی لڑائی بلا گاندھی جی کے مہینوں میں بھی نہیں جیت سکتے۔

ملک نے پھوٹ کا یہ رنگ دیکھکر اپنا رنگ بدلا، اور سنپورنانند جی کی قرار داد پاس کردی اور اس کا منشا بھی یہی تھا کہ ملک کوئی عملی کام کرے۔ اور جس دلدل میں پھنس گیا ہے اس سے آگے بڑھے۔ اس تمنا کا سب سے اچھا اظہار قومی مطالبات والی قرارداد سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ فیڈریشن کو ختم کردیا گیا، ملک کی تمام انقلابی جماعتوں کو ایک کرکے آگے بڑھنے کی تجویز ہوئی اور کانگرسی وزارتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ انقلابی جماعتوں کو پھلنے پھولنے کا اچھا موقع دیں۔

افسوس یہ ہے کہ کچھ آپس کی رنجشیں اور صدر کی بیماری ایسی بیچ میں آگئی کہ ملک کا یہ حوصلہ ابھی تک نہیں نکل سکا اور اسی جارحانہ کارروائی کی کمی کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ وہ قومی غم وغصہ جو برطانیہ پر اترنا چاہیئے تھا آپس کی لڑائی اور فرقہ وارانہ جھگڑوں کی صورت میں نکل رہا ہے۔

اس وقت ملک کی کوئی ایسی انقلابی جماعت نہیں ہے جو دل سے یہ نہ چاہتی ہو کہ یہ آپسی جھگڑے جلدی سے ختم ہوجائیں اور کانگرس کی یہ جماعتیں مل کر برطانیہ سے لڑنے کے لئے آگے بڑھیں۔

پنتھ قرار داد کے بعد داہنا بازو مل کو تیار ہو گیا۔ اور اب سوشلسٹ اور کمیونسٹ بھی بہت بےچین ہیں کہ کس طرح یہ جھگڑے دور ہوں اور ہم آگے بڑھ نکلیں۔ حال ہی میں جے پرکاش نرائن (کانگرس سوشلسٹ

اور جوشی (کیمونسٹ) کا جو بیان نکلا ہے وہ اس کی پوری پوری تائید کرتا ہے۔

بین الاقوامی معاملات برابر بگڑتے جا رہے ہیں۔ اور ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ لڑائی کب چھڑ جائے گی۔ برطانیہ اس سرمایہ داری کی لڑائی میں ہندستان کو گھسیٹ لینے کی اسکیمیں تیار کر رہی ہے۔ اسی لئے دستور اساسی میں [illegible] تبدیلی کی جا رہی ہے اور ہندستان کی مرکزی حکومت کو اختیار دیا جا رہا ہے کہ وہ حسب ضرورت جیسے صوبائی حکومتوں کو دبا کر فوجی مدد ہندستان سے وصول کرے۔ برطانوی پٹھوؤں نے پھر پکارنا شروع کر دیا کہ لڑائی میں ہندستان برطانیہ کا ساتھ دے گا۔

ایسی حالت میں ہماری رائے ہے کہ جیسے ورکنگ کمیٹی بنائی جائے جس میں کانگرس کی ہر جماعت کے نمائندے ہوں۔ اور پھر آل انڈیا کانگرس کمیٹی کوئی عملی پروگرام تیار کرے جو ہم کو برطانیہ اور لڑائی کا مقابلہ کرنے میں مدد دے۔

راجکوٹ کی گتھیاں

راجکوٹ کی گتھی اتنی بڑھ گئی ہے کہ گاندھی جی اسکے سلجھانے سے مایوس ہو کر چلے آئے۔

اقلیتوں کی نمائندگی کا جھگڑا چل ہی رہا تھا کہ ٹھاکر صاحب نے قانونی پیچ لگانا شروع کئے۔ اور سردار پٹیل کے نامزد کئے ہوئے کمیٹی کے ممبروں کے ریاستی رعایا ہونے کا ثبوت مانگا۔ گاندھی جی سمجھ گئے کہ ٹھاکر صاحب اس قصہ کو دیوانی کا مقدمہ بنا دینگے جو مدتوں چلے گا اور پھر بھی اس سے حاصل وصول کچھ نہ ہوگا۔

گاندھی جی نے اس گتھی کے سلجھانے کی بہت سی ترکیبیں نکالیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر یہ سب معاملہ ٹھاکر صاحب پر چھوڑ کر چلے آئے۔ یہ خرابی کیسے پڑی؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ٹھاکر صاحب پر دباؤ ڈالنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ ستیہ گرہ بند ہو چکی ہے اور رعایا کی طاقت کو آپس کی پھوٹ نے ختم کر دیا ہے۔ دوسری طرف مسلم لیگ اور ڈاکٹر امبیدکر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے نام پر ٹھاکر صاحب کی ہمدردی کرنے کو تیار ہیں۔

گاندھی جی نے ٹھاکر صاحب کی بدعہدی کے خلاف اخلاقی لڑائی اٹھاتے وقت عوام کی سیاسی لڑائی بند کر دی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اخلاقی میدان میں سیاسی لڑائی بھی جیتی جا سکتی ہے۔

مگر اب اندازہ ہوتا ہے کہ کسی سامراجی طاقت کو توڑنے کو صرف اخلاقی طاقت کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ سیاسی اور عملی دباؤ ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر آج راجکوٹ کی ستیہ گرہ بند نہ ہو گئی ہوتی تو کوئی گتھی نہ پڑتی۔

ریاستوں کی دنیا

دوسری ریاستوں میں بھی حالات ایسی ہی ناگوار صورت اختیار کئے ہوئے ہیں جے پور کی ریاست نے ابھی تک اپنے سیاسی قیدی نہیں چھوڑے۔ ڈھنکنال نے اپنے سیاسی قیدیوں کے ساتھ اتنا برا برتاؤ کیا کہ وہاں ستر قیدیوں نے بھوک ہڑتال کر دی۔ کیونجھر کے راجہ نے ٹھاکر صاحب کی طرح اپنا عہد توڑ دیا۔ اور پھر رعایا کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں ہونے لگیں وہاں کی پرجا پریشد ابھی تک غیر قانونی ہے، جلسہ کرنے کے لئے ریاست کے باہر کی جگہ منتخب کرنا پڑتی ہے لمڈی کے راجہ، جو اپنی ریاست میں ذمہ دارانہ حکومت قائم کرنے کی شہرت حاصل کر چکے ہیں بدستور اپنی جابرانہ پالیسی پر قائم ہیں۔ وہاں کے کسان ظلموں سے بھاگ بھاگ کر آس پاس کی برطانوی سرزمین پر پناہ لے رہے ہیں، انکی تعداد سات ہزار تک پہونچ چکی ہے۔ اور برابر بڑھ رہی ہے۔

آخر کب تک ریاستوں کے عوام یہ ظلم سہیں گے؟ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سامنے یہ مسئلہ بہت اہم ہے اس پر غور کر کے کوئی عملی پروگرام تیار کرنا چاہئے۔

پنجاب کی کسان ستیہ گرہ

پنجاب کی کسان ستیہ گرہ برابر بڑھتی جا رہی ہے اور اب اکالی پارٹی نے بھی اس میں شریک ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

اس ستیہ گرہ کی ترقی نے سر سکندر کو گھبرا دیا ہے۔ وہی سر سکندر جنہوں نے کسانوں کے ایک وفد سے اس لئے ملنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس میں ایک غیر کسان بھی شریک تھا، اب ایک وفد سے ملے جس میں وہی غیر کسان شریک تھا۔

سر سکندر کی حکومت نے کئی بار اس بات کا اظہار کیا تھا کہ انکی حکومت زمینداروں کی حکومت ہے۔ لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے جب انکو سمجھنا پڑیگا کہ زمینداروں اور زمینداروں کی حکومت کا زمانہ اب گیا۔ اب کسانوں کی حکومت کا زمانہ آرہا ہے۔

عالمگیر لڑائی اور مسلمان

مسلمانوں کے لئے ایک سوچنے والی بات یہ بھی ہے کہ آنے والی لڑائی میں انکا رویہ کیا رہنا چاہئے۔ اگر اس لڑائی میں ایک طرف برطانیہ اور فرانس ہونگے اور دوسری طرف اٹلی اور جرمنی تو انکو کس کا ساتھ دینا چاہئے۔

اس مسئلہ میں مسلمانوں کو بڑے بڑے دھوکے دیئے جا رہے ہیں کچھ دن ہوئے مسلم لیگ نے چودھری خلیق الزماں کو جنرل فرانکو سے دوستی کرنے بھیجا تھا۔ کیونکہ فرانکو کی فوج میں کچھ مسلمان بھی تھے۔ پھر مسلمانوں کی بھلائی کے لئے مسٹر جناح نے فوجی بھرتی کا بل پاس

کرادیا، اور سر سکندر نے لڑائی میں برطانیہ کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ اب حال میں سر شفاعت نے اعلان کیا ہے کہ لڑائی میں مسلمان اٹلی کے خلاف برطانیہ کی مدد کرینگے۔

مسولینی کی اسلام پناہی کی حقیقت البانیہ کی لوٹ سے کھل چلی ہے۔ اور یہ بات بھی چھپی نہیں ہے کہ فرانکو مسولینی ہی کا ایک سایہ ہے۔ جو پالیسی مسولینی کی ہے وہی فرانکو کی سمجھنا چاہیئے۔ اگر اسی دلیل پر کہ فرانکو کی فوج میں مسلمان ہیں، فرانکو کی ہمدردی کرنا ہے۔ تو برطانیہ اور فرانس کی بھی مدد کرنا چاہیئے۔

برطانیہ کی اسلام دشمنی کو ڈھانکنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ اس نے اب تک جو کچھ کیا ہے اور اب جو فلسطین میں کر رہا ہے کسی پر چھپا نہیں ہے۔

اصل یہ ہے کہ برطانیہ ہو یا اٹلی دونوں نہ اسلام کے دوست ہیں اور نہ دشمن۔ دونوں کو اپنے نفعوں سے مطلب ہے۔ یہ جس ملک پر بھی بس چلے اس کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے مسولینی اسلام پناہ بنا۔ اور اسی لئے برطانیہ فلسطین پر ظلم ڈھا رہا ہے ہم اپنی مدد سے جس کو بھی مضبوط کریں گے، وہ طاقتور ہوکر اپنی لوٹ کو اور بڑھائے گا۔

ہم کس کے ہمدرد ہیں؟ غریب مسلمانوں کے، عوام مسلمانوں کے۔ اس لئے ہم کو ان کی طرفداری کرنا چاہیئے۔ ان کی سیاسی اقتصادی لڑائیوں میں مدد کرنا چاہیئے۔ اور سب سے بڑی مدد یہی ہوسکتی ہے کہ ہم سامراجی بھوت کو ماریں۔ یعنی ہندستان میں برطانیہ کی طاقت کو ختم کردیں۔

بین الاقوامی رسہ کشی

اٹلی اب تو لڑائی کی بدلیاں ہر طرف سے اٹھ اٹھ کر اس طرح گھر آئی ہیں کہ چھٹنے کے آثار ہی نہیں معلوم ہوتے۔ اٹلی نے البانیہ پر قبضہ کرتے ہی یونان کی حکومت سے چھیڑ نہ کرنے کا وعدہ کر لیا جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ ابھی اٹلی یونان ہی کو شکار کریگا۔ اور اس نے اسکی تیاریاں بھی شروع کردیں۔ ڈوڈیکنیس جو یونان اور ترکی کے بیچ میں اناطولیہ کے سامنے ایک جزیرہ ہے بہت تیزی سے فوجی چوکی بن رہا ہے گویا یونان پر دباؤ ہے کہ وہ اٹلی سے سمجھوتہ کرے۔ یونان کے علاوہ اٹلی کی نظریں اور دور تک جارہی ہیں۔ اسپین کی اطالوی فوج کے لئے یہ خبر تھی کہ میڈرڈ میں پہلی مئی کو پریڈ ہوگی اور اس کے بعد وہ فوجیں واپس آجائیں گی۔ لیکن اب پریڈ ۱۵ مئی کو کردی گئی ہے۔ برطانیہ اسپین میں اطالوی فوجوں کے رنگ ڈھنگ سے گھبرا کر جبرالٹر کو بہت مضبوط کر رہا ہے۔

جرمنی ہٹلر بھی اپنی ترکیبوں سے غافل نہیں ہے۔ جرمن اخباروں نے چلانا شروع کردیا کہ پولینڈ میں جرمن اقلیت کے ساتھ بہت برا سلوک ہو رہا ہے اور یہ بھی خبر ہے کہ جنوبی مغربی افریقہ میں جرمن پروپیگنڈے نے بہت بارود بچھادی ہے، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب وہاں ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا۔

کدھر کدھر؟ ان حالتوں کو دیکھکر مادام ٹیبوائس نے پیشین گوئی کی ہے کہ ڈکٹیٹروں کے حملے اب یوں ہوں گے۔ جنرل فرانکو جبرالٹر پر اور فرانسیسی پیرانیس پر حملہ کرے گا۔ اٹلی لیبیا اور ٹیونس پر اور بحیرۂ روم کی برطانوی فرانسیسی فوجی طاقت پر حملہ کرے گا۔ جرمنی ایک طرف ہالینڈ پر اور دوسری طرف سیلیسیا اور پولستانی سمندری راستہ پر حملہ کرے گا۔ یہ پروگرام بن چکا ہے۔

برطانیہ برطانیہ کا ڈکٹیٹروں کے مقابلہ میں جو حال ہے وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہری بچاؤ کی اسکیم کیلئے کمشنر مقرر کئے گئے ہیں۔ رسد کے لئے ایک وزارت بننے والی ہے جس کے بڑے بڑے اختیارات ہوں گے۔ دارالعوام میں تجویز آرہی ہے کہ حکومت کو قوم کے جوانوں اور قوم کے روپیہ پیسہ پر بڑے بڑے اختیارات دیدئے جائیں اور اسی سلسلہ میں دستور ہاسی سند ۱۹۳۵ء میں ترمیم کی جارہی ہے۔ خاص برطانوی اخباروں کا خیال ہے کہ چند مہینوں کے اندر امن ختم ہونے والا ہے۔

روزولٹ کی صدا امریکہ کے صدر نے ہٹلر اور مسولینی سے اپیل کی تھی کہ یہ لوگ وعدہ کرلیں کہ اب دس سال تک کوئی فساد نہیں کریں گے۔ اگر ڈکٹیٹر اس اپیل کو مان لیتے تو دنیا میں کچھ دنوں امن رہ سکتا تھا۔ مگر ڈکٹیٹر اپنے کنگال عوام کے دباؤ سے اس کے نہ ماننے پر مجبور ہیں۔ اٹلی نے بہت سختی سے اس اپیل کو ٹھکرا دیا۔ جرمنی بھی دو ایک دن میں یہی کرنے والا ہے۔

روس کی صدا روس بڑی بہادری سے آگے بڑھ بڑھ کر برطانیہ اور فرانس کو بلا رہا ہے کہ آؤ ہم ملکر امن کی چہار دیواری بنائیں مگر یہ دونوں ٹال مٹول کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کو نہ امن سے غرض ہے اور نہ چھوٹی ریاستوں کی حفاظت سے، ان کو اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔ اس لئے ان کو ڈر ہے کہ اگر روس سے میل کرکے ہٹلر کی جیت ہوئی تو اپنی تباہی۔ اور اگر ان کی جیت ہوئی تو بھی سوشلزمی خیالات کا اثر اتنا پھیل جائے گا کہ وہ جیت سرمایہ داری کو ختم کردے گی، یعنی روس کے ساتھ نہ ہارا اور جیت دونوں بری۔

کیا ارادے ہیں؟

ہٹلر اور مسولینی کو ابھی بلقانی ریاستوں میں اپنے پنجے گاڑنا ہیں، وہاں کے قدرتی خزانوں کو اپنے قبضہ میں کرنا ہے، کیونکہ یہی لالچ تھی جس سے انھوں نے چیکوسلاواکیا، اور البانیہ پر قبضہ کیا ہے۔ اور اس قسم کی کارروائی بھی انھوں نے شروع کردی ہے۔ ہنگری تو جرمنی کے بس میں تھا ہی۔ رومانیہ بھی آچکا تھا اب ایڈریاٹک پر قبضہ کرکے یوگوسلاویا کو بھی بے بس کرکے جرمنی اور اٹلی نے اس کو اپنی مرضی کا عہدنامہ کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب یونان اور بلغاریہ بھی کچھ دنوں میں ادھر آیا چاہتے ہیں ان کے آنے کے بعد جرمن اور اطالوی ماہرین ان ریاستوں میں گھس کر ان کی ساری دولت اپنے بس میں کرلیں گے، اور جب ادھر سے اطمینان ہوجائے گا تب پھر ان دونوں کو بڑے چھاپے مارنے کی فکر ہوگی۔

ہم کیا کریں؟

برطانوی ٹٹوؤں نے تو لنا بنت اور اسلام کے نام پر اس بات کی اپیل

کرنا شروع کردی ہے کہ لڑائی میں جمہوریتوں یعنی برطانیہ کا ساتھ دیا جائے، کیونکہ وہ جمہوریت ہے۔ اور یہ بات ایسے ڈھرے سے کہی ہے گویا جمہوریت (؟) ہندستان میں بھی جمہوری طریقہ پر حکومت کررہی ہے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس سامراجی لڑائی سے ہم کو کوئی سروکار نہیں۔ نوآبادیاں اور غلام ملک (یعنی ہم لوگ) اگر جرمنی کے پاس رہے توکیا اور برطانیہ کے پاس رہے توکیا۔ دونوں کے دونوں یہی چاہتے ہیں کہ لوٹیں۔ اب رہا یہ کہ ہم کتنا لٹ سکتے ہیں؟ اور کتنا بچ سکتے ہیں یا اپنی طاقت [illegible]

ہم کو ہمدردی نہ فسطائیوں سے ہے اور نہ سامراجوں سے۔ ہماری ہمدردی صرف ان مظلوم [illegible] دل انسانوں کے ساتھ ہے جو جمہوری اور فسطائی ملکوں میں اپنے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور جو دنیا سے لڑائی جھگڑے کو مٹاکر سدا کے لئے امن کا راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ساری دنیا کے مزدور اور کسان ایک ہیں۔ اور جب سامراجی اور فسطائی بھوت ایک دوسرے کا خون چوسنے کو آپس میں گتھ جائیں گے، اس وقت ہم سب ایکا کرکے ان کی جڑ کاٹ دیں گے۔ اسلحہ کے کارخانوں کے مزدور جہاد پر سامان لادنے کے مزدور اسٹرائکیں کریں گے۔ ہر جگہ لگان بندی، محصول بندی اور سول نافرمانی کی تحریکیں اٹھیں گی۔ اور اس طرح اندر سے یہ گھن، اور باہر سے آپس کی لڑائی ان بھوتوں کو ختم کردیگی۔

"لڑائی دشمن ڈے"

۲۳ اپریل کو جو لڑائی دشمن ڈے منایا گیا اس کا مطلب یہی تھا کہ ہندستان صرف امن چاہتا ہے۔ اور چمبرلین کو یقین دلاتا ہے۔ کہ اگر انھوں نے لڑائی چھیڑ دی تو ان کو یہاں بہت سخت ہل چل سے جیسی کہ آج تک نہ کسی نے دیکھی نہ سنی، سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ دن مناکر ہم نے قوم کی بڑی بھاری خدمت کی ہے۔ اور اب ضرورت ہے کہ لڑائی کی مخالفت کا بہت زبردست اور مسلسل پروپیگنڈا کیا جائے۔ کیونکہ لڑائی چھڑ جانے کے بعد اس کا موقع نہیں ہوگا۔

کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اکثر علمائے کرام خود تشریف لاکر سکھاتے اور اس نیک کام کی خوبیاں بیان فرماتے۔

تمام پرانے کنکوے بازوں کی قبریں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پختہ کردی گئی تھیں۔ اب وہاں بخور سلگتے تھے اور چڑھاوے چڑھتے تھے۔

پاکستان کے لیگی کابینہ کا اجلاس ہوا، اور وہاں بڑی بحث مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ پتنگ بازی کا جو قصہ اٹھ رہا ہے۔ اور جس نے سارے ملک و قوم کو گھیر رکھا ہے اس کے بارے میں لیگی کابینہ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ جھگڑا، جو ہے وہ کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس سرکاری بیان کے بعد پتنگ بازی ختم ہوگئی۔

چلتے چلاتے

تماشائی

ابھی پاکستان کو بسے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ بڑا خطرناک حادثہ پیش آگیا۔

ایک لڑکے نے پتنگ پر مدح صحابہ لکھ کر اڑا دی۔

غضب ہوگیا۔ شیعوں میں کھلبلی مچ گئی۔ فوراً جیدبرنوش شیعوں نے اپنے اپنے کنکوے بڑھائے، اور اس شریر پتنگ کو گھیر کر کاٹ دیا۔

مدح صحابہ کی پتنگ اور کٹ جائے! سنیوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ وہ کہاں یہ برداشت کرسکتے تھے؟ فوراً ایک گھنٹے کے اندر اندر سارا آسمان مدحیہ کنکووں سے پٹ گیا۔

شیعوں سے یہ ظلم برداشت نہو سکا، انھوں نے بھی بڑے بڑے کنکوے تبرے لکھ لکھ کر اڑا دیئے۔ پھر کیا تھا رنگ برنگ پتنگوں سے آسمان چھپ گیا۔

سنی علما نے فتوے دیدیئے کہ تبرائی پتنگوں کو مدحیہ پتنگ سے کاٹ دینا۔ یا اس کے کاٹنے میں مدد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس نے ایک کنکوا بھی کاٹ دیا اس کی سات پشتوں کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

شیعہ علما نے فتویٰ دیا کہ مدحیہ پتنگوں کو تبرائی پتنگوں سے کاٹ دینا اور اس کے کاٹنے میں مدد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس نے ایک کنکوا بھی کاٹ دیا اس کو حج کا ثواب مل گیا۔

دوکانیں، کارخانے، اور سب طرح کے کاروبار بند ہوگئے۔ اب پاکستان والے یا تو کنکوے بناتے تھے یا کنکوے اڑاتے تھے۔

جس بازار کی طرف نکل جاؤ کنکوے ہی کنکوے دکھائی دیتے تھے۔ چھوٹے کنکوے، بڑے کنکوے۔ کاغذی کنکوے۔ ریشمی کنکوے۔ زہریلا مانجھا، آہنی مانجھا، فولادی مانجھا۔ موٹی سادی۔ مہین سادی۔ بڑی چرخی چھوٹی چرخی۔ یا کہیں کہیں پر پیچ کاٹ دینے کے کنکوے تعویذ اور دعائیں بھی بکتی تھیں۔

یا پھر اخبار تھے جن کی سرخیاں ہوتی تھیں "وہ کاٹا ہے شیعہ کنکوا" "فلاں نے مدح کی سزا میں مولانا کی اگلی ریت [illegible] ڈھیل دیکر پیچ لڑاؤ"

جس خانقاہ، امام باڑے، یا مسجد میں جاؤ وہاں پیچ بازوں کے پرے جمے ہوئے اور "دینا ڈھیل" "مارا ہے" "اور بے" "وہ کاٹا ہے" کا وہ شور ہوتا کہ کان پڑے آواز نہیں سنائی دیتی۔

بچارے گوشہ نشین علما، اور تکیہ نشین پیر اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر میدان میں آگئے اور جسے دیکھو آنکھوں پر عینک۔ عبا کمر سے لپیٹے۔ پگڑی سنبھالے پیچ لڑانے میں مشغول نظر آتا تھا۔

جابجا نائٹ اسکول کھل گئے تھے جہاں قوم کے نوجوانوں کو کنکوے بازی

لہرا دو!!

سلام مچھلی شہری

کس اوج پہ دم خم ہے — اک شانِ مجسم ہے،
جب تک ہمیں کچھ دم ہے — لہرانے دو کیا غم ہے — یہ ملک کا پرچم ہے...!!

نصرت کی نشانی ہے — مقصودِ جوانی ہے
یہ فتح کا بانی ہے — لہرانے دو کیا غم ہے — یہ ملک کا پرچم ہے...!!

یہ جان سے پیارا ہے — یہ آنکھ کا تارا ہے
اب راج ہمارا ہے — لہرانے دو کیا غم ہے — یہ ملک کا پرچم ہے...!!

رنگین فضاؤں میں — آزاد ہواؤں میں
رقصیدہ شعاعوں میں — لہرانے دو کیا غم ہے — یہ ملک کا پرچم ہے...!!

پرکیف نظاروں میں — گنگا کے کناروں میں
آکاش کے تاروں میں — لہرانے دو کیا غم ہے — یہ ملک کا پرچم ہے...!!

اک جانِ چمن بنکر — سورج کی کرن بن کر
ہاں، شمعِ وطن بن کر — لہرانے دو کیا غم ہے — یہ ملک کا پرچم ہے...!!

مئی ڈے

(جمیلہ بیگم)

پچاس سال پہلے مئی کو ساری دنیا کے مزدور مئی ڈے مناتے ہیں اور اس سال بھی منائیں گے۔ اس دن کی کیا خصوصیت ہے؟ اس غرض سے ہم کو پچاس سال کی تاریخ الٹنا پڑیگی۔

۱۸۸۴ء کا واقعہ ہے کہ امریکن مزدور سبھا نے پہلی مئی کو اپنے مالکوں سے یہ مطالبہ کیا کہ کام کا وقت صرف آٹھ گھنٹے روزانہ رکھا جائے۔ اس مطالبہ کے لئے امریکہ میں مزدوروں نے سخت جد وجہد کی ۱۸۸۶ء کی یکم مئی کو شکاگو میں جو اس وقت مزدوروں کی جد وجہد کا مرکز بنا ہوا تھا پولیس نے مزدوروں پر حملہ کرکے ایک بلوہ کرادیا۔ جو گھانس منڈی کا بلوہ کہلاتا ہے جس میں مزدوروں پر لاٹھیاں برسائی گئیں اسکے لیڈروں کو پھانسی دیدی گئی یا جیل بھیجدیے گئے اسکے بعد سے پہلی مئی مزدوروں کی آزادی کی لڑائی کا دن مقرر ہوگیا پھر ۱۸۸۹ء میں پیرس میں مزدوروں کی دوسری بین الاقوامی انجمن کا اجلاس ہوا تو وہاں یہ طے پایا کہ اس دن ساری دنیا کے مزدور جلسے کریں جلوس نکالیں اور اپنی اپنی حکومتوں سے صرف آٹھ گھنٹے کام لینے کا مطالبہ کریں۔

یہ تجویز آندھی کی طرح ساری دنیا میں دوڑ گئی۔ ہر ملک کے مزدور بہت جوش وخروش سے یہ دن منانے لگے۔ ۱۸۹۰ء میں تمام اسپین میں مزدوروں کی عام اسٹرائک ہوگئی۔ اور جاگیرداری نظام کے خلاف سخت لڑائی چھڑ گئی اور لاطینی بولنے والوں ملکوں میں بھی اسی طرح کی لڑائیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسی سال کی پہلی مئی کو بلجیم کے ایک لاکھ کان کنوں نے اسٹرائک منائی۔ پھر ۱۸۹۳ء میں ڈیڑھ لاکھ مزدوروں نے وائنا میں جلوس نکالا اور عام خفیہ اور براہ راست ووٹ کا مطالبہ کیا۔

روس میں مئی ڈے بہت انقلابی جوش وخروش سے منایا جاتا تھا۔ اسکی ابتدا ۱۸۹۱ء سے ہوئی اسکے بعد ہر سال مزدوروں کی تعداد دگنی چوگنی ہوتی گئی۔ ۱۹۰۰ء میں وارسا میں جب یہ دن منایا گیا تو پولیس نے حملہ کردیا جب مزدور وہاں سے ہٹے ہیں تو ۳ لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔ ۱۹۰۵ء کی جنوری کو روسی مزدوروں کی پہلی انقلابی لڑائی ہوئی تھی۔ اسکے بعد جب یکم مئی منائی گئی تو روس کی تمام قوموں کے مزدوروں میں بڑا بھائی چارہ ہوگیا۔ پھر جنگ عظیم سے چند سال پہلے سینٹ پیٹرزبرگ، ماسکو اور وارسا میں مزدوروں نے بہت سخت احتجاجی جلوس نکالے لینن نے شروع ہی میں اس دن کے لئے کہا تھا۔

"یہ مزدوروں کی تنظیم کے سلسلہ میں بہت اہم کام ہے جو ان میں بیداری پھیلاتا ہے اور انکی پارٹی کو مضبوط کرتا ہے"

مزدوروں میں ایکا پھیلانے کو جب سے یہ دن مقرر کیا گیا۔ تو مزدوروں نے امن قائم رکھنے کے لئے اپنی اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالے اور فوج جمع کرنے کی مخالفت کی۔

اس صدی کے آخر تک سامراج نے پھیلکر سرمایہ دار ملکوں میں آپس میں سخت کشمکش پیدا کردی اور دنیا کی از سر نو تقسیم کے لئے ملکوں نے بڑی بدحواسی سے ہتھیار بنانا شروع کردیا اور فوراً ہی ایک کے بعد ایک لڑائیاں ہونے لگیں۔ چین جاپان کی لڑائی۔ اسپین وامریکہ کی لڑائی، شمالی امریکہ کی لڑائی، روس وجاپان کی لڑائی، بلقان کی لڑائی، اور ٹریپولی کی لڑائی۔

۱۹۰۰ء میں جب پیرس میں مزدوروں کی دوسری بین الاقوامی انجمن کا اجلاس ہوا تو مزدوروں سے یہ اپیل کی گئی کہ وہ آپس میں ایکا کرکے امن کے لئے زور لگائیں۔ ۱۹۰۴ء میں روس اور جاپان میں لڑائی چھڑ گئی۔ لینن نے اس سال مئی ڈے کے موقع پر ایک اشتہار میں اس لڑائی کی سخت مخالفت کی کیونکہ اسکا مقصد یہ تھا کہ روس ایک غریب ملک کو غلام بنالے۔ اشتہار بتاتا تھا کہ روس کے مزدور اور جاپان کے سب ایک ہیں اور ان سب سے یہ اپیل ہے کہ وہ لڑائی اور مطلق العنانی کا خاتمہ کردیں۔

بین الاقوامی حالات جیسے جیسے بگڑتے گئے مزدوروں نے اتنی ہی طاقت سے امن کا مطالبہ کیا اور لڑائی دشمن لڑائی چھیڑ دی۔ اسی کے بارے میں پہلی مئی کو روزا لکسمبرگ نے یکم مئی ۱۹۱۳ء کو لکھا تھا:۔

"مزدوروں کی عالمگیر برادری جتانے والا دن چوبیسویں بار آرہا ہے ۔۔۔۔ سماجی اصلاحوں، اور کلچری ترقیوں کی کوشش کی جگہ سرمایہ داروں کی سخت مخالفتیں زور ما رہی ہیں۔ اس وقت جبکہ ایسے پاگل پن سے اسلحہ بندی ہو رہی ہے اور لڑائی چھڑنے کا دھڑکا لگا ہوا ہے صرف مزدوروں کا جاگا ہوا اقدام انکی اہمیت اور تیاری دنیا کے امن کی حفاظت کر سکتا ہے"

یکم مئی ۱۹۱۴ء کو بہت زبردست لڑائی دشمن مظاہرے کئے گئے۔

لیکن افسوس یہ [illegible] بین الاقوامی

انجمن پر پورا عبور و سر تھا لیکن وہ انجمن غرض کے بندوں اور ڈرپوک
لوگوں کے ہاتھوں بیچ چکی تھی۔ خاص کر جرمن سماجی پارٹی کا
انجمن میں بہت غلبہ تھا سب ہی ممبر ایسے تھے۔ لڑائی چھڑتے ہی ان
لوگوں نے لڑنے والوں سے سنگت کر لی۔ یہاں تک کہ اس صدی کے
شروع ہی سے جرمن مزدور سبھاؤں کے عہدیداروں نے مئی ڈے
سے جابرانہ عمل نکال کر اسکو مزدوروں کا ایک تعطیلی تہوار بنا دیا۔
ان لوگوں نے مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن پر ایسا قبضہ کر لیا
تھا کہ ۱۹۰۵ء میں یہ تحریک پیش کی کہ مئی ڈے کو صرف شام کو جلسے
ہوا کریں۔ اور ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کو سماجی جمہوری پارٹی ہمبرگ نے یہ
خواہش کی کہ مئی ڈے کو منانے کا ڈھنگ ہر ملک پر چھوڑ دیا جائے
جس کا مطلب یہ تھا کہ اس دن کی جو خصوصیت تھی وہ جاتی رہے۔
یکم مئی ۱۹۱۶ء کو جرمن سماجی جمہوری پارٹی کا خاص اخبار "ورورٹز"
لکھتا ہے۔ -

ذمہ دار مرکزی جماعتوں کی یہ رائے ہے کہ اس سال خاص وجوہات
کی بنا پر پہلی تاریخ کو مزدور کام نہ بند کریں .... جہاں جہاں جلسے
کے لئے ہال مل سکیں وہاں شام کو مزدوروں کے جلسے کئے جائیں۔"

صرف لینن بالشویک پارٹی اور دو ایک اور چھوٹے چھوٹے
انقلابی گروہ اس سخت تاریخی امتحان میں پورے اترے یہ
لوگ مزدوروں کی عالمگیر برادری سوشلزم اور لڑائی دشمنی کے لئے
احتجاج کرتے رہے۔

۱۹۱۵ء کی پہلی مئی کو لینن نے یہ سوال مزدوروں کے سامنے
رکھا تھا کہ جنگ عظیم کسی طرح سے ترقی پسند جماعتوں کے کام کی بھی ہے
یا نہیں۔ آخر آگے چلکر ثابت ہوا کہ جنگ عظیم کئی طرح سے عوام کے موافق
نکلی اس سال جو اشتہارات بانٹے گئے انکے نعرے یہ تھے۔

"دو لڑائی کو ختم کرو و مطلق العنانی کو ختم کرو و"

۱۹۱۶ء کو سینٹ پیٹرزبرگ اور دوسرے مشہور شہروں میں کئی ایک
اسٹرائکیں ہوئیں۔

دوسری بین الاقوامی انجمن سے مایوس ہو کر لینن اور اس کے
ساتھیوں نے ملکر تیسری بین الاقوامی انجمن بنائی اور مزدوروں کو بھی
شرکت کی دعوت دی۔ جرمنی کے بہادر مزدوروں نے اس آواز پر
لبیک کہا کیونکہ وہ دوسری بین الاقوامی انجمن کی غرض پرستی اور
بزدلی سے بہت تنگ تھے۔ اس ہمدردی کی سزا میں انکو جیل اور کورٹ
مارشل بھگتنا پڑا۔ مگر انھوں نے اسکی پروا نہیں کی۔

۱۹۱۶ء کی یکم مئی کو کارل لیب نیخت نے برلن کی ایک بازار میں
کہا "وہ لڑائی کا ناس ہو۔ موجودہ حکومت کا ناس ہو۔ دنیا کے عوام
میں تم سے اپیل کرتا ہوں کہ اٹھو"!

اس بات کے کہنے کی سزا میں قیصر کے سپاہیوں نے اسکو جیل
میں ٹھونس دیا۔ اس موقع پر اس نے کہا۔ "بھائیو! اگر امن کی طرف داری
کرنا غداری ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ باغی کہلانا بہت بڑا فخر ہے۔ کیا انصاف
کے رکھوالے یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ موجودہ نظام کا یہ کھلا مقصد ہے کہ
وہ امن کے لئے کوشش کرنے، اور قوموں کی جانیں لینے کی مخالفت کرنے
کو نہیں برداشت کر سکتی۔ امن کے پروپیگنڈہ کرنے والوں کو جیل خانے اور
گولی مار دینے کی سزا دی جاتی ہے"

اسی سال روس کی اسٹرائک کے ساتھ چھوٹی اسٹرائکیں فرانس، اٹلی
میں بھی ہوئیں اور وانکا اور براگ میں مزدوروں اور پولیس میں جھڑپ ہو گئی۔
۱۹۱۷ء کے مئی ڈے کو روسی انقلاب ہو گیا اور زار بیت ختم ہو گئی
پھر اکتوبر میں جب بالشویک کو فتح حاصل ہوئی تو اس نے ساری دنیا کو دوستی
اور امن کا ایسا پیغام دیا جس کے ساتھ ملکوں کو غلام بنانے کی دھمکی نہیں تھی
اسی سال سوویٹ حکومت نے اپنی عظیم الشان سلطنت کے اندر قوموں
کے حقوق اور عوام کی بھائی بندی کو جس کے لئے مئی ڈے پر مدتوں سے لڑتے
چلے آئے تھے۔ عملی جامہ پہنایا ۱۹۱۸ء کی مئی کو ہر جگہ عوام نے امن مانگا جس
کے بعد ہی جنوری میں جرمنی کے اسلحے کے کارخانوں کے مزدوروں نے اسٹرائک
کر دی اور نومبر میں انقلاب ہو گیا جس کے بعد دو سامراج ٹوٹ گئے اور
لڑائی ختم ہو گئی۔

یکم مئی ۱۹۱۹ء کو روس انقلاب دشمن فوج سے جس کی سرداری
زنرنک کر رہا تھا اور جس کے پیچھے لوگوں سے مٹانے اپنی حفاظتی پالیسی
کی بنیاد رکھی لڑنے میں مشغول تھا۔ مگر اسی سال بھی مئی ڈے یادگار رہا۔
ابھی تک روس کے مزدوروں اور کسانوں نے سوشلزمی سماج بنانے میں
ایک دو سکری مدد نہیں کی تھی۔ اور ابھی تک زمین بھی سفید پوشوں
کے قبضے میں تھی۔ لیکن سوشلزمی کام کے لئے نظام تیار ہو گیا تھا جس نے
آگے چلکر حیرت انگیز کارنامے دکھائے۔

بالشویک پارٹی نے اپنی نویں کانگرس میں جو مئی ڈے سے پہلے
ہوئی تھی پہلی مئی کو ۱۹۲۰ء میں سنیچر کو بڑا بھاری چھٹی کا دن مقرر کر دیا۔
انھوں نے کہا مئی ڈے کو روسی مزدور اپنی چھٹی سے ساری دنیا سے
یہ کہیں گے کہ ہم نے زار کو، سرمایہ دار کو اور زمیندار کو مار بھگایا۔ اور ہم پرانے
خرافات، انتظام اور اس کے پھل لڑائی سے نجات پا گئے۔ ہم اقتصادی
بدحالی اور مصیبتوں سے نکل آئے۔ اور اب ایسی دنیا بنائیں گے جہاں ظلم
تشدد اور لوٹ نہیں ہوں گے۔ ایسی دنیا جہاں سب مزدور اور سب
قومیں بھائی بھائی ہوں گی۔

"مزدور زندہ باد"
"مئی ڈے زندہ باد"

مئی ڈے جو اتنے دنوں تک مزدوروں کی غریبی اور مصیبتوں
کے دور کرنے کی امیدوں کا سہارا رہا تھا دنیا کے ایک چھٹے حصہ میں
کامیاب ہو گیا۔ روس میں سو سے اوپر قومیں ساتھ ملکر بلا کسی کو لوٹے
ہوئے اپنی زندگی کو سنوارنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔ وہاں
دن بدن زندگی کا معیار اونچا ہوتا جاتا ہے۔ دنیا کی رجعتی علوم

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

زرعی بل کی تیسری خواندگی بھی ختم ہوگئی

زمیندار آخر ہمت ہار گئے

۱۰ اپریل کو یو۔پی انکم ٹیکس اسٹیٹ ایکٹ ترمیمی بل پر بحث ہوئی۔ مسٹر حسین پارلیمنٹری سکریٹری نے ترمیم پیش کی کہ جن درخواستوں کو درخواست میں خرابی ہونے کی بنا پر رد کر دیا گیا ہے وہ اس ترمیمی بل کے پاس ہونے کے تین مہینے کے اندر بحال کر دی جائیں۔ چودھری رحیم پال سنگھ کی تحریک پر میعاد بڑھا کر ۶ مہینہ کر دی گئی۔

مسٹر حسین صاحب قدوائی نے بل کی مخالفت میں کہا کہ یہ جعلی بل ہے اور پاس ہو جانے سے انکم ٹیکس ایکٹ بڑے زمینداروں کے واسطے بیکار ہو جائیگا۔

جواب میں مسٹر حسین نے کہا کہ اس بل کا اثر صرف ان زمینداروں پر ہوگا جو دس ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ مالگذاری دیتے ہیں۔ ان کی تعداد ۵ فیصدی ہے اور اسکے بعد آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو وزیر عدل و انصاف نے عدلیہ اور انتظامیہ محکموں کی علیحدگی پر حکومت کی اسکیم پیش کی۔ مخالف پارٹی کی طرف سے اسکی مخالفت میں کہا گیا کہ یہ اسکیم مکمل نہیں ہے جواب میں ڈاکٹر کاٹجو نے کہا کہ قانون ہند کے اندر اس سے زیادہ وسعت ہی نہیں ہے۔ مخالف پارٹی کی تجویز تھی کہ سب مجسٹریٹوں کو بھی فوجداری کے اختیارات دے دئے جائیں۔ ڈاکٹر کاٹجو نے اس سے اتفاق کیا اور کہا کہ چونکہ سب مجسٹریٹوں کو جو وکالت پاس ہیں اور جنتی اور قابل ہیں فوجداری کے اختیارات مل جائینگے انہوں نے کہا اب وہ تمام تجویزوں کو سامنے رکھکر آخری مسودہ تیار کرینگے۔

۱۸ اپریل کو آنریبل وزیر تعلیم کی تحریک پر بنارس ہندو یونیورسٹی بل پاس ہو گیا۔ مسلم لیگیوں نے بحث کے دوران میں ایک عجیب بات کہی۔ انھوں نے حکومت سے شکایت کی کہ بنارس ہندو یونیورسٹی کی انتظامیہ کمیٹی میں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ وزیر تعلیم نے اس شکایت کے جواب میں کہا کہ جب منتخبہ کمیٹی بن رہی تھی تب مسلم لیگ پارٹی کے رکنوں نے اس میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا اور اب وہ انتظامیہ کمیٹی میں جگہ چاہتے ہیں۔ رام پرشاد ٹمٹا کے کہنے پر وزیر تعلیم نے وعدہ کیا کہ کمیٹی میں ایک ہریجن ممبر رکھا جائیگا۔

آنریبل مسٹر رفیع احمد قدوائی نے زرعی بل کو تیسری خواندگی کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا کہ سلکٹ کمیٹی سے آنے کے بعد بل میں کئی تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔ لگان کی وصولیابی کے لئے اب زمیندار کاشتکار کی زمین کا ایک حصہ نیلام کرا سکتا ہے اس لئے اب بے دخلی کا سوال نہیں اٹھیگا دوسری بات انھوں نے یہ بتائی کہ کاشتکار کو زمین کے دوسرے حصہ پر درخت لگانے کے [illegible]

اجازت مل گئی ہے اور شکمی کاشتکاروں کے واسطے یہ ہوا ہے کہ وہ اس بل کے پاس ہونے کے بعد پانچ برس تک بے دخل نہیں کئے جا سکیں گے۔

مخالف پارٹی کی تقریروں سے معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ ہمت ہار گئے ہیں۔ تقریروں میں وہی پرانا راگ الاپا گیا کہ شکمی کاشتکاروں کی بھلائی کا قانون نہیں بناتی۔ زمیندار عدل کو بیٹھا دیتی ہے بیسیوں پابندیاں لگا دیتی ہے۔ طبقہ وارانہ کشمکش کی آگ کو اور بھڑکا رہی ہے۔ اگرچہ حکومت قرضہ کے کئی قانون پچھلے دنوں میں پیش کر چکی تھی لیکن پھر بھی زمینداروں کو شکایت تھی کہ حکومت ان کی دوست ہے۔

نواب جمشید علی خان نے ۲۰ اپریل کو کہا کہ زمیندار کا کل حق پر ہی تھا کہ آگرہ کے زمیندار اس لئے اب بھی کانگرس اعلیٰ کسان کو دینے بنانے پر راضی ہیں اس پر ایک کانگرسی ممبر نے کہا کہ اب اسکا وقت نکل گیا ہے۔

۲۱ اپریل کو بحث کے دوران میں شیخ حبیب اللہ صاحب نے جو انجمن تعلقداران اودھ کے نائب صدر تھے لیکن آج کل مسلم لیگ میں شامل ہیں کہا کہ زرعی بل سے صرف اقتصادی زندگی پر ہی نہیں بلکہ سماجی تمدنی اور مذہبی زندگی پر بھی پڑتا ہے اس لئے مسلم لیگ اس بل کی مخالفت کریگی۔ ساتھ ہی انھوں نے تعلقداروں کی طرف سے کہا کہ ان کی سندیں ردی کاغذ ہیں جب وہ وائسرائے کو اپنی سندیں دکھائیں گے تو کانگرسی حکومت کو مزہ معلوم ہوگا۔

شوکت علی خاں صاحب نے یہاں تک کہہ دیا کہ حکومت ہی زرعی بل میں دیر لگ جانے کی ذمہ دار ہے۔

۲۲ اپریل کو وزیر مالیات کی مشغولیت کی وجہ سے آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے جوابی تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ دنیا میں کہیں بھی کسی قانون پر اتنا زیادہ وقت نہیں لگا جتنا کہ زرعی پر لگا ہے۔ زمینداروں کو ڈر ہے کہ لگان وقت سے وصول ہوگا لیکن کسان کا ملکیت مستقل ہو جانے پر وہ لگان اور زیادہ آسانی سے ادا کر سکے گا۔

آخر زرعی بل کی تیسری خواندگی بھی ختم ہوگئی اور مخالف پارٹی جو ہر سر چوٹی سے چھوٹی بات رائے شماری کا مطالبہ کرتی تھی آخر ہمت ہار کر خاموش ہی بیٹھی رہ گئی۔

۲۵ اپریل کو آنریبل وزیر اعظم نے یو۔پی پولیس ایکٹ ترمیمی بل پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ ابھی تک بلووں میں جن لوگوں کا نقصان ہوتا تھا انھیں امداد کے لئے ایک مہینے کے اندر درخواست دینا پڑتی تھی لیکن اب یہ میعاد چار مہینہ کر دی جائیگی۔ انھوں نے کہا کہ حکومت سختی کرنے میں سست رہی تھی لیکن اب حالات نے بعض

علاقوں میں تعزیری پولیس تک مقرر کرنے پر مجبور کر دیا ہے لکھنؤ کے متعلق انھوں نے کہا کہ شہر میں اتنا گڑبڑ مچا ہوا ہے کہ حکومت تعزیری پولیس مقرر کرنے والی ہے۔

انھوں نے بتایا کہ مظلوموں کی امداد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ متعلقہ علاقہ میں تعزیری پولیس بھی مقرر کی جا چکی ہو بلکہ وہ لوگ تعزیری ٹیکس نہ لگنے پر بھی حکومت سے معاوضہ طلب کر سکتے ہیں۔

وزیر اعظم نے لفٹنٹ سلطان عالم خان کی ترمیم منظور کر لی کہ جو بلوے یکم اپریل ۱۹۳۸ء کے پہلے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی درخواست کی میعاد چار ماہ کر دی جائے۔

اس کے بعد کھیت کھاد بل پر منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی اور پھر وزیر مالیات نے مہاجنی بل پیش کیا۔

کونسل نے موٹر اسپرٹ ٹیکس بل میں جو ترمیمیں کی تھیں ان پر بحث شروع ہوئی۔ خاص ترمیم یہ تھی کہ ٹیکس ۲ آنہ فی گیلن کے بجائے ڈیڑھ آنہ فی گیلن کر دیا جائے یہ ترمیم تھوڑی بحث کے بعد گر گئی۔ اجلاس ۵ مئی تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔

لکھنؤ میں تعزیری پولیس

شیعہ سنی فساد کا نتیجہ

لکھنؤ میں شیعہ سنی فساد کی وجہ سے تعزیری پولیس مقرر کر دی گئی ہے۔ اسکے لئے دونوں فرقوں کو ایک لاکھ روپیہ دینا ہوگا۔

شیعہ مسلمان تبرا پڑھنے کے حق کو تسلیم کرانے کے لئے سول نافرمانی کر رہے ہیں۔ ابھی تک انکے ۵ ہزار سے اوپر آدمی گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً تین سو آدمی معافی مانگ کر چھوٹ آئے ہیں۔ جیل میں جگہ ناکافی ہونے کی وجہ سے غالباً عارضی جیل خانے بنائے جانے والے ہیں بنارس اور سیتاپور کی فوجی بارکوں کو بھی جیل میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

کونسل چیمبر پر دھاوا ۲۵ اپریل کو کچھ سنی مسلمانوں نے کونسل چیمبر کے سامنے مظاہرہ کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ شیعوں کی سول نافرمانی بند کرائے اور انھیں سخت سزا دے۔ کچھ مظاہرین سنتری کو ڈھکیل کر اسمبلی کی عمارت کے اندر بھی گھس گئے اور تھوڑا بہت نقصان بھی کر ڈالا۔

اگرچہ اسمبلی کے اندر ان لوگوں پر کوئی سختی نہیں [illegible]

پارٹی نے اس قسم کی حرکتوں پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ مظاہرین کے لیڈروں تک سے سات پر دفعہ ۱۱۷ - اور دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت وارنٹ جاری کر دیئے گئے ہیں۔

ایک اور بدعہدی

تلچر کی ٹریجڈی، پر گاندھی کا مضمون

"تلچر کی ٹریجڈی" کے عنوان سے مہاتما گاندھی نے ریاست تلچر کے بیس سے پچیس ہزار تک آدمیوں کا جو صوبہ بہار میں پناہ گزیں ہیں تذکرہ کیا ہے۔

گاندھی جی لکھتے ہیں "تھوڑے ہی دن ہوئے جب یہ اعلان ہوا تھا کہ سمجھوتہ ہو گیا ہے اور پناہ گزیں اپنے گھروں کو واپس آنے والے ہیں لیکن فوراً ہی اس خبر کی تردید کر دی گئی اسلئے کہ تلچر کے راجہ نے میجر ہینسی کے کئے ہوئے سمجھوتہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

گاندھی جی نے بتایا ہے کہ یہ معاہدہ ۱۷ مارچ کو شری ہری کشن مہتاب اور ریاست کے اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ میجر ہینسی کے درمیان ہوا تھا اس میں ریاست کی طرف سے محصول کی کمی۔ ضروریات زندگی پر سے اجارہ داری کے خاتمہ۔ بیگار اور محصولوں سے چھٹکارا تحریر و تقریر کی آزادی اور شکار کھیلنے کی عام اجازت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

میجر ہینسی کو پورا یقین تھا کہ انھیں راجہ صاحب کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کرنے کا پورا اختیار ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اب راجہ صاحب اسے ماننے سے کسطرح انکار کر سکتے ہیں۔

سند

گاندھی جی نے وائسرائے کی دی ہوئی سند مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۳۹ء کا حوالہ دیا ہے جسکی دفعہ ۶ میں ہے "آپ اس مشورہ کے مطابق کام کرینگے جو آپ کو گورنر جنرل کے ریاستوں کے ایجنٹ یا کسی دوسرے سیاسی افسر کی طرف سے دیا جائے جسے ہز ایکسلنسی وائسرائے

راجکوٹ کیلئے گاندھی جی کا نیا نسخہ

ٹھاکر صاحب کی شرافت پر بھروسہ

پریشد کو عدم تشدد کی تعلیم

راجکوٹ کی گتھی سلجھانے میں ۱۵ دن کی مسلسل مشقت کے بعد بھی گاندھی جی کو کامیابی نہیں ہو سکی اور وہ ۲۵ اپریل کو راجکوٹ سے بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے جہاں سے وہ صدر کانگریس سے ملنے کلکتہ جائیں گے۔

اخبار ہندوستان ٹائمس نے اس مسئلہ میں ایک معزز آدمی کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ کہ "راجکوٹ کو محکمہ سیاسیات (حکومت ہند) کی پوری پوری مدد حاصل ہے ورنہ ٹھاکر صاحب یا دربار والا سر ماریس گوائیر کے فیصلہ سے اس طرح یہ مذاق نہ کرتے۔"

روانگی کے وقت ایک بیان میں گاندھی جی نے راجکوٹ کو ایک بیش بہا تجربہ گاہ، بتایا ہے اور لوگوں کو صلاح دی ہے کہ وہ دربار درباروالا سے گفتگو کریں گاندھی جی اور سردار پٹیل کو بھول جائیں اور اگر انھیں اتنا ملجائے جس سے ان کی کم سے کم مانگیں پوری ہو سکیں تو گاندھی جی یا سردار پٹیل سے مشورہ کئے بغیر انھیں مان لیں۔

اپنے بیان میں گاندھی جی نے لکھا ہے:-

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجکوٹ نے مجھ سے میری جوانی چھین لی میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ میں بڑھا ہوں اب ضعف سے میری کمر جھک گئی ہے"

گاندھی جی کا کہنا ہے کہ سارے ملک نے سر ماریس گوائیر کے فیصلہ سے سردار پٹیل کی جیت کا یقین کر لیا تھا لیکن راجکوٹ میں اسکو گاندھی کے خلاف استعمال کیا گیا۔

"ٹھاکر صاحب نے جو وعدے کئے تھے ان سے واپسی پر انکا بار مجھ پر لاد دیا گیا۔ میں نے جو کچھ کہا تھا اسکا صاف مطلب یہ تھا کہ میں ٹھاکر صاحب کو وعدہ پورا کرنے میں مدد دوں اگرچہ فیصلہ کی رو سے مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں تھی"

اسکے بعد گاندھی جی نے پریشد کی طرف سے نامزد کرنے کا اختیار رد دیا ہے۔

"اسلئے راجہ کو اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ کی مرضی پوری کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ معاہدہ پر عملدرآمد کرنے میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ ۲۰ ہزار سے اوپر پناہ گزینوں کا مفاد جو آدمے پیٹ کی روٹی اور تقریباً بلا کسی سر چھپانے کی جگہ کے رہ رہے ہیں خطرہ میں ہے۔ دیر لگانا صرف خطرناک ہی نہیں ہے، بلکہ ظلم ہے۔"

سے اصلاحی کمیٹی کے سات نام نامزد کر لیے ٹھاکر صاحب نے انکے راجکوٹ کا باشندہ ہونے پر اعتراض کیا۔ گاندھی جی نے اسکا ثبوت تو بھیج دیا لیکن رزیڈنٹ سے اسکی شکایت کر دی۔ رزیڈنٹ نے انھیں ملاقات کیلئے بلایا۔

"جبکہ ہم نئی نئی ترکیبوں پر گفتگو کر رہے تھے میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں کمیٹی کے لوگوں کو نامزد کرنے کے حق سے دستبردار ہو کر اس پریشانی کو ختم کر دوں اور میں نے اپنے خیال میں جیسا کہ رزیڈنٹ نے بھی تسلیم کیا ایک بہادرانہ تجویز پیش کر دی"

اس تجویز میں ٹھاکر صاحب کو کمیٹی نامزد کرنے کا اختیار دیدیا گیا تھا لیکن شرط تھی کہ پریشد اس کمیٹی کی رپورٹ کی جانچ کریگی اور اگر دونوں میں اختلاف ہوا تو چیف جسٹس سے فیصلہ کرا لیا جائے گا۔

گاندھی جی کا کہنا ہے کہ رزیڈنٹ نے یہ تجویز دربار درباروالا کو بھیجدی لیکن ہز ہائنس ٹھاکر صاحب نے اسے رد کر دیا۔

عدم تشدد کا مسئلہ

"پندرہ دن کے ہم، مصیبتوں سے بھرے تجربہ سے میں نے یہ دریافت کر لی ہے کہ اگر ٹھاکر صاحب اور دربار

بقیہ صفحہ ۱۴ پر

صدر کی واپسی

کلکتہ میں [illegible] کا استقبال

تقریباً ڈیڑھ ہفتہ کی بیماری کے بعد ۲۰ اپریل کو صدر کانگریس [illegible] اپنے وطن کلکتہ واپس آئے۔

پلیٹ فارم پر ایک بہت بڑے مجمع نے صدر کا استقبال [illegible] کانگریس کو [illegible] لگ گیا راستہ میں تقریباً چالیس ہزار مزدور دو رویہ صفوں میں [illegible]

بردوان اور آسنسول کے اسٹیشنوں پر بھی طالبعلموں مزدوروں اور کانگریس کے آدمیوں نے صدر کا استقبال کیا۔

برطانیہ اور جاپان میں کشیدگی

دونوں میں جھڑپ کے امکانات

جاپان برطانیہ اور روس کی گفت و شنید پر جسمیں قیاس کیا جاتا ہے کہ مشرق بعید کا علاقہ بھی شامل ہے بہت ناراض ہے ایک اخبار لکھتا ہے:-

"یہ خیال کر لینے کیلئے کافی وجوہات ہیں کہ دونوں طاقتیں (برطانیہ اور جاپان) ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوں۔"

روس اور برطانیہ میں ابھی گفت و شنید جاری ہے کہا جاتا ہے کہ اس میں کامیابی کی کافی امید ہے۔

بین الاقوامی معاملات کی ابتری

برطانیہ حملہ کرنا نہیں چاہتی

عدم تشدد کے نئے پجاری مسٹر روزولٹ

"اب بین الاقوامی بات چیت میں کوئی مسلّم معیار نہیں رہا ہے۔ یکساں الفاظ سے ہماری مراد یکساں نہیں ہوتی۔ انصاف کے کیل، صلحناموں کے خیال۔ اور دعووں کی قدر کو قومی تمناؤں کے مطابق مختلف معنی پہنائے جاتے ہیں اور مطالبات کے حقوق کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے"

ان الفاظ میں برطانوی وزیر خارجہ لارڈ ہیلی فاکس نے دارالامراء میں بیرونی معاملات کی بحث میں یورپ کی موجودہ صورت حال پر اظہار خیال کیا۔

انھوں نے کہا کہ "یہ کہنا بے ڈھنگا پن ہے کہ حکومت جرمنی سے کہے اور اس نے جو ضمانتیں دی ہیں انکا مقصد جارحانہ ہے۔

"یہ نہ صرف ایک انتہا درجہ کی حماقت ہوگی بلکہ یہ برطانوی نگاہ کے بالکل خلاف ہوگا جس کی خاطر ہم دنیا دیکھ اور جینے دو کی خواہش رکھتے ہیں اور دیوار کی بات چیت پر رکھیں

نے کہا کہ دونوں حکومتوں میں تفصیلی گفت و شنید ہو رہی ہے اور مجھے امید ہے کہ دونوں کی اپنی نگاہوں کے اختلاف کو تسلیم کر لینے سے جسکا کہ ہم میں سے ہر ایک نے احساس کر لیا ہے۔ ہم ان مسئلوں میں جنپر کہ یہ بات چیت ہو رہی ہے خاطر خواہ ترقی کر لینگے۔

فرانس کا خیال

فرانسیسی وزیر خارجہ موسیو بانٹ نے پیرس میں افریقہ کلب میں تقریر کرتے ہوئے کہا "بین الاقوامی جھگڑوں کو جنکی وجہیں اتنی الجھی ہوئی ہیں اور جنکے بیان کرنے میں بڑے بڑے جھنجھٹ ہیں ایک دم سے حل کرنے کا دعوی کئے بغیر صدر روزولٹ نے عدم تشدد کو اچھے ارادہ رکھنے والے تمام لوگوں کے اکٹھا ہونے کا محاذ بنا دیا ہے

"اگر صدر روزولٹ کی اپیل پر دھیان دیا گیا تو لوگوں میں جو بے چینی پھیلی ہوئی ہے ختم ہو جائیگی

یوگوسلاویہ کو محور میں لانے کی کوششیں

وینس اور برلن میں سلاوی وزیر خارجہ سے باتیں

وینس میں یوگوسلاویہ کے وزیر خارجہ موسیو مارکووچ اور اطالوی وزیر خارجہ کاؤنٹ کیانو کی گفتگو کے بعد ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے۔

"اس گفتگو سے اٹلی اور یوگوسلاویہ کے گہرے دوستانہ تعلقات کی تصدیق ہوئی اور طے پایا کہ دونوں ملکوں میں نیز یوگوسلاویہ اور جرمنی میں سیاسی اور اقتصادی معاملات میں باہمی تعلقات مضبوط کئے جائیں تاکہ ڈینیوب کے بیسن میں مستقل حالات کو مضبوطی سے قائم رکھنے اور امن کو باقی رکھنے میں آسانی ہو سکے۔"

"ہنگری کے ساتھ کے تعلقات کے متعلق دونوں وزیروں نے جو صورت حال اس طرف کے واقعات سے پیدا ہو گئی ہے اسپر غور کیا اور اسبات پر اطمینان ظاہر کیا کہ اب سے بلگریڈ اور بڈاپسٹ کی حکومتوں کے درمیان مفید مفاہمت کا دروازہ کھل گیا ہے۔"

اطالوی حلقوں میں اٹلی اور یوگوسلاویہ کی گفت و شنید پر بڑا اطمینان ظاہر کیا جا رہا ہے ایک اطالوی خبر رساں ایجنسی کی خبر ہے کہ اٹلی والوں کا خیال ہے کہ یوگوسلاویہ واضح طور پر محور کی طاقتوں کی طرف آ رہا ہے۔

یہ گفتگو اٹلی اور ہنگری کی گفتگو کے فوراً ہی بعد ہوئی ہے اسواسطے خیال کیا جاتا ہے کہ بلگریڈ اور بڈاپسٹ کی حکومتوں کی ناچاقی اب قریب قریب ختم ہو گئی ہے۔

یہ بھی خبر ہے کہ لوگ عام طور سے ہنگری کے وزیر خارجہ کاؤنٹ کزاکی کے یوگوسلاویہ جانے کے متعلق باتیں کر رہے ہیں خیال ہے کہ مئی کے آخر میں وہ دونوں میں حملہ آوری کے خلاف ایک معاہدہ کرانے میں کامیاب ہو جائینگے اسکے بعد بہت ممکن ہے کہ یوگوسلاویہ اشتراکیت دشمن معاہدہ میں شامل ہو جائیگی اور لیگ اقوام سے علیحدگی کا اعلان کر دیگی۔

یوگوسلاویہ کے وزیر خارجہ موسیو مارکووچ ۲۶ اپریل کو برلن جا رہے ہیں۔

بعض بیرونی سیاست دانوں کا کہنا ہے کہ یوگوسلاویہ پر دوسرے ملکوں کے مقابل کی بہ نسبت محور کی طاقتوں کا اثر زیادہ ہے اور بحر ایڈریاٹک سے اطالوی مفاد کا وابستہ ہونا اور یوگوسلاویہ کی مضبوطی اسے شمال کے خطروں سے کافی طور پر محفوظ کر دیگی۔

لندن میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس بات چیت سے اٹلی اور یوگوسلاویہ کی دوستی ظاہر ہوتی ہے پیرس میں اسبات پر دکھی ظاہر کی جا رہی ہے کہ بات چیت کے بعد یوگوسلاویہ اور اٹلی میں ابھی کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا ہے۔ یہاں قیاس کیا جاتا ہے کہ اٹلی اور جرمنی یوگوسلاویہ کی ضمانت اور ہنگری کے مطالبات کی واپسی سے پہلے یوگوسلاویہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اشتراکیت دشمن معاہدہ میں شریک ہو جائے اٹلی اور جرمنی کی نگرانی میں اپنی فوج کی پھر سے تنظیم کرے اور اٹلی سے ایک تجارتی معاہدہ کرے۔ ان شرائط سے یوگوسلاویہ محور کی حکومتوں کا ایک غلام ملک بن جائے گا۔

ہٹلر کو برطانیہ کی تنبیہ

پالیسی بدلو ورنہ لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ

برطانیہ کے سفیر جرمنی سر نیول ہینڈرسن جرمنی کے لئے روانہ ہو گئے۔ وزیر اعظم چیمبرلین نے انکی روانگی کے متعلق دارالعوام میں کہا کہ اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ برطانیہ نے چیکوسلاویکیہ پر جرمنی کا قبضہ تسلیم کر لیا ہے۔

لندن کے اخباروں کے سیاسی نامہ نگاروں کا کہنا ہے کہ سر ہینڈرسن برطانیہ کی طرف سے ہٹلر کو صاف طور پر بتادینگے کہ اگر وہ جلد ہی اپنی پالیسی میں تبدیلی کا اظہار نہیں کر دینگے تو بین الاقوامی صورت حال بہت الجھ جائے گی اور برطانیہ لڑائی کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

کئی اخباروں کا کہنا ہے کہ برطانوی سفیر ہر ہٹلر پر یہ ظاہر کر دینگے کہ اگر صدر روزولٹ

ہندستان کے ٹڈی دل سامراج پر چوٹ

سر فیروز خاں نون کا اعلان وفاداری

سر فیروز خاں نون نے جو ہندستان کے ہائی کمشنر ہیں لندن میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا :-

"میرے خیال میں اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہندستان کی بیچینی پر بھروسہ کئے ہیں تو جتنی جلدی وہ اس دھوکہ سے نکل آئیں بہتر ہے۔

انھوں نے کہا کہ اگر سلطنت برطانیہ کو کبھی ہندستان کے ٹڈی دل کرد روں انسانوں کی جو سوئٹزر کے پورب میں جنگی اعتبار سے ایک اہم جگہ پر ہیں مدد کی ضرورت ہوئی تو وہ اپنے کو قوموں کے اس جھرمٹ کیلئے سب سے بڑی جائداد خیال کرینگے۔

امن کی ضمانت مہمل ہے

روم یونیورسل نمائش ۱۹۴۲ء کی مجلس انتظامیہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے سائنر میسولینی نے امریکہ کے صدر مسٹر روزولٹ کی دس سال کے لئے دنیا کے امن کی ضمانت کی اپیل کا جواب دیدیا۔

انھوں نے کہا کہ اٹلی نمائش کے کام میں مشغول ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اسلئے محور (روم برلن محور) کے ملکوں پر الزام دھرنا ناانصافی ہے۔ دس سال کی باہمی ضمانت کی تعمیر بھی اس سے کم مہمل نہیں ہے۔"

مجوزہ بین الاقوامی کانفرنس پر انھوں نے کہا کہ تجربہ بتاتا ہے کہ جتنے زیادہ لوگ اس میں حصہ لیں گے اتنی ہی اسکی ناکامیابی یقینی ہوگی۔

مختصر خبریں

ہندستان

۲۰ر اپریل کو دھام پور کانگریس کمیٹی کے جلسہ میں نئے سال کے لئے یہ عہدیدار چنے گئے ہیں۔ صدر محمد لٹین خاں صاحب۔ نائب صدر شری بھگوتی پرشاد سکریٹری شری ستی دوار۔ نائب سکریٹری شری دیویشی ناگیہ

انجمن مدرسین ضلع فیض آباد کا سالانہ جلسہ ۷،۸ر مئی کو زیر صدارت اچاریہ نریندر دیو مقام پورہ بازار تحصیل و ضلع فیض آباد میں ہوگا۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر رام پرشاد سنگھ صاحب ہیں اور کانفرنس کے سکریٹری حمید اللہ خاں صاحب ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ لکھنؤ کے متعدد مسلم لیگیوں نے مسٹر جناح سے درخواست کی ہے کہ وہ بیچ میں پڑکر شیعہ سنی ناچاقی کو ختم کرائیں یہ بھی خبر ہے کہ لوگوں نے مسٹر جناح کو مشورہ دیا ہے کہ اگر شیعہ سنی انکی بات نہ سنیں تو وہ گاندھی جی کی طرح مرن برت کا اعلان کر دیں۔

پنجاب کابینہ کے دو وزیروں پر بے اعتمادی کی تحریک یونینسٹ پارٹی نے عدم اعتماد کی تحریک پیش کی لیکن تحریک گر گئی۔

ہندستان باہر

ہنگری نے روم برلن محور میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حال ہی میں ہنگری کے دو وزیر روم گئے تھے اور وہاں ان لوگوں نے اطالوی وزیر خارجہ کاؤنٹ سیانو سے بات چیت کی جسکے بعد ہنگری نے روم برلن محور میں شامل ہوجانے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان میں یہ بھی بتایا گیا کہ دونوں حکومتیں ایک مشترکہ پالیسی پر عمل کرینگی۔ اسکے علاوہ وسط یورپ اور ڈینوب کے علاقہ پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔

ترکی کے لئے ایک بحری مستقر بنانے کا ٹھیکہ ایک جرمن کمپنی کو دیدیا گیا ہے۔ ایک برطانوی کمپنی بھی اسکے لئے کوشش کر رہی تھی لیکن اسے ٹھیکہ نہیں مل سکا۔

کابل کی ایک خبر ہے کہ افغانی حکومت نے پچھلے مہینہ جرمنی سے ۶۰ توپیں کئی ہوائی جہاز، اور ہوائی جہاز شکن توپیں اور بہت سی رائفلیں خریدی ہیں۔

گاندھی جی کی راجکوٹ سے واپسی

بقیہ صفحہ ۱۳

دربار والا یہ محسوس کریں کہ انھیں کسی دباؤ سے جھکنا پڑا ہے تو میرا عدم تشدد ناکامیاب سمجھا جائیگا۔ مجھے یہ پہلے سوچ لینا چاہئے تھا۔ میرے عدم تشدد کی مانگ تھی کہ میں اسے دور کروں۔"

گاندھی جی کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر انھوں نے دربار والا سے باتیں کیں اور دربار والا نے جواب دیا کہ گاندھی جی کی نئی تجویز میں بھی (دباؤ) موجود ہے۔

"انکی تقریر میں تلخی اور پرشد کے لوگوں کے لئے اظہار نفرت تھا۔ لیکن عدم تشدد کے ناکمل استعمال کا مجھے جو خیال ہو گیا تھا اسکے دفعتاً احساس سے میں نے اس حملہ کا جواب دینے کے بجائے انکی دلیل کا زور جتنے کہ انسان کی فطرت کی اچھائی پر عدم اعتماد اور میرے اپنے عدم تشدد کے عقیدہ کی کمی ظاہر ہوتی تھی تسلیم کر لیا۔"

گاندھی جی نے پرجا پرشد کے لوگوں کے سامنے اپنا یہ نظریہ پیش کیا اور انھیں بتایا کہ وہ دربار والا سے جھگڑنے کے بجائے انکا دل بھرنے کی کوشش کریں اور عدم تشدد پر پورا پورا اعتقاد رکھیں۔

آخر میں گاندھی جی نے لکھا ہے:-

"عدم تشدد سے صرف ہمت والوں کو منافع ہوتا ہے اور اسی لئے میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں میرا جسم چکنا چور ہو گیا ہے اور امیدیں خاک سیاہ۔ راجکوٹ نے میرے لئے ایک بیش بہا تجربہ گاہ کا کام کیا ہے۔ کاٹھیاواڑ کی دھوکہ بازی کی سیاست نے میرے صبر کی بری طرح آزمائش کی ہے۔ میں نے کارکنوں سے کہدیا ہے کہ وہ دربار والا سے گفتگو کریں۔ مجھے اور سردار پٹیل کو بھول جائیں اور اگر انھیں اتنا ملے جس سے ان کی کم سے کم مانگیں پوری ہوسکیں تو وہ ہم دونوں میں سے کسی سے صلاح لئے بغیر اسے تسلیم کرلیں۔ میں نے دربار والا سے کہدیا ہے کہ میں ہار گیا۔ ممکن ہے کہ آپ جیت جائیں لوگوں کو امکان بھر دیکر راضی کرلیجئے اور مجھے تار دے دیجئے تاکہ جو امید اسوقت جاتی رہی ہے وہ پھر تازہ ہوجائے۔"

وارد ھا اسکیم

مفتاح الدین ظفر گورنمنٹ ہائی اسکول بارہ بنکی

نمبر (۲)

پورا مضمون ۳ قسطوں میں

نصاب تعلیم وارد ھا اسکیم میں دستکاری کو تعلیمی مرکز مان کر دوسرے علوم وفنون کو اس کے جانب ترتیب دیا گیا ہے۔ دستکاری کے سلسلے میں جو کام تجویز کئے گئے ہیں یہ ہیں۔ کپڑا بننا۔ زراعت۔ کرسی کا کام۔ دفتی کا کام۔ باغبانی۔ پاکوبی اور دوسری ایسی صنعت جو اسکول کے گرد و پیش اور ماحول کو مد نظر رکھتے ہوئے تجویز کی جاسکتی ہو۔ اس کے علاوہ جو دوسرے علوم تجویز کئے گئے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں۔ مادری زبان۔ ریاضیات۔ معاشرتی مضامین۔ جنرل سائنس۔ ڈرائنگ۔ موسیقی اور ہندستانی۔

زبان کمیٹی کا خیال ہے کہ جب تک بچہ اپنی مادری زبان پر قدرت نہ حاصل کریگا وہ اس قابل نہیں ہوسکتا کہ سوسائٹی کا قابل قدر ممبر بن سکے۔ آجکل کی تعلیم میں مادری زبان دوسرے مضامین کے برابر درجہ ضرور رکھتی ہے لیکن یہ امر افسوسناک ہے کہ یہی ضروری مضمون ہماری بے توجہی کا شکار بنتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد ظاہراً تعلیم یافتہ نوجوان اپنی مادری زبان میں کچھ بھی شد بد نہیں رکھتا۔ رپورٹ نے تجویز کیا ہے کہ نئی تعلیم میں مادری زبان کو ایک اہم درجہ حاصل ہونا چاہئیے مادری زبان کی تعلیم بتدریج اس طرح ہونا ضروری ہے کہ اسکول کے بعد ایک طرف ہندستانی نوجوان آسانی سے، بانجگ بے تکلفی سے گفتگو کرسکے اور دوسری طرف آسان اور بامحاورہ زبان میں اپنے خیالات کو ادا کرسکے۔ یہی نہیں بلکہ اس کو اس قابل ہونا ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان کے مسلم الثبوت ادبا اور مصنفوں کے کلام سے روشناس ہو اور اس کو سمجھنے کی قدرت رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری خیال کیا گیا ہے کہ اسکول کے بعد ملک کے نوجوانوں میں اتنی صلاحیت پیدا ہونی ضروری ہے کہ وہ مادری زبان میں لکھی ہوئی کوئی عام کتاب یا اخبار خود پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔

ریاضیات ریاضی کو آجکل کی ریاضی سے بالکل ہی مختلف درجہ دیا گیا ہے۔ نئی تعلیم میں ریاضی کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی ہے جتنی کہ آجکل۔ موجودہ تعلیم میں ریاضی سب سے زیادہ مشکل مضمون سمجھا جاتا ہے الجبرا اور حساب کے عجیب وغریب سوالات اور جامیٹری کے خشک مسائل کو نئی اسکیم میں بالکل نئے اور مناسب طریقے سے جگہ دی گئی ہے۔ جو کچھ بھی ریاضی میں سکھایا جائے گا وہ مرکزی دستکاری سے تعلق رکھے گا۔ نیز بچے کے ماحول سے اور اس کی گھریلو زندگی سے رشتہ اتحاد قائم رکھے گا۔ اس طرح سے کمیٹی کا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل عنوانات کے ماتحت ریاضی کی تعلیم دینا کافی ثابت ہوگا۔

چار دن آسان قاعدے۔ چاروں مرکب قاعدے۔ کسور عام۔ اعشاریہ۔ اکائی کا قاعدہ۔ تناسب۔ سود۔ ابتدائی مینسوریشن۔ عملی جامیٹری۔ بہی کھاتہ۔

معاشرتی مضامین (Social Studies) کو نئی اسکیم میں جگہ دینے میں کئی ایک وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً ان مضامین سے بچہ دنیا میں اور خاصکر اپنے ملک میں حضرت انسان کی ترقی کو کچھ سمجھنے کے قابل ہوسکے گا۔ اور نہ صرف اپنے معاشرتی اور جغرافیائی ماحول کو مناسب طور پر سمجھ کر ٹھیک کام کرنے کے لائق ہوسکے گا۔ بلکہ اس کے دل میں مادر وطن سے محبت کرنے کا جذبہ پیدا ہوسکے گا اور وہ اپنے اسلاف کے بزرگوں کے کارناموں کو عقیدت اور محبت کی نظر سے دیکھ سکے گا اور اس کا عقیدہ ہوجائے گا کہ ترقی کے واسطے باہمی میل ومحبت کی بہت ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات ہے ان مضامین کی شمولیت سے بچوں کو شہریت اور تہذیب وتمدن کے سمجھنے کا موقعہ ملیگا اور وہ اس قابل ہوجائیں گے کہ اپنے اندر ایسے اوصاف پیدا کریں جو ان کو دنیا میں کامیاب بناتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بچے دنیا کے تمام مذاہب کو احترام کی نظر سے دیکھ سکیں گے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے کمیٹی کی رائے ہے کہ تاریخ جغرافیہ تمدن (Civics) اور روزانہ کے واقعات کے متعلق بچوں کو معلومات بہم پہونچائی جائیں۔ بچہ اپنے ماحول اور گرد وپیش کے واقعات سے ان مضامین میں علم حاصل کرے اور آہستہ آہستہ اس کا دائرہ معلومات وسیع ہوتا جائے یہاں تک کہ وہ مطلوبہ معیار پر پہونچ جائے۔

جنرل سائنس اس مضمون میں بھی کئی علوم شامل ہیں۔ مثلاً مطالعہ قدرت۔ علم نباتات۔ علم حیوانات۔ علم الاجسام علم الصحت۔ ورزش جسمانی۔ کیمیا۔ ستاروں کی معلومات، اور قصے کہانیاں وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ بچے قدرت کے کھیلوں کو بنظر غور مطالعہ کرسکیں اور اس طرح مشاہدات اور تجربات کے ذریعہ سے اپنے تجربے کو وسیع بنا سکیں۔ قصے کہانیوں کو نصاب میں شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بچے ان غیر فانی ہستیوں کا تذکرہ پڑھیں جنھوں نے اپنی ساری عمر

بقیہ علاقہ ڈویژن کے کمشنر کی وساطت سے براہ راست گورنر کے ماتحت ہے۔

اس کے اپنے رسم و رواج ہیں۔ یہاں: تو پولیس ہے (اس کا کام تحصیل کے ذریعہ ہوتا ہے) اور نہ محکمۂ آبکاری (ہر گھر اپنے مذاق کے موافق "سر" اور "دارو" تیار کرتا ہے) اپیل کی عدالت میرٹھ کمشنری ہے یہاں ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے ہیں اور زمین پر تاریخ سے پہلے زمانہ کی طرح ساری برادری کا قبضہ ہوتا ہے۔ راجپوت اب اس علاقہ میں نکلنے لگے ہیں اور انھوں نے وہاں کے اصلی باشندوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے لیکن راجپوت خود بھی خاندانی کھیا اور مہاجن کے چنگلوں میں پھنسے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۶ء کے الیکشن میں کانگرس پہلی مرتبہ اس علاقہ میں داخل ہوئی اور اب دو سال بعد حال ہی میں جونسار باور میں پہلی سیاسی کانفرنس ہوئی۔ چکراتا کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب سارا قصبہ ترنگے جھنڈوں سے سجا گیا اور فضا پہاڑیوں کے ایک بہت بڑے مجمع کے نعروں سے گونج رہی تھی اگر کٹر سے کٹر ان کا سر اگرچہ بلند تھا لیکن سفید پوشوں کے اس اچانک دھاوے سے وہ کچھ سراسیمہ سے ہو گئے تنگ بازار جھنڈوں سے سجا تھا اور پُر پیچ گلیاں ایسی پڑ رہی تھیں جیسے کوئی پُر جوش انسانوں کا سمندر ابل رہا ہو۔

لوگ باتیں کرتے کانگرسی وزیر آ رہا ہے۔ "ایک کمیشن مقرر کیا جائیگا"

چھوٹے چھوٹے راجپوت زمیندار کہتے "ہمارے کھیا اور سیانے اب ختم کر دئے جائیں گے"

کولٹا غلام کاناپھوسی کرتے "زمینداروں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ہمیں زمین اٹھوا دیں اور ہمیں آپ اپنے کھیت بونے دیں"

سیانے کہتے "یہ سب ہمیں کچلنے اور ہمارے حق مارنے کی سازش ہے ہماری مالگزاری بڑھا دی جائے گی اور "سر" اور "دارو" پر ٹیکس لگ جائیگا۔

وزیر صاحب۔ ڈاکٹر کاٹجو ٹھیک دوپہر کو پہنچے اور ڈھائی بجے ایک ٹیڑھے بیڑھے سبزے کے کنارے اونچے پر جہاں سے دیرہ دون دکھائی دیتا تھا۔ کانفرنس شروع ہوئی۔

استقبالیہ ایڈریس پڑھے گئے۔ زمینداروں نے کمیشن میں مقامی نمائندوں کا مطالبہ کیا۔ ایک گرجتے ہوئے برہمن وکیل نے کولٹاؤں کے حقوق کی حمایت کی (اس سے چند ہی منٹ پہلے انھوں نے وزیر صاحب اور کانفرنس کے منتظمین کے خلاف سیاہ جھنڈوں کا مظاہرہ کرنے کی تجویز کی تھی) اور راجپوتوں کے ہاتھوں ان اچھوتوں کی بے پناہ درگت کو بیان کیا۔ ڈاکٹر کاٹجو نے فوراً ہی دال میں کچھ کالا دیکھ کر کہا کہ ایک برہمن کو اچھوتوں کی طرفداری کرتے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے لیکن بہتر ہو تاکہ اچھوت خود ہی سامنے آتے۔

سپاسناموں کے جواب میں ڈاکٹر کاٹجو نے کچھ اس ڈھنگ پر تقریر کی۔

انھوں نے کہا "جو لوگ غریب ہیں ان کی حکومت بھی غریب ہوگی۔ اگر آپ کی حکومت بدیسی ہوتی تو آپ اس سے کہہ سکتے تھے کہ وہ آپ کے لئے باہر سے روپیہ لائے۔ لیکن کانگرسی حکومت آپ کی اپنی ہے اور باہر سے روپیہ نہیں لا سکتی۔ اپنی مدد آپ ہی کیجئے اور اسی طرح آپ ہماری بھی مدد کریں گے۔ مثلاً یہاں اُون کی پرانی صنعت ہے۔ آپ اس کی بکری کے لئے اپنی ایجنسیاں کیوں نہیں کھولتے۔ اور المواڑے کے لوگوں کی طرح اپنی صنعت کو ترقی کیوں نہیں دیتے؟ آپ اپنے جنگل بیچنے کا حق مانگتے ہیں۔ اسطرح آپکا تھوڑا بھلا ہو جائے گا۔ لیکن اتنا زیادہ بھلا نہیں ہوگا جتنا کہ آپ کے خود ہی پیدا اور بڑھانے سے ہو سکتا ہے۔ آپ کے لئے میری سب سے پہلی تجویز۔ اتحاد۔ اور تنظیم اور دیہات سدھار ہے۔ آپ کے خرچ کی بھی اچھی طرح دیکھ بھال ہونا چاہئے۔ مقدمہ بازی ایک سماجی جونک ہے اس میں یا شراب میں روپیہ کیوں ضائع کیجئے۔ اپنے چھوٹے جھگڑے پنچایت ہی کیوں نہ طے کر لیجئے؟ اگر آپ اپنی گھریلو صنعتوں کو ترقی دیں گے تو حکومت آپ کی مدد کریگی جتنا سرمایہ آپ جمع کریں گے اتنا ہی آپ کو حکومت سے ملجائے گا۔ حکومت بکریوں کی نسل کے انتظام کے لئے ایک ہزار روپیہ پہلے ہی دے چکی ہے۔

کمیشن میں آپ کے مزید نمائندگی کے مطالبہ پر مجھے تعجب ہے ہمارے یعنی آپ کی حکومت کے لئے۔ آپ میں سے ایک آدمی بالکل کافی ہے۔ یقین کرتے کہ میں آپکی شکایتوں کی جانچ کر کے بعض منتخبہ حصص کے سامنے پیش کروں گا"

تقریر بھاری بھرکم اور کچھ سست ضرور تھی لیکن اس میں لطیفیں بہت تھیں۔ زمینداروں اور سیانوں نے خوب تالیاں پیٹیں لیکن کولٹوں اور باجگیوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

وزیر صاحب روانہ ہو گئے اور دن بھر کے بعد جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے پنڈال سے لوٹ آئے اور چھوٹے چھوٹے جتھوں میں بٹ کر دن بھر کی باتوں اور آئندہ کی تجویزوں پر بات چیت کرنے لگے۔

کانفرنس کا اصلی کام دوسرے دن شروع ہوا۔ دس بجے دن کو سبجکٹس کمیٹی جس میں تمام ۴۲ پرگنے کے ممبر شامل تھے جمع ہوئی۔ شروع میں تقریباً پچاس آدمی تھے لیکن بعد میں کوئی دو سو سے اوپر تک آدمی آگئے۔ چھوٹے مقامی معاملات سے لیکر فیڈریشن کی مخالفت تک پر بہت سی قراردادیں کانفرنس کے صدر تیاگی جی کو دیدی گئیں۔

پہلے کمیشن کی قرارداد پر بحث ہوئی اس میں کمیشن کا خیرمقدم کیا گیا تھا لیکن حکومت سے جونسار باور کے نمائندے مقرر کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ کالسی منڈل کے سکریٹری درشن لال نے ترمیم پیش کی کہ اگر مقامی نمائندے نہ شامل کئے جائیں تو کمیشن کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ پنڈت دیودت صدر دیرہ دون ضلع کانگرس کمیٹی اور کے۔ کے سنہا سکریٹری دیرہ دون قصبہ کانگرس کمیٹی نے جو ایم۔ این رائے کے معتقد تھے اس ترمیم کی تائید کی۔ ان کا کہنا تھا کہ کانگرسی حکومت عوام کے جمہوری حقوق پامال کر رہی ہے اور نوکرشاہی کیساتھ سمجھوتہ

کر رہی ہے اس لئے عوام کو احتجاج کرنا چاہئے۔ لڑنا چاہئے اور کمیشن کا بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ اصلی قرارداد کے حامیوں اور تیاگی جی تک نے اس سے اتفاق کیا کہ مقامی نمائندے رکھانے کا یہ ایک اچھا اور مناسب طریقہ ہے لیکن انھوں نے ایسے کمیشن کا جو کانگرسی وزارت کے دباؤ سے مقرر کیا گیا ہو جس میں تین ممبر کانگرسی ہوں اور جس کے استفسار کے مضمون بہت مفید اور وسیع ہوں، بائیکاٹ کرنے کی مخالفت کی لیکن رائے کے پرو کار جب سے اس کانفرنس کے پارٹی بندی کے تمام لوگ ان کے ساتھ ہوگئے۔

سوشلسٹوں کی طرف سے میں پوزیشن واضح کرنے کھڑا ہوا۔ میں نے کہا کہ ہم اپنے بائیں بازو کا ساتھ نہیں دے سکتے جس کی بنیاد غلط نظریوں پر ہو اور جو پارٹی بندی کے ایک عارضی فائدہ کی خاطر جان بوجھ کر عوام کے بہترین مفاد کے خلاف جاتا ہو۔ یہ علاقہ سالہا سال سے سامراج کے پاؤں تلے دبا رہا ہے اب پہلی دفعہ ایک کمیشن کے ذریعہ جس میں ہمارے اپنے آدمی تیاگی جی کے ساتھ تین کانگرسی ممبر ہیں عوام کی طرف سے اس کی جانچ ہو رہی ہے اگر ہم اس کا بائیکاٹ کردیں گے تو کہا جائے گا کہ ہمیں کانگرسی وزرات یا تیاگی جی پر جو ہمارے نمائندے ہیں بھروسہ نہیں ہے اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو اپنے نمائندوں کے خلاف ایک صاف قرارداد پیش کردیجئے انھیں کمیشن میں شریک ہونے سے منع کردیجئے۔ ان کی زبان کسی کی پابند نہیں ہے۔ اگر حکام کے ساتھ انھیں اختلاف ہوا تو وہ اپنا اختلافی نوٹ دے سکتے ہیں اور ہم ہر وقت ان تک پہنچ سکتے ہیں۔ بہرحال یہ دیکھنے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے کہ کمیشن کیا کارروائی کرتا ہے پہلے ہی سے اسے برا بھلا کیوں کہا جائے۔

تیاگی جی نے کانگرسیوں کی پوزیشن صاف کرتے ہوئے بحث کا جواب دیا۔ دو آدمی جونسار بوار سے پوری طرح واقف تھے۔ ایک کو گڑھوال کی بابت جہاں اسی قسم کے مسئلے تھے سب کچھ معلوم تھا۔ حکام میں سے ایک تحصیلدار تھا جس کو گڑھوال اور اس علاقہ کی معلومات تھیں۔ دوسرا اسی حلقہ کا ڈپٹی کلکٹر تھا۔ اور تیسرا دہرہ دون بہنیں کا سپرنٹنڈنٹ۔ اگر ہم تمام وعدوں کے باوجود کانفرنس نے کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کردیا تو اس کے کانگرسی ممبروں کے پاس استعفیٰ دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ اور کمیشن میں تین حکام اکیلے رہ جائیں گے۔ کیا اسی طرح جونسار بوار کی خدمت ہوگی۔ کیا یہ ایک سنہرے موقعے کو کھو دینے کے برابر نہ ہوگا۔ ان باتوں کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ ترمیم بہت بڑی اکثریت سے گر گئی۔

اس کے بعد کانفرنس نے سیانوں۔ زمینداروں۔ کولٹوں۔ سوداگروں اور کانگرسیوں کی ایک کمیٹی کمیشن کے پاس بھیجنے کے لئے مقرر کی۔ ان کے نام جمع کرنے میں دیر لگی اور اس درمیان میں اور دوسری قراردادیں پیش ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ اختلاف دیودت جی کی قرارداد پر تھا جو کولٹوں کے حقوق کے متعلق تھی۔ کولٹے اچھوت ہیں اور چھوٹے زمینداروں کے غلاموں کا کام کرتے ہیں۔ انھیں زمین خریدنے یا گھر بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ زمیندار سے قرض لیتے ہیں اور اپنی محنت سے سود ادا کرتے ہیں۔ قرضہ نسلاً بعد نسل چلتا رہتا ہے اور اس طرح کولٹے زمینداروں کے خاندانی غلام بن جاتے ہیں۔

کانفرنس کے سامنے یہ مسئلہ تھا۔ چھوٹے زمینداروں کو خفا کئے بغیر کولٹوں پر سے اس قرض اور غلامی کا بوجھ کس طرح ہٹایا جائے۔ کچھ لوگوں نے خیال کیا کہ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ سیانوں اور مہاجنوں کے اختیارات محدود کرنے پر زور دیا جائے۔ حکومت سے جنگلات بیچنے کا حق لیا جائے (جس کی رقم سارے گاؤں کے فائدے کے لئے ایک متحدہ پنچایت کے قبضہ میں دیدیا جائے) اور ان کے بدلے میں زمینداروں پر زور دیا جائے کہ وہ کولٹوں کو کاشتکاری کرنے، بنجر زمین پر گھر بنانے اور جنگلوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدیں۔

بظاہر دیودت جی اور ان کے پیرو اس کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ کانفرنس کا مقصد کیا تھا۔ انھوں نے کولٹوں اور زمینداروں کے متحدہ محاذ کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ انھوں نے زمینداروں کو بالکل چھوڑ کر صرف کولٹوں کی حمایت کی۔ کولٹوں کے مطالبہ کے جائز ہونے سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا تھا۔ کوئی سوشلسٹ اس بات کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ یہاں سب سے زیادہ ستایا ہوا اور غالباً سب سے زیادہ انقلابی یہیں کا طبقہ تھا۔ لیکن کولٹوں کی اصلاح کرنے کا فوری مسئلہ زمیندار طبقہ کو چھوڑ کر نہیں حل ہو سکتا تھا۔ نہ تو زمیندار ہی تنہا کام کرسکتے تھے اور نہ کولٹے۔ کوئی چیز حاصل کرنے کیلئے دونوں کو ایک ساتھ کام کرنا تھا۔ اسکے لئے جونسار بوار میں ایک ترقی پسند پروگرام کے لئے عوام کی زیادہ سے زیادہ تائید حاصل کرنا ضروری تھا۔

دیودت جی اور ان کے دوستوں کی چالوں کے باوجود اتحاد کیلئے ایک مشترکہ بنیاد قائم رہی۔ کانفرنس سے کولٹوں کو ایک بہت اہم فائدہ ہوا۔ اسلئے کہ ان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انھیں اپنی شکایتیں بیان کرنے اور کمیشن میں اپنے نمائندے بھیجنے کے لئے تمام طبقوں کے مشترکہ جلسہ میں ایک ہی پلیٹ فارم پر سے بولنے کی آزادی ملگئی۔ اسکے علاوہ انھوں نے زمینداروں سے سول حقوق کی برابری اور جینے پھرنے اور محنت مزدوری کرنے کی آزادی کا اصول تسلیم کروالیا۔ یہ رعایت بہت ہی معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔

اس پر دو گھنٹے تک گرماگرم بحث ہوتی رہی اور بحث کے دوران میں زمیندار قریب قریب واک آؤٹ کرگئے۔ لیکن اگر کولٹے عقل اور چالاکی سے کام لیں گے تو اب وہ اس رعایت کے بل پر اپنی جتھا بندی کرسکتے ہیں۔ آخر میں دیودت جی اپنی اصلی قرارداد میں صرف برابر کے حق کا اصول شامل کرنے پر راضی ہوگئے۔ جلسہ کے ختم ہونے پر وہ اور کولٹوں کے دوسرے حمایتی زمینداروں کے ہاتھوں پٹتے پٹتے بچے۔ اس علاقہ میں سیاسی ترقی کے موجودہ درجہ پر ایسے [illegible] کی چالوں سے صرف یہ ہوتا ہے کہ بایاں بازو الگ ہو جاتا ہے اور عوام کے سب سے پست طبقہ کے لوگوں میں پھوٹ پڑجاتی ہے۔ کانفرنس نے یہ بات بہت اچھی طرح سے ثابت کردی۔

ان طوفانی قراردادوں کے بعد فیڈریشن اور ریاستوں وغیرہ کی قراردادیں نسبتاً سکون سے پاس ہوگئیں۔ اور ساڑھے تین بجے شام کو سبجکٹس کمیٹی کا اجلاس کھانے کے لئے جس کے لوگ اب پوری طرح محتاج تھے ختم ہوا۔

عام اجلاس شام کو ہوا لیکن اس وقت زیادہ تر چہل پہل ختم ہوگئی تھی۔ رات بڑھ رہی تھی۔ اور آندھی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن کانفرنس کے خاص خاص کام یعنی پچھلی فصل کو کاٹنا، کانگرس کے آئندہ کے کام کا بیج بونا، سیاسی بحثیں چھیڑنا اور ترقی اور آزادی کی نئی قوتوں کو ابھارنا جن سے ہونہار بروا اپنی تنہائی کے کسی گوشہ سے نکلنے والا تھا، کامیابی کے ساتھ پورے ہوگئے تھے جب دوسرے دن جھکڑ آتا کے بازاروں میں پھرتے ہوئے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے جتھوں میں گرما گرم بحث کرتے دیکھا تو میں نے جان لیا کہ بیج ٹھیک پڑ گئی ہے اور اب بقیہ عمارت بنانا ہمارا کام ہے۔

ادیب کی چند راتیں

((وجاہت سندیلوی))

(۱)

میں شہر میں بالکل ہی تنہا تھا۔ ایک چھوٹے سے دفتر میں ملازم اور ایک بڑی عمارت کی پشت پر ایک چھوٹے سے میلے کچیلے تاریک کمرہ میں مقیم۔ شہر کی دلچسپیاں اور لطافتیں میرے لئے کہانیاں تھیں۔ میں ان سے دور تھا بہت دور۔ دن بھر دفتر میں کام کرتا ——— خاموشی سے اپنی میز پر سر جھکائے ہوئے۔ شام کو گھر لوٹتے ہوئے راستہ کے ایک سستے ناشتہ گھر میں چائے پیتا اور ایک سگرٹ سلگاتا پھر ادھر ادھر بھٹکتا ہوا موٹروں تانگوں سائکلوں سے کتراتا دور تک نکل جاتا۔ اندھیرا ہوتے کمرہ میں پھر پہنچ جاتا۔ سامنے کے ہوٹل میں سب سے کم قیمت کھانا کھاتا اور پھر سگرٹ کی ایک ڈبیا لے کر اپنے لکھنے کی میز پر بیٹھ جاتا۔ دنیا میں اگر مجھے کسی چیز سے محبت تھی تو کہانیاں لکھنے سے کبھی کبھار میری کہانیاں سستے معمولی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتیں۔ کئی دفعہ میں نے اعلیٰ طبقے کے پرچوں میں بھی کہانیاں بھیجیں لیکن وہ ہمیشہ واپس کر دی گئیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک نہایت ہی اچھوتے پلاٹ پر ایک ہفتہ میں ایک کہانی بڑی محنت سے تیار کی اور شہر کے سب سے مقبول اور اعلیٰ طبقہ کے پرچہ کو بھیجی لیکن اڈیٹر نے اس پر نہایت دل شکن اور مایوس کن تنقید لکھ کر بغیر کسی رسمی شکریہ کے واپس کر دیا۔ اس دن سے میں نے کبھی کوشش نہیں کی کہ میں کسی معیاری پرچہ کو اپنی کہانی بھیجوں۔ میں عموماً رات کو ایک دو بجے تک لکھتا رہتا اور بعض دفعہ تو ساری رات گذار دیتا۔ مس سویرے نو بجے کے بعد سو کر اٹھتا۔ فوراً ضروریات سے فارغ ہو کر کھانا کھاتا اور دفتر روانہ ہو جاتا ——— یہ تھی میری زندگی! مجھے تو اپنی زندگی ایک ناپیدا کنار ریگستان معلوم ہوتی ہر طرف ریت ہی ریت نہ کوئی چشمہ نہ پھول نہ پتی ایک ہی منظر ایک ہی تصویر ہر چیز خشک ہر شے جھلسی ہوئی مرجھائی ہوئی ——— میں اپنی زندگی نہیں گذار رہا تھا وہ خود گذر رہی تھی ایک ہی رفتار، ایک ہی قسم کی حرکت ——— جو کسی مشین کو بھی شرماتی۔

(۲)

جاڑوں کے دن تھے آدھی رات گذر چکی تھی میں لکھتے لکھتے تھک کر آنکھیں بند کئے کرسی پر لیٹا ہوا سگرٹ سلگا رہا تھا۔ میری ادھوری کہانی جس کو میں نے آج ہی شام کو شروع کیا تھا ایک ایسی منزل پر آکر اٹک گئی تھی جس کے آگے بڑھنا بہت ہی دشوار تھا۔ کہانی کا مستقبل مجھے اپنے ہی مستقبل کی طرح بالکل تاریک اور دھندلا نظر آتا دفعتاً میں نے ایک ایسی آواز سنی جیسے سونے چاندی کے چند ننھے نازک برتنوں کو ایک دوسرے سے آہستہ سے ٹکرا دیا جائے۔ نہیں نہیں یہ کسی لڑکی کا قہقہہ تھا۔ میں چونک پڑا۔ مجھے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ قہقہہ! اور ایک لڑکی کا قہقہہ! یہاں میرے کمرے کے پاس! اور پھر اس وقت! میں بہت رنگیا۔ تعجب سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میری ہمت نہ پڑی کہ میں دروازہ کھول کر باہر جھانک بھی سکوں۔ جس طرح اندھیرے میں ایک لمحہ کے لئے کوندا لپکتا ہے۔ اور پھر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے اسی طرح ٹھنڈی رات کی منجمد خاموشی میں یہ قہقہہ کھنکا اور پھر پہلے سے بھی زیادہ خاموش خاموشی طاری ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ کہیں دولت و شہرت کی دیوی اس تاریک رات میں میرا مذاق اڑانے تو نہیں آئی تھی! اسی طرح میں نے کئی دوسری حماقت کی باتوں کی طرف اپنا خیال دوڑایا لیکن بعد کو ان توہمات کو نفرت سے ٹھکرا کر میں دیر تک غور کرتا رہا کہ کون لڑکی تھی! یہ یہاں اس وقت کیسے آئی! کیا میں اس سے مل نہیں سکتا! جس لڑکی کا قہقہہ اس قدر پر اسرار اور پر کیف ہو وہ یقیناً بیحد حسین ہوگی ——— اس روز اپنے بستر پر میں نے اپنے آپ کو ہر روز سے کہیں زیادہ تنہا پایا۔

(۳)

دوسرے روز سویرے اٹھ کر میں نے دیکھا کہ میرے کمرے کے پاس ہی ایک [illegible] ہے۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی نوجوان حسین لڑکی میرے کمرہ کے اوپر دوسری منزل میں رہتی ہے اور میں یہ حسرت اپنے سینہ سے چمٹائے کہ کاش کہ میں اس سے مل سکتا دفتر چلا گیا۔ مجھے اپنی یہ خواہش ایسی ہی معلوم ہوئی جیسے کوئی بھک منگا جواہرات اور اشرفیوں کا خواب دیکھے۔

کئی دن گذر گئے۔ میری زندگی اپنی مقررہ رفتار اور حرکت سے چلتی

رہی صرف میرے دل میں ایک کانٹا سا کھٹکتا رہا ——

(۴)

رات کے دس بجے ہوں گے میں حسب معمول اپنے کمرہ میں لکھ رہا تھا۔ دفعتاً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں تعجب اور خوف سے اچھل پڑا۔ میرا دروازہ کھٹکھٹانے والا اس شہر میں کون؟ پھر کسی نے زیادہ زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ "کیا مکان میں آگ لگ گئی؟" میں نے سوچا اور لپک کر دروازہ کھولدیا۔ مخمل کے زمردیں شب خوابی کے لباس میں ایک سترہ اٹھارہ سال کی حسین و لفریب لڑکی کا چہرہ جھلملا رہا تھا۔

اس نے کہا "معاف کیجئے گا ایک ضرورت کے لئے آپ کو تکلیف دی"

اس نے میرے میلے کچیلے کپڑوں اور پریشان بالوں پر نظر کی میں جھینپ سا گیا۔

"فرمایئے" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا

"معاف کیجئے گا" اس نے پھر کہا

"کوئی حرج نہیں فرمایئے"

"آپ ڈی لگرشے سینما تک چلے جائے اور وہاں کے منیجر کو یہ خط دیکے اور وہ جو چیز دیں اسے لیتے آیئے شہر کی سب دوکانیں بند ہو گئی ہیں"

"بہت اچھا" میں نے نہایت عاجزی سے کہا "کپڑے پہن کر جاتا ہوں۔ لیکن یہ ڈی لگرشے ہے کہاں؟" اس نے مجھے رحم کی نگاہوں سے دیکھا پھر معصومیت سے بولی "آپ میری موٹر لیجائیے گا۔ ڈرائیور بالکل ہی جاہل ہے ورنہ میں اسے تنہا بھیج دیتی وہ منیجر تک نہ پہونچ سکے گا"

وہ چلی گئی اور میں نہ معلوم کن خیالات میں منہمک کمرہ میں جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگا۔ نہ معلوم کیوں میں نے اپنا سب سے بیش قیمت جوڑا پہنا۔ میں کمرہ سے باہر نکلا تو دروازہ پر موٹر کھڑی تھی ——

میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب سینما کے منیجر نے میرے سامنے شیمپین کی دو بوتلیں رکھدیں اور جب میں نے پوچھا "خط کا جواب؟" تو اس نے کہا

"یہ بوتلیں لیتے جایئے یہی خط کا جواب ہے" ——

ڈرائیور نے مجھے میرے کمرہ کے سامنے اتار دیا۔ میں کمرہ میں داخل ہوا تو میرے دماغ میں طرح طرح کے خیالات اور تاثرات کا ایک بے پناہ ہجوم تھا۔ لیکن جو خیال اور تاثر سب سے زیادہ نمایاں تھا وہ یہ کہ میری خودداری کو بری طرح مجروح کیا گیا تھا —— یہ لڑکی یقیناً طوائف تھی —— اس نے ایک گھناؤنے کام میں مجھے اپنا شریک کار بنایا —— اس عالیشان عمارت میں مجھ ہی کو اتنا حقیر اور ذلیل سمجھا کہ اس نے گیارہ بجے رات کو شراب لینے بھیجا —— میں غریب ہوں مفلس ہوں دنیا مجھے ٹھکراتی ہے روندتی ہے لیکن میں اپنی خودداری کو اس طرح مجروح نہیں کر سکتا —— کمزور کو سب دباتے ہیں —— میری غریبی سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا —— غیر ارادی طور سے میرے آنسو چھلک آئے۔ مجھکو تسلی دینے والا صرف ایک خیال تھا "وہ حسین تھی بلا کی حسین" ——

(۵)

دوسرے دن رات کو پھر کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں سمجھ گیا کہ وہی ہوگی پھر کسی کام کے لئے آئی ہے۔ میں جانتا کہ آج میں اس کو کیا جواب دونگا۔ میں نے دروازہ کھولدیا۔ وہ آج عنابی لباس میں تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے یاقوتی ہونٹوں پر تبسم کی کلیاں کوندرہی تھیں۔ خلاف توقع اس نے کوئی فرمائش نہیں کی وہ کمرہ میں چلی آئی میرا میلا کچیلا تاریک کمرہ جگمگا اٹھا۔ کمرہ میں صرف ایک کرسی تھی میں نے وہ کرسی اس کو پیش کردی اور خود پاس ہی اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے چاروں طرف میرے کمرہ کو دیکھا میں گھبرا سا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اس پر غصہ بھی آیا کہ یہ میری غریبی دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں میرا مذاق اڑا رہی ہوگی۔

مسکراتے مسکراتے اس نے کہا "کل آپ کو بڑی تکلیف ہوئی"

میں ارادتاً خاموش رہا

"آپ کیا کرتے ہیں؟" اس نے میری خاموشی سے متاثر ہوئے بغیر پوچھا

"میں دفتر میں ملازم ہوں"

"لیکن آپ رات کو اتنی دیر تک کیوں جاگتے ہیں؟" وہ مسکرا رہی تھی۔

"مجھے کہانیاں لکھنے کا شوق ہے"

"آپ کہانیاں لکھتے ہیں۔ کہانیاں! سچ!" وہ سچ مچ متعجب تھی۔

مجھے اس کے معصوم تعجب پر رحم آیا "جی ہاں۔ اور آپ کیا کرتی ہیں؟"

اس نے اپنا ساحرانہ قہقہہ لگایا "آپ کہانیاں لکھتے ہیں میں کہانیاں بناتی ہوں" وہ ہنس رہی تھی۔ میں جھینپ گیا "لیکن کہانیاں لکھنا کہانیاں بنانے سے مشکل ہے" میں نے ایک غیر ضروری مبہم سی بات کہی۔

"یہ آپ جانیں —— لیکن آپ کہانیاں لکھ کر کیا کرتے ہیں؟ آپ نے تو ہزاروں کہانیاں لکھ ڈالی ہوں گی۔ آپ ان کو اخبارات میں بھیج دیتے ہیں؟ اخبارات آپ کو اس محنت اور مشکل کام کی اجرت نہیں دیتے؟" میں نے محسوس کیا اس کو مجھ سے ہمدردی ہے۔

"میں سارا وقت کہانیاں لکھنے پر نہیں صرف کرتا میں کہانیاں پڑھتا بھی ہوں۔ میں ایک ایک کہانی کو کئی کئی بار لکھتا ہوں اس میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔ اخبارات کو میں سب کہانیاں نہیں بھیجتا۔ سب بھیجوں تو چھاپنے کون؟ بڑی بیقدری کا زمانہ ہے۔ زیادہ تر کہانیاں تو میں لکھکر اپنے بکس ہی میں ڈالدیتا ہوں" میرے جملے ٹوٹے پھوٹے تھے۔

"تو جو کہانیاں آپ اخبارات کو بھیجتے ہیں ان کی کچھ اجرت بھی ملتی ہے؟"

"اجرت!" میں ایک تلخ ہنسی ہنسا۔ وہ سمجھ گئی۔

"اچھا میں آپ کی کہانیاں خریدوں گی" اس نے مسکرا کر کہا۔

"آپ! آپ ان کو لے کر کیا کیجئے گا"

"میں ان کو اپنے نام سے شائع کرواؤنگی"

"اچھے اخبارات ان کو نہیں شائع کریں گے"

"اچھے اخبارات!" اس نے طنز سے کہا "آپ سے کیا مطلب!"

میں خاموش رہا۔

"آپ نے اپنی کہانیوں میں کیا لکھا ہے" اس نے پوچھا

"اپنے دل کی بھڑاس۔ سماج سے انتقام۔ اپنے خواب!" میں کیا بتاتا!

"سچ! وہ تو عجیب چیز ہوں گی۔ میں ان کو ضرور لونگی" اس کا اشتیاق

سے دنیا میں پھیلاؤ زیادہ مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ اور ۱۹۳۵ء
آل انڈیا کسان سبھا نے بھی ... منانے کا فیصلہ

(۷)

(۹)

(۸)

(۱)

(۲)

تنقید و تبصرہ

پرچم ہفتہ وار لکھنؤ

اڈیٹر سبط حسن - صفحات ۲۰ - لکھائی چھپائی کاغذ اچھا سائز ہندستان کا - سالانہ تین روپیہ فی پرچہ ایک آنہ

اس پرچہ کی ادارت میں نفاست کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اچھا ہوتا ہے - مضامین کی ترتیب میں ایسی شگفتگی ہوتی ہے کہ پرچہ ملتے ہی جی چاہتا ہے کہ پڑھنے سے پہلے اسکی ورق گردانی کر ڈالو-

ایک نظم سرورق پر ہوتی ہے اور ایک نظم اندر کے ایک صفحہ پر ایک یا دو افسانے ہوتے ہیں اور دو ایک سیاسی مضامین سب اچھے معیار کے ہوتے ہیں اور سب صاف اور سادہ زبان میں ہوتے ہیں۔ پرچہ ختم کرنے کے بعد وقت کی قیمت مل جاتی ہے۔

پرچہ کی پالیسی کچھ صاف نہیں ہے - وہ کانگرس کا بھی ہمدرد ہے اور مسلم لیگ کا بھی اور ساتھ ہی ساتھ دونوں کی موجودہ روش سے خوش نہیں ہے، دونوں کو اچھے مشورہ دیتا رہتا ہے۔ اور اس کوشش میں ہے کہ دونوں مل جلکر قومی خدمت کریں- ایسی پالیسی میں جو عیب ہونا چاہئے وہ اس پرچہ میں موجود ہے - وہ یہ کہ پرچہ سیاست کی بنیادوں کو تو صاف کرتا ہے، لیکن جہاں ملکی سیاست کا سوال اٹھتا ہے یہ بنیادوں کو سلجھاتے گھبراتا ہے - کیونکہ اس صورت میں اسکو اپنی پالیسی بدلنا پڑے گی۔

اس کے سامنے کام کرنے کا کوئی خاص راستہ نہیں ہے۔ ہاں یہ تمنا ضرور ہے کہ مسلمان قوم، کسی طرح گھوم پھر کر آزادی اور انقلاب کے راستہ پر آجائے۔

ہم سوراج کیوں چاہتے ہیں؟

مصنفہ پرنسپل چھبیل داس - ریڈر سائز - صفحات ۶۴ قیمت ۴ر
ملنے کا پتہ میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور-

ہندستان کس طرح تباہ ہو رہا ہے - اس کو ہم اسی وقت اچھی طرح جان سکتے ہیں جب ہم کو مختلف قسم کے اعداد و شمار معلوم ہوں اس کتاب میں خاص خاص اعداد و شمار جمع کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً ہندستان میں تعلیم، اس میں اعداد دیے گئے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں تعلیم یافتہ کتنے ہیں اور ہندستان میں کتنے - اسی طرح فی کس آمدنی، کارخانے، صوبہ وار مالیہ وغیرہ کے اعداد و شمار ہیں لیکن انکی صحت کا ثبوت نہیں پیش کیا گیا ہے - اسکے علاوہ بہت سے ضروری اعداد و شمار غیر موجود ہیں - پھر بھی ہیں - لیکن پھر بھی کتاب ایک ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

خان برادران لاهور مین

لاهور کی انجمن دور اول نے خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کو چائے کی دعوت دی—
تصویر مین ڈاکٹر خان صاحب سپاسنامہ کا جواب دے رہے هین—

Title cover printed at the Standard Printing Works Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

کاسا بن

بچوں-جوانوں اور بوڑھوں کے لئے کھانسی کی شرطیہ دوا

دمہ کی سوجن—دمہ—کھانسی—نزلہ—خراش—وغیرہ—وغیرہ میں تیزی سے اثر کرتی ہے—

بنگال کیمیکل کلکتہ-بمبئی

DR W C ROY'S (L. M. S.) SPECIFIC FOR INSANITY

Teler: "Pauptin" Calcutta. Established over 40 years. Phone 708

SOLD EVERYWHERE

Insanity, Insomnia, Hysteria, Epilepsy, Neurasthenia and all other mental Diseases.

Recipient of efficacy gold medals from All-India Exhibitions. Elaborate Booklet sent free.

Price Rs. 5/- per phial

Justice Sir Ramesh Chandra Mittra, kt. Writes:- "I personally know of two cases cured by it"

Dr. Rabindra Nath Tagore (The great poet), says:- "I have been acquainted with Dr W. C. Roy's Specific for Insanity and have known it to be efficacious"

Srinath Ghose, M. B., Writes:- "Acted as a charm, completely cured by only 30 pills".

S. C. ROY & CO.

MANUFACTURING CHEMISTS

167/3, Cornwallis Street or 157/B, Dharmatolla Street, Calcutta.

Apply for prospector "B"

مکتبہ جامعہ کے تازہ ترین علمی کارنامے

وقت کی تین لاجواب کتابوں کی اشاعت

(۱) ہندوستانی (۲) جوہر اقبال (۳) مضامین محمد علی

ہندوستانی—جو تقریریں آل انڈیا ریڈیو نے ۲۰ فروری سنہ ۱۹۳۹ء سے ۲۵ فروری سنہ ۱۹۳۹ء تک نشر کرائی تھیں مکتبہ جامعہ نے ۲۶ فروری سنہ ۱۹۳۹ء کی صبح کو انہیں بہ یکوقت اپنے تینوں دفاتر دہلی—لاہور اور لکھنؤ سے شائع کرایا—

ڈاکٹر تارا چند—مولوی عبدالحق—بابو راجندر پرشاد ڈاکٹر ذاکر حسین—پنڈت برج موہن دتاتریہ—مسٹر آصف علی

نے

وقت کے اہم ترین مسئلہ کا حل جسطرح پیش کیا ہے آپ کو صرف اس کتاب سے معلوم ہوگا-کتاب اردو اور ہندی دونوں رسم الخط میں شائع کی گئی ہے—

قیمت اردو ایڈیشن ۱۲ آنہ
قیمت ہندی ایڈیشن ۱۲ آنہ

جوہر اقبال—علامہ اقبال کی زندہ جاوید اور بے مثال شخصیت پر ہندوستان کے چوٹی کے ارباب علم و فضل ڈاکٹر ذاکر حسین—ڈاکٹر عابد حسین—مولوی عبدالحق—سید سلیمان ندوی—مہاتما گاندھی—سر سپرو—سر اکبر حیدری—پروفیسر محمد مجیب—پروفیسر رشید احمد صدیقی اور غلام السیدین کے مضامین و پیامات—قیمت مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ

مضامین محمد علی—مرتبہ پروفیسر محمد سرور صاحب—مولانا کی سیاسی-مذہبی-ادبی اور اجتماعی زندگی کی سرگرمیوں کا بہترین دلاویز مرقع جسمیں ان کی شخصیت وطن—ملت کے مسائل سیاسی اور اجتماعی تحریکات کی شکل میں پیش کی گئی ہے—یہ مولانا کی خودنوشت سوانح عمری بھی ہے اور ہندوستان کی سیاسی تاریخ-ضخامت ۴۰۰ صفحات قیمت ۲ روپیہ ۸ آنہ—

نوٹ—تینوں کتابوں کا محصول ڈاک ۱۵ آنہ ہے جو حضرات رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی بھیج دینگے ان کے ساتھ نصف محصول ڈاک کی رعایت ہوگی یعنی منی آرڈر ۵ روپیہ ۱۱ آنہ کے بجائے ۵ روپیہ ۵ آنہ ۶ پائی کا ہوگا

مکتبہ جامعہ

۱—قرول باغ—نئی دہلی—
۲—جامع مسجد—دہلی—
۳—امین آباد—لکھنؤ—
۴—لوہاری دروازہ—لاہور—

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر مدنی المطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر بھوسہ منڈی روڈ (سابق جوبلی اسکول) سے شائع کیا

ہندوستان

جلد ۳ — نمبر ۱۸ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۷ مئی ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

پشاور میں بزم شہیدان

خان عبدالغفار خان شہیدوں کی یادگار پر پھول چڑھانے کے بعد تقریر کر رہے ہیں

مگر بلی کے گلے مین گھنٹی باندھے گا کون

گھنٹی — ”جرمنی دشمن محاذ“
چوہے — (داہنی جانب سے بائین جانب کو) انگلستان — متحدہ امریکہ — رومانیہ — یونان — روس — ترکی — فرانس اور پولینڈ

کانگرس کا صدر

کانگرس کیا ہے؟ کئی لاکھ کانگرسیوں کا مجموعہ۔

کانگرسی کون ہے؟ وہ شخص جو عدم تشدد پر عمل کرکے ہندستان کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ ہندستانی مسلمان ہوں یا ہندو عیسائی ہوں یا پارسی سب ایک ہی قسم کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں یعنی غریبی، جہالت، بیماری وغیرہ۔ اور نجات پانے کی صرف یہی صورت ہے کہ یہ سب آپس میں مل کر بدیسی راج کو یہاں سے دفعہ کریں، اور یہاں اپنا راج قائم کریں۔

یہی چار آنے والے ممبر مل کر صوبہ کانگرس کمیٹی اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں اپنے نمائندے منتخب کرکے بھیجتے ہیں۔ اور ان ممبروں کے ہاتھ میں کانگرس کی باگ ڈور ہوتی ہے۔

انہی لوگوں نے کانگرس کا نصب العین درجہ نوآبادیات سے بدل کر کامل آزادی کر دیا۔ انھیں لوگوں نے سول نافرمانی اٹھائی، اور انہی نے کانگرس مینی فیسٹو تیار کرکے ۱۹۳۷ء میں الکشن لڑا اور جیتنے پر یہ فیصلہ کیا کہ کانگرس کو وزارتیں قبول کرلینا چاہئیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہندستان کے آزادی پرست لوگوں کی اکثریت کی مرضی پر کانگرس چلتی ہے۔ اکثریت کے لفظ سے دھوکا کھا کر یہ نہ سمجھ لینا چاہئیے کہ ۵۱ فیصدی ممبروں کی مرضی پر تو کانگرس چلتی ہے مگر انچاس فیصدی ممبروں کی مرضی پر کانگرس نہیں چلتی کیونکہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ممبروں کا انتخاب ایسے ڈھنگ سے ہوتا ہے کہ اس میں [illegible] فیصدی ممبروں کی نمائندگی ہو جاتی ہے۔

کانگرس ہندستان کے آزادی پرست طبقہ کی پوری نمائندہ ہے اور جیسا کہ ہر جمہوریت میں ہوتا ہے۔ اس طبقہ میں پڑھے لکھے بھی ہیں اور جاہل بھی۔ سمجھدار بھی کم سمجھ بھی، دور اندیش بھی، جوشیلے بھی۔ اور ان سب کی مجموعی رائے سے کانگرس چلتی ہے۔

ایک بہت پرانا اعتراض اس جگہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ عوام تو گائے بیل ہوتے ہیں جو ان کو جدھر چاہے ہنکالے جائے۔ یہ اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو عوام سے کوسوں دور ہو، سیاسی تحریکوں سے کوسوں دور ہو اور خبروں کو بلا سمجھے پڑھتا ہو۔ ورنہ آج کل جبکہ ہر طرف عوامی تحریکیں آگ کی طرح پھیل رہی ہیں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ عوام اپنا بھلا برا پہچان لیتے ہیں اور تجربے سے [illegible] جاتے ہیں کہ کون رہبر سچا ہے اور کونسا راستہ ان کے لئے بہتر ہے۔ کانگرسیوں کی ذہنیت نے بیس سال میں بہت ترقی کرلی ہے۔ اور برابر ترقی کرتی جا رہی ہے۔

ایک زمانے میں مولانا حسرت نے کانگرس میں مکمل آزادی کی تجویز پیش کی تھی لیکن اس وقت تک کانگرسی عوام کی ذہنیت اتنی ترقی یافتہ نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے یہ تجویز نہیں مانی۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ سمجھ گئے کہ وقتی طور پر مکمل آزادی کے ہندستان کی تکلیفیں دور نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ اس وقت مہاتما گاندھی جی کا اتنا [illegible] گاندھی جی کے خیال میں درجہ نوآبادیات ہندستان کی مصیبتیں [illegible] کرنے کو بہت کافی تھا لیکن اس وقت کانگرسی عوام کے نمائندے گاندھی جی کے خیال سے متاثر نہیں ہوئے، اور انھوں نے اپنا نصب العین کامل آزادی ہی بنا لیا۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا فیصلہ آزادی پسند ہندستان کا فیصلہ ہوتا ہے اس لئے جو شخص بھی کانگرس کے ساتھ چلنا چاہتا ہے اس کو اس فیصلے کے سامنے سر جھکا دینا چاہئیے۔ اگر اس کے خیال میں ہندستانی عوام غلطی پر ہیں تو اس کو اپنا خیال ان کو سمجھانا چاہئیے۔ جب عوام اس کی بات سمجھ جائیں گے، تو مان جائیں گے۔

جواہر لال نے ۱۹۳۶ء میں ملک کے سامنے ایک نیا خیال پیش کیا۔ وہ یہ کہ ہماری آزادی کی لڑائی کا واحد [illegible] نہیں ہے بلکہ عوام کی غریبی دور کرنے کو ہے اس وقت یہ خیال کانگرس کے لئے بالکل انوکھا تھا۔ مگر فیض پور کے اجلاس تک وہ اتنا مقبول ہو گیا کہ مینی فسٹو اسی پر تیار کیا گیا۔

اس وقت سوال یہ ہے کہ سبھاش بوس کا استعفا کہاں تک مناسب تھا؟

سبھاش بوس کا صدارتی الکشن میں کھڑا ہونا ہی اس بات کو بتاتا ہے کہ وہ کانگرس کی جمہوریت کا فیصلہ جو بھی ہو ماننے کو تیار تھے۔ سبھاش بابو نے کانگرس کے سامنے ایک جاندار پروگرام پیش کیا۔ ملک نے اس کو پسند کیا اور سبھاش بوس کو منتخب کر دیا۔

آگے چل کر کانگرس کو عجیب عجیب پیچیدگیوں کا پتہ چلا۔ وہ یہ کہ گاندھی جی اور کانگرس کے بڑے بڑے پرانے کام کرنے والے کانگرس سے الگ ہوئے جا رہے ہیں۔ کانگرس اپنی طاقت کو اس طرح کمزور ہوتے نہ دیکھ سکی، اور اس نے پنتھ قرارداد کو بڑی اکثریت سے پاس کر دیا تاکہ یہ جھگڑے مٹ جائیں یہ بھی فیصلہ تھا جمہوریت کا۔

اس پر بھی جھگڑے چکنے نہیں معلوم ہوئے۔ ایک طرف ملک کے آگے بڑھنے کو بے چین۔ دوسری طرف کانگرس کا داہنا بازو۔ کانگرس سوشلسٹ اور کمیونسٹ سب کا اصرار اسی بات پر تھا کہ آپس کے جھگڑے بند کرکے جلد سے جلد ورکنگ کمیٹی بنائی جائے۔

اب تک سبھاش بوس اور گاندھی جی میں اصولی اختلاف پیدا تھا کہ گاندھی جی کہتے تھے کہ ورکنگ کمیٹی ایک خیال کے لوگوں کی ہونا چاہئیے۔ مگر سبھاش بوس کا یہ خیال تھا کہ یہ موقع بہت سخت ایکا چاہتا ہے۔ اس لئے کابینہ میں دائیں بازو اور بائیں بازو دونوں جماعتوں کے لوگ ہونا چاہئیں۔ پہلے گاندھی جی اس کو نہیں مانتے تھے، لیکن بعد کو وہ اس پر تیار ہو گئے کہ دو سوشلسٹ بھی کابینہ میں لے لئے جائیں۔ اس کے بعد سبھاش بوس کو کیا اعتراض تھا؟ اگر اس طرح کی ورکنگ کمیٹی بن جاتی، اور سکریٹری جیسا کہ خیال تھا بائیں بازو کا کوئی با اثر شخص ہوتا تو سبھاش بوس اپنی پالیسی تو اچھی طرح چلا سکتے تھے۔

سبھاش بوس کی پالیسی تھی کیا؟ انقلابی جماعتوں کو زیادہ منظم کرنا۔ فیڈریشن کو بالکل ختم کر دینا برطانیہ کو آگے بڑھکر چیلنج دینا۔ یہ پروگرام تری پوری اجلاس سے پہلے تک پرانے پروگرام سے زیادہ تیز تھا لیکن تری پوری مطالبات اور ریاستوں والی قراردادوں کے بعد کانگرس کے عام پروگرام اور سبھاش بوس کے پروگرام میں کچھ زیادہ فرق نہیں رہا۔ اب اگر کوئی سوال رہ جاتا تھا تو یہ کہ پروگرام کو کس ڈھنگ سے چلایا جائے۔ اور اس کی عملی شکل کیا ہو۔ اگر اوپر والی کابینہ بن جاتی تو سبھاش بوس کو عملی طور پر اختیار رہتا کہ جس طرح چاہیں اس پالیسی کو چلائیں۔

پھر سبھاش بوس نے استعفیٰ کیوں دیا؟ انھوں نے کانگرس کے عام اجلاس، کانگرس سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی کا متفقہ فیصلہ اور مشورہ کیوں نہ مانا؟

ابھی تک سبھاش بوس اور گاندھی جی کی خط وکتابت اور بات چیت کی تفصیل باہر نہیں آئی ہے، اور بلا اس کو دیکھے کسی پر الزام رکھنا مناسب نہیں۔ لیکن پھر بھی اوپری باتوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ سبھاش بوس کے انکار میں "شخصیت" کا سوال ضرور تھا ہے، اور استعفیٰ کسی اصول پر نہیں، بلکہ شخصی جھگڑوں پر دیا گیا ہے۔

لڑائی سے لڑائی

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس نے ایک قرارداد کے ذریعہ دستور سازی ۱۹۳۵ء میں ترمیم کرنے کی سخت مخالفت کرکے اس بات کو پھر ظاہر کر دیا کہ کانگرس سامراجی لڑائی میں شریک نہیں ہونے کی۔

جواہر لال نہرو نے یہ قرارداد پیش کی تھی۔ انھوں نے جو تقریر کی اس میں ظاہر کوئی خاص پروگرام نہیں پیش کیا کہ اس خونخوار ترمیم کی مخالفت کیسے کی جائے گی، اور ہندستان کو لڑائی میں شریک ہونے سے کیسے روکا جائے گا۔ لیکن انھوں نے نیا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس مقابلے میں ان کے نزدیک صوبائی حکومتوں کو استعفیٰ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کو نئے اختیارات سے کام لیکر جہاں تک ہو سکے ان سامراجی چالوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ آنے والی لڑائی سے کیسے لڑائی کی جائے۔ کتنا میدان ہم چھوڑ دیں، اور کہاں پہونچکر قدم جمائیں۔ کھلی بات ہے کہ ہم کو مضبوط زمین دیکھکر قدم جمانا چاہیے۔ اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صوبائی حکومتوں پر ہمارا پیر مضبوط نہیں ہے، تو اس کو چھوڑ کر کھلے میدان میں آکر مقابلہ کرنا چاہیے لیکن اگر صوبائی حکومتیں ہمارے قبضہ میں ہیں تو پھر اس کو لیکر مقابلہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس صورت میں ہمارے ہاتھوں میں زیادہ وزارتیں ہوں گے۔ حکومت ہمارے قبضہ میں کتنی ہے، اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔ لیکن اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف تو عوام کو یقین آگیا ہے کہ صوبائی حکومتیں ان کی ہیں۔ اور یہ ان کا حق ہے کہ وہ جس پارٹی کو چاہیں حکومت دلائیں۔

اس صورت میں یہ حق چھیننا آسان نہیں ہے۔ اگر برطانیہ نے اور بڑا غور بڑھایا تو عوام اس مورچہ پر ایسے ٹکرائیں گے کہ لوگ پچھلی سول نافرمانی بھول جائیں گے، کیونکہ حکومتیں پانے کے بعد عوام کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں۔ برطانیہ بھی اس حقیقت کو سمجھتی ہے۔ اس لئے برابر کانگرسی حکومتوں کو طرح دیتی جا رہی ہے ورنہ برطانیہ کبھی زرعی بل اور ملازمت ٹیکس نہ چلنے دیتی۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ چیزیں برطانوی طاقت کے لئے زہر ہیں، کیونکہ کانگرس پر عوام کا بھروسہ بڑھاتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صوبائی حکومتوں کو رکھکر ہم اچھا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

سیاسی قیدی

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس نے یہ قرارداد پاس کردی ہے کہ بنگال اور پنجاب کے سیاسی قیدیوں کو چھڑانے کے لئے جارحانہ کارروائی کی جائے گی۔ اس کارروائی کا طریقہ بنانے کا کام ورکنگ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

یہ دیکھکر ہم کو بڑا دکھ ہوتا تھا کہ جبکہ سات صوبوں میں کانگرس کا راج ہوا ہمارے بہت سے ساتھی ابھی تک آہنی سلاخوں کے پیچھے کھڑے ہوں۔ ہماری باہمی ہمدردی یہ نہیں گوارا کر سکتی تھی۔ ہم کو یہ پسند تھا کہ اگر ہم سب کے سب آزاد نہیں رہ سکتے، تو ہم سب کے سب جیل میں پڑے ہوں۔ اسی سلسلہ میں ہری پورہ اجلاس کے موقع پر یو۔ پی اور بہار کی حکومتوں نے استعفا دے دیا تھا۔ بنگال اور پنجاب میں بھی کانگرس یہ لڑائی لڑ رہی تھی۔ مگر گاندھی جی نے یہ معاملہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اس لئے سارا احتجاج کچھ دنوں کے لئے بند ہو گیا۔ مگر گاندھی جی کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ گاندھی جی کی اس ناکامیابی کی وجہ وہی تھی جو راجکوٹ میں تھی یعنی ان کی پشت پر کوئی اٹھتی ہوئی عوامی تحریک نہ تھی جس کا فضل الحق اور سر سکندر پر دباؤ پڑتا۔ گاندھی جی کی شخصیت کا جتنا اثر پڑ سکتا تھا پڑا، اور بنگال و پنجاب کے تھوڑے بہت قیدی چھوٹ گئے۔

اب ہم کو اپنا اصلی ہتھیار استعمال کرنا چاہئے۔ یعنی عوامی تحریک۔ وہ ہتھیار جس نے برطانیہ کو جھکا دیا۔ اور کانگرس کو اس درجہ تک پہونچا دیا۔

ہمارا ملک اس وقت جارحانہ کارروائی کے لئے بے چین ہے۔ جا بجا کسان سبھاؤں کی تحریکیں، پنجاب میں کسانوں کی ستیہ گرہ، لکھنؤ میں مدح صحابہ اور تبرا کی تحریک۔ بتاتی ہے کہ عوام میں خودداری اور حق کا کتنا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اب ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ اس کو راستہ پر لگا دیں اور بکھری ہوئی لڑائیوں کو منظم کر دیں۔

سیاسی قیدیوں رہائی کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جو ان کاموں کو پورا کریگا، اور ساتھ ہی ساتھ ملک کو عالمگیر لڑائی کے مقابلہ کے لئے چوکنا رکھے گا۔ پنجاب اور بنگال کے کسانوں میں اس وقت بے حد بے چینی ہے۔ پنجاب میں تو یہ بے چینی ستیہ گرہ کی شکل بھی اختیار کر چکی ہے۔ اس وقت بہتر ہوگا کہ ہم سیاسی قیدیوں کی رہائی کے مسئلہ کو کسانوں کے مسئلے سے ملا دیں اور کسانوں کی تحریک کی پوری مدد کریں۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس

تری پوری نے قومی مطالبات اور ریاستوں والی قراردادوں سے ملک کو ایک جدوجہد کا پیغام دیدیا تھا۔ اب کلکتہ کے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس نے اس پروگرام کو اور مضبوط بنا دیا۔ اس نے بتا دیا کہ ہم آنیوالی سامراجی لڑائی کی مخالفت کرنے میں کوئی کمی نہیں کرینگے۔ اور جواہر لال جی نے مقابلہ کا ایک ہلکا سا پروگرام بھی دے دیا۔ یہ تو ہوئی آگے چلکر کام کرنے کی تجویز۔ اجلاس نے اس سے بھی آگے بڑھکر ایک کام کیا ہے۔ اسی وقت جدوجہد کرنے کا ایک پروگرام دیدیا ہے۔ وہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کے لئے پنجاب اور بنگال کی حکومتوں کا مقابلہ کرنا۔

اس وقت ملک بے اختیار جارحانہ کارروائی چاہتا ہے اور سچ یہ ہے کہ قومی مطالبات والی قرارداد کا بڑا حصہ یعنی مزدور سبھا، کسان سبھا، ریاستی سبھا، اور کانگرس کے داہنے بائیں بازو میں گہرا اتحاد اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کوئی جارحانہ کارروائی نہ ہو۔ ادھر کوئی زبردست تحریک اٹھی اور ادھر یہ سب جماعتیں ایک ہو جائیں گی۔

"نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے"

آنیوالی جنگ اور مسلمانان ہند

اس عنوان سے مسلم لیگ کے آرگن "منشور" میں سید حسن ریاض صاحب نے ایک افتتاحیہ لکھا ہے۔ اس میں پہلے تو بین الاقوامی سیاست کی کشمکش کی تصویر پیش کی ہے اور پھر کہتے ہیں:

"ہندستان کدھر ہو؟"

"جس ملک نے ابھی تک اپنے اندرونی اختلافات رفع نہیں کئے ہیں، اور برطانیہ کی غلامی کا جوا کندھے پر رکھے ہوئے ہے اس کے لئے یہ سوچنا کہ آیندہ جنگ میں وہ کدھر ہوگا، کس قدر مضحکہ خیز ہے......"

کیا فوجی بھرتی کے خلاف ستیہ گرہ اور سول نافرمانی نہیں ہو سکتی ہے اب سول نافرمانی کس طاقت کی ہوگی اس کا سوال تو دیکھئے چھوڑ، لیکن یہ بتائیے کہ اگر جنگ عظیم کے زمانے میں سنہ ۳۱ء والی سول نافرمانی ہوتی ہوتی تو برطانیہ کا کیا حال ہوتا؟ ہم تو اپنے کو اتنا کمزور نہیں سمجھتے کہ برطانیہ کا بال بیکا نہ کر سکیں۔ اس کے بعد ہی کہتے ہیں

"اسپین، چیکوسلاوکیا، آسٹریا، میمل، کانگرس کے لیڈروں نے ہر ایک پر یہ کہا کہ "ہائے جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا گیا، ہائے جمہوریت قتل ہو گئی، ہٹلر کو گالیاں، مسولینی کو لعنت، انگلستان اور فرانس پر طعن کہ جمہوریتیں ہو کر جمہوریت کو نہیں بچاتے۔ روس کے ساتھ اتحاد نہیں کرتے۔ ہندستان جمہوریتوں کا ساتھ دے گا۔"

آخری بات حسن ریاض صاحب نے صرف مضمون میں چٹخارہ پیدا کرنے کو اڑا دی ہے۔ ورنہ اب وہ ایسے گئے گذرے نہیں ہیں کہ ان کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کانگرس کا اس بارے میں کیا رویہ رہا ہے۔ اس نے یہ کبھی نہیں کہا کہ "ہندستان جمہوریتوں کا ساتھ دے گا" آگے فرماتے ہیں۔

"لیجئے روس اور برطانیہ کا اتحاد بھی ہو گیا مگر کانگرس پریذیڈنٹ اب بھی برطانوی سامراج اور سامراجیزم برسنے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ ہوئی تو اس کا ساتھ نہ دیں گے۔"

غالباً مطلب یہ ہے کہ اس اتحاد کے بعد انگلستان واقعی جمہوریت ہو گیا۔ اور اب مدد کا مستحق ہے۔ اس کے بعد ہی کا فقرہ ہے۔

"پھر کس کا ساتھ دیں گے۔ جمہوریت کے مخالفوں کا؟ ہٹلر اور مسولینی کا؟ کیا غیر ذمہ دارانہ اور پریشان گفتگو ہے؟"

واقعی غیر ذمہ دار گفتگو ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک چیز نہ اِدھر ہو اور نہ اُدھر۔ اب ذرا ذمہ دارانہ گفتگو سنئے۔

"اس معاملے میں مسلمانوں کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہ ہندستان کی کانگرسی قوم کی طرح بین الاقوامی معاملات اور سیاست میں غیر ذمہ دار نہیں ہیں۔ کانگرسی قوم کا ہندستان سے باہر کوئی تعلق ہے اور نہ کوئی مفاد۔"

"کانگرس نے پھر اسپین چین اور فلسطین کے عوام کے ساتھ ہمدردی کیوں دکھائی؟"

"مسلمانوں کا مراکش سے چین کے مشرقی ساحل تک مسلم قوم آباد ہے۔ اور دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں الجھی ہوئی ہے۔"

آگے چلکر بتاتے ہیں کہ یہ طاقتیں اگر لڑیں گی تو صرف اپنی اپنی غرضوں کے لئے۔ اس لئے مسلمانوں کو خاموشی کے ساتھ یہ دیکھنا ہے کہ ان کے قومی اور بین الاقوامی مفاد کس طرح محفوظ رہتے ہیں۔

یہی کانگرس کہتی ہے کہ جمہوریتیں ہوں یا فسطائی طاقتیں یہ صرف اپنی دولت کے لئے عوام کو وہ چاہے مسلمان ہوں یا عیسائی غلام بنانا چاہتے ہیں اور ان کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ اس لئے ہندستان ان کی لڑائیوں میں حصہ نہیں لیگا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ابھی سے برسے دنوں کے مقابلے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ اور آپ خاموش ہیں۔ اس پھیر میں ہیں کہ دونوں پارٹیوں میں سے ایک کا دامن پکڑ لیا جائے۔ لیکن ایسا خوش نصیب کون ہے؟

چلتے چلاتے

خبر ہے کہ شری ساورکر جی صدر ہندو مہا سبھا نے روزولٹ کو ایک تار دیا ہے کہ آپ برطانیہ سے کہئے کہ وہ ہندستان کو آزاد کر دے۔" اخباروں کے نمائندے ایسے لاپروا ہوتے ہیں کہ انھوں نے خبر ہی نہیں لی کہ روزولٹ نے "تار" پاکر اسکے ساتھ کیا کیا۔ ہمارے نامہ نگار خصوصی نے ہم کو لعبک کی خبر بھیجی ہے۔

جیسے ہی روزولٹ کو معلوم ہوا کہ ساورکر جی کا تار آیا ہے وہ تخت پر سے بےحواس نیچے اتر آیا۔ اور تین بار چوم کر تار آنکھوں سے لگایا پھر کھولکر پڑھتے ہی ملتے غصے کے اسکا چہرہ سرخ ہوگیا کہ ساورکر جی آزادی مانگیں اور برطانیہ کی اتنی مجال کہ انکا کہا نہ ملنے۔

روزولٹ نے اسی وقت ایک خط لکھا جسمیں برطانیہ کو بہت ڈانٹا اور کہا کہ اگر فوراً ہی تو نے ساورکر جی کو آزادی نہیں بھیجدی تو زن بچہ سمیت کولھو میں پروادونگا۔

برطانیہ دھوپ میں بیٹھی پرانی جراب پر رفو بنا رہی تھی کہ اسکو روزولٹ کا خط ملا۔ خط پڑھتے ہی اسکی تھرتھری چھوٹ گئی۔ آنکھوں سے عینک گر پڑی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے صندوقچی کھولکر اپنی سلائی کی جھول نکالی اور اسی دم نوکر کو دیکر بازار بھیجا کہ جس بھاؤ بھی آزادی ملے، بازار میں جتنی ہو سب خرید لاؤ اور اسی دم بھائی ساورکر کو بھیجدو۔

یوں تو آزادی ٹکے سیر ملتی تھی۔ مگر اس وقت جیکوسلو یکیا اور البانیہ نے اتنی خریدلی تھی کہ سو روپیہ سیر مل رہی تھی۔ اور وہ بھی بازار بھر میں صرف ڈھائی سیر تھی۔ نوکر نے سب خرید لی اور بھر دوڑتا ہوا برطانیہ کے پاس لایا۔ برطانیہ اتنی کم آزادی دیکھکر غیرت کے مارے رونے لگی مگر چارہ ہی کیا تھا۔ اس نے وہ سب بھجوادی اور زبانی کہلوادیا کہ فصل آنے پر جتنی مل سکے گی سب خرید کر بھیجدونگی شری ساورکر جی پریشان نہوں۔

ایک خبر گھوم رہی ہے کہ مسٹر جناح مدح صحابہ اور تبرا کو ختم کرنے کیلئے مرن برت رکھنے والے ہیں۔ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہے کیونکہ مرن برت میں ہندو کلچر، کانگریس، گاندھی جی اور نہ جانے اسی طرح کی کیسی کیسی گندی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ کہاں یہ لغو حرکت اور کہاں مسٹر جناح؟

مسٹر جناح تو دانا بینا ہیں وہ جانتے ہیں کہ سیدھا راستہ صرف وہی ہے جو کانگریس کے راستہ کا الٹا ہو۔ اسلئے ہمکو یقین کہ مسٹر جناح کو اگر شیعوں اور سنیوں کو دھمکانا ہی ہے تو "مرن برت" سے نہیں بلکہ "کھاؤ موت" سے دھمکائیں گے۔ یعنی اگر انکا کہا نہ کیا گیا تو وہ کھاتے کھاتے اپنی جان دیدینگے۔

مدح صحابہ اور تبرا کے جھگڑوں نے مسلمان بھائیوں کے دنوں کو کافی بدمزہ کر دیا ہے۔ اس لئے ان کی روحانی مسرت کے لئے یہ خواب لکھا جاتا ہے۔ سنی حضرات مہربانی کرکے جہاں جہاں سنی کا لفظ ہے کاٹ کر پڑھیں اور شیعہ حضرات شیعہ کا لفظ کاٹ کر پڑھیں۔

مدح صحابہ کے میدان کارزار سے واپس آکر ذرا لیٹ گیا۔ لیٹا ہی تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ منڈی میں کھڑا ہوا ہوں اور میرے اردگرد دور تک شیعوں / سنیوں کے گلے کے گلے کھڑے ہیں۔ ان کے گلوں میں رسیاں پڑی ہیں ساتھ بچے بندھے ہیں۔ اور وہ بھیں بھیں چلا رہے ہیں۔ وہاں ایک سے ایک لاجواب شیعہ / سنی تھا چربیلا بدن چکنی کھال بھرے ہوئے گول پٹھے جن کو دیکھکر منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ میں آج ہی صبح کو جناب مولانا قبلہ کا فتویٰ دیکھ ہی چکا تھا کہ شیعہ / سنی حکم میں بھیڑ بکریوں کے ہیں۔ میں نے سوچا چلو آج ان میں سے ایک کا پلاؤ پکے تر مال کا تر مال اڑے اور ثواب کا ثواب حاصل ہو۔ اب میں خریداری کے خیال سے دیکھنے لگا۔

ان میں چھ چھ مہینے کے بچے بھی تھے۔ ان کے ملائم گوشت اور نرم کرّی کا خیال کرکے منہ میں پانی بھر آیا مگر میں نے دام پوچھے تو بکوں کے دام زیادہ تھے۔ پھر میں نے لڑکوں کو دیکھا اس میں بھی دس بارہ برس کے سن سے لیکر سولہ سترہ برس کے سن تک کے پٹھے تھے۔ ان کے دام چار چار یا پانچ پانچ روپیہ تھے۔ ان میں سے مجھے ایک نوجوان شیعہ / سنی کا گول جسم۔ چکدار گوشت بہت پسند آیا۔ میں نے سوچا یہی بہتر ہے۔ اگر اس کا پلاؤ پکا تو جی بھر کر گھر بھر کھائے گا۔

جس وقت پلاؤ کی دیگ کھل لی گئی ہے تو خوشی کے مارے گھر بھر دیوانہ ہو رہا تھا۔ دسترخوان بچھایا جا رہا ہے۔ دوڑ دوڑ کر بچے پلیٹیں لگا رہے ہیں۔ دہی کہاں ہے؟ برف آگیا؟ بوڑھی دادی کو پلاؤ۔ دادا جان کو بھی لے آؤ بوٹی نہ چبے گی تو کیا، چاول تو کھا لیں گے۔ کیا خوشبو ہے۔ ہر طرف سے یہی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔

کھاتے جاتے تھے اور تعریفیں کرتے جاتے تھے۔ بھئی واہ کیا نرم گوشت ہے۔ ذرا دل کی بوٹی کو دیکھو۔ دل ان کمبختوں کا ہوتا تو ہے سیاہ مگر اس کا گوشت مزے کا ہوتا ہے۔ بھئی ذرا یہ کرّی کو دیکھنا۔ کیا مزا ہے؟ مجھے افسوس یہ تھا کہ بوڑھی دادی اور دادا جان بوٹی نہیں کھا سکتے تھے۔ اب سبھوں نے مجھ سے کہنا شروع کیا کہ ایک چھ سات مہینے کا بچہ بھی لیتے آتے۔ اور مجھے بھی افسوس ہوا کہ یہ بھول کیوں ہوئی؟

ہم لوگ دانتوں سے ریشے نکال رہے تھے اور خدا کا شکر کر رہے تھے کہ اس نے ایسی اچھی نعمت کھلائی۔

سب سے زیادہ بوڑھی دادی خوش تھیں کہ انھوں نے بھی پلاؤ کے دو چار نوالے حلق سے اتار لئے تھے اب ان کو اپنی بخشش میں کوئی شبہ نہیں تھا

مار گدالہ مار، بہادر مار گدالہ مار

سید مطلبی

مزدور گدالہ سے کام کر رہے ہیں

سنسار میں سب تجھ سے ناتا   او دنیا کے اَن داتا
محنت کرتا، دکھ پاتا   تیرا گدالہ ہے ہتھیار

مار گدالہ مار، بہادر مار گدالہ مار

بھوتن ماری دنیا پر   رنگ برنگی پوجا پر
ایشور کی ہر مایا پر   یوں ہی ہوگا بیڑا پار

مار گدالہ مار، بہادر مار گدالہ مار

یہ سب گورکھ دھندے ہیں   تیرے گلے کے پھندے ہیں
کہہ دے "ہم نہ اندھے ہیں"   اور ہو کر ہشیار

مار گدالہ مار، بہادر مار گدالہ مار

دن بھر محنت لینے والا   دو دو آنے دینے والا
جشن اڑا کر رہنے والا   دشمن ہے مکار

مار گدالہ مار، بہادر مار گدالہ مار

جب تیری ہی گلکاری ہے   پھر کیوں یہ ناداری ہے
اور کیوں یہ لاچاری ہے   تیری شکتی اپرم پار

مار گدالہ مار، بہادر مار گدالہ مار

نیچے کی دھرتی اوپر کر دے   سارے کھیت برابر کر دے
ڈھیلے، ڈلی سب بکھیر کر دے   گلشن ہو جاوے سنسار

مار گدالہ مار، بہادر مار گدالہ مار

ص۔ بھوتوں سے خوفزدہ

کشمیر کی آزادی کی لڑائی

(پہلی قسط - پورا مضمون تین قسطوں میں)

"اس سندر وادی کو خونخوار آرزومندوں کی گھٹائیں گھر آئی ہیں"

(جواہر لال نہرو)

(۱)

ریاست کا خاکہ

سالہا سال سے سیاحوں کے غول کے غول کشمیر جا رہے ہیں، اور اس سرزمین کے خوبصورت پہاڑوں دلکش مرغزاروں اور جنت نظیر وادیوں کے ترانے گا رہے ہیں۔ مگر ان خاموش مزاج سیاحوں نے کبھی وہاں کے بسنے والوں کی زندگی پر دھیان نہیں دیا۔ اس سندر وادی کے رہنے والے دنیا کی ہر آرام و راحت کے ترسے ہوئے ہیں۔ ان کی حالت یوں اور خراب ہے کہ کشمیر ایسے سرد ملک کی آب و ہوا کا تقاضا یہ ہے کہ کھانا اور کپڑا اچھا ملے مگر یہ پیدا ہوتے ہی جوان ہوتے ہیں اور پھر بڑھے ہو کر مر جاتے ہیں، اور ایک بار بھی ان کو پیٹ بھر روٹی میسر نہیں آتی۔ شاید پڑھنے والوں کو اس میں مبالغہ نظر آئے۔ لیکن اس بات کی تصدیق اس سے ہو سکتی ہے کہ اس وقت کشمیر کا خاص پیشہ زراعت ہے۔ اور زمینوں کی اتنی تقسیم در تقسیم ہوئی ہے کہ حال میں حساب لگایا گیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساٹھ فیصدی کسانوں کے پاس سوا کنال زمین سے زیادہ نہیں ہے۔ اور جو گھرانا اتنی زمین پر گذر کرتا ہے اس کی سالانہ آمدنی بہ سو پیسہ آٹھ آنہ ہوتی ہے۔ یہ آمدنی فی کس کے حساب سے دس روپیہ دس آنے تین پائی سالانہ پڑتی ہے۔ یعنی چودہ آنہ دو پائی ماہوار یا ڈیڑھ پائی روزانہ۔

سیاحوں کو شہروں میں صنعت و حرفت کے عمدہ عمدہ نمونے نظر آتے ہیں۔ مثلاً لکڑی کا سامان، کڑھے ہوئے کپڑے، قالین، دوشالے، چاندی کا سامان وغیرہ جو امیروں کے کام کا ہوتا ہے۔ سیاح ان چیزوں کو ضرور خریدتے ہیں، اور ان کے اونچے داموں سے سمجھتے ہیں کہ بنانے والے کاریگر خوشحال ہوں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ سامان کبھی کبھی بکتا ہے۔ اسی وجہ سے کاریگروں کی آمدنی بہت تھوڑی ہوتی ہے۔

جغرافیائی اہمیت کشمیر ہندستان کی تمام ریاستوں سے بڑا ہے اس کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے، اور حیدرآباد کا ۸۲۶۹۸ مربع میل ہے حدود پنجاب کے شمالی میدان کے سرے سے لیکر روس، چین کی سرحدوں تک پہونچتے ہیں۔ اس کی سرحدیں کئی سو میل تک، تبت، چینی ترکستان، اور روسی ترکستان سے ملی ہوئی چلی گئی ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی سیاسی اہمیت بہت ہے اور اس لئے اس کی شمالی سرحد جس میں گلگٹ بھی شامل ہے براہ راست پولیٹیکل ایجنٹ کی حکمرانی میں ہے۔ اور اب حکومت ہند اس فکر میں ہے کہ کشمیر میں ایک ہوائی مرکز بنا دیا جائے جو گلگٹ، اور لداخ کو ہندستان کے دوسرے ہوائی مرکزوں سے ملا دے۔

آبادی یہاں کی آبادی ۳۶۴۶۲۴۳ ہے۔ ایک مربع میل میں ۴۳ آدمی پڑتے ہیں۔ (حیدرآباد میں ایک مربع میل پر ۱۷۴ آدمی پڑتے ہیں) یہاں دو شہر ۳۹ قصبے اور ۸۹۰۳ گاؤں ہیں۔ شہری آبادی ۳۴۲۳۱۴ ہے اور دیہاتی آبادی ۳۳۰۳۹۲۹ ہے یعنی کل آبادی کا ساڑھے نواسی فیصدی حصہ دیہات میں بستا ہے۔ مذہب کے لحاظ سے آبادی کا تناسب یہ ہے۔

مسلمان ۲۳۶ء ۲۸۱۷

ہندو ۲۲۲ء ۷۳۹

سکھ ۶۶۲ء ۵۰

بدھ ۷۲۴ء ۳۸

عیسائی ۲۶۳ء ۲

جین ۵۹۷

کلچری اتحاد لیکن کشمیر والوں کا مذہب کوئی ہو، سب کا رہن سہن ایک سا ہے۔ سب مذہب والوں میں کلچری اتحاد پایا جاتا ہے۔ یہاں صدیوں تک ہندو مسلمان بھائیوں کی طرح رہے ہیں۔ ان کی زبان، رسم و رواج ایک ہیں اور بہت سے تہوار بھی ایک ہیں۔ یہاں فرقہ پرستی کی وبا حال میں باہر سے آئی ہے۔ لیکن یہاں ایک خاص فرقہ کی اقتصادی ترقی سے اس کے لئے زمین بھی ہموار ہو گئی تھی۔ پھر جب مسلمانوں نے سرکاری ملازمتوں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اپنا حصہ مانگنا شروع کیا، تو دوسرے فرقوں کو جو اب تک ان نعمتوں کی اپنی ملکیت سمجھے ہوئے تھے، یہ بہت ناگوار گذرا۔ لیکن اس دشمنی نے کوئی زبردست فرقہ پرستی نہیں پیدا کی۔ کیونکہ وہاں کے مشترکہ مسائل بہت پیچیدہ ہیں۔ اور ہر فرقہ مانتا ہے کہ بلا اتحاد کے ان کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس وجہ سے فرقہ پرستی دن بدن گھٹتی جا رہی ہے اور آزادی کی لڑائی جیسے جیسے آگے بڑھے گی فرقہ پرستی کا یہاں خاتمہ ہو جائیگا

پیداوار ممکن ہے اس آبادی اور زمین کی پیداوار کو دیکھکر لوگ خیال کریں کہ یہ سرزمین اتنے باشندوں کو نہیں کھلا سکتی ہے۔ یہ خیال غلط ہوگا۔ کیونکہ یہاں کی وادیوں میں قدرتی خزانے بہت کافی ہیں

کوئلہ۔ پٹرولیم۔ لوہا۔ تانبہ۔ سیسہ۔ زنک۔ نکل، سونا، سنکھیا وغیرہ وغیرہ کی کانیں موجود ہیں۔ اور اگر ان دولتوں سے پورا کام لیا تو اس سے چگنی آبادی کو اچھا کھانا اور اچھا کپڑا مل سکتا ہے۔ لیکن ریاست کو اپنی رنگ رلیوں اور بدانتظامیوں سے اتنی فرصت کہاں کہ ان باتوں کی طرف توجہ کرے۔ سنہ ۱۹۳۸ء — بجٹ کے مطابق ریاست کی آمدنی ۲،۴۷،۲۶،۰۰۰ روپیہ ہے۔ اور خرچ ۲،۴۵،۷۷،۰۰۰ ہے۔

اخراجات میں ۱۶ فیصدی شاہی خرچ ہے۔ اور ۱۹ فیصدی شاہی فوج کا خرچ ہے۔ اس فیصدی سے بھی کم تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ اور ساڑھے تین فیصدی ہسپتال و حفظانِ صحت پر اور آدھا فیصدی کے قریب ترقیِ زراعت پر۔

ریاست کا انتظام

مہاراجہ یہاں کے مطلق العنان حاکم ہیں۔ ان کو انتظامی و دستوری ہر طرح کے اعلیٰ اختیارات حاصل ہیں۔ مہاراجہ نے وزیروں کی ایک کونسل بنادی ہے۔ جس کے ممبر وہ خود منتخب کرتے ہیں۔ اس وقت کونسل میں چار ممبر ہیں۔ دیوان بہادر گوپال سوامی آئنگر کونسل کے صدر ہیں۔ یہ کونسل صرف مہاراجہ کو جواب دہ ہے۔ اور انھیں کی اجازت سے حکومت کرتی ہے۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں کشمیر اسمبلی قائم ہوئی جس کے ۷۵ ممبروں میں سے ۴۲ مہاراجہ کے نامزد ہوتے ہیں اور ۳۳ منتخب۔ اور صدر بھی سرکار کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔

اس اسمبلی کو صرف نام کے اختیارات ہیں۔

کوئی مسودہ قانون جس کا اثر ذیل کی باتوں میں سے کسی پر پڑتا ہو، اسمبلی میں پیش نہیں ہو سکتا۔

سرکاری آمدنی، مذہبی اعتقاد اور رسوم، رعایا کے کسی فرقے کے رسم و رواج، ریاست کی فوج کا انتظام، شاہی اخراجات، سرکاری محکمے، محکمہ دھرمارتھ، جاگیرداروں اور علاقہ داروں کے حقوق۔ گلگت اور لداخ کے انتظامات۔

اس کے بعد بھی اسمبلی کے فیصلے وزیروں کی کونسل کے لئے صرف سفارش کا کام دیتے ہیں۔

دو میونسپلٹیاں، اور دو ٹاؤن ایریا کمیٹیاں بھی ہیں۔ مگر ان کے بھی ۵۰ فیصدی ممبر سرکاری نامزد ہوتے ہیں۔ اور صدر بھی سرکاری ہوتا ہے جس کو انتظامی معاملات میں اور محصول لگانے کے بڑے بڑے اختیارات ہوتے ہیں۔ ان کے بجٹ پر بھی سرکار کے اختیارات ہیں۔ ان کا روپیہ بڑی تنخواہوں کے مشاہرات پر زیادہ خرچ ہوتا ہے شہر کی درستگی اور صفائی پر کم۔

یہاں ایک ہائی کورٹ بھی ہے۔ مگر ججوں کے مقرر کرنے کا اختیار کونسل کو ہے۔ اور اس کا نگراں بھی کونسل کا ایک ممبر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عدالت انتظامی افسروں کے دباؤ میں نہیں ہے۔

(۲)

تحریک کی ابتدا

جیسا کہ اور ریاستوں میں ہوا ہے، یہاں بھی رعایا میں پہلی شورش غیر ملکیوں کے خلاف اٹھی۔ یہ غیر ملکی تمام اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ اور ان کو بڑے بڑے اختیارات بھی حاصل تھے۔

اس تحریک کے اٹھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ کشمیر کے اوسط طبقہ کا ایک بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہو کر ریاست میں ملازمتیں ڈھونڈھنے لگا۔ جب غیر ملکیوں کی وجہ سے ان کی راہیں بند ہوئیں تو یہ ان کے ہٹانے پر تل گئے۔

ریاست نے ان کو خاموش کرنے کے لئے کئی کمیٹیاں اور کمیشن مقرر کئے جس نے جنوری سنہ ۱۹۲۷ء میں "ریاستی باشندے" کے معنی مقرر کئے لیکن اس معنی سے بھی اوسط طبقہ کے چند ہی نوجوانوں کو، جن کو ملازمتیں ملنے کی امید ہو گئی تسلی ہوئی۔

لیکن ابھی تک اصل بے چینی جو غریبی کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی خاموش تھی۔ کسان حد سے بڑھی ہوئی غریبی اور جہالت کے شکار تھے۔ بیگار کی رسم نے ان میں اور زرخرید غلام میں کوئی فرق نہیں رکھا تھا۔ انکا حکومت سے صرف اتنا تعلق تھا کہ حکومت کے افسران لگان اور ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔ ان کی بے چینی نے اپنی پہلی جھلک سنہ ۱۹۳۱ء میں دکھائی۔

سر البین بنرجی جو کچھ دنوں کشمیر کے وزیر خارجہ رہ چکے ہیں ایک بیان میں کہتے ہیں "جموں اور کشمیر کی رعایا جس میں بڑا حصہ مسلمانوں کا ہے بہت مشکلوں میں گرفتار ہے۔ وہ سب جاہل مطلق ہیں۔ انتہائی غریبی کے شکار ہیں، اور گونگے بے زبان جانوروں کی طرح حکومت کے تابع ہیں۔ حکومت اور رعایا کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ان کی شکایتیں حکومت تک پہونچ سکیں۔ اور انتظامی محکمے میں بھی اوپر سے نیچے تک سخت تغیر و تبدیلی کر کے نئے زمانے کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔ اس وقت اس کو رعایا کی ضرورتوں اور تکلیفوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ حکومت میں پبلک کی کوئی آواز نہیں ہے۔ اخباروں کا بھی وہاں پتہ نہیں ہے جن کی صحیح تنقید سے حکومت اپنے کو درست کر سکتی ہو۔"

اوسط طبقہ کی ملازمتوں کی شورش سے عوام بھی چونک پڑے اور اپنی شکایتوں کے اظہار کا راستہ ڈھونڈھنے لگے۔ کانگرس کی تحریک کا اثر بھی اوسط طبقہ کی معرفت وہاں تک پہونچ گیا۔ جب سنہ ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا کانگرس کا اجلاس لاہور میں ہوا، تو بہت سے نوجوان کشمیریوں نے اس میں شرکت کی۔ اس تحریک کو دیکھ کر ان کے دلوں میں بھی یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کشمیر میں بھی اسی طرح کی تحریک اٹھنا چاہئے۔

ہندستان میں سنہ ۱۹۳۰ء میں جو سول نافرمانی کی تحریک اٹھی اس نے بہت کچھ کشمیر کی سنہ ۱۹۳۱ء کی لڑائی کو راستہ بتایا۔ پہلے تو یہ عوام کی ایک بے اختیارانہ شورش تھی لیکن آگے بڑھ کر یہ طوفان کی طرح تمام ریاست میں پھیل گئی۔ یہ تحریک کسی طرح منظم نہیں تھی۔ کیونکہ اس وقت ریاست کسی انجمن کو قائم ہونے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ جیسے ہی یہ چل اٹھی حکومت نے اپنی ساری طاقت سے ظلم و ستم ڈھا کر اس کو دبانا چاہا۔ متواتر کئی جگہ گولیاں چلائی گئیں۔ ان مقاموں میں سری نگر، جموں، بارہمولا، سوپور، ہندواڑہ، لودی، ونشٹ نگ، میرپور، کوٹلی، اور پونچھ وغیرہ بھی تھے۔ موتوں کی تعداد کئی سو تک پہونچ گئی۔ ہزاروں کو کوڑے مارے گئے، اور

ہزاروں کو بلا عذر مچلکے سزا دے دی گئی۔ اسی موقع پر حکومت نے ایک نوٹیفکیشن (۱۹-ایل) کے ذریعہ انسپکٹر پولیس اور فوجی افسروں کو غیر محدود اختیارات دیے۔

جب اس ظلم و ستم پر بھی رعایا و تنی نظر آئی تو مہاراجہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ رعایا میں سے اگر کوئی جماعت اپنی معقول شکایتیں ریاست کے سامنے پیش کرے گی تو اس پر غور کیا جائے گا۔ اعلان ہوتے ہی کئی جماعتوں نے اپنی درخواستیں پیش کر دیں۔

مسلمانوں نے جو درخواست پیش کی، اس کے سیاسی مطالبات قومی وضع قطع کے تھے۔ انھوں نے ایک دستور اساسی اور بنیادی حقوق کا مطالبہ کیا۔ یہ حقوق یہ تھے (۱)، اسمبلی کی آزادی (۲)، تحریر و تقریر کی آزادی (۳)، ہر لحاظ سے رعایا کے ہر فرد کے ساتھ ایک سا برتاؤ اور ہر ایک کو یکساں حقوق۔

اس میں جس دستور اساسی کا مطالبہ تھا، اس میں حکومت وزیروں کی ایک کونسل کے سپرد تھی جس کے ممبر مہاراجہ نامزد کریں گے۔ لیکن یہ شرط تھی کہ مہاراجہ وزیر کو مقرر کرتے وقت اسمبلی کی اکثریت کی رائے کا لحاظ رکھیں گے۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا اسمبلی کے مشورہ پر کاربند ہوں گے۔ اور اگر کسی وزیر پر اسمبلی میں عدم اعتماد کا ووٹ ستر فیصدی کی اکثریت سے پاس ہو جائے تو وہ وزیر اپنی خدمتوں سے سبکدوش ہو جائے گا۔ اس نے ایک ایسے قانون سبھا کا مطالبہ کیا جس میں ہر بالغ کو بلا قید مذہب و ملت ووٹ دینے کا حق حاصل ہوگا۔ اور اس میں کم از کم ستر فیصدی منتخب ممبر ہوں گے۔ اور کوئی نیا قانون جس کو اسمبلی نے پاس نہ کیا ہو۔ یا کوئی پرانا قانون جسے اسمبلی نے رد کر دیا ہو ریاست میں جاری نہیں ہو سکتا ہے۔ قانون بنانے کا اختیار صرف اسمبلی کو حاصل ہوگا۔

اس کے ساتھ ملازمتوں میں آبادی کے تناسب پر زور دیا گیا تھا کیونکہ ابھی تک ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب بے حد کم تھا۔ یہ دیکھتے ہی سرمایہ داروں نے ان مطالبوں پر فوراً فرقہ پرستی کی مہر لگا دی۔ حالانکہ دستور کا خاکہ کشمیری پنڈتوں کے مشورے سے تیار کیا گیا تھا۔

کشمیری پنڈتوں نے جو درخواست پیش کی اس میں بھی یہی مطالبہ تھا کہ دستوری حکومت قائم کی جائے۔ اسمبلی کو اختیارات دیے جائیں اور حکومت کی مشین پر فرقہ پرستی کا رنگ نہ چڑھے۔

ان درخواستوں پر سر گلینسی کی صدارت میں ریاست نے ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں یہ سفارش کی کہ ہر فرقہ کو اچھا اور مناسب حصہ سرکاری ملازمتوں کا ملنا چاہئے۔ تحریر و تقریر کی آزادی ہونا چاہئے۔ جو مذہبی زمینیں ضبط کر لی گئی ہیں وہ واپس دی جائیں۔ اور ایک نمائندہ اسمبلی قائم ہو اور جلد سے جلد قائم ہو۔ اور اس کی اکثریت منتخب ہو۔ اور بہتر یہ ہوگا کہ نامزد ممبروں کی تعداد صرف ایک تہائی ہو۔ سر گلینسی نے مخلوط انتخاب کی مخالفت کی۔

مسلم کانفرنس اس رپورٹ کے بعد اکتوبر ۱۹۳۲ء میں جموں کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد پڑی جس کے پہلے صدر شیخ محمد عبداللہ ہوئے۔ اس کانفرنس کا نام تو ضرور فرقہ پرستی سے تھا لیکن اس کی پالیسی جو اس کے نئے صدروں نے بنائی مخالف قومی پالیسی رہی ہے پہلے صدر عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا۔

”میں اس کو ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی تحریک کے متعلق میں شروع ہی سے بات صاف کر دوں۔ نہ تو یہ فرقہ وارانہ تحریک ہے اور نہ کسی فرقہ کی مخالفت میں اٹھی ہے۔ ہم تمام فرقوں کے حقوق کے لئے اٹھے ہیں۔ ہم اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جس طرح ہم مسلمانوں کی مصیبتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اسی طرح ہم ان کی مصیبتوں کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں...... ہمارا ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک ہمارے یہاں آپس کے فرقوں میں میل جول نہیں قائم ہوتا ہے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہر فرقہ دوسرے فرقوں کو سمجھنے کی کوشش کرے۔“

۱۹۳۱ء کی تحریک میں جو فرقہ وارانہ رنگ پیدا ہو گیا تھا وہ شیخ محمد عبداللہ کے سامنے آجانے سے بہت کچھ دب گیا۔ سرمایہ داروں نے، اور اس زمانے کی فرقہ پرستی کی وبا نے شیخ عبداللہ کی راہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں ڈالیں۔ مگر انھوں نے براہ راست عوام تک رسائی حاصل کی اور ان کو عام مصیبت غریبی اور پریشاں حالی کے نام پر ابھارا۔ عوام نے جب شیخ عبداللہ کو اپنا سچا ہمدرد پایا تو وہ ان کا دم بھرنے لگے اور فرقہ پرستی کا بے سود راستہ چھوڑ قومی راستہ پر آگئے۔ شیخ عبداللہ مسلمان ہیں وہ جانتے تھے کہ ان کے مسلمان بھائی کیسی کیسی مصیبتوں میں پھنسے ہیں، اور ان کو اپنے ان غریب بھائیوں سے بڑی ہمدردی ہے، لیکن اس ہمدردی نے ان کو دوسرے فرقے کے غریبوں کو نہیں بھلا دیا۔ جب ان کے خطبہ صدارت کے یہ الفاظ ان ہندوؤں تک پہونچے جو شہر سے دور دیہاتوں میں اپنی غریبی کی زندگی کاٹتے تھے۔ اور ان کی جان و مال ہر وقت مسلمانوں کے رحم و کرم پر تھی تو وہ باغ باغ ہو گئے۔

اس کانفرنس کی تجویز کے مطابق مارچ ۱۹۳۳ء میں ایک کمیٹی ہندوؤں اور سکھوں میں بیداری پھیلانے کے لئے تیار کی گئی۔ اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ لیکن فوراً ہی سول نافرمانی کی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی، اس لئے یہ اپنا کام اچھی طرح نہیں کر سکی۔

اس موقع پر پھر نوٹیفکیشن (۱۹-ایل) جاری کیا گیا۔ اور اس وقت سے ابھی تک جاری ہے۔ یہ کشمیری رعایا کی پبلک زندگی کا جزو بن گیا ہے۔

سبھاش چندر بوس نے استعفیٰ دیدیا

راجندر بابو کا چناؤ

ورکنگ کمیٹی یک تکمیل ہو جائیگی

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی کارروائی

گاندھی بوس بات چیت

کانگرس کی اندرونی الجھن سے ملک میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی اور پوری قوم کلکتہ میں گاندھی بوس ملاقات پر نگاہ لگائے تھی۔

آخر ۲۹ اپریل کو سودی پور میں گاندھی جی اور سبھاش چندر بوس میں بات چیت شروع ہوگئی اس گفتگو میں جواہر لال نے کانگرس کا ایکتا قائم رکھنے پر بہت زور دیا۔

بحث میں بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ آیا ورکنگ کمیٹی ایک ہی خیال کے لوگوں میں سے بنائی جائے یا اس میں مختلف عناصر کو نمائندگی دیجائے باخبر حلقوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ سبھاش چندر بوس اس دوسری رائے کے حامی تھے لیکن گاندھی جی کا کہنا تھا کہ اگر ورکنگ کمیٹی کے نام انھیں تجویز کرنا ہیں اور کانگرس کی پالیسی کی رہبری کرنا ہے تو پہلے سبھاش بوس کو گاندھی ازم کا حامی ہونا چاہئے اس دوران میں گاندھی جی نے راجندر بابو اور دوسرے لیڈروں سے بھی تبادلہ خیال کیا۔ ان لوگوں نے سطے کیا کہ اگر سبھاش چندر بوس پرانی ورکنگ کمیٹی کو پھر سے نامزد کرنے پر تیار ہو جائیں تو سب انکے ساتھ کام کریں۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ سبھاش چندر بوس چاہتے تھے کہ ورکنگ کمیٹی کے دس ممبر تو وہی رہیں جو پچھلے دس بارہ برس سے ہوتے آرہے ہیں اور بقیہ ممبر نئے عناصر میں سے لئے جائیں داہنے بازو والوں کو اس سے اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ کوئی سمجھوتہ ہونا ناممکن ہوگیا۔ ۲۹ اپریل کی شام کو دیر تک سمجھوتہ کی کوشش ہوتی رہی چنانچہ اسی وجہ سے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں بھی ایک گھنٹہ کی دیر ہوگئی۔ آخر ۵ بجے شام کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا۔

اس اجلاس کی اہمیت کے خیال سے اسکی [illegible]

وزیٹروں کی جگہیں بھی کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں مایوسی اور ناامیدی کی فضا میں ایک معنی خیز سکون طاری تھا لوگ آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے کہ گاندھی بوس گفتگو کا کیا حشر ہوا آخر لمحہ تک کوشش ہوتی رہی لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا۔

صدر کا استعفیٰ

بندے ماترم کا ترانہ گایا گیا اور پھر صدر کانگرس سبھاش چندر بوس اپنا استعفیٰ پیش کرنے کھڑے ہوئے انھوں نے اپنی تقریر میں تری پوری کانگرس کی پنتھ قرارداد کا حوالہ دیا اور پھر مہاتما گاندھی سے اپنی بات چیت کا تذکرہ کیا۔

انھوں نے کہا "میرے لئے مہاتما جی کی صلاح ہے کہ جو لوگ ورکنگ کمیٹی سے مستعفی ہوگئے ہیں میں انھیں پھر اپنی ورکنگ کمیٹی بنالوں۔ اس صلاح پر میں کئی وجہوں سے عمل نہیں کرسکتا۔ اسکی دو خاص وجہیں یہ ہیں کہ ایسی کارروائی پنتھ جی کی قرارداد کے خلاف ہوگی جس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی ہے کہ ورکنگ کمیٹی گاندھی جی کی مرضی کے مطابق بننا چاہیے اور اسے انکا پورا اعتماد حاصل ہونا چاہیے اگر اس صلاح کے مطابق میں ورکنگ کمیٹی بنالیتا تو میں آپ کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ورکنگ کمیٹی کو انکا پورا اعتماد حاصل ہے اسکے علاوہ میرا اپنا عقیدہ ہے کہ ہندستان میں اور ہندستان کے باہر ہا ہے سر مل بہ جو نازک زمانہ منڈلا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے ہمیں ایک مکمل ورکنگ کمیٹی بنانا چاہیئے جسے زیادہ سے زیادہ کانگرسیوں کا اعتماد حاصل ہو اور جس میں ساری کانگرس کے عام لوگوں کی جھلک آتی ہو"

سبھاش چندر بوس نے بتایا کہ ان حالات کے ماتحت انھوں نے گاندھی جی سے کہا وہ جو کچھ فیصلہ کرینگے وہ اسکے پابند ہونگے "ہماری [illegible]

بدقسمتی کہ مہاتما جی [illegible] قابل نہیں محسوس کیا کہ وہ [illegible] انکا کہنا ہے کہ [illegible] کوشش کی کہ باہمی [illegible] صورت نکل آئے لیکن اس میں [illegible]

"میں اپنا [illegible] غور کررہا ہوں کہ اس وقت آل [illegible] کمیٹی کے سامنے جو مسئلہ پیش ہے [illegible] کیا کام انجام دے سکتا ہوں [illegible] کہ موجودہ حالت میں [illegible] تنہا اسکی راہ میں ایک طرح کی رکاوٹ [illegible] کا باعث ہو۔ ممکن ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی ایسی ورکنگ کمیٹی بنانا چاہے جسمیں [illegible] موزوں ہوں اور اسکے علاوہ میں [illegible] محسوس کرتا ہوں کہ اگر آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا صدر [illegible] وہ یہ معاملہ زیادہ آسانی [illegible] کرسکے گی۔ اسلئے کافی غور و خوض [illegible] آزادی جذبہ کے ساتھ میں اپنا استعفیٰ [illegible] پیش کرتا ہوں"

اپنی تقریر کے خاتمہ پر انھوں نے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ [illegible] آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی کارروائی [illegible] دیں۔

(باقی کالم ۵ پر)

نئے سال کی ورکنگ کمیٹی

مولانا ابوالکلام آزاد۔ مسز سروجنی نائیڈو۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل۔ سیٹھ جمنا لال بجاج۔ شری [illegible] رام داس۔ دولت رام۔ خان عبدالغفار خاں۔ شری جے۔ بی کرپلانی۔ ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ۔ بھولا بھائی ڈیسائی۔ شری شنکر راؤ دیو۔ شری ہری کرشن مہتاب۔ ڈاکٹر پرپھلا چندر رائے۔ ڈاکٹر پرفلا گھوش۔

ورکنگ کمیٹی کا اعلان کرتے ہوئے صدر کانگرس [illegible] بتایا کہ [illegible] جواہر لال اور سبھاش چندر بوس سے بھی ورکنگ کمیٹی میں شامل ہونے کے لئے کہا تھا لیکن انھوں نے انکار کردیا مگر [illegible] سے کانگرس کی خدمت [illegible] کا وعدہ کیا۔

سیاسی قیدیوں کی رہائی کیلئے آل انڈیا تحریک

ہندستان سامراج پر بھینٹ نہیں چڑھیگا

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی قراردادیں

یکم مئی کو جنگ کے خطرہ پر جواہر لال نے یہ قرارداد پیش کی:۔

"بین الاقوامی جنگ کے ظاہر ہوا خطرہ کو دیکھتے ہوئے آل انڈیا کانگرس کمیٹی ملک اور تمام متعلقہ لوگوں کو جنگ کے متعلق قومی پالیسی کی جسکا کہ کانگرس اکثر اعلان کرچکی ہے یاد دلانا چاہتی ہے اس پالیسی پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کیا جائے گا کانگرس نے ہندستان کو جنگ میں پھنسانے اور ہندستانیوں کی مرضی کے خلاف ہندستانی ذرائع کو جنگ میں استعمال کرنے کی مخالفت کا تہیہ کرلیا ہے۔

"ہندستان کی کچھ فوجیں عدن کی طرف بھیجی گئی ہیں آل انڈیا کانگرس کمیٹی اس کو ناپسندیدگی سے دیکھتی ہے اسلئے کہ اسکا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ یہ فوجیں برطانیہ کے سامراجی مقاصد کے لئے استعمال کیجائیں!

"حکومت برطانیہ کی طرف سے لڑائی چھڑ جانے کی صورت میں تمام طاقت مرکزی حکومت کو جو پوری طرح سے برطانوی سامراج کے ایجنٹ کا کام کرتی ہے دیدینے کی جو کوشش کیجارہی ہے آل انڈیا کانگرس کمیٹی اس پر اپنی پوری ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہے کانگرس کو اصولاً قانون ہند کی ترمیموں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ اس سارے قانون کو ختم کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے لیکن وہ کسی ایسی ترمیم کو برداشت نہیں کرسکتی جو صوبائی خود مختاری کی جڑ کاٹتی ہو اور جنگ چھڑ جانے پر اسکو ایک دھوکے کی ٹٹی بنا دیتی ہو جو جنگ کی صورت میں ہندستان کے اندر مرکزی حکومت کی جنگی ڈکٹیٹر شپ قائم کرتی ہو اور صوبائی حکومتوں کو سامراج کا ایک بے بس ایجنٹ بناتی ہو اس قسم کی ترمیم کو لادنے کی کانگرس کی طرف سے ہر امکانی طرح پر مخالفت کیجائے گی۔ کانگرس صوبائی حکومتوں کو آگاہی دینا چاہتی ہے کہ اس بارے میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی یا ورکنگ کمیٹی جیسی کہ صورت ہو کی بنائی ہوئی پالیسی پر عملدرآمد کرنے کے لئے تیار رہیں"

جواہر لال نے یہ قرارداد پیش کرتے ہوئے نیند رجی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ وہ میں نے بعض وقت یہ کہا ہے کہ فیڈریشن کا سوال اب جاندار سوال نہیں ہے۔ اس سے میں یہ نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ سوال ہی مرگیا ہے۔ اگر ہم ڈھیلے پڑ گئے تو اس میں پھر جان آجائے گی"

انھوں نے کہا کہ اسکے ساتھ ہی اور سوال بھی ہیں جنھیں فیڈریشن سے پہلے حل کرنا ہے قانون ہند میں ترمیم کے سلسلہ پر انھوں نے بتایا "اگر آپ چپ چاپ اسے مان لینگے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ پھر لڑائی کے متعلق کانگرس کی پالیسی جسپر وہ ۱۹۲۰ء سے عمل کررہی ہے ختم ہوجائے گی۔ اگر یہ ترمیم پاس ہوگئی تو صوبائی خود مختاری جو دو سال پہلے بنی تھی ختم ہوجائے گی"

صوبائی حکومتوں کے رویہ کے بارے میں انھوں نے کہا کہ اگر ہو سکا تو وزارتوں پر رہتے ہوئے لڑائی لڑینگی ورنہ استعفیٰ دیدینگی۔

آخر میں انھوں نے کہا:۔

"اگر ہم سب ایک ساتھ لٹنے لگے نہ کہ آپس میں تو مہاراجے گلے ایک ایک کرکے کاٹے جائینگے"

شری شنکر راؤ دیو کی ایک قرارداد کی رو سے کانگرس کو برے عناصر سے پاک کرنے کی ترکیبیں نکالنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی اس کے

ممبر یہ ہیں:۔

صدر کانگرس۔ جواہر لال۔ ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ۔ اچاریہ نریندر دیو۔ اور شری جے۔ بی کرپلانی۔

اسکے بعد صدر صاحب نے کینیا (افریقہ) کی نوآبادی میں یورپینوں کے فائدے کے لئے وہاں کے ہندستانیوں پر جو زیادتیاں کی جارہی ہیں انکے خلاف ایک قرارداد پیش کی جو پاس ہوگئی۔

بنگال اور پنجاب کے سیاسی قیدیوں کے متعلق بھی ایک قرارداد پاس ہوئی جس میں حکومت بنگال کے "سخت اور بے پروا" رویہ پر احتجاج کیا گیا اور طے ہوا کہ بنگال اور پنجاب کے سیاسی قیدیوں کی رہائی کے مسئلہ کو سارے ہندستان کا مسئلہ بنا دیا جائے۔ اور ورکنگ کمیٹی کو ہدایت کی گئی کہ وہ "سارے ہندستان میں ایک تحریک شروع کرنے کے لئے ترکیبیں نکالے"

تین دن کی سماعی کے بعد یکم مئی کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس ختم ہوگیا۔

صدر کانگرس نے بتایا کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا آیندہ اجلاس جون میں ہوگا۔

استعفیٰ واپس لینے کی درخواست

(بقیہ کالم ۵)

اسکے بعد جواہر لال نے ایک قرارداد میں سبھاش چندر بوس سے درخواست کی کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں انھوں نے ایک مختصر سی تقریر میں بتایا کہ ہمارے سر پر ملکی اور بین الاقوامی الجھنیں منڈلا رہی ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب لڑائی چھڑ جائے۔

گاندھی جی اور سبھاش چندر بوس میں کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہمیشہ سے جب کبھی کوئی الجھن ہوئی ہے ہم سب نے اکٹھا ہوگئے ہیں انھوں نے کہا کہ باہمی اختلاف جماعت کو کمزور کردیتا ہے اور دشمنوں کو ہنسی اڑانے کا موقع ملجاتا ہے۔

جواہر لال نے تجویز کیا کہ پرانی ورکنگ کمیٹی [illegible]

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی کارروائی

شریمتی سروجنی نائیڈو نے جو اس وقت صدر تھیں امید ظاہر کی کہ یہ قرارداد اتفاق رائے سے پاس ہو جائے گی۔ رفیع احمد صاحب قدوائی وزیر یوپی نے قرارداد کی تائید میں کہا کہ مقصد سب کا ایک ہی ہے یعنی مکمل آزادی حاصل کرنا اور اختلاف صرف طریق کار پر ہے انھوں نے ایکا قائم رکھنے پر زور دیا۔ جے پرکاش نرائن جنرل سکریٹری کانگریس سوشلسٹ پارٹی نے بھی اس کی تائید کی۔

ہمہ رنگی ورکنگ کمیٹی کا مسئلہ

اپنی جوابی تقریر میں ورکنگ کمیٹی پر اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے کہا کہ

"میرا نیا نظریہ مان طور پر یہ ہے کہ ہر سال ورکنگ کمیٹی میں نئے خون کو داخل کیا جاتا رہے۔ پالیسی کی پابندی کے لئے یہ ہو سکتا ہے کہ اکثریت پرانے ہی ممبروں کی رہے لیکن ہندستان جیسے لمبے چوڑے ملک میں کانگریس کی سب سے بڑی مجلس انتظامیہ کو چند لوگوں کے ایک گروہ ہی کی ملکیت نہ بنا دینا چاہئیے۔ اس لئے معمولی حالات میں ہر سال تبدیلی ہوتی رہنا چاہئیے۔"

انھوں نے کہا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ اس کمیٹی میں اختلاف رائے ہوگا اور کام میں رکاوٹ پڑے گی اس لئے کہ اگرچہ کانگریس میں ہر قسم کے خیال رکھنے والے لوگ ہیں مگر کیا ہم میں آپس میں اس سے کہیں زیادہ باتوں پر اتفاق نہیں ہے۔ کیا ہم سب سامراج دشمن نہیں ہیں جو کانگریس کے موجودہ دستور العمل نصب العین اور پالیسی کو مانتے ہوں۔"

سبھاش چندر بوس نے بتایا کہ کانگریس ۱۹۳۱ء کے مقابلہ میں اب بہت کچھ بدل گئی ہے اور اس تبدیلی کی جھلک ورکنگ کمیٹی میں بھی آنا چاہئیے اس کے علاوہ ہمیں صدر کے الیکشن کے نتیجہ کا بھی خیال رکھنا چاہئیے۔"

آخر میں انھوں نے کہا کہ ملک بہت نازک دور سے گذر رہا ہے اور ایسے وقت پر ہم سب کو متحد رہنا چاہئیے۔

"اس زبردست کام میں میں جو کچھ تھوڑا بہت کر سکتا ہوں کروں گا خواہ میں صدر ہوں

بقیہ صفحہ (۱۳)

یا نہ ہوں میری خدمات جب قابل بھی ہوں گی کانگریس اور ملک کے لئے حاضر رہیں گی۔ میرا دعوی ہے کہ مجھ میں وطن پرستی کا جذبہ اور ضبط و نظام کا احساس اتنا کافی ہے کہ میں ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی آزادی کی اس زبردست لڑائی میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے کام کر سکوں۔"

مسز سروجنی نائیڈو نے ایک دفعہ پھر صدر کانگریس سے اپیل کی کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں مسز نائیڈو نے اس سے اتفاق کیا کہ ورکنگ کمیٹی میں نیا خون داخل کرتے رہنا چاہئیے لیکن انھوں نے کہا کہ ابھی اس کی جلدی نہیں ہے۔ پرانی ورکنگ کمیٹی کے دو ممبروں کی جگہ خالی ہے ان پر سبھاش چندر بوس اپنے آدمی رکھ سکتے ہیں۔

سبھاش چندر بوس نے آخر میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں پہلے ہی اپنا رویہ صاف کر چکا ہوں "میں عملی اتحاد چاہتا ہوں سب سے عملی کا اتحاد نہیں چاہتا۔"

اس پر ایوان کی اجازت سے جواہر لال نے اپنی قرارداد واپس لے لی۔ مسٹر وت مجومدار نے بھی اسی قسم کی ایک قرارداد پیش کی لیکن بعد میں وہ بھی واپس لے لی گئی۔

کانگریس کے نئے صدر

نئے صدر کے چناؤ پر تھوڑی سی قانونی بحث رہی اس کے بعد ڈاکٹر چوئتھرام گدوانی نے بابو راجندر پرشاد کا نام پیش کیا اور بابو موہن لال سکسینہ (یو۔پی) نے اس کی تائید کی اس پر ایوان کے ایک حصہ سے "گاندھی جی کی جے" کے نعرے بلند ہوئے اور دوسری طرف سے "شرم شرم" کی آوازیں سنائی دیں۔ آخر سبھاش چندر بوس نے خود شور مچانے والوں کے پاس جا کر انھیں خاموش کیا۔

کانگریس کے نئے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی تقریر میں ملکی صورت حال کی نزاکت کی طرف اشارہ کیا اور کانگریس کی اندرونی الجھنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایسی حالت میں صدارت کی کرسی ان کے لئے پھولوں کی سیج نہیں ہے۔

انھوں نے سبھاش چندر بوس کے استعفے پر افسوس کیا اور کہا "میں اس وقت اس جگہ پر اس لئے نہیں ہوں کہ پہلے سے اس کی خواہش کرتا تھا بلکہ اپنے فرض کے احساس اور آج کل ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں اپنے امکان بھر ملک کی خدمت کرنے کے خیال سے یہاں کھڑا ہوں۔" انھوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ اس بڑے کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ اس لئے کہ ان کے بغیر کچھ کرنا ناممکن ہے۔

چونکہ اس وقت تک ورکنگ کمیٹی کا اعلان نہیں ہوا تھا اس لئے اجلاس اگلے دن کے لئے ملتوی ہو گیا

ہنگامہ اور لیڈروں پر حملہ

یکم مئی کو اجلاس کا آخری دن تھا اس دن بعض ونیڈروں نے کارروائی میں بڑی گڑبڑ مچائی کانگریس کے صدر راجندر بابو کے آنے پر ان لوگوں نے "شرم شرم" کے آوازے لگائے اور جب انھوں نے ورکنگ کمیٹی کے ناموں کا اعلان کیا تو اس پر بھی ایسے ہی نعرے لگائے گئے۔

مسٹر کے۔ ایف نریمان نے کانگریس کے صدر کے استعفے اور نئے صدر کے الیکشن کی کارروائی پر اعتراض کیا اور ۳۰ آدمیوں کے دستخط سے ایک احتجاجی یادداشت پیش کی۔

اس دن جواہر لال نے جنگ کے خطرہ میں قرارداد پیش کی۔ اور بھولا بھائی ڈیسائی نے اس کی تائید کی۔

بقیہ قراردادیں صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔

جلسے کے ختم پر پنڈال کے باہر کچھ لوگوں نے بعض لیڈروں پر حملہ کرنا چاہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بابو راجندر پرشاد کی موٹر پر لوگوں نے پتھر برسائے اور ان پر حملہ کر دیا جس سے ان کے کپڑے بھی پھٹ گئے لوگوں نے بھولا بھائی ڈیسائی پنڈت گوبند بلبھ پنتھ ڈاکٹر پٹابھی سیتا رمیا مسٹر گھوش اور مسٹر بدھان چندر رائے کے خلاف بھی مظاہرے کئے۔

اور ان کی موٹروں پر پتھر پھینکے۔ خبر ہے کہ کچھ لوگوں نے مسٹر پی۔ سی رائے کے مکان

سے فرصت نہیں ملتی وہ اتنی دور آکر اسکی مدد کیا کرینگے۔

مارشل چیانگ کائی شیک نے کچھ دن ہوئے اپنے ایک بیان میں چین کی لڑائی کو تین درجوں میں تقسیم کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے دور میں جاپان اپنی طاقت کے زور سے ہر جگہ چینیوں کو پسپا کرے گا دوسرے دور میں چینی گوریلا فوجیں جاپان کو روک دینگی اور تیسرے دور میں جاپان پیچھے ہٹتے ہٹتے سمندر تک پہونچ جائے گا۔ اس طرف چین سے جو لڑائی کی خبریں آرہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چین دوسرے دور میں پہونچ گیا ہے۔ اب جاپان کو آگے بڑھنے میں پہلے جیسی آسانی نہیں ملتی بلکہ اسے چینی حملوں کی روک تھام میں بہت زیادہ تر طاقت صرف کرنا پڑ رہی ہے۔ چینی گوریلے جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں اور انکی باقاعدہ فوجیں شمال اور جنوب دونوں طرف بڑھ رہی ہیں۔ شانسی، ہونان، شانٹنگ، ہوپے، کیانگسی اور کوانگ ٹنگ میں اگرچہ چینیوں کو نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے لیکن انھوں نے جاپانی فوجوں کو اس سے کہیں زیادہ نقصان پہونچا دیا ہے۔

۲۲ اپریل کی خبر ہے کہ شمالی چین میں کائفنگ کے مقام پر جاپانیوں نے ایک صلح پسند پارٹی تیار کی تھی، چینیوں نے اس کے نو لیڈروں میں سے چھ کو ایک ہی رات میں ختم کرا دیا اور گوریلا دستوں نے جھاپے مار کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اسی قسم کی خبریں آئے دن سننے میں آرہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ اور سامان جنگ کے اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود بھی قومی ایکا اور وطن پرستی کا جذبہ ایک قوم کو ظالم سامراج سے کیونکر بچا سکتا ہے۔

ایک چینی صحافت داں چین کی لڑائی کے متعلق ایک مضمون میں لکھتا ہے:—

"چین ۱۹۳۹ء میں ایسے داخل ہوا جیسے کہ کوئی شخص رات کے آخری حصہ سے گذر رہا ہو۔ ہانکاؤ کی ہار آدھی رات کا نشان ہے صبح سے پہلے کے چند گھنٹے رات کا سب سے زیادہ اندھیرا حصہ ہوتے ہیں۔ لیکن چین سر اٹھائے اور ہمت باندھے رات کی اس تاریکی سے گذر جائے گا اور صبح نمودار ہونے تک مورچہ پر جما رہیگا"

چین کی دو تصویریں

واردھا اسکیم

(مفتاح الدین ظفر گورنمنٹ ہائی اسکول [illegible])

آخری قسط ۔ پورا مضمون تین قسطوں میں

ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ کا وہ حصہ جو غالباً سب سے زیادہ اہم ہے بہت مختصر ہے۔ نئے اسکولوں کی دیکھ بھال کے لئے موجودہ زمانے کے انسپکٹروں کے بجائے ایک نیا عہدہ تجویز کیا گیا ہے جس کے عہدہ دار نگران (Supervisor) کے نام سے موسوم کئے جائیں گے۔ نگران کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوگی اس کا کام صرف معائنہ کرنا ہی نہیں ہوگا بلکہ وہ تعلیمی محکمہ کا ایک تجربہ کار افسر ہوگا جو اپنے وسیع تجربہ اور زیادہ علم کی بدولت اپنے زیر نگران استادوں کو معقول رائے دے سکے گا۔ اور اس طرح اسکول کو اپنی ذات سے فائدہ پہونچا سکے گا۔ وہ ایک طرح کا مصلح کار اور مشیر ہوگا۔ نگران کے واسطے ضروری ہے کہ وہ تین سال کی مکمل ٹریننگ حاصل کر چکا ہو۔ نیز کم سے کم دو سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ کسی مدرسے میں مدرس کے فرائض انجام دے چکا ہوں۔ تجویز کیا گیا ہے کہ ایک نگران کے تحت میں زیادہ اسکول نہ ہوں تاکہ ہر استاد کو اس کی ہمتی رائے سے فیضیاب ہونے کا موقعہ مل سکے۔ یہ تجویز اگرچہ زیادہ خرچ کا باعث ضرور ہے لیکن کمیٹی کی رائے ہے کہ عمدہ تعلیم کے لئے یہ خرچ نہایت ضروری ہے۔

امتحانات کے بارے میں اسکیم کا ایک طرفہ فیصلہ ہے آج کل کے امتحانات کا طریقہ بالکل ہی غلط ہے اسلئے نئی تعلیم میں امتحانات کی حیثیت ہی بدل دی گئی ہے ایک درجہ سے دوسرے درجے میں ترقی دینے کے لئے اسکول کو اختیار ہوگا کہ طالب علم کے کام کا جائزہ لے کر اور اس کی علمی استعداد کا اندازہ لگا کر اس کو ترقی دے دیجائے۔ اسکول کے نگراں اس بات کے ذمہ دار ہوں گے کہ مختلف اسکولوں میں جو درجہ بدرجہ ترقی دی جائے وہ ان کا ایک معیار قائم رکھیں۔ سات سال تک مکمل تعلیم حاصل کر لینے کے بعد طالب علم کو ایک بڑا امتحان پاس کرنا ہوگا جس میں یہ دیکھا جائے گا کہ طالب علم نے ایک مقررہ معیار کے مطابق اپنی تعلیم اور فن میں دستگاہ حاصل کر لی ہے یا نہیں۔ امتحان لینے میں کافی دقت صرف ہوگا اور طالب علم کا امتحان نصاب تعلیم کے سب مضامین میں لیا جائے گا یعنی امتحان میں یہ دیکھا جائے گا کہ طالب علم نے ایک مقررہ معیار کے مطابق اپنی درسگاہ کے خاص ہنر میں مہارت حاصل کر لی ہے یا نہیں۔ اسی امتحان کے دوران میں دوسرے مضامین میں جو مرکزی فن کے سلسلے میں پڑھائے گئے ہیں امتحان لے لیا جائے گا۔ اس طرح سے طالب علم کو امتحان کے لئے خاص طور پر کوئی تیاری نہیں کرنا پڑے گی بلکہ امتحان روزانہ کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہوگا اور وہ زمانہ جو آج کل شرح اور نوٹ یاد کرنے اور اہم باتوں کے رٹنے میں گذار دیتے ہیں۔ بچ جائے گا۔

انتظامی معاملات

واردھا اسکیم کے مطابق حکومت کا فرض ہے کہ سات سال کی عمر سے لیکر چودہ سال کی عمر تک کے بچوں کو جبریہ تعلیم دے۔ ہر چند کمیٹی کا خیال ہے کہ ۶ سال کی عمر سے لے کر ۶ سال تک کی عمر والے بچوں کی تعلیم کا مسئلہ کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تاہم اس مسئلہ کو ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے۔ بلکہ خیال یہ کیا گیا ہے کہ اس عمر میں بچے کچھ نہ کچھ تعلیم ضرور حاصل کریں گے۔ نئی تعلیم میں تقسیم اوقات کا اندازہ اس طرح لگایا گیا ہے کہ مہینہ میں کم سے کم ۲۴ دن پڑھائی ضرور ہو یعنی سال میں ۲۸۸ دن۔ دن میں ۵ ½ گھنٹے تعلیم ہونا ضروری ہے جس میں ۱۰ منٹ وقفے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔ یعنی ٹائم ٹیبل کا حساب یہ رہے گا۔

مرکزی فن یا دستکاری	۳ گھنٹے ۔ ۲۰ منٹ	
موسیقی۔ ڈرائنگ اور ریاضی	۴۰	"
مادری زبان	۴۰	"
معاشرتی مضامین اور جنرل سائنس	۳۰	"
ورزش جسمانی	۱۰	"
وقفہ یا اسٹر دیل	۱۰	"
کل ۵ گھنٹے ۔ ۳۰ منٹ		

رپورٹ میں نئے اسکولوں کی عمارت کے متعلق بھی تذکرہ ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر اسکول کے ساتھ کافی اراضی کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ باغبانی اور زراعت کی تعلیم میں سہولت رہے۔ استادوں کی تنخواہ کے متعلق یہ تجویز ہے کہ تنخواہ بیس روپیہ ماہوار سے لیکر ۲۵ روپیہ ماہوار تک ہو۔ ممکن ہے اونچے درجوں کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ معلموں کی ضرورت پڑے۔ اس صورت میں زیادہ تنخواہ بھی دی جا سکتی ہے۔ لیکن اسکیم کے رواج پا جانے پر مجوزہ تنخواہ ہی دینا مناسب خیال کیا گیا ہے۔

انتظامی معاملات کے سلسلے میں چند تجاویز اور قابل ذکر ہیں۔ ہر درجے میں ۳۰ طلبا سے زیادہ نہ ہونا چاہئیں۔ استادوں کی تقرری میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے کہ مقامی معلموں کو دوسروں پر ترجیح دیجائے عورتوں کو پیشہ معلمی اختیار کرانے میں خاص ہمت افزائی کی ضرورت ہے ٹریننگ کی درسگاہوں کے واسطے مناسب امید واروں کا چنا ؤ ہونا

ردپیہ کی مٹھائی کھانے سے بھی کون روک سکتا ہے۔ بس تو بچے کا منھ میٹھا کرنے کے لئے تھوڑا سا میٹھا چاہتی تھی۔

"میں تو مٹھائی کھانا ہی بھول گئی ہوں" ہیرا نے کہا۔ "لڈو کھلائے ہوئے تو سالوں بیت گئے۔ آج تھوڑی سی مٹھائی خریدوں گی۔ اسکے لئے کچھ زیادہ دودھ لائی ہوں۔

نانک نے کہا بسنتی جلدی آ۔ ذرا دودھ دکھلا۔ جلدی آ، ہیرا جلدی آ صاحب لوگ چائے کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ تم نہیں جانتیں گورا لوگ اپنا ناشتہ پلنگ ہی پر کرتے ہیں۔

جا جی جلدی آ" ہیرا نے کہا اور اپنے سر پر رکھی ہوئی مٹکی کو جوان بازوؤں سے اتار لیا۔

"اے ری ذرا دوڑنے سے پہلے ہاتھ گلے جا" بسنتی نے کہا۔ جانتی ہوں مجھے چاول کی پھلکی کے کھانے کی بڑی جلدی ہو رہی ہے ذرا بڑھیا کی بھی یاد کر دے۔ اور پھر میں تو پہلے ہی سے بھول جب سے میں نے نانک کے یہاں دودھ بیچنا شروع کیا ہے۔ تیز ملمھی نہ تھا" دودھ آ! دھر " نانک چلایا۔ جیون بھی وہ چلایا اس کے کان کی بالیاں ہل پڑیں۔

ہیرا نے اپنی مٹکی سر سے اتار کر زمین پر رکھی اور پھر بسنتی کی مٹکی کو ہاتھ لگایا۔ تب ہیرا نے موقع پا کر اپنے کپڑے کے ایک کنارے پر بندھی ہوئی کو کھول مٹھائی خریدنے کے لئے ہاتھ میں لیا اور دوسرے ہاتھ سے گھڑا اٹھا کر نانک چند کے پاس رکھ دیا۔

"سیٹھ جی ہمارا حساب کر دو" بسنتی نے مٹکی اتارتے ہوئے کہا۔ "اب جاڑا آگیا اور ہم اپنے جانوروں کو لیکر میدان کی طرف چلے جائینگے۔ کل رات ہم سینہ میں بھیگ گئے کیونکہ پٹر کچھ بچا نہیں پاتے اور پھر چھوڑنے سے پہلے سرکار کا محصول دینا ہے۔ نہیں تو وہ ہمارے کپڑے چھین لیں گے۔"

باقی آئندہ

((نیو ہند))

(کانگرس کے صدارتی جھگڑے پر بائیں بازو کے ایک قابل نمائندے کا مضمون ذیل میں درج ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک اچھی بحث ہو جائے، اس لئے ہر جماعت سے ہماری اپیل ہے کہ وہ "ہندستان" کو اپنے خیالات سے سرفراز فرمائیں۔)

(اڈیٹر)

تری پوری کے اجلاس کے بعد سے کانگرس کے بائیں بازو اور خاص طور پر کانگرس سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ کسی طرح کانگرسی عوام اور لیڈروں کو یہ معمولی بات ذہن نشین کرا دی جائے کہ گاندھی جی اور ان کے مقلدین کا نظریہ لیگا گمت (یونائٹڈ فرنٹ) آزادی کی جنگ کے لئے بے حد خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اگر اس نظریہ پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی تو ہمارے قومی اتحاد میں زبردست پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ بائیں بازو کا کہنا تھا کہ ہندستان کی آزادی کی لڑائی صرف ایک طبقہ یا نظریاتی سکول کا اجارہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس لڑائی میں ان سب کا پورا پورا حصہ ہے جنھیں برطانوی سامراج کی بدولت نقصان ہوتا ہے اور جو آزادی سے فائدہ کی امید رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر جماعت کو اطمینان دلایا جائے کہ کانگرس صحیح معنوں میں ان کی نمائندگی کرتی ہے اور چونکہ کانگرس ایک پارٹی نہیں ہے بلکہ ایک عام قومی متحدہ محاذ یا پلیٹ فارم ہے۔ اس لئے سامراج دشمن جماعت کے نمائندوں کو اپنی آواز اٹھانے کا موقع ملنا چاہیئے۔ اسی بنا پر ان کی مانگ تھی کہ ورکنگ کمیٹی میں بائیں بازو کی بھی نمائندگی ہونی چاہیئے اور دائیں کی بھی۔ وہ اگر ایک طرف ورکنگ کمیٹی سے بائیں بازو کے علیحدہ کئے جانے کے خلاف تھے تو دوسری طرف انہیں یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ دائیں بازو کو ورکنگ کمیٹی سے الگ رکھا جائے۔ ان کا مطالبہ تو متحدہ لیڈرشپ بنانے کا تھا۔

یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ دائیں بازو اور خاص طور پر گاندھی جی کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کی گئی جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا کہ وہ بھی اپنے نظریہ لیگا گمت میں کسی قسم کی تبدیلی قومی اتحاد کی خاطر تیار ہیں۔ بلکہ اس میں گاندھی جی نے سبھاش بابو کو مدد دینے سے انکار کرتے ہوئے انہیں صلاح دی کہ انھیں چاہیئے کہ وہ اپنی ورکنگ کمیٹی خود بنا لیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ سبھاش بابو بائیں بازو کی ورکنگ کمیٹی بنا لیں اور اس طرح دائیں بازو کو الگ رکھ کر لیگا گمت کے نظریہ کو قبول کرتے ہوئے قومی اتحاد اور جنگ آزادی کو تحس نحس ہو جانے دیں۔

لیکن اس وقت سبھاش بابو نے نہایت سنجیدگی اور تدبیر سے کام لیکر اس خطرناک

اقدام سے انکار کر دیا اور گاندھی جی سے اصرار کیا کہ وہ خود بتائیں کہ وہ کن
لوگوں کو ورکنگ کمیٹی میں شامل کرنا چاہتے ہیں، اور ساتھ ساتھ یہ عقیدہ
بھی ظاہر کر دیا کہ موجودہ صورت حال میں ایک متحدہ ورکنگ کمیٹی کا قائم
کیا جانا ناگزیر ہے۔ یہ بات نہایت معقول اور مناسب تھی لیکن گاندھی جی اور ان
کے مقلدین اپنی یکانگت کی ضد پر اڑے رہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ورکنگ کمیٹی نہ بن سکی
یہاں تک کہ کلکتہ کا اجلاس آ پہونچا۔

کلکتہ میں بوس بابو گاندھی جی سے ملے۔ ایک طویل گفتگو کے بعد بھی کوئی
نتیجہ نہ نکل سکا اور گاندھی جی نے بوس بابو کو لکھ دیا کہ وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے اور انہیں
چاہیئے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق ورکنگ کمیٹی بنالیں۔ انھوں نے یہ بھی رائے دی کہ
بوس بابو پرانی ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبروں سے بھی مل کر دیکھیں ممکن ہے سمجھوتہ
کی کوئی صورت نکل آوے۔

بوس بابو گذشتہ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں سے ملے اور کئی گھنٹے تک ان
سے گفت و شنید چلتی رہی۔ اس دوران میں ملک میں یہ عقیدہ کافی قوت پکڑ گیا
تھا کہ ورکنگ کمیٹی متحدہ ہونی چاہیئے جس میں ہر طبقہ کے نمائندے شامل ہوں نتیجہ
یہ ہوا کہ ان بزرگوں نے آخری صورت کے طور پر بائیں بازو کے دو ممبروں کو ورکنگ
کمیٹی میں شامل کرنے پر رضامندی دیدی۔ یہ بات بائیں بازو کے لئے ایک بہت بڑی
کامیابی کی پہچان تھی کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ بائیں بازو کے اتحاد پسند طبقہ
کی کوششیں موثر ثابت ہو گئیں اور دائیں بازو کو مجبور ہو کر عام عقیدے کے سامنے
سر جھکا کر یکانگت کے نظریہ میں ترمیم کرنا پڑی اور انھوں نے متحدہ ورکنگ کمیٹی کے
نظریہ کو قبول کر لیا۔ یہ متحدہ ورکنگ کمیٹی کے نظریہ کی ایک زبردست فتح تھی اور ان
لوگوں کو جو قومی اتحاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک تنگ ورکنگ کمیٹی کے خواہاں
تھے پیچھے ہٹنا پڑا۔

سامراج دشمن جنگ کے نقطۂ نظر سے یہ جیت ایک زبردست تحریک کا
پیش خیمہ تھی۔ اس کی بنیاد پر ایک مضبوط محاذ بنایا جاسکتا تھا اور ہمیشہ کے لئے
اس پھوٹ ڈالنے اور کمزور کرنے والے یکانگت [illegible] کے نظریہ کو
ختم کیا جاسکتا تھا۔ لیکن بہت دکھ کی بات ہے کہ بائیں بازو کو اس جیت کو آگے
بڑھانے کا موقع نہیں ملا اور سبھاش بابو نے اس بے مثال موقع کو ہاتھ سے جانے
دیا۔

دائیں بازو کے لیڈروں کا دو بائیں بازو کے نمائندوں کو ورکنگ کمیٹی
میں شامل کرنے پر رضامندی دیدینا بائیں بازو کی زبردست جیت تھی کیونکہ
اس سے یکانگت کے نظریہ کے غبارہ میں چھید ہو گیا تھا لیکن اس جیت سے
فائدہ اٹھا کر ایک اتحادی ورکنگ کمیٹی بنانے سے انکار کر کے سبھاش بابو اور ان
کے مشیروں نے قومی اتحاد اور جنگ آزادی کو ایک زبردست دھکا پہونچایا
ہے اور فیڈریشن کو معمولی تبدیلیوں کے بعد قبول کر لینے کے حامیوں کی مکمل کامیابی
کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ یکانگت کا نظریہ ایکبار پھر مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم
ہو گیا اور [illegible] بائیں بازو نے ایک اتحاد دشمن اصول کو تسلیم کر لیا۔
ممکن ہے کہ ایم۔ این رائے صاحب اور دوسرے حضرات جو شروع ہی
سے گاندھی جی سے اتفاق کرتے تھے، اور جن کا عقیدہ تھا کہ اب وقت آگیا ہے

کہ ورکنگ کمیٹی میں یکانگت ہونا چاہیئے اور جو یکانگت کو نہ ماننے والے ہوں
کو ورکنگ کمیٹی سے نکال دینا چاہیئے اور اس پر بائیں بازو کا قبضہ ہو جانا چاہیئے۔
اور جنھوں نے سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو قومی اتحاد کے قیام کی کوشش میں مدد
پہونچانے کے بجائے طرح طرح کی اتحاد دشمن تحریکوں سے گاندھی جی اور ان
کے مقلدین کا عملی طور پر ساتھ دیا تھا کسی طرح اس بات سے خوش ہوں کہ قومی
اتحاد قائم ہونے نہیں پایا اور اتحادی ورکنگ کمیٹی نہیں بن سکی اور اس طرح کانگرس
دو ٹکڑیوں میں بٹ گئی ہے جن کی جماعتی رسہ کشیاں دونوں کی مشترکہ سامراج دشمنی
کی بنیاد پر متحدہ قومی جنگ آزادی کے امکانات پر زور دینے کی جگہ باہمی اختلافات
اور ایک دوسرے کے تضاد پر زور دیکر ہماری آزادی کی جدوجہد کو کمزور بنا کر سامراج
شاہی کو پورا موقع دیدینگی کہ وہ فیڈریشن کو ہمارے سر پر مسلط کر دے اور ہماری غلامی
کی زنجیروں کو زیادہ زور کے ساتھ جکڑ دے اور سامراجی دشمن قوتوں کو کھلی کر
ہماری غریب، مصیبت زدہ، بھوکی اور ننگی جنتا کو دکھوں، ظلموں اور لوٹ
کھسوٹ کے اندھیرے غار میں اور زیادہ گہرائی میں ڈھکیل دے۔

کلکتہ سے خبریں آرہی ہیں کہ سبھاش بابو ایک پارٹی بنانا چاہتے ہیں جو
کانگرس کی مشینری پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ رائے صاحب پہلے ہی ایک
ریڈیکل لیگ کھڑی کر چکے ہیں۔ سبھاش بابو اور پنڈت جواہر لال نہرو نے ورکنگ
کمیٹی کی ممبری کو قبول نہیں کیا اور ایک پوری طور پر ایک رنگی ورکنگ کمیٹی بن
گئی ہے جس میں کچھ تو گاندھی جی کے مقلدین ہیں جو صرف چرخہ اور سوراج کی
باتیں کرتے ہیں اور کچھ اہنسا کے ذریعہ سوراج پانے کا دعوی کرتے ہیں اور
کچھ لاعلاج دستور پسند ہیں جو فیڈریشن کو چند ترمیموں کے ساتھ قبول کرنے
کو تیار ہیں۔ سبھاش بابو کے استعفی کے بعد شہرۂ آفاق مصالحت پسند بابو راجندر
پرشاد صدر منتخب ہوئے ہیں۔ یہ سب باتیں اس خطرناک صورت حال کی طرف
اشارہ کر رہی ہیں جو یکانگت کے نظریہ پر عمل کئے جانے کا لازمی نتیجہ ہوگی۔ دونوں
ٹولیاں ایک دوسرے پر الزام رکھیں گی۔ ایک دوسرے کو بڑھنے اور نیچے گرانے
کی کوشش کریں گی، اور سامراج شاہی طاقتوں کو ان خانہ جنگیوں سے فائدہ
اٹھانے کا پورا موقع ملیگا۔

کانگرس کے اتحاد کے امکانات جن کی کوشش بائیں بازو کے ذمہ دار
اراکین کر رہے تھے، اور جس کے بغیر ہمارے لئے کوئی کامیاب جدوجہد ناممکن
ہے اس وقت ایک مدت کے لئے ختم کر دئے گئے جبکہ صورت حال بہت
کافی خوشگوار تھی۔ اس سے فائدہ بائیں بازو یا ہماری آزادی کی لڑائی کو تو
ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ مزدوروں، کسانوں، طالبعلموں اور دیگر محنت کش، اور
مظلوم طبقوں کی آئے دن کی جدوجہد کے سلسلہ میں جو ڈھیل ڈھال اور
مخالفت کانگرسی وزارتوں کی جانب سے ہوا کرتی تھی اس میں کمی کے بجائے
زیادتی ہی ہوگی۔ سول آزادیوں کے دائرہ کو زیادہ وسیع کرنے کے بجائے
انھیں تشدد اور امن و قانون کے نام پر تنگ بنایا جائے گا اور یہ باتیں
کسی طرح ہماری آزادی کی لڑائی کو فائدہ نہیں پہونچا سکیں اس کو کمزور
ہی بنائیں گی۔ ہاں ممکن ہے اس سے کچھ لوگوں اور پارٹیوں کی قیمت
بڑھ جائے اور سودا کرنے کی طاقت میں اضافہ ہو جائے اس کے علاوہ

[illegible] کی قوت میں سب سے زیادہ ترقی ہوگی جو فیڈریشن کا فیڈل اسمبلی۔ فیڈرل کورٹ۔ اور فیڈرل کابینہ پر قبضہ کرکے مقابلہ کرنا عوام کی سیدھی لڑائی کی بہ نسبت زیادہ موثر اور کارآمد سمجھتا ہے۔

کلکتہ میں کانگرس نے ایک زبردست اتحادی موقع کو کھو دیا ایک کامیاب سامراج دشمن جنگ کے امکانات کو اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ دائیں بازو والے تو ایسا کرنا چاہتے ہی نہ تھے۔ اور ہر وارلیل کے لفظوں میں وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا انہیں کسی قسم کا افسوس یا رنج نہیں ہے لیکن بائیں بازو کے نقطۂ نگاہ اور مفاد کو زبردست دھکا پہونچا ہے جس سے نپٹنا مشکل کام ہے۔

اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ یہ سوال کافی اہم ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ اس وقت ہمارے لئے سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہو کہ اپنے حلقوں میں واپس جاکر مزدوروں۔ کسانوں۔ طالبعلموں اور دیگر محنت کش و مظلوم طبقوں و ان کی روزمرہ کی مانگوں اور تکالیف کی بنیاد پر ان کی تنظیم کریں اور انھیں سیاسی تعلیم دیکر تیار کریں کہ وہ اس جنگ آزادی میں پورے طور پر حصہ لیکر ہندستان کو آزاد کرا سکیں جو ہم اسوقت چھیڑیں گے جب ہمارا دشمن یورپ میں پھنسا ہوگا جب ہم پوری تیاری لڑائی کی کرلیں گے اور عوام کو سیاسی تعلیم اور روزمرہ کی جد و جہد کی بنیاد پر منظم کرلیں گے تبھی ہم صحیح قومی اتحاد قائم کرسکیں گے کیونکہ ہماری جنگی تیاریوں کی وجہ سے مصالحت پسند پارٹی کے رویہ میں تبدیلی ہونا لازمی ہے۔ اب کانگرس میں دوبارہ اتحاد قائم کرنا منحصر ہوگا۔ جنتا کی جنگی تیاریوں پر۔ اگر جنتا لڑائی کے لئے پورے طور پر تیار ہو جائے تو اسی تیاری کی بنیاد پر ہمارا قومی اتحاد دوبارہ قائم ہو سکتا ہے کیونکہ ہر سامراج دشمن سیاسی طبقہ کو مجبوراً جنتا کے ساتھ چلنا پڑے گا اور تب ہمارا اصل مقصد جس کے ماتحت ہم کانگرس پر قبضہ کرنے کے بجائے سامراج کے خلاف کامیاب جنگ چھیڑ کر ہندستان کو صحیح آزادی دلانا چاہتے ہیں۔ حاصل ہو جائے گا۔

اب یہی ایک معیار ہمارے آزادی کی جد و جہد کو کمزوری سے روکنے کا۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا اور نئی نئی پارٹیاں بنا کر انفرادی سوالوں اور کانگرس پر قبضہ کرنے کے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوششوں میں اپنی قوت کو صرف کیا تو سامراج شاہی کے ہاتھوں میں کھیلنے لگیں گے اور نہ کانگرس کی طاقت باقی رہے گی نہ ہماری آزادی کی جد و جہد۔

ایک گولی کا جادو

جن حضرات کو امساک کی ایسی دوا کی تلاش ہو جس میں مضر صحت اور نشیلے اجزا نہ ہوں تو وہ طب یونانی کی ایسی حیرت انگیز اور پہلی ایجاد "خوشوقتی" رجسٹرڈ کا تجربہ کریں جس کی ایک گولی سے امساک کی قوت اسوقت تک باقی رہتی ہے جبتک نمک نہ کھا لیا جائے اس دوا کو امساک کا بادشاہ خوش رہنے اور خوش کرنے کا طلسم راجگان ہند اور روسا نے کہا ہے۔ یہ نوٹ کرلیجئے کہ امساک کی بے ضرر دوا آپ کو صرف خوشوقتی کے سوا اور کہیں نہ ملے گی قیمت فی درجن ایک شیشی دو روپے عہ ڈاک خرچ ۸؍

ایک قطرہ کا کرشمہ

امریکن ڈاکٹر رابنسن کی حیرت انگیز ایجاد رجوینیٹنگ آئل حیرت انگیز دوا کا کمال یہ ہے کہ صرف ایک قطرہ لگایا جاتا ہے کیسا ہی سست آدمی ہو اور اس کو شرمندگی اٹھانی پڑتی ہو جذب ہوتے ہی بوڑھے اور جوان دونوں بجلیاں اثر دکھاتا ہے نہ پان باندھنے کی ضرورت اور نہ کپڑا لپیٹنے کی حاجت ایک قطرہ میں طاقت اور لذت کا خزانہ پوشیدہ ہے۔

قیمت فی شیشی دو روپے سات آنہ ڈاک خرچ ۸؍ علاوہ

ملنے کا پتہ

اکسیر دواخانہ کلاں محل نمبر ۱۹ دہلی

کشیدہ کاری کی جرمنی مشین

عورتوں کو کشیدہ کاری کا بہت شوق ہوتا ہے جرمنی نے اس اہم ضرورت کا لحاظ کرکے ایک ایسی عجیب مشین تیار کردی ہے کہ کشیدہ کاری کا جو کام پہلے ایک گھنٹہ میں ہوتا تھا اب اس مشین کے ذریعہ پانچ منٹ میں ہو جاتا ہے لڑکیوں کے لئے بہترین چیز ہے گھر کے کپڑوں پر پھول بوٹے بنانے کے لئے ہر لڑکی اس مشین کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے قیمت بہت کم یعنی صرف تین روپے ہیں۔ سینکڑوں روپے کے کام کی چیز صرف تین روپے میں منگا لیجئے۔ آپ کے گھر میں چند ہی دنوں میں اس مشین کی بہار نظر آنے لگے گی۔ اس مشین کی قیمت تین روپے (سے) ہے محصول ڈاک ۸؍

ملنے کا پتہ

جرمنی ٹریڈ ایجنسی دریا گنج نمبر ۳ دہلی

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے ورنہ تعمیل میں دیر لگے گی　　منیجر ہندستان

ڈاکٹر انباش چندر کا

ہفت تلخیات

امراض ذیل کیلئے تیر بہدف ہے

بخار ملیریا، تجاری، اور چوتھیا نا اور پرانا بخار، اتر اطحال اور ورم جگر، قیمت فی بوتل عہ (ایک روپیہ) چھوٹی بوتل ۹؍

ہفت تلخیات آفس — الہ آباد

اور لکھنؤ میں کنگ [illegible] ۲۵ امین آباد پارک لکھنؤ اور کانپور میں دی [illegible] سلائی مشین روڈ [illegible] ملے گی۔ [illegible] ماش اینڈ کمپنی

امریکہ سے لاکھ روپے اور بیشمار جگہوں سے میڈل پائی ہوئی حیرت انگیز ہندستانی دوائیں

رام تیل رجسٹرڈ

ہر قسم کی درد۔ گنٹھیا۔ گھاؤ۔ جلنا۔ چوٹ، ورم اور زہریلے جانوروں کے ڈنک کی جلن وغیرہ اور درد پسلی و نمونیہ بچوں کا درد پسلی و نمونیہ سن بات جسم کے کسی حصہ کا مارا جانا۔ چوٹ وغیرہ سے خون نکلنا یا جم جانا۔ تلی یا جگر کا بڑھنا درد سر۔ کان۔ دانت۔ سینہ۔ شکم اور چوٹ یا وغیرہ پٹھوں کی کمزوری پٹھے میں بل پڑ جانا۔ سوج ابھار شکم۔ بواسیر ریاحی۔ کنپیڑ۔ داد۔ بوائی پھٹنا۔ آنکھ کی گوہیری۔ پھوڑا پھنسی پچکاری لگانے سے سوزاک ہیضہ اور دیگر صدہا امراض کے لئے نہایت مفید ہے۔

رام تیل انسان۔ حیوان اور جانوروں پر یکساں مفید ہے جسم کے ہر ایک حصہ میں لگایا و کھایا جا سکتا ہے یہ بالکل بے ضرر دوا ہے۔ مدت تک رکھنے سے خراب نہیں ہوتا۔

(دیکھو ترکیب استعمال)

قیمت ½ آونس ۱۲؍ دو آونس ۱۴؍ ۴ آونس ۱۰؍ ایک پونڈ سات روپیہ۔

رام تیل کی تعریف میں

ملک کھنڈ امریکہ کے کئی مشہور بیوپاریوں نے لاکھ روپیہ دے کر دہاں کی سول ایجنسی خرید کی ہے۔

نیز اسکی تعریف میں مہاتما گاندھی جی کے سابرمتی آشرم سوراجیہ بھون الہ آباد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس۔ ہسپتالوں ضلع دریاستی و سودیشی نمائشوں سیوا سمیتیوں۔ مہا بیر دلوں۔ فیکٹریوں اور ہندستان اور امریکہ کے بے شمار معززین سے میڈل اور سرٹیفکٹ ملے ہیں۔ رام تیل کی ایک شیشی ہمیشہ اپنے پاس رکھیں تاکہ مصیبت میں فوراً فائدہ حاصل کریں۔

آرام انجن ۲

ضعف بصارت اور آنکھوں کے دوسرے امراض میں نہایت ہی مفید ہے ۹۰ فیصدی حالات میں دکھتی آنکھوں میں استعمال کرنے سے چند گھنٹے کے اندر مکمل فائدہ ہوتا ہے۔

قیمت ایک تولہ ۱۲؍ تین ماشہ ۴؍ رام تیل کی طرح آرام انجن بھی ہمیشہ اپنے گھر میں موجود رکھیں اور روزانہ استعمال کریں۔

تاکتا مشن ۳ مرض احتلام رقت منی اور مستورات کے سیلان الرحم اور کمر کے درد کیلئے نہایت ہی اکسیر دوا ہے اکثر حالات میں فوراً فائدہ کرتا ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنہ ۱۴؍

آنند پھل ۴ اسکے سیون کرانے سے اگر بہ مقتی عورت کے لڑکا ہی ہوگا۔ اگر حمل دو یا تین ماہ سے زائد ہو ورنہ دوائی کارگر ہوگی۔ قیمت فی شیشی دس روپیہ۔

نوٹ نمبر ۳۔۴۔۵۔۶۔۹ صرف جڑی بوٹیوں سے ہی تیار کیگئی ہیں

سنتان داتا ۵ اسکے سیون کرنے سے بے اولاد عورتیں سنتان والی ہوجاتی ہیں مگر ماہواری ایام کا ٹھیک ہونا ضروری ہے۔ قیمت فی شیشی ۳ روپیہ۔ ۸؍ نوٹ۔ یہ دوا مرد و عورت دونوں کو کھلائی جاتی ہے

آنند چورن ۶ نہایت ہی خوش ذائقہ دوا ہے۔ مردمی کمزوری میں عموماً پہلی خوراک ہی جادو کا اثر دکھلاتی ہے تبض کرنے کے بجائے قبض دور کرتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ

گونوناش ۷ نئے و پرانے سوزاک کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۲؍

اکسیر ملیریا ۸ عموماً ایک ہی خوراک سے باری کا بخار جاتا رہتا ہے قیمت ۳۰ گولی کی شیشی ۱۲؍ ۸ گولی ۴؍

مرہم رام تیل ۹ ہر قسم کے پیپ دار رسنے والے گھاؤ۔ آبلہ بہتی۔ کنٹھ مالا۔ پھوڑا پھنسی وغیرہ کے لئے نہایت ہی اکسیر ہے۔ عام طور پر ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر زخم صاف ہو کے زخم بھرنے لگتا ہے۔ قیمت ۱؍ بیہ چھوٹا سائز ۶؍ بڑا سائز ۱۲؍۔

ملنے کا پتہ

اپنے شہر کے ایجنٹ یا **رام تیل فارمیسی بازار کھاری باؤلی خرسہ والان دہلی** سے طلب کریں

ہمارے ایجنٹ:— لکھنؤ — لالہ بدل جندل سی امین آباد + کانپور — اسٹر محمد حافظ محمد ناصر + الہ آباد — مہا بیر پرشاد موتی لال چوک + بریلی — راجہ میڈیکل ہال + شاہجہانپور — نشنل میڈیکل اسٹور

بمبئی میں ہڑتالی مزدوروں کے جلوس کا ایک منظر

Title cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

ھندستان نمبر پبلشرس لمیٹڈ کی طرف سے ... مطبع ... میں چھپا اور ... لکھنؤ سے شائع ہوا

کلکتہ کا قومی جماؤ

ستھاؔ مہاتما چھوٹ ٹھاکر دتمن اور جے پرکاش نراین ہاوڑہ اسٹیشن پر

ڈاکٹر ملک راج آنند (داہنی جانب) انگلستان جاتے ہوئے مسٹر ہٹھی سنگھہ کے ساتھہ بمبئی میں

ڈاکٹر آنند ہندستان کے مشہور ناول و افسانہ نگار ہیں آپ زیادہ تر کام انگلستان ہی میں کرتے ہیں

تیسری طاقت

ہم کو یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ اس انقلابی اور عوامی دور میں بھی لوگ عالمگیر لڑائی کی باتیں اس طرح کرتے ہیں گویا کہ لڑنے والی صرف دو طاقتیں ہیں! ایک طرف نام نہاد جمہوریتیں، اور دوسری طرف فسادی ڈکٹیٹر شپ۔ پٹنہ میں جو مسلم لیگ کانفرنس ہوئی اس میں سر سکندر نے دنیا کے واقعات اس طرح پیش کئے کہ عالمگیر لڑائی آنے والی ہے جس میں ایک طرف خونخوار ڈکٹیٹر ہوں گے اور دوسری طرف امن پسند جمہوریتیں۔ ہم کو پہلے سے طے کر لینا چاہیئے کہ ہم دونوں میں سے کس طرف ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندستان کے مسلمانوں کو طے کر دینا چاہیئے کہ ہم اپنے حقوق اور اپنی مادر وطن کے بچاؤ کے لئے برطانیہ کے دوش بدوش لڑیں گے۔ مگر افسوس ان کو کامیابی نہیں ہوئی، اور فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ پر چھوڑ دیا گیا۔

ملک کے زیادہ اخبارات لڑائی کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں کی کشتی ہے۔ اس لئے ہم کو یہ دیکھکر کہ ہمارا فائدہ کس طرف ہے ایک کا ساتھی بن جانا چاہیئے۔ وہ ایک کون خوش نصیب ہوگا؟ اس پر بڑی بڑی بحثیں ہوتی ہیں۔ ہمارے بعض لیگی سورماؤں کا خیال ہے کہ انصاف، جمہوریت اور اسلام کے نام پر ہم کو برطانیہ اور فرانس کا ساتھ دینا چاہیئے ان کی اس رائے میں کچھ راجہ مہاراجہ اور دو چار اعلیٰ افسر بھی شریک ہیں۔ دوسرا گروہ ہے ان لوگوں کا جو ہٹلر اور مسولینی کو سراہتے ہیں۔ ان کی دلیل ہے کہ ہٹلر صرف وہی کر رہا ہے جو برطانیہ کرتی آئی ہے۔ اس لئے ہٹلر حق پر ہے اور ہم کو اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ اس گروہ میں کچھ بنگال کے اخبارات ہیں اور کچھ ملک کی فسطائیت پرست جماعتیں اور آثار ایسے ہیں کہ وہ بھی چار روز میں مہاسبھا بھی اسی گروہ میں آ جائے گی۔ کیونکہ ساورکر جی کے دل پر فسطائی جماعتوں کا رعب بہت دنوں سے جما ہوا ہے۔

یہ سیاسی رتوندھی صرف اس وجہ سے پیدا ہو رہی ہے کہ یہ سورما اپنی روحانی تشفی میں اتنے مگن ہیں کہ وہ اپنے ہی ملک کی عوامی بیداری نہیں دیکھ پاتے ہیں۔

حبشہ، اسپین، فلسطین اور چین میں ابھی تک جھگڑے جاری ہیں۔ فسطائی اور جمہوری طاقتیں اپنے تمام گولہ بارود اور اسلحہ سمیت ان کے دبانے میں جٹی ہوئی ہیں مگر عوام ہیں کہ دبائے نہیں دبتے۔

کیا ہندستان میں کانگرسی کارروائیاں اور لڑائی کی اتنی سخت مخالفت برطانیہ پر یا دنیا کی سیاست پر کوئی گہرا اثر نہیں ڈال رہی ہے؟ اگر کوئی برطانیہ کے دشمنوں سے برطانیہ کی کمزوریوں کا ثبوت پوچھے تو شاید وہ ہندستان کی ہلچل کی طرف پہلے اشارہ کرے گا۔

برطانیہ کی خارجہ پالیسی بنانے میں جو طاقت سب سے زیادہ کام کر رہی ہے وہ عوامی طاقت ہے۔ برطانیہ کئی برسوں سے ڈکٹیٹروں کے سامنے جھکتی چلی آئی ہے۔ حبشہ، چین، اسپین، آسٹریا، چیکوسلواکیا، میمل کے حادثے ہو چکے ہیں اور ہر موقع پر برطانیہ کا ایک ہی رویہ رہا ہے۔ وہ یہ کہ بظاہر ڈکٹیٹروں کو دھمکیاں دے، مگر اپنے رویے سے یہی ظاہر کیا کہ ہم ڈکٹیٹر کو خفا کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ برطانیہ کی یہ پالیسی کیوں رہی ہے؟ کیا اس سے اسکو کوئی فائدہ پہونچ رہا تھا؟ یا وہ ڈکٹیٹروں کے مقابلے میں بالکل کمزور ہو گئی ہے؟

دن بدن ہٹلر اور مسولینی کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے اور اب چیکوسلواکیا اور اسپین کے پا جانے کے بعد تو وہ اتنے مضبوط ہو گئے ہیں کہ فرانس اور برطانیہ ملکر بھی شاید ہی ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اور اب بلقانی ریاستوں سے مدد لینے کے بعد ان کی طاقت اتنی بڑھ جائے گی کہ پھر برطانیہ اور فرانس کو ان کے ہر مطالبے کو بے چون و چرا ماننا پڑے گا۔

برطانیہ اور فرانس اگر چاہتے تو اٹلی جرمنی کو روک سکتے تھے۔ اور اگر وہ زور کرتا تو لڑکر اس کی طاقت ختم کر سکتے تھے۔ مگر اس غرض سے انکو روس سے میل کرنا پڑتا۔ اور اسی کے لئے یہ دونوں طاقتیں نہیں تیار تھیں۔ کیوں۔

اسی کیوں کے جواب میں عوامی طاقت کو ماننا پڑتا ہے۔ برطانیہ اور فرانس کو صاف نظر آ رہا ہے کہ نو آبادیوں، غلام ملکوں، یورپ کے صنعتی ملکوں، اور خود فرانس، برطانیہ جرمنی اور اٹلی کے اندر عوامی طاقتیں جڑ پکڑ چکی ہیں، اور برابر پھیلتی جا رہی ہیں۔ اس وقت ان کو روکنے کا

'اچھا ہو یا برا' صرف ایک جان ہے۔ فسطائیت۔ یہ اپنی خونخواریوں سے عوامی طاقت کو کچلنے کی ناکام کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔ ادھر یہ طاقت زیادہ کمزور ہوئی اور ادھر عوامی طاقت نے تمام سامراجی طاقتوں کو وہ فسطائی بھیس میں ہو، یا جمہوری بھیس میں ختم کیا۔ گویا کہ مسولینی اور ہٹلر کا زور توڑنا اپنا زور توڑنا ہے۔

یہی سبب ہو کہ برطانیہ اور فرانس ذلتوں پر ذلتیں اٹھاتے ہیں۔ نقصان پر نقصان اٹھاتے ہیں۔ مگر روس سے مل کر فسطائی طاقتوں کا سد نہیں توڑتے۔ اس وقت بھی دیکھنے میں تو برطانیہ روس سے دوستی کر رہی ہے۔ مگر اس دوستی میں ایسی ہچکچاہٹ ہے کہ برطانیہ کھل کر کوئی وعدہ نہیں کر رہی ہے۔ اور اس سلسلے رویہ سے کسی طرح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہٹلر کو خفا کرنا چاہتی ہے۔ برلن میں سفیر بنا کر سر ہنڈرسن بھیجے گئے ہیں جو مشہور نازی دوست ہیں۔ اور مسولینی کو دوست بنانے کی ترکیبیں ہو رہی ہیں۔ یہاں تک کہ فرانس اب کھلم کھلا مسولینی سے نوآبادیوں کے معاملے میں بات چیت کر رہا ہے۔

اگر آج برطانیہ کو عوامی طاقت کا ڈر نہ ہوتا، تو وہ کب کی روس سے مل کر فسطائی طاقتوں کو دبا چکی ہوتی۔

عوامی طاقت ہے اور ضرور ہے، اور اسی مضبوط ہے کہ برطانیہ ہٹلر سے زیادہ اس سے ڈرتی ہے۔

آنے والی لڑائی تاریخ کے لئے بہت بڑا انقلاب لیکر آئے گی۔ تمام سامراجی طاقتوں کو مجبوراً لڑائی میں کود کر آپس میں گتھ جانا پڑے گا۔ اس وقت عوامی طاقت کو اپنا کام کرنے کا موقع ملے گا۔

دو ملکوں کی سامراجی حکومتوں میں دشمنی ہوگی، مگر ان دونوں کے عوام میں دوستی ہوگی، وہ دونوں جگہ اسٹرائک، محصول بندی، لگان بندی کریں گے فوجی بھرتی بند کر دیں گے۔ اس طرح دونوں جگہ کے سامراجوں کی اندر سے جڑیں کاٹ دیں گے۔ اور یہ فتح ان کی کامل فتح ہوگی۔

کانگرس کا کام یہی ہوگا کہ ادھر سامراجی طاقتیں آپس میں لڑنے لگیں اور ادھر کانگرس نے امن کے لئے ہندستانی عوام کو آواز دی اگر لڑائی ہوئی تو ہم بھی لڑیں گے مگر کس کے لئے، غلام قوموں کی آزادی کے لئے فلسطین، حبشہ، اسپین، البانیہ، چیکو سلاویکیا کی آزادی کیلئے دنیا کے غریبوں اور دکھ کے مارے ہوؤں کی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے۔

برطانیہ کو ہمارا چیلنج یہ ہے کہ اگر اسکو لڑائی چھیڑنا ہے، تو ہندستانی عوام سے لڑنے کے لئے بھی تیار ہو جائے۔ اب کی ایسی ستیہ گرہ سے اس کو سابقہ پڑے گا جو چند روز میں اس کی ساکھ کو ختم کر دے گی۔

ہراولی گروہ

کانگرس کی صدارت سے استعفیٰ دیکر سبھاش بوس نے ایک نئے گروہ (فارڈ بلاک) ہراولی گروہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس کی پیدائش کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ بہت غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ بائیں بازو کی جماعتوں کو متحد کرنے کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے جو میں نے اختیار کی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ "تمام انتہا پسند، سامراج دشمن اور ترقی پسند جماعتیں جن کم سے کم باتوں پر جمع ہو سکتی ہیں آکر جمع ہو جائیں"۔

سبھاش بوس خود ہی ایک موقعے پر کہہ چکے ہیں کہ اس وقت جبکہ برطانوی سامراج اتنی تیزی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہا ہے اور فیڈریشن اور عالمگیر لڑائی کا دھڑکا لگا ہے، کم سے کم باتوں پر تمام سامراج دشمن اور فیڈریشن دشمن جماعتوں کو ایک کر لینا چاہئے۔ اگر ہراولی گروہ اسی مقصد سے کھڑا ہوتا، اور اپنے سامنے صرف یہی ایک پروگرام رکھتا تو کانگرس کی تمام جماعتیں اس کی پیدائش پر خوش ہوتیں۔

اگر یہ مطلب نہیں، بلکہ صرف اتنا مطلب ہوتا کہ بائیں بازو کی سب جماعتوں میں ایکا پیدا کیا جائے۔ اور اس غرض سے کانگرس سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹی کے لوگوں سے مشورہ کر کے وہ کم سے کم باتیں مقرر کر لی جائیں جن پر ملک کی تمام انتہا پسند جماعتیں ایک ہو سکتی ہیں اور پھر اس کو عمل جامہ پہنانے کے لئے کوئی گروہ بنایا جاتا تو بھی ہم اس کی تیاری پر خوش ہوتے لیکن اس وقت اس گروہ کی تیاری میں کانگرس کے بائیں بازو کی جماعتوں کے مشورے کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ ان کی مرضی کے خلاف بنا ہے۔ اور اس نے کوئی عملی پروگرام، کوئی نیا طریقہ کار نہیں پیش کیا ہے۔

جو کچھ انھوں نے پیش کیا ہے وہ ایک فلسفہ اختلاف ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کانگرس میں پھوٹ پڑنا ضروری ہے۔ اس سے یہ مرحلہ جلد سے جلد طے ہو جانا چاہئے۔ ہم کو افسوس ہے کہ نازک وقت پھوٹ کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ کیا بلا پھوٹ ڈالے کانگرس کو آگے نہیں بڑھایا جا سکتا؟

سبھاش بابو نے پھوٹ پڑنے کی بہت سی تاریخی مثالیں پیش کر دی ہیں لیکن یہ نہیں دیکھا کہ جواہر لال نے اپنے سوشلزمی خیالات کو کس طرح بلا پھوٹ ڈالے کانگرس میں داخل کر دیا۔

مسلم لیگ سیدھے راستہ پر

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مسلم لیگ میں ظہیر الحسنین صاحب لاری کی رہنمائی میں ایسا طبقہ پیدا ہو رہا ہے جو واقعات کو سیدھی نگاہ سے دیکھتا ہے اور وطن پرستی اور آزادی پرستی میں کانگرس کے قریب آنا چاہتا ہے۔

ہمارے سامنے ظہیر الحسنین صاحب لاری کا وہ خطبۂ صدارت ہے جو انھوں نے ۴ مئی کو پیلی بھیت کی مسلم لیگ کانفرنس میں پڑھا ہے اس میں وہ کہتے ہیں:-

"ہمارا مطمح نظر ہندستان میں مکمل آزادی کا قیام ایک ایسے وفاق کی شکل میں ہے جو آزاد جمہوری ریاستوں پر مشتمل ہو جس میں

"... مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق دستوری حیثیت سے موثر طور پر محفوظ ہوں"۔

"اس مطمح نظر کے تین اجزا ہیں۔ اول یہ کہ ہند سے غیر ملکیوں کا تسلط ختم ہو۔ دوسرا جزا ایک ایسے وفاق کی تشکیل ہے جس کے عناصر ترکیبی آزاد جمہوریت اور جمہوری ہوں۔ اسکے اجزاء صوبے جملہ یا ویسی ریاستیں اندرونی معاملات میں آزاد ہوں اور مقامی حکومت جمہور کے ہاتھ میں ہندستان مختلف قوموں اور تمدنوں کا گہوارہ ہے۔ ہر قوم اور ہر تمدن کے انفرادی نمو کے لیے ضروری ہے کہ مکمل صوبجاتی خود مختاری حاصل ہو۔

"... تحریک پاکستان ہمارے درد کا درمان نہیں۔ یہ تحریک تو پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد کے علاوہ دیگر حصص کو نظرانداز کرتی ہے۔ حالانکہ اصل مسئلہ تو ان مسلمانوں کا ہے جو تعداد کے لحاظ سے اپنے صوبوں میں اقلیت میں ہیں۔ اکثریت والے صوبے اگر زندہ اور وفاق ہند کے اجزا ہیں تو وہ ہمارے حق میں موثر ہو سکتے ہیں، علیحدگی کی صورت میں وہ افغانستان اور ایران کی طرح بے اثر ہو جائیں گے۔ ملکی نقطۂ نظر سے تو یہ تقسیم ہند کی طاقت پر ایک ضرب کاری ہے جس کے مہلک اثرات سے استقلال کا جانبر ہونا مشکل ہوگا۔ چین کی حالت ہمارے لیے زندہ مثال ہے۔

"سارا ہند ہمارا وطن ہے۔ اسکا ذرہ ذرہ ہمارے خون سے زرخیز ہے۔ اسکے چپہ چپہ پر ہم رہینگے اور باعزت رہیں گے۔ سکھ باوجود تیرہ فیصدی ہونے کے پنجاب میں باعزت رہ سکتے ہیں، کیا ہمارے لئے ایسا ممکن نہیں ہے اور ضرور ہے صرف شکست خوردہ ذہنیت رکھنے والے حضرات ہراساں ہیں۔ سیاسی نقطۂ نظر سے ملک کو دو متقابل حصوں میں تقسیم کرنا مستقل خانہ جنگی کے دروازے کھولنا ہے .....

"تیسرا جزء مسلمانوں کے حقوق اور مفاد کا دستوری حیثیت سے محفوظ کرانا ہے ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں بستی ہیں یہ نہایت ضروری ہے کہ بنیادی حقوق دستور میں واضح کردیے جائیں ...

میرے نزدیک انکا تعلق کابینہ میں موثر شرکت، ملازمت میں مناسب حصہ، زبان کے تحفظ اور شہری حقوق کے نفاذ سے ہے، مسلم لیگ نے باضابطہ اعلان دستوری تحفظات کو واضح نہیں کیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ نہایت ہوشمندی کے ساتھ انھیں متعین کر دیا جائے۔

دو رکاوٹیں ہمارے مقصد کے حصول میں حائل ہیں ایک برطانوی سامراج اور اسکے حلیف اور دوسرے ریاستی حکمران۔

وفاق ہند کے عناصر ترکیبی جمہوری نہیں ہو سکتے جب تک ریاستوں میں ذمہ دار حکومتوں کا قیام نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ بیک وقت جمہوری و شخصی نظام شانہ بشانہ چلیں۔ افسوس ہے کہ ذمہ دار حکومت ریاستی حکمرانوں کے نزدیک سراب ہے۔ حکمرانوں کی فلاح

اب اسی میں ہے کہ اپنی رعایا پر اعتبار کرکے انھیں شریک حکومت بنائیں۔ مسلم لیگ کی پالیسی اس امر میں کھلی ہوئی چاہیئے ...... کشمیر سے لیکر راجکوٹ کے ہر شہری کی آزادی خواہ کو عملی طور پر یقین کرانا چاہیئے کہ مسلم لیگ کی بے پناہ طاقت ان کے ساتھ ہے۔

مسلم لیگ کو چاہیئے کہ محولہ بالا مطمح نظر کے تحت مکمل و معقول مطالبات بالتفصیل ملک و ملت کے سامنے پیش کرکے برطانوی سامراج اور برادران وطن سے ان کو قبول کرنے کی دعوت دے۔ جو جماعت انھیں قبول کرے اس سے اشتراک عمل کرے، جو طاقت منکر ہو اس کے خلاف جارحانہ اقدام شروع کردے ...... ایسے طریقہ کار کے تین فوائد ہیں۔ اول تو یہ کہ جملہ مسلمانان ہند متحد و متفق ہو جائیں گے جو محض اتحاد کے نام پر سب یکجا نہیں ہو سکتے، ہاں دعوت عمل پر سب اکٹھا ہو سکتے ہیں۔

ہم لیگیوں کے دستور کے خلاف اس تقریر میں کانگرس کو برا بھلا کہنے کے بجائے ایک مطمح نظر پیش کیا ہے۔ پاکستان کو عملی شکل دی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کون حقوق و مراعات ہیں جن کے لئے مسلم لیگ لڑ رہی ہے۔

اگر مسلم لیگ کی اکثریت معاملات کو اس عینک سے دیکھتی ہوتی تو آج کانگرس سے وہ اتنی دور نہ ہوتی بلکہ شاید کوئی مشترک راستہ بھی نکل آتا۔ لیکن مسلم لیگ کے اعلیٰ کمان نے آجتک نہیں بتایا کہ وہ بنیادی باتیں کیا ہیں جن کے لئے وہ لڑ رہی ہے؟ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا پروگرام سوائے کانگرس کی مخالفت کے اور کوئی نہیں بن سکا۔

اس تقریر میں پاکستان کے بجائے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ملک کی صوبجاتی تقسیم پھر سے اس طرح کی جائے کہ جہاں تک ممکن ہر صوبہ نسلی، ملی اور تمدنی لحاظ سے یکساں ہوں۔ ہم بھی یہ تجویز پیش کر چکے ہیں اس پر کانگرس کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

برطانیہ کی اسلحہ بندی کا ہندستان پر اثر —

برطانیہ دل سے چاہتی ہے کہ کسی طرح لڑائی میں ہندستان کی مدد حاصل کرلی جائے۔ مگر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ اس نے اسلحہ بندی کا بوجھ اپنے اوپر بے حد بڑھا لیا ہے۔ اس لئے وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ اس بوجھ کو ہندستان اور دوسرے مظلوم ملکوں پر لاد دے۔ اسی غرض سے وہ اس فکر میں ہے کہ انگلستان میں ہندستانی روئی کی درآمد پر ٹیکس بڑھا دیا جائے اور ہندستان میں انگریزی کپڑے کی درآمد پر ٹیکس گھٹا دیا جائے اور آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور جنوبی افریقہ میں انگریزی سرمایہ کو ہندستانی سرمایہ کے مقابلے میں پہنچنے کا زیادہ موقع دیا جائے۔ برطانیہ کی اسی دوہری پالیسی کا نتیجہ یہ ہے کہ دیکھنے میں تو ہندستان کی دوستی کی خواہش ہے۔ مگر عملاً ہندستان کو ٹھگنے کی کوشش۔

چلتے چلاتے

تماشائی

ہٹلر کا جواب

مسولینی نے تو بہت اکڑ پن سے روزویلٹ کی اپیل کا جواب دیا تھا، مگر ہٹلر نے اس کے لئے ذرا اہتمام کیا۔ اس نے آس پاس کی چھوٹی ریاستوں سے پوچھوا لیا کہ تم جرمنی سے ڈرتی تو نہیں ہو۔ کون ریاست اپنی کمزوری کا اس طرح اقبال کرتی۔ اور کون ہاں کہہ کر جرمنی کی خفگی مول لیتی۔ سب نے نہیں نہیں کر دیا۔ چلو ہٹلر کو اپنی امن دوستی کی دلیل مل گئی۔

ہٹلر پر برطانیہ کی اسلحہ بندی کا ذرا رعب نہیں۔ اور نہ ہونا چاہئے کیونکہ اب وہ برطانیہ سے زیادہ اسلحہ تیار کر سکتا ہے۔ اس کو برطانیہ کی حلقہ بندی کی پالیسی سے سخت نفرت ہے۔ حلقہ بندی کی پالیسی یہ ہے کہ انگلستان، فرانس اور روس مل کر یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی حفاظت کی ذمہ داری لے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہٹلر کو چھاپے مارنے کے موقع نہیں ملیں گے۔ لیکن ہٹلر سمجھتا ہے کہ اس حلقہ بندی میں کتنا دم ہے۔ اس کو اب بھی چیمبرلین سے بہت امیدیں ہیں۔ اپنی تقریر میں کہتا ہے کہ میں نے ہمیشہ انگلستان کو دوست بنانے کی کوشش کی، اور اب بھی اس سے لڑنا نہیں چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ برطانیہ نے غلام ملکوں کو قابو میں کر کے دنیا پر بڑا احسان کیا۔

اس بات کی طرف اشارہ کرنے کا صرف یہ مطلب ہے کہ اگر برطانیہ خود غلام ملکوں سے رد پہ کھسوٹ رہی ہے تو ہم کو بھی اس کا موقع دے اس لئے ہٹلر نے اس کے بعد ہی کہا کہ مجھے برطانیہ سے نوآبادیاں واپس لینا ہیں۔ مگر اس کے لئے کبھی لڑائی کی نوبت نہیں آئے گی۔

ہٹلر کی اس تقریر میں فساد کی پوری بو تھی۔ اس نے ایک طرف امریکہ کو اور دوسری طرف برطانیہ کو ان کی تنہا خوری پر جھڑکا۔ جرمنی اور انگلستان کے بحری معاہدے، اور پولستان اور جرمنی کے معاہدے کو توڑ دینے کا اعلان کر دیا۔ اور ایک چھپی ہوئی دھمکی اس بات کی بھی دیدی کہ اگر ڈینزگ اور پولستانی رہگزر پر قبضہ کئے بغیر جرمنی نہیں رہ سکتا

مسٹر جناح اور زمیندار صاحبان کہتے ہیں کہ موجودہ حکومت اقلیتوں کو کچل رہی ہے۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ سرکار یا دتی کے اس جرم میں سارا ایوان شریک ہے۔ اب دیکھئے بیچارے بیکار نوجوانوں کے پاس آمدنی کا ایک سہارا تھا، وہ یہ کہ شادی کر لیتے تھے۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ سارے ایوان کا ایوان کنواروں کے پیچھے پڑ گیا ہے آپس میں مشورے ہو رہے ہیں کہ کس طرح 'دان و جہیز' کی رسم ہی کو ختم کر دیا جائے۔

ایک صاحب کہنے لگے 'دان و جہیز' دیا جاتا تھا اس غرض سے کہ لڑکی کے کام آئے، مگر اب اس سے لڑکا، اور لڑکی کے ماں باپ فائدے اٹھاتے ہیں ۔۔۔ اس لئے اس منحوس رسم کو بند کر دیا جائے۔

کتنا غضب تھا ان کو لڑکوں اور لڑکیوں کے ماں باپ پر! اگر آج ایوان میں کنوارے لڑکے، اور لڑکیوں کے ماں باپ اقلیت میں ہوتے تو کا ہیکو بٹیا کے اباؤں کو ان کے حقوق پر حملہ کرنے کی ہمت ہوتی۔

جہاں تک پتہ چلا ہے ایوان میں دو چار کنوارے اور سدا کنوارے بھی ہیں، مگر وہ بھی بٹیا کے اباؤں سے مل کر اپنی قوم کو بھلا بیٹھے ہیں۔ کاش آج اس قوم میں بھی مولوی ہوتے جو کفر کے فتوے دیتے!

اب اگر مدد کا سہارا ہے تو صرف مسٹر جناح سے۔ ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ 'کنواروں' کا مذہب، زبان اور کلچر 'شادی زدوں' کے مذہب زبان اور کلچر سے بالکل جدا ہوتا ہے اور یہ تفریق بلا قید مذہب و ملت ہوتی ہے۔

مسلم لیگ کے نزدیک اسلامی ریاست حیدرآباد ہے اور کشمیر نہیں۔ اس فیصلہ پر ہم بہت کچھ اعداد و شمار مرتب کر سکتے ہیں جو آگے چل کر ہمارے اور مسلم لیگ دونوں کے بہت کام آئیں گے۔

کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً سوا اٹھائیس لاکھ ہے، اور حیدرآباد میں تقریباً ۵ ۱ لاکھ۔ لیکن مسلم لیگ کو ۲۸ لاکھ کے مقابلے میں ۵ لاکھ بہتر نظر آتے ہیں کیونکہ وہ دولتمند ہیں۔

اس حساب سے ایک دولتمند مسلمان = ۵.۶ ۰ ۵ غریب مسلمان لیکن برابر کہنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اگر برابر سرابر رہتا تو مسلم لیگ نہ تو حیدرآباد کی طرف ہوتی نہ کشمیر کی طرف۔ یا ہوتی تو دونوں طرف ہوتی اس لئے زیادہ صحیح یہ ہوگا۔ ایک حیدرآبادی مسلمان = ۶.۰۶ کشمیری مسلمان اس حساب میں ہم تھوڑی کمی کی ہے۔ وہ یہ کہ حیدرآباد کے مسلمانوں میں بہت سے ایسے ہیں جن کا حال کشمیر کے غریب مسلمانوں سے بہتر نہیں۔ اس لئے قاعدے سے تو یہ حساب رہنا چاہئے ؎

حیدرآباد کا ایک غریب مسلمان = ایک کشمیری غریب مسلمان لیکن حیدرآباد کے اسلامی ریاست ہونے کی وجہ سے حساب یوں رکھا جا سکتا ہے۔

حیدرآبادی غریب مسلمان = ۱½ کشمیری غریب مسلمان، اب جو ساڑھے تیرہ لاکھ بچے وہ حیدرآبادی امرا کے حق میں جوڑ دیجئے۔

اس طرح بعض حیدرآبادی امیر ہزار غریب مسلمانوں کے برابر پڑیں گے اور شاید ایک آدھ چار پانچ ہزار کے برابر پڑ جائیں۔

ہر قدم پر طنطنے ابلیس کی اولاد کے
جن کی رگ رگ میں شرر دوڑے ہوئے شداد کے
پہلوؤں میں جن کے دل فرعون کے کیاد کے
ثانیٔ ضحاک و نمرود، اہرمن آباد کے

سب کو ٹھکرا کر مگر میں آگیا میدان میں

چرخ پر مضطر ہر اک تارا شرارے کی طرح
خاک پر تند طپش ہر ذرہ پارے کی طرح
مشکلیں ہر گام پر موجود دھارے کی طرح
اک کرن مشرق میں تنکے کے سہارے کی طرح

سب کو ٹھکرا کر مگر میں آگیا میدان میں

رات جنگل اور وہ سناٹا کہ تو مر گھٹ کہے
گھونسلوں میں دفن رنگیں طائروں کے چہچہے
چار جانب بیر تے بچھو، برستے اژدہے
جھنجھناہٹ سی چڑیلوں کی جنوں کے قہقہے

سب کو ٹھکرا کر مگر میں آگیا میدان میں

سامنے حائل ہزاروں ہول و دہشت کے پہاڑ
خندقیں سنسان، دَرے تنگ دل گھاٹی اجاڑ
موت کے کالے فرشتے ڈھونڈھتے تھے جن کی آڑ
بادلوں کی گھڑ گھڑاہٹ دمبدم شیروں کی دہاڑ

سب کو ٹھکرا کر مگر میں آگیا میدان میں

زلزلوں کی دھن دھماکے توپ کے، بم کا خروش
آگ کے میدان، انگاروں کے دریا، شعلہ پوش
ذرّے ذرّے میں لہو کے گرم فواروں کا جوش
خون میں ڈوبی ہوئی سرخ آندھیاں طوفاں بدوش

سب کو ٹھکرا کر مگر میں آگیا میدان میں

سوشلزم کیا نہیں ہے
بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

محمد اشرف

(۱) کثر لوگ سوشلسٹوں کے بارے میں مبتلا و غلط فہمیوں کے حسب ذیل خیالات کا اظہار انتہائی متانت اور سنجیدگی سے کیا کرتے ہیں:۔

"دنیا میں محنت کشوں اور مزدوروں کا ایک معاشی نظام قائم کرنے کے نصب العین پر سوشلسٹ دنیا کے تمام معتقدات و خیالات کو قربان کرسکتے ہیں یعنی اگر اس قسم کا نظام حکمرانی قائم کرنے میں انھیں مذہب کی بھینٹ دینا پڑے تو وہ مطلق تامل نہ کریں گے علیٰ ہٰذا القیاس اگر ضرورت کا تقاضا ہو تو وہ معاشرت و تہذیب کے موجودہ ڈھانچہ کو بھی نہایت بیباکی کے ساتھ اس کے راستہ میں قربان کردینگے غرض محنت کشوں اور مزدوروں کے مضبوط اور مستحکم معاشی نظام حکمرانی کے علاوہ سوشلسٹوں کے نزدیک ہر چیز ہیچ ہے"

لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کے معترض اپنے بیان کی تائید میں کسی سوشلسٹ مفکر کا قول نقل کرنے یا کسی مستند یا غیر مستند کتاب کا حوالہ دینے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

یہ غیر ذمہ دارانہ تنقید کچھ بعض کرم فرماؤں کا ہی خاصہ نہیں بلکہ علمائے دین کا عام دستور ہوگیا ہے اور میں مدینہ۔ انصاری۔ الجمعیۃ۔ الاصلاح اور دوسرے اخبار و رسالے پڑھ کر بار ہا انتہائی تکلیف کے ساتھ افسوس کیا ہے کہ دنیا کے اہل علم میں صرف علمائے اسلام کی ہی ایک ایسی جماعت ہے جو ہر بات کا جواب دینا ضروری سمجھتی ہے۔ ممکن ہے ہر مکانی مسئلہ پر استفتا کی وجہ سے یہ عادت ہوگئی ہو۔ اس سے زیادہ یہ اغلب ہے کہ خوش عقیدہ لوگوں نے ہمہ دانی کا خیال دلا دیا ہو مگر میں ذمہ دارانہ طریقہ پر اور ملکی سیاسی بصیرت رکھتے ہوئے اس کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی رائے زنی سوشلزم کے بارے میں قطعاً لاعلمی پر مبنی ہے اور میری مودبانہ گذارش ہے کہ کم از کم سماجی اور سیاسی مسائل پر میرے محترم بزرگ بغیر مطالعہ اور واقفیت کے رائے دینے اور تنقید کرنے سے احتراز نہ فرمائیں تو ہماری علمی روایات اور مسلمانوں کے تاریخی مذاق پر بڑا احسان ہوگا۔

ظاہر ہے کہ میرے الفاظ میں تلخی اور میرے دل میں غم و غصہ ہے میں نے مدینہ یا انصاری اور الجمعیۃ کا محض اس لئے حوالہ دیا ہے چونکہ ان اخبارات کے معیاری ہونے کے علاوہ میرے دل میں ان کے مدیروں سے تھوڑی بہت عقیدت، آئندہ کے لئے رفاقت کا جذبہ اور ساتھ کام کرنے کا شوق ہے۔ میں نے عمداً طلوع اسلام کا یا علامہ مودودی یا مولانا ظفر علی خاں اور حضرت علامہ مظہر الدین وغیرہم کا حوالہ نہیں دیا اس لئے کہ سوشلزم کی بحث میں ان حضرات کو کسی سنجیدہ بحث کا اہل نہیں سمجھتا۔ بعض کی تجارت پیشگی اس درجہ عریاں ہے کہ تنقید و تبصرہ کی محتاج نہیں ہے اور بعض نوع انھیں سوچنے اور غور کرنے کی مہلت ہی نہیں ہے۔

اس بحث کی ضرورت اس لئے اور بھی ہے کہ میرے نزدیک اس ملک کے ترقی اور آزادی کے علاوہ سب مذاہب کے پیروؤں اور بالخصوص محنت کش دنیا کی روحانی قدروں کا اس سوال سے گہرا تعلق ہے۔ حال میں ایک ماہنامہ چنگاری کے نام سے اردو میں سہارنپور سے نکلا ہے جس میں سوشلزم کے بارے میں نظری مضامین نکل رہے ہیں۔ ڈاکٹر احمد اور دوسرے سوشلسٹوں نے الہ آباد میں ایک ادارہ سوشلسٹ ادب کے لئے قائم کیا ہے جس سے اردو کتابیں بھی شائع ہوں گی۔ اور حلقہ ادب لکھنؤ اور پونیشل بک ڈپو لاہور نے اس سلسلہ میں انقلابی نظمیں اور افسانے شائع کئے ہیں۔ بہرحال جگہ جگہ سوشلسٹوں کو ڈیٹر مدینہ اور دوسرے رفیقوں سے مل کر اس کا احساس ہوا ہے کہ سوشلزم کے عقائد اور پروگرام کے بارے میں عجیب و غریب غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں اور اس کی فوری تلافی کی ضرورت ہے اب تک ہمارا دیانتداری سے یہ خیال تھا کہ روس کے مظالم کے افسانوں کی اشاعت اور سوشلزم اور لامذہبیت کو یکجا و ہم معنی و ہم وزن کرنے میں برطانوی سامراج کا ہاتھ ہے مگر اب اندازہ ہوتا ہے کہ اس پست سرزمین میں برطانوی سامراج کا کامیاب پروپیگنڈہ اس لئے ممکن ہے کہ ایک صدی کی آبیاری سے سامراج نے اس خطہ کو زیادہ سے زیادہ مدت تک حکومت کرنے کے قابل بنا لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری سوشلزم کے بارے میں ناواقفیت اسی عالم جہالت کا ایک رُخ ہے جو مسلمان کو مہدویت حتیٰ کہ شیعہ کو سنی سے اور سناتن دھرمی کو آریہ سماجی سے اجنبی بنا دیتی ہے۔ سوشلزم خصوصیت سے بدنصیب اس لئے کہ اس کا ادب زیادہ تر مغربی زبانوں میں ہے اور کانگریسی حکومتوں سے پہلے اور مسلم لیگی صوبوں میں اب بھی اس کی مستند کتابوں کا خریدنا، پڑھنا اور فروخت کرنا قانونی جرم ہے۔ اس لئے میرے محترم دوستوں اور بزرگوں کی غلط فہمیاں سمجھ میں آسکتی ہیں گو غلط خیالات کے اظہار پر اصرار سمجھ میں نہیں آسکتا۔

(۲)

اخبار کی محدود وسعت اور خود میری مصروفیتیں مجھے مفصل مضمون لکھنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ بغیر مبسوط مضمون بلکہ ایک سلسلہ مضامین کے سوشلزم کی مبادیات اور اصول و پروگرام سمجھ میں نہیں آسکتے اس لئے میں اس فرصت میں صرف یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سوشلزم کیا نہیں ہے۔ اس سے میرا کام ہلکا ہوجاتا ہے اور میرا فوری مقصد بھی پورا ہوجاتا ہے یعنی بعض غلط العام باتیں جو مروج ہوکر فصیح سمجھی جانے لگی ہیں ان کا کسی حد تک ازالہ ہوجاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان سطور کے مطالعہ کے بعد بعض احباب سوشلزم کا باضابطہ مطالعہ بھی شروع کردیں۔

مگر پڑھنے والے اور بالخصوص مذہبی لوگ ایک بات کو پہلے سے صاف کرلیں

"وحیدہ" کی نگاہ فلسفہ کسی سوال کے تدریجی مطالعہ پر بہت کم کی جاتی ہے۔ ان کے ذہن دائمی طاہرے مانوس ہیں۔ ان کے اکثر سوالات دیت وذہب کو مرکز مان کر پیدا ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے مفکروں نے برابر بدلنے والی سماج کی تقسیم بھی مسلم و کافر میں کردی ہے وہ جب سوشلزم سنتے۔ قاشزم یا کسی جدید سماجی سوال پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان کو انہیں پہلے ذہن میں یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ یہ اسلام کا حامی ہے یا مخالف اور اس کے بعد دیگر جزئیات پر توجہ ہوتے ہیں۔ اس کی منطقی ترتیب کی آسانیاں بہت ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کے حوادث [illegible] کی توجیہ دور غور وفکر سے روشن ہوجاتے ہیں اور کوئی ایسا مرحلہ نہیں آسکتا جہاں یہ قاعدہ [illegible] چلتا ہو۔ اسی کا کرشمہ ہے کہ مسلم لیگ کے بیرر ہنما کار کو علم لدنی حاصل ہے اور ایک طرح سے اس دنیا میں جالیس کروڑ بقراط اور افلاطون بنتے ہیں یا کم از کم تھوڑی سی کوشش سے بن سکتے ہیں۔

لیکن بدنصیبی سے فطرت بڑی ستم ظریف ہے۔ وہ برابر نئی حالتیں پیدا کرتی رہتی ہے جس سے پرانی دنیا مانوس نہ تھی۔ فرض کیجئے کہ ہم آپ کسی بجلی یا ریل یا طیارہ سازی کے کارخانے میں جائیں اور اسی نسخہ کو ذہن میں رکھ کر سوچیں کہ بجلی یا ریل کا استعمال از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں تو بڑی مشکلات پیدا ہوں گی۔ کچھ ایسا ہی عالم سماجی قوتوں کا بھی ہے کل تک ہمارا سود و زکوٰۃ کا مسئلہ صاف اور قابل عمل تھا۔ آج تجارت اور بینکوں کے تعدد واج نے خود اس کی حیثیت ہی بدل دی۔ کل تک ہم معتزلہ اور اشاعرہ کا جواب علم کلام میں ڈھونڈ نکالتے تھے۔ آج ان سوالوں کی نوعیت ہی بدل گئی۔ سب نظری اور تصوری فلسفہ کی جگہ زندہ سماجی فلسفہ نے جنم لیا اور یہاں پہنچ کر ہمارے پرانے بنیادی تصورات پھر دوبارہ کار ہو گئے۔

میرا منشا ان سطور سے یہ ہے کہ پڑھنے والے سوشلزم کے بارے میں سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرلیں کہ سوشلزم حکیمانہ حیثیت سے ایک تاریخی فلسفہ ہے۔ مذہب نہیں ہے.....

...... اس لئے مذہب کی حمایت اور مخالفت کے دونوں پہلو غلط ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جملہ سماجی مظاہر کی طرح سوشلسٹوں نے مذہبی زندگی اور خود مذہبی عقائد کا بھی تاریخی جائزہ لیا ہے یعنی اس واقعہ کو تاریخی طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ کن مخصوص حالات میں ایک مذہبی سماج نے ایک خاص قسم کی معاشرتی زندگی پیدا کی اور اس کے بعد اس مذہبی سماج کی زندگی کیونکر بدلی۔ اس کا مادی گرد و پیش و ماحول کیا تھا؟ فرض کیجئے خلافت راشدہ کے مطالعہ کا سوال ہے۔ آپ کے لئے ہی نہیں بلکہ خود علامہ شبلی و سلیمان ندوی کے لئے خلفائے اسلام کے درخشاں کارنامے گنا دینا تاریخ دانی کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ علم تاریخ کا منشا اس طرح پورا ہوجاتا ہے لیکن سوشلسٹ مورخ کا مطمح نظر اس سے مختلف ہے۔ یعنی ایک سوشلسٹ کو ان کارناموں سے اتنی بحث نہیں ہوگی جتنی اس مخصوص مادی اور تاریخی ماحول سے جس نے اس بابرکت سوچ کو جنم دیا اور مادی اعتبار سے وہ یہ سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ ہم اپنے موجودہ تاریخی ماحول کا خیال کرتے ہوئے کن ترقی پسند سماجی تحریکوں کا ساتھ دے سکتے ہیں اور کن طبقوں سے ہم پر احتراز واجب ہے۔ چنانچہ سوشلسٹ زبان میں انگریزی حکومت انگریزی حکومت نہیں بلکہ "سامراج شاہی" ہے اور ہماری تحریک اسی نسبت سے سامراج دشمن ہے۔ یہ دینی محرکات کو سمجھنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر اس کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم سماجی حالات ہے جس میں یہ محرکات موثر ہوتے ہیں یا بعض اوقات (مثلاً دور حاضر میں) موثر نہیں ہوتے۔ یہ سوشلسٹ نقطۂ نظر کی ایک مثال ہے۔

ممکن ہے آپ اس قسم کی ذہنیت کو سرے سے "الحاد" سے تعبیر کریں بکم از کم مسلم لیگ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی منطقی ترتیب کے مطابق آج ان کے نزدیک سوشلسٹ ہی نہیں بلکہ جملہ کانگریسی خیال کے مسلمان دشمن اسلام ہیں۔ اس منطق کی آخری کڑی یہ ہے کہ جو مسلم لیگ کے ساتھ نہیں ہے (یعنی جو جناح صاحب کا تابع فرمان نہیں ہے) وہ دشمن اسلام ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کانگریسی ہونا ایک نئی اور متصادم ذہنیت کا ثبوت ہے یا نہیں، اور اس نئی ذہنیت کا اسلام سے تعلق ہے یا یہ چیز بذاتہ ایک آزادانہ حیثیت رکھتی ہے؟ یہی حال غریب سوشلسٹ کا ہے اس کے سامنے زندگی اور بالخصوص سماج کے متعلق ایک فلسفہ ہے جو جماعتی جدوجہد کے اصول پر انسان کے تاریخی ارتقا کی تشریح کرتا ہے۔ وہ دور حاضر میں جدید سرمایہ کے ساتھ سامراج کا اقتصادی نظام اور ہماری غلامی کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں سوشلزم میں سرمایہ کا انحطاط اور آزادی کا امکان دیکھتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر ایک سوشلسٹ اس وقت تمام ترقی پسند سماجی قوتوں کے متحدہ محاذ کا طالب اور خواہاں ہے۔

یہ قطعاً ضروری نہیں کہ آپ سوشلسٹ کے فلسفہ اور منطق یا تاریخی تشریح سے اتفاق کریں لیکن اس بحث میں آپ کی اور اس کی سطح عقائد و اعمال کے احتساب یا عذاب و ثواب اور کفر و اسلام کی سطح نہیں ہوگی بلکہ اسے خالصاً نظری اور تاریخی یا فلسفی سطح ہونا چاہئے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں تاریخ میں کارل مارکس کا نہیں بلکہ ابن خلدون کا مقلد ہوں لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں کارل مارکس کے مقابلہ میں مولانا اشرف علی یا ڈاکٹر اقبال کے عقائد کو ترجیح دیتا ہوں اس لئے کہ یہ دونوں حضرات اس سطح اور موضوع میں خارج از بحث ہیں۔ ان سے سینٹ فرانسس یا گوئٹے کا موازنہ کیجئے تو بہتر ہے۔

بعینہٖ اسی طرح ایک سوشلسٹ یا سوشلزم کو اسلام کا ہم وزن سمجھنا صریحاً غلطی ہے۔ یہ ممکن بلکہ حقیقت ہے کہ بہت سے سوشلسٹ از روئے عقیدہ مسلمان ہیں۔ بعض پختہ کار صرف معقولین میں شمار ہوں گے۔ اور ایک دو خالصاً فلسفی نکلیں گے۔ مگر مذہبی عقائد سے نفس سوشلزم کے پروگرام اور سیاسی عمل کو بحث نہیں ہے۔ ایک حکیمانہ فلسفہ کے راسخ ہوجانے کے بعد بالخصوص جب اس سے زندہ سماجی مسائل کی تحقیق بخش تشریح بھی ہوتی ہو کسی دوسرے فلسفہ کی گنجائش کم رہتی ہے یہ عالم اشراقی اور رازی پر بھی نہیں بہت سے صوفیا اور جملہ فقہائے اسلام پر بھی گزرا ہے لیکن دوسروں کے ساتھ کام کرنے میں اس وقت تک کوئی روک نہیں ہوتی جب تک آپ کا اور دوسروں کا کسی عملی پروگرام پر اتفاق ہے یا سامراج دشمن حیثیت سے باہم ساتھ ہے۔

خود سوشلسٹ اصطلاح بڑی ہمہ گیر ہے جس میں مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ البتہ اتفاق صرف اس امر پر ہے کہ سب فرد کے بجائے سماج یا معاشرہ (سوسائٹی) سے بحث کرتے ہیں اس کے بعد ان میں آپس میں بہت سے اختلافات ہیں۔ مسٹر میکڈانلڈ اور لینسبری کٹر عیسائی تھے۔ کمیونسٹ بالعموم فلسفہ مادیت کے قائل اور تصور پرستی کے مخالف ہوتے ہیں۔ یہی کیفیت ابھی سے ہندستان میں بھی ہے۔ راہل جی بدھ مت کے ماننے والے، سمپورنانند ویدانت کے قائل اور مسٹر ادھیکاری مادیت کے پرجوش حامی ہیں۔ فرض کیجئے کہ جمعیت العلماء کے عالم سوشلسٹ پروگرام مان کر سوشلسٹ پارٹی میں شریک ہوجائیں۔ اس کے بعد کیا ہوگا میں نہیں کہہ سکتا۔ اتنا ضرور ہے کہ جس طرح کانگریس کی شرکت سے ان کے ایمان کو ضعف نہیں پہنچا اسی طرح سوشلسٹ پارٹی کی شرکت یا کمیونسٹوں کے ساتھ کام کرنے سے ان کی عاقبت کے تباہ ہوجانے کا بہت زیادہ خطرہ

کشمیر کی آزادی کی لڑائی

(دوسری قسط - پورا مضمون تین قسطوں میں)

مسلم کانفرنس کا دوسرا اجلاس دسمبر ۱۹۳۳ء میں میرپور کے ایک قصبے میرپور میں منعقد ہوا۔ اور اس سال بھی شیخ عبداللہ صدر بنائے گئے اس مرتبہ بھی انھوں نے اسی بات پر زور دیا کہ یہ کانفرنس ریاست کی تمام رعایا کی نمائندگی کرتی ہے اس کے خطبہ کا ایک ٹکڑا ہے۔

"یہ دیکھکر مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے کہ رعایا کے حقوق بڑی بے رحمی سے کچلے جا رہے ہیں۔ اگر حکومت رعایا کے حقوق جو وہ دبا بیٹھی ہے دیدے تو ہندوؤں، سکھوں کو بھی، ویسا ہی فائدہ پہونچیگا جیسا مسلمانوں کو۔ اس وقت تک مسلم کانفرنس سے تمام فرقوں کو یکساں فائدہ پہونچا ہے تحریر و تقریر کی آزادی۔ .... اور دوسرے حقوق کسی خاص فرقے سے نہیں چھینے گئے ہیں بلکہ دربار کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو سب لوگوں میں بانٹ دے۔"

اسی درمیان میں ریاست نے یہ اعلان کیا کہ ۱۹۳۴ء کے شروع میں فرنچائز کمیٹی (ووٹ دینے کا حق مقرر کرنے والی کمیٹی) کی سفارشات کے بموجب اسمبلی قائم کردی جائے گی۔ یہ کمیٹی صرف سرکاری لوگوں سے بنی تھی۔ اس نے سر بی۔ جے گلینسی کی سفارشات کو بے حد گھٹا دیا۔ انھوں نے منتخب ممبروں کی اکثریت کی سفارش کی تھی، اس کمیٹی نے سرکاری ممبروں کی اکثریت طے کردی۔ اور قانون سازی کے حقوق کو بھی بہت محدود کردیا۔ اور ووٹ کا حق بھی تعلیم یافتہ اور صاحب جائداد لوگوں تک محدود کردیا اور اس کے لئے یہ شرطیں لگائیں کہ ووٹ دینے والا (۱) یا تو بیس روپیہ لگان ادا کرتا ہو (۲) یا چار سو روپیہ کی ایک مکان کا مالک ہو (۳) یا بیس روپیہ میونسپلٹی کو ٹیکس ادا کرتا ہو (۴) یا ساٹھ روپیہ مکان کا کرایہ ادا کرتا ہو (۵) یا آٹھویں درجہ تک پڑھا ہوا ہو (۶) یا خطاب یافتہ ہو (۷) یا نمبردار یا ذیلدار یا پٹیدار یا صوفی پنشن ہو (۸) یا پنشن پاتا ہو۔

ان شرطوں کو ذرا برٹش ہند کے مقابلے میں دیکھئے۔ وہاں یہ شرط ہے کہ یا تو ایک روپیہ لگان ادا کرتا ہو یا میونسپلٹی کو کچھ ٹیکس ادا کرتا ہو۔

سیاسی لیڈروں نے ان تجویزوں کی سخت مخالفت کی انھوں نے کہا کہ فرنچائز کمیٹی کو یہ حق کب سے پہونچتا تھا کہ وہ گلینسی کمیٹی کی سفارشوں کو باطل کردے۔ شیخ عبداللہ نے اس پر ۲۹ جنوری ۱۹۳۴ء کو یہ بیان دیا۔

"اس ریاست کے لوگوں نے ایسے ڈھونگ کے لئے اپنا خون پانی ایک نہیں کیا تھا۔ سر گلینسی نے مسلمانوں کے حقوق سے ہمدردی نہیں دکھائی اس پر بھی انھوں نے اسمبلی میں غیر سرکاری ممبروں کی اکثریت کی سفارش کی تھی۔

"...... رعایا کو ایسی اسمبلی سے کیا امید ہو سکتی ہے جس میں سرکاری اور نامزد ممبروں کی اکثریت عوام کی آواز کو بے رحمی سے دبا دینے کے لئے موجود ہو"

فرنچائز کمیٹی کی تجویزوں پر ملک کی ہر جماعت نے ایسی ہی تنقید کی۔ لیکن ریاست نے ان تنقیدوں اور سر گلینسی کی سفارشوں کی پرواہ نہیں کی۔

"فروری ۱۹۳۴ء کو مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا ایک فوری جلسہ سیالکوٹ میں طلب کیا گیا۔ اس نے حالات پر غور کرکے یہ فیصلہ کیا کہ ریاست کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنا چاہیئے۔ ورکنگ کمیٹی خود دست بردار ہوگئی اور چودھری غلام عباس کو ڈکٹیٹر بنا کر اختیارات ان کو سونپ دیئے۔ اور یہ طے پایا کہ اگر ریاست ان جائز مطالبات پر راضی نہوئی تو پھر ڈکٹیٹر جس طرح کہیگا ریاست کا مقابلہ کیا جائیگا۔

چودھری صاحب نے ریاست کو ایک عرضداشت بھیجی جس میں انھوں نے کہا کہ "مسلمانوں کا مطالبہ مکمل ذمہ دار حکومت کا ہے۔ اس وزارت سے ان کا کیا بھلا ہوگا جو عوام کے سامنے جوابدہ نہو؟" ریاست نے بہت سختی سے جواب دیا کہ "وہ آئینی اصلاحوں پر بحث کرنے کو تیار نہیں ہے" چودھری صاحب نے اس پر فوراً سول نافرمانی چھیڑ دینے کا فیصلہ کردیا۔

اب وقت آ پہونچا کہ سب جماعتیں ایک ہو کر ریاست کے ہاتھوں سے اپنے حقوق چھیننے کے لئے لڑیں۔ حقوق، ذمہ دار حکومت وغیرہ صرف مسلمانوں کے بھلے کی چیزیں نہیں بلکہ اس سے سب کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اس لئے سب فرقوں اور سب خیالات کے لوگوں کو ملانے کے لئے سب جماعتوں کے نمائندوں کا ایک جلسہ کیا گیا اور سول نافرمانی سے پہلے مسلم کانفرنس کے لیڈروں خاصکر شیخ عبداللہ نے یہ بیان نکالا۔

"مجھے اپنے ان کشمیری بھائیوں سے کچھ کہنا ہے جو مسلمان نہیں ہیں جب سے آزادی کی لڑائی اٹھی ہے غریب مسلمان کشمیری زہریلے پروپیگنڈے کا مرکز بن گئے۔ جس کو خود غرض جماعتوں نے دھیمی طرح پھیلایا۔ لیکن اب وقت آگیا ہے جب کہ ہم کو سب خطرے دور کردینا چاہئیں اور بیچ میں پڑی ہوئی خلیج کو پاٹ دینا چاہیئے۔

پچھلے تین برسوں نے سب کو دکھا دیا کہ جا ... جتنی سخت مخالفت

کمیونسٹ پارٹی پر سے پابندی اٹھالو

حکومت ہند سے یوپی حکومت کی سفارش

اسمبلی میں سماجی اصلاح کے نئے بل

دو دن کی تعطیل کے بعد ۵ مئی سے یوپی اسمبلی کا اجلاس پھر شروع ہوگیا۔ اس اجلاس میں ابھی تک سب سے اہم بات یہ ہوئی ہے کہ ایک قرارداد کی رو سے یوپی حکومت نے منظور کرلیا ہے کہ وہ مرکزی حکومت سے سفارش کرے گی کہ کمیونسٹ پارٹی پر سے امتناعی پابندیاں اٹھالی جائیں۔ وزیر اعظم پنڈت گوبند بلبھ پنت نے اس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کمیونسٹ پارٹی پر موجودہ صوبائی حکومت نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہے ۱۹۳۴ء میں حکومت ہند نے اس پر پابندی لگائی تھی جو ابھی تک جاری ہے۔

پہلے دن شری رام سروپ گپتا کی تحریک پر "کیننگ کالج اور انجمن تعلقداران منہدمہ قانون ترمیمی بل" منتخبہ کمیٹی کے سپرد کردیا گیا۔ گپتا جی نے کہا کہ اس بل سے دو بڑی بڑی خرابیاں دور کرنا مقصود ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی نجی انجمن کے لئے زبردستی چندہ اکٹھا کرنا بہت قابل اعتراض ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کسی نجی انجمن کے لئے چندہ جمع کرنے میں حکومت کو حصہ نہیں لینا چاہیئے خصوصاً اس وقت جبکہ اس کے اخراجات پر حکومت کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

اس پر تعلقداروں کی طرف سے کہا گیا کہ انجمن تعلقداران اودھ کے چندہ کا کافی بڑا حصہ یونیورسٹی کو دیا جاتا ہے۔ اگر یہ قانون ختم کردیا گیا تو یونیورسٹی کو نقصان ہوگا۔ اس کے علاوہ زمینداران تعلقدار پبلک کے فائدے کے کاموں پر بھی رقم خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کانگرس کی طرف سے کہا گیا کہ انجمن ہمیشہ ملک کی ترقی کی مخالف اور برطانوی سامراج کی ہمدرد رہی ہے۔ اگر حکومت سیاسی جماعتوں کے لئے چندہ جمع کرے گی تو اسے کانگرس سبھا وغیرہ کا چندہ بھی اکٹھا کرنا ہوگا۔ رام سروپ جی نے یہ بھی بتایا کہ اس بل سے کیننگ کالج کو نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ اسے جو رقم ملتی ہے اس میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

اس بل پر بحث کے دوران میں مسلم لیگ نے بھی دبی زبان سے تعلقداروں کی مخالفت کردی۔ رضا خاں صاحب نے کہا کہ اب وہ دن گئے جب حکومت امیروں کے فائدہ کے لئے ایسے کام کرتی تھی۔ انھوں نے کہا کہ یہ بل غریبوں کے لئے بہت اچھا ہے۔

سماجی اصلاح کے لئے شری بنس گوپال (کانگرس) نے ہندو شادی کی اصلاح اور جہیز بندی کا بل اور مسز اوپا نہرو (کانگرس) نے یتیم خانوں اور بیوہ گھروں کی دیکھ بھال کا بل پیش کیا لیکن چونکہ ان بلوں کا نوٹس کافی پہلے سے نہیں دیا گیا تھا اسلئے ان کی بحث ملتوی کردی گئی۔

شری کرشنا نند کھرے (کانگرس) نے یوپی دیہی مزدوروں کی کم سے کم تنخواہوں کا بل اور اچاریہ نریندر دیو کی طرف سے ہرش چندر باجپئی نے ہندوستانی قانون فوجداری (یوپی) ترمیمی بل پیش کیا۔

وزیر اعظم کی تحریک پر ایوان نے پٹرول بل پر ایوان اعلیٰ کی ترمیم کو رد کردیا۔

۷ مئی کو شری رام چندر پالنڈے (کانگرس) نے یہ قرارداد پیش کی "یہ اسمبلی حکومت سے پرزور سفارش کرتی ہے کہ جہیز کے برے طریقہ کو جو اس صوبے میں رائج ہے ختم کرنے کیلئے جلد سے جلد کوئی قانون پیش کرے"

ایوان میں ہر حلقہ سے اسکی تائید ہوئی اور حکومت نے بھی اسکی موافقت کی۔

۸ تاریخ کو شری کیشو گپتا نے ایک قرارداد پیش کی کہ اسمبلی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ وہ تمام نجی اور فرقہ وارانہ [illegible] اور تعلیم گاہوں کو اپنے قبضہ میں کرلے اسلئے کہ ان میں فرقہ پرستی اور رقیبیت دشمنی کے رجحانات پیدا کرائے جاتے ہیں۔ لیکن حکومت اس پر تیار نہ ہوئی۔ آنریبل وزیر تعلیم نے کہا کہ حکومت پرائیویٹ تعلیم گاہوں کی جانچ کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرچکی ہے۔ اسپر قرارداد واپس لے لی گئی۔

کمیونسٹ پارٹی پر سے پابندیاں اٹھانے کی سفارش قرارداد بھی اسی دن پاس ہوگئی۔

کراچی کے کانگرسی میئر

مسلم لیگ نے بھی حمایت کی

۵ مئی کو کراچی میونسپل کارپوریشن میں شری آر۔ کے سدھوا ممبر اسمبلی (کانگرس پارٹی) سنہ ۱۹۳۹ء کے لئے کراچی کے میئر منتخب ہوگئے۔ انڈپینڈنٹ امیدوار کے مقابلہ میں مسلم لیگ اور مزدور پارٹی نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

جرمنی اور اٹلی میں فوجی اتحاد

میلان میں جرمنی وزیر خارجہ ہر وان ربن تراپ اور اطالوی وزیر خارجہ کاؤنٹ کیانو کی بات چیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں حکومتیں آپس میں ایک سیاسی اور فوجی معاہدہ کرنے پر راضی ہوگئیں۔ اسکا مسودہ جون میں تیار ہوگا ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے کہ اس گفتگو میں موجودہ بین الاقوامی حالات پر غور کیا گیا اور ایک دفعہ پھر دونوں حکومتوں کی نگاہوں کی مکمل یگانگی کا مظاہرہ ہوا۔

ان دونوں میں طے ہوا کہ محور کی دونوں حکومتوں کے تعلقات کو ایک سیاسی اور فوجی معاہدہ کی شکل میں باقاعدہ طور پر ترتیب دے لیا جائے اس طرح سے اٹلی اور جرمنی ایک موثر طریقہ سے یورپ کے امن کو برقرار رکھنے میں مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

"بھارت ماتا"

انڈین سینیٹون کی شاہکار تصویر

انڈیا سینی ٹون پکچرس کی شاہکار تصویر "بھارت ماتا" [illegible] بہت مقبول ہوئی۔ [illegible] اور لیڈری [illegible] نے بھی اس کو دیکھا اور اس کی تعریف کی ان میں [illegible] اور لیڈی [illegible] گرجا شنکر باجپئی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈرامہ میں دقیانوسی کٹر [illegible] تمدن اور ضرورت سے زیادہ حب الوطنی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

کانگرس کا ہراولی گروہ
سبھاش بابو کی نئی تجویز
"ہم بُرے دنوں سے بھاگیں کیوں؟"

صدارت سے مستعفی ہوجانے پر شری سبھاش چندر بوس نے کلکتہ میں اپنے ہمخیال لوگوں کا ایک جلسہ کیا جس میں طے پایا کہ کانگرس میں ایک ہراولی گروہ بنایا جائے۔

سبھاش بابو نے اس گروہ کے اغراض و مقاصد پر ایک بیان دیا ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے:

"یہ گروہ مکمل طور پر کانگرس کے ایک ٹکڑے کی طرح رہیگا۔ وہ کانگرس کے موجودہ دستور العمل۔ نصب العین۔ پالیسی اور پروگرام کو تسلیم کرتا رہیگا اسکی آنکھوں میں مہاتما گاندھی کی زیادہ سے زیادہ عزت اور انکے عدم تشدد انہ ترک موالات کے سیاسی اصول پر اسے پورا عقیدہ ہوگا۔"

کانگرس کی اندرونی الجھن کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے موجودہ اعلیٰ کمان کے 'ناقابل مصالحت' رویہ کی شکایت کی ہے اور بتایا ہے کہ الجھن سے چھٹکارا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب اس ذہنیت کے سامنے بے چون وچرا سر جھکا دیا جائے۔

"لیکن دب کر الجھن دور دینے سے ہمیں فائدہ کیا ہوگا۔ ہم بُرے دنوں سے بھاگیں کیوں۔ ہم ایک بیرونی الجھن کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ جب ہم بیرونی الجھن سے دوچار ہوں اسوقت اندرونی الجھن بہت تباہ کن ہوگی۔ اس سے بھی زیادہ مناسب یہ ہے کہ قبل اسکے کہ بیرونی الجھن سے ہم اندرونی الجھن کا مقابلہ کرکے اس سے گزرتے ہوئے باہر نکل آئیں۔"

سوبھاش بابو کا کہنا ہے کہ پھوٹ ہمیشہ نقصان دہ نہیں ہوتی ہے بلکہ عارضی پھوٹ بعض وقت سیاسی ترقی کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۰ء میں اعتدال پسندوں اور ترک موالات کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کی علیحدگی اور اس سے کانگرس میں جو ترقی ہوئی ہے اسکا تذکرہ کیا ہے آگے چلکر انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۹۲۲ء ہوگیا کانگرس میں سوراجیہ کا ابھرنے سے کانگریسیوں میں پھوٹ اور [illegible]

داہنا بازو لولی کا وٹ ڈالتا"
کانگرس کی الجھن پر راجندر بابو کا بیان

شری سوبھاش چندر بوس کے کانگرس کا صدر رہنے جانے اور پھر مستعفی ہونے سے جو صورحال پیدا ہوگئی ہے اس پر کانگرس کے صدر بابو راجندر پرشاد نے ایک بیان دیا ہے جس میں داہنے بازو کے رویہ کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا ہے کہ گاندھی جی اور سوبھاش بابو کی بات چیت میں یہ صاف ہوگیا تھا کہ دونوں کی نگاہ اتنی مختلف تھی کہ مہاتما جی کیلئے ایک ایسی ورکنگ کمیٹی تجویز کرنا ناممکن تھا جو دونوں نگاہوں سے ٹھیک ہو اور جیسے شری سوبھاش چندر بوس اپنے اوپر کوئی زیادتی نہ خیال کریں۔ اسوقت صرف دو راہیں تھیں ایک تو یہ کہ وہ . . . ایسے لوگوں کی ورکنگ کمیٹی بنالیں جو پالیسی اور پروگرام میں پوری طرح انکے ہمخیال ہوں اور یا یہ کہ وہ پہلی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی رضامندی سے ایسے لوگوں کی کمیٹی بنالیں جو انکے ساتھ کام کرنے پر تیار ہوں۔

بابو راجندر پرشاد کا کہنا ہے کہ ان کے ساتھی اور مہاتما گاندھی چاہتے تھے کہ بوس بابو اپنے ہمخیالوں ہی کی کمیٹی بنالیں اور انھوں نے صدر کو یقین دلایا کہ وہ انسے تعاون کرتے رہینگے اور انکی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے گاندھی جی نے بھی اس سے اتفاق کیا۔

"لیکن بوس بابو کو اس سے اطمینان نہیں ہوا ہم نے تجویز کیا کہ اگر وہ ہم لوگوں کو ورکنگ میں رکھنے پر مصر ہیں تو ہماری رائے میں پرانی ورکنگ کمیٹی ہی پھر سے مقرر کردیجائے مگر ہم نے کہا کہ اس کمیٹی کے اجلاس سے پہلے ہم اس میں دو جگہیں خالی کرادینگے اور ان پر وہ ہم سے صلاح لیکر بائیں بازو کے نمائندے رکھ لیں۔ اسوقت ہم اس سے آگے نہیں جاسکتے تھے پنڈت جواہر لال نے اپنی قرارداد میں بھی یہی کہا لیکن صدر کانگرس اس پر راضی نہ ہوئے۔

صدارت کے الکشن اور پنتھ قرارداد کی بابت راجندر بابو نے کہا ہے کہ صدارت کے الکشن کے بعد ورکنگ کمیٹی نے یہ دیکھکر کہ اکثریت نے انکی رائے کے خلاف ووٹ دیا ہے استعفیٰ دیدیا تاکہ شری سوبھاش چندر بوس کو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے میں آسانی ہو۔ اسکے بعد سالانہ اجلاس میں عوام کی رائے لینے کے لئے پنتھ قرارداد پیش کیگئی اور اسکے پاس ہوجانے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ورکنگ کمیٹی ایسے لوگوں کی بنے جو گاندھی جی کے ہمخیال ہوں۔

مہاتما گاندھی نے اسکو بوس بابو پر دباؤ ڈالنے کے برابر سمجھا اور ورکنگ کمیٹی نامزد کرنے سے انکار کردیا۔

آگے چلکر بابو راجندر پرشاد نے لکھا ہے کہ اگرچہ سبھاش چندر بوس جانتے تھے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں انکی اکثریت نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ نہ تو اپنی من مانی ورکنگ کمیٹی بنانے یا پھر ہماری تجویز کے مطابق چلنے پر تیار تھے اور نہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی بنائی ہوئی ورکنگ کمیٹی کو رکھنے پر تیار تھے جبتک کہ وہ انکی شرائط کے مطابق نہ ہو۔

آخر میں صدر کانگرس نے اپنی پرانی بات دہرائی ہے کہ صدارت کی کرسی انکے لئے پھولوں کی سیج نہیں ہے اور دعا کی ہے کہ وہ اور انکے ساتھی اپنے فرائض پورے کرتے اور بوس بابو اور انکے ہمخیالوں کا اعتماد حاصل کرنے میں [illegible]

۴۴

تنکر رنجی ہوگئی تھی لیکن آخر کانگرس نے سوراجیوں کی پالیسی اور پروگرام کو مان لیا۔ یہی موجودہ معاملہ میں بھی ہوگا۔"

اپنے اس نظریہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ہری پورہ کانگرس کے بعد ہی سے وہ اسے محسوس کر رہے تھے پچھلے بارہ مہینے یا اس سے زیادہ سے میں بائیں بازو کی جتھہ بندی پر بہت غور کر رہا ہوں۔ پورے سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ یہ صرف اسی ایک طریقہ سے ہو سکتا ہے۔

کانگرس کے سرکاری گروہ کی تنظیمی بنیاد گاندھی سیوا سنگھ ہے پر غیر سرکاری عنصروں کی بنیاد ابھی تک کسی چیز پر نہیں ہے امید کیجاتی ہے کہ یہ ہراولی گروہ پوری طرح پر ترقی کرکے تمام غیر سرکاری تغیر پسند اور سوشلسٹ عنصروں کی تنظیمی بنیاد بن جائیگا [illegible]

روس نے [illegible] تجویز

حکومت برطانیہ [illegible] مسٹر [illegible] لندن کو اپنے شرائط [illegible] قیاس ہے کہ برطانیہ [illegible] تجویزیں پیش کی ہیں۔

۱- برطانیہ [illegible] الگ اپنی سرحدی حکومتوں کی حفاظت کی ضمانت کرے۔

۲- اگر ان ضمانتوں پر عمل کرنے سے لڑائی چھڑ جائے تو برطانیہ سوویٹ حکومت کی مدد کرے گی۔

[illegible] حکومت روس نے برطانوی حکومت کو [illegible] کردی ہے۔ خارجہ لٹوینوف کے [illegible] روس کی پالیسی

روس کی تجویز تھی کہ برطانیہ۔ روس اور فرانس میں یورپ کی حکومتوں کی حفاظت کے بارے میں ایک معاہدہ ہوجائے لیکن ان تجویزوں سے اشتراک عمل کی کوئی معقول تجویزیں نہیں نکل سکیں گی البتہ آپس میں گفت و شنید اور صلاح و مشورے ہوتے رہینگے۔

جرمنی اور لتھوانیا کے درمیان حملہ نہ کرنے کے ایک معاہدہ کا سرکاری طور پر اعلان کردیا گیا ہے۔ استھونیا سے بھی اس قسم کے معاہدہ پر گفت و شنید ہو رہی ہے۔

یوگوسلاویہ کا ایک فوجی مشن . . . ہنگری پہنچ گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یوگوسلاویہ اور ہنگری میں ایک معاہدے کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں۔

گاندھی جی ۱۲ مئی کو راجکوٹ جا رہے ہیں
ٹھاکر صاحب کی "زیادہ سے زیادہ" رعائتیں

خبر ہے کہ مہاتما گاندھی نے راجکوٹ کے دیوان دربار ویرا والا کو تار دیا ہے کہ وہ ۱۲ مئی کو راجکوٹ پہنچ رہے ہیں۔ گاندھی جی نے کہا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ غداری نہیں کرسکتے اور یہاں ان کی آئندہ کارروائی اس نئی روشنی کے مطابق ہوگی جو انھیں نظر آئے۔

اس سے پہلے مہاتما گاندھی نے دربار ویرا والا کو ایک تار میں بتایا تھا کہ میری دخل دینے کی خواہش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ان لوگوں سے جو میری رہنمائی چاہتے ہیں [illegible] لیکن میں چاہتا ہوں کہ مسٹر ڈھیبر اور پریشد [illegible] آدمی اپنے ذرائع پر بھروسہ کریں اور مجھے [illegible] کو چھوڑ کر اپنا کام کریں۔"

پریشد کے پریزیڈنٹ مسٹر ڈھیبر نے گاندھی جی کو اطلاع دی ہے کہ [illegible] اس پر راضی ہوگئے تھے کہ وہ فیصلہ [illegible] ریاست اور دوسری طرح وزیروں کی [illegible] ہو لیکن ریاست نے اسے رد کردیا۔ انھوں نے ریاست کی اصلاحی اسکیم کو غیر اطمینان بخش ہونے کے علاوہ ناقابل اطمینان کہا ہے۔ گاندھی جی کو اطلاع دی ہے کہ ریاست نے [illegible] دی ہیں۔ وہی رعائتیں پیش کی ہیں:

۱- قانون سبھا صرف سفارش کرسکے گی۔ ٹھاکر صاحب اس کے ہر فیصلہ کو رد کرسکیں گے۔

۲- ٹیکس بدستور رہیں گے۔ ۳- بجٹ میں خرچ کی کمی کی سفارش نہیں کی جاسکے گی۔ البتہ خرچ بڑھانے کے لئے سفارش کی جاسکتی ہے۔

۴- بلوں کی منظوری یا نامنظوری کے لئے کوئی میعاد نہیں مقرر ہوگی۔ ۵- میونسپلٹی۔ محکمہ صحت محکمہ تعمیر۔ تعلیم اور دیہات سدھار منتخب کئے ہوئے وزیروں کے ماتحت رہیں گے مگر اس پر بھی ٹھاکر صاحب کو اختیارات ہوں گے۔ ۶- قانون سبھائی اسکیم بنانے کے لئے ٹھاکر صاحب ایک کمیٹی مقرر کریں گے۔ ۷- جو محکمے ریاست کے لئے مخصوص ہوں گے ان پر وزیروں کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ ۸- ریاستی بنک اور صنعت و حرفت کا انتظام تین ممبروں کے سپرد ہوگا جنھیں ٹھاکر صاحب چنیں گے۔

[illegible] اس سال [illegible]

چیمبرلین کی امن جوئی کے پڑھتے پولینڈ بھی چھینٹا
جرمن نوٹ کے جواب میں پول یادداشت
روس سے دوستی لینے کیلئے ہٹلر کی چالیں

جرمن کے نوٹ کے جس میں اس نے پول جرمن معاہدہ کی منسوخی کا اعلان دیا تھا جواب میں پولینڈ نے ایک یادداشت بھیجی ہے جس میں جرمنی کی اس کارروائی کو خلاف اصول اور جس طرح سے جرمنی معاہدہ کرنا چاہتا ہے اسے خلاف قاعدہ بتایا گیا ہے لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ "پول حکومت ان تمام تجویزوں پر غور کرنے کو تیار ہے جس میں پول نگاہ کا خیال رکھا گیا ہو۔ جرمنی میں حکومت اگرچہ پولینڈ کی اس دلیل کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ پولینڈ کا رویہ ناقابل مصالحت نہیں ہے۔

اینگلو انڈین اخبار اسٹیٹسمین کا نامہ نگار لندن سے لکھتا ہے کہ برطانوی پالیسی میں پھر سے 'صلح جوئی' کے رجحان پیدا ہو چلے ہیں۔ نیز یہ کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ جرمنی ڈینزگ پر قبضہ کرنے کے لئے اسٹالن اور حکومت روس سے کوئی راضی نامہ کرلے۔

وزیر خارجہ کی تقریر اسی مسئلہ پر ۵ مئی کو پولینڈ کی قانون سبھا میں تقریر کرتے ہوئے کرنل بیک نے کہا کہ جہاں تک ڈینزگ کا تعلق ہے وہاں کی آبادی میں جرمنوں کی اکثریت ہے لیکن اس کی گذر بسر اور خوشحالی کا دارومدار پولینڈ پر ہے۔ "ہم ڈینزگ میں اپنی سمندر پار کی تجارت اور اپنی بحری پالیسی کے حقوق کی بنیاد پر مضبوطی سے جمے ہیں۔"

"جہاں تک سرحد کا تعلق ہے۔ ہم نے سڑکوں کی آمدورفت کی موجودہ آسانیوں کو اور آگے بڑھانے کی تجویز کی ہے لیکن کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے علاقہ میں اپنی حکومت پر پابندیاں لگا دیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریش (جرمن حکومت) ان معاملات میں یک طرفہ رعایتیں مانگتی ہے۔"

"امن کے لئے بشرطیکہ اس سے صحیح مراد لیجائے دو باتیں بہت ضروری ہیں پر امن ارادے اور دوسرے پر امن طریق کار۔ اگر ریش ان اصولوں کی پابند ہوگی تو جو مسئلے میں نے بتائے ہیں ان پر گفت و شنید ہوسکتی ہے۔ اگر وہ آخر تک پہنچ گئیں تو پولینڈ اسے ماننے سے انکار نہ کرے گا ہم پولینڈ کے لوگ "ہر قیمت پر امن حاصل" کرنے کے خیال کو نہیں مانتے۔ ایک چیز جس کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی شرافت ہے۔"

جرمنی پر ردعمل جرمنی کے ایک اخبار ڈوئچن کورسپانڈنز نے جو حکومت کی آواز کہا جاتا ہے کرنل بیک کی تقریر کا [illegible]

اپنی یادداشت میں حکومت پولینڈ نے بتایا ہے کہ برطانوی پول معاہدہ پول جرمن معاہدے کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ ۱۹۳۴ء میں معاہدے کے وقت جرمنی اسی قسم کے پول فرانسیسی معاہدہ کو تسلیم کرچکا ہے۔

"کئی برس پہلے سے پول حکومت جرمن حکومت کو بتا رہی تھی کہ اس مسئلہ پر خلوص کے ساتھ گفت و شنید کی جاسکتی ہے۔ مگر جرمنی حکومت نے یہی جواب دیا کہ ڈینزگ کے مسئلہ سے جرمن پول تعلقات میں کوئی مداخلت نہیں ہونا چاہیے اس کے علاوہ جرمنی کئی دفعہ پول حکومت کو ڈینزگ کی آزادی کا یقین دلاچکا ہے۔"

پول حکومت نے بتایا ہے کہ ستمبر ۱۹۳۸ء کے واقعات کے بعد سے جرمن کی حکومت پولینڈ سے تجویز کر رہی ہے کہ ڈینزگ کی بدلتی صورت حال اور ریش (جرمن حکومت) اور مشرقی پرشیا کے درمیان کے راستوں پر گفت و شنید کی جائے۔

"یہ کہنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں ہے کہ ایسی بات چیت جس میں ایک حکومت مطالبات پیش کردے اور دوسری کو بلا کسی تغیر و تبدل کے اسے پورا کرنے پر مجبور کیا جائے ۱۹۳۴ء کے اعلان کے مطلب کی رو سے بات چیت نہیں ہے اور یہ پول حکومت کے مفاد یا اس کے وقار کے مطابق نہیں ہے۔"

ان باتوں کے باوجود یادداشت میں ٹھیک [illegible]

راضی نہیں ہو سکتے، اگرچہ اس کو پرجا سبھا کا بڑا سا نام دیا گیا ہے۔

جب منتخب ممبروں کی اس متحدہ مخالفت سے بھی حکومت نے کوئی اثر نہیں لیا، تو منتخب ممبروں کی اکثریت نے استعفیٰ دیدیا۔ فوراً حکومت نے چھوٹے الکشن کرائے۔ لیکن اس میں حکومت کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ وہی لوگ پھر منتخب ہو کر آ گئے۔

اتحاد کا راز حکومت کی مخالفت میں مختلف فرقوں کے نمائندوں نے جس ایکے کا اظہار کیا ہے وہ ایک ایسی جگہ جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ فرقہ وارانہ جھگڑوں کا شکار ہے بہت حیرت انگیز ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے شروع سے شیخ عبداللہ فرقہ وارانہ اتحاد کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ اور واک آؤٹ ہونے تک باہر سب فرقوں میں میل ہو گیا تھا۔

ایک موقع پر شیخ عبداللہ نے فرقہ پرستی کے متعلق کہا کہ "ریاست میں فرقہ پرستی کی وبا پنجاب کے فرقہ پرست لیڈروں کے غلط پروپیگنڈے سے پھیلی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ وہ خدائی فوجدار دوبارہ ہمارے کاموں میں مخل نہوں۔ اب سے میری کوشش یہ ہوگی کہ میں ریاست کی سیاسی تحریک کو کانگریس کے طریقہ پر آگے بڑھاؤں۔"

پنجاب سے واپس آکر انھوں نے ایک موقع پر کہا "ہماری لڑائی، ہمارے ملک کی ترقی کی لڑائی ہے۔ آؤ ہم سب معمولی معمولی فرقہ وارانہ جھگڑوں سے نکلکر عوام کی بھلائی کے لئے لڑیں۔ میں اپنے ہندو بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ وہمی خطروں اور شکوک میں نہ گرفتار ہوں۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ آجانے سے ان کے حقوق خطرے میں نہیں پڑ سکتے۔

انھوں نے ایکے اور ترقی کی فضا پیدا کرنے کے لئے پنڈت پریم ناتھ بزاز سے ملکر جو گلینسی کمیشن کے ایک ممبر رہ چکے تھے۔ ایک اردو ہفتہ وار "ہمدرد" نکالا۔ اس کی افتتاحی رسم ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ادا کی۔ اس کو کشمیری قومیت کا پہلا چھینٹا سمجھنا چاہیئے۔ اس زمانے میں وہ متحدہ واک آؤٹ ہوا، اور پھر گاندھی جی، جواہرلال نہرو اور پریم ناتھ بزاز کے درمیان کی خط و کتابت شائع ہوئی جس نے مختلف فرقوں کے دلوں کو جوڑنے میں بڑی مدد دی۔ اس کے بعد ہی شیخ عبداللہ کو ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے یقین دلایا گیا کہ وہ ان کی تحریک کے ساتھی ہیں۔ اس وقت ساتھ آنے والوں کی تعداد کافی نہ تھی، لیکن جتنے تھے وہ پرخلوص تھے ان کے علاوہ ہندو اور سکھ عوام میں بھی بیداری پھیلتی جارہی تھی جو ہر طرح سے امید افزا تھی۔

اسمبلی کے ممبروں میں سے دوبارہ منتخب ہونے کے بعد ۳۳ میں سے ۲۹ نے حکومت کو ایک درخواست دی جس میں موجودہ دستور کی تبدیلی کا مطالبہ کیا۔

ذمہ دار حکومت ڈے ۱۹۳۶ء میں ساری ریاست میں یہ دن منایا گیا۔ ہندوؤں اور سکھوں نے اس کے جلسوں اور جلوسوں میں بہت شوق سے شرکت کی۔ ہزاروں کاشتکاروں اور مزدوروں نے اس میں شرکت کی اور جوش و خروش ساری ریاست میں دوڑ گیا۔

۱۹۳۸ء میں کانفرنس کا اجلاس پونچھ میں ہوا۔ اس بار پھر شیخ عبداللہ نے صدارت کی۔ اور انھوں نے حسب دستور ہندو مسلم اتحاد کی اپیل کی۔ اس اجلاس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کانفرنس کے دستورالعمل میں گنجائش نکالی گئی کہ وہ غیر مسلم جو اونچے سیاسی خیالات رکھتے تھے اس کے ممبر بن سکیں۔

مسلم کانفرنس سے قومی کانفرنس

۱۹۳۸ء میں جب جواہرلال نہرو نے سرحد کا دورہ کیا تو شیخ عبداللہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور ان سے مشورہ لیا کہ آئندہ کام کیسے کیا جائے جواہرلال نہرو نے کشمیر کی سیاست کے اتار چڑھاؤ پر غور کرنے کے بعد یہ مشورہ دیا کہ مسلم کانفرنس کو اپنا نام اپنی پالیسی کے مطابق بدل کر قومی نام رکھنا چاہیئے۔ ان کی رائے بہت مناسب تھی، اس لئے جب مارچ ۱۹۳۸ء میں کانفرنس کا اجلاس ہوا تو یہ تحریک اٹھائی گئی کہ مسلم کانفرنس کا نام "قومی کانفرنس" کر دیا جائے۔ لیکن اس میں کچھ آئینی پیچیدگیاں ایسی آ پڑیں کہ اس وقت یہ بحث ملتوی کر دینا پڑی۔ پھر جب جون ۱۹۳۸ء میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تو یہ تجویز پیش کی گئی اور وہاں ستر ووٹوں کی موافقت اور تین کی مخالفت سے پاس ہو گئی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہاں کے ہندو اور سکھ لیڈر جیسے پنڈت جے لال کلام، سردار بدھ سنگھ، پنڈت کاشیا پا بندھو اور پنڈت پریم ناتھ بزاز جو اب تک کشمیری سیاست کے سرگرم کارکن رہ چکے تھے، شیخ عبداللہ کے ساتھ آملے اور عوام کو ذمہ دار حکومت اور قومیت کی ضرورت سمجھانے لگے۔

جھگڑے کی جڑ

گذشتہ سے پیوستہ

(ملک راج آنند)

ناتک بولا۔ "تم اپنا گھر کیوں نہیں بنوا لیتیں؟"
"سیٹھ جی ہم آپ کے ایسے روپیہ والے نہیں ہیں۔"
ناتک بولا "اچھا کام اچھے دام۔"
ہیرا بولی "اچھے دام اچھا کام۔"
"تو تیری تو لاکھوں روپیہ قیمت ہے۔ تجھے تو بلا کام کے دام مل سکتے ہیں؟"
"لیکن۔ مجھ کو بلا کام کے آج تک کسی نے ایک لڈو بھی نہیں دیا۔"
ہیرا نے یہ کہتے ہوئے اپنی اوڑھنی سر پر ڈال لی۔
"دعا ہے ایک پیٹ بھر جائے لیکن اسکی آنکھیں نہ بھری جائیں"
— ہیرا پر سیٹھ کی کرپا کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بسنتی بولی
"یہ سودا ہے یا پیار دل کی بھیلی اڑاتا۔ یہ لو دودھ۔ آج تو کر کہاں گیا تو"
"وہ ایک کہاں ہے اے منشی۔" ناتک نے اپنی جانگھوں کے بیچ کھجلاتے ہوئے کہا۔
"وہ آیا جی"
سر جھکائے ایک غریب مرجھائے ہوئے چہرے کے لڑکے نے جواب دیا۔
"بس آ۔ یہ مٹکیاں لیجا۔ اور جہاں گھڑا رکھا ہے اس میں انڈیل دے۔ اس بڑے گھڑے کو یہاں نہ لا۔"
اور جیسے ہی کہا نچے لمبے اور پھٹے ہوئے کرتے پاجامے میں ملبوس اپنی پسلیاں دکھاتا ہوا منشی باہر آیا۔ ناتک اپنا بے ڈول اور بھاری جسم لئے بیٹھے گدے سے اٹھا اور یہ کہتا ہوا دکان کے اندر ایک کالی کوٹھری میں چلا گیا۔
"اے گوالنوں میں تمہارے یہ کل کا بچا ہوا دودھ لاتا ہوں"
"کیا بازار میں اس دودھ کو پلانے کے لئے کتے نہیں" بسنتی نے کہا
"تم نے ہمیں کبھی کوئی کام کی بھی چیز دی ہے۔"
"اے منشی ہیرا کے دودھ کو حاجیوں کے لئے رکھ لے اور بسنتی کے دودھ کو کڑھائی میں ڈال دے" ناتک نے کوٹھری سے نکلتے ہوئے کہا۔
"ارے لے کاکا ذرا جلدی سے مٹکی خالی کر" بسنتی نے منشی سے کہا
"مجھے اپنے بچوں کے پاس لوٹنا ہے
دن چڑھ رہا ہے۔ کیا تو نے کبھی دن چڑھتا دیکھا ہے۔ گوبر جنگل جانے کے لئے بیچین ہو رہے ہونگے۔ اور پھر تیرے مالک سے

حساب چکانا ہے۔"
"ایک بھکاری کو دیر اور سویرے سے کیا مطلب۔"
ہیرا نے ایک قدرتی بے انداز سے کہا۔
"پہلے میری جاجی ہی کا دودھ لے لے"
"بھی ذرا کچھ دن ٹھہر" بسنتی بولی۔ تو بھی دیر اور سویرے کے بھید کو جان جائے گی۔ کیونکہ تجھے بھی بلا پیسے کے بچے پالنا ہونگے۔
آج تو اپنے باپ کی مفت کی روٹی کھاتی ہے اور وہ بے شرمی سے اپنی بیٹی سے کام لیکر روٹی کھاتا ہے۔ میں اپنی بیٹی کو اس طرح ان پاپی دکانداروں کی آنکھوں کے سامنے بازار کبھی نہ آنے دونگی جہاں کتے یہ لوگ تاکتے، باتیں کرتے، مذاق اڑاتے اور ہنستے ہوئے تیری قیمت لاکھوں روپیہ بتاتے ہیں۔ دیکھو تو بہن جوان لڑکی، نہ جانے اس دنیا کا کیا حال ہوگا۔ میرے زمانے میں تو..."
جس وقت کہ منشی بسنتی کی مٹکی کو دکان کے اندر لیجا رہا تھا ہیرا نے اپنی کے چھلکنے کی آواز سنی "یہ کیا ہے؟" اور پھر اس نے سیٹھ ناتک چند کو ایک پیتل کے برتن میں باسی دودھ لئے نکلتے دیکھا اسنے چلا کر زور سے کہا
"ارے دودھ انڈیل کر کڑھائی کو اٹھا لا۔ اور آنکھ بھی لے آ۔ وہاں اندھیرے میں تجھے کچھ دکھائی نہیں دیگا۔"
ہیرا نے اپنے ہاتھ پر چار پیسے رکھکر ناتک کی طرف بڑھائے اور کہا
"ایک آنے کی ریوڑی دیدو"
"پیسے پھینک"
اپنی ذات کا خیال کر کے ناتک نے کہا پھر اس نے ترازو سے ریوڑیاں تول کر ردی کاغذ کے ایک ٹکڑے میں رکھکر پڑیا بنائی اور اسے اس لاکھوں کی قیمت والی کی گود میں پھینکدیا۔ منشی اپنے ہاتھوں کی ساری طاقت آزماتا ہوا دودھ بھری کڑھائی اٹھا لایا، اسکے پیلے سفید پر لالی دوڑ گئی اس نے جیوں تیوں کر کے ناتک چند کی گدی کے پاس دہکتی ہوئی انگیٹھی پر کڑھائی چڑھا دی۔
ناتک نے دروازے کے پیچھے کی خالی اور چکنی دیوار کے ادھر ادھر تلاش کرتے ہوئے پوچھا۔
"پیالہ نہ کہاں ہے یہ؟" اور پھر منشی کو جو ہانپ رہا تھا حکم دیا۔
"دودھ آدھا اس دوسری مٹکی کو اس کنستر میں انڈیل دے [illegible]"

ٹوک آتے ہوئے۔"

اس نے پیمانہ ڈھونڈھ نکالا۔ دھوتی کے گندے کونے سے اسے صاف کیا اور مٹھائی پر اڑتی ہوئی مکھیوں کو اڑا کر دودھ میں پیمانہ ڈال دیا اور بولا۔

"کیوں بسنتی کیوں اب دھوکا دینا شروع کر دیا۔"

بسنتی چلائی "کیوں"

"کیوں کیا ہوا" اپنی اوڑھنی کے آنچل میں مٹھائی باندھتے ہوئے ہیرا بولی۔

کچھ دیر تو نانک بناوٹی ناٹک کرتا اور دودھ دھراندیلتا رہا پھر اس نے اپنے بھولے چہرے کو اور پھلا لیا اور کہا۔

"اس دودھ میں تو پانی ہے" اور غصہ میں منھ بنا کر تو کر سے کہا "ارے منشی اس دوسرے دودھ کو بھی لے آ۔"

لڑکا ہیرا والے دودھ کی مٹکی اٹھا لایا اور نانک نے اس میں پیمانہ ڈبویا

نانک کے کوٹھری سے نکلتے وقت پانی کی چھلاک اور بسنتی کے دودھ میں پانی کا خیال کرتے ہوئے ہیرا نے کہا "دال میں کچھ کالا ہے۔"

"اچھا میری منی دودھ میں کالا ہے؟" بسنتی چیخ پڑی۔

"دال میں کالا ہے۔ ہاں۔ کوے کی بات کوا ہی جانے۔ مجھ سے ایسا کہنے کی ہمت ہی تجھے کیسے ہوئی۔ بھگوان کرے تیرا سب کچھ مٹ جائے۔ بھگوان کرے تیرے منھ پر کالی ماتا نکلے۔ یہ کہنے کی تجھے ہمت کیسے ہوئی کہ میں پانی ملا دودھ بیچنے لائی ہوں کیسے؟ کیسے...؟

"جا جی میں تجھ سے کیا کہہ رہی ہوں مجھے گالی کیوں دیتی ہے۔ یہ دیکھ یہ میرا بھی دودھ دیکھ رہا ہے" ہیرا نانک کی طرف مڑی۔

"میرے دودھ میں پانی نہیں۔ اے سیٹھ جی میرے دودھ میں پانی نہیں ہے میں خود دودھ کر لائی ہوں۔"

نانک نے ہیرا کے دودھ کے بارے میں کچھ کہا بھی نہ تھا کہ بسنتی بولی "میں جانتی ہوں جیسے تو دوہتی ہے۔ اگر تو مٹکی میں پانی نہیں ڈالتی تو دوہنے سے پہلے گائے کو پانی پلا دیتی ہے۔ کیوں میرے بچے کے منھ کی روٹی چھیننا چاہتی ہے نا؟"

"ہاں" نانک نے کہا "دودھ بڑا پتلا ہے حالانکہ پیمانہ سے کچھ پتہ نہیں چلا لیکن پھر بھی کچھ بات ضرور ہے۔"

ہیرا نے برا مان کر کہا "نہیں سیٹھ جی یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بھگوان کی قسم۔ ماں باپ کی قسم۔ اپنی پیاری مٹھائی کی قسم دودھ میں پانی نہیں ہے۔"

"اور میرے میں ہے؟ کیوں کتیا؟" بسنتی پھر چیخی "جا کتوں کی طرح چلی جا۔ جا قسم خور چلی جا۔ رام کرے تیرا باپ مرے اور تیری ماں رانڈ ہو جائے۔ رام کرے تو انا تھ ہو جائے۔ رام کرے تیرے سب مر جائیں اور میں نانک کی دکان سے ایک روپیہ کی مٹھائی لیکر بانٹوں۔ میں تجھ چھنال سے کیا سیکھونگی۔ ہاں تو تو کوٹھری کی سیر کرا آئی ہے تب ہی تو بولتی ہے تو اپنی کترنی زبان چلا میں بھی اپنے ہاتھ چلاتی ہوں۔"

وہ اپنے پنجے کھول کر ہیرا پر لپکی اور اسکی اوڑھنی کو پھاڑ بالوں کو کھینچ اسکی گردن میں ناخون چبھو دئے اور چیخنے لگی "تیرے بالوں میں مٹی کا تیل چھڑک کر چیلے سے جلا دونگی۔ کتیا کہیں کی۔ بھڑوے چھنال کی اولاد تیرے سر میں کھولتا پانی ڈال دوں گی تجھے زندہ چبا ڈالونگی۔"

منشی انکے بیچ میں آ کھڑا ہوا اور بیچ بچاؤ کرنے لگا۔ "ارے لڑکے چھوڑ دے ان چیلوں کو مرنے دے" نانک بولا "جبتک پیٹ نہ بھرے کھائے۔ جبتک سر نہ پھٹے۔ لڑے" لیکن لڑکے نے چیختی بسنتی کو پکڑ کر چھڑا دیا۔

"میں اسکو اور اسکے کنبے کو کھا جاؤں گی پیر کی قسم میں اسکو نہ چھوڑوں گی" بسنتی بولی۔

"جانے تو اسے کھا یا چھوڑ۔ اس بھیڑیے کا منھ ضرور بنا ہوا ہے" بھیڑ میں سے ایک نے اسے چپ کرنے کیلئے کہا اس تماشہ کو دیکھنے کیلئے بھیڑ لگ گئی تھی۔

"یہ تو تمکو لڑانا ہی چاہتا ہے" منشی نے اپنے منھ پر ہاتھ رکھکر کہا تاکہ آواز سنائی نہ دے "اسی نے ڈالا تھا......"

لیکن نانک پاس کھڑا اسکی چنچل آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسی سے لڑکا پوری طرح نہ کہہ سکا کہ اسکے مالک ہی نے پانی ملایا تھا اور اسکی ساتھی نے جب یہ کہا تھا کہ دال میں کالا ہے تو اسکا مطلب یہی تھا کہ نانک نے اندر جا کر چالاکی کی ہے۔

"اچھا سیٹھ ہمارا حساب کر دے" بسنتی نے کہا۔

منشی کی کانا پھوسی سے اسے کچھ بھید معلوم ہو گیا تھا۔

"نانک بولا" میٹھا کھٹا سب ایک بھاؤ؟ اور اسی لئے کوئی قیمت نہیں مجھے کیا معلوم تو نے کب اچھا کب برا دودھ دیا لیکن مجھے تو جیل سے بچنے کیلئے روپیہ دینا پڑا اب وہ ملزموں کو پکڑ لینگے کیونکہ تم دونوں خود ہی میرے نوکر اور آدمیوں کے سامنے ایک دوسرے پر الزام لگا رہی ہو۔"

"اجی سیٹھ نانک چند ان دونوں کا حساب چکا کر اس تماشہ کو ختم کر دو" بھیڑ میں سے ایک پڑوسی نے کہا۔

"ہاں ہاں بھائی دام دیکر الگ کر دو" دوسرا بولا

"نہیں کبھی نہیں یہ چور نی ہیں" نانک نے کہا۔

"لالہ نانک چند تنک رحم کر دانھیں جانے دو" اپنی دوکان میں بیٹھے بیٹھے پاس کے ایک عطار نے کہا۔

نانک نے کہا "اچھا لو کتیو۔ یہ میری مہربانی سمجھو کہ تمہارے دودھ کے بدلے تمہیں پولیس کے حوالہ نہ کر کے بھی ایک ایک روپیہ دے رہا ہوں" اور اس نے اپنی زنگ لگی صندوقچی سے نکالکر ان دونوں کی طرف چاندی کا ایک ایک سکہ پھینک دیا گوالنیں بھری بیٹھی تھیں اور ایک دوسرے کا منھ دیکھ رہی تھیں۔ وہ آپس میں لڑتے لڑتے تھک گئی تھیں اور منھ سے کچھ نہ نکلتا تھا۔

"جاؤ بھاگ جاؤ نہیں تو پولیس بلانی پڑے گی۔"

"کالی گائے کا لاہی دودھ دیتی ہے جاؤ" ایک رحمدل پڑوسی نے کہا۔

"ساقی کو [illegible] ایک اداکاری بولا"
[illegible]
چل گئیں۔

کانگرس کا خبر نامہ

صوبہ کانگرس کمیٹی لکھنؤ
تاریخ ۸ مئی ۱۹۳۶ء

صوبہ عدالت
گشتی چٹھی نمبر ۵

تمام منڈل۔ حلقہ نگر۔ شہر و ضلع کانگرس کمیٹیوں اور ریٹرننگ آفیسروں کے نام

پیارے بھائی

الکیشن میں کھڑے ہونے کے اختیار کے متعلق ہدایتیں چھپی گشتی چٹھیوں کے ذریعہ آپکی خدمت میں بھیجی جا چکی ہیں۔

احتیاط کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کی طرف آپ کا دھیان خاص طور سے دلایا جاتا ہے۔

۱۔ صوبہ کانگرس کمیٹی کی گشتی چٹھی نمبر ۲۳ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء کی دفعہ ۲ دفعہ ۳ کے مطابق جن ضلع اور شہر کمیٹیوں کے نام ادپر لکھی ہوئی تاریخ میں ۱۰ روپیہ سے نا مستحق تھا یا تھی اگر انہوں نے ۷ مئی ۱۹۳۶ء کے پہلے تک وہ کل رقم ادا نہیں کی تو صوبہ عدالت کی گشتی چٹھی نمبر ۲ تاریخ ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء کی دفعہ ۶ کے مطابق ان کمیٹیوں کے صدر، سکریٹری اور خزانچی کے نامزدگی کے پرچے اگر ابتک الکیشن نہیں ہوئے ہیں تو رد سمجھے جائیں گے۔ اور اگر کوئی ایسے عہدہ دار کسی الکیشن سے بنی کمیٹی کے ممبر ہو گئے ہوں تو انکا الکیشن رد سمجھا جائیگا اور ایسے عہدیداران کی جگہ خالی سمجھی جائے گی۔ ایسے عہدہ داران کو بطور ممبر کے کسی کمیٹی میں حصہ لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

۲۔ اگر کسی جگہ سے ۱۹۳۶ء سے ابتک کی پرانی رسیدوں کے بنانے اور غلط طریقہ سے فہرست تیار کرنے کی سرٹیفائیڈ اطلاع ملیگی تو عدالت اسپر بہت سختی سے غور کرے گی۔

اس طرح کی فہرستوں اور فارموں کی بنا پر جن لوگوں نے اپنے پرچے داخل کئے ہوں یا ٹھیک ٹھیک اپنا نام مصدقہ کئے بغیر غلط بیان حلفی دیا ہو تو وہ فوراً اپنا نام واپس لیلیں اور اگر وہ چن لئے گئے ہوں تو فوراً اپنا استعفیٰ دیدیں۔ ایسا کرنے پر انکے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کیجاویگی۔ ورنہ ایسے معاملوں پر صوبہ عدالت تادیبی کارروائی کرنے پر مجبور ہوگی۔

۳۔ چونکہ صوبہ کانگریس کمیٹی کی طرف سے ۱۹۳۶ء سے کانگرس کے ممبروں کی بھرتی کی منادی کی جا چکی ہے۔ لہذا جن کمیٹیوں کے الکیشن نہیں ہوئے ہیں انھیں جلد سے جلد الکیشن ختم کرا دینا چاہئیے۔

۴۔ کمیٹیوں کے الکیشن فارم جلدی ہی آپ کی خدمت میں بھیجے جائینگے۔ تمام ضلع۔ شہر اور نگر کمیٹیوں کا اپنے ہر منڈل اور حلقے کے چیدہ ممبروں کے نام بھر کر جلد سے جلد صوبہ عدالت کے پاس روانہ کر دینا چاہئیے۔

۵۔ الکیشن اپیل کے قاعدے اور فارم جلدی ہی بھیجے جاتے ہیں۔ ضلع۔ شہر۔ نگر کمیٹیوں کو فارم ملتے ہی اپنے منڈل اور حلقہ کمیٹیوں کے پاس جلدی ہی ضروری تعداد میں بھیج دینا چاہئیے۔

جن منڈلوں نے باوجود مانگ کے اپنی ضلع کمیٹی کو کوٹے کی ادائیگی نہیں کی ہے ان منڈلوں سے جواب لیکر صوبہ عدالت کے پاس بھیجا جائے۔ اور صوبہ عدالت کی منظوری سے ان کے صدر۔ سکریٹری اور خزانچی کے خلاف کارروائی کیجائے۔

نیاز مند

نندکمار دیو واسشٹھ	(دستخط) میلارام
اسپشل آفیسر	صوبہ عدالت

مردوں میں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

اٹلی کا ڈکٹیٹر مسولینی جس نے اپنے جنگی کارناموں سے دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہے کیطرح معمولی حالت سے زندگی کے مدارج طے کرتا ہوا بام عروج کو پہونچا۔ اس کی اپنی

خود نوشت سرگذشت

کا مطالعہ فرمائیے

صرف انگریزی زبان میں یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے ترجمہ صاف۔ طباعت و کتابت عمدہ۔ مجلد معہ خوشنما ڈسٹ کور ۳۰۰ صفحات۔ ضخامت ... (۳۱ مئی تک آرڈر دینے والے کو محصول ڈاک معاف)

(پبلشرز)۔ لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

بندوق کارتوس

رائفل ریوالور پستول

اور ہر قسم کا سامان شکار و حفاظت ولایتوں سے براہ راست ہم منگا کر ارزاں قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں۔ فہرست مفت طلب فرمائیں۔

پائنیر آرمس کمپنی تاجران اسلحہ کشمیری دروازہ دہلی

سوشلزم کیا نہیں ہے

بقیہ صفحہ ۱۰

نہیں ہے سو یہ اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے حشر میں ذلیل یا عزیز کرے۔

(۴)

اس سرسری مگر ضروری ابتدائی بحث کے بعد آپ غور فرمائیے کہ سوشلزم کیا نہیں ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ سوشلسٹ تشدد پرست، مذہب دشمن اور کم از کم قدیم تمدن اور کلچر کے خلاف ہیں۔ فرد جرم گنانا مشکل ہے۔ میں نے یہاں تک سنا ہے کہ روس میں کمیونسٹ مرد و عورت ازدواجی تعلقات میں قطعاً حرام و حلال کی تفریق نہیں کرتے!!! واقعہ یہ ہے کہ میں کمیونسٹوں سے ملنے سے پہلے آسانی سے باور کر سکتا تھا کہ کمیونسٹ ایک خاص قسم کا موہوم حیوان ہوتا ہے جو غالباً سر کے بل چلتا ہے، اور اس کے اول و آخر محرکات صرف شہواتی و حیواتی ہی ہو سکتے ہیں۔ بھلا مادیت کے فلسفہ کو ماننے کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ ان میں مذہبی لوگوں جیسا اخلاق، روحانی لوگوں جیسی فرشتہ خصلتی اور مہذب مسلمانوں جیسا تمدن و آداب مجلس ہوں!! لیکن مجھے شرمندگی کے ساتھ اس واقعہ کا اعلان کرنا پڑتا ہے کہ بدنصیبی سے کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے بھی ہمارے آپ جیسے صرف دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوتے ہیں۔ یہ حضرات بھی ہماری آپ کی طرح ہندستان کے قصبوں اور شہروں کے محلوں اور مکانوں میں رہتے ہیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ہندستانی ماں باپ نے انہیں پیدا کیا ہے اور وہ بھی مروجہ ازدواجی تعلقات کے بعد دنیا میں بجز اس کے کہ کمیونسٹ تحریک کی بدولت روس کے نظام حکومت میں زار روس اور اس کے امرا کی جگہ مزدوروں نے لے لی اور کوئی حیرتناک اور بنیادی انقلاب نہیں ہوا۔ نہ خاوندوں کی بیوی سے محبت کم ہوئی، نہ بڑوں کا چھوٹوں سے محبت و شفقت کا جذبہ رخصت ہوا۔ نہ فنون لطیفہ اور شاعری میں کمی آئی حتیٰ کہ رنگینیاں بھی بدستور باقی اور برقرار رہے صرف مظاہر تھوڑے سے بدل گئے ہیں، یعنی پہلی بار انسانیت بلکہ محنت کش اور نادار انسانیت کا نصب العین اور کامیاب نقشہ دنیا کے سامنے آیا ہے۔ دوسری طرف محکوم قوموں اور ہر ملک کے کمزور سماجی طبقوں میں اپنے حقوق کے لئے لڑنے اور باہمی بلکہ بین الاقوامی تنظیم کا جذبہ ابھرا ہے جس کا نتیجہ چین اور اسپین کے عوام کی جمہوری جدوجہد ہے۔

میرا خیال ہے کہ کوئی اور خاص ہیبتناک تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ بے بس جمہور اور مجبور دنیا کو استبداد و استحصال کے دفع کرنے کا کارگر نسخہ مل گیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے سرمایہ دار اور باقتدار طبقے آتش زیر پا ہو رہے ہیں۔ یہ غاصب جماعتیں اور ان کے ہوا خواہ بلا لحاظ ملک و مذہب سوشلزم کو مٹانے اور اپنے مفاد کو محفوظ رکھنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۔ سوشلسٹوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تشدد پرست ہیں یہ سراسر غلط الزام ہے یہ صحیح ہے کہ وہ عدم تشدد کو مذہبی عقیدہ کی طرح نہیں مانتے اور تاریخی حیثیت سے اسکے قائل ہیں کہ با اختیار سماجی طبقے صرف طاقت سے (Revolution) بے دخل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن طاقت کے یہ معنی نہیں کہ وہ انفرادی تشدد کے بھی قائل ہیں۔ یا مہاتما گاندھی کی طرح عدم تشدد کو انفرادی طور پر بھی واجب قرار دیتے ہیں۔ طاقت سے انکی مراد محنت کشوں اور محروموں کی جماعتی تنظیم اور ریاست کے وسائل پر قابض ہونے کی صلاحیت ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ روس کا انقلاب میں خود انتقال حکومت کے وقت ایک قطرہ خون کا نہیں گرا۔ اور خونریزی اور خانہ جنگیوں کی ابتدا معزول شدہ امرا اور بیرونی سامراج نے اسی طرح کی جس طرح اسپین میں فرانکو نے ہنگامہ کر رکھا ہے۔

۲۔ سوشلسٹوں کو مذہب دشمن ان معنوں میں کہنا کہ وہ آپکو کسی مخصوص عقیدہ کا پابند کرینگے یا خدا کی توحید یا عبادت سے روکیں گے یا معابد کو نقصان پہونچائینگے ایک صریح بہتان ہے۔ آج کمیونسٹ علانیہ طور پر جرمنی کے رومن کیتھولک طبقہ کی مذہبی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں اور فلسطین میں درجنوں یہودی کمیونسٹ عربوں کی حمایت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ عوام اور انکے ساتھ کمیونسٹ بھی اسکا مطالبہ ضرور کرینگے کہ مذہبی اوقاف ذاتی تصرف سے نکالکر عام مسلمانوں کی بہبودی اور تعلیم کے کاموں پر صرف کئے جائیں یعنی جو واقف کا منشا تھا۔

۳۔ قدیم تمدن اور کلچر کا سوشلسٹوں کو مخالف قرار دینا یہ آپ کی نادانی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قدیم تمدن اور کلچر کے بہترین عناصر کے صحیح وارث سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہی ہیں حق و صداقت اور انسانیت و اخلاق کے بقا کے لئے وہ آج اپنی جان دے رہے ہیں۔ البتہ آپ کو غور کرنا پڑیگا کہ کلچر و تمدن کے کون سے پہلو اب انسانیت کیلئے مہلک یا کم از کم مضر ہیں، مثلاً آپ اسلامی شریعت کے معنوں میں بھی کسی کو غلام نہیں بنا سکتے۔ ہندو عورت کو ستی نہیں کر سکتے۔ امرا اسکے حرم میں ہزاروں بے بس عورتوں کو نفس و جاہ پرستی کیلئے مقید نہیں کر سکتے سوشلسٹ موجودہ تمدن سے ان چیزوں کو ضرور خارج کرینگے لیکن اسکا فیصلہ بھی جمہور کی رائے سے ہی ہوگا۔ وقس علیٰ ھذا۔

اعتراضات اسی نوعیت کے اور بھی ہیں جنہیں میں طوالت کے خیال سے چھوڑتا ہوں لیکن انکی نوعیت اس قسم کی ہے۔ مختصر الفاظ میں بنیادی بات یہ سمجھ لیجئے کہ سوشلسٹوں کے تمدنی اور سماجی فیصلے، کسی مفتی، قاضی، مہاتما قائد اعظم یا کسی دوسرے فرد واحد کے تابع نہیں ہوتے۔ اس سماج میں مزدور اور محروم لوگ کامیاب انقلاب کے بعد اور انقلابی جدوجہد سے تربیت پاکر تمام فیصلے جمہوری طور پر کرتے ہیں اور میری تسکین کیلئے یہ حدیث کافی ہے۔

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ

یعنی امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔ اجتماعی فیصلے شخصی اور مستبد حکومتوں یا محدود طبقہ امرا کے فیصلوں سے ہر نوع زیادہ بہتر اور مفید ہونگے۔ اور اس لحاظ سے سوشلزم کا نظام جمہوریت اور انسانیت کی تکمیل اور اخلاق و روحانیت کی آخری منزل ہے۔ اسکی بنیاد فرضی منصوبے یا تصورات نہیں بلکہ سماجی جدوجہد کے حقائق اور زندگی کے صحیح اور ترقی پسند تقاضے ہیں۔

امریکہ سے لاکھ روپے اور بیشمار جگہوں سے میڈل

پائی ہوئی حیرت انگیز ہندوستانی دوائیں

رام تیل رجسٹرڈ

ہر قسم کی درد۔ گٹھیا۔ گھاؤ۔ جلا ہوا۔ سوجن ورم اعضا۔ زہریلے جانوروں کے ڈنک کی جلن وغیرہ اور درد پسلی (نمونیہ) کا درد پسلی و نمونیہ شن بات جسم کے کسی حصہ کا مارا جانا چوٹ وغیرہ سے خون نکلنا یا جم جانا تلی یا جگر کا بڑھنا درد سر۔ دانت کان۔ سینہ۔ شکم (درچوٹ) وغیرہ پٹھوں کی کمزوری پٹھے میں بل پڑجانا۔ موچ۔ اپھار شکم۔ بواسیر ریاحی کنپھیڑا۔ داد۔ بوائی۔ پھٹنا۔ آنکھ کی گوہیری۔ پھوڑا پھنسی۔ پچکاری لگانے سے۔ سوزاک۔ ہیضہ اور دیگر صدہا امراض کیلئے نہایت مفید ہے۔ رام تیل انسان حیوان اور جانوروں پر یکساں مفید ہے جسم کے ہر ایک حصہ میں لگایا دکھایا جا سکتا ہے یہ بالکل بےضرر دوا ہے۔ مدت تک رکھنے سے خراب نہیں ہوتا۔

(دیکھو ترکیب استعمال)

قیمت ½ اونس ۸؍ دو اونس ۱۲؍ ۴ اونس ۱۴؍ ایک پونڈ سات روپیہ

رام تیل کی تعریف میں

ملک کینیڈا امریکہ کے کئی مشہور بیوپاریوں نے لاکھ روپیہ دیکر وہاں کی سول ایجنسی خریدی ہے۔

نیز اسکی تعریف میں مہاتما گاندھی جی کے سابرمتی آشرم سوراجیہ بھون الہ آباد۔ ہندو یونیورسٹی بنارس ہسپتالوں ضلع و ریاستی و سودیشی نمائشوں سیوا سمیتیوں۔ مہابیر دلوں۔ فیکٹریوں اور ہندستان اور امریکہ کے بے شمار معززین سے میڈل اور سارٹیفکٹ ملے ہیں۔

رام تیل کی ایک شیشی ہمیشہ اپنے پاس رکھیں تاکہ مصیبت میں فوراً فائدہ حاصل کریں۔

آرام انجن رجسٹرڈ

ضعف بصارت اور آنکھوں کے دیگر امراض میں نہایت ہی مفید ہے ۹۰ فیصدی حالات میں دکھتی آنکھوں میں استعمال کرنے سے چند گھنٹے کے اندر مکمل فائدہ ہوتا ہے۔

قیمت ایک تولہ ۱۲؍ تین ماشہ ۸؍

رام تیل کی طرح آرام انجن بھی ہمیشہ اپنے گھر میں موجود رکھیں اور روزانہ استعمال کریں

ناتاماشہ رجسٹرڈ

مرض احتلام رقت منی اور مستورات کے سیلان الرحم اور کمر کے درد کیلئے نہایت ہی اکسیر دوا ہے اکثر حالات میں فوراً فائدہ کرتی ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ

آنند پھل رجسٹرڈ

اسکے سیون کرنے سے گربھوتی عورت کے لڑکا ہی ہوگا مگر حمل دو یا تین ماہ سے زائد نہ ہو ورنہ دوائی کارگر نہ ہوگی۔

قیمت فی شیشی دس روپیہ

نوٹ:۔ نمبر ۳-۴-۵-۶-۹ صرف جڑی بوٹیوں ہی سے تیار کیگئی ہیں

سنتان داتا رجسٹرڈ

اسکے سیون کرنے سے بے اولاد عورتیں سنتان والی ہو جاتی ہیں مگر ماہواری ایام کا ٹھیک ہونا ضروری ہے قیمت فی شیشی تین روپیہ ہے۔

نوٹ:۔ یہ دوا مرد و عورت دونوں کو کھلائی جاتی ہے

آنند چورن رجسٹرڈ

نہایت ہی اشتہا انگیز دوا ہے مروجہ کمزوری میں عموماً پہلی خوراک ہی جادو کا اثر دکھلاتی ہے قبض کرنے کے بجائے قبض دور کرتی ہے

قیمت فی شیشی ایک روپیہ عہ

گونوناش رجسٹرڈ

نئے و پرانے سوزاک کیلئے اکسیر ہے۔ فی شیشی عہ

اکسیر ملیریا رجسٹرڈ

عموماً ایک ہی خوراک سے باری کا بخار جاتا رہتا ہے

قیمت ۸ گولی کی شیشی عہ ۸ گولی ۸؍

مرہم رام تیل رجسٹرڈ

ہر قسم کے پیپ دار رسنے والے گھاؤ آبلہ۔ بہتی۔ کنٹھ مالا۔ پھوڑا پھنسی وغیرہ کے لئے نہایت ہی اکسیر ہے عام طور پر ۲۴ گھنٹہ کے اندر اندر زخم صاف کرکے زخم بھرنے لگتا ہے

قیمت فی ڈبیہ چھوٹا سائز ۶؍ بڑا سائز ۸؍

ملنے کا پتہ

اپنے شہر کے ایجنٹ یا **رام تیل فارمیسی بازار چرخہ والان دہلی** سے طلب کریں

ہمارے ایجنٹ:۔ لکھنؤ — نابل پنساری امین آباد + کانپور — ماسٹر محمد حافظ محمد نامر + الہ آباد — مہابیر پرشاد موتی لال چوک + بمبئی — راجہ میڈیکل ہال + شاہجہانپور — نیشنل میڈیکل سٹورس

سچی زندگی کی کہانی

۱

شوہر نے بیوی سے پوچھا کہ میں اپنی زندگی کا بیمہ کرالوں ؟

لیکن عورتیں تو جذباتی ہوتی ہیں—اسکو بیوی کو یہ برا لگا کہ اپنے شوہر کی جان کا سولی کرے—شوہر نے سمجھایا—لیکن بیوی نہ مانی—شوہر نے بعد کو سوچا کہ بیوی اپنے جذبات سے کام لیتی ہے تو میں اپنے جذبات سے کام لوں—اگر میرے نزدیک بیمہ کرانا مناسب ہے تو کرالوں—

۲

کئی برس گذر گئے—اس چھوٹے گھرانے پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا—معمولی بیماری کے بعد شوہر مر گیا—تمام عزیزوں دوستوں نے ہمدردی کی—لیکن مدد کسی نے نہ کی—اب بیمہ کمپنی کی خدمت کا وقت تھا—

بیس سال بعد

۳

امی جان !

آج جب میں نے بیس سال پہلے کی باتیں سوچیں تو ابا کی یاد آئی—اگر آج انہوں نے زندگی کا بیمہ نہ کرایا ہوتا تو نہ تم وطن میں اچھے گھر میں ہوتیں اور نہ میں انگلستان میں ہوتا—شاید کلکتہ میں بیمہ کمپنی اور بیمہ ایجنٹ کا ممنون ہوں—کوئی نہ ہوتا—

ہندوستانی بیمہ کمپنیوں میں زندگی کا بیمہ کرائیے

Title cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

جلد ۳ — نمبر ۲۰ } کانگرس کا ہفتہوار اخبار — لکھنؤ ۲۱ مئی ۱۹۳۹ع { فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

مسٹر یوسف مہر علی بمبئی میں ہندستانی صنعت و حرفت کی نمائش کا افتتاح کر رہے ہیں

بوس اور گاندھی کی خط و کتابت

بوس اور گاندھی کی خط و کتابت سے کوئی نئی بات تو نہیں معلوم ہوئی مگر یہ ضرور صاف ہو گیا کہ ان دونوں کی نقطۂ نگاہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دونوں آزادی کے لئے یکساں بیقرار ہیں، دونوں ملک و قوم کی خدمت کے لئے ہر طرح تیار ہیں، اور دونوں آزادی حاصل کرنے کا تنہا ہتھیار عدم تشدد کو سمجھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی واقعات کو دیکھنے، ان سے نتیجے نکالنے، اور اپنا طریقہ کار بنانے میں دونوں میں مشرق و مغرب کی دوری ہے۔

سوبھاش بوس کے نزدیک اس وقت برطانیہ بہت کمزور ہو گئی ہے، اس میں کسی بڑی ستیہ گرہ کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں۔ اور دوسری طرف ملک کے نوجوان سامراج سے ٹکر لینے کے لئے بیچین ہو رہے ہیں۔ اس لئے جلد سے جلد جارحانہ کارروائی شروع کر دینا چاہئے۔

گاندھی جی کے نزدیک تشدد کی وبا بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اور کانگرس میں بدنظمی بہت زیادہ ہے۔ اس صورت میں اگر ملک نے کوئی بڑی لڑائی ستیہ گرہ کی، تو وہ ضرور ناکامیاب رہیگی۔ اس لئے جب تک ملک عدم تشدد میں مشاق نہو جائے، اور کانگرس کا نظام نہ مضبوط ہو جائے کوئی بڑی لڑائی نہ اٹھانا چاہئے۔

سوبھاش بوس کا خیال ہے کہ آپس کے جھگڑوں کی جڑ، تشدد کا شبہ ہونا ہے اور بدنظمی کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ہم میں دستور پسندی اور غرضمندی آگئی ہے۔ اگر ہم ایک بڑی لڑائی چھیڑ دیں تو یہ سب باتیں خود بخود درست ہو جائیں گی۔

اس نقطۂ نگاہ کا اختلاف عملی کاموں میں بھی آ کر ظاہر ہو رہا ہے مثال میں ریاستوں کے مسئلے کو لیجئے۔ گاندھی جی کے نزدیک ابھی ریاستی رعایا اتنی منظم اور عدم تشددی نہیں ہے کہ وہ آزادی کی لڑائی چھیڑ دے۔ اس لئے سر دست ستیہ گرہ کا بند ہو جانا ہی مناسب ہے۔ لیکن سوبھاش کے نزدیک ان کو اتنا کم منظم نہ سمجھنا چاہئے۔ اگر ان میں تنظیم کی کمی ہے تو ان کی لڑائی ان کو منظم کر دے گی۔ اس لئے ان کی لڑائی کو روکنے کے بجائے ان کی مدد کرنا چاہئے۔

دوسری مثال صوبائی حکومتوں کی ہے۔ ایک کے نزدیک ان حکومتوں کی مدد سے ہم عوام کی حالت سدھار سکتے ہیں اور یوں عوام کو منظم کر کے انقلاب کے لئے راستہ تیار کر سکتے ہیں۔ اس لئے اگر انقلابی طاقتیں یعنی کسان و مزدور راستے آگے بڑھنے لگیں کہ ہم سے حکومتوں کو آزادانہ کام کرنے میں رکاوٹیں پڑیں تو ان کو روک دینا چاہئے۔ جیسا کہ سردار پٹیل نے گاندھی سیوا سنگھ کے پچھلے میں کہا کہ "اگر ہم اپنی تنظیم مضبوط کر لیں، تو ہم بڑا لڑے بغیر فتح پا سکتے ہیں۔ لیکن بجائے اس کے کاشت کسی طرح کی جدوجہد سے وزارت کا کام خراب کر رہے ہیں۔"

دوسرے کے نزدیک عوامی انقلابی طاقتوں کو منظم کرنا اور ان میں جارحانہ روح پھونکنا بہت ضروری ہے۔ صوبائی حکومتوں کو بھی اس طرح چلانا چاہئے کہ ان جماعتوں کے بڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔

جب سے کانگرس نے وزارت قبول کی ہے، تب سے کانگرس کے داہنے بازو اور بائیں بازو کے اختلاف نے یہ رنگ اختیار کیا ہے کہ داہنا بازو تو حکومت کو کامیاب بنانا چاہتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ کانگرس کی وسعت اور تنظیم کرنا چاہتا ہے۔ اور بایاں بازو مزدوروں اور کسانوں کو منظم کر کے کانگرسی حکومتوں سے زیادہ سے زیادہ انقلابی تبدیلیاں کرانا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بازوؤں کی بہادرانہ جنگ سے کانگرس اور عوام کو بہت فائدہ ہوا۔ کیونکہ اس طرح کام کرنے سے کہیں کہیں دونوں بازوؤں میں معمولی ٹکر ہو گئی، مگر مجموعی طور پر کانگرس دونوں محاذ پر تیز رفتاری سے چلتی رہی اور چل رہی ہے۔

ادھر کانگرس طاقت پکڑتی گئی اور ادھر ہمارا دشمن برطانوی سامراج کمزور ہوتا گیا۔ اور ہوتے ہوتے یہ نوبت پہنچ گئی کہ اس کی کمزوری سے ساری دنیا واقف ہو گئی۔ اس کی کمزوری نے یہ سوال کھڑا کر دیا۔

دشمن کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر کیوں نہ اس پر حملہ کردیا جائے۔
عجب اتفاق ہے کہ اس سوال کے ساتھ ہی ایک سوال اور اٹھا۔
کانگرس کے ہاتھوں میں حکومت آجانے سے جہاں عوام کو اپنی طاقت پر بھروسہ ہوگیا، اور وہ کانگرس میں آنے لگے، اور الگ الگ جماعتیں بنا کر بھی منظم ہونے لگے۔ یعنی ملک کی انقلابی طاقت بہت مضبوط ہوگئی وہاں یہ بھی ہوا کہ بہت سے غرض کے بندے کانگرس میں گھس آئے۔ انھوں نے اپنے مطلب کیلئے طرح طرح کی حرکتیں کیں۔ فرضی ممبر بڑھائے۔ فرقہ پرستی پھیلائی اور لازمتوں اور عہدوں کے مسئلوں پر عوام کے مسئلوں کو قربان کردیا۔

اس بے نظمی کے ہوتے ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کانگرس کے ممبر کتنے ہیں، اور ممبروں کی خواہش کیا ہے؟ اس لئے ایک سوال یہ اٹھ کھڑا ہوا کہ اس گندگی سے کانگرس کو کیسے پاک کیا جائے؟

سوبھاش بوس اور ان کے خیالات کے لوگوں نے پہلے سوال کو زیادہ اہمیت دی۔ اور یہ محسوس کرنے لگے کہ اس وقت چوکنا اتنی بڑی غلطی ہے جس کی تلافی کبھی نہیں ہوسکتی۔ اس وقت فوراً برطانیہ پر حملہ کردینا چاہئیے۔ رہی تنظیم کی کمزوری تو جب کانگرس جارحانہ کارروائی کرنے لگے گی تو وہ خود بخود دور ہو جائے گی۔ کیونکہ اس وقت اس میں صرف وہی لوگ ٹھہریں گے جو سچے انقلابی ہوں گے۔ یہ محسوس کرکے سوبھاش بوس الکشن میں کھڑے ہوئے۔

دوسری جماعت کے خیالات ہم کو زیادہ تفصیل سے نہیں معلوم ہیں۔ لیکن اتنا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک ابھی عوامی لڑائی چھیڑنا ملک کے لئے سخت خطرناک ہو۔ اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔ اس وقت اس بات کی ضرورت ہو کہ تعمیری کاموں سے عوام کو مضبوط کیا جائے اور عدم تشدد ان کے رگ و ریشے میں پہونچا دیا جائے۔ اس لئے ان لوگوں نے سوبھاش بوس کے الکشن کی سخت مخالفت کی۔ اور جب سوبھاش بوس جیت گئے تو گاندھی جی نے یہاں تک کہہ دیا کہ "ستیارمیہ کی ہار میری ہار ہے" اس کا مطلب یہ تھا کہ اب کانگرس ایسے راستہ پر جانا چاہتی ہے جو میرے نزدیک غلط ہے۔

کانگرس بڑی سے بڑی چیز قربان کرسکتی تھی مگر گاندھی جی کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ گاندھی جی کی خفگی نے کانگرسیوں کا رنگ بدل دیا۔ اور انھوں نے پنتھ قرارداد کی بہت جوش سے موافقت کی۔ اور بظاہر ایسا نظر آنے لگا کہ پنتھ قرارداد نے پھر دونوں دھاروں کو ملا کر ایک سمندر بنا دیا۔

لیکن اصل یہ ہے کہ پنتھ قرارداد نے بلا بنیادی جھگڑوں کو صاف کئے دونوں گروہوں کو ملانے کی کوشش کی تھی۔ اور ملانے کا کام گاندھی جی کے سپرد کردیا تھا۔ گاندھی جی دونوں گروہوں کے خیالات سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اب حالات ایسے بدل چکے ہیں کہ دونوں گروہ ایک ساتھ کام نہیں کرسکتے۔ اس لئے موجودہ حالت میں صرف یکرنگی کا جینہ بن سکتی ہے۔ لیکن یہاں پر ایک دستوری الجھن پیدا ہوگئی۔ وہ یہ کہ سوبھاش بوس جو کابینہ بھی بناتے وہ گاندھی جی کی مرضی سے بنانا چاہئیے تھی۔ اس لئے یکرنگی کابینہ بھی گاندھی جی کی مرضی کے بغیر نہیں بن سکتی تھی اور گاندھی جی اپنی کابینہ کو جو ان کے خیالات کے خلاف کام کرنے جارہی ہے کیسے اپنی مرضی دے سکتے تھے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ صدر اس قرارداد کو پورا کرنے سے مجبور ہوگیا۔ اور اس کو استعفیٰ دے دینا پڑا۔

پنتھ قرارداد ایک غلطی تھی۔ مگر اس وقت یہ غلطی غلطی اس وجہ سے نہیں معلوم ہوئی کہ یہ خبر اڑ گئی تھی کہ گاندھی جی نے اس قرارداد کو پسند کرلیا ہے۔

یہ غلط خبر کانگرس کی بدنظمی کی بدترین مثال ہے۔ اور جو اس خبر کے اڑانے کا ذمہ دار ہے اس نے کانگرس کو سخت نقصان پہونچایا ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ خبر نہ اڑتی تو کوئی نہ کوئی درمیانی راستہ ضرور نکل آتا جس پر دونوں گروہ مل جاتے۔ مگر اس خبر نے بہت سے ان لوگوں کو جو ایک غیر جانبدار تھے اور درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش میں تھے بہت سختی سے پنتھ قرارداد کے موافق بنا دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے اور ٹھیک سمجھتے تھے، کہ جو انقلابی لڑائی بلا گاندھی جی کے دو برس میں جیتی جاسکتی ہے، وہ گاندھی جی کو لیکر چھ مہینے میں جیتی جاسکتی ہے۔
لیکن اس قرارداد نے انجام کار سوبھاش بوس کو استعفیٰ دینے پر مجبور کردیا۔

ہراولی گروہ

ہراولی گروہ (فارورڈ بلاک) نے کانگرس کی گئی جماعتوں میں ایک جماعت اور بڑھادی ہے اور اس کو ایک طرح کی پھوٹ کہا جاسکتا ہے لیکن سوبھاش بوس کے خطوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ کا بننا تاریخی حیثیت سے ویسے ہی ضروری ہوگیا ہے جیسے کہ کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا بننا یا مزدور سبھاؤں اور کسان سبھاؤں کا قائم ہونا کیونکہ ایک بہت بڑی جماعت جو انھیں اصولوں کی پابند ہے جن کی کانگرس پابند ہے مگر وہ واقعات کو ذرا الگ نگاہ سے دیکھتی ہے اور دوسری طرح کام کرنا چاہتی ہے۔ ہم اس کو پسند کریں یا ناپسند کریں۔ وہ رہیگی ضرور ۔۔ اور سچ پوچھو تو ایسی جماعت کا رہنا ہر سیاسی جماعت کے لئے برکت ہوا کرتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سوشلسٹوں نے کانگرس کو آگے نہیں بڑھایا؟ یا یہ کہ کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں نے ہندستانیوں میں بیداری نہیں پھیلائی؟ ایسے گروہ اپنے ساتھ ایک بیباکی اور نئے دن لیکر آتے ہیں جو رفتہ رفتہ پرانے گروہ کی ہوشمندی اور عاقبت اندیشی سے اپنی جگہ پاتے جاتے ہیں، اور ملک ان جوہروں سے آراستہ ہوکر ہمت و جرأت سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

داہنا بازو اور بایاں بازو

یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ داہنا بازو ہمارے [illegible] سے صلح کرلینا چاہتا ہے۔ صرف منہ موڑ کر اور غیر ذمہ دار بنکر ایسی باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی

سخت غلطی ہے کہ بایاں بازو صرف غیر ذمہ دارانہ کام کرنا چاہتا ہے یا یہ کہ اس کے سامنے کوئی تعمیری پروگرام نہیں ہے، یا یہ کہ وہ تشدد کرنا چاہتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ملک کے تمام انقلابی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ کانگرس سے بائیں بازو کو نکال دیجئے۔ تمام نوجوان، تمام کسان سبھائیں، تمام مزدور سبھائیں کانگرس دشمن بن جائیں گی اور تمام تعلقدار سبھائیں اور سرمایہ دار سبھائیں کانگرس کی زبردستی ہمدردی کرنے لگیں گی۔ اور فرقہ پرستی اس میں گھسنے لگے گی۔ کیونکہ مزدور سبھائیں اور کسان سبھائیں وہ چٹانیں ہیں جہاں پہونچکر فرقہ پرست جماعتیں منہ کی کھاتی ہیں۔ اسی طرح اگر داہنے بازو کو الگ کر دیجئے تو تمام دیہاتی و شہری تعمیری کام جنھوں نے سالہا سال سے ہندستانی غریبوں کے دلوں میں گھر بنا لیا ہے اور جنھوں نے کانگرس میں سماجی اصلاحی رنگ ملاکر اس کو بہت طاقتور جماعت بنا دیا ہے نکل جائیں گے۔ اور کانگرس کی موجودہ روحانی اور جذباتی اپیل جاتی رہے گی۔ اگر ابھی کانگرس لوگوں کی زندگی کا تین چوتھائی حصہ گھیرے ہے، تو اس وقت مشکل سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی حصہ پر قبضہ کر سکے گی۔

یہ دونوں بازو کانگرس کے لئے ویسے ہی ضروری ہیں جیسے کہ جسم کے لئے دو بازو۔ اب رہا یہ سوال کہ اس وقت دونوں میں سے کس کا طریقۂ کار درست ہے۔ اس کا فیصلہ ملک اور عوام پر چھوڑ دینا چاہئیے۔

اب صرف دو سوال غور طلب رہ جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کانگرس کا کام کیسے چلایا جائے، اور دوسرے یہ کہ ہراولی گروہ اور بائیں بازو کے اور گروہوں میں کیسے تعلقات رہیں۔

پہلا سوال شاید خود بخود حل ہو رہا ہے۔ سنا ہے کہ کانگرس کے کابینہ میں کچھ تغیر ہونے والا ہے۔ اس میں بائیں بازو کے کچھ ممبر لئے جائیں گے۔ یہ خیال بہت اچھا ہے کیونکہ موجودہ کابینہ بائیں بازو کے خیالات سے بالکل ناواقف ہے، اس لئے اس کے طریقۂ کار سے یہ خطرہ ہو سکتا ہے کہ بایاں بازو داہنے بازو کی طرف سے بدگمان ہو جائے۔

بایاں بازو ہمرنگی کابینہ اور غیر مشروط اتحاد کا حامی ہے، اس لئے ہم کو یقین ہے کہ وہ کابینہ میں شریک ہونے سے انکار نہ کرے گا۔ اور بہت بہتر ہو گا اگر اس کے ایک ممبر سوبھاش بابو بھی ہوں۔

اگر ہراولی گروہ نے بائیں بازو میں پھوٹ ڈالدی تو بہت افسوس کی بات ہوگی۔ اس وقت اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ جو پروگرام بنائے داہنے بازو کی سب جماعتوں کی مرضی سے بنائے۔ اس وقت کانگرس کو ہراولی گروہ سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ لیکن اگر اس نے بائیں بازو کی جماعتوں میں میل کے بجائے پھوٹ ڈالدی اس وقت ہم کو ضرور افسوس ہوگا۔

کانگرس کی تنظیم کیسے مضبوط ہو؟

اس وقت یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کانگرس کا چار آنہ ممبر بنکر ساری زندگی ہندو جاتی سنگٹھن، یا ملت اسلامیہ کی تنظیم میں صرف کردے۔ یا اردو ہندی کے جھگڑوں میں پڑ جائے۔ اس تنظیمی کمزوری کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے فرقہ پرست لوگ کانگرس میں گھس آئے ہیں اس وقت ہمارا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے کانگرس کو پاک کر دیں اور اس غرض سے یہ شرط لگا دیں کہ جو شخص کانگرس کا ممبر ہو وہ کسی فرقہ وارانہ جھگڑے میں نہیں پڑ سکتا ہے۔

برطانیہ اور روس کا سمجھوتہ

برطانیہ نے زبانی کہنا شروع کر دیا کہ برطانیہ فرانس اور روس باہم ملکر یورپ کی مشرقی ریاستوں کی آزادی کے ضامن ہیں۔ مگر روس سے جو بات چیت کی اور جس طرح سمجھوتہ کیا اس میں روس کو کھوٹ معلوم ہوا۔ اور روسی اخباروں نے غل مچایا کہ یہ ضمانت امانت کچھ نہیں ہے۔ اب کی پھر برطانیہ وہی کرنا چاہتی ہے جو میونخ میں کیا تھا۔ اس پر برطانیہ نے پوچھا کہ ہماری کس بات سے روس کو یہ شبہ ہو رہا ہے۔ جواب میں روس نے ایک تحریر بھیجی ہے۔ ابھی تک برطانیہ نے اس تحریر کا کوئی جواب نہیں دیا ہے۔

قصہ یہ ہے کہ روس کی یہ خواہش ہے کہ برطانیہ فرانس اور روس میں ایک اس قسم کا معاہدہ ہو جائے کہ اگر کسی طاقت نے ان تینوں میں سے کسی پر، یا یورپ کی مشرقی ریاستوں پر، یا بحیرۂ بالٹک کی ریاستوں پر، یا سوئزرلینڈ پر حملہ کیا تو ان تینوں طاقتوں میں سے ہر ایک حملہ آور سے لڑے گا۔ لیکن برطانیہ یہ چاہتی ہے کہ صرف ان چھوٹی ریاستوں کی حفاظت کی ذمہ داری لی جائے جو روس اور جرمنی کے درمیان میں ہیں، اور وہ بھی اس صورت میں کہ لڑائی چھیڑنا برطانیہ کے اختیار میں رہے۔ گویا کہ اگر برطانیہ اور فرانس پولینڈ اور رومانیا کے بچاؤ کے لئے لڑائی چھیڑیں تو روس ساتھ دیگا۔ لیکن اگر روس ان کے بچاؤ کے لئے لڑائی چھیڑے تو؟ برطانیہ اور فرانس اس کی کوئی ذمہ داری نہیں لیتے۔ اسی طرح وہ بالٹک کی ریاستوں اور سوئزرلینڈ کی بھی کوئی ذمہ داری نہیں لیتے۔

چیمبرلین کا ترجمان "ٹائمس" لکھتا ہے "روس سے کسا بندھا معاہدہ دوسروں سے بات چیت کرنے میں رکاوٹ ڈالے گا، حالانکہ دنیا میں سمجھداری لانے کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے"

یقیناً یہ بات چیت جس سے دنیا میں سمجھداری پیدا ہوگی ہٹلر سے کی جائے گی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہٹلر سے بات چیت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ چھوٹی ریاستوں کی زندگی کی ایسی ضمانت نہ کی جائے جس کی پرس رائے دیتا ہے۔ کیونکہ ہٹلر کو برطانیہ کی اسلحہ بندی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اس کو شکایت اگر ہے تو اس ضمانت سے

حلقہ بندی کا مقابلہ

حلقہ بندی کا مقابلہ ہٹلر دو طرح سے کر رہا ہے ایک طرف تو اپنے کو مضبوط کر رہا ہے۔ بلقانی ریاستوں میں دن بدن زیادہ گھستا جا رہا ہے اور روم برلن محور کو مضبوط کر رہا ہے، اور دوسری طرف کاٹ چھانٹ کر چھوٹی ریاستوں کو حلقہ بندی سے الگ رکھنے پر مجبور کر رہا ہے۔

اٹلی اور جرمنی میں اب کسی نئے معاہدے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن ملان میں کاؤنٹ سیانو اور ہیر وان ربن ٹراپ میں بات چیت ہوئی اور دونوں ملکوں کے تعلقات کو ایک فوجی اور سیاسی معاہدے سے جکڑنے کی آخری کارروائی کر دی گئی۔

برطانیہ اور فرانس اس پھیر میں تھے کہ مسولینی کو توڑ کر اپنی طرف کر لیں — یہ معاہدہ اس کوشش کا معمولی سا جواب ہے۔

دوسری طرف ہٹلر نے شمالی ریاستوں سے اس بات کا معاہدہ کرنا چاہا کہ ہم ایک دوسرے سے لڑائی نہیں چھیڑیں گے۔ اب یہ ریاستیں اس مشکل میں پڑ گئیں کہ اگر یہ معاہدہ کرتی ہیں تو ہٹلر کے جال میں پھنسی جاتی ہیں۔ اور اگر انکار کر کے حلقہ بندی میں شریک ہوتی ہیں تو یہ الزام لگتا ہے کہ یہ ریاستیں فسادی ہیں۔

اس طرح پھانسنے کا فائدہ یہ ہوا کہ سوئیڈن، ناروے، فن لینڈ اور ڈنمارک نے مجبور ہو کر یہ طے کر دیا کہ ہم کسی معاہدے میں نہیں شریک ہوں گے۔

ڈینزگ کی قسمت - دوسرا میونخ

برطانیہ اور فرانس کا اگر یہی رویہ رہا تو ڈینزگ اور پولستانی رہگذر کا بچنا مشکل ہی ہے۔ اور اگر یہ دونوں ہٹلر کے ہاتھ میں چلے گئے تو پھر پولینڈ کے لئے سمندر کی طرف نکاسی کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ یوں اس کا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ اور مجبوراً وہ جرمنی کی ماتحت حکومت بن جائے گا۔

ہٹلر پولینڈ سے معاہدہ توڑ ہی چکا ہے۔ اب جرمن اخبارات زیادہ مچا رہے ہیں کہ پولینڈ میں جرمنوں پر ظلم ہو رہے ہیں۔ اور جرمنی فوجیں پولینڈ کے سرحد پر جمع ہو رہی ہیں۔ برطانیہ اور فرانس یہ دیکھ رہے ہیں اور خاموش ہیں۔ گویا یہ سیاسی دباؤ ان کو ناپسند نہیں ہے یہ بھی وہی میونخ والی پالیسی ہے۔

بیچارا پولینڈ اس دباؤ میں آ گیا۔ اور کرنل بک نے ہٹلر کے جواب میں جو تقریر کی ہے اس میں کہا "ہم اپنے سمندر پار کی تجارت اور جہازوں کے آمد و رفت کے حقوق کو نہیں چھوڑ سکتے"۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر یہ حقوق بچے رہیں تو ڈینزگ اور پولستانی رہگذر جرمنی کے قبضے میں دیا جا سکتا ہے۔

برطانیہ اور فرانس نے کرنل بک کی تقریر پسند کی اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ڈینزگ کو آج نہیں تو کل جرمنی کے حوالے کر دیں گے۔

چٹکلے

—— تماشائی

اللہ اللہ کر کے مسلم لیگ کی ایک "اسلامی خدمت" سرانجام ہو گئی، یعنی چودھری خلیق الزماں لندن میں مسلمانوں کی نمائندگی کر کے بخیر و خوبی مع "وفد" وطن لوٹ آئے۔ خیر ایک کام تو پورا ہوا۔

موصوف نے فرمایا کہ انہوں نے برطانیہ کو خوب سمجھایا بجھایا، اونچ نیچ دکھائی مگر وہ نہ مانتا تھا نہ مانی۔

بڑی خراب ہے برطانیہ! اگر پھر بھی ہمارے خیال میں کسی تعزیری کارروائی سے پہلے ابھی دوبارہ برطانیہ کو اور سمجھا بجھا کر دیکھ لینا چاہئے۔

چودھری صاحب کی آمد پر مسلم لیگ کی طرف سے لکھنؤ میں ایک اشتہار بٹا تھا جس میں لکھا تھا کہ موصوف یورپ جا کر جو "اسلامی خدمات" کئے ہیں ان سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔

بھلا کس کا سر پھرا ہے جو انکار کر کے اپنا اسلام کھوئے۔

سنا ہے کہ مسلم لیگ نے "مدح صحابہ و تبرا" کی بحث حل کرنے کے لئے جو جلسہ کیا، اس میں بھی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔

کتنی شرم ہے کہ کانگرسی سرکار! شہر میں اتنا بڑا ہنگامہ اٹھا کر تسکین نہیں ہوئی۔ اب مسلم لیگ کو آپس میں لڑوائے دے رہی ہے۔ ہو نہ ہو کانگرس کے پاس کوئی بڑا کارگر سفلی عمل ہے۔

اب تک مسلم لیگ کی زندگی صرف "اسلامی جوش" پر تھی۔ جتنا زیادہ "اسلامی جوش" ہوتا، آدمی اتنا ہی اچھا لیگی بنتا۔ لیکن اب تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی میں لیگی بننے کے لئے واجبی واجبی اسلامی جوش ہونا چاہئے۔ نہ تو اتنا کم جوش ہو کہ آدمی مسلمان سے کانگرسی بن جائے۔ اور نہ اتنا زیادہ کہ "مدح صحابہ اور تبرا" کے قصوں میں الجھ جائے۔

ایک مسیحی پرچہ المائدہ نظر سے گذرا۔ اس میں ایک صاحب کانگرس پر الزام لگاتے ہیں کہ کانگرس نے مسیحی مشنریوں کو یہ سخت حکم سنایا کہ "ہم ہند میں ہندو راج قائم کر کے منو سمرتی کا قانون جاری کریں گے۔ اور مذہبی منادی کرنے والوں کو ہند سے باہر نکال دیں گے اور تم انجیل کی منادی نہ کر سکو گے، نہ لوگوں کو مسیحی بنا سکو گے ...... بلکہ کانگرس نے حال ہی میں بے شمار انسانوں کو اچھوت و نیچ قرار دیا۔

چنانچہ ان بیچاروں کو ایک عجیب نام ہریجن دیکر خوش کر دیا ہے اور ان کے سدھار کرنے کے بہانے سے دولت جمع کر رہے ہیں تاکہ اپنی اونچی ذات پر خرچ کریں۔ ہند کے مسیحیوں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ اگر تم کانگرس میں شریک نہ ہو گے تو تمہارے لئے بڑی مشکل ہو گی۔"

عجیب خبریں ہیں! یہ مضمون نگار صاحب رہتے کہاں ہیں؟

"دعوتِ انقلاب"

مسعود اختر جمال

انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

زندگی کب تک رہے مصروفِ خواب
جور سے کب تک رہے دنیا خراب
آگیا ہے اب سرِ برج آفتاب
ہوچکی بیدار دنیائے شباب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

تا کجا یہ ظلم — یہ مظلومیت
تا کجا یہ جہل کی معصومیت
تا کجا یہ لعنتِ محکومیت
تا کجا یہ فاقہ مستی کا عذاب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

ہیبتِ چنگیز و نادر تا بہ کے
تا بہ کے — یہ عشرتِ [illegible]
دیکھ اکھڑے رنگِ محفل اور ہے
پھینک اب بربط و چنگ و رباب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

کانپتے ہیں [illegible]
اب کسی صورت — بہ حدِ کائنات
رک نہیں سکتا یہ طوفانِ حیات
دب نہیں سکتا حوادث سے شباب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

دیکھ — بزمِ عیش میں طوفاں کی رَو
شعلۂ فانوس سے [illegible]

گرا سی تخریب سے تعمیرِ نو

رنگ گیتی سے الٹ بھی دے نقاب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

نذرِ آتش کر غلامی کا رواج
پھونک دے محلوں میں جا کر تخت و تاج
اٹھ بدل دے اب زمانے کا مزاج
رہنما ہے عزم، رہبر ہے شباب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

دیکھ رفتارِ جہاں کی ابتری
ہر طرف برپا ہے جنگِ زرگری
بھول جا افسانۂ "حور و پری"
زندگی ہے اب مسلسل اضطراب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

یہ "امیری" اک غلط دستور ہے
ملکیت اس کی ہے جو مزدور ہے
ہے وہی مختار جو مجبور ہے
اب تو جاگیرداری ہے عذاب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

جاگ اٹھے ہیں سارے [illegible]
"انقلاب عہدِ حاضر کے نقیب"
زر پرستوں کی تباہی ہے قریب
ہونے والی ہے بغاوت کامیاب — انقلاب اے عہدِ حاضر انقلاب

کشمیر کی آزادی کی لڑائی

(آخری قسط۔ پورا مضمون تین قسطوں میں)

قومی تحریک کی جڑ قومی تحریک کی جڑ کشمیری عوام کی حد سے بڑھی ہوئی غریبی اور وہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی بیکاری ہے۔ ہزاروں کشمیری کاشتکاروں کو جاڑوں کے زمانے میں دور دراز شہروں کو اپنا پیٹ پالنے کے لئے چلا جانا پڑتا ہے کاشتکاروں پر لگان کا اور شہری عوام پر مختلف محصولوں کا بوجھ حد سے سوا ہے۔ علاج معالجہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے انسانی جانیں بے حد ضائع ہوتی ہیں۔ حکومت کے ملازموں کو بہت اونچی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ حکومت عوام کی ان سب تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتی ہے جس کے ثبوت میں ۱۹۳۸ء کے بجٹ کی مدیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

آمدنی	۲۴۷۴۷۰۰
اخراجات	
۱۔ شاہی خرچ	۳۰۲۲۰۰۰ } ۳۸۲۸۰۰۰
۲۔ شاہی دفاتر	۸۰۶۰۰۰
۳۔ انتظامی امور	۱۴۳۵۰۰۰
۴۔ عدالت	۴۶۰۰۰
۵۔ پولیس	۱۲۷۱۰۰۰
۶۔ فوج	۴۷۴۰۰۰۰
۷۔ تعلیم	۲۱۹۲۰۰۰
۸۔ علاج	۹۳۴۰۰۰
۹۔ زراعت	۱۶۱۰۰۰
۱۰۔ زچگی	۱۰۰۰۰۰
۱۱۔ تعمیرات	۱۷۳۶۰۰۰
۱۲۔ پنشن اور عطیہ	۱۲۳۳۰۰۰

۱۰ فیصدی سے کم تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ اتنی رقم ۳۶ لاکھ آبادی کی تعلیم کے لئے بے حد ناکافی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت صرف ۹ فیصدی مرد اور ۲ فیصدی عورتیں خواندہ ہیں۔ صرف ۳½ فیصدی آمدنی علاج پر صرف ہوتی ہے جس سے کشمیر بھر میں صرف ۵، چھوٹے بڑے اسپتال ہیں۔ زراعت پر جو کشمیر کا خاص پیشہ ہے اور جس پر وہاں کے عوام کی گذر بسر ہوتی ہے صرف ۰.۶ فیصدی حصہ صرف ہوتا ہے اور یہ مانا جاتا ہے کہ اتنی کم رقم سے وہاں کے کاشتکاروں کی حالت سدھاری جاسکتی ہے، اور زراعت کے فن کو ترقی دی جاسکتی ہے۔ شاہی اخراجات کو آمدنی کا ۱۳ فیصدی حصہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح عوام کی کمائی کا روپیہ فضول اڑایا جاتا ہے۔

پہلے حکومت نے ذمہ دار حکومت کے مطالبے کی تحریک کی زیادہ فکر نہ کی۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کو یقین تھا کہ مسلم کانفرنس جب تک جب اس وقت تک کشمیر کی ساری رعایا حکومت کے خلاف نہیں اٹھ سکے گی اور اس کو یہ امید تھی کہ ہندو راج کے بچانے کے نام سے وہ غیر مسلم رعایا کو مسلمانوں کے خلاف رکھے گی لیکن مسلم کانفرنس کے نام کے بدل جانے سے حکومت کے سارے مقصد خاک میں مل گئے کیونکہ اب سب فرقوں کے نوجوان قومی کانفرنس میں جوق در جوق شریک ہونے لگے۔

۲۵ اگست ۱۹۳۸ء کو ذمہ دار حکومت ڈے منایا گیا۔

اس غرض سے جولائی بھر دیہاتوں کے دورے ہوتے رہے، اور عوام کو اس کی اہمیت سمجھائی گئی۔ کشمیری ہندو ترقی پسند پارٹی نے جس کا دعویٰ ہے کہ اس میں ہندو اور سکھ فرقے کے تعلیم یافتہ نوجوان اور کسانوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ قومی کانفرنس کی تجویز کا پورا ساتھ دیا۔ یہ دیکھ کر حکومت چونک اٹھی اور بہیمانہ تشدد کی اسکیم فوراً تیار کی۔ پہلا شکار راجہ محمد اکبر خاں ہوئے جن پر اس جرم پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا کہ انھوں نے ایک تقریر میں راجاؤں کو فیڈریشن میں شریک ہونے سے روکا تھا اور کہا تھا کہ یہ جال ہندوستان کی غلامی کو مضبوط بنانے کے لئے ہے۔

راجہ محمد اکبر خاں کو عوامی فوج کا ہراول سمجھنا چاہیئے۔ ان کی گرفتاری سے سول آزادی کا سوال اٹھ کھڑا ہوا۔ کیا راجاؤں کی مخالفت کرنا اور فیڈریشن تسلیم کرنے سے انکار کرنا جرم ہے؟ کیا موجودہ طرز حکومت کی مخالفت کرنا، اور غیر ذمہ دار وزارت کی مخالفت کرنا جرم ہے؟ راجہ صاحب نے اپنی باغیانہ تقریر میں عوام کی ترجمانی کی تھی۔

۵ اگست کو ہمدرد نے ذمہ دار حکومت نمبر نکالا۔ اس کے بعض مضمونوں میں حکومت کی پالیسی پر تنقید کی گئی تھی۔ اس لئے مجسٹریٹ نے اس کی اشاعت کو جرم قرار دیا اور اخبار سے ڈیڑھ ہزار اور پریس سے ساڑھے تین سو کی ضمانت طلب کر لی۔ اسی دن ساری ریاست میں بہت دھوم دھام سے ذمہ دار حکومت ڈے منایا گیا جس میں ہر فرقہ نے شرکت کی اور اس میں یہ قرارداد پاس کی گئی۔

"یہ عام جلسہ موجودہ غیر ذمہ دارانہ طرز حکومت کی سخت مخالفت کرتا ہے اور اپنا یہ یقین ظاہر کرتا ہے کہ عوام کی مصیبتیں صرف ذمہ دار حکومت کے قیام سے دور ہوسکتی ہیں۔ اس لئے یہ جلسہ تمام قوم پرست لوگوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ

آزادی کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور آزادی کی آنے والی لڑائی میں شرکت کریں۔ صرف اسی لڑائی کے نتیجے سے عوام کو سیاسی، اقتصادی اور سماجی آزادی مل سکتی ہے۔"

اس احتجاج نے حکومت کی ظالمانہ مشین کو حرکت دے دی۔ اس نے تعزیری قانون اور پولیس کی دفعات کو اپنے ظلموں کے لئے ناکافی سمجھا۔ اور ایک عجیب قانونی چال نکالی جو آرڈیننس (۱۹-ایل) کہا جاتا ہے اور جو رہا سہی عوام کی آزادی کو کچلنے کے لئے دستور کے نام سے جاری کیا گیا تھا۔ پتہ چلا ہے کہ وہ کشمیر میں ۱۹۳۲ء سے برابر جاری ہے۔ اس آرڈیننس کو قریب قریب مارشل لا سمجھنا چاہیئے۔

ہمدرد کو بند کرا دینے کے بعد حکومت نے شیخ عبد اللہ کو تقریریں کرنے کی ممانعت کر دی کیونکہ اس سے رعایا میں بے چینی پھیلتی تھی۔ پریم ناتھ بزاز کو بھی چھ مہینے کے لئے دفعہ ۰۰ا میں پھانس لیا گیا۔ حاجی وہاب الدین مولوی عبد الکریم۔ اور غلام رسول کو بھی پھانس لیا گیا۔ روپ لال پر مقدمہ چلایا گیا۔ یہ سزائیں تھیں ذمہ دار حکومت ڈے منانے کی۔

لیڈر گفت و شنید کرنا چاہتے تھے، مگر حکومت تو تشدد کی تیاریاں کر چکی تھی فوج اور پولیس کو تیاری کے احکامات دئے جا چکے تھے۔ اور ایک خاص قسم کی لاٹھی بند پولیس تیار کی گئی تھی۔ لیکن ابھی تک لیڈر اس کوشش میں تھے کہ حکومت کو کم سے کم مطالبوں پر راضی کریں، اور عوام کی تنظیم کو مضبوط کریں۔ اس غرض سے انھوں نے ایک بیان نکالا جس پر ہر فرقہ کے بڑے بڑے لیڈروں کے دستخط تھے۔

اس بیان میں جہاں کم سے کم مطالبے پیش کئے گئے تھے، اور حکومت کے نظام میں تبدیلی کی خواہش کی گئی تھی، وہاں اقلیتوں کو ان کے جائز حقوق، زبان، کلچر، مذہب اور سیاسی و اقتصادی حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لی گئی تھی۔

۲۶ اگست ۱۹۳۶ء کو سری نگر میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر کے تمام جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کر دی گئی۔ دوسرے دن شیخ عبد اللہ، سردار بدھ سنگھ، غلام محمد صدیق، اور محمد سعید کو نوٹس دیا گیا کہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے آ کر ایک ایک ہزار روپیہ کی اس بات کی ضمانت داخل کریں کہ ان کا چال چلن درست رہے گا۔

لیڈروں نے دوستانہ رویہ اختیار کیا تھا مگر یہ ذلت ان سے برداشت نہ ہوئی۔ اس پر ۲۸ تاریخ کو میونسپلٹی سے باہر ایک جلسہ کیا گیا اور پھر دوسرے دن دفعہ ۱۴۴ کی نافرمانی میں بہت بڑا جلسہ شہر کے اندر کیا گیا۔ اس پر شیخ عبد اللہ، بدھ سنگھ، غلام محمد صدیق، محمد سعید، پنڈت کاشیا پا بندھو فوراً گرفتار کر لئے گئے۔

اس پر عوام میں بڑا جوش پھیل گیا۔ حکومت کی طرف سے نوٹیفکیشن (۱۹-ایل) تو پہلے ہی سے جاری تھا۔ اب ۱۹۱۲ء والا بغاوت کا قانون بھی جاری کر دیا گیا۔ یہ قانون کسی قسم کا ہے؟ اس کو جموں کے سیشن جج نے اپنے ایک فیصلہ میں لکھا ہے:

"عدالت کا ذمہ دار ہو کر میں اس سے انکار نہیں کر سکتا ہوں کہ باغیانہ جلسوں کا قانون ۱۹۱۲ء ابھی تک قانون کی کتابوں میں موجود ہے اور اس وجہ سے میں اس کو جاری کرنے سے انکار نہیں کر سکتا ہوں۔ اگر سختی سے اس کا استعمال کیا جائے تو یہ ہر قسم کی پبلک بحثوں کو جرم قرار دیتا ہے اتنا مناسب ہو سکتا ہے کہ جب اعلیٰ افسروں کو یقین ہو کہ پبلک کے فائدے کے لئے ضروری ہے تو کسی خاص حصہ میں کچھ دنوں کے لئے یہ جاری کر دیا جائے۔ لیکن اس کو زمانے تک پبلک انتظام کا جزو بنا دینے سے پولیس کے ماتحت افسروں اور مجسٹریٹوں کو بہت اختیارات مل جاتے ہیں، اور پبلک بالکل ان کے رحم و کرم پر ہو جاتی ہے۔" اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے۔ وہ ہم سرکاری بیانوں سے لیکر لکھتے ہیں۔

۳۰ اگست۔ شیخ محمد عبد اللہ اور چار لیڈروں کو گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد جلوس نکلا اور ہڑتال کا اعلان کیا گیا۔......... کل گرفتاریاں ۶۶ ہوئیں۔ جلوس بار بار منتشر کیا گیا، اور دو ایک بار معمولی تشدد کا استعمال بھی ہوا۔

۳۱ اگست شہر کے غنڈے جو لڑکوں کو جلوس میں شریک ہونے پر ابھارتے ہیں پکڑے جا رہے ہیں۔ ۲۹ گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔

مجسٹریٹ نے اعلان کر دیا ہے کہ کوئی شخص نعرے نہ لگائے ورنہ جن مقاموں پر نعرے لگائے جائیں گے وہاں تعزیری پولیس لگا دی جائیگی۔ آج ۴۷ گرفتاریاں ہوئیں۔ یکم ستمبر۔ آج حالات بہتر ہیں۔ صرف ۲ گرفتاریاں ہوئیں۔ شام کو ۵۰ آدمیوں کا ایک جلوس نکلا۔ اور اڈے پر پہنچکر جلسہ ہوا اور تقریریں کی گئیں۔ حکم دینے پر لوگ وہاں سے نہیں ہٹے، اس لئے ہلکا لاٹھی چارج کیا گیا۔ اور ۱۸ گرفتاریاں ہوئیں۔

براملا کی خبر ہے کہ وہاں دو خلاف قانون جلسے ہوئے۔ ان کو پولیس نے منتشر کیا۔ دس گرفتاریاں ہوئیں۔

اننت ناگ میں تین گرفتاریاں ہوئیں۔ وہاں کی خاص بات تانگہ اسٹرائک ہے۔ آج اسٹرائک ختم ہو گئی۔ ہڑتال بھی ختم ہو گئی۔ دوکانیں کھل گئیں۔

جموں میں جلوس نکلے۔ یہاں سات گرفتاریاں ہوئیں ۲۔ ستمبر۔ کل شام کو دھانجی بھائی کے اڈے پر ایک جلسہ ہوا تھا جسے پولیس نے منتشر کر دیا۔ شام سے اب تک ۴۳ گرفتاریاں ہوئی ہیں۔ آج صبح کو ایک لاش ملی اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ میوا کے لاٹھی چارج میں مارا گیا۔ اس کے سر پر ایک معمولی چوٹ ہے اور ڈاکٹر کا فیصلہ ہے کہ اس چوٹ سے یہ شخص نہیں مر سکتا۔

پونچھ میں جلوس نکل رہے ہیں۔ لیکن حالات پر قابو ہے۔

۳ ستمبر۔ حالات بہتر ہیں۔ صرف ۱۶ گرفتاریاں ہوئی ہیں۔ کل جموں میں ایک جلوس نکالا گیا۔ جلوس منتشر کر دیا گیا۔ لیڈر گرفتار ہو گئے۔

گندربال میں ایک جلوس نکلا۔ وہ منتشر کر دیا گیا، اور ۴ گرفتاریاں ہوئیں۔ ایک آدمی کل پونچھ میں گرفتار ہو گیا۔

۴ ستمبر۔ پولیس غنڈوں کی خبر لے رہی ہے۔ شہر میں ۴۷ گرفتاریاں ہوئیں۔

۵ ستمبر۔ گندربال میں جلسے ہوئے اور ممنوع نعرے لگائے گئے وہاں کئی گرفتاریاں ہوئیں۔ ۶ ستمبر جموں اور کشمیر کی حالت اچھی ہے۔ ۹ غنڈے گرفتار ہوئے ہیں۔

اور پر جو سرکاری بیانوں کے اقتباسات دیے گئے ہیں ان میں سیاسی کارکنوں کو "غنڈہ" اور "بدمعاش" کہا گیا ہے۔ یہ بدزبانی آج تک کسی حکومت نے نہیں کی۔ ان غنڈوں میں زیادہ تر وکلاء، اسمبلی کے ممبر، تاجر، طلبا، جرنلسٹ اور سیاسی لیڈر تھے جن کی سارے ملک میں عزت تھی۔ آٹھ اسمبلی کے ممبر، چار میونسپل کمشنر یا جج اونچے طبقے کے وکیل، بیرسٹر، تیرہ جرنلسٹ، ایک ڈاکٹر، دس طلبا، دس بڑے بڑے تاجر تھے۔

دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ حکومت حالات کو بہتر کہتی جاتی ہے حالانکہ ریاست بھر میں گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک جڑ پکڑ گئی تھی۔ مگر حکومت ریاست کے اندر اور باہر والوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتی تھی۔ حکومت یہ نہیں بتاتی ہے کہ ان پر امن جلوسوں کو کیوں خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اور کیوں ان پر لاٹھی چارج کیا گیا۔

لاٹھی چارج کو ہمیشہ "ہلکا" کہا گیا۔ حالانکہ سیکڑوں آدمی زخمی ہوئے۔ اور ایک کی جان گئی۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کس طرح واقعات کو دبانا چاہتی تھی۔

ان سرکاری بیانوں میں ان وحشیانہ حرکتوں کا بالکل تذکرہ نہیں جو حکومت نے عورتوں پر روا رکھے۔ اور نہ جلوسوں پر گرم پانی سے حملہ کرنے کا تذکرہ ہے وجہ یہ ہے کہ نعروں کو بھی جرم قرار دیا گیا، اور اس پر تعزیری پولیس کی سزا کی دھمکی دی گئی۔

بڑے بڑے لیڈروں کے مکانوں کی بلا وارنٹ کے تلاشی لی گئی۔ ڈیڑھ مہینے کے اندر، ۵۹ گرفتاریاں ہوئیں جس میں پانچ کو (۱۹-ال) کے ماتحت گرفتار کیا گیا جس کی رو سے قیدی کو گرفتاری کا جرم بتانے کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ کسی نوٹس یا وارنٹ کی ضرورت ہے۔

جب حکومت کو نظر آیا کہ رعایا کو دبانے کے لئے یہی حرکتیں کافی نہیں ہیں تو اس نے بے چینی والے حلقوں پر سخت سے سخت تعزیری محصول لگائے۔ کلامیو ماتے جہاں کرنڈ ۲۵ گھر ہوں گے بارہ ہزار روپیہ تعزیری محصول کے ذریعہ وصول کیا گیا۔ قیدیوں پر دو سو سے لیکر ایک ہزار تک جرمانہ کیا گیا۔ جو لوگ تحریک سے ہمدرد سمجھے جاتے تھے ان کے گھروں پر بھی چھاپے مارے گئے۔ اور روزمرہ کے استعمال کی چیزیں، بچوں کی کتابیں، زیورات اور اکثر پکانے کے برتن تک لے لئے گئے تاکہ ان لوگوں کے جرمانے کی رقم وصول کی جائے۔

حکومت نے تحریر کی آزادی بالکل چھین لی جس اخبار نے ذرا بھی حکومت پر نکتہ چینی کی اس کو بری طرح دبا دیا گیا۔ "ہمدرد" سے پندرہ سو اور کیسری سے ساڑھے سات سو کی ضمانت طلب کر لی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اخبار فوراً بند ہو گئے۔ مختلف اخباروں کے ۷ اڈیٹروں کو سزا دی گئی۔

جیل میں قیدیوں کو انتقامی سزائیں دی گئیں۔ سری نگر کے سنٹرل جیل میں سیاسی قیدیوں پر سخت لاٹھی چارج کیا گیا جس سے بہت سے قیدی بیہوش ہو گئے۔ ایک طالب علم کے ایسی چوٹ آئی کہ کئی روز تک اس کی حالت خطرناک رہی۔ شیخ عبداللہ کو کٹھوا جیل میں رکھا گیا جو لیڈروں کے لئے بہت ... گرم ... رنت کا سپاہی بدھو کو ایک دور دراز کے جیل میں بھیج دیا گیا جہاں جیل کے اشخاص کو چھوڑ کر یہ بالکل اکیلے تھے۔

حکومت نے عام طور پر سیاسی قیدیوں کو بہت ذلیل سمجھا۔ وہ عام حقوق جو عام طور پر برطانوی ہند اور دوسرے مقاموں پر سیاسی قیدیوں کو ملتے ہیں یہاں نہیں دئے گئے۔

تحریک شروع ہوتے ہی پہلے ہفتہ میں تمام ہوشیار لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔ یہ دیکھ کر ایک خفیہ جنگ کمیٹی قائم کر دی گئی، جو روزانہ عوام کو ایک خبرنامے کے ذریعہ ضروری ہدایات دیتی تھی۔ تمام ہوشیار کارکنوں کے گرفتار ہو جانے سے حالات سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ اور اس بات کی ضرورت نظر آئی کہ عوام کو ذرا دم لینے کا موقع دے دیا جائے۔ اس لئے جنگ کمیٹی کے سکریٹری نے نومبر کے دوسرے ہفتہ میں تحریک کے ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس تحریک نے حکومت کے ساتھ ساتھ اور کئی جماعتوں کو مخالف بنا دیا۔ سرمایہ پرست، اور فرقہ پرست لوگوں نے چند غیر ممنون سے مل کر اس کے مخالف ایک پارٹی بنائی۔ اس نے عوامی تحریک پر تین جرم لگائے۔ (۱) تحریک فرقہ پرست ہے (۲) اس میں تشدد ہے (۳) ریاست کی ذمہ دار حکومت کی تحریک کسی کی مخالف نہیں ہے۔

فرقہ پرستی کے الزام کے جواب میں جواہر لال کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے "میرے خیال میں اس امر میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانے میں بےچینی کی بنیادی وجہ غریبی اور بیکاری ہے۔"

کشمیریوں نے بلا لحاظ مذہب ہمیشہ کشمیر کے غریبوں کی حمایت کی آواز اٹھائی۔ اب رہی یہ بات کہ مسلمانوں نے اس میں بہت حصہ لیا اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں ہی کی اکثریت ہے اور اس وجہ سے ان کے دل میں ذمہ دار حکومت ملنے کے بعد کسی طاقت کے ذریعہ دبائے جانے کا خوف نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ مالی حالت میں یہ فرقہ بہت ابتر ہے۔ دوسرے اقلیت کا بھروسہ حاصل کرنے میں دیر لگتی ہے۔ فخر کی بات ہے کہ اب اس تحریک میں بہت سی ہندوؤں اور سکھوں کی جماعتیں بھی شریک ہو گئی ہیں۔

اگر کسی تحریک میں یہ دیکھنا ہو کہ وہ فرقہ پرست ہے یا نہیں تو اس کے مطالبات کو دیکھنا چاہیے۔ یعنی یہ کہ وہ گروہ جن باتوں کے حاصل کرنے کے لئے لڑ رہا ہے، ان سے صرف اسی فرقہ کو فائدہ ہوگا یا تمام فرقوں کو ہماری تحریک کی بنیاد قومی مطالبات ہیں۔ جس میں یہ ہے کہ مہاراجہ کی سرپرستی میں ایسی ذمہ دار حکومت کا قیام جس کی قانون سبھا مشترکہ انتخاب اور مخصوص نشستوں پر تیار ہوگی۔ اور جس میں اقلیتوں کے لئے وہ تمام حقوق محفوظ رہیں گے۔ جن کو اصولاً تو لاً یا عملاً انڈین نیشنل کانگرس نے اقلیتوں کے لئے محفوظ رکھا ہے۔

کشمیر کی تحریک میں تشدد ہے۔ اس الزام کے جواب میں صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ حکومت کو کبھی فوج کے بلانے کی ضرورت نہیں پیش آئی، اور نہ کبھی گولی چلانے کی ضرورت پیش آئی۔ کبھی کبھی کے ہلکے "لاٹھی چارج" کا تذکرہ آتا ہے کہ یا تو تشدد کے مقابلہ میں پولیس نے ستیہ گرہ کر دی، یا پھر تشدد تو نہیں کیا گیا۔

میں نے اپنی غلطی پالی

راجکوٹ کی الجھن پر مہاتما گاندھی کا تازہ بیان!

چیف جسٹس کے فیصلے سے دستبرداری کا اعلان

۱۷ مئی کو راجکوٹ میں مہاتما گاندھی نے ایک بیان دیا ہے جسمیں انھوں نے لکھا ہے۔

"اپنے ساتھ کام کرنے والوں سے مکمل بحث و مباحثہ کے بعد میں نے آج صبح یہاں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مجھے چیف جسٹس کے فیصلے کے فائدوں سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔"

"۲۴ اپریل کو میں نے کلکتہ میں محسوس کیا تھا کہ راجکوٹ میرے لئے ایک تجربہ گاہ ثابت ہوا ہے اسکا تازہ ترین ثبوت وہ بات ہے جسکا کہ میں اب اعلان کر رہا ہوں۔"

گاندھی جی نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی غلطی پالی ہے۔ برت کے ختم پر میں نے کہا تھا کہ یہ برت اتنا کامیاب رہا ہے جتنا کہ اس سے پہلے کوئی برت نہ تھا لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اس میں تشدد ملا ہوا تھا اسلئے کہ اس میں میں نے ٹھاکر صاحب کو اپنا وعدہ پورا کرنے پر مجبور کرنے کیلئے حکومت بالادست کی مداخلت کا مطالبہ کیا تھا۔

"میرے برت کو خالص ہونے کیلئے ٹھاکر صاحب سے ہی طلب ہونا چاہئے تھا اگر اس سے انکا یا انکے مشیر کار مسٹر ویرا والا کا دل نہ پسیجتا تو مجھے صبر کے ساتھ جان دیدینا چاہئے تھی میری آنکھیں نہ کھلتیں اگر میں نے اپنی راہ میں ایسی مشکلیں نہ پائی ہوتیں جنکی کہ مجھے کوئی امید نہ تھی۔"

گاندھی جی کا کہنا ہے کہ اس فیصلہ نے راستہ صاف کرنے کے بجائے مسلمانوں اور بھایاتوں کو انکے خلاف کر دیا ہے۔ اس سے پہلے اُن سے میرے دوستانہ تعلقات تھے اور اب مجھپر ان وعدوں کی خلاف ورزی کا الزام لگایا جاتا ہے جو میں نے اپنے آپ اور بلا سوچے سمجھے کئے تھے یہ معاملہ بھی چیف جسٹس کے فیصلہ کیلئے جانیوالا تھا لیکن اب چونکہ مہاتما گاندھی خود ہی فیصلہ سے دستبردار ہوگئے ہیں اسلئے اسکا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔

گاندھی جی نے مسلمانوں اور بھایاتوں سے معافی مانگی ہے کہ انھوں نے ان معزز فرقوں کو اپنا اپنا مقدمہ تیار کرنے کی تکلیف دی ٹھاکر صاحب اپنی مرضی سے انھیں جو کچھ دیں وہ اسے لے سکتے ہیں معاملہ کرالے اور چیف جسٹس سے بھی انھوں نے تکلیف دہی کی معافی مانگی ہے [illegible]

[illegible]

یا غلطی پر بحث کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ وہ اتنا کہنا کافی ہے کہ عدم تشدد کا طریقہ ان کے ساتھ نہیں برتا گیا اور نہ برتا جا رہا ہے۔"

گاندھی جی نے آخر میں اپنے اوپر یہ الزام لگایا ہے کہ ایک طرف تو وہ دربار ویرا والا کے سر پر فیصلہ کی تلوار لٹکائے ہوئے تھے اور دوسری طرف ان سے امید کرتے تھے کہ وہ اپنی مرضی سے ٹھاکر صاحب کو آزاد خیال اصلاحات دینے کی صلاح دیدیں۔

"سیاسی قیدیوں کا دن"

۱۲ مئی کیلئے صدر کانگرس کی ہدایت

صدر کانگرس ڈاکٹر راجندر پرشاد نے ۱۲ مئی کو "سیاسی قیدیوں کا دن" مقرر کیا ہے اس دن جگہ جگہ جلسے ہوں گے اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ایک بیان کے دوران میں صدر کانگرس نے بتایا ہے کہ اگرچہ پچھلے دو برس میں بہت سے سیاسی قیدی رہا کر دئے گئے ہیں لیکن بنگال اور پنجاب میں اب بھی بہت سے سیاسی قیدی موجود ہیں۔

"جب سیاسی قیدیوں نے اعلان کر دیا ہے کہ انھیں دہشت انگیزی پر عقیدہ نہیں ہے تو مناسب تھا کہ وہ چھوڑ دئے جاتے۔"

"جو لوگ چھوڑ دئے گئے ہیں انھوں نے پھر کبھی کسی دہشت انگیزی کی کارروائی میں شرکت نہیں کی اور انھوں نے اپنے چال چلن سے ثابت کر دیا ہے کہ ان کا کہنا بالکل صحیح تھا لیکن کسی وجہ سے حکومت بنگال عوام کے اس [illegible]

ہی برتاؤ کیا جائے جیسا کہ اُن قیدیوں کے ساتھ کیا گیا ہے جو رہا کئے جا چکے ہیں ماننے پر تیار نہ ہوئی۔"

صدر کانگرس نے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے کلکتہ کے اجلاس کی قرارداد کا حوالہ دیتے ہوئے یہ ہدایت کی ہے۔

"اس قرارداد کے مطابق میں ۱۲ مئی کو سیاسی قیدیوں کا دن منانے کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ اس دن جگہ جگہ جلسے ہوں گے اور انمیں اس موضوع پر مناسب قراردادیں پاس کی جائیں گی۔ مجھے بھروسہ ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ سارے ملک میں یہ دن مناسب طریقہ پر منایا جائے گا۔"

جواہر لال نے بھی اس سلسلہ میں ایک بیان دیا ہے انھوں نے نہ صرف اس صوبہ بلکہ سارے ہندستان کے کانگرسیوں کی توجہ گڑھوالی قیدی ٹھاکر چندر سنگھ کی طرف دلائی ہے اور بتایا ہے کہ اگرچہ ان کے تمام ساتھی چھوٹ گئے ہیں لیکن وہ ابھی تک جیل میں بند ہیں۔

"یہ ہماری موجودہ حالت پر ایک افسوسناک تنقید ہے کہ ہم ابھی تک ان کو نہیں چھڑا سکے ہیں۔ ہمیں یہ نہ برداشت کرنا چاہئیے۔ اور مجھے امید ہے کہ 'سیاسی قیدیوں کے دن' میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا جائے گا۔"

پارلیمنٹری سب کمیٹی

صدر کانگرس نے اعلان کیا ہے کہ نئے سال کی ورکنگ کمیٹی کے آئندہ جلسہ تک پرانی پارلیمنٹری سب کمیٹی بدستور کام کرتی رہے گی۔ ورکنگ کمیٹی اپنے جلسہ میں آئندہ کے لئے جیسا بھی ہو گی بندوبست کر دے گی۔

معلوم ہوا ہے کہ ورکنگ کمیٹی کا آئندہ اجلاس جون کے تیسرے ہفتہ میں بمبئی میں ہوگا۔

ممبران اسمبلی سے استعفے کا مطالبہ

بھوپال ریاستی عوامی کانفرنس کا جلسہ

۱۰ مئی کی رات کو بھوپال ریاستی عوامی کانفرنس کا جلسہ ہوا جس میں ریاست کے رویہ کی مذمت کی گئی اور عوام کو آگاہی دی گئی کہ ریاست انھیں کے نمائندوں کے ذریعہ انکا گلا گھونٹ رہی ہے شاکر علی خاں صاحب نے نئے قانون کی مذمت کی اور اسمبلی میں اسکے محرکوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی جگہ سے استعفے دیدیں۔ نواب صاحب کی قائم کی ہوئی ریفارم کمیٹی کو ناکافی بتایا [illegible]

[illegible]

گاندھی اور بوس کی خط و کتابت

کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کی صلاح دینے کے برابر ہے۔"

انھوں نے بتایا کہ ہری پورہ میں گاندھی جی نے سوشلسٹوں کو کابینہ میں شامل کرنے سے اتفاق کیا تھا کیا اسکے بعد سے صورت حال اتنی بدل گئی ہے کہ وہ یک رنگی کابینہ کا مشورہ دینے لگیں؟ انکا کہنا ہے کہ آپس میں اتفاق کی باتیں اختلافی باتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔

سبھاش چندر بوس نے گاندھی جی سے درخواست کی اگر آپ یک رنگی کابینہ ہی چاہتے ہیں تو کم سے کم آیندہ سالانہ اجلاس تک اپنا اعتماد دیدیجئے اگر ہم اتنے دنوں میں اپنی خدمت اور قربانی سے اپنا وجود نہ ثابت کر سکیں گے تو ہم آپ ہی علیحدہ کر دیے جائینگے

انھوں نے کہا کہ آپکے اعتماد کا مطلب ہوگا آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اعتماد۔ اور اگر آپ اعتماد نہیں دیتے اور ایک رنگی کابینہ پر مصر ہوتے ہیں تو آپ [illegible] قرارداد کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

گاندھی جی نے جواب دیا کہ خلیج اتنی گہری ہے کہ اسے پاٹا نہیں جا سکتا " میں آپ کے گلے کوئی کابینہ نہیں منڈھ سکتا۔ اور نہ میں ایسا کروں گا۔ آپ کو بھی اپنے اوپر کوئی کابینہ نہ عائد کرانا چاہیے۔ نہیں آپ کی کابینہ اور آپکے پروگرام کے آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں منظور کرلئے جانے کی ضمانت کرتا ہوں"

اپنے آخری خطوں میں سبھاش چندر بوس نے بہت زور دیا اور شکایت کی کہ گاندھی جی کے جواب بہت ہی مایوس کن ہیں انھوں نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ آپ اسپر بھروسہ کیجئے کہ لوگ قومی ناگہانی ضرورت کے پیش نظر اپنے ذاتی اختلافات مٹا کر ایک ہوجائیں گے۔

"اگر ہم کانگرس کے اندر ایکا نہیں قائم رکھ سکیں گے تو ہم ملک میں ایکا ہوجانے کی امید کیونکر کر سکتے ہیں"

انھوں نے لکھا کہ ممکن ہے نظریاتی بحث کی وجہ سے یہ الجھن بڑھ رہی ہو اسلئے اگر اس سے دور رہکر لکھنؤ، فیض پور، اور ہری پورہ کانگرس کی جیسی ورکنگ کمیٹی بنائی جائے تو کوئی جھگڑا نہ ہوگا۔

[illegible]

آخر تک۔ انھوں نے یہی لکھا کہ میں کوئی ورکنگ کمیٹی نہیں تجویز کر سکتا ہوں اور صدر کو اپنے ہمخیال لوگوں میں سے ہی اپنی کابینہ بنانا چاہیے۔"

۸ مہینے میں مکمل آزادی! (بوس)

پشت پناہی بغیر الٹیمیٹم بیکار ہے! (گاندھی)

گاندھی و بوس خط و کتابت میں سبھاش بابو نے اپنا پروگرام بھی بتایا ہے انکا کہنا ہے۔

" بین الاقوامی صورت حال و نیز ملک میں اپنی حالت سے تقریباً آٹھ مہینے ہوئے کہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے لئے مکمل آزادی کے مسئلہ کو آگے بڑھانے کا وقت آگیا ہے"

انھوں نے گاندھی جی کو لکھا کہ اگرچہ آپ پر تشدد اور کانگرس کی ابتری کا بہت اثر ہے لیکن میرے نزدیک بنگال تک میں جو تشدد کا گھر تھا اب عدم تشدد اتنا زیادہ ہے جتنا کہ پچھلے تیس برس میں کبھی نہیں ہوا۔ اس لئے ہمیں حکومت برطانیہ کے سامنے اپنا قومی مطالبہ ایک الٹیمیٹم کی صورت میں پیش کر دینا چاہیے"

" الٹیمیٹم کا خیال آپکو اور پنڈت جواہر لال کو پسند نہیں ہے لیکن اپنی ساری پبلک زندگی میں آپ نے حکام کو بہت سے الٹیمیٹم دیے ہیں اور ان سے عوام کے مفاد کو ترقی ہوئی ہے حال ہی میں راجکوٹ میں آپ نے یہی کیا۔۔۔

مجھے اس بات پر اتنا بھروسہ ہے اور میں اتنا خوش عقیدہ ہوں کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ہم اپنی ہمت سے پورا کام لیں اور آگے بڑھیں تو ہم زیادہ سے زیادہ اٹھارہ مہینہ میں سوراج حاصل کر سکتے ہیں"

انھوں نے کہا کہ اسکے لئے میں ہر قربانی کرنے کو اور اگر گاندھی جی رہبری کریں تو ہر تیار ہوں تو صدارت سے مستعفی ہونے یا انکی مرضی کی ورکنگ کمیٹی بنانے کو تیار ہوں۔

گاندھی جی نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ ہوا تک میں تشدد کی بو پاتے ہیں البتہ اسکی شکل بدل گئی ہے انھوں نے لکھا کہ باہمی بے اعتمادی اور ہندو مسلم اختلافات اسکی علامتیں ہیں"

" ان حالات میں میں کسی عدم تشدد والے عوامی کارروائی کی فضا نہیں پاتا ہوں۔ اور بغیر پشت پناہی کے الٹیمیٹم بیکار سے بھی بدتر ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے آپ سے کہا ہے میں ایک بڈھا آدمی ہوں اور شاید میں بزدل اور ضرورت سے زیادہ با احتیاط ہو رہا ہوں آپ کے سامنے جوانی ہے اور جوانی کی نذر خوش عقیدگی۔ میری تمنا ہے کہ آپ سچائی پر ہوں اور میں غلطی پر"

اسپر سبھاش چندر بوس نے راجکوٹ کی مثال پیش کی اور کہا کہ اگر وہاں عدم تشدد عوامی کارروائی ہو سکتی تھی تو پھر برطانوی ہند میں جہاں کے لوگ پہلے سے اسکے عادی ہیں کیوں نہیں ہو سکتی۔

" کیا یہ طریقہ معقول نہ ہوگا کہ ہم اپنی آزادی کی لڑائی کو اسوقت تک روکے رکھیں جبتک کہ دوسری جماعتیں جن سے ہمیں کوئی تعلق نہیں ہے — مثلاً مسلم لیگ — قول و فعل میں عدم تشدد کی پابند نہ ہو جائیں"

ریاستوں کی لڑائی

سبھاش چندر بوس نے راجکوٹ میں گاندھی جی کے رویہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ آپ کو دوسری ریاستوں میں جدوجہد نہ روکنی چاہیے تھی۔ ہندستان میں چھ سو سے اوپر ریاستیں ہیں اور تحریک ہر جگہ ایک ہی ساتھ کیوں نہ اٹھائی جائے۔ بعض آپ کے لاکھوں ہم وطنوں کا خیال ہے چاہے وہ آپ کی ذات کی عزت کے خیال سے وہ صاف طور پر ایسا نہ کہیں۔ ہم نے اور قوم پرست اخبارات نے اسے اپنی فتح کہا ہے لیکن اس میں ہمیں ملا کیا ہے؟ سبھاش بابو کا کہنا ہے کہ سر ماریس گوئر فیڈرل کورٹ کے جج ہیں اور جب ہم نے فیڈریشن کو دور کرنے کا تہیہ کیا ہے تو پھر انھیں کیوں پنچ مقرر کیا گیا۔

گاندھی جی نے جواب دیا کہ میں نے دوسری ریاستوں کی تحریک راجکوٹ کی خاطر نہیں روکی ہے بلکہ راجکوٹ نے میری آنکھیں کھول دیں اور اس نے مجھے صحیح راستہ پر لگا دیا سر ماریس گوئر چیف جسٹس کی حیثیت سے نہیں بلکہ وائسرائے کے مقرر کئے ہوئے ایک پنچ کی حیثیت سے فیصلہ کرینگے۔ گاندھی جی کا کہنا ہے کہ اس طرح پر انھوں نے اس معاملہ میں وائسرائے کی ذمہ داری بڑھا دی ہے۔

پولینڈ — دوسرا چیکوسلاوکیہ

پرانے دنوں نپولین کی بڑھتی ہوئی فتوحات پر لوگ کہنے لگے تھے کہ یورپ کے نقشہ سے تمام حکومتوں کو مٹا کر نپولین لکھ دو۔ بالکل یہی حالت آجکل ہو رہی ہے ہٹلر نے آسٹریا کی آزادی ختم کی چیکوسلاوکیہ اور میمل کو ہڑپ کیا ہنگری کی معرفت روتھینیا پر اپنا اثر جمایا۔ وسط اور مشرقی یورپ کی ریاستوں کو دھونس دیکر ان سے کہلوالیا کہ وہ جرمنی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں محسوس کرتیں اور اب وہ پولینڈ سے ڈینزگ کا شہر اور سرحدی علاقہ سے ہوکر سڑک بنانے کا حق اور تمام وہ علاقے جو ۱۹۲۴ء تک جرمنی کے قبضہ میں تھے واپس چاہتا ہے (اگرچہ ابھی کھلم کھلا اس نے ڈینزگ کی آزادی اور سڑک بنانے کے حق ہی کا مطالبہ کیا ہے۔

یہ سرحدی علاقہ (پولستانی کوریڈر) دراصل صوبہ پوموزن ہے جنگ عظیم کے بعد ورسیلز کے صلحنامہ سے یہ علاقہ پولینڈ کو دیدیا گیا تھا۔ تاکہ اسے بھی سمندر تک جانے کا راستہ مل جائے

ڈینزگ بھی اسی صوبہ میں واقع ہے۔ یہاں کی آبادی زیادہ تر جرمن ہے اور ہٹلر کے شہ دینے پر اب یہ لوگ پولستانی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں۔ پولینڈ کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ جرمنی کے قبضہ میں آنے سے پہلے ڈیڑھ سو برس تک پولینڈ کے ماتحت تھا اسکے علاوہ اس علاقہ سے دستبردار ہوجانے سے اس کی سمندر پار تجارت بالکل ختم ہوجائے گی۔

ہر ہٹلر نے رئیشتاغ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اعلان کردیا کہ جرمنی اب پولینڈ اور جرمنی کے معاہدہ کا پابند نہیں ہے۔ دس سال پہلے انھوں نے پولینڈ سے وعدہ کیا تھا کہ جرمنی پولینڈ کے علاقہ پر قبضہ نہیں کرے گا۔ لیکن آج وہ پولینڈ سے ڈینزگ اور سرحدی علاقہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب پولینڈ اسپر تیار نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں کہ جرمنی ڈینزگ کے جرمنوں کو اپنے سایہ میں لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دس سال پہلے ہٹلر نے وعدہ اسلئے کیا تھا کہ اسے دوسری طرف بہت سے کام تھے۔ اب آسٹریا چیکوسلاوکیہ اور میمل کا قصہ ختم کرکے اسے فرصت ہوئی تو وہ ادھر متوجہ ہوا۔

جس وقت ہٹلر چیکوسلاوکیہ کے حصے بخرے کررہا تھا اسوقت پولینڈ خاموش رہا بلکہ ایک طرح سے اس نے ہٹلر کی مدد بھی کی۔ اب بوہیمیا اور موریویا پر جرمنی کا قبضہ ہوجانے سے پولینڈ اور جرمنی کا ڈانڈے سے ڈانڈا مل گیا ہے اور ہٹلر اپنی فسطائی چالوں سے ڈینزگ کو اپنے اثر میں لے آنے پر تلا ہوا ہے۔

یہ دو طرح سے ہوسکتا ہے ایک تو براہ راست فوج کشی سے (خواہ جرمن فوجیں حملہ کریں یا ڈینزگ کے جرمن خود ہی مسلح بغاوت کرکے اپنی آزادی کا اعلان کردیں) لیکن زیادہ امکان اسبات کا ہے کہ جرمنی پولینڈ میں بھی چیکوسلاوکیہ والا طریق کار اختیار کرے گا۔ اور ہٹلر کی رئیشتاغ والی تقریر سے اسکا امکان اور زیادہ ہوگیا۔ ہٹلر نے بتایا کہ پولینڈ نے انکے مطالبات ٹھکرا دیے ہیں بالکل یہی بات چیکوسلاوکیہ کے معاملہ میں ہوئی تھی جب پراگ نے کارلسباد کی تجویزوں کو رد کردیا تھا۔ اپنے نزدیک ہٹلر پولینڈ کے علاقہ پر قبضہ کرنے میں بالکل حق بجانب ہے بالکل اسی طرح جیسے چیکوسلاوکیہ میں وہ بے قصور تھا۔ چیکوسلاوکیہ کے ساتھ جتنے وعدے تھے سب رد کرکے اپنی فوجی طاقت کی مدد سے اس نے چیک حکومت کو آپ ہی اپنی موت کے فرمان پر دستخط کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ اسی طرح سیاست دانوں کا کہنا ہے کہ اب کہ ہر ہٹلر پولینڈ کے ساتھ اپنے پرانے معاہدے کے ختم ہوجانے کا اعلان کرچکے ہیں۔ وہ اس بات کی کوشش کرینگے کہ پولینڈ پر دباؤ ڈالکر اس سے زیادہ سے زیادہ رعایتیں حاصل کرلیجائیں۔

برطانیہ کا رویہ کیا ہوگا؟ اس کا پتہ بہت کچھ تو ہٹلر کی تقریر ہی سے چلتا ہے۔ اس میں ہٹلر نے برطانیہ سے پیار و محبت کی باتوں کے ساتھ ساتھ حلقہ بندی کی پالیسی پر اسکی مذمت بھی کردی ہے۔ اور اسکے علاوہ نوآبادیوں کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے۔ دراصل اسکی خواہش یہ ہے کہ وہ پولینڈ کے معاملہ میں کسی طرح برطانیہ کو اپنے فائدہ کیلئے استعمال کرے اسلئے وہ کبھی تو دھمکی دیتا ہے اور کبھی برطانیہ کے ساتھ اپنی دوستی اور ہم آہنگی کا اعلان کرتا ہے۔ اگرچہ اس طرف برطانیہ کی رائے عامہ نے وزیراعظم چیمبرلین کو روس کیساتھ گفت و شنید کرنے پر مجبور کردیا تھا اور پچھلے دو ہفتوں میں اس گفت و شنید میں کافی ترقی ہوگئی تھی چنانچہ روس نے ایک برطانوی - فرانسیسی - سوویٹ معاہدے کی تجویز بھی پیش کردی تھی - لیکن سرمایہ داروں کے ایجنٹ مسٹر چیمبرلین اپنے فسطائی دوستوں کے خلاف روس سے کوئی معاہدہ کیونکر کرسکتے؟ انھوں نے روسی تجویز کا گول مول جواب دیا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ روس اور برطانیہ کی گفت و شنید میں رخنہ پڑگیا ہے۔

لندن ٹائمز ہٹلر کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر جرمنی دلی برطانیہ سے اشتراک عمل کرنا چاہتے ہیں تو برطانیہ ان سے ملنے آدھی دور زیادہ بڑھ سکتی ہے نوآبادیوں کے معاملہ میں بھی یہی حال ہے۔ ٹائمس عام طور پر چیمبرلین حکومت کا ترجمان سمجھا جاتا ہے اور اسکا یہ جملہ بتاتا ہے کہ ہوا کس رخ چل رہی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے جب ٹائمس نے یہ بھی لکھا تھا کہ

قضیہ جنگ کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ امن خاطر جنگ کے خطرہ میں پڑ جائے کیا چیمبرلین دوسرے میونخ کے لئے میدان تیار کر رہے ہیں؟ کیا نازی جرمنی اور عارضی امن کی خاطر پولینڈ کو بھی بھینٹ کیا جائیگا؟

ہوگا کیا؟

پولینڈ کی طرف سے وزیر خارجہ کرنل بیک نے ہٹلر کی تقریر کا جواب دیا تھا اس میں انھوں نے کہا تھا کہ پولینڈ معاملہ بھی ہٹ کے سمجھوتہ پر بات چیت کرنے کو تیار ہے۔ اسکے علاوہ پولینڈ میں اندرونی بھینی بھی کافی پھیلی ہوئی ہے جرمن باشندوں کے علاوہ یوکرینین اور روتھینین اقلیتیں شورش اٹھا رہی ہیں۔ دوسری طرف ہٹلر نے رومانیہ - یوگوسلاویہ اور ہنگری کو برطانیہ سے توڑ کر اپنے ساتھ ملا لیا ہے یوں بھی اب برطانیہ سے کوئی خطوشیں بیچ میں سرمایہ داروں کے دوست چیمبرلین سے جرمنی کے خلاف روس کی مدد کرنے اور اس طرح بالواسطہ اشتراکیت کے ہاتھ مضبوط کرنے کی امید نہیں کی جا سکتی۔

بہت ممکن ہے کہ جیکوسلاویکیہ کی تاریخ پھر دہرائی جائے اور امن کی خاطر پولینڈ کو بھی بھینٹ کر دیا جائے۔ اس سے لڑائی ملتوی تو ہو جائیگی لیکن سامراجی نظام میں جنگ کا خطرہ ہمیشہ کے لئے مٹ نہیں سکتا۔ لڑائی ہوگی اور ضرور ہوگی اور پولینڈ کی بھینٹ سے اسکے امکانات بجائے کم ہونے کے اور بڑھ جائیں گے۔

خونیں قرض

(اسرار احمد آزاد)

(۱)

جاپان کی فوجیں اپنی تمام شیطانی طاقتوں کے ساتھ چین کو غلام بنانے کے شرمناک کام میں مصروف ہو چکی تھیں اور چین کا ہر فرزند جاپانی حملہ آوروں کے مقابلہ میں اپنے ملک کی آزادی اور اپنی قوم کی عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی اپنی جگہ اپنے طریقہ پر مدافعت میں مصروف تھا۔ لیکن کپتان ٹاؤلن! وہ کپتان ٹاؤلن، جس نے آج سے سات سال قبل دشمن کے برپا کئے ہوئے مظالم کا بدلہ خون سے لینے کا عہد کیا تھا اور اس تمام عرصہ میں وہ اس عہد کو اپنے ذمہ ایک "خونیں قرض" سمجھ کر تا رہا آج ۱۹۳۸ء کے اس جہاد میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا، وہ معذور تھا۔ جنگ کے شیطان اسے پہلے ہی اسکی دونوں ٹانگوں سے محروم کر چکے تھے۔

۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو کپتان ٹاؤلن، سپاہیوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ چین کے شمالی مشرقی علاقہ سے جہاں اسے وحشی جاپانیوں کے مقابلہ میں پسپا ہونا پڑا تھا واپس آیا، لیکن اپنے دل کی گہرائیوں میں انتقام کا ایک بے پناہ اور ناقابل مدافعت جذبہ لئے ہوئے اسی شب کو اس نے فیصلہ کر لیا کہ جاپانی سپاہیوں کی وحشیانہ حرکات کا بدلہ خون ہی سے لیا جا سکتا ہے، وہ سمجھتا تھا کہ اسکے ذمہ ایک قرض ہے، ایک "خونیں قرض" جسے ادا کرنے سے پیشتر اسے سکون قلب میسر نہیں ہو سکتا۔

۲۸ جولائی ۱۹۳۲ء کو جبکہ جاپانی فوجوں کے مقابلہ میں شنگھائی کی حفاظت کا سوال درپیش تھا کپتان ٹاؤلن اپنے دستہ کے ساتھ اس مقدس جنگ مدافعت میں شریک ہوا اسے یقین تھا کہ اس موقع پر وہ اپنے "خونیں قرض" سے سبکدوش ہو سکے گا لیکن غیر معمولی ہمت و جرات کے ساتھ لڑنے کے بعد اسکے دستہ کے تمام سپاہی اپنے ملک پر قربان ہوگئے، اور خود کپتان اگرچہ موت کے سخت گیر ہاتھوں سے بچ نکلا لیکن اپنی دونوں ٹانگیں نذر کر دینے کے بعد۔ اب وہ ایک زندہ درگور انسان سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا۔ چین کی عزت پر مٹ جانیوالے اپنے رفیق سپاہیوں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانے کے بعد اپنے "خونیں قرض" کی ادائیگی کی تمام راہیں مسدود پاکر اسے صدمہ تھا، شدید، نمایاں، اور بظاہر ناقابل تسکین صدمہ!۔

(۲)

سردی کی طویل اور تاریک راتوں میں لحاف سے سر نکال کر گردوپیش پر نظر ڈالنے والے کسی شوخ مگر معصوم بچہ کی طرح چاند، گہرے سیاہ بادلوں کا نقاب الٹ کر، انسانوں کے خلاف انسانوں ہی کی بلند ہونے والی خون آلود شمشیروں، آگ برسانیوالی توپوں، موت کا پیغام پہنچانیوالی بندوقوں، اور دیکھتے ہی دیکھتے موت کی نیند سلا دینے والے بموں کی بارش کو حیرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور کپتان ٹاؤلن چندر ماؤ یوتا کی ان معصوم نگاہوں کے اثر سے بے نیاز ہو کر اپنے ماضی کے تصور میں مستغرق وہ سوچ رہا تھا۔

"پانچ سال پیشتر ایک ایسی ہی چاندنی رات تھی جب دشمن کے ساتھ ایک دست بدست لڑائی میں وہ اپنے بہادر ساتھیوں کی رہنمائی کر رہا تھا، دشمن کی تعداد انکے مقابلہ میں پانچ گنی زیادہ تھی لیکن اسکے سرفروش ساتھی اپنے ملک کی حفاظت کے جذبہ سے متاثر ہو کر نہایت جرأت و جوانمردی کے ساتھ لڑ رہے تھے، دفعتاً اسکی بائیں ٹانگ میں گولی لگی لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹا بلکہ پہلے سے زیادہ جوش اور استقلال کے ساتھ اپنے "خونیں قرض" کی ادائیگی میں مصروف ہوگیا، حتیٰ کہ دشمن کی ایک برچھی نے اسکی دوسری ٹانگ کو بھی مجروح کر دیا، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اسکے بعد کیا ہوا؟ .... اسے کچھ معلوم نہیں شاید اسکا کوئی بہادر اور وفادار ساتھی اسے جنگ کے میدان سے اٹھا لایا ہو۔ ہاں جب اسے ہوش آیا تو وہ شفاخانہ میں تھا وہیں اس نے اپنے تمام رفیقوں کے ہلاک ہو جانے کا دردناک قصہ سنا وہ واقعہ جو آج پانچ سال گذر جانے کے

بعد بھی اسکے لئے سوہان روح بنا رہتا ہے لیکن اس المناک واقعہ کے ساتھ جب وہ اپنے ساتھیوں کے دلیرانہ مقابلہ کو یاد کرتا ہے تو اسے بے پایاں مسرت محسوس ہوتی ہے ایسی بے پایاں مسرت جسکے مقابلہ میں سے اپنی تمام مصیبتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔

شفاخانہ میں اسکی زخمی ٹانگیں کاٹ ڈالی گئی تھیں اور وہ درد و کرب کو بہادرانہ انداز میں برداشت کر رہا تھا لیکن دفعتاً دشمن کے ساتھ صلح ہو جانے کی اطلاع موصول ہوئی اس اطلاع نے اسے شدید اذیت پہونچائی۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ انکی قربانیاں برباد ہوگئیں افسوس خود . . .
وہ ہمیشہ کے لئے بیکار کاش! وہ اس موقعہ پر جنگ میں شریک ہی نہوا ہوتا اور اپنی قوتوں کو آنیوالی لڑائی میں اپنے "خونیں قرض" سے سبکدوش ہونے کیلئے محفوظ رکھتا۔

کپتان ٹاولن لڑائی میں حصہ لینے کے لئے بیکار ہو چکا تھا، لیکن اسکا دل آج بھی، مردانہ جوش، وطن پرورانہ ہمت اور بہادرانہ تصورات سے معمور اور اپنے ملک کے دشمنوں کے خلاف انتقام اور نفرت کا ایک دہکتا ہوا جہنم بنا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک وقت آئیگا جب چین کے مظلوم بچے اپنے ملک کی بے عزتی کا انتقام لینے کے لئے میدان میں نکل آئینگے اور اسوقت پہلے کی طرح معاہدوں اور صلحناموں کے نام پر انکی قربانیاں ضائع نہو سکیں گی۔ لیکن اس مبارک موقع پر جبکہ چین کا ہر فرزند اپنی وطن دوستی کا مظاہرہ کرتا ہوگا ٹاولن مجبور و معذور ٹاولن مردوں کی طرح اپنی پہیوں والی آرام کرسی پر لیٹا ہوا یاس و حسرت کے ساتھ انھیں دیکھیگا۔
کیونکہ اُسے اُسکی ٹانگیں واپس نہیں مل سکتیں۔

"آہ!" کپتان نے آہستہ سے کہا "وہ وقت آگیا ہے جسکا میں منتظر تھا۔ آج چین کا بچہ بچہ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے سر بکف میدان میں نکل آیا ہے لیکن میں بدقسمت ٹاولن ان کوششوں میں شریک نہیں ہو سکتا۔

اسکی پیشانی پر انتہائی حزن و ملال کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اپنی معذوری کے احساس نے اسکے دل کو زخمی کر دیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگا اور چاند شاید اسکی تکلیف کو نہ دیکھ سکنے کے باعث پھر سیاہ بادلوں میں روپوش ہو گیا۔

"ابا کیا پھر تمہاری ٹانگوں میں درد محسوس ہو رہا ہے؟" یوتن ٹاولن کی لڑکی نے دوسرے کمرہ سے دریافت کیا۔

"نہیں بیٹی" کپتان نے جواب دیا۔

"پھر" لڑکی نے دریافت کیا "تم سسکیاں کیوں لے رہے ہو؟"

"آہ" کپتان نے ضبط کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا "وہی خونیں قرض کا تصور"

"کیوں! آپ ہمیشہ اسی کا خیال کیوں کرتے رہتے ہیں؟"
لڑکی نے تسلی دیتے ہوئے کہا "ابا کیا میں نے تمہیں بار بار یقین نہیں دلایا کہ وقت آنے پر آپ کا قرض ضرور ادا ہوگا اور اگر تم خود اسے ادا نہ کر سکو گے تو تمہاری جانب سے میں اسے ادا کرونگی"۔

"لیکن کب؟" کپتان نے بے صبری کے ساتھ سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اگر یہ قرض ادا ابھی کیا گیا تو میں اس خبر سے تسکین نہ پا سکوں گا"۔

"تمہارا خیال ہے ابا!" لڑکی نے جواب دیا "ابھی تو تمہاری عمر بیالیس ہی سال کی ہے"۔

(۳)

۲۳ اگست ۱۹۳۲ء کو شنگھائی میں ٹھیک اسی مقام پر جہاں پانچ سال قبل کپتان ٹاولن اور اسکے بہادر ساتھیوں نے دشمن کا دلیرانہ مقابلہ کیا تھا پھر جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ لڑائی کے ابتدائی ایام میں کپتان ٹاولن عام طور پر شب کے ابتدائی حصہ میں بیدار رہتا اور کوشش کے باوجود پھر سونے میں کامیاب نہو سکتا تنہائی کے ان لمحات میں اسے ایسا محسوس ہوتا کہ اسکا دل سینہ میں تند و تیز سے اچھل رہا ہے اور اسکا بستر اسکے نیچے سے نکلا جا رہا ہے اپنی خوابگاہ کی کھڑکیوں میں سے وہ بیرون تاروں بھرے آسمان کے کسی دور افتادہ گوشہ پر نظریں جمائے توپوں اور بندوقوں کی کبھی کبھی آجانیوالی آوازوں کو سنتا رہتا تھا اور وہ آوازوں کو جسقدر زیادہ سنتا تھا اسکی بے چینی اسیقدر زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اسکی لڑکی اسے اسکی پہیوں والی آرام کرسی پر لٹا کر میدان جنگ کے قریب لیجائے اسے توپوں کی گرج بندوقوں کی سنسناہٹ میں روح پرور نغموں کا سا لطف محسوس ہوتا تھا اور یہ روح پرور، مدہوش کن اور سکون بخش نغمے اسے پانچ سال کے ہمت شکن اور صبر آزما انتظار کے بعد سننے نصیب ہوئے تھے۔ لیکن ایک خوف، ایک اندیشہ کبھی کبھی اسکی تمام مسرتوں پر پانی پھیر دیتا تھا، صلح اور سمجھوتہ کا خوف۔ وہ خیال کرتا تھا کہ کہیں پانچ سال پیشتر کی طرح یہ لڑائی بھی صلح پر ختم نہ ہو جائے۔ اس تصور سے اسکا جسم کانپ اٹھتا تھا اور وہ مایوسی کے عالم میں خودکشی کر لینے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

وہ روزانہ یوتن سے اخبار منگا کر پڑھتا تھا۔ محاذ جنگ پر خوفناک لڑائی جاری تھی، رفتہ رفتہ اسے یقین ہوگیا کہ اسکے اہل وطن اس مرتبہ کسی سمجھوتہ پر رضامند نہ ہونگے۔ کپتان ٹاولن کا سب سے بڑا لڑکا سوچاؤ سکے ایک مدرسہ میں معلم تھا۔ ٹاولن نے اسے فوراً واپس چلے آنے کے لئے لکھا چنانچہ وہ گھر آگیا۔

"ابا! آپ نے مجھے کس لئے یاد فرمایا ہے؟" لڑکے نے سوال کیا

"بیٹا!" کپتان نے کہا "کیا تم میرا ایک قرض ادا کرو گے؟"

"یقیناً" لڑکے نے جواب دیا "یہ تو ایک بیٹے کا پہلا فرض ہے"۔

"شاباش!" کپتان نے اطمینان کے ساتھ مسکراتے اور ایک خط دیتے ہوئے کہا "لفٹننٹ کرنل وانگ میرا دیرینہ دوست ہے

وہ مسرت کے ساتھ تمہارا خیر مقدم کریگا۔ اسکے علاوہ تم نے فوجی تربیت بھی پائی ہے۔"

ابا لڑکا سمجھ گیا تھا کہ اسکا باپ اسے فوراً وطن عزیز کی خدمت کے لئے محاذ جنگ پر بھیجنا چاہتا ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن ابا ابھی نہیں"

"کیوں؟" کپتان نے گرج کر دریافت کیا۔ اسکے چہرہ پر فکر اور تردد کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

"ابا" لڑکے نے نرمی سے کہا "ہم غریب ہیں آپ جانتے ہیں کہ ہم نے کچھ پس انداز نہیں کیا چھوٹا بھائی ابھی مدرسہ میں تعلیم پا رہا ہے ایسی حالت میں اگر میں میدان میں چلا جاؤں تو آپ اپنی زندگی کیونکر بسر کریں گے؟"

"میرے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" کپتان نے فیصلہ کن انداز میں کہا "میں کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی بسر کر ہی لونگا رہا تمہارے بھائی کا مسئلہ تو میرا کنندہ اسکی تعلیم کو جاری رکھنا نہیں چاہتا۔"

"لیکن ۔۔۔۔" لڑکے نے کچھ کہنا چاہا۔

"کیوں" کپتان نے بات کاٹ کر بے صبری کے ساتھ دریافت کیا "اب تمہیں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ میری ٹانگوں کی طرف دیکھو۔ اپنے ملک کی تباہ حالی پر غور کرو اور پھر بتلاؤ کہ کیا اب بھی تم انکار کر سکتے ہو؟"

لڑکا خاموش ہو گیا اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسکا مضبوط جسم کسی وزنی چٹان کے بوجھ سے دبا جا رہا ہے اس نے کہا۔

"ابا! میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ میں آپکا فرض ادا کرونگا"

کپتان کا چہرہ چمک اٹھا اور اپنے بیٹے کے برعکس اس نے محسوس کیا کہ اسکے شانوں پر سے کوئی بھاری بوجھ ہٹا لیا گیا ہے۔ اس نے پدرانہ شفقت کے ساتھ کہا۔

"میرے لخت جگر رخصت!"

اور تاروں بھرے آسمان کے کسی دور افتادہ گوشہ کو تکنے لگا۔

(۴)

کپتان ٹاؤلن کا بڑا لڑکا لڑائی میں کام آگیا لیکن اسے صدمہ نہیں ہوا بیٹے سے جانے ہوئے انجام کا سرخ ہی کیا تھا کپتان ٹاؤلن بہت کم موقعوں پر بکثرت شراب پیا کرتا تھا لیکن اس رات کو اس نے خوب شراب پی اور ایک چوبی مجسمہ کی طرح اپنے بستر پر بے حس و حرکت بیٹھ گیا اسکی غیر معمولی خاموشی نوکروں کے لئے پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی وہ جانتے تھے اسکا اب بیٹے کی موت کی وجہ سے رنجیدہ ہے اور اسے اس تذکرہ سے اسکے دکھتے ہوئے دل کے تاروں کو نہیں چھیڑنا چاہیئے لیکن پھر بھی اس نے اس دل دوز خاموشی سے نجات پانے کے لئے کہا۔

"ابا! کیا تم مدہوش ہو؟"

"نہیں" کپتان نے نرمی کے ساتھ جواب دیا۔

"پھر" لڑکی نے دریافت کیا "تم بات کیوں نہیں کرتے؟"

"بیٹی" کپتان نے پوتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں تو صرف ایک ہی بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہمیں لڑتے رہنا چاہیئے حتیٰ کہ ہمارے دشمن تباہ ہو جائیں۔"

تیسرے روز کپتان ٹاؤلن کا دوسرا لڑکا جسکی عمر ابھی اٹھارہ ہی سال کی تھی کپتان کی خواہش کے مطابق اسے تنہا چھوڑ کر محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ نوجوان کا گرم خون اسکی رگوں میں تیزی کے ساتھ دوڑ رہا تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ اپنے باپ بھائی اور ملک کے دشمنوں سے انتقام لئے بغیر واپس نہ آئیگا۔

دوسرے بیٹے کے مردانہ وار ارادہ نے بوڑھے کپتان کو گویا از سر نو زندہ کر دیا۔ وہ سوچنے لگا۔

"چین کی مکمل آزادی کے بعد جب لڑائی ختم ہوگی تو میرا بہادر اور نوجوان بیٹا واپس آکر اسکے سینہ سے چمٹ جائے گا اور اسوقت ٹاؤلن کا سر فخر و مسرت کے ساتھ آسمان پر ہوگا۔ میں اپنے وطن چین کے شمالی مشرقی علاقہ کو واپس چلا جاؤنگا۔ اسوقت میرے لئے اپنے اہل وطن کے روبرو شرمسار ہونے کی کوئی وجہ باقی نہ رہیگی۔"

ان شیریں تصورات سے کپتان کا چہرہ چمک اٹھا اور چند لمحات کے لئے وہ اپنی موجودہ اور گذشتہ تمام مصیبتوں کو بھول گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد اسے اطلاع ملی کہ اسکا بہادر بیٹا زخمی ہو گیا ہے کپتان ٹاؤلن افسردہ و غمگین اپنے زخمی بیٹے کو دیکھنے کے لئے شفاخانہ پہونچا جہاں بوڑھے کپتان کی امیدوں کا مرکز بہادر نوجوان سر اور بازو کے زخموں کی ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا [illegible] سکون کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔

کپتان کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے لیکن نوجوان نے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا۔ کپتان کی آرام کرسی زخمی بیٹے کے قریب رکھدی گئی تھی۔ کچھ دیر تک ایک دوسرے کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ بیٹا اپنے بوڑھے باپ کی پریشانی کو محسوس کر رہا تھا چنانچہ اسکے رنج کو کم کرنے کے لئے اس نے کمزور مگر پر اثر آواز میں چینی سپاہیوں کے بہادرانہ کارنامے بیان کرنے شروع کر دئے اور اس طرح غمزدہ کپتان کا دل بہلاتا رہا۔ اس ملاقات کے ختم ہونے پر جب کپتان ٹاؤلن رخصت ہوا تو اسکا چہرہ پھر پہلے کی طرح چمک رہا تھا۔

راستہ بھر وہ اپنے بیٹے کی گفتگو یاد کرتا رہا اس نے کہا تھا۔

"وطن عزیز کے ساتھ ہماری قوم کی محبت کا صحیح نمونہ میدان جنگ ہی میں ہو سکتا ہے۔ چین دشمن کے ہوائی جہازوں اور توپخانوں سے فتح نہیں کیا جا سکتا۔ ابا! یہ میری مستقل رائے ہے انھوں نے میرا دایاں بازو بیکار کر دیا ہے لیکن میں بائیں

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۵ سنہ ۱۹۳۹ء

بعدالت جناب مسٹر رادھے بہاری لال صاحب ایڈیشنل جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ۔

جنسی دھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مدعی

بنام

نرم اجودھیا پرشاد نبدی دین ..... مدعا علیہ

بنام نرم اجودھیا پرشاد نبدی دین واقع محلہ تامسین گنج سیتاپور جدید بلدیو رام اکک دنیم نرم مذکورہ۔

ہرگاہ مدعی نے آپکے نام ایک نالش بابت مبلغ ... روپے دائر کی ہے لہذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ پانچ ماہ جون ۱۹۳۹ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپکے احضار کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہوں اُسی روز انکو پیش کریں۔ مطلع رہیے کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوئے تو مقدمہ بغیر حاضری آپکے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۲۰ ماہ اپریل ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

اطلاع

۱۔ اگر آپ کو اندیشہ ہو کہ آپ کے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہونگے تو آپ عدالت ہذا سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتے ہیں کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائیگا اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا آپ استحقاق رکھتے ہیں وہ اُس سے پیش کرائی جائے بشرطیکہ آپ اسکے واسطے زرخوراک جو ضروری ہو عدالت میں داخل کرکے اس امر کی درخواست گذرانیں۔

۲۔ اگر آپ مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتے ہیں تو آپ کو لازم ہے کہ روپیہ مع خرچہ نالش عدالت میں داخل کریں تاکہ ڈگری کا اجراء جو آپ کی ذات یا مال پر یا دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔

۳۔ منسلک سمن ہذا ہے۔

وقت حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

دستخط حاکم : مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۵۲۶ سنہ ۱۹۳۹ء

بعدالت جناب مسٹر رادھے بہاری لال صاحب ایڈیشنل جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ

مسٹر شیر یار جنگ جی المکلف مہر و کس جعفر گنج لکھنؤ مدعی

بنام

لکشمی چندر ماتھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مدعا علیہ

بنام ۱۔ لکشمی چندر ماتھر جاگیردار وداکہرہ پرائیوٹ سکریٹری مہاراجہ الور مارواڑ

۲۔ بھاگوت پرشاد ولد ... شکلا ساکن موضع کیتھولی تحصیل فتحپور ضلع بارہ بنکی

ہرگاہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت مبلغ ... روپے کے دائر کی ہے لہذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ چودہ ماہ جولائی ۱۹۳۹ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جوابدہی دعوی مدعی مذکور کی کیجئے اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپکے احضار کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہیں اُسی روز ان کو پیش کریں۔

مطلع رہیں کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہونگے تو مقدمہ بغیر حاضری آپکے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ... ماہ مئی ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

اطلاع

۱۔ اگر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ آپ کے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہونگے تو آپ عدالت ہذا سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتے ہیں کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائے اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا آپ استحقاق رکھتے ہوں وہ اس سے پیش کرائی جائے بشرطیکہ آپ اسکے واسطے زرخوراک جو ضروری ہو عدالت میں داخل کرکے اس امر کی درخواست گذرانیں۔

۲۔ اگر آپ مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتے ہیں تو آپ کو لازم ہے کہ روپیہ مع خرچہ نالش عدالت میں داخل کریں تاکہ ڈگری کا اجراء جو آپ کی ذات یا مال پر یا دونوں پر ہو نہ کرنا پڑے۔

۳۔ منسلک سمن ہذا ہے۔

وقت حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

دستخط حاکم : مہر عدالت

حکم توسیع میعاد ڈسچارج

دفعہ ۲۷(۲) ایکٹ ۵ سنہ ۱۹۲۰ء

بعدالت جناب سید تدبیر حسن صاحب بہادر جج خفیفہ لکھنؤ

درخواست دیوالیہ نمبر ۹۷ سنہ ۱۹۳۶ء

بمقدمہ قرار دیئے جانے دیوالیہ مسمی سوامی دیال سکسینہ ولد منشی رام سرن ساکن گنگے والی گلی شہر لکھنؤ مسمی کونسیش پرشاد کی درخواست مورخہ ۲ اپریل سنہ ۳۹ء کو پڑھنے کے بعد یہ حکم دیا جاتا ہے کہ میعاد جو درخواست ڈسچارج گذارنے کے لئے مقرر کی گئی تھی اس میں ایک سال کی مزید توسیع کیگئی۔ المرقوم ۱۲ اپریل سنہ ۳۹ء

روشن آرا ایک مفید کتاب ہے جو نسوان کو خوبصورت خوش سیرت باکمال بنا دیتی ہے رنج و غم مصیبت سے چھڑا کے راہ راست پر لاتی ہے باوجود بیقدر خوبیوں کے مفت بعد از کو ٹکٹ طلب کر و پتہ:- دہلی دواخانہ صدر بازار دہلی

تنقید و تبصرہ

سائنس کا معجزہ

یہ کتاب ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھیتی کے بایو تھریپی کے ہسپتال (نئی دہلی) کی ہے۔ اس میں شروع میں مرض و تندرستی کا نظریہ بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان کے نظام عصبی میں خراب مادہ جمع ہو جاتا ہے تو اسے مرض کہتے ہیں۔ اگر غذا ایسی طرح خارج ہوتا رہے۔ اور صرف وہی چیز جسم میں داخل ہو جس کی جسم کو ضرورت ہے تو کوئی بیماری نہ ہو گویا کہ مرض صرف ایک ہے یعنی جسم سے زہریلا مادہ خارج ہونے پر آدمی بالکل نوجوان بن جاتا ہے۔

زہریلا مادہ خارج کرنے کی جو ترکیبیں ہسپتال میں اختیار کی جاتی ہیں ان کو چودہ قسمیں کتاب میں دی گئی ہیں۔ مثلاً مختلف درجہ حرارت کے پانی میں جسم کے زہریلے حصہ کو غسل دینا۔ قدرتی غذا کا استعمال رنگین و آفتابی شعاعیں وغیرہ وغیرہ۔

کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ڈاکٹر کھیتی کی صحت شروع میں بہت خراب تھی لیکن ان اصولوں پر عمل کر کے انھوں نے اب اتنی طاقت پیدا کر لی ہے کہ چلتا موٹر روک لیتے ہیں اور اسی طرح کے بہت سے کرتب دکھا سکتے ہیں۔

آخر میں بہت سے مریضوں کی حالت مرض اور حالت تندرستی کی تصویریں ہیں۔ اور بہت سرٹیفکٹ ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ زندگی یعنی رہائش کھانا، پینا سب قانون قدرت کے خلاف ہے۔ اگر اس کو ہم

روپیہ کا بندوبست

آپ نے اپنی اولاد کی تعلیم یا شادی کے لئے روپیہ کا جو بندوبست کیا ہے کیا آپ کو اس پر بھروسہ ہے؟

ہمارا مستحکم قومی ادارہ سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے آج سے ۶۸ سال پہلے ۱۸۷۱ء میں قائم ہوا تھا۔

اسکی آمدنی پچاس لاکھ سالانہ سے زیادہ ہے

اسکی قسطیں چھوٹی ہیں۔ پالیسی جلد ضبط نہیں ہوتی معذور ہو جانے پر مدد کی جاتی ہے۔ بونس کی پوری ضمانت ہے۔

یہ سوسائٹی آپ کی مالی مشکلیں حل کر دیگی۔ آپ اس پر بھروسہ کیجئے

بمبئی میوچول
لائف انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ

۴۳۔ بشیشر ناتھ روڈ۔ قیصر باغ۔ لکھنؤ

مردِ وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

اٹلی کا ڈکٹیٹر مسولینی جس نے اپنے جنگی کارناموں سے دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔ کس طرح معمولی حالت سے زندگی کے مدارج طے کرتا ہوا بام عروج کو پہونچا۔ اس کی اپنی

خود نوشت سرگذشت

کا مطالعہ فرمائیے

صرف انگریزی زبان میں یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے، ترجمہ صاف طباعت و کتابت عمدہ مجلد معہ خوشنما ڈسٹ کور ۔۔۔ صفحات قیمت ۔۔۔ ضروری نوٹ:۔ ۳۱ مئی تک آرڈر دینے والوں کو محصول ڈاک معاف)

پبلشرز۔ لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

Smokeless Cartridges

بندوق — کارتوس

رائفل۔ ریوالور۔ پستول

اور ہر قسم کا سامان شکار و حفاظت ولایتوں سے براہ راست منگا کر ارزان قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں فہرست مفت طلب فرمائیے

پائنیر آرمس کمپنی تاجران اسلحہ۔ کشمیری دروازہ دہلی

سچی زندگی کی کہانی

شوہر نے بیوی سے پوچھا کہ میں اپنی زندگی کا بیمہ کرالوں ؟

لیکن عورتیں تو جذباتی ہوتی ہیں—اسکی بیوی کو یہ برا لگا کہ اپنے شوہر کی جان کا سودا کرے—شوہر نے سمجھایا—لیکن بیوی نہ مانی—شوہر نے بعد کو سوچا کہ بیوی اپنے جذبات سے کام لیتی ہے تو میں اپنے جذبات سے کام لوں—اگر میرے نزدیک بیمہ کرانا مناسب ہے تو کرالوں—

۲

کئی برس گذر گئے—اس چھوٹے گھرانے پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا—معمولی بیماری کے بعد شوہر مر گیا—تمام عزیزوں دوستوں نے ہمدردی کی—لیکن مدد کسی نے نہ کی—یہ بیمہ کمپنی کی خدمت کا وقت تھا—

بیس سال بعد

۳

امان جان !

آج جب میں نے بیس سال پہلے کی باتیں سوچیں تو ابا کی یاد آئی—اگر آج انہوں نے زندگی کا بیمہ نہ کرایا ہوتا تو نہ تم وطن میں اچھے گھر میں ہوتیں اور نہ میں انگلستان میں ہوتا—شاید جنتا میں بیمہ کمپنی اور بیمہ ایجنٹ کا ممنون ہوں—کوئی نہ ہوگا—

ہندوستانی بیمہ کمپنیوں میں زندگی کا بیمہ کرائیے

Title cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

جلد ۳ — نمبر ۲۱ } کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۲۸ مئی ۱۹۳۹ ع { فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

وسط ہند ریاستی عوامی کانفرنس - دوہاد

تصویر میں کانفرنس کے صدر اچاریہ نریندر دیو (بیچ میں) مجلس استقبالیہ کے دوسرے ممبروں کے ساتھ کھڑے ہیں

فرانکس مل بمبئی کی مزدور عورتیں مل کے پھاٹک پر پکٹنگ کر رہی ہیں

فلسطین ـــ نہ اس سر نہ اس سر

آخر برطانیہ کی سمجھ میں آگیا کہ فلسطین کی تقسیم سے نہ یہودی خوش ہوں گے اور نہ عرب، اور یہ کہ جب تک فلسطینی عوام نہ خوش ہوں فلسطین پر حکومت نہیں کی جا سکتی ہے۔ دو سال کے اندر اتنا سمجھ میں آیا۔ اب اس نے فلسطین کے لئے ایک آزادی کی اسکیم پیش کی ہے۔ یہ اسکیم ویسی ہی ہے جیسی کہ برطانیہ کی اسکیم غلام ملکوں کے لئے ہوا کرتی ہے۔

ساری تجویز خود غرضی سے بھری ہے۔ بالفور کے اعلان سے جتنا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا، وہ اٹھا لیا ہے اس لئے اب اس کو چھوڑ دیا گیا۔ لیکن اس کے منسوخ کرنے سے انکار کر دیا... فلسطین نہ تو یہودیوں کا قومی وطن بنے گا، نہ آزاد عرب حکومت۔ نقشِ اعظم بدستور جاری دطن رہینگے، اور حکم برادری ابھی جاری رہے گی۔

ان چالبازیوں کو ایک مسودہ قانون میں چھپا کر پیش کیا گیا ہے۔ اگر اس مسودہ قانون کو لیگ اقوام نے منظور کر لیا تو یہ نافذ کر دیا جائے گا۔ اس کی رو سے دس سال کے اندر فلسطین کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اس درمیان میں پانچ سال کے اندر اندر کچھ آئینی ترقیاں بھی عطا کی جائیں گی۔ یہودیوں کی آمد پر بندشیں لگا دی جائیں گی، اور جب ان کی تعداد کل آبادی کی ایک تہائی ہو جائے گی تو آمد بند کر دی جائے گی۔ موجودہ مجلس عاملہ کو بڑھا کر وزیروں کی مجلس بنا دیا جائے گا۔ مقامات مقدسہ، دوسرے مذہب والوں کی جائداد، اقلیتوں کے حقوق، فوجی مقامات کے قبضہ، اور غیر ملکوں کے اقتصادی حقوق کی حفاظت کا خیال رکھا جائے گا۔

دس سال کے بعد فلسطین کو مناسب دستور کے مطابق آزادی دی جائے گی۔ اور ہر محکمہ فلسطینیوں کی نگرانی میں دے دیا جائے گا۔ لیکن ان محکموں کے چلانے میں انگریز افسروں کا مشورہ شامل رہے گا۔

عربوں کے مطالبوں کو چھوڑ کر بھی اگر اس اسکیم کو دیکھا جائے تو بھی یہ بے تکی ہے۔

اس دس سال کے دوران میں حکومت کی ذمہ داری برطانیہ پر رہے گی اگر فلسطینی اس کے شریک نہ بھی ہوں تو بھی یہ جاری رہے گی۔ مگر یہ جاری رہنا ممکن نہیں۔ مثلاً اگر فلسطینیوں نے بائیکاٹ کر دیا اور بدستور ہنگامہ کرتے رہے تو جو اب حال ہے وہی اس وقت بھی رہے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجلس وزراء کی بنا وٹ کیسی ہوگی۔ اس وقت فلسطین کے ہر محکمے کے افسر انگریز ہیں۔ اگر انہیں سے مجلس وزراء بنی تو فلسطینیوں کا کیا بھلا ہوگا؟ اگر ان سے نہیں بلکہ عربوں اور یہودیوں سے بنانے کی کوشش کی گئی تو ان کے بائیکاٹ کر دینے پر کیسے بنے گی؟

سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ اس بات کی ذمہ داری کیسے کہ برطانیہ اپنی بات پر قائم رہے گی اور دس سال کے بعد فلسطین کو آزادی دے دیگی؟ اس میں یہودیوں اور عربوں کو جس طرح حقوق دئے گئے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ ان دونوں کو لڑوا کر اپنی طاقت بڑھائے گی اور اندرونی بدامنی کے عذر پر "آزادی" کے وعدہ کو ٹال جائے گی۔

یہ تو کھلی بات ہے کہ اس وقت برطانیہ کے دبنے کی وجہ ہٹلر اور مسولینی کی طاقت ہے۔ لیکن اگر دس سال کے اندر یہ دونوں کمزور ہو گئے، تو کیا برطانیہ کے وعدے کا یہی رنگ ہوگا؟ برطانیہ کی بے وفائی سے تو کوئی بے خبر نہیں رہ سکتا ہے۔

مصر، عراق اور جنوبی عربی ملکوں میں اس مسودہ قانون کی سخت مخالفت کی جا رہی ہے۔ یہ مخالفت کی سب سے بڑی بنیاد دس سال کی مدت ہے اور مدت میں عربوں کے خلاف بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔

اس مسودہ میں عربوں کا صرف ایک مطالبہ مانا گیا ہے۔ وہ یہ کہ ہم اپنے ملک میں اقلیت بنکر نہیں رہیں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مطالبہ نہیں مانا گیا ہے۔

لیکن گو برطانیہ نے ایک طرف یہ مطالبہ مانا ہے تو دوسری طرف اس کا توڑ بھی کر لیا ہے۔ وہ یوں، یہودیوں کو جائداد کے خریدنے سے نہیں روکا گیا ہے۔ بلکہ جائداد کی خرید و فروخت کے تمام اختیارات ہائی کمشنر کو دیئے گئے ہیں اور یہودیوں کے پاس روپیہ پیسہ کا کوئی ٹھکانا نہیں، وہ جائدادیں خرید کر اکارخانے کھولکر اور دوسری طرح سے روپیہ لگا کر غریب عربوں پر اپنا اثر جما سکتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی تعداد کی کمی پوری کر کے عربوں کی مدمقابل طاقت بن سکتے ہیں۔ اور جہاں دونوں طاقتیں برابر ہو کر لڑیں، برطانیہ کو حکومت کرنے کا موقع مل گیا۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے برطانیہ نے یہ مکمل آزادی دینے کے لئے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ فلسطین میں پورا پورا امن

ہونا چاہیئے۔

اگر اتفاق سے دونوں فریق مل گئے، اور لڑائی نہ ہوئی یعنی مکمل امن ہوگیا۔ تب تو آزادی کی طرف سے بالکل مایوس ہوجانا پڑے گا۔ اس وقت برطانیہ کیوں خواہ مخواہ فلسطین کو آزاد کرکے نقصان اٹھائے گی۔

عربوں کی اصل مانگیں یہ تھیں کہ

(۱) فلسطین میں فوراً عربوں کی ایک آزاد حکومت قائم کردی جائے۔ اور برطانیہ اور فلسطین کے درمیان اسی طرح کا برادرانہ معاہدہ ہو جیسا عراق یا مصر سے ہوا ہے۔

(۲) فلسطین میں یہودیوں کے داخلہ کو فوراً بند کردیا جائے۔

(۳) آئندہ عربوں کی زمین کا کوئی حصہ یہودیوں کے ہاتھ نہ بیچا جائے۔

ان میں سے ایک مطالبہ بھی نہیں پورا ہوا۔ اس پر بہانہ یہ کہ مفتی اعظم کو فلسطین میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔ یہ ہے برطانیہ کی عطا کی ہوئی آزادی کی حقیقت کہ جو شخص آزادی کا ہیرو رہا ہو وہی آزادی لینے کے موقع پر اپنے وطن میں نہ جاسکے۔

اکثریت کے حقوق کی حفاظت

مسلم لیگ نے اب اپنی ریاستی پالیسی مکمل کرلی ہے۔ جن ریاستوں میں کوئی ہنگامہ نہیں ہے وہاں تو وہ مسلمانوں کے حقوق کا کوئی سوال نہیں اٹھاتی۔ لیکن جہاں کوئی آزادی کی تحریک چل رہی ہے، وہاں وہ مسلمانوں کے حقوق کی آواز اٹھاکر رجعت پسند طبقہ کو مدد پہونچادیتی ہے۔ ہندستان میں سیکڑوں ایسی ریاستیں ہیں جہاں مسلمان عوام غریبی اور غلامی کی گھنونی زندگی گذار رہے ہیں، مگر مسلم لیگ کو ان سے کوئی مطلب نہیں۔ لیکن ادہر ان ریاستوں میں کوئی تحریک اٹھی اور ادہر مسلم لیگ ہندو مسلم فساد کی تلقین کرتی ہوئی جا پہونچی۔

اب تک مسلم لیگ مسلمان اقلیت کو ہندوؤں کی اکثریت کی لوٹ سے بچاتی تھی۔ یا پھر اسلامی ریاستوں کی حفاظت کرتی تھی۔ لیکن اب وہ کشمیر کے ۷۰ فیصدی مسلمانوں کی اکثریت کو ۳۰ فیصدی ہندوؤں کی اقلیت سے بچانے کے لئے ایسی چالیں چل رہی ہے جس سے قدرتی طور پر وہاں کی ہندو ریاست کو تقویت پہونچے گی۔

کشمیر کی مسلم کانفرنس اپنا نام بدل کر نیشنل کانفرنس کررہی ہے، اور ہندو اقلیت کے حقوق کی اس طرح حفاظت کرنا چاہتی ہے جس طرح کانگرس نے برطانوی ہند میں مسلمان اقلیت کی حفاظت کی ہے۔

مسلم لیگ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں کشمیری مسلم لیگ قائم کررہی ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مخالفت کی وجہ کیا ہے۔ مسٹر جناح خود ہی کہتے ہیں کہ کانگرس کے بنیادی حقوق اقلیتوں کی حفاظت کو کافی نہیں ہیں۔ اگر یہی ناکافی حقوق کشمیر کے مسلمان وہاں کی ہندو اقلیت کو دے رہے ہیں تو اس میں مسلمانوں کے گھاٹے کا کیا ڈر ہے؟ اور مسٹر جناح کو اس سے کیا اختلاف ہے؟

شیخ عبداللہ نے ایک بیان شائع کیا ہے، جس میں مسلم لیگ کی ریاستی پالیسی کو مسلمانوں کے لئے مضر ثابت کیا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ اگر مسلم لیگ آزادی کی لڑائی میں شریک ہونے سے پہلے ہندوؤں سے یہ مطالبہ کرسکتی ہے کہ پہلے ہمارے معقول مطالبات کو تسلیم کرلو، تو کیا کشمیر کے ہندو کشمیر کی مسلم کانفرنس سے ایسا مطالبہ نہیں کرسکتے۔ اور کیا ان کا یہ مطالبہ ماننا بری کی بات ہے؟

سیاسی قیدی ڈے

(۲۱) مئی کو سیاسی قیدی ڈے منایا گیا۔ یہ بہت شرم کی بات ہے کہ ہم لوگ تو آزادی کی تحریر و تقریر سے فائدہ اٹھائیں۔ اور عوام کو منظم ہوتے اور ترقی کرتے دیکھکر خوش ہوں، لیکن وہ لوگ جو ان آزادیوں کے لئے لڑے تھے، اور جنھوں نے اس کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں جیل کی لوہے کی سلاخوں کے اندر ہوں۔

ان ہی بہادروں میں ٹھاکر چندر سنگھ گورکھا بھی ہیں جنھوں نے اپنے ہندستانی بھائیوں کے سینے پر گولی چلانے سے انکار کردیا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے ایسے سورما کال کوٹھری میں پڑے رہیں اور ہم وزارت کے مزے لوٹیں۔

کیا ٹھاکر صاحب کی مہربانی؟

گاندھی جی نے اپنی ہار مان لی۔ چیف جسٹس کے فیصلہ سے دست بردار ہوگئے اور سارا معاملہ ٹھاکر صاحب اور دربار والا پر چھوڑدیا۔ ٹھاکر صاحب نے اس پر دربار منعقد کیا، اور ایک اصلاحی کمیٹی بنادی۔

ٹھاکر صاحب کی یہ مہربانیاں ان کی نیک دلی کی وجہ سے نہیں ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے ہیں کہ راجکوٹ عوام کی ستیہ گرہ پھر گاندھی جی کے مرن برت اور چیف جسٹس کے فیصلہ نے ٹھاکر صاحب کو سارے ہندستان کی نظروں میں ایسا گرادیا ہے کہ اب اگر وہ اصلاحیں نہ دیں، اور بدستور من مانا راج کرتے رہیں تو چند ہی دنوں کے بعد پھر ستیہ گرہ اٹھے گی، اور ایسی اٹھے گی جو اب تک جتنی ستیہ گرہیں ہوئی ہیں، سب کو کھلاے گی۔ یہ صاف بات ہے کہ ٹھاکر صاحب جو کچھ کررہے ہیں وہ اس ہونے والی ستیہ گرہ کے ڈر سے کررہے ہے۔

راجکوٹ کا گورکھ دھندھا

گاندھی جی کے ہارنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کو عوامی طاقت کا سہارا نہیں ملا۔ اگر یہ سہارا ہوتا تو ٹھاکر صاحب کو قانونی داؤں پیچ لڑانے کی ہمت نہ پڑتی۔ اس وقت جو کامیابی ہوئی ہے اس کو کامیابی نہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح حقوق پانے سے رجعت پسند اور خود غرض لوگ چوٹی پر آجائیں گے، اور وہ عوام کو جھوٹ موٹ کی باتوں میں

الجھا کر خود نفع اٹھائیں گے۔

آزادی کی لڑائی اور انقلاب کو اکثر جبت پسند لوگ تخریبی کہا کرتے ہیں۔ ان کو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ بجائے صرف ایک عمارت گرا رہی ہے۔ اور اس کی جگہ کوئی دوسری عمارت اٹھانے کی اس میں اہلیت نہیں۔ ذرا سی غور کرنے سے اس خیال کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے۔ ملک کی اخلاقی اور دماغی اور سیاسی تربیت جتنی اچھی آزادی کی لڑائی سے ہو جاتی ہے اور کسی صورت سے نہیں ہوسکتی۔ لڑائی جیسے ہی اٹھتی ہے، ملک کے دقیانوسی خیالات گندے رواج فوراً اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، اور ان کی مدد سے سامراج لڑائی کو کچلنا چاہتا ہے۔ مگر عوام اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور ایک مورچہ جیت لیتے ہیں۔ اس جیت کے بعد وہ بہت سی برائیوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی سوجھ بوجھ کھل جاتی ہے۔ پھر وہ دوسرے مورچہ پر حملہ کرتے ہیں اسی طرح آگے بڑھتے ہوئے فرقہ پرستی، طبقہ پرستی، غرض پرستی کے سمندروں کو پار کرتے ہوئے جب وہ حکومت پر قبضہ کرتے ہیں تو وہ پرانے تجربوں سے اتنے مالا مال ہو چکے ہوتے ہیں کہ بہت جلد اپنی کامیاب حکومت قائم کر لیتے ہیں۔

یہ تربیت تشدد کی لڑائی سے اتنی اچھی نہیں ہوسکتی جتنی عدم تشدد کی لڑائی سے کیونکہ تشدد کی صورت میں تھوڑے سے مسلح آدمی موقع سے فائدہ اٹھا کر فتح حاصل کر سکتے ہیں یا اور کسی وجہ سے اتفاقی فتح بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن عدم تشدد کا راستہ خالص عوامی راستہ ہے۔ جب تک عوام بیدار نہ ہو جائیں کامیابی ہونا ممکن نہیں۔

اگر آج راجکوٹ کو اپنی عدم تشدد کی لڑائی سے کامیابی ہوتی تو وہاں کے عوام لوہے کے شیلے بن گئے ہوتے، جن کو قبضے میں لانا مضبوط سے مضبوط سامراج کے بس سے باہر ہوتا۔ لیکن اب یہ اصلاحیں اوپر سے آئی ہیں۔ اس سے زیادہ فائدے کی امید نہیں۔

یورپ کا ترازو

ایک پلہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بعض ہندستانی دوستوں کو اب یہ گمان ہو چلا ہے کہ ہٹلر اور مسولینی اب کچھ دنوں آرام کریں گے۔ کیونکہ ادھر انھوں نے کئی فتحیں حاصل کر لی ہیں۔ اور اب ان فتحوں سے ان کو فائدہ اٹھانے اور ان ملکوں میں اپنی تجارت پھیلانے میں کچھ زمانہ لگے گا۔ یہ خیال بظاہر درست معلوم ہوتا ہے لیکن جرمنی اور اٹلی کے اندرونی حالات ایسے ہیں کہ اگر مسولینی اور ہٹلر آگے نہیں بڑھتے ہیں تو ان کو اپنی اپنی ڈکٹیٹری سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

اٹلی اور جرمنی کا بھید ٹیورن میں مسولینی نے جو تقریر کی اس میں کہا کہ ہم فرانس سے اسلئے جنگ نہیں چاہتے ہیں کہ ہماری اندرونی حالت خراب ہے۔ بلکہ .... " حالت کی خرابی کا اقرار مسولینی نے حالات سے دبکر کیا ہے۔ ابھی تک اٹلی کو جتنی فتحیں ہاتھ لگی ہیں ان پر خرچ زیادہ ہوا ہے اور ہاتھ بہت کم لگا ہے۔ اٹلی کے اندرونی حالات کی خرابی کا پتہ اسی سے چلتا ہے کہ اس نے جرمنی سے اب فوجی معاہدہ کر لیا ہے جسکی رو سے لڑائی چھڑ جانے پر اسکی اور جرمنی کی فوجیں ایک بنکر کام کریں گی۔ گویا اس نے اپنے کو ہٹلر کے ہاتھوں میں دیدیا۔

جرمنی کی حالت بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔ برطانوی تجارتی فڈریشن نے یورپ کی تجارت کے اعداد شمار شائع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کی درآمد بہت کم ہو گئی ہے۔ صرف برطانیہ میں اسکی درآمد ۲۵ فیصدی کم ہو گئی ہے اور چیکوسلاویکیا اور آسٹریا پر قبضہ کر لینے سے اس کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے ہٹلر نے بہت گھبرا کر کہا تھا کہ جرمنی اگر برآمد نہیں بڑھاتا ہے تو ختم ہو جائیگا۔ اس برآمد کی پر یہ اضافہ اور ہوا کہ بوہیمیا میں عوامی غدر ہو گیا، اور [illegible] میں [illegible] گھنٹہ روزانہ مزدوری کے خلاف سخت ہنگامہ بپا ہو گیا۔

جنگی پروپیگنڈہ ایک بہت بڑا اطالوی اخبار لکھتا ہے۔
"آج دنیا کا نظام روم برلن محور کی فوجی اور روحانی طاقت پر رکا ہوا ہے۔ تاریخ نے انصاف کی حفاظت اور انسانیت کی نجات کا کام اسی محور کے سپرد کیا ہے۔"

یہ قول صرف اسی اخبار کا نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً تمام اطالوی اور جرمن اخبارات عوام کے دماغوں میں اس بات کو پیوست کر دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت انسانیت کے بچاؤ اور اپنی خودداری کے لئے جنگ کرنا ضروری ہے۔

مسولینی ایک طرف تو کہتا جاتا ہے کہ فی الحال ہم کو لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، اور دوسری طرف کہتا ہے کہ "ساتھیو جو کچھ بھی ہو ہمیں یقین کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے تمام مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ وہ مقاصد کیا ہیں؟ ساری دنیا، نہیں تو آدھی دنیا پر یقینی روم کا قبضہ ہو جانا ____!

اسی طرح ہٹلر بھی دھمکیاں دے رہا ہے۔ نوآبادیات کی مانگ پھر بہت بڑھ گئی ہے۔ اور جرمن نوآبادیات کی جرمن فوجوں کو اسوقت تک اتنی فیتہ لگانا چاہئے جب تک وہ بالکل آزاد نہ ہو جائیں۔

دوسرا پلہ چیمبرلین کا رنگ بدل رہا ہے اب وہ سمجھوتے کی پالیسی سے ہٹکر دشمن پالیسی پر آرہے ہیں۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ روسی خبر رساں ایجنسی نے یہ ظاہر کیا کہ برطانیہ نے معاہدہ کی جو شرطیں پیش کی ہیں وہ ایک رخی ہیں۔ اگر پولینڈ اور رومانیہ پر حملہ ہو تو روس کو ان کی مدد کرنا پڑے گی کیونکہ برطانیہ نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن اگر روس پر استھونیا یا لٹویا یا فن لینڈ کی طرف سے حملہ ہو تو برطانیہ کو اس کی مدد کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس بات کو سن کر برطانوی سیاست دانوں میں کھلبلی مچ گئی؛ انگلستان کے ہر طبقہ نے شور مچایا کہ روس سے معاہدہ ہو جانا چاہئے کیونکہ ڈکٹیٹروں کو روکنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔

حلقہ بندی دوسری طرف روس نے پوٹمکن کو سفیر بنا کر انگورہ بخارسٹ اور وارسا بھیجا۔ ترکی روس کا پرانا دوست ہے

اس نے یہ منظور کرلیا کہ بلقان پر حملہ ہونے پر وہ روسی فوج سے مدد لیگا۔ اور یہ اندازہ ہے کہ رومانیا اور بلغاریہ سے بھی اچھا سمجھوتہ ہوگیا ہے۔ پولینڈ بھی روس سے ایک معاہدہ کرنے کو تیار ہے۔ اس طرح اس وقت روس دنیا کو لڑائی سے بچانے کے لئے بہت بہادرانہ کوشش کر رہا ہے۔

ان باتوں کا چیمبرلین پر دباؤ ایسا پڑ رہا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف روس سے دوستی کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ مگر دوسری طرف یہ صاف نظر آتا ہے کہ ہٹلر اور مسولینی لڑنے پر آمادہ ہیں کیونکہ اگر ابھی نہیں لڑے تو کچھ ہی دنوں میں حلقہ بندی ایسی مضبوط ہوجائے گی کہ پھر لڑنے کا موقع نہیں رہے گا۔ اور نہ لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی ڈکٹیٹری سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اور ابھی روس سے دوستی کرلینے کے معنی یہ ہیں کہ لڑائی میں بھی برطانیہ روس کی طرف ہو۔ یہ برطانوی سرمایہ دار کبھی نہیں برداشت کر سکتا۔

ڈینزگ | جرمن اخباروں نے پولینڈ میں جرمنوں پر ظلم ہونے کے قصے تو چھاپنا شروع ہی کردیئے تھے، اب اس کے پھل توڑنے کا زمانہ آرہا ہے۔ یعنی ڈینزگ میں جرمنوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کردی ہے۔ اب اگر چیمبرلین ذرا بھی ڈھیل ڈالتے ہیں تو لڑائی چھڑتی ہے۔ اور اگر روس سے مضبوط معاہدہ کرتے ہیں تو لڑائی رکتی ہے۔

قرآن مجید کا ہندی ترجمہ

جو خواجہ حسن نظامی صاحب نے چھ سال کی محنت اور بنارسی پنڈتوں کی مدد سے تیار کیا اور جس کی نسبت مہاتما گاندھی کی رائے ہے کہ اس سے بہتر ہندی ترجمہ قرآن مجید انھوں نے نہیں دیکھا۔ اس ترجمہ میں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہندستان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو فوٹو بلاک کے ذریعہ چھاپا گیا ہے۔ صفحہ میں ایک طرف عربی عبارت ہے۔ اس کے برابر اس کا ترجمہ ہے اور نیچے اس ترجمہ کی تشریح ہے۔

قرآن مجید اور مسلمانوں کی نسبت جس قدر غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ سب اس ترجمہ کو دیکھکر دور ہو جاتی ہیں۔

یہ ترجمہ دو جلدوں میں ہے جن میں سے ہر ایک جلد کا ہدیہ (قیمت) پانچ روپے ہے۔ مجلد اور مکمل قرآن مجید دس روپے ہدیہ پر

چمن اردو بک ڈپو نمبر (۱) اردو بازار دہلی

سے مل سکتا ہے۔ پتہ صاف لکھئے اور قریب کے ریلوے اسٹیشن کا نام بھی لکھیے۔ چھ آنہ کے ٹکٹ بھیجنے پر ایک پارہ بطور نمونہ آپ کو بھیجا جاسکتا ہے

چلتے چلاتے ——→ تماشائی

ایک بار مسٹر جناح شکار کھیلتے کھیلتے اپنے ہمراہیوں سے دور ہو کر ایک جنگل میں جا پہنچے اور بھوک کے پیاسے ادھر ادھر مارے مارے گھومنے لگے۔ انھوں نے دیکھا کہ چار آدمی جس میں دو ہندو ہیں اور دو مسلمان آپس میں بیٹھے کھا پی رہے ہیں اور ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔

مسٹر جناح کی طرف کسی نے زیادہ توجہ بھی نہیں دی۔ یہ دیکھکر ان کو بہت غصہ آیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو بہت شرم و غیرت دلائی اور کہا

"ہندستان میں دو قومیں بستی ہیں ہندو اور مسلمان اور دنیا کا کوئی نیشنلزم ان دونوں قوموں کو ایک جسم میں جذب نہیں کرسکتا۔ مسلمان کا مذہب ہی سیاست ہے اور ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے مذہب کی نگہبانی کرے جس میں اسکے تمام دنیاوی حقوق خود بخود محفوظ ہو جائیں گے۔"

دونوں مسلمانوں کو سخت عبرت ہوئی انھوں نے ہندوؤں سے الگ ہٹ کر اپنے حصے کی روٹیاں لے لیں اور مسٹر جناح کے سامنے رکھدیں۔ مسٹر جناح نے اطمینان سے بیٹھ کر کھانا شروع کیا۔ ابھی انھوں نے دو ہی ایک لقمے پیٹ میں اتارے تھے کہ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ دونوں مسلمان جن میں ایک شیعہ اور ایک سنی تھا آپس میں لڑنے لگے۔ ان میں سے ہر ایک کہتا تھا۔

"شیعہ اور سنی دو قومیں ہیں دنیا کا کوئی نیشنلزم .... شیعہ / سنی کا مذہب سیاست ہے ...."

یہ جھگڑا تھا مدح صحابہ اور تبرا کا۔

اب مسٹر جناح کو پریشانی یہ تھی کہ فیصلہ کریں تو کیا کریں اور اگر فیصلہ نہیں کرتے ہیں تو دونوں اپنی روٹیاں چھینے لیتے ہیں۔

خبر ہے کہ قائد اعظم نے کشمیر کی سیاست کے بارے میں فرمایا ہے:۔

"مصنوعی جغرافیائی حدود مسلمانوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کرسکتیں چنانچہ شیخ عبداللہ کو پہلے (یعنی کشمیری مسلمانوں کی خدمت کرنے سے پہلے) ان بھائیوں کا خیال رکھنا چاہیئے جو تمام سال پنجاب اور ہندستان کے دیگر شہروں میں پیسے پیسے کی مزدوری کے لئے پھرتے ہیں۔"

یہ ٹکڑا پڑھ کر مجھے خیال گزرا کہ تب تو عجب لوگ ہوتے ہیں کہیں بھولے سے شیخ عبداللہ کی جگہ "حضور نظام حیدرآباد" نہ لکھدیں تو مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی پوزیشن ....

مگر لاحول ولا یہ صرف خطرات شیطانی ہیں۔ خدا مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو اس اتہام سے بچائے۔

تلقینِ غداری کا جواب

ارشد تھانوی

دیکھ کر مصروفِ دلسوزی و جانکاہی مجھے
دے رہے ہیں دوست کیوں ترغیبِ گمراہی مجھے

میں جفاکاروں سے امیدِ وفا رکھتا نہیں
ناسزاؤں سے خصوصیت روا رکھتا نہیں

جانتا ہوں سنگدل بھی کینہ پرور بھی ہیں یہ
مانتا ہوں بانیٔ ہر فتنہ و شر بھی ہیں یہ

مقتدر بالذات ہونا بھی ہے ان کا علم میں
مبدء خطرات ہونا بھی ہے ان کا علم میں

یہ بھی سچ ہے ان سے ترساں خاص بھی ہیں عام بھی
واجب التعمیل ہیں ان کے تمام احکام بھی

واقعہ یہ بھی ہے ان کے پاس مال و زر بھی ہے
ان کے کہنے میں ہر اک بد نفس و بدگوہر بھی ہے

جس سے خوش ہوں جیب و دامن اسکے بھر سکتے بھی ہیں
جس سے بگڑیں زندہ درگور اس کو کر سکتے بھی ہیں

ان سے سازش کر کے رہنے ہی میں عافیت بھی ہے
قلب کو حاصل سکوں بھی ہے طمانیت بھی ہے

بیشک ان آقاؤں کے بندے ہیں مالا مال بھی
صاحبِ اعزاز بھی ہیں صاحبِ اقبال بھی

میں مگر عنقا صفت اس دام میں آتا نہیں
اس فضا میں وسعتِ پرواز ہی پاتا نہیں،

جورِ پیہم سہ رہا ہوں خندہ پیشانی کے ساتھ
کر رہا ہوں مشکلیں برداشت آسانی کے ساتھ

ہے پیامِ استقامت ہر بلا میرے لئے
میری خودداری ہے وجہ ابتلا میرے لئے

گامزن نیکی کی منزل پر ہوں رک سکتا نہیں
سامنے بدفطرت انسانوں کے جھک سکتا نہیں

سیاسیات پنجاب پر ایک نظر

(پہلی قسط)

(احمد دین)

سیاسی اہل نظر حضرات کے لئے یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پنجاب کے اندر قومی تحریک ہندستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں نشوونما پانے میں پیچھے کیوں رہتی ہے زندہ دلان پنجاب قربانی کے وقت کسی سے پیچھے نہیں رہتے جرات اور دلیری میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ دماغی قابلیت میں کسی سے کم نہیں۔ پنجاب میں قومی تحریک کا پھیلاؤ بھی کافی ہے اس کے باوجود مخالف طاقتیں ہر وقت اور ہمیشہ ہماری تحریک کے انتشار اور پریشانی کا باعث بنی رہتی ہیں۔ یہ سب کچھ ہے۔ لیکن ہم کبھی اس کا علاج نہیں سوچتے۔ اور سوچ بچار کا مسئلہ دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمنے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا۔ کہ ہماری قومی تحریک کو جو گھن کھائے جاتا ہے۔ وہ کہاں سے اور کیسے شروع ہوا اب اس کی روک تھام کیسے ہو۔ آؤ آج اس اہم قومی ضرورت کو پورا کریں۔ لیکن مضمون کو شروع کرنے اور ختم کرنے سکنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حدود مقرر کر لئے جائیں اور زیر بحث مسائل کو سامنے رکھ لیا جائے۔

آج کے مضمون میں صرف ان تاریخی تبدیلیوں کا ذکر کروں گا جو برطانوی حکومت کے قیام کے بعد ہندستان میں واقع ہوئیں۔

جس وقت انگریزی تہذیب نے حکمران تہذیب کی شکل میں ہندستانی تہذیب پر حملہ کیا تو ہندستانی تہذیب کی عمارت اپنی جگہ سے ہل گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ کچھ ہی عرصہ بعد گرنے لگی اس لئے کہ اسے کوئی سہارا نہ ملا۔ چند چیزوں کے مجموعہ کا نام تہذیب ہے۔ زبان۔ لباس۔ گھریلو زندگی اور اخلاقی معیار

ہندستان میں پچھلے ایک ہزار سال میں سنسکرت۔ عربی۔ فارسی زبان کے علاوہ ایرانی و عربی لباس طرز بودوباش کو ملا کر ایک نئی ہندستانی تہذیب پیدا ہوئی جس کی شکل کمپنی کی حکومت کے زمانے تک ہندستانی زبان۔ ہندستانی لباس اور ہندستانی طرز زندگی میں نظر آتی تھی۔ لیکن اس کے بعد جب فارسی اور ہندستانی زبان کی جگہ انگریزی زبان نے لے لی۔ اور حکام نے لباس بھی انگریزی طرز کا اختیار کیا تو ساتھ ہی ہندستانی تجارت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ جہاں تجارت کا خاتمہ ہوا وہاں صنعت بھی ختم کر دی گئی۔ تجارت اور صنعت کی تباہی سے بیکاری عام ہوئی۔ اس سے زمین پر زیادہ بوجھ پڑا۔ زمین کے متعلق حکومت کا جو طرز عمل تھا۔ اس نے کاشتکاروں کی حالت کو اور بھی تباہ کر دیا۔ ان حالات میں ہندستانی تہذیب کا اینگلو انڈین شکل اختیار کرنا لازمی تھا۔ چنانچہ سامراج شاہی کے سامنے بے دست و پا بلکہ دست بستہ کھڑے ہوتا ہندستانی قوم کا کیرکیٹر بن گیا۔ ہندستان میں اس سیاسی انقلاب کے لئے اقتصادی اور معاشرتی انقلاب بھی ہوا۔ جس نے صرف ہماری پرانی بزم آرائیوں کا ہی خاتمہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیں ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔ وہ راہ جس پر ہم اس وقت تک چل رہے ہیں۔ اس راستہ میں ہمارے قافلہ کو کن کن مشکلات و حوادث کا سامنا کرنا پڑا۔ کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس عرصہ میں کتنی منزلیں طے کرنی پڑیں۔ اب مختصر الفاظ میں ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ تاکہ گذشتہ سے آئندہ کے لئے فائدہ حاصل کر سکیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد ایک عام انتشار

جب ہم تاریخ کے اس دور میں داخل ہوتے ہیں: تو ہندستان کو عام طور پر ایک منتشر حالت میں پاتے ہیں۔ انتشار کی شکل میں حنفی اور وہابی کی کشمکش۔ سناتنی اور آریہ سماجی کی جنگ اور پنجاب میں کوکا اور دوسری سکھ جماعتوں کی لڑائی۔ ان جھگڑوں کے لئے مستقل اڈے بنے ہوئے ہیں۔ اور ان مراکز سے مرکز کے نام پر لوگوں کو لڑائی کی تلقین کی جاتی ہے۔ مسجدوں میں لاٹھی چلتی ہے۔ مندروں میں مورتیوں کو توڑا جاتا ہے۔ اور گوردواروں میں بھی اسی قسم کی دھینگا مشتی ہوتی ہے۔ ایک عام معیار کے مطابق یہ حالات نہایت مایوس کن ہیں۔ لیکن ایک تحریک کے بعد جب دوسری تحریک جنم لیتی ہے۔ اور ایک عمارت کو گرا کر جب دوسری عمارت بنائی جاتی ہے۔ تو اس قسم کی تمام باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو تخریب کے بعد تعمیر کے لئے ضروری ہیں۔ جس وقت میں وہ صورت حال کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میرا یہ فرض ہے۔ کہ میں اس جماعت کا بھی ذکر کروں۔ جو انگریزی حکومت کے قیام سے پیدا ہوئی۔ یعنی ریاستی اور جاگیردارانہ نظام۔ اس نظام کو چلانے والی جماعت تاریخ کے اندر ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ جب یہ لوگ رئیس یا جاگیردار کی حیثیت میں سامنے آتے ہیں۔ تو پرانے زمانے کے مطلق العنان حکام کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ دوسری طرف جب یہ گروہ سرمایہ دار کی حیثیت میں اپنا روپیہ تجارت میں لگاتا ہے تو اس وقت انگریزی سانچے میں ڈھلا ہوا ایک بیوپاری نظر آتا ہے۔ اس جماعت کو اپنی دو حالتوں پر قرار نہیں۔ اس سے آگے بڑھکر حکومت کے انتظامی اداروں پر یہ جماعت قبضہ کرتی ہے۔ اور اس کے بدلے میں برٹش امپیریلزم کو فوج اور روپیہ دیتی ہے تاکہ انگریزی شہنشاہیت مضبوط

اور وسیع ہوتی رہے۔ ہر ہر جگہ مذہب کے نام پر یہ جماعت مختلف مذاہب کے پیروں کو ہمیشہ الگ الگ رکھنے کی حامی ہے۔ چنانچہ علیحدہ علیحدہ تعلیمی درسگاہیں جاری کرتی ہے۔ ان پر روپیہ لگاتی ہے۔ اپنے مقاصد کے پرچار کے لئے اخبار نکلواتی ہے۔ لٹریچر شائع کرتی ہے اور مبلغ تقرر کرتی ہے۔ حتیٰ کہ زندگی کے ہر ایک شعبے پر کم و بیش حاوی ہے۔ آج کے ہندستان میں اس جماعت کے جو مفاد ہیں۔ ان کا ذکر اپنے وقت پر آئے گا۔ اس تمہید کے خاتمے سے پہلے ان تبدیلیوں کا خلاصہ ہمیں اپنے سامنے رکھ لینا چاہیے جن کو حنفی اور وہابی سناتنی اور آریہ۔ اور کوکا تحریکیں کہتے ہیں پنجاب میں سکھ حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی جس جماعت کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ وہ ہیں پنجاب کی ریاستیں اور بڑے بڑے جاگیردار۔ انہی لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ چیف خالصہ دیوان اور سنگھ سبھا کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ دوسری طرف آریہ سماج کے بانی سرسوتی سوامی دیانند جی نے آریہ سماج کی تحریک کا آغاز کیا۔ مسلمانوں میں تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے تحریک شروع ہوئی۔ مسلمانوں میں جو قابل ذکر کام ہوا۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ تحریک تھی۔ جو احمدیہ یا مرزائی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ ان تحریکات کا اثر یہ ہوا۔ کہ ہر فرقہ میں کچھ ایسے آدمی پیدا ہو گئے جن کے دل میں نئی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے فرقہ کی خدمت کا جذبہ بھی کارفرما رہا۔ مگر ان سب پر حکومت کی وفاداری بے حد ضروری سمجھی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ سکھوں میں گورو رام داس کی تحریک ایسی تھی۔ جس نے پنجاب پر ایک خاص اثر کیا اور جس کی ناکامی کے اثرات کو پنجاب والوں نے خوب محسوس کیا۔ آریہ سماج کی تحریک کو بھی حکومت نے کافی خطرناک تصور کیا۔ لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ حکومت کے خدشات غلط تھے۔

تخریب اور تعمیر

قاعدہ کی بات ہے، کہ ہر تخریب میں تعمیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس قومی انتشار کے اندر جو گذشتہ صدی میں اس ملک میں جاری رہا۔ ایک تعمیر کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جہاں ہم اپنا پرانا لباس اتار رہے تھے۔ وہاں نیا لباس پہننے کی تیاری میں مصروف تھے۔ کچھ موافق اور کچھ ناموافق حالات میں ہم نے نیا لباس پہننا شروع کیا۔ لیکن اس معاشرتی تبدیلی میں سب سے زیادہ سیاست کارفرما تھی۔ اور اس کا بانی کار برطانوی سامراج تھا برطانوی سامراج کی حیثیت اس استاد کی سی تھی۔ جس نے پہلے تو شاگرد کو خوب پیٹا ہو اور اس کی ساری دماغی آزادی کو تشدد سے مٹا دیا ہو اس کے بعد کچھ مسکراہٹ اور کچھ غصے سے اس طالب علم کو اپنی تختی پڑھنے پر مجبور کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس تعلیم کو روزی کا ذریعہ قرار دیا جائے۔

جب ہندستان نے اپنی گذشتہ شان کو ایک ویرانے میں بدلا ہوا دیکھا اور آئندہ کے لئے امید کی کوئی بھی جھلک نہ دیکھی۔ تب ایک یتیم بچے کی طرح اسی اجنبی استاد کو مائی باپ سمجھ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ ایک طرف سلطنت گئی دوسری طرف دستکاری کی صنعت اور اس کے علاوہ تجارت بھی گئی۔ نہ آزادی رہی نہ روٹی۔ ایسے وقت میں سوائے اس کے چارہ کار ہی کیا تھا کہ ملک اسی لکیر پر چلے جو اس کے سامنے کھینچ دی گئی ہو۔

وہابی تحریک

وہابی تحریک کا آغاز سکھ حکومت کے خاتمے سے قبل ہی ہوا اور اس تحریک کے لیڈر شاہ اسمٰعیل شہید نے کئی لڑائیاں سرحد پر اس حکومت سے لڑیں لیکن جب سکھوں کی حکومت پنجاب سے ختم ہو گئی تو مجاہدین کے اس گروہ نے کوئی ایسا نمایاں کام نہیں کیا جس سے زندگی کا ثبوت ملتا ہو۔

ان کی تحریک اصلاحی تھی اور مغل حکمرانوں سے ناراض ہو کر دہلی سے نکل گئے تھے اور محمد شاہ کے عہد میں افغانستان کے آزاد علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے جہاں آج تک مقیم ہیں جس طرح مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہندو مسلمانوں نے ۱۸۵۷ء میں ایک کوشش کی تھی۔ اسی طرح پنجاب میں سکھ راج کے خاتمہ پر ایک کوشش بابا رام سنگھ کی سرکردگی میں کوکا تحریک کے نام سے شروع ہوئی جو دبا دی گئی۔ مجھے اس جگہ اس تحریک کی تفصیل کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حصول مقصد کے لئے ایک سنجیدہ کوشش کی گئی تھی جو ناکام رہی۔ ہم مشرقیوں کی ہر کوشش ایک خاص رنگ میں ہوا کرتی ہے جس کا واضح ترین پہلو مذہب ہوتا ہے۔ چنانچہ کوکا تحریک بھی اپنے پیچھے ایک مذہبی گروہ چھوڑ گئی جس کا آج وہ مشن نہیں جو بابا رام سنگھ جی کا تھا۔

اسی طرح سوامی دیانند سرسوتی کا مشن اپنے زمانہ میں کافی ترقی پسند اور حکومت کے لئے خطرہ کا باعث تھا اور ہندستان والے خیال کرنے لگے تھے کہ شاید رہنمائی کا سہرا انہیں کے سر رہے لیکن آج کا آریہ سماج کتنی بلندی پر ہی کیوں نہ چلا جائے۔ ایک شنرہی کی حیثیت سے وہ زیادہ نہیں ہے۔ گو قائم ہے اور بڑھ رہا ہے۔ حاصل کلام اس ساری کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ سکھ امراء تو حکومت کے غلام تھے۔ سکھ عوام کو بھی مذہب کے نام پر یہ سمجھا دیا گیا کہ حکومت کا ساتھ دینا ہی مناسب ہے۔ ایک جانب مسلمان لیڈروں اور علماء کو مرزائی تحریک کا مقابلہ کرنے کے علاوہ کسی دوسرے کام کی فرصت نہ تھی۔ دوسری طرف جو علاقہ فوجی بھرتی کے قابل تھا اسے حکومت نے بڑے بڑے جاگیرداروں میں بانٹ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان علاقوں میں انگریز کے سوا کسی کا ذکر کرنا ایک قسم کی غلطی سمجھا جانے لگا۔ ان علاقوں کے مولوی اور پیر زمینداروں کے محتاج تھے ہی جو گروہ تعلیم سے آشنا ہو گیا تھا وہ بھی ہائی کورٹ کی ججی اور ڈپٹی کمشنری کے علاوہ دوسری بڑی بڑی سرکاری ملازمتیں ملنے کے باعث وفاداری کا دم بھرنے پر مجبور ہو گیا۔ پنجاب کی حکومت اس طرح راستہ صاف کر کے مطمئن تھی بالخصوص اس لئے کہ ہمسایہ سلطنت پر حبیب اللہ ایسا بادشاہ تھا جو حکومت ہند کا وظیفہ خوار تھا۔

سنہ ۱۹ ء میں بین الاقوامی حالات

جس وقت ہندستان میں کانگریس کی تحریک بڑھ رہی تھی۔

اپنی دونوں شرقِ قریب میں اتحادِ عالمِ اسلامی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اس کام کو ترکی کا تاجدار سرپرست سلطان ٹرکی (سلطان عبد الحمید) یورپی سیاست ترکی کو تقسیم کرنے کی حامی تھی۔ لیکن یہ فیصلہ کبھی نہ کر سکی۔ کہ اس کا کتنا حصہ کس کے پاس رہے۔ ترکی کے ایک طرف تو روس گرج رہا تھا۔ دوسری طرف اٹلی اپنے قیصر جرمنی سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ انگریز نہر سویز کی اہمیت کے پیش نظر مصر میں دو دھکی کی وجہ سے پریشان تھے۔ اٹلی ہمیشہ دن سلطنت ترکی کو کمزور کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اور طرابلس کے علاقوں میں یہ سب بغاوتیں آزادی کے نام پر ہو رہی تھیں ان کے دو پہلو تھے۔ ایک یہ کہ محکوم باشندے واقعی آزادی کے خواہشمند تھے دوسرے سلاطین یورپ کی سیاست بھی یہی تھی۔ چنانچہ ترکی سلطنت میں صوبہ وار علیحدگی ہو رہی تھی۔ ترکی میں اس کے علاوہ بھی ایک کمزوری بڑھ رہی تھی۔ وہ تھی عرب اقوام میں تحریک آزادی کا زور۔ تمام عربی ممالک یورپ کے قریب تر ہونے کے باعث ان جذبات سے متاثر تھے۔ نیز یورپ کے سیاستدان بھی تمام جزیرۂ عرب کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دینا چاہتے تھے۔ اسی خیال کے پیش نظر ہمارے ہی مہربان برطانوی سامراج نے بھی عربی تحریک آزادی کو ہوا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے ترکوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ چنانچہ اس تحریک کو دبانے کے لئے سلطان ترکی نے اتحادِ عالمِ اسلامی کی تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کچھ عرصہ بعد اس کے شروع کرنے والے علامہ جمال الدین افغانی کو زہر دے کر مروا دیا۔

تیسرے جرمنی اس وقت جرمنی کو بہت آگے لے جا چکا تھا۔ اور جرمنی اس وقت دنیا کی بازار کا بہت بڑا حصہ دار بن چکا تھا۔ اس صورت حالات کو دیکھ کر روس برطانیہ اور فرانس ایک جگہ جمع ہوئے اور جنگ کا آغاز کر دیا گیا جرمنی کے ساتھ یورپ کا مردِ بیمار یعنی ترکی اور دیگر چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہوئیں اور امریکہ اور اٹلی دوسرے فریق میں جا شامل ہوئے۔ اور دنیا نے خون کی ہولی کھیلنا شروع کر دی۔

ہندستان میں اس عرصہ میں یعنی ۱۹۱۵ء میں کسانوں کے اندر کچھ بےچینی بڑھی۔ جس کو سرکار نے آسانی کے ساتھ دبا دیا۔ مسلمانوں میں کبھی کبھی طرابلس یا بلغاریہ وغیرہ کی بغاوت کے نام پر ترکی سلطنت کی ہمدردی کے مظاہرے ہوتے رہے۔ اس خاموش سمندر میں اچانک ایک طوفان آیا۔ میری مراد ۱۹۱۴ء کی سازش سے ہے۔ کچھ لوگ امریکہ اور دوسرے ممالک میں مزدوری کرنے کے خیال سے گئے۔ وہاں جا کر آزادی کی قدر و قیمت کا احساس ہوا۔ تو اس عزم کے ساتھ واپس لوٹے کہ پہلے اپنے وطن کو آزاد کرائیں گے اور پھر گھروں کو جائیں گے۔ ان کی یہ کوشش ناکام ہوئی اور اس کا الٹا اثر زائل کرنے کے لئے چیف خالصہ دیوان نے اکالی تخت کو استعمال کیا اور اعلان کیا کہ سازش میں حصہ لینے والے سکھ نہیں بلکہ غدار ہیں۔ یہ وقت بختی کا تھا اور یورپ میں جنگ ہو چکی تھی پنجاب نے اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ فوجی بھرتی۔ روپیہ غلہ ہر ایک چیز بازار حکومت کے قدموں میں ڈال دی۔ بتایا یہ امید کہ حکومت نتیجہ حاصل کرنے کے بعد ہمیں بھی کچھ رعائتیں دے گی۔ یا یوں کہئے کہ حکومت اپنی کوششوں میں پوری پوری کامیاب ہوئی۔ اور پنجاب نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا۔

بوس کا گروہ

(جگدیش شکلا)

مسٹر بوس نے خبر سنائی ہے کہ وہ ایک اپنا گروہ کانگرس کے اندر بنا رہے ہیں جو پالیسی نصب العین پروگرام اور طریقہ کار میں کانگرس کا بالکل پابند ہو گا اور گاندھی جی کا انتہائی احترام کرے گا۔ گروہ کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ تمام باتیں جو بائیں بازو کے ہر گروہ میں مشترک ہیں لیکر بائیں بازو کی ہر پارٹی کو ملا کر ایک بنا دے گا۔ اور کانگرس کے موجودہ اعلیٰ کمان کا زور توڑ دے گا۔

مسٹر بوس نے یہ باتیں اس طرح ایک ہی بیان میں لکھدی ہیں، گویا کہ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حالانکہ ذرا سا بھی غور کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مسٹر بوس کے اس بیان میں بے حد تضاد اور تناقض پایا جاتا ہے۔

پہلے اعلیٰ کمان کے جھگڑے کو لیجئے۔ موجودہ اعلیٰ کمان پر یہ الزام ہے کہ وہ گاندھیائی ہے۔ یعنی مہاتما گاندھی کے بنائے اصولوں پر چلتا ہے اور ہر بات میں ان کا مشورہ لیتا ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس گروہ پر گاندھی جی کو بھی پورا بھروسہ ہے۔ اب دیکھئے کہ سوبھاش بوس اسی گروہ کی مخالفت کرنے اور اس کا زور توڑنے جا رہے ہیں، کیا اس کی مخالفت گاندھی جی کے اصولوں اور مشوروں کی مخالفت کرنا نہیں ہے؟ کیا اس جماعت کا زور توڑنا گاندھی جی کا زور توڑنا نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر گاندھی جی کی شخصیت کے احترام کا کیا مطلب۔ کیا سوبھاش بابو ان کی مورتی کو اپنے گروہ والوں سے پوجا کرا کے احترام کا ثبوت دیں گے؟

یہ تو ہوا ایک تضاد۔ اب دوسرا تضاد دیکھئے سوبھاش بابو کہتے ہیں کہ یہ پارٹی کانگرس کے موجودہ نصب العین پروگرام پالیسی اور طریقہ کار سے ذرا الگ نہ ہو گی۔ اور یہ واضح رہے کہ موجودہ کانگرس جمہوری اصولوں پر چلتی ہے اس پر قبضہ اکثریت کا رہتا ہے۔ اس وقت اور اس سے پہلے یہ اکثریت دائیں بازو والوں کی رہی ہے۔ اس لئے اس بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوبھاش بابو دائیں بازو والوں کے بنائے نصب العین پروگرام پالیسی اور طریقہ کار کے موید ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ مخالفت کس بات میں ہے؟ اور کیوں اعلیٰ کمان کو سوبھاش بابو الگ کرنا چاہتے ہیں؟

آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ موجودہ اعلیٰ کمان کا زور توڑنے کے لئے اگر کانگرس میں پھوٹ پڑ جائے تو کوئی برائی نہ ہو گی اور شاید ان کے بیان کا خاص جز یہی ہے وہ کانگرس میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور پھر اس حرکت کو جائز ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ کچھ ہی دن ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ اس وقت اتحاد بہت ضروری ہے، اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے اتحاد ٹوٹے۔

ہندستان سامراجی جنگ میں نہیں پڑیگا

جنگی ڈکٹیٹرشپ کی مخالفت کرنے کا تہیہ

حکومت اور ماتحت کمیٹیوں کو صوبہ کانگرس کمیٹی کی ہدایت

۱۳ مئی کو کانپور میں صوبہ کانگرس کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں آئندہ سال کا بجٹ پاس کیا گیا اور کانگرس کے دستور العمل میں دو تبدیلیاں منظور کی گئیں۔

سب سے اہم قرارداد اچاریہ نریندر دیو نے لڑائی کے متعلق پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان فسطائیت اور نازیت کے خلاف ہے اس سے کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ برطانیہ بھی تو فسطائیت کے خلاف ہے پھر ہم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ برطانوی سامراج نے جمہوریت کے ساتھ غداری کی ہے اور اس نے چیکوسلاویکیہ کی بربادی میں مدد کی ہے۔ ان حالات میں برطانیہ کو جمہوریت پسند قوم نہیں کہا جاسکتا اگر وہ جمہوریت پسند ہے تو وہ اپنی غلام قوموں کو آزاد کیوں نہیں کر دیتی یہی وجہ ہے کہ ہم برطانیہ کی مدد کرنے کے مخالف ہیں جب تک ہندستان آزاد نہیں ہوتا اس وقت تک لڑائی میں حصہ لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

صوبہ کانگرس کمیٹی کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے صوبائی ڈیلیگیٹوں کا جلسہ ہوا جس میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی دو خالی جگہوں کے لئے شری آر۔ ایس۔ پنڈت اور شری وسے کمار سنہا چنے گئے۔

صوبہ کانگرس کمیٹی کے جلسہ میں ۱۹۳۹ء کا بجٹ پیش ہوا۔ اس میں ۱ لاکھ ۷ ہزار ۵۹ روپیہ بیات آمد اور ایک لاکھ [illegible] کی آمدنی اور ۹۵ ہزار ۶۵ روپیہ اخراجات کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ اگلے سال میں ۵ ہزار روپیہ عوامی مطالبات کے لئے ۶ ہزار تحریک والنٹیر کے لئے ایک ہزار عورتوں کے کام کے لئے اور ۳۶ ہزار سروس کے لئے رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد جواہر لال نے دستور العمل میں دو تبدیلیاں کرنے کے لئے قرارداد پیش کی پہلی قرارداد کی رو سے کونسل کو کانگرس کے ممبروں اور عہدہ داروں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے ... [illegible] میں صرف صوبہ عدالت فیصلہ کرے ... کونسل کا یہ فیصلہ صوبہ عدالت رد نہ کر سکیگی دوسری قرارداد میں بتایا گیا ہے جس شخص نے پچھلے صوبائی الیکشن ... کے الیکشنوں میں کانگرس کے امیدوار کا مقابلہ کیا ہو وہ کانگرس کی کسی کمیٹی کے الیکشن یا اسمبلی یا کونسل اور بلدیات کے الیکشنوں میں کانگرس کی طرف سے کھڑا نہ ہوسکے گا جب تک ... کونسل سے اجازت نہ لیلے۔

جو لوگ اس قاعدہ کے خلاف الیکشن جیت گئے ہیں ... کونسل سے اجازت لینا ہوگی ورنہ استعفا ...

جنگ کا خطرہ

اچاریہ نریندر دیو نے جنگ کے خطرہ پر یہ قرارداد پیش کی:

”آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے جنگ کی ہنگامی حالت پر اور حکومت برطانیہ کی اس کوشش پر جو وہ دستور ہند میں ترمیم کرنے کی غرض سے کر رہی ہے تاکہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں تمام اختیارات مرکزی حکومت کو جو پوری طرح سے سامراج کے ایجنٹ کا کام کرتی ہے دے دیئے جائیں۔ جو قرارداد پاس کی ہے اس کا یہ کمیٹی پورے احترام کے ساتھ خیر مقدم کرتی ہے۔ حکومت برطانیہ کی اس پالیسی کا جو ہندستان کو لڑائی میں کھینچ لانا چاہتی ہے اور جو آجکل کی صوبائی حکومتوں کے محدود اختیارات تک کی جڑ کاٹتی ہے ہر حالت میں مقابلہ کیا جانا چاہیئے۔ دستور ہند میں جو ترمیم کرنے کی تجویز ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ مرکزی حکومت کی جنگی ڈکٹیٹرشپ قائم کی جائے اور صوبائی حکومتوں کے ہاتھوں سے تمام اصل اختیارات لے لئے جائیں۔

”لڑائی کے متعلق کانگرس کی پالیسی کا بہت دفعہ صاف الفاظ میں اور ذمہ داری کے ساتھ اعلان کیا جاچکا ہے۔ ہندستان صلح اور جنگ کے مسئلوں پر اپنی طرف سے باہری طاقتوں کو فیصلہ کرنے کا حق کبھی نہیں دے سکتا۔ اس قسم کی زبردستی کا مقابلہ کیا جانا چاہیئے اور یہی کیا بھی جائے گا

کی خاطر ہرگز لڑائی نہیں لڑے گا۔ اور نہ ایسے ذرائع سے دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیگا۔ چونکہ ہندستان غلام ملک ہے اس وقت تک وہ باہری دباؤ کے بغیر ان اہم مسئلوں پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا صرف ایک آزاد ہندستان ہی ان مسئلوں پر فیصلہ کرسکے گا۔ اس لئے قبل اس کے کہ ہندستان بین الاقوامی لڑائی میں کسی طرف سے حصہ لے اُسکی آزادی ایک ابتدائی ضرورت کی چیز ہے جب تک یہ آزادی نہیں ہے اس وقت تک اس کو لڑائی میں کھینچنے کی جو کوششیں کی جائیں ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ان کوششوں کا مطلب صرف یہی ہوسکتا ہے کہ حاکم سامراج لڑائی میں اسے اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرے۔

ہندستانی عوام پوری طرح سے نازیت اور فسطائیت کے خلاف ہیں اور نازی اور فسطائی طاقتوں کی ترقی کو ساری دنیا میں آزادی کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں۔ امن۔ جمہوریت اور آزادی کے استقلال کے لئے بین الاقوامی معاملات میں اس بڑھتی ہوئی شورہ پشتی کو روکنا چاہیئے۔

یہ کمیٹی حکومت برطانیہ کی اس پالیسی سے جسکے نتیجہ میں جمہور پسند قوموں کے ساتھ غداری اور چیکوسلاویکیا اور اسپین کی ٹریجڈی ظاہر ہوئی ہیں اپنی مکمل بے تعلقی کا اظہار کرتی ہے یہ پالیسی اب بھی جاری ہے اور اسکی وجہ سے آزادی کے مفاد کے ساتھ اور بھی غداریوں کا امکان ہے اگرچہ ظاہرا حالات اس کے برخلاف ہیں۔ اس وجہ سے ہندستان اور کسی صلح یا جنگ میں اپنے کو ایک ایسی حکومت کے ساتھ نہیں شامل کرسکتا جس کے ماتھے پر دنیا کی تاریخ میں آزادی اور جمہوریت کی دشمنی کا داغ لگا ہوا ہے۔ بین الاقوامی معاملات کی آج جو نازک حالت ہے اس میں جارحانہ کارروائی کو روکنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ ان تمام ملکوں اور قوموں کو جو بھی آزادی اور جمہوریت کے حامی ہیں ملاکر امن کا محاذ قائم کیا جائے۔ یہ امن کا محاذ اسی صورت میں بن سکتا ہے کہ سامراج کو اس سے نکال دیا جائے اور ہندستان اور دوسرے غلام ملکوں کو آزادی ملجائے۔ آزاد ہندستان بہنسی خوشی اس امن کے محاذ کی پابندی کرے گا اس لئے کہ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ساری دنیا میں امن۔ آزادی اور جمہوریت قائم ہوجائے مغربی یورپ کی حکومتیں جو جمہوریت کہلاتی ہیں حقیقت میں سامراج ہیں جو روز بروز فسطائی طریقوں پر کاربند ...

... کی سامراجی ... تمام زمین کی اور یہی پالیسی ہے ... تبدیلی نہیں کریگی اس وقت تک [illegible] ہندستان کی خوشنودی یا مدد کی امید نہ کرنی چاہیئے۔

اس لئے لڑائی میں ہندستان اپنے کو اس قسم کے کسی سامراج کے ساتھ نہیں شامل کرسکتا اور اس میں کھینچے جانے کی تمام کوششوں کا مقابلہ کرے گا۔ ہندستانی فوجی دستوں کے باہر بھیجے جانے کو یہ کمیٹی ناپسندیدگی سے دیکھتی ہے اور ان کے ہندستان کے باہر سامراجی کاموں کے لئے استعمال کئے جانے پر پرزور احتجاج کرتی ہے یہ کمیٹی اعلان کرتی ہے کہ صوبائی حکومتوں کی طاقت یا اختیارات میں کسی کمی کو جیسا کہ قانون ہند میں ترمیم کی تجویز کیا گیا ہے برداشت نہیں کیا جائے گا اور اس کو زبردستی لادنے کی ہر کوشش کا مقابلہ کیا جائے گا۔ اس لئے یہ کمیٹی صوبائی حکومتوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اس پالیسی پر سختی سے عملدرآمد کریں اور خاصکر لڑائی کی تیاریوں اور سامان جنگ فراہم کرنے میں اشتراک عمل کرنے سے انکار کردیں۔

یہ کمیٹی اپنی ماتحت کمیٹیوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اس قرارداد کی پوری طرح سے اشاعت کریں اور اس طرح اس صوبہ کے عوام کو عنقریب آنے والی الجھن کے لئے تیار کریں۔

مزدوروں کی بے چینی

شری ہری ہرناتھ شاستری کی تحریک پر ایک قرارداد میں صوبہ کے مزدوروں کی حالت اور مل مالکوں کے نئے دھاوے پر تشویش ظاہر کی گئی اور حکومت سے امید کی گئی کہ وہ مزدور سبھاؤں کو تسلیم کرانے۔ انھیں اجتماعی مول تول کرنے کا حق دینے۔ بلا نوٹس مزدوروں کو علیحدہ کردینے کی روک تھام کرنے۔ مزدوری کی شرح مقرر کرنے اور مزدوروں کی بھلائی کے دوسرے کام کرنے کے لئے قانونی کارروائی کرے گی۔

صوبہ کانگرس کمیٹی نے قومی مطالبات اور ”قرل سیوادل“ پر صوبہ کونسل کی قراردادیں بھی منظور کرلیں۔

کسانوں کو کھیت یکجا کرنیکا اختیار

قرضہ بل یوپی اسمبلی میں بحث مباحثہ

۱۱ مئی کو کھیت یکجائی بل کی تیسری خواندگی ختم ہوجانے پر آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے اودھ عدالتی ترمیمی بل پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس بل کا مقصد یہ ہے کہ اودھ چیف کورٹ کے خاص اختیارات ختم کردیے جائیں اور سول ججوں کو ہر قسم کے مقدمے فیصل کرنے کا اختیار دیدیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ آگرہ اور اودھ کے سول ججوں میں کافی قابل لوگ موجود ہیں اور حکومت کو بھروسہ ہے کہ یہ لوگ ہر مالیت کے مقدمے فیصل کرسکتے ہیں اسکے علاوہ اس طرح پر صوبہ کو ۴۰ ہزار سے ۵۰ ہزار تک کی بچت ہوجائیگی۔

تھوڑی سی بحث کے بعد بل کی تیسری خواندگی پاس ہوگئی۔ ڈاکٹر کاٹجو نے شکر فیکٹری کنٹرول ایکٹ ترمیمی بل پیش کیا۔ اس بل سے یوپی کے کارخانوں کو باہری صوبوں مثلاً بہار کا گنا خریدنے کی اجازت ملجائے گی۔ ڈاکٹر کاٹجو کی تحریک پر ایک ترمیم پاس ہوئی کہ اگر گنا پیرنے کے متعلق حکومت کے احکامات نہ مانے گئے تو مل مالک یا منیجر یا دونوں کو ۶ مہینہ ...

۱۱ مئی کو یوپی اسمبلی میں کھیت یکجائی بل کی تیسری خواندگی پاس ہوگئی۔

دفعہ ۳ میں کسی گاؤں کے ایک تہائی سے زیادہ کاشتکاروں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ کھیت یکجائی افسر کو درخواست دیکر کھیتوں کو یکجا کرالیں۔ راجہ بشیشر دیال سیٹھ نے اسمیں یہ ترمیم پیش کی کہ گاؤں یا محال کے مالک یا نمبردار کو بھی کھیت یکجا کرانے کیلئے درخواست دینے کا حق ملنا چاہیئے۔

سر محمد یوسف نے زمینداروں کی نیک نیتی پر زور دیا اور کہا کہ زمینداروں کو لگان کلکٹر لینے کی دلیل میں سوشلزم کی بو آتی ہے۔

ٹھاکر حکم سنگھ پارلیمنٹری سکریٹری نے کہا کہ یہ ترمیم محض جذباتی بنیاد پر پیش کیگئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ بل میں لفظ کاشتکار میں زمیندار بھی شامل ہیں اسکے علاوہ دوسری دفعوں میں بھی اس کا خیال رکھا گیا ہے اسلئے یہ ترمیم بالکل غیرضروری ہے۔ مسلم لیگیوں نے راجہ بشیشر دیال سیٹھ کی تائید ...

فلسطین کیلئے برطانیہ کی نئی اسکیم

دس برس میں آزادی دینے کا وعدہ

یہودیوں کی آمد ۷۵ ہزار پر ختم ہوجائے گی!

حکومت برطانیہ کے ایک سرکاری اعلان میں فلسطین کو دس برس میں مکمل آزادی دینے اور یہودیوں کی آمد کو ۵ سال کی مدت میں ۷۵ ہزار پر ختم کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

نئی حکومت برطانیہ سے معاہدہ کرے گی اور اس میں دونوں ملکوں کی تجارتی اور جنگی ضرورتوں کا مناسب بندوبست کردیا جائے گا۔ حکم برداری کے ختم کرنے کے لئے لیگ آف نیشنز کی منظوری ضروری ہوگی۔ آزاد حکومت میں عرب اور یہودیوں کا تناسب ایسا ہوگا کہ دونوں فرقوں کے اہم مفاد کی حفاظت ہوسکے۔

ذمہ دار حکومت کے قیام سے پہلے ایک درمیانی وقفہ جس میں انتظامات حکومت برطانیہ ہی کے ہاتھ میں رہیں گے۔ اور عوام کو حکومت کے انتظامات میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے گا۔

امن قائم ہوتے ہی فلسطین کے باشندوں کو موقع دیا جائے گا کہ وہ برطانوی مشیروں کی مدد سے اور ہائی کمشنر کی زیر نگرانی تمام محکموں کا انتظام کریں۔ اور فلسطینی حکام اعلیٰ ہائی کمشنر کی مجلس انتظامیہ کے ممبر ہونگے بعد میں اس کونسل کو وزیروں کی کونسل بنانے پر غور کیا جائے گا۔

اسکے ۵ برس بعد فلسطینیوں اور حکومت برطانیہ کے نمایندوں کی ایک کمیٹی درمیانی وقفہ کے دستوری انتظامات پر غور کرکے آزاد فلسطین کے دستور اساسی کے لئے سفارش کرے گی۔

”عرب میکماہن خط وکتابت کی بنا پر جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین میں عرب حکومت قائم کردیا جائے حکومت اسے رد کرتی ہے اور اسی طرح وہ یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ فلسطین یہودی ریاست بنادیا جائے رد کرتی ہے اسلئے کہ یہ دعویٰ حکم برداری میں عربوں کے ساتھ جو ذمہ داری ہے اسکے خلاف ہے“ برطانوی حکومت یہودیوں کی آمد کی رفتار ایسی رکھنا چاہتی ہے کہ وہاں یہودیوں کی آبادی ایک تہائی کے لگ بھگ ہوجائے۔ ۵ سال تک ہر سال ۱۰ ہزار یہودیوں کو آنے کی اجازت ہوگی اور دوسرے ملکوں سے بھاگے ہوئے پناہ گزینوں ...

لیکن اسکے بعد عربوں کی رضامندی کے بغیر کسی مزید آمد کی اجازت نہ ہوگی۔ زمین کی خرید وفروخت کے قاعدے ہائی کمشنر بنائے گا۔

۲۲ مئی کو دارالعوام میں وزیر نوآبادیات مسٹر مالکم میکڈانلڈ نے اس مسودہ پر تقریر کرتے ہوئے اس بات کی سختی کے ساتھ تردید کی کہ برطانیہ نے عربوں یا یہودیوں سے وعدہ خلافی کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ برطانیہ نے یہودیوں کو یہودی حکومت دینے کا کبھی وعدہ نہیں کیا تھا بلکہ انھیں ایک قومی وطن دینے کا وعدہ کیا تھا جو اس سے بہت کم ہے عربوں کی بابت انھوں نے کہا کہ جنگ عظیم کے زمانے میں انھیں صاف صاف بتایا گیا تھا کہ حکومت برطانیہ فلسطین میں یہودیوں کی واپسی کی حامی ہے اور اس نے تہیہ کرلیا ہے کہ ان کی واپسی کے راستہ میں کوئی روک نہ ڈالی جائے۔

آزاد فلسطین کے ساتھ برطانیہ کے معاہدے پر انھوں نے کہا کہ حکومت برطانیہ کو اس بات کا اطمینان کرلینا ہوگا کہ وہ برطانوی مفاد کی حفاظت کے لئے فلسطین میں فوج اور ہوائی طاقت کا کافی بندوبست کرسکے گی۔

عربوں اور یہودیوں کی رائے

برطانیہ کی تجویز سے دونوں کی بیزاری

یہودی برطانیہ کی تجویز کو وعدہ خلافی سے تعبیر کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ ان کے ... [illegible] ... کے بعد ان تجویزوں پر عملدرآمد کرکے ہی فلسطین سے ... یہودیوں نے ان تجویزوں کے خلاف بطور احتجاج ایک دن کا ... کیا۔

عرب دس سال کی مدت کو بہت زیادہ خیال کرتے ہیں۔ مصر۔ سعودی عرب اور عراق کی حکومتوں نے برطانوی تجویز کی تائید کرنے اور اس کی سفارش کرنے سے انکار کردیا ہے۔

یوپی اسمبلی کی کارروائی (بقیہ صفحہ ۱۳)

سے یا یا کہ حکومت یا گنا کمشنر کے احکامات کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ نہیں چل سکتا۔

موٹر ٹیکس بل۔ اصلاح قصبات بل اور تاوان لگان سے متعلق ترمیمی بل بھی اسمبلی میں پاس ہوئے۔ تاوان کو کسانوں اور مزدوروں کے قرضہ کی ادائیگی کا بل پیش ہوا۔

کانگریس پارٹی کے کئی ممبروں نے اس بل کو ناکافی بتایا اور کہا کہ اس سے زمینداروں کی امداد ہوگی اگرچہ وہ امداد کے مستحق نہیں ہیں۔ جمنا پرشاد [illegible] کہا کہ اس بل میں قرضداروں کی حیثیت کاشتکاروں [illegible] انھوں نے ایک ایسے بل کی سفارش کی جس سے کسان کا تمام قرضہ کالعدم ہو جائے۔

آنریبل حافظ محمد ابراہیم نے اپنی جوابی تقریر میں بتایا کہ قانون بناتے وقت اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں ساکھ ختم ہو جائے۔ قرضداروں کی حیثیت کے متعلق انھوں نے کہا کہ اسکو قانون میں شامل کر دینے سے قانون ناکارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انگلینڈ کے ۱۹۳۱ء کے مقدمے ابھی تک چل رہے ہیں۔ حکومت نے شرح سود کم کر کے اور دوسرے طریقوں سے بھی کسانوں کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کی ہے۔

۱۶ مئی کو انڈین میڈیسن بورڈ کی پہلی دوسری اور تیسری خواندگی ختم ہوگئی۔ آنریبل مسٹر پنڈت نے کہا کہ پہلے سال میڈیسن بورڈ میں حکیموں اور ویدوں کا نائب حکومت مقرر کریگی اور وہی صدر مقرر کریگی اسکے بعد تجربہ کی بناپر مزید ترمیمیں ہو سکیں گی۔

ایوان نے ایک بل کی رو سے حکومت کو میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کی موجودہ میعاد کو ایک سال تک کے لئے بڑھانے کا اختیار دیدیا۔

۱۷ مئی کو مسلم لیگ کی طرف سے عزیز احمد صاحب نے کانپور میں مسلم لیگ کے دفتر کی تلاشی کو فوری ضرورت کا مسئلہ بتا کر ایک تحریک التوا کے لئے اس پر بحث کرنی چاہی۔ ڈپٹی اسپیکر نے کہا کہ یہ فوری اہمیت کا مسئلہ نہیں ہے اور تلاشی حکومت کی عام پالیسی میں نہیں آتی۔ اس بناپر انھوں نے تحریک التوا کو رد کر دیا۔ دوسری تحریک نواب زادہ لیاقت علیخاں نے پیش کرنا چاہی جسکا مقصد کانپور کے متعلق مخالف پارٹی کے سوالات [illegible] تحریک بھی رد ہوگئی۔

اس پر مسلم لیگ کے ممبر واک آؤٹ ہو گئے۔ ڈاکٹر کاٹجو نے ڈپٹی اسپیکر پر حکومت اور کانگریس پارٹی کے مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور مخالف پارٹی کی اس حرکت پر نکتہ چینی کی۔

اسمبلی کا اجلاس نامعلوم مدت کیلئے ملتوی ہو گیا

مشترکہ اجلاس

[illegible] مئی کو [illegible] بجے [illegible] دوسری مرتبہ کونسل اور اسمبلی کا اجلاس ایک ساتھ ہوا۔

یہ اجلاس حکومت کے پٹرول ٹیکس بل پر غور و بحث کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اسمبلی نے ٹیکس دو آنے گیلن رکھا تھا لیکن کونسل نے اسے گھٹا کر ڈیڑھ آنہ گیلن کر دیا۔ اسمبلی نے اس ترمیم کو نامنظور کر دیا لیکن کونسل اپنی رائے پر جمی رہی۔ نتیجہ دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس بلایا گیا۔

ہل مالک سبھا کے نمائندے سر جوالا پرشاد سریواستو اور انکے لیگی ساتھیوں نے حکومت پر اعتراض کیا کہ وہ ٹیکس پر ٹیکس لگائے جاتی ہے یہ بالکل نامناسب ہے اس ٹیکس کا اثر غریبوں پر پڑیگا۔

آنریبل ڈاکٹر کاٹجو نے کونسل کی ترمیم کی مخالفت میں کہا کہ اگر کونسل کی طرف سے بل کی سرے ہی سے مخالفت ہوتی تو بات سمجھ میں آسکتی تھی لیکن ٹیکس کو ۲ سے گھٹا کر ڈیڑھ آنہ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ کونسل کو بھی اس ٹیکس کے اصول سے اتفاق ہے۔ انھوں نے کہا کہ دو پیسہ فی گیلن بڑھ جانے سے پبلک کی ضرورت کے لئے [illegible] روپیہ مزید ملجائے گا اور اس سے غریبوں پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑیگا۔

آنریبل حافظ محمد ابراہیم نے بتایا کہ موٹر آمدورفت ٹیکس کمیٹی کی رپورٹ سے [illegible] موٹروں کا کاروبار کافی جم چکا ہے اور یوپی [illegible] موٹر لاریوں کے مالکوں کو منافع اتنا ہوتا ہے کہ وہ ٹیکس ادا کر سکیں۔ یوپی میں دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں موٹروں پر ٹیکس بہت کم ہے حکومت نے دیہی اضلاع میں سڑکیں درست کرانے کا پکا ارادہ کر لیا ہے اور یہ ٹیکس اسی مد میں صرف ہوگا

ڈاکٹر کاٹجو کی ترمیم کہ ٹیکس ڈیڑھ آنہ کے بجائے دو آنے فی گیلن کر دیا جائے ۹۵ کے مقابلہ میں ۱۴۰ ووٹ سے پاس ہوگئی۔ اور یہ ترمیم شدہ [illegible]

برطانیہ رعایتیں دیکر امن نہیں خریدنا چاہتی

دارالعوام میں وزیر اعظم کا اعلان

امن کیلئے کوئی تعمیری کوشش نہیں ہو رہی ہے

(میجر ایٹلی)

"ہم ایسی رعایتیں دیکر امن نہیں خریدنا چاہتے جن سے مانگیں اور بڑھ جائیں۔ لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ایسے طریقوں پر بحث کرنے سے انکار کر دینگے جن سے کہ ہم دوسری قوموں کے مناسب مطالبات پورے کر سکتے ہوں خواہ اسکے لئے موجودہ حالات میں تھوڑا رد و بدل ہی کیوں نہ کرنا پڑے"

ان الفاظ میں ۱۹ مئی کو وزیر اعظم چیمبرلین نے دارالعوام میں اپنی بیرونی پالیسی کا اعلان کیا۔

انھوں نے کہا کہ برطانیہ دوسری حکومتوں کے ساتھ جو معاہدے کر رہی ہے انکا مقصد جارحانہ نہیں ہے۔ برطانیہ اور ترکی کے معاہدے کے متعلق انھوں نے کہا کہ صرف بحر روم میں جنگ چھڑ جانے پر ایک دوسرے کی مدد کرنا نہیں بلکہ بلقانی علاقہ میں امن کی حفاظت کرنا بھی اسکا مقصد ہے۔ روس کے ساتھ برطانیہ کی بات چیت پر انھوں نے کہا کہ اگرچہ روس نے برطانیہ کی تجویزوں پر شبہ ظاہر کیا ہے لیکن "میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حکومت برطانیہ نے کبھی کسی ایسی بات کی خواہش نہیں کی جسکو کرنے کیلئے وہ خود تیار نہ تھی"

مسٹر لائیڈ جارج نے کہا "ہمیں لڑائی کے بجائے امن کو لابدی بنا دینا چاہئے مہینوں ہوئے جب روس نے شرکت کرنے کو کہا تھا اور ہم مہینوں سے اس طاقتور دھکوسلے کا منہ تاک رہے ہیں"

میجر ایٹلی نے کہا "امن کے لئے کوئی تعمیری کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ ایک پریشانی کے عالم میں نئی جارحانہ کارروائی کا انتظار ہو رہا ہے"

مسٹر ایڈن (سابق وزیر خارجہ) نے کہا "میں آجتک یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ دنیا کے اس حصہ یا کسی اور جگہ سلطنت برطانیہ اور روس کے مفاد کیسے ٹکرا سکتے ہیں"

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا پتہ ضرور لکھئے ورنہ تعمیل میں دیر لگیگی

لئے یہ انتہائی کشمکش کا موقع تھا۔

مگر سبھاش چندر بوس انتہائی ضبط اور تحمل سے کام لیکر دوسرے الفاظ میں اپنی ذاتی خودداری کو ختم کرکے اس بات پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اور پورے ہندستان کے سامنے مہاتماجی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کو ورکنگ کمیٹی بنانے کے متعلق ہدایت کریں۔

مہاتماجی دہلی میں وائسرائے سے ملتے ہوئے۔ کلکتہ پہونچتے ہیں۔ وہائٹ ہال یا شملہ کا سحر کہئے۔ مہاتماجی سبھاش بابو کو صلاح دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ اب ذرا اصرار کو دیکھئے، ایک طرف پنتھ رزولیوشن کی بنا پر گاندھی جی کا مشورہ ضروری۔ دوسری طرف مہاتما کا انکار سبھاش چندر بوس کیا کریں؟ —— مہاتماجی کے مطلب کو جواہر لال نہرو نے اس طرح ظاہر کیا۔ کہ پرانی ورکنگ کمیٹی کے ان ممبران کو دوبارہ چن لیا جائے۔ جو ایک دفعہ صدر کے ساتھ کام کرنے سے انکار کرچکے ہیں انھوں نے اتنی سخاوت اور کی کہ اگر سیٹھ بجاج اور جے رام داس نے ورکنگ کمیٹی سے استعفا دیدیا تو پھر صدر اپنی طرف سے دو ممبروں کو نامزد کرسکتے ہیں۔

اب ذرا صدر کی ذمہ داری کو دیکھئے۔

ہندستان کی انقلابی ذہنیت کا ترجمان ملک کے سامنے ایک پروگرام پیش کرتا ہے۔ ملک اس کو نہیں بلکہ پروگرام کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے صدر منتخب کرلیتا ہے۔ اب اگر سبھاش بابو جواہر لال جی کے کہنے پر عمل کرکے ورکنگ کمیٹی بنا لیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اس پروگرام کو پورا نہیں کرسکیں گے جس کو پورا کرنے کے لئے ملک نے ان کو صدر بنایا تھا دوسری طرف پھر بایاں بازو فیڈریشن کے خلاف کوئی جدوجہد نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ سبھاش بابو دائیں بازو کے اثر میں آکر کوئی عملی کام فیڈریشن کے خلاف کرنے سے معذور ہو جاتے۔ جو سب سے زیادہ برا تھا یا پھر یہ صورت ہوتی کہ بائیں بازو کو صدر کے خلاف فیڈریشن کی مخالفت کرنی پڑتی جس کے معنی یہ ہوتے کہ سبھاش بابو بائیں بازو سے چھوٹ کر دائیں میں جا ملتے۔ کیونکہ پارٹی صدر سے نہیں بلکہ عوام کی اکثریت سے بنتی ہے۔ ایسی صورت میں سبھاش بابو نے وہی کیا جو ایک کرنا چاہئے تھا یعنی انھوں نے ملک کو دھوکا دینے۔ ہندستان میں انقلابی جذبہ کو دبانے کے بجائے خود استعفا دیدیا۔ اب یہ دیکھئے کہ استعفا دینے سے ملک کو کیا فائدہ پہونچا۔

کانگرس کا بایاں بازو کمیونسٹ پارٹی۔ سوشلسٹ پارٹی۔ کسان اور مزدور سبھائیں اور تمام انقلابی جماعتیں۔ ہندستان کی بدقسمتی دیکھئے کہ آپس میں دست و گریباں تھیں۔ کوئی لینن کا دیا تو کوئی ٹراٹسکی کی اسکیم کا حامی اور زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے۔ جو غیر جانبدار کسی اسکیم کے حامی ہیں غرضکہ ہندستان کا یہ انقلابی فرقہ بکھرے دانوں کی طرح تھا۔ سبھاش بابو کے استعفے نے ان کو ایک مرکز پر لا کھڑا کیا —— یعنی بائیں بازو کی ظاہری شکست۔

اب اگر سبھاش بوس حقیقتاً انقلابی شخص ہیں تو واقعات نے ان کو ایسا موقع دیدیا ہے کہ وہ ہندستان کے لینن ثابت ہوسکتے ہیں یعنی ہندستان کی تمام انقلابی جماعتوں کو ایک کرکے ہندستان کی سیاست کا تختہ الٹ سکتے ہیں اگر بدقسمتی سے دوسری صورت پیدا ہوگئی۔ یعنی سبھاش بابو ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ تو بھی انھوں نے جواہر لال نہرو کے کہنے کے مطابق ورکنگ کمیٹی نہ بنا کر بائیں بازو کو دائیں بازو کی قید سے بچا لیا۔ اور دوسرے یہ دیکھتے ہوئے کہ اب وہ اس وعدے کو جو کہ انھوں نے ملک سے کیا تھا پورا نہیں کرسکیں گے تو انھوں نے استعفا دیکر ملک کو دھوکے میں نہ رکھا۔

اس سیاسی کشمکش نے دائیں اور بائیں بازو کی صورت کو بہت نمایاں کردیا۔ یہ ہندستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہے کانگرس ایک جماعت ہے جس کا نصب العین کامل آزادی ہونا چاہئے انقلاب پسند عدم تشدد سے فیڈریشن کے خلاف جدوجہد کرنا چاہئے۔ دائیں بازو کے بڑے لوگ اگر یہ حکم دیں کہ وہ عدم تشدد بیجا ہے۔ اور صوبجاتی حکومتیں امن قائم رکھنے کی صورت میں اگر کوئی کارروائی کرتی ہیں تو وہ ملک کی آزادی میں روڑے اٹکانا ہوگا۔

ہندستان کی بھوکی۔ بیمار اور فاقہ مست عوام کے ساتھ ہی کانگرس چلنا پڑے گا ورنہ وہ ملک کی بڑھتی ہوئی انقلابی رواس کو مٹادیگی۔ انقلابی تحریکیں دنیا کی تاریخ میں نہ کبھی مٹی ہیں۔ نہ مٹیں گی۔ بلکہ ہر رکاوٹ نے انقلاب کی آگ کو اور بھڑکایا ہے۔ اسوقت ہندستان کی تاریخ کا زریں باب شروع ہوگیا۔ یعنی سبھاش چندر بوس کا انقلابی ذہنیت میں کوئی تبدیلی یا کمی و بیشی کو نہ مانکر استعفا دینا۔ ہندستان میں انقلاب کو زندہ کردیتا ہے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جو ہندستان نے کلکتہ کے اجلاس میں پائی!

امداد باہمی

(وشنو سہائے)

حال ہی میں مسٹر وشنو سہائے آئی۔سی۔ایس نے لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے "امداد باہمی کے مقاصد اور کامیابی کے عنوان سے ایک بات چیت" نشر کی تھی۔ یہاں ہم ریڈیو اسٹیشن کے شکریہ کیساتھ اسکا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

آجکل دیہات سدھار کا بہت چرچا ہے اور اسکے سلسلہ میں امداد باہمی کی انجمنوں دکوآپریٹیو سوسائیٹیوں کا بھی تذکرہ کیاجاتا ہے۔ لیکن ان انجمنوں کی بابت لوگوں کے خیال بہت الجھے ہوئے ہیں بہت سے لوگ امداد باہمی کی انجمنوں اور حکومت کے محکمۂ امداد باہمی

کو ایک سمجھتے ہیں اور حکومت نے ان انجمنوں کی دیکھ بھال کے لئے جو افسر رکھے ہیں انہیں اکثر ان انجمنوں کا حصہ خیال کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حکومت ان سوسائیٹیوں کے ذریعہ لین دین کا کام کرتی ہے۔ لیکن اصل میں ان انجمنوں کا کسی سرکاری محکمہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور حکومت ان کے ذریعہ کوئی کاروبار نہیں کرتی بلکہ یہ عام لوگوں کی انجمنیں ہیں اور اپنے ممبروں کے لئے لین دین اور خرید و فروخت کرتی ہیں۔ نفع و نقصان کی ساری ذمہ داری بھی ان ہی ممبروں پر ہوتی ہے۔ حکومت کا کام صرف ان کی دیکھ بھال کرنا ہے۔

امداد باہمی کا صحیح مفہوم

اگرچہ انگریزی میں لفظ کو آپریشن کے معنی ہیں مل جلکر کام کرنے کے لیکن اب یہ ایک اصطلاحی لفظ بن گیا ہے۔ امداد باہمی کے موٹے موٹے اصول یہ ہیں کہ غریب اور لاچار آدمی الگ الگ رہ کر اور اپنا کاروبار ایک دوسرے سے علیحدہ رکھکر اتنا فائدہ نہیں اٹھا سکتے جتنا کہ آپس کے ملاپ اور ایک دوسرے کی مدد سے کام لیکر اٹھا سکتے ہیں۔ امداد باہمی کی انجمنیں ایک طرح کا پنچایتی نظام ہیں جس میں آدمی کی شخصیت کو اسکی دولت سے زیادہ اہمیت دیجاتی ہے اور مشترکہ آمدنی کے بانٹنے میں اس بات کا خیال کیا جاتا ہے کہ کس نے اس نفع کے پیدا کرنے میں کتنا حصہ لیا نہ کہ اس نے کاروبار میں کتنی دولت لگائی یہ بھی امداد باہمی کی ایک خصوصیت ہے کہ ممبروں کو عہدہ اور درجہ کو بھی آپس میں اشتراک عمل کرتے ہیں اور ہر گروہ میں مکمل ایکا اور ملاپ ہوتا ہے۔

انگلستان میں امداد باہمی کی شروعات کپڑا بننے والوں سے ہوئی انکو سوت رنگ اور اپنی ذاتی ضرورتوں کی چیزیں مشکل سے اور مہنگے داموں پر ملتی تھیں اور پھر انکی زندگی میں بھی دقت پڑتی تھی انکے پاس سرمایہ کی کمی تھی اور اسلئے مہنگے سود پر قرض لینا پڑتا تھا آخر انھوں نے پنچایتی طریقہ پر کام شروع کیا اور دکھا دیا کہ جن لوگوں کے پاس سرمایہ نہیں ہے وہ بھی اس سرمایہ پرست دنیا میں اپنا کاروبار چلا سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی امداد باہمی کی تحریک کے اصول تو قریب قریب ایسے ہی ہیں لیکن ہماری ضرورتیں انگلستان کے جولاہوں سے کسی قدر مختلف تھیں اور اسکا اثر ہماری امداد باہمی کی انجمنوں پر بھی ہوا۔ ہمارے یہاں جس چیز نے امداد باہمی کو ابھارا وہ ہمارے کسانوں کی غریبی اور انکے سروں پر قرضہ کا بوجھ تھا۔

کسانوں پر یوں تو سبھی ملکوں میں تھوڑا بہت قرضہ رہتا ہے لیکن ہمارے یہاں یہ لعنت اتنی بڑھ گئی کہ اس سے کسان کو محسوس ہونے لگا کہ وہ بالکل ہی تباہ ہوجائے گا۔

پرانے زمانے میں جب نقد لین دین کا اتنا رواج نہ تھا تو گاؤں کے اندر ہی ضرورت کے مطابق اصول بنجاتے اور سمجھوتہ ہوجایا کرتا تھا لیکن نئے قانون اور رہن سہن کے نئے طریقوں نے حالت اتنی بدلدی کہ حقیقی کسانی کیلئے بہت بڑا خطرہ پیدا ہوگیا۔

اسکا علاج کیا تھا؟

اگر حکومت یہ سارا کاروبار اپنے ذمہ لے لیتی یا بینک کو دلا دیتی تو اس سے ایک طرف تو قرضہ دینے والوں کی ساکھ ڈانواں ڈول ہوجاتی اور دوسری طرف تھوڑا بہت روپیہ ضرور مارا جاتا۔ لین دین کے کام میں ضمانت یا ساکھ پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے اور ہندستان کے کسان پہلے ہی سے اتنے غریب ہیں کہ وہ قرضہ کی ادائیگی کے لئے کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔ اسکے علاوہ صرف ایک دفعہ روپیہ دیدینے سے تو کام چلتا نہیں کاشتکار پھر قرض لیتا اور پھر اسی مصیبت میں پھنستا۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرضہ کا انتظام کردینا ہی کافی نہیں ہے اسکا صحیح استعمال بھی ضروری ہے حکومت یا بینک بھی اسکا کوئی بندوبست نہ کرسکتے تھے۔ اور اسکے لئے خاص آدمی رکھے جاتے تو انکی تنخواہیں کہاں سے آتیں۔ اس راستہ میں ایسی ہی اور بھی بہت سی دقتیں تھیں۔

اسکے بعد لوگوں کا خیال جرمن طرز کی انجمنوں کی طرف گیا۔ ان کو ریفائسن کہا جاتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا اصول مشترکہ ذمہ داری تھا۔ جس سے ساکھ کا مسئلہ حل ہوجاتا تھا۔ اسلئے کہ اگر ایک آدمی کی ساکھ کافی نہ تھی تو اپنے اور ساتھیوں کی مشترکہ ساکھ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور یہ لوگ اسبات کی دیکھ بھال بھی کرسکتے تھے کہ روپیہ ٹھیک خرچ ہورہا ہے یا نہیں۔ اس نظریہ کو پسند کیا گیا اور امداد باہمی کی انجمنوں کے پرچار انکی دیکھ بھال اور انکے حسابوں کی جانچ کے لئے ہر صوبہ میں ایک سرکاری محکمہ قائم ہوا۔ ان انجمنوں کے لئے پہلی ضرورت روپیہ کی تھی اور روپیہ دیہاتوں میں ملنا محال تھا اسلئے ضلعوں میں اور بعض چھوٹی جگہوں میں بھی امداد باہمی کے بینک کھولے گئے۔ ان کے اصول بالکل صحیح تھے اور شروع کے جوش میں بہت سی انجمنیں بنگئیں لیکن کام کرنیوالوں کی کمی تھی۔ ممبر اپنے فرائض ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکے اور نہ انکی دیکھ بھال کافی طور پر ہوسکی۔ چنانچہ بعض صوبوں میں لین دین کی امداد باہمی انجمنیں مشکلوں میں پھنس گئیں۔ اسی زمانہ میں اب سے کوئی نو برس پہلے ملک کے دام گرجانے سے یہ دقتیں اور بڑھ گئیں۔

اب تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ امداد باہمی انجمنوں سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے کافی سمجھدار اور مخلص کام کرنے والوں کی ضرورت ہے جو امداد باہمی کے اصولوں کو خود بھی اچھی طرح سمجھے ہوئے ہوں اور ممبروں کو انکے فرائض سمجھا سکیں تجربہ سے ایک سبق یہ بھی ملا ہے کہ ان انجمنوں کے کاروبار کو لین دین کے علاوہ دوسری طرف بھی بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ کسان کو کفایت شعاری سکھائیں۔ یہ عادت تب ہی پڑسکتی ہے جب گاؤں کا سماج درست ہو اور کسانوں کو فضول خرچی کی رسموں اور رہن سہن کے بُرے طریقوں سے چھٹکارا ملے اسی لئے امداد باہمی کی تحریک

دیہاتی زندگی

(سلام)

(۱)

جھلمل شہر سے کچھ دور جھال پور ایک گاؤں ہے۔ پریم اور شیشل وہیں پیدا ہوئے پریم ایک غریب کسان کا لڑکا تھا لیکن شیشل کا باپ گاؤں کا مکھیا تھا۔ اس نے شیشل کا نام شہر کے پرائمری اسکول میں لکھا دیا جہاں وہ پڑھتا رہا۔

یہ دونوں پڑوسی ہونے کے علاوہ ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے دونوں گاؤں کی سندر زمین میں، ماتا پتا کی گود میں۔ کومل اور پیپے گنگیتوں اور لوریوں سے سوتے اور سورج کی گرم کرنیں انکا پاؤں سہلا کر جگاتیں، سورج نکلتا۔ ڈوبتا، تارے نکلتے۔ اور چھپتے۔ بادل چھاتا، پانی برساتا اور بھی کاش ہاتھ منہ دھو کر ایک خوبصورت دیوی بنجاتا ——— یہ دونوں پلے اور بڑھے۔

(۲)

اب پریم اور اسکے غریب باپ کی زندگی یہ ہے کہ صبح کے تارے ابھی جھلملانے بھی نہیں پاتے کہ وہ اپنے رات کے آرام سے اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ ایسے وقت میں پروا کے نرم اور نازک جھونکے آکر ان کے دلوں میں آرام کی تمنا کو جگاتے رہتے ہیں۔ ان کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ جھونپڑے سے باہر نکلے، آکاش کو دیکھا جس میں تارے جھلملا رہے ہیں آسمان کے کنارے پر نظر ڈالی دھندلی روشنی رات بھر کے چمکتے ہوئے تاروں کو چھپتی جاتی ہے۔ یہ سہانا سماں انھیں اپنا رنگ دکھا کر انکے دلوں میں کچھ خواب کی سی تمناؤں کو زندہ کر دیتا ہے مگر وہ ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے دن کے کام کو یاد کرتے ہیں۔ کھونی رات بھر کی دبی ہوئی آگ پر پتیاں جمع کر کے آگ بنائی۔ تاپ تاپ کر ٹھٹھرے ہوئے ہاتھ پاؤں کو گرمایا پھر پاس کے ایک ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں جا کے بیل کھولے اور ٹھیک اُسوقت جبکہ سورج دیوتا کی کھڑی کھڑی کرنیں آسمان کے پوربی کنارے سے اوپر چڑھتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، یہ باپ بیٹے لمبے لمبے ہلوں کو کاندھے پر رکھکر کھیت کی طرف روانہ ہوئے کہیں کہیں ہرے ہرے پودے ٹھنڈی ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ انکی کونپلوں اور ملائم پتیوں پر اوس کے موتی جھلک رہے ہیں، ان کی نظریں اُدھر جاتی ہیں، مگر برسوں کی تھکاوٹ سے ایسی جکڑی ہیں کہ کچھ لطف نہیں اُٹھا پاتیں۔

ان کے کھیتوں میں آنے کے بہت دیر کے بعد شیشل جل پان کر کے اپنے بوٹ اور کوٹ کو پہنتا اور بال بناتا ہے اور پھر رنگین انگریزی کتابیں لئے ہوئے اسکول جاتا ہے انکے دل میں ترقی کی امنگیں اور مستقبل کے میٹھے میٹھے خواب ہیں۔

اب شیشل اور پریم کا مدتوں سامنا نہیں ہوتا اگر کبھی کبھار ایک دوسرے کو دیکھتے تو ان دونوں کو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے دلوں کے بیچ میں سمندر آ پڑے ہیں۔

(۴)

کسان روزانہ اپنے کام میں یونہی لگے رہتے ہیں۔ نہ نیچر کی خوبصورتی ان پر اثر ڈالتی اور نہ دنیا کی بہار انھیں اپنے کام سے روک سکتی۔ ہرا بھرا میدان۔ سہانا سماں۔ صبح کی بہار۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ سورج کی سنہری کرنیں ایسی ہیں جنکا شوق اکثر بے چین دل والوں کو شہر سے باہر کھینچ لیجایا کرتا ہے۔ مگر ان بدنصیبوں کے لئے وہ جگہ صرف ایک محنت گاہ ہے

(۵)

...... کسان کنوؤں سے پانی نکال نکال کر کھیتوں کو سینچ رہے ہیں اور چھوٹے چھوٹے پودے ہنستے کھیلتے نیچر کے گیت گا رہے ہیں ———

پھر سورج دھرتی کی سندر پھلواری سے رخصت ہونے کے خیال سے زرد پڑ جاتا ہے مگر یہ نہ تھکنے والے اور دھن کے پکے کسان ایک ہی حالت اور ایک ہی طرح سے اپنا کام کئے جاتے ہیں۔ نہ محنت انھیں تھکاتی ہے اور نہ کام کرنے سے اکتاتے ہیں۔ یہانتک کہ سورج ڈوب جاتا ہے۔ ان سے رخصت ہوتا ہے اور وہ کھیتوں کو آخری پریم بھری نظر سے دیکھکر، یہ آس لگا لیتے ہیں کہ کل انھیں آج سے زیادہ ترو تازہ پائینگے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ پھر تھکے ہارے جھونپڑوں میں آتے ہیں۔ کچھ پیٹ بھرنے کی چیزیں ان کے سامنے رکھدی جاتی ہیں اور وہ بھوک کے جنون میں اُسے کسی نہ کسی طرح کھا لیتے ہیں۔

(بقیہ امداد باہمی)

میں جیون سدھار کی طرف بھی زور دیا جاتا ہے۔

اب ایک طرف تو جیون سدھار انجمنیں بنائی جارہی ہیں اور دوسری طرف لین دین کے علاوہ پیداوار کو بیچنے میں بھی امداد باہمی سے کام لیا جارہا ہے جس سے کسان کو اپنی پیداوار کی زیادہ سے زیادہ قیمت مل سکتی ہے۔ کھیتی کی ترقی کا انتظام بھی اس تحریک کا ایک جزو بن گیا ہے اور اس طرح کاشتکار کی زندگی کے ہر پہلو کو سدھارنے کی کوشش کیجا رہی ہے۔

ہمارے صوبہ میں کچھ دن پہلے امداد باہمی انجمنوں کی حالت خراب تھی قرضہ کی وصولی گر رہی تھی اور باہر کا قرضہ مشکل سے ادا ہوتا تھا لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد جب کسانوں کی مالی حالت کچھ سنبھلی تو امداد باہمی تحریک بھی چمک اُٹھی پیداوار کی فروختگی اور خاص طور پر گنے اور گھی کی بکری کا امداد باہمی کے اصول پر بندوبست کیا گیا اور آج ایک تہائی سے زیادہ گنا امداد باہمی انجمنوں کی معرفت بکتا ہے۔ مالی حالت بھی اب اچھی ہے اور اسوقت تک امداد باہمی انجمنوں کے کوئی دو لاکھ ممبر بن چکے ہیں۔ اس سال گنے کا کاروبار کرنے والی امداد باہمی انجمنوں نے اپنے ممبروں کے لئے چار لاکھ روپیہ کی کھاد خریدی ہے

وسط ہند ریاستی عوامی کانفرنس کی قراردادیں

کانفرنس کے عام اجلاس میں تیئس قراردادیں پاس ہوئیں جن میں متعدد ریاستوں کے ظلم و ستم کی مذمت کی گئی کانگرس اور ریاستی تحریکات کے تعلقات کی وضاحت کی گئی اور ہندستانی ریاستوں کے کسانوں اور مزدوروں کی مانگیں بھی پیش کی گئیں۔

کانگرس کی ریاستی سب کمیٹی

آل انڈیا ریاستی عوامی کانفرنس نے کانگرس کے اصولوں پر کام کرنے کی غرض سے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی ایک سب کمیٹی ریاستوں کے معاملہ پر دھیان دینے اور ریاستی عوامی کانفرنس کو صلاح دینے کے لئے بنائے لیکن آجتک وہ کمیٹی قائم نہیں ہوئی اور اس کمیٹی کے قائم نہونے کی وجہ سے ہندستانی ریاستوں کے معاملہ میں کانگرس کی اصل امداد اور اسکی رہبری نہیں مل رہی ہے جو ریاستوں کی بڑھتی ہوئی بیداری کے لئے ضروری ہے اسلئے یہ کانفرنس کانگرس کی ورکنگ کمیٹی سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ایسی کمیٹی جلد سے جلد قائم کرے۔ ساتھ ہی یہ کانفرنس آل انڈیا ریاستی عوامی کانفرنس سے درخواست کرتی ہے کہ جو کمیٹی کانگرس کی طرف سے قائم ہو کانگرس سے سفارش کی جائے کہ اس میں ہندستانی ریاستوں کی پرجا کے نمائندوں کو بھی شامل کیا جائے۔

یہ قرارداد حفیظ الدین صاحب قریشی نے پیش کی اور شری بہاری لال جی ویاس نے اسکی تائید کی۔

پرجا منڈل اور ریاستوں کے کانگرسی

یہ کانفرنس کانگرس کا دھیان اس طرف دلاتی ہے کہ ریاستوں کی تحریکوں میں کہیں کہیں کچھ کانگرسی پرجا پریشد کی تحریکوں کے مقابلہ میں کام کرکے اور دوسرے طریقوں سے پریشد کے کام کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ پریشد کے پاس کئی ریاستوں کے پرجا منڈلوں سے ایسی شکایتیں آئی ہیں، اسلئے یہ کانفرنس کانگرس کی عزت کو سامنے رکھتے ہوئے اور کام کو اچھی طرح چلانے کے لئے کانگرس سے درخواست کرتی ہے کہ وہ کانگریسیوں کو ہدایت کردے کہ اگر وہ ریاستی پرجا کی سیاسی تحریکوں کی امداد کرنا چاہتے ہوں تو انھیں نجی طور پر پرجا منڈلوں کے مقابلہ میں کوئی کام نہیں کرنا چاہیئے اور مانی ہوئی مقامی پرجا پریشد سے ملکر کام کرنا چاہیئے۔

لڑائی کا مقابلہ

کانگرس کئی دفعہ اس بات کا اعلان کرچکی ہے کہ کسی بھی سامراجی لڑائی میں جس میں کہ برطانوی سامراج شامل ہو ہندستان کوئی حصہ نہ لیگا۔ کانگرس کے تری پوری اجلاس کے بعد لڑائی کے آثار بہت دکھائی دے رہے ہیں۔ اور یورپ میں جنگ کی زبردست تیاریاں ہورہی ہیں۔ دستور اساسی ہند ۱۹۳۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ترمیم کرکے آنیوالی لڑائی کیلئے ہندستان کے جان مال کو استعمال کرنے کا کام بہت آسان کرلیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سامراجی لڑائیں میں برطانوی سامراج ہندستان کے جان مال اور دوسرے ذریعوں سے کام لیگا ہندستان کی پوری قومی طاقت سے اس قسم کی کوششوں کا مقابلہ کیا جائیگا۔ اور ہر قسم کی امداد دینے کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے گا۔ ہندستان اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ ساری دنیا میں امن و جمہوریت قائم کرنے کی بھی خواہش کرتا ہے۔ لیکن جبتک ہندستان غلام ہے اسوقت تک وہ امن اور جمہوریت کے نام پر کسی لڑائی میں حصہ نہیں لیگا۔ اسلئے یہ پریشد وسط ہند کی ہندستانی ریاستوں کی پرجا سے اپیل کرتی ہے کہ کسی بھی سامراجی لڑائی کی جان مال یا کسی طریقہ سے مدد نہ کی جائے۔"

ڈاکٹر ایچ۔ جی اوستے نے یہ قرارداد پیش کی اور شری ٹھاکر لال سنگھ (بھوپال) نے اسکی تائید کی

قومی مطالبہ

وسط ہند ریاستی عوامی کانفرنس کا یہ اجلاس شری پوری کانگرس کی قومی مطالبات والی قرارداد کی پوری تائید کرتا ہے اور وسط ہند کے عوام سے اپیل کرتا ہے کہ وہ برطانوی سامراج کے مقابلہ میں آنیوالی لڑائی کے لئے تیار ہوجائیں۔

ریاستوں میں غیر ملکی ملازم

شاکر علی خاں صاحب نے یہ قرارداد پیش کی اور شری ہزاری لال نے اسکی تائید کی۔

"وسط ہند ریاستی عوامی کانفرنس کا یہ اجلاس ہندستانی ریاستوں میں غیر ملکی اور غیر ریاستی لوگوں کو ملازم رکھنے کے رواج کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ جہانتک ہو سکے وسط ہند کی ریاستوں میں بدیسی و غیر ریاستی لوگوں کو جگہ نہ دیجائے۔

بھوپال اور سول آزادی

وسط ہند ریاستی عوامی کانفرنس کا یہ اجلاس پنڈت جواہر لال نہرو کے ۲۰ مئی ۳۸ء کے اس بیان کی جو انھوں نے بھوپال میں سول آزادی پر پابندیوں کے سلسلہ میں دیا تھا تائید کرتا ہے اور اس پروپیگنڈہ کو جو ریاست اور کچھ لوگوں کی طرف سے اصلیت کو چھپانے اور عوام کو دھوکے میں ڈالنے کیلئے کیا جارہا ہے غلط سمجھتا ہے۔ کانفرنس کی پوری رائے ہے کہ ریاست بھوپال میں سول آزادی نہیں ہے جسکا پتہ نیچے کے قانونوں سے چلتا ہے:۔

۱ - اعلان نمبر ۱۔ ۲۷ مئی ۳۷ء جسکی رو سے بلا اجازت کوئی تقریر نہیں ہوسکتی۔

۲ - پریس ایکٹ

۳ - برآمد درآمد ایکٹ کی دفعہ ۵

۴ - جلوس کے متعلق پولیس ایکٹ کی دفعہ

اسلئے یہ کانفرنس بھوپال راج پریشد کی اس مانگ کی کہ یہ قانون بالکل اٹھالئے جائیں تائید کرتی ہے۔

(باقی قراردادیں اگلے صفحہ پر)

مزدوروں کی حالت

ریاستی مزدوروں کے متعلق ایک قرارداد پاس ہوئی جس میں بتایا گیا کہ :-

"وسط ہند کی ریاستوں میں مزدوروں کی حالت بہت خراب ہے۔ عام طور پر کو جتھہ بندی کی آزادی بھی نہیں ہے اور نہ انکے بچاؤ کے لئے کوئی قانون ہے اور گوالیار، اندور، اور رتلام میں فیکٹری ایکٹ موجود ہے پھر بھی اسکی پابندی نہیں ہوتی ہے اور کئی مزدور کارکنوں کو بلاوجہ ریاستوں سے جلاوطن کر دیا گیا ہے۔"

کانفرنس نے مطالبہ کیا کہ مزدوروں کو جتھہ بندی کی آزادی دی جائے۔ اور ریاستی مزدوروں کی امداد کے لئے کم سے کم برطانوی ہند جیسے قانون بنائے جائیں۔ کام کرنے میں اگر وہ جسمانی حیثیت سے بیکار ہو جائیں تو انھیں معاوضہ دیا جانے اور علاج کا بندوبست ہو۔ انکے لئے ٹریڈ یونین ایکٹ اور قرضہ کے قانون بنائے جائیں۔

کسانوں کی گری ہوئی حالت

ایک قرارداد میں ریاستوں کے کسانوں کی گری ہوئی حالت کا بیان کیا گیا اور ریاستی حکومتوں کو کسانوں کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا۔ کانفرنس نے مطالبہ کیا کہ کسانوں کے لگان میں کمی کی جائے۔ غیر قانونی محصول معاف کئے جائیں۔ درآمد برآمد کا ناروا ٹیکس ختم کر دیا جائے۔ قرضہ کا مسئلہ حل کرنے کیلئے ایک قرضہ سمجھوتہ بورڈ تجویز کیا گیا۔

ایک دوسری قرارداد میں راجگڑھ کے کسانوں کی پریشان حالی پر اظہار افسوس کیا گیا اور ریاست کی سختیوں کی مذمت کی گئی۔

ریاستی تحریک اور چھوٹی ریاستیں

چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں جو میل ملاپ کی باتیں ہو رہی ہیں ایک قرارداد میں انکا تذکرہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ جبتک ریاستیں اپنی رعایا کو ذمہ دار حکومت دینے پر تیار نہیں ہوتیں اسوقت تک اس میل کا مقصد یہ ہوگا کہ کئی کئی ریاستیں ملکر ایک جگہ کی رعایا کو کچل دیں اسلئے کانفرنس اسکی مخالف ہے۔

اسکے علاوہ کئی قراردادوں میں الگ الگ متعدد ریاستوں کے جبر و ستم اور مستبدانہ احکامات کی مذمت کی گئی۔

دھار کے ظالمانہ قانون اور حکومت کے ناجائز کاموں کے خلاف احتجاج کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہاں تحریر و تقریر اور جتھہ بندی پر زبردست پابندیاں ہیں اور سیاسی خیالات کو دبایا جاتا ہے۔ خصوصاً جتھہ بندی کے قانون (۳۰-۱۹۴۰) کی رو سے پولیس ہر آدمی کو جو دھار کا ہو پریشان کرتی ہے اور اس پر مقدمہ چلاتی ہے۔ اسی سلسلہ میں علی محمد صاحب گرفتار کئے گئے ہیں۔

اندور کے متعلق ایک قرارداد میں بتایا گیا کہ وہاں سول آزادی بالکل ناپید ہے۔ مزدور آرڈیننس سے ۲۵ ہزار مزدوروں کو کچلا جا رہا ہے انھیں مل مالک کی مرضی کی تنخواہ ملتی ہے۔ ریاست نے اپنی عملداری میں شری سبھاش چندر بوس کا داخلہ ممنوع کر دیا ہے۔

اصلاحی کمیٹی میں پرجا کا کوئی آدمی نہیں ہے اور فہرست استفسارات بہت محدود ہے۔

نقلی اصلاح

وسط ہند کی سیتامئو اورچھا، گوری اور دوسری چھوٹی ریاستوں میں جن اصلاحات کا اعلان کیا گیا ہے انھیں یہ کانفرنس ناپسند کرتی ہے اور بالکل ناکافی سمجھتی ہے ان سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ کانفرنس نے اندور جیسے دستور کی سفارش کی۔

سول آزادی

اس کانفرنس کو سخت افسوس ہے کہ وسط ہند کی چھوٹی ریاستوں کے علاوہ خاص خاص بڑی ریاستوں میں پرجا کی سول آزادی پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور انکے حق چھین لئے گئے ہیں اور پرجا پر جبر کیا جا رہا ہے جیسے کہ گوالیار میں سرکلر نمبرا سمبت ۱۹۸۷ جسکے ذریعہ انسپکٹر جنرل پولیس کو خاص اختیارات دیدیے گئے ہیں جنسے وہ بلا ثبوت اور وجہ کے کسی شخص کو بھی گرفتار کر سکتے ہیں سیاسی اور سماجی جماعتوں کی رجسٹری کے لئے فرضی قانون بنے ہیں مگر ایسی جماعتوں کو نہ تو بننے دیا جاتا ہے نہ انکی رجسٹری کی جاتی ہے۔ مزدور کارکن مگن خان کو ریاست بدر کر دیا گیا ہے۔

۲۔ رتلام میں جنگی قرضہ کی رقمیں جو پرجا کو نہ واپس کی گئیں اور انکے بدلہ میں کسانوں کے لئے جو بنک کرنا تھا، نہ کیا گیا نہ وہ بنک ہی بنایا گیا ہے۔ رفاہ عام کے نام پر ایک لائبریری اور پبلک پارک کے لئے لاٹری کھولی گئی تھی اور خود مہاراجہ نے ۵ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن نہ تو ریاست نے حساب چھاپا اور نہ پارک اور لائبریری بنی۔

۳۔ علی راجپور میں کسان کچلے جا رہے ہیں اور سول آزادی ناپید ہے۔ وکیلوں کی سندیں چھینی جاتی ہیں اور باہر کے وکیلوں کو سندیں دی جا رہی ہیں۔

۴۔ علی پورہ میں پرجا منڈل کے کارکنوں پر ظلم

۵۔ بجر کوٹھیا میں سول آزادی پر پابندیاں اور پرجا منڈل کے کارکنوں پر زیادتیاں۔

۶۔ جابوا میں سول آزادی پر پابندیاں

جاگیرداری نظام کے متعلق ایک قرارداد میں بتایا گیا کہ ان لوگوں کو بلاوجہ کے اختیارات ملے ہیں اور انکے کارندے انکا ناجائز استعمال کرتے ہیں اسلئے کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ ان سے یہ اختیارات واپس لے لئے جائیں۔

بھاونگر میں سردار پٹیل کے جلوس میں پرامن لوگوں پر جو حملہ کیا گیا تھا اور جس میں ایک آدمی جان سے مارا گیا اور بہت سے زخمی ہوئے کانفرنس نے اسکی مذمت کی اور بتایا کہ یہ تمام باتیں اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ سے لڑانے کی تمام ترکیبیں محض ذمہ دار حکومت کی تحریک کو روکنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

صدر کی جانب سے ایک قرارداد میں لدھیانہ کانفرنس کی قراردادوں کی تائید کی گئی ایک دوسری قرارداد میں ریاستی عوام کو بتایا گیا کہ وسط ہند ریاستی عوامی کانفرنس آل انڈیا ریاستی کانفرنس کا جزو ہے اور اسلئے وسط ہند کی تمام ریاستوں کی پرجا کو اس میں شامل ہونا چاہئے۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۲ / سنہ ۱۹۳۹ء

بعدالت جناب فرسٹ اڈیشنل جج صاحب بہادر خفیفہ مقام لکھنؤ۔

پنڈت راج کمار بخشی ولد پنڈت راج اندر نرائن بخشی قوم برہمن کشمیری ساکن اسٹیشن روڈ شہر لکھنؤ مدعی

بنام

شیو غلام وغیرہ۔

بنام۔ مسماۃ بڑکی عمر تخمیناً بیس سال بیوہ کیدار ناتھ بحیثیت وارث و قابض جائداد کیدار ناتھ تنبولی ساکن موضع کتاریہ گنہ و تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ۔ مدعا علیہا

ہرگاہ پنڈت راج کمار بخشی مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت زرنقد پرونوٹ تعدادی ۶۵ روپیہ کے دائر کی ہے۔ لہٰذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۱۹ / جولائی سنہ ۱۹۳۹ء بوقت دس بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور مختار شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپ کے احضار کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے۔ پس آپ کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعویٰ کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوئے تو مقدمہ بغیر حاضری آپ کے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۷ / مئی سنہ ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر (۸۸۷) سنہ ۱۹۳۹ء

بعدالت جناب مسٹر اودھ بہاری لال صاحب اڈیشنل جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ

بابو گوردھن پرشاد چودھری ولد بابو گوپال چندر چودھری قوم بنگالی برہمن گوردھن گھسیاری منڈی تھانہ حضرت گنج لکھنؤ مدعی

بنام

غفور محمد وغیرہ

بنام۔ نفضل محمد ولد نذر محمد قوم پٹھان ساکن لال باغ لکھنؤ مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے آپ کے نام ایک نالش بابت لعہ کے دائر کی ہے۔ لہٰذا آپ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ بتاریخ ۱۱ / ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۹ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو آپ کے احضار کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے۔ پس آپ کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعویٰ کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہوں اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور آپ حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۸ / ماہ مئی سنہ ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

جج

اطلاع

۱۔ اگر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہوں گے تو عدالت سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتے ہیں کہ جو گواہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائے

کانگرس نگر

چھوٹا ناگپور بہار کا ایک گاؤں جہاں اگلے سال کانگرس کا سالانہ اجلاس ہوگا

اگلے سال کے کانگرس نگر کا ایک اور منظر

Title cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

جلد ۲—نمبر ۲۲ } کانگریس کا ہفتہ وار اخبار—لکھنؤ ۴ جون ۱۹۳۹ ع { فی پرچہ ۱ آنہ—سالانہ ۲ روپیہ

مصری وزیر خارجہ اور ہٹلر کی بات چیت

۱—ہٹلر—(مصری وزیر سے) کیا جرمنی کی وجہ سے امن خطرہ میں ہے ؟

۲—ہٹلر—کیا محور (روم برلن) کی پالیسی لڑائی کا پیش خیمہ ہے ؟

۳—ہٹلر—کیا آپ کو محوری پالیسی سے کوئی خطرہ ہے ؟

۴—مصری وزیر خارجہ—نہ ....نہیں..........میں .... محفوظ ہوں........اور.........میرا دماغ.........ب... ....بالکل ....ٹھیک ہے.........اور .....مجھے ....بالکل اطمینان .....ہے

"آخیر ساع—قاہرہ"

بہار میں دیہات سدھار

تصویر میں کانگرس کے کارکن اور دیہات والے آبپاشی کیلئے ایک بڑا تالاب بنا رہے ہیں

یہ روپیہ نفع کمانے کے لئے نہیں دیا گیا ہے۔ سمندر پار برطانوی تجارتی سبھا بھی اعلان کر چکی ہے کہ مشرق میں فی الحال روپیہ لگانے میں نقصان ہی نقصان ہے۔ اس کے علاوہ یہ رقم بلا کسی مضبوطی کے دیدی گئی ہے اور قرضداروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ اگر جرمنی کو چھوڑ کر کوئی اور ملک ان کو سامان سستا دیتا ہے تو وہیں سے خریدیں۔ اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ مشین، لوہا، اسلحہ اور سیمنٹ فرانس اور بلجیم سے خریدی جائے گی۔

اس قرضہ کا مطلب اسلامی ممالک کو طاقتور بنانا ہے۔ یہ پالیسی پرانی پالیسی کی الٹی ہے۔ برطانیہ کو زمانے سے مجبور ہو کر یہ کرنا پڑا ہے۔

سنہ ۳۳ء میں جرمنی کی تجارت آندھی کی طرح اسلامی ملکوں کی طرف بڑھی۔ مگر برطانیہ کو اس سے گھبراہٹ نہیں ہوئی، کیونکہ اس کا خیال تھا جرمنی کو جلد ہی ان ملکوں سے ہٹنا پڑے گا، کیونکہ وہ برطانیہ کی طرح زیادہ مدت کے لئے قرض نہیں دے سکتا ہے۔ جرمنی نے ترکی کی آدھی اور ایران کی چوتھائی سے زیادہ تجارت اپنے قبضہ میں کر لی۔ عراق میں اس کا نمبر تاجر ملکوں میں ساتویں درجے سے چوتھے پر پہونچ گیا۔ مگر برطانیہ کو پھر بھی گھبراہٹ نہیں ہوئی۔

لیکن برطانیہ کو یہ دیکھ کر سخت تکلیف ہوئی کہ جرمنی بھی لمبی مدت کے لئے قرضہ دینے لگا۔ جرمنی عراق کو ۲۵ لاکھ کا قرضہ اسلحہ خریدنے کے لئے دینے کو تیار ہو گیا۔ اس زمانے میں وہاں کا ڈکٹیٹر جنرل صدقی تھا جو کمال اور رضا کی پیروی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی ناگہانی موت ہو گئی۔ اس کے بعد نئی برطانیہ دوست حکومت نے آتے ہی اس قرضہ کے قصہ کو ختم کیا۔ لیکن اس معاہدے کے ٹوٹنے پر برطانیہ کو ہوائی جہاز عراق کو دینا پڑے۔ اور یہ اسکے لئے بہت کوفت کی بات تھی کہ جیسے ہوائی جہاز برطانیہ کے پاس ہوں ویسے ہی اس کے "ادنی دوست" عراق کے پاس ہوں۔ حالانکہ اس نے یہ احتیاط کر لی تھی کہ ان کی کمان صرف انگریز افسروں کو دی جائے۔

جرمنی عراق سے ہٹا مگر ترکی اور ایران میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں اس نے درہ دانیال کی اسلحہ بندی کرنے کا سامان ترکی کو دینے کا وعدہ کیا، اور اس کی قیمت کی ادائی کے لئے پندرہ برس کی مدت دی۔ پھر اس نے سڑکیں اور ریلوے بنانے کے لئے سارا سامان قرض پر دینے کا وعدہ کیا جس کی ادائی اس وقت کی جائے گی جب ان کے تیار ہو جانے سے زراعت اور تجارت بڑھے اور اس سے اتنی آمدنی ہو کہ جتنا سرمایہ لگا ہے نکل آئے۔ ایران نے اپنا پہلا لوہے کا کارخانہ بنانے کا ارادہ کیا تو جرمنی دو تہائی سامان قرض دینے کو تیار ہو گیا جس کی ادائی بہت زمانہ میں ہوگی، اور وہ بھی آدھی نقد اور آدھی اس کارخانہ کی بنائی چیزوں کی صورت میں۔

جرمنی کی اس دریا دلی پر تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سامان کی تیاری میں اس کو باہر سے بہت تھوڑا سا سامان لینا پڑتا ہے۔ جو کچھ ہے وہ محنت اور کاریگری کے دام ہیں۔ اور جرمنی نے کام کے گھنٹے بڑھا کر، اور مزدوری گھٹا کر یہ دونوں چیزیں بہت سستی کر لیں ہیں۔ موجودہ حالت میں وہ ہر سرمایہ دار ملک سے اس طرح مقابلہ کر سکتا ہے۔

جرمنی ان ملکوں کی طرف سیاسی فائدوں کو دیکھ کر نہیں بڑھتا، بلکہ اس وجہ سے کہ اس کو کچے مال کی بہت ضرورت تھی۔ وہ ترکی سے لوہا، کرومیم، گندھک تانبا اور جستا کو چاہتا تھا۔ ایران اور عراق سے تیل اور روئی چاہتا تھا۔ مگر

اب شاید اس کی نیت بدل گئی ہے۔ اس نے حال ہی میں برلن سے کابل تک براہ بغداد اور طہران ایک ہوائی راستہ تیار کر لیا ہے۔

جرمنی کے اس بڑھتے ہوئے اثر نے آخر برطانیہ کو اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور کر دیا۔ کیونکہ اب مشرقی راستہ، ان ملکوں کا تیل، اور وہاں کی تجارت سب خطرے میں آگئی تھی۔ اور استنبول کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ استنبول جس ملک کے پاس ہے۔ اسی کے پاس عراق اور ایران کا تیل ہے، اور ان ملکوں سے دوستی کی توقع۔

یہ پالیسی کا بدلنا مسٹر ایڈن کے بعد ہوا ہے۔ اس تغیر کے ہوتے ہی عراق اور ایران کا سرحدی جھگڑا ختم ہو گیا۔ اور ترکی، ایران اور عراق میں ایک معاہدہ ہو گیا جس میں افغانستان کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔

برطانیہ جانتی ہے کہ اس پالیسی سے ان ملکوں کی قومی تجارت ترقی کر لے گی مگر وہ جس طرح چین اور یورپ میں گھاٹا اٹھانے کو تیار ہو گئی تھی، یہاں بھی ہو گئی۔ کیونکہ اس صورت میں برطانوی تجارت تو ضرور چلی جائے گی مگر مشرقی راستہ کی حفاظت اور کچے مال کی امید رہیگی۔

برطانیہ کا ڈر درست ہے۔ ان ملکوں میں دن بدن برطانوی تجارت کی ساکھ گر رہی ہے۔ اور برطانیہ دشمن جذبہ پھیل رہا ہے۔ ترکی نے تمام برطانوی ریلوں کو رفتہ رفتہ اپنا کر لیا۔ اور تمام معاملات عثمانی بنک سے جو فرانس اور برطانیہ کا تھا بند کر کے قومی بنک سے جاری کر دیئے۔ ایران نے برطانوی کمپنی کو اپنی [illegible] جائداد چھوڑنے اور جنوبی حصہ کی ملکیت سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور اس نے بھی انگریزی بنکوں سے ناتا توڑ کر قومی بنک سے کاروبار جاری کر دیا۔ عراق اختیارات ملتے ہی اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ انگریزی تیل کی کمپنی کے سیاسی حقوق چھین لئے جائیں۔ برطانیہ کو زیادہ دکھ اس طرح پہونچا کہ ان ملکوں میں انگریزی سوتی اونی کپڑے، کوئلہ، لوہا، جانا بند ہوتا جاتا ہے۔ ترکی خود کپڑا تیار کرتا ہے۔ اور اب ایک لوہے کا بہت بڑا کارخانہ بنا رہا ہے۔ اپنے کام بھر کا وہ کوئلہ نکال لیتا ہے۔ اور شاید سال ہی بھر میں اتنا نکالنے لگے کہ آس پاس کے ملکوں کو جو ابھی تک برطانیہ کے محتاج ہیں مہیا کرنے لگے۔ ایران نے ۲۵ سوتی کارخانے تیار کر لئے ہیں اور شاید دو سال کے اندر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ عراق کو ملکی صنعت بندی کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن وہ اسکیمیں بنا رہا ہے کہ حکم برداری ٹوٹتے ہی اپنے کو انگریزی کپڑے کی درآمد سے آزاد کر لے۔

برطانیہ ان ملکوں کی دوستی کی محتاج ہے۔ اور جیسا جیسا جرمنی مشرقی یورپ پر گھرتا جائے گا۔ اس کی محتاجی بڑھتی جائے گی۔ اور تعجب نہیں جو درہ دانیال کا مسئلہ ایک زمانے میں یورپ کے تمام مسئلوں سے زیادہ اہم ہو جائے۔ اس وقت برطانیہ کے ساتھ ساتھ جرمنی بھی ترکی کی دوستی کا خواہش مند ہے۔ اس کا سب سے تازہ ثبوت یہ ہے کہ ترکی کو چیک کارخانوں کے جو اسلحہ بھیجے گئے تھے اس نے ناپسند کئے تو جرمنی ان کو واپس لینے پر تیار ہو گیا۔ اس سے پہلے ڈاکٹر شاخت ترکی جا چکے ہیں۔ اور پندرہ کروڑ قرضہ دینے کو تیار ہو چکے ہیں۔

لاہور کی کسان ستیہ گرہ

۲۲ مارچ سے لاہور کی کسان ستیہ گرہ جاری ہے۔ اب تک ۲ ہزار کے لگ بھگ کسان جیل میں پہونچ چکے ہیں۔ ان میں دو سو عورتیں بھی ہیں ان میں اکثر اپنے دودھ پیتے بچوں کو لیکر جیل گئی ہیں۔ اور یہ تحریک بجائے سرد ہونے کے برابر آگ کی طرح بڑھتی جارہی ہے۔

کسانوں کی شکایتیں اسی طرح کی ہیں جس طرح کی یو۔پی اور دوسرے مقاموں کے کسانوں کی ہیں یعنی لگان اور دوسرے ٹیکسوں کے بجائے لمبی لمبی رقمیں وصول کرلی جاتی ہیں۔ مختلف طرح کی بیگار لی جاتی ہے۔ آبیانہ اور اس قسم کے ٹیکس بہت بھاری ہیں۔ جن جن صوبوں میں کانگرسی حکومتیں ہیں وہ ان شکایتوں کو دور کرنے کے لئے قانون بنارہی ہیں، جن میں ہمارا صوبہ بھی ہے۔ مگر پنجاب حکومت نے ابھی تک اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ بلکہ کسانوں کے نمائندوں کے ایک جلسے نے کسانوں کے مطالبہ کو مرتب کیا۔ اور سر سکندر کے سامنے پیش کرنا چاہا مگر سر سکندر نے ان کے سننے سے انکار کردیا۔ اور دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی جس کے جواب میں کسانوں نے ستیہ گرہ شروع کردی پہلے دوسری سیاسی جماعتوں نے راستہ میں رکاوٹیں ڈالیں مگر اب نہیں اور کسانوں کی شریک ہوگئی ہیں، اور ستیہ گرہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کررہی ہیں۔ صوبہ کسان کمیٹی کے جنرل سکریٹری شری بھاگ سنگھ نے تحریک کو پھیلانے کیلئے دیہات کمیٹیوں کے نام گشتیاں بھیجی ہیں اور کسان لیڈر پروفیسر رانگا نے تحریک کو آل انڈیا بنانے کی اپیل کی ہے۔

یہ موقع ہے اس بات کی آزمائش کا کہ ہندستان سامراج کا مقابلہ کرنے کو کتنا تیار ہے پنجاب کے کسانوں کے مطالبات دیکھتے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تکلیفیں کتنی زیادہ ہیں۔ اگر ان تکلیفوں کے دور کرنے کے نام پر پنجاب کے کسان جوش و خروش سے آگے بڑھ آئے اور دوسری انقلابی جماعتوں نے بھی انکا ساتھ دیدیا تو اس بات کا ہم کو ثبوت مل جائے گا کہ ملک آگے بڑھنے کو تیار ہے۔

انقلابی جماعتوں کا اتحاد

کانپور کی مزدور ہڑتال کے موقع پر کسان طلبا اور کانگرس سب مزدوروں کے ہمدرد بن گئے تھے، اور یہی چیز تھی جس نے اتنی جلد فتح دلا دی۔ اور ہندستان میں انقلابی جماعتوں کے میل کی ایک مثال قائم کردی۔ اس وقت ہم کو گہرا ایسی میل سے پنجاب کی لڑائی سر کرنا چاہیئے۔ اس وقت ایک طرف تو اس بات کی ضرورت ہے کہ کسانوں میں زیادہ تیزی سے بیداری پھیلائی جائے، اور دوسرے اس بات کی ضرورت ہے کہ پنجاب اور ہندستان کی تمام سیاسی جماعتوں کو کسان تحریک کا ہمدرد بنایا جائے۔

لاہور میں بھنگیوں کی اسٹرائک

لاہور کے بھنگیوں نے کچھ جائز مطالبات منتظم کے سامنے پیش کئے تھے جن کو ماننے سے اس نے انکار کردیا۔ اس پر بھنگیوں نے اسٹرائک کردی۔ اسٹرائک اتنی کامیاب رہی کہ سارا شہر غلیظ گھر بن گیا۔ اور یہ خطرہ ہوا کہ اگر دو ایک روز شہر اور صاف نہیں ہوتا ہے تو سخت وبا پھیل جائے گی۔

پولیس نے ڈرا دھمکا کر کوشش کی تھی کہ بھنگیوں کو اسٹرائک توڑنے پر مجبور کردیں مگر وہ سامراجی چالوں کو پہچانتے تھے، اس لئے مقابلے پر جمے رہے۔

شہر والوں کو عام طور پر بھنگیوں سے ہمدردی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان غریبوں کے مطالبات بالکل جائز ہیں۔ اس لئے وہ ایک وفد بناکر لوکل سلف گورنمنٹ کے وزیر کے پاس گئے، وہ اس اسٹرائک کی تباہ کاریاں دیکھکر گھبرائے ہوئے تھے ہی، اس وفد کے پہونچتے پر انھوں نے بھنگیوں کے مطالبوں میں سے اکثر حصے کو جائز تسلیم کیا اور ان پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔

بھنگیوں کی اس بیداری سے فائدہ اٹھاکر ان میں سیاسی بیداری بھی پھیلانا چاہئے۔ اور اس وقت اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ان میں کسانوں کی ہمدردی پیدا کرائی جائے۔ ان کو بتایا جائے کہ دونوں کا دشمن ایک ہی ہے۔ اور ایک کی کامیابی دوسرے کی کامیابی ہے۔

ڈگبائی کی تحقیقات

ڈگبائی میں پولیس نے جس خونخواری سے گولی چلائی تھی۔ اس پر سارا ملک لرز گیا تھا۔ آسام حکومت نے اس واقعہ کی تحقیقات کا کام ایک مجسٹریٹ کے سپرد کیا اس نے بالکل پولیس کے موافق رپورٹ دیدی۔ پبلک ایسی ایسی رپوٹیں بہت دیکھ چکی ہے اور ان کی حقیقت جانتی ہے۔ اس لئے آسام حکومت کی اس حرکت پر سارے ملک میں بہت ہیجان پھیل گیا۔ اور ہر طرف سے آزاد تحقیقاتی کمیٹی کا مطالبہ ہونے لگا۔ ہم کو بہت خوشی ہے کہ آسام کی حکومت نے اس مطالبہ کو منظور کرلیا۔

اس دوران میں تیل کی کمپنی کے مالکوں نے اپنے ہتھکنڈے خوب خوب دکھائے، وہ اسٹرائک کے ساتھ اسٹرائک کرنے والے مزدوروں کو بھی ختم کردینا چاہتے ہیں۔ آسام میں جتنے بدیسی سرمایہ دار ہیں اس موقع پر سب ایک ہوگئے ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں یہ حکومت مزدوروں سے ہمدردی کررہی ہے۔ گویا کہ حکومت کے لئے اس سے بڑھ کر جرم اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مزدور طبقہ سے ہمدردی کرے۔ شاید بدیسیوں کو نہیں معلوم کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ اور رفتہ رفتہ قانون اخلاق بھی بدل گیا ہے۔

چین کی پامردی

چیمبرلین کی سمجھوتے والی پالیسی سے جاپان جمہوریتوں کی بنیادی کمزوری تاڑ گیا۔ پھر تو اس نے چین پر پوری طاقت سے خاص توڑ حملے شروع کردئے اور دوسری طرف کاٹ پیچ لگاکر یورپ اور امریکہ کی تجارت کی بھی کاٹ کرنے لگا۔ مگر ان ملکوں نے کچھ نہیں کیا چینیوں کے لئے [illegible] سمجھوتے اور جنگ کا سال دیکھیہ برسرِ تیغے کے درمیان کا وقت بہت کٹھن گذر رہا ہے۔ مگر وہ پامردی سے مقابلہ پر ڈٹے رہے اور ایسا مقابلہ کیا کہ جاپانی فوجوں کے آگے بڑھنے کی رفتار سست ہوتی چلی گئی اور اب تو قریب قریب رک گئی ہے۔

چین میں متحدہ محاذ

معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کے واقعات نے فرانس برطانیہ اور امریکہ کو عقل دیدی ہے جس طرح یورپ میں امن کا محاذ بن رہا ہے اسی طرح وہ لوگ چین میں بھی جاپانی لوٹ کی مخالفت میں میل کر رہے ہیں۔

اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جاپان نے کولانسو کی بین الاقوامی بستی کی میونسپلٹی کے سامنے کچھ مطالبات پیش کئے، اور دوسرے ہی دن ان کی سچائی کے ثبوت کے طور پر فوج کا ایک دستہ وہاں اتار دیا۔ کچھ روز کے بعد انگریز، فرانسیسی اور امریکن سپاہیوں کا ایک جنگی جہاز وہاں سے اترا میونسپلٹی نے ان سے مشورہ کرنے کے بعد جاپانیوں کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر جاپان بلا چوں وچرا کئے خاموش ہو گیا۔

یہ پہلا موقع ہے کہ ان تینوں حکومتوں نے ملکر جاپان کو روکا۔ نہ معلوم یہ حرکت اتفاقیہ ہو گئی یا اب چین میں بھی اسی طرح امن کا محاذ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے جیسے یورپ میں۔

اب تک ان ملکوں نے چین کی مدد اور جاپان کی مخالفت اس لئے نہیں کی تھی کہ اگر چین جیتتا ہے تو وہ اتنا طاقتور ہو جائے گا کہ کسی سرمایہ دار ملک کو کچھ نہ ملیگا۔ لیکن اگر جاپان جیتتا ہے تو لوٹ میں سے کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔ مگر اب ان ملکوں کو نظر آرہا ہے کہ جاپان کی حالت بگڑ رہی ہے اور وہ اس بدحواسی میں جو کچھ ہو سکا دکھائیگا۔

چلتے چلاتے

تماشائی

لوگ کہتے ہیں کہ عقیدے کی جگہ دل ہے۔ لیکن ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ عقیدہ کی جگہ معدہ ہے یہ وہیں پیدا ہوتا ہے وہیں بڑھتا ہے۔ اور وہیں زندہ رہتا ہے۔ مثلاً زمینداروں کو عقیدہ ہے کہ انکی خوشحالی پر ملک وقوم کی خوشحالی منحصر ہے۔ اور یہ کہ وہ کاشتکاروں کے حقیقی مائی باپ ہیں۔ اس عقیدے کی بنیاد عمدہ "چرندم خورندم" ہے۔ اور جب تک وہ باقی ہے یہ عقیدہ باقی ہے۔

حکومت کے خواص کو حکومت کے عدل وانصاف پر گہرا عقیدہ ہوتا ہی ہے۔ سر ضیاء الدین کو بھی اپنی حکومت سے عقیدت تھی۔ مگر جس زمانے میں سر ضیاء الدین مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو گئے تھے تو یہ عقیدت بڑھتے بڑھتے عشق مجازی کے درجہ پر پہونچ گئی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں رقیب جیسا بھی ہو روسیاہ نظر آتا ہے۔ ان کو بھی کانگرس ہر پہلو سے سیاہ نظر آئی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اس منزل سے بھی آگے نکلکر عشق حقیقی میں قدم دھر رہے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہونچکر جوش رقابت مٹ جاتا ہے اور کیا چرند کیا پرند ہر ایک اپنے ہی محبوب کا پرستار نظر آتا ہے۔ چنانچہ سر ضیاء الدین دیکھتے کیا ہیں کہ جواہر لال بھی انکی طرح عشق فرنگ کے شکار ہیں۔

سر ضیاء الدین نے ایک تقریر میں فرمایا کہ کانگرس فیڈریشن قبول کرنے پر تیار ہو گئی ہے، اور جواہر لال نے اس کا وزیر اعظم بننا منظور کر لیا ہے۔

ہم تو یہ خبر پڑھکر صرف اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ فیڈریشن میں سر ضیاء الدین نے اپنے لئے کونسا عہدہ تجویز کیا ہے؟

ملک کی نمائندگی اور تنخواہ میں ضرور کوئی گہرا تعلق ہے۔ جو شخص دو ڈھائی سو تنخواہ پاتا ہے وہ ضرور ۵۔۶ فیصدی ملک کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور جیسے جیسے تنخواہ بڑھتی جاتی ہے نمائندگی بڑھتی جاتی ہے۔ جس کی تنخواہ ہزار یا دو ہزار ہے وہ ملک کی اکثریت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور جس کی آمدنی یا تنخواہ اس سے بھی اونچی ہے وہ سارے ملک کی نمائندگی کرتا ہے۔

ایک اعلیٰ تنخواہ بزرگ نے لندن میں اعلان فرمایا تھا کہ لڑائی چھڑتے ہی ہندستان کے تنتیس کروڑ دل عوام برطانیہ کا ساتھ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک ذمہ دار برطانوی افسر پر کوئی اڑا نہ سے رہا۔ ہو نہ ہو وہ ضرور ہندستانی عوام کے دلوں کی ترجمانی کر رہا ہے۔

قرآن مجید کا ہندی ترجمہ

جو خواجہ حسن نظامی صاحب نے چھ سال کی محنت اور بنارسی پنڈتوں کی مدد سے تیار کیا، جس کی نسبت مہاتما گاندھی کی رائے ہے کہ اس سے بہتر ہندی ترجمہ قرآن مجید انھوں نے نہیں دیکھا۔ اس ترجمہ میں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہندستان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو فوٹو بلاک کے ذریعہ چھپایا گیا ہے۔ صفحہ میں ایک طرف عربی عبارت ہے۔ اس کے برابر اس کا ترجمہ ہے اور نیچے اس ترجمہ کی تشریح ہے۔

قرآن مجید اور مسلمانوں کی نسبت جس قدر غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ سب اس ترجمہ کو دیکھکر دور ہو جاتی ہیں۔

یہ ترجمہ دو جلدوں میں ہے جن میں سے ہر ایک جلد کا ہدیہ (قیمت) پانچ روپیہ ہے۔ مجلد اور مکمل قرآن مجید دس روپیہ ہدیہ پر

چمن اردو بک ڈپو نمبر (۱) اردو بازار دہلی

سے مل سکتا ہے۔ اپنا پتہ صاف لکھئے اور قریب کے ریلوے اسٹیشن کا نام لکھئے چھ آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر ایک پارہ بطور نمونہ آپ کو بھیجا جا سکتا ہے

تعارف

(سلام)

میں وطن کا نوجواں ہوں نام ہے میرا شباب — میری ہستی ایک شعلہ میری فطرت اضطراب

میں اگر چاہوں، بدل ڈالوں نظامِ آسماں — ہو طلوعِ ماہ دن کو، شب کو نکلے آفتاب

ایک ٹھوکر سیکڑوں کہسار میرے سامنے — میرے آگے سیکڑوں بحرِ حوادث اک حباب

حسن کی تخئیل رومانی میں کھو جاتا نہیں — ہاں ان نغموں سے دیتا ہوں پیامِ انقلاب

دور سے تلوار کی جھنکار سن لیتا ہوں جب — میں بھلا دیتا ہوں اپنے نغمۂ چنگ و رباب

پاس اک رنگیں تبسم، نامرادی، قہقہہ — میرے نغمے دل افزا، میری بغاوت کامیاب

جیل کی تنہائیاں بزمِ خوشی میرے لئے — رسیاں پھانسی کی میرے سامنے تارِ رباب

ننگِ رحمت، جنتِ مخصوص میرے واسطے — میری ہمت جب بھی چاہے کھول دے جنت کے باب

بزدلی ہے اک گناہ آرزوئے انتقام — لڑ کے مر جانا ہے میرے مذہب میں اک کارِ ثواب

موت میری باغیوں کو خواب کی بیداریاں — میرا آغازِ بغاوت، حاصلِ تعبیرِ خواب

اپنی دنیا میں پکارا جا رہا ہوں اے اسلام!

میں خدائے حریت، پروردگارِ انقلاب

مچھلی شہری

کلکتہ کا اجلاس اور اس کے بعد

جواہر لال نہرو

(خاص ہندستان اور نیشنل ہیرلڈ کے لئے)

میرے دوست اور ساتھی مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کلکتہ کے اجلاس پر آپ کا کیا خیال ہے؟ ہر اول گروہ (فارورڈ بلاک) اور حکومت کے قصہ پر آپ کی کیا رائے ہے؟ ان لوگوں کو خیال کرکے میں ان سے ان مسئلوں پر بات چیت کرتا ہوں اور اگر قریبی دوست ہوئے تو میں ان سے اپنی دماغی پریشانیاں بھی تھوڑی بہت بتا دیتا ہوں۔ لیکن جو کچھ وہ پوچھتے ہیں اسکا بہت کم جواب ملتا ہے کیونکہ جو گتھیاں وہ پیش کرتے ہیں انکو میں نہیں سلجھا پاتا۔ میری باتوں سے ان کی تشفی نہیں ہوتی اور یہ حیرت کی بات نہیں کیونکہ مجھے خود اپنی باتوں سے تشفی نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں رہبری نہیں ہوسکتی میرے دوستوں کو جتنا جلد اسکا یقین آجائے بہتر ہے دماغ اچھی طرح کام کرتا ہے، عقل کچھ باقاعدگی سے کام کرنے کی عادت ہوگئی ہے کرتی ہے، لیکن وہ روح جو ان کاموں کو زندگی اور طاقت بخشتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ غائب ہوگئی۔ اسلئے میں اس پر لکھتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ اور عام جلسوں میں بولنے کا خیال بھی مجھے پریشان کردیتا ہے۔

ممکن ہے کہ صحت کی کمزوری نے روح کو کمزور کردیا ہو، ممکن ہے سخت گرمی کی وجہ سے ایسا ہو۔ لیکن اصل خرابی دماغ اور روح کی تہوں میں چھپی ہوئی ہے یا ہمارے تحت الشعور میں ہے، جس کے ہاتھ میں ہماری باگ ہوتی ہے۔

تخریبی طاقتیں

اسپین کی ٹریجڈی اسکے علاوہ اور بھی جو کچھ مغرب میں ہو رہا ہے میرے لئے ذاتی رنج کی چیزیں ہیں جنھوں نے بہت گہرا نقش میرے دل پر چھوڑا ہے۔ لیکن اسپین دور کی چیز ہے اسوقت ہندستان میرے دماغ میں بھرا ہوا ہے اور پریشان کرتا رہتا ہے، بیرونی جھگڑوں سے پریشانی نہیں ہے، بلکہ ہندستان کی مجموعی حالت، اسکے آپس کے جھگڑے، اسکی تخریبی طاقتیں، چھوٹی چھوٹی باتیں، اور آپس میں ایک دوسرے پر بدگمانی بہت پریشان کرتی ہے۔ آجکل ہمکو ایک دوسرے پر بھروسہ بالکل نہیں رہا ہے اور لوگ بے تکے، اور احمقانہ الزاموں کو دوسروں کے متعلق سنتے ہیں اور یقین کرلیتے ہیں۔ اچھا ہی جو آنا بہت بری بات ہے، کانگرس کے اندر اور اس سے زیادہ کانگرس کے باہر دکھائی دے رہا ہے، پالیسی پروگرام اور اعلیٰ اصول بہت بڑی چیزیں ہیں اور بہت ضروری۔ لیکن انکی تہ میں جبتک انسانیت کارفرما نہو، ان اصولوں اور پالیسی سے کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔

تریپوری کا قصہ کئی وجہوں سے بہت تکلیف دہ رہا۔ اسمیں سے بہت سے لوگ بہت غمزدہ وہیں آئے۔ اس کے بعد جو اخبار والے، میں بحث اٹھی اور ہمیں جو شخصی حملے ہونے لگے، اس سے مجھے بہت دکھ ہوچکا، میں ان حرکتوں کے سامنے بالکل بے بس تھا کیونکہ میری طبیعت نہ مجھے اس پارٹی کی طرف لیجارہی تھی اور نہ اس پارٹی کی طرف مجھے امید تھی کہ کلکتہ میں یہ جھگڑے ختم ہوجائینگے۔ اور ہم لوگ کام شروع کرینگے۔ اور جیسے اپنے بس بھر اسکی پوری کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔

کلکتہ کی بات چیت

کلکتہ میں سبھاش بابو نے جتنی بھی تجویزیں پیش کیں، میں ان میں سے ایک کے بھی موافق نہیں تھا، لیکن اسکا مجھے یقین تھا کہ وہ اس بات کی کوشش کررہے تھے کہ تریپوری کے فیصلہ کو مان کر کانگرس میں ایکا پیدا کرکے کام کریں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکے حاصل کرنے میں کیوں دشواری ہورہی ہے، لیکن مخالفت ہوئی، جو میری رائے میں بالکل بے جا تھی اور جس پر انکو استعفیٰ دینا پڑا، غالباً ان حالات میں استعفے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا لیکن مجھے اس سے بہت دکھ ہوا کیونکہ اس نے وہ خلیج بڑھا دی جو افراد کو اور گروہوں کو کانگرس میں ایک دوسرے سے الگ کررہی تھی، اس سے زیادہ دکھ اس بات سے ہوا کہ ہم اجلاس میں ایک دوسرے کے لئے رواداری کا پتہ تک نہ تھا۔

ان حالات میں میں نئی ورکنگ کمیٹی میں نہیں شامل ہوسکتا تھا۔ میں بہت زمانے سے پرانی ورکنگ کمیٹی سے خیالات میں الگ ہوچکا تھا لیکن میں محض خیال سے اسکا ممبر نہ بار بار بڑی باتوں کا خیال کرکے اسکی ضرورت تھی۔ کلکتہ کے واقعات کے بعد مجھے باہر ہی رہنا مناسب تھا، لیکن اسکی وجہ مخالفت یا سنگت کی کمی نہیں تھی جتنی سنگت میں کرسکتا تھا وہ راجندر بابو جب چاہیں مجھ سے لے سکتے ہیں، میں انکی اس بہادری کا قائل ہوں جس سے انھوں نے یہ بھاری بوجھ اٹھا لیا اور ناگوار حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوگئے۔

باہمی شکوک

لیکن جو اختلاف پیدا ہوگیا ہے اور بڑھ رہا ہے، اس سے انکار کرنا فضول ہے، یہ اختلاف تھوڑا بہت اصولی ہے لیکن زیادہ تر طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے جو ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرنے سے پیدا ہوگیا ہے جنوری کا صدارتی الکشن، کسی پالیسی یا کسی شخص کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ نہیں تھا، کیونکہ ووٹ دینے والوں کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ نہیں پیش کیا گیا تھا، لیکن اس سے جو ظاہر ہوتا تھا کہ موجودہ حالات سے بے اطمینانی ہے، اور اسکی درستی کی خواہش ہے، یہ ہم سب کے لئے ایک سبق تھا۔ مگر ہم نے اس سے اس سے کچھ نہ سیکھا۔

سیکھنے اور سمجھنے کے لئے تیار نہ ہونا، جیسے حالات ہوں اپنے کو ویسا نہ بنانا اس سے بہت لوگوں کو ناراضگی ہوتی ہے، اس سے لوگوں کو مایوسی اور بددلی ہوگئی اور یہ خیال ہوگیا کہ ہم دبائے جارہے ہیں اسی سے ایک دوسرے پر بھروسا جاتا ہے، اور بدگمانی پھیلتی ہے مجھے خود بددلی ہوئی اور اسی پر میں دوسروں کو قیاس کرسکتا ہوں، جنکو میرے ایسے موقع نہیں حاصل ہیں، اسلئے انکو مجھ سے زیادہ ہی بددلی ہوئی ہوگی۔ میں اس خواہش کو پسند کرتا ہوں کہ اس بددلی کو ختم کرنے کے لئے یہ کوشش کی جائے ان لوگوں کو جیسے خیالات ملتے جلتے ہیں، اور جو ساتھ ملکر کام کرنا چاہتے ہیں پکا کرکے کام لیا جائے اور ہر شخص کو اپنی جگہ پر جو بے بسی کا احساس

پر ابھر گیا ہے اس کو دور کیا جائے۔

نازک حالات

لیکن اپنی تنگی کی وجہ سے ہم کو کوئی ایسا کام کرنا چاہئیے جو ہم کو کمزور کردے۔ آج دنیا بہت نازک حالات سے گذر رہی ہے۔ محسوس کرنے والوں کے لئے ایک بےچینی ہے اور دل والوں کے لئے سخت دشکل۔ ہم اپنے کو یہ کہکر تسکین دیتے ہیں کہ دنیا کا یہ ایک انقلابی دور ہے اور اس وقت کی جو پریشانیاں ہیں یہ نئے دور کے پیدائش کی دردیں ہیں ممکن ہے یہ بات ٹھیک ہو۔ یا یہ ہمارے خیالات کی پیداوار ہو۔ لیکن ہم ان تکلیفوں کو جھیلتے چلے جارہے ہیں اور قریب مستقبل میں کوئی امید کی کرن نہیں دکھائی دیتی۔ ہر طرف ٹوٹ پھوٹ ہے چیزوں کی جو شکلیں تھیں وہ ٹوٹ رہی ہیں۔ لیکن نئی چیزیں بنتی نہیں دکھائی دیتیں حکمراں طبقے اور گروہ جو اب تک حالات پر چھائے رہے ہیں آجکل کے مسئلوں کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں لیکن کوئی دوسرا طبقہ یا گروہ ایسا نظر بھی نہیں آرہا ہے جو حالات کی باگ ان کے ہاتھوں سے چھین لے۔ تاریخ میں ایسے ناکارہ اور بے بس ہونے کی مثالیں کم ملیں گی جیسی کہ چیمبرلین اور برطانوی حکومت نے پیش کی ہیں۔ لیکن وہ حکومت کام کر رہی ہے، کیونکہ کوئی دوسری جماعت اسکی جگہ لینے والی نظر نہیں آتی۔

فسطائی رجحان

دنیا کے حالات کا ہم پر اثر پڑتا ہے۔ لیکن اندرونی حالات بھی ایسے ہی جارہے ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ہمارے ملک میں، بلکہ ہماری قومی تحریک کے اندر فسطائی عنصر سامراج دشمن نعروں سے کام لیکر طاقت حاصل کرلے۔ کبھی کبھی یہ غل سنائی دیتا ہے کہ کانگرس کا اعلیٰ کمان فسطائی ترکیبوں سے کام لے رہا ہے۔ اعلیٰ کمان نے اکثر غلطیاں کی ہونگی۔ اور کبھی کبھی اس نے یقینی من مانے طریقوں پر کام کیا ہے لیکن یہ کہنا کہ وہ فسطائی رنگ پر جارہا ہے اپنی جہالت کا اظہار کرنا ہے۔ اس وقت ملک میں فسطائی عنصر بہت کافی ہے۔ اور تھوڑا بہت کانگرس کے اندر بھی ہے۔ یہ فرقہ داری اور غیر سیاسی جماعتوں میں پرورش پارہا ہے۔ لیکن کانگرس کی پرانی لیڈری میں چاہے جتنی برائیاں ہوں، اس سے بہت دور ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ اس پر الزام لگانے والے وہی لوگ ہیں جو کانگرس میں فسطائی ذہنیت رکھتے ہیں۔

ہراولی گروہ

سوبھاش بابو کا ہراولی گروہ بننا جو کچھ ہوا ہے اس کا لازمی نتیجہ تھا لیکن یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، کیونکہ اس میں کھلے ہوئے خطرے ہیں۔ اس وقت تک تو یہ ایک انکاری گروہ ہے جس نے ایک خاص پارٹی کے مخالفین کو جمع کرلیا ہے، اور ان کو ملانے والی چیز اس پارٹی کی مخالفت ہے جو اس وقت کانگرس پر قابو رکھتی ہے اس کے سامنے کوئی خاص پالیسی جو مضبوط اصولوں پر قائم ہو نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ان کو اوزنیا؟ جوش دلایا جائے۔ ان کے یہاں نامناسب لوگوں کو گھسنے سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ گروہ کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس میں ہر رنگ اور ہر خیال کے لوگ پہونچ جائیں گے۔

ہم برابر دیکھتے آئے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح کانگرس میں غرض پرست گھسے آتے ہیں، اور ان کے آنے سے کیا کیا تکلیفیں پہونچ رہی ہیں۔ پرانی روائتیں اور اندرونی طاقت ایسے لوگوں کو ذرا روک ٹوک میں رکھتی ہے۔ اور اب ہم ایسی صورتیں سوچ رہے ہیں جن سے ان کا داخلہ بالکل بند کردیں۔

لیکن ایک نئی جماعت میں جس کی کوئی پرانی روایت نہیں ہے، اور جس کا کوئی خاص اصول نہیں ہے، ایسے لوگوں کیلئے گھسنے کا موقع ہے۔ اور تعجب نہیں کہ اچھے اچھے الفاظ کے پیچھے چھپ کر وہ لوگ اس پر چھا جائیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ فسطائی اور فرقہ پرست عنصر اس میں جگہ پکڑ جائے اور اسکی آڑ لے کر کانگرس کی غیر فرقہ دارانہ اور فسطائی دشمن پالیسی سے لڑائی چھیڑ دے۔ اگر ایسا موقع آیا تو سوبھاش بوس اس کا کیسے مقابلہ کریں گے۔ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئیے کہ یورپ میں فسطائی طاقت نے انقلابی اور عام پسند نعروں ہی کو لیکر کامیابی حاصل کی ہے۔

آنے والے خطرے

یہ ممکن ہے کہ فسطائی طاقت ہماری قومیت کی آڑ میں کام کرے اور پھر اس کو ایک غلط طریقہ پر موڑ لے جائے۔ اس وقت ہم سے کہا جارہا ہے کہ قومیت کے معنی نسل پرستی کے ہیں، اور اس وجہ سے ہم کو اپنی نسل پر زور دینا چاہئیے، اور دوسری نسلوں کے خلاف دشمنی پیدا کرنا چاہئیے یہ وہ قومیت نہیں ہے جس کے سایہ میں ہم بڑھے ہیں۔ اس مسئلہ کا ایک دوسرا رخ لیجئے۔ ہماری لڑائی دشمن پالیسی ہمارے لئے بہت ضروری ہے اس کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ہم آزادی اور جمہوریت کو پسند کرتے ہیں اور ہندستان کی آزادی پر زور دیتے ہیں۔ یہی پالیسی موڑ کر ایسی کی جاسکتی ہے کہ اس پر فسطائی رنگ چڑھ جائے۔ فسطائی طاقتوں کی یہ دلی خواہش ہوگی کہ لڑائی چھڑ جانے پر ہندستان برطانیہ کے پہلو کا کانٹا بن جائے۔ لیکن ہمارے نزدیک ایک سب سے بری بات یہی ہے کہ ہم فسطائی طاقتوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جائیں۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے برطانیہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جانا۔ اس وجہ سے ہماری لڑائی دشمن پالیسی کی بنیاد جمہوریت پرستی اور آزادی پسندی رہنا چاہئیے۔ لیکن ایک ذرا سے اشارے سے وہ فسطائی پرست پالیسی بن سکتی ہے۔

ہراولی گروہ کے سامنے جو خطرے ہیں ان میں سے یہ چند ہیں۔ اس کو انکاری پہلو سے الگ کرکے اقراری رنگ میں دیکھنا مشکل ہے، کیونکہ ابھی تک اس کے اصولوں کا پتہ نہیں چلتا ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے ابھی تک صرف نرسی ایم۔ ان رائے نے اپنے مسلسل مضامین اور تقریروں میں اس کی پالیسی ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ آیا ان کی رائے گروہ کی پالیسی کی ترجمانی کرتی ہے۔ یا پالیسی ڈھالنے کے لئے پیش کی گئی ہے، یہ نہیں بتایا جاسکتا۔ لیکن ان کی رائے اور طریقہ کار ضرور پرانے طریقہ کار اور نقطۂ نگاہ سے بالکل الگ ہے لیکن میں اس نقطۂ نگاہ سے اتفاق نہیں کرتا ہوں میرے خیال میں وہ ہندستان کی موجودہ حالت کے لئے بالکل نہیں موزوں ہے۔ اس کے علاوہ وہ تریپوری کی قرارداد کے بالکل خلاف ہے جس میں یہ تسلیم کرلیا گیا ہے ہم کانگرس کی موجودہ پالیسی کو توڑنا نہیں چاہتے۔ اور نہ یہ پالیسی اس پالیسی سے میل

ایک چیلنج

کانگریس سے سوبھاش بابو نے اپنے گروہ کی بنیاد قرار دی ہے اس جگہ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ شری ایم۔ این راے کی تجویزوں پر بحث کروں۔ اسکا خاص پوائنٹ یہ ہے کہ یہ آجتک جن باتوں پر کانگریس قائم رہی ہے، اسکو بالکل توڑ ڈالنا چاہتی ہے، اور اگر مان لیا جائے تو جو آجکل کی کانگریس ہے یہ بالکل ٹوٹ جانے گی۔ اس جگہ ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسکا اثر کیا ہوگا۔ میں کانگریس میں بہت کچھ تغیر کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن چاہتا یہ ہوں کہ یہ تغیر اندر سے پیدا ہو۔ اور ایسا نہو جو کانگریس کو توڑ دے اگر اسکے خلاف ہم نے کیا تو ہماری تحریک بالکل ٹوٹ جائے گی اور رجعت پسندوں کی طاقت بڑھ جائے گی ہندستان کے حالات ان باتوں کے سمجھنے کے لئے صاف ہیں۔

اس بات کا ایک رخ اور ہے۔ ہر ادلی گروہ یا اس قسم کی جماعتیں بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مقابل کی جماعت ضدی ہوجاتی ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس ڈر سے کوئی پارٹی بنائی ہی نہیں جائے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ بنانے کے لئے موقع اور وقت کا خیال رکھنا چاہیئے ورنہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاص خاص فرقوں کو اپنے میں ملانے کے لئے سخت فساد ہونے لگتا ہے، ایسے جھگڑے جمہوری پارٹی میں ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سخت بدنصیبی ہوگی اگر ہم اسوقت جبکہ اندرونی اور بیرونی معاملات بہت نازک ہو رہے ہیں آپس میں الجھ کر رہجائیں۔

راجکوٹ کا قصہ

ہر ادلی گروہ کے بارے میں مجھے یہ الجھنیں ہیں لیکن میں جدھر گھومتا ہوں الجھن ہی الجھن ملتی ہے راجکوٹ میں جو کچھ ابھی ہوا ہے اور ہو رہا ہے یہ بہت اہم ہے اور یہ یقینی ہے کہ اسکے اثرات بہت گہرے ہونگے اور صرف ریاستوں پر نہیں بلکہ سارے ہندستان پر ہونگے۔ گاندھی جی کا سیاسی مسئلوں کو حل کرنے کا طریقہ کتنا بدل گیا ہے، اور اسکا کانگریس پر جو بڑی حد تک انکے قابو میں ہے کیا اثر پڑیگا؟ ممکن ہے گاندھی جی نے جو کچھ وہاں کیا ہو ٹھیک کیا ہو — صحیح اور مفصل معلومات کے بغیر میں اسکے متعلق زیادہ بحث نہیں کرسکتا۔ لیکن بہت سے راستے جو انھوں نے پچھلے چند مہینوں میں راجکوٹ کے لئے پسند کرکے اختیار کئے ہیں، انکا سمجھنا یا انکی خوبیاں پہچاننا بہت مشکل ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک سیاسی تحریک اس طرح کیسے چل سکتی ہے۔ جب میں ریاستی پرجا سبھا کا صدر چنا گیا ہوں تو میں جانتا تھا کہ نہ تو کچھ عجائبات دکھا سکتا ہوں اور نہ معمول سے ہٹ کر کوئی کام کرسکتا ہوں۔ تمام ریاستوں کا مسئلہ بہت بڑا ہے اور الجھا ہوا ہے جس میں جگہوں کے لحاظ سے بڑا اختلاف ہے۔ لیکن اندرونی طور پر ایک یکسانیت بھی ہے۔ میں امید کرتا تھا کہ میں ان مختلف تحریکوں کو یکجا کرنے اور انکو ایک میں منتقل لانے میں کچھ کامیابی ضرور حاصل کرلونگا۔ لیکن مجھے جلدی ہی معلوم ہوگیا کہ شاید جو کچھ گاندھی جی ریاستوں کے بارے میں کر رہے ہیں اس سے میری کارروائی سنگت نہ کرے۔ اور میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے گاندھی جی سے ٹکر ہوجائے کیونکہ اس طرح ریاستوں میں بڑی گڑبڑی پھیل جاتی اور اسی وجہ میں خاموش رہا۔

الجھنیں

راجکوٹ کے معاملے کے بعد میری بےبسی بہت بڑھ گئی۔ جہاں بات میری سمجھ میں نہ آئے وہاں میں کام نہیں کرسکتا اور راجکوٹ میں جو کچھ ہو رہا ہے اسکی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔ اور ہندستان کی عام سیاست پر بھی یہ ٹھیک اثر ڈالتا ہے۔

مجھے بڑی حد تک گاندھی جی کی سوجھ بوجھ پر اور اس بات پر کہ وہ واقعات سے متاثر ہوکر وہ خود بخود اسے درست کام کر بیٹھتے ہیں بھروسا رہا ہے انھوں نے ہماری پبلک زندگی کو جو اخلاقی جامہ پہنا دیا ہے اسکو میں بہت پسند کرتا رہا ہوں۔ انھوں نے ہماری لڑائی کی جو گرانقدر اور انوکھی خدمت کی ہے وہ ہمیشہ ہندستان کی تاریخ کا اہم جزو ہوگی میرا خیال ہے کہ ابھی وہ ہماری جدوجہد اور ہمارے مستقبل کی تیاری میں اور بڑے کام کرینگے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہندستان کی خوش نصیبی ان کو ابھی برسوں زندہ رکھے گی۔

انتخاب کا سوال دن بدن تیز ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سوال داہنے بازو اور بائیں بازو یا سیاسی فیصلوں سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ انتخاب اس بات میں ہے کہ آیا بلا دیئے گئے ان فیصلوں کو مان لیا جائے جو اکثر ایک دوسرے کی کاٹ کرتے ہیں اور کوئی منطقی بنیاد رکھتے ہیں۔ ایسی بات کو جسے ہم پسند نہیں کرتے یا ہمارے خلاف مرضی ہے مان لینا عقل میں ڈھیل ڈالدینا ہے اور اسے معطل کردینا ہے۔ ایسے اصول پر کوئی بڑی تحریک نہیں چل سکتی۔ خاصکر ایک جمہوری تحریک — مخالفت اسوقت نقصان دہ ہے جب وہ ہمکو کمزور اور ہمارے دشمنوں کو مضبوط کر رہی ہو، بےعملی مایوسی اور طرح طرح کے اوہام پیدا کرتی ہے، اور اسوقت جبکہ ہر طرف سے عمل عمل کی آواز اٹھ رہی ہو بےعملی کا کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

یہ ہیں وہ مسئلے جو ہم میں سے بہت لوگوں کے سامنے ہیں۔

زرعی بل پر بحث ملتوی ہوگئی

مخالف پارٹی کی بدلی ہوئی روش

۲۹ مئی کو یو۔پی کونسل میں مخالف پارٹی کی تحریک اور حکومت کی منظوری سے زرعی بل پر بحث ملتوی ہوگئی اور اجلاس ۳ جولائی تک کے لئے برخاست ہوگیا۔

۲۸ کی شام کو وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنتھ کے مکان پر مخالف پارٹی کے بعض ممبروں نے ان سے بات چیت کی تھی جسکے دوران میں حکومت کونسل کا اجلاس ملتوی کرنے پر تیار ہوگئی بشرطیکہ زمیندار اس عرصہ میں حکومت سے زرعی بل پر کوئی سمجھوتہ کرلیں اور دیر لگانے کی پالیسی نہ اختیار کریں اور جو باتیں طے کی جائیں وہ مان لی جائیں۔

مخالف پارٹی نے حکومت سے گفت و شنید کرنے کے لئے بیگم اعزاز رسول۔ چودھری اختر حسین۔ راجہ سری رام۔ مسٹر موہن لال۔ مسٹر نصر اللہ۔ مسٹر مسعود الزماں۔ مسٹر غیاث الدین۔ سر جے۔ پی سریواستو اور ڈاکٹر آر۔ یو۔ سنگھ کی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو نواب چھتاری۔ سر محمد یوسف۔ راجہ جگدیش دیال سیٹھ اور راجہ بشیشر دیال سیٹھ کی زیر نگرانی کام کریگی۔

سرحد میں رشوت ستانی کا انسداد

ڈاکٹر خان صاحب کے نوٹ کی داستان

پشاور کی ایک خبر ہے کہ ۲۴ مئی کو کچھ دیہاتی سرحد کے وزیر اعظم ڈاکٹر خان صاحب کے پاس یہ شکایت لائے کہ ایک عدالت کا محرر ان سے رشوت مانگتا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے انھیں ایک پانچ روپیہ کا نوٹ دستخط کرکے دیدیا۔ یہ نوٹ دیہاتیوں نے اس محرر کو رشوت میں دیدیا اور تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر خان صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ ایکا یک خود موقع پر پہونچ گئے۔ محرر سے کہا گیا کہ اگر وہ جرم کا اقبال کریگا تو اسے کوئی سزا نہ دیجائیگی لیکن اس نے صاف انکار کردیا۔ اس کی تلاشی لی گئی اور ڈاکٹر خان صاحب کا دستخط کیا ہوا نوٹ اسکے پاس سے برآمد ہوا۔ محرر کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔

پنجاب میں زبردست کسان تحریک

ڈھائی مہینے سے ستیہ گرہ جاری ہے

کسان عورتوں اور بچوں کی زبردست قربانی

پنجاب کے تقریباً ۰ ہزار کسان اور بہت سی کسان عورتیں اپنے دودھ پیتے بچوں کیساتھ ستیہ گرہ کرکے جیل جا چکے ہیں۔

کسانوں نے وزیر اعظم کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ حکومت نے دفعہ ۱۴۴ لگا کر ان کے مظاہرہ کو بند کردیا۔ اس پر کسانوں نے بطور احتجاج ستیہ گرہ شروع کردی ستیہ گرہ ۲۲ مارچ سے اب تک جاری ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جیل میں کسان ستیہ گرہیوں پر بہت سختی کی جارہی ہے کئی قیدی جیل میں مر چکے ہیں۔ ایک عورت ستیہ گرہی کا بچہ جیل میں مر گیا لیکن حکام نے ماں کو اپنے بچے کے جنازہ میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں دی۔

کسانوں کے خاص خاص مطالبات یہ ہیں۔

۱۔ لگان کھیتی کے تمام اخراجات کو نکالکر خود کاشت کسان کی آمدنی پر لگایا جائے۔

۲۔ چاہی ریٹ۔ چوکیدارہ۔ ملبہ۔ لوکل ریٹ بھوتڑہ کھیکری بہرہ اور اس قسم کے تمام محصول ختم کر دیئے جائیں۔

۳۔ جس زمین پر کوئی فصل نہ بوئی جائے اس پر کوئی لگان نہ لیا جائے۔

۴۔ آبیانہ منافع کے بجائے نہر کے خرچ کے حساب سے لگایا جائے۔

۵۔ موگوں کا پانی زیادہ مقدار میں دیا جائے۔

۶۔ جہاں کنوئیں سوکھ جانے سے فصل میں نقصان ہو رہا ہے وہاں کنوئیں درست کئے جائیں۔

۷۔ جن گاؤں کو دریا یو پانیم تباہ کر رہے ہیں ان کا مناسب انتظام کیا جائے۔

۸۔ جہاں فصل تباہ ہوگئی ہے وہاں لگان معاف کر دیا جائے۔

۹۔ بہیدخلی صرف دو سال کے بقایا لگان پر ہو سکے۔

۱۰۔ تین سال تک متواتر کاشت کرنے والوں کو مستقل کاشت کا حق دیا جائے۔

عربوں پر فسطائی اٹلی کے مظالم

طرابلس و لیبیا میں جبری بھرتی

طرابلس کی اطلاع ہے کہ طرابلس الغرب اور لیبیا کے عربوں میں جبری بھرتی کے حکم سے سخت اضطراب پھیل گیا ہے اس حکم کی رو سے ۱۸ سال سے لیکر ۵۵ سال کی عمر تک کے تمام لوگوں کو فوج میں زبردستی بھرتی کیا جا رہا ہے۔ طرابلس کے علمائے شاہ اٹلی سے اسکے خلاف احتجاج کیا ہے اور مداخلت کی درخواست کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ لیبیا کے اطالوی وائسرائے مارشل بالبو بہت سخت گیری کر رہے ہیں اور انھوں نے تمام عرب شرفا کو جیلوں میں بھر دیا ہے اور اتنی گرفتاریاں کی ہیں کہ اب جیلوں میں بھی گنجائش نہیں رہی ہے۔

فلسطین کیلئے برطانیہ کی تجویز

اعلیٰ کمیٹی کی مخالفت

عرب اعلیٰ کمیٹی نے جو مفتی اعظم کی طرفدار ہے برطانیہ کی نئی تجویز پر ایک بیان دیا ہے جس میں اس نے صاف الفاظ میں ان تجویزوں کو رد کرتے ہوئے بتایا کہ وہ برطانیہ کے ساتھ کوئی اشتراک عمل نہ کریگی۔ اس بیان میں بتایا گیا ہے کہ برطانوی تجویز میں عربوں کی خواہشوں کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ اسکی پالیسی گول مول ہے اور جس آزادی کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اتنی شرطوں کیساتھ بالکل ڈھکوسلا ہے۔

عرب اعلیٰ کمیٹی کا مطالبہ ہے کہ یہودیوں کی آمد بالکل بند کر دیجائے اور یہودیوں کے ہاتھ زمین کی فروختگی بھی بند کر دیجائے۔ اور فلسطین کو عرب کی اسلامی حکومتوں کا ایک آزاد جزو بنادیا جائے۔

روشن آرا

ایک مفید کتاب ہے ہر انسان کو خوبصورت خوش سیرت، باکمال، زماں نباتی ہے۔ رنج غم، مصیبت سے چھڑا کر راہ راست پر لاتی ہے باوجود اسقدر خوبیوں کے مفت روانہ کرتے ہیں طلب کریں۔

پتہ۔ دہلی دواخانہ صدر بازار دہلی

دہلی میں ہندستانی علاج

یونانی و آیورویدک اسپتال کھولے جارہے ہیں

معلوم ہوا ہے کہ حکومت یو۔پی نے ۱۹۰ یونانی اور آیورویدک اسپتال کھولنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور چند ہی مہینہ کے اندر یہ حکیم اور یہ ویدیا کام شروع کر دینگے انکی تنخواہ ۵۰ روپیہ ماہوار ہوگی اور ۶۵ روپیہ تک ۵ روپیہ سالانہ ترقی ہوگی انسپکٹر جنرل سول اسپتال اور سول سرجنوں کے ماتحت ہونگے۔

حکومت حکیم اور وید تیں بھی مقرر کرنیوالی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ بیگم اسد علی قدوائی سندیافتہ طبیبہ کالج دہلی کی زیر نگرانی حکومت ضلع لکھنؤ میں ایک اسپتال عنقریب ہی کھولا جانیوالا ہے۔

ڈینزگ کو پولینڈ کی پیشکش

سمجھوتہ کیلئے پولستانی حکومت کی آمادگی

ڈینزگ کے پولستانی کمشنر نے ڈینزگ کی قانون سبھا میں ایک یادداشت پیش کی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ اگر قانون سبھا واقعی ڈینزگ کی ہیجانی کیفیت ختم کرنا چاہتی ہے تو وہ کمشنر اسکے ساتھ ایسے مسئلوں پر بحث کرنے کو تیار ہیں جن سے ایک پرامن فضا پھر سے قائم ہو سکے، اور حکام اپنے فرائض ٹھیک طرح ادا کر سکیں۔

پولستانی کمشنر نے پولستان اور ڈینزگ کے حکام میں تعلقات خوشگوار بنانے کی اہمیت بھی بتائی ہے اور شکایت کی ہے کہ حکومت کے مسلسل احتجاج کے باوجود شورش اٹھانیوالوں کی مجرمانہ کارروائیوں کو ختم کرنے یا پولستانی حکام کی حفاظت کا بندوبست کرنے کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

شدہ یعنی خالص کھدر کو بنانیوالے و تھوک بیوپاری

ودیارتھی کھادی بھنڈار میرٹھ

نئے وضع اور طرح کے کوٹ اور قمیص کے کپڑے اور دھوتی ساڑی وغیرہ خرید کر آزمائش کیجئے

مصنوعی سانس لینے کا طریقہ

بجلی کے دھکہ کا علاج

اس سلسلہ میں حکومت یو۔پی کے ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے کہ صوبہ میں استعمار تیزی سے بجلی کی ترقی ہوتے ہوئے حکومت محسوس کرتی ہے کہ مصنوعی سانس لینے کا طریقہ جو بجلی سے دھکا (شاک) سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے عام طور پر بتایا جائے۔ لہذا حکومت نے ایک اشتہار انگریزی اردو ہندی میں شائع کیا ہے جس میں مصنوعی سانس لینے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ ان اشتہاروں میں تصویریں ہیں اور یہ اشتہار ایک روپیہ بھیجکر سرکاری پریس الہ آباد سے منگایا جاسکتا ہے۔

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جس آدمی پر بجلی کا دھکا لگا ہو اس کے لئے مصنوعی طور پر سانس دینے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ یقین نہ ہو جائے کہ مریض لاعلاج ہے۔

مختصر خبریں

شری رام پال ترویدی جوائنٹ سکریٹری انجمن مدرسین ضلع لکھنؤ اطلاع دیتے ہیں کہ ۱۲ مئی کو انجمن کا ایک جلسہ ہوا جسمیں پشاور کے مدرسین کے مطالبات کی تائید کی گئی۔

ایک قرارداد میں مدرسین سے کمعدد ہمتحان کرنے اور اسکا بیجا کرنے کی درخواست کیگئی دوسری قرارداد میں طے پایا کہ ہر مدرس ایک گھنٹہ روزانہ اشاعت تعلیم میں خرچ کرے۔

دربار پٹیالہ سے حکم جاری کیا گیا ہے کہ ریاست کے کسی مندر، گوردوارہ یا مسجد میں کوئی سیاسی جلسہ نہ ہو اور نہ ہی کسی قسم کی غیر مذہبی تقریر کیجائے اس حکم کی خلاف ورزی کے سلسلے میں عبادتگاہوں کے نگہبانوں پر بھی مقدمے چلائے جائیں گے۔

میسور ۱۳ مئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ میسور نے زیر دفعہ ۱۴۴ عوام میں بیداری پیدا کرنیوالی انجمن کے ممبروں کو امتناعی حکم دیا ہے۔ کہ وہ دو ماہ کے عرصہ کے لئے میسور شہر سے پانچ میل کے دائرے کے اندر اندر کوئی تقریر نہ کریں۔

تب جنگ عظیم چھڑی۔ ترکی برطانیہ۔ فرانس اور روس کے خلاف جرمنی کی طرف سے جنگ میں شامل ہوگیا۔ اس وقت اس کے سامنے دو مقصد تھے۔

۱۔ جرمنی کے بل پر اپنی اصلاح بندی کرنا اور
۲۔ عرب ریاستوں کو آزادی کی لڑائی چھیڑنے سے باز رکھنا۔

اگرچہ کسی حد تک پہلے مقصد میں کامیابی ہوگئی لیکن دوسرے مقصد میں سرے سے ناکامیابی رہی۔ مسوپوٹامیا نے برطانیہ اور فرانس کی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈالدیئے۔ اور دمشق نے بھی کوئی ساتھ نہ دیا۔ نجد میں ابن سعود برطانیہ سے رشوت لے کر غیر جانبدار بن گئے۔ اور شریف حسین نے برطانیہ سے گفت و شنید شروع کردی۔

مصطفیٰ کمال | جنگ عظیم کے دوران میں ترکی کو ایک ایسا شخص مل گیا جس نے اپنی سعی و طاقت سے ترکی کی دنیا ہی بدل دی۔ یہ شخص جمہوریہ ترکی کا بانی اور پہلا صدر مصطفیٰ کمال تھا۔ مصطفیٰ کمال ہی ترکی میں قومی تحریک کے بانی تھے انھوں نے سالونیکا میں اپنی جلاوطنی کے زمانہ میں انجمن آزادی بنائی جو بعد میں انجمن اتحاد و ترقی بن گئی۔

اگرچہ مصطفیٰ کمال ذاتی حیثیت سے جنگ میں ترکی کے جرمنی کا ساتھ دینے کے خلاف تھے لیکن جنگ چھڑ جانے پر انھوں نے اپنے ملک و قوم کی خدمت میں کوئی تساہلی نہیں کی۔ درہ دانیال کی جس طرح انھوں نے حفاظت کی ہے وہ آج تک مشہور ہے اور کمال کی جنگی پیش بینی کا ثبوت ہے۔

مصطفیٰ کمال کی شروع ہی سے یہ رائے تھی کہ جنگ میں جرمنی کو شکست ہوگی اور ہوا بھی ایسا ہی۔ جرمنی کے ساتھ ترکی کے بھی برے دن آگئے۔ اتحادیوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آپس میں بانٹ لیں۔ سویرس کے صلحنامہ میں انھوں نے طے کیا تھا کہ بحر مارمورا کے کنارے کا علاقہ اور بحر اسود کے جنوب مغرب کا علاقہ اتحادیوں کے ایک کمیشن کے ماتحت کردیا جائے۔ سمرنا کے اطراف کا علاقہ جہاں انگور اور زیتون کثرت سے پیدا ہوتا ہے یونانیوں کو دے دیا جائے اور عدالیا کا علاقہ جہاں روئی اور غلہ کی پیداوار ہوتی تھی اٹلی کو دے دیا جائے۔ اس طرح گویا اتحادی چاہتے تھے کہ ترکی کے تمام زرخیز میدانی علاقوں کو آپس میں بانٹ لیں اور بچے کچھے علاقوں کے بھی چاروں طرف اپنا اثر قائم رکھیں۔

ترکی کو ان شرطوں پر راضی کرنے کے لئے برطانیہ اور فرانس نے یونان کو اس کے خلاف کھڑا کردیا۔ اس لڑائی میں آگے چلکر فرانس و برطانیہ نے یونان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ترکی سے سمجھوتہ ہوگیا۔

اتحادی اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور سلطان تقدیر کے لکھے پر راضی ہوچکے تھے۔ اور ترکی ہمیشہ کے لئے دنیا کے نقشہ سے مٹنے والا تھا کہ اناطولیہ میں بغاوت ہوگئی۔ مصطفیٰ کمال اس شورش کو کچلنے کے لئے بھیجے گئے لیکن وہاں جاکر انھوں محسوس کیا کہ وہ اس طاقت کی مدد سے ترکی کو یورپ کے سامراجیوں کے چنگل سے چھڑا سکتے ہیں چنانچہ انھوں نے دنیا کو دکھا دیا کہ ترکی ابھی مردہ نہیں ہوا ہے ۱۹۲۲ء میں یونانیوں کو پسپا کرکے اپریل ۱۹۲۰ء میں انھوں نے ترکی کی آزادی کا اعلان کردیا۔ جولائی ۱۹۲۳ء میں کئی مہینہ کی مسلسل گفت و شنید کے بعد لوزان کا صلحنامہ ہوا جس میں اتحادیوں نے اناطولیہ قسطنطنیہ اور مشرقی تھریس پر ترکی کا قبضہ تسلیم کرلیا۔ مغربی اناطولیہ کے یونانیوں کو ان کے وطن بھیج دیا گیا۔ اور ترکی ایک قوم بن گیا۔

۱۹۲۷ء میں مصطفیٰ کمال نے اپنی مشہور ۶ دن کی تقریر میں کہا تھا "ہم نے کبھی اپنی پوری رائے کا اظہار نہیں کیا اگر ہم نے ایسا کیا ہوتا تو لوگ ہمیں شیخ چلی اور شعبدہ باز کہتے .... کامیابی کا اور محفوظ راستہ صرف یہی تھا کہ ہر کارروائی کو عین وقت پر پوری طرح سے سمجھا دیا جائے۔ یہی ایک طریقہ تھا قوم کی ترقی اور تعمیر کا۔"

کمال اتاترک نے اپنی حکومت کے انیس سال میں اس راستہ پر کس طرح عملدرآمد کیا اور ترکی سماج میں انھوں نے کیا کیا تبدیلیاں کیں ایک ہفتہوار اخبار کے صفحات میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ انھوں نے سلطانی اور خلافت کو ختم کردیا۔ پارلیمنٹری طرز کی ایک جمہوریہ قائم کردی اور لوگوں میں جدید تعلیم رائج کردی ۱۹۲۶ء میں شریعت کے قانون ختم کردیئے گئے اور مغربی طرز کے قانون ان کی جگہ لے لی۔ فارسی اور عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط رائج ہوگیا سماج میں عورتوں کو مردوں کے برابر تسلیم کرلیا گیا۔

اندرونی اصلاحات کے ساتھ ساتھ کمال اتاترک نے دوسرے ملکوں کے ساتھ جرمنی کے تعلقات پر بھی دھیان دیا سب سے پہلے انھوں نے سوویٹ روس سے دوستی بڑھائی پھر ترکی کو لیگ اقوام میں داخل کیا۔ بلقان کانفرنس بلائی اور بلقانی ریاستوں کا ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی کوشش کی اور ایران۔ عراق اور افغانستان کے ساتھ ایشیائی صلحنامہ سرانجام دیا۔ ستمبر ۱۹۳۶ء میں اینگلو ترکی تجارتی معاہدہ ہوا اور مئی ۱۹۳۸ء میں برطانیہ نے اپنی ضمانت پر ترکی کو قلعہ بندی اور صنعتی ترقی کے لئے ۶ کروڑ اسٹرلنگ کا سامان خریدنے کا اختیار دے دیا۔ تعلقات اتنے گہرے ہوگئے کہ ترکی کے وزیر خارجہ نے کہا "چاہے کچھ ہو لیکن ترکی کبھی برطانیہ کے مخالف نہیں جائے گا۔ برطانیہ کے ساتھ ہماری دوستی اعتماد اور ہم آہنگی کی دوستی ہے۔"

پیار و محبت کی یہ باتیں چکوسلاویکیہ کے قضیہ سے پہلے ہوئی تھیں اس وقت تک ترکوں کو پتہ نہ تھا کہ میونخ میں برطانیہ کس غداری کا مظاہرہ کرنے والی ہے چنانچہ میونخ کے بعد تعلقات میں کچھ تبدیلی آگئی۔ اور ٹھیک اس وقت جب میونخ کا سمجھوتہ تیار ہورہا تھا جرمنی کے وزیر اقتصادیات ڈاکٹر فنک نے ترکی کو ۶ کروڑ اسٹرلنگ کا سامان دلانے کا اعلان کردیا اور کہا "یوگوسلاویہ بلغاریہ اور ترکی جو ہمارے سپاہی دوست ہیں ایک بلقانی محور بناتے ہیں جو جرمنی کی سرحد سے بحر اسود تک پھیلا ہوا ہے۔"

عصمت اینونو | ۱۱ر نومبر ۱۹۳۸ء کو مصطفیٰ کمال کے دم توڑنے کے ٹھیک چوبیس گھنٹہ بعد ایک سو ایک توپوں نے جمہوریہ ترکیہ کے دوسرے صدر کو سلامی دی۔ اور کمال اتاترک کی جگہ ان کے پرانے ساتھی، اور سابق وزیراعظم جنرل عصمت اینونو ترکوں کے سردار منتخب ہوگئے۔ جنرل عصمت نے بھی مصطفیٰ کمال کی طرح ایک سپاہی کی حیثیت سے زندگی شروع کی۔ اور جنگ بلقان اور عالمگیر جنگ میں کمال کے دوش بدوش

[illegible] ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمہوریہ کے قائم ہونے پر وہ اس کے وزیر اعظم منتخب ہوئے اور نومبر ۱۹۲۴ء سے مارچ ۱۹۲۵ء تک کے عرصہ کو الگ کر جبکہ اعتدالی ترقی پسند لوگوں کی اکثریت ہو گئی تھی اکتوبر ۱۹۳۰ء تک جنرل عصمت ہی وزیر اعظم رہے۔ اندرونی معاملات میں بظاہر وہ کمال اتاترک کے نظریہ کے حامی ہیں اور مغربی یورپ کے جمہوری طرز حکومت کو ترکی کے لئے ناموزوں سمجھتے ہیں۔

بیرونی معاملات میں بھی ان کی نگاہ کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اس لئے کہ وزیر اعظم کی حیثیت سے انھوں نے خود ہی ترکی کی بیرونی پالیسی کی تشکیل میں حصہ لیا تھا۔ اور تمام معاہدے اور سمجھوتے انہی کی رائے سے ہوئے تھے۔ دو برس ہوئے جب ایک تقریر میں انھوں نے کہا تھا۔ "اجتماعی حفاظت جس کے ساتھ ہم نے اپنی پالیسی کو متعلق کر لیا ہے باوجود تمام باتوں کے اب بھی لوگوں کے خیالی مقاصد کا تنہا امکانی علاج ہے اور یہی ایک بنیاد ہے جس پر ہم بجا طور پر اس سے اچھی دنیا قائم کرنے کی امید کر سکتے ہیں۔"

انگلو ترکی فوجی معاہدہ

ترکی بحر روم اور بحر اسود کے بیچ میں واقع ہے اور اس کے شمال میں بحر اسود اور جنوب میں بحر روم ہے اس کے مغرب میں بلقانی ریاستیں اور یونان کے جزیرے واقع ہیں اور مشرق میں ایران عراق اور شام کی حکومتیں ہیں۔ مشرق کی اسلامی ریاستوں کی طرف سے تو ایشیائی معاہدہ کے بعد سے اطمینان ہو گیا ہے۔ لیکن مغرب میں بلغاریہ سے وہ اب بھی خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ دراصل بلقان کانفرنس اور معاہدہ بلقان میں ترکی کے پیش پیش رہنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ بلغاریہ کو جو ترکی سے اپنے پرانے علاقہ کا برابر مطالبہ کر رہا ہے خاموش کر سکے۔

۱۹۳۶ء میں دانیال کے معاہدہ میں ترکی کو اس آبنائے کی حلقہ بندی کرنے کی اجازت مل گئی اور اس نے درہ دانیال پر قبضہ کر کے بلغاریہ کی طرف سے اپنی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد بحر اسود میں نازیوں کے بڑھتے ہوئے اثر سے اسے پھر خطرہ محسوس ہونے لگا۔ دوسری طرف البانیہ پر اٹلی کے اثر سے بحر روم کی طرف سے بھی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ آخر اٹلی نے البانیہ پر قبضہ کر لیا اسکے بعد اطالوی اخباروں نے لکھا کہ پرانے زمانہ میں سلطنت روما کی شاہی سڑک دورازو (البانیہ) سے سالونیکا ہوتی ہوئی قسطنطنیہ جاتی تھی گویا انھوں نے بتا دیا کہ اٹلی کا آئندہ پروگرام کیا ہو گا۔

دوسری طرف برطانیہ کو بھی بحر روم میں اٹلی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ مشرقی یورپ میں بھی ہٹلر اور مسولینی کے بڑھتے ہوئے اثر سے پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ بحر اسود کی کنجی درہ دانیال پر ترکی کا قبضہ ہے اور اس کی مدد سے برطانیہ کے لئے رومانیہ کی مدد کرنا۔ بلغاریہ کو دھمکی دیکر خاموش رکھنا اور مشرقی یورپ میں جنگ چھڑ جانے پر روس اور ترکی کی فوجوں سے پوری پوری امداد حاصل کرنا آسان ہو جائے گا چنانچہ اس نے ترکی سے ایک فوجی معاہدہ کر لیا۔ اب ترکی جتنا برطانیہ اور روس کے نزدیک ہو گیا ہے اتنا ہی وہ جرمن اور اٹلی سے دور جا پڑا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عصمت انونو کا جھکاؤ برطانیہ کی طرف زیادہ ہے اور ممکن ہے کہ انگلو ترکی معاہدہ اتنی آسانی کے ساتھ اسی وجہ سے ہو گیا ہو۔ اسکے ساتھ یہ بھی مشہور ہے کہ عصمت پاشا روس سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر روس اور ترکی کے معاہدہ میں کافی رکاوٹیں پڑنے کا اندیشہ ہے تاوقتیکہ برطانیہ اور فرانس

ہندستانی وزیروں کے اخراجات

نام صوبہ	تعداد وزراء	تنخواہ	میزان	سفری الاؤنس	موٹر کار الاؤنس	متفرق خرچ	سالانہ خرچ
بنگال	۱۲	۲۵۰۰ / ۳۰۰۰	۳۶۶۰۰۰	۶۰۰۰	۰۰	۲۴۰۰۰	۳۰۵۰۸—۵—۴
پنجاب	۶	۳۰۰۰ / ۳۵۰۰	۲۲۲۰۰۰	۳۴۲۰۰	۱۵۶۰۰	۲۸۵۰	۴۹۷۷۵—۰—۰
مدراس	۱۰	۵۰۰	۶۰۰۰	۰۰۰	۳۰۰۰	۹۵۰	۱۳۴۵۰—۰—۰
آسام	۸	۵۰۰	۴۸۰۰۰	۱۶۰۰۰	۱۹۲۰۰	۹۹۵۰	۱۱۶۴۳—۱۲—۰
بمبئی	۵	۵۰۰	۴۲۰۰۰	۲۱۶۰۰	۱۸۷۰۰	۳۰۰۰	۱۲۱۸۵—۱۱—۰
سندھ	۶	۵۰۰	۳۶۰۰۰	۲۰۳۰۰	۹۰۰۰	۱۵۴۰	۱۳۴۵۰—۰—۰
یو۔ پی	۶	۵۰۰	۳۶۰۰۰	۲۵۰۰۰	۱۰۸۰۰	۲۵۰۰	۱۲۳۸۳—۵—۴
سی۔ پی و برار	۷	۵۰۰	۴۲۰۰۰	۱۰۰۰	۱۲۶۰۰	۱۵۰۰	۹۴۴۲—۱۳—۰
بہار	۸	۵۰۰	۲۴۰۰۰	۱۵۰۰۰	۷۲۰۰	۱۰۰۰۰	۱۴۰۵۰—۰—۰
اڑیسہ	۳	۵۰۰	۱۸۰۰۰	۶۵۰۰	۰۰۰	۷۸۲۷	۱۰۷۷۵—۱۰—۸

اسلامی دنیا

صدیوں تک دنیائے اسلام کی لیڈری خلافت اسلامیہ کے ہاتھوں میں محفوظ رہی ۱۹۲۴ء میں ترکی کی قومی نمائندہ مجلس نے خلافت ختم کردی لیکن اس کے باوجود اب بھی دنیائے اسلام میں ایک طرح کا اتحاد پایا جاتا ہے اور اس کی ذمہ داری زیادہ تر ترکی اور ہندوستان کے مذہبی اداروں پر ہے۔

ساری دنیا میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۳۰ کروڑ ہے۔ شمالی افریقہ میں ۶ کروڑ، مغرب اور وسط ایشیا میں ۵ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ ہندوستان میں تقریباً ۹ کروڑ مسلمان بستے ہیں یہ کل آبادی کا کوئی ۲۲ فیصدی ہے۔ چین میں مسلمانوں کی زیادہ تر آبادی شمالی مغربی علاقوں میں پائی جاتی ہے ان کی تعداد ۳ کروڑ (کل آبادی کا ۷ فیصدی) بتائی جاتی ہے۔

امریکہ میں صرف ڈچ گائنا میں مسلمان کافی تعداد میں بستے ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں سے البانیہ (تقریباً ۷ لاکھ) ترکی (ایک کروڑ ۳۳ لاکھ) اور بعض سوویٹ جمہوریتوں (۱ ۳/۴ کروڑ) میں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں۔ بلغاریہ اور یوگوسلاویہ میں بھی تھوڑے مسلمان بستے ہیں۔ روس کی ۱۶ جمہوریتوں میں سے ۶ میں اسلامی تمدن رائج ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ آذربائیجان۔ قزاقستان۔ ازبکستان۔ ترکستان۔ تاجکستان۔ کرغزیا۔

یہ ۳۰ کروڑ میں سے ۹ کروڑ ۴۰ لاکھ اور ۱۲ ہزار مسلمان آزاد ہیں اور باقی غلام۔ ۹ کروڑ تیس لاکھ برطانیہ کے غلام ہیں۔ ۳ کروڑ بیس لاکھ فرانس کے، اور ۵ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈٹلی کے غلام ہیں۔

سعودی عرب۔ اور مصر کے مسلمانوں کو اگرچہ آزاد سمجھا جاتا ہے لیکن ابھی تک وہ سامراج کے چنگل سے پوری طرح نہیں نکل سکے ہیں۔

اندھوں کی ٹولی

(مسیح الحسن رضوی)

وہ سات تھے، تین جنم کے اندھے، دو موتیا بند کے رہین منت، ایک چیچک کا ستایا، اور ایک چشم شہر کے ہنگاموں، رونقوں، اور شور و غل سے دور ایک پیپل کا گھنا درخت انکا مسکن تھا، یک چشم ان میں اپنی یک چشمی کے باعث سردار کی حیثیت رکھتا تھا - چودھری کا رتبہ۔

لیکن انکی دنیا کتنی تاریک تھی، اندھی تھی، اور کسقدر بے کیف یکسانیت سے لبریز ہے شاید انھوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ صبح سے شام تک ٹوٹے ہوئے المونیم کے پیالے ہاتھ میں لئے وہ شہر کے مختلف محلوں میں مارے مارے پھرتے اور چودھری پیپل کی گھنیری چھاؤں میں بیٹھا چلمیں اڑایا کرتا۔

"بابا . . . . ایک پیسہ سخی داتا اندھے محتاج کو دو روٹیاں دلوا دو"

ان سب کا معروضہ پھر اسی قسم کے الفاظ کے اندر محدود ہوتا اور جب کوئی سخی ان کے کیسے میں پیسہ ڈال دیتا تو وہ لمبے میلے اور زرد دانت نکال کر اسکو دعائیں دیتے آگے بڑھ جاتے . . . .

اور پھر اسی قسم کی صدائیں!

(۲)

کلوا ان سب میں نوجوان کسیقدر ٹنگڑا۔ اور اگر جذبات کا تعلق بصیرت سے بمیز نہ کیا جائے تو زندہ دل بھی تھا اگر اسکا پیٹ بھرا ہوتا، کیسہ زر خالی نہوتا۔ تو وہ رات کے سناٹے میں ٹھنڈی ہوا سے مشتعل ہو کر "سہ لگ گئی چوٹ کرجوا میں راما"!

سکا جذبات آفریں راگ۔ اپنی خود ساختہ، دھر پد پر الاپتا۔ گہری گہری سانسیں لیتا۔ گویا اپنی تعارف تنہائی رہنا، کو ان گرم گرم سانسوں کی مدد سے دیکھنا چاہتا۔ بے نور بڑی بڑی آنکھوں کو چار طرف عالم مایوسی میں گھماتا۔ بے بصر بھی اس وسیع دنیا میں کسی شے کا جویا ہو سکتا ہے؟ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ اور پانچ تو ان میں سے اکثر تو زندگی کی کشتی میں ڈوبتے اچھلتے، روٹی، کے بادبانوں کے سہارے موت کے ساحل تک پہونچ چکے تھے یا پہونچ رہے تھے۔

انکی زندگی میں بھی کبھی زندہ دلی پیدا ہوئی ہوگی جنسی لگاؤ کے لئے انکی طبیعتیں بھی مچلی ہونگی لیکن اب تو شاید زندگی کا مقصد پیٹ کے جہنم کے لئے روٹی کا ایندھن فراہم کرنے کے سوا کچھ اور نہ تھا جھکی ہوئی کمریں، جھلسی ہوئی صورتیں ایک حد تک نفرت انگیز ہو چکی تھیں اور تیزی سے ہوتی جا رہی تھیں۔

(۳)

کلوا کو آج بارہ آنے لگئے، تہوار کا دن تھا لوگوں کی طبیعتیں اعمال صالح کی طرف راغب تھیں اسلئے اُس نے جس سے بھی سوال کیا اُس نے بلا لیت و لعل کچھ نہ کچھ دے ہی دیا۔ ایک حضرت نے تو یہاں تک فیاضی دکھائی کہ اسکو اپنے گھر تک لیگئے حجام کو بلوا کر اسکی بڑی بڑی زلفوں پر استرا پھروا دیا، اور ایک قمیص اور پائجامہ بھی عنایت کیا۔

لیکن جب کلوا حجامت بنوا کے کپڑے بدل چکا اور اس نے غیر ارادی طور پر اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو اُسے انسانی ستم ظریفی کا احساس ہوا وہ ایک آہ بھر کر خاموش ہو رہا اور لاٹھی ٹیکتا وہاں سے چلدیا۔ ایک جگہ سے گانے کی آواز سنائی دی ہارمونیم کے پردوں کو چھیڑ کر کوئی لہک لہک کر گا رہا تھا ——— یہ ٹھیکہ تھا۔

کلوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اشتیاق سے ٹھیکہ کے اندر داخل ہوا، اور لکڑی کے سہارے چلتا ساقی تک پہونچنے میں کامیاب ہو گیا "لالہ!" اس نے جوش سے دبی ہوئی آواز میں کہا دارو، لالہ نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھا اور ایک میلے گلھڑ میں کالا پانی اسکے ہاتھ میں پکڑا دیا . . . . کلوا کئی جام چڑھا گیا . . . . ٹھیکہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے برباد شدہ رقم کی وصولیابی کیلئے گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے مخصوص انداز میں پیسہ مانگنا شروع کیا۔ "ہے کوئی اللہ کا پیارا جو اس محتاج اندھے پر ترس کھائے"

دو نوجوانوں نے جو ایک پرکشش گنوار لونڈیا کو اپنی جوانی کی زینت بنانے بیٹھے تھے اٹھکر کلوا کے پیالے میں یکے بعد دیگرے کچھ ڈالا، کلوا نے اشتیاق سے اپنا ہاتھ پیالے میں ڈالا . . . .

"چھوٹی چھوٹی کنکریاں . . . . . کلوا نوجوانوں کو کوستا ہوا آگے بڑھا۔

عشق کے متوالوں نے زوردار قہقہے بلند کئے۔

کلوا لاٹھی سے راستہ ٹٹولتا۔ بھیک مانگتا تیزی سے اپنی جائے قیام کو روانہ ہوا، آج اس نے اپنی ٹولی والوں سے زیادہ کمایا تھا اسلئے چودھری نے اسے ایک ٹینی زیادہ دی، اسکے پاس بیٹھکر اسکی گنجی چاند کا مذاق اُڑایا اور نادیدہ محسن کو دو چار موٹی موٹی گالیاں دیکر اسکی تسلی بھی کر دی۔

(۴)

"اسے اسے کہاں سے پکڑ لایا؟" چودھری نے حیرت سے کلوا اور اسکے پاس بیٹھی ہوئی ایک ادھیڑ عورت کو دیکھتے ہوئے کہا، سوکھی ساکھی، بیس بائیس سالہ عورت دبکی ہوئی کلوا کے پاس بیٹھی تھی۔

"چودھری! لال سرائے کے چوراہے پر ہم دونوں کی ملاقات ہوئی یہ بے چاری اکیلی ہے میں نے سوچا اپنی ٹولی میں رہ پڑیگی کیوں کیا ہرج ہے؟"

"ہرج؟" چودھری نے سوچتے ہوئے کہا "یہ آگ پانی کا معاملہ ہے خوب سوچ لو"

کلوا بڑی زور سے ہنسا، "چودھری آگ کا کام جلنا، اور پانی کا بجھانا ہی ہے اسمیں سوچنے سمجھنے کی کیا بات ہے ہم بھی آدمی ہیں"

"وہ آدمی" چودھری کی چشم مارے غصہ کے سرخ ہو گئی "اگر ہم آدمی ہوتا تو اندھا ہی کیوں ہوتا جا ایسی فضول باتیں نہیں کرتے"

کلوا اپنی گدڑی میں ملفوف ہو گیا مگر رامی اس نے لیٹتے ہی لیٹتے آواز دی "آ میرے برابر لیٹ جا، چادر تو اوڑھ لینا میں کمبل لے لونگا" رامی کلوا کی آواز

کی بہت جھکے جھکے قدموں سے چلی دہیں۔ ”چودہری نے گرجدار آواز میں کہا تو تیرے پٹنے کے لئے میں ابھی انتظام کرتا ہوں“۔

(۵)

چودہری تھا دور اندیش، سمجھدار، اور جہاندیدہ۔ شروع شروع میں اس نے رامی کی طرف کوئی توجہ نہ کی لیکن جب مہینہ بھر میں کلوا کی خدمت سے رامی کے گالوں کی ندی ماند پڑ گئی تو چودہری کے منھ میں پانی بھر آیا۔

ایک دن کلوا اور رامی شہر سے لوٹ رہے تھے ہنستے، باتیں کرتے، رامی اپنی زندگی کی گم کردہ راحتوں کی کہانیاں مزے لے لے کر کلوا کو سنا رہی تھی، کس طرح اس کی آنکھیں گئیں، کس کس طرح اسے اپنی وحفظ جان کے لئے عصمت کا سودا کرنا پڑا، گاہکوں میں کون کنجوس تھا کون سخی؟ کلوا ان سب باتوں کو حیرت سے سنتا، اسکے ساتھ چلا آ رہا تھا کہ چودہری کی غضبناک آواز .... وہ گرتے گرتے بچا۔

”اب عاشقی کرنا ہے تو اپنا رستہ ناپ یہاں ایسے مفت خوروں کی ضرورت نہیں“ ”چودہری کیسی عاشقی؟“ رامی نے معصومیت سے سوال کیا۔

”تو نادان ہے، ناسمجھ ہے، چپ رہ“ اس نے ملائمت سے رامی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور کلوا کی گردن میں ہاتھ دے کر گھسیٹتا ہوا لے چلا، رامی لاٹھی ٹیکتی ہوئی پیچھے پیچھے تھی۔

سورج افق مغرب میں پوشیدہ ہو چکا تھا، سائے ڈھل چلے تھے، چودہری نے کلوا کو زور سے دھکا دیا اسکا سر زمین پر پڑے ہوئے پتھر سے ٹکرا کر لہولہان ہو گیا، ایک گھٹی ہوئی چیخ اسکے منھ سے نکلی اور ساتھ ہی رامی بھی باوجود انتہائی ضبط کرنے کے چیخ پڑی ”نمک حرام تیری یہی سزا ہے“ چودہری نے اپنی لمبی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”رامی ادھر آؤ“ اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنی بانس کی چارپائی پر بیٹھ گیا، دیکھ تو کل سے تیرے مست جانا نازک بہت نازک ہے کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو ....

وہ کیسی باتیں کرتے ہو چودہری، رامی نے گلوگیر آواز میں کہا ”تم بڑے ظالم ہو کلوا بیچارہ بہوش پڑا ہے اس کی خبر لو“

ابھی یہ دونوں باتیں ہی کر رہے تھے کہ قاسم ستو وہی کی بیوی چوکھری لڑتی جھگڑتی پہنچے آ کر جمع ہو گئی۔

”چپ رہو کسی کو خبر نہ ہو میں ابھی پانی میں کپڑا بھگو کر اسکا زخم صاف کرتا ہوں“ چودہری نے کہا خبردار جو کسی کو خبر ہوئی“

(۶)

ادھر یہ چوکڑی آپس میں باتیں کر رہی تھی۔

”یار کلوا نے اچھا مال پھانسا ہے ہر وقت اسی کا دم بھرتی ہے اپنے سے تو بات نہیں کرتی“ ”اے اپنی طرف نہیں دیکھتا دمڑ کا یار رات بھر کتے کی طرح کھر کھر کرتا ہے“ ”اور سے عاشقی کا دعوی“

”دوسرا بولا مگر اپنے سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ہمارے ہی سینہ پر کودوں دلی جائے اور ہم زبان بھی نہ ہلائیں .... “ پہلے نے جواب دیا ....

”لیکن ان بنیا کلوا کے ہاتھ کچھ نہ آئیگا رام ہمارے چودہری کو سلامت رکھیں“ تیسرے نے بات بڑھتی دیکھ کر کہا،

”اب تم ایکدن اپنے کانوں سے سن لینا کہ کلوا رامی کو لے بھاگا“ پہلے نے کہا، اب بحث گرماگرم ہو گئی، مختلف آرا سے نقض امن کا اندیشہ پیدا کر دیا، وہ زد و سست جھگڑنے لگے۔

”بدمعاشوں نہیں مانوگے“ چودہری نے للکارتے ہوئے کہا ”کیا مجھے اٹھنا پڑے گا؟“

جب سے اندھی آئی چودہری کو ہر وقت بھوت سا چڑھا رہتا۔ ہر وقت وہ کسی نہ کسی پر بگڑا رہتا کوئی نہیں ہوتا تو چیزیں ادھر ادھر پٹخا کرتا۔ اور جہاں کلوا اور رامی کو باتیں کرتے پا جاتا، تیا آگ ہو جاتا دونوں کو دھکے دیکر دور دور کر دیتا اور بڑبڑانے لگتا!

”کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا، پیٹ کو روٹی نہیں چلے ہیں عورت بازی کرنے۔ یہاں آمدنی بھی ہوتی، عزیبی بھی رہی، مگر اتنی عمر آئی کبھی عورت گھر میں بٹھانے کی نہیں سوجھی ....

.... بھیک کتنی کم لاتا ہے حرامی“

اگر رامی مشرق کو بھیج جاتی تو کلو مغرب کو، مگر پھر بھی سننے میں یہی آیا کہ دونوں کسی نہ کسی جگہ ملے اور دن بھر باتیں کرتے رہے۔

ایک دن رامی اور کلو رات گئے باہر پیپل کے نیچے باتیں کرتے ہوئے چودہری کو مل گئے، اب چودہری میں برداشت کی تاب نہ تھی وہ بھوکے بھیڑیے کی طرح چلانے لگا۔ اور دیوانوں کی طرح رامی اور کلو کو پیٹنے لگا۔ کبھی کبھی غصہ کے جنوں میں ایک آدھ گھونسہ اپنے سینہ پر بھی مار لیتا ——

اس دن کلوا اور رامی غائب ہو گئے۔ اور چودہری نے بڑبڑانا چھوڑ دیا۔ مگر اس کے ساتھ اس کی پچھلی خوش مزاجی بھی گئی۔ اب وہ دن رات خاموش

تنقید و تبصرہ

باغی۔ جاذب دہلوی کی نظموں کا مجموعہ
مجلد —— ریڈر سائز۔ لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ۔
قیمت ایک روپیہ —— ملنے کا پتہ
ایوان ادب اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

باغی کو دیکھکر سب سے زیادہ خوشی یہ ہوتی ہے کہ اس میں انقلابی شاعر رواج سے بہت دور ہے۔ شاعر واقعی سوسائٹی کی بیہودگیاں محسوس کرتا ہے، ان کی بنیادوں کو سمجھتا ہے اور پھر جھنجھلا کر اپنے خیالات ظاہر کرتا ہے۔ اس وجہ سے زندگی اس کے لئے بے جان چیز نہیں ہے۔ اس کی بڑی بڑی تصویریں اس کی نگاہوں کے سامنے آتی ہیں اور اپنا گہرا نقش چھوڑ جاتی ہیں۔

جاذب صاحب کی یہ دریافت قابل تعریف ہے۔ لیکن یہ بھی صرف دارجہ تک ہے۔ ابھی انھوں نے زندگی کی تصویروں پر اتنی گہری نظر نہیں ڈالی ہے کہ ان کے باریک سے باریک خط و خال صاف صاف ہو جائیں، اور انسانی آرزوؤں اور تمناؤں کے الجھاوے دکھائی دینے لگیں۔ لیکن جاذب صاحب اگر ذرا اور آگے بڑھیں تو یہ منزل دکھائی دینے لگے گی۔

جاذب صاحب میں جوش، غور و فکر، طنز اور ظرافت بہت اعتدال سے پائی جاتی ہے لیکن اقبال ہیں ہے سے کلی نہیں، جو شاید اس شاعر کے بہت بڑے جز ہیں۔

کتاب کا سرورق بھی دومنٹ کے لئے نگاہ کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر کتاب الٹئے تو برابر دلچسپ نظمیں ملتی جاتی ہیں۔ کوئی نظم بہت بڑی ہے اور نہ بھرتی کے شعروں سے پٹی ہے —— ادبی ذوق رکھنے والوں کو یہ کتاب پڑھنا چاہیئے ——

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری اڈیٹر و پبلشر نے باہتمام نظام الدین پرنٹر عمدۃ المطابع برقی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر بشیشر ناتھ روڈ سابق حیدر یا مشن (اسکول) سے شائع کیا

سمن بغرض قرارداد امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر ۳۰ ۱۹۳۹ء

بعدالت جناب منصف صاحب بہادر جنوبی مقام لکھنؤ

بابو کالکا پرشاد تعلقدار ... ضلع فیض آباد ساکن گولہ گنج لکھنؤ مدعی

بنام

برٹش انڈین ایسوسی ایشن ...

بنام ... تعلقدار ... ضلع ... مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ... بحکم امتناعی ... کے دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم تاریخ ۵ ماہ جون ۱۹۳۹ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم تائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۲۲ ماہ مئی ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

اوقات حاضری بدفتر منصفی جنوبی لکھنؤ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک دستخط ... مہر

نوٹس نسبت دکھانے وجہ (فوٹو عام)

بعدالت جناب سول جج صاحب بہادر گونڈہ مقام گونڈہ

ابتدائی نمبری مقدمہ نمبر ۴ ۱۹۳۵ء

مہاراج بلی ... مدعی بنام بھیروں پرشاد وغیرہ مدعا علیہم

بنام بھیروں پرشاد ... رگھونندن پرشاد نابالغ بولایت بھیروں پرشاد برادر خود پسران موہن لال اقوام اگروال ساکنان شہر لکھنؤ محلہ ... پرگنہ و ضلع لکھنؤ

ہرگاہ مسمی ... نے درخواست اس عدالت میں گذرانی ہے کہ ڈگری قطعی ... صادر ہو۔

لہذا آپکو اطلاع دیجاتی ہے کہ آپ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت دس بجے بتاریخ تیسری ۳ ماہ جون ۱۹۳۹ء اس عدالت میں حاضر ہوکر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو درخواست مذکور آپ کی غیر حاضری میں سماعت کی جاوے گی۔

بتاریخ ۲۲ ماہ مئی ۱۹۳۹ء میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

اوقات حاضری بدفتر سول ججی گونڈہ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

بمبئی کے مزدور

بمبئی کی گرنی کامگار یونین کا سالانہ جلسہ—یونین کے صدر شری ایس-بی بھیسے تقریر کر رہے ہیں

تفاوت راہ

جنوبی افریقہ کا ایک منظر—سفید چہرے والے انگریز بچے—حبشی بچوں کو تاش کھیلنا سکھا رہے ہیں

Title cover printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Buildings, Qaisarbagh, Lucknow.

ہندستان

جلد ۳ — نمبر ۲۳ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۱۱ جون ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

امریکہ کی نئی دیو قامت ہوائی کشتی جو بحر اٹلانٹک کے آر پار مسافر و ڈاک لیجائیگی —
اس میں ۷۲ مسافروں کی جگہہ ہے

ھاتھہ کا بنا کاغذ

دھرادون کے تجربہ گھر میں لوگوں کے سامنے ھاتھہ سے کاغذ بنانے کے طریقہ کا مظاھرہ کیا جارھا ہے

برطانی ناگ راج

"برطانیہ سمندر کی لہروں پر راج کرتی ہے" کسی زمانے میں یہ فقرہ تمام مشہور تھا۔ مگر رنگینیوں میں ٹیپ کا بند رہ چکا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب یہ سفید فام ابرہن سیکڑوں قوموں کی قسمتوں کے مالک تھے۔ ان کے جہاز غریب ملکوں سے دولت بھر بھر کر لاتے اور اس سے انگلستان کی سرزمین کو رنگینیوں سے بھر دیتے۔ جب ایشیا اور افریقہ کے انسان کو جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اور جب ایک انگریز کے جان کے بدلے میں چین کے شہروں پر بمباری کر کے ہزاروں لاکھوں جانیں لے لی جاتی تھیں۔

مگر زمانے نے پلٹا کھایا۔ جیسے تو دوسری سرمایہ دار قومیں اس لوٹ میں حصہ بٹانے کو اٹھیں۔ اور حصہ بٹانے کی دلیل انھوں نے یہ دی کہ اپنی فوجی طاقت بہت بڑھالی۔ برطانیہ اتنی بڑی جائداد اور اتنا بڑا انسانوں کا گلہ چھوڑنے پر کسی طرح تیار نہ تھی۔ اور دوسری طاقتیں بلا چھینے ماننے والی نہ تھیں، کیونکہ یہ انکی زندگی موت کا سوال تھا۔

اس کشمکش کا نتیجہ جنگ عظیم نکلا۔

دوسری بات یہ ہوئی کہ غلام قومیں سامراجی لوٹ کھسوٹ کے خلاف منظم ہونے لگیں۔ اسی سلسلہ میں برطانیہ اور سب سرمایہ دار ملکوں کیلئے سب سے بری بات یہ ہوئی کہ روس میں ایک عوامی حکومت قائم ہو گئی۔

یہ حکومت ایسے اصولوں پر مبنی تھی جو سرمایہ داری کے حق میں زہر تھے۔ یعنی مزدوروں اور کسانوں کا راج کسی غیر ملک پر قبضہ کرنے کی مخالفت۔ تجارتی اور صنعتی لوٹ کھسوٹ کی مخالفت۔

ابتک دنیا اور انسانوں کے مالک صرف سرمایہ دار تھے۔ مگر اب ایک ایسی طاقت کھڑی ہو گئی جو بے بس اور دکھی انسانوں کو سرمایہ داروں کے پنجوں سے نکالنا چاہتی تھی۔ جس کا وجود ہی سرمایہ داری نظام کو چیلنج تھا ـــــ اس حکومت کا قائم ہونا تھا کہ سب سرمایہ دار بھائیوں کی طرح ایک ہو گئے۔ اور روس پر جو اس وقت سخت پریشانیوں میں گرفتار تھا، ۲۳ رخوں سے حملہ کر دیا گیا۔ مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور روس کی عوامی حکومت کا بال بیکا نہ کر سکے۔

برطانیہ نے روس کے خلاف جہاد کرنے میں بہت جوش دکھایا تھا۔ اور یہ جوش ناکام ہونے کے بعد بھی باقی رہا۔ جب جاپان نے منچوریا پر حملہ کیا ہے تو برطانیہ نے جاپان کی مدد کی، حالانکہ اس سے لیگ قوام کی ساکھ گر گئی جو برطانیہ ہی کی سرپرستی میں تھی۔ اس زمانے میں برطانیہ کی پالیسی کا خاص جز روس دشمنی تھا۔

ہٹلر نے آ کر اس پالیسی میں ذرا خلل ڈالدی۔ کیونکہ یہ بھی روس کی ہی طرح خطرناک نظر آتا تھا۔ لیکن پھر بھی برطانیہ نے طے کر لیا کہ ہٹلر کو منہ بھری دی جائے گی۔ مگر روس دشمنی میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

برطانیہ کی ہٹلر سے دوستی دیکھکر فرانس گھبرایا اور اس نے مسولینی کو حبشہ پر قبضہ کر لینے کی اجازت دیدی۔ اس قبضے نے برطانیہ کے سامراجی نفعوں کو خطرے میں ڈالدیا۔ مشرق کا راستہ، بحیرہ روم، جبرالٹر خطرے میں پڑ گیا۔ نیل کا اوپری حصہ جس سے برطانیہ کے بہت سے فائدے وابستہ ہوئے ہیں۔ خطرے میں پڑ گیا۔ برطانیہ ذرا گھبرایا، مگر پھر روس نے روس دشمنی کی خاطر مسولینی سے لڑائی نہیں کی۔ اور ایرانی کمپنی سے تیل برابر مسولینی کو ملتا رہا۔

مسولینی کی کامیابی دیکھکر ہٹلر نے اور ہاتھ پاؤں نکالے۔ اس سے یورپ میں کھلبلی مچ گئی۔ فرانس گھبرایا مگر برطانیہ نے پالیسی اب بھی نہیں بدلی۔

اب ہٹلر اور مسولینی نے ملکر ایک کاروبار شروع کیا۔ دونوں نے اسپین کے ایک باغی جنرل کو فوجیں دیکر وہاں کی جمہوریت کے خلاف بغاوت کرادی۔ اب پھر سوال یہ اٹھا کہ اگر بغاوت کامیاب ہو گئی تو فرانس گھر جائے گا۔ بحر روم کے تجارتی راستے خطرے میں پڑ جائیں گے جبرالٹر کی طاقت ختم ہو جائے گی۔ لیکن پھر بھی برطانیہ کے نزدیک یہ خطرے روسی بھوت سے کم ڈراؤنے تھے۔ اس نے غیر جانبداری کے نام سے فرانکو کی مدد کی۔

جب اسپینی لڑائی میں برطانوی جہازوں پر بمباری ہونے لگی تو انگریزی پبلک بہت بگڑی۔ اور ایڈن کو جو اس زمانہ میں وزیر خارجہ تھا یہ خیال ہو چلا کہ فسطائی طاقتیں روس سے کم خطرناک نہیں ہیں ـــــ اس نے بہت سختی سے کہا کہ اب جہازوں پر حملہ ہوا تو بدلہ لیا جائے گا۔ دھمکی سے فائدہ ہوا اور حملے رک گئے ـــــ مگر چیمبرلین ڈکٹیٹروں کی دوستی کھونے کو تیار نہ تھا۔ اس نے ایڈن کو الگ کر کے ہیلی فاکس کو جو ہٹلر کا نازی دوست ہے وزیر خارجہ بنا دیا۔ اب غیر جانبداری کو اور ترقی دی گئی۔ اٹلی سے معاہدہ ہوا۔ فرانس کو ناکہ بندی پر مجبور کیا، اور جب برطانوی جہاز ڈبوئے گئے تو چیمبرلین نے کہا کہ وہ ادھر گئے ہی کیوں تھے؟

یہ ہو ہی رہا تھا کہ ہٹلر آسٹریا کی طرف بڑھا۔ چیمبرلین نے بیچ میں پڑنے سے انکار کر دیا۔ ہٹلر نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس پر جب برطانوی پبلک نے خفگی کا اظہار کیا تو چیمبرلین نے وعدہ کیا کہ اگر ہٹلر جس ملک پر حملہ کرے گا تو اس کو برطانیہ سے لڑنا پڑے گا۔

سر رابرٹ وانسٹارٹ برسوں محکمہ خارجہ کے اعلیٰ افسر رہ چکے تھے، مگر پھر بھی ان کو یہ تمیز نہیں تھی کہ چیمبرلین کے الفاظ کا کیا مطلب ہوتا ہے۔

ہاتھ کا بنا کاغذ

دھرہ دون کے تجربہ گھر میں لوگوں کے سامنے ہاتھ سے کاغذ بنانے کے طریقہ کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے

برطانی ناگ راج

"برطانیہ سمندر کی لہروں پر راج کرتی ہے" کسی زمانے میں یہ فقرہ تمام مشہور تھا۔ مگر زمانے کی کہنیوں میں ٹپ کا بندھ چکا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب یہ سفید فام اہرمن سیکڑوں قوموں کی قسمتوں کے مالک تھے۔ ان کے جہاز غریب ملکوں سے دولت بھر بھر کر لاتے اور اس سے انگلستان کی سرزمین کو رنگینیوں سے بھر دیتے۔ جب ایشیا اور افریقہ کے انسان کو جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اور جب ایک انگریز کے جان کے بدلے میں چین کے شہروں پر بمباری کر کے ہزاروں لاکھوں جانیں لے لی جاتی تھیں۔

گر زمانے نے پلٹا کھایا۔ پہلے تو دوسری سرمایہ دار قومیں اس لوٹ میں حصہ بٹانے کو اٹھیں۔ اور حصہ نہ ملنے کی دلیل انہوں نے یوں دی کہ اپنی فوجی طاقت بہت بڑھالی۔ برطانیہ اتنی بڑی جائداد اور اتنا بڑا انسانوں کا گلہ چھوڑنے پر کسی طرح تیار نہ تھی۔ اور دوسری طاقتیں بلا چھینے ماننے والی نہ تھیں، کیونکہ یہ ان کی زندگی موت کا سوال تھا۔ اس کشمکش کا نتیجہ جنگ عظیم نکلا۔

دوسری بات یہ ہوئی کہ غلام قومیں سامراجی لوٹ کھسوٹ کے خلاف منظم ہونے لگیں۔ اسی سلسلہ میں برطانیہ اور سب سرمایہ دار ملکوں کیلئے سب سے بری بات یہ ہوئی کہ روس میں ایک عوامی حکومت قائم ہو گئی۔

یہ حکومت ایسے اصولوں پر مبنی تھی جو سرمایہ داری کے حق میں زہر تھے۔ یعنی مزدوروں اور کسانوں کا راج کسی غیر ملک پر قبضہ کرنے کی مخالفت۔ تجارتی اور صنعتی لوٹ کھسوٹ کی مخالفت۔

ابتک دنیا اور انسانوں کے مالک صرف سرمایہ دار تھے۔ مگر اب ایک ایسی طاقت کھڑی ہو گئی جو بے بس اور دکھی انسانوں کو سرمایہ داروں کے پنجوں سے نکالنا چاہتی تھی۔ جس کا وجود ہی سرمایہ داری نظام کو چیلنج تھا —— اس حکومت کا قائم ہونا تھا کہ سب سرمایہ دار بھائیوں کی طرح ایک ہو گئے۔ اور روس پر جو اس وقت سخت پریشانیوں میں گرفتار تھا، ۱۴ طرفوں سے حملہ کر دیا گیا۔ مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور روس کی عوامی حکومت کا بال بیکا نہ کر سکے۔

برطانیہ نے روس کے خلاف جہاد کرنے میں بہت جوش دکھایا تھا۔ اور یہ جوش ناکام ہونے کے بعد بھی باقی رہا۔ جب جاپان نے منچوریا پر حملہ کیا ہے تو برطانیہ نے جاپان کی مدد کی، حالانکہ اس سے لیگ اقوام کی ساکھ گر گئی جو برطانیہ ہی کی سرپرستی میں تھی۔ اس زمانے میں برطانیہ کی پالیسی کا خاص جزو روس دشمنی تھا۔

ہٹلر نے آ کر اس پالیسی میں خلل ڈال دی۔ کیونکہ یہ بھی روس کی ہی طرح خطرناک نظر آتا تھا۔ لیکن پھر بھی برطانیہ نے طے کر لیا کہ ہٹلر کو منہ بھری دی جائے گی۔ مگر روس دشمنی میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

برطانیہ کی ہٹلر سے دوستی دیکھ کر فرانس گھبرایا اور اس نے مسولینی کو حبشہ پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدی۔ اس قبضہ نے برطانیہ کے سامراجی نفوس کو خطرے میں ڈالدیا۔ مشرق کا راستہ، بحیرہ روم، جبرالٹر خطرے میں پڑ گیا۔ نیل کا اوپری حصہ جس سے برطانیہ کے بہت سے فائدے لگے ہوئے ہیں۔ خطرے میں پڑ گیا۔ برطانیہ ذرا گھبرایا، مگر پھر اس نے روس دشمنی کی خاطر مسولینی سے لڑائی نہیں کی۔ اور ایرانی کمپنی سے تیل برابر مسولینی کو ملتا رہا۔

مسولینی کی کامیابی دیکھ کر ہٹلر نے اور ہاتھ پاؤں نکالے۔ اس سے یورپ میں کھلبلی مچ گئی۔ فرانس گھبرایا مگر برطانیہ نے پالیسی اب بھی نہیں بدلی۔ اب ہٹلر اور مسولینی نے مل کر ایک کام دوبارہ شروع کیا۔ دونوں نے اسپین کے ایک باغی جنرل کو فوجیں دیکر وہاں کی جمہوریت کے خلاف بغاوت کرادی۔ اب پھر سوال یہ تھا کہ اگر بغاوت کامیاب ہو گئی تو فرانس گھر جائے گا۔ بحر روم کے تجارتی راستے خطرے میں پڑجائیں گے جبرالٹر کی طاقت ختم ہو جائے گی۔ لیکن پھر بھی برطانیہ کے نزدیک یہ خطرے روسی بھوت سے کم ڈراؤنے تھے۔ اس نے غیر جانبداری کے نام سے فرانکو کی مدد کی۔

جب اسپین کی لڑائی میں برطانوی جہازوں پر بمباری ہونے لگی تو انگریزی پبلک بہت بگڑی۔ اور ایڈن کو جو اس زمانہ میں وزیر خارجہ تھا یہ خیال ہو چلا کہ مطلق العنان طاقتیں روس سے کم خطرناک نہیں ہیں —— اس نے بہت سختی سے کہا کہ اب جہازوں پر حملہ ہوا تو بدلہ لیا جائے گا۔ دھمکی سے فائدہ ہوا اور حملے رک گئے۔ —— مگر چیمبرلین ڈکٹیٹروں کی دوستی کھونے کو تیار نہ تھا۔ اس نے ایڈن کو الگ کر کے ہیلی فاکس کو جو بڑا نازی دوست ہے وزیر خارجہ بنا دیا۔ اب غیر جانبداری کو اور ترقی دی گئی۔ اٹلی سے معاہدہ ہوا۔ فرانس کو ناکہ بندی پر مجبور کیا، اور جب برطانوی جہاز ڈبوئے گئے تو چیمبرلین نے کہا کہ وہ وہاں گئے ہی کیوں تھے؟

یہ ہو ہی رہا تھا کہ ہٹلر آسٹریا کی طرف بڑھا۔ چیمبرلین نے بیچ میں پڑنے سے انکار کر دیا۔ ہٹلر نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس پر جب برطانوی پبلک نے خفگی کا اظہار کیا تو چیمبرلین نے وعدہ کیا کہ اگلے ہٹلر جس ملک پر حملہ کرے گا تو اس کو برطانیہ سے لڑنا پڑے گا۔

سر رابرٹ وانسٹارٹ برسوں محکمہ خارجہ کے اعلیٰ افسر رہ چکے تھے، مگر پھر بھی ان کو یہ تمیز نہیں تھی کہ چیمبرلین کے الفاظ کا کیا مطلب ہوتا ہے۔

انھوں نے بھولے پن سے انکی بات پر یقین کر لیا اور جب ہٹلر نے چیکوسلاواکیا پر
حملہ کرنا چاہا تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ اگر ہٹلر نے ایسا کیا تو برطانیہ اپنی ناراضگی
کے اظہار کے لئے برلن سے اپنا سفیر واپس بلا لیگی۔ اتنی خبر پا کر جیک فوجیں سرحد
پر پہونچ گئیں۔ ہٹلر اپنی راہ میں یہ رکاوٹیں دیکھکر جھنجھلا گیا۔ اور سچ یہ ہے کہ چیمبرلین
اور ہیلی فاکس بھی اس کی راہ میں یہ رکاوٹیں دیکھکر گھبرا گئے۔

سر رابرٹ کو محکمہ خارجہ کی افسری سے الگ کیا گیا۔ اور ان کی جگہ ایک دست
نازی دوست سر آرنلڈ کو دی گئی۔ اب حکومت کی باگ اپنوں کے ہاتھ آگئی۔
پھر معاملات کو گول مول کرنے کو نسی من کو چیکوسلاواکیا بھیجا گیا۔ اس کا انجام
میونچ کے تصفیے پر ہوا۔

اس کے بعد میمل کی باری آئی، البانیہ ختم ہوا۔ ڈینزگ خطرے میں پڑ گیا۔
دنیا بھر میں برطانیہ ذلیل ہو گیا، اس کی سیاسی ساکھ گر گئی۔ قوموں کو اس کا
بھروسہ جاتا رہا۔ مگر چیمبرلین کو ان میں سے کسی بات کی پرواہ نہ تھی اس کو یہ خوشی تھی
کہ اندھیاری کی اب اچھے دن آرہے ہیں مصیبتوں کا پھل ملنے والا ہے یعنی ہٹلر روس
پر حملہ کرنے والا ہے۔

اکرم سے چیمبرلین کو ایک خطرے کا احساس ہوا، وہ یہ کہ اب ہٹلر کا روس
پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اتنی بڑی طاقت سے الجھنے کے لئے وہ تیار نہیں
ہے۔ ایک طرف یہ احساس اور دوسری طرف دنیا بھر کا سمجھوتے کی پالیسی کے
خلاف شور وغل حتی کہ انگلستان کی ہر پارٹی نے اسکی مخالفت کی۔ ٹوری پارٹی
کے بڑے لیڈروں تک نے اسکی مخالفت کی۔ یہ دیکھکر مجبوراً چیمبرلین نے پولینڈ
اور رومانیا کی حفاظت کرنے کا وعدہ کیا اور روس سے بات چیت شروع کی۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعی
چیمبرلین اپنی پالیسی بدلنا چاہتے ہیں؟

چیمبرلین کی بات پر اعتبار نہ کرنا چاہیے، انکا عمل دیکھنا چاہیئے۔ دکھانے کو
وہ روس سے بات چیت کر رہے ہیں، مگر عمل کچھ اور ہے۔ زار کو فرانکو کی جیت کی
خوشی منائی اس میں برطانوی نمائندوں نے شرکت کی۔ برلن کی سفارت پر سر نوائل
کو جو بڑے نازی دوست ہیں بھیجا گیا۔ نازی حکومت نے ان کے ساتھ بہت برا
سلوک کیا وہ یہ کہ جب وہ وان ربن تراپ سے ملنے گئے تو اس نے کہلا دیا میرے
پاس وقت نہیں ہے لیکن پھر بھی سر نوائل نے کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ جب چیمبرلین
سے دارالعوام میں کہا گیا کہ وہ وعدہ کریں کہ ہم بوہیمیا اور موراویا پر جرمنی کا قبضہ تسلیم
نہیں کریں گے، تو انھوں نے وعدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ٹائمس جو چیمبرلین کا
ترجمان ہے لکھتا ہے کہ ڈینزنگ کے مسئلہ پر لڑنا غلطی ہے۔

اب چیمبرلین کی اندرونی پالیسی دیکھئے۔ انھوں نے انگلستان میں جبری
بھرتی شروع کر دی ہے۔ اخبارات نے اس کی خوبیاں تو بہت سی بیان کی
ہیں، مگر اصل یہ ہے کہ چیمبرلین انگلستان کے اندر فسطائی یا نیم فسطائی حکومت
قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور شاید کچھ ہی دنوں میں اخباروں اور پبلک زندگی پر
بھی پابندیاں لگنا شروع ہو جائیں۔

اگر چیمبرلین روس سے صلح کرنا چاہتا تو سیدھی طرح بات چیت کیوں نہ
کرتا۔ اسکے طریقوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاہتا ہے روس خود ہی انکار
کر دے۔

چیمبرلین بے ڈھنگ آدمی ہیں، اور دغابازی ان کے ضمیر میں داخل ہے۔
ان پر اعتبار کرنا سخت غلطی ہے اس سے بالکل ممکن ہے کہ پولینڈ اور رومانیا
سے دوستی وعدے کرنے پر بھی مصیبت پڑنے پر چھوڑ کر الگ ہو جائیں بلکہ
ان سے تو یہاں تک ممکن ہے کہ اگر ان کو جرمنی سے لڑائی چھیڑ دینا پڑے تو
وہ کسی موقع پر اپنا فائدہ دیکھکر اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر فسطائیوں سے
جا ملیں۔

اسی وجہ سے ہندوستان آزادی کے لئے لڑائی میں شریک ہونے سے انکار کرتا
ہے۔ اس کو نہ تو برطانیہ پر بھروسہ ہے اور نہ فسطائیوں پر۔

(جواہر لال نہرو کے مضمون برطانیہ کا تذبذب سے ماخوذ)

ڈگبائی کی تاریخی لڑائی

اس وقت جبکہ ہندوستان میں ہر سیاسی صوبے میں ٹھنڈک پڑتی نظر آتی ہے،
دور سے کچھ بہادروں کے لڑنے کی جھنکاریں سنائی دے رہی ہیں۔ وہ بہادر ہیں ڈگبائی
کے مزدور۔ کہ آج دو مہینے سے اپنے سنہرے آقاؤں کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔
ان آقاؤں کے پاس اپنے مظالم کو انصاف ثابت کرنے کی دو تدبیریں ہیں
ایک تو ان مزدوروں میں سے کچھ خود غرضوں اور غرض مارے ہوؤں کو روپیہ
سے توڑ لینا اور دوسرے حکومت کو ملا لینا۔ کمپنی کے مالکوں نے دونوں
تدبیروں پر عمل کیا۔

ڈرانے دھمکانے کے علاوہ انھوں نے مزدوروں کو میجک لالٹین سے
تصویریں دکھائیں اور ان کو وفاداری کی تلقین کی۔ مگر مزدور ایسے گروہ ثابت
ہوئے کہ وہاں گئے بھی نہیں۔ پھر مالکوں نے کچھ لوگوں کو راضی کیا کہ وہ سلہٹ
اور گورکھپور کی مزدور سبھاؤں کے عہدیداروں کی طرف سے جھوٹے تار دے کر
کچھ مشاق مزدوروں کو بلائیں، مگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

دوسری طرف کمپنی کے مالکوں نے حکومت کو ملانے کی کوشش کی۔ مگر
قدرتی طور پر کانگرسی حکومت کی ہمدردی مزدوروں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ [illegible]
صدر کانگرس اور جواہر لال جی نے مزدوروں سے ہمدردی دکھائی۔ صدر کانگرس
کلکتہ گئے اور وہاں آسام حکومت آسام کانگرس اور مزدوروں کے نمائندوں سے
بات چیت کی۔ مزدوروں کے نمائندوں نے بہت جائز مطالبات پیش کئے۔
وہ یہ کہ تمام مزدور بدستور ملازم رکھے جائیں، اگر کسی مزدور کو کمپنی لینے سے
انکار کرتی ہے تو حکومت جب تک کمپنی سے بات چیت کرتی رہے مزدور
کو وظیفہ دے۔ اور باقی جھگڑوں کے طے کرنے کے لئے حکومت ایک کمیٹی
بنا دے۔

مزدوروں کے نمائندوں نے کہا کہ ہم سارا معاملہ صوبہ کانگرس کے سپرد
کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کانگرس دس ہزار مزدوروں کی حق تلفی نہیں
کر سکتی۔

مزدوروں کے نمائندوں نے کانگرس پر بجا بھروسہ کیا۔ مزدوروں کے
ان جائز مطالبات کو منوانے کے لئے کانگرسی حکومت کو کوئی کسر نہ اٹھا
رکھنا چاہیئے۔ اور اگر کمپنی کے مالکان ایسے جائز مطالبات کے ماننے پر بھی
تیار نہوں تو حکومت کو اپنی پوری طاقت سے ان کو دبانا چاہیئے۔

ہم کو معلوم ہے کمپنی کے مالکوں نے حکومت کے خلاف کبھی چالیں نہیں
کی ہیں۔ انھوں نے حکومت کی پارٹی میں پھوٹ ڈلوانا چاہی۔ مگر پارٹی ضمیر
فروشی سے بہت دور ہے اس لئے ان کی تدبیریں کامیاب نہیں ہوئیں۔

حکومت پسندی اور عوام پسندی

اڑیسہ کی صوبہ کانگرس کمیٹی نے ایک نشست میں یہ قرارداد پاس کی ہے کہ صوبہ کانگرس کمیٹی کو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اڑیسہ کی وزارت جیسا چاہیے ویسا کمیٹی کی سنگت میں نہیں چل رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب صوبہ کے مختلف حصوں میں کانگرسی وزارت کے خلاف شکایتیں اٹھتی ہیں تو کانگرس کمیٹی کو ان شکایتوں کے دور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ملتا۔ اس لئے کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کانگرسی وزارت کانگرس کمیٹی کے مشورے اور سنگت سے کام کرے۔ اور عوام کی جن شکایتوں کی طرف کمیٹی توجہ دلائے ان کی طرف پوری توجہ دے۔

یہ قرارداد پڑھکر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے ارکان میں چاہے دستور پسندی آگئی ہو، مگر صوبہ کانگرس کمیٹی جو صوبہ کی سب سے بڑی طاقت ہے ابھی تک ویسے ہی عوام کی ترجمانی کرتی ہے، اور ویسی ہی نڈر اور بیباک ہے۔

مگر یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کانگرس کمیٹی کو کانگرسی حکومت کے خلاف ایک قرارداد پاس کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ حکومت کے خلاف جو شکایتیں ہوں گی ان کی تفصیل ہم کو نہیں معلوم مگر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ غالباً وہ شکایتیں یہ ہوں گی کہ حکومت نے عوام کی طرف سے لڑنے کے بجائے عوام کو دبانے والی جماعتوں میں زمینداروں اور سرمایہ داروں سے کچھ میل کر لیا ہوگا۔ اور یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ کانگرسی حکومت کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ وہ عوام کی جماعت کو مضبوط کرنے آئی ہے نہ کہ عوام کے دشمنوں سے میل جول کرنے۔

گاندھی جی اور ریاستیں

گاندھی جی نے ریاستی پرجا سبھاؤں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی جارحانہ تحریکیں بند کر کے، اور اپنے مطالبات گھٹا کر راجاؤں سے سمجھوتہ کرنے کی کوششیں کریں، کیونکہ اس وقت ریاستی پرجا میں اتنی تنظیم نہیں ہے کہ وہ کامیابی سے ستیہ گرہ کر سکیں۔ اس وقت ان کو اپنے کو منظم کرنا چاہیے اور عوام کی ستیہ گرہ کی اہلیت پیدا کرنا چاہیے۔

ظاہر ہے کہ گاندھی جی کا مشورہ حکم سے کسی طرح کم نہیں ہوتا ہے۔ اور اس وقت سیاست میں ان کی اتنی آواز ہے کہ ان کے بتائے راستہ سے الگ چلکر کامیابی بہت مشکل ہے۔ اس لئے ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کے اندر اندر تمام ریاستی پرجا سبھاؤں کی تحریکیں بیٹھ جائیں گی۔ اور پھر بدستور راجاؤں کی شخصی حکومت کی آواز سنائی دیگی۔

سمجھوتہ کرنے میں شاید ریاستوں کی پہلی شرط بھی یہ ہو کہ پرجا سبھائیں ختم کر دی جائیں، یا اگر زندہ رہیں تو اس طرح زندہ رہیں کہ وہ کوئی سیاسی آواز نہ رکھیں۔ کیا یہ شرط بھی پرجا سبھاؤں کو منظور کر لینا چاہیے؟

یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ گاندھی جی نے یہ عجیب و غریب مشورہ کیوں دیا ہے؟ کیا اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی؟ جہاں تک ہم قیاس کر سکتے ہیں اس کی وجہ ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ گاندھی جی محسوس کر رہے ہیں کہ ریاستوں کے عوام ابھی صرف فوری جوش میں ستیہ گرہ کر رہے ہیں، اس لئے یہ طاقت دیرپا نہیں ہے۔ کچھ دنوں مقابلے کے بعد ختم ہو جائے گی، اور اگر مقابلے کے درمیان میں اپنی کمزوری سے ختم ہوئی تو عوام کو اپنے اور برسے بھروسہ جاتا رہے گا۔ اور پھر برسوں یہ تحریک نہ اٹھ سکے گی، لیکن ابھی اگر اس فوری جوش کو یوں ہی دبا دیا گیا تو وہ اندر ہی اندر کام کرتا رہے گا اور پھر اپنی جگہ بنا لے گا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ گاندھی جی محسوس کر رہے ہیں، کہ ریاستی تحریک ابھی بچہ ہے اس لئے ایسی الجھی ہوئی ہے کہ اس میں ہر طرح کے غرضمند اور جدت پسند گھس آئے ہیں اس لئے اگر اس وقت کسی ریاست میں جیت بھی گئے تو اس کے فائدے شخصیتوں میں اٹک کر رہ جائیں گے، اور اس سے عوام کو بہت کم ملیگا۔ اس صورت میں عوام میں بددلی پھیل جائے گی۔

گاندھی جی عوام کو تیار کرنے کے لئے جو نسخہ تجویز کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ریاستی عوام کو کانگرس کے تعمیری پروگرام پر عمل کرایا جائے۔ اور یہی تعمیری پروگرام انکو ستیہ گرہی بنا دے گا۔ اس تجویز کی مصلحت غالباً یہ ہے کہ تعمیری پروگرام سے جب غریب و امیر سب ایک دوسرے کی ہمدردی کرنے لگیں گے تو ان میں سچا بھائی چارہ پیدا ہوگا۔ جو آگے چلکر سیاسی تحریک کی بہت اچھی بنیاد بن جائے گا۔

اگر گاندھی جی کے یہی شکوک ہیں تو ہماری اطلاعوں کے مطابق بڑی حد تک درست ہیں۔ لیکن کیا ان مسئلوں کا اس سے بہتر اور کوئی حل نہیں ہو سکتا تھا؟

عوامی تحریک اور عوامی ستیہ گرہ خود ہی عوام کو بہت اچھی سیاسی تعلیم دیتی ہے اگر کسی ریاست میں عوام تھوڑے بہت بیدار ہو چکے ہیں اور وہاں ستیہ گرہ اٹھا دی جائے تو وہی عوام کی تنظیم درست کر دیگی۔ ممکن ہے کہ پہلی بار کامیابی نہ ہو، لیکن اس ناکامی کے بموجب دوبارہ تحریک اٹھیگی تو ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔

اسی طرح تنظیم کے لئے صرف تعمیری پروگرام اور چرخے پر بس کرنا بھی مناسب نہیں۔ اس سے زیادہ ہم کو سیاسی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے، جو بلا مضبوط اور آزاد سیاسی ادارے کے ممکن نہیں۔ اس لئے پرجا سبھائیں اپنے تمام مطالبات چھوڑ سکتی ہیں مگر سول آزادی اور پرجا سبھا کے قیام کے مطالبے نہیں چھوڑ سکیں۔ ان کا چھوڑنا سیاسی اور اخلاقی خودکشی ہوگی۔

گہری چال

شملہ میں داخلہ وزیروں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ اس میں مرکزی حکومت کے وزیر داخلہ سر ریجنالڈ میکسول بھی شریک تھے انھوں نے صوبائی نمائندوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سب کو ملکر کام کرنا چاہیے۔ موجودہ دستور میں اس بات کی کافی گنجائش ہے کہ وہ تمام گروہ جو امن و امان قائم رکھنا چاہتے ہیں ساتھ ملکر کام کریں۔ اگر ہم نے پوری بغاوت میں امن و امان قائم رکھا تو ہم ملک کی ترقی کے لئے بہت بڑا کام کر لیں گے۔

کون گروہ ہیں جن کو ملکر کام کرنا چاہیے؟ امن و امان توڑنے والے کون لوگ ہیں جنکو دبانا چاہیے؟ یہ پوری بغاوت کیا ہے؟ یہ ہم کون لوگ ہیں، اور کیسی ترقی چاہتے ہیں؟

سامراج چاہتا ہے کہ کانگرس ہی کے ہاتھوں کسان سبھائیں، مزدور سبھائیں اور ملک کی دوسری انقلابی جماعتیں کچلی جائیں تاکہ کانگرس اپنی عوامی طاقت کھو بیٹھے، اور پھر سامراج کو موقع مل جائے کہ وہ اسے بھی ختم کر دے۔

تری پوری کی قومی مطالبات والی قرارداد بتاتی ہے کہ کانگرس موجودہ بناوٹ سے مطمئن نہیں ہے۔ اس وقت اسکا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ملک کی تمام انقلابی جماعتوں کو منظم کرے اور سب کو بیک وقت مقابلے کے لئے اکٹھا کرے۔

ہمکو افسوس ہے کہ کسی کانگرسی حکومت نے اس تجویز کے خلاف آواز نہیں اٹھائی حالانکہ انہیں وہ حکومتیں بھی ہیں جنھوں نے شروع ہی سے مزدوروں اور کسانوں کی جماعتوں سے ہمدردی دکھائی ہے۔ یوپی کے وزیر زراعت نے تو صاف صاف کہدیا تھا کہ گاؤں گاؤں کسان سبھائیں بناؤ۔

سامراج اس بہانے کانگرس کو زمینداروں، سرمایہ داروں اور سر سکندر و فضل الحق کی وزارت کا دوست بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ سب جماعتیں امن کا یہی مطلب سمجھتی ہیں۔ چنانچہ سر سکندر اس وقت امن و امان کے لئے پنجاب میں کسانوں کو جیل میں بھر رہے ہیں۔ سامراج جانتا ہے کہ اگر ایک بار اس امن و امان میں کانگرس ان رجعت پسندوں کی شریک ہو گئی اور اس نے یوں عوام کو اپنا مخالف بنا لیا، تو پھر عوام کے حملوں سے اپنی طاقت بچانے کے لئے کانگرس ان رجعت پسند جماعتوں کی محتاج رہیگی۔ اور یوں کانگرس خود ڈوب جائیگی۔

سامراج کی اس گہری چال کا جواب یہ ہے کہ ہر صوبہ کی کانگرس کمیٹی ظاہر کر دے کہ وہ امن و امان کا کیا مطلب سمجھتی ہے۔ اور موجودہ بناوٹ اور دستور دونوں ختم کرنا چاہتی ہے۔

قرآن مجید کا ہندی ترجمہ

جو خواجہ حسن نظامی صاحب نے چھ سال کی محنت اور بنارسی پنڈتوں کی مدد سے تیار کیا اور جس کی نسبت مہاتما گاندھی جی کی رائے ہے کہ اس سے بہتر ہندی ترجمہ قرآن مجید انھوں نے نہیں دیکھا۔ اس ترجمہ میں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہندستان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو فوٹو بلاک کے ذریعہ چھاپا گیا ہے صفحہ میں ایک طرف عربی عبارت ہے۔ اس کے برابر اس کا ترجمہ ہے اور نیچے اس ترجمہ کی تشریح ہے۔

قرآن مجید اور مسلمانوں کی نسبت جس قدر غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ سب اس ترجمہ کو دیکھکر دور ہو جاتی ہیں۔

یہ ترجمہ دو جلدوں میں ہے جن میں سے ہر ایک جلد کا ہدیہ (قیمت) پانچ روپیہ ہے۔ مجلد اور مکمل قرآن مجید دس روپیہ ہدیہ پر

چمن اردو بک ڈپو نمبر (۱) اردو بازار دہلی

سے مل سکتا ہے۔ اپنا پتہ صاف لکھئے اور قریب کے ریلوے اسٹیشن کا نام لکھئے

چھ آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر ایک پارہ بطور نمونہ آپ کو بھیجا جاسکتا ہے

چلتے چلاتے

تماشائی

مسلم لیگ صرف نام کو مسلمانوں کی تنہا نمائندہ جماعت نہیں ہے بلکہ وہ برابر تصوف کے مقامات طے کرتی رہتی ہے اور فی الحال وہ مقام خاموشی میں ہے۔ یہ مقام عبادت ہے تنک تنک وہیم دم درکشیدم ہے۔ یہاں پہونچکر سالک دیکھتا ہے سنتا ہے مگر کچھ بولتا نہیں — اور جب بولتا نہیں ہے تو پھر وہ کچھ کہتا بھی نہیں ہے

مسلم لیگ کے سامنے لیلائے گمراہی طرح طرح سے بن سنور کر آتی ہے، اور روپ انوپ دکھاتی ہے۔ مگر یہ گردن جھکائے حق حق کا ورد کرتی چلی جاتی ہے۔

کبھی اس کے سامنے کسان و زمیندار کے بھوت آتے ہیں، کبھی مزدور و سرمایہ دار کی پریاں آکر لبھاتی ہیں، کبھی پنجاب کی کسان ستیہ گرہ سامنے آتی ہے۔ کبھی بنگال کی ملازمتوں کے تناسب کا بھیانک چہرہ نظر آتا ہے۔ کچھ دنوں سے "مدح صحابہ و تبرا" کچھ ڈراؤنی صورت بنائے سامنے آرہے ہیں مگر وہ نہ بولتی ہے نہ بولیگی۔ کیونکہ بولی اور عمل ٹوٹا۔

مسلم لیگ جانتی ہے کہ یہ سب وہم کی پتلیاں ہیں۔ ان کو دیکھ لو، ان کی آواز سن لو، اس کے آگے کچھ نہیں —— ذرا آنکھیں ملکر دیکھو سب نمود بے بود ہے — بھولے ہیں وہ لوگ جو ان چلتی پھرتی پرچھائیوں سے دل لگا لیتے ہیں۔

رہے ذات حقوق کی!

کوئی بزرگ ہیں انھوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ جب تک ملک و قوم پر ایک آدھ جانیں نہ نچھاور ہوں ملک و قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ لہذا اس اہم خدمت کو انجام دینے کے لئے انھوں نے پہلے اپنے ہی کو پیش کیا ہے؟ انھوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک مقررہ تاریخ کو وہ پبلک کے سامنے گنگا میں ڈوب مریں گے۔ ان کو یقین ہے کہ یہ "شو" پبلک کے لئے بہت سبق آموز ہوگا — یہ محترم بزرگ حکومت سے اس بات کی اجازت چاہتے ہیں۔

یہ بیان پڑھکر اتنا تو مجھے بھی یقین ہو گیا ہے کہ جب تک یہ بزرگ گنگا برد نہو جائیں ملک قوم کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ڈر یہ ہے کہ ہے تو انکی جان ان ہی کی ملکیت لیکن پھر بھی اندھی حکومت ان کو گنگا کے نام اس کا [illegible] نامہ کرنے کی اجازت کبھی نہیں دے گی۔ پھر یہ غریب کیا کریں گے؟ کریں گے کیا۔ چھوٹی چھوٹی قربانیوں پر بس کریں گے۔ مثلاً کبھی قوم کی خاطر اپنے کو دو سو گالیاں دے لیں، کبھی دو درجن کوڑوں کی سزا دے لی، یا اگر زیادہ ہمت کریں گے تو اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔

اگر کسی حکومت نے اجازت دیدی تو؟ خدا نہ کرے ایسا ہو۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے اس بات کا ڈر نہیں — آخر ان بزرگ نے کچھ سوچ سمجھ ہی کر اعلان کیا ہوگا۔

آئینے ہندستان کی ایک [illegible]

رانی کی کشتی

سید مطلبی

[گنگا، اور اس کے دونوں طرف ریت کے لق و دق میدان۔ بھادوں کا مہینہ ہے۔ آسمان پر اکا دکا ابر کے سفید ٹکڑے مارے مارے گھوم رہے ہیں۔ بیچ آسمان پہ سورج آگ برسا رہا ہے۔ گنگا کے کنارے کی ریت سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ ہوا بند ہے۔ دور دور تک کسی جاندار کا پتہ نہیں۔
دور سے ایک رانی کی مورپنکھی آتی دکھائی دیتی ہے۔ جسے بیس پچیس مزدور چڑھاؤ پر کھینچ رہے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ گاتے جاتے ہیں۔ پہلے انکی صدا سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ صاف ہوجاتی اور جب وہ دور ہوجاتے ہیں تو ان کی آواز ڈوبتے ڈوبتے مٹ جاتی ہے۔]

او.................... او....................
ہو.................... او....................
او.............ہو او.............ہو

او......او......او......او ہو......ہو......ہو......ہو
لو......لو......لو......لو بڑھو......بڑھو......بڑھو......بڑھو
لو......بڑھو......بڑھو......بڑھو

چلو......چلو......چلو......چلو بڑھو......بڑھو......بڑھو......بڑھو
چلو بڑھو، چلو بڑھو

{مزدور قریب آجاتے ہیں}

ناؤ میں بیٹھی راجہ کی نار پاتر ناچیں بار م بار
پائل ڈیو رہی جھنکار ڈھولک بولے گڑ گڑ تار
تالی باجے بولیں تار گونج رہے دریا سنسار
رانی کی ناؤ کے کھیون ہار دھوپ میں بھاری ناؤ منجھدھار

چلو، چلو، چلو، چلو
بڑھو، بڑھو، بڑھو، بڑھو
چلو، بڑھو، چلو، بڑھو

(۲)

پیٹ کی آگ سے ناؤ چلے چلے چلے۔ چلو چلے
رسی کے گھسنوں سے چھاتی جلے جلے جلے۔ چھاتی جلے
منزل ماریں گے دیوے بلے دیوے بلے۔ دیوے بلے
کشتی برے، نا کشتی بھلے ہم برے وہ بھلے

چلو۔ چلو۔ چلو۔ چلو
بڑھو، بڑھو، بڑھو، بڑھو
چلو بڑھو، چلو بڑھو

(۳)

ناؤ میں سوتی کامن نار پاتر جاکر بیٹھے تیار
بھادوں کی گھام جلے سنسار پیروں کی دھرتی ہوئی انگار
رکیں تو ہوئے مارا مار روں کرے ہیں ہوئی اوار
چابک سے دونوں پہ پھٹکار آگے سٹڈیل پاچھے جاہدار

چلو، چلو، چلو، چلو
بڑھو، بڑھو، بڑھو، بڑھو
چلو بڑھو، چلو بڑھو

(۴)

مزدوری کر کر پچھتائے پچھتائے پر کرتے آئے
چھاتی کٹائی پیر جلائے رات ہوئی کی ٹھنڈی گھائے
دن نکلا پھر چلنے آئے دو دو آنے سب نے پائے
دن دن پیٹ کی آگ جلائے اس آگی کو کون بجھائے

۱ عورت، زوجہ۔ راجہ کی رانی ۲ گانے والیاں ۳ باری باری ۴ باربار ۵ رسے ۶ کھینچنے والے ۷ چراغ جلے ۸ محنت کرنے والے ۹ محنت کرنے والے ۱۰ کامنی [illegible] ۱۱ بھادوں کی شدید گرمی کو گھام کہتے ہیں ۱۲ انگارہ ۱۳ [illegible] ۱۴ دیر ہوگی ۱۵ مزدوروں کا افسر

چلو، چلو ، چلو ، چلو
بڑھو بڑھو، بڑھو بڑھو
چلو بڑھو، چلو بڑھو

(۵)

جگ بتایہ جیہم گہبارا   کوئی نہیں بنتا گن تارا
ناآیا کوئی آدرش وارا   کون کرے مہا ا[illegible]
پلٹ پڑے کوئی ایسی دھارا   وار پار ہو، ہو نہ کنارا
کشتی کسم کا بجے نگارا   ڈوبتا جیون لیوے ابھارا

چلو ، چلو ، چلو، چلو
بڑھو بڑھو ، بڑھو بڑھو
چلو بڑھو ، بڑھو بڑھو

(۶)

کوئی تونا دُپڑے سکھ پاویں   کوئی رات دنا دکھیا ویں
کوئی من مانی اپنے کھاویں   کوئی بھیک مانگ کر دن بِتاویں
کوئی لتا پھاڑ پہاڑ مرجاویں   کوئی مرے بھی کفن نہ پاویں

آؤ اس دنیا کو آگ لگاویں   تلی توڑ دیں بیڑا ڈباویں
چلو چلو ، چلو، چلو
بڑھو بڑھو ، بڑھو بڑھو
چلو بڑھو ، بڑھو بڑھو

(کشتی دور ہوتی جا رہی ہے)

چلو چلو ، چلو چلو   بڑھو بڑھو۔ بڑھو بڑھو
چلو بڑھو۔ چلو بڑھو

لو۔ لو۔ لو۔ لو — بڑھو بڑھو۔ بڑھو بڑھو
او ہو۔ ہو۔ ہو
او.........او — ہو.........ہو.........
او.........ہو

او.........
ہو.........

۱ گزارا ۲ [illegible] ۳ محنت کرنے والا ۴ خاندان ۵ برادری ۶ نقارہ ۷ کپڑا

ٹھاکر چندر سنگھ گڑھوالی

رمیش چندر سنہا

پہاڑوں کی چمکیلی دھوپ میں پکے تانبے کا سا رنگ چوڑے طاقتور بازو۔ پاٹ سا پھیلا ہوا سینہ۔ میانہ قد شاید ۵ فٹ ۱۵ انچ۔ پونے دو سو پونڈ کا دوہرا بدن ناخنی بھوں کے اوپر چوڑی پیشانی۔ اس کے اوپر کالے گیرو بالوں کے ہلکے ملائم لچھے۔ نیچے ہلکی بھوری مونچھیں مونچھوں کے ادھر ادھر عمر کی جھریاں۔ پہرے پر جیتی کی رونق یہی ہیں ٹھاکر چندر سنگھ۔

سنہ ۱۹۳۰ء کا شروع زمانہ تھا۔ گاندھی جی کا ڈانڈی مارچ شروع ہو گیا تھا۔ تکلیف و مصیبت اور لوٹ کے خلاف جنتا کی بڑھی ہوئی ناراضگی۔ سب ملک کا قانون توڑنے کے روپ میں پھوٹ پڑے تھے ملک میں بغاوت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

جب یہ آگ پٹھانوں کے ملک میں بھی سلگ اٹھی تو برطانی سرکار جھنجھلا گئی۔ پشاور میں ہندو فوجوں کے ڈیرے ڈلوا دئے گئے۔ ۲۲ اپریل کو ۱۸ رائل گڑھوال رائفلس اور کئی ایک دوسری کمپنیوں کے سپاہیوں کی پریڈ ہو رہی تھی کمانڈر کہہ رہا تھا "یہ بد ذات مسلمان ہندوؤں کو تنگ کر رہے ہیں۔ ہمیں انھیں ٹھیک کرنا ہوگا۔ سرکار کو چاہے گولی بھی چلوانا پڑے۔ وہ ہندوؤں کی حفاظت کرے گی" کوئی منچلا سپاہی بول اٹھا لیکن ہم انھیں پہچانیں گے کیسے۔ سب تو ایک ہی طرح کے کپڑے پہنتے ہیں۔

"یہ ہم تم کو بتلائیگا۔ ضرورت پڑنے پر تم کو حکم دیا جائے گا"

سپاہی چپ ہو کر سننے لگے۔ تھوڑی دیر میں کمانڈر کسی کام کے لئے باہر گیا۔ تب ان چنے ہوئے سپاہیوں کا افسر کر ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس نے بتلایا کس طرح سے انگریزی سرکار ہندو مسلمان کا سوال اٹھا کر گاندھی جی کی تحریک ختم کر دینا چاہتی ہے۔ ۲۳ اپریل کو وہ چپ چاپ ایک جلسہ میں شامل ہوا تھا اور وہاں اس نے جو دیکھا تھا وہ بھی

اس نے بیان کیا۔

۲۳ اپریل کو کابلی بھاٹک پر پلٹنوں نے جنتا کے نہتے جلوس کو گھیر لیا مشین گنوں اور گوروں کی لاری جنتا کے اوپر سے بعض مدنوتی ہوئی بھاگنے نکل گئی کئی آدمی وہیں پہیوں تلے دبکر مر گئے۔ تھوڑی دیر بعد کمپنی کے کمانڈر نے بٹالین کو حکم دیا "اوپن فائر" قدآدمی ان سنگینوں سے گولی کی طرح ان کا حوالدار جس پر انھیں پورا بھروسہ تھا۔ ہاتھ پھیلا کر چلا پڑا۔

"سیز فائر" (گولی بند کرو) کئی بندوقوں کی ایک ساتھ آواز ہوئی اور بندوقیں آن گارڈ سے آرام کی پوزیشن میں پہنچ گئیں۔

افسر غضب سے دھک سے رہ گئے۔ ایک بھشتی دوڑ گئی۔ جھنجھلا کر کپتی کمانڈر چلا اٹھا "کیوں" اس کی کرخت آواز کو کاٹتا ہوا جواب سنائی پڑا

"یہ تو خالی ہاتھ کھڑے ہیں"

حوالدار ہیجڑ کے ہاتھ چاسمارت کھڑی ہوئی جنتا کی طرف تھے۔

اس کے بعد کئی ہفتوں تک مقدمے کا سوانگ ہوا۔ قریب قریب ستر سٹھ آدمیوں کو چھوٹی بڑی سزائیں ہوئیں۔ ان کے لیڈر کو موت کی سزا دی گئی۔ اس نے سپاہی کی طرح گولی کی موت مانگی۔ لیکن ادھر تمام ہندستان اور خاص طور سے گڑھوال میں اس ظلم کے خلاف زبردست اندولن ہو رہا تھا۔ موت کی سزا کالے پانی میں بدل دی گئی۔

اور تب سے ٹھاکر چندر سنگھ برابر جیل کی سلاخوں میں بند ہیں پانچ چھ سال وہ برابر سرحدی صوبہ میں سی کلاس میں رہے۔ چوبیں گھنٹہ ان کے پیروں میں بیڑی پڑی رہی۔ ۱۹۳۱ء مہاتما جی نے گاندھی ارون سمجھوتہ کے وقت ان کی رہائی کا مطالبہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے کہ انھوں نے نہتے مجمع پر گولی چلانے کی حکم عدولی کی تھی۔

پانچ چھ سال سرحد میں رہنے کے بعد جہاں وہ پٹھانوں کی آنکھوں کی تیلی تھے ۱۹۳۵ء میں وہ یو۔ پی بریلی جیل میں لائے گئے۔ بریلی کے بعد نینی سے لکھنؤ اور آج کل یہ آزادی کا شیر جیل میں بند ہے۔

عمر ان کی پچاس تک پہونچ چکی ہے۔ کہیں کہیں ایک آدھ سفید بال اگ آتا ہے تو وہ اسے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ بدن بھاری ہے۔ کبھی کبھی سستی سی آجاتی ہے۔ پیٹ خراب ہو جاتا ہے لیکن ان کا دل نہیں خراب ہوتا۔ ان کا دل اب بھی جوان ہے۔ شاید آج ہمیشہ سے زیادہ۔ وہ اپنے کپڑے اتار چھوٹا جانگھیا اور گول گردن کی بنیان پہن کر کوٹھری سے نکل آتے ہیں اور فوجی قواعد کرنے لگتے ہیں۔ یا احاطہ میں چکر لگانے لگتے ہیں۔ آپ بیٹھ جائیے اور سنتے رہیے۔ جب تک دو تین میل نہیں ہو جائیں گے، وہ چکر لگاتے رہیں گے۔ وہ شاید بوڑھے کبھی نہیں ہو سکتے۔ ان سے دشمن بڑھاپے کی ہمت نہیں ہوگی کہ ان کے پاس آئے۔ اس لئے کہ ان کا ڈنڈ بیٹھک میں ہمیشہ فولاد کی طرح مضبوط رہتا ہے۔

ان کے بشرہ پر فوجی رعب ہے۔ ان کے کنول جیسے چہرے پر نیچے سے اوپر تک دیکھ جائیے شاید فقر سر پر کے بال ہی جنھیں تیل پڑا ہوتا ہے۔ ملائم نظر آتے ہیں۔

غصہ ان کا آج بھی غضب کا ہے۔ اصولوں کا خیال اب بھی بالکل فوجی ہے بے ایمانی۔ فریب یا ناانصافی وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کی سچائی اور سیدھائی کہاوت کی طرح مشہور ہے۔ اور ان کی لگن اور کام کرنے کی طاقت؟ اس کی مثال ملنا مشکل ہوگی

نینی میں تھے کانگریسی وزارت کی طرف سے قیدیوں کے چھوٹے جانے سے پہلے۔ کئی ساتھی تھے۔ ملکر ٹھیک رہنے کے لئے ایک سخت اصولوں کا کلب بنایا گیا۔

کچھ دن بعد کچھ ساتھی لاہور جیل سے آئے۔ وہ انڈمان کی سختیوں کا مزا چکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا جیل میں اتنا سخت اصول یا نظام نہیں قائم کیا جا سکتا اس سے طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو بعد میں ایک ساتھ رہنا بھی دوبھر کر دیتی ہیں۔ ٹھاکر چندر سنگھ بڑے بھائی، ہاں ہم جیلی ان کے پیارے ساتھی انھیں اسی نام سے پکارا کرتے ہیں۔ وہ اصول کے خلاف کی اس بات پر بگڑ پڑے۔

بعد میں جب ان لوگوں نے سمجھایا تو مان گئے۔ اور پھر وہ سوسائیٹی بھی ختم ہو گئی۔

ہم الموڑہ جیل میں تھے۔ ہم تین اینگلو انڈین سپرنٹنڈنٹ سے جھگڑا ہو گیا۔ اس نے ہمیں دوپہر کو ہی کوٹھری میں بند کروانا چاہا جیل کے تمام وارڈروں نمبرداروں وغیرہ کو بلا کر زبردستی کرنے کے لئے اکٹھا کر لیا۔ ہم سب ناراض ہو رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ بے چارہ حکم دیکر ایک کونہ میں لال پیلا ہو رہا تھا تھوڑی دیر میں وہ بولا "چندر سنگھ تم سپاہی ہو حکم مانو"

بڑے بھائی آگے ہو گئے "ہاں۔ سپاہی ہوں۔ جا میرا ٹکٹ تو دیکھ۔ کس لئے جیل آیا ہوں۔ ناانصافی کے خلاف ہی میں نے بغاوت کی تھی۔ گھر وغیرہ سب ضبط ہو گیا۔ سپاہی ہیں لیکن انصاف کے لئے۔

"تو ڈرانا چاہتا ہے۔ یہ سب اپنا فوج پلٹن جیسا تب بات کریں گے۔ مجال نہیں کسی کی ہمارے بدن پر ہاتھ رکھ لے......"

مجبور ہو کر سپرنٹنڈنٹ صاحب کی پیا فوج سپاہی الگ کرنا پڑا اور سب ہماری باتیں ہو گئیں

پیاس بجھانے والی بہترین شے
پیاس بجھانے کے لئے گرم چائے کا ایک پیالہ لاجواب شئے ہے۔ برف سے ٹھنڈے کئے ہوئے شربت وغیرہ خواہ کتنے ہی خوشگوار کیوں نہ ہوں۔ وہ زیادہ پیاس لگاتے ہیں۔ چونکہ چائے پیاس کو بجھاتی ہے۔ اس لئے اس سے دیر تک تسکین حاصل رہتی ہے۔
ہماری باتصویر کتاب
ہندوستانی چائے کی تاریخ ایک دلآویز افسانہ ہے۔ اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں۔ کہ ہندوستان چائے کی کاشت اور طریقہ بناوٹ ترقی کرتے کرتے کس طرح ایک عظیم الشان قومی صنعت بن گئی ہے۔ اور چائے پینے کے کیا کیا فائدے ہیں۔ تو ہماری باتصویر کتاب "ہر وقت چائے کا وقت ہے" پتہ ذیل سے مفت منگا کر مطالعہ کیجئے اپنا نام و پتہ صاف صاف لکھئے:۔
کمشنر فار انڈیا انڈین ٹی مارکیٹ ایکس پنشن بورڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۱۷۲ کلکتہ۔
ہندوستانی چائے ٹھنڈک اور تسکین دیتی ہے
انڈین ٹی مارکیٹ ایکس پنشن بورڈ
نے شائع کیا۔
IM 78 VB

قومی تعمیر پر صوبوں کا خرچ

نیچے کے اعداد سے پتہ چلتا ہے کہ نئے قانون کے نفاذ کے بعد سے مختلف صوبے اپنی آمدنی کا کتنا حصہ قومی تعمیر کے کاموں پر خرچ کرتے ہیں۔

صوبہ		
یو۔پی	۳۰.۰۷	فیصدی
پنجاب	۲۹.۰۵	”
مدراس	۲۸.۰۷	”
بہار	۲۷.۰۸	”
بمبئی	۲۶.۰۳	”
اڑیسہ	۲۵.۰۸	”
آسام	۲۵.۰۵	فیصدی
بنگال	۲۴.۰۳	”
سرحد	۲۲.۰۴	”
سی۔پی و برار	۲۱.۰۱	”
سندھ	۱۳.۰۱	”

وزیر ہند کی بھول

لندن میں یوم سلطنت منانے کے لئے جو جلسہ کیا گیا تھا اس میں وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ نے جو تقریر کی وہ کئی طرح سے قابل ذکر ہے۔

نیک دل برطانی سامراج کی اچھائیاں گناتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہندستان میں سیاسی لیڈروں میں یہ ذہنیت پیدا ہو رہی ہے کہ وہ برطانی سامراج کو ایک لعنت سمجھتے ہیں جسکی مخالفت کرنا چاہیئے اگر ممکن ہو تو اسے تباہ کر دینا چاہیئے انھوں نے کہا کہ میں بعض وقت خیال کرتا ہوں کہ ہندستان کے جو لوگ برطانی سامراج کو لعنت ملامت کرتے ہیں انکے لئے یہ قیاس کرنا دلچسپ اور مفید ہوگا کہ آجکل برطانی سامراج کے شہری کی حیثیت میں اور جن حکومتوں نے آج توت کی سیاست کا جھنڈا اٹھا رکھا ہے انکے ماتحت رہنے میں کیسا مقابلہ رہیگا۔

ہم جمہوری اور مطلق العنان سامراج کی نسبتی اچھائیوں پر بحث کئے بغیر کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وزیر ہند نے اس بات کو بھلا دیا ہے جو ہندستان انگریزوں کے کانوں میں برابر پھونکتا رہا ہے — صرف تقریر و تحریر سے نہیں بلکہ اپنے ایثار و قربانی سے۔

وہ بات یہ ہے کہ ہندستان کوئی سامراج نہیں چاہتا۔ خواہ وہ کسی قسم کا ہو۔ ہندستانیوں کو انگلستان اور جرمنی یا اٹلی میں سے نہیں بلکہ خود مختار حکومت اور بدیسی فوجوں کے غلبہ میں سے اپنا انتخاب کرنا ہے۔

گیارہ صوبائی حکومتیں جنکا کہ وزیر ہند نے تذکرہ کیا ہے جمہوری صرف سامراجی معنوں میں ہیں۔ انکی جو کچھ بھی تھوڑی بہت قدر و قیمت ہے وہ قانون ہند کے بنانے والوں کی وجہ سے نہیں بلکہ قومی اور سیاسی بیداری کی وجہ سے ہے جو مداخلت کو گوارا ہی نہیں کر سکتی۔ یہ محدود آزادی بھی انگلستان کا تحفہ نہیں ہے۔ جتنا کہ وہ ایک زبردست اور طویل لڑائی کے ذریعہ انگلستان کے غیر رضامند ہاتھوں سے چھینا گیا ہے۔

ڈاکٹر لوہیا کی گرفتاری

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا سابق سکریٹری محکمہ خارجہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی ۲۴ مئی کو کلکتہ میں باغیانہ تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے۔ بعد میں وہ ضمانت پر چھوڑ دیے گئے۔ اور اب ۵ جون کو انکا مقدمہ پیش ہوگا۔ اسی سلسلہ میں اور بھی کئی گرفتاریاں ہوئی ہیں۔

بنگال کے وزیر اعظم فضل الحق صاحب کچھ دن سے سامراجی حکومت کے ساتھ اپنی اور اپنی حکومت کی وفاداری کا غل مچا رہے ہیں اور اب وہ سلطنت کے پرجوش محافظ کے روپ میں سامنے آ گئے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر لوہیا کی تقریر جنگ کا مقابلہ کرنے کے موضوع پر تھی۔ مرکزی حکومت تک نے ابھی اس جرم میں لوگوں پر مقدمہ نہیں چلایا ہے۔ لیکن حق وزارت نے اپنے جوش وفاداری میں دار شروع کر دیا ہے۔

— (آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا خبرنامہ)

بھوپال میں عوامی تحریک کی رفتار
سرکاری کمیٹی سے پرجا منڈل کا عدم تعاون

ریاست بھوپال میں عوام کی تحریک آزادی اور ذمہ دار حکومت کا مطالبہ بڑی تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں بھوپال پرجا منڈل قائم ہوا۔ مسٹر شاکر علی خاں اسکے صدر منتخب ہوئے ہیں تقریبا دو ہزار سے زیادہ ممبر بن چکے ہیں۔ سال بھر میں پرجا منڈل نے ۲۰ سے زیادہ پبلک جلسے کرکے ذمہ دار حکومت اور سول آزادی کا مطالبہ جاری رکھا۔ اور اب دیہاتوں میں اور شہر کے مختلف وارڈوں میں شاخیں قائم ہو رہی ہیں۔

۴ جون کو شاہجہاں آباد میں مسٹر قدوس صہبائی کی زیر صدارت ایک عام جلسہ ہوا جسمیں ذمہ دار حکومت اور سول آزادی کے مطالبہ کے علاوہ میونسپلٹی کے انتظامات درست کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ دیہاتوں میں بھی کام ہو رہا ہے اور کسان تحریک زور پکڑ رہی ہے۔

یکم مئی ۱۹۳۹ء کو نواب صاحب بھوپال نے ایک اسکیم تیار کرنے کیلئے [illegible] انسداد بے روزگاری کے لئے کمیٹی قائم کی تھی۔ یہ کمیٹی شہر بھوپال کے

بے روزگاروں کی فوری امداد کے لئے بنی تھی اور اس میں بھوپال پرجا منڈل کے چار ممبر کام کر رہے تھے لیکن ان لوگوں کو حکومت کے ذمہ دار اور عہدے داروں کی کارروائیوں پر شبہ ہوا۔ دوران حالات کے پیش نظر بھوپال اسٹیٹ پیپلز کانفرنس کے ارکان مسٹر شاکر علی خاں، مسٹر قدوس صہبائی، پنڈت چترنرائن مالوی وغیرہ نے کمیٹی سے استعفیٰ دیدیا۔

کانگرس کے دستور العمل میں اصلاحات

بے عنوانیاں دور کرنے کی کوشش

الیکشن کے قاعدوں کی تبدیلی

۵؍جون کو بمبئی میں کانگرس کی کانسٹی ٹیوشن سب کمیٹی (دستور العمل میں اصلاحات تجویز کرنے والی ماتحت کمیٹی) کا جلسہ ہوا۔ اسکی خاص خاص سفارشیں یہ ہیں۔

۱۔ مسلسل ممبری۔ اسطرح ممبروں کو ہر سال فارم بھرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

۲۔ کوئی شخص جو تین سال تک کانگرس کا ممبر نہ رہا ہو ڈیلیگیٹ یا عہدہ دار نہیں بن سکتا۔

۳۔ الیکشن کے حلقے مقرر کر دیے جائیں اور جو حلقے اپنے حصہ کے آدھے ممبر بھی نہ بنا سکیں ان سے ڈیلیگیٹ بھیجنے کا حق لے لیا جائے۔

۴۔ ضلع اور صوبہ عدالتوں کو الیکشن اور ممبروں کی بھرتی کے تمام جھگڑے طے کرنے کا پورا پورا اختیار دیدیا جائے جیسا کہ یوپی میں ہوا ہے۔

۵۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں علاقہ وار نمائندگی ہو۔ تین چوتھائی ڈیلیگیٹ علاقہ وار حلقوں سے جائیں اور ایک چوتھائی صوبہ کانگرس میں چنے جائیں۔

۶۔ علاقہ وار حلقوں کے الیکشن میں تنہا قابل تقسیم ووٹ اور صوبہ کمیٹیوں میں ڈیلیگیٹوں کے الیکشن کیلئے تنہا قابل انتقال ووٹ رکھا جائے۔

کمیٹی نے ایک اور اہم سفارش کی ہے کہ برما کو پوری طرح برما کانگرس سے علیٰحدہ کر دیا جائے اسلئے کہ اب برما کو ہندستان کے ساتھ کوئی سیاسی تعلق [illegible]

گاندھی جی کی نئی "روشنی" کی آمد

سول نافرمانی ملتوی کرنے کا مشورہ

اپنی "نئی روشنی" کے اشارہ پر گاندھی جی نے ریاستی تحریک کیلئے ایک نیا راستہ تجویز کیا ہے، درشٹراونکور کی صورت حال پر ایک بیان میں انھوں نے اسکی تفصیل بیان کی ہے۔

انہی کے الفاظ میں انکے بیان کا خلاصہ یہ ہے۔

"۱۔ عام سول نافرمانی لامحدود مدت کے لئے ملتوی کر دی جائے۔

"۲۔ ریاستی کانگرس کے لوگوں کو حکام کے ساتھ باعزت سمجھوتہ کی بات چیت کرنے پر راضی ہو جانا چاہیئے۔

"۳۔ جو ستیہ گرہی جیل میں ہیں یا جو اب جیل جائیں انکے لئے کوئی پریشانی نہ ہونا چاہیئے۔ اگر ستیہ گرہ کے اصل مطلب کو ٹھیک طرح پر سمجھا جائے تو یہ قید اور مجبوری لوگوں کا دل بڑھا دیگی۔

"۴۔ اگر ضرورت پڑے تو آخری منزل تک پہونچنے میں جلدی کرنے کے لئے فوری مطالبات کا معیار نیچا کر دیا جائے۔

"۵۔ کسی قسم کی سول نافرمانی شروع کرنے سے پہلے عوام کو تعمیری پروگرام کے امتحان میں پورا ہونا چاہیئے اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو ٹھیک طرح ریاستی کانگرس کے ضبط ہی میں آجائیں۔

گاندھی جی نے آخر میں لکھا ہے "مجھے یہ کہنے کی ہی شاید ضرورت ہو کہ کارکنوں کو اختیار ہے کہ میری صلاح رد کر دیں۔ انھیں یہ مشورہ صرف اسی صورت میں قبول کرنا چاہیئے اگر وہ انکے دل سے لگتا ہوا ہو اور مقامی حالات کے متعلق انکا جو خیال ہے۔ جسکی بابت میں تسلیم کرتا ہوں کہ انہی کی رائے ٹھیک ہوگی گو یہ اسکے مطابق ہو۔

۲

باقی نہیں رہا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ کمیٹی کے سامنے ایک تجویز یہ بھی رکھی گئی تھی کہ کانگرسی وزیر آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ممبر نہ ہو سکیں۔ لیکن کمیٹی کی رائے میں یہ تجویز مناسب نہیں تھی۔ اور اسکی بنیاد ذاتی غرضوں پر تھی اسلئے اس نے اسے رد کر دیا۔

کچھ ممبروں کا خیال تھا کہ کانگرس کے اندر کی تمام جماعتوں کو توڑ دیا جائے۔ جواہر لال اور آچاریہ نرنیدر دیو اسکے مخالف تھے انکا کہنا تھا کہ کسی جماعت کے صحیح ترقی کے لئے اس قسم کی پارٹیاں بہت ضروری ہیں اور اسکے علاوہ کانگرس کے ممبروں کو اپنے خیالات کا پرچار کرنے یا اسکے لئے پارٹیاں بنانے سے روکنا نامناسب اور ناقابل عمل ہوگا۔

کمیٹی کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کانگرس کو اندرونی بے عنوانیوں اور غیر مناسب [illegible]

میونسپلٹیوں میں مخلوط انتخاب

حکومت یوپی کی تردید

حکومت یو۔ پی کے ایک پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ بعض اردو اخباروں نے یہ خبر مشہور کی ہے کہ یو۔ پی کے فرقہ دارانہ فسادوں کی تحقیقاتی کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل بورڈوں میں مخلوط انتخابات رائج کرنے کی سفارش کرنیوالی ہے۔ یہ خبر سراسر غلط اور گمراہ کن ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک کمیٹی نے اپنا کام ختم نہیں کیا اور یہ تمام باتیں محض خیالی ہیں۔

× اور انتشاری عناصر سے کس طرح پاک کیا جائے۔

اور اس نے یہ سفارشیں سب اسی روشنی میں کی ہیں۔ اخباری نمائندوں نے کمیٹی کے ایک معزز ممبر سے پوچھا کہ کیا اسکے لئے کمیٹی کوئی خاص سفارش نہیں کرے گی۔ اس ممبر نے جواب دیا کہ کمیٹی کو بھروسہ ہے کہ کانگرس کی اخلاقی طاقت بے عنوانیوں کو دبا دیگی۔ انھوں نے کہا کہ کانگرس ہی دنیا میں ایک ایسی جماعت ہے جو اپنے اندر بے عنوانیاں ہونے کا اعتراف کرتی ہے۔ اور اس سے اسکے اعلیٰ اصول اخلاق کا پتہ ہے۔

ریاستوں کی صورت حال

[illegible] کوشش

۵؍جون کو شری [illegible] کی اطلاع کے بمبئی پہونچنے [illegible] میں جہاں کہ مہاتما گاندھی [illegible] کیا جاتا ہے کہ وہ گاندھی [illegible] کی ریاستوں کی صورت حال پر [illegible] ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ انکی [illegible] کی ریاستوں کا مسئلہ سیاسی سے زیادہ تعاونی ہے اور اسطرح وہاں کی تحریک دوسری ریاستی تحریکوں سے مختلف ہے۔ [illegible] شری ہری کرشن مہتاب گاندھی سے کہیں گے کہ وہ اڑیسہ کی ریاستوں کو اپنی اس نئی پالیسی سے مستثنیٰ کر دیں۔ امید کی جاتی ہے کہ ۶؍جون کو [illegible] گاندھی جی سے ملیں گے تو ریاست [illegible] انگریز ریذیڈنٹ کے قتل کے سلسلے [illegible] سزائیں ملی ہیں ان پر بھی ان سے [illegible] کریں گے۔

"چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ختم کر دینے کا حق"

ترکی اسے کبھی تسلیم نہیں کریگا

انقرہ میں جمہوری [illegible] پارٹی کے پانچویں اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے [illegible] ترکیہ کے صدر عصمت اینونو نے کہا۔

"ہم بڑی بڑی [illegible] حکومتوں کا چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جنہیں سے [illegible] آزادانہ زندگی بسر کرنے کا حق ہے ختم کر دینے کا حق کبھی تسلیم نہ کریں گے۔ [illegible] قائم کیا ہے۔

"اینگلو ترکی معاہدہ کسی [illegible] نیت سے نہیں بلکہ انسانیت کے [illegible] کی حفاظت کے لئے کیا گیا ہے۔ سوویٹ [illegible] ساتھ ترکی کے تعلقات ہمیشہ سے زیادہ اچھے ہیں ترکی اور فرانس میں ایک دوسرے کی مدد کے [illegible] کے اصول طے ہو گئے ہیں۔

"ترکی پوری طرح آگاہ [illegible] وہ صرف اپنی حفاظت ہی کے انتظام [illegible] نہیں کریگا بلکہ وہ ساری دنیا کے امن کے لئے امکان بھر کوشش کرنے کو ہر وقت تیار اور راضی رہیگا اور اگر دنیا میں [illegible] برباد ہوگا تو ترکی [illegible]

"نوآبادیوں کے چور"

برطانیہ اور فرانس پر ہٹلر کا وار

اسپین سے آئے جرمنوں کے سامنے

ہٹلر کی تقریر

اسپین میں جنرل فرانکو کی فتح ہو جانے پر وہاں سے جرمن سپاہی واپس آگئے ہیں۔ ۶؍مئی کو ہر ہٹلر نے انکے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسپین کی خانہ جنگی سے سارے یورپ میں بالشویک انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

جرمن فوجوں کی تعریف کرتے ہوئے انھوں نے کہا "جنرل فرانکو کی تمام خاص خاص فتحیں جرمن والنٹیروں کی مدد سے ہوئی ہیں اور عالمگیر جنگ کے بعد اب پہلی دفعہ جرمنی کے نئے ہوائی بیڑے کو یہ دکھانے کا موقع ملا تھا کہ ہم لڑنا اور فتح کرنا جانتے ہیں"

"جولائی ۱۹۳۶ء میں جبکہ برطانیہ اور فرانس کی تمام فریب کاریوں کے باوجود اسپین اپنی آزادی کے لئے لڑنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا ہم نے اسکی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ....

"برسوں تک برطانیہ اور فرانس کے اخبار یہ اڑاتے رہے کہ ہم (جرمنی) اسپین فتح کرنا چاہتے ہیں۔ جو ملک نوآبادیاں چرانے کے عادی ہو چکے ہیں انکے دماغ میں قدرتی طور پر ایسے ہی خیال آتے ہیں۔ سپاہیو تم نے اسبات کے تمام شک و شبہ کو دور کر دیا ہے کہ جرمنی پر حملہ کرنے کی تمام کوششوں کا ایسا مقابلہ کیا جائیگا جسکی کہ محاصرہ کرنیوالی طاقتوں کو خبر تک نہیں ہے۔ اسطرح یہ تمہاری جدوجہد میں ہمارے مخالفوں کے لئے ایک سبق ہے۔

جرمنی اور ڈنمارک کا معاہدہ

جرمنی اور ڈنمارک میں ایک غیر فسادی معاہدہ ہو گیا ہے۔

اس معاہدہ کی شرطیں یہ ہیں کہ طرفین میں سے کوئی پارٹی دوسری پارٹی پر حملہ یا تشدد نہ کریگی اور اگر کوئی تیسری طاقت ان دونوں میں سے کسی پر حملہ کریگی تو اسکے مقابلہ میں معاہدہ کی دوسری طاقت پہلی طاقت کی مدد کرے گی۔

یہ معاہدہ دس برس کے لئے ہوا ہے۔

قانون سبھا کے سامنے اس معاہدہ کا اعلان کرتے وقت ڈنمارک کے وزیر اعظم ڈاکٹر سٹونینگ نے کہا "جہانتک دوسری قوموں کا تعلق ہے ہم انکے ساتھ اپنی غیر جانبداری کا اعلان کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔"

آزاد ہندستان کی صنعتی تعمیر

بنیادی صنعتوں پر حکومت کا قبضہ

کمیٹی کے سامنے جواہر لال کی تقریر

۵، ۶ جون کو بمبئی میں جواہر لال کی زیر صدارت "قومی تعمیری کمیٹی" کا جلسہ ہوا۔

"کراچی کانگرس کی بنیادی حقوق کی قرارداد کے مطابق بنیادی صنعتیں کانیں، ریلوے، نہر اور دریا، جہازرانی اور عوام کی آمد و رفت کے دوسرے ذریعے اور انکے علاوہ بڑے پیمانہ کے ایسے کاروبار اور صنعتیں جو اجارہ داری کی قسم کی ہونگی حکومت کے قبضہ یا قابو میں رہینگی"

یونائیٹڈ پریس کی خبر ہے کہ ان الفاظ میں جواہر لال نے ہندستان کی صنعتی ترقی کا خاکہ بیان کیا۔

جواہر لال نے اس بات پر بھی زور دیا کہ گھریلو صنعت خواہ وہ کسی کی بھی ملکیت ہی کیوں نہ ہو حکومت سے مدد یا تحفظ پا رہی ہو یا اس پر اجارہ داری کا رنگ آ رہا ہو یا مزدوروں یا عوام کے متعلق حکومت کی جو پالیسی ہے وہ اس سے ٹکرا رہی ہو تو حکومت کو اس قسم کی تمام صنعتوں کو اس اسکیم کے مقصد اور اسکی پالیسی کے مطابق بنانے کے لئے مناسب کارروائی کرنا چاہیئے۔

یونائیٹڈ پریس کی خبر ہے کہ جواہر لال نے کمیٹی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندستان کی قومی ترقی کا نقشہ آزاد اور خود مختار ہندستان کو سامنے رکھکر تیار کیا جانا چاہیئے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہندستان کو قومی تعمیر کے کام کیلئے آزادی کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ موجودہ صورت میں بھی ہمیں ملک کے ذرائع سے کام لینے اور عوام کے معیار زندگی کو اوپر اٹھانے کی ہر امکانی کوشش کرنا چاہیئے۔ کانگرس کے نصب العین کے مطابق ایک آزاد اور جمہوری ہندستان جس میں قوم کی ہر فرد کے لئے اپنے جوہر دکھانے اور اپنی تمناؤں کو پورا کرنے کے برابر مواقع ہوں اور ایک مہذب زندگی کا مناسب کم سے کم معیار ـــــ یہی ہماری اسکیم کی بنیاد ہونا چاہیئے۔

مختصر خبریں

ہندستان باہر

خبر ہے کہ جرمنی نے لیٹویا اور ایستھونیا کیساتھ غیر فسادی معاہدے کر لئے ہیں۔

۶؍جون کو شاہ یوگوسلاویہ کے نگراں شہزادہ پال جرمنی سے واپس آگئے۔ ہر ہٹلر انکو اسٹیشن تک پہونچانے آئے تھے۔

جرمنی کے سرکاری حلقوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ابھی تک یوگوسلاویہ اور جرمنی میں کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔

۶؍جون کو جبکہ انگلستان کے بادشاہ جارج ششم کناڈا سے متحدہ امریکہ جا رہے تھے راستہ میں ریل کی پٹری ٹوٹی ہوئی پائی گئی۔ شاہی گاڑی سے پہلے ایک انجن اس راستہ پر جا رہا تھا پٹری ٹوٹی ہونے کی وجہ سے وہ گر گیا۔ مزدوروں نے چار گھنٹہ کی مسلسل محنت سے پٹری ٹھیک کی اور اسکے بعد شاہی سواری کناڈا سے متحدہ امریکہ کے لئے روانہ ہوئی۔

شاہی خاندان کے افراد پر حملہ کرنے کا دوسرا واقعہ لندن میں ۵؍جون کو پیش آیا جب ایک شخص نے ملک معظم کی بھاوج ڈچز آف کینٹ پر جبکہ وہ سینما سے واپس آرہی تھیں گولی چلائی۔ ڈچز کو یا انکے اور ساتھیوں کو اس کی

صوبہ کانگریس کا خبرنامہ

گشتی چٹھی نمبر ۳

صوبہ کانگریس کمیٹی لکھنؤ

تاریخ یکم جون ۱۹۳۹ء

تمام ضلع شہر اور نگر کانگریس کمیٹیوں کے سکریٹریان

پیارے بھائی۔

صوبہ کانگریس کمیٹی اور کونسل نے اپنی پچھلی نشست میں جو تجویزیں پاس کی ہیں ان میں سے کچھ آپ کی واقفیت کے لئے نیچے دی جاتی ہیں۔

سرکاری کاموں میں مداخلت

کانگریسی کارکن کا فرض ہے کہ وہ عوام کی بھلائی اور ان کے حقوق کی حفاظت کا ہمیشہ خیال رکھے اور ان پر کی گئی سختیوں اور زیادتیوں کی رپورٹ کرے۔ لیکن اسکا یہ کام نہیں ہے اور نہ یہ اس کی شان کے موافق ہی ہے کہ وہ روزانہ کے سرکاری انتظامی کاموں میں دخل دے خاص طور پر نوکریوں، تبادلہ وغیرہ کے معاملے میں کوئی دلچسپی ہرگز نہیں لینی چاہئے۔ اسی خیال سے کونسل یہ قاعدہ بناتی ہے کہ کانگریس کمیٹی کا کوئی بھی ممبر کسی سرکاری افسروں سے کسی کی تقرری تبادلہ یا برخاستگی کے سلسلہ میں کوئی سفارش نہ کرے۔ کونسل کو اس بات سے واقفیت ہے کہ اکثر اس طرح کے معاملے میں بے انصافی ہوتی ہے لیکن یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں اپنی طاقت اور وقت کی بربادی کر کے کانگریس کے اصولوں کو نیچے گرانے کی بہ نسبت ایسی عارضی بے انصافی کو برداشت کیا جائے۔ کانگریس کمیٹیوں اور اسمبلی اور کونسل کے ممبروں کو پوری طرح اس قاعدہ کی پابندی کرنی چاہئے۔

ظلم و زیادتی اور انتظام سے تعلق رکھنے والی تمام خرابیوں کی کانگریس کارکنان کو جانچ کرنی چاہئے اور ان کی رپورٹ کرنی چاہئے۔ اور اگر ایسے معاملے کے سلسلے میں سرکاری اہلکاروں سے ملنے کی ضرورت ہے تو ان سے صرف وہی شخص ملیں جنھیں ضلع شہر یا صوبہ کانگریس کمیٹی ایسا کرنے کا اختیار دے۔ کسی دوسری [illegible] کمیٹیوں کے ممبروں کو افسروں کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ وہ اپنی ضلع کمیٹی کو یا چاہے تو سیدھے صوبہ دفتر کو اطلاع دے سکتے ہیں۔ اسمبلی کے ممبران بھی اپنے حلقۂ انتخاب کی زیادتیوں اور سختیوں کے بارہ میں سرکاری افسروں سے مل سکتے ہیں۔

پچھلے چناؤ میں مخالفت کرنیوالے کانگریسی ممبر

کوئی بھی شخص جس نے مرکزی یا صوبہ کے پچھلے چناؤ میں یا اس کے کسی بھی ضمنی چناؤ میں کانگریسی امیدوار کی مخالفت کی ہے یا جس نے ڈسٹرکٹ یا میونسپل بورڈ یا اس کے کسی ضمنی چناؤ میں یا کسی عہدہ کے لئے کانگریس کے کسی امیدوار کی مخالفت کی ہے وہ۔

۱۔ کانگریس کی کسی چنی ہوئی کمیٹی کے چناؤ میں کھڑا نہیں ہو سکتا ہے۔

۲۔ مرکزی اور صوبہ جاتی مجالس قانون ساز میں یا کسی لوکل بورڈ یا اس کے کسی عہدہ کے لئے کانگریسی امیدوار ہو کر کھڑا نہیں ہو سکتا جبتک کہ اسے کونسل سے ہر معاملے میں ایسا کرنے کے لئے خاص حکم نہ مل جائے۔

اگر ایسا کوئی شخص جو اس قاعدے کے مطابق کھڑا نہیں ہو سکتا تھا لیکن کسی کانگریس کمیٹی یا کانگریس کی طرف سے کسی لوکل بورڈ میں چنا گیا ہے تو اسے اس سے استعفا دینا پڑیگا۔ جب تک کہ کونسل اسے اس قاعدہ سے بری نہ کر دے۔

صوبہ کے قانون حصہ ۲ دفعہ ۳ (۱) کے مطابق کارکنان کے لئے مقررہ کام

۱۔ سوت کاتنا۔

۲۔ کم سے کم کانگریس کے ۰۰۱ ممبر بنانا یا

۳۔ کانگریس کمیٹی کے عہدہ داروں کے پاس جا کر مہینے میں کم سے کم تین دن کے حساب سے کانگریس کا جو کام بتایا جائے اسے کرنا

نوٹ۔ ۱۔ جو لوگ کافی وقت دیکر آنریری طور سے ایسے کام کرتے ہیں جو کانگریس سے منظور کئے گئے ہیں ان کا وہ کام اس قاعدے کے لئے کافی مانا جائے گا۔ اور وہ اس سے بری سمجھے جائیں گے۔ آنریری طور پر کانگریس کے دفتروں میں اور پرچار کا کام کرنا بھی کام کرنے میں شامل ہے۔ منڈل یا طبقہ کمیٹیاں سند کی سفارش کر کے ان کے نام ضلع یا شہر کمیٹی کے پاس علی الترتیب بھیجا [illegible]

کی سفارش پر ایسے لوگوں کی ایک فہرست بنائیگی۔

۲۔ صوبہ کونسل کے حکم سے ضلع و شہر کمیٹیوں کے سکریٹری سند دیں گے

کنٹرول بورڈ

۱۔ ہر شہر اور ضلع میں جہاں کانگریس کے ممبر اوپر ہوں ایک کنٹرول بورڈ بنایا جائے جس کے ممبر

۱۔ ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر

۲۔ شہر یا نگر ۔ ۔ ۔

۳۔ میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین اگر وہ کانگریسی ہیں۔

۴۔ ۔ ۔ ۔ کانگریس پارٹی کے لیڈر

ان کے علاوہ ۳ اور ممبر ہوں جن میں ایک یا دو ضلع کمیٹی اور ایک شہر کمیٹی چنے۔ (باقی صفحہ ۲۱ پر)

بقیہ صفحہ ۱۳

خبر نہیں ہوئی لیکن پولیس نے حملہ آور کو گرفتار کر لیا ہے۔

نہر سوئز پر اٹلی کے مطالبات کا جواب دیتے ہوئے سوئز کمپنی کے فرانسیسی چیرمین نے کہا کہ اٹلی نے غلط خبروں اور غلط باتوں پر بھروسہ کیا ہے۔ اگر یہ جان بوجھکر کیا گیا ہے تو اس سے انتہائی بدنیتی ظاہر ہوتی ہے ورنہ پھر یہ انتہائی جہالت معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ برطانیہ اور فرانس کو سوئز کے متعلق اپنی موجودہ پالیسی پر قائم رہنا چاہئے۔

ہندستان

معلوم ہوا ہے کہ منظور حسن صاحب چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ بہرائچ جو ابھی تک کٹر مسلم لیگی تھے اب کانگریس میں آ گئے ہیں۔ انکو دیکھکر اور بھی بہت سے لوگ کانگریسی خیال کے ہو گئے ہیں

شری ہری کرشن مہتاب ممبر ورکنگ کمیٹی اڑیسہ کی ریاستوں کے متعلق گاندھی جی سے مشورہ کرنے بمبئی گئے تھے دفعتاً کٹک کے لئے روانہ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اڑیسہ کی ریاستوں کے ایجنٹ تلچر سے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس [illegible]

[illegible]

فڈریشن

جواہر لال نہرو

— خاص ہندستان اور نیشنل ہیرالڈ کیلئے —

تاریخ کی ایک ٹریجڈی یہ بھی ہے کہ حالات بہت تیزی سے بدلتے رہتے ہیں، مگر انسانی دماغ بہت دیر میں اس کا خوگر ہوتا ہے۔ دنیا برابر بدلتی رہتی ہے۔ مگر ہمارا دماغ نہیں بدلتا۔ وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہتا ہے۔ اور اسی سے سمجھتا رہتا ہے کہ جو کل تھا وہی آج ہے، اور جو آج ہے قریب قریب وہی کل ہوگا۔ ہمارے دماغ اور واقعات کے درمیان یہ جو بڑی سی خلیج ہے یہی ہم کو موجودہ مسائل نہیں سمجھنے دیتی ہے اور لڑائیاں اور انقلاب اٹھاتی رہتی ہے، اور بہت سی ایسی باتیں پیدا کر دیتی ہے جو ساری دنیا کے لئے عذاب ہو جاتی ہیں۔ مشہور انقلاب فرانس آیا اور اسنے انسانی دماغ کو پرانی جکڑبندیوں سے آزاد کر دیا اور پھر وہ انقلابی خیالوں پر سو برس تک چھایا رہا لیکن ابھی یہ انقلاب پوری طرح زمانہ ماضی میں گیا بھی نہیں تھا کہ ایک اور عظیم الشان انقلاب آیا جو مغربی یورپ سے شروع ہوا اور آہستہ آہستہ دنیا کو بدلنے لگا۔ یہ صنعتی انقلاب تھا جس نے دنیا میں ایسے بڑے بڑے تغیر کئے جیسے اب تک تاریخ میں نہیں ہوئے تھے۔ لیکن یہ تغیر لوگوں کو نہیں نظر آیا، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی غافل رہے جنکی آنکھوں کے سامنے اس انقلاب نے جنم لیا تھا۔ انیسویں صدی کے پہلے حصے کے مفکرین انقلاب فرانس ہی کے خیال میں پھنسے رہے۔ حالانکہ اب یہ خیالات ایک حد تک پرانے ہو چکے تھے۔ لیکن یہی اس زمانے کی دماغی فضا کے روح رواں تھے۔

ناکافی جو حال تمام تاریخ میں رہا ہے وہی اب بھی ہے۔ حد یہ ہے کہ ہم کو مصیبتوں کا دھڑکا لگا ہوا ہے لیکن وہ بھی ہمارے دماغوں کو پرانی ڈگر سے الگ نہیں کرتا۔ اگر کرتا بھی ہے تو ایسی آہستگی سے کہ ہم آنے والی مصیبتوں سے نہیں بچ سکتے۔ جنگ عظیم اور روسی انقلاب ایسے بڑے حادثے تھے جو بیوقوف سے بیوقوف شخص کو بھی سوچنے سمجھنے پر مجبور کر دیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور بہت سے لوگ پرانے ڈھرے پر لگے رہے اور ان پر بگڑتے رہے جو نئے رنگ پر سوچنے لگے تھے۔ پچھلے بیس برسوں میں جو کچھ بھی ہوا یعنی سرمایہ داری کے نظام کی ناکامی، زبردست کساد بازاری، بیکاری، فاشزم اور نازیت کا ابھرنا اور بین الاقوامی معاملات میں ڈاکہ زنی کا برتاؤ ان باتوں نے ہر ایک کو چونکا دیا۔ لیکن یہ چونکانا کافی نہیں تھا پھر گذشتہ برسوں کو لیجئے جن میں بہت سی ڈراؤنی باتیں اور ٹریجڈی یاد ہیں۔ انھوں نے بہت سے لوگوں کو بدل دیا۔ لیکن کیا وہ اب بھی اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ ان بیماریوں کا علاج صرف انقلاب سے ہو سکتا ہے؟ اور کوئی علاج اس کو دور نہیں کر سکتا؟

پرانا ڈھرا ہم ہندستانی یورپ والوں سے زیادہ خیالات کے پرانے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں ہم دونوں الگ الگ ہیں، لیکن تہ میں پہونچکر دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ غالباً یہ ضروری بات ہے کہ قدرتی طور پر ہمارے دماغوں پر سب سے زیادہ چھائی ہوئی قوم پرستی اور یہ تھا ہے کہ ہم انگریزی سامراج کے پنجوں سے چھوٹ جائیں۔ اعتدال پسندوں کے سوچنے سمجھنے اور ان لوگوں کے سوچنے سمجھنے میں جو انقلاب کی سختیوں کو خوش آئند سمجھتے ہیں۔ اور جن کو موجودہ حالات سے اتنی نفرت ہے کہ وہ ہر قیمت پر اس کو بدل دینے پر تیار ہیں بہت سی جماعتیں ان دونوں حدوں کے بیچ میں ہیں۔ حالانکہ ان گروہوں اور ان کے ممبروں کے درمیان میں اتنے اختلاف ہیں۔ اور ان لوگوں پر اپنے طبقہ کا اور مختلف باتوں کا اثر پڑتا رہتا ہے۔ پھر بھی یہ سب ایک ہی قسم کی دماغی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ یہ آپس میں پارٹیاں بنا کر لڑتے رہتے ہیں۔ لیکن اصولی طور پر ایک ہی بات چاہتے ہیں، اور ایک ہی طرح کام کرتے ہیں۔ یہی مشکل ہماری کانگرسی حکومتوں کی راہ میں ہے۔ بلکہ وہاں اور زیادہ ہے، کیونکہ ان کو تو پرانے ڈھرے پر کام کرنا پڑتا ہے۔

دقیانوسی یہ پرانا ڈھرا، یہ مسلوں کو حل کرنے کا پرانا راستہ بالکل دقیانوسی اور یہ ناکارہ ہے اور اس سے کوئی بات حل نہیں ہو سکتی پرانا سیاسی اور اقتصادی نظام سڑگل چکا ہے۔ اور حکمران طبقہ اور اس کے دوستوں کی جان توڑ کوشش بھی اس کو منہدم ہونے سے نہیں روک سکتی۔ جب ریاستوں کا تذکرہ اٹھتا ہے تو ہم یوں باتیں کرتے ہیں گویا کہ راجہ اور رعایا کے درمیان یہ کوئی خرید و فروخت کا یا حصہ بانٹ کا مسئلہ ہے جس میں سے سامراج بھی اپنا حق لیگا۔ لیکن کیسے ہی جوڑ توڑ لگائے جائیں، اور کیسے ہی میٹھے الفاظ خرچ کئے جائیں، اس دور میں ریاستیں نہیں زندہ رہ سکتیں۔ اصل میں جو کچھ سوچنا چاہئے اس بات کو سمجھکر سوچنا چاہئے کہ اس پرانے نظام کو بہت پہلے ختم ہو جانا چاہئے تھا جیسے ایک انسان کی عمر ہوتی ہے ویسے ہی ایک سماجی نظام کی بھی عمر ہوتی ہے۔

زمین کا بندوبست زمین کے بندوبست کو اقتصادی نظام سے گہرا تعلق ہونا چاہئے اگر یہ تعلق نہیں تو وہ بندوبست ختم ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ بالکل سائنسی اور غیر شخصی مسئلہ ہے۔ اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ ہمکو زمیندار سے محبت ہے یا کاشتکار سے۔ یہ مانی بات ہے کہ زمین کا موجودہ بندوبست قوم کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی روک ہے۔ دوسرے ملکوں میں ایسے بندوبست ٹوٹ چکے ہیں، اور ان کی جگہ دوسرا نظام بن چکا ہے۔ اس لئے اس کو یہاں بھی ختم ہونا ہے۔ کانگرسی حکومتوں نے اس نظام میں جو اصلاحیں کرنا چاہی ہیں ان پر اعتراضوں کی بوچھار ہو رہی ہے۔ لیکن اعتراض کرنے والے یہ نہیں دیکھتے

سیاسیات پنجاب پر ایک نظر

(قسط نمبر)

(احمد دین)

جنگ عظیم اور پنجاب

گذشتہ ستر سال کی انگریزی حکمت عملی کا اثر پنجاب میں خاص طور پر یہ ہوا کہ پنجاب بلا کسی دقت کے جنگ میں حکومت کی امداد کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ اور اس نے خوب مدد کی لیکن اسکے ساتھ ہی پنجاب بھی باقی ہندستان کے اسی یقین میں شامل تھا کہ جنگ کے خاتمہ پر ہندستان کو ہوم رول دیدیا جائیگا۔

پنجاب میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اور انھیں جسقدر اپنے مذہب سے انس ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ ان کے جذبات کے پیش نظر حکومت نے مقامات مقدسہ مسلمانوں کی حفاظت میں رکھنے وغیرہ کے وعدے کردیے۔ ان کے علاوہ جنگ کی وجہ سے معیار زندگی بہت بلند ہوچکا تھا۔ ہندستانی تاجروں نے بیشمار روپیہ کمایا۔ کاروبار میں خاصی ترقی ہوئی کچھ جنگ میں بھرتی ہونے کی وجہ سے بیکاری کم ہوگئی۔ نتیجہ ان ساری چیزوں کا یہ ہوا کہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۸ء تک کا وقت خاموشی سے گذر گیا۔

جنگ کے بعد

جنگ ختم ہوئی۔ تو ہندستان کے فوجی اور دوسرے ملازم واپس آئے۔ ایک تو وہ نئے نئے خیالات سیکھ کر آئے تھے۔ دوسرے آتے ہی بیکار کردیے گئے دوسری طرف جنگ ختم ہونے کے باعث دنیا میں ہر طرف کے دروازے کھل گئے تھے۔ اور تجارت میں توازن پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا اسلئے ہندستانی تجارت پر ایک قسم بُرا اثر پڑا اور وہ گرنے لگی۔ اس سے ایک عام اقتصادی بےچینی پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی سیاسی رہنماؤں نے موعودہ اور متوقع حقوق کا مطالبہ کیا۔ مسلمان جو پہلے ہی بدظن ہورہے تھے اس صلح کے بعد اور بھی پریشان ہوگئے کیونکہ انکی امیدوں کے خلاف ترکی سلطنت کا تقریباً خاتمہ کردیا گیا تھا۔ اس موقع کو ہندستانی سرمایہ داروں نے برطانوی سرمایہ داروں کو جواب دینے کیلئے غنیمت سمجھا۔ انھیں ایام میں نارتھ ویسٹرن ریلوے کے ملازمین نے زبردست ہڑتال کردی

حکومت اس صورت حال سے خوفزدہ سی ہوگئی کیونکہ اسے اس سارے نقشہ پر نظر دوڑانے کے بعد انقلاب کی بو آنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے حکومت نے ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کے نام سے ایک قانون نافذ کیا۔ جسکے نفاذ کے ساتھ ہی تمام ہندستان میں ایک آگ سی لگ گئی۔

مہاتما گاندھی

اس موقع پر مہاتما گاندھی میدان میں آئے۔ اور انھوں نے آتے ہی ستیہ گرہ کا پروگرام ملک کے سامنے پیش کیا۔ جسے تمام ملک نے لبیک کہا اور ایک عام ہڑتال کا اعلان ہوا۔ ان دنوں پنجاب کا گورنر ایک سخت گیر انسان سر مائیکل اوڈوائر تھا۔ اسکی وجہ سے پنجاب کا معاملہ بگڑ گیا۔ ۶ اپریل کو ہڑتال ہوئی۔ تو ساتھ ہی امرتسر۔ لاہور۔ گجرانوالہ۔ اور لائلپور وغیرہ میں پولیس کے ساتھ عوام کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ ہجوم نے سرکاری عمارات کو آگ لگادی۔ اور امرتسر میں تو بنک بھی نہ بچے اسکے بعد مارشل لا نافذ کردیا گیا۔ اور نظام فوج کے سپرد کردیا گیا۔

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک پبلک جلسہ پر گولی برسائی گئی۔ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ انسان مارے گئے۔ اور تین ہزار کے قریب زخمی ہوئے۔ ہندستان میں یہ آنا نہ پہونچی۔ اور دوسری طرف مسلسل گرفتاریاں ہونے لگیں۔ کچھ قید ہوئے۔ کچھ پھانسی پر لٹکائے گئے۔ جسوقت امرتسر قربانی کے اس امتحان میں مصروف تھا۔ عین اسی وقت ایک زبردست تبدیلی ہوئی۔ افغانستان میں امان اللہ خاں سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ اور چھوٹتے ہی ہندستان پر حملہ کردیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ کی توجہ پنجاب کے بجائے سرحد کی طرف ہوئی۔ اور پنجاب وقتی طور پر تشدد کے پنجے سے رہا ہوا۔ اسوقت سرحد پر صرف تین ہزار فوج تھی۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاکر افغانستان آزاد ہوگیا۔ جسکا اثر ہندستان کی سیاسیات پر بھی ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں کانگرس اور خلافت کمیٹی دونوں کے اجلاس امرتسر پنجاب میں ہوئے۔ یہ دو اجلاس بڑی شان سے ہوئے عین اسوقت حکومت نے اصلاحات کا اعلان کیا مہاتماجی نے ملک کو مشورہ دیا کہ اس کھلونے کو قبول نہ کیا جائے۔ لیکن کانگرس میں دو گروہ ہوگئے۔ جس میں دوسرا گروہ لوکمانیہ تلک کا تھا۔ کافی بحث کے بعد امرتسر کانگرس نے فیصلہ مہاتما گاندھی کے حق میں دیا۔ دوسری طرف خلافت والوں نے بھی حکومت سے عدم تعاون کا اعلان کیا۔ ملک نے امرتسر کانگرس کے موقع پر ایک نئی کروٹ لی۔ پنجاب نے جو ابھی چند ہی ماہ پہلے پِٹ چکا تھا۔ پھر سر نکالا۔ اور ملک نے بالخصوص پنجاب نے کانگرس کے پروگرام کو قبول کیا۔ تحریک روزافزوں ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی نے جنگ کا اعلان کیا تو سارے ملک کے ساتھ پنجاب بھی پوری شان کے ساتھ اس میں شامل ہوا۔ امرتسر جو پیشتر ازیں ڈیڑھ ہزار سر دیچکا تھا۔ کانگرس کی تحریک میں پورے زور سے شامل ہوا۔ کانگرس نے ۶ اپریل سے ۱۳ اپریل تک پورے ہفتہ کا پروگرام پیش کیا۔ جو آجتک جلیانوالہ باغ کے شہیدوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ حقیقت میں پنجاب میں کانگرس کی تحریک بہت دن پہلے سے شروع ہوچکی تھی اور پنجاب کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں کام بھی بہت کیا تھا۔ لیکن عوام تک کانگرس کا پیغام ۱۹۱۹ء کے بعد ہی پہنچا۔ اسکے بعد سے آجتک پنجاب میں کانگرس موجود ہے۔

سول نافرمانی کا التوا

یکایک مہاتما گاندھی نے سول نافرمانی بند کرنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کا ہونا تھا کہ ملک پر ایک موت سی طاری ہوگئی ہر طرف انتشار اور پریشانی نظر آنے لگی موپلا کی کٹ اور مالابار میں تحریک نے تشدد کا رنگ اختیار کرلیا۔ جس کو غرض مند اصحاب نے طول دیکر ہند میں اپنے حسب منشا استعمال کیا۔ اور ہندو مسلم

مظلوم موت

مسلا

"بابوجی! کچھ اور۔ دن بھر کام کیا ہے۔ بابوجی! دو ہی پیسے دیجئے"

بسنتی نے لاکھ لاکھ منتیں کیں مگر میر صاحب اپنے پان میں اس طرح مست تھے گویا کچھ سنا ہی نہیں ـــــ بے چاری آدھ گھنٹے تک کھڑی رہی، میر صاحب کبھی پان کھاتے تھے۔ کبھی کتابوں اور اخباروں سے (جو محض نمائش کیلئے ہوتے تھے) کھیلنے لگتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بولے ـــــ "جا حرامزادی کہیں کی۔ ناک میں دم کر رکھا ہے۔ منوا! اسے نکالو تو"

'بابو لوگ بڑے بے رحم ہوتے ہیں'۔ راموں نے اپنی بہن کی انگلی پکڑتے ہوئے کہا۔

"بابوجی کے نوکر نے کیوں نکالدیا بہن! تم تو بس کھڑی تھیں؟"

راموں نے اپنی بہن سے کوئی جواب نہ پاکر دوبارہ کہا۔

"پیسے مانگ رہی تھی راموں!"

'تو کیا پیسے نہیں دئے؟'

'دئے ـــــ مگر...'

'کیا بون لکڑی بھر کا نہیں ہے'؟

.... چلو راموں!

لائی اور چنے کھائیں'۔

'ہاں بہن! مجھے بھی بھوک لگی ہے'!

'پیٹ بھر گیا نا۔ اچھا اب سو جاؤ راموں! بسنتی نے بھائی کو سب چبینا کھلا دینے کے بعد کہا

'تم نے تو کھایا ہی نہیں۔ بہن!

'میرا پیٹ بھرا'

ـــــ دو پیسے کے چنے میں بھلا بسنتی خود کیا کھاتی۔ چھوٹا بھوکا تھا۔ نہیں رہا گیا۔ آپ بھوکی رہی۔ اس کو کھلا دیا۔

اف۔ کتنی غریب محبت۔ کتنا سچا پریم!!

پانی برس رہا تھا مگر بسنتی میدان میں رکھی ہوئی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر میر صاحب کے دالان میں رکھ رہی تھی۔

قریب قریب تمام عورتیں جو بیگار میں پکڑ کر آئی تھیں، پانی سے بچنے کے لئے کبھی سائبان میں بیٹھ جاتی تھیں اور کبھی کسی نوکر کو دیکھ کر کام کرنے لگتی تھیں، مگر بسنتی اپنے کام میں اس طرح مصروف تھی گویا پانی کی بوندیں آنسوؤں کے وہی قطرے تھے جنھیں وہ ہمیشہ برسایا کرتی تھی ـــــ

'بہن بڑا کھا ہو رہی ہے'!

'ہاں' راموں!

'اب ذرا رک جاؤ بہن'!

'نہیں راموں! مالک بگڑ جائیں گے تو پیسہ بھی نہیں ملے گا'۔

'اور سب تو کام نہیں کرتیں'!

'ان کے ماتا۔ پتا اور پتی سب ہیں'۔

تمہارا بھی تو میں ہوں۔

ہاں، مگر تم بالک ہو نا! ـــــ اچھا تم اس کے نیچے بیٹھ کر کھیلو، میں اپنے حصہ کی لکڑیاں ختم کر دوں۔

کتنے پیسے ملے بہن!

آج تو ایک آنہ دیا ہے۔

بہن تمہارا لہنگا بہت بھیگا ہے۔

ہاں ـــــ سکھاؤں گی

تم چبینا کھا لو راموں! میں ذرا لیٹوں گی۔

اچھا

کھا لیا بہن

ہوں

ابھی تم نے اپنا لہنگا نہیں سکھایا بہن!

سکھاؤں گی

یہ تم دھیرے سے کیوں بولتی ہو بہن!

کچھ نہیں راموں۔ ذرا یہ گٹھری تو اڑھا دے۔

ـــــ موسلا دھار بارش میں ایک گھنٹہ تک لکڑیاں ڈھونے سے بے چاری بسنتی کو بخار آ گیا تھا۔

دوسرا لہنگا ـــــ اف! اس کے پاس نہیں تھا

اس وقت اس کی سرسامی کیفیت تھی۔

مسرور دنیا میری نہیں ہے

پرنور دنیا میری نہیں ہے

مغرور دنیا میری نہیں ہے......

کیا بہن!

راموں! اب تم زمینداروں کا کام نہ کرنا۔ یہ بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ تم سے بھی پانی میں لکڑیاں ڈھوائیں گے۔

تم میرے اکلوتے بھائی ہو نا!

بہن!

بہن!

ـــــ معصوم بھائی، بہن کی خاموشی کا کچھ مطلب نہ سمجھ سکا۔ اور بس رونے لگا ـــــ بے رحم پڑوسن کو رات ہی سے سب کچھ معلوم تھا، مگر تیوروں پر آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔ اس کے دل میں کچھ رحم نہ آیا۔ سویرے پڑوس کی کچھ دوسری عورتیں بسنتی کو دیکھنے آئیں۔ بسنتی اب نہیں تھی ـــــ عورتوں نے بسنتی کے منہ پر گٹھری ڈالدی۔

نہ میری بہن کا منہ نہ بند کرو!

بند رہنے دو راموں!

کیوں ـــــ میری بہن کو کیا ہو گیا ہے ـــــ؟

ٹھاکر چندر سنگھ گڑھوالی

(بقیہ ص ۹)

گمران کا دل اندر سے بچے کی طرح ملائم ہے۔ سختی کے پردے کے پیچھے جو دیکھ پاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے اندر کتنی سیدھائی کتنی محبت اور دوست کے لئے کتنی گہری ہمدردی بھری ہے۔

یہاں بھی وہ رہتے ہیں ساری جیل سے لوگ اپنی شکایتیں اپنا درد غم اور ضرورتیں لیکر ان کے پاس آتے ہیں۔ کوئی دن نہیں جاتا جس دن وہ چار چھ قیدیوں کو کھانے پینے کی چیزیں یا بیڑی تمباکو [illegible] دیتے ہوں ہر ایک کے لئے ان کا دروازہ کھلا ہے۔

خود ہندی کی تو وہ ایک مثال ہیں۔ سن ۱۹۳۰ء کے پہلے وہ انگریزی بالکل نہیں جانتے تھے۔ ہندی میں تاریخ سیاست، اور اقتصادیات وغیرہ انھوں نے پڑھا تھا۔ بیچ میں لکھنؤ جیل میں ان سے ملنے پنڈت جواہرلال نہرو آئے، انھوں نے ان سے انگریزی پڑھنے کو کہا۔ اور میں کچھ کتابیں بھی چھوڑ گئے۔ [illegible] تین مہینہ سے ان سے دور ہوں لیکن جب میں وہاں سے آیا تھا وہ آٹھویں درجہ تک کی انگریزی پڑھ چکے تھے اور اپنے ہی ان کے سیاسی انگریزی اخباروں کو پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

میں پڑھانے میں چاہے غفلت یا سستی کروں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔ مجال ہے کوئی دن خالی نکل جائے۔ سارے دن وہ میدان میں اپنی آرام کرسی اور سٹول بچھائے آنکھوں پر کالے فریم کی عینک لگائے پڑھتے رہتے ہیں۔ ہم سو کر بھی نہیں اٹھتے تھے کہ وہ کسرت وغیرہ کرکے گھوم گھام کر اپنی کرسی پر پہنچ جاتے تھے۔ ہفتہ میں ساتوں دن یہی حال رہتا تھا اور مہینہ میں ہر ہفتہ۔ ناممکن ہے کوئی ناغہ ہو جائے۔

صبح کے وقت جب دوسرے ساتھی گھوم رہے ہوں یا کسی دوسری طرح وقت برباد کر رہے ہوں دوپہر میں جب وہ سو رہے ہوں یا تیسرے پہر کو جب وہ تاش کھیل رہے ہوں ـــ ہمیشہ ہر دن۔ بڑے بھائی اپنی کرسی پر بیٹھے پڑھتے ملیں گے۔ جب تھک جائیں گے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے دس پندرہ منٹ کے لئے آنکھیں بند کرلیں گے۔ انگریزی معنوں کی کاپی لیکر گھوم گھوم کر رٹتے ہوئے معنی یاد کریں گے۔ ہاں وہ چھانٹ چھانٹ کر اپنی پسند کے معنی یاد کرتے تھے۔ جو انھیں بھلے لگتے جنھیں استعمال کرنے کو ان کی طبیعت چاہتی۔ انھی کو وہ یاد کرتے تھے۔ عمر پچاس برس کی ہو گئی ہے ـــ جلدی یاد نہیں ہوتا۔ اسی لئے چھانٹ چھانٹ کر یاد کرتے تھے۔ میں جب سبق سنوں تو کہوں:۔ "یہ معنی اچھے نہیں تھے... یہ بعد میں جب ہمیں سمجھا دیا تو سب یاد کرنے لگے۔

انھیں باغبانی کا بہت شوق ہے [illegible] کہاں کہاں سے بیج اور قلم منگا کر انھوں نے لکھنؤ جیل میں ایک اچھا باغ بنایا ہے۔ ایک پارک بھی جس کو ہم باہر سے آنے والوں سے سیاسی قیدیوں کا باغ کہا کرتے تھے۔

انھوں نے ایک چیز اور بنائی تھی جو شادی کی ہے لیکن اس کی کہانی پھر کبھی بعد میں بتائی جائے گی۔ اس کی یاد سے دل میں درد ہوتا ہے۔

الموڑہ جیل میں پنڈت جواہرلال نے آنند بھون سے منگا کر [illegible] لگایا تھا۔ الموڑہ سے چلتے وقت ہم اس کے بیج لیتے آئے تھے۔ پچھلی بار جب میں ان کے پاس گیا تو وہ اس کے بڑے سندر پودے دکھلا رہے تھے۔

پڑھتے پڑھتے وہ سارے باغ کی دیکھ بھال بھی کرتے جاتے ہیں۔ قیدی خوشی خوشی دن بھر ان کا کام کرتے ہیں۔ مجال نہیں جو کبھی کہیں سستی ہو جائے۔

لیکن ان سب سے بڑھکر ان سب سے زیادہ ہے ان کا انقلابی جذبہ۔ ان کے اندر انقلاب کی لہریں کبھی کبھی نہیں، اٹھا کرتی ہیں وہ ہر وقت کے لئے ٹھیک معنوں میں انقلابی ہیں۔ بالکل جنتا کے آدمی۔ میں ان کے ساتھ جیل میں سال بھر سے زیادہ رہا ہوں۔ اور میں ان کے دل کے بھی نزدیک تھا۔ میں نے ان کے انقلابی جذبہ اور انسانیت پر ذرا دیر کے لئے بھی راکھ کا پردہ پڑتے نہیں دیکھا [illegible] 'ریل میں بس میں گھومتے وقت بال کٹاتے وقت' ہمیشہ وہ آس پاس کے لوگوں سے۔ قیدیوں سے ساتھ جانے والے سپاہیوں سے۔ نائی سے۔ انقلاب ہی کی بات کرنے لگتے۔ اپنا تعارف کراتے اور دوستی بڑھاتے انھیں دیر نہیں لگتی۔ پھر دوسرے لمحہ وہ انھیں ملک کے حالات وغیرہ بتانے لگتے ہیں۔ اور تیسرے لمحہ وہ شخص ان کا مرید بن جاتا ہے۔

سفر بھی میں نے ان کے ساتھ کئی بار کیا ہے۔ راہ میں جب میں کتاب یا اخبار لے کر پڑھنے بیٹھ جاؤں وہ منٹوں ہی میں ڈبہ بھر کا پتہ لگالیں اور ان کا لیکچر شروع ہو جاتا۔ ہر سفر میں پولیس والے ان کے [illegible] غلام کی طرح ہو جاتے۔

ان کا جذبہ اور حوصلہ بھوت کی طرح دوسروں کو لگتے ہیں۔ ان سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ وہ کوئی بھی کیسا ہی آدمی کیوں نہ ہو میں تو ان کے سامنے شرم اور عزت سے سر نیچا کر لیتا تھا۔ ان کی شخصیت بڑی ہے اور جو بھی اس کے قریب آتا ہے۔ [illegible] اور اوچھی چیزوں کی دنیا سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔

اسی لئے سامراج شاہی انھیں نہیں چھوڑتی ان کا زور اور آج بھی بدستور ہے چھوٹ کر انقلاب کی آگ کے گولے کی طرح وہ پورے گڑھوال میں آگ لگا دیں گے۔ گڑھوال میں ایک کہانی انقلاب کا ایک لوک گیت بن گئے ہیں۔ گھر گھر ان کی پوجا ہوتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ دیش کے سامنے انھی نے گڑھوال کا سر اونچا کیا ہے۔ جب ہم الموڑہ جا رہے تھے، ہمارے جانے کی خبر ہم سے پہلے تیزی سے پہنچ رہی تھی کوئی جگہ راستہ میں نہیں ملی جہاں پھول پتی کے ساتھ بھاری بھاری مجمعے ان کے استقبال کے لئے موجود نہ تھے۔

ان کی رہائی کے بارے میں پچھلے دنوں ان کے پاس مہاتما جی کا خط آیا تھا۔

"بھائی چندر سنگھ کوشش کر رہا ہوں۔ سب طاقت کا سوال ہے"

ہاں سب طاقت کا سوال ہے اور ایک بار دیش پوری طاقت لگا کر دیکھے تو کہ اس میں کتنی قوت ہے؟

نوٹس نسبت دکھانے وجہ کے (نمونہ عام)

بعدالت جناب منصف صاحب [illegible] بمقام سلطانپور

مقدمہ نمبر [illegible] ۱۹۳۹ء اجرائی نمبری

راؤ بھاسکر پرتاب شاہی تعلقدار

بنام:۔ مسماۃ مہراجی کنور

بنام مسماۃ مہراجی کنور [illegible] رام مدن سنگھ فاطر العقل بیوہ مہیشر سنگھ ساکن [illegible] پرگنہ [illegible] تحصیل ضلع سلطانپور

ہرگاہ مسمی راؤ بھاسکر پرتاب ساہی نے درخواست اس عدالت میں گذرانی ہے کہ میں راؤ راگھو پرتاب ساہی تعلقدار متوفی کا قائم مقام [illegible] اور ڈگری کی اجرائی کی جائے۔

لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بتاریخ [illegible] ۱۹۳۹ء اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو درخواست مذکورہ تمہاری غیرحاضری میں سماعت کی جاوے گی۔ بتاریخ ۹ ماہ [illegible] ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم انگریزی | مہر عدالت

چمبرلین — "پہلے تم کودو — کامریڈ اسٹالن!"

ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھیتی۔ دہلی

"ڈاکٹر کھیتی کی صحت شروع میں بہت خراب تھی لیکن ان اصولوں (بایو تھیریپی) پر چلکر انہوں نے اب اتنی طاقت پیدا کرلی ہے کہ چلتا موٹر روک لیتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

موجودہ رہائش — کھانا پینا سب قانون قدرت کے خلاف ہے — اگر اسکو ہم ڈاکٹر کھیتی کے اصولوں پر درست کرلیں تو بہت ممکن ہے کہ آدھی سے زیادہ بیماریاں غائب ہو جائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سرٹیفکٹوں اور تصویروں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مایوس مریضوں کو ایک بار تجربہ ضرور کر لینا چاہئے —

"ہندستان"

۲۱ مئی سنہ ۱۹۳۹ء

Title cover Printed at the Standard Printing Works, Chaulakhi Building, Qaisarbagh, Lucknow.

جلد ۳ — نمبر ۲۴ | کانگرس کا ھفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۱۸ جون ۱۹۳۹ ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپے

مہترانیوں کی ھڑتال

امرتسر کی مہترانیاں جھاڑو لے نئے قسم کی کوڑا گاڑیوں کے خلاف احتجاجی ھڑتال کر رکھی ھے

یو-پی کانگرس کے اعلان اور گشتی چٹھیاں

اب صرف ''ھندستان'' میں چھپا کرینگے

بمبئی کی عورتیں

بمبئی کے ایک جلسہ میں صدر کانگرس بابو راجندر پرشاد کو سننے کے لئے ہزاروں عورتوں نے جلسہ میں شرکت کی

ہندستان کی صنعت بندی

امید ہے کہ صنعتی خاکہ بندی کمیٹی کی رپورٹ ۳۱ اکتوبر تک تیار ہو جائے۔ اس کمیٹی کی بنیاد یوں پڑی تھی کہ صنعتی وزیروں کا پارسال اکتوبر میں ایک جلسہ ہوا تھا۔ وہاں یہ تجویز پاس ہوئی کہ ہندستان کی صنعت بندی کا خاکہ بنانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے۔ کمیٹی تیار ہوئی اور اس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو ہوئے۔ اس کمیٹی میں بڑے بڑے ماہر اقتصادیات، مہاجن، سائنسداں اور کیمیاداں موجود ہیں۔ غیر کانگریسی حکومتوں اور بعض بڑی بڑی ریاستوں نے بھی اس کی سنگت کی۔ اس نے دسمبر میں اپنی نشست میں صنعتی ترقی کے بارے میں ملک کی رائے دریافت کرنے کو ایک سوالنامہ تیار کیا جو حکومتوں، تجارتی سبھاؤں، مزدور سبھاؤں اور مختلف ماہرین اقتصادیات کو بھیجی گیا۔ اب ان کے جوابات کو دیکھ کر ایک رپورٹ بنائی جائے گی جس میں سارے ہندستان کی صنعت بندی کا ایک سرسری خاکہ پیش کر دیا جائے گا جس میں ضرورت کے لحاظ سے تفصیلی رنگ بھرا جائے گا۔ یہ رپورٹ کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش ہوگی۔ کانگرس نے مان لی تو ———— پھر ایک آل انڈیا خاکہ بندی کمیشن بنایا جائے گا جو صوبائی حکومتوں اور ریاستوں کی مدد سے اس خاکہ پر عمل کرانے کی کوشش کرے گا۔

اس خاکے کے تیار کرنے میں جو بنیادی اصول سامنے رہے گا۔ وہ کرانچی کی بنیادی قرارداد ہے جو بتاتی ہے کہ تمام بنیادی صنعتیں، کانیں، بجلی گھر، ریلیں، جہاز، مشینیں ڈھالنے والے کارخانے، حکومت کی ملکیت رہیں گی۔ بنیادی صنعتوں میں تمام بڑے بڑے کارخانے بھی شامل کئے جا سکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس خاکہ پر ہم اس وقت تک نہیں چل سکتے جب تک ہم کو ملکی انتظام میں پورے اختیارات نہ حاصل ہوں، اور جب تک ہم دوسرے ملکوں سے اپنی ضروریات کے مطابق آزادی سے تجارتی معاہدے نہ کر سکتے ہوں۔ اور یہ دونوں باتیں اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتیں جب تک مکمل آزادی نہ مل جائے۔ گویا کہ صنعتی خاکہ پر چلنا ہندستان کی آزادی پر اٹکا ہوا ہے۔ اس لئے بظاہر اس وقت اس کا تیار کرنا فضول معلوم ہوتا ہے۔

ہندستان کی صنعتیں بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ جنکو صوبائی حکومتوں سے مدد مل رہی ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہمارے سامنے صنعت بندی کا ایک خاکہ ہو جس میں یہ بات صاف ہو کہ پہلے کن صنعتوں کو بڑھانا چاہیئے۔ اور بعد کو کن صنعتوں کو۔ کون کون صنعتیں کن کن جگہوں کے لئے موزوں ہیں۔ تاکہ ابھی سے جتنا ممکن ہو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جو صنعت بھی پروان چڑھے اسی کے مطابق پروان چڑھے۔ یہ نہ ہو کہ آگے چلکر وہ دوسری صنعتوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالے یا اس کا بھی خیال رکھنا ہے کہ صنعتوں کو قومی ضرورتوں کو دیکھکر پروان چڑھایا جائے نہ کہ نفعوں کو دیکھکر۔ مثلاً اس وقت ہندستان کی غریبی کا تقاضا یہ ہے کہ دیہی صنعتوں کو پروان چڑھایا جائے۔ جب ان کو پروان چڑھاتا ہے تو اس کا خیال رکھنا پڑے گا کہ مشینی صنعتیں آکر ان کی راہ میں کاوٹ نہ ڈالیں۔

ممکن ہے ڈھونڈھنے پر اب بھی کچھ لوگ ایسے مل جائیں جنکا خیال یہ ہو کہ ہندستان کی اور دنیا کی نجات اسی میں ہے کہ وہ مشینوں، ملوں اور کارخانوں سے نجات حاصل کرنے۔ رہنے سہنے کا وہی پرانا ڈھنگ ہو کہ گاؤں میں جو کچھ پیدا ہو اسی پر گذر بسر کرو۔ اور انہیں لوگوں میں رہو سہو۔ اگر کہیں جانا ہو تو بیل گاڑی پر یا گھوڑے پر سفر کرو۔ بیماری اور وبا میں وہی دوائیاں موجود تھیں لوگ بچتے تھے۔

یہ خیال بہت دور سے دیکھنے والا ہے۔ قریب آتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ خیال ہی خیال ہے۔ اس کا ہونا ناممکن ہے صنعت نے جو آسانیاں ہم کو مہیا کردی ہیں ان کو ہم چھوڑنے کو کسی طرح نہیں تیار ہو سکتے۔ پہلے کی بات دوسری تھی۔ تب ہم ان آسانیوں کو جانتے ہی نہ تھے۔ اب ریل پر بیٹھکر، موجودہ دوا علاج کے فائدوں سے واقف ہو کر ان کو چھوڑنا ناممکن ہے۔

صنعت سے گھبرانے کی یہ وجہ ہے کہ لوگوں کو سرسری طور پر ایسا نظر آتا ہے کہ ساری غریبی اور بیکاری لائی ہوئی مشینوں کی ہے۔ اگر مشینیں چلی جائیں تو تباہیاں بھی چلی جائیں گی۔

ان کا خیال ہے کہ جب مشینیں نہ تھیں تو یہ تباہیاں بھی نہ تھیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس زمانے میں اگر اڑیسہ میں قحط پڑتا تھا تو بار برداری کی دشواریوں کی وجہ سے وہاں والوں کی مدد کی کوئی صورت نہ نکلتی تھی۔ لاکھوں کروڑوں انسان قحط سے مر جایا کرتے تھے۔ اسی طرح دریاؤں کو روکنے، سیلاب کو بند کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ مشینوں نے ہم کو یہ تمام آسانیاں دیدی ہیں۔

بیکاری اور غریبی مشینوں کی لائی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس سماجی نظام کی لائی ہوئی ہے جو اس وقت مشینوں سے کام لے رہی ہے۔ اگر مشینیں سماج کی ملکیت بنا دی جائیں۔ اور ان کی پیداوار کی تقسیم کی ایسی صورت نکال لی جائے کہ سب کو اس میں حصّہ مل سکے تو یہ تمام خرابیاں دور ہو جائیں۔

کان کنی کی مشینیں، ریلیں، کارخانے وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے لکھوکھا دکھوں کو دور کر تی ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ان سے اچھے ڈھنگ پر کام لیا جائے۔

[illegible]

امریکہ کی صنعت و دوست کی ساری دنیا پر ڈھاک بیٹھی ہے۔ لیکن اس پر بھی وہاں کی ایک تہائی آبادی کو پیٹ کی روٹی نہیں جڑتی اور دوسری طرف ہزاروں لاکھوں من غلہ پھینکا جاتا ہے اس بے تکے پن کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کی صنعتیں کسی بنائے خاکہ پر کام نہیں کرتی ہیں۔

مان لیجئے ایک زمانے میں امریکہ میں ٹوپی کی کھپت بڑھ گئی۔ یہ دیکھتے ہی کہ ایک کارخانہ ہم نے کھولا، ایک آپ نے کھولا، ایک انھوں نے کھولا۔ اسی طرح چند دنوں میں کارخانے کھل گئے، اور دھڑا دھڑ عمدہ سے عمدہ ٹوپیاں تیار ہونے لگیں۔ ان میں عمدہ سے عمدہ ڈیزائن نکالے گئے۔ لوگوں نے خریدنا شروع کیں۔ مگر بہت جلد فروخت کم ہو گئی۔ اب کارخانوں میں مقابلہ چلا۔ اشتہارات۔ دلال کاٹ پیچ شروع ہوئے۔ مگر ٹوپیوں کے بننے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ ٹوپیاں ہیں کہ بنتی چلی جاتی ہیں۔ آخر بازار میں ٹوپیوں کی بکری بند ہو گئی۔ اب ایک ایک کر کے ٹوپیوں کے کارخانے بند ہونے لگے۔ مزدور بیکار۔ ٹوپیاں بیکار۔ کارخانے بیکار۔ یہی حال تمام صنعتوں کا ہے۔

اگر اس بات کا اندازہ کر کے ٹوپیاں بنائی جائیں کہ سالانہ کتنی ٹوپیوں کی مانگ ہے تو کچے مال اور محنت کی یہ بربادیاں نہ ہوں۔

صنعت بندی کا خاکہ بنانے میں بہت سی باتوں کا خیال کرنا پڑتا ہے۔ فلاں چیز کی کتنی مانگ ہے؟ اس کے لئے کتنے کچے مال کی ضرورت ہے؟ کچے مال کی فراہمی میں کیسے آسانیاں پیدا کی جا سکتی ہیں؟ ایک صنعت کا دوسری صنعت سے کیا تعلق ہے؟ کس صنعت کے کارخانے کہاں کھولے جائیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح ایک کارخانے یا کاروبار کا انتظام یا گھر کا دھندا اسی وقت اچھا چل سکتا ہے جب پہلے سے اس کا خاکہ تیار ہو اور پھر اسی پر کام کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر خاکہ میں کوئی غلطی نظر آئے تو اس سے تجربہ حاصل کر کے خاکہ میں ترمیم کر لی جائے۔ یہ خاکہ نہ بننے کا نتیجہ ہے کہ ہندستان میں نہ معلوم کتنا کچا مال فضول برباد ہو جاتا ہے۔ ربڑ کے جنگل کے جنگل پڑے ہیں جو کام میں نہیں لائے جاتے۔ بھوپال میں لاکھوں من شیرہ جس سے شکر بنائی جا سکتی ہے یوں ہی برباد ہو جاتا ہے۔

ہندستان میں مشینوں کی مدد لیکر زراعت کو بے حد ترقی دی جا سکتی ہے۔ اگر کئی کئی میل کے کھیتوں کو مشینوں کی مدد سے جوتا بویا جائے اور پھر پودوں کو سائنسی اصولوں پر پرورش کیا جائے تو پیداوار کئی گنی ہو سکتی ہے۔

اگر تحقیق کی جائے تو ہندستان میں ہر قسم کی کانیں بکثرت نکل سکتی ہیں۔ ہمالیہ کے دامنوں میں تیل کے چشموں اور کوئلہ کی کانوں کی گنجائش ہے۔ دکن اور کشمیر کی پہاڑیوں میں دھاتیں مل سکتی ہیں۔ دھاتوں کے نکالنے اور مشین کے چلانے کے لئے بجلی کی طاقت تیار کی جا سکتی ہے۔ ہمالیہ سے گرنے والے ہر دریا سے اگر پوری طرح [illegible] بجلی پیدا کی جائے تو اتنی بجلی پیدا ہو کہ ہندستان کے خرچ کے خرچ [illegible] بجلی کی وجہ سے ہم گاؤں گاؤں بجلی کی روشنی پختہ سڑکیں نل کا پانی، اور آبپاشی کی نہریں پہونچا سکتے ہیں۔ بجلی کی ریلوں کا ایسا گہرا جال بچھا سکتے ہیں کہ بار برداری کی سب زحمتیں بالکل دور ہو جائیں۔

ملازمتوں کا فرقہ وارانہ تناسب

حکومت بنگال آجکل اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں ہر فرقہ کو کتنا حق دیا جائے۔

اصل میں ملازمتوں کا مسئلہ ایک بہت بڑے مسئلہ کی شاخ ہے۔ وہ یہ کہ ہندستان کے ہر صوبہ میں ہندو، مسلمان اچھوت اور پست قومیں مختلف تناسب سے آباد ہیں۔ اور ہر جگہ ان کی الگ سماجی اور سیاسی ترقیاں الگ الگ ہیں۔ اچھوت اور پست قومیں تو ہر جگہ ہر قسم کی ترقی میں پچھڑی ہوئی ہیں۔ مگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ ہے کہ کسی جگہ مسلمان زیادہ ترقی پر ہیں کسی جگہ ہندو۔ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اگر پست قوموں کو اوپر اٹھانے کی پوری کوشش نہیں کی جاتی ہے تو وہ اور نیچے گرتی چلی جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر قوم اور ہر فرقہ کو ترقی کرنے کے پورے موقعے دیں۔

اس وقت صوبائی حکومتیں ملک کو طرح طرح کی اصلاحوں سے فائدے پہونچا رہی ہیں۔ لیکن موجودہ حالت میں یہ ڈر ہے کہ اس سے ترقی والی قومیں پورا فائدہ اٹھا کر اور ترقی کر جائیں گی۔ مگر پست قومیں فائدہ نہ اٹھا پائیں گی، اس لئے وہ ویسی کی ویسی ہی رہیں گی، بلکہ مقابلہ میں جب اپنے کو یوں دبا ہوا دیکھیں گی تو ذہنی پستی میں اور گہری گر جائیں گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے، اور یہ کوشش کی جائے کہ وہ جلد سے جلد اپنے ساتھ کی قوموں اور فرقوں کے ساتھ چل سکیں۔

اس لئے مناسب ہے کہ کانگرس تمام صوبائی حکومتوں اور بڑی بڑی ریاستوں کے نمائندوں کو بلا کر اس مسئلہ پر غور کرے اور ایک ایسا سرسری خاکہ تیار کرے، جس میں تمام صنعتی سماجی اور اقتصادی ترقیوں کو اس تناسب سے فرقوں اور قوموں میں بانٹا گیا ہو کہ وہ سب ایسی ترقی کر سکیں، کہ بیس پچیس برس میں سب قوموں میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے۔

اگر غیر کانگرسی وزارتیں اور ریاستیں کانگرس کی سنگت کیلئے نہ تیار ہوں تو کانگرس خود ہی ایک کمیٹی بنا کر ہندستان کے لئے ایک خاکہ تیار کر دے۔ ایسی چیز کی ہر حکومت کے لئے اتنی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ مخالفت کرنے پر بھی اس راستہ پر چلے گی۔

ملازمتوں کے مسئلہ میں کانگرس کو خاص طور پر طے کرنا ہے کہ کس صوبہ میں کس فرقہ کو کس تناسب سے جگہ دی جائے گی۔ اور اگر اس صوبہ کی حکومت ابھی کانگرس کے پاس نہیں ہے تو جب آ جائے گی تو وہاں کیا تناسب رہے گا۔ اگر کانگرس نے جلد ہی اس بات کو طے نہیں کر لیا تو بہت سے جھگڑے اٹھنے کا ڈر ہے۔

کشمیری مسلم کانفرنس کا نام نیشنل کانفرنس

بڑی خوشی کی بات ہے کہ مسلم کانفرنس کشمیر کے دو سو نمائندوں میں سے ۱۹۷ اس بات پر راضی ہو گئے کہ کانفرنس کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس کر دیا جائے اور یوں اس کی ممبری کے دروازے کشمیر کے ہر فرقہ پر کھول دیے جائیں۔

فرقہ پرست لیڈروں اور بعض سیدھے سادھے مسلمانوں کا خیال ہے کہ اس کانفرنس کا نام بدل جانا مسلمانوں کے حق میں برا ہوا، کیونکہ اب انکی شان امتیازی جاتی رہیگی۔

کشمیر کے ہندو ہوں یا مسلمان سیاسی میدان میں دونوں ایک ہیں دونوں یکساں طور پر سامراج کی لائی مصیبتیں جھیل رہے ہیں، دونوں کو ایک ہی طرح ایک ہی قسم کے ہتھیاروں سے سامراج کا مقابلہ کرنا ہے اور دونوں کا مقصد ذمہ دار حکومت ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان اور ہندو کے الگ الگ کام کرنے کا کیا مطلب؟

کشمیر میں مسلمانوں کی اتنی اکثریت ہے کہ یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ذمہ دار حکومت ملنے کے بعد وہ کسی طرح گھاٹے میں رہیں گے۔ یا ان پر یا ان کے کلچر پر کسی دوسرے فرقہ یا اس کے کلچر کا دباؤ پڑے گا۔ بلکہ وہاں جو کچھ ڈر ہو سکتا ہے ہندوؤں کو ہو سکتا ہے۔ مگر شاباش ہے کشمیری ہندوؤں کو کہ انہوں نے مسلمانوں کی اکثریت پر پورا بھروسہ کیا۔

مسلم لیگ کہتی ہے کہ کانگرس نے اقلیتوں کو بنیادی حقوق کے نام سے جو چیز دی ہے وہ بالکل دکھلاوا ہے، اور اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اب کشمیر میں نیشنل کانفرنس وہی دکھلاوا ہندوؤں کو دے رہی ہے۔ لیکن ہندوؤں کو تو شکایت ہوتی نہیں، مسلم لیگ کو شکایت ہو رہی ہے، کشمیر میں ریاستی مسلم لیگ قائم کی گئی ہے، اور فتوؤں کی مدد سے شیخ عبداللہ سے لڑائی کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ شیخ عبداللہ غداری کر کے کانگرس جیسی جماعت سے مل گئے ہیں۔ ہندوؤں سے میل کرنا چاہتے ہیں اور یوں مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

امرتسر کے بھنگیوں کی اسٹرائک

ابھی لاہور کے بھنگیوں کی اسٹرائک ختم ہوئی تھی کہ امرتسر کے بھنگیوں نے اسٹرائک کر دی۔ اس اسٹرائک میں مرد و عورت ملا کر تین ہزار کی تعداد ہے۔ میونسپلٹی کے رجعت پسند صدر سکریٹری نے ابھی تک ان کے مطالبات نہیں منظور کئے ہیں۔ حالانکہ شہر کی حالت بہت ابتر ہے، اور اگر دو ایک دن اور یہی حالت رہی تو بیماری پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔

ان دونوں اسٹرائکوں میں خاص بات یہ ہے کہ پبلک نے بھنگیوں کا پورا ساتھ دیا۔ شہر کے [illegible] افسروں کے پاس گئے، اور ان کو بتایا کہ بھنگیوں کے مطالبات کیسے جائز ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب عام پبلک کی ذہنیت کتنی بدل گئی ہے۔ پہلے وہ بیچاروں کی زبردستی نافرمانی، اور انکار کرنے پر بگڑ جاتی تھی، لیکن آج وہ ان کا ساتھ دے رہی ہے۔

ہندستان بہت تیزی سے منظم ہو رہا ہے اور انقلاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔

کانگرس کی دستوری اصلاحیں

کانگرس کی دستوری اصلاح کا مقصد یہ تھا کہ اس میں غرض مندوں اور رجعت پسندوں کے لئے جگہ نہ رہ جائے۔ تاکہ کانگرس ایک مضبوط اور زوردار سیاسی انقلابی جماعت بن جائے۔ اس غرض سے اصلاحی کمیٹی نے ایسی تجویزیں پاس کی ہیں جن کی رو سے اب [illegible] ممبروں کی جگہ مستقل ممبر ہوا کریں گے۔ اور کوئی ممبر تین سال سے پہلے کسی عہدہ کے لئے الکشن میں کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ ان پابندیوں سے ہم کو بڑی حد تک برے عنصر سے نجات مل جائے گی۔

لیکن اصلاحی کمیٹی نے جہاں یہ کار آمد تجویزیں پاس کی ہیں وہاں دو ایک غلط تجویزیں بھی پاس کی ہیں۔ کانگرس کا ایک قانون یہ تھا کہ جو شخص کسی فرقہ وارانہ جماعت کا ممبر ہے وہ کانگرس کے کسی عہدے کے لئے نہیں کھڑا ہو سکتا ہے۔ اب اس میں ایک ٹکڑا اور بڑھا دیا گیا کہ جو شخص کسی فرقہ وارانہ یا کسی "اور جماعت" کا ممبر ہے وہ کانگرس کے کسی عہدے کا امیدوار ہو کر الکشن نہیں لڑ سکتا۔ جواہر لال اور نریندر دیو نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح ورکنگ کمیٹی کو بڑی طاقت حاصل ہو جائے گی، وہ جس جماعت کو چاہے، اور جب چاہے "اور کسی" کے تحت میں لا سکتی ہے۔ اور ڈر یہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اس سے بے جا فائدہ اٹھا کر تمام کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں کو خلاف قانون قرار دے دیں گے۔

"اور کسی" کا لفظ بہت عام ہے۔ اور اس میں اتنی گنجائش ہے کہ اس سے کام لے کر کانگرس کو زمینداروں اور سرمایہ داروں کا اڈہ بھی بنایا جا سکتا ہے، اور کسانوں اور مزدوروں کا ترجمان بھی بنایا جا سکتا ہے۔ گویا اس لفظ کو داخل کرنے کے بعد کانگرس کی کوئی مضبوط اور انقلابی شکل نہیں باقی رہے گی۔ اور یہی اس لفظ کی خاص خرابی ہے۔

رہا یہ ڈر کہ تمام کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں کو اس لفظ کے گھیرے میں لا کر خلاف قانون قرار دے دیا جائے۔ یہ بات دو سال پہلے ممکن تھی، مگر اب ناممکن ہے۔ اب کانگرس کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں سے، اور مزدور سبھائیں کسان سبھائیں کانگرس سے اتنی گھل مل گئی ہیں کہ اگر کسی وقت کانگرس رجعت پسندوں کے ہاتھ میں آ کر ان کو نکالنا بھی چاہے تو نہیں نکال سکتی ہے۔ دونوں اپنی ساکھ کے لئے ایک دوسرے کی محتاج ہیں۔

لیگی نوجوانوں کی بےچینی

پنجاب میں مسلم لیگ کا ایک ترقی پسند گروہ سر سکندر کی رجعت پسند پالیسی سے گھبرا گیا ہے، اور وہ لیگ کو باعمل جماعت بنانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اس سے دو مہینے پہلے پیلی بھیت کی مسلم لیگ کی کانفرنس کا خطبۂ صدارت اور استقبالیہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ اس میں بھی اس بے چینی کا اظہار تھا کہ اب "ہم کو کچھ کرنا چاہئے"۔

اگر آج کل کے لیگی روزناموں کو دیکھئے تو آئے دن ایسے مراسلے چھپا کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اب لیگی نوجوان چاہتے ہیں کہ کانگرس کو کوسنے اور "اسلام خطرے میں ہے" کے نعروں سے کچھ آگے بڑھا جائے۔ کچھ کام کیا جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟ جب تک سامنے کوئی کام نہ ہو، اور اس کام کرنے کا ڈھنگ نہ ہو کام کرنا ناممکن ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ مسلم لیگ کیا کرنا چاہتی ہے؟

مکمل آزادی۔ سرمایہ داری کا خاتمہ۔ مسلمانوں کی ترقی۔ کیا یہ الفاظ کسی کام کی راہ بتاتے ہیں؟ اگر راہ بتاتے ہوتے تو لیگی نوجوان کب کے ادھر بڑھ چلے ہوتے۔ پروگرام اگر نکلتا ہے تو ان الفاظ کو یوں رکھئے، سامراج پر حملہ کیسے کیا جائے؟ سرمایہ داری پر کس طرح حملہ کیا جائے؟ اور غریب مسلمانوں کی مدد کیسے کی جائے؟

اب بتائیے یہ مسئلے کیسے حل ہو سکتے ہیں؟

تب اور اب

اسلامی ملکوں کی سیاست ہندستان کی سیاست سے ہمیشہ [illegible] رہی ہے۔ کیونکہ یہاں کے مسلمانوں کو تمام دنیا کے اسلامی ملکوں سے بہت گہرا لگاؤ ہے۔ جب کبھی کوئی

اگلے ہفتہ :— [illegible]

مصیبت آتی ہے بلبلا جاتے ہیں، اور اس کے دور کرنے کی تمام امکانی کوششیں کرنے لگتے ہیں۔ مگر کچھ دنوں سے اسلامی ملکوں نے کافی ترقی کر لی ہے، اور بین الاقوامی سیاست پر انکا اثر پڑنے لگا ہے۔ اور جب سے جرمنی نے بلقانی ریاستوں اور اٹلی نے اسلامی افریقی ملکوں کی طرف بڑھنا شروع کیا ہے ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی یقین ہے کہ آنے والی لڑائی میں انکی دوستی اور دشمنی کا گہرا اثر پڑے گا۔ ایسی صورت میں ان ملکوں کی سیاست سمجھنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔

ہمارے اردو اخباروں کو اسلامی ملکوں کی خبریں دینے کا بہت شوق ہے۔ لیکن وہ خبریں اس طرح چھاپتے ہیں کہ ان سے کوئی بات پورے طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔ اردو کے ... میں اسلامی ملکوں کی سیاست اور اقتصادیات کو صاف نہیں کرنے اس وجہ سے ان خبروں کی اہمیت سمجھ میں نہیں آتی۔

"تب اور اب" کے مضمونوں کا سلسلہ ہم نے اسی غرض سے شروع کیا ہے کہ اسلامی ملکوں کی سیاسی اور اقتصادی حالت کا ہلکا سا خاکہ دیدیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی "ترکی ـــــ تب اور اب" گذشتہ سے پیوستہ پرچے میں چھپ چکا ہے اور "اب ایران ـ تب اور اب" جا رہا ہے۔ ایران کے بعد ہم افغانستان، عراق، سیریا، اور دوسرے اسلامی ملکوں پر لکھیں گے۔ یہ ضرور ہے کہ ہم کو ان کے لئے بین الاقوامی سیاست اور ہندستان کی سیاست کے مضمونوں کو گھٹا کر جگہ نکالنا پڑے گی۔

ان مضمونوں کی تیاری میں ہم کو اپنے پڑھنے والوں کی رائے کی ضرورت ہے۔ آپ تبلائیے کیا یہ سلسلہ آپ پسند کرتے ہیں؟ کیا مضامین زیادہ مفصل ہونا چاہئیں؟ ہر نمبر میں ایسا مضمون ہو یا ایک نمبر چھوڑ کر ہو؟

قرآن مجید کا ہندی ترجمہ

جو خواجہ حسن نظامی صاحب نے چھ سال کی محنت اور بنارسی پنڈتوں کی مدد سے تیار کیا ہے اور جس کی نسبت مہاتما گاندھی جی کی رائے ہے کہ اس سے بہتر ہندی ترجمہ قرآن مجید انھوں نے نہیں دیکھا۔ اس ترجمہ میں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہندستان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو فوٹو بلاک کے ذریعہ چھاپا گیا ہے۔ صفحہ میں ایک طرف عربی عبارت ہے۔ اس کے برابر اس کا ترجمہ ہے اور نیچے اس ترجمہ کی تشریح ہے۔

قرآن مجید اور مسلمانوں کی نسبت جس قدر غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ سب اس ترجمہ کو دیکھکر دور ہو جاتی ہیں۔

یہ ترجمہ دو جلدوں میں ہے جن میں سے ہر ایک جلد کا ہدیہ (قیمت) پانچ روپیہ ہے۔ مجلد اور مکمل قرآن مجید دس روپیہ ہدیہ پر

چمن اردو بک ڈپو نمبر (۱) اردو بازار دہلی

سے مل سکتا ہے۔ اپنا پتہ صاف لکھئے اور قریب کے ریلوے اسٹیشن کا نام لکھئے۔

چھ آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر ایک پارہ بطور نمونہ آپ کو بھیجا جا سکتا ہے

چلتے چلاتے

تماشائی ←

کسی اخبار نے لکھا تھا کہ جرمنی میں ایک شخص ایک ہی وقت میں چار لڑکیوں پر عاشق ہو گیا۔ اس خبر پر ہمارے ایک معاصر نے رائے ظاہر کی کہ وہاں کیوپڈ بجائے تیر کمان کے مشین گن چلاتے ہونگے۔ ہم کو اس رائے سے پورا اتفاق ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے ہم کو معلوم ہے کہ وہ جرمنی ایسی ہے کہ اگر کیوپڈ وہاں قدم بھی رکھے تو فوراً بغاوت پھیلانے کے جرم میں سزا پا جائے۔

جہاں کسی بات کی لت پڑ گئی پھر کسی طرح نہیں چھوٹتی۔ سر سکندر کو لڑکپن میں جو سرکار برطانیہ کی جی حضوری کی لت پڑ گئی تو آجتک نہ چھوٹی۔ اب سر سکندر بڑے آدمی ہیں اور انشا اللہ رکھے بلا منت برطانیہ وزیر اعظم ہیں۔ مگر پھر بھی کیا مجال کہ برطانیہ کی جی حضوری میں ذرا بھی کمی آ جائے۔ اور حق یہ ہے کہ سر سکندر کو پسند کرنے کے ہنر بھی آتے ہیں۔

کچھ دن ہوئے سر سکندر نے اسلامی جوش میں آکر جوان کے خیال میں "غلامی جوش" کا دوسرا نام ہے، کڑک کر کہا تھا کہ اگر لڑائی چھڑ گئی تو پنجابی مسلمان جوش وفاداری یعنی جوش اسلامی میں برطانیہ کی راہ میں قربان ہو جائیں گے۔

فوجی بھرتی کے حامی مسٹر جناح بھی ہیں، اور وہ بھی دلیل کے نام پر سکندری قسم کا اسلامی جوش دکھاتے ہیں۔ مگر اس موقع پر سر سکندر کی اتنی حیثیت گراں کسی وجہ سے ان کو بری لگی، اور انھوں نے اس کو خلاف قانون قرار دیدیا۔

سر سکندر ان لوگوں میں ہیں جن کا اگر ایک در بند ہو جائے تو ہزار در کھول لیں۔ انھوں نے جی حضوری یوں شروع کی اکالی اخبار سے اس جرم پر ایک ہزار کی ضمانت طلب کر لی کہ اس نے فوجی بھرتی کی مخالفت کی تھی۔

اگر مسٹر جناح کو یہ بھی نہ بھایا تو پھر سر سکندر یہ کریں کہ صرف ان اخباروں کی سرپرستی کریں گے جو فوجی بھرتی کے طرفدار ہوں۔

اگر مسٹر جناح نے اس پر بھی اعتراض کیا تو؟

تو سر سکندر قطعی غیر جانبدار بن جائیں گے۔ یعنی پھر فوجی بھرتی کے مخالف اور موافق دونوں اخباروں کو ایک نظر سے دیکھیں گے، اور دونوں سے ضمانت مانگ لیا کرینگے۔

روم و برلن میں جہاں بہت سے کمالات ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ ان کو پروپگنڈا کرنا خوب آتا ہے۔ یعنی ایسی نفاست سے جھوٹ بولتے ہیں کہ سننے میں بالکل سچ معلوم ہوتا ہے۔ یہ فن برطانیہ کو بھی آتا تھا مگر اس کی باتیں بالکل پرانی ہو گئیں۔ اس لئے لوگ سنتے نہیں۔ اور سنتے ہیں تو یقین نہیں کرتے۔ بڑی مشکل!

برطانیہ نے اب طے کر لیا ہے کہ پروپگنڈے کا ایک باقاعدہ محکمہ قائم کر دیا جائے جس کی وزارت فی الحال لارڈ برکنفور کو دی جائے گی۔ موصوف بہت دنوں روم میں سفیر اور اس سے پہلے لیگ اقوام کے سکریٹری جنرل رہ چکے ہیں۔ یہ کوالیفکشن تو واقعی ایسے ہی ہیں کہ وزیر انھیں کو بنایا جائے۔ لیکن اگر ہندستان میں کسی نائب کی ضرورت ہو تو ہمارے خیال میں مولانا حسن نظامی سے زیادہ موزوں شخصیت نہیں مل سکتی۔

آماجگاہ بغاوت

(سید شمس الدین حیدر شمیم)

یہ کاشانے کہ جن پر رات دن عشرت پرستی ہے
یہ تعمیریں کہ جن پر دولت و ثروت پرستی ہے
یہ شاہوں کے محل جن پر سدا نخوت پرستی ہے
مرے عزم بغاوت کی یہی آماجگاہیں ہیں

یہ قارونی خزانے جن پہ سنگینوں کا پہرا ہے
یہ کانیں سیم و زر کی ذکر بھی جن کا سنہرا ہے
جہاں روزِ ازل سے بخل کا مہمان ٹھہرا ہے
مرے عزم بغاوت کی یہی آماجگاہیں ہیں

یہ سارے کارخانے جو ہیں گورستان مزدوری
جہاں اک مرثیہ ہے فطرتِ آدم کی مجبوری
جفاؤں کی محرک ہے جہاں انساں کی مغروری
مرے عزم بغاوت کی یہی آماجگاہیں ہیں

یہ بام و در فروکش ہے جہاں حسن ہوس پیشہ
جہاں نشتر پہ سرمایہ کے غمزے کارگر ریشہ
جہاں آزاد ہے عصمت کی پابندی سے اندیشہ
مرے عزم بغاوت کی یہی آماجگاہیں ہیں

آئی لیکن چنگیز خاں نے اسے تباہ کر دیا۔ اور ایرانی آرٹ اور تمدن کو قریب قریب ختم کر دیا۔ رہا سہا ہلاکو کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔

حملن غزایہ کے باوجود کوئی حملہ آور اہل فارس کے ایرانی آرٹ اور تمدن کو بالکل فنا نہ کر سکا۔ اور نہ کوئی بدیسی رنگ اسے اپنے میں ضم کر سکا۔ فردوسی کا شاہنامہ۔ عمر خیام کی رباعیات۔ سعدی کی گلستان اور بوستان۔ فلسفہ اور ریاضی میں ابن سینا کی تحقیق۔ جلال الدین رومی کی مثنوی اور حافظ کی غزلیں یہ چودھویں صدی تک کے ایران کی یادگاریں ہیں جن کو زمانہ نہ فنا کر سکا ہے اور نہ شاید کبھی فنا کر سکے گا۔ ہندستان کے مورخوں نے تیمور کو ایک مردم خور بھیڑیے کی صورت میں پیش کیا ہے لیکن اس بہیمیت کے باوجود تیمور آرٹ کا دلدادہ اور پڑھا لکھا آدمی تھا۔ دہلی شیراز۔ بغداد اور دمشق سے سامان لیجا کر اس نے اپنے پایہ تخت سمرقند کو سنوارا۔ گور امیر (تیمور کا مقبرہ) اس زمانہ کے فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ تیمور کے لڑکے شاہ رخ نے ہرات میں ایک بہت بڑا کتبخانہ قائم کیا۔

سولھویں صدی کے شروع میں ایرانی قومیت نے زور پکڑا اور بیرونی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ ۱۵۰۲ء سے ۱۷۲۴ء تک صفوی خاندان برسر حکومت رہا۔ یہ زمانہ ایرانی آرٹ کے عہد زریں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ صفوی بادشاہ عمارتوں کے بہت شوقین تھے۔ شاہ عباس نے اصفہان کی تعمیر کا نقشہ اپنی نگرانی میں بنوایا اور اپنے پایہ تخت کو بالکل ایک دلہن بنا دیا۔ افغانوں نے بغاوت کر کے صفوی حکومت کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد اٹھارویں صدی پھر طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ایرانی آرٹ اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عوام بھی خوشحال تھے۔ جس طرح آجکل کی دنیا میں آرٹ تہذیب اور تمدن سے صرف مٹھی بھر لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح پرانے ایران میں بھی زندگی کی لذتیں شاہ اس کے امرا اور تھوڑے سے مالدار لوگوں کے لئے ہی مخصوص تھیں۔ عوام کی حالت جانوروں جیسی یا اس سے بھی بدتر تھی۔ وہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی مرضی کے پابند تھے اور امیروں کے ظلم کے خلاف آواز تک نہیں اٹھا سکتے تھے۔ جاگیرداری نظام میں عوام منظم نہیں ہو سکتے تھے اور نہ اسوقت آج کل کی طرح متوسط طبقہ کے پڑھے لکھے بیروزگار نوجوان تھے جو منظوم جتھا کو مطلق العنانی اور جاگیرداری کے خلاف ابھارتے اس لئے جو بادشاہ جاگیرداری نظام میں تھوڑی سی بہت بھی اصلاح کر دیتا عوام اس سے خوش ہو جاتے تھے۔

یورپ سے ٹکر ایران کے شمال میں روس واقع ہے اور اس کی جنوبی سرحد ہندستان سے ملی ہوئی ہے اور یہ دونوں سامراج ایران کو ہڑپ کر لینا چاہتے تھے۔ شاہ کی کمزوری اور ناسمجھی سے یہ ترک اور پھر شہنشاہ روس نے لڑ کر شمال کے تھوڑے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بعد ایران اور برطانیہ سے ٹکر ہو گئی جس سے برطانیہ نے بھی اپنی مراد پالی۔

یہ سب انیسویں صدی میں ہوا۔ بیسویں صدی میں ایران میں تیل کی دریافت ہوئی اور بھولے شاہ نے ۱۹۰۱ء میں ایک انگریز کو ۶۰ برس کے لئے تیل نکالنے کا ٹھیکہ دیدیا۔ تھوڑے دنوں بعد یہ ٹھیکہ ایک کمپنی نے لے لیا۔ اور برطانوی سامراج ایرانی دولت کی لوٹ میں مشغول ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کمپنی کی سب سے بڑی حصہ دار خود حکومت برطانیہ تھی۔ معاہدہ کی رو سے منافع کا ایک حصہ شاہ ایران کو ملتا تھا۔ لیکن یہ کل منافع کا بہت ہی قلیل حصہ تھا۔ اس سامراجی لوٹ نے ایرانیوں کو جھنجھلا دیا اور قومی تحریک نے زور پکڑا۔ متوسط طبقہ پیدا ہو چکا تھا تعلیم کسی قدر عام ہو گئی تھی۔ ان لوگوں نے تحریک کی قیادت کی اور حکومت میں اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۰۴ء میں روس جاپان سے ہار کر کمزور پڑ گیا اور ایران میں بھی اس کا اثر کم ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں روسی انقلاب نے بھی عوام کی ہمت اور بڑھا دی۔ آخر ۱۹۰۶ء میں شاہ ایران نے مجبور ہو کر عوام کے نمائندوں کی ایک مجلس قائم کر دی۔

روس اور برطانیہ کو شاہ کی یہ حرکت پسند نہ آئی انھیں خطرہ تھا کہ اگر ایران میں عوام کی حکومت قائم ہو گئی تو پھر ان کی لوٹ ختم ہو جائے گی اور ان کے سامراجی مقاصد پورے نہ ہو پائیں گے۔ انھوں نے شاہ ایران کو عوام کے خلاف ابھارا اور بدیسی سامراج کے بل پر شاہ اپنی رعایا کو کچلنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ مجلس سے ان کی ٹکر ہو گئی اور انھوں نے مجلس کو توڑ دیا لیکن عوام اور فوج مجلس کے ساتھ تھے اور ان کے سامنے شاہ بے بس ہو گئے۔ دوسری طرف برطانیہ اور روس نے موقع پا کر اپنے لوگوں کی حفاظت کے بہانہ سے اپنی فوجیں لا کر ایران میں بٹھا دیں۔ ایران کی حالت بہت خراب تھی عام غریبی پھیلی ہوئی تھی شاہ بدیسی سامراجوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا اور مجلس کو اصلاحات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا ایران کی تقریباً وہی حالت تھی جو ۱۹۱۴ء میں ترکی کی تھی کہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ایران جنگ میں پڑنا نہ چاہتا تھا۔ لیکن وہ کمزور تھا اس کی ایک نہ چلی اور اس کی سرزمین پر بدیسی طاقتوں کی مڈبھیڑ ہونے لگی۔

لڑائی کے ختم پر برطانیہ ایران کو اپنے مقبوضات میں شامل کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے سامراجی منصوبوں کو روکنے کے لئے ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی۔ یہ طاقت تھی سوویٹ روس کی۔ جنگ عظیم تک روس بھی برطانیہ کی طرح آزاد قوموں کو غلام بنانے کا متمنی تھا لیکن ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد روس میں مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم ہو گئی جس نے اعلان کر دیا کہ وہ کسی کی آزادی چھیننا نہیں چاہتی بلکہ غلاموں کی آزادی کی لڑائی میں ان کے ساتھ ہے۔ اس طرح برطانیہ کے منصوبے پورے نہ ہو سکے اور ایران سامراجی حرص کا شکار ہونے سے بچ گیا۔

رضا شاہ جس طرح جنگ عظیم کے بعد ترکی کو مصطفےٰ کمال جیسا ناخدا مل گیا تھا جس نے ترکوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھال لیا اسی طرح ۱۹۲۱ء میں

نہانے کا لطف

کئی گنا بڑھ جاتا ہے

دھلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز لمیٹڈ دھلی کے تیار کردہ

ٹرکش باتھ ٹولیوں کے استعمال سے!

آجکل انھیں ضرور آزمائیے!!

ہر بڑے دوکاندار سے انھیں دکھلانے کیلئے اصرار کیجیے۔

یو۔ پی۔ بہار اور راجپوتانہ میں ہماری ایجنسیاں۔

کانپور۔ میسرز سوج پرکاش نیبی دھر کا ہو کی کوٹھی۔
لکھنؤ۔ میسرز سوج پرکاش نیبی ہزگنج نواب کا پارک امین آباد
آگرہ۔ [illegible] دکان [illegible] فروشی چوہر بازار

جے پور۔ میسرز کنہیا لال بھولا رام۔ کھانڈا۔ ہوا محل
اجمیر۔ میسرز کنہیا لال بھولا رام۔ قیصر گنج
گیا۔ میسرز [illegible] [illegible]

مصری جدید نسوانی تحریک

گذشتہ دس سال میں مصری تحریک نسواں نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ مصری لڑکی کی زندگی میں بہت انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔ وادی نیل کے پیش نظر اب بہت سے امکانات ہیں جن کا دارو مدار مصر کی ان جدید خواتین پر ہے۔ مصر میں پہلی مرتبہ نسوانی تحریک کے آثار اس وقت رونما ہوئے جب ۱۹۰۸ء میں ترکی میں انقلاب ہوا۔ اس انقلاب نے مصری خواتین میں بے چینی کے جو آثار پیدا کئے تھے انھیں تحریک ملی کی وجہ سے بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس تحریک سے مصر میں عورت اور مرد کے مساوی حقوق کے لئے جد و جہد شروع ہو گئی۔ مصری خواتین نے تحریک آزادی میں حصہ لیکر اپنی قدر و قیمت سے مردوں کو آگاہ کر دیا۔ وہ آزادی کی ہر تحریک میں مردوں کے دوش بدوش تھیں۔ مصری خواتین کی اس جد و جہد سے سیاسی مفاد سے کہیں زیادہ مجلسی مفاد حاصل ہوا۔ مصر میں عورتوں کا مرتبہ بلند ہو کر مردوں کے حقوق کے مساوی ہو گیا۔

۱۹۱۹ء میں مصری خواتین نے وفد پارٹی کے طرز پر وفد خواتین مصر کے نام سے ایک جماعت تیار کی۔ اس جماعت کا مقصد مصر کے لئے آزادی حاصل کرنا تھا۔ لیکن بتدریج یہ جماعت مصر میں نسوانی حقوق کی سب سے بڑی علمبردار بن گئی وفد خواتین مصر کی رہنما مادام صوفیہ زاغلول تھیں۔ اس خاتون کی جرأت اور تشکیہ نے مصری خواتین سے داد تحسین حاصل کی۔ مادام زاغلول نے مصری نسوانی تحریک کو بہت فروغ دیا۔ جنگ عظیم سے قبل مادام زاغلول نے انجمن خواتین جدید کی بنیاد رکھی۔ اس انجمن کا اولین مقصد آزادی وطن تھا۔ وطنی آزادی کے علاوہ اس انجمن کے مقاصد میں تعلیم، شہریت اور دوسرے مجلسی شعبوں کی نشو و ارتقا بھی تھا۔ اس انجمن نے مادام فہمی جیسی ذہین خاتون پیدا کی۔ مادام فہمی نے "جدید مصر" کا خواب دیکھ کر اپنے خیالات و افکار کو تحریری صورت میں پیش کرنا شروع کیا شادی کے بعد اس نے قاہرہ سے باہر کشتی گھر میں سکونت اختیار کر لی مادام فہمی قاہرہ کے بازاروں میں نقاب کے بغیر چلتی پھرتی دکھائی دینے لگی ۱۹۱۹ء میں مادام فہمی نے [illegible] کے اجتماع میں ایک مسجد میں تقریر کی کہ اسے بائیبل کی آیات بطور تلمیحات استعمال کرنے کی اجازت دیجائے۔ ازہر کے علما نے اس امر کی اجازت دیدی مادام فہمی کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ مصر میں قومیت متحدہ پیدا کرنا چاہتی تھی۔

مصر میں نسوانی تعلیم کے خلاف تعصبات کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ لڑکیوں کے لئے متعدد ابتدائی اور ثانوی مدرسے کھول دیئے گئے ہیں۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مصری لڑکیاں یونیورسٹیوں میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کر رہی ہیں مصری لڑکیوں کو قاہرہ یونیورسٹی کے ہر شعبہ میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ طبقہ متوسط کی مصری خواتین قانون، طب، تعلیمات اور دوسرے شعبوں میں کام کرتی ہوئی دکھائی دیرہی ہیں، متعدد مصری خواتین رسائل و جرائد میں مقالات لکھکر روزی کماتی ہیں۔ حکومت مصر اس کوشش میں مصروف ہے کہ طالبات کے ثانوی مدرسوں میں امور خانہ داری کی تعلیم دیجائے۔ آرٹ اور انڈسٹری میں بھی مصری خواتین شاندار کام کرتی ہوئی دکھائی دیرہی ہیں (پیام)

مضمون نگاری کا مقابلہ

اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے ذیل کے ہر مضمون پر سب سے اچھے لکھنے والے کو دو سو روپئے انعام تجویز کیا ہے۔ مضمون میں تقریباً پچاس ہزار الفاظ ہونے چاہئیں اور تمام مقالے سکرٹیری اردو اکادمی کے پاس ۱۵ ستمبر تک پہونچ جانا چاہئیں۔ جو صاحب اس مقابلہ میں شرکت کرنا چاہیں وہ اپنے مضمون کے انتخاب سے سکرٹیری کو مطلع کر دیں۔

فہرست مضامین

اشتراکیت۔ فاسزم۔ نازی ازم۔ سامراج وطنیت۔ سرمایہ داری۔ بحرۂ روم کی سیاست بحرالکاہل کی سیاست۔ امریکہ اور سیاست عالم وسطی یورپ کی سیاست۔ نو آبادیوں کی تقسیم ممالک اسلامی کی سیاست۔

بھوپالی پرجا کے مطالبات

شاہجہاں آباد کے جلسہ کی روداد

۱۱ جون کو شاہجہاں آباد میں بھوپال ریاستی پرجا کانفرنس کی مقامی شاخ کے زیر اہتمام مسٹر قدوس صہبائی کی صدارت میں ایک جلسہ عام ہوا۔ شاکر علیخاں صاحب نے ایک قرارداد میں بتایا کہ چونکہ اب ریاستی پرجا کے نمائندے انسداد بیکاری کمیٹی سے مستعفی ہو چکے ہیں اس لئے پرجا کانفرنس عوام کے مطالبات پیش کرتی ہے اور ان کی جلد از جلد منظوری پر زور دیتی ہے۔ قرارداد میں ریاستی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ زراعت پیشہ اور زراعت کے خواہشمند بیروزگاروں کے لئے تخم تقاوی اور دیگر مراعات کے قانون بنائے۔ سرکاری ضرورت کا سامان ریاست ہی سے خریدے اور گھریلو صنعتوں کو ترقی دے۔ سرکاری و نیم سرکاری ٹھیکے ریاستی باشندوں کے لئے مخصوص کر دئے جائیں۔ ریاستی افسروں کی زیادہ سے زیادہ تنخواہ پانچسو روپیہ اور اہلکاروں اور تمام پیشہ ملازمین کی کم سے کم تنخواہ ۲۵ روپیہ اور دس روپیہ ماہوار مقرر کر دیجائے۔ غیر ضروری عہدے اور محکمے ختم کر دئے جائیں۔ جن ملازموں کی عمر ۵۵ برس سے اوپر ہے یا جنکی ملازمت تیس برس سے زیادہ کی ہے انھیں علیحدہ کر دئے جائیں۔ جن سرکاری ملازموں کو ناانصافی سے علیحدہ کر دیا گیا ہے ان کی دادرسی کے لئے ایک غیر جانبدار کمیشن مقرر کیا جائے۔ اور سرکاری ملازموں کے تقرر اور ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک ملازماتی بورڈ مقرر کیا جائے۔

جلسہ سے کئی دن پہلے ہی سے کچھ لوگ اسے درہم برہم کرنے کی سازش کر رہے تھے۔ اسی خطرے کے پیش نظر منتظمین نے پولیس کوتوال سے کہا کہ کیا وہ جلسہ میں امن قائم رکھنے کی ذمہ داری لیتے ہیں لیکن انھوں نے

(باقی دوسرے کالم کے نیچے)

کہا کہ اس کا جواب سوچ کر دیا جاسکتا ہے۔ مسٹر شاکر علی خاں صاحب نے عوام سے اپیل کی کہ وہ خود ہی رضاکار بن کر جلسہ کا انتظام کریں۔ [illegible]

”ہراولی گروہ کی ہر لعزیزی اسکی ضرورت کا ثبوت ہے“

”ترقی سے پہلے مقابلہ اور ٹکر ضروری ہے“

ہراولی گروہ کی بنیاد اور غرض سبھاش بوس کی تقریر

”ہراولی گروہ (فارورڈ بلاک) کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ایک ایسے کم سے کم مشترکہ پروگرام پر کام کیا جائے۔ جس میں تمام انقلاب پسند اور سامراج دشمن لوگ کانگرس کے اندر رہ کر متفقہ طور پر کام کر سکیں اس بلاک کا کام یہ ہوگا۔ اس کم سے کم مشترکہ پروگرام پر متفقہ عملدرآمد کرنے کے لئے بائیں بازو کے تمام عناصر کو متحد کیا جائے۔ اس لئے ہندستان کی تاریخ میں اس کے کام کی واضح ضرورت ہے۔ اس تحریک کی بنیاد ذاتیات کے بجائے ایک قومی ضرورت کے پیش نظر صورت حالات پر قائم ہے۔ یہ شانے سے مٹ نہیں سکتی۔ آپ دیکھتے نہیں کہ تمام ملک نے اس کا کس طرح پرتپاک خیر مقدم کیا ہے۔ اگر اس تحریک کے ذریعہ ہمارے کروڑوں ہم وطنوں کے خاموش جذبات و احساسات کی ترجمانی نہ کی گئی ہوتی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا“

ان الفاظ میں شری سبھاش چندر بوس نے جنیہ (بنگال) ضلع پولٹیکل کانفرنس میں ہراولی گروہ (فارورڈ بلاک) کی اصل بنیاد کی تشریح کی۔

اعتراضوں کا جواب ہراولی گروہ کے مخالفوں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کانگرس کی موجودہ اعلیٰ کمان کی مخالفت کرنا ہی اس گروہ کا پروگرام ہے ”میں بار بار اس بات کا اعلان کر چکا ہوں کہ اگر میں ذاتی طور پر اس تحریک کی حمایت نہ کرتا تب بھی یہ جماعت بنکر رہتی اسلئے کہ اس کا وجود تاریخی ارتقا پر مبنی ہے“۔

”کچھ دوستوں کو یہ شکایت ہے کہ اس بلاک میں ”نامناسب“ عناصر کے داخل ہو جانے کا اندیشہ ہے اگر یہ نکتہ چیں لوگ آپ کو ”مناسب“ خیال کرتے ہیں اور انھیں اس انقلابی پروگرام سے اتفاق بھی ہے۔ تو انھیں سب سے پہلے خود فارورڈ بلاک میں داخل ہو کر اس بات کی دیکھ بھال کا ذمہ لینا چاہئے“

سبھاش بابو نے بتایا کہ ہراولی گروہ میں فرقہ پرست اور فسطائی عناصر کے غلبہ پا جانے کا خطرہ بھی بے بنیاد ہے۔ اس کا پروگرام ہی ایسا ہے کہ نامناسب لوگ اس میں داخل ہونے پائیں اور اگر کسی طرح کوئی ایسا آدمی آ بھی گیا تو تحریک چلانے والوں کو اُسے نکال دینے کا اختیار ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ اگر دائیں بازو والوں کو گاندھی سیوا سنگھ کے جھنڈے تلے منظم ہونے کا حق ہے تو بائیں بازو والوں کو اپنی تنظیم کرنے کا حق کیوں نہ ملے۔ ساتھ ہی انھوں نے بتایا کہ ہراولی گروہ نے کانگرس کے پرانے نظام سے قطع تعلق نہیں کیا ہے۔ اسکے کارکن پچھلے اٹھارہ برس سے کانگرس کی تحریک چلا رہے ہیں اور قومی تحریک کا اتار چڑھاؤ دیکھے ہوئے ہیں انکا نصب العین یہ ہے کہ اس تحریک کو اور تیز کر کے ملک کو برطانوی سامراج سے ٹکر لینے کیلئے تیار کیا جائے اور اسکے لئے عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون استعمال کیا جائے جو پہلے بھی کارآمد ثابت ہو چکا ہے۔

پروگرام کے دو پہلو ہراولی گروہ کے لائحہ عمل کے دو پہلو ہونگے

ایک طرف تو یہ کانگرس کے موجودہ مفید اور روبہ ترقی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریگا اسکے لئے ایک نیا جوش و خروش اور ایک نئی ذہنیت پیدا کرے گا۔ اور اصلاحی ذہنیت کے بجائے ایک انقلابی ذہنیت رائج کرے گا۔

اور اس کے پروگرام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک ترقی پسند لائحہ عمل مرتب کر کے کانگرس کو اس پر عملدرآمد کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ اس ترقی پسند پروگرام کا نعرہ ”آئندہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ“ ہوگا۔ جب یہ انقلابی ذہنیت پیدا ہو جائے گی تب ہم کانگرس کے موجودہ پروگرام کو زیادہ موثر طریق سے عملی جامہ پہنا سکیں گے“

آخر میں سری سبھاش چندر بوس نے کہا کہ اگر ملک میں اس ترقی پسند پروگرام کے مطابق جدوجہد شروع کرنا پڑی تو ہمیں والنٹیروں کی ضرورت ہوگی۔ اور اسلئے ہمکو والنٹیروں کی ایک فوج ابھی سے تیار کرنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ اسکے علاوہ کانگرس کو دوسری سامراج دشمن جماعتوں مثلاً کسان سبھا۔ مزدور سبھا۔ طلبا کی فیڈریشن، یوتھ لیگ کو ملا کر ایک متحدہ محاذ قائم کرنا ہوگا آج ہم دیکھتے ہیں کہ کانگرس اور کئی دوسری سامراج دشمن انجمنوں میں کچھ اختلاف پائے جاتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف آسانی سے مٹ سکتے ہیں اور ان سب انجمنوں کو اشتراک عمل پر آمادہ کیا جا سکتا ہے اگر ان تمام انجمنوں کا متحدہ محاذ قائم ہو گیا تو ہماری طاقت ناقابل تسخیر اور ہمارے ذرائع لامحدود ہو جائینگے“!

ریاستی تحریک میں سستی

گاندھی جی کی پالیسی پر جواہرلال کی رائے

۱۱ر جون کو بمبئی میں کوٹھاپور پرجا پریشد کے ایک وفد نے جواہرلال سے ملاقات کی اور ریاست کوٹھاپور کی تحریک کی تفصیل بتائی۔ دوران بحث میں عام ریاستی تحریک پر بھی غور کیا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جواہرلال نے وفد کے لوگوں کو بتایا کہ انکی ذاتی رائے میں مہاتما گاندھی کی نئی پالیسی سے ریاستی تحریک میں کچھ دنوں کیلئے ایک سستی سی آگئی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے ہیں کہ ریاستی عوام کے مطالبات کم کر دینے سے مہاتما گاندھی کا کیا مطلب ہے۔

جواہرلال نے آگے چلکر کہا ”میری رائے میں مطالبہ ملتوی کرنے کا مطلب مطالبات سے دستبردار ہو جانا نہیں ہے۔ میں تھوڑے دن کے لئے ذمہ دار حکومت کے مطالبہ کو ملتوی کر دینا برا نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ صرف ایک تھوڑے ہی عرصہ کے لئے ہونا چاہئے۔ جس عرصہ کیلئے ہم ذمہ دار حکومت کا مطالبہ ملتوی کریں اسمیں ہمیں سول آزادی اور جتھہ بندی کے حق کے مطالبہ کو پورا کرانے کیلئے پوری قوت سے جدوجہد شروع کر دینا چاہئے تاکہ لوگ ذمہ دار حکومت کو سنبھالنے کے قابل ہو جائیں“

کانگرس کوئی پارلیمنٹ نہیں

ہراولی گروہ کے خلاف سوشلسٹوں کا بیان

کانگرس سوشلسٹ پارٹی کے سکریٹری جے پرکاش نرائن اور پی۔ سی۔ جوشی (کمیونسٹ) اڈیٹر نیشنل فرنٹ نے ہراولی گروہ کے متعلق ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے

”کانگرس کوئی [illegible] نہیں ہے جسمیں مخالف پارٹیاں ایک دوسرے سے ٹکرانے کی کوشش کریں یہ ایک [illegible] کانگرس کو ہونا چاہئے“

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہراولی گروہ سے بائیں بازو کا ایکا نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ یہ ایکا ایسی جماعت کے ذریعہ نہیں پیدا کیا جا سکتا جسکا مقصد برسر اقتدار طبقہ کی مخالفت [illegible]۔ اسکے لئے انھوں نے تجویز کیا ہے کہ بمبئی میں عنقریب ہی جو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا جلسہ ہونیوالا ہے اسکے ساتھ ہی ملک کے تمام بائیں بازو کے گروہوں کے نمائندوں کی بھی ایک کانفرنس کی جائے جسمیں ملک کو ایک عام جدوجہد اور سامراجی لڑائی کا مقابلہ کرنے پر تیار کرنے کے لیے ایک مشترکہ پروگرام تیار کیا جائے۔

”کانگرس کے اندر بائیں بازو والوں میں ایکا پیدا کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان طاقتوں کو اکٹھا کرنے کے لئے کوئی ایسی ناسمجھی کی کوشش نہ کی جائے جس سے انھی طاقتوں میں نئے جھگڑے پڑ جائیں یا قومی تحریک دوسری طاقتوں کے ساتھ پارٹی بندی کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس ایکے کی پالیسی کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ کانگرس کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں میں یکجہتی پیدا کی جائے اور انھیں اپنے ساتھ ملا لیا جائے اور پھر ساری کانگرس کو آگے بڑھایا جائے“

جے پرکاش نرائن اور پی۔ سی۔ جوشی کے نزدیک ہراولی گروہ ان باتوں پر پورا نہیں اترتا ہے اور جس طریقہ پر اسکی تنظیم ہو رہی ہے وہ بھی ان کے دماغ میں یکجہتی کا جو تصور ہے اسکے مطابق نہیں ہے۔

برطانیہ کو جاپان کا الٹیمیٹم

برطانوی اور فرانسیسی علاقہ سے مکمل بے تعلقی

جاپانی اخبار [illegible] سے یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ برطانیہ کو جاپان [illegible] دشمن خیال کرنا چاہیئے اور حکومت کو جرمنی [illegible] طلب بڑھانے اور چین میں دوسرے ملکوں [illegible] مفاد کی حفاظت سے انکار کر دینے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

جاپانی حکام [illegible] برطانی علاقہ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ [illegible] چینیوں کو جنہوں ایک جاپانی کے قتل کرنے کا [illegible] واپس کر دیں ورنہ جاپان اس علاقہ کا [illegible] بائیکاٹ کر دیگا برطانی حکام نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اسپر جاپانی کے فیصلہ نے جاپانی اثر [illegible] بینکوں کو برطانی علاقہ سے ہٹ آنے کا حکم دے دیا۔ تقریباً تمام جاپانی سرکاری ادر کاروبار [illegible] اس سے چلے آئے ہیں اور ۵۹ میں سے ۴۲ [illegible] بھی تھہر خالی کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ٹوکیو کی ایک خبر ہے کہ برطانیہ کے مشتبہ لوگوں کو جاپان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دینے پر ٹینٹسن کے جاپانی حکام نے ”امن وامان قائم کرنے کی غرض سے جاپان دشمن دہشت انگیزی کو روکنے کے لئے آزادانہ کاروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

انگریز کا قتل حکومت برطانیہ نے بھی ایک انگریز کے قتل پر جاپانی حکومت سے احتجاج کیا ہے یہ آدمی پوٹنگ میں ایک انگریزی کارخانہ میں کام کرتا تھا۔ برطانی حکام کا کہنا ہے کہ پولیس کی حراست ہی میں اسپر حملہ کیا گیا جس سے وہ مرگیا۔ برطانی حکام نے اس بات پر بھی احتجاج کیا ہے کہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود جاپانی حکام نے برطانی جان ومال کی حفاظت کا کوئی مناسب بندوبست نہیں کیا۔

مسلم کانفرنس سے قومی کانفرنس

ذمہ دار حکومت کی لڑائی میں کشمیری پرجا کا اتحاد

جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے ۱۱ر جون کو اپنے خاص اجلاس میں طے کر دیا ہے کہ اب ۱۰ بجلسے مسلم کانفرنس سے قومی کانفرنس کہلائے گی اور اسکی ممبری صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہ رہیگی بلکہ ہندو اور سکھ باشندے بھی اس میں شرکت کر سکیں گے۔

ریاستی پرجا کے تقریباً دو سو نمائندوں نے کانفرنس میں شرکت کی اور تین کے علاوہ سب لوگوں نے اس تبدیلی کی تائید کی۔ مخالفوں کا کہنا تھا کہ مسلم کانفرنس کو ختم کر دینے سے خاص مسلمانوں کی کوئی جماعت نہیں رہ جائے گی۔ اور مسلمانوں کے حقوق کی ٹھیک دیکھ بھال نہ ہو سکیگی۔ قرارداد کے حامیوں کی طرف سے اسکے جواب میں بتایا گیا کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اسلئے انھیں غیر مسلموں سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ مسلم کانفرنس کو قومی کانفرنس بنا دینے سے ذمہ دار حکومت حاصل کرنے میں آسانی ہو جائے گی اسلئے کہ جدوجہد میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو اور سکھ بھی شامل ہو جائینگے۔

قومی کانفرنس کا دستور اساسی بھی اس کانفرنس نے منظور کر لیا مسلم کانفرنس کے عہدہ دار آئندہ اجلاس تک اپنے عہدوں پر قائم رہینگے۔

کشمیر کی تحریک کے بانی اور رہنما شیخ محمد عبداللہ صاحب نے اخبار ہمدرد کی تازہ اشاعت میں تحریک کے اس نئے دور پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگ چلاتے ہیں کہ اسلام خطرہ میں ہے، لیکن اسلام دوسرے مذہبوں کے ماننے والوں کے خلاف منافرت کا جذبہ نہیں پھیلاتا اور اسلئے آزادی کی تحریک میں ہندو مسلمان سکھ سب ایک ساتھ چل سکتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ کشمیر الگ رہنے کے باوجود ہندستان کا ایک حصہ ہے اور اگرچہ کشمیریوں کو کسی باہری سیاسی جماعت کا فرمانبردار نہیں بننا چاہیئے لیکن اس جماعت کی ریاستی پالیسی میں ریاستی پرجا کو دلچسپی لینا چاہیئے۔ مسلم لیگ کی برائیاں بیان کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے لکھا ہے کہ مسلم لیگ کشمیر میں بھی وہی چال کھیل رہی ہے جو وہ پہلے ہندستان میں پہلے کھیل چکی ہے۔ یہ ریاستی پرجا کے لئے بہت ہی خطرناک ہے۔

کشمیر میں اس تبدیلی پر ہر طرف خوشی منائی جا رہی ہے۔ ۹ر جون کو سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ خواجہ غلام محمد صادق اور دوسرے لیڈروں کی رہنمائی میں ایک جلوس نکالا گیا۔ اور راستہ میں کئی جگہ جلسے ہوئے جن میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا گیا۔

مختصر خبریں

ہندستان باھر

ہنگیریا کے نائب وزیر اعظم موسیو ہزاری نے بالٹک کانگرس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ بالٹک کی ریاستیں جنگ چھڑ جانے پر کمل غیر جانبداری قائم رکھیں گی لیکن اگر ان کی آزادی ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ پوری قوت سے اسکا مقابلہ کرینگی۔

ڈینزگ کے حکام نے پولینڈ کے ایک سرکاری محصول کے انسپکٹر کو جاسوسی کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ اب اسپر مقدمہ چلایا جائے گا۔

انگلستان میں دہشت انگیزی کی وارداتیں بڑھتی جا رہی ہیں دہشت انگیزوں نے ڈاکخانوں کو خاص طور پر چن لیا ہے چنانچہ اتباک لندن مانچسٹر، برمنگھم، لنکن۔ اور لیسٹر کے ڈاکخانوں میں بم پھٹ چکے ہیں۔

ملک معظم شاہ جارج ششم کناڈا گئے ہوئے ہیں وہاں سے وہ متحدہ امریکہ بھی گئے۔ صدر روزولٹ نے انکا پرتپاک استقبال کیا۔ اور متحدہ امریکہ اور انگلستان کی دوستی اور مکمل ہم آہنگی پر زور دیا۔

۱۴ر جون رومانیہ کے وزیر خارجہ تین دن کیلئے ترکی گئے ہیں وہ روسی تجویز کے مطابق بحر اسود پر ایک معاہدہ کرنے اور مدافعتی قوموں میں بلغاریہ کو شامل کرنے کے امکانات پر ترکی حکومت سے تبادلہ خیال کرینگے۔

ہندستان

ڈگبائی کے تیل کے کارخانوں کی ہڑتال ابھی بدستور جاری ہے۔ صدر کانگرس بابو راجندر پرشاد اس کے متعلق یونین کے منتظمین۔ مزدور سبھا کے نمایندوں اور حکومت آسام کے وزیر اعظم سے تبادلہ خیال کرنے کلکتہ گئے تھے لیکن ابھی تک کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا ہے۔ مزدوروں کا مطالبہ ہے کہ ایک غیر جانبدار کمیٹی کل واقعہ کی تحقیقات کرے۔ باہری مزدوروں کی بھرتی بند کر دی جائے۔ اور تحقیقات کے دوران میں ہڑتالی علاقہ سے فوج ہٹا لی جائے۔ انھوں نے اپنا معاملہ صدر کانگرس پر چھوڑ دیا ہے۔ لیکن ابھی تک تیل کمپنی کے منتظمین خاموش ہیں۔

اڑیسہ کی ریاست بامی کے راجہ نے اصلاحات کا اعلان کر دیا ہے اور نمایندہ سبھا قائم کرنے پر راضی ہو گئے ہیں لیکن اسمیں ۵۰ فیصدی ممبر راجہ کے نامزد کئے ہوئے ہونگے۔ اور صرف وہ شخص ممبر بن سکے گا جو کم سے کم ۵ روپیہ مالیہ ادا کرتا ہو۔

امرتسر میں مہتروں کی ہڑتال جاری ہے۔ پانی چھڑکنے والی گاڑیاں سڑکوں کا کوڑا بہا دیتی ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں ہڑتالی مہتر پھر کوڑا جمع کر دیتے ہیں۔ ۱۲ر جون کو پولیس نے ایک آدھ جگہ بید چلائے لیکن ہڑتالی جبرے اسیر گرفتار ہونے لگیں کئی لاریوں میں بھر کر ہڑتالی مہتروں کو شہر کے باہر چھوڑ دیا گیا۔ اسی سلسلہ میں پولیس نے دو سوشلسٹ کارکنوں کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ اکثر گھر ہڑتال کی وجہ سے گندے پڑے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ سنے [illegible]

روپیہ کا بندوبست

آپ نے اپنی اولاد کی تعلیم یا شادی کیلئے روپیہ کا جو بندوبست کیا ہے کیا آپکو اسپر بھروسہ ہے

ہمارا مستحکم قومی ادارہ سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے آج سے ۴۸ سال پہلے ۱۸۹۱ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کی آمدنی ۵۰ لاکھ سالانہ سے زیادہ ہے۔

اس کی قسطیں چھوٹی ہیں۔ پالیسی جلد ضبط نہیں ہوتی۔ معذور ہو جانے پر مدد کیجاتی ہے بونس کی پوری ضمانت ہے۔ یہ سوسائٹی آپکی مالی مشکلیں حل کر دیگی۔ آپ اس پر بھروسہ کیجئے۔

بمبئی میوچول

لائف انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ

۳ بشیشر ناتھ روڈ قیصر باغ۔ لکھنؤ

ނިމުނީއެވެ

خیالات میں سرگرداں تھا۔ گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور اب اسکا رخ گھر کی طرف تھا۔ یکایک للو کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ سیٹھ جی بھی اسوقت ذرا خوش ہیں اس نے موقع غنیمت جانا اور کہنا شروع کیا۔

"سرکار۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو ایک بات کہوں؟"

"ہاں ہاں۔ کہو کیا کہنا ہے۔ للو؟"

"سرکار۔ قصبہ سے میرا ایک ساتھی آیا ہے۔ وہ جوان ہے اور تندرست ہے۔ بڑا نیک۔ مگر ہر وقت تک بیکار رہتا ہے۔"

"اچھا تو پھر؟"

"اگر سرکار اسے نوکری دلا دیں یا خود اپنے یہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"للو تم جانتے ہو میں کہیں آتا جاتا نہیں اور نہ کسی سے ملتا جلتا ہوں۔ اور خود اپنے یہاں اسے کس کام پر رکھا جائے؟"

"سرکار یہی اوپر اُدھر کا کام کرنے اور رات کو پہرہ کے لئے۔"

"ایں۔ پہرہ کے لئے۔ اور سکھنی جو یہ سب کام کرتا ہے؟"

"ارے سرکار سکھنی اب بہت بڈھا ہو گیا۔ نہ وہ اب کام ٹھیک کر سکتا ہے نہ پہرہ رات بھر جاگ ہی سکتا ہے۔ سرکار کسی دن دیکھیں تو۔ میرا خیال ہے فوراً اسے برخاست کر دیں گا۔"

"نہیں یہ کوئی معقول بات نہوگی۔ وہ ایک زمانہ سے میرے یہاں ملازم ہے۔ اس نے اپنی ساری جوانی میری خدمت میں گذار دی۔ اسوقت تک کوئی غلطی نہیں کی۔ نہایت دیانتداری اور ہوشیاری سے کام کرتا رہا۔ اب ضعیفی میں میں اسے بلاوجہ نکال دوں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"سرکار غور تو کریں۔ نہ اب کمرہ کی صفائی ٹھیک ہوتی ہے۔ نہ صحن صاف ہوتا ہے نہ برآمدہ۔ کبھی پانی بھر کا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرکار وہ رات بھر بجائے پہرہ دینے کے پڑا خراٹے لیکر سویا کرتا ہے۔ اگر اس نے سرکار کی خدمت کی ہے تو کیا تنخواہ نہیں پائی۔ اور اب تو اسکے پاس کافی روپیہ پس انداز ہوگا۔"

"پس انداز ہوگا۔ پس انداز کیا معنی؟ اسقدر کم تنخواہ میں وہ پس انداز کیسے کر سکتا ہے؟ پھر اسکی بڑی بھی تو ہے۔ ورنہ وہ کبھی تو آخر کھاتی پیتی ہوگی۔"

"ارے سرکار اس کی بیوی بھی تو کام کرتی ہے۔"

"خیر کچھ ہو۔ میرا ضمیر اسے بلاوجہ علیحدہ کرنے میں تکلیف محسوس کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسکے ساتھ اس ضعیفی میں ایسا سلوک گناہ بھی ہے۔"

"گناہ کیسا۔ شائد حضور خیال کرتے ہیں کہ وہ بھوکوں مر جائیگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی جگہ اپنا نہیں چلا جائے گا اور وہاں سکون کے ساتھ زندگی کے باقی دن گذار دیگا۔"

سیٹھ جی نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد کہا۔

"اچھا اگر تمہارا ارادہ یہی ہے تو اپنے ساتھی کو بلانا دیکھو پھر میں اس کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔"

"حضور اسے ضرور ملازم رکھ لیں۔ وہ بڑا نیک محنتی اور ایماندار ثابت ہوگا۔"

للو خوش خوش گاڑی کھڑی کر کے اپنی کوٹھری میں آیا اور شبراتی کو خوشخبری سنائی کہ کس طرح اس نے راستہ بھر سیٹھ جی سے گفتگو کی اور بدقت تمام انھیں قائل کر کے مجبور کر ہی دیا کہ وہ اسے ملازم رکھ لیں۔ اور اب شام کو اُسے سرکار سے ملنے جانا ہے۔ شبراتی یہ سنکر بہت خوش ہوا۔ وہ اب بے صبری سے شام کا منتظر تھا اور آخری فیصلہ سننے کے لئے بیتاب۔ للو نے میاں دی لیکن اس میں اسے کچھ مزہ نہ آیا۔ کھانا آیا اور اس نے کسی نہ کسی طرح کھا لیا۔ کہ کہیں للو ناراض نہ ہو جائے۔ سارا دن عجیب اضطراب و بے چینی میں کٹا آخر خدا خدا کر کے شام ہوئی اور وہ للو کے ساتھ سیٹھ جی کے پاس گیا۔ سیٹھ جی کے جانے کا وقت تھا لیکن للو کے اصرار سے انھوں نے شبراتی سے حالات پوچھے اور آخرکار اُسے نوکر رکھ لیا اور اس سے کہا کہ وہ کل ہی سے کام شروع کر دے۔

شبراتی اپنی اس کامیابی پر نہایت خوش ہوا اس نے سیٹھ صاحب کو جھک کر نہایت ادب سے سلام کیا اور چلا آیا۔

رات ہو چکی تھی۔ صحن و برآمدہ میں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ شبراتی للو سے اجازت لیکر ذرا دیر بازار ہو آئے صدر دروازہ کے پاس پہونچا ہی تھا کہ اسے ایک کوارٹر سے کوئی کہتا سنائی دیا

"اب یہ بتاؤ، ہم لوگ کیا کرینگے"

اس آواز میں اتنا درد تھا اتنی مایوسی تھی کہ شبراتی بے ارادہ سننے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ پھر کسی نے کہا۔

"کیا کرینگے، کمر جھک گیا، اب کرنا ہی کیا ہے۔ سوائے بھیک مانگنے کے اور اسکے سوا کوئی دوسری صورت بھی نہیں۔"

"اسکے سوا اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ کوئی کام کرنے کے قابل ہی نہیں رہے۔ اُف کیسی بے دردی۔ کیسا ظلم۔ کیسی دردناک زندگی۔ ہم لوگ رات دن۔ صبح سے شام تک رات سے صبح تک کام کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ اپنی جوانی اپنی طاقت اپنا سب کچھ مالک کی خدمت میں اُسے خوش کرنے کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔ اس کا انعام اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم بڈھے ہو جاتے ہیں ہم میں جوش و ولولہ نہیں رہتا۔ کام سلیقہ سے نہیں کر سکتے تو نکال باہر کر دیے جاتے ہیں۔ پھر بتاؤ ہم لوگ کیا کریں ہمارے مالک۔ ہمارے آقا۔ کاش وہ ہم غریبوں کے درد دکھ سے واقف ہو سکتے۔ کاش وہ جانتے۔ وہ جان سکتے کہ اس سے بڑھکر کوئی ظلم نہیں۔ مگر یہ لوگ ہمیشہ اپنا فائدہ سوچتے ہیں کیا سب مالک ایسے ہی بے حس ہوتے ہیں کیا وہ سب سوائے اپنے کسی دوسرے کے درد دکھ کا احساس نہیں کرتے۔ کیا انکو انھیں مطلق احساس نہیں ہوتا کہ انکے ملازم کس ایمانداری و جانفشانی سے ان کی خدمت کرتے ہیں اپنا قیمتی وقت۔ اپنی طاقت اپنا جوش و ولولہ۔ اپنی جوانی انکے خوش رکھنے کے لئے ضائع کر دیتے ہیں اور آخر وقت وہ انکی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے۔"

"ہمارا مالک ایسا خراب نہیں۔ جتنا اسکا ملازم للو۔ وہ چاہتا ہے کہ اُسکا دوست یہاں کام کرے۔ اُسی نے تو ہمارے مالک کو پڑھایا ہے۔"

"ٹھہر جا حرامزادے للو۔ صبح ہونے دے۔ دیکھ کیسی تیری شکایت کرتا ہوں، کہ تو بھی راضی ہو جائے۔ چور کہیں کا۔ روز گھاس چراتا ہے۔ دونوں وقت چوری کرتا ہے روٹی چھپا چھپا کے بیچتا ہے۔ بے ایمان کہیں کا۔"

"ہٹاؤ بھی تم کیوں ایسا گناہ کرو اور بہتے ہوگا بھی کیا؟"

"گناہ کیسا۔ کیا یہ سب جھوٹ ہے۔ کیا وہ گھاس اندر نہیں چراتا۔ میں ضرور کہونگا۔ سب کچھ کہونگا جو کچھ میں جانتا ہوں۔ مالک کو یقین نہ آئے تو وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے ابھی دیکھ لے کہ اُسکے یہاں مٹکیوں میں چنے بھرے ہیں کہ نہیں ہائے اسنے ہمیں تباہ کر دیا۔ برباد کر دیا ہم کہیں کے نہ رہے" . . . . اسکے بعد رونے کی آواز آنے لگی۔

شبراتی یہ سب سنتا رہا اور اُسے سخت الجھن ہوتی رہی اس نے محسوس کیا کہ یہ سب بربادیاں اُسی کی لائی ہوئی ہیں انکی تباہی کا باعث یہی ہے وہ تھوڑی دیر کھڑا رہا کچھ سوچا اور پھر صدر دروازہ سے نکلکر تاریکی میں غائب ہو گیا۔

(فرانسیسی)

ملازم

(لطیف شاہد)

شبراتی کو شہر میں آئے ہوئے آٹھ کتنے دن ہو چکے تھے اُسے بالکل یاد نہ تھا لیکن وہ یہاں کے تمام بڑے بڑے بازاروں میں گھوما۔ بڑی بڑی حویلیوں کے پھاٹک تاکے چپہ چپہ کی خاک چھان ڈالی۔ اپنے بہت سے ملنے والوں سے ملا اور کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی مگر اسے ملازمت نہ ملنا تھی نہ ملی اور اس نے جتنی امیدیں یہاں سے وابستہ کی تھیں سب نقش بر آب ثابت ہوئیں۔

شبراتی کو یوں تو بڑی آرزو تھی کہ وہ شہر آتا، یہاں خوب گھومتا، خوب سیر کرتا، یہاں کے گنجان بازار، آسمان سے باتیں کرتی ہوئی کوٹھیاں بڑے بڑے پارک دیکھتا یہاں کے سینما، تھیٹر، عجائب خانوں کے متعلق عجیب و غریب افسانے اُس نے بعض اپنے ساتھیوں کی زبانی سنے تھے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہاں بہت سے بڑے بڑے کارخانے ہیں جن میں ہزاروں آدمی کام کرتے ہیں۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ قصبہ کی طرح یہاں بھی رئیس لوگ ہوتے ہیں جنکے یہاں بھی آدمی کام کرتے ہیں۔ کوئی صرف بازار سے سودا لاتا ہے۔ کوئی ڈیوڑھی پر کھڑا رہتا ہے۔ کوئی گھر میں آتا جاتا اور اندر کا کام کرتا ہے۔ کوئی کھانا کھلاتا ہے اور بعض ایسے بھی ملازم ہوتے ہیں جو صرف رئیس لوگوں کو ہنسانے کے لئے ہوتے ہیں اور انکا کام سوائے باتیں بنانے کے اور کچھ نہیں ہوتا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہاں منڈیاں لگتی ہیں۔ عمارتیں بھی بنا کرتی ہیں اور مزدوری ملنے میں آسانی ہوتی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ اسکی سمجھ میں آنے لگا کہ اسکی حقیقت کیا ہے اور ان سے درد مفلسی کا مداوا کس حد تک ہو سکتا ہے۔ آج اُسکے پاس چند پیسے تھے جو خوراک کے لئے بھی ناکافی تھے اور اسکے بعد جو کچھ ہونیوالا تھا اسکے خیال ہی سے وہ کانپ اُٹھتا تھا۔

نہ معلوم کیوں اُسے یقین تھا کہ قصبہ میں تو اس اُسکا کوئی نہ تھا، وہ بھوکوں نہ مر سکتا تھا۔ وہاں اسے کہیں نہ کہیں کوئی کام مل سکتا تھا۔ اور وہ اپنا پیٹ پال سکتا تھا۔

شہر میں اُسے اب ایک لمحہ ٹھہرنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ گو یہاں اسکے جاننے والوں کی کمی نہ تھی پھر بھی اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں اُسکا کوئی نہیں۔ وہ اسی اُدھیڑ بن میں مصروف تھا یکایک اسکا نیا ساتھی نظر آیا۔ اور شبراتی نے بے اختیار اُسے آواز دیکر ٹھہرا لیا اور کہنے لگا۔

"بھیا للو۔ سچ پوچھو تمہیں دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہو اچھے تو ہو"

"ہاں اچھا ہوں۔ کہو تم یہاں کیسے؟"

"کیا بتاؤں بھیا ـــــ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ باپ پہلے ہی مر چکے تھے۔ دو سال ہوئے ماں بھی چل بسی اور میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ قصبہ میں کچھ دن زمیندار صاحب کے یہاں کام کرتا رہا۔ جب انھوں نے دوسرا ملازم رکھ لی تو مجھے جواب دیدیا۔ اب قصبہ میں میرا کون تھا جو وہاں رہتا۔ سنا تھا شہر میں ملازمت کی کمی نہیں کچھ نہیں تو معمولی محنت مزدوری کر کے پیٹ پل سکتا ہے۔ لیکن بھیا آج کتنے دن گزر گئے مارا مارا پھر رہا ہوں نہ بیٹھنے کا ٹھکانا نہ اٹھنے کا۔ دن بھر ادھر اُدھر نوکری کی تلاش میں گھومتا پھر رہا ہوں۔ رات کو کبھی میدان میں کبھی سڑک کے کنارے کبھی کہیں کبھی کہیں پڑ رہتا ہوں آجتک تو جو کچھ میرے پاس تھا اُس سے کسی نہ کسی طرح کام چلتا رہا۔ اب تو میرے پاس اتنے پیسے بھی نہ رہے کہ دو وقت کھانا مل سکے اور شاید فاقہ کرنا پڑے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ دو چار آدمی قصبہ کے یہاں تھے انہوں نے بات تک نہ پوچھی۔ اگر تم میرے لئے کچھ کر سکتے ہو تو کر دو میں تمہارا احسان عمر بھر نہ بھولونگا۔"

للو نے کہا "اچھا ہوا تم مل گئے۔ آؤ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ جو کچھ دال دلیا میں کھاتا ہوں۔ تمہیں بھی دونگا۔ اور اسوقت تک میرے ساتھ ہی رہو جبتک کہیں کوئی نوکری نہ ملے۔ اور میں بھی تمہارے لئے کوشش کرونگا۔"

للو سیٹھ گردھاری لال کے یہاں گاڑی بان تھا۔ سیٹھ گردھاری لال شہر کے رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔ بنک میں کافی روپیہ جمع تھا۔ پہلے ایک بڑی فرم کے مالک تھے لیکن بے اولادی کے غم نے انھیں دل برداشتہ اور مایوس کر دیا اور وہ کاروباری زندگی سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین سے ہو گئے تھے، سارا دن کوٹھی پر رہتے صبح و شام تھوڑی دیر کے لئے فٹن پر سوار ہو کر سیر کو نکلتے اور یہی اُنکی زندگی کا معمول تھا، گھر میں ایک خادمہ تھی باہر دو ملازم ایک للو گاڑیبان۔ دوسرا سکھئی چوکیدار۔ للو کے بھی کوئی نہ تھا اور وہ شاگرد پیشہ کے ایک کوارٹر میں تنہا رہتا تھا۔ سکھئی چوکیدار کے بیوی بھی تھی۔ للو کہنے کو تو گاڑیبان تھا لیکن وہ گھر کے اور بہت سے کام بھی کرتا تھا اور سیٹھ کا معتمد بھی تھا اور منھ چڑھا بھی۔

دوسرے دن صبح جب للو فٹن جوتنے لگا تو پھر شبراتی نے کہا:

"بھیا للو، شہر میں تو مجھے نوکری ملنے سے رہی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارے سیٹھ صاحب مجھے نوکر رکھ لیں اور میں یہیں تمہارے پاس رہا کروں شہر میں کہیں اور جانے کی میری ہمت نہیں پڑتی"

للو نے کہا "میرے خیال میں یہاں تو کوئی جگہ نہیں نکل سکتی۔ سیٹھ صاحب یونہی زندگی سے کچھ خوش نہیں ہیں نہ کہیں آنا نہ جانا۔ نہ کوئی کام نہ کاج۔ صبح شام تھوڑی دیر سیر کرنے کو جاتے ہیں اور بس ـــــ اچھا اگر موقع ملا تو میں آج ہی اسکا ذکر کر دونگا"

للو یہ کہتا ہوا گاڑی جوت کر چلا گیا۔

وہ راستہ میں سوچتا رہا کہ اُسے کیا کہنا چاہیئے اور کس طرح اور آیا اُسے کہنا بھی چاہیئے؟ جبکہ نہ سیٹھ صاحب کے یہاں جگہ خالی ہے نہ کوئی ایسی ضرورت اور سیٹھ جی کسی سے ملتے بھی نہیں کہ کہیں دوسری جگہ کوئی انتظام ہو سکے۔ وہ نہیں

کہتے ہیں کہ سارے اصفہان میں اب صرف سات ملا ایسے رہ گئے ہیں جن مولویوں کو مولویانہ طرز پر رہنے کی اجازت ہے۔ ان کے لئے سیاست میں پڑنے کی سخت ممانعت ہے۔

رضا شاہ نے جب ایرانی لباس میں اصلاح کرنا شروع کیا تو ابتدا میں انھیں علماء اور عوام کی بڑی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ علماء اور کٹر مذہبی لوگ عمامہ کو اسلام کا ایک جزو سمجھتے تھے اور اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے اور مشہد میں تو انھوں نے عمامہ کی حمایت میں ایک اچھی خاصی تحریک اٹھا کر کھڑی کردی۔ مگر حکومت نے بھی اسے ایک اتفاقی لڑائی سمجھا اور [illegible] مشہد کے تقریباً تمام مولوی قید کرلئے گئے اور عمامہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ اس جیت سے حکومت کی ہمت بڑھ گئی اور وہ عورتوں کے لباس کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہاں اسے نسبتاً آسانی ہوئی اس لئے کہ ایرانی عورتیں خود بھی پردہ کی قید سے نکلنے کے لئے بے چین ہو رہی تھیں۔ بڑے آدمیوں کو اس نئی روشنی سے خطرہ محسوس ہوا لیکن حکومت کے زور ڈالنے پر وہ لوگ بھی بے پردہ جلسوں اور تقریبوں میں شرکت کرنے لگے۔ چند ہی ہفتوں میں ہر ایک نے دوسرے کی بیوی کو دیکھ لیا اور سب کو یقین ہوگیا کہ پردہ چھوڑنے کے جرم میں ان پر کوئی عذاب الٰہی نہیں نازل ہوگا۔ حکومت کی طرف سے یہ قاعدہ بنا دیا گیا کہ پردہ دار عورتوں کو موٹر اور سنیما کے ٹکٹ نہ دئے جائیں اور اس کے علاوہ پولیس والے اکثر پردہ دار عورتوں کا برقع چھین لیا کرتے تھے۔

رضا شاہ نے ایران کی خانگی زندگی میں ایک نئی روح پھونک دی۔ چند سال پہلے چھٹیوں کے دن ایران کے قہوہ خانوں میں ڈھیلے ڈھالے پرانے لباس میں ملبوس دقیانوسی قسم کے آدمی حقہ پی پی کر قالینوں پر لوٹ لگایا کرتے تھے مگر آج کل جمعہ کے دن کسی قہوہ خانے میں جائیے تو وہاں کی دنیا ہی نرالی نظر آئے گی۔ خاندان کے سب مرد عورت کوٹ پتلون اور سبک فراکیں پہنے ایک ہی میز کے گرد بیٹھے قہوہ پی رہے ہیں۔ کچھ آئس کریم اور شامی کباب کھا رہے ہیں اور سامنے آرکسٹرا بج رہا ہے یا ریڈیو سے گانے کی آواز آرہی ہے۔ ملاؤں کے دور میں طلاق میں جو آسانی تھی اب وہ نہیں ہے اس لئے کہ اب یہ کام سرکاری عدالتوں کے سپرد ہے جن میں مرد اور عورت کو برابر کے حق حاصل ہیں۔ اب ایک آدمی ایک وقت میں ایک ہی شادی کر سکتا ہے اور متعہ غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ ایرانی عورتیں اب آزاد ہوگئی ہیں لیکن ایرانی نظام حکومت ابھی نہیں ہے جس میں ہر شخص آرام کی زندگی بسر کر سکے اور اسی لئے وہ سب سرمایہ دارانہ [illegible] ملکوں کی طرح ایران میں بھی محنت کشوں کو بہت کچھ ناخوشگوار حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن یہاں بھی خوشی کا رنگ نمایاں ہے اور ایرانی بچے بہت کچھ لندن اور پیرس کے بچوں سے ملتے جلتے ہیں۔

صنعت و حرفت

طہران کی سرحد پر [illegible] سے شمالی رنگ کی اونچی اونچی پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ ان سے دھویں کے بگولے اٹھ اٹھ کر آسمان پر چھا رہے ہیں۔ پاس ہی [illegible] بہت سے مزدور ان [illegible] کے لئے غذا تیار کر رہے ہیں۔

یہ پہاڑ نہیں بلکہ پرانے طرز کے اینٹوں کے بھٹے ہیں۔ مزدور کچی مٹی کی اینٹیں تیار کرکے بھٹوں میں رکھتے ہیں اور وہاں سے وہ پکی اینٹیں بن کر نکل آتی ہیں۔ طہران میں ان اینٹوں کی بڑی خاص مانگ ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ صنعت و حرفت میں نیا ایران ابھی اپنی پرانی چال ہی پر قانع ہے۔ رضا شاہ نے برسر حکومت آنے کے بعد ہی ایک موقع پر کہا تھا کہ ایران کو ایک صنعتی ملک بنانے اور صنعت و حرفت ہی پر اپنی قومی اقتصادیات کی بنیاد رکھنے کے لئے میری حکومت تمام کوشش کرے گی۔ غیر ملکی ماہروں کی نگرانی میں ایران میں اب صنعت و حرفت نے کافی ترقی کر لی ہے۔ خاص طور پر کپڑا بنانے، بجلی پیدا کرنے اور شکر تیار کرنے کے لئے بڑے بڑے کارخانے کھل گئے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں شکر کے سرکاری کارخانوں نے ملک کی کل ضروریات کی ½ شکر تیار کی اور سوت کی درآمد تو اب قریب قریب بالکل ہی ختم ہوگئی ہے۔ ۱۹۳۰ء تک مشترکہ سرمایہ کی آٹھ سو اکسٹھ کمپنیاں کھل چکی تھیں جن میں تقریباً ساڑھے چار کروڑ تومان کا سرمایہ لگا ہوا تھا مگر اب بھی ایران میں برآمد کی بہ نسبت درآمد زیادہ ہے۔ درآمد کی خاص خاص چیزیں مشین، انجن، کپڑا، شکر اور چائے ہیں۔ ان کے بدلے میں ایران اپنے یہاں سے قالین، میوہ، روئی اور افیم بھیجتا ہے۔ روس اور جرمنی سے وہ کچے مال کے بدلے مشینیں لیتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں نو کروڑ کے سرمایہ میں سے جو ایران میں لگا ہوا تھا کوئی سوا آٹھ کروڑ برطانیہ کا تھا۔ اس وقت ۲۰ ایرانی کمپنیاں انگریزوں کی ملکیت تھیں۔ ۵ میں جرمنی اور چھ میں روس کا سرمایہ لگا ہوا تھا۔ سڑکوں اور ریلوں کی بھی تعمیر ہو رہی ہے۔ ان تعمیری اداروں پر خرچ کرنے کے لئے حکومت ہر سال ٹیکس بڑھاتی جارہی ہے۔ ۱۹۳۶-۳۷ء میں ۱۹۳۵-۳۶ء کا دگنا ٹیکس لگایا گیا تھا جو ۱۹۲۵-۲۶ء کا پانچ گنا ہوتا ہے۔

کاشتکاری

ایران کی جدید حکومت نے صنعتی ترقی پر جتنا زور دیا ہے کاشتکاری پر اتنا یا اس کا ایک حصہ زور بھی نہیں دیا۔ کسان آبپاشی کے لئے نہروں کا کوئی معقول انتظام نہیں اور کسان سو برس پرانے آلات کاشتکاری استعمال کرتے ہیں۔ ان کی زندگی ویسی ہی ہے جیسی کہ ہمارے ملک کے کسانوں کی۔ موٹی روٹی، [illegible] اور [illegible] پر ایران کی گزر ہوتی ہے اور چاول اور گوشت کو وہ ایک نعمت سمجھتے ہیں۔ [illegible] یہاں کی خاص پیداوار ہیں۔ تمباکو اور افیم کی سرکاری اجارہ داری کے ماتحت کاشت ہوتی ہے۔ بحر کیسپین کے ساحلی علاقہ میں جو شاہ ایران کی ذاتی ملکیت ہے غلہ کافی مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔ کسان بکریاں اور بھیڑیں بھی پالتے ہیں جن سے دودھ اور اون حاصل ہوتا ہے۔ کسی قدر اون باہر بھی بھیجا جاتا ہے۔

قوم پرستی کا جذبہ

ایران کی قومی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں دکھائی دیتی ہے وہ ایرانیوں کا قومی جذبہ ہے۔ اس جذبہ کے ماتحت وہ بدیسی کلچر اور تہذیب و تمدن کی فضا میں رہنے کے باوجود اپنا ایرانی رنگ قائم رکھ سکے ہیں۔ آج کل انکا یہ جذبہ اور ترقی کر گیا ہے اور انھیں باہر سے آنے والوں، ان کی زبان اور ان کے رہن سہن سے ایک نفرت سی ہوگئی ہے۔ وہ اپنے اس تعمیری دور میں کسی قسم کی باہری مداخلت نہیں گوارا کر سکتے۔ پولیس والے شاذ و نادر ہی لاطینی رسم الخط سے واقف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے باہر والوں کو اپنے پاسپورٹ کی جانچ کرانے اور اپنی صفائی پیش کرنے میں کافی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ باہر سے آنے والے کو بہتر گھنٹے کے بعد زیادہ ٹھہرنے کے لئے پولیس سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ طہران سے جانے کے لئے خاص طور پر اجازت لینا ہوتی ہے۔ کوئی باہر کا آدمی بلا اجازت تصویر نہیں لے سکتا اور چند مخصوص علاقوں میں وہ بلا اجازت لئے جا بھی نہیں سکتا ہے۔ لیکن ان ایرانیوں پر بھی جن کی حرکتیں ایرانی قوم کے لئے نقصان دہ رہی ہیں اسی قسم کی پابندیاں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ پابندیاں فی الحال حفظ ما تقدم کی نیت سے لگائی گئی ہوں اور گھربار ٹھیک ہو جانے پر ایران کے دروازے باہر

گاندھی جی راجکوٹ دربار مین

ٹھاکر صاحب (سیاہ لباس مین) بیچ مین ھین اور گاندھی جی اور شریمتی کستوربا گاندھی ان کی داھنی اور بائین جانب بیٹھے ھین

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

۱۔سوبھاش چندر بوس-سروجنی نائیڈو اور جواہر لال نہرو کانگریس کے اجلاس سے ذرا فرصت پاکر

۲۔کونے ...... سبھاش بوس چاء پی ......

۴۔مسٹر پی-سی-گول سابق وزیر ابکاری و زراعت کلکتہ میں شراب کی دوکان پر جو بعد میں چاء خانہ ہوگئی ہے-چاء پی رہے ہیں

۳۔(بیچ کی تصویر) پنڈت گووند بلبھ پنت سردیشی ذہانت الہ آباد میں چاء کا لطف لے رہے ہیں

۵۔مسٹر راج گوپال چاریہ سلیم کی ایک شراب کی دوکان میں جو اب چاء خانہ ہوگئی ہے چاء پی رہے ہیں

تکان—تنہائی—سرور و نشاط کے وقت آپکی تنہا دوست چاء ہے

ہندوستان

جلد ۳ — نمبر ۲۵ | کانگرس کا ہفتہ وار اخبار — لکھنؤ ۲۵ جون ۱۹۳۹ع | فی پرچہ ۱ آنہ سالانہ ۳ روپیہ

بدنصیب آبدوز

برطانیہ کا آبدوز جہاز تھیٹس جو حال ہی میں ۹۹ آدمیوں کو لیکر لیورپول کے قریب سمندر میں ڈوب گیا

فسطائی بغاوت سے پہلے

اسپینی خانہ جنگی سے پہلے یہ آہوچشم خوبصورت لڑکیاں ... سپاہی بے خبر بیلوں کی لڑائی دیکھ رہی ہیں

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس

اس وقت آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سامنے اہم مسئلے یہ ہیں۔

وزارت مداخلت کی جو کانفرنس شملہ میں ہوئی اس میں مرکزی حکومت کے راجستھلہ وزیر نے اس بات کی کوشش کی کہ کانگرسی اور غیر کانگرسی حکومتوں کو امن وامان کے نام پر متفق کرکے مرکزی حکومت سے جوڑ دیں۔ امن وامان کے معنی جتنے چھپے ہوئے ہیں اس کا ہم پچھلے بیس برسوں میں اندازہ کر چکے ہیں۔ امن وامان ہی کے نام پر نزیب نہتے ہندستانیوں کو جلیان والا باغ میں گولی مار دی گئی تھی۔ اسی کے نام پر بھرے امن پسند مجمعوں میں سیکڑوں پر لاٹھی چارج ہوا۔ لاکھوں جیل خانوں میں بھر دئے گئے۔ کنگال کسانوں کی زمینیں ضبط ہوئیں۔ نیلام ہوئیں، اور ان کے بچے بھوک کے مارے در بدر کی خاک چھانتے گھومے۔

امن وامان کے خلاف ہم نے برسوں لڑائی لڑی اور بڑی سے بڑی قربانیاں کیں۔ تب جا کر اس کے معنی اتنے سکڑ گئے۔ سزا یافتہ لوگوں کو عدالت کی کرسیاں ملیں اور امن وامان کو ان کے ہاتھوں میں دیا گیا۔ اب برطانوی حکومت یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح موجودہ کانگرسی حکومتوں کو اپنا لے اور پھر ان کی مدد سے کسانوں اور مزدوروں کے اٹھتے ہوئے دل کو کچل ڈالے۔ اپنانے کے فن میں برطانیہ کو بڑی مہارت ہے۔ میر جعفر کو اپنایا، والیان ریاست کو اپنایا اور علاوہ اس کے بہت سے لوگوں کو تعلقدار بنا کر اپنایا اب وہی پرانے منجھے ہوئے ہاتھ کانگرس کو دکھا رہی ہے۔

اس اپنانے میں ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر لڑائی چھڑ گئی تو امن وامان کے نام پر بنے ہوئے دوست اگر مدد نہ کریں گے تو کم سے کم مخالفت کرکے امن وامان کے توڑنے کے مجرم تو نہ بنیں گے۔

یہ چالیں ہیں برطانیہ کی۔ ہمارے پاس ان کا کیا جواب ہے؟

ہر صوبہ میں عوام میں بیداری بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ کسی جگہ بھی مزدور اور کانگرس دب کر خاموش نہیں ہو جاتے ہیں۔ پنجاب میں کسان ستیہ گرہ چل رہی ہے۔ سرحد میں کسان ستیہ گرہ چل رہی ہے۔ ڈگبائی کے مزدوروں نے اپنے حقوق کی حفاظت پر بہادری سے لڑائی چھیڑ رکھی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کو کس طرح کانگرس کی سنگت میں لایا جائے۔ کسانوں اور مزدوروں کی طاقت ہی وہ طاقت ہے جو کانگرس کے بازو مضبوط کر رہی ہے۔ اگر آج برطانیہ کو، اور برطانیہ کے دوستوں راجاؤں، تعلقداروں اور سرمایہ داروں کو یقین ہو جائے کہ اب یہ طاقت کانگرس کے ہاتھوں سے نکل گئی ہے تو اس دن برطانیہ کا رویہ بدل جائے، پھر وہی جلیان والا باغ کے دن لوٹ آئیں۔ یہی طاقت ہے جو سامراج کی بنیادوں پر حملے کرتی ہے، اور اس کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتی چلی جاتی ہے۔

اگر آج لڑائی چھڑ جائے تو سامراج فوجی بھرتی کے لئے بڑی سے بڑی بات کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، اور سامراج کے جتنے لاڈلے ہیں سب اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس وقت تحریر و تقریر کی آزادی غائب ہو جائے گی۔ بلکہ کچھ تعجب نہیں جو کانگرس کے دفتروں کو بھی ضبط کر لیا جائے۔ ایسے موقعوں پر اگر مزدور اور کسان منظم ہوئے، اور کانگرس کی سنگت میں ہوئے تو ہم اپنے بچاؤ میں ایسا سخت ستیہ گرہ ہی حملہ کر سکتے ہیں کہ سامراج کا سارا اندر ٹوٹ جائے گا، ہم عام ہڑتال کرکے حکومت کا پورا کاروبار بند کرا سکتے ہیں۔ کسان بند کرکے حکومت اور اس کے لاڈلوں کو بے دست و پا کر سکتے ہیں۔

ریاستوں کی لڑائی کا تھمنا تھا کہ والیان ریاست نے "پیار و دھتکار" کی پالیسی اختیار کر لی، ملک و قوم کے غداروں کو انعامات ملنے لگے۔ اور جان فروش بہادروں کو دکھ پہونچانے اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی ہے۔ ڈھنکانال گنگ پور میں ۳۲ کسان مارے گئے۔ ریاست تلچر اپنے وعدوں سے پھر گئی۔ سیٹھ جمنالال بجاج اور دوسرے قیدی ابھی تک جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ٹراونکور، کولھا پور، راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ کی ریاستوں پر ظلم و بربریت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک ریاستی پرجا بھی بیدار ہو کر ہمارے ساتھ نہیں آتی ہے، ہم نہ تو فوجی بھرتی کی مخالفت کر سکتے ہیں، اور نہ ہندستان کو آنے والی لڑائی میں شریک ہونے سے روک سکتے ہیں کیونکہ یہ ریاستیں والے۔ درمے قدمے ہر طرح برطانیہ کی مدد پر آمادہ ہیں۔ اور ان کی آمادگی سے برطانیہ جو کچھ چاہتی ہے اس کو مل سکتا ہے۔

برطانیہ نے "ہندستانی برطانی تجارتی معاہدے" کے ذریعہ سے ایک طرح سے ہندستان کو فوجی بھرتی میں شریک کر ہی لیا ہے۔ یہ معاہدہ اس غرض سے کیا گیا ہے کہ انگلستان کے تاجروں کو کچھ رقم دلا دی جائے تاکہ پھر وہ آسانی سے انگلستان کی عام بھرتی کا محصول ادا کر سکیں۔ اسمبلی نے اس کی مخالفت ...

سخت مخالفت کی۔ انگریز تاجروں کے ایجنٹ وائسرائے نے اسے اپنے اختیارات سے منظور کر دیا ہے۔ ہم کو لڑائی اور فوجی بھرتی کی مخالفت کرنا ہے اس لئے اس کی بھی مخالفت کرنا چاہیئے۔

کانگرس کی اندرونی اصلاح بھی بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس وقت کانگرس میں طرح طرح کے غرضمند گھس آئے ہیں اور اپنی غرض کے لئے وہ کانگرس کو طرح طرح کی ترکیبوں سے غلط راہ پر چلا رہے ہیں۔ جب تک کانگرس ان کے وجود سے نہیں پاک ہوتی ہے کانگرس کا بہادری سے آگے بڑھنا ناممکن نظر آتا ہے۔ یہ وہ بڑے بڑے مسئلے ہیں جو اس وقت آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سامنے ہیں۔ اور ان میں سے ہر مسئلہ اہم ہے۔

ترپوری میں اور بعد کو کلکتہ کے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے جلاس میں قومی مطالبات اور لڑائی دشمن اور باہمی قرار دادوں کے ذریعے ایک ایسی راہ نکالنے کی کوشش کی گئی تھی جس سے یہ مسئلے حل ہو سکیں۔ مگر صدارت اور دو رنگ کمیٹی کے جھگڑے اتنے پھیلائے گئے کہ ان مطالبات کو عمل میں لانے کی کوئی کوشش نہ ہو سکی۔ اب ان کو زیادہ دنوں تک نہیں ٹالا جا سکتا۔ اس لئے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سامنے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ کس طرح ان کھلے قراردادوں کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور جو مسئلے ان سے حل نہ ہو سکیں ان کو حل کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔

ڈگبائی کی اسٹرائک کی سیاسی اہمیت

آج کل کسی تیل کی کمپنی کی اسٹرائک ویسی ہی سیاسی اہمیت رکھتی ہے جیسی کسی اسلحہ کے کارخانے کی اسٹرائک۔ کیونکہ بغیر تیل کے کوئی لڑائی نہیں چل سکتی۔ یہ ضرورت یوں اور بڑھ گئی ہے کہ اب فوجوں میں گھوڑوں کی جگہ موٹر اور موٹر سائکلیں استعمال ہوں گی۔ ایسی صورت میں اگر عالمگیر لڑائی چھڑ گئی تو ہر ملک کے لئے تیل کا ایک ایک قطرہ ہیرے سے زیادہ قیمتی ہو گا۔ خاص کر ان ملکوں کے لئے جو تیل کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں، جیسے برطانیہ۔

ڈگبائی کے تیل کی کمپنیوں کے مزدوروں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ اصل میں تیل کی کانوں کے مالک وہی لوگ ہیں۔ وہ چاہیں تو تیل نکلسکتا ہے وہ نہ چاہیں تو تیل نہیں نکلسکتا ہے۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب یہ مزدور بیدار ہو گئے ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ اب ان کی سیاسی بیداری بڑھائیں اور ان کو حب وطن لیڈروں کے ہاتھوں میں نہ چھپنے دیں۔ تاکہ اگر عالمگیر لڑائی چھڑے۔ اور برطانی سامراج زبردستی ہندستانیوں کو فوج میں بھرتی کرنے لگے، تو اس ظلم و ستم کا مقابلہ کرنے کو ہمارے پاس ایک ہتھیار تیل کی کمپنیوں کے مزدوروں کی اسٹرائک بھی رہے۔

مزدوروں کی اسٹرائک کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مزدوروں کے پاس کھانے کو پیسہ نہیں رہتا ہے اور وہ فاقوں سے تنگ آ کر اپنے مالکوں کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اس لئے اس وقت جو شخص بھی سچا لڑائی دشمن ہے، اور ہندستان کے کنگال انسانوں کو چند روپیوں کے بدلے برطانیہ کی قربان گاہ پر بھینٹ ہوتا نہیں دیکھ سکتا ہے، اس کو چاہیئے کہ ڈگبائی کے مزدوروں کی مدد کرے۔

مسلم لیگ کی نئی کروٹ

مسلم لیگ کا آرگن منشور جو حسن ریاض صاحب کی ادارت میں نکلتا ہے ۱۱ رجون کی اشاعت کے افتتاحیہ میں لکھتا ہے:-

"ان علما کی تقریریں دیکھئے۔ صاف معلوم ہوگا کہ ایمان اور اسلام انہوں نے صرف اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے........ ہم حیرت سے سوچتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہے تو یا اللہ ہم کیا ہیں؟ اور اس وسیع ہندستان میں مسلمان اور مومن کتنے ہیں؟ کیا صرف اتنے جتنے مولوی ہیں......

"ہم تو یہ کہتے رہتے تھے کہ ہمارے ایمان اسلام اور اعمال کا جائزہ اس وقت لیا جائے گا جب حشر و نشر ہوگا۔ یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ ہماری جگہ جنت میں ہے یا دوزخ میں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ ہمارے محاسب اسی دنیا میں موجود ہیں وہ ہماری نیتوں سے بھی واقف ہیں اور ہمارے اعمال کے نتائج سے بھی آگاہ ہیں۔ ہم اللہ کو ایک کہیں..... اس کے رسول اور حشر و نشر پر عقیدہ رکھیں سب ہیچ ہے۔ ہمارے ایمان اور نجات کی شرط اول یہ ہے کہ ہم اپنے ہی جیسے انسانوں کی کورانہ تقلید ضرور کریں جنھوں نے عربی مدارس میں...... تعلیم پائی ہے۔ پھر تقلید بھی کس چیز میں، بالخصوص سیاست میں جن کی ان بزرگوں کو کوئی تعلیم نہیں ہوئی۔

"وہ جن لوگوں کو تاریخ، جغرافیہ، سیاست، اقتصادیات کا کوئی علم نہیں ان کی سیاست میں قیادت اور رہنمائی عجیب چیز ہے.....

"وہ غیر مولوی کی سیاسی قیادت سے صرف اس لئے انکار کرنا کہ وہ مولوی نہیں ہے..... بری نوعیت ہے۔"

ابھی دسمبر میں مسلم لیگ نے پاس کیا تھا کہ

"ہر صوبہ اور ہر ضلع میں جہاں جہاں کہ علما کا روحانی اثر کام میں لایا جاسکتا ہے۔ ان کی طرف سے مختصر فتوے اور بیانات نکلنا چاہئیں جن میں کہ مسلمانوں کو کانگرس میں شریک ہونے سے روکا جائے.......

اور بتایا جائے کہ کانگرس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا مذہبی حیثیت سے کتنا برا ہے۔ یہ فتوے مسلم لیگ کی طرف سے ہر صوبہ اور ہر ضلع کی زبان میں شائع ہوں اور مقامی لیگ کمیٹیوں کی طرف سے تقسیم کئے جائیں۔"

ہم کو حیرت ہے کہ یہ مقدس جماعت فتووں کا ہتھیار چھوڑ کر کانگرس سے لڑنے کا کیا طریقہ نکالے گی۔ ابھی تک تو مسلمانوں کو یہی سمجھایا گیا کہ لیگ کے ٹکٹ کو جنت کا پروانہ سمجھو، اور کانگرس کی ممبری کو شدھی جانو۔ لیکن اب یہی لیگ سیاسی بحثوں کو سیاسی دلیلوں سے طے کرنا چاہتی ہے۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ سیاست کے میدان میں آکر لیگ کرگئی کیا۔ ابھی تو حالت بقول ظہیر الحسنین لاری صاحب یہ ہے کہ ابھی تک اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کن حقوق کو چاہتی ہے۔ کسان و زمیندار، مزدور و سرمایہ دار، رعایا و والیان ریاست کے جھگڑوں کے متعلق سوال ہی بیکار ہے۔

لیگ کا یہ مبارک قدم اس لئے اٹھا کہ اسے نظر آنے لگا ہے کہ اگر وہ اسی طرح مذہبی جماعت رہی تو بہت جلد سنی لیگ، شیعہ لیگ، وہابی لیگ حنفی لیگ، وغیرہ لیگیں ہو جائینگی۔

ہماری لیگ سے یہ خواہش ہے کہ وہ بتائے اسکی سیاسی منزل کیا ہے؟ اور وہاں تک پہونچنے کا راستہ کیا ہے؟ اور موجودہ سیاسی اور اقتصادی جھگڑوں کا حل کیا ہے؟

مولانا عبید اللہ سندھی کا مشورہ

مولانا نے بنگال کی علما کانفرنس میں بتایا کہ آج کل کی دنیا میں مذہبی برادری کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا ہے۔ جرمن اور فرانس دونوں عیسائی ہیں۔ لیکن اس پر بھی ایک دوسرے کو لوٹنا چاہتا ہے۔ یہی حال دنیا کی سب قوموں کا ہے۔ اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہئیے کہ دنیا ان کو ہندو مسلمان یا عیسائی کی حیثیت سے نہیں دیکھتی ہے۔ بلکہ ہندوستانی کی حیثیت سے جو ولایتی سامان کا خریدار بن سکتا ہے، دیکھتی ہے۔ اس لئے اگر یہاں کے مسلمان ہندو اور عیسائی اپنے کو سامراجی لوٹ سے بچانا چاہتے ہیں تو ان سب کو ایک ہوجانا چاہئیے۔ اس مقصد کے لئے ہم کو انڈین نیشنل کانگریس کو پوری طرح طاقتور بنانا چاہئیے۔ تاکہ ہم سامراجی قوموں کا مقابلہ کر سکیں اور اپنے کو آزاد کرا سکیں۔

مولانا سندھی اگر اپنے سیاسی عقائد کی دلیل میں صرف فتوے پیش کرتے تو ہم ان کی کبھی تائید نہ کرتے مگر مفصل جو کچھ کہا سیاسی اصول پر کہا ہے۔ اس لئے وہ اگر غلط بھی ہوتا تو بھی سننے کے قابل تھا۔

مسلم لیگ کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس کا شروع سے یہی کام رہا ہے کہ ان باتوں کا جواب یا تو کفر کے فتوے سے دیتی تھی یا "لاٹھی بلکہ فیصلے سے"۔ کلکتہ میں شاید پہلی بات نہ چل سکی، تو اس نے دوسرا ہتھیار استعمال کیا۔

لیکن یہ سوال بدستور باقی ہے کہ ہم آپس کی پھوٹ سے آزادی اور طاقت حاصل کر سکتے ہیں یا آپس کے میل سے؟ اگر میل سے حاصل کر سکتے ہیں تو میل کی کیا صورت ہے؟ اور میل نہ کرنے سے کسی ایک فرقے کا نقصان ہے یا سب فرقوں کا؟

عام مسلمانوں کی غیرت

ہم کو یہ بڑی خوشی ہے کہ عام مسلمانوں نے مسلم لیگ کی اس حرکت کو سخت ناپسند کیا۔ ۸ جون کو جمعیت اصلاح القوم پشاوری نے علما کے ساتھ بدتمیزی کرنے پر بہت غصہ و شرم کا اظہار کیا اور یہ طے کیا کہ پشاوری مسلمانوں کو جناب محمد صاحب جوائنٹ سکریٹری مسلم لیگ کلکتہ سے جو اس حرکت کے ذمہ دار ہیں تمام تعلقات اسوقت تک موقوف رکھنا چاہئیں جبتک وہ توبہ نہ کرلیں۔

اس قرارداد میں قابل تعریف یہ فقرہ ہے:—

"یہ جلسہ اس بات کو پوری صفائی سے ظاہر کردینا چاہتا ہے کہ پشاوری مسلمانوں کا یہ فیصلہ کسی خاص سیاسی رجحان کے ماتحت صادر نہیں ہوا ہے۔ پشاوری مسلمانوں میں اتنی رواداری موجود ہے کہ وہ اپنے ہر فرد کی کامل شخصی آزادی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ جس سیاسی مسلک کو چاہے اختیار کرے"۔

یہ کارروائی ایسی ہے جسکی تائید مسلم لیگ کو بھی کرنا چاہئیے۔

مسلم لیگ اور علماء

بنگال کی علما کانفرنس میں مسلم لیگیوں نے جو ہنگامہ مچایا ہے اور جس طرح کانفرنس کو ختم کرایا ہے یہ مسلم لیگ کے چہرے پر ایک کالا داغ ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ ایسے ایسے کالے داغ اس چہرے پر اتنے لگے ہیں کہ اب مسلم لیگ کو اس کا احساس تک نہیں رہا۔

ایک طرف تو مسلم لیگ اسلامی اور مذہبی جماعت بننے کا دعوے کرتی ہے اور دوسری طرف صرف سیاسی عقیدوں کے اختلاف پر مسلمانوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرتی ہے جو دشمنوں کے ساتھ بھی نہ کرنا چاہئیے۔ مسلم لیگ کے نزدیک مسلمان ہونے کیلئے توحید، رسالت، حشر و نشر وغیرہ پر ایمان رکھنا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا دو آنہ دیکر مسلم لیگ کی ممبری خریدلینا۔ بڑے سے بڑا مذہب کا پابند عالم بھی اگر وہ کانگریسی ہے تو اسکے جہنمی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کو ذلیل کرنا ثواب ہو گا۔ اس سے تعلقات ختم کرنا، ممکن ہو تو اس پر جہاد بولدینا سب جائز ہے بلکہ فرض ہے۔ لیکن لیگی خواہ کیسا ہی مسلمان ہو قطعی جنتی ہے۔ اور اسکے دوزخ کے ٹکٹ کو جنت کا پروانہ سمجھنا چاہئیے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ بنگال کی علما کانفرنس کے ساتھ ایسی لغو حرکت کو مسلم لیگ نے کس طرح جائز رکھا؟ کیا یہ ایسی حرکت نہ تھی جس پر ساری لیگ کو شرم سے گڑ جانا چاہئیے تھا؟ اگر سیاسی میدان میں ایسی ہی بدتمیزیاں روا رکھی گئیں تو کیا اس سے صرف کانگریسی کانفرنسوں ہی کو نقصان پہونچے گا؟ اگر مسلم لیگ ایسی حرکتوں کو جائز نہیں رکھتی ہے تو پھر کیوں اس نے شرم و نفرت کا اظہار نہیں کیا؟

آہ اسد قدوائی!

ایک بہادر، ان تھک اور قوم دوست کی موت سے جو صدمہ کانگریس اور ملک کو پہونچ سکتا ہے، اسد قدوائی کی موت سے پہونچا۔ مرحوم نے مسلم لیگ کی سخت مخالفت کر کے بھی اپنے وطن ہنگو اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر مسلمانوں میں کانگریس اور آزادی کی گہری محبت پیدا کردی تھی۔ گرمی اور دھوپ میں بھی دن دن بھر دیہاتوں میں دورہ کرتے رہتے، اور کسانوں کو منظم کرتے رہتے۔ انکو کانگریس کے تعمیری پروگرام سے بھی دلچسپی تھی۔ انھوں نے کئی جگہ امداد باہمی کی انجمنیں قائم کرائیں۔

مرحوم پہلے مجلس احرار کے والنٹیر کور کے کپتان تھے۔ اور جس محنت سے مرحوم کانگریس میں کام کرتے تھے اسی محنت سے احرار میں بھی کام کرتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ ان کو یقین ہو گیا کہ احرار کی جماعت کچھ ایسی بندشوں میں پھنسی ہوئی ہے کہ اس میں رہ کر کانگریس کا کام اچھی طرح نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے انہوں نے استعفا دیدیا، اور پھر کانگریس ہی میں کام کرنے لگے۔

مرحوم پکے مذہبی انسان تھے۔ اور ساتھ ساتھ سوشلسٹ خیالات رکھتے تھے۔ ان کے ایسے وطن کے پکے مسلمان کانگریسی کی اچھی یادگار یہی ہوسکتی ہے کہ جس کام کو انھوں نے شروع کیا تھا اسے پورا کیا جائے۔ یہ کام ہمارے نوجوانوں کا ہے۔

"برطانیہ کا تہیہ ہے کہ وہ کسی ملک پر زبردستی قبضہ نہیں رکھیگی" — چیمبرلین

چٹ پٹی چلائی ←── تماشائی

"دشت تو دشت ہیں" ان کی طرف توجہ کرنا ہی بیکار ہے اصل میں لیگی پروگرام یہ ہونا چاہیئے۔

...... دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

چنانچہ دو سال سے مسلم لیگ یہ اسلامی پروگرام پورا کر رہی ہے۔ اور اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں کر رہی ہے۔

مسلم لیگ کا پہلا وفد وطن چھوڑ، چھینوں، دشت غربت میں مارا مارا پھرا۔ معلوم کتنے مہینے غریب لندن میں پڑا رہا ———

اب مسلم لیگ اس سال ایک وفد اسلامی ممالک کو بھیج رہی ہے۔

ہماری رائے میں تمام لیگیوں کو جانے والے مجاہدین کی باہر برا امام ضامن باندھنا چاہئے۔ اور ان کے اصل خیر سے واپس آنے کی دعائیں کرنا چاہئیں۔

ایک غیر ضروری مدر و پیہ کی کمی ہے۔ ادھر بھی اک نظر۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ وہ دن دکھلائے کہ ہر مہینہ اور ہر ہفتہ مسلم لیگ کے وفد باہر جایا کریں۔

.... بچہ چاہے جتنا روتا ہو، ادھر اس سے کہو وہ دیکھو سونے کی چڑیا وہ دیکھو سونے کی چڑیا، اور اور ہر وہ فوراً منہ بند کرکے آنکھیں پھاڑ پھاڑ افق کی طرف تکنے لگتا ہے۔

یہ وہ اکسیر نسخہ ہے جو کبھی بیٹ نہیں پڑتا۔ نہ بچے کی ضد پوری کرنے کی ضرورت نہ اس کو "چچی" دینے کی حاجت۔

جب مسلم لیگ سے اپنے بچوں شیعہ سنی کی لڑائی میں کچھ بن نہ پڑا تو لگی کہنے "ایران دیکھو توران دیکھو، مصر دیکھو۔ انگلستان دیکھو" ——— ان کی ماتا!

لیگی بچو تم لاکھ بڑے ہو جاؤ مگر تمھاری ماں تم کو دہی دودھ پیتا بچہ سمجھتی ہے اب سعادت مندی کا تقاضا یہی ہے کہ چھوڑو ہندستان کو اور تکو افق کی طرف!!

خاکساروں نے چیلنج دیا ہے کہ اگر یکم جولائی تک شیعہ سنی سمجھوتہ نہیں ہوگیا تو وہ کوئی خطرناک اقدام کریں گے۔ ان کے خیال میں تین شیعہ اور تین سنی بانی فساد ہیں۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

جب ۲۹ جولائی تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا تو علامہ ہٹلر بذات خود تشریف لائے۔ آتے ہی انھوں نے اپنے کمانڈروں کو ڈانٹا کہ زبانی دھمکی تم نے کیوں دی سپاہی عملی دھمکی دیتا ہے۔ پھر وہ ایک لیڈر کے مکان پر پہونچے دیکھا تو وہ عبا قبا پہنے سوکھا چہرہ بنائے تسبیح پڑھ رہا ہے۔ انھوں نے اپنی دونوں چھنگلیاں اپنے منہ میں ڈالکر دونوں بانچھوں کو کانوں کی طرف کھینچ لیا۔ کلمہ کی انگلی سے آنکھیں نیچے کی طرف کھینچ لیں زبان باہر نکالی اور اس طرح بھیانک بنکر نعرہ مارا "ہو" .... لیڈر نے گردن اٹھا کر دیکھا، اور یہ عملی دھمکی دیکھتے ہی .....

..... علامہ نے کہا کرو جو میں کہتا ہوں۔

چھوٹوں کے چھوٹوں لیڈر ڈر کے مارے آنکھیں بند کئے بھیگی بلی بنے اپنا اپنا منہ گھما کر چلے۔ اور مری آواز سے سیٹی بجائی۔ سیٹی کی آواز سنتے ہی پورا شیعوں کا کل ہندسنیوں کا لگ ان کے پیچھے پیچھے ہیں ہیا

خاموش رہو —!

(ایک بازار کی سیر)

(بسمل)

اب پاؤں مرا تھراتا ہے — بابا! وہ یکہ آتا ہے

خاموش رہو—!

رومال کی بابو! حاجت ہے — دو آنہ اس کی قیمت ہے

خاموش رہو—!

اندھا ہوں خبر میری لے لو — اللہ کی خاطر کچھ دے دو

خاموش رہو—!

. . . .

سرکار! یہ بھاری بوجھا ہے — اک آنہ اس کا تھوڑا ہے

خاموش رہو—!

لاچار ہوں دکھیا ہوں بابا! — دو روز سے بھوکا ہوں بابا!

خاموش رہو—!

کیوں چھوت ہے بابا! جانے دو — مندر میں پھول چڑھانے دو

خاموش رہو—!

کیا سچ مچ راج آجائیگا؟ — کب تک سوراج آجائیگا؟

خاموش رہو—!

. . . .

جنوبی افریقہ کے ہندستانی

موہن لال سکسینہ

(حکومت ہند کی طرف سے سمندر پار ہندستانیوں کے مسئلوں پر غور کرنے کے لئے جو کمیٹی مقرر ہوئی ہے بابو موہن لال سکسینہ (ممبر مرکزی اسمبلی) اس کے ممبر ہیں۔ ہماری درخواست پر انھوں نے یہ مضمون خاص ہندستان کے لئے دیا ہے اور آئندہ کے لئے بھی لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ ——— اڈیٹر)

جنوبی افریقہ میں ۱۹۳۶ء کی مردم شماری کے مطابق ۲ لاکھ ۱۹ ہزار ۹۲۸ ہندستانی آباد تھے۔ ان میں سے اسی فیصدی صوبہ نٹال میں رہتے تھے ۱۸۶۰ء سے ہندستانی نٹال جاکر آباد ہونے لگے۔ شروع میں وہ ٹھیکہ کے مزدور بن کر جاتے تھے اور ٹھیکہ کی میعاد بھر انھیں انگریز سوداگران اور فارم کرنے والوں کے یہاں مزدوری کرنا پڑتی تھی۔ ۱۸۶۶ء تک تقریباً ۵ ہزار مزدور نٹال جاکر آباد ہو چکے تھے۔ اس کے بعد ۱۸۷۴ء تک کے لئے ان کا جانا بند ہوگیا۔

یونین گورنمنٹ کے ایک دوسرے صوبہ ٹرانسوال میں ۱۸۸۱ء تک کوئی ہندستانی نہ تھا اس کے بعد ۱۸۸۱ء میں انھوں نے نٹال سے ٹرانسوال جانا شروع کیا۔ اس وقت تک ٹرانسوال میں ہندستانیوں پر طرح طرح کی پابندیاں تھیں وہ آزادانہ چل پھر سکتے تھے اور نہ مستقل بود و باش اختیار کر سکتے تھے۔ نٹال میں ہندستانیوں کا جانا جو بند ہوا تھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ جو ہندستانی ٹھیکہ کے مزدور بن کر آتے تھے ان کے لئے اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ ٹھیکہ ختم ہونے پر انھیں یونین کے معمولی شہریوں جیسے حقوق مل جائیں گے۔ ٹرانسوال میں ہندستانیوں پر سے پابندیاں ہٹانے کے لئے لندن کنونشن ہوا اور ہندستانیوں کو یونین کی عملداری میں آزادانہ چلنے پھرنے اپنے گھربار کے ساتھ بود و باش اختیار کرنے۔ جائداد خریدنے اور کاروبار کرنے کا حق مل گیا۔ مگر سال بھر بھی نہ گذرا تھا کہ ۱۸۸۵ء میں قانون نمبر ۳ کی رو سے یہ تمام رعایتیں چھین لیگئیں۔ اس طرح جنوبی افریقہ کے ہندستانیوں کے ساتھ جن کی بابت خود وہیں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے ایک غیر ملک کو اپنا دیش سمجھ کر اس کی فلاح کے لئے پوری کوشش کی اور اپنا خون پسینہ ایک کرکے اس کو ترقی کی راہ پر لگایا۔ امتیازی برتاؤ ہونے لگا ۱۸۶۵ء تک اگرچہ تھوڑے ہی سے ہندستانی جنوبی افریقہ جا سکے تھے لیکن ان سے جو فائدہ ہوا اس کا کسی قدر اندازہ اخبار نٹال مرکری مورخہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۵ء کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے ”کئی سال کے تجربہ کے بعد ہمیں اب پتہ چلا ہے کہ قلیوں (ہندستانی مزدور جنوبی افریقہ میں قلی کہلاتے تھے۔) کی آمد ہماری فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ سے زیادہ ضروری ہے

یہ ایک جانا ہوا اصول ہے اس کا اندازہ اس کے نتیجوں سے کیا جا سکتا ہے“

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہندستانی جنوبی افریقہ گئے کیوں؟ اس لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہندستانی ایک دم سے اپنی خوشی افریقہ نہیں گئے۔ یونین گورنمنٹ کے ایجنٹوں اور انگریز سوداگروں کے کارندوں کو ہندستانی مزدور بھرتی کرنے میں بڑی مشکلیں پڑیں اور اکثر تو انھوں نے قلی پکڑنے کے اصولوں پر بھی عمل کیا۔ بڑے بڑے وعدے کئے اور خوب سبز باغ دکھلائے ۱۹۰۳ء میں حکومت ٹرانسوال نے ہندستانی مزدور بھرتی کرنے کے لئے درخواست بھیجی جواب میں وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے لکھا وہ یہ ہے کہ ہمیں اس کی کوئی خواہش نہیں ہے کہ ہندستانی کسی تعداد میں بھی نٹال جائیں۔ اس طرح ہمارے ہندستانی مسئلہ کی جو اہمیت ہوتی ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے اور ہمیں اسلئے اپنے ہی مستقبل میں کانٹے بوتا ہوں گے جو حکومت ہند میں شاہی جذبہ بہت گہرا ہے اور اس کے باہر بھی میں کسی ایسے طبقہ۔ فرقہ یا ایک فرد کو نہیں جانتا جس کی یہ خواہش ہو کہ ہندستان ٹرانسوال کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعلق قائم رکھے۔ نٹال کی تلخ مثال ان کے سامنے ہے۔“

قانون نمبر ۳ ۱۸۸۵ء جس کا کہ اوپر تذکرہ ہو چکا ہے آج بھی جاری ہے اس کی رو سے ایشیائی قومیت کے ہر آدمی کو اپنی رجسٹری کرانا پڑتی تھی اور تین پونڈ بطور ٹیکس ادا کرنا ہوتا تھا۔ آج بھی ہر ایشیائی کو رجسٹری کا سرٹیفکٹ لینے کے لئے قیدیوں کی طرح اپنی دس انگلیوں کے نشان الگ الگ اور ہ کے نشان ایک ساتھ دینا ہوتے ہیں اُنیسویں صدی کے آخر میں ایشیائی قومیت کے لوگوں نے (جنمیں اکثریت ہندستانیوں ہی کی تھی) اس کے خلاف آواز اٹھائی اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں ایک اچھی خاصی تحریک چلنے لگی۔ یہ تحریک ۱۹۱۰ء تک جاری رہی اور اس میں تقریباً ۴ ہزار ہندستانیوں نے قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں۔

۱۹۱۲ء میں مسٹر گوکھلے جنوبی افریقہ گئے اور وہاں انھوں نے جنرل اسمٹس سے ایک زبانی سمجھوتہ کر لیا جس میں یہ طے پایا کہ ہندستانیوں سے تین پونڈ کا ٹیکس جو لیا جاتا ہے وہ ختم کر دیا جائے گا اور جو ہندستانی جنوبی افریقہ میں آباد ہو گئے ہیں ان کے ساتھ معقول منصفانہ برتاؤ کیا جائے گا اس کے بدلے مہاتما گاندھی اور مسٹر گوکھلے نے وعدہ کیا کہ ہندستانیوں کی طرف سے جنوبی افریقہ میں ایشیائی لوگوں کی آمد پر پابندیاں لگائے جانے کی کوئی مخالفت نہ کی جائے گی۔ چنانچہ امیگریشن ریگولیشن ایکٹ (۱۹۱۳ء) بنا۔ لیکن ٹیکس بدستور قائم رہا اور آخر ۱۹۱۳ء میں مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ کی تحریک پھر شروع کر دی۔ عام ہڑتال ہوئی اور ۱۰ ہزار ہندستانی مرد و عورت جیل بھیج دئے گئے۔ یہ تحریک ایک حد تک کامیاب رہی اس لئے کہ اسی کے نتیجہ کے طور پر ہندستانی امدادی قانون ۱۹۱۴ء بنایا گیا جس سے ٹیکس ختم ہو گیا نٹال کا سرٹیفکٹ تسلیم کر لیا گیا۔ ہندستانیوں کی شادی کو بھی جائز مان لیا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ جو ہندستانی اپنے وطن جانا چاہیگا۔ حکومت اس کو اور اس کے بال بچوں کو اپنے خرچ سے بھیج دے گی۔

یونین گورنمنٹ ہندستانیوں کو نہ صرف شہری حقوق اور سول آزادی سے محروم کرنا چاہتی ہے بلکہ اس کی اصل کوشش یہ ہے کہ وہ جنوبی افریقہ کی تمام تجارت کاروبار اور کھیتی باڑی سفید چہرے والوں کے لئے مخصوص کر دے۔ اسی غرض سے ۱۸۸۵ء میں ٹرانسوال کے تقریباً تمام زرخیز علاقوں کو یوروپینوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں ہندستانیوں کے لئے ان علاقوں میں رہنا بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں انھیں کوئی نیا کاروبار شروع کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اور آخر کار ۱۹۳۲ء کے قانون قبضہ آراضی میں انھیں اپنے ہی بازاروں کے سوا کہیں بھی رہنے یا کاروبار کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ غرض کہ ہندستانیوں کو پریشان کرنے اور انھیں جنوبی افریقہ سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کیجا رہی ہے۔ اس امتیازی برتاؤ کی تفصیل بیان کرنے کے لئے نہ وقت ہے اور نہ اخبار میں اتنی

جگہ اس لئے یہاں مثال کے طور پر دو تین قاعدوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:-

پریٹوریا اور جوہانسبرگ کی میونسپلٹیوں نے یہ قانون بنا رکھا ہے کہ کوئی ہندستانی سڑک کے کنارے کی پٹری پر نہیں چل سکتا۔ ہوٹلوں میں ہندستانیوں کو رکھنے کی ممانعت ہے۔ جوہانسبرگ کے جنرل پوسٹ آفس کے خاص حصہ میں ٹکٹ خریدنے کی جو کھڑکی ہے وہاں سے کوئی ہندستانی ٹکٹ نہیں خرید سکتا۔ ہندستانیوں کو قلی کہکر پکارا جاتا ہے۔ ہندستانی ڈاکٹر، وکیل اور کلرک "قلی ڈاکٹر"، "قلی وکیل"، اور "قلی کلرک" کہلاتے ہیں۔ ہندستانیوں کو انگریز عورتوں سے شادی کرنے اور اپنی دوکانوں میں سفید چمڑے والی لڑکیاں نوکر رکھنے کی ممانعت ہے۔ ایسی نہ معلوم کتنی پابندیاں عاید ہیں۔ یونین گورنمنٹ کی اسی "سفید مزدور پالیسی" کا نتیجہ ہے کہ جنوبی افریقہ کی صنعتوں میں ہندستانیوں کی تعداد برابر گرتی جا رہی ہے سنہ ۱۸-۱۹۱۷ء میں ۱۲،۳۰۲ ہندستانی افریقی صنعتوں میں کام کرتے تھے لیکن سنہ ۳۳-۱۹۳۲ء میں ان کی تعداد صرف ۱۰،۲۱۵ رہ گئی۔ ریلوے میں سنہ ۱۹۲۵ء سے سنہ ۱۹۳۶ء تک کے عرصہ میں ان کی تعداد ۱۹۳۶ سے گھٹ کر ۹۰۵ رہ گئی۔ کان کنی میں سنہ ۱۹۲۰ء میں ۳۱۲۹ ہندستانی کام کرتے تھے سنہ ۱۹۳۳ء میں صرف ۷۹۰ رہ گئے۔

جنوبی افریقہ میں ایشیائی قومیت کے لوگوں کے مسئلوں پر غور کرنے کے لئے سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء میں ایک گول میز کانفرنس ہوئی۔ اس میں یونین گورنمنٹ نے وعدہ کیا کہ وہ یوروپینوں اور ایشیائی لوگوں کے لئے الگ الگ علاقے مخصوص کرنے کے لئے جو قانون (۱۹۲۵ء) بنانے والی تھی وہ اب نہیں بنائے گی اس معاہدہ کا نام کیپ ٹاؤن سمجھوتہ ہے اس کی رو سے یونین حکومت ہندستانیوں کی دیکھ بھال کے لئے اپنے یہاں ایک ہندستانی ایجنٹ جنرل رکھنے پر راضی ہو گئی اور ہندستانیوں کو حکومت کے خرچہ پر ان کے وطن بھیجنے کے لئے ایک اسکیم تیار کی گئی اور حکومت نے وعدہ کیا کہ جو ہندستانی جنوبی افریقہ کے باشندے ہو گئے ہیں وہ ان کا معیار زندگی اونچا کرنے اور انھیں مغربی زندگی کے اصولوں پر لانے کے لئے کوشش کریگی۔ اس سمجھوتہ کے بعد ہی ایک اور معاہدہ کی رو سے ہندستانیوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ جو علاقے پہلے ہی سے یوروپینوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں وہ ان میں کوئی نئی جائداد نہیں خرید سکیں گے اور اگرچہ ہندستانی اپنی بات پر قائم رہے جیسا کہ جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ کے ممبروں اور سابق وزیروں نے بھی تسلیم کیا ہے لیکن یونین گورنمنٹ اپنے وعدے سے پھر گئی اور ہندستانیوں سے جائداد خریدنے کا حق چھیننے کے لئے اس نے اب پارلیمنٹ میں ایک ایشیائی بل پیش کیا ہے (جو ہندستانیوں کی مخالفت کے باوجود حال میں پاس بھی ہو گیا ہے) اس بل کی تفصیلات ابھی پوری طرح نہیں معلوم ہوئی ہیں لیکن اتنا تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں یوروپین اور غیر یوروپین علاقہ مقرر کر کے ہندستانیوں کو جنوبی افریقہ کی اقتصادی زندگی سے الگ رکھنے کے لئے بہت ہی سخت قاعدے بنائے گئے ہیں اس میں اندھیر یہ ہے کہ یہ علاقے کسی قانون کے مطابق نہیں مقرر ہوں گے بلکہ کسی بستی کو یوروپین یا غیر یوروپین بنا دینے کا اختیار وہاں کے لوگوں کو ہوگا۔ مثلاً اگر کسی شہر یا قصبہ کی ۷۵ فیصدی آبادی یہ خواہش کرے کہ وہ شہر صرف سفید چمڑے والوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو پھر کسی ہندستانی کو وہاں رہنے یا جائداد خریدنے یا کوئی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

جنوبی افریقہ کے انگریز شروع ہی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ایمانداری کے اصولوں پر چلکر وہ کاروبار میں ہندستانیوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ یونین حکومت قانون کے بل پر ہندستانیوں کا کاروبار ختم کرنا چاہتی ہے۔ موجودہ قانون سے یہ کام بہت آسان ہو جائے گا اب سفید چمڑے کے نسلی امتیاز، زور و مکر اور ان کے قومی تعصب کو کھلا کر کے ہندستانیوں کو آسانی سے نکالا جا سکے گا۔ جنوبی افریقہ کے ۸۰ فیصدی ہندستانی وہیں پیدا ہوئے اور شروع سے وہیں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور اس بل کا مقصد جیسا کہ مہاتما جی نے کہا ہے صرف یہ ہے کہ "ہندستانیوں کو جنوبی افریقہ سے نکال باہر کیا جائے"۔ افسوس ہے کہ ہندستان ابھی اس قابل نہیں ہے کہ وہ دوسرے ملکوں میں اپنے آدمیوں کے حقوق کی حفاظت کر سکے جنھوں نے ان ملکوں کی ترقی میں خاص حصہ لیا ہے۔ لیکن تمام متعلقہ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بے عزتی اور ذلت بھلائی نہیں جائے گی اور اب شاید وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب ان لوگوں کو جو اس کے ذمہ دار ہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنا پڑے۔

مجھے امید ہے کہ جنوبی افریقہ میں ہندستانیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے اس سے ہمارے ان ہم وطنوں کی بھی آنکھیں کھل جائیں گی جو آزادی کے خلاف ہیں اور سر پر سلطنت برطانیہ کا سایہ ابھی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ کوئی بھی خوددار ہندستانی اس واقعہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جن لوگوں نے پچھلی عالمگیر لڑائی میں سلطنت برطانیہ کی حفاظت کی خاطر بڑی زبردست قربانیاں کی تھیں۔ آج انہی کے ساتھ ایسا برتاؤ ہو رہا ہے جیسا کہ سلطنت کے دشمنوں تک کے ساتھ نہیں کیا گیا۔

ورکنگ کمیٹی نے دستور العمل میں ترمیم منظور کرلی

داہنے بازو کو سبھاش بوس کی آگاہی

۲۱ جون کو بمبئی میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا سیٹھ جمنا لال بجاج جو جے پور جیل میں ہیں اور شری جے رام داس دولت رام (جو بیمار ہیں) کے ماسوا تمام ممبر موجود تھے صدر کانگرس کی دعوت پر جواہر لال نے بھی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس سال ورکنگ کمیٹی میں بائیں بازو کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اسلئے خیال کیا جاتا ہے کہ بائیں بازو کا نظریہ پیش کرنے کے لئے جواہر لال اس اجلاس بھر بمبئی میں رہینگے یونائیٹڈ پریس کی خبر ہے کہ مہاتما گاندھی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں باقاعدہ شرکت نہیں کرینگے لیکن حسب ضرورت مشورہ دینے کے لئے بمبئی میں موجود رہینگے۔

کہا جاتا ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے سب سے پہلے دستور العمل میں ترمیم کرنے کے مسئلہ کو لیا اور اسپر ماتحت کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی تھی اسپر غور کیا گیا۔ اجلاس کے اگلے دن کیلئے ملتوی ہوجانے پر اچاریہ کرپلانی (جنرل سکریٹری) نے اخباری نمائندوں سے کہا "ورکنگ کمیٹی نے پورے طور پر دستور العمل والی ماتحت کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا اور بلا کسی بنیادی تبدیلی کے اُسے منظور کرلیا" مگر ابھی تک کوئی باقاعدہ قرارداد نہیں پاس ہوئی ہے۔

صدر کانگرس بابو راجندر پرشاد نے ورکنگ کمیٹی کو ڈگبوائی کی ہڑتال کے واقعات بھی بتلائے جن کا وہ خود کلکتہ جاکر مطالعہ کر آئے تھے۔ ورکنگ کمیٹی میں عام طور پر یہ رائے ہوئی کہ چونکہ آسام میں ابھی تک مزدوروں اور مل مالکوں کے تعلقات پر کوئی قانون نہیں ہے جیسا کہ بمبئی میں ہے اور نہ حکومت ابھی ایسا قانون بنا سکتی ہے اسلئے کہ ابھی متعلقہ حقوق والوں کی مخالفت کا ڈر ہے لہٰذا حکومت صرف اخلاقی دباؤ سے کام لے سکتی ہے۔

انجمن کی دھمکی

شری سبھاش چندر بوس نے بمبئی میں اخباری نمائندوں سے اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے کہا

کہ کانگرس "اکثریت کی زبردستی" سے کانگرس کے دستور العمل کی دفعہ ۱۵ (ج) میں ترمیم منظور ہو گئی تو کانگرس میں زبردست الجھن پیدا ہو جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ جہاں گروہ کانگرس ہی کا ایک حصہ ہوگا اور اسکے ممبروں کے لئے کانگرس کا ممبر ہونا لازمی ہوگا۔

کانگرس سوشلسٹ پارٹی میں اختلاف پڑگیا ہے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ پارٹی کے جنرل سکریٹری شری جے پرکاش نرائن کے نظریہ سے اختلاف ہونے کی وجہ سے مسر مسانی۔ ڈاکٹر لوہیا۔ مسٹر اشوک مہتا۔ مسٹر یوسف مہر علی اور شری اچیوت پٹوردھن نے پارٹی کی مجلس انتظامیہ سے استعفیٰ دیدیا ہے۔

اقلیتوں میں کانگرس کی مقبولیت

ممبروں کی بھرتی پر ضلعوں میں مقابلہ

پچھلے سال کی بہ نسبت اس سال اقلیتوں میں کانگرس کی مقبولیت بڑھ گئی ہے۔ جیسا کہ ابھی تک کی بھرتی سے پتہ چلتا ہے مسلمان ہریجن اور عیسائی برابر کانگرس کی طرف آتے جارہے ہیں۔

صوبہ کانگرس کمیٹی ۲ لاکھ سے اوپر فارم بانٹ چکی ہے اور ضلعوں سے ممبری کے فارم کی مانگیں برابر آرہی ہیں۔ سب سے زیادہ ممبر بنانے والے ضلع کو ایک سالانہ انعام ملتا ہے۔ اس کے لئے تمام ضلع کوشش کررہے ہیں صوبہ کانگرس کی طرف سے اس بات کی خاص طور پر کوشش کی جارہی ہے کہ کانگرس میں جعلی ممبر اور غیر مناسب عنصر نہ آنے پائیں۔

پچھلے سال یو۔ پی میں ممبروں کی تعداد ۱۵ لاکھ تھی لیکن پچھلے سال کی بہ نسبت وقت بہت کم ہے اس لئے کہ اب برسات شروع ہورہی ہے اور اگست میں غالباً بھرتی بند کردی جائے گی۔

پھوٹ۔ اصلی اتحاد کا پیش خیمہ

لاہور میں سبھاش بابو کی تقریر

۱۸ جون کو لاہور میں شری بشمبھر دیال ترپاٹھی ممبر یو۔ پی اسمبلی کی صدارت میں "آل انڈیا انقلابی نوجوان کانفرنس" کا اجلاس ہوا۔ ڈاکٹر ستیہ پال نے کانفرنس کا افتتاح کیا اور اسکے بعد ترپاٹھی جی نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا۔ کانفرنس میں تقریباً بیس ہزار آدمیوں نے شرکت کی۔

خطبۂ صدارت کے بعد شری سبھاش چندر بوس نے تقریر کی انھوں نے کہا کہ ہر سیاسی تحریک کی تاریخ میں ایسے واقعات پائے جاتے ہیں کہ جن باتوں کو پھوٹ کہا جاتا ہے وہی ترقی کا باعث ہوئی ہیں۔ اسی طرح بائیں بازو کے بننے سے کانگرس میں بھی پھوٹ پڑگئی ہے لیکن اسی پھوٹ سے ہم اصلی اتحاد پیدا کرسکیں گے۔

انھوں نے کہا کہ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر ایک بار کانگرس کے بائیں بازو کے عناصر کا اتحاد ہو جائے تو داہنا بازو بھی اپنا رویہ بدل دیگا۔ اور سامراج سے سمجھوتہ کے لئے تیار ہو جائے گا سبھاش بابو نے کہا کہ میرے نزدیک آزادی حاصل کرنے کا یہ بہترین موقع ہے لیکن داہنے بازو کو اس سے اختلاف ہے۔

آخر میں شری سبھاش چندر بوس نے حاضرین سے اپیل کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہر اول گروہ میں شامل ہو جائیں۔

خطبۂ صدارت

پنڈت بشمبھر دیال ترپاٹھی نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا کہ آج ہم بہت سی قومی اور بین الاقوامی الجھنوں سے گذر رہے ہیں الجھن کا ہمیشہ خیر مقدم کرنا چاہئے کیونکہ یہ ایک نئے دور کا اعلان ہے اگر اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو پہلے سے اچھے دور کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

قومی الجھن کا بیان کرتے ہوئے انھوں نے

کہا کہ اگرچہ [illegible] کی قیادت میں ملک [illegible] لیکن یہ گاندھی ازم سمجھوتہ [illegible] اگرچہ بعض وقت اپنے [illegible] اور اسے سمجھوتہ پر راضی کرنے کے لئے [illegible] کا استعمال [illegible] طاقتور آدمیوں کا ایک گروہ [illegible] راستہ پر گھسیٹ [illegible] طرف ایسے لوگوں کا [illegible] گھبرا گئے ہیں اور ملک کو [illegible] چاہتے ہیں۔ [illegible] برطانوی حاصل [illegible] پشت پناہی [illegible] سیاسی کام کرنے والوں کی حمایت [illegible] دونوں میں رسہ کشی ہو رہی ہے"

"سب سے امید [illegible] ورکنگ کمیٹی اور آٹھ صوبوں [illegible] حکومت کے ساتھ [illegible] گاندھی [illegible] ایک تجربہ گاہ [illegible] پنڈت جواہر لال نہرو جیسے عالی دماغوں [illegible] سمجھتے باہر ہیں یہ ساری قوم [illegible]"

کانگرس کے دستور [illegible] جو ترمیمیں تجویز کی گئی ہیں ان کی بابت انھوں نے کہا کہ یہ ملک کے تمام ترقی پسند عناصر کے لئے ایک کھلا چیلنج [illegible] نامناسب بات ہے [illegible] کانگرس ہمارے

ریاستیں

ایک چوتھائی ہموطنوں کو [illegible] چند آدمیوں کی مرضی [illegible] حکومت کے معاملے اور اسکے بعد [illegible] کے مشورے پر تمام ریاستوں میں [illegible] ملک کی بے انتہا [illegible] ریاستی پرجا کی تحریک کو [illegible] گئی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو [illegible] پریشان معلوم ہوتے ہیں"

بین الاقوامی [illegible]

"دنیا تیزی کے ساتھ بین الاقوامی لڑائی کی طرف بڑھ رہی ہے جو ہر وقت چھڑ سکتی ہے۔ اسکا ہماری قومی تحریک پر بہت گہرا اثر پڑیگا" انھوں نے کہا کہ کانگرس [illegible] سامراجی جنگ کی [illegible] اس کی قرارداد [illegible] [illegible]

چین میں برطانی علاقہ کا محاصرہ

جاپانیوں نے انگریزوں کا کھانا پینا بند کردیا

ٹینٹسن کے برطانی علاقہ کے چاروں طرف جاپانی فوج نے تاروں سے حد بندی کردی ہے۔

۱۹ جون کی خبر ہے کہ آج رات میں ان تاروں میں بجلی بھی دوڑا دی جائے گی۔

ایک جاپانی خبر رساں ایجنسی کا کہنا ہے کہ جبتک برطانیہ اپنی چیانگ کائی شک دوست اور جاپان دشمن، روپیہ کی حد تک تعاون نہ کریگی اسوقت تک جاپانی حکام ٹینٹسن کو الگ کرنے کی پالیسی پر کاربند رہینگے اسی ایجنسی کی ایک خبر ہے کہ جاپانی سول اور فوجی نمائندوں کی لیگ کانفرنس نے تین دن تک غور کرنے کے بعد طے کیا ہے کہ "ٹھونس کنسشن" کے تمام معاہدے ختم کردیے جائیں۔

۲۱ جون کی خبر ہے کہ دو برطانی جنگی جہاز ٹینٹسن میں لنگر ڈالے ہوئے ہیں۔ اور جاپان کی مزید جارحانہ کارروائیوں کے ڈر سے برطانی رضاکاروں کے دستہ کو فوجی نقل و حرکت کے لئے تیار رہنے کا حکم دیدیا گیا ہے۔

یہ بھی خبر ہے کہ تقریباً ایک سو برطانی عورتیں اور بچے ٹینٹسن چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

محاصرہ کئے ہوئے علاقہ میں کھانے کا کوئی سامان پہنچانے کی ممانعت ہے چنانچہ ۱۵ جون کی رات میں دو چینیوں کو صرف اس جرم میں گولی سے اڑا دیا گیا۔ کہ وہ برطانی علاقہ میں ترکاری کی ٹوکریاں پہونچاتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ جاپانی فوجیوں کا کہنا ہے کہ اس سزا کا مقصد یہ ہے کہ "دوسروں کو اس سے عبرت ہو" دریائے ہائی کا راستہ بھی جاپانیوں نے بند کر رکھا ہے اور اس طرف سے کوئی سامان برطانی حدود میں نہیں پہونچنے پاتا جسکی وجہ سے ٹینٹسن میں کھانے کی بڑی کمی پڑ گئی ہے جو انگریز باہر جانا چاہتے ہیں انکی تلاشی بہت سختی سے لی جاتی ہے۔ ۱۸ جون کو جاپانی چوکی پر ایک انگریز کو بالکل ننگا کرکے اسکی تلاشی لیگئی اور اسکا تمام اسباب کھول ڈالا گیا اسی طرح ایک لڑکی کو جاپانیوں کے سامنے ایک چینی پولیس والے نے فحش گالیاں سنائیں اور اسپر بیجا دست اندازی کی۔ برطانی قونصل جنرل نے جاپانی قونصل سے درخواست کی تھی کہ تلاشی کے وقت اتنی سختی نہ کی جائے لیکن جاپانی قونصل نے یہ درخواست رد کردی۔

جاپانی فوج کے خاص خدمت انجام دینے والے دستہ کے لوگ برطانی میونسپل پولیس کے چینیوں کو دھمکی دیرہے ہیں اگر وہ برطانیہ کی نوکری نہ چھوڑینگے تو انکے اور انکے خاندان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

ملنے سے انکار

ٹینٹسن کے جاپانی کمانڈر نے اخباری نمائندے سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ برطانی حکام نے ان سے ملنے کیلئے درخواست کی تھی لیکن انھوں نے ملنے سے انکار کردیا اسلئے کہ "جیسے حالات اب ہوگئے ہیں ان میں اس قسم کی ملاقاتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ صورت حال برطانیہ کی چیانگ کائی شیک دوست پالیسی کے خلاف ایک پر زور احتجاج ہے اور اب یہ مقامی مسئلہ نہیں رہا ہے۔

برطانی سفیر مقیم جاپان مسٹر رابرٹ کریگی نے جاپانی وزیر خارجہ مسٹر آرتیا سے دوران ملاقات میں ٹینٹسن میں جاپانیوں کے ہاتھوں انگریزوں کی بے عزتی پر احتجاج کیا اور کہا کہ برطانی باشندوں کے ساتھ بھی دوسرے ملکوں کے باشندوں جیسا برتاؤ ہونا چاہئے۔ جاپانی وزیر خارجہ کے جواب کے بارے میں ایک جاپانی اخبار لکھتا ہے کہ انھوں نے ٹینٹسن کے جاپانی فوجی حکام کے رویہ کی پوری تائید کی اور کہا کہ حکومت جاپان برطانیہ کی درخواست ماننے پر تیار نہیں ہے۔

دارالعوام اور دارالامراء میں بیان دیتے ہوئے برطانی مدبر ابھی تک یہی امید ظاہر کرتے ہیں کہ جاپان اور برطانیہ کی خلیج زیادہ گہری نہ ہونے پائے گی۔

ٹینٹسن کی تازہ خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کھانے کی بدستور قلت ہے اور اب جاپانیوں نے دودھ لیجانے کی بھی ممانعت کردی ہے متحدہ امریکہ کے سفیر نے بھی چین میں امریکنوں کی جائداد پر بمباری اور کولانگسو میں کھانے کی اشیاء لیجانے کی ممانعت پر احتجاج کیا ہے۔

نوجوانوں کا کام

"میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگرچہ کچھ نوجوانوں نے آزادی کی راہ میں قابل تعریف بہادری اور ہمت دکھائی ہے لیکن مجموعی طور سے انکا کام خاطر خواہ نہیں رہا ہے۔ آپکو ابھی اور بھی ایماندار اور اس کے ساتھ ہی ضبط و نظام کا پابند ہونا ہے آپ کا سب سے زیادہ انقلابی طبقہ ہے اور آپ ہی کا کام ہے کہ ملک کو موجودہ جمود سے باہر نکالیں وہ انقلابی جذبہ اور ضبط۔ یہی دو صفات ہیں جو آپ کو اپنے میں پیدا کرنا ہیں"

کانگرس کی قومی خاکہ بندی کمیٹی

سر سکندر نے بھی شرکت کا وعدہ کرلیا

پنڈت جواہر لال نہرو صدر صنعتی خاکہ بندی کمیٹی کو حکومت پنجاب کی طرف سے ایک خط موصول ہوا ہے جسمیں اس نے صنعتی خاکہ بندی کمیٹی میں شرکت کرنے کا وعدہ کیا ہے اب اس کمیٹی میں بنگال کو چھوڑ کر کل صوبے اور تمام بڑی بڑی ریاستیں شامل ہوگئی ہیں۔

کمیٹی نے ۱۶ جون کو بمبئی میں اپنی ایک نشست میں اسبات کی تحقیقات کرنے کے لئے کہ قومی اقتصادیات کی خاکہ بندی میں عورتوں کا کیا حصہ ہونا چاہئے ایک خاص ماتحت کمیٹی مقرر کی اسکے علاوہ تمام طرح کی صنعت و حرفت و کاشتکاری اور انکے متعلقہ مسئلوں پر غور کرنے کے لئے ۲۱ کمیٹیاں اور بھی مقرر کی گئی ہیں انکا کام سات خاص مدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ کاشتکاری ۲۔ صنعت و حرفت۔ ۳۔ پیدائش اور موتوں کے اعداد و شمار جمع کرنا ۴۔ تجارت اور مالیات۔ ۵۔ نقل و حرکت اور رسل و رسائل۔ ۶۔ مفاد عامہ۔ ۷۔ تعلیم۔ ابھی تک تقریباً ۳ سو ماہرین سے ان کمیٹیوں میں کام کرنے کے لئے درخواست کی جاچکی ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیے

تازہ خبریں

ہندستان

حکومت یو۔پی اب دیہات سدھار میں ریڈیو سے بھی کام لے گی۔ چنانچہ پہلی جنوری سے لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن روزانہ آدھ گھنٹہ دیہات کا پروگرام براڈکاسٹ کرے گا۔ لکھنؤ کے مضافات میں ۵۰ میل کے دائرے میں پچاس سے زیادہ ریڈیو لگے ہیں اور امید ہے کہ ان کے ذریعہ ہزاروں دیہاتی دیہات سدھار کی باتیں سنا کریں گے۔

معلوم ہوا ہے کہ بنگال میں ہراولی گروہ کی عارضی کمیٹی قائم ہو گئی ہے اور شری ستیہ رنجن بخشی اس کے سکریٹری مقرر ہوئے ہیں۔ بنگال صوبہ کانگرس کمیٹی کے جو ممبر ہراولی گروہ کے اغراض و مقاصد سے اتفاق کریں گے وہ اس کمیٹی میں شامل ہو سکیں گے اور بعد کو صوبہ کانگرس کے چالیس نیروں کو بھی کمیٹی میں شامل کریں گے۔

معاصر 'ملاپ' (لاہور) کی خبر ہے کہ ۱۵ جون کو دہلی میں ہراولی گروہ قائم کرنے کے لئے لالہ شنکر لال کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا نورالدین بہاری کو مقامی ہراولی گروہ کا صدر چنا گیا اور ان کو اپنا سکریٹری اور نائب سکریٹری نامزد کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ ہراولی گروہ کے اغراض و مقاصد کے متعلق طے ہوا کہ جو کچھ بمبئی میں فیصلہ ہو اس کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔

ہندستان باہر

ڈیبزنگ کی تھی کانگرس کے بعد ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر گوئبلس (جرمن وزیر) نے کہا کہ ریش میں واپس آنے کے لئے ڈینزگ کا ارادہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جرمن عوام آپ کے ساتھ ہیں آپ لوگوں کو اپنے نام نہاد آزاد شہر کی بابت فکر نہ کرنی چاہیے۔ فیوہرر آپ کے اس بارے مستقبل کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں۔ ڈینزگ کے جرمنوں نے تقریر کے دوران میں خوب تالیاں بجائیں اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر گوئبلس ہر ہٹلر کے بھیجے ہوئے نمایندے تھے۔

حال ہی میں یہ خبر آئی تھی کہ ...... بلغاریہ کو بلقانی معاہدہ میں شامل ہونے پر راضی کرنے کیلئے رومانیا اپنا کچھ علاقہ اسے دیدیگا۔ مگر ۱۹ جون کو رومانی وزیر موسیو گفنسو نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے اسکی تردید کر دی۔ انھوں نے کہا کہ دوسری اقلیتیں جو رومانیہ میں ہیں انکی بابت بہت پکار مچائی جا رہی ہے لیکن ہماری سرحد کے باہر جو رومانی اقلیتیں ہیں انکی بابت بہت ہی کم آواز اٹھائی جاتی ہے۔

جرمنی میں تین ہفتہ انتظار کرنے کے بعد سلطان ابن سعود کے سفیر خالد الہد ہر ہٹلر سے ملاقات کر سکے تین گھنٹے تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں برشسگاڈن میں ہر ہٹلر نے انھیں جلپانے پر بھی مدعو کیا۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو کافی اہمیت دیجا رہی ہے۔

لیگ اقوام کا "حکم برادری" کا کمیشن، فلسطین کے متعلق برطانیہ کی نئی تجویزوں پر غور کر رہا ہے اور جون کو برطانی وزیر نوآبادیات مسٹر مالکم میکڈانلڈ کے بیانات ختم ہوئے۔

حال ہی میں انگلستان میں ایک شخص کو اس جرم میں سزا ہوئی ہے کہ اس نے خفیہ کارروائیاں کر کے نقشے جرمنی کے ہاتھ بیچ دیے تھے۔ اس مقدمہ میں جرمن قونصل پر بھی شبہ کیا گیا۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کی درخواست پر جرمنی نے اپنے قونصل جنرل مقیم لیورپول کو واپس بلالیا ہے۔

لبنان و سیریا کی پارلیمنٹ کے مسلمان ممبروں نے عراق کے عرب لیڈر امیر عبداللہ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی ہے حال ہی میں سیریا کے لیڈر شاہ بندر عراق جا چکے ہیں اسلئے اس دعوت کو خاص اہمیت دیجا رہی ہے۔

روپیہ کا بندوبست

آپ نے اپنی اولاد کی تعلیم یا شادی کے لئے روپیہ کا جو بندوبست کیا ہے کیا آپ کو اسپر بھروسہ ہے ہمارا مستحکم قومی ادارہ سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے یہ آج سے ۶۸ سال پہلے ۱۸۷۱ء میں قائم ہوا تھا — اسکی آمدنی ۵۰ لاکھ سالانہ سے زیادہ ہے اس کی قسطیں چھوٹی ہیں۔ پالیسی جلد ضبط نہیں ہوتی معذور ہو جانیپر مدد کیجاتی ہے بونس کی پوری ضمانت ہے۔ یہ سوسائٹی آپکی مالی مشکلیں حل کر دیگی آپ اسپر بھروسہ کیجئے

بمبئی میوچول

لائف انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ

۳۔ تیشر ناتھ روڈ قیصر باغ۔ لکھنؤ

[illegible] جون کو [illegible] آٹھ ساڑھے پانچ بجے شام کو [illegible] ایک انسپکٹر اور نصف درجن سپاہیوں نے ہفتہ وار اخبار کیرتی لہر کے دفتر پر دھاوا مارا۔ اور دفتر کی تلاشی لی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پولیس ایک شخص مسمی [illegible] کی تلاش میں ہے جس کے لئے پنجاب سے باہر نکلنے کی ممانعت تھی اور جو اب کہیں بھاگ گیا ہے۔ کیرتی لہر کے دفتر سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔

ہوش میں لانے کے لئے

جاپان نے چین کے مشرقی جزیرہ کولانگسو کی گھنی آبادی کو بھوکا مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پچھلے ہفتے سے تین جاپانی جنگی جہاز جزیرہ کولانگسو کے چاروں طرف پہرہ دے رہے ہیں اور رسد کا سامان نہیں آنے دیتے۔ ڈائمز کی خبر ہے کہ ایک جاپانی صاحب رائے نے اس کے نمایندے سے کہا کہ ہم جاپان کولانگسو کی میونسپل کونسل کے ممبروں کو ہوش

کشمیر کے باشندوں کی اقتصادی حالت بہت خراب ہے۔ حتیٰ کہ سال کا بہت زیادہ حصہ وہ پنجاب میں اسی لئے بسر کرتے ہیں تاکہ وہاں محنت کرکے اپنی زمین کا مالیہ ادا کر سکیں۔ شروع میں جو تحریک یہاں چلی . . . . وہ حکومت پرستوں کے ہاتھوں سے فرقہ وارانہ شکل اختیار کر گئی۔ اسی زمانہ میں یہ بھی معلوم ہوا کہ تبت کی سرحد کو محفوظ رکھنے کے لئے ریاست کو مجبور کیا گیا کہ وہ گلگت حکومت ہند کو دیدے۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے مرزا بشیر الدین محمود، خواجہ حسن نظامی اور کچھ پنجاب کے نائب مسلم لیگ کے لیڈر شملہ میں جمع ہوئے اور کشمیر کمیٹی کے نام سے ایک جماعت بنا ڈالی۔ اسی کمیٹی کی طرف سے وہاں ہندو مسلم سوال پیدا کیا گیا، اور ریاستی پولیس کے تشدد کرنے پر انگریزی فوج کو دعوت دیگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک کو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور ریاستی باشندوں کو بہت کم فائدہ حاصل ہوا۔ البتہ گلگت پر انگریزی فوج بیٹھ گئی اور تحریک ختم ہو گئی۔ مرزائی اور خواجہ حسن نظامی دونوں خاموش ہو گئے۔ اور مجلس احرار نے جو سول نافرمانی شروع کی تھی وہ بھی ذمہ دار اسمبلی کے ایک سوال پر سمجھوتہ کی صورت میں ختم ہو گئی۔

اب دس سال کے بعد تحریک کشمیر کے رہنما شیخ محمد عبداللہ نے محسوس کیا ہے کہ اگر انکی تحریک قومی لائنوں پر ہوتی تو اس سے کہیں زیادہ کامیاب ہوتی۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے میں تحریک کشمیر پر تبصرہ نہیں کرونگا۔ بلکہ میں یہ کوشش کرونگا کہ برطانوی مفاد کے وہ گوشے جو ہماری نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ منظر عام پر لے آؤں۔ وادیٔ کشمیر سیاسی اعتبار سے ایک اہم مقام ہے۔ اسکی سرحدوں کے پار ممالک انقلاب زمانہ سے دوچار ہو رہے ہیں اور اُن ممالک کی تبدیلیوں کا اثر لازمی طور پر ہندستان میں برطانوی حکمت عملی پر پڑتا ہے۔ چنانچہ انھیں مصلحتوں کے پیش نظر برطانیہ کے حکمران طبقہ نے بعض اہم سرحدی مقامات پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ باعتبار معدنیات کے محققین کی رائے میں یہ خطۂ زمین ہندستان بھر میں ایک اہم مقام ہے چنانچہ جموں کے قریب خام رنگ (Mica) کے پہاڑ ابرک وغیرہ کے ذخیرے دریافت کئے گئے ہیں۔ یہ ہے تھوڑا سا خاکہ کشمیر کی اہمیت کا۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ ریاستیں ہماری سیاسی تحریک پر کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہیں اور کیوں۔ اسکی وجہ صاف ہے کہ برٹش امپیریلزم کے یہ ستون اگر قائم نہ رہے تو امپیریلزم کی عمارت ہل جاتی ہے۔ اور اگر یہ عمارت قائم نہ رہے تو ریاستیں تباہ ہوتی ہیں۔ اسی حکمت عملی کے پیش نظر دونوں ایک دوسرے کی مدد پر آمادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پنجاب کی سیاسی تحریکات میں مختلف ریاستوں نے الجھاؤ ڈالا ہے۔ جیسا کہ اکالی تحریک وغیرہ۔

برطانوی حکمت عملی دوسری شکل میں

اکالی تحریک اپنے شباب سے گذر کر گوردواروں تک محدود ہو گئی تنظیم اور سنگٹھن کے بانیوں نے بھی ہوش سنبھالا۔ اسکے ساتھ ہی خدائی خدمتگار کی تحریک کا آغاز صوبۂ سرحد میں ہوا۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی (بانی تحریک خاکسار) اور عبدالغفار خاں نے اس تحریک کا آغاز کیا۔ جو پھلی اور پھولی۔

۱۹۳۰ء تک خان عبدالغفار خاں اور انکے ساتھی کانگرس کے ممبر بھی نہ تھے۔ چنانچہ جب تحریک سول نافرمانی کا آغاز ہوا۔ تو خان عبدالغفار خاں کو پشاور کانگرس کمیٹی نے اس سلسلہ میں مشاورت کے لئے مدعو کیا۔ خان صاحب پشاور پہونچنے نہ پائے تھے کہ گرفتار کر لئے گئے اور پشاور کانگرس کمیٹی کے تمام اراکین بھی جیلوں میں ڈالدیے گئے۔ پشاور کی زمین شہیدوں کے خون سے لالہ زار بنی۔ گولی چلی۔ خان صاحب تین سال کے لئے قید کر دیے گئے انکے ساتھیوں نے رزولیوشن پاس کر دیا اور خدائی خدمتگار بطور جماعت کے کانگرس میں شریک ہوئے اور تحریک سول نافرمانی میں حصہ لیا۔ اور ایک نئی بنائی آرگنائزیشن کانگرس میں مدغم ہو گئی لیکن علامہ مشرقی اس سے اختلاف رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے تحریک خاکساران کے نام سے ایک نئی تحریک کی بنا ڈالی۔ گجرات میں پیر فضل شاہ نے حزب اللہ (اللہ والوں کی تحریک) شروع کر دی۔ چنانچہ ان دونوں تحریکات نے عوام پر یہ اثر کیا کہ ہندو مسلم کی وسیع خلیج حائل ہو گئی اور فرقہ وارانہ سرپھٹول شروع ہوئی۔ اس سے برطانوی استعمار کے ہاتھ مضبوط ہوئے اور قومی یکجہتی کو خوب ضرب کاری لگی۔ حال ہی میں لاہور شہر میں یونینسٹ پارٹی کے ایک وزیر سر چھوٹو رام نے اسی خاکسار فوج کے زیر حفاظت پبلک میٹنگ میں تقریر کی جب لوگوں نے اعتراض کئے تو یہی سورما وہاں کام آئے اور لوگوں کے ساتھ دست و گریباں ہوئے اور جلسہ کو کامیاب بنانے میں مصروف رہے۔ ان کی ایسی حرکات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ تحریک کس رُخ پر چل رہی ہے۔ بالفاظ دیگر برطانوی استعمار کو طاقت پہونچانے کے لئے ایک نیا گروہ تیار کیا جا رہا ہے۔

۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی اور بعد

کانگرس کا اجلاس لاہور میں ہوا اور کچھ مدت کے بعد تحریک کا آغاز ہوا۔ سب سے بڑی مشکل جو پیش آئی وہ اکالی پارٹی اور سکھوں کی دیگر انجمنوں کے متعلق تھی۔ کیونکہ یہ لوگ ۱۹۲۱ء میں بھی بہت کم تعداد میں کانگرس میں شامل ہوئے تھے۔ برخلاف اسکے کہ مسلمان باوجود کئی جھگڑوں کے نسبتاً زیادہ شامل ہوئے۔ اکالیوں کی تعداد کو قابل ذکر نہیں کہا جا سکتا۔

بہر نوع مسلمانوں نے حصہ لیا۔ کانگرس کے کام کو تقویت ہوئی تحریک چلی لوگوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں آخر کار گاندھی ارون پیکٹ کی رو سے عام رہائی ہوئی اور کانگرس کا اجلاس کراچی میں ہوا۔ اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے کانگرس سے علٰحدگی اختیار کرکے "مجلس احرار" کے نام سے کام شروع کیا۔ اور مسلمانوں میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔ تحریک کشمیر اور دوسری سول نافرمانی کی تحریک ایک ساتھ ہی شروع ہوئیں۔ مسلمان تو کلیتاً کانگرس سے ہٹکر احرار میں آگئے تھے۔ کانگرس کی تحریک کو کامیابی نہ ہو سکی ترقی پسند طاقتیں منتشر ہو گئیں۔ رجعت پسندوں نے زور پکڑا اور کانگرس کی طاقت جاتی رہی۔ فرقہ وارانہ مطالبے شروع ہوئے۔ گول میز کانفرنس ہو رہی تھی۔ مجلس احرار جداگانہ انتخاب کے لئے مسلمانوں کی طرف سے مطالبہ کر رہی تھی اور اکالی پارٹی اسی حق کے لئے سکھوں کی ترجمانی کر رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قومی تحریک کو سخت دھکا لگا اور نئے "دستور حکومت ہند" کے نفاذ کا سوال سامنے

آیا۔ اب آپ دیکھیں گے کہ دونوں پارٹیوں نے
پنجاب کی سیاست پر کیا اثر ڈالا۔

شہید گنج اور مجلس احرار

مجلس احرار تو مسلمانوں میں ایک مقتدر
جماعت تھی۔ اگر اسوقت لڑے جاتے تو ایک
بڑی اکثریت احرار حاصل کر لیتے۔ لیکن جماعتوں
کی زندگی میں سیاسی مدوجزر بہت حد تک
کام کرتے ہیں یکایک یہ حادثہ ہوا کہ "شہید گنج"
کے نام سے جو پرانی مسجد سکھوں کے قبضہ میں
چلی آتی تھی۔ نہ جانے کس کے اشارہ پر سکھوں
نے گرادی بس ایک ایسی خانہ جنگی کا احساس ہوا
کہ صوبہ بھر کی سیاسی فضا مکدر ہو گئی۔ اس عرصہ
میں بڑے بڑے زمینداروں نے جو ایک مدت
سے پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے نام سے
امراء کی ترجمانی کر رہے تھے اپنے آپ کو مضبوط
کرنا شروع کیا اور ان ہی کی ایک شاخ سمجھئے جو
اتحاد ملت کے نام سے قائم ہوئی۔

اس کی قیادت مولانا ظفر علی کے سپرد کی گئی۔
اس جماعت کا کام سوائے اسکے کچھ نہ تھا کہ
"مسجد شہید گنج" کے نعرے لگائے اور مسلمانوں کے
دماغوں پر حاوی ہو جائے۔ مولانا صاحب کے علاوہ
اور بڑے بڑے بزرگ اس تحریک کو ہوا دے رہے تھے
مجلس احرار کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکی اور غیر جانبدار
رہی اسکے مقابلہ پر اکالی پارٹی کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ
نے اس فتنہ کو کم کرنے کے بجائے اخبارات میں زہر آلود
بیانات دیکر زیادہ کیا۔ اور ہر بار یہی کہا کہ
شہید گنج کے تحفظ کے لئے سکھوں کا بچہ بچہ کٹ مریگا
نتیجہ یہ ہوا کہ سکھوں میں اکالیوں کو مقبولیت
ہوئی۔ مسلمانوں میں احرار اپنا وقار کھو بیٹھے
جسے اسمبلی کے انتخابات نے ظاہر کر دیا ہے۔ ان
عناصر کے علاوہ پنجاب میں مرزائی جماعت کے
امیر مرزا بشیر الدین نے بھی یونینسٹ پارٹی کے
ہاتھ خوب مضبوط کئے۔ مسلمانوں کے آپس کے
اختلافات کو ہوا دی۔ لیکن آریہ سماجیوں سے
جھگڑا مول لیا۔ ان تمام عناصر نے ملکر کے سیاسی
قومی تحریک کو جو زک پہونچائی وہ آپ سب کے
سامنے ہے۔ یہ ہے وہ نازک صورت حال
جس سے پنجاب آج دوچار ہو رہا ہے۔

مجھے لیڈروں سے بچاؤ

لیڈر کسے کہتے ہیں؟ یہ بتانے کی ضرورت
نہیں اسلئے کہ آپ لیڈر کو پہچاننا چاہیں یا نہ چاہیں
وہ خود اپنے آپ کو پہچنوا دیتا ہے۔ یہ ممکن ہے
کہ آپ خود بھی یہ نہ بتلا سکیں کہ لیڈر کسے کہتے
ہیں۔ مگر اتنا آپ ضرور بتلا دینگے کہ آپ جس بستی
گاؤں، قصبہ یا شہر میں رہتے ہیں وہاں کے
لیڈر کون کون ہیں۔ اس لئے میں لیڈر کی تعریف
یا اس کی "حدود اربعہ" بتانے کی الجھن میں پڑنا
نہیں چاہتا۔

اگر آپ لیڈر کے گھر پر جائیں اور وہاں
آپ کے سوا اور کوئی نہ ہو تو پھر لیڈر دانت نکالکر
آپ کا خیر مقدم کریگا۔ آگے بڑھکر آپ سے مصافحہ
کریگا۔ اور بڑی خندہ پیشانی سے باتیں کرنے کی
کوشش کرے گا۔ ان باتوں میں وہ آپ کو
بتلائے گا کہ اس نے قوم کے لئے کیا کیا تکلیفیں
جھیلیں اور کس کس طرح آجتک آفتوں پر آفتیں
سہتا رہا ہے۔ اگر وہ لیڈر نہ ہوتا تو اسوقت ایک
بڑے عہدہ پر ہوتا یا اس کے پاس روپیہ کی
کمی نہ ہوتی۔ اگر وہ کبھی جیل جا چکا ہے تو آپ کو
جیل کے واقعات ضرور سنائے گا وہ جو بات
بھی کرے گا یہ ضرور کہے گا کہ "واقعہ جیل جانے کے بعد کا
ہے۔ یا پہلے کا۔" دراصل جیل جانے کا یہ زمانہ ہی
اسکا سنہ ہوتا ہے۔ وہ ہر واقعہ کو اسی تاریخ
سے ناپتا ہے۔ سنہ کا وہ قائل نہیں ہوتا۔

وہ آپ کو بولنے کا موقعہ بہت کم دیگا
وہ قوم سے یہی توقع رکھتا ہے کہ وہ بولے کم اور
سنے زیادہ۔ بولنے کی خدمت وہ خود کرنا چاہتا
ہے۔ اگر کوئی غلط بات آپ سے کہے اور آپ
اُسے ٹوکیں اور کہیں کہ "مگر اخبار میں تو میں نے
یہ پڑھا ہے"، تو وہ ہنسکر کہے گا "ہاں یہ تو
خاص بات تھی جو میں نے آپ سے کہدی۔
دراصل یہ چیز راز میں رکھی گئی ہے۔ ایسی باتیں
اخباروں میں تھوڑی لائی جا سکتی ہیں۔" اگر آپ
اس سے کہیں کہ "دیکھئے فلاں کام یوں ہونا
چاہئے تھا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا جبکہ تمام لوگ
بہت برہم ہیں" تو وہ ذرا پہلو بدل کر رازدارانہ
انداز میں آپ سے کسی قدر قریب ہوکر کہے گا۔
"ہاں مجھے خود احساس ہے۔ لیکن میں آپ کو
کیا بتلاؤں کہ میں نے اس کے لئے کیا کچھ نہیں کیا"
اس کے بعد وہ جواہر لال یا ابوالکلام آزاد کی قسم
کے دو چار بڑے لیڈروں کا نام لے کر کہے گا کہ "میں
کئی گھنٹے تک ان لوگوں سے اس بات پر جھگڑتا
رہا ہوں۔ آخر انھیں میری بات ماننا پڑی"

باتوں باتوں میں کہیگا "جب سے سیاسی
کام شروع کیا ہے سارا کاروبار چوپٹ ہو گیا ہے
خرچ وہی ڈھائی تین سو روپیہ ماہوار کا ہے لیکن
آمدنی گھٹتے گھٹتے سو سے بھی کم رہ گئی۔ اب آپ
دیکھتے نہیں کہ اس گھر کی کیا حالت ہو گئی۔ اپنا
کسب معاش کا وقت ہی نہیں ملتا۔ لیکن اس پر بھی
آپ کی قوم کہتی ہے کہ روپیہ لیکر کھا گئے"۔ آخری
جملہ کہتے وقت وہ ذرا داد طلب انداز سے مسکرائیگا
آپ یقیناً یہ سنکر عقیدت کے ساتھ گردن ہلائینگے
اور کہیں گے "ادنیٰ لوگ تو کہا ہی کرتے ہیں
آپ اسکا خیال کیوں کرتے ہیں"۔

اس پر وہ بولے گا "جی ہاں یہ مصیبت
بھی مسلمانوں ہی میں ہے۔ ہندوؤں میں لاکھوں
روپیہ ادھر سے ادھر ہو جاتا ہے لیکن کوئی نہیں
پوچھتا۔ مگر ہمارے لئے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ بھی
نہیں۔ جلسوں میں تقریر کرنے کی دعوت البتہ روز
چلی آتی ہے۔ آج یہاں سے بلاوا آ رہا ہے تو کل
وہاں سے تو پھر ہم سے تو یہ بے غیرتی ہوتی نہیں
کہ منہ پھاڑ کر ان سے سفر خرچ مانگیں"۔

اگر اتفاق سے لیڈر کو کہیں باہر جانا ہوا تو وہ
آپ سے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہیگا۔ لیکن
جب آپ اسکے ساتھ ہو لیں گے تو وہ آپ
سے اسطرح بے نیازی کے ساتھ باتیں کرتا جائیگا
گویا آپ نے خواہ مخواہ اس کا پیچھا پکڑ رکھا ہے
اور وہ محض ازراہ رحم اپنے مرتبہ سے نیچے اتر کر
آپ سے گفتگو کر رہا ہے۔ اب اگر راستہ میں اُسے

آپ سے کوئی بڑا آدمی مثلاً میونسپل کمشنر، آنریری مجسٹریٹ، چیرمین یا کامیاب قسم کا کوئی وکیل یا تاجر مل گیا تو وہ زور سے آواز دیگا بڑے تپاک سے اٹھ کر ہاتھ ملائیگا اور اس کے بعد اس سے اس طرح مخاطب ہو جائے گا گویا بڑے اہم مسائل طے کر رہا ہے۔ اب وہ آپ کی طرف دیکھے گا بھی نہیں آپ کچھ دور اسکے پیچھے پیچھے گھسٹتے جائینگے جب زیادہ دیر ہو جائے گی تو آپ اس سے کہیں ،، اچھا تو اب میں جاتا ہوں،، آپ کا یہ جملہ سنکر وہ اس طرح چونکے گا گویا کسی بڑی گہری فکر کے عالم میں آپ نے اسے گڑبڑا دیا ہو! اسکے بعد وہ کہے گا ،، اچھا خدا حافظ،، اور پھر نئے ملاقاتی کے کندھے پر ہاتھ رکھکر مصروف سخن ہو جائیگا۔

ایک دفعہ ایک لیڈر کے ساتھ ایک کانفرنس میں جانے کا اتفاق قوم کے کچھ حقیر فرد کو بھی ہو گیا تھا۔ ان کے دولتکدہ پر پہونچا تو انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا پھر میں اور وہ دونوں چلے لیکن جوں جوں جلسہ گاہ قریب آتی جاتی تھی، میں اپنے لیڈر کی نظر میں ان کا ساتھی ہونے کے بجائے ان کا پرائیوٹ سکریٹری بنتا جاتا تھا۔ آخر وہ وقت آیا کہ پنڈال نظر آنے لگا۔ ایک موٹے سے لیڈر صاحب سوٹ کمانیوں کا موٹا سا دھندلا سا چشمہ آنکھوں پر چڑھائے ہوئے میرے لیڈر کو دور سے دکھائی دیئے۔ انہوں نے وہیں سے ہاتھ کا اشارہ کر کے بلند آواز سے انھیں پکارا۔ وہ آگے بڑھے۔ اب دونوں اس طرح ملے گویا امن عالم کا قیام صرف ان ہی دونوں کی ملاقات پر منحصر ہے۔ لیکن ان دونوں میں ... جو گفتگو ہوئی اس میں تسلسل نہیں تھا۔ دونوں گھبرائے ہوئے سے تھے میں نے ایسا محسوس کیا جیسے دو ولی یا قطب یا غوث یا ابدال ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اور رموز و نکات میں کچھ باتیں ہو رہی ہیں۔

لیڈر کی جو حالت کسی باقاعدہ جلسہ میں ہوتی ہے قریب قریب وہی بے قاعدہ محفل میں بھی ہوتی ہے سارا ہنر یہ ہے کہ اس بیچارے کو رکھ رکھاؤ کا خیال بہت رہتا ہے اور وہ بھی عرف، اسلئے کہ دوسرے لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے۔ آپ ہی سوچیے کہ اگر وہ بیچارہ خود ہی محفل و مجلس کے موقعوں پر آگے نہ بڑھے، خواہ مخواہ کسی کی بات پر نہ ہنسے، کسی پر کوئی فقرہ چست کرنے کی کوشش نہ کرے۔ (اگرچہ اسکی یہ کوشش ناکام ہوتی ہے) یا اس بڑے لیڈر سے قریب تر ہونے کی فکر میں نہ رہے جو محفل میں شمع محفل کی حیثیت رکھتا ہے تو عجب کیا ہے۔

لیڈر یہ سمجھتا ہے کہ ساری دنیا اسے جانتی ہے لیکن وہ کسی کو نہیں جانتا۔ اسلئے وہ قوم کے کسی آدمی سے تعارف کرنا ضروری نہیں سمجھتا جاری یعنی قوم کی معمولی مجلسوں اور محفلوں میں آداب محفل کا خیال رکھا جاتا ہے اور ان میں ایک دوسرے کا جو احترام کیا جاتا ہے لیڈر اپنے لئے اسے ضروری نہیں سمجھتا۔

وہ لیڈری کا مطلب یہی سمجھتا ہے کہ وہ ناصح شفیق بنکر قوم کو سمجھائے، اگر قوم اسکی بات مان لے تو پھر اس سے کہے کہ لگاؤ اللہ اکبر، زندہ باد، اور دے کے نعرے، نکالو اس کے جلوس، ڈالو اسکے گلے میں ہار، اور بناؤ اسکو ہر جلسہ کا صدر۔ لیکن اگر قوم اس کی بات ماننے سے انکار کرے یا بحث و تکرار کرنا چاہے تو پھر وہ قوم کی بدنصیبی پر صرف ماتم کرتا ہے۔

لیڈروں کے بہت سے درجے ہیں، میرا خیال ہے کہ دہلی کے قطب مینار کی جتنی سیڑھیاں ہیں اس سے زیادہ سیڑھیاں ہمارے لیڈروں کی ہیں، نچلی سیڑھی والا لیڈر ہمیشہ اگلی سیڑھی پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ لیڈری میں بڑائی چھوٹائی کا معیار مقرر کرنے میں قوم کو اتنا دخل نہیں ہوتا جتنا خود لیڈر کو ہوتا ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ نمبر ۲ کے لیڈر نے ایک رات بستر پر لیٹ کر عالم تنہائی میں یہ طے کیا کہ کل سے وہ نمبر ۱ کا لیڈر ہے تو اب اسکا کام یہ ہوگا کہ ہر جلسہ میں اس مقام پر اُچک کر بیٹھے جو نمبر ۱ کے لئے موزوں ہے۔ نمبر ۱ کے لیڈروں سے رکھ رکھاؤ کے ساتھ ذرا کھینچ کر گفتگو کرے۔ اور نمبر ۲ کے لیڈروں سے ربط ضبط بڑھائے۔

(ماخوذ از مدینہ)

رباعی

شکرانہ جو مفلس سے ادا ہوتا ہے
محرومیٔ قسمت کا گلہ ہوتا ہے
منہ تک نہیں بیچارے غریبوں کا کوئی
سچ یہ ہے امیروں کا خدا ہوتا ہے

شارق (دہلوی)

فریب

(اختر انصاری)

زندگی کا دریا تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

شاندار اور برق رفتار موٹریں اپنے آغوش میں گوری رنگت، عریاں بانہوں، بلوریں گردنوں، اور دراز زلفوں والی مخلوق کو لئے ہوا کے جھونکوں کی طرح گزر رہی تھیں، ملبوس صدی کی یاد دلانے والی بگھیاں تھیں جن میں نسبتاً پرانی طرز کے لوگ سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ تانگوں کی بے اندازہ کثرت تھی، اور ان یکوں کی بھی کمی نہ تھی جن میں مریل گھوڑے جتے ہوتے ہیں اور جن پر سوار ہونے والا اپنے آپ کو فضا میں جھولتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ کبھی کبھی بیل گاڑی بھی نظر آ جاتی تھی وہ بیل گاڑی جو ہندستان کی میراث ہے اور جو ڈھائی ہزار سال قبل کی زندگی کو آج بھی تازہ کئے ہوئے ہے۔ رکشائیں بھیڑ کو چیرتی ہوئی تیزی کے ساتھ نکل جاتی تھیں۔ ان مختلف سواریوں کے علاوہ اناج کے چھکڑے اور لکڑی لوہے کے وزنی سامان سے لدے ہوئے ٹھیلے تھے جن میں جانوروں کے بجائے انسان جتے ہوئے تھے۔ اور پھر پیدل چلنے والے لوگ تھے ـ مرد، عورتیں، اور بچے، حشرات الارض کی طرح لاتعداد۔ ان میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے گورے بھی اور کالے بھی۔ خوبصورت بھی اور بدصورت بھی۔ لحیم شحیم بھی اور دبلے پتلے بھی۔ بڑی بڑی توندوں والے ساہوکار بھی اور پچکے ہوئے گالوں والے زرد اور مفلس بھی۔ وہ بھی جو ڈاڑھی مونچھ منڈا کر مغربی لباس پہنتے ہیں اور وہ بھی جو خضاب آلود ڈاڑھی کے ساتھ کھنچی ہوئی چنٹ دار آستینوں والا انگرکھا زیب تن فرماتے ہیں۔ غرضکہ ہر وضع اور ہر قماش کا انسان یہاں موجود تھا۔ ہر شخص اپنی دھن میں مست، اپنے خیالات کی ایک الگ دنیا بسائے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ کسی کو کسی سے سروکار نہ تھا۔

میں بجلی کے کھمبے کا سہارا لئے کھڑا تھا اور اس منظر کو اس طرح دیکھ رہا تھا جس طرح ایک شخص ساحل پر کھڑے ہو کر بہتے ہوئے دریا کی تیز خرام موجوں کو دیکھتا ہے۔

لیکن زندگی کے اس بہتے ہوئے دریا کی تہ میں کنکر اور روڑے بھی تھے جو اس کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ بہت سے مزدور خالی ٹوکریاں سروں پر اوندھائے ہوئے مزدوری کی تلاش میں ادھر سے ادھر پھر رہے تھے جنہیں کہیں جانا نہ تھا۔ ان کے سامنے کوئی منزل مقصود نہ تھی۔ اس لئے وہ چل پھر کر بھی ایک محدود دائرے میں رہتے اور جب تھک جاتے یا بے مقصد آوارگی سے اکتا جاتے تو سڑک کے کنارے پٹری پر بیٹھ جاتے۔ ان کی آنکھوں میں امید کا جلوہ نہ تھا، ان کے چہروں پر زندگی کی رونق نہ تھی۔ کچھ بھکاری تھے جو راہگیروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور ان کی رفتار کی روانی میں مخل ہوتے۔ مگر راہگیر ان کو اس طرح نظر انداز کرتے ہوئے گزر جاتے جس طرح گلی کے پلوں کو دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ ایک کوڑھی سڑک کے کنارے بیٹھا تھا۔ اپنی کثیف چادر کا کچھ حصہ سامنے زمین پر بچھائے ہوئے اور باقی اپنے چہرے پر ڈالے ہوئے۔ اس کا چہرا ایک سڑا ہوا متعفن زخم تھا جس پر بے شمار مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ چند قدم آگے ایک بوڑھا فقیر میلی سی تنگ ٹوپی سر پر رکھے اپنے بازوؤں کی مدد سے زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ اس کی ایک ٹانگ مفلوج تھی، اور دوسری سرے سے غائب۔ سڑک کے اس پار ایک نوجوان بھکارن چیخ چیخ کر اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر لوگوں سے پیسے مانگ رہی تھی۔ تین ننگے دھڑنگے بچے اس کے ارد گرد جمع تھے اور چوتھا اس کی سوکھی ہوئی چھاتیوں سے چمٹا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک کتیا جس کا پیٹ نصف درجن پلوں سے بھاری اور ضخیم ہو رہا تھا ایک کوڑے کے ڈھیر کو پنجوں سے کرید کر سونگھ رہی تھی۔

سامنے چوراہے پر سنیما ہاؤس زمانے بھر کی رنگینیوں اور دلچسپیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بڑے بڑے سائز کی اشتہاری تصاویر جن سے آئندہ دکھائے جانے والے تماشوں کا اعلان مقصود تھا، عمارت کے بلند حصوں پر آویزاں تھیں۔ بیچوں بیچ میں جو تصویر تھی وہ سب سے بڑی تھی۔ اس میں ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت شانے سے شانہ اور گال سے گال ملائے بیٹھے تھے۔ اندر ریکارڈ بج رہے تھے۔ ہندستان کے بہترین گانے والوں کی موسیقی سے شام کی فضا گونج رہی تھی۔ بازار کے شور و شغب کا پس منظر کتنا دلفریب تھا!

سنیما ہاؤس کے ٹکٹ گھر پر تماشائیوں کا غیر معمولی ہجوم تھا۔ خلقت ٹوٹی پڑی تھی۔ ایک کو ایک ڈھکیل رہا تھا۔ ایک پر ایک سوار ہوا جاتا تھا۔ ہر شخص اپنی چونی مٹھی میں دبائے ہجوم کو چیر کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس قربان گاہ پر ہر پجاری کی یہ تمنا تھی کہ اس کا نذرانہ سب سے پہلے قبول ہو۔ انسانوں کے اس انبوہ کثیر میں بڑی تعداد [illegible] کے مزدور پیشہ لوگوں کی تھی۔

میں ٹکٹ گھر کا دلچسپ منظر دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آخر ان تماشوں میں ایسی کونسی لذت ہے جو ایک شخص کو اپنی دن بھر کی کمائی کا نصف حصہ اس بے دردی کے ساتھ لٹا دینے پر مجبور کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ محض گانا سننے کی غرض سے وہاں نہیں جاتے۔ کیونکہ گانا تو سڑک پر کھڑے ہو کر بھی سن سکتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ بھی نہیں کہ حسن نسوانی کا نظارہ کریں اور اس سے لطف اندوز ہوں، اس لئے کہ یہ مقصد بھی سڑکوں پر اور بازاروں میں نہایت آسانی کے ساتھ پورا کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر بے جان تصویروں کا حسن تو ایک بے معنی چیز ہے۔ اس سے حسن پرستی کے جذبات کیونکر تسکین پا سکتے ہیں؟ یقیناً یہ لوگ نسوانی حسن کی جستجو میں سنیما نہیں جاتے۔ اگر نسوانی حسن کی جستجو ان کا مطمح نظر ہوتا تو یہ طوائفوں اور کسبیوں کے کوٹھوں پر جاتے اور ادھر کا رخ بھی نہیں کرتے۔ تو آخر یہ لوگ سنیما کیوں جاتے ہیں؟ کیا مقصد ہے ان کا وہاں جانے سے؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد میری سمجھ میں آیا کہ سنیما جانے اور تماشہ دیکھنے کا وہی مقصد ہوتا ہے جو مثلاً ناول پڑھنے کا یا شعر و شاعری کے مطالعے کا۔ ایک شخص فلمی تماشہ اس لئے دیکھتا ہے کہ وہ زندگی سے واقفیت حاصل کرے، زندگی کے مختلف النوع مناظر کے ساتھ ایک قلبی تعلق قائم کرے اور اس طرح اپنے تجربے کو وسیع کرے۔ فلمی تماشہ اصل میں ہے کیا؟ زندگی ہے جو پردۂ سیمیں پر مرکوز کر دی گئی ہے۔ اس کا دیکھنے والا کوئی پست اور عامیانہ مقصد پورا نہیں کرتا بلکہ اپنے ان جذبات کے لئے آسودگی ڈھونڈتا ہے جو مہذب انسان کا طرۂ امتیاز ہیں

یہ لوگ ــــ یہ چھ آنے اور آٹھ آنے زندگی بسر کرنے والے انسان ــــ بے شک غریب ہیں اور ان کا سنیما کے لئے چار آنے خرچ کر دینا یقیناً ایک اسراف فعل ہے۔ تاہم یہ انسان ہیں، اور دوسرے انسانوں کی طرح جذبات رکھتے ہیں، وہ جذبات جن کی تسکین زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے لازمی ہے۔ میں نے دیر پہلے ان لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہا تھا، مگر اب میرا اندازِ نظر زیادہ روادارانہ تھا اور میں ایک خفیف سا شوق اپنے دل میں لئے سامنے کی اشتہاری تصویروں کو دیکھنے لگا۔

کسی نے پیچھے سے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"کہو دوست! کیا کر رہے ہو؟" یہ میرا نیا ساتھی رام سنگھ تھا جو پنجاب کے ایک سکھ گھرانے کا فرزند تھا۔ چند ماہ پیشتر دو سو روپئے گھر سے لے کر بھاگا۔ کچھ دنوں دہلی میں رہا۔ پھر لکھنؤ آیا، اور اب کانپور میں ہمارے ساتھ مزدوری کر رہا تھا۔

"میں نے کہا بڑی حسرت سے ان کی طرف دیکھ رہا ہوا" وہ سامنے کی سب سے بڑی اشتہاری تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ میں جواب میں مسکرا دیا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گیا۔

ٹکٹ گھر پر اب بھیڑ نہ تھی۔ رام سنگھ نے دو ٹکٹ خریدے اور ہم دونوں تماشہ گاہ میں داخل ہوئے۔ وہاں کی آرائش اور نفاست کا کیا کہنا! شیشے کی طرح چمکتا ہوا فرش، خوبصورت چھت، رنگین بام و در، قد آدم آئینے، حسین ایکٹرسوں کے فوٹو! ایسا معلوم ہوا میں کوئی دل آویز خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہاں کی سیر سے فارغ ہو کر ہم ایک دوسرے دروازے سے ہال میں داخل ہوئے۔ ہال نہایت وسیع تھا اور تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھے سگریٹوں اور بیڑیوں کا دھواں اڑا رہے تھے۔ پان چبا رہے تھے۔ یہاں کی فضا باہر کی فضا سے کتنی مختلف تھی! ہر طرف فرصت، فراغت اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔

یکا یک روشنیاں گل ہوئیں اور کھیل شروع ہوا۔

یہ ایک نوجوان ــــ سورج کمار سین ــــ کی داستانِ الم تھی۔ سورج ایک آتش نوا مغنی اور سحر نگار مصور تھا۔ وہ دنیا اور دنیا والوں سے متنفر تھا اور اپنا سارا وقت اپنے تصویر خانے میں گزارتا تھا۔ یہاں وہ تصویریں بنایا کرتا، اپنے خیالات کو رنگین نقوش کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر جلوہ گر کرتا، اور جب اس شغل سے طبیعت اکتاتی تو ستار اٹھا لیتا اور نغمہ سرائی سے دنیا ہی بھلا دیتا۔ وہ اپنی بیوی آشا سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا۔ وہ نوعمر تھی، تعلیم یافتہ تھی، اور غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔ مگر آشا کو فن سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اور اسی لئے سورج کی دلچسپیاں اس کی دلچسپیاں نہ تھیں۔ وہ اپنا بیشتر وقت گھر سے باہر ان نوجوانوں کے ساتھ گزارتی جو سورج کی طرح عزلت پسند نہ تھے، بلکہ دنیا اور زندگی کا لطف اٹھانا جانتے تھے۔ یہی سورج کی زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی تھی۔ اس سے اس کی موسیقی میں سوز تھا، اور اسی سے نقاشی کے نادر نمونے وجود میں آتے تھے۔

کہانی آگے بڑھ رہی تھی۔ مناظر یکے بعد دیگرے سرعت کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ سورج کا تصویر خانہ اکثر پیش نظر رہتا۔ کیا بات تھی اس کی آرائش کی! ایک مصور کے شاہکار، فن بت گری کے وہ حیرت انگیز کارنامے، مختلف آلاتِ موسیقی، وہ نرالی وضع کا حسین فرنیچر ــــ کیوں نہ ہو ایک حسن پرست آرٹسٹ کا کمرہ تھا۔ آشا کی خواب گاہ بھی کچھ کم آراستہ نہ تھی۔ اس کا حسن سورج کے تصویر خانے کی حسن سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ اور آشا کے ملبوسات! ارے توبہ! کون کہہ سکتا تھا کہ اس کی ساڑیاں دنیا کی بہترین صنعت کے بہترین نمونے نہیں ہیں۔ اور پھر وہ موٹریں جن میں بیٹھ کر آشا اپنے دوستوں سے ملنے جایا کرتی تھی! ارے رے رے! ایسی شاندار موٹریں تو میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھیں۔ آشا کے زندہ دل دوست بھی آشا اور اس کے شوہر سے حیثیت میں کم نہ تھے کیسی کیسی کوٹھیوں میں رہتے تھے وہ! ہمیں تو خواب میں بھی ایسی کوٹھیاں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔

میں ان مناظر کے مطالعے سے بقدرِ استعداد مستفید ہوتا رہا۔ لیکن ایک مسئلہ مجھے برابر پریشان کئے ہوئے تھا۔ میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ یہ لوگ ــــ سورج، آشا اور آشا کے مختلف دوست ــــ اسی دنیا کے باشندے ہیں یا کسی دوسری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا سارا وقت تو گیت گانے، تصویریں بنانے اور عشق و عاشقی کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ پھر یہ اپنا روزگار کس وقت کرتے ہیں؟ آخر ان کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ یہ بے اندازہ دولت جو ان کی بے اندازہ ضرورتوں کو پورا کرتی ہے آخر کہاں سے آتی ہے؟ کہانی میرے ان سوالوں کا جواب دینے سے قطعی قاصر تھی۔

اتنے میں ایک نیا منظر پردۂ سیمیں پر ظاہر ہوا۔ آشا اپنے شوہر کو چھوڑ کر ایک دوست کے گھر چلی گئی ہے۔ صبح کا وقت ہے۔ آشا بیدار ہوتی ہے۔ وہ اپنے نرم و گداز بستر میں لیٹی ہوئی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ایک ناشگفتہ کلی نازک اور شاداب پتیوں کی آغوش میں۔ وہ ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں ملتی ہے اور لیٹے لیٹے کمرے کے ساز و سامان پر ایک نظر ڈالتی ہے۔ اس کے ارد گرد کی فضا انتہائی تکلف آمیز اور عیاشانہ ہے۔ پھر وہ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھتی ہے اور اپنے سرہانے کی طرف ہاتھ بڑھا کر کوئی پیچ سا گھماتی ہے جس سے کھڑکی کے پردے سمٹ جاتے ہیں اور طلوع ہوتے سورج کی تازہ کرنیں کھڑکی کے شیشوں میں سے گزر کر اندر داخل ہوتی ہیں۔ اس کی مسہری کے پاس ایک ریڈیو رکھا ہے۔ زمین سے تقریباً ڈیڑھ گز بلند! وہ اس کی کوئی کل دباتی ہے۔ کمرہ لطیف اور شیریں موسیقی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس کا دوست مسکراتا ہوا کمرے میں آتا ہے اور اس کے پاس شانے سے شانہ اور گال سے گال ملا کر بیٹھ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں ریڈیو کی موسیقی بند ہو جاتی ہے اور دو محبت کرنے والوں کا گیت شروع ہوتا ہے۔

میں یہ سب کچھ دیکھ کر جھلا گیا۔ آخر کیا مذاق ہے یہ؟ کیا اسی کا نام زندگی ہے؟ کیا یہی وہ زندگی ہے جو پردۂ سیمیں پر مرکوز ہو گئی ہے اور جس کے مطالعے سے لوگ اپنے تجربے کو وسعت دیتے ہیں؟ نہیں یہ ہرگز زندگی نہیں ہے۔ یہ ایک صریحی فریب ہے، کھلا ہوا دھوکا ہے، مکارانہ جھوٹ ہے۔

اس وقت میرے جی میں آئی کہ جس جگہ بیٹھا ہوں اسی جگہ کھڑا ہو جاؤں، اور ان تماشائیوں سے پکار پکار کے کہوں، "تم بے وقوف ہو، نامعقول ہو تمہاری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ تم جسے زندگی سمجھ رہے ہو وہ زندگی کی پرچھائیں بھی نہیں ہے۔ وہ ایک فریب ہے جس میں تمہارا مبتلا ہونا تمہاری موت ہے۔ اگر تم زندگی دیکھنا چاہتے ہو تو باہر جاؤ ــــ اس تماشا گاہ کی اونچی اونچی دیواروں سے باہر ــــ وہاں تم زندگی دیکھو گے اور زندگی کا ڈرامہ بھی، نامعقول کہیں کے! بے وقوف! ــــ"

آخری لفظ میری زبان سے ذرا بلند آواز میں نکل گیا۔

"ٹھیک تو کہتا ہے اس میں بے وقوفی کی کیا بات ہے؟" رام سنگھ بولا۔ وہ پردے پر آشا اور اس کے دوست کی گفتگو نہایت غور سے سن رہا تھا

سچی کہانیاں

گنگپور کا قتل عام

"پہلے تو انھوں نے ہم سے کہا کہ اپنی تیر کمان گھر پر چھوڑ کر جلسہ میں آؤ اور اب گولی سے اڑا دینے کی دھمکی دیتے ہیں" —— ایک نے کہا
"دیکھیں تم ہم کو کیسے گولی سے اڑا دو گے" —— دوسرے نے سینہ تان کر کہا۔

اس کے بعد —— فوج کی طرف سے ایک فائر ہوا اور گنگپور کی پرجا میں کھلبلی مچ گئی۔ کسی نے پولٹیکل ایجنٹ کے ٹوپ پر ڈنڈا مار دیا۔ اور ۰۰۰ آدمیوں کے مجمع پر گولیوں کی بوچھار ہونے لگی —— ۳۲ جان سے مارے گئے اور ۵۰ زخمی ہوئے۔

—— یہ ہے گنگپور کے قتل عام کا ایک افسوسناک منظر جس میں ریاست اور حکومت بالا دست نے ملکر بزدلانہ بے رحمی سے گولیاں چلا کر بھوک کی آواز دبانے کی کوشش کی۔

ریاستی پرجا اور کانگرسی لیڈروں نے غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا لیکن بقول ترہوی مہری کرشن مہتاب گنگپور دربار نے تحقیقات کرائی —— کس کے ذریعہ یہ نہیں معلوم —— اور اس کو عدالتی تحقیقات کہدیا اور ناجائز آسودہ خاطری کے ساتھ ایک رپورٹ شائع کر دی۔"

گنگپور میں پراچین دور کے کسان رہتے ہیں جو ۵۰ برس ہوئے جب عیسائی ہوگئے تھے۔ ریاستی دربار نے فائرنگ کے متعلق جو اعلان شائع کیا ہے اس میں منجملہ اور باتوں کے بتایا گیا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے لگان بندی کی تحریک چل چکی تھی مزید برآں رانچی میں عیسائی مشن کے مرکز کو اس کی خبر کی۔ مشن نے ایک وفد بھیجا لیکن گرجا کونسل کے سکرٹری نے دیوان کو لکھا کہ وہ عیسائی منڈوں کو راہ راست پر لانے سے معذور ہیں تاوقتیکہ شورش اٹھانے والوں کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہ کی جائے۔

اوپر کی عبارت سے بدیسی مشن کے لوگوں کی اصل حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔ ہندستان کے نہ معلوم کتنے دیہات اس مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں اور اب ان کی طرف سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

پچھلے دنوں اڑیسہ کی ریاستوں میں سے تلچر کی تحریک ریاستی حکومت کی زیادتیوں کا بہت کچھ سامنے لا چکی ہے اب گنگپور کا حال بھی منظر عام پر آتا جا رہا ہے ۱۹۱۰ء کے بندوبست میں جو لگان مقرر ہوا تھا اب تک اس میں سو سے ڈیڑھ سو فیصدی تک اضافہ کیا جا چکا ہے۔ زمین کی حالت یوں بھی خراب تھی اور پانی کی قلت تھی آخر بھوکی پرجا حکام کے پاس اپنا دکھڑا رونے گئی۔ لیکن کوئی سنوائی نہ ہوئی انھوں نے دوسرا بار در تک سے اپیل کی مگر نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا۔ آخر تنگ آکر انھوں نے لگان بندی کی تحریک اٹھائی۔

"میں جاتا ہوں رام سنگھ!" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"کہاں؟" اس نے پردۂ تصویر سے اپنی نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔
"باہر"

وہ ہائیں ہائیں کرتا رہ گیا اور میں کودتا پھاندتا ہال سے باہر نکل گیا۔
دروازے پر سیڑھیوں کے پاس ایک نوجوان کسان تین چار برہنہ بچوں کو لئے کھڑا تھا اور دفعتاً آگے سامنے سڑک پر زندگی کا دریا تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

امریکہ لاکھ روپے اور بیشمار جگہوں سے میڈل
پائی ہوئی حیرت انگیز ہندستانی دوائیں
رام تیل (رجسٹرڈ)
ہر قسم کی درد، گنٹھیا، گھاؤ، جلنا، سوجن، ورم اور زہریلے جانوروں کے ڈنک کی جلن وغیرہ اور درد پسلی، نمونیہ، بچوں کی درد پسلی، نمونیہ، جسم کے کسی حصہ کا مارا جانا، چوٹ وغیرہ سے خون کا نکلنا، دانت، کان، سینہ، شکم، درد چوٹ وغیرہ پٹھوں کی کمزوری، پٹھے میں بل پڑ جانا، موچ، اپھارہ شکم، بواسیر بادی، داد، پھوڑا، پھنسی، سوزاک، ہیضہ اور دیگر صدہا امراض کے لئے نہایت مفید ہے۔
رام تیل انسان، حیوان اور جانور پر یکساں مفید ہے جسم کے ہر ایک حصہ میں لگایا و کھایا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل بے مزہ دوا ہے۔ مدت تک رکھنے سے خراب نہیں ہوتا۔
(دیکھو ترکیب استعمال)
قیمت ½ اونس ۸/، دو اونس عہ، ۴ اونس عار، ایک پونڈ سات روپیہ
رام تیل کی تعریف میں
ملک کینیڈا امریکہ کے کئی مشہور بیوپاریوں نے لاکھ روپیہ دے کر وہاں کی سول ایجنسی خریدی ہے۔
نیز اس کی تعریف میں مہاتما گاندھی جی کے ساہرمتی آشرم، سوراجیہ بھون الہ آباد، ہندو یونیورسٹی بنارس، ہسپتالوں، ضلع ریاستی و سودیشی نمائشوں، سیوا سمیتوں اور ہندستان اور امریکہ کے بے شمار معززین سے سینکڑوں سارٹیفکیٹ ملے ہیں۔
رام تیل کی ایک شیشی ہمیشہ اپنے پاس رکھیں تاکہ مصیبت میں فوراً فائدہ حاصل کریں۔
آرام انجن
ضعف بصارت اور آنکھوں کے دوسرے امراض میں نہایت ہی مفید ہے۔ ۹۰ فیصدی حالات میں دکھتی آنکھوں میں استعمال کرنے سے چند گھنٹے کے اندر مکمل فائدہ ہوتا ہے۔
قیمت ایک تولہ عہ تین ماشہ ۸/
رام تیل کی طرح آرام انجن بھی ہمیشہ اپنے گھر میں موجود رکھیں اور حسب ضرورت استعمال کریں۔
سنتان داتا
اس کے سیون کرنے سے بے اولاد عورتیں سنتان والی ہو جاتی ہیں مگر ماہواری ایام کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت فی شیشی تین روپیہ۔ نوٹ۔ یہ دوا مرد و عورت دونوں کو کھلائی جاتی ہے
آنند چورن
نہایت ہی مستعمل ہاضم دوا ہے معدے کی کمزوری میں عموماً پہلی خوراک ہی جادو کا اثر دکھلاتی ہے قبض کرنے کے بجائے قبض دور کرتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ عہ
مرض احتلام، رقت منی اور مستورات کے سیلان الرحم اور کمر کے درد کے لئے نہایت ہی اکسیر دوا ہے اکثر حالات میں فوراً فائدہ کرتا ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنہ
اکسیر ملیریا
عموماً ایک ہی خوراک سے باری کا بخار جاتا رہتا ہے۔ قیمت بچوں کی شیشی عہ بڑی ۸/
آنند پھل
اس کے سیون کرنے سے گربھ وتی عورت کے لڑکا ہی ہوگا۔ گر حمل دو یا تین ماہ سے زائد ہو ورنہ دوا کارگر نہ ہوگی۔
قیمت فی شیشی دس روپیہ
نوٹ۔ نمبر ۳-۴-۵-۶-۹ صرف جڑی بوٹیوں ہی سے تیار کی گئی ہیں
مرہم رام تیل
ہر قسم کے عیب دار زخم، گھاؤ، پھوڑا، پھنسی وغیرہ کیلئے نہایت ہی اکسیر ہے عام طور پر ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر زخم بھرنے لگتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ چھوٹا سائز ۶/ بڑا سائز عہ
ملنے کا پتہ
اپنے شہر کے ایجنٹ یا رام تیل فارمیسی بازار چرخہ والان دہلی سے طلب کریں
لکھنؤ کانپور الہ آباد بریلی شاہجہانپور
ہمارے ایجنٹ:

پولینڈ کی "کتا پلٹن"

پولینڈ کی فوج میں رسد اور سامان جنگ لیجانے کا کام اب بڑی کتوں سے لیا جاتا ہے—تصویر میں کتوں کا ایک دستہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان لے جا رہا ہے